سہ ماہی حسامی حیدرآباد کی خصوصی اشاعت

بانی: حضرت امیر ملّت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل ؒ

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کا دینی دعوتی علمی اورادبی ترجمان

بموقع عظمتِ صحابہؓ عالمی کانفرنس

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہ نمبر

مدیر

حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری

ناظم جامعہ

ناشر

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کا دینی دعوتی علمی اور ادبی ترجمان

بانی: حضرت امیر ملت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہ نمبر

سہ ماہی حسامی حیدرآباد

رجب تا رمضان ۱۴۳۲ھ جون تا اگست ۲۰۱۱ء

مدیر
حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری
ناظم جامعہ

مدیر مسؤل
حضرت مولانا محمد حسام الدین ثانی
مہتمم جامعہ

مرتب: مفتی سعید الصفر قاسمی

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، جامعہ نگر شیورام پلی، حیدرآباد، ۵۰۰۰۵۲
فون: 040-24016479 موبائل: 0901421404, 09849044900
Email : ansari.raheem900@gmail.com

تفصیلات

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۲ھ م ۲۰۱۱ء

نام مجلہ : سہ ماہی حسامی حیدرآباد (عظمت صحابہؓ نمبر)

بانی : حضرت مولانا محمد حمید الدین صاحب حسامی عاقلؒ

مدیر : حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری ناظم جامعہ

مدیر مسئول : حضرت مولانا محمد حسام الدین ثانی (جعفر پاشاہ) مہتمم جامعہ

مرتب : مفتی سعید الظفر قاسمی

مجلس ادارت : مولانا سید احمد ومیض حسامی ندوی ❁ مولانا مفتی عظیم الدین انصاری

مجلس مشاورت : مولانا محمد حبیب الرحمٰن ❁ مولانا محمد انصار قاسمی ❁ مولانا محمد نعمان الدین ندوی
مفتی محمد جمال الدین قاسمی ❁ مولانا عبدالرحمٰن قاسمی ❁ مولانا زین العابدین انصاری

کمپوزنگ : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری ❁ مولوی اسحاق حسامی حیدرآبادی
قبا گرافکس، فون: 9704172672 +91

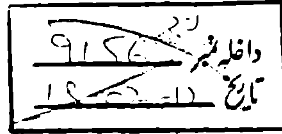
صفحات : ۱۱۰۳

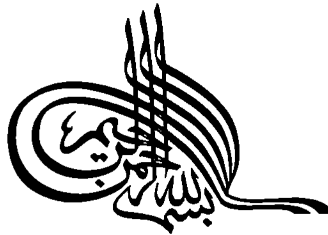
قیمت : ۴۰۰ روپے

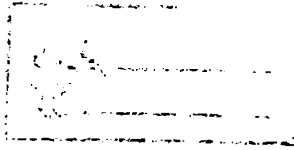
ناشر : شعبہ نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
جامعہ نگر شیورام پلی حیدرآباد 500052
فون نمبرات: 040-24016146,24016479

ملنے کا پتہ

شعبہ نشر واشاعت جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، جامعہ نگر شیورام پلی
حیدرآباد 500052، آندھرا پردیش، موبائل نمبر: 9014211404


داخلہ نمبر
تاریخ


بسم اللہ الرحمن الرحیم



مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح : ۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں ،تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تو ریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا؛ تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے''

قَالَ عَلِيٌّ ﷺ: لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا أَرىٰ أَحَداً يُشْبِهُهُمْ مِنْكُمْ، لَقَدْ كَانُوا يُصْبِحُوْنَ شُعْثاً غُبْراً، وَقَدْ بَاتُوا سُجَّداً وَقِيَاماً، يُرَاوِحُوْنَ بَيْنَ جِبَاهِهِمْ وَخُدُوْدِهِمْ، وَيَقِفُوْنَ عَلىٰ مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِكْرِ مَعَادِهِمْ، كَأَنَّ بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ رُكَبَ الْمِعْزىٰ مِنْ طُوْلِ سُجُوْدِهِمْ، إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ هَمَلَتْ أَعْيُنُهُمْ حَتّٰى تَبُلَّ جُيُوْبَهُمْ، وَمَادُوْا كَمَا يَمِيْدُ الشَّجَرُ يَوْمَ الرِّيْحِ الْعَاصِفِ، خَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ وَرَجَاءً لِلثَّوَابِ، مُرْهَ الْعُيُوْنِ مِنَ الْبُكَاءِ، خُمْصَ الْبُطُوْنِ مِنَ الصِّيَامِ، ذُبْلَ الشِّفَاهِ مِنَ الدُّعَاءِ، صُفْرَ الْأَلْوَانِ مِنَ السَّهَرِ، عَلىٰ وُجُوْهِهِمْ غَبَرَةُ الْخَاشِعِيْنَ، أُولٰئِكَ إِخْوَانِيَ الذَّاهِبُوْنَ، فَحَقٌّ لَنَا أَنْ نَظْمَأَ إِلَيْهِمْ، وَنَعَضَّ الْأَيْدِيَ عَلىٰ فِرَاقِهِمْ۔ (نهج البلاغة)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایسی شان دیکھی ہے کہ میں تم سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں پاتا، وہ صبح اس حال میں نظر آتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے، غبار آلود ہوتے، رات انہوں نے سجدے اور قیام میں گذاری ہوتی، کبھی اپنی پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی اپنے رخساروں پر، قیامت کی یاد سے ایسے بے چین نظر آتے تھے جیسے انگاروں پر کھڑے ہوں، ان کی پیشانی (کثرت وطولِ سجود سے) ایسی سخت وخشک معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ، اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں ایسی اشک بار ہو جاتیں کہ ان کے گریبان ودامان تر ہو جاتے، اور وہ اس طرح سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں لرزتے ہوئے نظر آتے، جیسے تیز آندھی کے وقت درخت، ان کی آنکھیں فرطِ گریہ سے سفید تھیں، ان کے پیٹ روزوں کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہوتے، ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہوتے، ان کے رنگ بے خوابی اور بیداری کی وجہ سے زرد ہوتے، ان کے چہروں پر اہل خشیت کی اداسی ہوتی، یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے چلے گئے، ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے ملنے کی پیاس پیدا ہو، اور ہم ان کی جدائی پر ہاتھ ملیں“۔

ضوفگن ہوگئیں ظلمات صحابہ کے طفیل
سر ہوئیں کتنی مہمات صحابہ کے طفیل
مل گیا درسِ مساوات صحابہ کے طفیل
جاں فزا ہوگئے حالات صحابہ کے طفیل

حضرت سرور میواتی لاہور پاکستان



(۱) شذرات

(۲) صحابہ ﷺ اور قرآن کریم

(۳) صحابہ ﷺ اور حدیث

(۴) صحابہ ﷺ اور فقہ

(۵) صحابہ ﷺ اور تعلیم وتربیت

(۶) صحابہ ﷺ کے فضائل وکمالات

(۷) صحابہ ﷺ اور دعوت دین

(۸) صحابہ ﷺ اور عشق رسول ﷺ

(۹) صحابہ ﷺ اور اہل بیت

(۱۰) صحابہ ﷺ اور سیاسی خدمات

(۱۱) صحابہ ﷺ اور شعر وسخن

(۱۲) صحابیات رضی اللہ عنہن

(۱۳) متفرقات

(۱۴) نقشہ جات

فہرست مضامین

صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعلیم وتربیت

صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل وکمالات

صحابہ رضی اللہ عنہم اور دعوت دین

صحابہ رضی اللہ عنہم اور عشق رسول ﷺ

صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت

صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیاسی خدمات

صحابہ رضی اللہ عنہم اور شعر وسخن

صحابیات رضی اللہ عنہن

متفرقات

نقشہ جات

یہ جتنے اصحاب مصطفیٰ تھے سب اہل ایمان کے مقتدیٰ تھے
یہی وہ سرچشمۂ ہدیٰ تھے کہ جن سے سب فیض پا رہے ہیں
ملا رضا کا پیام ان کو خدا نے بھیجا سلام ان کو
خود انبیاء کے امام ان کو امام اپنا بنا رہے ہیں

اقبال سہیل اعظمی

محمد رحیم الدین انصاری

شذرات

ہم سب سے پہلے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر وامتنان پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جس نے ہمیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل وکمالات، علمی وعملی زندگی، ملکی انتظام وانصرام اور خداداد سیاسی بصیرت کے حوالے سے ''عالمی کانفرنس'' کے انعقاد اور انہی نقوش وخطوط کی نشاندہی کے لیے ایک ضخیم دستاویزی مجلہ کی اشاعت کی توفیق بخشی۔ ''ایں سعادت بزور بازو نیست، تانہ بخشد خدائے بخشندہ'' خداوند قدوس نے تمام رکاوٹوں کو دور فرما کر منزل مقصود تک رسائی آسان فرمادی، جس رب ذوالجلال نے ہمیں یہ عظیم توفیق بخشی ہے، اسی سے امید ہے کہ وہ ہماری اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔

درود وسلام ہو اس دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل پر جو آفتاب ہدایت تھا اور جس کی ضیا پاش کرنوں نے حضرات صحابہؓ جیسی منور ہستیوں کو وجود بخشا ہے اور جس کی حیرت انگیز تربیت نے صحرائے عرب کے خاک نشینوں کو کندن بنادیا اور جہاں بانی کے اس بلند مقام پر پہنچایا کہ قیامت تک دنیا ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قارئین کرام! حضرات صحابہ کرام ﷺ کی مقدس جماعت کو خدا اور رسول اور شریعت مطہرہ نے جو مقام عطاء کیا ہے اس سے ملت اسلامیہ کا بچہ بچہ واقف ہے، صحابہ ﷺ دین کی آن ہیں، صحابہ ﷺ اسلام کی شان ہیں، صحابہ ﷺ آبروئے دین وایمان ہیں، صحابہ ﷺ مقربین خدائے رحمان ہیں، یہ وہ جماعت ہے، جسے دنیا ہی میں رضائے الٰہی کا پروانہ ملا اور جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی، وہ اخلاص وللٰہیت کے پیکر تھے، وہ ایسے عاشق رسول تھے کہ ان کی داستان عشق وفدائیت تا قیامت تر وتازہ رہے گی، انھوں نے رسول ﷺ پر فدائیت کے لیے ایسے نمونے چھوڑے کہ رہتی دنیا تک ان کی داستانیں مشام جان معطر کرتی رہیں گی، یہ وہ عظیم واسطے ہیں کہ ان کے بغیر دین وشریعت کا قصر عالی شان نامکمل ہے، امت کو دین وایمان کا سرمایہ انہی مقدس نفوس کے واسطے سے ملا۔ اگر دور اول میں ان کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آج نہ جانے امت مسلمہ زیغ وضلالت کی کن کھائیوں میں جاگرتی۔ حضرات صحابہ ﷺ کی اس رفعت شان کے سبب ہر دور کے علمائے حق نے صحابہ ﷺ سے عقیدت ومحبت کو جزو ایمان قرار دیا ہے صحابہ ﷺ سے عقیدت ہمارے ایمان کا جزء ہے، ان سے محبت دراصل حب نبوی کی دلیل ہے اور ان سے بغض

ونفرت نبی سے بغض وعداوت کے مترادف ہے۔

صحابہ کرام ؓ کی قدسی جماعت پر خوارج ،شیعہ، روافض اور ناصبی جیسے ضال ومضل فرقے نے سب وشتم کے۔ اور خدا ورسول ﷺ کی طرف سے عطا کئے گئے مقام کو ان فرقوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور بے بنیاد باتوں کو ان کی طرف منسوب کیا، ان کے فہم اور فعل وقول کو حجت نہیں مانا، ہمارے درمیان ایک جماعت ایسی بھی ہے جس نے صحابہ ؓ کے خلاف رطب ویابس کو جمع کر کے نام نہاد تحقیق کے بہانے تنقید کی تیریں برسانے کا مکروہ فعل انجام دیا ہے، جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم تک دین کے پہنچنے کے دو انسانی واسطے ہیں، ایک محمد ﷺ اور دوسرے حضرات صحابہؓ۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دین لیا اور صحابہ کرامؓ کے واسطے سے تمام انسانوں تک پہنچایا، اگر ابلاغ وروایت کی یہ کڑیاں مخدوش ومشکوک اور نا قابل اعتماد ہو جائیں اور ان کے نقل دین کو حق تسلیم نہ کیا جائے تو پھر سارے دین سے اعتماد ختم ہو جائیگا اور صحیح دین دوسروں تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی، یہی وجہ ہے کہ ان فرقوں کے نزدیک نہ حدیث قابل اعتماد ہے اور نہ قرآن پر ان کو اعتماد ہے، وہ اس نعمت الٰہی اور ذریعۂ نجات سے محروم ہیں، اس خطرناک نظریہ کی وجہ سے امت نے ان باطل فرقوں کی تردید کی اور ان کے خلاف کھل کر بیان دیا۔ صحابہ کرام ؓ کے فضائل وکمالات اور ان کی حقانیت کے تعلق سے محدث جلیل حضرت ابوذرعہ رازی فرماتے ہیں کہ:

''جب کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابیِ رسول کی تنقیص کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اسلئے کہ رسول حق ہے، قرآن حق ہے، اور جو قرآن کی تعلیم وشریعت لے کر آیا، وہ حق ہے، اور ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے شاہدوں کو مجروح کریں تا کہ اس طرح کتاب وسنت باطل ہو جائے، یہی لوگ زندیق ہیں''

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرامؓ کو جس نے مطعون کیا یا ان کو برا بھلا کہا وہ دین اسلام سے نکل گیا اور مسلمانوں کی جماعت سے کٹ گیا''

دارالعوم حیدرآباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ''عظمت صحابہ عالمی کانفرنس'' اس سلسلۃ الذہب کی کڑی ہے، جامعہ کے بانیان اور اس کے ارباب حل وعقد شروع ہی سے اس بات کے کوشاں رہے ہیں کہ امت مسلمہ کے قلوب کو صحابہ کی عقیدت وعظمت سے سرشار رکھا جائے اس وقت بے ساختہ امیر ملت اسلامیہ حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ کا نام نوک قلم پر آرہا ہے، مولانا عظمت صحابہ کے مسئلہ میں انتہائی حساس واقع ہوئے تھے، ہر سال عین عاشورہ کے موقع پر ڈنکے کی چوٹ پر روافض کے گڑھ ''دارالشفاء'' میں بیٹھ کر گستاخِ صحابہ کو للکارتے تھے، مولانا صحابہ کے تعلق سے ادنی مصالحت کو بھی روا نہیں سمجھتے تھے۔ مولانا کا ہر خطاب سامعین کو عظمت صحابہ سے سرشار کرتا تھا، آپ کے خطاب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ عوامی لب ولہجہ میں ہنستے ہنساتے شیعیت کی خانہ تلاشی فرمایا کرتے تھے، آپ براہ راست شیعیت کے ان نظریات کو نشانہ بناتے تھے جو اسلام کے لئے

زہر ہلاہل سے کم نہیں ہیں، شیعیت کی تردید میں آپ نے بہت کچھ کہا اور بہت کچھ لکھا، چنانچہ ایک مرتبہ مولانا نے حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل وکمالات اور خدا اور رسول ﷺ کی نظر میں ان کے مقام کو واضح کرنے کے لیے ''حسامی'' کا خصوصی نمبر بھی شائع کیا تھا۔ اس اشاعت کا مقصد حضرت امیر معاویہ ؓ کی عظمت ورفعت اور ذاتی کمالات کو نمایاں کرنا تھا۔ آپ نے اس اشاعت میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے مابین عقیدت ومحبت کو بھی اجاگر کیا۔

بانی جامعہ کا اخلاص ہے کہ جامعہ اور اس کے ذمہ داران حضرات صحابہؓ کے تعلق سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ''عظمت صحابہ عالمی کانفرنس'' کا انعقاد اسی پس منظر میں ہو رہا ہے۔ کانفرنس کے موضوع کی مناسبت سے سہ ماہی حسامی کی خصوصی اشاعت ''عظمت صحابہ نمبر'' کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے، یہ ایک تاریخی اور دستاویزی مجلہ ہے، جس کے ملک و بیرون ملک کے ممتاز علماء اور نامور اصحاب قلم کے مضامین حاصل کئے گئے اس سلسلہ میں ملک کی مرکزی جامعات کے اساتذہ شیوخ سے بھی مفید مشورہ کیے گئے ہیں اس دستاویزی مجلہ میں اولین حاملین قرآن وسنت یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگی کے سو سے زائد مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس اشاعت میں حضرت علیؓ اور حضرات شیخین کے درمیان محبت وعقیدت پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً پچاس سے زائد نقشہ جات میں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس مجلہ میں صرف سوانحاتی انداز کے روایتی مضامین پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ مخفی گوشوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے، اس مجلہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے مضامین تازہ اور غیر مطبوع ہیں۔ اس پوری کوشش کو تیرہ عناوین کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، واضح رہے کہ مضامین کی تقدیم وتاخیر میں اصحاب قلم کی رعایت نہ کر کے نفس مضمون کی اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

اس مجلہ کے عناوین کی ترتیب کے وقت اردو، عربی، جدید وقدیم ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا اور مجلہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ہمارا خیال ہے کہ ہندو پاک کے اردو رسائل ومجلات کی دنیا میں اس نوعیت کا پہلا کام ہے، اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، کوشش تو بھرپور کی گئی لیکن بشر کا کوئی کام نقص سے پاک نہیں ہوتا، ہم اپنے بزرگوں سے رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی امید رکھتے ہیں۔

اخیر میں ہم اپنے تمام اصحاب قلم کے مشکور ہیں جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود وقت نکال کر اس ''خصوصی شمارہ'' کے لیے اپنے گراں قدر علمی وتحقیقی مقالات عنایت کیے، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!




صحابہ رضی اللہ عنہم اور قرآن



پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی ☆

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام قرآن اور بائبل میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اس روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل، مقدس، اور محترم انسان تھے، اللہ نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے اور اپنے محبوب رسول کی صحبت کے لیے ان کو منتخب فرمالیا تھا، ان سے اشاعت اسلام کا مقدس کام لیا تھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی تھی حدیبیہ کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے ان صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

"انتم اليوم خير اهل الارض". (۱)

''آج تم اس روئے زمین پر سب سے بہتر انسان ہو''

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مقام آج بھی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا، کیونکہ لسان نبوت کے علاوہ خود قرآن نے ان کے تقوی وطہارت کی گواہی دی ہے، قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں رسول اللہ کے ان جانثاروں کی فضیلت وکرامت، قدر ومنزلت اور ان کی سیرت وکردار کی پاکیزگی بیان کی گئی ہے، ان کی لغزشوں سے درگزر کرنے اور ان کی توبہ قبول کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے تعلق باللہ اور محبت رسول کا حال بیان کیا گیا ہے، ان کی قربانی اور جان فشانی کی ستائش کی گئی ہے، اسلام کی خدمت اور راہ خدا میں ان کی مشقت کا حال بیان کیا گیا ہے، ان کی ایمانی حرارت اور اسلامی حمیت وغیرت کا اعتراف کیا گیا ہے، آنے والی نسل کے لیے ان کو ماڈل اور رہنما بنا کر پیش کیا گیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے، ان کو تقوی کی سند دی گئی ہے اور ان سے راضی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔

مثلاً ان کے سچے اور مومن ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح دی ہے۔

"والذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين آووا ونصروا اولئک هم المومنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم". (الانفال: ۷۴)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جد وجہد کی، اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور بہترین رزق ہے''

☆ فیکلٹی آف تھیالوجی، اے ایم یو، علی گڑھ

صحابہ کرام ﷺ کی قربانیوں کا اعتراف

راہ خدا میں ان کی محنت ومشقت اور قربانیوں کا اعتراف ان لفظوں میں کیا گیا ہے۔

"فالذین هاجروا واخرجوا من دیارهم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا او قتلوا لاکفرن عنهم سیاتهم ولادخلنهم جنت تجری من تحتها الانهار ثوابا من عند الله والله عنده حسن الثواب". (آل عمران:۱۹۵)

''جن لوگوں نے ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکال دئے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور قتال کیا اور مارے گئے، ہم ان کی خطاؤں سے درگزر کریں گے اور ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے نزدیک بہترین بدلہ ہے''۔

ایک مرتبہ آل رسول ﷺ حضرت امام محمد باقرؒ کا گذر ایک گروہ پر ہوا جو خلفاء ثلاثہ کی عیب جوئی کررہے تھے، آپ نے پوچھا مجھے بتاؤ کہ تم ان مہاجرین میں سے ہو جو خدا کے لیے گھر سے نکالے گئے اور خدا کے لیے ان کا مال لوٹا گیا اور جنہوں نے خدا اور رسول ﷺ کی مدد کی؟ انہوں نے کہا نہیں ہم ان میں سے نہیں ہیں، تب آپ نے پوچھا پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جنہوں نے دار ہجرت میں اور دار ایمان میں گھر بنایا تھا اور مہاجرین کو آرام دیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، تب آپ نے کہا تم خود بے زار ہوئے اور نہیں چاہتے کہ دونوں فریق میں سے ہو، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان مہاجرین ﷺ اور انصار ﷺ کے بعد آویں گے وہ ایسے مومن ہونگے کہ یہ دعا کریں گے کہ الٰہی ہماری اور ہمارے اگلے بھائیوں کی جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں مغفرت کر اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رکھ بے شک تو نرمی کرنے والا مہربان ہے''۔(۲)

خیرامت کا مصداق

صحابہ کرام ﷺ کے خیرامت ہونے کا اعلان اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروفِ وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله ولو امن اهل الکتاب لکان خیرا لهم منهم المؤمنون واکثرهم الفاسقون.(آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین گروہ ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم لوگ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو ان کے لیے

بہتر ہوتا ان میں سے کچھ لوگ مومن ہیں مگر ان میں سے اکثر فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ﷺ کے ایمان اور عمل صالح سے راضی ہونے کا اعلان اس طرح کیا ہے:

''لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا''. (الفتح: ۱۸)

''بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اللہ کو معلوم تھا، چنانچہ اللہ نے ان پر سکینت نازل کی اور قریبی فتح سے ان کو نوازا''۔

ایک دوسری آیت میں صحابہ کرام ﷺ سے خوش ہونے کا اور ان کو نوازنے کا اعلان اس طرح کیا گیا ہے:

''والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنت تجری تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ابداً ذلک الفوز العظیم''. (التوبہ: ۱۰۰)

''مہاجرین ﷺ اور انصار ﷺ میں سے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، نیز وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کا اتباع کیا اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

صحابہ کرام ﷺ کی اتباع کا حکم

صحابہ کرام ﷺ کے ایمان کو دوسروں کے لیے ماڈل اور نمونہ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہے:

''فان اٰمنوا بمثل مااٰمنتم بہ فقداھتدوا''. (البقرہ: ۱۳۷)

''پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لوگ ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یاب ہیں''

صحابہ کرام ﷺ کی اسی ربانی تربیت اور روحانی خصوصیت کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کے اتباع کو امت مسلمہ کے لیے رحمت اور باعث خیر و برکت فرمایا۔

''وہ لوگ جن کی پیروی کرنی چاہیے وہ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں وہ لوگ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، ان کے دلوں میں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری تھی، وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے، اور تکلف سے دور رہتے تھے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا''

مسلمانو! تم ان کا مقام پہچانو، ان کی اتباع کرو اور ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ وہ لوگ صراط مستقیم اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ ہدایت پر تھے''۔ (۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ قرآن پاک کے عالم و عاشق ہیں، قرآن پاک کے شان نزول اور احکام و انطباق کے ماہر ہیں، صحابہ کرام ؓ کے بارے میں ان کا مذکورہ قول قرآن پاک کی، حکیمانہ تشریح اور توضیح ہے۔

اسی لیے امام قرطبی نے لکھا ہے کہ

''تمام صحابہ ؓ عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں، اور اس کی مخلوق میں انبیاء اور رسل کے بعد سب سے بہتر ہیں، یہ اہل سنت اور تمام ائمہ کا مذہب ہے'' (۴)

صحابہ کرام ؓ کی فضیلت، ان صحابہ کرام ؓ کی اپنی دنیوی عزت اور اخروی منزلت کا جامع تعارف سورہ فتح میں کرایا گیا ہے، اور مسک ختام کی مانند اسی پر سورۃ کا اختتام کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"محمد رسول اللّٰه والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود ذالك مثلهم في التوراة ومثلهم في الانجيل كزرع اخرج شطئه فازره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما". (فتح)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں، جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں، یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے''۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام ؓ کی مثالی سیرت، روشن کردار اور پاکیزہ صفات کا کہیں جلی اور کہیں خفی انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے، مگر مذکورہ آخر کی آیت تو ان قدسیوں کی شان میں صبح روشن کی طرح ناطق و شاہد ہے، بقول علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

''یہ آیت تمام جماعت صحابہ ؓ کی بہیئت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے'' (۵)

پھر اس آیت میں حضرات صحابہ کرام ﷺ کی حسب ذیل دس صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱) کافروں پر سخت ہیں۔
۲) باہم مومنوں پر مہربان ہیں۔
۳) رکوع اور سجود کے پابند ہیں۔
۴) اللہ سے اس کے فضل اور رضا کے طلب گار ہیں۔
۵) ان کی روحانی علامات ان کے نورانی چہروں سے ظاہر ہیں۔
۶) ان کی مثال توراۃ وانجیل میں بھی موجود ہے۔
۷) وہ ایک پودہ کی طرح ہیں جو فطری مراحل طے کرتا ہے۔
۸) اللہ اور اس کے رسول ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔
۹) کفار ان کو دیکھ کر جلتے بھنتے ہیں۔
۱۰) اللہ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دس صفات بیان کر کے صحابہ کرام ﷺ کی داخلی اور خارجی حالت دوست ودشمن سے تعلق، دینی جدو جہد، روحانی قدر ومنزلت اور اخروی نجات کے سارے گوشے بیان کر دئے ہیں اور اس صفحہ ہستی پر ان کی موجودگی کو قابل افتخار و انبساط قرار دیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام ﷺ کا رویہ ان کافروں کے سلسلہ میں سخت ہے جن کے دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملہ میں سخت ہیں، خواہ ان کے آباء واجداد اور قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں، مگر ان حضرات کے لیے نرم ہیں جن کا دل اللہ اور اس کے رسول کے لیے نرم ہے جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے:

''تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثُم تلين جلودهم وقلوبهم الٰى ذكر اللّٰه''. (الزمر: ۲۳)

''اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں''۔

وہ اس شعر کا مصداق ہیں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ☆ رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

ان کے شب وروز رکوع وسجود یعنی عبادت میں گذرتے ہیں اور یہ عبادت وہ دنیا کی دولت اور جاہ ومنصب کے لیے نہیں کرتے بلکہ صرف پروردگار کی خشنودی کے لیے کرتے ہیں اور اسی کی رضا کے طلب گار ہیں۔

حضرات صحابہ کرام ﷺ کی یہ منقبت ابدی ہے قرآن سے پہلے توریت وانجیل میں بھی ان کی پاکیزہ مثال بیان کی جاچکی

ہے، یعنی گذشتہ آسمانی کتابوں میں محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت کے ساتھ ان کے اصحاب کی بھی بشارت موجود ہے۔

سید قطب شہید نے اپنے ادبی انداز میں اس آیت کی تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں ''یہ عجیب صورت ہے جس کی قرآن نے اپنے نادر اسلوب میں تصویر کشی کی ہے، ایک ایسی تصویر جو صحابہ کرامؓ کی پسندیدہ جماعت کے ظاہر اور پوشیدہ حالات سے پردہ اٹھانے کے لیے، چند مناظر سے ترتیب دی گئی ہے، کفار کے ساتھ اور خود اپنوں کے ساتھ ان کے احوال بیان کرنے کے لیے ''اشداء علی الکفار رحماء بینهم'' کہا گیا ہے۔

عبادت میں ان کی کیفیت کی تصویر کشی کے لیے تراهم رکعا سجدا فرمایا گیا ہے، ان کے قلوب اور ان کے مشاغل کی عکاسی کے لیے یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا کہا گیا ہے، ان کی شخصیت پر عبادت اور توجہ الی اللہ کا اثر ظاہر کرنے کے لیے سیما هم فی وجوههم من اثر السجود ذالک مثلهم فی التوراة کہا گیا ہے، اور تصویر کے وہ مظاہر پیش کئے گئے ہیں جو انجیل کے مطابق ہیں، کزرع اخرج شطاه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه فرمایا گیا ہے۔(٦)

بعض گمراہ فرقوں نے وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظیما'' سے یہ باطل عقیدہ نکالا ہے کہ صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ مومن نہ تھے مرتد تھے، سوائے چند اصحاب کے، اور انہی کی طرف منهم کا اشارہ ہے۔(۷)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کا محاسبہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> ''ایک گروہ اس آیت میں منهم کی من کو تبعیض کے معنی میں لیتا ہے اور آیت کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ ''ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے'' اس طرح یہ لوگ صحابہؓ پر طعن کا راستہ نکالتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے صحابہؓ میں بہت سے لوگ مومن وصالح نہ تھے لیکن یہ تفسیر اسی سورت کی آیات ۴، ۵، ۱۸، اور ۲۶ کے خلاف پڑتی ہے، اور خود اس آیت کے ابتدائی فقروں سے مطابقت نہیں رکھتی، آیات ۴، ۵، میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہؓ کے دلوں میں سکینت نازل کئے جانے اور ان کے ایمان میں اضافہ نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے، جو حدیبیہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے ، اور بلا استثناء ان سب کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے، آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے حق میں اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔
>
> جنہوں نے درخت کے نیچے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی اور اس میں بھی کوئی استثناء نہیں ہے، آیت ۲۶ رمیں بھی حضور ﷺ کے تمام ساتھیوں کے لیے مؤمنین کا لفظ استعمال کیا ہے، ان کے اوپر اپنی سکینت نازل کرنے کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ کلمۃ التقوی کی پابندی کے زیادہ حق دار اور اہل ہیں۔

یہاں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ان میں سے جو مومن ہے صرف انہیں کے حق میں یہ خبر دی جارہی ہے، پھر اس آیت کے ابتدائی فقروں میں جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ ان سب لوگوں کے لیے ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، الفاظ یہ ہیں۔

جو لوگ بھی آپ کے ساتھ ہیں وہ ایسے اور ایسے ہیں، اس کے بعد یکا یک آخری فقرہ پر پہنچ کر یہ ارشاد فرمانے کا آخر کیا موقعہ ہوسکتا تھا، کہ ان میں سے کچھ لوگ مومن وصالح تھے اور کچھ نہ تھے، اس لیے یہاں مِن کو تبعیض کے معنی میں لینا نظم کلام کے خلاف ہے، درحقیقت یہاں من بیان کے لیے ہے، اس آیت ''فاجتنبوا الرجس من الاوثان'' میں ''مِن'' تبعیض کے لیے نہیں بلکہ لازماً بیان ہی کے لیے ہے ورنہ آیت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ بتوں میں سے جو ناپاک ہیں ان سے پرہیز کرو اور اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ بت پاک بھی قرار پائیں گے جس کی پرستش سے پرہیز لازم نہ ہوگا'' (۸)

حضرت امام مالک نے مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے ان لوگوں کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو صحابہ کرام ؓ سے بغض رکھتے ہیں، اور بہت سے علماء امت نے اس کی توثیق کی ہے۔ (۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو محمد ﷺ کے صحابہ ؓ کے لیے استغفار کا حکم دیا ہے، مگر (بے دین) لوگوں نے ان کو گالی دینے کا شیوہ اختیار کرلیا ہے۔ (۱۰)

قرآن پاک نے صحابہ کرام ؓ کی فضیلت کو حسین تمثیلی پیرایہ میں بیان کرنے کے ساتھ بائبل میں ان کے متعلق فضیلت کے موجود ہونے کے متعلق اشارہ کیا ہے، اس وقت جو بائبل ہمارے درمیان موجود ہے اس میں رسول پاک ﷺ کے متعلق جو پیشین گوئیاں تھیں وہ خال خال ہی ملتی ہیں، چہ جائیکہ صحابہ کرام ؓ سے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہوں، اس کی بڑی وجہ اہل کتاب کا وہ تعصب وعناد ہے جو پیغمبر آخر الزماں ﷺ اور ان کی شریعت کو برحق ماننے سے متعلق ہے، اسی لیے وہ ایسی تمام علامتوں کو تحریف وترمیم کا شکار بناتے ہیں یا ان کا مصداق کسی اور کو قرار دیتے ہیں، تاہم اس میں آج جو کچھ اشارات موجود ہیں ان میں عہد نامہ قدیم یعنی توریت کی پیشین گوئی ملتی ہے:

''خداوند سینا سے آیا اس پر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی'' (۱۱)

اس پیشین گوئی میں دس ہزار قدوسیوں سے مراد صحابہ کرام ؓ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر آئے تھے، اور فاران کی چوٹیوں سے مراد مکہ مکرمہ کے پہاڑ ہیں۔

نواب محسن الملک مولانا سید محمود مہدی علی خان رقم طراز ہیں:

''در توریت کی کتاب استثناء کے تیرہویں باب کے چھٹے درس میں لکھا ہے کہ اگر تیرا باپ بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست کوئی تجھے پھسلا دے اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کرو تو اس کے موافق نہ ہونا اور اس کی بات نہ سننا اور اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا اور اس کی رعایت نہ کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اسے ضرور قتل کر ڈالنا، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے، پس غور کرنا چاہئے کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا صحابہ کرام ﷺ نے اسے کر دکھایا اور جیسی کچھ شدت اور سختی کافروں پر چاہئے اس کا ظہور صرف پیغمبر صاحب کے یاروں کے ہاتھ سے ہوا، اسی واسطے خدا نے ان کی شان میں اشداء علی الکفار فرمایا'' (۱۲)

عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعظ کا وہ حصہ بھی موجود ہے جس میں اس تمثیل کی جھلک دکھائی دیتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور بیج اس طرح اگے اور بڑھے کے وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پتی پھر بالیں پھر بالوں میں پتا دانے، پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہونچا۔

وہ رائی کے دانے کے مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سایہ میں بسیرا کرتے ہیں۔ (۱۳)

اصحاب محمد ﷺ کے سلسلہ میں ان کے علاوہ بھی پیشین گوئیاں رہی ہونگی جو متعصب اہل کتاب کے ہاتھوں ترمیم کا شکار ہوئی ہونگی، البتہ ان بشارتوں اور علامتوں کی باقیات اہل کتاب کے حوالے سے مسلمانوں کی تاریخ وسیرت میں موجود ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ نے تاریخ دمشق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''حضرت ابوبکر ﷺ شام میں تجارت کرتے تھے، وہاں انہوں نے ایک خواب دیکھا، اور اس خواب کو بحیرا راہب سے بیان کیا، بحیرا نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو، حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا میں مکہ کا رہنے والا ہوں، اس نے پوچھا کہ مکہ کے کس خاندان سے ہو، انہوں نے جواب دیا قریش سے، اس نے پوچھا تم کونسا پیشہ کرتے ہو، حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا میں تاجر ہوں، بحیرا نے کہا اللہ نے تمہیں سچا خواب دکھایا ہے، ایک نبی تمہاری قوم سے مبعوث ہونگے ان کی زندگی میں تم ان کے وزیر ہوں گے، ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ بنو گے، ابوبکر ﷺ نے اس بات کو سب سے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ نبی ﷺ مبعوث ہوئے تو ابوبکر ﷺ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور پوچھا کے آپ کے دعوی کی دلیل کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا وہی خواب جو تم نے شام میں دیکھا تھا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر ﷺ نے آپ

سے معانقہ کیا، آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔(۱۴)

حضرت ابو بکر ﷺ کا مذکورہ واقعہ دوسرے طریقوں سے بھی کتب سیرت وتفسیر میں بیان ہوا ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے ابوداؤد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے اپنے موذن اقرع کو بھیج کر عیسائی پوپ کو بلوایا، حضرت عمر ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم اپنی کتاب میں میرا ذکر پاتے ہو، انہوں نے کہا ہاں، حضرت عمر ﷺ نے پوچھا کس قسم کا تذکرہ ہے، انہوں نے کہا سینگ کی طرح، حضرت عمر ﷺ نے درہ اٹھایا اور فرمایا سینگ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا لوہے کی سینگ جس کا مطلب ہے طاقتور حکمراں حضرت عمر ﷺ نے پوچھا میرے بعد والے خلیفہ کو کیسا پاتے ہو، انہوں نے کہا خلیفہ صالح مگر اپنے قرابت داروں کو ترجیح دیں گے، حضرت عمر ﷺ نے پوچھا ان کے بعد کے خلیفہ کو کیسا پاتے ہو، انہوں نے کہا لوہے کی طرح سخت، وہ صالح خلیفہ ہونگے، مگر جب وہ خلیفہ بنائیں گے تو تلوار کھنچی ہوئی ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا۔(۱۵)

ان علامتوں اور بشارتوں کے علاوہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شام کے عیسائیوں نے جب صحابہ کرام ﷺ کو دیکھا تو ان کو ان علامتوں کے حوالہ سے پہچانا جو ان کے یہاں روایات کا حصہ بن چکی تھیں، چنانچہ جس وقت شام (سیریا) پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور اسے فتح کیا تو بہت سے عیسائیوں نے صحابہ کرام ﷺ کی جماعت کو دیکھ کر کہا ''واللہ لهولاء خير من الحواريين فيما بلغنا'' اللہ کی قسم یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین سے بہتر ہیں جہاں تک ہماری معلومات ہیں۔(۱۶)

عام طور پر عیسائی حضرات محمد ﷺ کو نبی کاذب اور اسلام کو خود ساختہ دین قرار دیتے ہیں، مگر ان کا انصاف پسند طبقہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ محمد ﷺ کے صحابہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے افضل تھے، چنانچہ عیسائی مصنف گارڈ فری ہینکس نے لکھا ہے:

> ''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہوگا کہ محمد ﷺ کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے صحابہ ﷺ میں پیدا کر دیا تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروں میں تلاش کرنا بے سود ہے، جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے ان کا دینی نشہ جاتا رہا، اور اپنے مقتدی کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دئے، اس کے برعکس محمد ﷺ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر سارے دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا''(۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کا جو مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ہے اور جس پر امت مسلمہ جان و دل نچھاور کرتی ہے، وہ ہر طرح سے پاکیزہ، روشن اور لائق تقلید ہے، جو لوگ ان سے بغض رکھتے ہیں اور ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں وہ صرف ان کی توہین نہیں کرتے بلکہ آیات اللہ کو جھٹلاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت پر سوالیہ نشان لگا دیتے ہیں!

حوالہ جات

(۱) محمد اسماعیل بخاریؒ، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ۔

(۲) سید محمد مہدی علی خانؒ، آیات بینات، ص۲۸، ۲۹، لاہور ۱۹۶۴ء۔

(۳) عبداللہ الخطیب البغدادیؒ، مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔

(۴) محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج:۸، ص:۲۹۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

(۵) شبیر احمد عثمانیؒ، ترجمہ قرآن از شیخ الہند محمود حسن، سورہ فتح:۲۹۔

(۶) سید قطب شہیدؒ، فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۳۳۱، دارالشروق، بیروت، ۱۹۸۲ء

(۷) سید محمد آلوسیؒ، روح المعانی، جزء:۲۶، ص:۱۲۸، مکتبہ مصطفائی دیوبند۔

(۸) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، ج:۵، ص:۶۵، دھلی ۱۹۹۸ء

(۹) روح المعانی جزء:۲۶ ص:۱۲۸۔

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۲۔

(۱۲) آیات بینات، ص:۱۹۔

(۱۳) عہد نامہ جدید، انجیل مرقس، باب ۴، آیات ۲۶ تا ۳۳ نیز دیکھئے انجیل متی، باب ۱۳ آیات ۳ تا ۹

(۱۴) شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، جلد اول ص:۸۱، ۸۲، اردو ترجمہ عبدالشکور فاروقی، حافظی بک ڈپو، دیوبند۔

(۱۵) اسماعیل ابن کثیر، تفہیم القرآن العظیم، ج:۲، ص:۲۸۲، سورہ الاعراف آیت ۲۵۷، دارالخیر بیروت، ۱۹۹۰ء

(۱۶) ایضاً، ج:۴، ص:۲۱۔

(۱۷) گاڈفری ہیگنس، اپالوجی فار محمد، اردو ترجمہ، ص:۷۶، ۷۷، مطبوعہ بریلی۔

مولانا عبدالناصر صاحب ☆

قرآن وحدیث واجماع کی روشنی میں

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اللہ رب العزت والجلال نے تمام بنی نوع انسان کی رشد وہدایت، دنیوی واخروی سعادت اور صلاح وفلاح کے لئے ایک جامع دستور حیات اور مکمل نظام زندگی امام الانبیاء خاتم الرسل محمد عربی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور اس کی صیانت وحفاظت، ترویج واشاعت کی ذمہ داری پوری اُمت کے کاندھوں پر ڈالی اور اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کا مکلف سب سے پہلے اس برگزیدہ ومقدس جماعت کو بنایا جو تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت، زہد وقناعت، توکل وانابت، جود وسخا، ایثار وقربانی، امانت داری ووفاشعاری، ہمدردی وخیرخواہی، عفت وپاکدامنی، دیانتداری وجانبازی جیسے جملہ اوصاف حسنہ وعالیہ سے آراستہ ومزین تھے۔

صحابہ کا منجانب اللہ انتخاب

یہ صحابہ کی جماعت اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آئی بلکہ حضرت حق جل وعلا نے اس کو اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت منتخب فرمایا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان الله نظر في قلوب العباد فنظر قلب محمد ﷺ فبعثه برسالته ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فاختارهم لصحبة نبيه ونصرة دينه. (۱)

اللہ جل شانہ نے (رسالت ونبوت کے لئے) بندوں کے قلوب پر نظر انتخاب ڈالی تو ان میں سب سے بہتر قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا چنانچہ آپ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، پھر دوبارہ بندوں کے قلوب پر نظر انتخاب ڈالی اور قلب محمدی کے بعد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو سب سے بہتر

☆ نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

وافضل پایا تو ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور دین کی نصرت وحمایت کے لئے منتخب فرمایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اقامتِ دین، نصرتِ اہلِ ایمان، حفاظتِ شعائرِ اسلام، احقاقِ حق، ابطالِ باطل، اور مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں کی نگرانی، حدودِ شرعیہ کی پاسبانی کے لئے جس گروہ کا انتخاب کیا ہو، کیا اس کو معیارِ حق وصداقت تسلیم کرنے میں تامل کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ جس جماعت کی تعریف وتوثیق میں وحی ربانی رطب اللسان ہو کیا اس کی عظمتوں، رفعتوں کا اقرار نہ کیا جائے؟ امت کے جس طبقہ کی عدالت وثقاہت رب العرش المجید نے خود بیان کی ہو کیسے اس کی عدالت پر انگشت نمائی ولب کشائی کی جاسکتی ہے؟ لیکن وہ کور باطن، کورچشم جس نے تعصب وعناد کا چشمہ لگا کر اُن کی زندگیوں کا مطالعہ کیا ہوگا، یقیناً اُن کی نیکیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریگا، اور واقدی وکلبی جیسے متعصب مؤرخین ومصنفین کی بے بنیاد عبارتوں کا سہارا لیکر ان کی خامیوں اور کمزوریوں کو اچھالے گا، اور جس میں رفض وتشیع کے جراثیم پائے جائیں گے اس کو ان کی حسنات، سیئات دکھائی دیں گی، اور ان کی گلشن حیات کے چمکتے، دمکتے، مہکتے گلاب ''خارِ مغیلاں'' محسوس ہونگے اور مشک وزعفران کے عطر بیز تودے بھی غلاظت وگندگی کے ڈھیر نظر آئیں گے۔

قرآن اور عدالت صحابہ ﷺ

قرآن میں بے شمار مقامات پر ان کے معیارِ حق ہونے کو جس بلیغانہ اسلوب میں ذکر کیا گیا ہے بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند آیات زیبِ قرطاس کی جاتی ہیں :

(۱) فَاِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمنتم به فقد اهتدوا. (۲)

سوا گروہ بھی اس طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں حضرات صحابہ کو مخاطب بنا کر کہا جارہا ہے کہ اہل کتاب کے ایمان کو تمہارے ایمان کی کسوٹی پر پرکھا جائیگا اگر اس کسوٹی پر پورا اتر آیا تو ان کا ایمان معتبر ہوگا ورنہ ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں ہوگی۔

آیت مذکورہ کا شان ورود اگر چہ خاص ہے لیکن ضابطہ اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَالِخُصُوْصِ الْمَوْرِدِ کے تحت کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والی پوری نسل انسانی کیلئے صحابہ کا ایمان معیارِ حق وباطل ہے۔ ان کے عقائد واعمال، افکار وخیالات، قیاسات واجتہادات، غلط صحیح کے مابین امتیاز کرنیکا مقیاس وپیمانہ اور ذریعہ ہدایت ہیں، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح گھٹاٹوپ تاریکیوں میں بھٹکتی کشتی کیلئے آسمان دنیا کے تابندہ ودرخشاں ستارے مشعل راہ کا کام کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح بحرِ ضلالت وگمراہی میں گم گشتۂ راہ انسانیت کو ساحل نجات تک پہنچانے کیلئے صحابۂ کرام مینارہ نور ہیں۔

ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

أَصْحَابِيْ كَالنُّجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم.

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کرلو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔

(۲) هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين. (۳)

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہیں کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا تین مقاصد کو لیکر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخواندہ لوگوں میں مبعوث فرمایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقاصد نبوت و رسالت کو بروئے کار لانے کیلئے ۲۳ سال برابر جد و جہد کی اور اس راہ میں آپ نے اپنے جان، مال، وطن اور آبرو تک کو قربان کردیا تب وہ جماعت تیار ہوئی جو ان مقاصد عالیہ کی آئینہ دار تھی، جہاں وہ تلاوت وریاضت کی دلدادہ، تزکیۂ نفس سے آراستہ، مکارم اخلاق سے مزین تھی وہیں ان کے قلوب احسان وسلوک کے گوہر ہائے آبدار سے مرصع، ان کے سینے علم کتاب وسنت سے معمور، ان کی آنکھیں شراب معرفت سے مخمور تھیں۔

دین وایمان، عقل ودانش اور کلام الٰہی کا تقاضہ ہے کہ درسگاہِ نبوت ومعلِم انسانیت کے ایک ایک شاگرد کو عادل وثقہ اور امین سمجھا جائے اور ان کے آثار واقوال اور افعال کو مستند ومعتبر مان کر ان سے محبت اور عقیدت رکھی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لگایا ہوا یہ چمن کتنا بارآور ہوا؟ اس کا جواب فقیہ النفس حبرُ ہٰذہ الامۃ ابوعبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے :

من كان منكم متأسيا فليتأس باصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنهم أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلهم تكلفاً، وأقومهم هديا وأحسنهم حالا اختارهم الله لصحبة نبيه وإقامة دينه. (۴)

جو آدمی کسی کو اسوہ ونمونہ بنانا چاہے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں اور جاں نثاروں کو نمونہ بنائے کیونکہ ان کے قلوب میں بے پناہ طہارت وپاکیزگی، علوم میں گیرائی وگہرائی، ان کی زندگیوں میں سادگی وبے تکلفی، ان کی سیرت، ان کے اخلاق وعادات میں اعتدال، اور ان کے احوال میں حسن وجمال پایا جاتا ہے، اللہ نے آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور دین کی نصرت وحمایت کیلئے ان کو چنا ہے۔

یہ نبی کی کیمیا اثر صحبت کا نتیجہ تھا کہ عرب کے بدو جاہل اور ناخواندہ لوگ دنیائے علم کے قائد اور مسندِ معرفت کے صدر

نشیں بن گئے۔ معلم کامل، ہادی اعظم، صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کا کمال تھا یا معجزہ کہ وہ لوگ جن کی سرشت میں شراب نوشی، حرام خوری، زنا کاری، خونریزی، قتل وقتال، جنگ وجدال، لوٹ مار، غارت گری، چوری، ڈاکہ زنی، بے راہ روی، وبے اعتدالی، جھوٹ فریب، دھوکہ دہی، اوہام پرستی جیسی صفات ذمیمہ پائی جاتی تھیں، وہ لوگ نہ صرف یہ کہ یکسر بدل گئے بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے معلم، ہادی، رہبر اور مسیحا بن گئے۔ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے!

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے　　کیا نظر تھی کہ مردوں کو مسیحا کر دیا

(۳) واعلموا أن فيكم رسول الله لو يطيعكم في كثير من الامر لعنتم ولكن الله حبب اليكم الإيمان وزينه في قلوبكم وكره إليكم الكفر والفسوق والعصيان اولئک هم الراشدون. (۵)

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے، لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دی ایسے لوگ راہِ راست پر ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں جہاں حضراتِ صحابہ ﷺ کے قلوب میں ایمان کی محبت ورغبت اور ان کے دلوں میں کفر وفسق اور عصیان وطغیان سے نفرت کا تذکرہ ہے وہیں ان کو "اولئک هم الراشدون" کے ذریعہ ''راہ راست پر ہونے کی'' سند دی گئی ہے۔ کبھی ان کو ''رضي الله عنهم ورضوا عنه'' کے خطاب سے نوازا گیا، تو کبھی ان کو ''لهم مغفرة واجرعظيم'' کا مژدہ سنایا گیا، اور کبھی ''أشداء على الكفار رحماء بينهم'' سے ان کے دینی مزاج وافتادِ طبع کا تذکرہ کیا گیا ہے، تو کبھی ''تراهم ركعاً سجداً'' سے ان کی عبادت وریاضت کو سراہا گیا ہے، اور کبھی ''والذين تبوؤا الدار والإيمان من قبلهم – **إلى قوله** – اولئک هم المفلحون'' سے ان کے جذبۂ ایثار وسخاوت اور کمزوروں سے محبت والفت اور اخروی فلاح کو بیان کیا گیا ہے، تو کبھی ''ليغيظ بهم الكفار'' کے ذریعہ ان سے بغض وعداوت رکھنے والوں کی جبلتِ فاسدہ وکاسدہ فطرتِ خبیثہ وخسیسہ کو اجاگر کیا گیا ہے، کبھی ان کو ''خير أمة'' یا ''أمة وسط'' کے لقب سے نوازا گیا ہے، تو کبھی ''وكلا وعد الله الحسنىٰ'' کے ذریعہ تمام مہاجرین وانصار سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، کبھی ''الحمد لله وسلامٌ على عباده الذين اصطفى'' سے ان کے اصطفاء اور انتخاب کا اعلان کیا، تو کبھی ''يوم لا يخزى الله النبي والذين آمنوا معه'' کے ذریعہ نبی اور ان کے اصحاب کو محشر کی ذلت ورسوائی سے حفاظت کا پروانہ دیا گیا ہے۔

صحابہ اور ارشادات نبوی ﷺ

لا تعداد احادیث طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے ہیں جو ان کے اعلی وارفع ہونے کی شہادت ہے، ان کی محبت کو ''نبی کی محبت'' اور ان سے نفرت کو نبی سے نفرت کی علامت قرار دیا گیا ہے، ان پر سب وشتم

بلعن طعن کو موجبِ لعنت فرمایا ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں سے چند روایات ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) اللہ اللہ في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم. (٦)

''(حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اسنے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا''

اس حدیث کا آخری جز ہے ''جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی تو اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذا پہنچائی تو اللہ عنقریب اس کی گرفت کرے گا''۔

(۲) لا تسبوا أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه. (۷)

میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ تم میں سے کوئی بھی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد (تقریباً آٹھ سو گرام) بلکہ آدھے مد کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

(۳) أكرموا أصحابي فإنهم خياركم. (۸)

میرے صحابہ کا اعزاز کرو وہ تم سے بہتر ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں احادیث شریفہ میں صحابہ کو برا بھلا کہنے اور ان کو ہدفِ طعن بنانے اور ان پر تنقید وتنقیص کو منع کیا گیا بلکہ ان کے افضلِ امت ہونے کی وجہ سے اکرام واعزاز کا حکم دیا گیا تا کہ امت کے قلب میں ان کی جانب سے بدظنی وبدگمانی نہ پیدا ہو، اور تبلیغِ دین کے سلسلہ میں لوگوں کا اعتماد متزلزل نہ ہو جائے۔

نبی کے فیض کو پوری امت تک پہنچانے میں حضرات صحابہؓ کی حیثیت خشت اوّل کی ہے، وہ نبی اور بقیہ امت کے درمیان انتہائی قوی ومضبوط اور قابل اعتماد واسطہ ہیں، خدانخواستہ اگر عمارت کی خشت اوّل ہی غلط ہو جائے تو

تا ثریا می رود دیوار کج (آسمان تک دیوار ٹیڑھی جائے گی) کی مثل صادق آئیگی۔

اگر اس مقدس گروہ سے اعتماد اٹھ جائے تو دین کا پورا ڈھانچہ مشکوک ومشتبہ ہو جائیگا اور دین کی تفہیم وتشریح کے ذیل میں کوئی بھی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکے گی، اور صحابۂ کرام کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرنے کا مقصد پورا ہو جائیگا، اولادِ آدم

میں حضرات انبیاء کے بعد اگر کوئی جماعت افضل واکمل، اعلیٰ وارفع، متقی وپرہیزگار اور محبوبِ پروردگار ہے تو وہ صرف اور صرف حضرات صحابۂ کرام کی پاکیزہ جماعت ہے، جن کے قلوب صفات ذمیمہ (حسد، کینہ، طمع ولالچ، جھوٹ وفریب، حرص وآز، حبِ جاہ وحبِ دنیا) سے پاک ومنزہ تھے، ان کو اللہ کے وعدوں پر اور آخرت کی لازوال نعمتوں پر ایسا مضبوط ومستحکم یقین تھا کہ جس کو دنیا ومافیہا کی آرائش وزیبائش کبھی متزلزل نہ کرسکی، ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت وعقیدت تھی کہ ان کے حکموں اور اشاروں پر اپنی متاعِ عزیز یعنی جان قربان کردینا اور راہ خدا میں خون کا آخری قطرہ بہادینا نہ صرف سہل وآسان بلکہ اس کو عینِ سعادت سمجھتے تھے، اس چنیدہ وبرگزیدہ جماعت کو قابل تقلید اور برتر از تنقید نہ سمجھا جائے تو اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور سرسبز وشاداب زمین کے اوپر انبیاء کے بعد کونسی جماعت ہوگی جو رہتی دنیا تک کے لئے فریضۂ ہدایت وراہنمائی انجام دے سکے اور اس کو دنیا اپنا مقتداء وپیشوا تسلیم کرے ؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین مبین کو اللہ کے پاس سے لانے والے ہیں تو صحابہ کرام مکمل امانت ودیانت کے ساتھ امت تک پہنچانے والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دین سمجھایا تو صحابہ نے پوری انسانیت کو عمل کرکے دکھایا۔

یقیناً صحابہ کے مابین مشاجرات واختلافات کا وقوع اور ان کی جانب سے بعض بشری کمزوریوں کا ظہور ہوا بلکہ مشیت ایزدی نے تکوینی طور پر کرایا، تاکہ دین پورا کا پورا عملی طور پر امت کے سامنے پہنچ جائے اس میں اور بھی بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے ع : سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کیلئے

اجماع اور صحابہ ؓ

کسی بھی نظریہ اور موقف کو پرکھنے کا معیار جہاں کلام ربانی اور حدیث نبوی ہے وہیں امت کے سوادِ اعظم کا کسی غیر منصوص مسئلہ کے جواز اور عدم جواز پر متفق ومتحد ہوجانا بھی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ جس پہلو کو وہ اختیار کرلے وہ عنداللہ حق اور صواب سمجھا جائیگا۔ حجیتِ اجماع کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم وسآءت مصیراً. (۹)

جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اسکے کہ حق کلام ظاہر ہوچکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو (آخرت میں) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

آیت کریمہ میں رسول مقبول صلی اللہ وسلم کی مخالفت اور مؤمنین کے طریقہ کے خلاف راہ اختیار کرنے کو دخول جہنم کا سبب

قرار دیا ہے۔ اصول فقہ کے ضابطہ ''اَلْـمطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل'' کے مطابق یہاں مومنین سے مومنین کاملین مراد ہیں جو زیغ وضلال، فسق وفجور، اتباعِ شہوات، ایجادِ خرافات سے پاک ہوں اور جملہ اخلاق فاضلہ اور علوم دینیہ سے آراستہ ہوں۔ کسی بھی زمانہ کے ایسے افراد کا کسی حکم پر اتفاق رائے کر لینا اس کے عینِ صواب ہونے کی علامت ہے۔ اس مضمون کی تائید ''یَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ'' اور ''لَاتَـجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ'' جیسی احادیث سے ہوتی ہے، اجماع نہ صرف اصولِ فقہ کی بلکہ مکمل دین کی اساس وبنیاد ہے، مجلس واحد کی طلاقاتِ ثلاثہ، جمعہ کی اذانِ اوّل، رمضان میں باجماعت بیس رکعت تراویح جیسے مسائل کی بنیاد اجماع صحابہ پر ہے جس کی توثیق حضور ﷺ نے ''عَـلَـيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْن'' سے کی ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں صحابہ کی عدالت کے باب میں اساطین امت، ائمۂ جرح وتعدیل کا کیا موقف ہے؟ چند مستند تصانیف کی عبارات پیش ہیں جو دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے ان ہی کو ذکر کرنے پر قناعت کی جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

واعتقاد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبا باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم. (۱۰)

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حتمی طور پر تمام کا تزکیہ کیا جائے، ان کو عادل کہا جائے اور ان پر طعن وتشنیع کے سلسلہ میں کفِ لسانی سے کام لیا جائے۔

اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے :

الـذي اجـمـع عـليـه أهل السنة والجماعة انه يحب على كل احد تزكية جميع الصحابة باثبات العدالة لهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم. (۱۱)

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کا تزکیہ بایں معنی ضروری ہے کہ انکو عادل کہنے کے ساتھ ساتھ ان پر طعن وتشنیع سے کف لسانی کی جائے اور انکی تعریف کی جائے۔

حدیث واصول حدیث کے مشہور امام علامہ ابن صلاح حضرات صحابہ کرام ﷺ کی ایک خصوصیت ذکر کرتے ہیں:

انه لايسأل عن عدالة أحد منهم بل ذلک أمر مفروغ عنه لكونهم على الاطلاق مـعـدلـيـن بـنـصـو ص الـكـتـاب والسنة وإجـمـا ع مـن يعتد بـه في الاجماع من الامة. (۱۲)

صحابہ کرام ﷺ کی عدالت کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا ہے (وہ تو سب کے سب عادل ہیں) یہ کام قرآن وحدیث اور امت کے مقتدا حضرات کے اجماع کے ذریعہ طے ہو چکا ہے۔

محی السنہ امام نوویؒ فرماتے ہیں :

الصحابة كلهم عدول باجماع من يعتدبهم

تمام ہی اہم شخصیات کا اجماع ہے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل وثقہ ہیں۔

القول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو المعتبر

جمہور نے تمام ہی صحابہ کو عادل (اور دین کے سلسلہ میں لائق اعتبار وقابلِ استناد ہونے) کی صراحت کی ہے اور یہی قول راجح اور معتبر ہے۔

کسی دیگ کے چند چاولوں کو دیکھ کر پوری دیگ کے پک جانیکا حکم لگا دیا جاتا ہے، اس لئے چند اہم قابل اعتماد لوگوں کی عبارات ذکر نے پر قناعت کی گئی ہے۔ سمجھدار اور ماننے والے کے لئے کافی ہیں۔

میرے بعض کرم فرماؤں نے اپنے حسنِ ظن اور حسنِ نظر کی وجہ سے مجھ کو بھی ''عظمتِ صحابہؓ '' کے موضوع پر خامہ فرسائی کا مکلف کیا تھا لیکن میں نے اپنے مشاغل اور اعذار کا تذکرہ کر کے ادارہ دار العلوم حیدرآباد کے ذمہ دار اعلیٰ عظیم المرتبت حضرت رحیم الدین انصاری صاحب کے نام معذرت کا خط تحریر کر دیا تھا؛ کیونکہ مضمون نگاری، انشاء پردازی کا ذوق اولا تو تھا نہیں جو تھا وہ اس فن سے دوری اور لاتعلقی کی وجہ سے مردہ ہوگیا: ؎

یاد ہوں گے ہم شیشہ کو نہ پیمانہ کو　　　زمانہ ہوا چھوڑے ہوئے میخانہ کو

مگر رفیقِ محترم جناب مفتی سعید الظفر صاحب مدظلہ کے اسرار پر چند کج مج نقوش بایں امید تحریر کر دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس بندۂ عاصی وہیچمدان کو بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے عقیدت مندوں میں شامل فرمالے۔ آمین اور اس کی رحمت سے یہ مستبعد نہیں کہ ''انگلی کٹانے والوں کو شہیدوں کا مرتبہ'' عطا فرمادے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔



حوالہ جات

(۱) الدرۃ المضیۃ ۲/۲۵　(۲) پ ۱/ع ۱۶　(۳) پ ۲۸/ع ۱۱

(۴) شرح السفارینی　(۵) پ ۲۶ع ۱۳　(۶) رواہ الترمذی، مشکاۃ ۲/۵۵۴

(۷) متفق علیہ، مشکاۃ ۲/۵۵۳　(۸) متفق علیہ، مشکاۃ ۲/۵۵۴　(۹) پ:۵، رکوع:۱۴

(۱۰) مسامرۃ: ۱۳۳　(۱۱) الدرۃ المضیۃ　(۱۲) علوم الحدیث

مولانا محمد اسعد اعظمی☆

تدوین قرآن اور صحابۂ کرام ؓ

حضرات صحابۂ کرام ؓ کی مقدس جماعت نے پیارے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کی آبیاری کے لیے اپنے آپ کو ہر طرح سے وقف کردیا تھا ہمہ وقت انتظار رہتا کہ نبی کا اشارہ ہو اور ہم تعمیل حکم میں لگ کر سعادت حاصل کریں، آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد صحابۂ کرام ؓ خصوصا حضرات خلفاء راشدین نے اسلام اور احکام اسلام کی اشاعت وحفاظت کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، مجھے یہاں پر حضرات صحابہ ؓ کی جملہ خدمات وقربانیوں کو بیان کرنا نہیں ہے نہ ہی ان کا قید تحریر میں لانا ممکن ہی ہے، زیر نظر مقالہ میں اس مقدس جماعت کی ایک اہم خدمت قرآن کریم کے جمع وتدوین اور اس کی اشاعت کو بیان کرنا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنا ہے کہ حفاظت قرآن اور اس کی تدوین تین ادوار میں ہوئی جیسا کہ علامہ زرکشیؒ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وفیہ البیان الواضح ان جمع القرآن لم یکن مرۃ واحدۃ فقد جمع بعضہٗ بحضرۃ النبی ﷺ ثم جمع بحضرۃ الصدیق، والجمع الثالث وھو ترتیب السور کان فی خلافۃ عثمان. (۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تدوین تین ادوار میں ہوئی، دور رسالت، دور صدیقی، اور دور عثمانی۔

دور رسالت میں جمع وتدوین

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہیں اس لیے عہد رسالت میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، اللہ نے قرآن کریم کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی۔(۲)

حفظ قرآن کی یہ شان خود قرآن کریم نے بیان کی ہے بل ھو آیات بینات فی صدور الذین او توا العلم. بلکہ وہ

☆ استاذ دار العلوم حیدرآباد

آیات بینات ہیں جو اہلِ علم یعنی حفاظ کلام اللہ کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

اہلِ عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے اور انہیں صدیوں تک گمراہی میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے اس لیے انہوں نے اسے یاد رکھنے کے لیے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ ہر وہ شخص کرسکتا ہے جو ان کے مزاج اور افتادِ طبع سے واقف ہے چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابۂ کرام ﷡ کی ایک ایسی بڑی تعداد تیار ہوگئی جسے قرآن کریم ازبر یاد تھا جن میں خلفاء اربعہ، طلحہ، سعد، حذیفہ، سالم، ابن مسعود، ابن عمر، عمرو بن العاص، ابن الزبیر، معاویہ، عائشہ، حفصہ رضی اللہ عنہم وعنھن ہیں۔ (۳)

دورِ نبوی میں کتابت وحی

حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا آپ ﷺ نے کتابت وحی کے لیے مندرجۂ ذیل صحابۂ کرام ﷡ کو مقرر فرمایا تھا: حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی، معاویہ، زید بن ثابت، ابی بن کعب، خالد بن ولید، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم ان کے علاوہ اور بھی صحابۂ کرام ﷡ کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے مشہور مستشرق بلاشیر نے کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی ہے۔ (۴)

حضرت حنظلہ ﷛ کو خصوصی طور پر یہ حکم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ ضرور رہیں تاکہ کاتبوں میں سے اتفاقاً اگر کوئی نہ ملے تو کتابت وحی کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ واقع ہو اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ نزول کے ساتھ ہی ہر قرآنی آیت قید کتابت میں آکر قلم بند ہو جاتی تھی، ابن عبدربہ نے حضرت حنظلہ بن ربیع صحابی ﷛ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ان حنظلة كل كاتب من كُتّاب النبی ﷺ اذا غاب عن عمله. (۵)

کتابت وحی کا طریق کار

حضرت زید بن ثابت ﷛ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکتے تھے پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہو جاتا آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے پڑھو میں پڑھ کر سناتا اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ (۶)

ابتدا میں کتابت وحی کس چیز پر ہوتی تھی؟

نازل شدہ قرآن کریم کو صحابۂ کرام ﷡ باریک اور چوڑی سلوں، کھجور کی ٹہنیوں، اونٹ، بکری کے شانہ کی ہڈیوں، اونٹ

کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا کرتے تھے (۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے غایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے وحی کی ان ابتدائی مکتوبہ یادداشتوں کے لکھنے کے لیے ایسی چیزوں کا انتخاب فرمایا تھا جو اتنی طویل مدت یعنی چوبیس پچیس سال تک حوادث و آفات سے محفوظ رہ سکتیں اس لیے کہ نزول وحی کی ابتداء سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کے اس عہد تک جس میں قرآن کے متعلق حکومت کے حکم سے حضرت زید بن ثابت ؓ نے کام کیا اتنی ہی مدت ہونی چاہئے، اس لیے ان چیزوں پر لکھنے کی وجہ سامان کی کمیابی بیان کرنا قطعاً غلط ہے۔ (۸)

جمع و تدوین حضرت صدیق ؓ کے زمانہ میں

پورا قرآن عہد رسالت میں لکھا جا چکا تھا، مگر اس کی آیتیں اور سورتیں منتشر تھیں کسی صحابی ؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس چند آیات اس بنا پر حضرت صدیق اکبر ؓ نے قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا علامہ زرکشی فہم السنن سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' قرآن کی کتابت کوئی نئی چیز نہ تھی، نبی کریم ﷺ بذات خود اس کے لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے، البتہ وہ کاغذ کے ٹکڑوں، شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی ٹہنیوں پر بکھرا پڑا تھا، حضرت ابوبکر ؓ نے متفرق جگہوں سے اس کو یکجا کرنے کا حکم دیا، یہ سب اشیاء یوں تھیں جیسے آنحضور ﷺ کے گھر میں اوراق منتشر پڑے ہوں اور ان میں قرآن لکھا ہوا ہو ایک جمع کرنے والے نے ان اوراق کو جمع کر کے ایک دھاگے سے باندھ دیا تاکہ ان میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہونے پائے۔ (۹)

منتشر اوراق سے یکجا کر کے کتابی شکل دینے کا سبب

قرآن کریم کو ایک ہی تقطیع اور سائز کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مروج نہیں ہوا تھا، اگرچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر ایک سے زائد صحابۂ کرام ؓ نے یہ کام بھی کر لیا تھا، لیکن اس کا عام رواج نہیں ہوا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد عہد صدیقی میں قرآن کریم کی مشہور خدمت یعنی ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھوا کر ہر سورت کو الگ الگ جلد میں مجلد کرانے کا کام اور وہ بھی حکومت کی طرف سے اس کام کو انجام دلانا یہی ایسا کام تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہو پایا تھا، جس کا محرک و سبب بخاری شریف کی درجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مجھے بلایا میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر فاروق ؓ بھی موجود تھے، ابوبکر ؓ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت عمر ؓ نے آ کر مجھ سے کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر آئندہ معرکوں میں اسی طرح قرآن کریم کے حفاظ شہید ہوتے رہے، تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے

حضرت عمر ؓ سے کہا جس کام کو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا اس کو آپ کیسے کریں گے؟ حضرت عمر ؓ نے جواب دیا خدا کی قسم یہ کام بہتر ہے اور حضرت عمر ؓ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس کام پر شرح صدر ہو گیا اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عمر ؓ کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ تم سمجھدار نوجوان ہو ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، اور تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم تلاش کر کے جمع کرو، حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھے اتنا مشکل معلوم نہ ہوتا جتنا قرآن کریم جمع کرنے کا حکم مشکل معلوم ہوا، چنانچہ میں نے کہا: آپ حضرات وہ کام کیسے کر رہے ہیں جس کو رسول اکرم ﷺ نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام بہتر ہے اور حضرت ابوبکر ؓ بار بار یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کا سینہ کھول دیا تھا، چنانچہ میں نے کھجور کی شاخوں اور پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم تلاش کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔(۱۰)

حضرت عمر ؓ نے مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے اور اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت ﷺ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا، غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے سعید بن العاص ؓ بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے۔(۱۱)

حضرت زید بن ثابت ؓ کا طریق کار

حضرت عمر ؓ کے اعلان کے مطابق جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو درج ذیل طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے۔

(۱) سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

(۲) حضرت عمر ؓ چونکہ حافظ تھے؛ اس لیے یہ بھی اپنے حافظہ سے توثیق فرماتے۔

(۳) جب تک دو گواہ شہادت نہ دیتے تب تک آپ کسی کی پیش کردہ آیات کو قبول نہیں کیا کرتے تھے۔(۱۲)

(۴) ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ کرام ؓ نے تیار کر رکھے تھے بہر حال حضرت زید ؓ بن ثابت نے حد درجہ احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔

لیکن ہر سورہ علاحدہ صحیفہ میں لکھی گئی اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں میں مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو ام کہا جاتا ہے،

شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم نے اس نسخہ کی چند خصوصیات تحریر کیں ہیں:

(۱) اس نسخہ میں آیات قرآنی تو آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورۃ الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔

(۲) اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔

(۳) یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

(۴) اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئیں تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

(۵) اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے تا کہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔(۱۳)

الغرض!

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اہتمام اور دیگر صحابہ کرام ؓ کے بلند پایہ عزم اور عالی ہمتی سے جمع وتدوین قرآن کا کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا قرآن کریم کا یہ نسخہ ابوبکر صدیق ؓ کے پاس ان کے زمانہ حیات میں رہا، اس کے بعد یہی نسخہ عمر فاروق ؓ کے پاس رہا پھر ان کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ کے پاس رہا۔(۱۴)

حضرت عثمان غنی ؓ کے عہد میں تدوین قرآن:

حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے اسلام دوسرے بلاد وممالک اور دور دراز علاقوں میں پہونچ چکا تھا ابتداء اسلام میں قرآن کریم ایک ہی لغت یعنی لغت قریش پر نازل ہوا تھا لیکن تمام قبائل اور مختلف اقوام کو ایک ہی لغت پر قرآن پڑھنا دشواری کا باعث تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس بات کی اجازت دی کہ جن لوگوں کو ایک لغت پر پڑھنا دشوار ہو ان کو دوسرے لغات پر آیات پڑھا دیں جیسا کہ حضرت اُبی ابن کعب ؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل امین سے ملاقات کی تو فرمایا: اے جبرئیل : میں ایک ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو ان پڑھ ہیں، جن میں بوڑھیاں، بوڑھے، بچے، بچیاں اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کبھی کچھ نہ لکھا اور نہ ہی پڑھا۔

مقصد یہ تھا کہ ایک لغت پر ان سب کو قرآن پڑھنا دشوار ہوگا۔

جبرئیل امین نے کہا: اے محمد ﷺ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا یعنی ان حرفوں پر اس کی تلاوت کی اجازت ورخصت دی گئی ہے۔(۱۵)

حروف سبعہ پر پڑھے جانے کی وجہ سے اختلاف

آپ ﷺ کی طرف سے اجازت ورخصت حاصل ہو جانے کی وجہ سے بہت سی آیات متعدد لغات اور مختلف قرأتوں کے

ساتھ تلاوت کی جانے لگیں جب اس اختلاف قراءت کی کیفیت کے ساتھ قرآن مختلف بلاد اور علاقوں میں پہنچا تو یہ چیز باہمی اختلاف کا سبب بن گئی بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے حضرت حذیفہ ابن الیمان ؓ، ارمینیا اور آذر بائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے وہاں انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اختلاف آئندہ چل کر تورات وانجیل میں یہود ونصاریٰ جیسے اختلاف کی صورت نہ اختیار کر جائے۔

مسلمانوں کے اس اختلاف قرأت سے صرف حضرت حذیفہ ؓ ہی پریشان نہ تھے بلکہ عام صحابہ ؓ ملول اور غم زدہ تھے حافظ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں جہاں ابوقلابہ کی روایت کردہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں ایک معلم ایک طرح پڑھتا اور دوسرا دوسری طرح جب ان کے شاگرد باہم ملتے تو مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ یہ معاملہ معلمین تک پہونچا اور وہ غلط قرأت کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے'' (۱۶)

اختلاف باہمی جمع قرآن کا باعث

حضرت حذیفہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی اس پر انہوں نے جلیل القدر حضرات صحابۂ کرام ؓ کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ: مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابہ کرام ؓ نے خود حضرت عثمان ؓ سے پوچھا کہ آپ ؓ کی کیا رائے ہے حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: میری رائے ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردیں، صحابہ کرام ؓ نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمان ؓ کی تائید فرمائی حضرت عثمان غنی ؓ نے حضرت حفصہ ؓ کو کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن کے جو صحیفے رکھے ہوئیں ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے تاکہ ہم ان کو کتابی صورت میں جمع کریں حضرت حفصہ ؓ نے وہ صحیفے ارسال کردیئے۔ (۱۷)

حضرت عثمان ؓ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ عنہم کو مامور کیا کہ وہ صحیفوں سے نقل کر کے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع کردیں حضرت عثمان ؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ کے علاوہ بقیہ تینوں قریشی صحابہ ؓ سے کہا کہ جب تمہارے اور زید کے درمیان قرآن کی کسی آیت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو قرآن کو قریش کی زبان میں لکھیئے کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ (۱۸)

مذکورہ چار صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ ان کی مدد کے لیے دوسرے صحابۂ کرام ؓ کو اور لگا دیا گیا جن میں ابی بن کعب، کثیر بن افلح ؓ، مالک بن ابی عامر ؓ انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے اسماء گرامی شامل ہیں جب وہ تعمیل ارشاد

کرچکے تو آپ نے وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کو واپس کردیئے۔(۱۹)

ناسخین حضرات صحابہؓ درجہ ذیل کام انجام دیئے

۱) مصحف ابوبکر صدیقؓ میں سورتیں مرتب نہیں تھیں اس میں تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔(۲۰)

۲) نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے۔(۲۱)

۳) کل سات نسخے تیار ہوئے جنہیں مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، اور کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔(۲۲)

قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش کردیئے جو مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس موجود تھے۔(۲۳)

ادوار ثلاثہ میں جمع وتدوین کا فرق

نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں آیات نازل ہوتیں اور آپ ﷺ کاتبین وحی کو بلا کر لکھواتے جاتے اور یہ حضرات مختلف ٹکڑوں پر لکھا کرتے تھے الغرض آپ ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا لیکن آیتیں اور سورتیں یکجا نہ تھیں۔(۲۴)

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں متفرق اور منتشر جگہوں پر لکھی ہوئی آیات کو تلاوت وتعلیم کی ترتیب کے مطابق جمع کرکے کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا لیکن ہر سورۃ علاحدہ صحیفے میں لکھی گئی تھی، اور آپؓ کا جمع فرمانا اس اندیشہ سے تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن کا کچھ حصہ قراء وحفاظ کے اس عالم سے گذر جانے کی وجہ سے ضائع نہ ہوجائے، اور حضرت عثمان غنیؓ نے جب بعض آیات کی تلاوت میں اختلاف دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ کہیں یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے باہمی نزاع اور امت میں افتراق کا سبب نہ بن جائے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ابتداء اسلام میں مجبوری کے باعث جو لغات کا توسع کیا گیا تھا وہ عارضی رخصت واجازت تھی اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور یہ اختلاف کتاب اللہ میں امت کے حق میں یقیناً ایک عظیم فتنہ ہے اس لیے ان تمام لغات کو جو بطریق رخصت واجازت بعض آیات میں بڑھا دیئے گئے تھے منسوخ کرکے صرف لغت قریش پر جمع فرمایا کیونکہ اصل قرآن اسی لغت پر نازل ہوا تھا، اس لیے اصل جامع قرآن تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور حضرت عثمان غنیؓ جامع الناس علی القراءۃ بوجہ واحد ہیں۔(۲۵)

حضرت مولانا مناظر احسین گیلانیؒ فرماتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن شریف کی خدمت یہی اور صرف یہی ہوئی کہ مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کردیا جو بجائے خود بہت بڑی اور اہم خدمت ہے ورنہ مختلف عربی قبائل اور

عجمیوں کے طریقۂ ادا، لب ولہجہ کے اختلاف کی بنیاد پر لکھے ہوئے قرآنی نسخے خدانخواستہ اگر دنیا میں پھیل جاتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ دشمنان اسلام اس بات کو بتنگڑ بنا کر کہاں سے کہاں پہونچا دیتے۔(۲۶)

آپ ﷺ کی اس خدمت جلیلہ اور عظیم کارنامہ کو پوری امت نے بنظر استحسان دیکھا اور صحابۂ کرام ﷺ نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت فرمائی حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں: عثمان ﷺ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں اور مشورہ سے کیا۔(۲۷)

حوالہ جات

(۱) البرھان: ۱/۲۳۷۔

(۲) علوم القرآن، ص: ۱۷۲۔

(۳) علوم القرآن دکتور عدنان، ص: ۸۵۔

(۴) حاشیہ علوم القرآن صبحی صالح ترجمہ اردو، ص: ۱۰۱۔

(۵) العقد الفرید: ۴/۲۱۶۔

(۶) مجمع الزوائد: ۱/۱۵۲۔

(۷) علوم القرآن دکتور عدنان، ص: ۸۵۔

(۸) تدوین قرآن، ص: ۳۲۔

(۹) البرھان، ص: ۲۳۸۔

(۱۰) بخاری شریف باب جمع القرآن: ۲/۷۴۵۔

(۱۱) الفاروق، ص: ۱۲۸۔

(۱۲) علوم القرآن صبحی صالح ترجمہ اردو، ص: ۱۱۱۔

(۱۳) علوم القرآن، ص: ۱۸۶۔

(۱۴) البرھان، ص: ۲۳۴۔

(۱۵) ترمذی شریف باب ماجاء ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف: ۲/۱۲۲۔

(۱۶) تفسیر ابن جریر: ۱/۴۵۔

(۱۷) الاتقان: ۱/۷۸۔

(۱۸) بخاری شریف: ۱/۴۹۷

(۱۹) الاتقان: ۱/۷۸۔

(۲۰) مستدرک حاکم: ۲/۲۲۹۔

(۲۱) مناہل العرفان: ۱/۲۵۳۔

(۲۲) فتح الباری: ۹/۱۲۔

(۲۳) علوم القرآن، ص: ۱۹۲۔

(۲۴) الاتقان، ص: ۷۶۔

(۲۵) الاتقان، ص: ۸۰۔

(۲۶) تدوین قرآن، ص: ۴۵۔

(۲۷) فتح الباری: ۹/۱۲۔

محمد عبدالرحیم قریشی ☆

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خدمت قرآن

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کے ذریعہ انتظام فرمایا اور اسی کام کے لئے بعض رسولوں پر اپنی کتابیں اتاریں۔ انبیا اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا۔ کتابوں میں آخری کتاب قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ پر نازل فرمائی۔ قرآن مجید چونکہ آخری کتاب ہے اس لئے اس کا قیامت تک باقی رہنا ضروری ہے تا کہ قیامت تک جاری رہنے والی نسل انسانی کی ہدایت کا کام جاری رہے۔

دیگر رسولوں پر جو کتابیں اتریں وہ مخصوص علاقہ یا مخصوص دور کے لئے تھیں۔ ان کا ہمیشہ کے لئے باقی رہنا ضروری نہیں تھا چنانچہ آج یہ کتابیں مکمل اور اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے سوا دنیا کا کوئی مذہبی گروہ جو کسی نبی یا رسول کو مانتا ہو اور نبی یا رسول کے ذریعہ کسی کتاب کے اتارے جانے کا عقیدہ رکھتا ہو یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ جو کتاب ان کے رسول پر اتری تھی وہ پوری کی پوری اور صحیح حالت میں آج ان کے پاس موجود ہے۔ قرآن مجید ہی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے صحیفے اتارے تھے۔ لیکن آج ان صحائف کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توریت دی تھی جس میں ہدایت کا سامان تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق جوڑنے والے یہودی بھی آج یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اصل توریت ان کے پاس موجود ہے۔ ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین اور بیت المقدس پر حملہ کیا تو توریت کے جو نسخے بیت المقدس میں تھے اس کی بربادی کے ساتھ ضائع ہوگئے اور وہ تمام یہودیوں کو مویشیوں کی طرح ہانکتے ہوئے بابل لے گیا۔ ایک عرصہ بعد ایران کے بادشاہ نے بابل میں اسیری سے انھیں نجات دلائی اور ان کو فلسطین میں رہنے کی اجازت دی تو یہودی بتاتے ہیں کہ ان کے نبی عذرا (عزیر علیہ السلام) نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر توریت مرتب کی۔ ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور اس میں اس کو رکھا گیا۔ رومیوں کے حملہ میں ہیکل سلیمانی تباہ ہوا اور اس میں موجود یہ نسخہ بھی ضائع ہوگیا۔ اب جو کچھ ہے وہ توریت کے کچھ اجزا ہیں جن کو ان کے مذہبی پیشواؤں نے مرتب کیا ہے۔ اور یہی بائبل کے عہد نامہ عتیق (OLD TESTAMENT) کا حصہ ہیں۔

☆ صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت و اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بائبل کا دوسرا حصہ جس کو عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT) کہا جاتا ہے ان چار کتابوں پر مشتمل ہے جنھیں انجیل یا GOSPEL کہا جاتا ہے۔ یہ چار کتابیں ان کے مرتبین مرقس (MARKS)، متی (MATHEW) لوقا (LUKE) اور یوحنا (JOHN) کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ چاروں مرتبین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں نہیں ہیں ان کے بعد کے دور کے ہیں، چاروں کے بیانات حتیٰ کہ حضرت مریم کے نسبی شجرہ کے بیان میں اختلاف ہے اور ان کے اندر کئی شہادتیں ایسی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی انجیل نہیں ہیں۔ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے اسفار کے واقعات اور چند وعظ ملتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات کیا کیا تھیں، کیا کیا عقائد کی انھوں نے تعلیم دی، زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں ان کی ہدایات کیا تھیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اور ان چاروں میں، عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر سے اتارے جانے کے بعد ان کے جسم کو کہاں رکھا گیا اور کیا ہوا یہ ذکر بھی ملتا ہے اور یہ تذکرہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ان پر اتاری گئی انجیل مقدس نہیں ہیں ایک دور میں عیسائی دنیا میں (۲۵۰) سے زیادہ انجیلیں رائج تھیں۔ عیسائی مذہبی پیشواؤں کی ایک مجلس میں ان میں سے چار کا انتخاب کیا گیا اور باقی رد کر دی گئیں جن میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری برناباس سے منسوب تھی یہ رد کردہ اناجیل پوپ کے پاس ویٹیکن میں محفوظ رکھی ہوئی ہیں جن کو APOCRYPHA کہا جاتا ہے:

قرآن مجید اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی آخری الٰہی کتاب ہے اس لئے اس کا قیامت تک محفوظ رہنا ضروری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا۔

اِنَّا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون (۹۔۱۵)

''ہم نے خود یہ نصیحت (یعنی قرآن) اتاری ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

دورِ نبویؐ میں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو انتظامات فرمائے ان میں مسلمانوں کے سینوں میں کتاب مقدس کو محفوظ کرنا ہے اور تحریر کے ذریعہ محفوظ کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اور اپنی آخری کتاب کے لئے عربوں کو منتخب کیا جو مضبوط اور قوی حافظہ کے مالک تھے۔ انھیں بیسیوں پشتوں تک اپنے باپ داداؤں کے نام یاد رہتے تھے کہ یہی تعلق اور نسب ان کی شناخت تھی۔ ان کو بڑے اور طویل قصیدے زبانی یاد رہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آیات الٰہی کے نزول کے فوری بعد آپ صحابہؓ کو سناتے اور یہ لوگ ان کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے اور اس طرح صحابیات کو سناتے اور وہ بھی یاد کر لیتیں اور جو صحابہؓ لکھنا جانتے ان کو لکھوا دیتے۔ عرب عموماً پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں ایسے لوگ تھے ہی نہیں۔ ایسے لوگ تھے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنانے اور لکھوانے کے موقعہ پر یہ بھی بتاتے تھے کہ اس آیت یا ان آیات کو کس سورہ میں یا کن آیتوں کے ساتھ اور بعد لکھا جائے۔

مکہ میں بھی نازل شدہ آیتیں نوشتوں میں محفوظ تھیں۔ اس کا ثبوت خود قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سورۃ واقعہ میں

فرماتے ہیں۔

انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسه الا لمطهرون (۷۷' ۷۹' . ۵۶)

''یقیناً یہ قرآن عزت والا ہے محفوظ کتاب میں' سوائے پاک لوگوں کے اسے کوئی نہیں چھوتا''

چھونے کے لئے پاکی کی شرط لگائی گئی ہے۔ کسی مادی شئی کو ہی چھوا جاسکتا ہے۔ حافظہ کو چھونے' نہ چھونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط اس کو چھونے کے تعلق سے ہے' جس پر قرآن لکھا ہوا ہو۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مکہ میں قرآن کی آیتیں لکھی جاتی تھیں اور یہ تحریریں موجود تھیں۔ حضرت عمرؓ کو جب بتایا گیا کہ ان کی بہن اور ان کے بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں تو وہ غصہ میں بہن کے گھر پہنچے اور ان کو کچھ پڑھنے کی آواز آئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہیں انھوں نے بہن کو مارنا شروع کیا' بہنوئی بچانے آئے تو انھیں بھی پیٹا' جب مار سے بہن کے جسم سے خون نکلنے لگا اور ان کا یہ ارادہ سامنے آیا کہ عمر تم جو کر سکتے ہو کر لو ہم اسلام سے پھرنے والے نہیں ہیں تو انکے دل کی کیفیت بدلی اور انھوں نے کہا کہ تم جو پڑھ رہی تھیں سناؤ۔ اور یہ سورہ طٰہٰ کی آیتیں تھیں جو تحریر میں تھیں۔

مدینہ طیبہ میں مہاجرین کے علاوہ انصار میں ایک تعداد پڑھنے لکھنے والوں کی بالخصوص غزوہ بدر کے بعد نظر آتی ہے' جنھوں نے غزوہ بدر کے قیدیوں سے پڑھنا لکھنا سیکھا تھا۔ ان میں سے حضرت زید بن ثابتؓ تھے جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی کتابت اور آپؐ کے خطوط لکھنے کا کام لیتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ زبیر بن عوامؓ' ابی بن کعبؓ عبداللہ بن ارقمؓ ' شرحبیل بن حسنہؓ عبداللہ بن رواحہؓ ودیگر صحابہؓ تھے۔ یہ ثابت ہے کہ قرآن کی ہر آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والسلام کے سامنے آپ کی ہدایت کے مطابق لکھی گئی۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ مسجد نبوی' کے ایک ستون کے ساتھ ایک صندوق رکھا رہتا جس میں نزول کے فوری بعد لکھی ہوئی آیات کی ایک تحریر رکھدی جاتی اور جو صحابہؓ اپنے پاس یہ تحریری مواد رکھتے اور وہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو وہ مسجد نبوی آ کر اس صندوق سے تحریر نکال کر اس کی نقل اپنے لئے بنا لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ تحریری ذخیرہ ایک جلد میں محفوظ نہیں کیا گیا کیونکہ آپ کی حیات دنیوی کے آخری لمحہ تک وحی الٰہی کے نزول کا امکان تھا اور وہ آیت کس سورت میں' کہاں پڑھی اور لکھی جائے اس کا حکم ہوتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلام کی حیات میں ایک جلد میں قرآن کو لکھا نہ جاسکتا تھا۔

مصحفِ ابوبکر صدیقؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ زور پکڑنے لگا جن کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تلوار اٹھائی اور ان کا قلع قمع کیا۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی سب سے سخت رہی۔ اس میں حافظ قرآن صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ اس پر حضرت عمرؓ کو تردد ہوا کہ اگر قرآن کے حافظ ختم ہوتے جائیں تو قرآن یا اس کا کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے یہ بات رکھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مزاج یہ تھا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا

اس کے کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے اس لئے آپ نے اس تجویز کو فوری قبول نہ کیا کہ قرآن کریم کو ایک جلد میں جمع کیا جائے۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو کھول دیا اور حضرت عمرؓ کی تجویز کو آپ نے قبول فرمایا اس کام کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کا انتخاب کیا گیا۔ وہ بھی اس کے لئے آمادہ نہ تھے' اللہ نے ان کے دل کو بعد میں کھول دیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا گیا کہ وہ قرآن کی آیتوں کے لکھے ہوئے نوشتے تلاش کریں۔ صرف اپنے حافظہ سے کام نہ لیں ایک ایک آیت دو حافظ صحابہؓ کی تصدیق اور لکھے ہوئے دو نوشتوں کے ملنے کے بعد لکھیں۔ حضرت عمرؓ نے مسجد نبویؐ کے منبر سے یہ اعلان فرمایا کہ جن جن صحابہؓ کے پاس پتھر کی تختیوں' کھجور کے کاغذ' کھال' یا چمڑے پر قرآن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی ہوئی آیتیں موجود ہوں وہ یہ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس لاکر دیں۔ اس طرح حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کو لکھا۔ سورہ توبہ کی آیات ہیں:

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم آخر تک (۱۲۸ ' ۱۲۹ ۔ ۹)

اس کا نوشتہ صرف ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس سے ملا۔ کسی اور صحابی کے پاس نہیں تھا اور حافظ صحابہؓ کو یہ حفظ تھا اور سورہ توبہ میں یہ آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کام آیا جس میں حضرت ابوخزیمہ کی گواہی کو دو گواہیاں قرار دیا گیا تھا۔ اس طرح قرآن مجید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا دو سال کے دور خلافت میں ایک جلد میں جمع ہوا۔ یہ آپ کی حیات تک آپ کے پاس رہا اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہا اور حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد آپ کی صاحب زادی' ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا۔

مصحفِ حضرت عثمان غنیؓ: عربوں کی زبان تو ایک تھی یعنی عربی' لیکن قبائل کا تلفظ الگ الگ تھا تلفظ کے اس فرق سے معنی و مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود قرآن کی تعلیم دیتے وقت بعض الفاظ کا تلفظ بنی ہذیل قبیلہ کے تلفظ کے مطابق کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فوری انھیں لکھا کہ قرآن 'قریش کے تلفظ میں پڑھایا جائے کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلفظ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بہت ایسے علاقہ فتح ہوئے جہاں کے عوام کی زبان عربی نہیں' فارسی تھی' رومی تھی' قبطی تھی اور دوسری زبانیں تھیں۔

حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں اور غیر عرب علاقے خلافت کے تحت آتے گئے حضرت حذیفہ بن الیمان ایک اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ انھوں نے آرمینیا میں شام کے لوگوں کے لشکر کو لے کر فتح حاصل کی اور آذربائیجان کی فتح کے وقت عراق کے لوگ لشکر میں تھے۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ لوگ قرآن الگ الگ تلفظ میں پڑھ رہے ہیں اور اس کا تدارک نہ کیا گیا تو آئندہ قرآن کے بارے میں یہود اور نصاریٰ جیسے اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آرمینیا اور آذربائیجان غیر عرب علاقے تھے۔ اور یہاں کے مقامی لوگوں کی زبان عربی نہیں تھی۔

اس شکایت کے ملنے پر حضرت عثمان غنیؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور مشورے کے بعد یہ طے فرمایا کہ مصحف ابوبکرؓ کی نقلیں تیار کروائی جائیں اور ان کو مختلف علاقوں میں بھیج کر یہ حکم دیا جائے کہ اپنے قرآنوں کو اس مصحف کے مطابق بنائیں۔

آپ نے نقلیں تیار کرنے کا کام حضرت زید بن ثابتؓ کے ہی سپرد کیا اور عبداللہ بن زبیرؓ سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ یہ دیکھیں کہ الفاظ قریش کے تلفظ کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اور کہیں فرق محسوس ہو تو وہ نقلیں قریش کے تلفظ کے مطابق بنوائیں۔ یہ تینوں حضرات قریشی تھے۔ نقلیں تیار کرنے کے لئے مصحف ابوبکرؓ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے منگوائی گئی۔ نقلیں تیار ہونے کے بعد انھیں واپس کر دی گئی' حضرت زید بن ثابتؓ نے نقلیں تیار کیں۔ اور جانچ کے کام پر مامور تینوں حضرات نے ان کو دیکھ لیا کہ قریش کے تلفظ کے مطابق ہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اہم مقامات پر ایک ایک نقل بھجوائی اور حکم دیا کہ کسی کے پاس اس کے خلاف کوئی کتاب ہو تو اس کو ضائع کر دیا جائے یا جلا دیا جائے یا اپنے پاس کے نسخوں کو اس مصحف کے مطابق بنا لیا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو جامع القرآن ان ہی معنوں میں قرار دیا جاتا ہے کہ انھوں نے امت مسلمہ کو ایک مصحف' ایک تلفظ پر جمع کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے حکم پر تیار کئے گئے مصحف کے دو نسخے آج بھی دنیا میں موجود ہیں' ایک استنبول میں اور دوسرا تاشقند میں تھا جس کے بارے میں ایک خبر یہ بھی ہے کہ کمیونسٹ دور حکومت میں اس کو ماسکو منتقل کیا گیا۔ استنبول میں موجود مصحف کی فوٹو کاپی فلاڈیلفیا کے ایک اسلامی ادارے نے شائع کی ہے آج جو قرآن مجید ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں اور مصحف عثمانؓ میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا بجز دو چیزوں کے۔ ایک یہ کہ اس وقت کا رسم خط (SCRIPT) دوسرا تھا اور آج ہم خط نسخ کو قرآن کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں حرکات یعنی زیر' زبر' پیش نہیں ملیں گے' عربوں کو ان کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ غیر عرب لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

حرکات یا اعراب یعنی زیر' زبر پیش وغیرہ حضرت ابوالاسود دئلی کا کارنامہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں موجود تھے لیکن انھیں مدینہ آنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ یہ حضرت عمرؓ کے دور میں مدینہ طیبہ آئے' حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کی صحبت میں رہے' ان سے اکتساب کیا۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اور انھوں نے قرآن مجید کی عبارت پر اعراب لگائے تاکہ غیر عرب بھی صحیح تلفظ کر سکیں۔ قرآن کی خدمت کے سلسلہ میں ایک اور ایسے تابعی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کو تاریخ اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتی جس کو ظالم و جابر کے نام سے جانتی ہے یعنی حجاج بن یوسف۔ اس نے یہ حکم دیا کہ قرآن کریم اعراب کے ساتھ اور آیت کے ختم ہونے کی علامت کے ساتھ لکھا جائے۔ لیکن قرآن مجید کو آنے والی نسلوں کے لئے ایک جلد میں مصحف کی شکل میں جمع کرنے کا کام صحابہ کرامؓ کا کارنامہ ہے اور عظیم بے مثال کارنامہ ہے۔

مفتی اشتیاق احمد قاسمی ☆

کاتبین وحی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اسلام آخری مذہب ہے، قیامت تک دوسرا کوئی مذہب نازل ہونے والا نہیں ہے، اس دین کی حفاظت وصیانت کا سہرا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سر ہے، صحابہ کی برگزیدہ جماعت نے اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے جان و مال کو قربان کیا، انھیں کے خونِ جگر سے سینچے ہوئے درخت کا پھل آج ہم سب کھا رہے ہیں، انہوں نے دین کو اس کی صحیح صورت میں محفوظ رکھنے کا جتن کیا، ان کی زندگی کا ہر گوشہ اسلام کی صحت وسلامتی کی کسوٹی ہے، جو لوگ صحابۂ کرامؓ سے جتنا قریب ہیں، وہ دین سے اتنا ہی قریب ہیں، اور جو لوگ جتنا اس جماعت سے دور ہوں گے؛ ان کی باتیں اُن کا نظریہ، اُن کا عقیدہ اور اُن کا عمل اتنا ہی دین سے منحرف ہوگا۔

قرآن وسنت کی حفاظت میں صحابۂ کرامؓ نے جس طرح اپنے حیرت انگیز خداداد حافظے کو کام میں لایا، اسی طرح دوسرے وسائل اختیار کرنے سے بھی انہوں نے دریغ نہیں کیا، انہوں نے آیات واحادیث کی حفاظت لکھ کر بھی کی ہے، بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھا تھا، اسی میں تلاوت کیا کرتے تھے، بہت سے صحابۂ کرامؓ نے چند سورتیں یا چند آیتیں لکھ رکھی تھیں، احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ بھی بہت سے صحابۂ کرامؓ کے پاس محفوظ تھا، کثرت سے آیات واحادیث یاد کرنے اور لکھنے کی روایات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اندر وحی اور دین کی حفاظت کا جذبہ کتنا زیادہ تھا، اُس دور میں جب کہ لکھنے پڑھنے کے وسائل آج کی طرح بہت وافر نہ تھے، پھر بھی انہوں نے بڑی دلچسپی سے کتابت سیکھی اور سکھائی، بعض صحابۂ کرامؓ کو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت سکھانے کا حکم تھا، وہ اپنے فن کا مظاہر کرتے تھے، بعض اہلِ فن کو خدمت نبوی میں رہ کر ''وحی الٰہی'' کی کتابت کا شرف بھی حاصل ہوا، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، اُن میں بھی درجہ بندی تھی، بعض کی غیر موجودگی میں بعض کی نیابت متعین تھی، بعض کو احادیث لکھنے کی خصوصی اجازت بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، احکامِ زکوٰۃ وصدقات، فرامین ومعاہدات لکھنے کے لیے بھی صحابۂ کرامؓ کی اچھی خاصی تعداد دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود رہتی تھی، حیدرآباد کے مشہور ومعروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھے گئے دستاویزات جمع فرمائے

☆ مدرس دارالعلوم دیوبند

ہیں، ہر دستاویز پر لکھنے والے صحابۂ کرامؓ کے نام بہ حیثیت کاتب درج ہیں، اس سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے درمیان لکھنے والوں کی ایک کثیر تعداد تھی۔

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرامؓ نے جس طرح اپنے حافظہ کے ذریعہ دین کی حفاظت کی ہے، اسی طرح لکھ کر بھی پورے دین کو مکمل شکل میں انہوں نے محفوظ فرمایا ہے۔

راقم الحروف کوتاہ ہمت اب تک کی جدوجہد اور کاوش سے تاریخ وسیر کی کتابوں سے پچھتر (۷۵) صحابۂ کرامؓ کے نام دریافت کرسکا ہے، جنہوں نے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا ہے، بعض نے وحی کی کتابت فرمائی، بعض نے احادیث لکھیں، بعض نے دستاویزات لکھے، بعض نے احکام زکوٰۃ اور فرامینِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کی، بعض نے قرآن مجید کی جمع تدوین میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔

کتاب التراتیب الإداریہ (۱/۱۶ا مراکش) میں ایسے صحابۂ کرامؓ کی تعداد بیالیس ہے، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی کتاب ''کاتبانِ وحی'' میں اڑتالیس صحابۂ کرامؓ کا ذکر ہے، اور المقری محمد طاہر رحیمی ملتانی کی کتاب ''کاتبانِ وحی'' میں چھپن صحابۂ کرامؓ کا ذکر ہے، اسی کتاب سے حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم نے ''کاتبینِ وحی'' میں موادفراہم فرمایا ہے، ان سب میں سے تکرار کو حذف کرنے کے بعد ''کاتبین'' صحابۂ کرامؓ کی تعداد پچھتر (۷۵) ہوجاتی ہے، ان میں سے انچاس (۴۹) صحابۂ کرامؓ ایسے ہیں، جن کے بارے میں راقم الحروف کو کاتب ہونے کی صراحت کتابوں میں مل گئی، اور ایک نام عبداللہ بن خطل یا عبدالعزی بن خطل ہے، اس کے بارے میں ارتداد کی روایت ملتی ہے، کاتب ہونے کی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح ایک نامعلوم ''نصرانی انصاری'' کے کاتب ہونے کی روایت ملتی ہے؛ تاہم یہ بھی لکھا ہے کہ ایمان سے پھر گیا تھا، جب دفن کیا گیا تو قبر نے اوپر پھینک دیا، اور ایک نام ''السجل'' ذکر کیا جاتا ہے، سورہ انبیاء (آیت ۱۰۴) میں مذکور ہے، راجح قول کے مطابق یہ کوئی کاتبِ وحی صحابی نہیں ہیں، اسی طرح مزید تئیس (۲۳) صحابۂ کرامؓ کے بارے میں صریح روایت تلاشنے سے راقم الحروف قاصر رہا؛ اس لیے اخیر میں ان کے ناموں کی ''الف بائی'' فہرست لکھ دی گئی ہے؛ تاکہ ان کے بارے میں صریح روایتوں کی تحقیق کی جاسکے، متعدد اہلِ علم نے کاتبینِ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ان کے اسمائے گرامی درج فرمائے ہیں، جن صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تاریخی روایات موجود ہیں اُن کی ترتیب بھی ''الف بائی'' رکھی گئی ہے؛ تاکہ متعین نام تلاش کرنے میں سہولت ہو، ان کی ابتداء صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت ابان بن سعیدؓ سے ہے اور یزید بن معاویہؓ پر یہ ترتیب مکمل ہوتی ہے۔

۱) **حضرت ابان بن سعیدؓ:** حضرت ابان بن سعید اُن صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں، جن کو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بارہا کتابت کا شرف حاصل ہوا، اس کی صراحت حضرت عمر بن شبہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابن عبدالبر، ابن الاثیر، ابن کثیر دمشقی، ابن سیدالناس، عراقی، انصاری اور مسعودیؒ وغیرہ نے کی ہے، (۱)

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی، اموی رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ کے موقع سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تھا، تو ان کو حضرت ابانؓ نے ہی پناہ دی تھی اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے نہایت ہی جرأت و بے باکی سے ارشاد فرمایا تھا:

اَقْبِلْ و اَدْبِرْ وَلَا تَخَفْ اَحَداً. (۲)

''آپ آگے پیچھے جہاں تشریف لے جانا چاہیں، لے جائیں، اور کسی سے خوف زدہ نہ ہوں!

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے تین ماہ کی درمیانی مدت میں ایمان لائے، (۳) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی کے بعد ان کو ''بحرین'' کا عامل مقرر فرما دیا تھا (۴)، پورے عہدِ نبوی میں اس عہدہ پر فائز رہے اور صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت میں شام کے محاذِ جنگ پر گئے اور جامِ شہادت نوش کیا، بعض روایات میں ''جنادین'' سنہ ۱۳ھ میں آپ کی شہادت کا ذکر ہے اور بعض مؤرخین نے جنگِ یرموک ۱۵ھ میں آپ کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ (۵)

۲) **حضرت ابو ایوب انصاریؓ**: میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کون واقف نہیں؟ آپ سابقین اولین میں سے ہیں، بیعت عقبۂ ثانیہ میں موجود تھے، بدر و حنین اور خندق سمیت سارے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ کو بھی دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہے، عراقیؒ، انصاریؒ اور ابن سید الناسؒ وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عراق جانے لگے تھے تو اس موقع سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا، خوارج کی جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف سے حصہ لیا، بالآخر قسطنطنیہ کی جنگ میں شہید ہوئے، وفات سے پہلے سپہ سالار نے آپ سے آخری خواہش پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ: جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو دشمن کی زمین میں آگے لے جا کر دفن کر دینا؛ چنانچہ جب انتقال ہوا تو یزید بن معاویہ نے ایک دستہ تیار کیا، جس کی نگرانی میں آپ کو قسطنطنیہ کے قریب لے جا کر دفن کیا گیا۔ (۷)

۳) **حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ**: خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابۂ کرامؓ میں سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''ثانی اثنین اذ هما في الغار'' (۸) فرمایا ہے، آپ کی صحابیت قرآنِ پاک سے ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص بھی آپ کے صحابی ہونے کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، عام الفیل کے ڈھائی سال بعد، ہجرت سے پچاس سال پہلے پیدا ہوئے (۹) آپ کا نام عبد اللہ ہے، یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا تھا، پہلے نام ''عتیق'' تھا، کنیت ابو بکر اور لقب ''صدیق'' ہے، آپ کو بھی دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کی صراحت، ابن حجر، ابن کثیر، عمرو بن شبہ، ابن سید الناس، مزی، عراقی اور انصاری نے کی ہے۔ (۱۰)

یہ بات تو صحیح ہے کہ آپ نے کم لکھا ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ آپ لکھنا جانتے ہی نہ تھے، جیسا کہ بعض عیسائی مؤرخین نے محض

بغض وعناد میں لکھ دیا ہے، یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔امام بخاریؒ کی روایت میں کئی مرتبہ حضرت انسؓ کا یہ قول موجود ہے کہ: سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے آپ کو احکامِ زکوٰۃ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمائے، لکھ کر دیئے، اس طرح کی روایات کو بلا دلیل کیوں کر حقیقت سے پھیرا جا سکتا ہے؟ خود سُراقہ بن مالکؓ والی روایت بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے لکھنے کی تصدیق کرتی ہے، ابن کثیرؒ نے اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔(۱۱)

۴) **حضرت ابوخزیمہ بن اَوس رضی اللہ عنہ:** ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابوخزیمہ بن اَوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار، یہ انصاری خزرجی ہیں، غزوۂ بدر اور دیگر معرکوں میں شریک ہوئے۔

ان کے بارے میں ابن شہاب نے عبید بن السباق سے اور انہوں نے زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے کہ: میں نے ''سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں'' ابوخزیمہ انصاری کے پاس پائیں۔(۱۲)

۵) **حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ:** آپ کا پورا نام صخر بن حرب تھا، عمر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے، فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے، اس سے پہلے اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، فتحِ مکہ کے دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے، حنین، طائف اور یرموک وغیرہ میں شریک ہوئے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''نجران'' کا عامل مقرر فرمایا تھا، زمانۂ جاہلیت سے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، مشہور مؤرخ واقدی نے آپ کو زمانۂ جاہلیت میں لکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔

اسلام لانے کے بعد آپ کو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی لکھنے کا شرف حاصل ہوا، عراقی، ابن سید الناس، ابن مسکویہ اور انصاری نے اس کی صراحت کی ہے۔(۱۳) حضرت ابوسفیان کی وفات تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ہوئی، یہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، بعض نے ۳۰ھ، بعض نے ۳۱ھ اور بعض مؤرخین نے ۳۴ھ میں آپ کی وفات لکھی ہے۔

۶) **حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالأسد رضی اللہ عنہ:** آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالأسد بن ہلال بن مخزوم ہے، (۱۴) آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے (۱۵) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح عموماً آپ بھی کنیت ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ سابقین اولین میں شمار کے جاتے ہیں، ایک روایت کے مطابق آپ گیارہویں مسلمان ہیں۔ آپ کی شادی ام سلمہؓ سے ہوئی آپ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ کو ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، ایک روایت کے مطابق قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ وصول کرنے والوں میں آپ پہلے شخص ہوں گے۔ غزوۂ احد میں ایسا کاری زخم لگا کہ وہی موت کا سبب بن گیا۔(۱۶)

دربارِ رسالت مآب میں کتابت کا شرف بھی حاصل ہوا، اس کی صراحت ابن سید الناس، ابن مسکویہ، ابومحمد دمیاطی، عراقی یعمری اور انصاری نے کی ہے۔(۱۷)

۷) **حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:** حضرت ابی ابن کعبؓ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: اُبی بن کعب بن قیس بن زید بن معاویہ بن عمرو انصاری نجاری، کنیت ابوالمنذر اور ابوالطفل تھی، سارے غزوات میں شریک ہوئے، آپ فقہائے صحابہ میں بھی شمار ہوتے ہیں، اور بلا اختلاف سید القراء ہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ تم کو قرآن سناؤں، حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ (۱۸)

آپ مشہور ومعروف کاتبینِ وحی میں سے ہیں، دربارِ رسالت مآب میں کتابت کا شرف حاصل کرنے کی صراحت بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ (۱۹)

ایک روایت میں ہے کہ: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر (مدینہ منورہ) وحی لکھنے والوں میں آپ سب سے اول ہیں (۲۰) عیون الاثر اور تاریخ ابن الاثیر میں بھی آپ کے سب سے پہلے کاتب ہونے کی صراحت موجود ہے (۲۱) تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وحی کی کتابت فرماتے تھے، اور اگر وہ موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں کئی ایسے مکاتیب ذکر کیے ہیں، جن میں کاتب کا نام ابی بن کعب درج ہے، مثال کے طور پر دیکھیے: وثیقہ نمبر ۶۳، ۶۴، ۶۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۶۳، ۱۷۴، ۲۰۶، ۲۴۴ وغیرہ (۲۲) آپ کی وفات علی اختلاف الاقوال ۱۹ھ یا ۲۰ھ یا ۲۲ھ یا ۳۰ھ میں ہوئی۔ (۲۳)

۸) **حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ:** انھیں کے گھر میں حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا، اس کے بعد ہی کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جانے لگی، یہ گھر کوہِ صفا کے دامن میں تھا، اسے دعوتِ اسلام کا پہلا خفیہ مرکز کہا جاسکتا ہے، حضرت ارقم ساتویں مسلمان تھے اور حضرت عمرؓ چالیسویں مسلمان تھے۔

آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدقات جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا، اور مدینہ طیبہ میں ایک حویلی بھی عنایت فرمائی تھی۔ (۲۴)

متعدد مؤرخین نے آپ کا نام کاتبینِ دربار رسالت میں لکھا ہے، مثلاً ابن کثیر، ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ۔ (۲۵)

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عظیم بن الحارث الحاربی کو ایک بہت بڑی جاگیر لکھ دی تھی۔ (۲۶)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی مشہور ومعروف کتاب الوثائق السیاسیہ میں وثیقہ نمبر ۸۴، ۸۸، ۱۷۶، ۲۲۱ پر بحیثیت کاتب حضرت ارقمؓ کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کی عمر اسی سال سے زائد ہوئی، بعض نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے دن آپ کی وفات لکھی ہے اور بعض نے ۵۵ھ بتائی ہے، وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (۲۷)

۹)　**حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ:** حضرت بریدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ایمان قبول کیا، اور غزوۂ احد کے بعد مدینہ تشریف لائے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ غزوات میں شریک ہوئے (۲۸) متعدد مؤرخین نے آپ کا نام کاتبینِ دربار رسالت میں شمار کیا ہے، مثلاً: ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ۔(۲۹)

حضرت بلال بن سراج بن مجاعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کو یمن میں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، جس کی تحریر حضرت بریدہؓ نے لکھی تھی، وہ درج ذیل ہیں:

''محمد رسولؐ کی طرف سے مجاعہ بن مرارہ کے لیے جو بنی سلم سے ہے کہ: میں تم کو ایک سرحدی زمین دیتا ہوں جو کوئی تم سے اس معاملہ میں جھگڑا کرے اُسے چاہیے کہ میرے پاس آئے''۔ اس کو بریدہ نے لکھا۔(۳۰)

۱۰)　**حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:** آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے جس طرح حضرتِ حسان بن ثابتؓ کو آپؐ کے شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے (۳۱) جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت ثابتؓ نے تقریر کی اور فرمایا کہ ہم دشمنوں سے آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں؛ لیکن اس کے بدلے ہمیں کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت! اس پر پورے مجمع نے خوشی کا اظہار کیا اور بیک زبان ہو کر سب بول پڑے کہ: ہم اس پر خوش ہیں۔(۳۲)

آپ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں ابن کثیر، ابن سعد، ابن سید الناس، مزّی، عراقی اور انصاری نے اس کی صراحت کی ہے۔(۳۳)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر حمید اللہ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں وثیقہ نمبر ۱۵۷ میں تحریر کنندہ کا نام قیس بن شماس الرویانی لکھا ہے؛ لیکن صحابۂ کرامؓ میں اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا، شاید یہ ثابت بن قیس بن شماس ہوگا''(۳۴)

آپ کی شہادت جنگ یمامہ میں ۱۱ھ کو ہوئی۔(۳۵)

۱۱)　**حضرت جعفر رضی اللہ عنہ:**

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رقم طراز ہیں: ''بیہقی کی ابن اسحاق والی روایت کے سوا میں نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جعفر رضی اللہ عنہ کا نام کسی کو ذکر کرتے نہیں پایا (۳۶) مزید برآں یہ کہ میرے نزدیک یہ شخصیت بھی غیر واضح ہے؛ کیوں کہ اس نام کے متعدد صحابۂ کرامؓ تھے، شاید یہ جعفر بن ابی طالب ہیں یا جعفر بن ابی سفیان۔

بیہقی میں ہے...... جب کبھی حضرت زیدؓ اور عبداللہؓ بن اَرقم وقت پر موجود نہ ہوتے اور کسی کماندار کو، کسی بادشاہ کو یا کسی

دوسرے انسان کو کوئی چیز لکھ کر دینا ہوتی تو حضرت جعفرؓ سے لکھوا لیتے تھے الخ"۔ (۳۷)

۲) **حضرت جہم بن سعد رضی اللہ عنہ:** ابن حجر کی روایت ہے کہ حضرت جہمؓ کو القفاعی نے کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ اور جہمؓ اموالِ صدقہ لکھا کرتے تھے، اسی طرح مفسر قرطبیؒ نے بھی اپنی تالیف "مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں کاتبین میں آپ کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ عراقی اور انصاری نے بھی آپ کا شمار کاتبین کے ضمن میں کیا ہے۔ (۳۸)

۱۳) **حضرت جُہیم بن الصلت رضی اللہ عنہ:**

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: جُہیم بن الصلت بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف قرشی رضی اللہ عنہ۔

ابن الاثیر اور بن عبد البر نے لکھا ہے کہ آپ فتح خیبر کے سال مسلمان ہوئے، اور ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے (۳۹) بلاذری نے لکھا ہے کہ جُہیم بن الصلت زمانۂ جاہلیت سے لکھنا جانتے تھے، اسلام لانے کے بعد بھی آپ نے لکھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بھی لکھا ہے (۴۰) اموالِ صدقہ کی تفصیلات لکھنے کی روایت بھی ملتی ہے (۴۱)

حضرت جُہیم کے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہونے کی صراحت ابن شبہ، یعقوبی، ابن مسکویہ، ابن سید الناس، ابن حجر، عراقی، انصاری نے بھی کی ہے۔ (۴۲)

۱۴) **حضرت حاطب بن عمر رضی اللہ عنہ:**

سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

حضرت حاطب بن عمرو بن عبد الشمس بن عبدوَدّ قرشی عامری رضی اللہ عنہ ابتدائی دور میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، حبشہ کی طرف ہجرت کی، جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

دربار رسالت میں کتابت کا شرف حاصل کیا، ابن مسکویہ، ابن سید الناس عراقی اور انصاری وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ (۴۳)

۱۵) **حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ:** حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے معتمد تھے، یمن کے رہنے والے تھے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب کوئی وفات پا جاتا تو حضرت عمرؓ فرماتے: اگر حذیفہؓ اس کے جنازہ میں شریک ہوں گے تو ہی عمرؓ شامل ہوگا، اگر وہ شامل نہ ہوں گے تو میں بھی نہ ہوں گا۔ (۴۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا: کوئی تمنا کرو! انہوں نہ تمنا کی کہ اے کاش! ان کے وہ گھر جن میں وہ رہتے ہیں جواہرات اور دینار و درہم سے بھرا ہوا اور وہ ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں! لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: میری تمنا ہے کہ: میرے پاس ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن الیمانؓ جیسے لوگ ہوں، جن کو میں اللہ کی اطاعت کے لیے عامل مقرر کروں۔ (۴۵)

آپ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں، اس کی صراحت قرطبی، ثعالبی، عراقی اور انصاری نے کی ہے، ان سب نے لکھا ہے کہ: ''حضرت حذیفہؓ کھجور کی چھال پر لکھا کرتے تھے، اور مسعودی نے لکھا ہے کہ: حضرت حذیفہؓ حجاز کی متوقع آمدنی کے گوشوارے مرتب فرمایا کرتے تھے۔(۴۶)

آپؓ کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ۳۶ھ میں ہوئی۔(۴۷)

۱۶)　**حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ:** الوزراء والکتاب میں ہے کہ: حضرت حصین بن نمیرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ لوگوں کے معاملات لکھا کرتے تھے(۴۸) اور انصاری نے لکھا ہے کہ آپ دونوں حضرات قرض اور معاملات تحریر فرماتے تھے، ابن مسکویہ نے بھی آپ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں شخصیات عوام الناس کے معاملات بھی لکھا کرتے تھے اور حضرت خالدؓ اور حضرت معاویہؓ کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت میں کتابت فرماتے تھے(۴۹)

آپ کے کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونے کی صراحت عراقیؒ اور یعقوبیؒ نے بھی کی ہے۔(۵۰)

۱۷)　**حضرت حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ:**

حضرت حنظلہ بن الربیع بن صیفی بن ریاح تمیمی رضی اللہ عنہ بڑے مشہور و معروف جلیل القدر صحابی ہیں، ایک موقع سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ ان کی اور ان جیسوں کی اقتداء کیا کرو!(۵۱)

آپ مشہور کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، الوزراء والکتاب نامی کتاب میں ہے کہ آپ تمام کاتبین کے نائب تھے، اور ہر ایک کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں لکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ''الکاتب'' سے جانے جاتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا ہے(۵۲)۔ اور امام مسلم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے(۵۳) اور طبقات ابن سعد میں بھی اس کی صراحت موجود ہے(۵۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مہر حضرت حنظلہؓ کے پاس رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: ہر تیسرے دن مجھے تمام لکھایا ہوا یاد دلا دیا کرو! چنانچہ حضرت حنظلہؓ ہر تیسرے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اموال اور طعام وغیرہ جو آپ کی تحریری تحویل میں ہوتا یاد دلا دیا کرتے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو سونے سے پہلے تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔(۵۵)

آپ کے کاتب دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی صراحت ابن حجر، ابن کثیر، ابن سید الناس، ابن الاثیر، ابن شبہ، یعقوبی، مزی، عراقی، انصاری اور مسعودی وغیرہ نے کی ہے۔(۵۷)

آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔(۵۸)

۱۸)　**حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ:**

آپ نے فتح مکہ کے سال آٹھ سال کی عمر میں ایمان قبول فرمایا، آپ کے کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونے کی صراحت ابن مسکویہ، ابن سید الناس، عراقی اور انصاریؒ نے کی ہے۔(۵۹)

۱۹)　　حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ:

سابقین اولین میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد ہی اسلام قبول فرمایا تھا، بعض روایات کے مطابق تیسرے چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مذحج اور صفاء الیمین کے صدقات کا عامل مقرر فرمایا تھا، رحلتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک آپ اس عہدہ پر فائز تھے۔(۶۰)

حضرت خالد بن سعیدؓ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام امور کی کتابت فرماتے تھے(۶۱) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں درج ذیل وثائق میں کاتب کی حیثیت سے آپ کا اسم گرامی رقم فرمایا ہے:(۶۲)

سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی کتابت حضرت خالد بن سعیدؓ نے کی تھی (۶۳) مکہ مکرمہ میں وحی کی کتابت سے بہرہ ور ہوئے، اور جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں خطوط نویسی کا شرف حاصل ہوا، طبری کی صراحت کے مطابق حضرت خالد بن سعیدؓ کو خدمتِ نبوی میں بیٹھ کر ضروریات و معاملات لکھنے کا شرف بھی حاصل ہے، بہت سے مؤرخین نے آپ کا ذکر کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا ہے، ان میں سرفہرست: ابن اسحاق، ابن سعد، ابن شبہ، طبری، جہشیاری، ابن الاثیر، ابن کثیر، مزی، عراقی، ابن سید الناس، ابن مسکویہ اور انصاری وغیرہ ہیں۔(۶۴)

ایک قول کے مطابق حضرت خالد بن سعیدؓ کی شہادت ۱۴ھ میں ہوئی۔(۶۵)

۲۰)　　حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:

ہر مسلمان حضرت خالید بن ولیدؓ سے واقف ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سیف اللہ'' کا لقب دیا تھا، آپ کی کنیت ابوسلیمان تھی، ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث کے بھانجے تھے، ہجرت سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے، زمانۂ جاہلیت میں بھی جنگی مہارت وسیادت کے امتیازات آپ کے پاس رہتے تھے، آپ اکثر جنگلوں میں قائد ہوا کرتے تھے۔

جب آپ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسلامی لشکروں کی قیادت مرحمت فرمائی، فتحِ مکہ میں بھی شریک رہے، اور عزّیٰ کا بت آپ نے ہی گرایا تھا۔(۶۶)

آپ کاتبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، عمر بن شبہ، ابن کثیر، ابن سید الناس، عراقی اور انصاری وغیرہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔(۶۷)

علامہ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں حضرت خالد بن ولید کا رقم کردہ ایک خط نقل کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام مومنین کی طرف کہ: یہاں کوئی شکار نہ کرے، اور شکار کو نہ پکڑے، اور نہ ہی قتل کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہوا پایا گیا تو اسے کوڑے مارے جائیں گے، اور اس کے کپڑے اتار دیے جائیں گے، اور اگر کوئی ان حدود کو توڑے گا تو وہ ماخوذ ہوگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کردیا جائے گا'' اور یہ تحریر محمد رسول اللہ کی

طرف سے ہے، اور اِسے خالد نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے لکھا ہے''۔ اور کوئی انھیں پامال نہ کرے ورنہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوگا جیسا کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ (۶۸)

حضرت خالدؓ کی وفات ۲۱ھ میں حمص میں ہوئی۔ (۶۹)

۲۱) **حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ:** آپ مشہور صحابی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ بن عامر بن عیان بن عامر بن خطمہ بن جشم بن مالک بن اوس انصاری اوسی۔

آپ سابقین اولین مسلمانوں میں سے ہیں، تاریخ وسیر کی کتابوں میں آپ کے فضائل ومناقب بڑی کثرت سے مرقوم ہیں۔

کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مصاحف کی کتابت کے وقت ہم کو ''سورۂ احزاب'' کی آیت (۲۳) مِنَ المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاهدوا الله علیه الخ. حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے ملی، جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا۔

اس سے آپ کے کاتبِ وحی ہونے کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔ (۷۰)

۲۲) **حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:** آپ نے ہجرت سے ۱۸/ سال پہلے ایمان قبول فرمایا، اس وقت آٹھ سال کے تھے، اسلام لانے کی وجہ سے چچا نے طرح طرح کی اذیتیں دی، آپ ساری تکلیفیں برداشت کرتے اور زبان سے یہ الفاظ دہراتے تھے:

لا أرجعُ إلیٰ الکفرِ أبداً (۷۱) ترجمہ: میں اَب کبھی کفر کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔

آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، آپ کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع سے ارشاد فرمایا:

لکل نبي حواري وحواري الزبیر. (۷۲)

ہر نبی کا ایک حواری (خیر خواہ، مددگار) ہوتا ہے، اور میرا حواری زبیر ہے۔

آپ کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، خدمتِ نبوی میں اموالِ صدقات کی کتابت کا شرف آپ کو اور حضرت جہیم لعیلات کو حاصل ہے، متعدد مؤرخین نے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی کتابت کی صراحت فرمائی ہے، ان میں سرفہرست ابن شبہ، ابن کثیر، عراقی، ابن سید الناس، اور انصاری ہیں، آپ قبیلۂ طی کے بنو معاویہ کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط تحریر فرمایا تھا۔ (۷۳)

۲۳) **حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:** کاتبینِ وحی میں سے نمایاں اور سرفہرست آنے والا نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حضرت زید بن ثابت بن ضحاک بن زید خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ، کتابتِ قرآن؛ بلکہ قرآن مجید کی جمع وتدوین میں

سب سے نمایاں خدمت آپ نے ہی انجام دی ہے، آپ مدینہ منورہ کے مفتی اور امام تھے، علمِ میراث میں مشیخیت کا درجہ حاصل تھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:

أفرض أمتي زيد بن ثابت. (۷۴)

میری امت میں سب سے زیادہ علمِ فرائض جاننے والے، زید بن ثابت ہیں۔

آپؐ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر گیارہ سال تھی، اور سترہ سورتیں یاد کر چکے تھے، جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سورتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے اور یہودی پر عدمِ اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے، ان کی زبان وتحریر سیکھنے کا حکم فرمایا، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ: نصف مہینہ میں ہی یہود کی زبان وتحریر پر میں قادر ہوگیا، اور اتنا ماہر ہوگیا کہ: یہود کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھتا تھا، اور ان کی طرف سے جو خطوط آتے تھے ان کو آپ کے سامنے پڑھتا بھی تھا۔

حضرت زیدؓ ہی کی روایت ہے کہ: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا: میں ایک ایسی قوم کے پاس مراسلت کرتا ہوں، جس پر مجھے اطمینان نہیں ہے کہ وہ کہیں کچھ زیادہ یا کمی نہ کردے، لہذا اے زیدؓ! تم سُریانی زبان سیکھ لو! میں حکم پاتے ہی صرف پندرہ یا سترہ دنوں کی قلیل مدت میں سُریانی زبان سیکھ لیا، (۷۵) آپ خدمتِ نبوی میں رہ کر بادشاہوں کے خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ (۷۶)

آپ کے کاتبینِ وحی میں سے ہونے کی روایت متواتر ہیں، جن مؤرخین نے کتابت کی صراحت کی ہے، ان میں سرفہرست ابن اسحاق، خلیفہ ابن خیاط، عمر بن شبہ، بخاری، طبری وغیرہ ہیں۔ (۷۷)

حضرت زید فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی، آپ کے جسمِ اطہر پر پسینوں کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، جب آپ کی یہ کیفیت ختم ہوجاتی تھی تو میں سامانِ کتابت لے کر حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا، لکھنے کے دوران قرآن پاک نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہ سکوں گا، جب فارغ ہوجاتا تو آپؐ فرماتے ''پڑھو''! میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے، پھر اُسے لوگوں کے سامنے لاتے۔ (۷۸) اسی امتیازی وصف کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ سے آپ کو ایک جگہ قرآن مجید جمع کرنے کی خدمت اصرار کے ساتھ سپرد فرمائی، اور انھیں اوصاف کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ نے مصاحف نقل کرنے والی جماعت کا انچارج بنایا۔ (۷۹)

۲۴) السجل: قرآن مجید کی آیت: ''يَومَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ للكتب الخ'' (۸۰) ''وہ دن یاد کرنے کا قابل ہے جس دن ہم (نفخۂ اولی کے وقت) آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹا جاتا ہے اس کی تفسیر میں ''السجل'' سے متعلق تین اقوال ملتے ہیں:

(الف) بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد کتاب ہے

(ب) بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے

(ج) بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ایک صحابی ہیں، جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کیا کرتے تھے:

السجلُ کاتبُ النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم.(۸۱)

اس کی صراحت ابوداؤد، نسائی اور طبری میں بھی ہے، (۸۲) کشاف، درمنثور اور فتح القدیر میں بھی یہ قول ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ: یہ روایت موضوع ہے، حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ صحابۂ کرامؓ میں سجل نامی کوئی شخص ہے ہی نہیں۔(۸۳)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے خطیبؒ کا قول نقل کیا ہے:

ھٰذا مُنْکَرٌ جداً لا یصح اصلاً من حدیث ابن عمر (۸۴)

یہ بہت منکر قول ہے، ابن عمرؓ سے اس طرح کی کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (۸۵) البدایہ والنہایہ (۸۶) اور الفصول فی سیرۃ الرسولؐ (۱۸۸) میں اس طرح کی روایت کے غیر واضح اور ناقابلِ اعتبار ہونے پر مکمل کلام کیا ہے، لکھتے ہیں:

" قلت: وقد أنْکَرَ غیرُ واحدٍ من الحُفّاظ، وقد أفردتُ لهٗ جزءاً وَبَیَّنْتُ طرَقَهٗ و عِلَلَهٗ، ومن تکَلَّم فیه من الأئمة، ومن ذھب منھم إلیٰ أنهٗ حدیثٌ موضوعٌ. " (۸۷)

''میں کہتا ہوں کہ متعدد حفاظِ حدیث نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے، میں نے اس پر ایک الگ تصنیف کی ہے، اس میں ساری سندوں کو ان کے اسباب وعلل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس میں ان تمام ائمہ کے اقوال کو بھی جمع کیا ہے، جنھوں نے اس حدیث کی سندوں پر کلام کیا ہے، اور ان لوگوں کے بھی اقوال جمع کیے ہیں، جنھوں نے حدیث کو موضوع قرار دیا ہے'' واللہ اعلم

نوٹ: چوں کہ بعض کتابوں میں یہ نام مذکور ہے، قارئین کو اس سے تشویش ہوتی ہے؛ اس لیے اس پر اتنی طویل گفتگو کی گئی۔ اشتیاق احمد

۲۵) **حضرت سعد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ:**

یہ خالد بن سعید اور ابان بن سعیدؓ کے بھائی ہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن آپ کو بازارِ مکہ کا عامل بنایا تھا، یوم طائف میں شہید ہوئے ابن سید الناس، انصاری اور ابن مسکویہ نے آپ کو کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔(۸۸)

۲۶) **شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ:** انہوں نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا تھا، اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی

کی، حضرت ابوبکرؓ نے شام کی فتوحات کے لیے انھیں بھیجا تھا، اور حضرت عمرؓ نے شام کے علاقے کا آپ کو والی بنایا، آپ کاتبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، عمر بن شبہ، مسعودی، یعقوبی، عراقی، ابن سید الناس اور انصاری نے اس کی صراحت کی ہے۔(٨٩)

''الوثائق السیاسیہ'' میں ایک وثیقہ (٤٣) آپ کا لکھا ہوا ہے، شام کے طاعونِ عمواس میں ١٨ھ کو وفات ہوئی۔

٢٧) **حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:** ان آٹھ لوگوں میں سے ہیں جو پہلے پہل اسلام لائے، اور ان پانچ لوگوں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، (٩٠) غزوۂ احد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جان کے ذریعہ بچاؤ کیا، تیر اپنے ہاتھوں پر روکتے تھے، اس کی وجہ سے انگلیاں شل ہوگئی تھیں، اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''طلحۃ الخیر'' کا لقب دیا، اور بیعتِ رضوان کے موقع سے ''طلحۃ الجود'' کا لقب دیا اور غزوۂ تبوک کے موقع سے ''طلحۃ الفیاض'' کے لقب سے نوازا۔

آپ نے ان چار عورتوں سے نکاح کیا جن کی ایک ایک بہن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔

حضرت طلحہ کو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہوا، اس کی صراحت ابن مسکویہ، ابن سید الناس، عراقی، اور انصاری وغیرہ نے کی ہے۔(٩١)

٢٨) **حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ:** یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے، حضرت عمرؓ سے پہلے ہی ایمان قبول فرمایا، ایمان قبول کرنے کی وجہ سے آپ کو بڑی اذیت دی جانے لگی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا (٩٢) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقِ اکبرؓ جن دنوں غارِ ثور میں چھپے تھے، ان دنوں عامر بن فہیرؓ اس کے ارد گرد بکریاں چراتے تھے، شام کے وقت بکریوں کو غار کے پاس لے جاتے، دونوں حضرات بکریوں کا دودھ پی لیتے تھے، جب صبح ہوتی تو صدیقِ اکبرؓ کے فرزند عبد اللہؓ غار کے پاس سے بکریوں کے قدموں کے نشانات پر چل کر انہیں مٹا دیتے (٩٣) غزوۂ بدر واُحد میں شریک ہوئے، اور بیئرِ معونہ میں شہید ہوئے۔(٩٤)

بلاشبہ آپ کاتبانِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، اس کی صراحت مزی، ابن کثیر، عراقی، ابن سید الناس اور انصاری وغیرہ نے کی ہے۔(٩٥)

مسند احمد میں ہے کہ: (ہجرت کے سفر میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک المدلجی کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا، وہ عامر بن فہیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا تھا، سراقہ خود کہتے ہیں:

> ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان نامہ لکھ دینے کی درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیر کو حکم فرمایا، انہوں نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر وہ امان نامہ تحریر کر دیا۔(٩٦) یہ تو مسند احمد کی روایت ہے۔

البدایہ والنہایہ میں ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے ایک امان نامہ لکھا اور اس کے حوالے کر دیا۔(۹۷)

ابن کثیرؒ نے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ: امان نامہ کا کچھ حصہ حضرت ابوبکرؓ نے لکھا اور کچھ حصہ آپ کے غلام عامر نے لکھا واللہ اعلم بالصواب۔(۹۸)

۲۹) حضرت عباس رضی اللہ عنہ:

کسی بھی مؤرخ نے حضرت عباسؓ کا ذکر بہ حیثیت کاتبِ رسول اللہ کے نہیں کیا ہے؛ حالاں کہ بعض وثائق میں حضرت عباسؓ کا نام مرقوم ہے، شاید وجہ یہ ہو کہ اکثر لوگ اپنے پیش رو کی بات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہاں یہ بات ضرور قابلِ تحقیق ہے کہ حضرت عباسؓ سے کون سے عباسؓ مراد ہیں؟ اس لیے کہ صحابۂ کرام میں بہت سے ایسے حضرات موجود ہیں جن کا نام عباسؓ ہے، میں ذیل میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق درج کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ:

''میں اس امر سے کوئی مانع نہیں پاتا کہ کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں حضرت عباسؓ کے نام کا اضافہ کردوں؛ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ عباسؓ کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میرے نزدیک مبہم ہے؛ کیوں کہ صحابۂ کرامؓ میں بہت سارے ایسے حضرات موجود ہیں، جن کا نام نامی عباس ہے، جن کو ابن عبدالبر، ابن حجر اور ابن اثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

زیادہ تر عباسؓ سے مراد عباسؓ بن عبدالمطلب ہی ہوتے ہیں، اور یہی ہمارا مقصد ہے، وہ تحریر جس پر ہم اس نام کے اضافہ کرنے کا اعتماد کر رہے ہیں، غنائمِ خیبر اور ان کو امہات المؤمنین وغیرہ پر تقسیم کرنے کے متعلق ہے.......... اس تحریر کا ترجمہ پیش ہے:

''اس گندم کا ذکر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو عطا فرمایا، ازواجِ مطہرات کے لیے ایک سو اسّی (۱۸۰)، فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پچاسی (۸۵)، اسامہؓ بن زید کے لیے چالیس (۴۰) مقداد بن الاسود کے لیے پندرہ (۱۵) اور ام رُمیثہ کے لیے پانچ وسق ہوں گے''

''عثمان بن عفان اور عباسؓ گواہ بنے اور ''عباس'' نے ہی لکھا''(۹۹)

۳۰) حضرت عبداللہ بن الارقم رضی اللہ عنہ: فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ کے دادا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے (۱۰۰) آپ کی کتابت پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد فرمایا، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی آپ سے مختلف چیزیں لکھوائی ہیں۔(۱۰۱) حضرت عمرؓ نے آپ کو بیت المال کا متولی بھی بنایا تھا، وفات سے پہلے بینائی ختم ہوگئی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔(۱۰۲)

بلا شبہ آپ کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس کی صراحت ابن اسحاق، ابن شبہ، بخار، مسلم، طبری، جہشیاری، مسعودی اور ابن مسکویہ وغیرہ نے کی ہے (۱۰۳)

امام بیہقی کی سننِ کبری میں ایک روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط آیا، تو آپ نے فرمایا: میری طرف سے کون جواب دے گا؟ عبداللہ بن الارقمؓ نے جواب دیا: ''میں''! اور انہوں نے اس کا جواب لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، اور پسند فرمایا، اور دعاء فرمائی: ''اللّٰھم وَفِّقْه'': اے اللہ! اسے خیر کی توفیق عطا فرما! (۱۰۴)

ایک روایت میں ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن الارقم بن یغوثؓ سے لکھوایا کرتے تھے، اور وہ آپ کی طرف سے بادشاہوں کو جواب دیا کرتے تھے، کتابت میں ان کی امانت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر اعتماد تھا کہ آپ انھیں کسی بادشاہ کی طرف خط لکھنے کا حکم فرماتے تو وہ لکھ کر اور مہر لگا کر بند کر دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن الارقمؓ سے لکھوایا کرتے تھے، جب یہ دونوں موجود نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حاضر ہوتا، اس سے لکھواتے، عموماً حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت مغیرہؓ اور حضرت معاویہؓ موجود ہوتے تھے۔ (۱۰۵)

حضرت عبداللہ بن الارقمؓ زیادہ تر قبائل کے درمیان معاہدات، بادشاہوں کے خطوط، انصار کے مردوں اور عورتوں کے درمیان مکانات کے تصفیے، قرض کی تحریریں، خرید و فروخت کے دستاویزات، پانی کی تقسیم کے معاہدات وغیرہ تحریر فرماتے تھے۔ (۱۰۶)

۳۱) **حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:** آپ صدیق اکبرؓ کے صاحب زادے ہیں، شروع میں ہی اسلام قبول کیا، حنین، طائف میں شریک ہوئے، وفات ۱۱ھ میں ہوگئی، والد ماجد نے نماز جنازہ پڑھائی، عموماً مؤرخین نے ان کو کاتبین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں شمار فرمایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بلا شبہ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے الوثائق السیاسیہ میں وثیقہ نمبر ۹۴ میں بہ حیثیت کاتب عبداللہ بن ابوبکرؓ صدیقؓ کا اسم گرامی نقل فرمایا ہے۔ (۱۰۷)

۳۲) **عبداللہ بن خطل یا عبدالعزّی بن خطل:** (مرتد ہو کر مقتول ہوا)

متعدد مؤرخین نے اس کے کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بات لکھی ہے، مثلاً: ابن سید الناس انصاری اور عراقی نے لکھا ہے کہ: یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کرتا تھا، پھر مرتد ہو گیا اور حضورؐ کے حکم سے قتل ہوا، اس وقت خانۂ کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا تھا۔ (۱۰۸)

لیکن ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں کہ: ''اس کے کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے (۱۰۹)

بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ وہ وحی کی کتابت میں اپنی طرف سے الٹ پھیر کر دیتا تھا؛ لیکن یہ بات بھی بہت مضبوط نہیں ہے، اس کے قتل کیے جانے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے عبدالبر نے لکھا ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، اس کے ساتھ ایک اور مسلمان کو کر دیا، اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا، اور قتل کی سزا کے ڈر سے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا، اور مشرکین سے جا ملا:۔(۱۱۰) سیرت ابن ہشام میں یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان، غلام تھا، جو اس کی خدمت کرتا تھا، اس نے غلام کو حکم دیا کہ پہاڑی بکرا ذبح کر کے اس کے لیے کھانا تیار کرے، اور خود سو گیا، جب اٹھا تو دیکھا کہ کھانا تیار نہیں ہے، بس کیا تھا کہ غلام کو جان سے ہی مار ڈالا اور ڈر کے مارے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا، اور شقاوت اتنی بڑھ گئی کہ اپنی دو لونڈیوں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ہجو کے اشعار کہلواتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے خون کو مباح قرار دیا، فتح مکہ کے دن وہ قتل کر دیا گیا، اس وقت وہ خانۂ کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا تھا، اس کے ساتھ اس کی لونڈیوں کے قتل کا بھی حکم نافذ ہوا تھا۔(۱۱۱)

۳۳)　**حضرت عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ:** بلند پایہ شاعر تھے، ایام جاہلیت ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، انصار میں سابقین اولین میں سے ہیں، انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ہے۔ غزوۂ احد، خندق، خیبر، وغیرہ میں شریک رہے، جنگ موتہ میں ۸ھ کو شہید ہوئے۔(۱۱۲)

آپ کاتبینِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، اس کی صراحت ابن سعد، عمرو بن شبہ، ابن عبدالبر، ابن حجر، عینی، عراقی، ابن سیدالناس اور انصاری وغیرہ نے کی ہے۔(۱۱۳)

۳۴)　**حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ:** یہ وہی عبداللہ ہیں، جن کو خواب میں اذان کا طریقہ بتایا گیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اسی طرح اذان دینے کا حکم فرمایا۔(۱۱۴) آپ کاتبِ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں، اس کی صراحت واقدی، ابن سیدالناس، ابن کثیر، عراقی، اور انصاری وغیرہ نے کی ہے۔(۱۱۵)

طبقاتِ بن سعد میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کا لکھا ہوا ایک خط بھی محفوظ ہے، ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ حیدر آبادیؒ نے الوثائق السیاسیہ میں اس کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے اخیر میں ہے کہ ''یہ تحریر عبداللہ بن زید نے لکھی ہے''۔(۱۱۶)

۳۵)　**حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ:** یہ حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی ہیں، فتحِ مکہ سے پہلے ہی ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، پھر شیطان کے بہکاوے میں آ کر مرتد ہو گئے اور مشرکینِ مکہ سے جا ملے، فتحِ مکہ کے دن حضرت عثمان غنیؓ کی سفارش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امان دیا، پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت پختہ مسلمان رہے، اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا۔(۱۱۷)

ارتداد سے پہلے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا بھی موقع نصیب ہوا، اہلِ تاریخ وسیر کا اس پر اتفاق ہے۔(۱۱۸)

ان کے سلسلے میں بعض کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ: ابن ابی سرح قرآن مجید کی کتابت میں تبدیلی کر دیا کرتے تھے، اس پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے(۱۱۹) انہوں نے متعدد روایتوں کو لکھنے کے بعد لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ سارا قصہ غلط ہے، اور ابن ابی سرحؓ کی طرف غلط منسوب ہے...... اس طرح کی بات کی نسبت متعدد لوگوں کی طرف کی گئی ہے، انھیں میں سے عبداللہ بن خطل انصاری بھی ہے، جو مرتد ہو کر مرا تھا اور دفنائے جانے کے بعد زمین نے اس کو باہر پھینک دیا تھا'' (۱۲۰)

قرآن مجید کی ہر قسم کی تحریف سے سلامتی، اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن مجید کے معاملہ میں نمایاں درجہ کی احتیاط جس کی شہادت دوستوں سے قبل دشمنوں نے دی، ان تمام چیزوں کی موجودگی میں، ہمارے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم قرآن مجید میں تغیر کے اس قسم کے قصوں کو تسلیم کرلیں، خصوصاً ایسی روایات کی بنا پر جو بے سند ہیں اور جن کو ابن ابی سرح کے دشمنوں نے تراشا اور پھر ان سے دوسروں نے نقل کی۔ آگے رقم طراز ہیں:

''معتمد علیہ قدیم مصادر میں ابن ابی سرح کے متعلق اس قسم کا کوئی قصہ مذکور نہیں ہے، قدیم مصادر میں سے ہمارے پاس سیرۃ ابن ہشام، سیرۃ ابن اسحاق ان میں صرف کتابت اور ارتداد کی بات ہے اور بس''۔

آگے لکھتے ہیں کہ:

''اصل میں یہ حکایت ابن کلبی سے منقول ہے جو شیعہ تھا، اور عثمانیوں کا دشمن تھا اور واقدی سے منقول ہے جو ضعیف بلکہ وضعِ حدیث کیساتھ متہم تھا۔'' اخیر میں خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

''کاتبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کوئی ایسی بات کہ فلاں اور فلاں قرآن میں تحریف کیا کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم اس سے غافل تھے، جھوٹی اور خلافِ واقع بات ہے، دین اس قسم کی ہفوات کو تسلیم کرتا ہے نہ علمی مباحث میں ایسی باتوں کو کوئی حیثیت حاصل ہے'' (۱۲۱)

۳۶) **حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ:** آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

عبداللہ بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف آپ قریشی ہیں، زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام ''حکم'' تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ''عبداللہ'' رکھا، آپ لکھنا بھی جانتے تھے بلکہ اچھے کاتب تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ نے حکم فرمایا تھا کہ: اہلِ مدینہ کو لکھنا سکھائیں! آپ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے شہادت نصیب فرمائی، بعض روایتوں میں آپ کی شہادت ''جنگ یمامہ'' ۱۱ھ اور بعض میں ''جنگ موتہ'' ۸ھ میں نقل کی گئی ہے، واللہ اعلم (۱۲۲)

۳۷) **حضرت عبداللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ عنہ:**

موصوف کا نام ''حباب'' تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے ''عبداللہ'' رکھ دیا، بدر، احد اور تمام غزوات میں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، ان کا باپ رئیس المنافقین تھا۔ (۱۲۳)

یہ کاتبین دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، یعقوبی، عمرو بن شبہ، ابن عبدالبر، تنبلی، عراقی، ابن حجر، ابن سید الناس، انصاری اور عامری وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ (۱۲۴)

صدیقِ اکبرؓ کے عہد خلافت میں مرتدین کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے (۱۲۵)

۳۸) **حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل رضی اللہ عنہ:** آپ لکھنا، پڑھنا جانتے تھے، اپنے والد سے پہلے ہی اسلام قبول فرمایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے حدیث شریف لکھنے کی اجازت طلب فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی؛ اس لیے آپ کے پاس حدیث شریف کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے زیادہ احادیث کا جاننے والا سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے کوئی نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے آپ قرآن مجید کے حافظ تھے، دربار نبوی سے تین دن سے کم میں ختم کی اجازت مانگی تھی تو اجازت نہیں ملی؛ البتہ تین دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی اجازت مل گئی۔

آپ کی وفات ۶۵ھ یا ۶۹ھ میں ہوئی۔ (۱۲۶)

۳۹) **حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:** تیسرے خلیفے ہیں، عام الفیل سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے، آپ ذو النورین ہیں، پہلے حضرت رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، ان کی وفات کے بعد ام کلثوم آپ کی زوجہ ہوئیں، آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔

دربار نبوی میں کتابت کا شرف حاصل ہوا، اس کی صراحت درج ذیل مؤرخین نے کی ہے: یعقوبی، عمرو بن شبہ، واقدی، طبری، ابن مسکویہ، جشیاری، ابن کثیر، ابن اثیر، مزی، ابن سید الناس، عراقی، انصاری وغیرہ۔ (۱۲۷)

۲۸/ ذی الحجہ ۲۳ھ کو آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، اور ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ کو عصر کے بعد جمعہ کے دن شہید کر دیے گئے۔ (۱۲۸)

۴۰) **حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ: عقبہ بن عامر بن عبس جہنی رضی اللہ عنہ:**

آپ علم فرائض اور فقہ میں بڑے ماہر تھے، زبان و بیان پر بھی اچھی خاصی قدرت تھی، شاعری کا ذوق نکھرا ہوا تھا، جمعِ قرآن میں بھی آپ نے خدمت انجام دی ہے، ابن سعد نے طبقات میں ایک وثیقہ نقل کیا ہے، جس میں کاتب کی حیثیت سے ''عقبہ'' کا نام ہے، اب یہ بات قابلِ تحقیق ہے کہ یہ عقبہ کون ہیں؟ راجح قول وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے کاتب کا نام ''علاء بن عقبہ'' لکھا ہے؛ حالاں کہ یہ ''عقبہ'' ہیں ابن عقبہ نہیں ہیں، انصاری نے ان کو کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ علاء بن عقبہ اور ہیں اور عقبہ اور ہیں، تحقیق کے لیے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کا مقالہ دیکھا جا سکتا ہے۔ (۱۲۹)

انہوں نے طبقات بن سعد ۴/۱، المصباح المضئی، ۳۷۷/۱ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۱۵۴ اور الاصابہ ۲/۲ کے حوالے درج فرمائے ہیں۔

۴۱) **حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ:** آپ کا اسم گرامی علاء بن عبداللہ بن عباد تھا، حضر موت سے تعلق تھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بحرین کا والی بنایا تھا۔

آپ کاتبینِ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، ڈاکٹر محمد حمیداللہ حیدر آبادیؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں متعدد دستاویزات پر آپ کا نام بہ حیثیت کاتب نقل فرمایا ہے۔(۱۳۰)۔(۱۳۱)

۴۲) **علاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ:** یہ بھی کاتبینِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں، یہ اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان قرض، خرید وفروخت اور دیگر معاملات کے دستاویزات لکھا کرتے تھے، (۱۳۲) انہوں نے ہی عمرو بن حزم کا معاہدہ لکھا، جس کی اصلاح ابوموسیٰؓ نے کی، الوثائق السیاسیہ میں وثیقہ نمبر ۱۵۴، ۱۵۵، ۲۱۰ پر بحیثیت کاتب دستاویز حضرت علاء بن عقبہ کا نام درج ہے۔(۱۳۳)

۴۳) **حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:**

امیرالمؤمنین خلیفہ رابع نے بعثت نبوی سے دس سال پہلے اسلام قبول فرمایا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی، حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، آپ کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: أقصاهم علی (۱۳۴) ''تمام صحابہ میں علی بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں''، بارہ رمضان المبارک ۴۰ھ کو دھوکہ سے آپ کو شہید کردیا گیا۔

آپ کاتبینِ وحی ہیں، اس پر تمام اہلِ تاریخ وسیر کا اتفاق ہے، ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب الوثائق السیاسیہ میں درج ذیل دستاویزات پر آپ کا نام بطورِ کاتبِ تحریر نقل فرمایا ہے۔(۱۳۵)، (۱۳۶)

۴۴) **حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:** امیرالمؤمنین خلیفۂ دوم عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے، آپ کے اسلام لانے کی تمنا خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، آپ کے اسلام لانے کے بعد اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی کئی مرتبہ آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔

بلاشبہ آپ کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس کی صراحت درج ذیل کتابوں میں ہے: البدایہ والنہایہ (۱۳۷)، المصباح المضئی (۱۳۸)، تجارب الامم (۱۳۹) اسد الغابہ (۱۴۰)، تہذیب الکمال (۱۴۱) العجالۃ السنیہ (۱۴۲) عیون الاثر (۱۴۳)، بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر (۱۴۴)۔

۴۵) **حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:** ایام جاہلیت ہی سے عرب کے نہایت ہی ہوشیار، بہادر اور شہسوار تھے، شاعری کا بھی اچھا ذوق تھا، ان کے مسلمان ہوکر مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوشی ہوئی تھی، آپ ؐ نے ارشادفرمایا: ''مکہ کی زمین نے اپنے چھپے ہوئے خزانے تمہارے سامنے پھینک دیے ہیں۔(۱۴۵)

آپ کے کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی صراحت درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔(۱۴۶)

۴۶) **حضرت محمد بن مسلمہ بن سلمہ انصاری رضی اللہ عنہ:** بعثتِ نبوی سے بائیس سال پہلے پیدا ہوئے، زمانۂ جاہلیت ہی میں ان کا نام محمد رکھا گیا، بالکل ابتدائی دور میں ایمان قبول کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ سے ان کی مواخات کرائی تھی، حق گوئی میں بڑے جری تھے۔ ''اردن'' کے ایک آدمی نے ۴۳ھ میں آپ کو مدینہ منورہ میں خود آپ کے گھر میں شہید کر دیا۔

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہوا، ابن سعد نے طبقات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط بھی محفوظ فرمایا ہے، جس کو حضرت محمد بن مسلمہؓ نے رقم فرمایا تھا۔(۱۴۷)

۴۷) **حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:** ہجرت نبوی سے تقریباً دس سال پہلے پیدا ہوئے، آپ کا قد لمبا، چہرہ خوب صورت، بال حسین وجمیل، آنکھیں بڑی بڑی اور سامنے کے دانت بجلی کی مانند چمک دار تھے، آپ ان ستر صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جو بیعتِ عقبہ میں حاضر ہوئے تھے، اور جن لوگوں نے بنی سلمہ کے بتوں کو توڑا تھا، تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے، اور عہد نبوی میں ہی قرآن مجید جمع فرمایا تھا، آپ ان چار شخصیات میں سے ہیں جن سے قرآن سیکھنے کی تلقین سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، آپ کے علاوہ تین شخصیات درج ذیل ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت سالمؓ۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی وفات کے بعد آپ کو شام کا والی بنایا گیا، ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں شہید ہوئے۔

یعقوبی اور انصاری کی تصریح کے مطابق آپ کاتبینِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار ہوتے ہیں۔(۱۴۸)

۴۸) **حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ:** بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے، حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ معاویہؓ کو اپنا کاتب بنالیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔

ابن اسحاق، ابن سعد، ابن حنبل، عمر بن شبہ، خلیفہ ابن خیاط، طبری، جہشیاری، مسعودی، ابن مسکویہ، یعقوبی وغیرہ نے آپ کے کاتبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادیؒ نے ''الوثائق السیاسیہ'' میں درج ذیل دستاویزات پر بحیثیت کاتب حضرت معاویہؓ کے نام کی تحقیق وتخریج فرمائی ہے۔(۱۴۹)، (۱۵۰)

۴۹) حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسیؓ: آپ سعید بن العاص کے آزاد کردہ غلام تھے، بیعتِ رضوان اور بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر مبارک آپ کی نگرانی میں رہتا تھا۔ شیخین نے آپ کو بیت المال کا نگراں مقرر فرمایا تھا۔

آپ کو دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کا شرف حاصل ہوا، عمر بن شبہ اور جہشیاری نے اس کی صراحت کی

ہے، اور آخر الذکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مالِ غنیمت کی فہرست لکھ دیا کرتے تھے، مسعودی، عراقی، ابن سید الناس اور انصاری وغیرہ نے بھی یہ بات لکھی ہے۔(۱۵۱)

۵۰) **حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ:** آپ کو ''مغیرۃ الرأی'' بھی کہا جاتا تھا، آپ عرب کے نہایت ہوشیار اور چالاک لوگوں میں شمار ہوتے تھے، خندق کے سال ایمان لائے، بیعتِ رضوان میں بھی شریک رہے، غزوۂ یرموک میں ایک آنکھ زخمی ہوگئی، حضرت معاویہؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، آپ کاتبینِ وحی میں سے ہیں، لوگوں کے معاملات لکھا کرتے تھے، ''الوثائق السیاسیہ'' میں متعدد دستاویزات آپ کے لکھے ہوئے ہیں۔(۱۵۲)، (۱۵۳)

۵۱) **ایک نصرانی انصاریؓ:** ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی ایک مجہول کاتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بنی نجار کا ایک آدمی نصرانی تھا، پھر اسلام لایا، سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا، مگر دوبارہ مرتد ہوگیا...... اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی، لوگوں نے دفنایا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا، اور باہر پھینک دیا''(۱۵۴)

۵۲) حضرت یزید بن معاویہؓ: حضرت معاویہؓ کے باپ کی طرف سے (علاتی) بھائی تھے، انھیں، ''یزید الخیر'' بھی کہا جاتا تھا، فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حضرت معاذ بن جبلؓ کے بعد شام کے والی بنائے گئے ۱۸ھ کے طاعونِ عمواس میں فوت (شہید) ہوئے۔

آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کا شرف حاصل ہے، ابن سعد، ابن مسکویہ، ابن عبدالبر، ابن عبدربہ، عراقی، ابن سید الناس، اور انصاری نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔(۱۵۵)

ذیل میں اکیس صحابۂ کرامؓ اور دو ام المومنین صحابیہؓ کے اسمائے گرامی پیش کیے جا رہے ہیں، جن کے نام متعدد کتابوں میں ''کاتبینِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی فہرست میں ہے: لیکن راقم الحروف کو ان کے سلسلے میں اب تک کتابت کی صریح روایات نہ مل سکی ہیں:

۵۳) **حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ**

۵۴) **حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ**

۵۵) **ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ**

۵۶) **حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ**

۵۷) **حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ**

۵۸) **حضرت حفصہ (ام المومنین) رضی اللہ عنہا**

۵۹) **حضرت خالد بن العاص رضی اللہ عنہ**

(۶۰) حضرت رافع بن خدیجہ رضی اللہ عنہ

(۶۱) حضرت سعد بن العاص رضی اللہ عنہ

(۶۲) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

(۶۳) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(۶۴) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

(۶۵) حضرت عائشہ (ام المومنین) رضی اللہ عنہا

(۶۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

(۶۷) حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ

(۶۸) حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ

(۶۹) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

(۷۰) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

(۷۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

(۷۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۷۳) حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ

(۷۴) حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

(۷۵) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (۱۵۶)

حوالہ جات

(۱) حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (المصباح المضئی ۱۸/اُ، الہدایہ والنہایہ ۳۴۰/۵، الاستیعاب ۵۱/۱، التاریخ الکامل ۳۱۳/۲، عیون الاثر ۳۱۵/۲ العجالۃ السنیہ ۲۴۶، التنبیہ والاشراف ۳۴۶ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ص ۱۳۵

(۲) الاستیعاب ۷۵/۱   (۳) تاریخ خلیفہ بن خیاط ۵۰

(۴) الاستیعاب ۷۵/۱   (۵) نقوش، رسول نمبر ج ۷ ص ۱۳۵

(۶) حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح الفیہ ص ۲۴۶ عیون الاثر ۳۱۶/۲، المصباح المضئی ۲۱/اُ بحوالہ نقوش رسول نمبر ج ۷ ص ۱۳۶

(۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام ۴۹۸/۱ الاستیعاب ۴۰۴/۱، الاصابہ ۴۰۵/۱، اُسد الغابہ ۸۱/۲ وغیرہ

(۸) توبہ ۴۰   (۹) الاصابہ ۳۳۴/۲، تذکرۃ الحفاظ ۵/۱

(۱۰) حوالہ کے لیے دیکھیے: فتح الباری ۲۷/۹، البدایہ والنہایہ ۳۵۱، تہذیب الکمال ۴/ب، الروض الأنف ۲۳۰/۲، عیون الاثر ۳۱۵/۲، شرح الفیہ عراقی ۳۲۵ وغیرہ

(۱۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۳۵۱/۵، الوثائق السیاسیہ ص ۳۶، مسند احمد بن حنبلؒ وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۱۳۸/۷

(۱۲) اسد الغابہ ۱۸۰/۵ بحوالہ کاتبین وحی ص ۷۰

(۱۳) حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح الفیہ عراقی ۲۴۶، عیون الأثر ۳۱۶/۲، تجارب الأمم ۲۹۱/۱، المصباح المضئی ۲۵، ۲۸/أ بحوالہ نقوش ۱۳۹/۷

(۱۴) الاصابہ ۳۳۵/۲ (۱۵) اسد الغابہ ۱۹۵/۳

(۱۶) سیرۃ ابن ہشام ۲۵۲/۱، الاصابہ ۳۳۵/۲

(۱۷) حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے: عیون الاثر ۳۱۶/۲ تجارب الامم ۲۹۱/۱، المصباح المضئی ۳۴/ب، العجالۃ السنیہ شرح الفیہ عراقی ص ۲۴۶ بحوالہ نقوش ۱۴۰/۷ (۱۸) صحیح بخاری تفسیر سورہ لم یکن

(۱۹) حوالے کے لیے دیکھیے: تاریخ طبری ۱۷۹/۶، المصباح المضئی ۸/ب، تجارب الامم ۲۹۱/۱، تاریخ یعقوبی ۸۰/۲، الوزراء والکتّاب ۱۲، اسد الغابہ ۵۰/۱ شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، تہذیب الکمال ۲۴۰/۵، البدایہ والنہایہ ۲۴۰/۵ بحوالہ نقوش ۱۴۱/۷

(۲۰) البدایہ والنہایہ ۲۴۰/۵ (۲۱) التارالکامل ۱۳/۲

(۲۲) الوثائق السیاسیہ بحوالہ نقوش ۱۴۲/۷ (۲۳) نقوش ۱۴۲/۷

(۲۴) الاصابہ ۲۸۰/۱، اسد الغابہ ۶۰/۱

(۲۵) حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۶۰/۱، عیون الاثر ۳۱۶/۲، شرح الفیہ ص ۲۴۷، المصباح المضئی ۱۸/ب بحوالہ نقوش ۱۴۲/۷

(۲۶) البدایہ والنہایہ ۳۴۱/۵ (۲۷) اسد الغابہ ۲۲۹/۱ بحوالہ نقوش ۱۴۳/۷

(۲۸) اسد الغابہ ۱۷۵/۱، الاصابہ ۱۴۶/۱

(۲۹) حوالے کے لیے دیکھیے: عیون الاثر ۳۱۶/۲ العجالۃ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۶، المصباح المضئی ۷/ب بحوالہ نقوش ۱۴۳/۷

(۳۰) المصباح المضئی ۱۸/أ بحوالہ نقوش ۱۴۳/۷ (۳۱) اسد الغابہ ۲۲۹/۱

(۳۲) الاصابہ ۱۹۵/۱

(۳۳) حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۳۴۱/۵، طبقات بن سعد ۸۲/۱، عیون الاثر ۳۱۵/۲، تہذیب الکمال ۴/ب العجالۃ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۵، المصباح المضئی ۱۹/أ (۳۴) نقوش ۱۴۴/۷

(۳۵) اسد الغابہ ۲۲۹/۱، ۲۳۰، الاصابہ ۱۹۵/۱، الاستیعاب ۱۹۵/۱ بحوالہ نقوش

(۳۶) الاصابہ ۲۳۹/۲، ۲۹۹ (۳۷) السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۲۶/۱۰ بحوالہ نقوش ۱۴۵/۷

(۳۸) حوالے کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۲۵۵/۱، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶، المصباح المضئی ۱۹/ب بحوالہ نقوش ۱۴۵/۷

(۳۹) الاستیعاب ۲۴۷/۱، اسد الغابہ ۲۵۵/۱ (۴۰) الاصابہ ۲۵۵/۱

(۴۱) التنبیہ والاشراف ۲۴۵

(۴۲) حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ب، تاریخ یعقوبی ۸۰/۲، تجارب الامم ۳۹۱/۱، عیون الاثر، أنساب الاشراف ۵۳۲/۱ بحوالہ نقوش ۱۴۶/۷

(۴۳) حوالے کے لیے دیکھیے: تجارب الامم ۲۹۱/۱، عیون الاثر ۳۱۶/۲، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶ بحوالہ نقوش رسول نمبر ۱۴۶/۷

(۴۴) الاصابہ ۳۳۱/۱، ۳۳۲ (۴۵) اسد الغابہ ۳۹/۱، ۴۹۲

(۴۶) حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۲۱/أ، العجالۃ السنیہ شرح الفیہ ۲۴۶، التنبیہ والاشراف ۲۴۵، بحوالہ نقوش ۱۴۸/۷

(۴۷) الاستیعاب ۲۴۸/۱ (۴۸) الوزراء والکتّاب ۱۲

(۴۹) تجارب الامم ۲۹۰/۱

(۵۰) حوالہ کے لیے دیکھیے: شرح الفیہ عراقی ۲۴۷، تاریخ یعقوبی ۲/ ۸۰ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۴۸

(۵۱) اسد الغابہ ۲/ ۵۸ (۵۲) التاریخ الکبیر ۲/ ۳۶

(۵۳) الطبقات لمسلم بن حجاج ۲۸۰/ ب (۵۴) طبقات بن سعد ۶/ ۳۶

(۵۵) الوزراء والکتاب ۱۳/ ۱۳

(۵۷) حوالہ کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۱/ ۳۵۹، ۳۶۰، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۲، عیون الاثیر ۲/ ۳۱۵، اسد الغابہ ۲/ ۵۸، المصباح المضئی ۸/ ب، تاریخ یعقوبی ۲/ ۸۰، تہذیب الکمال ۴/ ب، شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، المصباح المضئی ۲۰/ أ، التنبیہ والاشراف ۲۸۲ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۰

(۵۸) الاصابہ ۱/ ۳۶۰

(۵۹) حوالہ کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۱/ ۸۴، تجارب الامم ۱/ ۲۹۱، عیون الاثر ۲/ ۳۱۶، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶، المصباح المضئی ۲۰/ ب بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۰

(۶۰) الاستیعاب ۱/ ۳۹۹، ۴۰۰ (۶۱) التنبیہ والاشراف ۲۴۵

(۶۲) وثیقہ: ۱۹، ۲۰، ۱۱۴، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴، اور ۲۲۳ (۶۳) الاصابہ ۱/ ۴۰۶

(۶۴) حوالہ کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۵، طبقات ابن سعد ۳/ ۶۹، المصباح المضئی ۲۱/ ب، تاریخ طبری ۶/ ۱۷۹، الوزراء والکتاب ۱۲، التاریخ الکامل ۲/ ۳۱۳، تہذیب الکمال ۴/ ب، شرح الفیہ عراقی ۲۴۵، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵، تجارب الامم ۱/ ۲۹۱ وغیرہ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۲

(۶۵) الاصابہ ۱/ ۴۰۷ (۶۶) سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۶۴، الاستیعاب ۱/ ۴۰۷

(۶۷) حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ ب، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۴، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵، شرح الفیہ عراقی ۲۴۶ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۴

(۶۸) البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۴ (۶۹) سیر أعلام النبلاء ۱/ ۲۷۶ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/ ۱۵۴

(۷۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۱/ ۴۲۵ بحوالہ کاتبینِ وحی ص ۱۷۵، ۱۷۷

(۷۱) سیر أعلام النبلاء ۱/ ۳۹ (۷۲) سیر أعلام النبلاء ۱/ ۳۹

(۷۳) حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ ب، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۴۴، العجالۃ السنیہ ۲۴۶، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵، وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/ ۱۵۶

(۷۴) سیر أعلام النبلاء ۲/ ۳۰۹

(۷۵) الاصابہ ۱/ ۵۴۳، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۲۸، (۷۶) الوزراء والکتاب ۱۲

(۷۷) حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۵۰، تاریخ خلیفہ ۱/ ۷۷، فتح الباری ۹/ ۲۲، تاریخ طبری ۶/ ۱۷۹ وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/ ۱۵۸ صحیح بخاری ۲/ ۷۴۶ فضائل القرآن

(۷۸) مجمع الزوائد ۱/ ۱۵۲ باب عرض الکتابت بعد املاءٗ (۷۹) صحیح بخاری ۲/ ۷۴۶

(۸۰) انبیاء ۱۰۴ (۸۱) ابن کثیر ۴/ ۶۰۲

(۸۲) ابن کثیر ۴/ ۶۰۲ (۸۳) اسد الغابہ ۲/ ۲۶۱ ابن کثیر ۴/ ۶۰۲

(۸۴) الاصابہ ۲/ ۱۵ بحوالہ نقوش ۷/ ۱۵۹ (۸۵) ابن کثیر ۴/ ۶۰۲

(۸۶) البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۲۹ (۸۷) الفصول في سیرۃ الرسول ص ۱۸۸

(۸۸) حوالے کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۲/ ۸، الاصابہ ۲/ ۴۷، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵ المصباح المضئی ۲۲، تجارب الامم ۱/ ۲۹۱ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/ ۱۶۰، ۱۶۱

(۸۹) حوالے کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۲/ ۱۴۱ المصباح المضئی ۸/ ب، التنبیہ والاشراف ۲۴۶، تاریخ یعقوبی ۲/ ۸۰، تہذیب الکمال ۴/ ب، العجالۃ السنیہ ۲۴۵، عیون الاثر ۲/ ۳۱۵ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/ ۱۶۱

(٩٠) الاصابہ ٢/٢٢٩

(٩١) حوالے کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ٢/٢٢٠ اسد الغابہ ٢/٩٢ تجارب الامم ١/٢٩١، عیون الاثر ٢/٣١٦، العجالۃ السنیہ ٢٤٦، المصباح المضئی ٢٩/ب بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/٦٢، ٦٣

(٩٢) الاصابہ ٢/٢٥٦

(٩٣) اسد الغابہ ٢/٩١

(٩٤) الاستیعاب ٣/٨

(٩٥) حوالے کے دیکھیے: تہذیب الکمال ٤/ب، البدایہ والنہایہ ٥/ ٣٤٨، العجالۃ السنیہ ٢٤٥، عیون الاثر ٢/ ٣١٥، وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٦٤

(٩٦) مسند احمد ٤/ ١٧٦

(٩٧) البدایہ والنہایہ ٥/ ٣٥١) الوثائق السیاسیہ ص ٣٦

(٩٨) البدایہ النہایہ ٥/ ٣٥١ بحوالہ نقوش رسول نمبر ٧/ ١٣٨

(٩٩) سیرۃ ابن ہشام ٣/٣٥٢، ٣٥٣، الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ١٨ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٦٤، ١٦٥

(١٠٠) الاصابہ ٢/٣/٢٧

(١٠١) السنن الکبریٰ للبیہقی ١٠/١٢٦

(١٠٢) اسد الغابہ ٣/١١٦ وغیرہ

(١٠٣) حوالے کے دیکھیے: المصباح المضئی ٨/ب، طبقات امام مسلم ٢٨٠/ب، تاریخ طبری ٦/١٧٩ الوزراء والکتاب ١٢، التنبیہ والاشراف ٢٤٥، تجارب الامم ١/٢٩١، ٢٩٢ تہذیب الکمال ٤/ب، البدایہ والنہایہ ٥/٣٤٩، الاصابہ ٢/٣/٢٧، الاستیعاب ٢/ ٢٦٢۔ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٦٦

(١٠٤) الاستیعاب ٢/٢٦١، السنن الکبریٰ للبیہقی ١٠/١٦

(١٠٥) الاصابہ ٢/٣/٢٧

(١٠٦) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ طبری ٦/١٧٩، الوزراء والکتاب ١٢، التنبیہ والاشراف ٢٤٥، الاستیعاب ٤/ ٨٧٤، ٨٧٥ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٦٧

(١٠٧) دیکھیے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحریر، ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٦٧، ١٦٨

(١٠٨) دیکھیے: عیون الاثر ٢/٣١٦ المصباح المضئی ٧ ٣/أ، العجالۃ السنیہ ٢٤٧ وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/٦٨

(١٠٩) نقوش ٧/١٦٨

(١١٠) الدرر فی المغازی والسیر ٢٣٣

(١١١) سیرۃ ابن ہشام ٣/٤١٠، المغازی للواقدی ٨٥٩، ٨٦٠ وغیرہ بحوالہ نقوش ٧/١٦٨، ١٦٩

(١١٢) اصابہ ٢/٣٠٧، اسد الغابہ ٣/١٥٨، ١٥٩

(١١٣) حوالے کے لیے دیکھیے: الاصابہ ٢/٣٠٦، المصباح المضئی ٣٣/ب، الاستیعاب ٢/٣٠١، عمدۃ القاری ٢٠/١٩، العجالۃ السنیہ ٢٤٦، عیون الاثر ٢/٣١٥ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٧١

(١١٤) الاصابہ ٢/٣١٥، الاستیعاب ٢/٣١١، ٣١٢، اسد الغابہ ٣/١٦٦

(١١٥) حوالے کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ٥/٣٥٠، عیون الاثر ٢/٣١٥، العجالۃ السنیہ ٢٤٧ المصباح المضئی ٣٥/أ بحوالہ نقوش ٧/١٧٢

(١١٦) دیکھیے: طبقات بن سعد ١/٢: ١٢١ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ٤١ بحوالہ ''نقوش'' ٧/١٧٢

(١١٧) الاستیعاب ٢/٣٧٥، فتح الباری ٨/١١، البدایہ والنہایہ ٥/٣٥

(١١٨) سیرۃ ابن ہشام ٣/٤٠٥، تاریخ خلیفہ بن خیاط ١/٧٧

(١١٩) دیکھیے: ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٧٣ تا ١٧٦

(١٢٠) تاریخ القرآن ص ٥٥

(١٢١) ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٧٣ تا ١٧٦

(١٢٢) اسد الغابہ ٥/٢٣٩، الاصابہ ١/٣٤٤ بحوالہ کاتبینِ وحی ص ٢١٦

(١٢٣) الاستیعاب ٢/٣٣٥

(١٢٤) حوالے کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ٨/ب، العجالۃ السنیہ ٢٤٧، الاصابہ ٢/٣٣٦، عیون الاثر ٢/٣١٥، بہجۃ المحافل ٢/١٦١ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ٧/١٧٧

(١٢٥) الاصابہ ٢/٣٣٦

(١٢٦) الاصابہ ٢/٣٥٢، غایۃ النہایہ ١/٣٣٩ بحوالہ کاتبینِ وحی ص ٩٣

(۱۲۷) حوالے کے لیے دیکھیے: تاریخ یعقوبی ۲/۸۰، المصباح المضئی ۸/ب البدایہ والنہایہ ۵/۳۴۹، تاریخ طبری ۶/۱۷۹، تہذیب الکمال ۴/ب عیون الاثر ۲/۳۱۵، العجالۃ السنیہ ۲۴۵۔ بحوالہ نقوش ۷/۱۷۷

(۱۲۸) الاصابہ ۲/۴۶۳

(۱۲۹) ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۷۸

(۱۳۰) دیکھیے وثیقہ نمبر (۱۶۵، ۱۶۶، ۱۹۶

(۱۳۱) مزید حوالوں کے لیے دیکھیے: المصباح المضئی ۸/ب، تجارب الامم ۱/۲۹ التنبیہ والاشراف ۲۴۶، التاریخ الکامل ۲/۳۱۳، البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۵۲ عیون الاثر/ ۳۱۵ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۷۹

(۱۳۲) الاصابہ ۲/۴۹۸

(۱۳۳) مزید حوالوں کے لیے دیکھیے: التنبیہ والاشراف ۲۴۵، تاریخ طبری ۶/۱۷۹، اسد الغابہ ۴/۹، البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۳، العجالۃ السنیہ ۲۴۷، عیون الاثر ۲/۳۱۶، المصباح المضئی ۳۶/ب بحوالہ نقوش ۷/۱۷۹، ۱۸۰

(۱۳۴) الاستیعاب ۲/۱۱

(۱۳۵) الوثائق السیاسیہ ۱۱، ۳۳، ۴۴، ۴۵، ۸۵، ۱۱۱، ۱۴۱، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۳

(۱۳۶) مزید حوالوں کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۸/۱۱، البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۰، تاریخ یعقوبی ۲/۸۰، تاریخ طبری ۶/۱۷۹، الوزراء والکتاب، تجارب الامم ۱/۲۹۱، التاریخ الکامل ۲/۳۱۲، تہذیب الکمال ۴/ب، العجالۃ السنیہ ۲۴۵، عیون الاثر ۲/۳۱۵، المصباح المضئی ۱۶/أ بحوالہ نقوش ۷/۱۸۱

(۱۳۷) البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۰

(۱۳۸) المصباح المضئی ۸/ب

(۱۳۹) تجارب الامم (۱/۲۹۱)

(۱۴۰) اسد الغابہ (۵/۵۳)

(۱۴۱) تہذیب الکمال ۴/ب

(۱۴۲) العجالۃ السنیہ ۲۴۵

(۱۴۳) عیون الاثر (۲/۳۱۵

(۱۴۴) ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۱، ۱۸۲

(۱۴۵) الاستیعاب ۱۱۵۸

(۱۴۶) المصباح المضئی ۸/ب، تاریخ یعقوبی ۲/۸۰، العجالۃ السنیہ ۲۴۶ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۲، ۱۸۳

(۱۴۷) حوالے کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۳/۳۸۳، سیر أعلام النبلاء ۲/۲۶۷ المصباح المضئی ۳۷/ب، طبقات ابن سعد ۱/۸۲، الاستیعاب ۱۴۰۳ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۴

(۱۴۸) حوالوں کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۴/۱۴۰، الاصابہ ۳/۴۲۷ تاریخ یعقوبی ۲/۸۰ وغیرہ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۴ تا ۱۸۶ تلخیص

(۱۴۹) وثیقہ نمبر ۸۹، ۱۳۱، ۱۶۴، ۱۸۵، ۲۱۵ اور ۲۲۲

(۱۵۰) حوالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیے: البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۰، المصباح المضئی ۸/ب، تاریخ خلیفہ ۱/۷۷، تاریخ طبری ۶/۱۷۹، الوزراء والکتاب ۱۲ التنبیہ والاشراف ۲۴۶، تجارب الامم ۱/۲۹۱، تاریخ یعقوبی ۲/۸۰ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۶، ۱۸۷

(۱۵۱) حوالے کے لیے دیکھیے: العجالۃ السنیہ ۲۴۵ الاستیعاب ۱۷۴۸، الاصابہ ۳/۴۵۱، الاستیعاب ۱۷۴۹، البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۵، اسد الغابہ ۴/۴۰۳، المصباح المضئی ۸/ب، الوزراء والکتاب ۱۲، التنبیہ والاشراف ۲۴۶، عیون الاثر ۲/۳۱۵ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۷

(۱۵۲) دیکھیے: وثیقہ نمبر ۸۱، ۸۳، ۸۶، ۹۵، ۱۵۳، ۱۹۴، ۱۹۵ اور ۲۰۴

(۱۵۳) مزید حوالوں کے لیے دیکھیے: الاصابہ ۲/۴۵۲، الاستیعاب ۱۴۴۶، البدایہ والنہایہ ۵/۳۵۰، المصباح المضئی ۸/ب، الوزراء والکتاب ۱۲ تاریخ یعقوبی ۲/۸۰، التنبیہ والاشراف ۲۴۵، تجارب الامم ۱/۲۹۱ العجالۃ السنیہ ۲۴۶، عیون الاثر ۲/۳۱۵ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۷، ۱۸۸

(۱۵۴) انظر: خ المناقب ۲۶، الحدیث ۳۶۱۷، م فضائل ومنحۃ المعبود ۲/۵ بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۱۸۸

(۱۵۵) حوالے کے لیے دیکھیے: الاستیعاب ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، سیر أعلام النبلاء ۱/۲۳۸، المصباح المضئی ۴۲/أ، تجارب الامم ۱/۲۹۱، العجالۃ السنیہ ۲۴۶، عیون الاثر ۲/۳۱۶، بحوالہ ''نقوش'' رسول نمبر ۷/۸۹

(۱۵۶) تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: ''کاتبینِ وحی'' مؤلفہ حضرت استاذ الاساتذہ قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ، شعبۂ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند۔

ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی ☆

تفسیر قرآن اور صحابہ کرام ؓ

اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے معانی کیلئے عربی قالب کو منتخب فرمایا اور نبی امی علیہ افضل الصلوات کو صاحب کتاب بنا کر بعثت فرمائی' آپ ﷺ افصح العرب ہونے کے ساتھ ساتھ کلام اللہ کے معانی ومفاہیم خود اللہ تعالی سے بذریعہ جبرئیل امین اخذ فرماتے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿ان علینا جمعه و قرآنه ' فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه﴾ (۱)

چنانچہ نص قرآن کے مدلول حقیقی سے آپ ﷺ ہی پوری طرح واقف کار اور اسکے مستند رموز شناس تھے' اور یہ فہم قرآن آپ ﷺ سے راست طور پر صحابہ نے حاصل کیا۔ اگر چہ کہ فہم قرآن میں صحابہ کے طبقات ہیں، اور اس علم کی وراثت میں حسب استعداد انکے درمیان تفاوت رہا' لیکن بالعموم فہم قرآن کے باب میں صحابہ رضوان اللہ عنہم جمیعا استناد و اعتبار کا وہ مقام رکھتے ہیں جسمیں کوئی اور جماعت وطبقہ شریک کار نہیں۔ لہذا تفسیر قرآن کے ذیل میں صحابہ کے اقوال وآثار کا شمار اولین مصادر میں ہوتا ہے جس کا ایک مختصر جائزہ مذکورہ ذیل سطور میں لیا جائیگا۔

تفسیر قرآن

لفظ تفسیر مادہ فسر سے مأخوذ ہے جسکا مفہوم نمایاں ہونا ظاہر ہونا ہے۔ اسی لئے عرب "سفور المراۃ" بے پردگی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اور لفظ تفسیر معنوں کو ظاہر کرنے اور اسکی تفصیل کرنے کیلئے مستعمل ہوتا رہا ، چنانچہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿و لا یأتونک بمثل إلا جئناک بالحق و أحسن تفسیرا﴾ (۲)

تفسیر کے اسی مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے تفسیر قرآن کے مفہوم کی تحدید کرتے ہوئے لکھا:

" علم یبحث عن کیفیة النطق بألفاظ القرآن و مدلولاتها ، و أحکامها الإفرادیة و الترکیبیة ، و معانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب " (۳)

☆ پروفیسر ایفل یونیورسٹی حیدرآباد

لیکن اس تشریح سے کہیں زیادہ واضح، سلیس اور دلنشیں تشریح امام زرکشی نے ''البرهان في علوم القرآن'' میں کرتے ہوئے لکھا:

" التفسير علم يفهم به كتاب الله المنزل على نبيه محمد ﷺ و بيان معانيه و استخراج أحكامه و حكمه " (۴)

چنانچہ کلام اللہ کے مفاہیم کے ادراک اور اسکے احکام کے استخراج اور اسکی حکمتوں سے ہمکنار و واقف کار ہونے کا جو موقع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملا وہ اپنی مثال آپ ہے، انکی تربیت مدرسہ نبوی میں ہوئی تھی، انہوں نے آفتاب رسالت عالمتاب سے اکتساب فیض کیا تھا، ان کو فخر عالم سے شرف تلمذ کا موقع میسر آیا تھا، انہوں نے زندہ جاوید قرآن کو اپنے درمیان دیکھا تھا، لہذا تفسیر کے خزانے میں صحابہ کرام کے آثار کی موتیاں درنایاب کا مقام رکھتی ہیں جن سے بے اعتنائی زیغ وضلال ہے، تفسیر کے اس فن میں صحابہ کرام کے مقام کو سمجھنے کیلئے انکے طبقات کا سمجھنا ازحد ضروری ہے۔

طبقات مفسرین صحابہ

اگر چہ صحابہ کرام کی بالعموم مادری زبان عربی ہی تھی جو قرآن مجید کی اپنی اصلی زبان ہے، جیسے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿و إنه لتنزيل رب العامين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين﴾ (۵)

اور صحابہ رضی اللہ عنہم عربی کے نہ صرف اہل زبان بلکہ اسکے رموز شناس تھے اور اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے سچ لکھا کہ:

" إن القرآن نزل بلغة العرب و على أساليب بلاغتهم ، فكانوا كلهم يفهمونه و يعلمون معانيه في مفرداته و تراكيبه " (٦)

لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فہم قرآن میں انکے درجات مختلف ومتفاوت ہیں جس کے اسباب میں آپ ﷺ کی صحبتوں میں کمی وزیادتی کا جہاں عمل دخل رہا وہیں خود فطری استعداد و ذہنی لیاقت کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، چنانچہ تفسیر قرآن میں سب سے اہم واعلی مقام خلفاء راشدین کا ہے، لیکن خلفاء اربعہ چونکہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی مملکت کی توسیع واستحکام میں مشغول رہے لہذا تفسیری روایات ان اکابر صحابہ سے کم ہی محفوظ کی جاسکی، تاہم علم تفسیر سے غیر معمولی شغف اور اس فن میں انکا امتیازی مقام کا پتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

" سلوني فو الله لا تسألوني عن شئ إلا أخبرتكم ، و سلوني عن كتاب الله فو الله ما من آية إلا و أنا أعلم أبليل نزلت أم بنهار ، أم في سهل أم في جبل " (۷)

یہی نہیں بلکہ خلفاء اربعہ سینکڑوں فیصلوں میں قرآن مجید کی مدلولات کو طے کرتے تھے، جس سے تفسیر قرآن کے بیش بہا خزانے محفوظ ہوگئے اوران عملی تفاسیر سے تفسیر کے فن میں استنباط کا ملکہ پروان چڑھا، خلفاء اربعہ کے یہ متعدد فیصلے کتب حدیث کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

اساطین اربعہ

خلفائے اربعہ کے بعد جن چار اکابر صحابہ کو فن تفسیر میں مرجعیت وامامت حاصل ہے انکے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۴) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو طبقہ صحابہ میں ترجمان القرآن کا اعزاز حاصل ہے، فہم قرآن میں اجلہ صحابہ بھی آپ سے رجوع کرتے تھے، آپ کو یہ مقام دراصل آپ ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

" اللهم فقهه في الدين و علمه التأويل " (۸)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عربی زبان وادب پر کامل دستگاہ وعبور رکھتے تھے، آپ کا پچھلی آسمانی کتب کا مطالعہ گہرا وعمیق تھا، چنانچہ تفسیر کرتے ہوئے آپ ٹھوس ومستحکم رائے دیتے تھے، یہی وہ سبب ہے کہ آپ سے تفسیری روایات کا عظیم الشان ذخیرہ مروی ومنقول ہے، اور محمد بن یعقوب فیروزآبادی مؤلف القاموس المحیط نے تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس کے عنوان سے ان تفسیری روایات کو یکجا کیا، حضرت عبداللہ بن عباس نے تفسیر کے درس کی مسند مکہ مکرمہ میں لگائی، جہاں پر آپ سے استفادہ کرنے والوں کا تانتا بن گیا اور اس مدرسہ تفسیر میں آپ کے سامنے جن اکابر مفسرین واہل علم نے زانوئے تلمذ طے کیا انکی فہرست اگرچہ طویل ہے لیکن ان میں نمایاں نام مذکور ذیل ہیں:

(۱) حضرت سعید بن جبیر (۲) حضرت مجاهد (۳) حضرت عکرمۃ

(۴) حضرت طاؤس (۵) حضرت عطاء (۹)

یہ وہ مکہ مکرمہ کے مدرسہ ابن عباس کے ارکان خمسہ ہیں جن سے علم تفسیر کو خوب فروغ ہوا۔

مدینۃ النبی میں تفسیر کا درس

طبقہ صحابہ میں مدنی مکتب تفسیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی بن کعب سے معمور ومشہور ہوا، اول الذکر صحابی کی فضیلت کیلئے یہ کیا کم ہے کہ آپ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب کے فرزند ارجمند ہیں، پھر حضور اکرم ﷺ کی دیرینہ

صحبت نے وہ جلا بخشی کہ وہ اپنی عبادت وطاعت، اپنے علم وفضل میں یکتائے روزگار قرار پائے، آپ نے مدینہ منورہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آپ کو وہ شاگردان بلند اقبال ملے جنہوں نے آپ کی علمی میراث کی نہ صرف صحیح نگہداشت کی بلکہ اسکی ترویج واشاعت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور جن تلامیذ نے آپ سے تفسیری سرمائے کی روایت کی ان میں نمایاں نام حضرت نافع ،حضرت سالم، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عروۃ بن زبیر قابل ذکر ہیں۔(۱۰)

مدینہ منورہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی علم تفسیر کی خدمت کا مرکز قائم کیا، حضرت اُبی کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ آپ ﷺ نے جن سات صحابہ رضی اللہ عنہ کو اخذ قرآن کی تاکید فرمائی ان میں حضرت اُبی بھی شامل تھے۔(۱۱)

نیز آپ ﷺ نے بنفس نفیس حضرت اُبی سے تلاوت کلام پاک سماعت فرمائی، چنانچہ صحابہ کرام میں آپ کی تفسیر میں امامت مسلم ومعروف تھی، جن حضرات نے حضرت اُبی بن کعب سے اختصاص کے ساتھ استفادہ کیا اور آپ کے مکتب فکر کو فروغ دینے میں نمایاں طور پر حصہ لیا ان میں سرفہرست حضرت زید بن اسلم، حضرت ابوالعالیہ اور حضرت محمد بن کعب القرظی ہیں، اور ہر دو صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت اُبی بن کعب کے ذریعہ مدنی کاروان تفسیر اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔

عراق میں تفسیر قرآن کا نقیب

عصر صحابہ میں علوم تفسیر کو عراق میں پروان چڑھانے والے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یوں بھی علوم نبوت کے محافظ ہیں، لیکن تفسیر اور فہم قرآن میں آپ کا مقام مسلمہ حیثیت رکھتا ہے، آپ کے اس مقام کی وضاحت خود آپ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

" و الذی لا إله غیر ما نزلت آیة من کتاب الله إلا و انا أعلم فیمن نزلت ، و أین نزلت ؟ولو أعلم مکان أحد اعلم بکتاب الله منی تناله المطایا لأتیته " (۱۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فیض نبوت سے مالا مال ہونے کے بعد عراق میں کوفہ کا رخ کیا، اور تفسیر کی بزم آراستہ کی، اس بزم کے وہ نمایاں نام جو بعد میں علوم قرآن کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر چمکے وہ مذکور الذیل ہیں۔(۱) حضرت علقمہ بن قیس (۲) حضرت مسروق (۳) حضرت حسن بصری (۴) حضرت قتادہ وغیرہ۔(۱۳)

ان چار اکابر صحابہ کے علاوہ فن تفسیر میں جن صحابہ کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اگر چہ انکی فہرست طویل ہے، لیکن ان میں بھی اہم قابل ذکر اسماء یہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص یہ وہ صحابہ ہیں جو علم تفسیر میں حضور اکرم ﷺ سے روایت کرنے میں نمایاں ہیں بلکہ خود اجتہادی طور پر بھی قرآن مجید سے اخذ معانی اور استنباط احکام کرتے تھے، اور تفسیر میں ان کے مقام کو سمجھنے کیلئے امام المفسرین ابن کثیر کا یہ ارشاد کافی ہے وہ فرماتے ہیں:

" حینئذإذا لم نجد التفسير فی القرآن و لا فی السنة رجعنا فی ذلک إلی أقوال الصحابة ، فانهم أدری بذلک لما شاهدوه من القرائن والأحوال التی اختصوا بها ، و لما لهم من الفهم التام و العلم الصحيح والعمل الصالح و لا سيما علماؤهم و كبراؤهم كالأئمة الأربعة والخلفاء الراشدين والأئمة المهندين المهديين و عبد الله بن مسعو رضی الله عنهم "(۱۴)

خلاصہ یہ کہ تفسیر کے سرمایہ میں مقام صحابہ بلند و برتر ہے، انہوں نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا، نیز قرآن کی عملی تفسیر آپ ﷺ کی صحبت نے انکو نکھارا اور پروان چڑھایا اور وہ عربی زبان وادب کے امام وشہسوار تھے، لہذا فہم قرآن میں وہ قرآن وسنت کے بعد اہم ماخذ کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

مراجع

(۱) سورۃ القیامۃ آیت ۱۷تا۱۹

(۲) سورۃ الفرقان آیت ۲۳

(۳) مباحث فی علوم القرآن ص ۳۲۴

(۴) البرھان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۳

(۵) سورۃ الشعراء آیت ۱۹۲تا۱۹۵

(۶) مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۳

(۷) تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۳

(۸) مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۸

(۹) التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۴۷

(۱۰) تھذیب التھذیب ج ۵ ص ۲۲۸

(۱۱) الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۴۲

(۱۲) مسلم باب فضائل عبد اللہ بن مسعود

(۱۳) أسد الغابۃ ج ۳ ص ۲۵۹

(۱۴) مقدمہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۵

مولانا سید احمد اللہ بختیاری ☆

قرآن اور صحابہ رضی اللہ عنہم

وہ کون اور کیسے تھے؟

وہ کون تھے اور کیسے تھے؟ وہ کیا تھے اور کیا نہیں تھے؟ جن کی تعریف اور توصیف رب کائنات نے قرآن پاک میں بار بار بیان فرمائی ہے، جو نزول کے وقت سے آج تک مسلسل پڑھی جارہی ہے، اور قیامت تک برابر پڑھی جاتی رہے گی، دنیا میں کوئی جگہ اس ''مدح سرائی'' سے نہ کبھی خالی تھی اور نہ آئندہ کبھی خالی رہے گی! آخر وہ تھے کیسے انسان؟!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شخصیتیں انبیاء علیہم السلام کے بعد دراصل ایسی تھیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر چلنے والی تمام تر شخصیتوں میں ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے وہ نہایت برگزیدہ اور نہایت بلند و بالا تھیں، روئے زمین پر رہنے اور بسنے والی تمام تر شخصیتوں میں ان جیسی کوئی جماعت پیدا نہیں ہوئی تھی، وہ ایسا بابرکت گروہ تھا کہ اس سے بہتر افراد پر کبھی سورج طلوع نہیں ہوا! نہ چاند نے چاندنی بکھیری! نہ ہی شبنم نے ٹھنڈک پہنچائی!! وہ ایسے انسان تھے جو انس و محبت سے عبارت تھے، تڑپتی بلکتی انسانیت کے لیے وہ بہت بڑا سہارا تھے، وہ ایسے افراد تھے جنہوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کر دیا، دنیا کو مساوات اور برابری کے معنی سمجھا دیا تھا، جس کی نظیر دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، وہ ایسے لوگ تھے جن سے دنیا کی امامت کا کام لیا گیا تھا، وہ اس قدر نیک طینت تھے کہ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں اور ہر وقت ''صراط مستقیم'' پر جمے رہتے تھے اور ''حق'' کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے، ''راہ حق'' میں ڈٹ جانا ان کا کام تھا، وہ ایسے صاحب اخلاق آحاد امت تھے کہ ہر ایک کے ساتھ اور ہر وقت حُسنِ معاشرت سے رہتے تھے، ان کی سچائی، بے لوثی، وسیع الظرفی، بلند حوصلگی، حق گوئی، بے باکی، وسعت نظری سے دنیا حیران تھی! وہ ایسے نیک طبیعت افرادِ ملت تھے کہ رات کی تاریکیوں میں رب کائنات کے سامنے کھڑے رہنا ان کا شعار تھا، خالق ارض و سماء سے مناجات ان کا شیوہ تھا؛ ان کی فطرتوں میں نیکی اور راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ان کا خمیر تقوی سے بنا تھا، وہ ایسے منتخب شدہ اشخاص تھے کہ جن کے حق میں قرآن و حدیث میں بشارتیں آئی ہیں، بے شمار آیتیں ان کی تعریف بیان کرتی ہیں، جو آگے آرہی ہیں، ان حضرات کی یہ تعریفیں لوح محفوظ پر تھیں، پھر وہاں سے پہلے آسمان پر اُتار دی گئیں اور پھر وہاں سے حسب موقع اور حسبِ ضرورت

☆ استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترتی رہیں؛ چونکہ انہوں نے دنیا کے سُلگتے ہوئے آتش کدہ کو اپنے خون اور پسینے سے رات دن قربانیاں دے کر مہکتا ہوا گلزار بنا دیا تھا، جن کا وجود دنیا والوں کے لیے حیرانی کا باعث بن گیا تھا، وہ ایسے صحرانشیں تھے کہ عالمی قیادت اُن کے پیر چومنے لگی تھی، چونکہ وہ احباب انسانیت کے لیے مسیحا بن کر آئے تھے، خلوص واخلاص کے وہ پیکر تھے، ان کے پاس ''اسلام'' کا ایک واضح تصور تھا، اُن کے پاس زندگی کا ایک نصب العین تھا، جس کے پیچھے انہوں نے نہ صرف یہ کہ دنیا کو ٹھکرا دیا تھا بلکہ اپنے عظیم مقصد کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا، اپنی تمام قوتیں کھپا دی تھیں، تب جا کر اسلام کا بول بالا ہوا اور اسلام پھیلتے ہی چلا گیا، چونکہ انہوں نے براہ راست ''بارگاہ نبوت'' سے حصول علم کیا تھا، چوں کہ انہوں نے بلا واسطہ ''صحبت نبوی'' سے روحانیت کے مدارج طے کئے تھے، اُن کا ایمان کامل تھا، ان کا یقین محکم تھا، نیکیوں اور شرافتوں کے وہ مجسمے تھے، سنتوں کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں، اللہ نے انہیں ایسی مؤمنانہ فراست سے نوازا تھا کہ مشرکوں، یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور دیگر اسلام دشمن عناصر کے فتنوں کو قبل از وقت وہ بھانپ لیتے تھے اور بروقت علاج کر دیتے تھے؛ تب ہی تو ان تمام کے بارے میں (أصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم) کے الفاظ زبان نبوت سے کہے گئے تھے کہ: اے مسلمانو! میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، چاہے جس کسی کی (بھی) تم اتباع کرو گے راہ راست پر رہو گے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں دراصل تمام صحابۂ کرامؓ کے ''دین'' میں کلیدی حیثیت ہونے کی طرف اشارہ ہے، ان کے ثقہ ہونے کا بیان ہے، ان کے تمام اقوال اور افعال کے درست ہونے کی گواہی ہے؛ چوں کہ وہ حضرات گناہوں سے محفوظ من اللہ تھے؛ لھذا تمام امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

خدمات کیا تھیں اور کیسی تھیں؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے قول وفعل اور طرز عمل سے انسانوں کو صحیح عقیدوں کی تعلیم دی تھی، پاکیزہ اخلاق سکھلائے تھے، حسنِ معاشرت کا درس دیا تھا، صفائی معاملات کی تلقین کی تھی، انہوں نے اپنے وجود سے یہ واضح تصور پیش کر دیا تھا کہ کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے، خود انسان کی تخلیق آخرت کے لیے ہوئی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ حضرات ہر وقت آخرت کی فکر میں رہتے تھے، ان پر آخرت کا تصور غالب تھا، وہ لوگ جواب دہی کے تصور ہی سے کانپ جاتے تھے، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف زدہ رہتے تھے، انہوں نے یہی کچھ بارگاہ نبوت سے سیکھا تھا، اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے اور ادا کرتے رہنے میں وہی لوگ صف اول میں شمار کئے جاتے تھے، انہی وجوہ کی بنا پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریقوں کی بھی تصویب (ما أنا علیه و اصحابی) کے الفاظ سے فرما دی ہے کہ جو شخص میرے طریقہ پر چلے گا اور میرے بعد میرے صحابہؓ کے طریقوں پر چلے گا، وہی جنت میں جائے گا، اس کے علاوہ بقیہ تمام راستے اور تمام طریقے دوزخ تک پہونچانے والے ہیں، یہی وہ بنیادی حیثیت ہے جس کی وجہ سے تمام امت کا اس بات پر ''اجماع'' ہو چکا ہے کہ کسی بھی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جان بوجھ کر، ہوش وحواس کے عالم میں کبھی کوئی حرکت خلاف شریعت سرزد نہیں ہو سکتی ہے! بھول چوک

اوراجتہادی غلطی دوسری بات ہے، عادۃً یہ ناممکن ہے کہ اس مقدس جماعت کے کسی بھی فرد سے قصداً گناہ سرزد ہوا ہواور پھراسی پر باقی بھی رہا ہو!! بالقصد وارادہ ''شر'' کاظہور ہونہیں سکتا ہے، تب ہی تو امت مسلمہ کو ان کی ''اتباع'' کا علی الاطلاق حکم دیا جارہا ہے، جس طرح اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ''وحی'' کے نازل ہونے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ تھا، ٹھیک اسی طرح امت کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ''دین'' کے سمجھنے میں صحابۂ کرامؓ ہی کا واسطہ ہے ،اگر (الصحابة كلهم عدول) کے تحت تمام صحابہ کی ''عدالت'' تسلیم نہ کریں تو پھر ''دین'' ہی مخدوش ہوجائے گا (معاذ اللہ) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور توثیق عبث ہوجائیگی (استغفر اللہ) امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام کے تمام صحابۂ کرامؓ حق پرست اور انصاف پسند تھے۔

اُن کی شانِ امتیازی

چنانچہ فقہائے کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ نے اس بات کا کھلے لفظوں میں اعلان کردیا ہے کہ تمام صحابہ نیک اور عادل تھے،سب سے پہلی ''ثقہ'' جماعت وہی تھی، اول الذکر فقہائے کرام میں ائمہ اربعہ ہوں یا دوسرے حضرات ''تدوین فقہ'' کے وقت صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال اور تقریرات کے ذریعہ دین پر عمل کرنے کا بہترین نقشہ ''فقہ'' کی شکل میں تیار کردیا ہے، یہ سب کچھ تکوینی نظام کے تحت ہوا ہے، ثانی الذکر محدثین عظامؒ نے جس وقت ثقہ اور غیر ثقہ کی تقسیم کی تھی، ''اسمائے رجال'' کا مستقل ایک فن مرتب کردیا تھا، جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط مقرر کئے تھے، راویوں اور روایتوں کے معیارات قائم کئے تھے تب سبھوں نے بہ اتفاق یہی کہا تھا کہ ہمارے جرح وتعدیل کے قاعدے اور ضوابط صحابۂ کرامؓ کے لیے نہیں ہیں، ثقات اور غیر ثقات کی ہماری تقسیمیں ان پر جاری نہیں ہوں گی، ہمارے بنائے ہوئے انسانی پیمانوں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت بلند ہیں؛ چوں کہ انہیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق مل چکی ہے، زبان نبوت نے ان کے ثقہ ہونے کا حکم لگادیا ہے، لھٰذا وہ تمام کے تمام ''عدول'' ہیں سچے ہیں، امانت دار ہیں، دیانت دار ہیں۔

فقہائے کرام نے انہیں اپنا دینی پیشوا مانا، ان کے اقوال وافعال اور آثار سے بے شمار دینی مسائل کا استنباط کیا، اَن گنت مسائل کا استخراج کیا اور محدثین حضرات نے انہیں عادل اور ثقہ قرار دیا اور کہہ دیا کہ ان عظیم ترین شخصیتوں پر جرح وتعدیل کی بحث ہی نہیں کی جائے گی، جن کے حق میں زبان نبوت نے گواہی دے دی ہو! پھر کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ کرام ﷺ کی عمومی فضیلت

تمام صحابۂ کرامؓ کے بارے میں درج ذیل آیت ہی بہت کافی ہے، جس میں ان کی فطرت کی عکاسی ہے، ان کے خمیر کی حقیقت بتلادی گئی ہے، وہ آیت کریمہ یہ ہے:

''ولٰكن اللّٰه حبّب اليكم الايمان، وزيّنه في قلوبكم، و كرّه اليكم الكفر،

والفسوق، والعصيان، اولئک هم الراشدون، فضلا من الله ونعمة والله عليم حکيم" ۔(۱)

''پر اللہ نے محبت ڈال دی ایمان کی تمہارے دل میں اور اس (ایمان) کو تمہارے دلوں میں کھبا دیا اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہوں کی اور نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر، اللہ کے فضل سے اور احسان سے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکیم ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا اور پھر اس ایمان کو پیوست کر دیا، اسی طرح ان کے دلوں میں کفر کی تمام قسموں سے اور تمام گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے نفرت ڈال دی تھی، مطلب یہ کہ خود ان کے خالق نے بتلا دیا کہ ہم نے ان پاکیزہ شخصیتوں کی تخلیق کن عناصر سے کی ہے؟ ان کی خمیر کس طرح تیار کی ہے؟ لھذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کے لیے آیت بالا ہی بہت کافی ہے، شانِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ذکر کردہ آیت بہت کافی ہے، ان کا مقام نہایت بلند تھا۔

شرفِ صحبت کے اثرات

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنا اونچا مقام اور اس قدر بلند مرتبہ ملا تھا کہ جس کا تقابل کسی بھی روحانی درجہ اور مرتبہ سے نہیں کیا جا سکتا ہے، وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت اور بافیض مجلس ہی کے نتیجہ میں ملا تھا، اسی کی برکت تھی کہ ان کی شان نرالی ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے براہ راست ان حضرات کی تربیت فرمائی تھی، حسب ضرورت ان کے لیے آسمان سے ہدایتیں اترتی تھیں، ان کے کارناموں پر اللہ تعالیٰ اظہار خوشی فرماتے تھے؛ بذریعہ وحی ان کی تعریفیں نازل ہوتی تھیں، اللہ تعالیٰ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا اور ان سے مشورے لینے کا حکم تھا، صحابہ کے لیے سفارش ہوتی تھی۔

"واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغدوة، والعشيِّ يريدون وجهه ولاتعد عيناک عنهم تريد زينة الحياة الدنيا". (۲)

''اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام، طالب ہیں اس کی خوشنودی کے، اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش رزق میں دنیا کی زندگانی کے (اس سے مراد عمارؓ، صہیبؓ، بلالؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ ہیں)''۔

ارشاد ہے:

"فاعف عنهم، واستغفر لهم، وشاور هم في الأمر". (۳)

''سو تو ان کو معاف کر، ان کے واسطے بخشش مانگ، اور ان سے مشورہ لے کام میں''۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقدس ''صحابی'' کا لفظ کن کن لوگوں پر بولا جاتا ہے؟ آخر ان خوش نصیب حضرات کے کردار کیا

تھے؟اور کیسے تھے؟ کہ اس قدر اونچا مقام انہوں نے پالیا اور اتنی اونچی ان کی شان ہوگئی؟!وہ انسان نما فرشتے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے ان حضرات کی مدح سرائی درج ذیل اشعار میں یوں کی ہے:

تمدن آفریں خلّاق آئین جہاں داری وہ صحرائے عرب،یعنی شتربانوں کا گہوارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے؟ جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آراء(۴)

لہٰذا''صحابی'' کے معنی اور استعمال پر گفتگو کر لی جائے،اس قدر فضیلتوں والی جماعت ہے کون؟اس سلسلہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لفظِ''صحابی'' کی تحقیق

"الصحابی،وھو:من لقی النبی صلی اللّٰہ عیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم مؤمنا بہ،ومات علی الاسلام،ولو تخللت ردۃ فی الاصحّ والمراد باللقاء ما ھو اعم من مجالسۃ و المماشاۃ، ووصول احدھما الی الآخر،وان لم یکالمہ".(۵)

''صحابی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسی ایمانی حالت پر انتقال ہوا ہو اور اگر چہ مرتد ہو کر دوبارہ ایمان لایا ہو،یہی زیادہ صحیح قول ہے، یہ ملاقات عام ہے مجلس (شریف) میں بیٹھنا نصیب ہوا ہو یا نہ ہوا ہو،معیت نصیب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو،اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے جا کر ملنا بھی ثابت ہو،اگر چہ گفتگو نہ ہوئی ہو''۔

اس تعریف سے مرتد لوگ اور اہل نفاق نکل جائیں گے،اول الذکر میں ایمان ہی کی شرط نہیں پائی جاتی ہے،ثانی الذکر کو تو خود اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا ہے:**ان المنافقین فی الدرک الأسفل من النار**،(۶) بے شک منافقین ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے''

اگر چہ رسولوں کی طرح **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض**،(۷) یہ سب رسول!فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے، کے تحت صحابۂ کرامؓ میں بھی بعض کو بعض پر اور ایک کو دوسرے پر فضیلت اور برتری حاصل تھی؛تاہم''شرف صحبت''میں سب برابر تھے اور عمومی فضیلتوں میں اور جنت کی بشارتوں میں سب شریک تھے۔

خواہ نبوت ملنے سے پہلے ہی خصوصی تعارف رہا ہو جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے،لگ بھگ پچیس برس کاشانہ نبوت سے وابستہ رہے اور پھر وہ پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہو گئے اور مہاجرین اولین میں تھے،ہجرت کے بعد خصوصی خادم بن

گئے تھے کہ مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتا پہنانا، سفر کے وقت کجاوہ کسنا، عصا لے کر آگے چلنا، وغیرہ خدمات انہیں سے متعلق تھیں: (۸) یہ ہوں یا وہ حضرات ہوں جنہوں نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے میں سبقت کی تھی اور ان پُرخطر حالات میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے کہ جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، جیسے عمارؓ ابن یاسر، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ تھے سب کے سب صحابیت کے شرف میں برابر کے حصہ دار ہیں، اور تمام فضیلتوں میں شریک ہیں، مگر فرق مراتب بھی رہے گا!

مکہ کے پرخطر حالات میں ایمان لانے والے حضراتؓ ہوں، یا مدینہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں ضروری سفر پر جاتے وقت واپسی تک آپ کی نیابت کرنے والے ہوں جو دراصل گیارہ افراد تھے، جن میں بعض کو مکرر بھی شرف نیابت ملا تھا، اسی طرح عہد فاروقی میں فتوی دینے کی اجازت حاصل کرنے والے دراصل پہلے نو تھے پھر گیارہ کی تعداد ہوئی تھی! یہ تمام کے تمام صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت تھی! ''شرف صحبت'' میں برابر تھے، تاہم آپس میں فرق مراتب بھی تھا، بعض کو بعض پر فضیلت ضرور تھی، عمومی فضائل میں سب شریک تھے، سب سے پہلے تو خلفاء راشدینؓ ہیں اور پھر بقیہ چھ صحابہؓ ہیں پھر ان تمام کا مجموعہ عشرۂ مبشرہ ہے۔

وہ حضرات صبر کے پہاڑ تھے

عمار بن یاسرؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ، اور ان کے دیگر ساتھی حضراتؓ نے جن مظالم کا سامنا کیا تھا، جس طرح ظلم وستم کے تختۂ مشق بنے تھے، ان جیسی مثالیں ''تاریخ اسلام'' میں کہیں نہیں ملتی ہیں، عمار بن یاسرؓ کو دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹادیا جاتا تھا، دہکتے انگاروں سے جلایا جاتا تھا، پانی میں غوطے دئے جاتے تھے، (۹) ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ کو تو ابوجہل نے نیزہ مار کر ہلاک ہی کر ڈالا تھا، یہی خاتون، اسلام میں پہلی شہیدہ تھیں، (۱۰) صہیب رومیؓ غریب الوطن تھے مکہ میں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا، اس وجہ سے مشرکوں نے انہیں خوب ستایا تھا، ہجرت کے وقت ان کا تمام ساز وسامان یہ کہہ کر ضبط کرلیا کہ جب تم یہاں آئے تھے تب خالی ہاتھ آئے تھے، یہ سب کچھ یہاں رہ کر کمایا ہے، لہٰذا یہ مال ہمارے شہری حدود سے باہر نہیں جائے گا، (۱۱) اس راہ حق کے مہاجر نے اپنا تمام مال اس شرط پر دے دیا کہ بس! مجھے مدینہ جانے دے دو (۱۲) اس اللہ والے نے جس پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھا، تن تنہا صرف جسم مبارک کے کپڑوں کے ساتھ، بھوکا پیاسا، پریشان حال، بکھرے ہوئے بال، پراگندہ صورت، مگر دل اور جذبات جنتی کے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضری دی تو بشارت اس طرح ملی: صہیبؓ نے نفع بخش تجارت کی ہے، صہیبؓ نے نفع بخش تجارت کی ہے، (۱۳) اور پھر آیت کریمہ نازل ہوئی: **ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ** (۱۴) لوگوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو خدا کی رضاجوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں، اسی طرح بلال حبشیؓ کا حال تھا کہ انہیں امیہ بن خلف جس کے وہ غلام تھے، بے حد ستاتا تھا، جلتے ہوئے سنگریزوں، انگاروں سے سزا دیتا تھا، گلے میں رسیاں باندھ کر اور بندھوا کر بچوں سے کھنچوانے لگواتا تھا، مگر بلالؓ کی مبارک زبان سے احد، احد ہی کے الفاظ نکلتے تھے، ناظرین

حیرانی کا شکار رہتے تھے، یہ تمام صحابہ کرام تھے اور مجسمہ صبر تھے، صبر کے پہاڑ تھے، عام اس سے کہ ان حضرات سے حدیث کی روایتیں آئی ہوں یا مرویات نہ ہوں! دونوں صورتوں میں وہ سب کے سب صحابۂ کرامؓ کی جماعت کے مقدس اور برگزیدہ افراد تھے ،اللہ ان سے راضی تھا اور وہ اللہ سے راضی تھے، اسی طرح وہ حضرات کرامؓ بھی شرف صحبت حاصل کرنے والے تھے جنہوں نے ۱۲ر سال کی عمر میں ہجرت مدینہ کی تھی جیسے ابن عمرؓ، یا ۱۶ر سال کی عمر میں ایمان لانے والے حضرت زبیر بن العوامؓ ہوں، فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں یا بعد میں ایمان لے آئے ہوں، یا غزوۂ حنین سے پہلے یا بعد شرف اسلام ملا ہو، اور ''انتم الطلقاء'' کا لقب پایا ہو، یا حضرت ابوسفیانؓ ہوں جنہوں نے ۲۲ر سال تک ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، اور پھر صحابہ کرام کی عظیم فہرست میں شامل ہو گئے تھے، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہوں یا شرکت نہ کی ہو! یہ تمام کے تمام صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت تھی، جن کا امتحان براہ راست اللہ تعالیٰ نے لے کر انہیں پاس کر دیا تھا(اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی، لھم مغفرۃ واجر عظیم ،(۱۵) یہ لوگ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ لیا ہے ادب کے واسطے، ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا ہے۔

صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کی تعداد

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے سابقین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، حسن اتفاق کہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابۂ کرامؓ کی تعداد بھی ایک لاکھ سے متجاوز تھی! گویا ایک صحابیؓ نے ایک نبیؑ کے برابر خدمات انجام دی تھیں!! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت پر تشریف لے جانے کے بعد بلا استثنا تمام صحابۂ کرامؓ نے ''دین اسلام'' کی خدمات کے ذریعہ ساری دنیا میں اصلاحی، اخلاقی اور سیاسی انقلاب برپا کر دیا! داعی، مبلغ اور مصلح کی حیثیت سے وہ لوگ تمام دنیا پر چھا گئے تھے!، اپنے اخلاقی ہتھیار سے دلوں پر حکومت کرنے لگے تھے! عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عجم کے لالہ زاروں تک اپنا مصلحانہ کردار ادا کیا!! خشکیوں اور سمندروں کے چکر کاٹے، باطل کا بھرپور تعاقب کیا، گویا شجر و حجر کو مسخر کر لیا تھا، یہاں تک کہ دنیا حیرانی میں پڑ گئی تھی، یہ تمام کے تمام صحابۂ کرامؓ ہی تھے؛ جنہوں نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا!! (اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع نصیب کرے)۔

انسانی عقل حیرانی کا شکار ہے

فاتح شام حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ ابتداءً حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں صرف ۱۸ر ہزار فوج لے کر وہاں صلیب کے پجاریوں اور آتش پرستوں کی ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ ٹکرلی تھی، یرموک اور قادسیہ کے واقعات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جا چکے ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ ہی کی حکمت عملی تھی کہ وقت کی یہ سب سے بڑی سلطنت فتح ہو گئی! اس وقت کی دنیا حیرانی کا شکار تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟! عرب کی صحرا نشیں قوم اپنے روایتی اسلحہ کے ذریعہ وقت کی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکر لے رہی ہے؟ آج

تک یہ روایت مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ... کے مشہور بہادر جن کو ہر ایک جنگ میں شمار ہوتا تھا ''بہمن جادویہ'' اور ''رستم'' اور آخری بادشاہ ''یزدجرد'' وغیرہ ... نے ایسی شکست کھائی!! یہ تمام افسوس ناک شکستیں تھیں کہ مخالف فوجیں مسلم فوجیوں کو جہاں کہیں دیکھتیں چیخ و پکار شروع کردیتیں: دیکھو! جنات آگئے ہیں! جنات آرہے ہیں!! یہاں سے بھاگو! ورنہ تمہاری خیر نہیں رہے گی!! یہ سب کچھ صحبت شریفہ کے بابرکت اثرات تھے، فیض رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ اخلاص کی برکتیں تھیں، یہ سب کے سب صحابہ کرامؓ ہی کی جماعت تھی، جس کا انتخاب منجانب اللہ ہوا تھا۔(۱۶)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے صدیوں پرانی قبطی عیسائی قوم کو اسلام کی دہلیز پر لاکر کھڑا کردیا، اس قوم کو کیا بدلا کہ وہاں کے زمین و آسمان ہی بدل گئے، دنیا بدل گئی، عیسائیت کے سخت اصولوں سے تنگ آچکی ہوئی انسانیت نے اسلام کے دامن میں آکر پناہ لی اور اسے سکون کا سانس ملا، اسلام کی بخشی ہوئی آزادی اور مساوات سے مستفیض ہونے لگی، اس طرح وہاں اسلام کا بول بالا ہوا اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھنی چاہیے تاکہ صحابۂ کرامؓ کی ان عظیم ترین قربانیوں کو دیکھ کر، پڑھ کر، سن کر عظمت صحابہؓ دلوں میں پیدا ہو اور پتہ چلے کہ ان حضرات نے کس کس طرح اپنی جانوں پر کھیل کر اسلام کو ساری دنیا تک پہونچایا تھا؟ دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلام ہی کا جھنڈا بلند کردیا تھا، دوسرے تمام جھنڈے سرنگوں ہوگئے تھے! اس طرح انہوں نے دنیا کو اسلام کے آگے جھکا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ مبارکہ (۲۳) سالہ کار نبوت کا خلاصہ (دعوت، ہجرت، جہاد، خلافت) بیان کرنے کے بعد حکم دیا تھا کہ (فليبلغ الشاهد الغائب) ہر موجود شخص غائب شخص تک پہونچا دے، اس پر تمام صحابہؓ نے عمل کیا (دعوت، ہجرت، جہاد اور خلافت سے متعلق) اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو ادا کردیا، یہ سب کے سب صحابۂ کرامؓ ہی تھے جنہوں نے ایمان پر زندگی گذاری، خدا اور رسول ہی کی خوشنودی کا خیال رکھا، اور ایمان کی حالت میں اللہ کے حضور پہونچے، رضی اللہ عنہم اجمعین ورضوا عنہ۔(۱۷)

مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلاً من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون''.(۱۸)

''(مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے، جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کردیے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے متلاشی ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں (دین کی حمایت کے لیے کمربستہ رہتے ہیں) یہی لوگ راست باز ہیں''۔

صحابۂ کرامؓ کی دو قسمیں تھیں، مہاجرینؓ اور انصارؓ، مہاجرین نے محض اللہ کی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر گھر بار

چھوڑا، تجارت و زراعت کو خیر باد کیا، ''الایمان قول وعمل'' ثابت کردیا کہ زبان سے ''کلمۂ طیبہ'' پڑھا اور عمل سے ''ہجرت'' کردکھائی، انسان کے لیے وقتی سزا برداشت کرلینا آسان ہوتا ہے، بلکہ ایک دفعہ جان دے دینا بھی بسا اوقات آسان سمجھا جاتا ہے، بہ نسبت مسلسل آلام ومصائب برداشت کرتے رہنے کے، روز روز کی مصیبتوں سے ایک ہی مصیبت چاہے بڑی ہی کیوں نہ ہو بہتر سمجھی جاتی ہے، واقعۃً ''ہجرت'' بڑا مقام رکھتی ہے، اللہ ورسول کی مدد دراصل دین کی مدد ہوتی ہے، جس کے لیے ہجرت (ترک وطن) کو معیار قرار دیا گیا تھا، اس معیار پر صحابۂ کرامؓ (مہاجرین) ہر طرح سے پورے اترے اور پھر (أولئک هم الصادقون) کے خطاب سے نوازے گئے، یہی لوگ سچے ہیں، انہوں نے قربانی دینے میں کسی طرح کی کمی نہیں کی! صحابۂ کرامؓ کی دوسری قسم انصارؓ کی تھی، یہ دراصل نصرت سے ہے، انصارؓ وہ لوگ کہلاتے ہیں جنہوں نے مہاجرین کی دل کھول کر نصرت اور مدد فرمائی، انصارؓ نے ایسی مدد کی تھی جس کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ہے؛ تب ہی تو مہاجرین کی طرح انصار کی بھی تعریف آئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"والذين تبوَّءُ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولايجدون فى صدورهم حاجة مماأوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شحَّ نفسه فأولئک هم المفلحون".(۱۹)

''اور ان لوگوں کا (یہی حق ہے) جو دار اسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے آنے کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار اپنے دل میں کوئی تنگی نہیں پاتے اور اپنے کو معدوم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہو، اور جو بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

یہ دوسرا گروہ ہے جس کی تعریف وتوصیف قرآن نے بیان کی ہے، یہ انصارؓ مدینہ تھے، جس طرح مہاجرین کے بارے میں کہا گیا کہ جنت میں سب سے پہلے ''فقراء مہاجرین'' جائیں گے، اسی طرح انصارؓ سے متعلق کہا گیا ہے کہ ان سے محبت ایمان کی علامت ہے، ان سے بغض دلوں میں نفاق پائے جانے کی علامت ہے، ایک تو ہے حسن سلوک کردینا، یا حسن سلوک کرتے رہنا، دوسرا وصف یہ کہ حسن سلوک کرتے رہنا اور اسے فطرت بنالینا، صلۂ رحمی فطرت ثانیہ بن جانا، یہی دوسری صورت بہترین صورت ہوگی، چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی چیزوں میں بھی اپنے پر دوسروں کو ترجیح دینا اور دیتے رہنا اور پھر اس طرز عمل سے نہ صرف یہ کہ دل گیر نہ ہونا بلکہ اظہار دوستی کرتے رہنا اور مساعدت کے لیے ہر وقت مستعد رہنا، یہی دوسری حالت انصارؓ مدینہ کی تھی، چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ کے لیے جنت کی بشارت ہے، دنیا ہی میں ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

”ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ أولئک عنہا مبعدون“.(۲۰)

”جن کے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف نیکی، وہ اس (آگ) سے دور رہیں گے“۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں ”الحسنیٰ“ جنت کے معنی میں آیا ہے، مطلب یہ کہ یہی لوگ (صحابۂ کرامؓ) دراصل آگ سے دور ہیں، جنہیں آگ سے بچا کر دور کر دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وکلًا وعداللّٰہ الحسنیٰ“.(۲۱)

”اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے“۔

اس آیت میں بھی تمام صحابۂ کرامؓ کو اہل جنت بتلایا جا رہا ہے، چاہے مجاہدین ہوں یا قاعدین، اللہ تعالیٰ نے تو ان صحابہ کرامؓ کو یوں بشارت دی ہے:

”یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان،وجنات لھم فیھانعیم مقیم،خالدین فیھا أبدا“ (۲۲)

”ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے، جس میں ان کو دائمی آسائش ہے، اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے“۔

اسی سلسہ میں ارشاد ربانی ہے:

”والسابقون الأولون من المھاجرین والانصاروالذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم،ورضوا عنہ،واعد لھم جناتٍ تجری تحتھا الأنھارخالدین فیھا ذٰلک الفوز العظیم“.(۲۳)

”مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام (لانے میں) سبقت کی (جیسے سعدؓ وغیرہ) اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا (مہاجرینؓ اور انصارؓ کے نقش قدم پر چلے) خدا ان سے راضی ہے، اور وہ لوگ (جملہ مہاجرین اور جملہ انصار) خدا سے راضی ہیں اور ان کے لیے باغ ہیں تیار کرائے گئے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں (وہ لوگ مہاجرینؓ اور انصارؓ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے“۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”والذین ھاجروا فی اللّٰہ من بعد ما ظلموا لنبوء نھم فی الدنیا حسنۃ،والأجر الأخرۃ أکبر لوکانو یعلمون“.(۲۴)

”اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا، بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان

کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے، اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش ان کافروں کو بھی خبر ہوتی''!

یہ بھی ارشاد ربانی ہے:

''الذین آمنوا وھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللّٰہ وأولئک ھم الفائزون''. (۲۵)

''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی (جیسے عثمانؓ اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ) اور جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (جیسے خلفاء اربعہ اور دیگر مہاجرین اور مجاہدین) یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

اُن کے آپسی تعلقات بہترین تھے

صحابۂ کرامؓ کے ایک دوسرے سے تعلقات اخلاقی قدروں پر تھے، وہ لوگ آپس میں انتہائی رحم دل تھے، یہی دراصل ''رحماء بینھم'' کی عملی تفسیر تھی، ایک دوسرے کے ساتھ محبت والفت، ملنساری و غمگساری، عفوو درگزر، مسامحت اور رواداری، حسن سلوک اور صلہ رحمی جیسے اوصاف حمیدہ، بہترین صفات، عمدہ خصلتوں ہی پر ان کی سوسائٹی تیار ہوئی تھی، یہی کچھ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، یہی کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا؛ چونکہ یہی لوگ سب سے پہلے سنتوں پر عمل کرنے والے تھے، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کی کتاب انتہائی امانت اور دیانت کے ساتھ ہم تک پہونچائی ہے، انہیں کے ذریعہ ہم تک سنتیں پہونچی ہیں، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے سنتوں کو جوں کا توں ہم تک پہنچا دیا ہے، جس نے جو دیکھا اور جیسا دیکھا و ہی اور ویسے ہی نقل کر دیا، نقل میں انتہائی دیانتدارانہ ثبوت دیا ہے جس کی مثال دنیا نے نہ پہلے پیش کی اور نہ ہی کبھی پیش کر سکے گی، اسی وجہ سے ان کے معاشرے کو (المجتمع وُدٍّ و تراحمٍ) کہا جاتا ہے، مطلب یہ کہ وہ ایک ایسی سوسائٹی تھی جس کی بنیاد ہی آپس میں محبت اور صلہ رحمی پر رکھی گئی تھی، ان حضرات کو تیار کرنے والے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اللہ کی ہدایتیں آتیں اور ان کی تربیت کی جاتی تھی، انہوں نے رہتی دنیا تک علماء اور عوام، دولت منداور حاجت مند، تمام کے لیے بہترین نمونے چھوڑا ہے، ہمیں صرف اتباع کی ضرورت ہے، وہ لوگ بہترین اسوہ چھوڑ گئے ہیں، بلاشبہ وہ تمام حضراتؓ انسانیت کے لیے بہترین آئیڈیل ہیں، تب ہی تو اللہ نے ان تمام پر اپنی رضا کی مہر ثبت کر دی ہے۔

مؤمن کا مقصد زندگی صرف رضاء الٰہی کا حصول ہوتا ہے، جو دراصل صحابہؓ کی مقدس شخصیتوں کے طرز عمل پر چل کر ہی ''رضائے الٰہی'' حاصل کی جاسکتی ہے، ان کے اقوال اور ان کے افعال اور ان کے کردار میں ہم سبھوں کے لیے زندگی کے محاذ پر قابل تقلید نمونے موجود ہیں، ان میں بے حد قوت برداشت تھی، صبر و تحمل کے وہ پہاڑ تھے۔

قابل تقلید چند نمونے

(۱) جنگ احد کے بعد مشرف بہ اسلام ہونے والے حضرت خالد بن ولیدؓ جنہیں بارگاہ رسالت سے اللہ کی تلوار کا لقب ملا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے ذریعہ جزیرۂ عرب سے باہر جس محاذ کا آغاز کیا تھا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے کافی حد تک خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں پائے تکمیل کو پہنچایا تھا، خالدؓ کی قیادت میں علاقۂ شام کی جنگی مہمات نہایت زوروں سے جاری تھیں، کامیابیوں کے ساتھ ہمکنار ہورہی تھیں؛ اچانک باب خلافت سے حضرت عمرؓ کا حکم حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کے نام آجاتا ہے کہ فوری خالد کو معزول کردو اوران کی جگہ تم (ابوعبیدہؓ) سپہ سالار بن جاؤ، جنگ کی قیادت اپنی کمان میں لے لو! چنانچہ اس حکم کی اطاعت دونوں ہی بخوشی کرتے ہیں، کسی کی بھی پیشانی پر بل تک نہیں آیا تھا!! خاص بات یہ تھی کہ ''فرمان عمرؓ'' لے کر ابوعبیدہؓ خالدؓ کے پاس جاتے ہیں، مگر فوری نہیں بتلاتے، بلکہ مختلف باتیں کرتے ہیں، اگلے حملہ پر تبادلہ خیال کرتے ہیں، اطاعت امیری پر بھی گفتگو ہوتی ہے، کافی وقت گذارنے کے بعد جب تمہیدی باتیں ختم ہوجاتی ہیں تب ''فرمان عمرؓ'' پڑھ کر سناتے ہیں، خالد پر یہ خبر صاعقہ بن کر گرنے کے بجائے بسر و چشم اسے وہ قبول کرلیتے ہیں، فوری سپہ سالار کا لباس اُتار کر پیش کردیتے ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اس خبر کے منتظر تھے، حالانکہ انہیں قطعاً توقع نہیں تھی! یہی وہ قوی ایمان تھا جسے انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر حاصل کیا تھا، یہی وہ ایمان بالقدر تھا کہ بخوشی تسلیم ورضا کا ثبوت دیتے ہیں، امین الامت ابوعبیدہؓ نے جو حکمت عملی اپنائی تھی وہ بھی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا اثر تھا، نہ تو اول الذکر شخصیت منصب کے چھن جانے سے کبیدہ خاطر ہوئی! اور نہ ہی ثانی الذکر شخصیت منصبِ جلیل ملنے سے خوش ہوئی!! ابوعبیدہؓ نے عزل کی خبر سنانے میں رعایت رکھی کہ کہیں خالد کی دل شکنی نہ ہوجائے، خالدؓ نے ''اطاعتِ مطلقہ'' کا ثبوت دیا! یہ دراصل (وما تشاء ون الا أن يشاء الله رب العالمين (۲۶) اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے) کے تحت اللہ ہی کی مشیت کو مقدم سمجھتے تھے، دونوں ہی حضرات کا تقدیر پر ایمان نہایت قوی تھا، ان دونوں ہی کا طرز عمل دراصل فیضانِ صحبت کا اثر تھا، خالدؓ سمجھتے رہے کہ میں خالدؓ ہی ہوں، ابوعبیدہؓ سمجھتے رہے کہ میں ابوعبیدہؓ ہی ہوں، حسب سابق دونوں کی جنگی خدمات برابر جاری رہیں، اس دور میں فقہ اسلامی کی عظیم الشان تدوین نہیں ہوئی تھی، اور نہ ہی ''لاضرر ولاضرار'' کی بنیاد پر کوئی قانون مدون تھا؟! ان مقدس شخصیتوں کے درمیان صرف اخلاقی قدریں ہوتی تھیں، اسلامی اخلاق پر معاشرہ قائم تھا؛ وہ لوگ صرف ''اطاعت'' کے خوگر تھے، ہر وقت ''اجتماعیت'' کی بقا پیش نظر رہتی تھی؛ لھذا وہ لوگ عزل نصب کی شرطوں اور بحثوں سے بالکل بے نیاز تھے۔(۲۷)

(۲) یوں تو تمام صحابۂ کرامؓ کی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہوتی تھیں، ان کے سامنے (صلوا کما رأيتموني

اصلی - الحدیث) تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کا حکم موجود تھا، چنانچہ جس نے جیسی نماز دیکھی ویسی ہی نقل کردی، رفع یدین اور ترک رفع دونوں طرح کا عمل منقول ہے: ایک طرف تو صحابہ کی نماز رسول جیسی ہوتی تھی اور دوسری طرف چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے بارگاہ عمرؓ میں حضرت سعدؓ کی شکایت کردی کہ وہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے ہیں، یہ سن کر عمرؓ نے کہا: اگر سعدؓ اچھی نماز نہیں پڑھائیں گے تو آخر کون اچھی نماز پڑھائے گا؟! پھر ان سے پوچھ گچھ کی اور اطمنان حاصل کرلیا، تاہم مصلحت عامہ کا خیال کرتے ہوئے انہیں معزول کردیا، اس عزل سے ان پر کچھ اثر نہیں ہوا، چوں کہ وہ اپنے نفس کو مار چکے تھے، بے نفس انسان تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ فرمایا تھا لہٰذا وہ روحانی مدارج کے اس قدر بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے کہ جہاں تک صحابہؓ کے بعد کسی بھی شخص کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی، ان حضرات کے دل نہایت پاک تھے، دنیا اور اس کی لذتیں ان کے پاس ہیچ تھیں، عزل و نصب ان کے پاس کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے، حضرت سعدؓ تو مہاجرین اولین میں سے تھے، غزوۂ احد میں ان کے کارنامے مشہور تھے، اور پھر اس کے بعد فتح مکہ تک تمام غزوات میں شریک رہے۔

یہ حضرات وہ تھے جن سے اللہ راضی ہو چکا تھا، اور انہیں جنت کی بشارت دے چکا تھا، قیامت تک یہ مدح سرائی مسلمانوں میں تلاوت کے ذریعہ زبان زد خاص و عام رہے گی، جہری اور سری نمازوں میں رات دن پڑھی جاتی رہے گی، اس ہجرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان تمام مہاجرین کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا، اور آخرت میں بھی انہیں نہایت بلند مرتبہ سے سرفراز کرے گا۔

(۳) حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک دن بارگاہ عمرؓ میں عرض کیا: مجھے ایک لشکر دے کر مصر پر حملہ کے لیے بھیج دیجئے انشاء اللہ مصر فتح کرلوں گا، مگر عمرؓ نے انکار فرمادیا کہ ابھی نہیں بعد میں دیکھا جائے گا، بات آئی اور چلی گئی، اور پھر ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد دوبارہ عمرو رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک لشکر کے ساتھ مصر روانہ کردیجئے، اللہ نے چاہا تو فتح کی خوشخبری سناؤں گا، مگر اب بھی جواب نفی میں ملا کہ شام کی مہم شروع کررکھی ہے ابھی دوسری طرف توجہ دینا مناسب نہیں ہے، ابن العاص خاموش رہ گئے، اور پھر کافی دنوں کے بعد سہ بارہ مراجعت فرمائی، پرزور الفاظ میں درخواست کی تو جواب ملا کہ میں ساتھیوں سے مشورہ کرلوں تب منظوری دے سکوں گا! چنانچہ دو مرتبہ مجلس شوریٰ منعقد کی گئی دونوں ہی دفعہ رائیں مختلف رہیں، حضرت عثمانؓ نے تو سخت مخالفت کی، تاہم دوسری مرتبہ مجلس شوریٰ میں اکثریت کی رائے پر اتفاق کرتے ہوئے امیر المؤمنین نے مصر پر حملہ کی اجازت دیدی، - بحمد للہ - کامیاب حملہ رہا واقعۃً عمرو بن العاص نے جو کہا تھا کر دکھایا اور پھر انہیں کو والیٔ مصر بنادیا گیا، مصر کی گورنری انہیں کے قسمت میں تھی؛ مگر پھر ایسا ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں عمرو بن العاص کو گورنری سے معزول کردیا - اگرچہ وہ مجبور تھے - عرض کرنا یہ ہے کہ یہاں بھی عزل نے اپنا کچھ اثر نہیں دکھایا، اور نہ کسی طرح کا کوئی ردعمل ظاہر ہوا تھا، بجز ''سمع وطاعت'' کے، یہ تھی صحابہؓ کی وہ

جماعت جسے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت سے تیار کیا تھا، اور پھر دنیا والوں سے کہد یا تھا کہ تم تمام لوگ اس جماعت کی اتباع کرو اور اس کے نقش قدم پر چلتے رہو،

حضرت عمرو بن العاصؓ کی شخصیت وہ تھی جو حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں فتح مکہ سے کافی پہلے حاضری دے کر مشرف بہ اسلام ہوئی تھی، یہ وہی شخصیت تھی جسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے سریّہ میں تین سو شہسوار دے کر امیر بنا کر بھیجا تھا، اور خود اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمان کا حاکم بنایا تھا، فتوحات شام میں بھی ان کی خدمات مشہور تھیں، ایسی عظیم شخصیت کا معزول کیا جانا یقیناً ایک سانحہ سے کم نہ تھا!! مگر حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے اس طرز عمل سے رہتی دنیا تک کے لیے بہترین اسوہ چھوڑ گئے ہیں، اس واقعہ میں ساری دنیا کے لیے قابل تقلید کئی پہلو ملتے ہیں، جو مختصراً یوں بیان کئے جاسکتے ہیں۔

(الف) عزل کے بعد بھی اطاعت امیر کا ثبوت دیا اور دیتے رہے، ان کے پیش نظر (أطیعوا اللہ، واطیعوا الرسول وأولی الامر منکم. (۲۸) اطاعت کا حکم دراصل خوشی کی حالت ہو یا ناگواری کی حالت ہو؟ دونوں حالتوں میں مطلوب ہے! اگر چہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو؟! موصوف نے اپنے طرز عمل سے دنیا کو اطاعت شعاری کا پیغام دیا ہے، وفا شعاری کی حیثیت بتلادی ہے، یہ بات ذہن کے حاشیہ میں بھی نہیں آئی کہ: مجھے تو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا حاکم بنایا تھا اور حضرت عمرؓ نے مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، لھذا عثمانؓ کو عزل کا حق کس نے دیا؟! انہیں کیا حق تھا کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعین کردہ شخص اور بارگاہ عمرؓ سے حاکم بنائے گئے ہوئے شخص کو وہ معطل کریں؟ وہ کون ہیں؟! اور وہ کون ہوتے ہیں جو اپنے سے پیش رو لوگوں کے خلاف فیصلہ کریں؟!! حاشا و کلا۔

(ب) نہ صرف یہ کہ کسی طرح کی مخالفت نہیں کی بلکہ مدینہ واپس لوٹ جانے کے بعد خلیفۂ ثالث عثمانؓ کے مساعد اور مددگار بنے رہے، عثمانؓ نے انہیں اپنی مجلس شوریٰ کا خصوصی ممبر بنالیا، عمرو بن العاصؓ بخوشی شوریٰ کے اجلاس میں جاتے اور اپنے مفید ترین مشوروں سے نوازتے رہے، بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی عثمانؓ بھی عمرو بن العاصؓ کے مکان چلے جاتے اور کسی ضروری مسئلہ پر رائے طلب فرمالیتے، الغرض! مشیر مخلص بنے رہے اور حقیقی معاون و مددگار رہے! کبھی دل میں یہ بات تک نہیں آئی کہ یہ شخص تو وہی ہے جس نے میرا منصب چھین لیا تھا؟! میری دولت چھین لی ہے؟!! چونکہ دونوں ہی کے پیش نظر امت کی اجتماعی بھلائی تھی ''خدمت خلق'' مقصود تھی اور اللہ کی رضا مقصود تھی لھذا اپنی شخصیتوں کو بھول چکے تھے یہی وہ جذبۂ اخلاص تھا جسے انہوں نے بارگاہ رسالت سے براہ راست سیکھا تھا۔

(ج) اس واقعہ عزل پر بعض مؤرخین چراغ پا ہوتے ہیں! اور خلیفۂ ثالث کو متہم کرتے ہیں، جب کہ وہ دونوں - حضرت عثمان غنی ﷺ اور حضرت عمرو بن العاص ﷺ - حضرات آپس میں خوش تھے تو کسی تیسرے کو دخل آندازی کا کیا حق پہنچتا ہے؟ کہ وہ اپنی رائے زنی پیش کرے؟! وہ دونوں کے دونوں بحیثیت صحابی ہونے کے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، وہ اللہ

سے راضی ہیں، خود آپس میں بھی وہ راضی ہیں۔

لھذا کسی بھی مسلمان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان دونوں کے بارے میں لب کشائی کرے؟ اللہ تو کہہ رہا ہے کہ میں ان دونوں سے اور ان دونوں کے کاموں سے خوش ہوں مگر فلاں اور فلاں شخص کہہ رہے ہیں کہ ہم تو خوش نہیں ہیں؟! ہم تو متہم کریں گے؟! اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور ابدی میں یہ بات ضرور تھی کہ عثمان ﷺ عمرو ﷺ کو معزول کریں گے اور پھر اعلان رضامندی بھی کر رہا ہے، پتہ چلا کہ یہ اور اس طرح تمام مشاجرات صحابہ علم الٰہی میں پہلے سے تھے اور پھر بھی اللہ نے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمادیا ہے، تو پتہ چلا کہ مشاجرات قابل گرفت نہیں ہیں!! ورنہ کسی نافرمان شخص سے اس کا آقا خوش نہیں ہوتا ہے، یہاں تو آقا خوش ہونے کا اعلان کر رہا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے راضی ہیں! **فاعتبروا یا اولی الابصار**.

(د) اس واقعہ کو عملی دنیا میں اس طرح جاری کیا جاسکتا ہے کہ حاکم اور محکوم، استاذ اور شاگرد، غلام اور آقا کے درمیان ماتحت شخص کو اپنے مافوق سے کسی بات کے بار بار کہنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ مسئلہ منصوصات میں سے نہ ہو بلکہ اس میں مجتہدانہ شان ہو اور دونوں ہی رایوں میں رخصت اور عزیمت کی گنجائش ہو، ورنہ نصوص سے معارضے کی اجازت نہیں ہوگی! اور یہ بھی پتہ چلا کہ ماتحت کو فوری مان لینا چاہیے، چاہے وہ اپنی رائے نہ بدلے مگر بحث نہیں کرنی چاہیے، بہر حال مافوق کی اطاعت مطلوب ہے مگر فکری اور شخصی اختلاف کی بہر حال گنجائش رہے گی، شخصی رائے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے صرف خاموشی کے ذریعہ اطاعت مقصود ہے۔

(ہ) اور یہ بھی کہ مافوق شخص کبھی یہ نہ کہے:

> میں تو کہہ چکا ہوں! پھر کیوں مراجعت کر رہے ہو؟ میں نے تو کہہ دیا! بات ختم ہوگئی! بار بار کیوں پریشان کرتے ہو؟

اور نہ ہی ماتحت شخص کو یہ حق ہوگا کہ وہ شکایت کرتے پھرے کہ:

> میں نے دو مرتبہ کہا مگر ہمارے سرپرست توجہ ہی نہیں دیتے ہیں؟! شکایت نہ کرے صرف صبر کرے!

الغرض! درخواست کو مسئلہ بنا کر نہ کھڑا کیا جائے اور نہ ہی بحث کا موضوع بنایا جائے لہٰذا غیر منصوص باتوں میں شریعت نے کافی گنجائش رکھی ہے، کوئی بھی اپنے ''فہم شخصی'' پر اصرار نہیں کرسکتا ہے، صحابۂ کرامؓ کی ایسی ہی سیدھی سادھی طبیعتیں تھیں، لھذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدح سرائی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے بارے میں بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی گواہی دیدے تو پھر کس کو ان شخصیتوں پر کسی بھی طرح کے کلام کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، اللہ تو تعریف کر رہا ہے؛ مگر فلاں...... اور فلاں...... کچھ کا کچھ کہہ رہے ہیں! صحابۂ کرامؓ پر کچھ

کلام کرنے والا طرزِ عمل ایمان کے منافی ہے، ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم بار بار کہتے رہیں: اللہ جن افراد سے راضی ہے، ہم بھی ان سے راضی ہیں، اللہ جن لوگوں سے خوش ہے، ہم بھی ان لوگوں سے خوش ہیں، یہی متقضیاتِ ایمان میں سے ہے۔

آلام ومصائب میں بھی ساتھ نہ چھوڑا

تنگدستی، فقر وفاقہ، عسرت کے زمانہ میں، تمام رشتہ دار کٹ جاتے ہیں، احباب کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یہ کچھ انسانی عادت رہی ہے، مگر! انتہائی تنگی اور عسرت کی حالت میں بھی مہاجرینؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا، ناگفتہ بہ حالات میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے ہی کو ترجیح دی، دین کی حفاظت کے لیے ترک وطن پر خوشی خوشی راضی ہو گئے تن تنہا صرف جسم کے کپڑوں سے اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو گئے اور اسی طرح تارکین وطن بننے پر خوشخبری سنائی جاتی ہے جس میں مہاجرین اور انصار کا تذکرہ ہے:

"لقد تاب اللّٰہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرہ"(۲۹)

''اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی، اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جنھوں نے تنگی کے وقت بھی پیغمبر کا ساتھ دیا تھا''۔

لب کشائی سے بھی گریز کیا جائے

اس قدر بشارتوں کے بعد کسی شخص کو یہ کہنے کی اجازت قطعاً نہیں ہوگی کہ: صحابہ کرامؓ کی دراصل تین حیثیتیں تھیں، دینیات میں تو ہم صدفی صد اتباع کریں گے، رہا سیاست اور عائلی مسائل میں وہ ہمارے رہنما نہیں ہیں، تو پھر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ سیاسیات اور عائلی مسائل میں کس کی اتباع کروگے؟ کس کے نقش قدم پر چلوگے؟ کسے اپنا رہنما مانوں گے؟! لامحالہ سیاسیات میں غیر دینی، غیر اسلامی، مغربی طرز کی حکمرانی ہوگی اور پھر ایسا جمہوری نظام آئے گا کہ ہم اسلام کے ایک بڑے حصہ کو عملاً اور قانوناً چھوڑ دیں گے!! چوں کہ ''جمہوریت'' میں قانون سازی مقننہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہوتا ہے؟ حقوق انسانی کے نام پر آزادی فکر پیدا ہوگا، جو چاہے، کہا جائے گا، مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا قرآن وحدیث کی توہین، اسلام کی ہتکِ عزت وغیرہ تمام باتیں آزادیٔ رائے کے نتیجہ میں جائز ٹھہریں گی! اور پھر ''انسان'' حیوان نما بن جائے گا!!! اگر عائلی مسائل میں صحابہ کرامؓ ہمارے پیشوا نہ ہوں تو پھر معاشرے سے ایثار ختم ہو جائے گا، قربانی کا تصور جاتا رہے گا، غم خواری کا کوئی نام تک نہیں لے گا سخاوت اور فیاضی کو لوگ بھول جائیں گے، ہمدردی معاشرے سے نکل جائے گی، بالآخر اسلامی قدروں کا خاتمہ ہو جائے گا، اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل جائے گا نتیجتاً ہم ایک ایسے اسلام کے پابند ہوں گے کہ جس کی روح نکل چکی ہوگی، اسلام رہے گا روح اسلام نہیں رہے گی! نہ اخلاق ہوں گے اور نہ ہی اخلاقی روح رہے گی جیسا کہ دکھائی بھی دینے لگا ہے!! موجودہ معاشرہ میں ان ہی باتوں کی ابتداء دکھائی دے رہی ہے، عقلی حیثیت سے اور فقہی نوعیت سے اسلامی قدروں

کو پیروں سے روندھ دیا جائے گا! اور پھر ہم ''روح اسلام'' سے عاری ہو جائیں گے۔

لہٰذا صحابہ کرامؓ سے براہ راست ''اخلاقیات'' میں مراجعت ضروری ہے؛ تا کہ ہم میں ''روح اسلام'' باقی رہے۔ اللہ ہی ہماری حفاظت فرمائے آمین ثم آمین۔

اے اللہ! تو ہمیں صحابۂ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخش دے اور پھر ان کی طرح ہم سے بھی تو راضی ہو جا! اے اللہ! اے اللہ! ''والذین اتبعوھم باحسان'' میں ہمارا شمار فرما لے۔

آمین ثم آمین.

حوالہ جات

(۱) الحجرات:۸
(۲) الکھف:۲۸
(۳) ال عمران:۱۵۹
(۴) کلیات اقبالؔ: خطاب بہ جوانانِ اسلام ص:۱۸۰
(۵) نخبۃ الفکر ص:۸٦
(٦) النساء:۱۴۲
(۷) البقرہ:۲۵۳
(۸) طبقات ابن سعد جزء ثالث ص:۱۰۹
(۹) طبقات ابن سعد جزء ثالث ص:۱۷۷
(۱۰) طبقات ابن سعد جزء ثالث ص:۱۷۸
(۱۱) طبقات ابن سعد جزء ثالث ص:۱۷۹
(۱۲) حوالہ سابق ص:۱۸۲
(۱۳) طبقات ابن سعد، جزء ثالث ص:۱۸۳
(۱۴) البقرہ:۲۰۷
(۱۵) الحجرات:۳
(۱٦) البدایہ والنھایہ، تاریخ طبرانی، ابن اثیر، وغیرہ کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں
(۱۷) البدایہ والنہایۃ، تاریخ ابن عساکر دیکھی جائے
(۱۸) الحشر:
(۱۹) الحشر:۹
(۲۰) الانبیاء:۱۰۱
(۲۱) النساء:۹۵
(۲۲) التوبۃ:۲۲
(۲۳) التوبۃ:
(۲۴) النحل:۴۱
(۲۵) التوبۃ:۲۰
(۲٦) التکویر:۷
(۲۷) البدایۃ، والنھایۃ، تاریخ طبری، ابن اثیر وغیرہ
(۲۸) النساء:۵۹
(۲۹) التوبۃ:۱۱۷

مولانا یوسف صاحب

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عملی تفسیر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس دور میں قرآنی تفسیر کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا تھا آپ کو معلوم ہے کہ وہ ''عملی دور'' تھا، اور حضرت ابوبکرؓ اپنے وقت میں اس دور کے امام تھے، اس لیے تلاش کرنے والوں کو ان کی عملی زندگی میں ڈوب کر ''تفسیری سرمایہ'' تلاش کرنا چاہیے، اس نقطہ نظر سے اگر غور کیا جائے گا تو یہ واقعہ کھل کر سامنے آئے گا کہ حضرت صدیقؓ نے سینکڑوں آیات قرآنیہ کی عملی تشریح فرمائی، اور بیشمار اشکالات کو اپنے ''طرز عمل'' سے حل فرمایا، وصال نبوی کے موقعہ پر صحابہ کرامؓ عنہ کی بے خودی اور بے چینی، سیرت کا معروف واقعہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے قوی عزم ''از خود رفتہ'' ہو کر اعلان کر رہے تھے کہ جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے، اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے آیت

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل،أفاِنْ مَاتَ أوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أعْقَابِكُمْ''

کی منبر نبوی پر تلاوت فرمائی اور اس کی تشریح فرماتے ہوئے اعلان فرمایا:

''الامن كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات،ومن كان يعبدالله فان الله حی لايموت.''(۱)

''سنو جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (اسے معلوم ہونا چاہئے کہ) آنحضرت ﷺ انتقال فرما چکے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (اس کا معبود) اللہ تعالیٰ زندہ ہیں کبھی نہ مریں گے''

اس واقعہ کا تذکرہ عام طور پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی، قوت قلبی اور حسن تدبر کے ذیل میں کیا جاتا ہے، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ ہی کا بیان جو کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، یعنی وہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے، اس فاروقی بیان کو سامنے رکھ کر اگر دعوی کیا جائے کہ آنحضرت کے بعد یہ پہلی آیت تھی جس کا مفہوم ابوبکرؓ کی طرف سے ''عملی انداز تشریح'' میں صحابہؓ کے سامنے واضح کیا گیا تھا تو کیا یہ دعویٰ بے جا ہوگا؟ بہر حال اس کی مزید

مثالیں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں، اس نکتہ کو سامنے رکھ کر ''صدیقی سیرت'' کا مطالعہ کرنے والوں کو اچھی خاصی مقدار میں صدیقی تفسیر کے جواہر پارے ملیں گے:

''اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ''.(۲)

''اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے) متوجہ ہوکر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو،''(۳)

متأخرین صحابہؓ کے علوم میں بہت بڑا حصہ صدیقی علوم کا تھا

یہاں اس نکتہ کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے، جس پر حکیم الامت لسان الحکمت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی ہے، یعنی حضرات شیخینؓ کے علوم صرف اسی قدر نہیں کہ جو اُن کے نام سے کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں بلکہ ان کا بیشتر حصہ وہ ہے جو متأخرین صحابہؓ نے ان سے اخذ کیا ہے اور نقل کرنے والے ان متأخرین کے ہی کے نام سے ان کو نقل کرتے ہیں، اس کو ایک توضیحی مثال سے سمجھئے: مثلاً ایک نادر روزگار استاذ کے سینکڑوں شاگرد ہوں، جنہوں نے تمام علوم کا استفادہ اپنے استاذ محترم سے کیا ہو، پھر ان تمام تلامذہ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے ان تمام علوم کو مدون کر دیا ہو، تو اس صورت میں یہ تمام تصنیفات شاگردوں ہی کی طرف بظاہر منسوب کی جاتی ہیں، لیکن حقیقت شناس جانتے ہیں کہ یہ تمام، استاذ محترم ہی کے علوم ہیں جو شاگردوں کی زبان وقلم سے ظاہر ہورہے ہیں، اسی طرح یہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ان صحابہ کرام کے لئے بمنزلہ استاذ تصور کرو، جنکو تاخر اسلام یا صغرسنی کی وجہ سے آنحضرت سے استفادہ کا موقع کم میسر آیا، لیکن اکابر صحابہؓ بالخصوص حضرات شیخین کی صحبت اور تعلیم وتربیت کی وجہ سے ان کو اپنے وقت کی امامت نصیب ہوئی، ان حضرات کے تفسیری اور حدیثی علوم دراصل حضرات شیخین ہی کے علوم ہیں، اگر چہ نقل وروایت کے اعتبار سے نسبت خود ان کی طرف نہ کی جائے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور ان کے ہمعصر صحابہؓ سے جو روایاتِ تفسیر وحدیث، کتابوں میں منقول ہیں وہ درحقیقت حضرات شیخینؓ سے مستفاد ہیں:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے الفاظ میں اس نکتہ کو ملاحظہ فرمائیے:

''نہ پنداری! کہ شیخین ہمیں قدر روایت کردہ اند کہ در کتب مسانید بایشاں نسبت کردہ می شود، بلکہ بسیارے از احادیث مرفوعہ کہ در مسانید بکثیرین از صحابہ مذکور است بحقیقت روایت شیخین است کہ عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن عباس وابو ہریرہ آن را ارسال نمودہ اند، وبہ آں حضرت رفع کردہ واہل مسانید ظاہر آں را اعتبار کردہ در مسانید ایشاناں درج نمودہ اند، چنانکہ بر شخصے کہ متتبع جزئیات وکلیات علم حدیث مخفی نخواہد بود،''(۴)

''یہ نہ سمجھا جائے کہ شیخین کی روایات صرف اسی قدر ہیں جو کتب مسانید میں ان کی طرف نسبت کی

گئی ہیں، بلکہ بہت سی احادیث مرفوعہ ایسی ہیں کہ مکثرین صحابہؓ کی مسانید میں ذکر کی گئی ہیں، لیکن در حقیقت وہ شیخینؓ کی روایت ہیں جنکو عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) نے ارسال کرتے ہوئے آنحضرت سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور اصحاب مسانید نے ان روایات کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ان حضرات کی مسانید میں درج کردیا ہے، چنانچہ جو شخص علم حدیث کی جزئیات وکلیات کا تتبع کرے گا، اس پر یہ نکتہ مخفی نہ رہے گا''۔

تفسیری کلیات صدیقی سیرت کی روشنی میں

مندرجہ بالا وجوہ اور حضرت صدیقؓ کی بے حد مصروفیت کے علاوہ یہ امر بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت کے بعد تابعینؒ کی بلا واسطہ تربیت کا موقع ان کو بہت کم ملا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والوں میں، صحابہؓ بلکہ اکابر صحابہؓ کے نام زیادہ اور تابعینؒ کے نام کم ملتے ہیں،

چنانچہ علامہ شیخ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''سبب ذلک مع تقدم صحبته و ملازمته للنبی ﷺ انه تقدمت وفاته قبل انتشار الأحادیث واعتناء التابعین بسماعها وتحصیلهما و حفظهما''

''آپؓ کی روایت میں کمی کا باعث، باوجودیکہ آپ کو آنحضرت کے ساتھ دیرینہ رفاقت اور ملازمت حاصل تھی، یہ ہے کہ احادیث کے پھیلنے اور تابعین کے حفظ وتحصیل میں مشغول ہونے سے قبل ہی ان کا وصال ہوگیا۔

اسی کے ساتھ حضرت صدیقؓ کی طبعی افتاد کا بھی دخل تھا، مطلب یہ کہ ان کی سیرت کے مطالعہ کرنے سے آدمی جو سب سے پہلے تاثر لیتا ہے، وہ یہی ہے کہ ان پر خشیت کی نسبت غالب تھی، دین کے ہر معاملہ میں ہر پہلو سے احتیاط در احتیاط ان کی طبیعت ثانیہ تھی، کسی کام کرنے یا کسی بات کے کہنے سے پہلے وہ پوری طرح جائزہ لیا کرتے تھے کہ خدانخواستہ اس میں، سبب بعید کے طور پر ہی سہی، کوئی شر کا پہلو تو نہیں پایا جاتا؟ مجدد قرن ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ فقرہ کس قدر حکیمانہ ہے؟ وہ فرمایا کرتے تھے:

''مَنْ عَدَّ كَلَامَهُ مِنْ عَمَلِهِ، قَلَّ كَلَامُهُ''. (۵)

''جو شخص اپنے کلام کو بھی عمل میں شمار کرے گا، اس کی باتیں کم ہوں گی''۔

حضرت صدیقؓ کی خدا ترسی اور خوف محاسبہ کی کیفیت کتنی بلند تھی! کتابوں میں جو کچھ اس سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے آج کل کے چھچھورے مزاج کے انسانوں کے لیے اس کا تصور بھی دشوار ہے۔

اس واقعہ کا تذکرہ تقریباً سب ہی سیرت نگاروں نے کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے،

دیکھا کہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں، عرض کیا کہ ''کیا قصہ ہے؟'' جواب میں ''صدیقی زبان'' جس پر صدق وتصدیق کے سوا شاید دوسرا لفظ کبھی نہ آیا ہوگا، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا تھا:

هذه اورد دتني الموارد". (٦)

''اسی نے مجھے بہت سی گھاٹیوں میں لا اتارا ہے''۔

اس سرتاج صدیقین کو کبھی کبھی یہ تمنا کرتے سنا اور دیکھا جاتا:

"لوددت انی شعرة فی جنب مؤمن".

''میری یہ تمنا رہتی ہے کہ میں کسی مؤمن کے پہلو کا بال ہوتا''۔

ان کی خدمت میں اگر ایک حادثہ عرض کیا جاتا، جس کا صریح حکم نہ کتاب اللہ میں موجود ہوتا اور نہ سنت نبوی میں اس کی تصریح ہوتی، تو وہی رئیس المجتہدین، کہ ابوحنیفہ وشافعی (رحمہما اللہ) کی فقاہت جن کی دریوزہ در تھی، ابن سینا اور ابن رشد کا فلسفہ جن کے گھر کا دربان تھا، فضیلؒ اور جنیدؒ کا تقوی جن کا خانہ زاد تھا، انہیں کو بار بار فرماتے ہوئے سنا جاتا:

"اجتهد رأيا فان يكن صوابا فمن الله وان يكن خطاء فمني واستغفر الله". (٧)

''میں اس معاملہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد کروں گا، اگر درست ہوا تو اللہ کی جانب سے ،اور غلط ہوا تو میری طرف سے، اور میں اللہ سے مافی کی التجا کرتا ہوں''۔

کہاں تک نقل کرتا جاؤں؟ جن کے احتیاط اور تثبیت کا یہ عالم ہو، ان کے لیے اللہ کی کتاب میں لب کشائی کیا آسان کام ہوگا؟ قرآن کی شرح وتفسیر تو خیر بعد کی ہے، قرآن کی تدوین سے بڑھ کر اور ضروری عمل، اور اس بڑی سعادت عظمی کا کیا کام ہوسکتا ہے! لیکن ''صدیقی احتیاط'' اس معاملہ میں بھی کس طرح دامن گیر رہی؟ اس کی خبر سب ہی کو ہے، اگر ''حکمت ازلیہ'' نے صدیقی احتیاط کے ساتھ فاروقی فراست کا حسین امتزاج نہ کر دیا ہوتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ صورت حال کیا ہوتی؟ علوم اسلامیہ کے ارتقائی مزاج سے ناآشنا اور اردو تراجم پڑھ پڑھ کر چہاردہ صد سالہ امت کے علی الرغم ''قرآنی بصیرت'' کی ''غلط پنداری'' کے مریضوں کے لیے کیا اس واقعہ میں عبرت کا کوئی سامان نہیں؟ جس دور میں خود قرآن کی جمع وترتیب ہی پر بمشکل آمادگی ظاہر ہوتی ہے، انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ تدوین حدیث کا دور ہوسکتا ہے؟ جن اصحاب بصیرت کو ابھی تک قرآن کو یکجا کر دینے میں تامل ہو، اگر وہ حدیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہ کریں، یا کئے ہونے کو غایت احتیاط کی بنا پر تلف کر دیں، ان کے اس طرز عمل سے کیا حدیث کا ناقابل قدر ہونا کوئی عقلمند تسلیم کرسکتا ہے؟ اور کیا تدوین قرآن کی بھی قریب قریب وہی نوعیت نہیں ہوجاتی جو تدوین حدیث کی ہے؟ اندریں صورت کیا انکار حدیث سے انکار قرآن ہی کا راستہ تیار نہیں ہوتا؟

اليس منكم رجل رشيد، نعوذ بالله من الزيغ ومن ان نُضِلَّ او نُضَلَّ.

بخاری شریف میں کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یمامہ میں قراء صحابہؓ کے شہید ہو جانے پر حضرت ابوبکرؓ نے مجھے پیغام بھیج کر بلایا، میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ فرمانے لگے: عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا: ''جنگ یمامہ میں بکثرت قراء قرآن شہید ہوئے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر دوسرے مواقع میں بھی قرآن کے حافظ شہید ہوتے رہے، تو قرآن کا بہت سا حصہ ان کے ساتھ ہی نہ جاتا رہے، میری رائے ہے کہ آپ قرآن کی یکجا تدوین کا حکم دیں''، میں نے (ابوبکرؓ نے) عمرؓ سے کہا:

''كيف تفعل شيأ لم يفعله رسول الله''.

''تم ایسا کام کیسے کر سکتے ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا''۔

اس کے جواب میں عمرؓ نے کہا: بخدا یہ کام سراپا خیر ہے (منشا نبی کے خلاف نہیں) ''پس عمرؓ بار بار مجھ سے اس مسئلہ میں گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کے لیے شرح صدر نصیب فرمایا اور مجھے بھی اسی میں خیر نظر آنے لگی، جس طرح عمرؓ کی رائے تھی...'' الی آخر القصہ۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ نے کامل عزم اور نہایت احتیاط کے ساتھ منشا خداوندی کے پورا کرنے کی سعی فرماتے لیکن بایں ہمہ اپنی ذات کے لیے یہ اپنے نفس پر ایک لمحہ کے لیے بھی اعتماد نہ فرماتے، گویا نفس کے بارے میں ان کا نظریہ ٹھیک وہی نظریہ تھا جسے قرآن کریم نے یوسف صدیق علیہ السلام کی زبانی نقل کیا ہے:

وَمَا اُبَرِّیءُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ".(۸)

''میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا۔

اس میں کیا شک ہے کہ نفس کا کام برائی ہی کا مشورہ دینا ہے'' اس لیے تفسیر قرآن کے معاملہ میں بھی ان کا یہی احتیاطی جذبہ ممکن ہے کہ تقلیل کا باعث ہوا ہو؟ تاہم جتنا ذخیرہ تفسیری روایات کا ان سے منقول ہے، اگر گہری بصیرت کو کام میں لایا جائے تو جزئیاتی حیثیت سے اگرچہ قلیل ہے، لیکن کلیاتی رنگ میں وہ بیش بہا ہے۔

حضرت صدیقؓ کے تفسیری اصول

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ علم تفسیر کے جزئیات اگرچہ درجہ شمار سے خارج ہیں، لیکن یہ تمام جزئیات چند کلیات کی طرف راجع ہیں، جن کو علم تفسیر کے اصول موضوعہ کہنے چاہئے، حضرت صدیقؓ سے چند تفسیری روایات نقل کی گئی ہیں ان میں علم تفسیر کے انہیں اہم اصول کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، کاش ان ''صدیقی اصول'' ساتھ کے ''صدیقی ذوق'' کو اگر ملحوظ رکھا جاتا تو کم از کم تفسیر قرآن کے سلسلہ میں وہ جرأتیں ظاہر نہ ہوتیں جو مدت سے غیر ذمہ دار طبقات کی طرف سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

تفسیر بالرائے سے اجتناب

پہلا تفسیری اصول یہی ہے کہ قرآن کی شرح و تفسیر کرنے والا اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتا ہو کہ کسی

مقام پر بھی وہ اپنی خواہش اور ہوا کے ساتھ کتاب اللہ کو ملوث کرنے کی جرأت نہ کرے، کسی بھی آیت پر بحث کرتے ہوئے وہ حق تعالیٰ کی مراد واضح کرنے کے بجائے اپنے ذاتی رجحانات واوہام کی ترجمانی شروع نہ کردے، اس میں کم از کم اتنی اہلیت اور امانت موجود ہو کہ قرآن جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے اسے بیان کرنے کی جگہ ''جہاں تک میں سمجھا ہوں'' کی منطق استعمال نہ کرنے لگے، قرآن کی جس آیت پر وہ کلام کرنا چاہتا ہے، اسے معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے اس کا کیا مفہوم لیا گیا ہے؟ لغت عرب سے اس کے کیا معنی متعین ہوتے ہیں؟ اس سیاق وسباق سے کیا مطلب واضح ہوتا ہے؟ قرآن مجید میں یہ مضمون کس کس جگہ آیا ہے؟ اور اسے کن کن عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے؟ اس آیت کا جو مفہوم میں نے سمجھا ہے وہ کسی شرعی قاعدہ سے تو نہیں ٹکراتا؟ اس سے کہیں نص کی تکذیب تو نہیں ہو جاتی۔

الغرض جب تک کسی آیت کے اطراف وجوانب، شریعت کے قواعد وضوابط اور امت کے عقائد واجماع پر اس کی نظر نہ ہو، محض ظن وتخمین اور ہوا ہوس سے کسی آیت کو خود ساختہ پہنا کر نامہ عمل سیاہ کرتے چلے جانا، قرآنی خدمت نہیں بلکہ ''دروغ بیانی'' ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اگر کسی وقت صدر مملکت کی ترجمانی کے فرائض پر کسی کو مامور کردیا جائے تو اس پر کس قدر نازک ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے؟ اس کو زبان ولغت پر کتنا عبور درکار ہوگا اسے ''شاہی محاورات'' پر کتنی گہری نظر رکھنی ہوگی؟ اسے فصاحت وبلاغت کی کن کن نزاکتوں کا لحاظ رکھنا ہوگا؟ اس سے صدر مملکت کے ذاتی احساسات ورجحانات، لب ولہجہ، طرز خطاب کو کس حد تک نبھانا ہوگا؟ پھر ذرا سی غلط بیانی اور ''الٹی تعبیر'' پر کتنا خطرہ درپیش ہوگا؟ اگر ایک معمولی حاکم کی ترجمانی میں ان امور کا لحاظ رکھنا باتفاق عقلا مسلم ہے، تو سوچنا چاہئے کہ ''شہنشاہ مطلق اور احکم الحاکمین کی ترجمانی کن کن نزاکتوں کی حامل ہوگی اگر آپ غور کریں گے تو حضرت صدیقؓ کے اس ارشاد میں اسی اصول کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے جس کو سورہ عبس کی تفسیر میں تقریباً سب ہی مفسرین نے ذکر کیا ہے یعنی اس صورت میں ''ابا'' کا لفظ جو آیا ہے پوچھنے والوں نے حضرت صدیقؓ سے اس کے معنی دریافت کئے، سننے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس سالہ شاگرد سے سن رہے تھے:

"ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان قلت فی کتاب اللّٰہ مالا اعلم".(۹)

''جس نے قرآن میں بدون علم کے یا محض رائے سے کوئی بات کہی، اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہئے''۔

کیا آج بھی اس وعید نبوی اور ذوق صدیقی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے؟ آج ہر بدعتی اپنی بدعت کے لیے، ہر ملحد اپنے الحاد کے لیے، ہر زندیق اپنی ہرزہ سرائی کے لیے، ہر بازیگر اپنی شعبدہ بازی کے لیے، اللہ کی اس پاک کتاب کو استعمال کرتا ہے، کسی کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا کہ ان تمام خرافات کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کرنا بھی کوئی جرم ہو سکتا ہے؟ حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

''تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن ''ہم نے پہلے ایمان سیکھا تھا پھر قرآن سیکھا تھا'' آج ایمان اور قرآن سیکھنے کی زحمت گوارہ

کئے بغیر گھر گھر ''قرآنی مبصر'' پیدا ہو رہے ہیں۔

حافظ سیوطیؒ دسویں صدی میں ان نام نہاد قرآنی مبصرین کا ماتم کر رہے ہیں:

''والمبتدع ليس له قصد الا تحريف الآيات وتسويتها على مذهبه الفاسد. بحيث انه متى لاح شاردة من بعيد اقتنصها او وجد موضعا له فيه ادنى مجال سارع اليه...... والملحد فلا تسأل عن كفره والحاده في آيات الله تعالىٰ و افتراء ه على الله مالم يقله''. (۱۰)

''اہل بدعت کی تمام تر ہمت اس پر لگی ہوئی ہے کہ آیات کی تحریف کی جائے اور ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کیا جائے، اسے جہاں کہیں دور سے بھی کوئی بکھری ہوئی چیز نظر آجاتی ہے، اسے فورا اچک لیتا ہے، یا کہیں اسے ذرا سی گنجائش بھی ملتی ہے، اس کی طرف لپک جاتا ہے، رہا ملحد سو اس کے کفر، آیات اللہ میں کجروی، اور اللہ پر افتراء پردازی کا حال تو ناگفتہ بہ ہے''۔

آج کون ہے جو اس امام کے مزار پر اطلاع کرے کہ آپ کے بعد کی چار صدیوں نے ''انسانی مزاج'' میں کتنی تبدیلی کر ڈالی ہے، چودھویں صدی کے اہل بدعت کی غباوت نے کتاب اللہ کی کس قدر آیات کو تحریف کا تختۂ مشق بنا ڈالا ہے؟ اور اس دور کے ملحدین، کفر والحاد اور جرأت افتراء علی اللہ میں کن کن حدود کو پیچھے چھوڑ چکے ہیں؟ قرآن حکیم نے، کتاب اللہ کے محکمات سے بے رخی کرتے ہوئے متشابہات کی پیروی کرنے والوں اور ان کو غلط معنی پہنا کر فتنہ جوئی کرنے والوں کے ''قلبی زیغ'' اور ''ذہنی کجی'' کی اطلاع دی تھی، دور حاضر کے مغرب زدہ زائغین قرآن کو اول سے آخر تک مسخ کر دینے والے اور سیزدہ سالہ اسلام کو منہدم کر کے اس کے کھنڈرات پر الحاد و زندقہ کی بنیادیں استوار کر لینے کے سودائے خام میں مبتلا ہیں:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ.

بہر حال حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کر چکا ہوں، اسی قسم کی بے باکیوں کی پیش بندی فرمائی گئی ہے، یعنی جب تک پوری تحقیق قرآن کی کسی آیت کے متعلق آدمی کو نہ ہو اس وقت تک اس کے لیے جائز نہیں کہ اللہ کی کتاب پر ظن وتخمین کا غلاف چڑھائے، حضرت صدیقؓ سے دوسری روایت جو اسی مضمون کی منقول ہے وہ اس سے واضح تر ہے، یعنی ان سے کسی آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا:

''اى ارض تسعنى او اى سماء تظلنى اذا قلت فى كتاب الله ما لم يرد الله''.

مجھے کون سی زمین پناہ دے گی؟ یا کون سا آسمان سایہ دے گا؟ جب کہ میں کتاب اللہ میں ایسی بات کہہ ڈالوں جو اللہ کی مراد نہیں''۔

اور اس روایت میں ''مالم يرد الله'' کا لفظ کس قدر علم سے بھرا ہوا، احتیاط میں ڈوبا ہوا، اور عظمت خداوندی سے لبریز

ہے، مطلب یہ کہ آیت کے ظاہری مفہوم کو بیان کرسکتا ہوں، لیکن جب تک قرائن ودلائل سے قطعاً ثابت نہیں ہوجاتا کہ جو کچھ میں سمجھا ہوں وہی اللہ کی مراد بھی ہے، آیت کے معنی میں لب کشائی کیسے کروں؟ اگر خدانخواستہ میرے بیان کردہ معنی ''اللہ کی مراد'' کے خلاف ہوجائے تو شہنشاہ مطلق کی غلط ترجمانی کی سزا سے بچنے کے لیے آسمان وزمین کا کون سا گوشہ پناہ دے گا؟'' عجب سلامتی'' تھی جو آنحضرتؐ کے صحابہؓ کو نصیب ہوئی تھی، اسی آیت کے متعلق حضرت عمرؓ سے بھی اسی قسم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے، شیخ ابن کثیرؒ ان دونوں حضرات کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ تمام روایتیں اس پر محمول ہیں کہ یہ دونوں حضرات کیفیت ''اَبّ'' کا علم قطعی دریافت کرنا چاہتے تھے، ورنہ اتنی سی بات کہ ''اَبّ'' زمین کی سبزی کا نام ہے بالکل ظاہر ہے مجہول نہیں''۔ (۱۱)

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

''قوله تعالیٰ فاكهة وأباً، الأبُ المرعى المتهى، للرعى والجز من قولهم اب لكذا اى تهيا ابا وابابة وابابا، واب الى وطنه اذا نزع الى وطنه نزوعا تهياء الاخ'' (۱۲)

گویا اس ''ظاهر لا يجهل'' کی پوری کیفیت چونکہ واضح نہیں، اسی لیے شیخینؓ اس لفظ کی شرح میں ایک حرف کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ بحث پوری نہیں ہوئی، سورۂ نساء کی آیت میراث میں لفظ کلالہ جو واقع ہوا ہے، کتب تفسیر میں امام بیہقیؒ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا مفہوم دریافت کیا گیا، اس کے جواب میں علوم نبوت کے حافظ، اسرار کتب اللہ کے امین، آنحضرتؐ کے یار غار ومزار سے کس قدر صداقت آمیز فقرہ سن رہے تھے:

''اقول فيها برای فان يكن صوابا فمن الله وان يكن خطاء فمنى ومن الشيطان والله ورسوله برئيان منه، الكلالة من لا ولد له ولا والد''. (۱۳)

''میں اس میں رائے سے ایک بات کہتا ہوں، اگر درست ہوئی تو اللہ کی جانب سے ہوگی، اور اگر غلط ہوئی تو میری جانب سے اور القائے شیطان کی وجہ سے ہوگی، اس صورت میں اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہوں گے، (کلالہ) سے مراد وہ شخص ہے جس کا نہ بیٹا ہو نہ باپ''۔

کلالہ سے مراد اس آیت میں وہ شخص ہے جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع، شیخ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''یہی تفسیر عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ سے مروی ہے، شعبی، نخعی، قتادہؒ، جابر بن زیدؒ، اور حکم کا یہی قول ہے، اہل مدینہ، اہل کوفہ، اہل بصرہ اسی کے قائل ہیں، فقہاء سبعہ، ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کا بلکہ تمام سلف وخلف کا یہی قول ہے، بہت سے اکابر نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے، ''وورد فيه حديث مرفوع'' (۱۴)

یہ تفسیر جس پر بقول ابن کثیرؒ جمیع سلف وخلف کا اتفاق ہے ظاہر ہے کہ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال اجماع امت کے بعد کب باقی رہ جاتا ہے؟

لیکن اس کو جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، تو احتیاط وحزم کے سارے سامان جمع کر لیتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (بقول ابن عمرؓ) ایمان اور قرآن سیکھا تھا، وہیں کتاب اللہ کی عظمت اور اس کی ترجمانی کی نازک ذمہ داری بھی سیکھی تھی، یہ روایت جس کا حوالہ اوپر عرض کیا گیا ہے، اس کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے، میرا خیال ہے کہ جب تک اسے سامنے نہ لایا جائے، یہ بحث تشنہ رہے گی، یعنی روایت کرنے والوں نے اس صدیقی طرز عمل کے بعد جو ''فاروقی اسوہ'' نقل کیا ہے وہ مستقل ''تفسیری اصول'' ہے، روایت کے الفاظ ہیں:

"فلما ولی عمر قال: انی لا ستحیی ان اخالف ابابکر فی رأی رأه". (۱۵)

پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فرمایا: بخدا مجھے حیا آتی ہے کہ میں ابوبکرؓ کی (اس تفسیری) رائے کے خلاف کروں''۔

سلف کی تفسیر کے خلاف اختراعی نظریات قرآن سے ثابت کرنے والے اور ''میں یہ سمجھا ہوں'' کے مراقی خبط میں مبتلا ہونے والوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے، جس کے لیے زبان وحی سے ''ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ'' صادر ہوا۔

ڈیڑھ درجن سے زیادہ آیات میں آسمانی وحی نے جس کی نہ صرف مضمون میں بلکہ بعض مرتبہ الفاظ میں بھی موافقت کی تھی، ان کو ابوبکرؓ کے خلاف کرنے سے حیا آتی ہے، آج صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہؒ اور مفسرینؒ، الغرض چہاردہ سالہ امت بلکہ (خاکم بدہن) خود امت کے نبیؐ کی مختلف قرآن پڑھ پڑھ کر کرنے والوں کے متعلق سوچتا ہوں کہ ان کی شرم وحیا سے گردن کیوں نہیں جھکتی۔

صحابہ کرامؓ پر تبرا، ائمہؒ پر استہزا، پوری امت پر تمسخر کرنے والے ''قرآنی مبصرین'' میں مادہ حیا پیدا ہی نہیں کیا گیا، یا وہ اسے کسی دوسرے کام میں لاتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) بخاری ج:۱ص۷۱۵۔　(۲) سورہ ق:۳۷۔　(۳) ترجمہ حضرت تھانویؒ۔
(۴) قرۃ العینین ص:۵۵ طبع مجتبائی۔　(۵) تاریخ الخلفاءؒ۔　(۶) نسائی بحوالہ، تاریخ الخلفاء۔
(۷) ابن سعد۔　(۸) یوسف:۵۳۔　(۹) تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۵۔
(۱۰) الاتقان: النوع الثمانون، ص:۱۹۰۔　(۱۱) ابن کثیر ج:۱ ص:۵۔　(۱۲) مفردات القرآن ص:۵۔
(۱۳) تفسیر ابن کثیر: ج:۱ ص:۲۴۔　(۱۴) تفسیر ابن کثیرؒ ج:۱ ص:۲۴۔　(۱۵) تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۲۰۔

ابن صدیق ☆

حضرت ابن عباس ؓ اور غریب القرآن کی تشریح

حضرت ابن عباس ؓ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں آپ کو علم تفسیر میں بطور خاص ایک امتیازی مقام حاصل ہے اسکی ایک بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے حق میں علم تفسیر میں مہارت کی دعا فرمائی ہے، آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا فرمائی: اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل اے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **نعم ترجمان القرآن انت** تم قرآن کے بہترین ترجمان ہو خود صحابہ کرام انہیں ترجمان القرآن، حبر الامۃ اور امام التفسیر کا لقب دیتے تھے۔(۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

نعم ترجمان القرآن ابن عباس لو ادرک اسناننا ما عاشرہ منا احد (۲)

''ابن عباس قرآن کے بہترین ترجمان ہیں اگر وہ ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کی برابری نہ کرتا''

حضرت سعد بن ابی وقاص کا قول ہے:

" ما رأیت احدا احضر فھما ولا الب لبا ولا اکثر علماء ولا اوسع حلما من ابن عباس " (۳)

میں نے ابن عباس سے زیادہ حاضر دماغ، عقلمند، وسیع العلم اور حلیم و بردبار شخص نہیں دیکھا۔

اسی لئے حضرت عمرؓ انہیں بدری صحابہ پر بھی فوقیت دیا کرتے تھے۔

ایسی ہی شہادت حضرت ابن عمرؓ نے بھی دی ہے کوئی بھی ان سے مسئلہ پوچھتا تو اسے ابن عباس کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم اور رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے علوم واحکام کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔(۴)

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابۂ کرام ان کے پاس کم سنی کے باوجود تفسیری معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے

☆ مدیر مکتبہ صدیقیہ اعظم گڈھ

اوران کے قول کو خاص وزن دیتے تھے ہروقت ان کے پاس طلبۂ علم کا جمگھٹا لگا رہتا تھا اور آپ ان کے سامنے قرآن کریم کی تفسیر، احادیث نبویہ اور فقہی مسائل وغیرہ بیان فرماتے رہتے تھے (۵) آپؓ سے مروی تفسیری روایات میں ایک بڑا حصہ غریب القرآن کی تفسیر وتشریح کا ہے۔

غریب الفاظ کی اہمیت

جس کے معنی قلتِ استعمال کیوجہ سے مخفی رہ گئے ہوں اس کو غریب کہتے ہیں روایات میں غریب الفاظ کو جاننے اور تلاش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے: اعربوا القرآن والتمسوا غرائبه قرآن کے غریب الفاظ کے معانی تلاش کرو، اعراب القرآن کے معنی ہی معانی تلاش کرنا ہے نحویوں کی اصطلاح کا اعراب مراد نہیں (۶) اسکی اہمیت ہی کے پیش نظر ائمہ لغت وتفسیر نے اس فن میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے چند کتابوں کا تذکرہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں کیا ہے لکھتے ہیں: اس فن میں بے شمار لوگوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے ابوعبیدہ، ابوعمر الزاہد اور ابن درید وغیرہ۔

اس طرح کی تصانیف میں العزیزی کی کتاب کافی شہرت پا چکی ہے کیوں کہ العزیزی نے اپنے شیخ ابوبکر ابن الانباری کی مدد سے اس کو پندرہ سال کی لگاتار محنت کے بعد لکھا تھا بہترین کتاب جو غرائب القرآن کے بارے میں مقبولِ عام ہوئی وہ امام راغب اصفہانی کی تالیف ''مفردات القرآن'' ہے۔(۷)

غریب القرآن کی سب سے بہتر تشریح

غریب القرآن کی سب سے بہتر تشریح کیا ہے؟ اس کی وضاحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس طرح فرمائی ہے:

" واحسن الطرق فی شرح الغریب ما صح عن ترجمان القرآن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما عن طریق بن ابی طلحة واعتمد علیه البخاری ثم طریق الضحاک عن ابن عباس ، واجوبة ابن عباس عن سوالات نافع بن الازرق وقد ذکر السیوطی هذه الطرق الثلاث فی کتابه "الاتقان فی علوم القرآن" (۸)

غریب القرآن کی سب سے بہتر تشریح اور معانی وہ ہیں جو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علی ابن ابی طلحہ سے منقول ہیں اور امام بخاریؒ نے عام طور پر اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے، اس کے بعد غریب الفاظ کی وہ تشریح اور معانی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس سے ضحاک بن مزاحم کے واسطہ سے نقل کیے گئے ہیں، نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نافع بن

ازرق حروری خارجی کے سوالوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان میں بھی بہت سے غریب الفاظ کی
تشریح ہے علامہ سیوطی نے ان تینوں طریقوں کو اپنی کتاب ''الاتقان'' میں ذکر کیا ہے''

میں یہاں پر صرف آپؓ سے مروی غرائب القرآن کی اُن تشریحات کو ذکر کروں گا جو آپ نے نافع ابن الازرق کے سوالات کے جوابات میں جاہلیت کے اشعار سے استشہاد کرتے ہوئے کی ہیں، چونکہ اشعار اہل عرب کے علوم وزبان کا مجموعہ ہوتے ہیں جیسا کہ خود آپؓ کا قول ہے: الشعر دیوان العرب اور آپؓ کی لوگوں کو ہدایت بھی رہتی تھی کہ غریب الفاظ کی تشریح اشعار عرب میں تلاش کرو اس لئے آپ نے بھی قرآن کے علوم ومعانی جاننے کے لئے اشعار پر بھرپور توجہ دی۔

اس تشریح کا پس منظر

نافع ابن الارزق حروری خارجیوں کا سردار تھا اور خارجیوں کا فرقۂ ازارقہ اسی کی طرف منسوب ہے یہ جمادی الاخری ۶۵ھ میں قتل کیا گیا ہے، علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں سند متصل سے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خانۂ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے آپؓ کو گھیر رکھا تھا اور قرآن کریم کی تفسیر دریافت کر رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر نافع ابن الارزق نے نجدہ ابن عویمر سے کہا: چلو اس شخص سے جو تفسیر بیان کرنے کی جرأت کر رہا ہے چند سوالات کریں چنانچہ دونوں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ: ہم قرآن کریم کے بارے میں چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ ان کی وضاحت کیجئے اور کلام عرب کے شواہد پیش کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو خالص عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، حضرت نے فرمایا جو چاہو پوچھو اس کے بعد علامہ سیوطی نے نافع کے تمام سوالات اور ابن عباسؓ کے جوابات اشعار جاہلیت سے استشہاد کے ساتھ نقل فرمائے ہیں ذیل میں انہیں سوالات وجوابات اور استشہاد کو بعینہٖ نقل کیا جارہا ہے۔

نافع نے کہا باری تعالیٰ کے قول: عن الیمین وعن الشمال عزین میں ''عزین'' کا کیا مفہوم ہے؟
حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا ''العزون حلق الرفاق'' ساتھیوں اور ہم سفر لوگوں کے حلقہ بنالینے اور گرد جمع ہوجانے کو عزون بولتے ہیں نافع نے کہا اہل عرب اس معنیٰ سے واقف ہیں؟ آپؓ نے فرمایا بے شک کیا تم نے عبید بن الابرص کا یہ شعر نہیں سنا:

فجاء وا یھرعون إلیه حتی ☆ یکونوا حول منبرہ عزینا

وہ اس کی جانب دوڑتے ہوئے آئے تا کہ اس کے منبر کے گرد حلقہ بنا کر ٹھہر جائیں۔

اب آگے دونوں کے سوال وجواب کو ''س'' اور ''ج'' کے اشارے سے نقل کیا جاتا ہے

س: وابتغوا إلیه الوسیلة کی کیا تفسیر ہے؟

ج: وسیلہ کے معنیٰ حاجت کے ہیں

استشہاد: إن الرجال لھم إلیک وسیلة ☆ أن یاخذوک تکحلی وتخضبی

بے شک مردوں کو تمہاری حاجت ہے یہ کہ تم کو حاصل کریں، تم سرمہ اور خضاب لگاتی رہو

س : شرعة ومنهاجا کی تفسیر کیا ہے؟

ج : "شرعة" کے معنیٰ دین۔۔ "منهاج" کے معنی طریق اور راستہ کے ہیں

استشہاد : ابوسفیان ابن الحارث بن عبدالمطلب کا قول :

لقد نطق المامون بالصدق والهدیٰ　　وبین للإسلام دینا ومنهجا

بے شک مامون نے سچائی اور راستی کی بات کہی اور اس نے اسلام کا ایک حکم اور طریقہ واضح کیا۔

س : إذا أثمر وينعه کا کیا معنیٰ ہے؟

ج : پھل کی پختگی اور اس کا تیار ہونا

استشہاد: شاعر کا قول: إذا ما مشت وسط النساء تأوّدت　　كما اهتز غصن ناعم النبت يانع

جس وقت وہ عورتوں کے درمیان چلتی ہے تو اس طرح لچکتی ہے جیسے کوئی نرم ونازک تازہ اگی ہوئی شاخ تیار اور گدرائے ہوئے پھل کے بوجھ سے جھک جاتی ہے۔

س : اللہ تعالیٰ کے قول "ريشا" کا کیا معنیٰ ہے؟

ج : ریش یہاں مال کے معنیٰ میں ہے

استشہاد : فرشنی بخير طالما قد بريتني　　وخير الموالی من يريش ولا يبری

مجھے کچھ مال دے کر میرے ساتھ بھلائی کر اس لئے کہ ایک عرصہ تک تو نے مجھے مفلسی کی حالت میں رکھا ہے اور بہترین دوست وہی ہے جو نفع پہونچائے اور نقصان نہ دے۔

س : اللہ تعالیٰ کے قول "يكاد سنا برقه" کا کیا معنیٰ ہے؟

ج : ''سنا'' کے معنیٰ روشنی اور چمک کے ہیں

استشہاد: ابوسفیان ابن الحارث کا قول:

يدعوا إلى الحق لا ينبغی به بدلا　　يجلو بضوء سناه داجی الظلم

وہ حق کی طرف بلاتا ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں چاہتا اس کی روشنی کی چمک سے تاریک راتیں روشن ہو جاتی ہیں

س : اللہ تعالیٰ کے قول: "لقد خلقنا الإنسان فی كبد" کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : كبد کے معنیٰ اعتدال اور استقامت کے ہیں

استشہاد: لبید بن ربیعہ کا قول:

یاعین هلا بکیت اربد إذ		قمنا وقام الخصوم فی کبد

اے آنکھ تو نے اربد پر کیوں نہیں آنسو بہایا جبکہ ہم اور ہمارا فریق میدان کارزار میں اعتدال واستقامت کے ساتھ صف بستہ تھے۔

س : اللہ تعالیٰ کے قول ’’حنانا من لدنا‘‘ کا کیا معنیٰ ہے؟

ج : ’’رحمة من عندنا‘‘ ہماری طرف سے خاص رحمت

استشہاد: ابا منذرافنیت فاستبق بعضنا		حنانیک بعض الشراهون من بعض

اے ابومنذر تو نے ہم کو مٹادیا اب ہم میں سے تھوڑے ہی لوگوں کو باقی رکھ تیری مہربانی کی قسم بعض برائی دوسری برائی کی بہ نسبت آسان ہوتی ہے۔

س : اللہ تعالیٰ کے فرمان ’’افلم ییأس الذین آمنوا‘‘ کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : ’’افلم یعلم‘‘ کیا انہوں نے نہیں جانا۔ بنی مالک کی لغت میں

استشہاد: مالک بن عوف کا قول:

لقد ینس الأقوام انی انا ابنه		وان کنت عن ارض العشیرة نائیا

قوم نے اس بات کو جان لیا کہ میں ہی اس کا فرزند ہوں اگر چہ میں سرزمین خاندان سے دور افتادہ ہوں

س : اللہ تعالیٰ کے قول ’’مثبورا‘‘ کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : ملعون اور نیکی سے روکا ہوا

استشہاد: إذا أتانی الشیطان فی سنة النو		م ومن مال میله مثبورا

جبکہ میرے پاس نیند میں شیطان اور اس کے پیروکار ملعون ہو کر آئے

س : اللہ تعالیٰ کے قول ’’ فأجاء ها المخاض ‘‘ کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : ’’ألجأها‘‘ (پناہ لینے پر مجبور بنایا)

استشہاد:		اذ شددنا شدة صادقة		فأجاناکم إلیٰ سفح الجبل

جس وقت ہم نے پوری طرح سے دباؤ ڈالا اس وقت تم کو مجبور بنادیا کہ تم پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لو

س : اللہ تعالیٰ کے قول ’’ندیا‘‘ سے کیا مراد ہے؟

ج : نادی مجلس کو کہتے ہیں

استشہاد: شاعر کا قول:

يومان يوم مقامات واندية ويوم سير إلى الأعداء تاويب

دو دن ہیں ایک قیام کرنے اور مجلسیں گرم کرنے کا اور دوسرا دن دشمنوں کی طرف کوچ کرنے کا

س : اللہ تعالیٰ کے قول ''ولا تنيا في ذكرى'' سے کیا مراد ہے؟

ج : لا تضعفا عن أمرى (میرے حکم کی بجا آوری سے کمزوری کا اظہار نہ کرو)

استشہاد: إني وجدك ما ونيت ولم أزل ابغى الفكاك له بكل سبيل

تیری کوشش کی قسم میں ہرگز پست حوصلہ نہیں ہوا ہوں اور برابر اس کے چھٹکارے کی ہر طرح سے خواہش رکھتا ہوں

س : اللہ تعالیٰ کے قول "القانع والمعتر" سے کیا مراد ہے؟

ج : القانع الذى يقنع بما أُعطى، والمعتر الذى يعترض الابواب

یعنی قانع وہ ہے کہ جو کچھ ملے اس پر بس کر کے بیٹھ رہے اور معتر وہ ہے جو در بدر مارا پھرے

استشہادد: على مكثر يهم حق معتر بابهم وعند المقلين السماحة والبذل

ان کے مالداروں پر ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دروازے پر مانگنے آئے اور کم دولت مند لوگوں کے لئے مروت اور بخشش ہونی چاہیئے۔

س : اللہ تعالیٰ کے قول ''يويد بنصره من يشاء'' کی کیا تفسیر ہے؟

ج : ''يقوى'' (جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے)

استشہاد: حسان بن ثابت ؓ کا قول:

برجال لستموا أمثالهم أيدوا جبريل نصرا فنزل

ایسے لوگوں کے ساتھ کہ تم ہرگز ان کے مانند نہیں ہو جبریل کو مدد کرنے کی قوت دی گئی اور وہ نازل ہوئے

س : اللہ تعالیٰ کے قول ''امشاج'' کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : اختلاط ماء الرجل وماء المرأة اذا وقع فى الرحم (مرد وعورت کے پانی کا مل جانا جب وہ رحم میں پڑے)

استشہاد: كأن الريش والفوق منه خلال النصل خالطه مشيج

گویا کہ اس تیر کے پر اور اسکی چٹکی دونوں پیکان کے اندر اس طرح پیوست ہو گئے جیسے مرد و زن کے نطفے باہم مل جاتے ہیں

س : اللہ تعالیٰ کے قول "انتم سامدون" کا کیا معنیٰ ہے؟

ج : لہو اور باطل وفضولیات

استشہاد: لیت عادا قبلوا الحق　　　ولم یبدوا جحودا

قیل فقم فانظر إلیهم　　　ثم دع عنک السمودا

کاش قوم عاد حق کو قبول کر لیتی اور جان بوجھ کر سرکشی کے باعث انکار نہ کرتی، کہا گیا کہ اٹھ اور ان کی حالت دیکھ اور فضولیات کو ترک کر۔

س : اللہ تعالیٰ کے قول "فیطمع الذی فی قلبه مرض" کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : بدچلنی اور بدکرداری

استشہاد: اعشیٰ کا قول:

حافظ للفرج راض بالتقی　　　لیس ممن قلبه فیه مرض

اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا اور پرہیزگاری پر خوش رہنے والا اس شخص کی طرح ہرگز نہیں جس کے دل میں بدچلنی کا شوق ہے۔

س : "طین لازب" کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : "الملتزق" (چپکنے والی مٹی)

استشہاد: نابغہ کا قول:

فلا یحسبون الخیر لا شر بعده　　ولا یحسبون الشر ضربة لازب

نیکی کو ایسی چیز نہ سمجھو کہ اس کے بعد بدی ہی نہ ہو اور شرارت وبدی کو چپکنے والی مٹی کی مار نہ سمجھو

س : اللہ تعالیٰ کے قول "اندادا" کے کیا معنیٰ ہیں؟

ج : "الاشباہ والامثال" (مثل اور مانند لوگ)۔

استشہاد: احمد الله فلا ندله　　　بیدیه الخیر ماشاء فعل

میں اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کا کوئی مثل ونظیر نہیں اس کے ہاتھوں میں بہتری ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

یہ کل بیس اشعار ہیں جو نمونے کے طور پر ذکر کئے گئے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو تفسیر قرآن خصوصاً غریب اور مشکل الفاظ کی تشریح میں کتنی مہارت حاصل تھی کہ ہر سوال کے جواب کے ساتھ استشہاد میں شعراء کے اشعار کو ایک ہی مجلس میں پیش کرتے چلے گئے یہاں تو اختصار کے پیش نظر صرف بیس ہی نقل کئے گئے، خود علامہ سیوطی

نے الاتقان (ج ۱/۱۵۸ تا ۱۷۵) میں اسی موقع پر ایک سو نوے (۱۹۰) اشعار نقل کئے ہیں اس کے علاوہ غریب الفاظ کی وہ تشریحات اور ہیں جو علی بن ابی طلحہ اور ضحاک بن مزاحم کے واسطہ سے آپؓ سے منقول ہیں۔ یہ یقیناً آپ علیہ السلام کی دعا !

اللھم علمه ، الحکمة و تاویل الکتاب (۹) کی برکت اور آپؓ کی حد درجہ تفسیر قرآن سے دلچسپی اور لگن کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرات صحابہ کرام کے علوم سے مستفیض فرمائے اور ان کا صحیح اتباع نصیب فرمائے ۔ آمین

حوالہ جات

(۱) الاتقان ۲/۲۴۰

(۲) فتح الباری ۷/۱۰۰

(۳) سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۷

(۴) مجمع الزوائد ۹/۲۷۷

(۵) الاصابۃ ج:۲/۳۲۵

(۶) الاتقان ۱/۱۴۹

(۷) الاتقان ۱/۱۴۹

(۸) الفوز الکبیر ص:۲۸ تعریب حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب

(۹) ابن ماجہ ص:۱۵

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

مصحفِ عثمانی کی قرأت ـــ ایک تحقیقی جائزہ

حدیث نبوی ﷺ میں مصحفِ عثمانی کی تدوین اور اختلافِ قراءت سے متعلق روایات واحادیث کا تجزیہ کرنے کے بعد بعض محدثینِ کرام، علماء اسلام اور ماہرین قرآنیات نے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے تمام قراءات کو مٹا کر صرف ایک قراءت پر امت اسلامیہ کو جمع کر دیا، اس کو ایک کارنامۂ عثمانی قرار دیا جاتا ہے؛ کیوں کہ امت مسلمہ کو اختلاف ونزاع میں پڑنے سے بچالیا، اس قرآنی وحدت کے ذریعہ تمام امت اسلامیہ کی وحدت واتحاد کو قائم واستوار اور جاری وساری کر دیا۔

قراءت واحدہ پر اجماع واجتماع امت کا نظریہ، اکابر اسلام کے علاوہ متاخرین کے ہاں بھی موجود ہے؛ کیوں کہ ہمارے متاخر علماء کرام بالعموم اکابر وسلف کی رائیوں کو بلا تحقیق وتمحیص قبول کر لیتے ہیں اور اسے حتمی قرار دینے لگتے ہیں۔

ائمہ حدیث میں حافظ ابن حجرؒ کا بڑا مقام ہے، انہوں نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے، مشہور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ ''حتی حین'' کو ''عتی حین'' پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر فاروق ﷺ نے ان کو تنبیہ کی کہ قرآن ہذیل کے لغت پر نازل ہوا؛ لہٰذا لوگوں کو قریش کے لغت کے مطابق پڑھایا کرو، نہ کہ لغت ہذیل کے مطابق، حافظ موصوف کا اس پر تبصرہ معنی خیز ہے:

''اور یہ واقعہ حضرت عثمان ﷺ کے ایک قراءت پر لوگوں کو جمع کرنے سے قبل پیش آیا تھا'' (۱)

یہ خیال صرف آٹھویں صدی ہجری یا چودھویں صدی عیسوی کے امام حدیث کا نہیں ہے، ان کے پیش رو حارث محاسبیؒ (م ۲۴۳ھ، ۸۵۷ء) کا بھی ہے جو حضرت عثمان ﷺ سے صرف دو سو سال کے اندر اندر اس خیال کے امام بن چکے تھے، امام سیوطیؒ (۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء - ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) نے اس سے ملتے جلتے بعض اور خیالات کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان کے فنی پیش رو امام بدر الدین زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ/ ۱۳۹۲ء) نے بھی لکھا ہے کہ قراءت واحدہ پر اجماع ہوا تھا، تلاش وتفحص سے متعدد دوسرے ائمہ سلف واکابر کے خیالات وآراء کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اولین مصادر اور بنیادی کتب میں جو اصل حقیقت سے متعلق روایات موجود ہیں، وہ نظر سے قطعی اوجھل ہو گئیں اور بعد کے لکھنے والوں نے صرف اسی خیال ونظریہ کو واحد حقیقتِ ثابتہ بنا دیا کہ مصحفِ عثمانی صرف ایک قراءت پر مشتمل تھا اور باقی تمام قراءات یا حروفِ سبعہ کو ختم اور محو کر دیا گیا، جن پر قرآن مجید کا نزول امت اسلامی کی سہولت کی خاطر رحمتِ

عالم ﷺ کی خصوصی دعا پر رب العالمین اور غفور رحیم نے اپنے دوامی کلام میں ابد تک کے لیے کیا تھا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ ہمارے معاصر علماءِ ہند میں ایک بڑے مقام کے مالک ہیں، انہوں نے اپنی تصنیف 'عثمان ذو النورین' میں حافظ ابن کثیرؒ (۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء-۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء) کی ایک عبارت اس موضوع پر نقل کی ہے: " من مناقبه الكبار وحسناته العظيمة أنه جمع الناس على قراءة واحدة " (حضرت عثمان ؓ کی ایک بڑی منقبت اور ان کی نیکیوں میں ایک عظیم نیکی یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا) اس کے بعد انہوں نے علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی رائے بھی نقل کی ہے کہ حضرت عثمان ؓ امت میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے پوری امت کو ایک قراءت قرآن پر جمع کر دیا''، مولانا اکبر آبادی بھی ان کی اس رائے سے متفق نظر آتے ہیں۔ (۲)

یہاں ایک بہت بڑا بنیادی اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ کے مطابق آپ ﷺ کی درخواست ہی پر اللہ تعالیٰ نے امت اسلامی کی سہولت کی خاطر سات حروف پر قرآن مجید نازل کیا تھا، اور وہ سات حروف عہد صدیقی میں جمع کردہ صحف میں موجود تھے اور عہد نبوی سے عہد عثمانی تک ان حروف پر قرآن مجید کی قراءت کی جاتی تھی؛ لہٰذا حضرت عثمان ؓ کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ وہ صرف ایک حرف (قراءت) پر مصحف/مصاحف عثمانی کو مرتب فرما دیں اور تمام دوسرے حروف منزل من اللہ کو اپنے خیال سے مٹا ڈالیں؟

''قراءت واحدہ'' سے مراد مذکورہ بالا تمام اہل علم نے ''حرف واحد'' ہی لیا ہے اور اس کی تعیین بھی بلا تکلف وتردد حرف وقراءت ولغت قریش سے کی ہے، انہوں نے یہ تأثر دیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اموی نے اپنے مصاحف عثمانی کو صرف قراء ت واحدہ یعنی قراءت قریش کے مطابق لکھوایا تھا، اور باقی کو خارج مصحف کر دیا تھا، قراءت واحدہ پر جمع کرنے کے خیال کے حامی تمام اہل علم کے ہاں یہی نتیجہ یا استنباط پایا جاتا ہے، خواہ وہ صراحت ووضاحت کے ساتھ پایا جائے یا مضمر طور سے، بالواسطہ اس کا ذکر ہو یا بین السطور وہ پڑھا جائے۔ (۳)

لیکن ہماری مستند روایات وآثار اور ان سے زیادہ صحیح احادیثِ نبویہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عثمان ؓ نے بکھرے ہوئے اوراق وصحف صدیقی کو ایک مصحف میں جمع کیا تھا، حافظ ابن حجر نے ابن ابی داؤدؒ کی سند صحیح سے مروی ایک روایت حضرت سوید بن غفلہؒ سے نقل کی ہے کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا:

> ''حضرت عثمان ؓ کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو، اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف میں جو کچھ کیا وہ ہمارے ایک گروہ کے مشورے سے کیا، انہوں نے پوچھا: تم لوگ اس قراءت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مجھے بعض لوگوں کا قول پہونچا ہے کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر تک پہونچ سکتی ہے، ہم نے عرض کیا: آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: ہماری رائے یہ تھی کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں؛ تاکہ کوئی نزاع واختلاف نہ پیدا ہو، ہم نے عرض کیا: آپ کا خیال ہی سب سے اچھا تھا''

(۴)

یہ روایت امام سیوطیؒ نے اپنی الاتقان میں بھی نقل کی ہے اور بعض دوسرے علماء کرام نے اپنی تحریروں میں۔(۵)

اس روایت میں جو اہم ترین بات؛ بلکہ حقیقت بیان ہوئی ہے، وہ یہ کہ صحابۂ کرام ﷺ کے مشورے سے قرآن کریم کو ایک مصحف (مصحف واحد) میں جمع کیا گیا تھا نہ کہ ایک قراءت پر، مصحف واحد پر جمع کرنا الگ بات ہے اور قراءت واحدہ پر جمع کرنا الگ بات ہے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جسے بالعموم نظر انداز کردیا گیا ہے۔

امام زرکشیؒ وامام سیوطیؒ نے اس باب میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جو دوسرے متقدمین ومتاخرین کے یہاں بھی موجود ہے، یہ روایت حضرت عثمان ﷺ کے مصحف کی قراءت واحدہ یا تمام نبوی قراءات (ساتوں حروف) کے باب میں نہایت اہم ہی نہیں، حقیقت نما بھی ہے، وہ امام ابوبکرؒ کی 'کتاب الانتصار' کی روایت ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے حضرت ابوبکر ﷺ کی مانند قرآن کریم کو صرف دو دفتیوں (بین الدفتین) میں جمع کرنے کا ارادہ نہیں کیا؛ بلکہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو ان تمام معروف اور ثابت قراءتوں پر بھی جمع کردیا، جو نبی اکرم ﷺ سے منقول چلی آرہی تھیں، اور جس قدر قراءتیں ان کے سوا پیدا ہوگئی تھیں ان کو مٹا دینا چاہا، انہوں نے دراصل مسلمانوں کو ایک ایسا مصحف دیا جس میں کوئی تقدیم وتاخیر اور تاویل نہیں، وہ تنزیل الٰہی کے مطابق تھا۔(۶)

اس روایت میں یہ صراحت پائی جاتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اموی ﷺ کے جمع کردہ مصحف میں ساتوں حروف (تمام نبوی قراءتیں) پائی جاتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی محو نہیں کی گئی، قراءت واحدہ پر جمع کرنے سے اگر نبوی قراءات پر جمع کرنا مراد لیا جائے تو صحیح ہوگا، (۷) مگر قراءت واحدہ کے نظریہ کے حاملین اس سے مراد صرف قراءت قریش لیتے ہیں؛ حالاں کہ قراءت قریش بھی واحدہ نہیں تھی، جیسا کہ حضرت عمرو بن ہشام رضی اللہ عنہما - دو قریشیوں - کی مختلف قراءتوں کی حقیقت سے ثابت ہوتا ہے، اس سے لغات عرب کے سبعۃ احرف ہونے کی بھی تردید ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصحف عثمانی میں سارے کے سارے سبعۃ احرف موجود تھے اور آج بھی ہیں، اس حقیقت کے بعض شواہد ودلائل احادیث نبوی کے ذخیرہ بالخصوص مصاحف عثمانی سے متعلق احادیث کریمہ اور محدثین کرام کے مباحث میں بھی ملتے ہیں اور دوسرے اکابر اہل علم کے خیالات ونظریات اور نگارشات میں بھی موجود ہیں۔

۱) حافظ ابن عساکر نے مشہور تابعی عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کی ہے، فرماتے تھے کہ حضرت عثمان میں دو صفتیں ایسی ہیں جو ان کو شیخین پر بھی ترجیح دیتی ہیں: ایک ان کا صبر جس کا انجام شہادت ہوا اور دوسری صفت یہ کہ انہوں نے پوری امت کو 'ایک قرآن' پر جمع کردیا۔(۸)

یہ روایت تفصیل بعض دوسرے اکابر حدیث وسیرت نے بھی بیان کی ہے اور اس میں ایک قرآن یعنی 'ایک مصحف' پر جمع کرنے کی بات کہی گئی۔(۹)

۲) مصحف عثمانی بنیادی طور پر صحفِ صدیقی پر مبنی تھا، اور صحف صدیقی کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں کہ وہ سبعۃ احرف (ساتوں حروف) تمام قراء تیں رکھتے تھے، حدیثِ نبوی کی تمام روایات کا اتفاق ہے کہ مصحفِ عثمانی دراصل عہد صدیقی میں جمع کردہ صحیفوں پر مبنی تھا، حافظ ابن ابی داؤد نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے بعض الزامات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں نے قرآن کو اختلاف سے بچایا ہے، تم جس حرف پر چاہو اسے پڑھ سکتے ہو'' (۱۰) ہم نے مصاحفِ عثمانی کی تدوین و ترتیب سے متعلق اپنے مضمون میں ان تمام روایات کا تجزیہ کیا ہے۔ (۱۱)

۳) حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے اختلاف قراءت کی صورت میں قریشی قراءت کو ترجیح دینے کی ہدایت کی تھی، اس کا غلط مطلب نکالا گیا ہے، حضرت زید بن ثابت خزرجی ﷺ سے متعلق تین قریشی مرتبین کو جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف ان مقامات سے متعلق تھا، جہاں حضرت زید خزرجی ﷺ اور قریشی اکابر اختلاف کرتے اور صرف ان میں مختلف فیہ مقامات پر قریشی قراءت کو ترجیح دینی تھی نہ کہ تمام آیات قرآنی اور سورتوں میں قریشی قراءت کا پابند بنانا تھا، قریشی حضرات اور حضرت زید بن خزرجی ﷺ نوجوان صحابہ تھے اور اس حقیقت سے واقف تھے کہ عہد صدیقی میں حضرت زید کے مرتبہ 'صحف' رسول اکرم ﷺ کی قراءتوں پر مبنی تھے، ظاہر ہے کہ وہ اس کی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ وحی لانے والے اور معلم اول کی تعلیمات و ہدایت سے روگردانی کریں۔

۴) حضرت عثمان ﷺ کے مصاحف کے بارے میں یہ حدیث موجود ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے آخری معارضہ پر مبنی ہے، جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی زندگی کے آخری برس کے رمضان میں دوبار کیا تھا، گویا کہ وہ آخری تدوین تھی، اسی پر صحف صدیقی مرتب کئے گئے تھے اور پھر ان مرتبہ نسخوں/اوراق پر مصحف عثمانی کو مدون و مرتب کیا گیا تھا۔ (۱۲)

۵) تدوین مصاحف عثمانی میں خلیفہ سوم کا قائدانہ کردار تھا کہ آپ کے حکم سے ان کی تدوین ہوئی تھی؛ لیکن اصل کار کتابت رسول اکرم ﷺ کے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت ﷺ نے انجام دیا تھا، وہی 'صحف صدیقی' کے مرتب اور کاتب بھی تھے، کام کے پھیلاؤ کی خاطر جب ایک اور کاتب کی خدمات حاصل کی گئیں تو نگاہِ انتخاب ایک دوسرے کاتب وحی حضرت ابی بن کعب خزرجی ﷺ پر پڑی جو رسول اکرم ﷺ کے عہد مدینہ میں کتابت وحی کے کارِ عظیم سے پوری طرح وابستہ تھے، اس ضمن میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ مدنی عہد میں کتابتِ قرآن کی خدمات انجام دینے والے بعض دوسرے صحابہ کرام ﷺ بھی تھے، ان میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی ﷺ کا نام نامی بطور ایک مستقل کاتب نبوی اور بطور ثقہ کاتب قرآن کے نمایاں ہے، دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ذہن نشین رکھنا لازمی ہے کہ مدینہ منورہ کے ان کاتبین کرام اور دوسرے کاتبین نبوی نے صرف مدنی سورتوں کی کتابت کی تھی۔

۶) مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور نبوی میں کتابتِ قرآن کی خدمت مکہ کے قریشی اور غیر قریشی صحابہ نے انجام دی تھی، قریشی حضرات میں ابوبکر، عمر، عثمان اور علی ﷺ کے علاوہ متعدد دوسرے کاتبین شامل تھے، ان میں حضرت عثمان نہ صرف ایک اہم

ترین کاتب قرآن تھے، بلکہ ماہر فن اور عظیم ترین رفیق نبوی بھی تھے، وہ دامادِ رسول بھی تھے، غیر قریشی حضرات میں حضرت شرحبیل بن حسنہ کندی ؓ جیسے بزرگ مکی صحابی کا نام ملتا ہے، جو مختلف عرب قبائل کے افراد تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ؓ جیسے امام قوم اور سالم مولی ابی حذیفہ عبشمی ؓ جیسے معلم بھی شامل تھے، یہ وہ حضرات ہیں جن سے رسول اکرم ﷺ نے قرآن مجید براہ راست سیکھنے کا حکم دیا تھا جو ان کے تبحر قرآنی کی عظیم دلیل ہے۔

۷) مکی عہد نبوی میں جو اوراق وصحف قرآن مجید مرتب کئے گئے تھے، وہ تحریری طور سے موجود ومحفوظ رہے اور مختلف صحف صحابہ کی شکل میں بھی موجود وشائع رہے، ان میں حضرت خباب بن ارث تمیمی ؓ کے 'صحیفہ' کا ذکر بہت نمایاں ہے، یہ مکہ صحف نہ صرف مکہ میں موجود ہے؛ بلکہ پورے کے پورے یا ان کے اجزاء مختلف صحابۂ کرام کے ساتھ عرب کے مختلف قبیلوں میں، حتی کہ مہاجرین حبشہ کے ذریعہ وہ غیر عرب ملک میں بھی روشناس تھے، گویا کہ وہ آفاق میں پھیل گئے اور آفاقی صحیفے بن گئے، ظاہر ہے کہ یہ تمام مکی صحف بالخصوص اوراق وقراطیس پر مبنی صحیفے رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں اور پورے مدنی نبوی دور میں موجود ومحفوظ رہے، عہد صدیقی میں حضرت زید خزرجی ؓ کے مرتبہ 'صحف' میں وہ شامل کئے گئے، حضرت زید بن ثابت خزرجی ؓ نے ان کی از سر نو کتابت نہیں کی تھی، ان کو صرف جمع اور مرتب ومدون کر کے یکجا کیا تھا۔

۸) مصحفِ عثمانی کی ساری کی ساری بنیاد صرف تحریر شدہ اوراق وقراطیس پر ہی نہیں تھی؛ بلکہ لوگوں کے حفظ اور یاد داشت سے بھی ان کی تصدیق وتائید طلب کی گئی تھی، عہد صدیقی کے تمام 'صحف' باقاعدہ لکھ لئے گئے تھے، ان کی جمع وتدوین کے بارے میں روایات گواہی دیتی ہیں کہ بہت سی آیات تحریروں، مصحفوں، صحیفوں میں نہیں ملیں؛ بلکہ صحابۂ کرام ؓ کے سینوں میں محفوظ تھیں اور ان سے جمع کی گئیں۔

حضرت عثمان ؓ کے مرتبہ مصاحف میں سینوں میں محفوظ آیات کی نوعیت تصدیقی وتائیدی تھی، تنزیلِ قرآن کے پہلے مکی دن سے اس کے آخری مدنی دن تک رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام ؓ اور دوسرے مسلمان قرآن کی تلاوت قرأت برابر کرتے رہے تھے، یہ قراءت وتلاوت نمازوں میں بھی ہوتی تھیں اور باہر بھی، شخصی تلاوت کے علاوہ تحریری مصاحف عثمانی کی قراءتوں کی تصدیق ظاہر ہے زبانی قراءت وتلاوت قرآن سے بھی کی گئی تھی، ورنہ اس پر اعتراض ہوسکتا تھا، حضرت عمر عدوی ؓ اور ہشام اسدی ؓ جیسے قریشی صحابہ کی مختلف قراءتوں کے علاوہ متعدد دوسرے غیر قریشی صحابہ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ؓ کی قراءت بھی اس میں شامل تھی اور یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ رسم خط عثمانی نے ان مختلف قراءتوں کو ختم کردیا ہوگا۔

۹) اختلافِ قراءت کے ضمن میں امام ابن قتیبہ دینوریؒ جیسے امام فن کے ہاں جو درجہ بندی پائی جاتی ہے وہ حضرت عثمان ؓ کے متعین کردہ دائرہ سے باہر نکل گئی ہے، ان کے ہفت اقسام درجہ بندی میں آخری چار جو مختلف الفاظ وکلمات اور قرآن کی تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی سے بحث کرتے ہیں، سبعۃ احرف سے متعلق ہرگز نہیں ہیں؛ بلکہ صحابۂ کرام ؓ کے تفسیری کلمات کو بھی اپنی حدودِ بحث میں لے لیتے ہیں، یہ حقیقت دراصل اوجھل ہوکر رہ گئی ہے کہ وہ قرآنی کلمات ہیں نہ الٰہی تنزیل اور نہ

نبوی قراءت؛ لہٰذا ایسی تمام اختلافی قراءتوں کا گذر مصحفِ عثمانی میں نہ ہوسکا؛ کیوں کہ وہ قرآنی نہ تھے، وہ انسانی اور غیر الوہی اضافے تھے، گذشتہ بحث سے یہ اصول طے پاچکا ہے کہ اختلافِ قراءت میں وہی قرآنی عبارت معتبر ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ومنقول ہے۔

۱۰) رسمِ خط مصحفِ عثمانی کے مطابق امام ابن قتیبہ دینوریؒ وغیرہ کی اولین تین اقسام قراءت آتی ہیں؛ لہٰذا وہ قابلِ قبول ہیں، سورۂ فرقان کی اختلافی قراءتوں سے متعلق جو بحث ہم نے کی ہے، اس میں یہ حقیقت روشن ہوچکی ہے کہ مصحفِ عثمانی میں بھی تمام اختلافاتِ قراءت کی رعایت کی گئی ہے، جو حضرت عمر ؓ اور ہشام ؓ کے درمیان رہے تھے، یا جو سبعۃ احرف کے مطابق تھیں، متعدد احادیث میں بعض صحابۂ کرام ؓ کے ایسے اختلافات کا ذکر ملتا ہے اور وہ بھی مصحف عثمانی کے رسم خط سے ہم آہنگ ہیں، مثلاً حضرت ابن عباس ؓ سورہ بقرہ:۱۸۴ کو ''وعلی الذین یُطَوَّقُوْنَه فدية طعام مسكين'' پڑھا کرتے تھے، جبکہ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ عام ومعروف قراءت کے مطابق ''یُطِیْقُوْنَه'' پڑھتے تھے، (۱۳)، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سورۂ یوسف:۱۱۰ کو ''وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِّبُوْا'' قراءت فرماتی تھیں، اوراس کی دلیل بھی دیتی تھیں، جب کہ دوسرے صحابۂ کرام ؓ معروف قراءت کے مطابق آخر لفظ کو ''کُـذِبُـوْا'' (بلا تشدید ذال) تلاوت کرتے تھے، جو تعلیم نبوی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اسی سورہ کی آیت:۲۳ کو ''هيت لک'' پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم اس کو اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں تعلیم دی گئی ہے، (۱۴) سورۂ حجر:۱۸ کی قراءت ''فُزِّعَ'' بھی ہے جو معروف ہے اور بلا تشدید زا بھی ہے، (۱۵) سورۂ اسراء:۱۶ میں واقع فقرہ ''أَمرنا مترفيها'' کے اولین لفظ کو ''أَمَرنا'' بھی پڑھا گیا ہے، جو معروف ومتداول ہے اور ''أَمِرنا'' بھی جو دوسری لغت ہے اور جائز ہے، دلچسپ بات ہے کہ امام بخاریؒ نے حدیث ہرقل میں واقع قولِ ابوسفیان ؓ: ''لقد أَمِرَ أَمْرَ ابن أبي كشبة'' سے اس کی سند بھی فراہم کی ہے، (۱۶) ایک اہم حدیث (۴۸۸۴) ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے سورۂ قمر کی آیت ترجیع ''وَلَـقَـدْ یَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّذَّکِرٍ'' میں آخری لفظ کو ''مُذَّکر'' ذال سے پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مُدَّکر'' ہے۔(۱۷)

ایسی تمام قراءات نبویہ کا استقصاء کیا جائے تو واضح ہوگا کہ وہ سب کی سب مصحفِ عثمانی میں موجود ہیں کہ یہی رسم خط نبوی تھا۔

۱۱) مصاحفِ عثمانی کی تدوین اور ان کے تمام امصار ودیار اسلام میں نفاذ کے بعد تمام دوسرے مصاحف صحابہ حضرت عثمان بن عفان ؓ امیر المؤمنین وخلیفۂ وقت کے حکم سے اس طرح ختم کردئے گئے کہ ان میں سے ایک بھی نہیں بچا، خلیفۂ اسلام اور ان کے امراء وعمال اور والیوں نے اس حکم کو بڑی سختی سے نافذ کیا، تاہم یہ حقیقت بھی نظر آتی ہے کہ بعض قاری-صحابۂ کرام ؓ - میں سے کم اور متاخر مسلمانوں میں سے زیادہ اور بالعموم مشہور قراء کرام قرآن مجید کی مختلف آیات کریمہ کی تلاوت مختلف انداز سے کرتے تھے جو معروف قراءت سے علیحدہ تھی، زبانی ترسیل وتعلیم کے علاوہ تحریری تلاوت وقراءت کے لئے ان کے

پاس صرف مصاحف عثمانی یا ان کی اپنی نقول تھیں اور ان کی اپنی نقول سب کی سب اور تمام تر مصاحف عثمانی پر پوری طرح سے مبنی تھیں، یعنی ان کے رسم خط کے مطابق ہی تھیں؛ لہٰذا ان کی مختلف قراءتیں مصاحف عثمانی کے اندر ہی پائی جاتی تھیں اور اسی بنا پر وہ مختلف قراءتیں کرنے کی آزادی برت رہے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور دوسرے تمام اہل علم نے ایسی تمام اختلافی قراءتیں نقل کی ہیں اور وہ سب کی سب مصحف عثمانی کے اندر تھیں۔

۱۲) امام زرکشیؒ اور دوسرے اہل علم نے یہ بحث کی ہے کہ قرآن مجید میں سات حروف موجودہ مصحف عثمانی میں باقی ہیں یا نہیں؟ اس خیال کے قائلین بھی ہیں اور دوسرے کے بھی، جن علماء واکابر کا خیال ہے کہ حروف سبعہ مصحف عثمانی میں باقی نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ شروع میں عربوں کے مختلف قبائل وطبقات کو آسانی کی خاطر یہ سہولت دی گئی تھی، آخری زمانہ میں جب ان کی زبانیں قراءت کی عادی ہوگئیں تو باقی چھ حروف خود عہد نبی میں ختم کردئے گئے تھے، جس کا ثبوت رسول اکرم ﷺ کا آخری معارضۂ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہے، امام زرکشیؒ نے ان علماء اسلام کے نام بھی لئے ہیں، امام موصوف نے دوسری جگہ بحث میں یہ لکھا ہے کہ قاضی ابوبکر کا رجحان ہے کہ موجودہ مصحف عثمانی میں تمام حروف سبعہ ہیں اور امام شاطبیؒ کا یہی قول ہے۔ (۱۸)

لیکن سات حروف کی سہولت کے ختم کئے جانے کی دلیل میں صرف عربوں کے عادی ہونے کی بات کہی گئی ہے، تمام امت کی نہیں، امت محمدی تو اولین عربوں کے بعد اور عجمیوں میں بھی ہونی مقدر تھی، قرآن کریم جو آفاقی ہے اس کو صرف اولین عرب کی سہولت تک محدود کرنا غیر منطقی ہے اور غیر اسلامی بھی؛ لہٰذا دوسرے شواہد تاریخی اور دلائل قطعیہ کے علاوہ منطق اور عقل سلیم بھی تقاضا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں وہ سہولت ربانی بھی دوامی ہو، رسول اکرم ﷺ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تمام امت کی خاطر دعا مانگی تھی اور وہ قبول ہوئی۔

حوالہ جات

(۱) " وكان ذلك قبل أن يجمع الناس على قراءة واحدة " (فتح الباری:۹/۳۵)۔

(۲) سعید احمد اکبرآبادی، عثمان ذوالنورین، ص:۳۱۴

(۳) سیوطی، الاتقان، نوع ۱۶، ۱۸، ۱/۶۱، اردو ترجمہ: ۱/۱۳۱-۱۳۲، میں یہی خیال ہے کہ مصحف عثمانی حروف سبعہ پر مشتمل نہ تھا۔

(۴) " فاخرج ابن أبي داؤد بإسناد صحيح من طريق سويد بن غفلة قال : قال علي : لا تقولوا في عثمان إلا خيرا ، فو الله ما فعل الذي فعل في المصاحف إلا عن ملأ منا ، قال : ما تقولون في هذه القراءة ؟ لقد بلغني أن بعضهم يقول : إن قراءتي خير من قراءتك وهذا يكاد أن يكون كفرا ، قلنا : فما ترى ؟ قال : أرى أن نجمع الناس على

مصحف واحد، فلا تكون فرقة ولا اختلاف، قلنا: فنعم ما رأيت " فتح البارى :۲۴/۹.

(۵) الاتقان،نوع ۱۸، ۶۱/۱-۶۲،اردو ترجمہ:۱۶۰/۱-۱۶۱،زرکشی،البرہان:۲۳۶/۱-۲۳۷

(۶) الاتقان،نوع ۱۸، ۶۱/۱،اردو ترجمہ:۱۶۱/۱،البرهان في علوم القرآن:۲۳۵/۱-۲۳۶

(۷) البرہان:۲۳۷/۱

(۸) عثمان ذوالنورین،ص:۳۱۴،بحوالہ البدایہ والنہایہ:۲۱۶/۷

(۹) حافظ ابن ابی داؤد نے بھی مصحف پر جمع کرنے کی بات کہی ہے:" خصلتان لعثمان بن عفان ليستا لأبي بكر ولا لعمر، صبر نفسه حتى قتل مظلوما، وجمع الناس على المصحف " (كتاب المصاحف ،ص:۱۳)۔

(۱۰) " أما القرآن فمن عند الله، إنما نهيتكم لأني خفت عليكم الاختلاف، فاقرءوا على أي حرف شئتم " (كتاب المصاحف ،ص:۳۶)

(۱۱) ملاحظہ کیجئے مضمون 'مصاحف عثمانی کی ترتیب وتدوین-احادیث کی روشنی میں' شائع شدہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی،جنوری-مارچ ۲۰۰۴ء،ص:۱۷-۳۲

(۱۲) البرہان:۲۳۲/۱،بحوالہ صحیح بخاری:" إن جبريل كان يعارضني بالقرآن كل سنة، وأنه عارضني العام مرتين، ولا أراه إلا حضور أجلي " امام بخاری نے اس روایت کو متعدد جگہوں پر بیان کیا ہے۔

(۱۳) بخاری،کتاب التفسیر،سورۃ البقرۃ،فتح الباري:۲۲۵/۸-۲۲۷

(۱۴) " وإنما تقرأها كما علمنا ها " بخارى سوره يوسف، فتح الباري :۲۳۷/۸،۳۶۱،۳۶۶

(۱۵) أيضا، فتح الباري :۴۸۳/۸

(۱۶) أيضا، فتح الباري :۵۰۲/۸

(۱۷) قرأت على النبي ا " فهل من مذكر " فقال النبي ا : " فهل من مدكر " فتح الباري :۷۸۶/۸

(۱۸) البرہان:۲۲۳/۱


صحابہ رضی اللہ عنہم اور حدیث

مولانا عبداللہ معروفی ☆

صحابۂ کرام ؓ اور فہمِ حدیث

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ، وبعد!

تمہید

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے حق کا معیار قرار دیا ہے، ان کا اتباع کرنے پر اپنی خوشنودی، فوزِ عظیم اور جنت کی بشارت سنائی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (۱)

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے''

نیز مومنین کے مابین رونما ہونے والے اختلافات یا اشکالات کے حل کے سلسلہ میں ان ہی کی جانب رجوع کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اور ان میں فہم وبصیرت کے اعتبار سے جو حضرات ممتاز ہیں ان کے فہم پر اعتماد کرنے کی امت کو تلقین کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (۲)

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند

''اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہونچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اس کو رسول...... کے اور جو ان میں سے ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر محول کرتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں (کہ حقیقت کیا ہے؟ اور کون سی بات قابل تشہیر ہے اور کون سی نہیں؟)۔ اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتا تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ: ''اولوالامر'' سے مراد ذی رائے صحابۂ کرام کی جماعت ہے ،مثلاً حضرات خلفائے راشدین ، انھیں اولوالامر اس لئے کہا گیا کہ وہ حضرات معاملہ فہم تھے، یا اس لیے کہ اکثر و بیشتر ان ہی حضرات کو امیر بنایا جاتا تھا، یا اس لیے کہ نبی ﷺ لوگوں کو کوئی حکم دینے سے قبل اِن حضرات سے مشورہ فرماتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''أما وزيراي في الأرض فابو بكر وعمر '' کہ دنیا میں میرے دو وزیر ابوبکر وعمر ہیں۔ چنانچہ اس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں مشہور محدث و مفسر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''اس جگہ حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ آں حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، تو اپنے گھر سے مسجد تشریف لائے ،لوگوں کی زبانی بھی یہ بات سنی، تو آپ سے صبر نہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کیا کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے، اور مذکورہ آیت نازل ہوئی ، چنانچہ میں ہی تھا جس نے اس معاملہ کی حقیقت گہرائی میں اتر کر دریافت کیا''(۳)

تحقیقِ حدیث

حدیث نبوی درحقیقت قرآن کریم کی شرح اور تفصیل ہے، بلکہ آں حضور ﷺ سے اس کا صدور متحقق ہو جانے کے بعد اسی طرح واجب العمل ہے، جس طرح سے کہ قرآن کریم ،اس میں شبہ نہیں کہ کسی بھی حدیث سے استدلال کرنے کے لیے پہلے اس کے ثبوت و استناد کی بابت تحقیق و اطمینان کر لینا از بس ضروری ہوتا ہے،اس کے لیے قرآن کریم نے نقدِ رجال، یعنی ذریعۂ خبر کی عدالت و وثاقت کو جانچ کر خبر کی صداقت معلوم کر لینے کو ضروری قرار دیا، قرآن کریم کی آیت کریمہ:

﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا اَن تصيبوا قوماً بجهالة

فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین﴾ (۴)

کے اشارۃ النص سے، اور آیت کریمہ ﴿ولا تقف ما لیس لک به علم﴾ (۵) کی عبارۃ النص سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس ذمہ داری کی جانب متوجہ فرمایا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے اس صحیح اور مشہور ارشادِ گرامی میں اس ذمہ داری کا احساس امت کو دلایا ہے:

"من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو احد الكاذبين" (٦)

''کہ جس شخص نے میری جانب منسوب کسی ایسی حدیث کو بیان کیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹ منسوب ہے تو دوسرے نمبر کا جھوٹا وہ خود ہے''

اس ذمہ داری کو ہم ''تحقیقِ حدیث'' کی ذمہ داری کہہ سکتے ہیں، بنیادی طور پر اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے کاندھوں پر لیا اور اس کی انجام دہی کے لیے بہت سے اصول اور طریقے اختیار کیے جن کی روشنی میں آگے چل کر حضرات محدثین کرام نے حفاظتِ حدیث کا بے مثال کارنامہ انجام دیا، چنانچہ امت کے طبقۂ محدثین نے اس ذمہ داری کو اپنے سر اوڑھ لیا اور بحسن وخوبی اسے انجام دیا، اس کام کو انجام دینے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے متعدد احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- اس بات کا اہتمام کہ جہاں تک ہو سکے حدیث بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے مبادا نادانستہ طور سے کبھی غلط بیانی یا کسی خطا کا صدور ہو جائے۔

۲- اس بات کا اہتمام کہ کسی سے حدیث سنتے یا بیان کرتے وقت حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے، اور پورے طور سے اطمینان کے بعد ہی حدیث قبول کی جائے، یا بیان کی جائے، حضراتِ شیخینؓ اس پر شدت سے عمل پیرا تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک حدیث بیان کرنے پر باقاعدہ گواہ طلب کیا۔ (۷)

۳- حدیث اگر کسی واسطہ سے معلوم ہو اور ممکن ہو کہ اصل صاحبِ واقعہ صحابیؓ، یا خود صاحب حدیث...... سے سنی جا سکتی ہے تو باقاعدہ سفر کر کے اصل مصدر سے حدیث دریافت کرنے کا اہتمام، جیسا کہ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر براہِ راست ان باتوں سے متعلق سوال و جواب کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے جو آں حضور...... کے قاصد و مبلغ کے ذریعہ پہلے سے ان کے علم میں آ چکی تھیں، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ نے صرف ایک حدیث کی خاطر باقاعدہ شام کا سفر کیا اور حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے حدیث حاصل کی، سماعِ حدیث کے لیے سفر کی مشقت برداشت کرنے کی طرح صحابہؓ نے ہی ڈالی ہے۔

مضمون کی طوالت کے خوف سے بقیہ تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

فہمِ حدیث

راوی یا مخبر کی عدالت وحفظ کے پہلو سے ''تحقیقِ حدیث'' کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ایک دوسرا مرحلہ آتا ہے حدیث کی باطنی حالت اور معنوی کیفیت کے ادراک کا، اس کے بھی دو مراحل ہیں:

۱-**غریب الحدیث کا حل:** نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حیرت انگیز فصاحت و بلاغت اور تعبیر پر قدرت عطاء فرمائی گئی تھی، آپ ﷺ مختلف قبائل عرب کے محاورات اور لغات کا لحاظ فرما کر گفتگو فرماتے تھے، بعض دفعہ آپ ﷺ کی کسی شخص سے اس کی قبائلی یا علاقائی زبان یا لب ولہجہ کے مناسب کی گئی گفتگو عربی زبان میں ہونے کے باوجود دوسرے حضرات کے فہم وادراک سے بالاتر ہوتی تھی؛ بلکہ بسا اوقات اپنی زبان کے بعض ایسے الفاظ وتعبیرات جو عام استعمال میں نہیں ہوتے اور ان کی کسی لفظی یا معنوی خوبی کی وجہ سے استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور عام سطح کے اعتبار سے وہ تعبیر نا قابل فہم ہو جاتی ہے، چنانچہ احادیث شریفہ میں بھی ایسا بکثرت ہوا ہے، حتی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک کو بھی بعض دفعہ سمجھ میں نہیں آتا تو وہ آں حضرت ﷺ سے دریافت فرماتے تھے، ایک مرتبہ آں حضور ﷺ نے وفد بنی فہد بن زید کو خطاب فرمایا جس میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے، بعد میں حضرت علی ﷺ نے عرض کیا:

''یا رسول اللّٰہ ! نحن بنو أب واحد، ونراک تکلم وفود العرب بما لا نفهم أکثره ، فقال :أدبني ربي فأحسن تأديبي وربيت في بني سعد'' (۸)

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، مگر ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ وفودِ عرب سے ایسی گفتگو فرماتے ہیں کہ جس کا اکثر حصہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھ کو خود میرے رب نے تعلیم دی ہے اور کیا خوب دی ہے، پھر میں قبیلہ بنو سعد میں بھی تو پرورش پائے ہوئے ہوں''

اس لیے لغوی اعتبار سے حدیث کے معنی کی تحقیق، پھر مختلف ذرائع استعمال کرتے ہوئے مرادی معنی تک رسائی کی کوشش ضروری ہے، کیوں کہ ضروری نہیں کہ لغوی معنی ہی حدیث کی مراد ہو، چنانچہ حدیث کے مرادی معنی کبھی اس وجہ سے مخفی ہو جاتے ہیں کہ اس میں ایک یا چند غریب اور نامانوس الفاظ آ گئے ہیں، یا لفظ ایک سے زائد معنی پر دلالت کرتا ہے، یا الفاظ مطلق ہیں، یا معنی لغوی اور معنی مرادی کے درمیان مناسبت بعید معلوم ہوتی ہے وغیرہ۔

۲-**مشکل الحدیث کا حل:** لغوی اور مرادی معنی دریافت کر لینے کے بعد اس بات کی بھی تحقیق کر لینی ضروری ہوتی ہے کہ وہ حدیث قابلِ استدلال اور قابل عمل بھی ہے یا نہیں؟ کہیں اس کا تعارض کسی آیتِ قرآنی، یا کسی دوسری حدیث سے تو نہیں؟ حدیث کا مضمون مشاہدۂ حس، یا عقل کے صریح فیصلہ کے معارض تو نہیں؟ الغرض معارضہ، نسخ یا علت خفیہ سے محفوظ ہونا بھی محقق

ہونا چاہئے، کیوں کہ یہ چیزیں حدیث پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہیں، یہ بہت نازک اور مشکل ذمہ داری ہے، لیکن قرآن وحدیث کی نصوص بتاتی ہیں کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے بغیر آنکھ بند کرکے ہر ثقہ وعادل راوی کی حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے اعلان کے ضمن میں فرمایا:

﴿ولولا إذ سمعتموه قلتم ما يكون لنا ان نتكلم بهٰذا سبحٰنك هٰذا بهتان عظيم﴾ (۹)

جس کے اشارۃ النص سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ روایت شدہ مضمون کی داخلی حالت سے متعلق تحقیق کرلینا بھی ضروری ہے کہ آیا مضمونِ روایت شانِ نبوت، یا مزاجِ شریعت سے میل بھی کھاتا ہے یا نہیں؟ جس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر جو کچھ بھی تہمت لگائی گئی وہ حرم نبوی کے شایانِ شان ہرگز نہ تھی؛ کیوں کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ نبی کے نکاح میں معاذ اللہ کوئی غلط کار فاحشہ عورت ہو، قرآن کہتا ہے کہ مؤمنین کو چاہئے تھا کہ اس بات کو سنتے ہی رد کردیتے اور اس کو بہتان مانتے خواہ اس بات کو بیان کرنے والا کتنا ہی ثقہ اور سچا شخص ہو، (اور اس واقعہ میں بلاشبہ بعض مخلص ومومن صحابہ کرام بھی پروپگنڈے سے متاثر ہوگئے تھے، اور ان کی زبانوں پر بھی اس کا ذکر آ گیا تھا) اس سے معلوم ہوا کہ کسی بات کا بیان کرنے والا اپنے ثقہ ہونے کے باوجود اگر ایسی بات بیان کرے جو عقلاً وشرعاً محال ہو تو یہ بات اسے رد کردینے کے لئے کافی ہے۔

امام احمدؒ نے مسند (۳/ ۴۹۷، اور ۵/ ۴۲۵) میں حضرت ابوحمید اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"إذا سمعتم الحديث عني تعرفه قلوبكم، وتلين له أشعاركم وأبشاركم، وترون أنه منكم قريب ؛ فأنا أولاكم به، وإذا سمعتم الحديث عني تنكره قلوبكم، وتنفره منه أشعاركم وأبشاركم، وترون أنه منكم بعيد؛ فانا أبعدكم منه "

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/ ۲۵۵) میں اس حدیث پر ''جید الاسناد'' کا حکم لگایا ہے، حضور پاک ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب فرما کر جو کہ مزاج شناس نبوت ہیں یہ ارشاد فرمایا:

''اگر تم کو میرے حوالہ سے کوئی حدیث پہونچے جس کو تمہارے قلوب اوپری اور انوکھی نہ جانیں، نیز اس حدیث کے مضمون سے تمہارے بال وکھال نرم ہوجائیں (یعنی وہ تمہارے ظاہر کو متاثر کرے) اور وہ حدیث تمہارے دین سے تمہیں قریب نظر آئے تو میں اس حدیث کے بولنے کا زیادہ مستحق ہوں، اور اگر معاملہ برعکس ہو تو ایسی حدیث کے صدور سے میں زیادہ بعید ہوں، (یعنی وہ میری حدیث نہیں ہوسکتی)''۔

دیکھئے اس حدیث میں بھی نبی کریم نے حدیثوں کے داخلی نقد (درایت) کی ترغیب دی ہے خواہ اس حدیث کا روایت کرنے والا شخص ثقہ اور قابل اطمینان ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث شریف کے تعلق سے مذکورہ بالا دونوں مراحل سے عہدہ برآ ہونے کی ذمہ داری کو ہم ''درایتِ حدیث'' یا ''فہمِ حدیث'' کی ذمہ داری کہہ سکتے ہیں۔

صحابۂ کرام ﷺ اور فہمِ حدیث

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فہمِ حدیث کے دونوں مراحل بعد والوں کے لیے آسان فرمادیئے، وہ حضرات صاحب زبان ہونے کے علاوہ منشأ شریعت اور مزاج نبوی کے رمز شناس تھے، انھوں نے حدیث کے مشکل الفاظ کی جو مراد بیان کی ہوگی یا حدیث کے تعلق سے پیدا شدہ اشکالات کا جو حل پیش کیا ہوگا وہ یقیناً لائق تسلیم واتباع ہوگا۔

الف: غریب الحدیث

جہاں تک حدیث کے مشکل کلمات کی وضاحت کا تعلق ہے تو بکثرت ہم دیکھتے ہیں کہ صحابی رسول کوئی حدیث روایت کرتے ہیں، ان میں کوئی مشکل لفظ آجاتا ہے تو شاگردوں کے پوچھنے پر وہ خود اس کی وضاحت کرتے ہیں، کیوں کہ خود ان حضرات نے بھی آں حضرت ...... سے بوقت ضرورت دریافت فرمایا ہے، پہلے دو مثالیں صحابہؓ کے آں حضرت ...... سے مشکل کلمہ کی مراد دریافت کرنے کی پیش کی جاتی ہیں، پھر دو مثالیں صحابہؓ سے تابعین کے دریافت کرنے کی پیش کی جائیں گی۔

۱- امام خطابیؒ نے اپنی سند سے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی:

''أن رجلاً قال : يا رسول الله ! من أهل النار ؟ قال : كل قعبَرِيٍّ، قال : يا رسول الله! وما القعبري ؟ قال: الشديد على الصاحب'' . (۱۰)

ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! جہنمی کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر ''قعبری'' شخص، پوچھا: اللہ کے رسول! قعبری کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: جو ساتھی پر زبردستی اور سختی کرے۔

۲- امام خطابی ہی نے اپنی سند سے حضرت براء بن عازبؓ کی یہ حدیث روایت کی:

''قال : جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فقال : علمني عملا يدخلني الجنة ، فقال : أعتق النَسَمة وفك الرقبة ، قال: أوليسا واحدًا ؟ قال : لا ، عتق النسمة أن تَفَرَّد بعتقها ، وفك الرقبة أن تعين في ثمنا '' (۱۱)

ایک دیہاتی صحابی حضور پاک ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں جو مجھے جنت میں داخل کرادے، فرمایا: نسمہ (غلام باندی) آزاد کرو اور رقبہ (گردن) چھڑاؤ، انھوں نے

پوچھا کیا دونوں ایک بات نہ ہوئی؟ تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، نسمہ آزاد کرنا تو یہ ہے تم خود غلام باندی آزاد کرو، اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ تم کسی ایسے غلام کی مالی مدد کردو جس نے اپنے آقا سے مثلاً مکاتبت کا معاملہ کرلیا ہے۔

اب صرف دو مثالیں تابعین کے صحابہؓ سے دریافت کرنے کی ملاحظہ فرمائیں:

۱- صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

" قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : لا تبيعوا الثمر حتى يبدو صلاحه ، فقيل لابن عمر : ما صلاحه ؟ قال : تذهب عاهته .

آں حضور ﷺ نے فرمایا: درختوں پر پھل مت بیچو تاوقتیکہ ان کی درستگی ظاہر نہ ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ ''بدو صلاح'' (درستگی ظاہر ہونے) کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا کہ: اتنا بڑا ہو جائے کہ عام قدرتی آفت سے محفوظ ہو جائے۔

۲- سنن بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن حميد عن أنس رضي اللّٰه عنه قال : نهى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمرة ثمرة النخل حتي تزهو ، فقلنا لأنس : ما زهوه؟ قال : يحمرُّ (۱۲)

حمید طویل حضرت اُنسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور پر لگے پھل بیچنے سے منع فرمایا تا آں کہ وہ زہو نہ ہو جائے، حمید کہتے ہیں: ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا: زہو کیا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ زہو یہ ہے کہ پھل سرخ ہو جائیں۔

ب: مشکل الحدیث

مشکل الحدیث کے حل میں بھی صحابۂ کرام ہی بعد والوں کے مقتدا اور راہنما ہیں، چنانچہ انھوں نے احادیث شریفہ کو ہر زاویہ سے پرکھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش فرمائی کہ حدیث کسی باطنی علت کی شکار نہیں ہے، یا اس کے راوی سے فی نفسہ عادل ہونے کے باوصف حدیث کو سمجھنے، صورت واقعہ اور حکم کو صحیح طور پر ہضم کرنے، پھر اس کو صحیح تعبیر میں ادا کرنے میں کسی طرح کی غلطی واقع نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے ان تک کوئی حدیث اگر کسی کے واسطہ سے پہنچتی تھی تو وہ ایک ہی واسطہ ہوتا تھا، اور وہ بھی صحابی کا جہاں کذب کا امکان ہی نہ تھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

"واللّٰهِ ما كل ما نحدثكم عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سمعناه منه،

ولکن لم یکن یکذب بعضنا بعضاً" (۱۴)

''قسم بخدا ہم (جماعت صحابہ) جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ سے نقل کر کے بیان کرتے ہیں وہ سب ہم نے آپ ﷺ سے براہِ راست نہیں سنی ہوتی (بلکہ ایک دوسرے کے واسطہ سے بھی ہم نے سنی ہیں) لیکن ہم میں سے ایک دوسرے سے کذب بیانی نہیں کرتا تھا''

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حضرات احادیث نبویہ کو قرآن وحدیث کے عطا کردہ کچھ مسلمہ اصول درایت پر پرکھنا ضروری سمجھتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث شریفہ کو پرکھنے کے جو معیار اختیار فرمائے انھیں درج ذیل قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱) حدیث کا قرآن کریم سے موازنہ

۲) حدیث کا دوسری احادیث سے موازنہ

۳) حدیث کا عقل سلیم کے مقتضی، یا قیاس سے موازنہ

۱-قرآن کریم سے موازنہ

اس میں شک نہیں کہ اصل کتابِ ہدایت قرآن کریم ہے اور حدیث نبوی اس کی شرح وبیان کا درجہ رکھتی ہے اور جیسا کہ معلوم ہے، قرآن کریم کے الفاظ ومعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں جس میں بالمعنیٰ روایت کا احتمال ہی نہیں ہے، جب کہ حدیث نبوی کا معنی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں، اور عام طور سے ان کی روایت بالمعنیٰ ہوتی ہے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن کریم اور اس کی شرح ''حدیث'' جو منجاب اللہ ہے دونوں آپس میں متناقض ومتعارض ہوں، پس اگر کسی حدیث کا مفہوم قرآن کے معنی سے معارض ہوتا ہے تو اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت میں کوئی خلل اور نقص ہے؛ لہٰذا قرآن کے مقابلہ میں حدیث رد کردی جائے گی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو رد کیا جارہا ہے، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ جس کلام کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ آپ کا نہیں ہے، بلکہ راوی کی جانب سے کسی خطا ونسیان، یا پوری بات نہ نقل کرنے، یا اصل مراد نبوی کو نہ سمجھ کر اپنے الفاظ میں بیان کرنے کا نتیجہ ہے، جس کی دلالت مراد نبوی کے علاوہ دوسرے مفہوم پر ہونے لگی ہے، جب کہ قرآن کریم اس طرح کے تمام احتمالات سے منزہ ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے متعدد احادیث کو قرآن کریم سے موازنہ کرتے ہوئے ان کی صحت اور خطاء کا فیصلہ کیا ہے، جس کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

(الف) دیکھئے یہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب ان کے سامنے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث جس

کے بموجب مطلقہ بائنہ کا نفقہ اس کے طلاق دینے والے شوہر پر نہیں ہے؛ پیش کی جاتی ہے تو آپ قرآن کریم کی آیت سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے رد فرما دیتے ہیں، کیوں کہ وہ قرآن کے ظاہر کے خلاف تھی۔

امام مسلم نے ابواسحٰق سبیعی کے طریق سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے ساتھ کوفہ کی مسجد اعظم میں بیٹھا تھا ہمارے ساتھ عامر شعبی بھی تھے، تو شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے رہائش اور نفقہ (شوہر پر) مقرر نہیں فرمایا، تو اسود نے ایک مٹھی کنکری لے کر شعبی کو مارا، اور کہا کہ: ناس ہو تمہارا، تم اس جیسی حدیث بیان کرتے ہو جب کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے ایک ایسی عورت کے بیان پر جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ آیا اس نے بات صحیح یاد رکھی یا بھول گئی، مطلقہ بائنہ کے لئے رہائش اور نفقہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة﴾ (۱۴)

(ب) اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آں حضرت ﷺ کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ''إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه'' (کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) تو ام المؤمنینؓ نے فرمایا: اللہ عمر پر رحم کرے! قسم بخدا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کو کسی کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اور زیادہ عذاب دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تمہیں (ان کے قول کی صداقت جاننے کے لئے) کافی ہے قرآن کی یہ آیت ﴿ولاتزر وازرة وزر اخرى﴾ (۱۵)

(ج) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے متعلق یہ قصہ بھی منقول ہے:

''دو شخص ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ: حضرت ابو ہریرہؓ آں حضور ﷺ کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کر رہے ہیں: ''إنما الطيرة في المرأة والدابة والدار'' (نحوست تو عورت، جانور اور گھر میں ہوتی ہے)، اس پر وہ انتہائی ناراض ہوئیں، اور فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس نے قرآن کریم ابوالقاسم پر نازل کیا! وہ یوں نہیں فرما سکتے، انھوں نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ: لوگ زمانۂ جاہلیت میں کہا کرتے تھے: ''الطيرة في المرأة والدابة والدار'' پھر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (جس سے مذکورہ حدیث ابو ہریرہؓ صریح معارض ہے): ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَبْرَاَهَا﴾، (روئے زمین پر یا تمہاری جانوں میں کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر قبل اس کے کہ ہم اسے نازل کریں وہ نوشتۂ تقدیر میں لکھی ہوتی ہے)'' (۱۶)

(د)　　حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کسوٹی پر حدیثوں کو پرکھا ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن زید سے کہا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے''، تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارے یہاں بصرہ میں حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ بھی یہی کہتے تھے، لیکن بحر العلم حضرت ابن عباسؓ نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ﴾ [انعام، آیت ۱۴۵]، (۱۷)

(ہ)　　حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی درندوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، تو ان کے سامنے حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کی حدیث (جو اس کی حرمت پر صریح ہے) کا حوالہ دیا گیا تو فرمایا: ''لا ندع كتاب ربنا لحديث أعرابي يبول على ساقيه''، یہاں بھی ''کتاب ربنا'' سے مراد مذکورہ بالا آیت کریمہ ہے۔ (۱۸)

(و)　　حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقدِ حدیث کے لیے اس کسوٹی کا استعمال منقول ہے، حضرت علیؓ اس بات کے قائل تھے کہ کسی شخص کا انتقال ہو جائے، پس ماندگان اس کی ایسی بیوی بھی ہو جس کے ساتھ ہنوز اس کی یکجائی نہ ہوئی تھی، نیز عورت کا کوئی مہر بھی متعین نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں اسے کچھ بھی مہر نہیں ملے گا، انھیں جب حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ آں حضور ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق (جن کی صورتِ حال ایسی ہی تھی) یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اسے مہر مثل ملے گا، میراث میں بھی حق ہوگا اور اس پر عدت بھی ہوگی، تو حضرت علیؓ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا: ''لا نقبل قول أعرابي بوال على عقبيه في ما يخالف كتاب الله وسنة نبيه''، کہ ہم ایڑیوں کے بل پیشاب کرنے والے دیہاتی شخص کی روایت قبول نہیں کریں گے ایک ایسے مسئلہ میں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے حکم کے خلاف ہو۔ (۱۹)

ایک ضروری وضاحت

مذکورہ بالا معروضات کا مقصد صرف اس امر کو واضح کرنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عملی طور سے اس معیارِ نقد ''حدیث کا قرآن سے موازنہ'' کو اختیار فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معیار تنقید واقعی برحق معیار ہے، قطع نظر اس سے کہ بعض دفعہ اس معیار کی تطبیق میں ہی کسی سے غلطی ہو جائے، چنانچہ حضرت عمر، حضرت عائشہ ام المؤمنین، حضرت ابن عباس، حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے جو نقول ذکر کی گئیں ان سے بطور قدرِ مشترک یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ معیار لائق عمل بلکہ واجب العمل ہے، یہ اور بات ہے کہ مذکورہ بالا مسائل یا ان جیسے دوسرے بعض مسائل میں صاحبِ نقد سے بایں معنی اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے دیکھنے میں حدیث اور آیت میں ایسا ٹکراؤ تھا کہ دونوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی تھی، مگر حقیقت میں ایسا ٹکراؤ نہیں تھا، یا ایک حکم کا ناسخ ہونا اور دوسرے کا منسوخ ہونا اُن پر واضح نہیں ہوا تھا، جب کہ حقیقت میں نسخ کا وقوع ہو چکا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں مذکورہ مسائل میں سے کئی ایک ایسے ہیں جن میں بعد کے فقہائے کرام نے دلائل کی بنیاد پر ان صحابہ کی

جزوی آراء سے اتفاق نہیں کیا، یا تو اس لئے کہ ان پر دونوں میں جمع وتطبیق کا پہلو کھل گیا اور انھوں نے دونوں پر عمل کی راہ نکال لی، یا اس لئے کہ ناسخ ومنسوخ کی تعیین ہوگئی، جب کہ کئی ایک میں انھوں نے صحابہ کی آراء سے واقعتاً اتفاق بھی فرمایا، اور قرآن کریم کی آیت کے بالمقابل حدیث کو باطنی علت سے معلول مانتے ہوئے قبول نہیں فرمایا۔

معلوم ہوا کہ یہ معیار لازمی ہونے کے باوجود انتہائی نازک اور پر خطر بھی ہے، اس لیے بعد والوں میں جو منصب اجتہاد تک نہیں پہونچ سکے ان کے لئے ہرگز زیبا نہیں کہ کسی حدیث کے قرآن کریم کی کسی آیت سے بظاہر معارض ہونے کی بناء پر حدیث کو رد کردیں، کیوں کہ معارضہ کے تحقق کا فیصلہ آسان نہیں ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے کچھ رجال کار مخصوص ہیں۔

۲-دیگر احادیث سے موازنہ

اس میں شبہ نہیں کہ بسا اوقات آں حضرت ﷺ سے ایک ہی مسئلہ میں ایک سے زائد حکم منقول ہوتا ہے، کبھی تو ان میں تقدم وتأخر کے ثبوت کی وجہ سے ناسخ ومنسوخ کی بات سامنے آجاتی ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا، ایسی صورت حال میں کون سی حدیث عمل کے لیے منتخب کی جائے اور اسے سنت کا درجہ دیا جائے؟ یہ ایک حل طلب سوال ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس طرح کے واقعات بکثرت پیش آئے کہ ایک صحابی نے اپنے علم کے مطابق ایک حدیث پر عمل کیا یا اس کے مطابق فتویٰ دیا، جب کہ اسی مجلس میں دوسرے صحابی کی معلومات کے مطابق آں حضور ﷺ سے اس مسئلہ میں دوسرا حکم تھا، چنانچہ ان میں اختلاف ہوتا ہے، اور باہمی تصفیہ کے لیے وہ متفقہ طور سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ان کا نزاع ختم ہو جاتا ہے پھر وہ ایک نکتے پر متفق ہو جاتے ہیں، ترجیح کے اُن طرق یا اصولوں کو ہم مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) مسئلہ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والے صحابی کی روایت کو فیصل قرار دینا۔

(۲) متعارض حدیثوں یا دلیلوں میں سے ایک کو دوسری پر دیگر ایک یا چند احادیث کی تائید سے ترجیح دینا۔

(۳) صاحبِ واقعہ کے بیان کو مقدم رکھنا۔

(۴) متعارض حدیثوں کو تعدد واقعہ پر محمول کرنا۔

پہلا اصول: مسئلہ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والے صحابی کی روایت کو فیصل قرار دینا، اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، بیشتر کا تعلق آں حضور ﷺ کی گھریلو یا اندرونی زندگی سے ہے، چنانچہ گھریلو ومعاشرتی مسائل سے متعلق نبی کریم ﷺ سے جتنا سابقہ ازواج مطہرات کو پڑتا تھا دوسرے لوگوں کو نہیں پڑتا تھا، بلکہ دوسرے لوگ تو اس طرح کے مسائل کو اتنی باریکی گہرائی اور توجہ سے حاصل بھی نہیں کرسکتے تھے جتنا کہ ازواج مطہرات کرسکتی تھیں، چنانچہ جب صحابہؓ کے درمیان اس طرح کے مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو فوراً خود یا کسی قاصد کے ذریعہ ازواج مطہرات میں سے کسی سے معلوم کرتے، اور وہ حضرات جو کچھ بیان فرماتیں اسی کو حرفِ آخر قرار دیتے، کیوں کہ انھیں کو اس مسئلہ میں اختصاص حاصل تھا، مثلاً:

(الف) صحیح مسلم شریف میں ہے:

''حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ: جس شخص کی جنابت کے ساتھ صبح ہو جائے وہ روزہ نہ رکھے، میں نے عبد الرحمٰن بن حارثؓ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس کا انکار کیا، پھر ہم دونوں امہات المومنین عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما کے یہاں گئے، ان سے عبدالرحمٰن نے اس سے متعلق پوچھا، تو دونوں نے بتایا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی بغیر کسی بدخوابی کے اس حالت میں صبح ہوتی تھی اور آپ روزہ رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ پھر ہم مدینہ کے گورنر مروان بن حکم کے پاس گئے اور ان سے قصہ بیان کیا تو انھوں نے کہا: میں تاکیداً کہتا ہوں کہ تم ابو ہریرہؓ کے پاس جاؤ اور ان کی تردید کرو، چنانچہ ہم حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس گئے، اور عبدالرحمٰن نے ان کو پوری بات بتائی تو انھوں نے فرمایا: کیا ان دونوں امہات المومنین نے تم سے یہ بات بیان فرمائی ہے؟ کہا: جی، تو انھوں نے فرمایا: پھر تو وہی زیادہ جانتی ہیں، اور اپنی بات کو حضرت فضل بن عباسؓ پر محول کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھے بتایا تھا اور میں نے خود آں حضور ﷺ سے نہیں سنا تھا، اس واقعہ کے بعد ابو ہریرہؓ نے اپنی حدیث سے رجوع کرلیا'' (۲۰)

(ب) حضرت عبید بن رفاعہ انصاری کہتے ہیں کہ:

''ہم لوگ صحابہؓ کی ایک مجلس میں تھے جس میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی موجود تھے، ان کے درمیان بغیر انزال کے غسل واجب ہونے، نہ ہونے کی بحث چھڑ گئی، حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ مجامعت کے دوران انزال نہ ہو تو اس سے زیادہ ضروری نہیں کہ آدمی شرم گاہ دھوکر وضو کرلے، اہل مجلس میں سے ایک صاحب اٹھے اور حضرت عمرؓ سے جاکر بیان کردیا، آپؓ نے فرمایا تم خود جاکر انھیں بلالاؤ تاکہ تم ہی ان کے خلاف گواہ بنو، وہ صاحب انھیں بلاکر لے گئے دراں حضرت عمرؓ کے پاس حضرت علیؓ ومعاذؓ سمیت چند صحابہ موجود تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ارے اپنی جان کے دشمن! تم لوگوں کو ایسا فتویٰ دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے اپنی جانب سے گھڑا نہیں ہے، بلکہ اپنے خاندان کے بڑوں رفاعہ بن رافع اور ابوایوب انصاری وغیرہ سے سنا ہے، تو حضرت عمرؓ نے اپنے پاس موجود صحابہ سے پوچھا: آپ حضرات کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ تو ان میں بھی اختلاف ہونے لگا، حضرت عمرؓ نے کہا: ارے اللہ کے بندو! تم اصحاب بدر اور امت کے عمدہ ترین ہوکر اختلاف کررہے ہو؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ: امیر المومنین! ازواجِ مطہرات کے پاس بھیج

تحقیق کرا لیجئے، اگر اس طرح کی کوئی بات ہوگی تو انھیں اس کا ضرور علم ہوگا، انھوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا، ان کو اس کا علم نہیں تھا، پھر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تو انھوں نے بتایا کہ جب ختنہ ختنہ سے آگئے بڑھ جائے تو غسل واجب ہو جائے گا اگر چہ انزال نہ ہو، تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب اگر میرے علم میں یہ بات آئی کہ کسی شخص نے ایسا کیا اور پھر بھی غسل نہیں کیا تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا'' (۲۱)

دوسرا اصول: دو متعارض حدیثوں یا دلیلوں میں سے ایک کو دوسری پر دیگر ایک یا چند احادیث کی تائید سے ترجیح دینا۔ اس اصول کی بھی متعدد مثالیں دورِ صحابہ میں ملتی ہیں، مثلاً:

(الف)　صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے بیان کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص جنازے کے پیچھے پیچھے جا کر (تدفین میں شرکت کر لے) تو اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے، تو ابن عمرؓ نے فرمایا: ابو ہریرہ کچھ زیادہ ہی حدیث بیان کرنے لگے ہیں (یہ بات انھوں نے اس لیے کہی کہ انھیں صرف نماز جنازہ میں شرکت پر ثوابِ قیراط کی حدیث معلوم تھی، اس کے بعد جنازے کے ساتھ جا کر تدفین میں شرکت پر بھی ایک قیراط ملتا ہے یہ بات معلوم نہ تھی) چنانچہ اس کی تحقیق کے لیے انھوں نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا تو انھوں نے ابو ہریرۃؓ کی تصدیق فرمائی، تو ابن عمرؓ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تب تو ہم نے بہت سارے قیراط ضائع کر دیئے'' (۲۲)

دیکھئے ابن عمرؓ نے اپنی دانست پر حدیث ابو ہریرۃؓ کو تسلیم کر لیا کہ ان کی بیان کردہ حدیث کی تائید حدیث عائشہؓ سے بھی ہو رہی تھی، یہاں یہ پہلو بھی نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ میں زیادہ جانکاری ہوگی، کیوں کہ اتباع جنازہ مردوں کا کام ہوتا ہے نہ کہ عورتوں کا۔

(ب):　حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرۃؓ کے یہاں جمع تھے، بات آگئی اس کی کہ شوہر کی وفات کے چند ہی دنوں بعد اگر اس حاملہ بیوی پیدائش سے فارغ ہو جائے تو کیا اس کی عدت پوری ہو جائے گی جیسا کہ آیت کریمہ ''**واولات الاحمال اجلھن** '' الآیہ کا تقاضا ہے؟ یا پورے چار مہینے دس دن مکمل کرنے پڑیں گے؟ ابن عباسؓ نے کہا کہ دونوں میں سے بعد والی جو مدت ہوگی اتنی مدت عدت قرار پائے گی، ابو سلمہ نے کہا کہ نہیں وضع حمل کے بعد عورت عدت سے نکل جائے گی، حضرت ابو ہریرۃؓ نے کہا میں اپنے بھتیجے (یعنی ابو سلمہ) کے ساتھ ہوں، اس پر ان حضرات نے کریب مولی ابن عباسؓ کو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج کر معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ سُبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے شوہر کی وفات کے چند ہی

دنوں بعد انھیں ولادت ہوئی، اور بنو عبدالدار کے ایک شخص ابوالسنابل نے یہ کہہ کر نکاح کا پیغام بھیجا کہ وہ اب عدت سے نکل چکی ہیں، انھوں نے کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرنا چاہا تو ابوالسنابل کہلا بھیجا کہ ابھی ان کے لیے نکاح کرنا جائز ہی نہیں، کیونکہ ابھی ان کی عدت باقی ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نکاح کرسکتی ہیں۔ (۲۳)

اس واقعہ میں بھی یہ کہنا ضروری نہیں کہ مسئلہ ایسا ہے جس کو صرف خواتین ہی یا ازواج مطہرات ہی بہتر جان سکتی ہیں، اس جیسے مسائل کا علم دیگر حضرات کو بھی بآسانی ہوسکتا ہے جیسا کہ ابوالسنابلؓ کو اس کا علم تھا، چنانچہ صحابہؓ نے ایک دلیل کو دوسری دلیل پر فوقیت صرف اس بنا پر دی کہ اس کو ایک دوسری حدیث سے تقویت مل رہی تھی۔

تیسرا اصول: صاحبِ واقعہ کے بیان کو مقدم رکھنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے متعارض نصوص میں ترجیح کے لیے اس اصول پر بھی عمل کیا ہے، صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خواتین کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ حیض ونفاس یا جنابت کے غسل میں اپنے چوٹیاں کھول کر غسل کریں، تاکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہونچے، (کیوں کہ آں حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''تحت کل شعرة جنابة'' ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے)، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا تعجب ہے ابن عمرؓ پر! وہ عورتوں سے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ اپنے بال ہی منڈوالیں؟ بیشک میں اور اللہ کے رسول ﷺ ایک ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، اور میں اس سے زیادہ نہیں کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہالوں۔ یعنی چوٹیاں نہیں کھولتی تھیں اور آں حضرت ﷺ دیکھتے تھے اور کچھ نہیں فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ چوٹیوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے، اسی مضمون کی حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جس میں ام سلمہؓ نے پوچھا کہ ''کیا میں غسل جنابت کے لئے چوٹیاں کھولوں؟'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لا ، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات ثم تفيضين الماء فتطهرين'' (۲۴)

(ب) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: جب تم رمی کرکے حلق کرا چکو تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوجاتی ہے علاوہ بیوی کے اور خوشبو لگانے کے، سالم بن عبداللہ کہتے ہیں: اور حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے علاوہ بیوی کے، ایک دوسری روایت میں ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے خود رسول اللہ......کو احرام شروع کرنے سے پہلے خوشبو لگائی اور رمی جمرہ کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگائی، سالم کہتے ہیں: ''وسنة رسول الله احق أن يتبع'' (۲۵)، اگرچہ کسی حدیث میں صراحتاً ہمیں یہ تو نہیں ملا کہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے حدیث عائشہؓ کی جانب اپنے قول سے رجوع فرمالیا تاہم اتنا ضرور ہے کہ ان کی یہ حدیث بہت سے صحابہ وتابعین تک پہونچی، اور خود حضرت سالم بن عبداللہ (جو مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک تھے) نے اپنے باپ دادا کا قول چھوڑ کر حدیث عائشہؓ کو صاحبِ واقعہ اور مبتلی بہ کا بیان ہونے کی بنا پر سنت نبوی قرار دیتے ہوئے قبول فرمالیا۔

چوتھا اصول: متعارض حدیثوں کو تعدد واقعہ پر محمول کرنا۔

بعض دفعہ ایک ہی واقعہ سے متعلق متعارض روایات آجاتی ہیں، اور ان میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ صحیح اور واقع کے مطابق کون سی روایت ہے، صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ نے اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق روایات میں تعدد واقعہ یا تعدد محل کو ثابت کر کے ہر روایت کو اس پر بحسن وخوبی منطبق فرمایا ہے جو بعد میں آنے والوں کے لیے قابل تقلید اصول قرار پایا، سنن ابوداود میں مروی ہے:

''سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: ابوالعباس! مجھے تعجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کے احرام (حج کی نیت) کی ابتداء بیان کرنے میں اس قدر مختلف کیوں ہیں؟ فرمایا مجھے اس کی اصل وحقیقت کا سب سے زیادہ پتہ ہے، اس میں تو شبہ نہیں آں حضور ﷺ کا حج ایک ہی تھا، اسی میں لوگ مختلف باتیں کہتے ہیں، حضور...... حج کے ارادہ سے نکلے، جب آپ (مدینہ کے باہر) ذوالحلیفہ میں اس جگہ جہاں آپ نے احرام کی دو رکعتیں پڑھیں نماز سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ آپ ﷺ نے حج کا احرام باندھ لیا، کچھ لوگوں نے وہاں آپ سے (نیت کے الفاظ) سنے اور محفوظ کر لیے۔

پھر آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور جب اونٹنی آپ کو لے کر اٹھی تو اس وقت بھی آپ نے وہ الفاظ فرمائے اسے کچھ دوسرے لوگوں نے سنا، اس لئے کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس ٹولیوں کی شکل میں آتے تھے، چنانچہ اِن لوگوں نے آپ سے وہ الفاظ اس وقت سنے جب کہ آپ کو اونٹنی لے کر اٹھی تھی، تو انھوں نے بیان ہی یہ کیا رسول اللہ ﷺ احرام ہی اس وقت باندھا تھا جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے اٹھی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد جب آپ ﷺ بیداء پہاڑی پر چڑھے تو پھر آپ نے وہ الفاظ دہرائے، اور اس وقت کچھ دوسرے حضرات نے سنا، تو انھوں نے بھی یہی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت باندھا تھا جب آپ بیداء کی بلندی پر چڑھ رہے تھے۔ قسم بخدا! آپ ﷺ نے تو اپنی نماز کی جگہ ہی پر احرام باندھ لیا تھا، تلبیہ اس وقت بھی پڑھا تھا جب آپ کو اونٹنی لے کر اٹھ گئی تھی، اور اس وقت بھی جب کہ آپ بیداء کی بلندی پر چڑھے تھے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جو لوگ ابن عباسؓ کے قول کو تسلیم کرتے ہیں وہ مصلی ہی پر احرام باندھ لینے کے قائل ہیں۔'' (۲۶)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ طریقہ جمع وتطبیق اگر ممکن ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ نہیں ہے، چنانچہ بعد کے فقہائے کرام نے بھی اس کو اسوہ مانتے ہوئے متعدد مسائل میں متعارض نصوص کے درمیان جمع وتطبیق کا کام اسی نہج پر انجام دیا ہے۔

۳-حدیث کا مقتضائے عقل سے موازنہ

جب کوئی حدیث موجبات عقل کے صریح خلاف ہو یعنی عقل سلیم جس بات کو ضروری قرار دے یہ حدیث اس کے خلاف جا رہی ہو تو رد کردی جائے گی کیوں کہ شریعت ممکنات عقلیہ کو بیان کرتی ہے محالات کو نہیں، بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی احادیث کو میزان عقل پر پرکھا ہے، اور جو حدیث موجبات عقل کے صریح منافی نظر آئی اس کی صحت سے انکار فرمایا ہے، مثلاً:

(الف) حدیث 'ولد الزنا شر الثلاثة '' یعنی زنا سے پیدا ہونے والی اولاد زانی، مزنیہ اور ولد تینوں میں بدترین ہے'۔

اس حدیث کو حاکم نیساپوری نے مستدرک (۱۱۲/۳) میں روایت کرکے اس پر صحت کا حکم لگایا اور حافظ ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے، مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے رد فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"لو كان شر الثلاثة ما استونيٰ بأمه أن تُرجم حتىٰ تضعه'' (۲۷)

''اگر یہ تینوں میں بدترین ہوتا تو اس کی ماں کو رجم کیے جانے میں اتنی مہلت نہ دی جاتی کہ وہ اسے جن لے''

(ب) حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''آگ پر پکی ہوئے چیز کھانے سے وضوء واجب ہے خواہ پنیر کے ٹکڑے ہی کیوں نہ کھائے ہوں''

اس پر حضرت ابن عباسؓ نے نقد کیا کہ کیا ہم گرم تیل استعمال کرکے بھی وضوء کریں، کیا ہم گرم پانی بھی استعمال کرکے وضو کریں، تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ''بھتیجے! جب میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کوئی حدیث بیان کروں تو اس پر نظائر پیش کرکے معارضہ مت کیا کرو''۔(۲۸)

(ج) حضرت ابو ہریرہؓ ہی نے یہ حدیث بیان کی کہ ''جس شخص نے کوئی مردہ نہلایا وہ خود غسل کرلے، اور جس نے جنازہ کو اٹھایا ہے وہ وضو کرلے''۔ یہ بات حضرت عائشہؓ کو پہونچی تو انھوں نے فرمایا: کیا مسلمانوں کے مردے ناپاک ہوتے ہیں؟ اس آدمی نے کیا قصور کرلیا جس نے لکڑی کی چارپائی پکڑلی؟ اسی طرح کا نقد حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔(۲۹)

نیز مذکورہ بالا جملہ معیارِ نقد کی مزید وضاحت و امثلہ کے لیے دیکھیے: دکتور مسفر عزم اللہ دمینی کی کتاب ''مقاييس نقد متون السنة''۔

اصول میں بھی صحابہ معیارِ حق ہیں

چنانچہ صحابۂ کرام کے بعد امتِ مسلمہ کی بہتری اور کامیابی اسی میں قرار پائی کہ وہ اصول وفروع میں صحابہ کی ڈگر سے ہٹنے

نہ پائے، خاص طور سے قرآن وحدیث کے تعلق سے نص فہمی کا معیار وہی مقبول اور ہدایت کا ضامن ہوگا جو صحابۂ کرام نے قولاً وعملاً امت کو عنایت فرمایا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں فقہی مذاہب کے فقہاء نے مذکورہ بالا اصول کو کسی نہ کسی نوعیت سے ضرور اختیار کیا ہے، اور اسی واسطے امت مسلمہ کے چاروں فقہی مذاہب صحابہؓ سے منقول عمل متوارث کو اہمیت دیتے آرہے ہیں، اور فقہ حنفی میں تو عمل متوارث کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے، کیوں کہ درج ذیل آیات کریمہ عمل متوارث کی اہمیت ونزاکت کو بتارہی ہیں جن سے غض بصر ممکن ہی نہیں ہے:

(۱) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (۳۰)

''تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دین کو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس کو ان کے لیے قوت دے گا، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدّل بہ امن کر دے گا''

(۲) ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ، وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (۳۱)

''یہ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں) کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں، اور برے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا اختیار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے''

پہلی آیت میں صحابہؓ کو خطاب کر کے انھیں خلافت دیئے جانے، روئے زمین میں ان کے قدم جمائے جانے، اور ان کے حق میں امن عام کا وعدہ کیا جارہا ہے تاکہ وہ لوگ بے خوف وخطر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور دین اسلام کی اشاعت کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا، اور حضرات خلفائے راشدین کو یکے بعد دیگرے خلافت دی گئی، اور ان حضرات نے اسلام کے ستون بلند ومضبوط کیے، اور اس کے احکام کو نافذ کر کے نمونہ قائم کر گئے۔

دوسری آیت میں فقرائے مہاجرین جن کو اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے، اور مفلسی وبے بسی کی زندگی گذارنے پر مجبور کیا گیا تھا ان کو بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ضرور اپنی زمین میں حکومت عطا کرے گا، اور ان کی پیشگی ستائش کی گئی ہے کہ وہ لوگ حکومت پا کر اللہ کے دین کی خدمت کریں گے، خود بھی اقامت نماز اور ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام کریں گے، اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔

ان آیتوں میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ خلفائے راشدین نے جمیع بلادِ اسلامیہ میں مختلف پہلوؤں سے نفاذ شریعت کے سلسلہ میں جو محنتیں کی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں، ان کے زمانہ میں جس کسی مسئلہ پر عملاً یا قولاً اتفاق ہوگیا، خواہ وہ کسی ایک اسلامی شہر یا ملک کا اتفاق ہو یا پوری خلافت اسلامیہ کا مجموعی طور پر اتفاق ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمکین کے مرادف ہے، کیوں کہ حضرات خلفائے راشدین بالخصوص حضرات شیخین اپنی حدودِ خلافت میں کسی ایسے عمل کو جو روحِ شریعت کے منافی ہو، یا منشأ نبوی سے میل نہ کھاتا ہو کسی بھی صورت میں برداشت کرنے والے نہیں تھے، اگر اس عمل کو ان کی تائید حاصل ہے، یا انھوں نے اس سے سکوت برتا ہے تو مذکورہ آیتوں کے اشارۃ النص کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعد والوں کو عہد خلافتِ راشدہ سے جو عمل بطورِ وراثت ملا انھوں نے اس کو حد درجہ اہمیت دی، اور قرآن وحدیث کی نصوص کو سمجھنے اور ان کی مراد تک پہونچنے کے سلسلہ میں تعامل سلف کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ کے مہبطِ وحی ہونے اور مہاجر وانصار صحابہ کا مسکن ہونے کی وجہ سے اہل مدینہ کے تعامل کو دانتوں تلے دبالیا، جب کہ اہل کوفہ نے سیدنا ابن مسعود، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم جیسے اجلۂ صحابہ نیز سیکڑوں کیا ہزاروں صحابہ کے پیوند خاک کوفہ وبصرہ ہوجانے، اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عراق پر خصوصی نظر وتوجہ کی بناپر اہل کوفہ کے موروثی عمل کو اہمیت دی، اسی طرح دیگر بلادِ اسلامیہ کا حال ہے جہاں کثیر تعداد میں صحابۂ کرام منتقل ہوئے، اور شریعت کی تبلیغ فرمائی۔

امام مصر لیث بن سعدؒ کے خط بنام امام مالکؒ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جمیع بلادِ اسلامیہ میں عملِ متوارث کی کیا حیثیت تھی؟

لیث بن سعدؒ کا خط بنام امام مالکؒ

امام مالک رحمہ اللہ نے امام مصر لیث بن سعد کے نام ایک مکتوب گرامی بھیجا تھا جس میں آپ نے عملِ اہلِ مدینہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی تھی، اس کے جواب میں امام لیث بن سعدؒ نے طویل مکتوب تحریر فرمایا، جس میں عمومی طور پر عملِ متوارث کی حیثیت پر مدلل گفتگو فرمائی، حافظ ابن قیم نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''إعلام الموقعین'' میں یہ خط مکمل نقل فرمایا ہے، ذیل میں اس خط کے ایک اقتباس کا ترجمہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

> ''آپ پر سلامتی ہو، میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عافیت عطا کریں، اور دنیا وآخرت میں انجام بخیر فرمائیں، آپ کا خط موصول ہوا جس میں آپ نے اپنی خیریت کا ذکر فرمایا مجھے اس سے خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ اس خیریت کو دائم فرمائیں، اور شکر کی توفیق اور مزید احسان کے ذریعہ تام فرمائیں۔
>
> ''آپ نے (عمل اہل مدینہ کی ترجیح کے سلسلہ میں) اس آیت کریمہ کا حوالہ دیا: ﴿والسابقون

الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان ، رضی الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجری تحتها الأنهار خالدين فيها أبداً ذلک الفوز العظیم﴾ ''اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم) ہیں، اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے (یعنی اللہ سے) راضی ہوئے، اور اُس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے ایسے باغات مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے''

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان سابقین اولین صحابہ میں سے بہت سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکل گئے، (عراق، شام اور مصر وغیرہ) جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، بہت سے لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے، ان کے درمیان انھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے احکام کو اجاگر فرمایا، قرآن وحدیث میں جس مسئلہ کا حل صراحتاً انھیں نہیں ملا اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا، ان حضرات کی نگرانی حضرات شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم (خلفائے ثلاثہ) نے کی، یہ حضرات مسلمان فوجوں کو ضائع کرنے یا ان کی جانب سے تغافل برتنے والے نہیں تھے، بلکہ اقامتِ دین کی خاطر، اسی طرح کتاب وسنت میں اختلاف سے باز رکھنے کی خاطر معمولی معمولی باتوں پر والا نامے تحریر فرماتے تھے، چنانچہ کوئی بھی ایسا حکم جس کی قرآن کریم میں صراحت ہو، یا نبیٔ پاک ﷺ نے اس پر عمل کیا ہو، یا آپ کے بعد صحابہ میں اس کے متعلق کوئی مشورہ ہوا ہو جملہ امور سے اُن حضرات خلفاء نے مسلمان فوجوں کو باخبر رکھنے کا اہتمام فرمایا، لہٰذا اگر کوئی ایسا عمل سامنے آئے جس پر صحابۂ کرام مصر، شام اور عراق (دور دراز کے شہروں) میں حضرات شیخین اور عثمانؓ کے دور میں عمل پیرا رہے ہوں، اور ان تینوں حضرات خلفاء نے اس کے علاوہ کا امر نہیں فرمایا؛ تو ہم نہیں سمجھتے کہ ان مسلم فوجوں کے لیے اس کو چھوڑ کر کسی نئے کام کا کرنا جائز ہوگا جس کو ان کے سلف صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے نہیں کیا۔

باوجودیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آں حضرت ﷺ کے بعد بہت سے مسائل میں اختلاف کیا، اور مختلف فتوے دیئے جو آپ کو معلوم ہیں، پھر کبارِ تابعین سعید بن مسیّب جیسے حضرات نے بھی خوب اختلاف کیا، ان کے بعد ابن شہاب زہری اور ربیعۃ الرأی جیسے صغار تابعین نے اپنے سلف کی بعض آراء سے اختلاف کیا، ربیعہ کے سلسلہ میں تو آپ کے خیال، اور ان کے بعض بڑے مثلاً

یحییٰ بن سعید، عبید اللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہم کے خیالات کا تو مجھے بھی علم ہے جو ان پر نکیریں کیا کرتے تھے، میں بھی ان کی بعض باتوں کو ناپسند کرتا تھا اور آپ نے میری تائید بھی فرمائی، اس کے باوجود ربیعہ کے پاس پختہ عقل، فصیح و بلیغ زبان، فضل و کمال، اپنے پرائے سے مخلصانہ برتاو کے ساتھ ساتھ بہت کچھ خیر ہے۔

ابن شہاب کی تو ذاتی آراء ہی میں اختلاف رہا کرتا تھا، جب ہم ان سے ملتے یا ہم میں سے کوئی کسی مسئلہ میں ان سے خط وکتابت کرتا تو بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں باوجود وسعتِ علم ان کی تین تین رائیں ہو جاتیں، انھیں محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس مسئلہ میں اس سے پہلے اس سے مختلف رائے ظاہر کر چکے ہیں، یہی بات میرے نزدیک ان کی فقہی آراء کے ترک کا سبب بنی جس پر آں محترم نے مجھے نکیر فرمائی ہے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مجھ پر (اہل مدینہ کی جانب سے) اس وجہ سے تنقید کی گئی ہے کہ میں نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ان چھاونیوں کا رہنے والا کوئی مسلمان بارش کی وجہ سے (حقیقی طور پر) جمع بین الصلاتین کرے، باوجودیکہ علاقۂ شام میں بارش مدینہ منورہ سے زیادہ ہوتی ہے وہاں کبھی کسی امام نے بارش کے دن جمع بین الصلاتین نہیں کیا؛ جب کہ وہاں یہ حضرات صحابہ رہ چکے تھے: ابوعبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، معاذ بن جبل۔ جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ''أعلمكم بالحلال والحرام معاذ بن جبل'' فرمایا کہ: معاذ بن جبل صحابہ میں حلال وحرام کے سب سے زیادہ جان کار ہیں۔ نیز ان کے متعلق فرمایا: ''ياتي معاذ بين يدي العلماء برتوة'' کہ معاذ قیامت کے دن دیگر علماء سے ایک قدم آگے رہیں گے -شرحبیل بن حسنہ، ابو الدرداء اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم، اسی طرح مصر میں حضرت ابوذر، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے، حمص میں تو ستر (۷۰) بدری صحابہ رہ چکے ہیں، یہی حال دیگر چھاؤنیوں کا ہے، چنانچہ سرزمین عراق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ تھے، اور امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی وہاں مقیم ہو گئے تھے جن کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام نے بود وباش اختیار کر لی تھی، مگر ان حضرات میں سے کسی نے بھی مغرب وعشاء کے درمیان جمع حقیقی کبھی نہیں کیا۔

اسی قبیل سے ''القضاء بشهادةٍ ويمين'' (ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کی قسم کی بناء پر فیصلہ کرنے کا مسئلہ بھی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ میں برابر اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا رہا

ہے مگر شام، حمص، مصر، اور عراق وغیرہ بلاد اسلامیہ میں صحابۂ کرام نے کبھی اس کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، اور نہ خلفائے راشدین نے ایسا کرنے کے سلسلہ میں انھیں کچھ تحریر فرمایا۔

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے - اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ احیائے سنت کے کس قدر حریص تھے؟، اقامتِ دین، اصابتِ رائے، اور سلف کے طریقۂ کار کی واقفیت اور اتباع میں کیا مقام و مرتبہ رکھتے تھے؟ - تو ان کو رُزیق بن حکیم نے لکھا کہ آپ تو خود بھی جب مدینہ کے گورنر تھے تو ایک گواہ اور صاحبِ حق کی قسم کی بنیاد پر فیصلے کیا کرتے تھے، تو انھوں نے جواب لکھا کہ ہم مدینہ میں تو اس پر فیصلے کیا کرتے تھے، مگر اہل شام کو ہم نے اس کے علاوہ پر کار بند پایا، اس لیے اب تو ہم دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر ہی فیصلہ کرتے ہیں، اسی طرح انھوں نے بارش کی وجہ سے عشاء و مغرب کو جمع نہیں فرمایا جب کہ بارش ان کے گھر میں موسلا دھار ہوتی تھی''۔(۳۲)

فقہی اختلاف میں ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق صحابہؓ کے طریق سے انحراف ہے

اجتہادی مسائل میں اختلافات دورِ صحابہ میں بکثرت رونما ہوئے، ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا مگر کسی نے ایک دوسرے کی تفسیق یا تضلیل نہیں کی، بلکہ خود نبی کریم ...... کی زندگی میں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں، غزوۂ احزاب کے معاً بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنو قریظہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ''لا یصلین أحد کم العصر إلا فی بنی قریظۃ'' کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہونچ کر، راستہ میں عصر کا وقت ہوگیا، بعض حضرات نے نماز قضا ہونے کے اندیشہ سے نماز راستہ ہی میں پڑھ لی، اور آں حضرت ﷺ کے قول کو بنو قریظہ جلد پہونچنے کی تاکید پر محمول کیا، اور بعض حضرات نے ارشاد نبوی کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے نماز قضا ہونے کی پرواہ نہیں کی اور بنو قریظہ ہی میں پہونچ کر نماز عصر ادا کی، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فریقین میں سے ہر ایک کی تصویب فرمائی اور کسی کی تغلیط نہیں فرمائی۔(۳۳)

چاروں فقہی مسالک بھی صدیوں سے مسلم چلے آرہے ہیں، ان میں مسائل و دلائل کے اختلاف کے باوجود کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں تھی کہ فلاں مسلک یا فلاں مکتبۂ فکر طریقۂ رسول ﷺ کے خلاف ہے، بلکہ چاروں مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کو رسول اللہ ...... کا تابعدار جانتے اور سمجھتے تھے، مگر تیرہویں صدی ہجری میں جب ایک نئی جماعت جو خود کو ''اہل حدیث'' کہتی ہے وجود میں آئی تو اس جماعت نے ان تمام فروعی اختلافات میں اپنے اختیار کردہ مسئلہ کو قطعی قرار دے کر اس کے خلاف عمل کرنے والوں کی تکفیر، تفسیق اور تضلیل کی طرح ڈال دی ، اس جماعت کے اہل سنت والجماعت سے الگ ہوکر ضلالت و گمراہی میں پڑنے کی بنیادی وجہ ان لوگوں کا ادلۂ شرعیہ کا فرق مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا ہے، اور اپنے اختیار کردہ ہر مسئلہ کو قطعی سمجھنا اور دوسرے پہلو کو

اختیار کرنے والوں کی تضلیل وتفسیق کرنا ہے، اسی وجہ سے گمراہ فرقوں کی دیگر خصوصیات بھی اس فرقہ میں درآنے لگیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے والی جملہ سازشوں سے اسلام اور ملتِ اسلام کی حفاظت فرمائے، اور صحیح معنوں میں صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین کا اتباع نصیب فرمائے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه أجمعين

حوالہ جات

(۱) سورۂ توبہ، آیت ۱۰۰　　(۲) سورہ نساء، آیت ۸۳
(۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۱۹۱　　(۴) حجرات، ۶
(۵) الاسراء، ۳۶　　(۶) مقدمہ صحیح مسلم
(۷) بخاری، باب الاستیذان والتسلیم ثلاثا　　(۸) فیض القدیر للمناوی ۱/۲۲۵
(۹) نور، ۱۶　　(۱۰) غریب الحدیث للخطابي ۱/۶۶
(۱۱) غریب الحدیث ۱/۶۷　　(۱۲) السنن الکبری ۵/۳۰۰
(۱۳) رواه الطبراني فی الکبیر ۱/۲۴۶، وقال الهیثمي فی مجمع الزوائد ۱/۱۵۳: رجاله رجال الصحیح
(۱۴) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها ۱۴۸۰
(۱۵) بخاری، کتاب الجنائز، رقم ۱۲۸۸
(۱۶) الإجابة فی ما استدرکته عائشة علی الصحابة ص ۱۱۵، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبة، ص ۹۸
(۱۷) واقعہ کے لیے دیکھیے: تفسیر قرطبی ۷/ ۱۱۷　　(۱۸) تفسیر قرطبی ۷/ ۱۱۸
(۱۹) نیل الاوطار، کتاب الصداق، ۷/۳۵۹
(۲۰) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وهو جنب
(۲۱) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء. الاجابة للزرکشی ص ۷۸
(۲۲) مسلم، فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها　　(۲۳) سنن دارمی، باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها
(۲۴) صحیح مسلم، باب حکم ضفائر المغتسلة
(۲۵) یہ حدیث صحیحین اور دوسری کتب میں مختلف الفاظ سے منقول ہے، مذکورہ سیاق حازمی کی ''الاعتبار'' ص ۲۸۳ سے منقول ہے
(۲۶) سنن ابی داود، کتاب الحج / باب فی وقت الاحرام
(۲۷) الإجابة للزرکشی ص ۱۲۰
(۲۸) سنن ترمذی، طهارة / باب ما جاء فی الوضوء مما غیرت النار
(۲۹) الاجابة، ص ۱۲۱-۱۲۲، السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی　　(۳۰) سورۂ نور، آیت ۵۵
(۳۱) سورۂ حج، آیت ۴۱　　(۳۲) إعلام الموقعین ۳/۸۳ تا ۸۸
(۳۳) بخاری ومسلم

مولانا سید محمد غفران ندوی ☆

علوم حدیث دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں

تمہید

اللہ تبارک وتعالی کی مشیت کاملہ نے جب اپنی آخری شریعت کو مکمل فرمایا اور اعلان ہوا:

''اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دیناً'' (المائدة:۳)

اور قرآن کو آخری کتاب ہدایت قرار دیا وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبيين'' (الأحزاب:۴۰) کا لقب مرحمت فرمایا اور تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیۂ نفس (آل عمران:۱۶۴) کا فریضہ ان کے سپرد کیا ساتھ ہی بیان کتاب اللہ وشرح قرآن کی ذمہ داری بھی تفویض فرمائی اور فرمایا ''وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم'' (النحل:۴۴) اور اقوال رسول کو بھی وحی کا درجہ دیا اور مشککین کے شکوک کی تردید اس طرح کی کہ ''وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى'' (النجم:۳-۴) پھر شریعت اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت یوں متعین فرمائی کہ

''يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم'' (الأعراف:۱۵۷)

اور مسلمانوں کو حکم دیا: ''وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا'' (الحشر:۷) اس طرح اللہ تعالی نے وضاحت کے ساتھ اپنے رسول علیہ السلام کو چار حیثیتوں سے متعارف کرایا۔

۱- رسول اللہ وخاتم النبیین
۲- معلم کتاب وحکمت ومربی خلائق
۳- شارح کتاب الہی
۴- کلام رسول وحی ہے

ان خدائی اعلانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے قلوب میں اللہ کے رسول کی حیثیت مسلم ہوگئی

☆ معاون مدرس، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تھی اور وہ ان سے قرآن کے ساتھ احادیث کو بھی اسی اہتمام وانتظام سے قبول کرتے تھے اور خدا نے تو ان کو یہی حکم بھی دیا تھا ''وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا '' (الحشر:۷) اور بحکم رسول ان کی تبلیغ نشرواشاعت کا کام بھی شروع کردیا اور جب ''فلیبلغ الشاھد الغائب '' (۱) کا حکم ان کو ملا تو انہوں نے اس کام کو اور وسیع منظم پیمانے پر انجام دینا شروع کیا اور نہایت امانت داری، حفاظت، احتیاط اور تحقیق کے بعد انہوں نے اس عظیم سرمائے کو تابعین تک منتقل کیا، انہوں نے حدیث کو قبول کرنے اور اس کو بیان کرنے کے اصول متعین فرمائے اور ان کا التزام کیا جھوٹوں سے روایت قبول نہیں کی، حدیث رسول میں جھوٹ، اضافہ غلطی سے وہ سب محفوظ رہے حتی کہ امت کے علماء واہل اصول نے بالاتفاق ان کو عدالت وثقاہت کی سند تفویض کی۔

صحابہ

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے صحابی کی تعریف یوں بیان کی ہے ''صحابی وہ ہے کہ جس کی بحالت اسلام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ہو اور اس کا انتقال بھی اسی حالت میں ہوا ہو'' (۲)۔

عدالت صحابہ

عدالت صحابہ پر قرآن کی کئی آیات شاہد ہیں مثلاً:

اللہ تعالی نے اصحاب رسول کے بارے میں فرمایا کہ وہ دشمنان اسلام کے لئے سخت ہیں اور اہل اسلام کے لئے نرم ہیں، عبادت ان کا مشغلہ ہے اور رضائے الہی کی جستجو ان کا مقصد اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا" (الفتح: ۲۹)

دوسری جگہ ان کے اخلاص کی شہادت دی اور اپنی رضامندی کا پروانہ ان کو دیا:

"والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه (التوبة: ۱۰۰)

ان کے ایمان کی شہادت دی اور اپنی تائید سے نوازا اور اپنی جماعت قرار دیا:

''أولئک كتب في قلوبهم الإيمان وأيدهم بروح منه ويدخلهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا رضي الله عنهم ورضوا عنه، أولئک حزب الله ألا إن حزب الله هم المفلحون" (المجادلة: ۲۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امت اسلام کا افضل ترین طبقہ قرار دیا ہے: ''خير القرون قرني ثم الذين

يلونهم ثم الذين يلونهم''(۳)

اوران پر زبان درازی سے منع فرمایا ہے:

''لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه''(۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور جملہ:

''أولئک أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا وأقومها هديا وأحسنها حالا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه وإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم في آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدي المستقيم''(۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''هم فوقنا في كل علم وعقل ودين وفضل وكل سبب ينال به علم أو يدرک به هدي، ورأيهم لنا خير من رأينا لأنفسنا'' (٦)

عدالت صحابہ عقائد اھل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے، یہ وہ مسئلہ ہے جس پر امت کے معتبر طبقات کا اجماع ہے کہ ''الصحابة كلهم عدول '' کتاب وسنت اور اقوال ائمہ سے بھی یہ بات ثابت ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں(۷) خطیب بغدادی نے ''الكفاية في علم الرواية ''میں (۸) امام ابن الصلاح نے ''علوم الحدیث'' میں (۹) صحابہ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے، حتی کہ صنعانی نے اپنی کتاب ''توضیح الأفکار'' میں زیدیہ اور معتزلہ کا بھی اس مسئلہ میں اجماع نقل کیا ہے(۱۰) واللہ أعلم

جہاں تک عقلا وقیاسا عدالت صحابہ کے ثبوت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں امام خطیب بغدادی کا قول پیش کرنا مناسب حال ہے فرماتے ہیں:

''على أنه لو لم يرد من الله عز وجل فيهم شيء مما ذكرنا لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد والنصرة وبذل المهج والأموال وقتل الآباء والأولاد والمناصحة في الدين وقوة الإيمان واليقين، القطع على عدالتهم والاعتقاد بنزاهتهم، وأنهم أفضل من جميع المعدلين والمزكين الذين يجيئون بعدهم أبد الآبدين''(۱۱)

امت کے نزدیک صحابہ کے اس متفقہ مقام و مرتبہ کے پیش نظر امام ابوزرعہ رازی لکھتے ہیں:

''إذا رأيت رجلا ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى وهم زنادقة''(۱۲)

صحابہ کی عدالت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ان کو ''حزب اللہ'' کے لقب سے ملقب فرمایا ہے اور اپنی رضا کا پروانہ ان کو عطا کیا مزید یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دور کو ''خیر القرون'' سے متصف فرمایا ہے، صحابہ کا زمانہ پہلی صدی ہجری کے اختتام بلکہ دوسری صدی ہجری کے آغاز تک ممتد ہے، کیونکہ سب سے اخیر میں جن صحابی کا انتقال ہوا ہے وہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۰ھ ہیں۔

ہم اپنے اس مقالہ میں صحابہ کے مکمل عہد سے گفتگو نہ کر کے صرف خلافت راشدہ کے اختتام یعنی ۴۰ھ تک ہی گفتگو کو محدود رکھیں گے۔

صحابہ کے دور میں روایت حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قلوب میں اللہ کے رسول کی محبت رچ بس گئی تھی وہ آپ ؐ کے احکام کو جاننے، تعلیمات کو سیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو جاننے کے مشتاق رہتے، ان کو معلوم تھا کہ یہی شخصیت ان کے لئے مکمل نمونہ ہے، دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھی اس سلسلہ میں ان کو احکامات ملتے رہتے تھے اور علم سیکھنے اور اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لینے کے فضائل بیان کئے جاتے تھے مثلاً:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نضر الله امرءا سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ورب حامل فقه ليس بفقيه'' (۱۳) نیز: ''بلغوا عني ولو آية''(۱۴)

''ألا فليبلغ الشاهد الغائب''(۱۵)

چنانچہ انہوں نے کامل ضبط و اتقان، احتیاط و حفاظت کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا اور جس جس طرح سے ان سے یہ کام ہو سکتا تھا انہوں نے کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے اور روایت کے حصول میں انہوں نے اپنے آپ کو لگا دیا تب جا کر یہ عظیم سرمایہ محفوظ و مکمل شکل میں ہم تک پہنچا۔

صحابہ کا ابتدائی دور وہ دور ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ان کے درمیان موجود تھے، ان کو جب کبھی کوئی اشکال ہوتا یا کچھ پوچھنا ہوتا تو وہ خود جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے، اللہ تعالی نے ان کو اس کا حکم بھی دیا تھا ''فإن تنازعتم فی شیئ فردوہ إلی اللہ والرسول ''(النساء:۵۹) لہذا ابتدائی عہد میں روایات کی تحقیق اور راویوں کے احوال کی تفتیش کی ضرورت اس لئے نہ تھی کہ صحابہ کرام کلام الٰہی اور حدیث نبوی کی شہادت کے مطابق صادق و عادل تھے، ان کے دور کا امتیاز یہ ہے کہ یہ دور سچائی کا دور تھا، صحابہؓ اپنی مجالس میں بھی جھوٹ سے پاک تھے تو کلام رسول میں جھوٹ کا صدور ان سے کیونکر ہوسکتا تھا، پھر وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ''کان یحدث بعضنا بعضا، ولا یتھم بعضنا بعضا''(۱۳) انہیں کا قول ہے کہ ''واللہ ما کنا نکذب ولا ندري ما الکذب''(۱۴)

اس دور میں روایت اور تحمل حدیث کی درج ذیل شکلیں سامنے آئیں:-

الف- السماع من لفظ الشیخ: یہ تحمل حدیث کی سب سے اعلی قسم ہے، ابن الصلاح کا کہنا ہے ''أرفع درجات أنواع الروایۃ عند الأکثرین(۱۵) صحابہ براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تعلیمات واحکامات اخذ کیا کرتے تھے، کبھی تو بذات خود سوال کر کے، جیسے حضرت قیس اپنے والد طلحہ سے روایت کرتے ہیں:

''أنہ سأل النبي صلی اللہ علیہ وسلم أو سألہ رجل، فقال بینما أنا في الصلاۃ ذھبت أحک في فخذی، فأصابت یدي ذکري؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: ھل ھو إلا بضعۃ منک'' (۱٦)

یا کبھی کسی دوسرے کے ذریعہ سے سوال کا جواب طلب کرتے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کنت رجلا مذاء فکنت أستحیي أن أسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمکان ابنتہ، فأمرت المقداد بن الأسود فسألہ فقال: یغسل ذکرہ ویتوضأ''(۱۷)

ب- براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے اقوال کو اخذ کرتے تھے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، حرکات وسکنات وغیرہ کا مشاہدہ کرتے اور اپنے لئے احکامات حاصل کرتے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''أوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أول اللیل وآخرہ وأوسطہ فانتھی وترہ إلی السحر''(۱۸)

ج- کبھی وہ تعلیمات نبویہ اپنے ساتھیوں سے حاصل کرتے تھے۔

حضرت براء بن عازب بیان فرماتے ہیں:

''ما کل الحدیث سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحدثنا

أصحابنا وكنا مشتغلين في رعاية الإبل، وأصحاب رسول الله كانوا يطلبون ما فاتهم سماعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسمعونه من أقرانهم وممن هو أحفظ منهم"(۱۹)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسی کے ساتھ باری لگا رکھی تھی اور دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضری دیا کرتے تھے اور واپس آکر ایک دوسرے کو حدیثیں سنایا کرتے تھے(۲۰)

اس طرح کی مثالوں سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ عہد صحابہ میں خبر واحد قابل قبول تھی اور صحابہ خبر واحد پر اعتماد کیا کرتے تھے اور اس کو قبول کرتے تھے(۲۱) اس سلسلہ میں ایک روایت پیش کرنا کافی ہوگا۔

"جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني رأيت الهلال، يعني هلال رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله؟ قال: نعم! قال: يا بلال أذن في الناس أن يصوموا غدا"(۲۲)

صحابہ اور حفاظت حدیث

اس باب میں دلیل کے طور پر حدیث نبوی کا وہ سرمایہ کافی ہے جو ہمارے سامنے مجامیع اور مسانید وغیرہ کی شکل میں موجود ہے، صحابہ نے بعنایت اہتمام اولین روز سے ہی اقوال رسول وافعال وتقریرات حتی کہ حرکات وسکنات، نشست وبرخاست سب کو محفوظ کیا اور دوسروں تک پہنچانے کا التزام کیا۔

ہم یہاں پر ان صحابہ کے نام لینے پر اکتفاء کرتے ہیں جن کو بکثرت حدیثیں یاد تھیں:

۱- حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ متوفی ۵۹ھ بعمر ۷۱ سال، تعداد روایت ۵۳۷۴

۲- حضرت عبدالرحمٰن بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ بعمر ۷۱ سال، تعداد روایت ۲۶۶۰

۳- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۸ھ بعمر ۶۷ سال، تعداد روایت ۲۲۱۰

۴- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ بعمر ۸۴ سال، تعداد روایت ۱۶۳۰

۵- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ بعمر ۹۴ سال، تعداد روایت ۱۵۶۰

۶- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ بعمر ۱۰۳ سال، تعداد روایت ۱۲۸۶

۷- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ بعمر ۸۴ سال، تعداد روایت ۱۱۷۰

یہ وہ جلیل القدر صحابہ ؓ ہیں جن کو ہزار سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ متوفی ۶۳ھ حضرت علی ؓ متوفی ۴۰ھ وغیرہ کا شماران صحابہ میں ہوتا ہے جن کی روایات کی تعداد پانچ سو اور ہزار کے درمیان ہے(۲۳)

روایت کو قبول کرنے میں صحابہ کا احتیاط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں روایات کو حاصل کرنے، ان کی حفاظت کرنے اور دوسروں تک ان کو پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن روایات کی حفاظت کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں انہوں نے اصول وضوابط متعین کئے۔

۱- إنما يفتري الكذب الذين لا يؤمنون بآيات الله وأولئك هم الكاذبون (النحل: ۱۰۵)

۲- ولا تقف ما ليس لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا (الإسراء: ۳۶)

۳- يآأيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا أن تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين (الحجرات: ۶)

اس آیات کے نزول کے بعد وہ فاسق شخص کی روایت کو بغیر تحقیق کے قبول کرنے سے پرہیز کرنے لگے۔

احادیث نبویہ

۱- من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار(۲۴)

۲- من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين(۲۵)

۳- كفى بالمرء أن يحدث بكل ما سمع(۲۶)

۴- إن كذبا علي ليس ككذب على أحد(۲۷)

ان روایات وتعلیمات کی روشنی میں صحابہ نے احادیث کی صحت وضعف اور رواۃ حدیث کی تحقیق وتنقید سند کا عظیم کام انجام دیا اور سند ومتن حدیث پر نقد کے اصول مرتب کئے۔

صحابہ کے دور میں روایات پر نقد وتحقیق

نقد احادیث وتحقیق رواۃ کے اعتبار سے صحابہ کے عہد کو تین مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا مرحلہ

یہ علوم حدیث کے آغاز کا زمانہ ہے اس کی ابتداء بعثت نبوی سے ہوتی ہے اور اختتام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہوتا ہے، اس دور میں تمام احادیث محفوظ کی گئیں یا تو یادداشت کے ذریعہ یا پھر تحریر وتعامل کے ذریعہ، اس عہد کا خاصہ یہ ہے کہ اس عہد میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جھوٹ کی ایک بھی مثال ہمیں نہیں ملتی، یہ عہد اس لعنت سے مکمل طور پر پاک

ہے، پھر بھی صحابہ نے اس عہد میں روایت حدیث کے چند ضابطے متعین کئے جن میں سے کچھ اس طرح ہیں:

۱- جھوٹ کی حرمت

صحابہؓ عام بول چال میں بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے چہ جائے کہ حدیث نبوی میں جھوٹ بولتے، حضرت انسؓ کا قول پیچھے گذرا ''والله ما كنا نكذب وما ندري ما الكذب'' نیز ''كان يحدث بعضنا بعضا ولا يتهم بعضنا بعضا''

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

"إذا حدثتكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا فلأن أخر من السماء أحب إلي من أن أكذب عليه'' (۲۸)

۲- صحابہؓ فاسق شخص کی روایت کو تحقیق کے بعد ہی قبول کرتے اسی طرح اگر کسی روایت میں ان کو شبہ لاحق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کر کے دریافت کر لیتے تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں: ''وكانوا يشددون على من يسمعون منه'' (۲۹)

حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے فرماتے ہیں:

"سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان فقرأ فيها حروفا لم يكن نبي الله صلى الله عليه وسلم أقرأنيها، فأردت أن أساوره وأنا في الصلاة، فلما فرغت قلت من أقرأک هذه القراء ة؟ قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم، قلت: كذبت والله، ما هكذا أقرأک رسول الله صلى الله عليه فأخذت بيده أقوده، فانطلقت به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت يا رسول الله! إنک أقرأتني سورة الفرقان، وإني سمعت هذا يقرأ لم تكن أقرأتنيها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هكذا أنزلت" ثم قال لي! اقرأ فقرأت فقال هكذا أنزلت إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤا ماتيسر'' (۳۰)

۳- روایت بیان کرنے میں احتیاط

تمام صحابہ کرامؓ بکثرت روایت نہیں کرتے تھے البتہ بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مستقل رہنے کے باوجود حدیث بیان کرنے اور کسی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے سے گھبراتے تھے اور احتیاطاً روایتیں کم ہی بیان کرتے تھے۔ مثلاً حضرت انسؓ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو گھبرا جاتے اور فرماتے ''أو كما قال رسول الله صلى الله

علیہ وسلم ''(۳۱) تاکہ غلطی سے بھی کوئی ایسی بات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہوجائے جو آپ نے نہ کہی ہو، صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کا بھی یہی طرز عمل تھا۔

دوسرا مرحلہ

یہ مرحلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے شروع ہوکر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتہی ہے۔

اس دور میں مزید احتیاط اور تثبت سے کام لیا گیا، صرف صحیح روایات کی نشر واشاعت کے پیش نظر کثرت سے حدیث بیان کرنے سے پرہیز کیا گیا، روایت کو قبول کرنے میں تحقیق وموازنہ سے کام لیا گیا، ضرورت پڑنے پر قسم بھی لی گئی اور کبھی تائید کے لئے دوسرے راوی صحابی کی شہادت بھی طلب کی گئی نیز قرآن وحدیث کے بیان کردہ اصول وضوابط سے احادیث کا موازنہ بھی کیا گیا۔

۱-روایت کرنے میں احتیاط

عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت بیان کی اور کہا:

''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فنكس، قال فنظرت إليه فهو قائم محللة إزرار قميصه، قد اغرورقت عيناه، وانتفخت أوداجه، قال: أو دون ذلك أو فوق ذلك أو قريبا من ذلك أو شبيها بذلك''(۳۲)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں، ہم نے زید بن ارقمؓ سے حدیثیں بیان کرنے کو کہا تو انہوں نے فرمایا:

''كبرنا ونسينا والحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شديد''(۳۳)

۲-کثرت روایت سے پرہیز

حضرت انسؓ فرماتے تھے:

''إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثا كثيرا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ''من تعمد علي كذبا فليتبوأ مقعده من النار''(۳۴)

سائب بن یزیدؒ کہتے ہیں میں سعد بن مالکؓ کے ساتھ مدینہ سے مکہ گیا؛ لیکن میں نے ان سے کوئی حدیث نہ سنی (۳۵)

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا اس سلسلہ میں احتیاط مشہور ہے، یہ حضرات بلاضرورت روایت بیان کرنے سے منع فرماتے تھے اور ضرورت پڑنے پر مزید اطمینان کے لئے ثبوت اور شہادت بھی طلب کرتے تھے، اسی طرح حضرت علیؓ بسا اوقات روایت بیان کرنے والے سے قسم لیا کرتے تھے، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی غلط بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

۳- روایت قبول کرنے اور بیان کرنے میں تحقیق و تفتیش:

حضرت ابوبکرؓ نے ایک روایت بیان کی پھر فرمایا: ''هو كما حدثتك، أى أرض تقلني إذا أنا قلت ما لم أقل'' (۳۶)

ابن شہاب کی روایت ہے کہ ایک ضعیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور میراث میں دادی کے حق کا مطالبہ کرنے لگی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کتاب اللہ اور حدیث رسولؐ میں مجھے کوئی حکم نہیں ملا، پھر لوگوں سے پوچھا:

''فقام المغيرة فقال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيها السدس، فقال له: هل معك أحد؟ فشهد محمد بن مسلمةؓ بمثل ذلك فانفذه لها أبو بكرؓ'' (۳۷)

مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ذہبی کی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' کی پہلی جلد (۳۸)

۴- روایات پر نقد اور مدلولات قرآنیہ سے ان کا موازنہ:

اس دور میں صحابہ کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کی جاتی جس کے بارے میں ان کو شبہ ہوتا تو وہ اس کو قرآن وحدیث کے عام اصول کے ذریعہ پرکھتے پھر کوئی فیصلہ کرتے، حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے:

''أنه سمع حديث فاطمة بنت قيسؓ أن زوجها طلقها ثلاثا فلم يجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم لها سكنى ولا نفقة، فقال عمرؓ: لا نترك كتاب الله وسنة نبينا لقول امرأة لا ندري لعلها حفظت أو نسيت، لها السكنى والنفقة، قال الله عز وجل: "لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة" (الطلاق: ۱) (۳۹)

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے سامنے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بیان کی گئی کہ میت پر اگر نوحہ کیا جائے تو اس کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ نے اس روایت کو رد کردیا اور دلیل میں قرآن کی آیت پیش کی ''ولا تزر وازرة وزر أخرى'' (الأنعام: ۱۶۴) (۴۰)

تیسرا مرحلہ

اس مرحلہ کا آغاز حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہوتا ہے اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک محیط ہے۔

اس دور میں سابقہ ادوار کے اصول وضوابط علی حالہ باقی رہے لیکن اس دور میں احتیاط میں مزید شدت آئی، رواۃ کے حالات اور سند وغیرہ بیان کرنے کا اہتمام کیا جانے لگا۔

صحابہ کا دور اول کذب وافتراء سے پاک تھا، شک وشبہ کے وقت وہ بذات خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرلیا کرتے تھے، اس کے بعد خلافت راشدہ کے آغاز میں لوگوں کا حال وہی رہا لیکن خلفائے راشدین نے خاص کر اور تمام علمائے صحابہ نے عام طور پر روایت حدیث میں احتیاط وتثبت سے کام لینا شروع کردیا، جس کی وجہ سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جھوٹ، ملاوٹ اور افتراء سے پاک رہا، کبھی روایت میں اگر شک وشبہ ہوتا تو صحابہ اس کو اس طرح حل کرتے کہ کبھی تو راوی سے قسم لیتے اور کبھی دوسرے راوی کی شہادت طلب کرتے اور کبھی خود ہی روایت کو قرآن وحدیث سے موازنہ کرکے پرکھتے۔

لیکن جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا اور عالم اسلام فتنہ کی زد پر آگیا، مسلمان کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئے، فرق باطلہ نے اپنے مسلک ونظریات کی تائید کے لئے حدیثیں گڑھنی شروع کردیں اور اس طرح موضوع روایت کا چلن عام ہوا۔

دوسری طرف یہ بات بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالی نے اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے ''إنا نحن نزلنا الذکر وإنا لہ لحافظون '' (الحجر:۹) لہذا اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے اور اسلامی شریعت کے مصدر ثانی کی حفاظت کے لئے اللہ تعالی نے ایسے علماء ومحققین کو کھڑا کیا جنہوں نے پوری بیدار مغزی، مہارت، احتیاط وتحقیق کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کیا، حدیث نبوی کو غلط تاویلات باطل تحریفات سے بچایا، صحیح اور غلط کو الگ الگ کیا، احادیث رسول اور موضوع روایات کے درمیان امتیاز کیا، اور حفاظت حدیث کے لئے ایسے اصول وضوابط متعین کئے جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے اور انہوں نے ان ہی قواعد وضوابط کی روشنی میں حدیث کی نشر واشاعت اور اس کی حفاظت کا سفر طے کیا۔

۱-سند بیان کرنے کا التزام

اس دور سے قبل صحابہؓ اس کا اہتمام نہیں کرتے تھے، حدیث کو سند کے ساتھ اور سند کے بغیر بھی قبول کرلیا کرتے تھے، لیکن جب فتنہ کا دور آیا تو سند حدیث بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا، امام ابن سیرینؒ کہتے ہیں:

''لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة، قالوا سموا لنا رجالکم فینظر إلی أھل السنة فیؤخذ حدیثھم وینظر إلی أھل البدع فلا یؤخذ حدیثھم'' (۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک واقعہ منقول ہے کہ ان کے پاس بُشیر عدوی آئے اور حدیث بیان کرنے لگے، ابن عباسؓ ان کی بات نہ سن رہے تھے اور نہ ہی ان کی طرف دیکھ رہے تھے، تو انہوں نے کہا اے ابن عباسؓ! تم میری بات نہیں سن رہے؟ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کررہا ہوں، تب ابن عباسؓ نے کہا:

'' إنا کنا مرة إذا سمعنا رجلا یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ

أبصارنا، وأصغينا إليه بآذاننا، فلما ركب الناس الصعب والذلول، لم نأخذ من الناس إلا ما نعرف''(۴۲)

۲-رواۃ کے حالات کی تحقیق

اس دور میں اس بات کا بھی اہتمام کیا جانے لگا کہ حدیث کی روایت کرنے والے افراد کی تحقیق کی جائے اوران کے مذہب وعقیدے کا بھی علم حاصل کیا جائے اور یہ قاعدہ مشہور ہوا ''إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذوا دينكم ''(۴۳) حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ قول ''لم نأخذ من الناس إلا ما نعرف '' اورابن سیرین کا قول: ''سموا لنا رجالكم''

اس طرح ایک نیا علم وجود میں آیا جس کو بعد میں علم الجرح والتعدیل کا نام دیا گیا،صحابہ میں متعدد لوگوں نے اس بات کا اہتمام کیا جن میں سرفہرست عبداللہ بن عباسؓ، عبادۃ بن الصامتؓ، اُنس بن مالکؓ وغیرہ، لیکن اس دور میں کذب اور ضعف کی کمی کی وجہ سے روایوں کے حالات کی تحقیق زیادہ نہیں کی جاتی تھی (۴۴)

۳-پہلے راوی سے حدیث سننے کے لئے سفر

حدیث نبوی کے اندر جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو اور جھوٹی حدیث کی روایت سے بچنے کے لئے صحابہ نے ایک طریقہ یہ نکالا کہ حدیث کو اس کے پہلے راوی سے ہی حاصل کیا جائے، چنانچہ اس کے لئے انہوں نے اس کی خاطر بڑی محنتیں کیں، لمبے لمبے اسفار کیے، حتی کہ خطابی نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام رکھا ''الرحلة في طلب الحديث '' ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس گئے اور کہا اللہ کے رسول سے سنی ہوئی حدیث بیان کرو، تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی: ''سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ''من ستر على مؤمن في الدنيا ستره الله يوم القيامة'' اس کے بعد ابوایوبؓ اپنی سواری کے پاس آئے واپسی کا سفر اختیار کیا (۴۵)

۴-متون حدیث پر نقد وتحقیق

اگر صحابہ کے سامنے کوئی ایسی روایت بیان کی جاتی جس کے بارے میں ان کو شبہ ہوتا تو وہ اس حدیث کا موازنہ کرتے اور دوسرے صحابی کے پاس محفوظ روایت سے اس کا موازنہ کرتے، امام مسلم نے ابن ملیکہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

''كتبت إلى ابن عباسؓ أن يكتب لي كتابا ويخفي عنه، فقال ولد ناصح، وأنا اختار له الأمور اختيارا وأخفي عنه.

قال: فدعا بقضاء علي، فجعل يكتب منه أشياء ويمر بشيء فيقول والله ما قضى بهذا علي إلا أن يكون قد ضل"(۴۶)

۵- منکر اور ایسی روایات کے بیان کرنے سے اجتناب جو عام لوگوں کے فہم سے بالاتر ہو:

حضرت علی کا کہنا تھا کہ: ''حدثوا الناس بما يعرفون أتريدون أن يكذب الله ورسوله''(۴۷) اس حکم کے پیچھے مقاصد یہ تھے، اس قسم کی حدیثیں لوگوں کے فہم سے بالاتر ہوتی تھیں، اس لئے وہ راوی کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہیں، جس سے ثقہ لوگوں کی ثقاہت پر اثر پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے لوگ اس حدیث کے طرح طرح کے مطلب نکالیں گے اور مختلف معانی بیان کریں گے، تیسرے یہ کہ دین کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔

اس کی مثال وہ واقعہ بھی ہے، جس کو امام بخاری نے کتاب العلم میں نقل کیا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے صدق دل سے لا إله إلا الله کہہ دیا تو اللہ تعالی اس پر جہنم کو حرام قرار دے گا، حضرت معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں یہ بشارت لوگوں کو بھی سنا دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! ایسا نہ کرو ورنہ لوگ اسی پر اکتفاء کرلیں گے، حضرت معاذؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ روایت اس لئے بیان کی کہ وہ کتمان علم کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔

اسی طرح خیر القرون کی اس جماعت نے حدیث نبوی کی نشر واشاعت کی اور ہر طرح کی تحریف، جھوٹ، باطل تاویلات اور اضافے سے حدیث کی حفاظت کی اور اپنے بعد آنے والوں کو آگاہ کردیا اور حفاظت حدیث کے لئے اصول وضوابط کی بنیاد ڈال دی، جس کی روشنی میں بعد کے ادوار میں علوم حدیث وعلم جرح وتعدیل وغیرہ جیسے وسیع علوم وجود میں آئے۔

حواشی

(۱) بخاری ۱۶۵۲ نیز ۲۶۶۷
(۲) الإصابة في تمييز الصحابة ۱/۱۰
(۳) الإصابة ۱/۲ نیز بخاری، کتاب فضائل الصحابہ ۳۴۵۱
(۴) بخاری ۳۴۷۰ و مسلم ۲۵۴۰
(۵) جامع بيان العلم وفضله ۱/۱۷۸
(۶) ملاحظہ ہو: لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث، ص:۵۵
(۷) ۱/۸
(۸) ص:۴۹
(۹) ص:۲۶۵
(۱۰) ۲/۴۶۹
(۱۱) الكفاية في علم الرواية ص:٤٩
(۱۲) ملاحظہ ہو، منهج النقد في علوم الحديث، ص:١٢٤
(۱۳) الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، ص:١/١٢
(۱۴) أيضا ١/١١٧
(۱۵) علوم الحديث لابن الصلاح، ص:١٢٢
(۱۶) معرفة علوم الحديث، ص:١٣٢ — مسند أحمد ٥/٤٥٩
(۱۷) مسلم كتاب الطهارة، حديث:٣٠٣
(۱۸) مسند أحمد ٢/٦٤
(۱۹) معرفة علوم الحديث، ص:١٤
(۲۰) ترمذي، حديث:٣٣١٨ وقال: هذا حديث حسن صحيح
(۲۱) تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ کریں السنة قبل التدوين ١٣٢—١٨٨
(۲۲) الترمذي كتاب الصوم، حديث:٦٩١۔ عن ابن عباس رضي الله عنهما
(۲۳) صحابہ کی روایات کی تعداد کے لئے ملاحظہ ہو ابن حزم الظاہری الاندلسی کا رسالہ "الصحابة الرواة وما لكل واحد من العدد" طبع كلكته، هند
(۲۴) بخاری، حدیث:۳۴۷۴
(۲۵) ابن ماجه برقم ٣٨—٣٩—٤٠
(۲۶) مسلم في المقدمة برقم٧
(۲۷) بخاري برقم ١٢٢٩
(۲۸) سنن ابن ماجه برقم ٥٠
(۲۹) معرفة علوم الحديث، ص:١٤
(۳۰) بخاری برقم ٢٢٧٨ / مسند أحمد ١/٢٢٤
(۳۱) سنن ابن ماجه برقم ٢٤
(۳۲) أيضا برقم ٢٣ — الجامع لأخلاق الراوي ۱/۹۸
(۳۳) سنن ابن ماجه برقم ٢٦
(۳۴) بخاری حدیث:۳۴۷۴
(۳۵) سنن ابن ماجه برقم ٢٩
(۳۶) تذكرة الحفاظ للذهبى ١/٤
(۳۷) أيضا ١/٤
(۳۸) ١/٣ — ١/٨، بخاري برقم ٥٨٩١ — مؤطا مالك بتحقيق الدكتور مصطفى الأعظمي برقم ٣٥٤٠ — مسند أحمد ٣٠/١٥٣، طبعة جديدة ١٤٣٠ھ—١٩٩٩ء
(۳۹) مسلم كتاب الطلاق برقم ٣٧٨٣
(۴۰) بخاري كتاب الجنائز برقم ١٢٨٨
(۴۱) مسلم، مقدمة الكتاب برقم ٢٧
(۴۲) أيضا برقم ٢١
(۴۳) أيضا:٢٦
(۴۴) منهج النقد في علوم الحديث، ص:٥٦
(۴۵) مسند أحمد برقم ١٧٣٩١، طبع جديد
(۴۶) مسلم في المقدمة برقم ۲۲-۲۳
(۴۷) بخاري برقم ۱۲۷

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

صحابہ کرامؓ اور حدیث رسول ﷺ

سب سے پہلی بات تو یہی ہے، ایک یا دو آدمی سے ظاہر ہے کہ اتنے واقعات کا احاطہ یقیناً ناممکن ہے، جو مشاہدہ کرنے والوں کی کثرت کی صورت میں ممکن ہے، پھر اسی کے ساتھ جب ہم اس کو بھی ملا لیتے ہیں کہ ان راویوں میں صرف مرد ہی نہیں؛ بلکہ عورتوں کی بھی ایک بڑی جماعت شریک ہے تو احاطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مورخین صرف مرد ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے محض وہی واقعات پہنچے ہیں جن کا تعلق گھر کے باہر کی زندگی سے ہے لیکن بجائے جلوت کے خلوت یا گھریلو زندگی کے حالات پر یقیناً پردہ پڑا رہتا اور ایسے بہت سے مسائل جن کا خصوصی تعلق صرف عورتوں سے ہے ان کے متعلق کوئی واضح ہدایت نامہ ہمارے پاس نہ ہوتا، لیکن کون نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پہلو جلوت کا ہو یا خلوت کا کسی کو راز میں نہیں رکھا گیا، راویوں کی کثرت اور ان کی مختلف نوعیتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ دوست ہی نہیں آج دشمن بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ ’’یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے‘‘، یہاں باسورتھ اسمتھ کی شہادت ہے جس کا اظہار اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی سیرت (ص ۱۰۸) میں کیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اگر ملحوظ رکھا جائے کہ باہر میں ہو یا اندر میں، قدرت نے ایسے اسباب فراہم کر دئے تھے کہ صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستانی قصبہ میں تقریباً دنیا کے بڑے بڑے قابل ذکر مذاہب یعنی بت پرستی، یہودیت، عیسایت، مجوسیت کے ماننے والوں کو مسلمان کر کے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں پہنچا دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی و تکمیلی زد میں دنیا کے تمام مذاہب پر جو پڑ رہی تھیں اس کے سمجھنے کے لئے خود ان مذاہب کے جاننے والوں کی ضرورت تھی، اور قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا تھا باہر میں بھی اور اندر میں بھی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اور عام طور پر لوگ اس سے واقف بھی ہیں، عملی طور پر ان عینی شاہدوں کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ قطع نظر اس سے کہ ایک واقعہ کے جب بہت سے دیکھنے والے ہوتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے خیال سے عموماً غلط بیانی کرنے میں ہچکچاتا ہے، اگر صحابہ کرام کے جن خصوصیات کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے ان کی بناء پر یوں بھی ان سے قصداً کسی غلط بیانی کی کون توقع کر سکتا ہے؛ لیکن جیسا کہ قرآن میں قانون شہادت کے ذکر کے سلسلے میں بیان کیا ہے، ایک گواہ کے سمجھنے یا یاد رکھنے

میں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو دوسرا اس کی اصلاح کرسکتا ہے حدیث کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایک موقع پر نہیں بلکہ متعدد مواقع اس قسم کے پیش آئے ہیں جہاں راویوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی ہے،، میرا مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ ان کے نظائر جن سے معمولی طلبہ تک واقف ہیں، یہاں پیش کرتا۔

صحابہ کرامؓ ظاہر ہے کہ صحبت مبارک میں ان سب کا اجتماع ایک وقت میں نہیں ہوا تھا اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہر لمحہ یا ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ سارا مجمع رہتا، اگر چہ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ایک لاکھ سے اوپر صحابیوں کا مجمع جمع ہو گیا تھا، لیکن یہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے ورنہ عموماً مدینہ منورہ میں جو تعداد صحابہؓ کی رہتی تھی یا غزوات یا اسفار میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے تھے ان کی ظاہر ہے کہ اتنی تعداد کبھی اکٹھی نہیں ہوئی، بیس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار، تین ہزار، چار ہزار یا اس سے نیچے کی تعداد فوجی مہموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عموماً رہی ہے، اگر چہ مدینہ منورہ میں ابتداً انصار کے ساتھ مہاجرین کا ایک خاص گروہ آپ کے ساتھ تھا لیکن جس وقت غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے، کعب بن مالکؓ جو اس سفر میں رفاقت سے محروم رہے تھے اور اس کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری میں ان ہی کی زبانی منقول ہے، اس میں مدینہ کے اصحاب کا ذکر فرماتے ہوئے آپ نے یہ جملہ فرمایا تھا:

''لوگ بکثرت تھے، کسی دفتر میں ان کی تعداد منضبط نہ تھی''

بہر حال مدینہ منورہ میں بالآخر اچھی خاصی جماعت باہر کے مہاجرین کی بھی جمع ہوگئی لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کو ہر وقت اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے مجلس مبارک میں حاضری میسر نہیں آتی تھی، کسی وقت کوئی رہتا تھا، کسی وقت کوئی اب اگر راویوں کی تعداد، دو، چار پر ختم ہو جاتی تو وہ ذخیرہ جمع ہوسکتا تھا جو آج جمع ہوا ہے؟ یہ واقعہ ہے کہ گردو پیش میں ان ہزاروں مردوں اور عورتوں کے رہنے، آنے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی نہ کسی واقعہ یا کسی قول کے محفوظ کرنے کا موقعہ ملا، اور اپنی مذکورہ بالا ذمہ داریوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تو یہ عام قاعدہ مقرر کرلیا تھا کہ اپنے حاضری کے دنوں میں اس عجیب وغریب شخصی تاریخ کے متعلق جن واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا، دوسرے دن اپنے غائب رفیق کو من وعن سنا دیا کرتے تھے، بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں امیہ بن زید والوں کی بستی میں رہتے تھے جو مدینہ کے عوالی کی بستیوں میں سے ہے، ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری سے حاضر ہوتے تھے، ایک دن وہ حاضر ہوتے، ایک دن میں حاضری دیتا، میں جس دن حاضر ہوتا اس دن کے حالات اور خبریں وحی وغیرہ کی ان کو سناتا اور جب وہ حاضر ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے''

ابتداً اسلام میں محدود معاشی ذرائع ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا، مہاجرین کو اپنے اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے عموماً بیوپار یا صنعتی کاروبار میں مشغول ہونا پڑتا تھا جس گاؤں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا، یہاں آپ کی نگرانی

میں کپڑے بننے کی کارگاہیں تھیں ہنج نامی گاؤں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ تھا، انصار عموماً اپنے باغوں اور کھیتوں پر کام کرتے تھے، لیکن بایں ہمہ ایک جماعت ان لوگوں کی بھی تھی جو اپنے در گھر سے جدا ہو کر نو مسلموں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صفہ نامی جو مدرسہ قائم فرمایا تھا اس میں داخل ہو جاتے تھے، ان کے قیام وطعام کا نظام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مدینہ کے خوش باش لوگ کیا کرتے تھے، اس لئے معاشی افکار سے الگ ہو کر ان کا زیادہ کام یہ تھا کہ قرآن سیکھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وسنن یاد کریں، اسی جماعت کے سرگردہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں، لوگوں کو ان کی کثرتِ روایت پر کبھی تعجب ہوتا تو خود ہی فرماتے:

''تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں بیان کیا کرتا ہے، مگر قسم ہے خدا کی میں ایک غریب مسکین آدمی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف پیٹ پر پڑا رہتا تھا، درآنحالیکہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں مشغول رہتے اور انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت) میں الجھے رہتے'' (۱)

ایک دوسرے موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کرتے تھے، خود تفصیل فرماتے ہیں:

''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کے مقام پر حاضر ہوا، اس وقت میری عمر تیس سال سے اوپر ہو چکی تھی، پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کر لیا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا، آپ اپنی بیویوں کے مکانوں پر جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا، ہر وقت آپ کی خدمت کرتا حج میں اور جہاد کے سفروں میں آپ کے ساتھ جاتا'' (۲)

طالب العلمی کے ان دنوں میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا کیا گزری، بعد کو مزے لے لے کر بیان کرتے، کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہیں:

''اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا''۔

کبھی فرماتے......

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان میں چکرا کر گر پڑتا، خیال کیا جاتا کہ میں پاگل ہوں حالانکہ مجھے جنون سے کیا تعلق، وہ تو صرف بھوک کا اثر تھا''۔ (۳)

مگر یہ سب کچھ گزر رہا تھا، دوسرے ساتھیوں کو یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کاروبار کر کے آرام اٹھا رہے ہیں، مگر تیس بتیس

سال کا یہ دوسی یمنی نو جوان

موجِ خون سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

کہہ کر بیٹھ گیا تھا، اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ حتی تو فی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور اس قسم کے یہ ایک آدمی نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کا خطاب ہی صحابہ کی جماعت میں صاحب النعلین والسواک والوسادۃ تھا، حضرت موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم جب یمن سے آئے تو ابن مسعودؓ کے متعلق مدت تک ہم سمجھتے رہے کہ:

’’وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کوئی آدمی ہیں جس کی وجہ ان کی ماں کی آمد و رفت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی رہتی تھی‘‘۔

ان کو دربارِ رسالت سے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ:

’’ابن مسعود! تم پردہ کو اٹھا کر میرے حجرہ میں آسکتے ہو اور تنہائی کی گفتگو سن سکتے ہو‘‘(۴)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو نو سال تک مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی خدمت میں رہے، اور ان کے سوا بھی حضور ﷺ کے موالی مثلاً رافع، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو بہت کم مجلس رسالت کی حاضری سے محروم رہتے تھے، یہ تو مردوں میں، اور عورتوں میں یہی حال امہات المومنین کا تھا، جن میں کوئی نہ کوئی خلوت کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھیں، ان ہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ صحابہ میں جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن امور کا علم براہِ راست حاصل نہ ہوتا تھا ان کو وہ اپنے دوسرے بھائیوں اور ساتھیوں کے ذریعہ سے معلوم کرلیا کرتے تھے اور اس میں بڑے اور چھوٹے کی بحث نہیں تھی، خود حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگوں کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے پوچھا کرتے، ان کے پوچھنے والوں میں عمرؓ بھی ہیں اور عثمانؓ بھی علیؓ بھی طلحہؓ بھی زبیرؓ بھی‘‘(۵)

حدیث کی کتابوں میں اس کا ایک ذخیرہ موجود ہے، جس میں خلفائے راشدین اور دوسرے جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہے، مردوں میں اگر پتہ نہیں چلتا تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا کہ اگر ان کو کوئی علم ہو تو بیان کریں، ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا ابھی ذکر گزرا، حالانکہ نو سال تک صحبتِ نبوی میں ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقعہ ملا ہے، لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے کہ حلقہ کے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا:

’’کیا آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟‘‘

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ہم تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں بیان کرتے ہیں، سب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہیں سنا ہے بلکہ ہم میں بعضوں نے بعض سے بھی سنا ہے (یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سنا ہے)'' (۶)

اور یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرت تعداد کا، ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا، اپنے علم کی تکمیل کے شوق ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ تابعین یا اصاغر صحابہ ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ خود باہم ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہیں اور قرآن نے اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع اور پیروی کا ان سے جو مطالبہ کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی چاہیے تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی میں تھا اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، خود بیان کرتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطہ سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی، میں نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اس پر پرانا کجاوا کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا، یہاں تک کہ شام پہنچا اور عبد اللہ بن انیس انصاری (جن سے حدیث پہنچی تھی) ان کے گھر پہنچا اور اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے آدمی نے واپس آکر پوچھا کہ کیا جابر بن عبد اللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں! عبد اللہ بن انیس باہر نکل پڑے، دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے، پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہنچی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مظالم کے متعلق آپ نے سنی ہے اور میں نہیں سن سکا ہوں، عبد اللہ بن انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے (پھر عبد اللہ نے پوری حدیث سنائی)'' (۷)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شک پیدا ہوا، آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بھی دربارِ رسالت میں موجود تھے لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے تھے، سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک حدیث میں معمولی شک مٹانے کے لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہیں، اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس حاضر ہو کر فرماتے ہیں:

''مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو جسے تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق سنا ہے اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے''۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہیں، حدیث یہ تھی، من ستر مسلما خزیہ ستره الله یوم القیامة، وہ سنتے ہیں، اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ:

''حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث سنتے ہی اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا'' (۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی واقف ہے، ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان ابا سعید رحل فی حرف یعنی حدیث کے ایک حرف کی تصحیح کے لئے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ کوچ کیا، دارمی میں ایک اور صحابی کے متعلق ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صحابی فضالہ بن عبداللہ کے پاس مصر پہنچے، فضالہ اس وقت اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے، انہوں نے خوش آمدید کہا، صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں بلکہ ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی، میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ وہ تمہیں یاد ہوگی''۔ (۹)

یہ تو بڑے بڑے صحابیوں کا حال تھا، باقی ایسے کم سن اصحاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے یا ان کے معاصر یا تلامذہ جنہیں تابعین کہتے ہیں، اس باب میں تو ان کے کارناموں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے، میں نے ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما باوجود قرابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازوں پر تلاش حدیث میں گرد کھاتے پھرتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے صحابہ کی کثرتِ تعداد کے اس فائدہ کو محسوس کرلیا تھا کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تاریخ کی تمام خط وخال کی تکمیل میں پوری مدد مل سکتی ہے، اس سلسلے میں اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ میں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ:

''چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے چل کر دریافت کریں کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے''۔

لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے، بولے:

''ابن عباس کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمہارے بھی محتاج ہوں گے، حالانکہ ابھی تو لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی موجود ہیں''۔ (۱۰)

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یوں ہی چھوٹے بڑوں کے گزرنے کے بعد بڑے بنتے ہیں، بعد کو اپنے علمی سرمایہ کی بدولت جب ابن عباسؓ مرجع انام بن گئے تو وہ بیچارے پچھتاتے تھے اور کہتے تھے، کان ھذا الفتی اعقل منی (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا)، تابعین میں سعید بن المسیب، مسروق وغیرہ، جن کے حالات آگے آرہے ہیں، ان کے بیانوں میں اس قسم

کے واقعات بکثرت ملتے ہیں، حضرت سعید بن المسیب سے امام مالک راوی ہیں:

''میں ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں مسلسل چلتا رہا ہوں''۔(۱۱)

حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رحل فی حرف (یعنی صرف ایک لفظ کی تحقیق کے لئے کوچ کیا) ان تابعیوں کی نزاکتِ ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بسا اوقات کوئی حدیث ان کو ایسے آدمی سے پہنچتی جو شرفِ صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ اس حدیث کا علم ان کو حاصل ہو چکا ہوتا، لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے وہ زندہ ہیں تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہنچ کر کوشش کرتے کہ براہِ راست بھی اس روایت کو صحابی سے خود سن لیں۔

دارمی نے ابوالعالیہ سے یہ روایت درج کی ہے:

''ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے حوالہ سے سنتے تھے مگر ہم صرف اسی پر قناعت نہیں کر لیتے تھے جب تک سوار ہو کر مدینہ پہنچ کر خود ان صحابیوں کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سن لیتے''۔(۱۲)

یہ کسی خاص شخص کا حال نہیں ہے بلکہ عام تابعین کے طرزِ عمل کا بیان ہے، طلب حدیث کے لئے رحلت کا ایسا عام مذاق پھیل گیا تھا کہ بطور امور عامہ کے بعض بعض تابعین کی زبان پر یہ لطیفہ جاری ہو گیا یعنی شاگردوں سے حدیث بیان کرتے اور آخر میں انہیں مخاطب کر کے بطور طیب کے فرماتے:

''بغیر کسی معاوضہ کے (مفت) یہ حدیث لے لو ورنہ حال یہ تھا کہ اس سے بھی کم چیز کے لئے لوگ مدینہ تک سفر کرتے تھے۔(۱۳)

یہ حضرت شعبی کا قول ہے جو کوفہ میں اپنے طلبہ سے مزاحاً کبھی کبھی کہا کرتے تھے، مذکورہ بالا عوامل وموثرات سچ پوچھئے تو بجائے خود ان میں ہر ایک حدیث یعنی تاریخ کے اس عجیب وغریب سرمایہ کی حفاظت کی کافی ضمانت ہے، لیکن جہاں یہ سارے اسباب اکھٹے ہو گئے ہوں؟ اور اب اسی کے ساتھ آپ اس تاریخی دعوے کو بھی اپنے سامنے رکھ لیجئے کہ:

''عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد رکھنے کی کچھ ان کی فطری عادت سی تھی اس بات میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی''۔(۱۴)

عرب کا بدّو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا، بدوؤں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا ''حرف فی تامورک خیر من عشرۃ فی کتبک'' (دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا، کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے)۔

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے

علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں درج ہے
نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ میں محفوظ ہے

دوسرا کہتا ہے اور اس کا ترجمہ ہے:

''جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے اسے ضائع کیا، علم کے بدترین مدفن کاغذ ہیں''۔

تیسرے کا شعر ہے:

''میرا علم میرے ساتھ ہے جہاں جاتا ہوں اٹھائے لئے جاتا ہوں، میرا باطن اس علم کا محافظ ہے نہ کہ شکمِ صندوق، اگر گھر میں رہتا ہوں تو علم میرے ساتھ رہتا ہے، جب بازار میں ہوتا ہوں تو میرا علم بھی بازار میں ہوتا ہے''

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے، لکھنے اور کتابت کے متعلق شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہیں، سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے، قاعدہ ہے کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے، اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے، مختلف اقوام کی مختلف چیزوں کے ساتھ خاص مناسبت کی یہی وجہ ہے، اسی لئے یہ مسلم ہے، (عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے ہیں) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابوں میں درج ہیں کتابی قوموں کے لئے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے، حافظ عمر بن عبدالبر لکھتے ہیں:

''ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سن کر لوگوں کے اشعار یاد کرلیا کرتے تھے''۔

ابن عباسؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا، شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا، جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دوں اور سنا دیا، حدیث کے مشہور راوی امام زہری کا بیان لوگ نقل کرتے ہیں کہ

''میں ''بقیع'' کی طرف گزرتا ہوں تو اپنے کانوں کو بند کرلیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ اس میں کوئی فحش بات داخل ہو جائے، کیونکہ قسم خدا کی میرے کان میں کوئی بات اب تک ایسی داخل نہیں ہوئی ہے، جسے میں بھول گیا ہوں''۔(۱۵)

شعبی بھی یہی کہتے تھے:

''میں کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا اور نہ کسی شخص کی گفتگو میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی''۔(۱۶)

غیروں پر تو حجت نہیں ہو سکتی، لیکن علماء اسلام کا خیال ہے کہ علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا، یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے انا لہ لحافظون کا اعلان کیا تھا، اسی نے قرآن کی عملی شکل یعنی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی ان کے حافظوں کو غیبی تائیدوں کے ذریعہ سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی تر کردیا تھا، اور یہ تو بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ رسالت میں نسیان کی جب شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ اور دعا کے ذریعہ سے ان کا حافظہ ایسا ہوگیا کہ پھر وہ کوئی چیز بھول نہیں سکتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت تمام صحاح کی کتابوں میں مروی ہے، تقریباً شہرت کے انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

صحابۂ کرامؓ حدیث کے زندہ نسخے تھے

بہر حال صحابہ کا ذوق اتباع میں حتی الوسع ممکنہ حد تک اپنے کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کرنے کی کوشش اور اسی رنگ میں دوسروں کو رنگنے کا ان میں بے پناہ جذبہ، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جس کا میں نے ذکر کیا، اس کے بعد میں دعویٰ کروں کہ جن واقعات اور حالات اور جن اقوال وملفوظات کا ظہور آنحضرت ﷺ سے ہوا تھا، صحابۂ کرام اپنے اپنے علم کی حد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ مثنی بنے ہوئے تھے اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور ﷺ کی زندگی عہد صحابہ میں بجائے ایک نسخہ کے ہزاروں نسخہ کی صورت میں موجود ہو چکی تھی تو کیا میرے اس دعوے کو کوئی غلط ثابت کرسکتا ہے؟ پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابۂ کرام کی زندگی تھی اور یہ تھی حفاظتِ حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور ہونے کی پہلی صورت، میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی میں بالکلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو بہو نقل تھے، اگرچہ خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ درجہ میں ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہیں، عبدالرحمٰن بن زید سے ترمذی میں مروی ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

> ''مجھے بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال میں جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے؟ تاکہ میں ان سے ملوں، ان سے علم حاصل کروں، حدیثیں سنوں''۔

ایک معاصر دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال وضع وانداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعودؓ ہیں''۔

صرف ان ہی باتوں میں نہیں جن کا تعلق شریعت وقانون سے ہے بلکہ بعض صحابہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہو بہو تصویر اتارنے کے لئے یہاں تک کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق عام طور سے مشہور ہیں:

> ''جن جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (راستوں) میں نمازیں پڑھی تھیں، ابن عمرؓ ان مقامات کو تلاش کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے، راہ میں جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رخ پھیرا تھا، ابن عمرؓ بھی قصداً اس مقام پر یہی کام کرتے تھے''۔(۱۷)

یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ سفر کے موقع پر حضورا اگر استنجاء کے لئے اونٹ سے کہیں اتر کے بیٹھے تو باوجود عدم ضرورت کے استنجا کرنے والوں کی شکل بنا کر ابن عمرؓ اونٹ سے اتر کر وہاں بیٹھا کرتے، اسی سلسلہ میں ان کی یہ عام عادت بیان کی جاتی ہے،

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول وفعل سے یہ غائب رہتے تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے ان سے پوچھ لیتے'' (۱۸)

امام مالکؒ سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا کہ:

''کیا آپ نے بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ ان کا خیال تھا جس نے ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کیا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں کوئی چیز نہیں چھوڑی؟ بولے ہاں!'' (۱۹)

یہ استقصا یا سیرتِ طیبہ کی کامل ''تصویر کشی'' یا ''ہو بہو نقل'' نصب العین تو سب ہی کا تھا لیکن ہر شخص کے لئے اس کا میسر آنا آسان نہیں ہے، تاہم اسی کے ساتھ جتنے بھی صحابی تھے ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا، اور اسی بنیاد پر میں ہر صحابی کو دراصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح میں اجازت دیجئے تو ایڈیشن قرار دیتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ ان میں بعض ایڈیشن بہت زیادہ کامل اور حاوی تھے اور بعض میں وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی اور اگر صحابہ کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے صحیح ہے تو ایمان واسلام اور جوش عمل کی ان میں جو سینہ زوریاں تھیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا کہ عہد نبوت میں ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے اس کے کامل وناقص زندہ نسخوں اور ایڈیشنوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی، کیا دنیا میں کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود ہے جس کے عینی شاہد اتنی تعداد میں خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہوں؟ اور کیا آئندہ ان نسخوں کی تعداد میں کوئی کمی ہوئی؟ کاملیت کے اعتبار سے جتنی بھی کمی ہوئی ہو لیکن کمیت اور مقدار کے لحاظ سے ہر شخص جانتا ہے کہ ان تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں میں ہر سال اس کی تعداد میں اضعافاً مضاعفۃً اضافہ ہی ہوتا رہا اور ہو رہا ہے، ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں آباد ہو، آج اس کی زندگی میں جتنے صحیح مذہبی اور اخلاقی عناصر شریک ہیں، کیا یہ اسی نتائج کے کسی حصہ کا عکس نہیں ہے؟ آج بھی کوئی مسلمان ہندوستان کے کسی کوردہ دیہات میں جو نمازیں پڑھتا ہے، قسم کھا کر کہہ سکتا ہے اور یقیناً وہ اپنی اس قسم میں سچا ہے کہ وہ اسی طرح ہاتھ اٹھاتا ہے، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے، وہی کہتا ہے جو حضور ﷺ کہتے تھے، وہی پڑھتا ہے، جو حضور ﷺ پڑھتے تھے اسی طرح وہ جھکتا ہے جس طرح حضور ﷺ جھکتے تھے، اسی طرح زمین پر سر رکھتا ہے جس طرح حضورا رکھتے تھے، اسی پر مسلمانوں کے دوسرے مذہبی اور دینی اعمال وعقائد کو قیاس کر لیجئے کچھ نہیں تو کم از کم اس تاریخ کی کوئی ایک آدھی بات کلمۂ شہادت ہی سہی، اس تاریخ کا یہ جز ہر ایک مسلمان کے اندر اب تک محفوظ ہے۔

حوالہ جات

(۱) بخاری
(۲) ابن سعد
(۳) صحاح
(۴) اصابہ
(۵) ابن سعد
(۶) مستدرک حاکم
(۷) جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۹۳
(۸) ۹۴۔ جامع
(۹) دارمی
(۱۰) دارمی
(۱۱) جامع
(۱۲) دارمی
(۱۳) ابن مسعود
(۱۴) جامع
(۱۵) ابن عبدالبر
(۱۶) ابن سعد
(۱۷) اصابہ
(۱۸) اصابہ
(۱۹) اصابہ

مفتی محمد عفان منصور پوری ☆

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تدوین حدیث

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمر مبارک کے ۲۳ رسال دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت اور احکام دین کی تبلیغ میں گزارے، اس دوران آپ ﷺ نے محنتِ شاقہ سے مدینہ منورہ میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر کے دولت اسلامی قائم فرمائی، آپ ﷺ اگر ایک طرف امت کے معلم و مربیّ تھے تو دوسری طرف بہترین سیاسی قائد اور ان کی خوشی وغم میں برابر کے شریک تھے، محبوبیت کا مقام بلند آپ کو حاصل تھا، صحابہؓ کرامؓ آپ ﷺ کی اتباع و پیروی کو ذریعۂ نجات اور باعث فلاح وکامیابی تصور کرتے تھے، اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو حرز جاں بنا کر دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے ہر ہر عمل کو اپنے لیے اسوہ اور نمونہ سمجھ کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کو لازمی گردانتے تھے۔

تعلیم اور تبلیغ دین کی اہمیت

حفاظتِ سنت کا یہ داعیہ اور جذبہ صحابہؓ کے دلوں میں یونہی نہیں پیدا ہو گیا تھا؛ بلکہ اس کے پیچھے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی سچی محبت اور مذہب اسلام کے تئیں آپؐ کی بہترین تعلیمات کارفرما تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے آپؐ نے حصولِ علم کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا:

طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ علیٰ کُلِّ مُسلِمٍ (۱)

''ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا ضروری و لازم ہے''

نیز فرمایا:

مَن یُرِدِ اللّٰہُ بِہ خَیرًا یُفَقِّھہُ فِی الدّینِ (۲)

''اللہ تعالیٰ جس بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں''

علم حاصل کرنے کے بعد اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کرنے والوں کو ان الفاظ میں دعاء دی:

☆ استاذ حدیث والافتاء، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

" نَضَّرَ اللہ امرَءً اَسمِعَ مِنَّا حَدِیثاً فَحَفِظَهُ حتیٰ یُبلِّغَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أحفَظُ لَهُ مِن سَامِع " (۳)

''اللہ رب العزت اس آدمی کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سن کر اسے یاد کیا اور پھر دوسروں تک پہنچایا؛ اس لیے کہ بعض دفعہ سننے والے کے مقابلہ میں وہ آدمی زیادہ حفاظت کرنے والا ہوتا ہے جس تک یہ حدیث پہنچائی گئی''۔

تبلیغِ دین پر ان حوصلہ افزا کلمات کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ علم کے مرتبہ کو واضح فرمایا اور ان کی عزت وتوقیر اور احترام کے ملحوظ رکھنے کو لازمی قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

العُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأنبیَاءِ (۴) ''علماء وارثین انبیاء ہیں''

اور فرمایا:

لَیسَ مِن أُمَّتِي مَن لَم یُجِلَّ کَبِیرَنَا،وَیَرحَم صَغِیرَنَا، وَیَعرِفُ لِعَالِمِنَاحَقَّهُ.(۵)

''جو شخص اپنے بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور اپنے عالم کے حق کو نہ پہچانے وہ میری امت میں سے نہیں ہے''

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے علم دین سیکھنے اور سکھانے والوں کو ان الفاظ میں خوش خبری سنائی:

مَنْ غَدَاالیَ المسجدلایریدالاأنْ یَتَعَلَّمَ خَیرًاأویُعلِّمَهُ، کَانَ لَهُ کَأجرحاجٍّ تَامًّا حَجَّتَهُ. (۶)

''جو شخص کسی خیر کو سیکھنے یا سکھانے کے لیے مسجد کا رُخ کرے گا تو اس کو اس حاجی کے برابر ثواب ملے گا جس کا حج پورا ہو گیا ہو''

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ تعلیم وتربیت

حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ اطہر پر رفتہ رفتہ قرآن کریم کا نزول ہوتا رہا، آپ اپنے اصحاب کو یہ آیاتِ قرآنیہ سناتے اور یاد کراتے رہے، ساتھ ساتھ قرآن پاک کے اجمال کی تفصیل، تعلیماتِ اسلام کے سلسلہ میں واضح ہدایات، اور احکامِ قرآن کی تطبیق وتنفیذ بھی کرتے رہے، آپ کی ذات اقدس سراپا مطاع تھی، پوری امتِ اسلامیہ اپنی اجتماعی زندگی میں یا انفرادی طرزِ حیات میں آپ کی روشن تعلیمات کی محتاج تھی، اور آپ کی یہی تعلیمات شریعتِ اسلامیہ میں ''سنت'' کہلاتی ہیں، خواہ وہ قولی ہو، عملی ہو، یا تقریری ہو (یعنی وہ عمل جو آپ کے سامنے کیا گیا آپ نے اس پر سکوت فرمایا)۔ یہی وجہ ہے کہ احکام و آداب، عبادات وطاعات وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کا ذکر کلام پاک میں نہیں ہے پھر بھی شریعتِ اسلامیہ میں وہ رائج

اور نافذ العمل ہیں۔ حدیثِ رسول ﷺ ان فرامین و ہدایات کا مجموعہ ہے جو جناب رسول ﷺ نے مختلف اوقات میں امت کو دیئے ہیں جن پر ان کی دینی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی زندگی کا دار و مدار ہے، زندگی کے ہر موڑ پر حضرات صحابہؓ آپ سے رجوع فرماتے، آپ قرآن کریم کی روشنی میں ان کو مسائلِ شرعیہ سے آگاہ کرتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے، شرعی سزاؤں کو قائم کرتے اور تعلیماتِ قرآنی کا نفاذ فرماتے اور یہی تمام چیزیں سنت ہیں۔

آغاز اسلام میں حضور پاک ﷺ نے ''دارارقم'' کو اپنا مرکز بنایا، جہاں مسلمان مشرکین کی فتنہ پردازیوں سے بچ کر قرآن کریم سیکھتے، اور حضور ﷺ انکو مبادیات اسلام سے روشناس کراتے، اسکے بعد ''مکہ مکرمہ'' میں آپ ﷺ کا مکان مبارک مسلمانوں کی اجتماع گاہ اور قرآن سیکھنے سکھانے کا مرکز اور حدیثِ رسول سے سیرابی حاصل کرنے کا سرچشمہ بن گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان مراکز سے قرآن کریم اور تفسیر کا سبق لے کر جاتے اور پھر اپنے گھروں، دُکانوں، شہروں اور جنگلات میں ان کا مذاکرہ کرتے؛ تاکہ ذہن و دماغ میں کلام الٰہی اور فرامین رسول راسخ اور پیوست ہو جائیں، حدیث رسول کو اس طرح یاد کرنے کا رواج قرآن کریم کے شانہ بشانہ روز اول سے چلا آرہا ہے، حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کا قصہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہؓ اپنے گھروں میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں اس کو سمجھتے تھے۔

اس کے بعد مسجد کو، تعلیم گاہ، دارالافتاء اور دارالقضاء کی حیثیت حاصل ہوگئی، جس میں عبادات اور شعائر دینیہ کو تو انجام دیا ہی جاتا تھا مگر اسکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی زندگی سے جڑے ہوئے مسائل کو بھی یہیں حل کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود حضور ﷺ کی تبلیغ دین کا انحصار کسی متعینہ جگہ یا مناسب موقع کے اوپر نہیں تھا؛ بلکہ راستہ چلتے لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے اور مختلف موقع پر آپ کی رائے معلوم کرتے۔ آپ جواب دیتے اور اظہار خیال فرماتے۔

اس کے ساتھ حضور ﷺ کی جانب سے وقتاً فوقتاً دینی مجالس کا انعقاد ہوتا جس میں آپ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذہنی تربیت فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِی الْاَیَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

جناب رسول اللہ ﷺ کسی کسی دن نصیحت کے ذریعہ ہماری نگہداشت فرماتے (روزانہ نصیحت نہ فرماتے) کہ کہیں ہمارے دِلوں میں اُکتاہٹ نہ پیدا ہو جائے۔ (۷)

جب آپ تشریف فرما ہوتے تو صحابہ حلقہ بنا کر آپ کے اِرد گرد بیٹھ جاتے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا كَانُوْا صَلُّوا الْغَدَاةَ قَعَدُوْا حِلَقًا حِلَقًا، يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ. (۸)

صحابۂ کرام نماز فجر سے فارغ ہوتے اور حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے،

مسائلِ میراث کو سیکھتے اور حدیث کا علم حاصل کرتے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق گفتگو فرماتے اور اس انداز میں سمجھاتے کہ بڑے سے بڑا سخت دل بھی زیر ہو جاتا۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ ایک قصہ نقل فرماتے ہیں کہ قریش کا ایک نوجوان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ مبارکہ میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجیے، لوگوں نے سنا تو وہ اس کو ڈانٹنے لگے کہ تم جناب رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کے سوالات کرتے ہو۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو روکا، اور نوجوان سے قریب آنے کو کہا، جب وہ قریب آ گیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: ''اتحبہ لأمک'' (کیا تم اپنی ماں کے لیے اس کو پسند کرو گے کہ اس سے زنا کیا جائے؟) اس نے جواب دیا نہیں، خدا کی قسم کوئی آدمی بھی اپنی ماں کے لیے اس چیز کو پسند نہیں کر سکتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''أفتحبہُ لِابْنَتِک'' ؟ ''کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اس کو پسند کرو گے'' ؟ اس نے وہی جواب دیا کہ کوئی آدمی بھی اپنی بیٹی کے لیے اس چیز کو پسند نہیں کر سکتا۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کا اسی طرح ذکر فرمایا، اور اس نے وہی جواب دیا۔ اخیر میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس جوان پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور ارشاد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ، وَ طَھِّرْ قَلْبَہٗ، وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ ''اے اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما، دِل کو پاک و صاف فرما، اور شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کی دعاء کا یہ اثر ہوا کہ) پھر کبھی وہ نوجوان اس برائی کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ (۹)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نوجوان کے سامنے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ معاشرہ میں زنا کی قباحت وشناعت اس کے دِل میں بیٹھ گئی اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ جب میں اپنے متعلقین کے ساتھ اس قسم کی حرکتِ بد کو برداشت نہیں کر سکتا تو دوسرے لوگ اپنے متعلقین کے ساتھ اسے کیسے برداشت کریں گے؟ حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی جب کوئی بات کہتے تو تین دفعہ کہتے تاکہ اچھی طرح لوگ سمجھ جائیں۔ (۱۰)

اور ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ جملوں کا تلفظ فرماتے تاکہ سننے والے اسکو محفوظ کر سکیں۔ (۱۱) اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ حدیث اس طرح بیان فرماتے کہ اگر کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار کر سکتا ہے۔ (۱۲)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے احکام اسلام کو اتنا واضح کر کے بیان فرماتے کہ سننے والے کے دل میں کوئی سوال باقی نہ رہتا، اور سائل مطمئن ہو جاتا۔ بعض اوقات صحابۂ کرامؓ کی ذہانت وفطانت معلوم کرنے کے لیے ان سے بعض مسائل دریافت فرمایا کرتے، یا حضرات صحابہؓ کے سامنے کوئی سوال پیش فرما دیتے، کہ سوچ کر اس کا جواب بتاؤ۔ صحابۂ کرامؓ ذہن پر زور ڈالنے کے بعد جو جوابات دیتے وہ اگر درست نہ ہوتے تو خود پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اخیر میں صحیح جواب ارشاد فرماتے، تو یہ ان کے ذہن ودماغ میں راسخ ہو جاتا۔

آپ ﷺ ہر معاملہ میں سہولت اور آسانی کو پسند فرماتے، شدت اور سختی سے لوگوں کو روکتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء کی: ''اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّداً وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَداً''،

باری تعالیٰ مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: تم نے دعاء میں ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اس دیہاتی نے مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا، صحابۂ کرامؓ اس کی طرف دوڑے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَابُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ،أَھْرِیْقُوْاعَلَیْہِ دَلْواً مِنْ مَاءٍ أَوْسجْلاًمِنْ مَاءٍ.

تم لوگوں کو سہولت پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، سختی اور تشدد کے لیے نہیں۔ اس پر ایک ڈول پانی ڈال دو۔ (۱۳)

آپ ﷺ امت کے افضل ترین فرد ہونے کے باوجود انتہائی متواضع اور متفکر المزاج تھے مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں آپ ﷺ کا برتاؤ ایک انتہائی مشفق باپ کے مانند ہوتا تھا، جب صحابہؓ کو کوئی ادب سکھانا ہوتا تو بڑی نرمی سے ان کو مخاطب فرماتے مثلاً فرماتے:

''اِنَّمَا أَنَالَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ اِذَا أَتَیْتُمُ الْغَا ئِطَ فَلا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَۃَوَ لاتَسْتَدْبِرُوْھَا''.

میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں، جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ رُخ ہو نہ اس کو پیٹھ پیچھے کرو۔ (۱۴)

آپ ﷺ کی تعلیمات کا یہ سلسلہ صرف مردوں تک محدود نہ تھا؛ بلکہ عورتوں کو بھی خاص خاص اوقات میں آپ ﷺ تعلیماتِ اسلامی سے روشناس فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ عورتیں آپ ﷺ کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ! ہم مردوں کی مجلس میں آپ ﷺ کے پاس نہیں آسکتے، اس لیے ہمارے لیے کوئی دن متعین کر دیجیے جس میں ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے وقت اور مکان کی تعیین فرمادی۔ (۱۵)

اس وسعتِ ظرفی، کشادہ دِلی، بلند ہمتی اور نہج صحیح کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات و آداب سکھایا کرتے تھے، دُنیا کے بادشاہوں کی طرح عام لوگوں کو آپ سے ملنے میں کسی قسم کی دقت و پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ آپ افرادِ امت کے ساتھ گھل مل کر رہتے، بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، جھگڑے چکاتے اور متنازعہ امور کو فیصل کرتے، راہ چلتے کھڑا کر کے لوگ دینی مسائل معلوم کرتے تو آپ خوشی کے ساتھ ان کے جوابات دیتے یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر آپ ﷺ کی تعلیمات عام کرتے، کسی مسئلہ میں اگر شک ہوتا تو پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شک کو دُور کرتے اور اطمینان حاصل کرتے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندازِ تعلیم و تربیت ہی ایسا تھا کہ اسلامی تعلیمات و احکام ان حضرات کے دِلوں میں جا گزیں ہوگئے، سنت و حدیث کی محبت ان کے دِل و دماغ میں رچ بس گئی اور پھر انہوں نے اپنی زندگی کو اس دینِ متین کی خدمت اور حفاظت کے لیے وقف کر دیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح تعلیم حاصل کرتے تھے؟

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی صحابۂ کرامؓ کی نظروں کے سامنے تھی، مسجد میں، بازار میں، گھر میں، سفر میں، حضر میں ہر جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ہوتے، آپ کی حیاتِ طیبہ صحابۂ کرامؓ کی دینی و دنیوی زندگی کے لیے محور کی حیثیت رکھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس مقدس جماعت کا ہر ہر فرد آپ کے افعال و اقوال کو جاننے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا اور آپ کی مجلسِ علم اور حلقۂ درس سے بغیر کسی شدید مجبوری کے غیر حاضر نہ ہوتا، اور اگر کسی ضرورت کے تحت غیر حاضری کا اندیشہ ہوتا تو اپنے کسی ساتھی کو اس بات کا مکلف کرتا کہ وہ مجلس کی باتوں کو محفوظ کر کے اس تک پہنچائے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کا واقعہ مشہور ہے فرماتے ہیں:

كُنتُ أَنَا وَ جَارٌ لِيْ مِنَ الْأَنْصَارِ فِيْ بَنِيْ أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَ هِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ، وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ على رسول الله ﷺ، يَنْزِلُ يَوْماً وَأَنْزِلُ يَوْماً، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ.

میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی تھا، ہم دونوں امیہ بن زید والوں کی بستی میں رہتے تھے جو عوالی مدینہ میں سے ہے، ہم دونوں باری باری حضور ﷺ کی مجلسِ مبارک میں حاضر ہوتے، ایک دن وہ حاضر ہوتے (تو میں گھریلو ضروریات کی تکمیل کرتا) دوسرے دن میں حاضری دیتا (تو وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرتے) اور اس دن کے حالات اور وحی وغیرہ کی خبریں اپنے ساتھی کو دیتا اور وہ گذشتہ روز کی باتوں سے مجھے باخبر کرتے۔

آپ ﷺ کی مجلس میں حاضری کا یہ اہتمام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں نبی کریم ﷺ کا طریقۂ مبارکہ واجب الاتباع تھا۔ مدینہ منورہ سے دور دراز آباد قبائل احکام اسلام کو سیکھنے کے لیے اپنے قبیلہ کے منتخب افراد کو جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجتے۔ یہ لوگ پروانوں کی طرح شمعِ نبوت کو گھیرے رہتے اور آپ ﷺ کی صحبتِ بابرکت سے فیض یاب ہو کر اپنے سینوں کو گنجینۂ علوم نبوت سے معمور کر کے معلم و مرشد، ہادی و راہبر بن کر اپنے اپنے علاقوں کو واپس جاتے۔

تاریخ میں اس طرح کے متعدد واقعات ہیں کہ ایک صحابی طویل مسافت کو طے کر کے کسی مسئلہ کا حکم شرعی معلوم کرنے کے واسطے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا اور حکم معلوم کر کے فی الفور واپس ہو جاتا۔

اسی طریقہ سے صحابہ کرامؓ حضرات ازواجِ مطہراتؓ سے آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے یا اپنی بیویوں کو حضرات ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں بھیجتے اور ان کے توسط سے عورتوں کے مسائل میں شرعی رہنمائی حاصل کرتے۔

یہی وہ طریقے تھے کہ جن کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سنتِ رسول اللہ ﷺ اور احکام اسلام سے واقف ہوا کرتے تھے، با قاعدہ کوئی مدرسہ یا تعلیم گاہ نہیں تھی جہاں بیٹھ کر علم حاصل کیا جاتا؛ بلکہ آپ ﷺ جہاں ہوتے وہیں مدرسہ ہوتا، تربیت گاہ ہوتی اور پیاسے اپنی پیاس بجھاتے۔

یہاں ایک بات یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے احوال وافعال کے بارے میں یکساں علم نہ رکھتے تھے؛ اس لیے کہ ان میں دیہات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے اور شہری بھی، تجارت پیشہ افراد بھی تھے اور فنکار بھی، مدینہ منورہ میں مستقل طور پر سکونت پذیر اشخاص بھی تھے اور دُور دراز سے آنے والے بھی ، پھر بعض لوگ وہ بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو تحصیلِ علم کے لیے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر باشی کے لیے وقف کر دیا تھا، اور یہ بات بدیہی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال واقوال اور افعال (یعنی سنتِ رسول اللہ ﷺ) سے سب سے زیادہ واقف یا تو وہ صحابۂ کرامؓ تھے جو اسلام قبول کرنے میں پیش پیش رہے جن کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے جیسے حضرات خلفائے اربعہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ، یا وہ صحابۂ کرام تھے جن کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہنے کا اور آپ کی احادیثِ مبارک کو قلمبند کرنے کا زیادہ موقع ملا جیسے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔

عہدِ نبوی میں تدوینِ حدیث کا اہتمام کیوں نہ ہوا؟

یہ بات بالکل درست ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جس طرح قرآن کریم کی جمع وتدوین کا اہتمام کیا گیا احادیث رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہوا، خود جناب رسول اللہ ﷺ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نزولِ آیات کے وقت ان کے لکھنے پر مامور فرمایا کرتے تھے، جبکہ ضبط حدیث کے سلسلہ میں اس طرح کا اہتمام نہیں تھا بلکہ بعض روایات سے تو صراحتاً کتابتِ حدیث کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

> عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَیرَ القرآن فلیمحه، وَ حَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلا حَرَجَ وَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۱۶)
>
> حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری احادیث کو مت لکھو اور جس نے قرآن کریم کے علاوہ میری زبان سے نکلی ہوئی باتوں کو لکھا ہو تو وہ اسے مٹادے (بغیر لکھ، سن کر) میری حدیث بیان کرو، کوئی حرج نہیں (لیکن) جو جان بوجھ کر میری جانب غلط بات منسوب کرے گا تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم احادیث لکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا یہ تم کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا: جو احادیث آپ سے سنتے ہیں آپ نے فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے؟

أَتَدْرُوْنَ مَاضَلَّ الا مَمُ قَبْلَكُمْ اِلاَّ بِمَا اكْتَتَبُوْا مِنَ الْكُتُبِ مَعَ كِتَابِ اللهِ تَعَالیٰ.(۱۷)

کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابوں کو لکھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ احادیثِ مبارکہ جو شریعتِ اسلامیہ میں مصدر ثانی کی حیثیت رکھتی ہیں ابتدائی زمانہ ہی میں ان کو محفوظ کرنے پر خاطر خواہ توجہ کیوں نہ دی گئی؟ اس کا جواب تو وہی ہے جو اوپر گزر چکا کہ کسی چیز کے محفوظ ہونے کا مدار اس کو لکھنے ہی پر نہیں حفاظت کے اور بھی طریقے ہیں جن سے یہ مقصد بأحسن وجوہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت ملنے کے بعد کم وبیش ۲۳ ر سال حضرات صحابۂ کرامؓ کے درمیان رہے، اس دوران آپ ﷺ کے اقوال، افعال، معاملات، تقریرات اور طرز زندگی وغیرہ کو درخت کے پتوں پر، لکڑی اور چمڑے کے ٹکڑوں پر اور پتھروں پر محفوظ کرنا ایک دشوار گزار کام تھا؛ اس لیے کہ اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے صحابۂ کرامؓ کی ایک پوری ٹیم کی ضرورت تھی جو لکھنا جانتی ہو اور اس کام کے لیے اپنا وقت فارغ کیے ہوئے ہو؛ لیکن تاریخ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ اس زمانے میں لکھنے والوں کی اتنی قلت تھی کہ ان کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا تھا، ابن سید الناس نے عیون الاثر (۳۱۵/۱) میں لکھا ہے کہ: کاتبین وحی صرف چالیس کے قریب تھے اور پھر ان میں سے کچھ حضرات جیسے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ پورے طور پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والے معجزہ کو محفوظ کرنے میں مشغول تھے، تاکہ اپنے بعد آنے والی نسلوں کو تحریری شکل میں ''کتاب ہدایت'' کا کامل ومکمل نسخہ دے سکیں؛ اس لیے کہ حدیث کی تو روایت بالمعنی بھی جائز ہے برخلاف قرآن کے کہ وہ اپنے الفاظ ومعانی کے ساتھ اعجازی شان کا حامل ہے۔

اور بعض حضرات وہ تھے جن کی ذمہ داری اموالِ صدقات لکھنے کی تھی۔ جیسے حضرت زبیر بن العوام اور جہم بن الصلت وغیرہ جب کہ حضرت عبداللہ بن ارقم اور علاء ابن عقبہ لوگوں کے درمیان قرض اور دیگر معاملات کی تفصیلات لکھتے تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمان کا کام درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی مقدار وتعداد کا اندازہ کر کے لکھنا تھا اور حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رسول اللہ ﷺ کے مغانم کی تفصیلات لکھا کرتے تھے۔ (۱۸)

مولانا مناظر حسن گیلانی اس نظریہ کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں لکھنے والوں کی کمی تھی، وہ دلائل سے نوشت وخوانداور اس کے جاننے والوں کی کثرت کو ثابت کر کے یہ کہتے ہیں کہ ان سب اسباب کے ہوتے ہوئے بھی تدوینِ احادیث

سے صرف نظر کرنے کا سبب یہ ہے کہ جن امور کی عام اشاعت مقصود نہیں اگر نبوت ہی کے عہد میں اس کثرت سے ان کے مجموعے تیار ہو جائیں گے تو بتدریج ان حدیثوں سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج میں اور قرآنی آیات سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔(۱۹)

ڈاکٹر محمد عجاج خطیب بھی اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ عہد نبوی ؐ میں احادیث کے مدون نہ ہونے کی وجہ وسائل کتابت کی کمی ،کاتبوں کی ندرت یا ان کا بدخط ہونا تھا، جیسا کہ ابن قتیبہ دینوری کہتے ہیں۔(۲۰) اس لیے کہ تیس سے زائد ایسے کاتبوں کا تاریخ میں ذکر آتا ہے جن کی ذمہ داری نبی کریم ﷺ پر قرآن کی شکل میں نازل ہونے والی وحی کو لکھنے کی تھی، اور ان کے علاوہ دیگر کاتبین دوسرے تحریری کام انجام دیتے تھے، مسلمانوں کا آسانی کے ساتھ بغیر کسی دشواری کے قرآن کریم کو قید تحریر میں لے آنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں وسائل کتابت یا کتابوں کی کوئی قلت نہ تھی، اگر وہ چاہتے تو احادیث کو بھی بغیر کسی پریشانی کے اسی طرح جمع کر سکتے تھے، جس طرح بعض صحابہ ؓ نے نبی کریم ﷺ کی اجازت سے اس زمانے میں بھی اپنے طور پر احادیث لکھیں؛ لیکن کچھ اسباب و مصالح تھے جن کے پیش نظر احادیث کی جمع و تدوین کا باضابطہ اہتمام نہیں کیا گیا۔(۲۱)

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام ؓ میں لکھنے اور پڑھنے والوں کی خاصی تعداد تھی اگر چہ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن پھر بھی لکھنے والوں کی تعداد کافی تھی۔(۲۲)

دوسرا جواب یہ ہے کہ عرب قوم اُمی ہونے کی وجہ سے اپنے حفظ پر بھرپور اعتماد رکھتی تھی، قرآنِ کریم کا نزول رفتہ رفتہ تدریجاً چند آیات اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کی شکل میں ہوتا رہا جس کا یاد رکھنا اور ذاکرہ میں محفوظ کرنا اُن کے لئے آسان تھا، اگر حدیثِ رسول اللہ ﷺ جو مختلف جہتوں کو محیط اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغاز رسالت سے وصال تک کے تمام اقوال وافعال وتقریرات کو شامل ہے کے حفظ وضبط کا بھی وہی اہتمام ہوتا جو قرآن کریم کے حفظ کا تھا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توجہ کا بٹنا اور دونوں مصادر شریعت کو یکساں طور پر محفوظ کرنا ایک لازمی چیز تھی۔ اس میں جہاں قرآنِ کریم کے حفظ پر مکمل توجہ نہ رہتی، وہیں نبی کریم ﷺ کے بعض حکیمانہ جامع ومانع اقوال کا قرآنِ کریم کے ساتھ التباس کا بھی اندیشہ رہتا، اور یہ چیز کتاب اللہ کے لیے بڑی خطرناک تھی جو اس میں دانشمندان اسلام کے لیے شک کے دروازے کو کھولتی اور ان کو یہ موقع فراہم کرتی کہ قرآنِ کریم کے سلسلہ میں اہل ایمان کے مضبوط اعتماد کو متزلزل کر سکیں۔

یہی وہ وجوہات تھیں جن کی بنیاد پر عہدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں تدوینِ حدیث پر زیادہ توجہ نہ دی گئی اور اسی سے ہمیں کتابتِ حدیث کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ممانعت کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر ہم محدث جلیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کا فیصلہ کن قول نقل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

ان جمع الاحادیث فی عهد النبی ﷺ وان كان احسن فی بادی الرأی الا ان المرضی عند ذلک أن کان لاتدون الا حادیث مثل تدوین القرآن ولا

تحفظ حفظہٗ.

نبی کریم ﷺ کے زمانہ ہی میں اگر حدیثیں جمع ہو جاتیں، اگر چہ ظاہر نظر میں یہی بات زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن درحقیقت مقصد یہی تھا کہ تدوین احادیث پر وہ غیر معمولی توجہ مبذول نہ کی جائے جو تدوین قرآن پر کی جارہی ہے اور حفاظت کے سلسلہ میں اس دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا جاتا جو حفاظت قرآن کے سلسلہ میں کیا جارہا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''دین میں عمومی طور پر عام حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج کی جو ثانوی حیثیت ہے اس کے متعلق یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی حادثہ کا یہ اتفاقی نتیجہ ہے؛ بلکہ شروع ہی سے ارادہ ہی یہ کیا گیا کہ حدیثوں کا یہ سرمایہ قطعیت اور یقینی ہونے میں قرآن کے برابر نہ ہو جائے اور نہ اس کے ساتھ وہ سرگرمی دکھائی جائے (جو قرآن کی تدوین میں دکھائی گئی) بلکہ قصداً و اراداتاً حدیثوں کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا (کہ قرآن کے مقابلہ میں) اس کا درجہ دوسرا ہو گیا۔ ایسا دوسرا درجہ جس کی وجہ سے ان کے متعلق علماء کے اجتہاد اور تحقیق و تدوین، فقہاء کی فکر و نظر اور محدثین کی تلاش و جستجو کی گنجائش ان میں پیدا ہو گئی؛ تاکہ مسلمانوں پر ان کا دین زیادہ کشادہ ہو اور ہر طرح سے سہولتیں اس باب میں ان کو میسر آجائیں، سچ فرمایا گیا کہ دین صرف سہولت اور آسانی کا نام ہے۔ (۲۳)

عہد نبوی میں کتابت حدیث کا ثبوت

اگر ایک طرف بعض روایات عہد نبوی میں کتابت حدیث کی ممانعت کو بتلا رہی ہیں تو دوسری طرف بہت سی روایات ایسی بھی ہیں جن سے کتابت حدیث کی اجازت صراحتاً معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً:

لما فتح الله على رسوله مكة ،قام وخطب في الناس ،فقام رجل من اهل اليمن يقال لهٗ: ابوشاه ،فقال:يا رسول الله اكتبوا لي ،فقال:''اكتبوا لابي شاه'' (۲۴)

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام نے تقریر فرمائی، تو یمن کا ایک آدمی جس کا نام ابوشاہ تھا کھڑا ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! (یہ تقریر) مجھے لکھ دیجئے، آپ ﷺ نے (صحابہ) سے فرمایا: ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی تمام باتوں کو یاد کرنے کے لیے لکھا کرتا تھا تو قریش نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ تم نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات کو لکھتے ہو حالاں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک انسان ہیں جو حالت غضب و رضاء دونوں میں تکلم فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں لکھنے سے رک گیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ

فرماتے ہوئے کہا:

''اکتب ،فو الذی نفسی بیدہ ماخرج منہ الاحق''(۲۵)

لکھو!قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے تو حق بات ہی نکلی ہے۔(خواہ حالت غضب ہو یا رضا)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک انصاری صحابی نے نبی کریم ﷺ سے قلت حفظ کی شکایت کی،آپ نے فرمایا:''استعن بیمینک''اپنے ہاتھ سے مدد لو(یعنی احادیث لکھ لیا کرو)''(۲۶)

اسی طرح حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:''قیدوا العلم بالکتاب ''.(۲۷)''تحریر میں علم کو قید کرلو''۔

ان روایات سے صراحتاً کتابت حدیث کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے احادیث کا ایک مجموعہ تحریری شکل میں محفوظ کیا جو تاریخ میں''صحیفہ صادقہ''کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس صحیفہ کی بڑی حفاظت فرمایا کرتے تھے،چناں چہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ:میں عبداللہ بن عمرو کے پاس گیا اور ایک صحیفہ جو ان کے گدے کے نیچے رکھا تھا اٹھالیا،انہوں نے مجھے روک دیا،میں نے کہا:آپ تو کوئی چیز مجھ سے بچا کر نہیں رکھتے تھے،حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا:

ھٰذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللہ ﷺ لیس بینی وبینہٗ احداذاسلمت لی ھٰذہ و کتاب اللہ والوھط فلا ابالی علیٰ ماکانت علیہ الدنیا.والوھط ارض کانت لہٗ یزرعھا. (۲۸)

یہ صحیفہ صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح سنا ہے کہ ان کے اور میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا،جب تک میرے پاس یہ اور قرآن اور وہط (ان کے زیر انتظام ایک وقف زمین)محفوظ ہے،مجھے دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

''الصحیفۃ الصادقۃ''پشت در پشت ان کے خاندان میں رہا،ان کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیبؒ اس سے درس حدیث دیا کرتے تھے،پھر ان کے ذریعہ رفتہ رفتہ یہ صحیفہ بعد میں تالیف ہونے والی مشہور کتب حدیث میں مدغم ہو گیا۔حافظ ابن حجر نے''تہذیب التہذیب''میں امام یحیٰ بن معین اور علی بن مدینی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:عمرو بن شعیب جو حدیث بھی''عن اَبیہ عن جدہ'' روایت کریں وہ اسی صحیفہ کی حدیث ہوتی ہے،اس اصول کے مطابق موجودہ کتب حدیث میں جہاں جہاں اس سند سے روایت ہوگی وہ یقینی طور پر''الصحیفۃ الصادقۃ''کی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے لیے اس سے زیادہ باعث فخر کیا بات ہوگی کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی اجازت سے احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ کیا۔

اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے مجموعۂ احادیث کا بھی ذکر ملتا ہے، جس میں آپ نے احکام دیت وغیرہ سے متعلق احادیث جمع فرمائی تھیں۔(۲۹)

نیز تاریخ میں ان خطوط کا بھی ذکر ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض گورنروں کو لکھوائے تھے جن میں اونٹ وبکری وغیرہ کی مقادیر زکوٰۃ کے سلسلہ میں روایات موجود تھیں۔(۳۰)

اس کے علاوہ نومسلم وفود کے لیے صحائف، تبلیغی خطوط، جنگی ہدایات، عدالتی فیصلے تحریری معاہدے جاگیروں کے ملکیت نامے، امان نامے، بیع نامے، وقف نامے وغیرہ کا ذکر بکثرت کتابوں میں ملتا ہے۔

دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق

حضرات علماء کرام نے دونوں طرح کی احادیث میں مختلف انداز سے تطبیق دی ہے:

(۱) کتابتِ حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی، التباس حدیث بالقرآن کے اندیشہ کی وجہ سے، پھر جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور حفاظ قرآن کی کثرت ہوگئی تو یہ خوف زائل ہوگیا اور ابتدائے اسلام والا حکم منسوخ ہوگیا اور کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی۔ متقدمین میں سے ابن قتیبہ دینوری (۳۱) اور متاخرین میں سے شیخ احمد محمد شاکر (۳۲) کی یہی رائے ہے۔

(۲) کتابت حدیث کی ممانعت مطلقاً نہیں تھی، بلکہ ایک صحیفہ میں قرآن وحدیث ایک ساتھ لکھنے سے منع کیا گیا تھا، قرآنِ کریم کی عظمت کے پیش نظر اور کلامِ الٰہی میں عدم مساوات اور امتیاز کو بتانے کے لیے۔ اس لیے کہ صحابہؓ آیات کی تفسیر وتاویل جناب رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا کرتے تھے، اس کو لکھ بھی لیتے تھے تو ان کو لکھنے سے منع کیا گیا تاکہ اشتباہ کا خوف جاتا رہے۔(۳۳)

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی بھی اسی رائے کے قائل ہیں اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا مختلف امراء کے نام سیکڑوں خطوط املا کرانا ثابت ہے۔ یہ خطوط اگرچہ متعدد انتظامی امور پر مشتمل ہوتے تھے، لیکن ان کا شمار احادیث نبویہ میں ہی ہوگا؛ اس لیے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہمارے لیے نمونہ ہے۔

نیز قرآنِ کریم ہم سے تجارتی معاہدوں کو ضبط تحریر میں لانے کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے ہم کہیں گے کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت عام نہیں تھی بلکہ قرآنِ کریم کے ساتھ لکھنے سے منع کیا گیا تھا تاکہ اشتباہ کا خوف

جاتا رہے۔ (۳۴)

(۳) کتابت حدیث کی ممانعت ان لوگوں کے لیے تھی جو بہترین حافظہ کے مالک تھے، اگر ان کو لکھنے کی اجازت دیدی جاتی تو وہ لکھنے پر ہی بھروسہ کر بیٹھتے اپنے حفظ سے کام نہ لیتے، اور اجازت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے حفظ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا، جیسے ابوشاہ وغیرہ۔ (۳۵)

(۴) کتابتِ حدیث کی ممانعت عام تھی صرف ان لوگوں کو اجازت دی گئی تھی جو بہترین لکھنے پڑھنے والے ہوں اور تحریر میں غلطی نہ کرتے ہوں اور نہ ہی ان سے غلطی کا اندیشہ ہو، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ان کو اجازت دی گئی اوصافِ مذکورہ کے حامل ہونے کی وجہ سے۔ (۳۶)

(۵) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم کی رائے یہ ہے کہ دونوں طرح کی احادیث میں حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جس اہتمام کے ساتھ قرآنِ کریم لکھا جارہا ہے اس طرح حدیث رسول نہ لکھی جائیں۔ اور اجازت سے مراد یہ ہے کہ بعض اہم مسائل وواقعات کے سلسلہ میں نصوص احادیث کو محفوظ کرلیا جائے، یا ان صحابہ کے لیے اجازت ہے جو اپنے لیے حدیث پاک محفوظ کررہے ہیں۔ (۳۷)

الحاصل دونوں طرح کی روایات صحیح ہیں اور علماء نے دونوں روایات میں توفیق وتطبیق کی جو کوشش کی ہے وہ بھی صحیح ہے۔

عہد صحابہؓ میں کتابتِ حدیث

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے وہ روایات تھیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث کو محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچانے والوں کے لیے خوشخبری سنائی تھی اور تشجیعی کلمات سے نوازا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ نبی کریم ﷺ کا یہ بھی تاکیدی حکم تھا کہ احادیث بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جائے، اور ہر سنی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہ کیا جائے، آپؐ نے فرمایا:

كَفىٰ بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ (۳۸)

انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کردے۔

صحابۂ کرامؓ نے اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اسے بأحسن وجوہ انجام دیا۔ دنیا کے گوشے میں پھیل کر سنت رسول ﷺ کو عام کیا، جن جن لوگوں کو جہاں جہاں حضراتِ صحابہؓ کے وجود کا علم ہوتا رہا دور دراز کا سفر طے کر کے وہاں پہنچتے اور اپنے محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کے طور طریقوں کو ان سے معلوم کرتے، اس طرح حدیثِ رسول ﷺ کا امت میں شیوع اور جمہور مسلمین میں سنت کا دور دورہ ہوگیا۔

جہاں تک عہد صحابہؓ میں کتابتِ حدیث کا تعلق ہے تو اس میں صحابہؓ کے نظریات مختلف ہیں۔ بعض صحابہؓ کتابت کو ناپسند

سمجھتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں جب کہ بعض سے دونوں طرح کی باتیں مروی ہیں۔

☆　حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ سو حدیثیں جمع کیں پھر ان کو جلا دیا۔(۳۹) جب ان سے جلانے کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا:

خَشِيْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَهِيَ عِنْدِي فَيَكُوْنُ فِيْهَا اَحَادِيْثُ عَنْ رَجُلٍ قَدْ ائْتَمَنْتُهُ وَوَثَقْتُهُ وَ لَمْ يَكُنْ كَمَا حَدَّثَنِيْ فَاَكُوْنُ قَدْنَقَلْتُ ذَاكَ فَهٰنَا لا يَصِحُّ

مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ میں مر جاؤں اور حدیثوں کا مجموعہ میرے پاس رہ جائے۔(بایں طور) کہ اس مجموعے میں ایسے شخص کی بھی حدیثیں ہوں جس کی امانت پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کے بیان پر اعتماد کیا، مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا بات ویسی نہ ہو اور میں نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل کر دیا، ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

حافظ ذہبی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: هٰذَا لا يَصِحُّ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ.(۴۰)

نیز علامہ سیوطیؒ نے اس روایت کے بعد علامہ بن کثیرؒ کا قول نقل کیا ہے: هذا غريب في هذاالوجه جداً وعلى بن صالح لايُعرف.(۴۱)

مولانا مناظر حسن گیلانی اس واقعہ کو صحیح مانتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ذخیرۂ احادیث کو جلا کر سنتِ نبوی اور مصلحت پیمبری کی تجدید کی۔(۴۲)

الحاصل جلانے کے اس واقعہ سے (اگر صحیح ہو) یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کتابتِ حدیث کو ناجائز سمجھتے تھے کئی وجوہ سے غلط ہے:

(۱)　آپؐ سے کتابتِ حدیث ثابت ہے کہ آگے آ رہا ہے۔

(۲)　زیر بحث مجموعہ پانچ سو احادیث پر مشتمل تھا، اس کو لکھنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کتابتِ حدیث کو جائز سمجھتے تھے۔

(۳)　اگر ان کے نزدیک کتابتِ حدیث جائز نہ ہوتی تو اس مجموعے کو جلانے کی وجہ یہی بیان فرماتے کہ میں کتابتِ حدیث کو جائز نہیں سمجھتا حالانکہ آپ نے جلانے کے دوسرے اسباب بیان فرمائے۔

☆　صحابۂ کرامؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو تدوین کا مشورہ دیا۔ آپ نے ایک مہینہ تک استخارہ کیا اور پھر فرمایا: میں احادیث کو لکھنا چاہتا تھا کہ مجھے تم سے پہلے وہ لوگ یاد آئے جنہوں نے کتابیں لکھ کر مکمل توجہ اس پر مرکوز کر دی اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا، اور میں خدا کی قسم اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو کبھی نہیں ملا سکتا۔(۴۳)

اس واقعہ سے بھی بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمرؓ کتابت حدیث کو ناجائز سمجھتے تھے، لیکن یہ

درست نہیں؛ اس لیے کہ خود آپ کا حدیثیں لکھنا ثابت ہے، جن روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو کتابتِ حدیث سے شدت سے روکا ہے انہیں محدثین نے مشتبہ قرار دیا اور ان کے راویوں پر جرح کی ہے۔ (۴۴)

اس کے برعکس آپ کتابتِ حدیث کی ترغیب دیا کرتے تھے البتہ خود کوئی بڑا مجموعہ احادیث قلمبند نہیں کیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن شریف کا جو نسخہ سرکاری طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تحریر کرایا تھا اب وہی حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ تھا، پورے عالم اسلام میں قرآن شریف کے حافظ تو بے شمار تھے، تحریری نسخے بھی متعدد صحابۂ کرامؓ کے پاس محفوظ تھے؛ لیکن سرکاری نسخہ صرف یہی ایک تھا جس کی نقلیں حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں تیار کرا کے اسلامی ممالک میں بھیجی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی کوئی اور نقل نہ تھی اب اگر حضرت عمرؓ بھی احادیث کی ایک کتاب تالیف کر کے محفوظ کر لیتے تو اس کی حیثیت بھی سرکاری نسخہ احادیث کی ہو جاتی اور قوی اندیشہ تھا کہ جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے رفتہ رفتہ اسے بھی وہی درجہ دے دیں جو قرآن شریف کے سرکاری نسخے کو حاصل تھا اور قرآن شریف کی طرح اس مجموعۂ احادیث کو بھی قطعی سمجھنے لگیں۔ (۴۵)

☆　اسی طرح کی روایات حضرت علی بن ابی طالبؓ (۴۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے؛ اور ان سب نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کتابتِ حدیث کی ناپسندیدگی کی وجہ لوگوں کا اس میں مشغول ہو جانا اور قرآنِ کریم سے توجہ ہٹا لینا ہے، یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ حضرات کتابت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

کتابتِ حدیث کی اجازت دینے والے صحابۂ کرامؓ

☆　حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت انسؓ کو جب کہ وہ بحرین میں تحصیل زکوٰۃ کے لیے تشریف لے گئے ایک ''کتاب الصدقہ''، جس میں مختلف قسم کے اموال کا نصاب اور شرح زکوٰۃ اور متعلقہ احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں دیئے تھے۔ (۴۷)

نیز آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک خط بھیجا جس میں احادیثِ نبویہ مذکور تھیں۔ (۴۸)

☆　حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے دورِ خلافت میں آذربائیجان میں اسلامی سپہ سالار ''عتبہ بن فرقد'' کو بعض روایات لکھیں۔ (۴۹) اسی طرح ان کی تلوار کے قبضہ میں ایک صحیفہ ملا جس میں سوائم کے صدقات کی تفصیل تھی۔ (۵۰)

☆　حضرت علی بن ابی طالبؓ کا وہ صحیفہ جس میں قصاص، قید سے رہائی اور کسی (غیر معاہد) کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنے کے سلسلہ میں احکامات تھے، حافظ ابن سعد نے لکھا ہے یہ صحیفہ نبی کریم ﷺ کی ''ذوالفقار'' نامی تلوار کی میان میں تھا، جس کو حضرت علیؓ نے لے لیا۔ (۵۱)

اسی طرح کی روایات حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ، وحضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ سے بھی منقول ہیں۔

مذکورہ حضرات میں بعض وہ بھی ہیں جو ابتداءً کتابتِ حدیث کو ناپسند سمجھتے تھے، بعد میں اس کی اجازت دی اور اس میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان کے ناپسندیدگی کی وجہ اختلاط بالقرآن کا اندیشہ تھا اور جب یہ اندیشہ زائل ہوگیا تو کتابت کی اجازت دے دی۔

آغازِ اسلام کے بعض مشہور مجموعۂ احادیث

تاریخ میں تقریباً بیس صحابۂ کرامؓ کے مجموعۂ احادیث کا ذکر ملتا ہے جن میں بے شمار احادیث مکتوب تھیں۔(۵۲)

ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے وہ خطوط ورسائل جو آپ نے گورنروں، عاملوں، سیاسی قائدین اور والیوں کے نام لکھے ہیں، ۲۸۰ کے قریب ہیں۔ یہاں ہم بعض مشہور مجموعۂ احادیث کا ذکر کریں گے:

(۱)　''کتاب الصدقات لأبی بکر الصدیقؓ'' یعنی وہ کتاب جس میں ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کے متعین کردہ فرائض صدقات لکھ کر حضرت انسؓ کو دیئے تھے، جب کہ وہ تحصیلِ زکوٰۃ کے لیے بحرین جارہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ اس مجموعۂ احادیث پر نبی کریم ﷺ کی مہر مبارک لگی ہوئی تھی۔(۵۳)

(۲)　''کتاب الصدقات لعمر بن الخطابؓ'': حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کی حضرت عمر بن الخطابؓ کی تلوار کے قبضہ میں ایک صحیفہ ملا جس میں سوائم کے صدقات کی تفصیل تھی۔(۵۴) اور یہ وہی نسخہ تھا جو وراثت میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور ان سے امام زہری نے پڑھا۔(۵۵) اس کی تائید محمد بن عبدالرحمٰن الانصاری کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے کسی کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہ صدقات کے سلسلہ میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے فرامین واحادیث اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی کتاب کو تلاش کرے تو ال عمر کے پاس یہ کتاب مل گئی جو بالکل پیغمبرؐ کی کتاب کی طرح تھی۔(۵۶)

(۳)　''صحیفة علی بن أبی طالبؓ (م۱۸)''(۵۷)

(۴)　''صحیفة سعد بن عبادة الأنصاریؓ (م۱۵)''(۵۸)

(۵)　''کتاب أبی رافع مولی رسول اللہ ﷺ (م۳۵)''(۵۹)

(۶)　''کتاب وائل بن حجرؓ (م۵۰)'': جناب رسول ﷺ نے حضرت وائل بن حجرؓ کو ''حضرموت'' میں واقع ان کی قوم کے نام ایک تحریر دی، جس میں دعوتِ اسلامی کے سلسلہ میں خطوط، بعض نصابِ زکوٰۃ، حدزنا، حرمت خمر اور ہر نشہ آور

چیز کی حرمت کے سلسلہ میں ہدایت تھیں۔ (۶۰)

(۷) ''كتاب أبي هريرة (م۵۹)'': حضرت ابوہریرہؓ کے پاس احادیث کا بہت بڑا مجموعہ تحریری شکل میں موجود تھا، حافظ ابن عبدالبر نے ان کے اس کتاب کے واقعہ کو اس طرح درج کیا ہے کہ مشہور صحابی حضرت عمر بن امیہ ضمریؓ کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انہوں نے فرمایا: اگر تم نے مجھ سے حدیث سنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے، مجھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں، اسی ''ذخیرہ'' میں وہ حدیث بھی مل گئی، حضرت ابوہریرہؓ نے اس کے بعد فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا نہ کہ میں نے اگر کوئی حدیث تم سے بیان کی تھی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔ (۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ جو مکثرین صحابہؓ میں شمار کیے جاتے تھے، جو کچھ روایت کرتے تھے کتابی شکل میں ان کے پاس موجود تھا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ رسمی طور پر تدوین حدیث کا آغاز اگرچہ بعد میں ہوا، لیکن انفرادی طور پر یہ سلسلہ شروع سے چلا آرہا ہے۔ غور فرمایئے حضرت ابوہریرہؓ جن کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز ہے، سب کی سب ان کے پاس تحریری شکل میں محفوظ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور شاگرد حضرت بشیر بن نہیکؒ نے ان کی حدیثوں کا ایک نسخہ تیار کر کے خود ان کو پڑھ کر سنایا تھا۔ (۶۲)

(۸) ''نسخة سمرة بن جندب (م۶۰)'': حضرت سمرۃ بن جندبؓ نے ایک نسخہ میں بہت سی احادیث کو جمع کیا، جس کو ان کے صاحبزادے سلیمان ان سے روایت کرتے ہیں، اور شاید یہ وہی نسخہ ہے جس کے بارے میں محمد بن سیرینؒ کا یہ قول مشہور ہے: ''في رسالة سمرة الى بنيه علم كثير''. (۱۹۸/۴)

(۹) ''الصحيفة الصادقة لعبد الله بن عمرو بن العاص (م۵۶)'': اس کے سلسلہ میں تفصیلات گزشتہ صفحات میں آچکی ہیں۔

(۱۰) ''كتاب ابن عباس (م۶۸)'': حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ذوق تحصیل علم معروف و مشہور ہے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث معلوم کرتے اور ان کو لکھ لیتے، جب آپ کی وفات ہوئی تو تحریرات کا مجموعہ دستیاب ہوا جو اونٹ کے بوجھ سے کم نہ ہوگا۔ (۶۳)

(۱۱) ''صحيفة جابر بن عبد الله الانصاري (م۷۸)'': مشہور تابعی حضرت قتادہ بن دعامہ السدوسی، اس صحیفہ کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: لأنا بصحيفة جابر بن عبد الله أحفظ مني لسورة البقرة'' حضرت جابرؓ کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں لگتا تھا جس میں وہ اپنے تلامذہ کو احادیث املاء کرایا کرتے تھے۔ (۶۴)

(۱۲) ''الصحيفة الصحيحة لهمام بن منبه (م۱۳۱)'': حضرت ہمام بن منبہ کبار تابعین میں سے ہیں، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث سنیں اوران کو ایک صحیفہ میں لکھ لیا، اوراس کا نام ''الصحیفة الصحیحة'' رکھا۔ یہ صحیفہ مراحل تدوین حدیث میں انتہائی وقیع اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے اوران لوگوں کے خلاف حجت قاطعہ اور واضح دلیل ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری صدی کے اوائل میں ہوا، اس سے پہلے تدوین کا کوئی سراغ نہیں ملتا: اس لیے کہ حضرت ہمام بن منبہ نے یقیناً یہ روایات حضرت ابو ہریرہؓ سے وفات سے قبل سنی ہوں گی، اور آپ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے، اس کا مطلب ہوا کہ یہ احادیث پہلی صدی کے نصف ہی میں مدون ہوچکی تھیں اور اوپر یہ بات بھی آچکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بھی پیغمبرؐ کے زمانہ میں احادیث کو ایک صحیفہ میں مدون فرمایا تھا جو ''الصحیفة الصادقة'' کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ہمام بن منبہ کے اس صحیفہ میں ۱۱۳۸ احادیث ہیں، اوران سب کو امام احمدؒ نے اپنے مسند میں جمع کرلیا، اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی اس کی بیشتر حدیثوں کو اپنی ''صحیح'' میں مختلف ابواب کے تحت نقل کیا ہے۔

عہد تابعین میں کتابتِ احادیث

حضرات تابعین میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک کتابت حدیث کی اجازت دیتے تھے جب کہ دوسرے اسے ناپسند سمجھتے تھے؛ لیکن پھر کتابت عام ہوگئی، اہل علم کے مجموعہ احادیث طلبہ علم میں پھیل گئے، املاء حدیث کے حلقات قائم ہونے لگے، اس کے باوجود بعض تابعین وفات سے قبل اپنے مجموعہ کو مٹادیتے تھے یا اپنے معتمد لوگوں کو لکھنے کی وصیت فرماتے تاکہ نااہل لوگوں کے پاس ان کا مجموعہ نہ پہنچے۔

قَالَ ابْنُ الصَّلاحِ: ثم انه زال ذلک الخلاف، وأجمع المسلمون على تسويغ ذلک، أى الکتابة. واباحته، ولو لا تدوينه فى الکتب لدرس فى الأعصر الآخرة. (٦٥)

حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں: پھر (کتابت وعدم کتابت کے سلسلہ میں) اختلافات ختم ہوگئے، اور تمام مسلمانوں نے کتابت کی اجازت واباحت پر اتفاق کرلیا۔ اگر احادیث کو کتابوں میں جمع نہ کیا جاتا تو آخری زمانوں میں اس کا نام ونشان مٹ جاتا۔

قال الرامهرمزى: والحديث لا يضبط الابالکتاب، ثم بالمقابلة والمدارسة، والتعهد والتحفظ، والمذاکرة والسوال، والفحص عن الناقلين، والتفقه بما نقلوه، وانما کره الکتاب من کره فى الصدر الأول لقرب العهد وتقارب الاسناد ولئلايعتمده الکاتب فيهمله ويرغب عن تحفظهٗ والعمل به، فأما والوقت متباعد،

والاسناد غير متقارب والطرق مختلفة، والنقلة متشابهون، آفة النسيان معترضة، والوهم غير مامون، فان تقييد العلم بالكتاب أولىٰ وأشفى. (٦٦)

''رامہر مزی کہتے ہیں کہ: حدیث کو اولاً لکھ کر محفوظ کیا جائے گا، پھر دیگر نصوص سے باہم مقابلہ، سننا سنانا، مسلسل نگرانی، حفاظت، باہم مذاکرہ، سوال وجواب، نقل کرنے والے راویوں کے سلسلے میں چھان پھٹک اور انکے نقل کردہ مضامین کو سمجھنا اور زمانۂ اول میں جن لوگوں نے کتابت کو ناپسند سمجھا اس کی (ایک وجہ) زمانے کا قریب ہونا اور سندوں کا متقارب ہونا ہے (دوسری وجہ) تا کہ لکھنے والا کتابت پر بھروسہ کر کے اس سے صرف نظر نہ کرے، اور اس کو یاد رکھنے سے اور اس پر عمل کرنے سے اعراض نہ کرے۔ بحر حال اب تو عہد نبوت سے بعد ہو گیا، سندیں متقارب نہ رہیں، طرق مختلف ہو گئے، رواۃ ناقلین میں باہم اشتباہ پیدا ہو گیا، بھولنے کی آفت آ پڑی اور وہم سے اطمینان نہ رہا اس لئے علم (احادیث) کو کتاب کے ذریعہ مقید کرنا زیادہ مفید اور بہتر ہے''۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

محض کسی چیز کا قید کتابت میں آجانا اسکو قابل اعتماد بنانے کے لئے قطعاً کافی نہیں ہے؛ بلکہ حفظ وصیانت میں اصل چیز حاملین کا عادل ہونا ہے۔ امت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کتابت کے متعلق یہ باور کر لیا ہے کہ کسی چیز کا مکتوب ہو جانا گویا معصوم ہو جانا ہے، نہ لکھنے والوں سے غلط نویسی اور بھول چوک ہو سکتی ہے اور نہ پڑھنے والے کبھی غلط پڑھ سکتے ہیں یا غلط سمجھ سکتے ہیں، اس کے مقابلہ میں یاد کی ہوئی چیز کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اپنی اصلی حالت میں اس کا یاد رہ جانا گویا ناممکن ہے، پھر ان ہی مفروضات پر تیسرے فرض کی بنیاد کھڑی کی گئی کہ ابتدائی عہد میں حدیثوں کے چونکہ صرف زبانی یاد کرنے کا رواج تھا اور ان کے قلم بند کرنے کا خیال کئی صدی گزرنے کے بعد پیدا ہوا، اس لیے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ حدیثوں کا موجودہ ذخیرہ جو کتابوں میں ہے قطعاً کسی حیثیت سے قابلِ اعتماد نہیں ہے، اسی کا نام بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہر مقدمہ فاسد اور محض ایک خود تراشیدہ مفروضہ ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ ابتدائی صدیوں میں حدیثوں کے قلمبند نہ ہونے کا افسانہ صرف افسانہ ہے۔ اسی طرح کتابت کی اتنی غیر معمولی اہمیت اور حفظ و یادداشت کی حد سے گزری ہوئی تحقیر وتوہین کا واقعات سے کوئی تعلق نہیں، نہ صرف گزشتہ تجربے بلکہ روزمرہ کے مشاہدات سے جو بات صحیح ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ دونوں ذریعے معلومات کے محفوظ کرنے کے طبعی طریقے ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی گفتار و رفتار، سیرت و کردار، عادت واطوار تین مختلف راہوں سے منتقل ہوتے ہوئے پہلی نسلوں سے پچھلی نسلوں تک پہنچے ہیں، یعنی تعامل، روایت اور کتابت، تعامل اور توارث کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں کا تو پوچھنا ہی

کیا؟ ان میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے، البتہ صرف روایت اور کتابت کی راہوں سے جو چیزیں منتقل ہوئیں قطعیت میں ان کی یہ کیفیت تو نہیں ہے جو توارث اور تواتر کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں میں قدرتاً پیدا ہو جاتی ہے؛ لیکن اس نوعیت کی چیزیں بھی ابتداء عہد اسلام سے اس وقت تک جب کتابیں مدون ہو کر متواتر ہوگئیں، عموماً کتابت وروایت کی دونوں راہوں سے ساتھ ساتھ وہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ روایت کی کوتاہیوں کی تلافی کتابت سے اور کتابت کی کوتاہیوں کی تلافی روایت سے ہوتی چلی گئی۔ محدثین جانتے تھے کہ ان میں سے کسی ایک طریقہ پر قناعت کر لینے کے بعد باہمی کوتاہیوں کی تلافی ایک دوسرے سے جو ہو رہی ہے یہ فائدہ جاتا رہے گا، بلکہ بجنسہ الفاظ کے نہ سننے کی وجہ سے دیکھا جا رہا تھا کہ لوگ صرف لکھی ہوئی حدیثوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں کس طرح کی فاش غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نہ صرف عوام بلکہ فن سے تعلق رکھنے والوں کو بھی پایا گیا کہ ان غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔

خصوصاً ابتداء میں جب تک نقاط طریقہ ایجاد نہ ہوا تھا مکتوبہ چیزوں کا صحیح پڑھنا اور بھی دشوار تھا یہ تو حفظ اور یادداشت کے طریقہ سے قرآن کے محفوظ کرنے کی کرامت ہے کہ بحمد اللہ اس کے کسی لفظ کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہوا، ورنہ جیسا کہ اس زمانہ میں سمجھ لیا گیا ہے اگر بالکلیہ بھروسہ صرف کتابت کے طریقہ پر کر لیا جاتا تو حدیث تو حدیث وہ قرآن تک کے لیے بڑا فتنہ بن سکتا تھا۔

الحاصل یاد کر کے کسی چیز کو محفوظ کرنا یا لکھ کر اس کو محفوظ کر دینا دونوں میں چنداں فرق نہیں ہے، سب سے اچھا طریقہ تو یہی ہے کہ حفاظت کے ان دونوں ذرائع سے کام لیا جائے؛ جیسا کہ قرآن ہی کہ حد تک نہیں بلکہ حدیثوں کے متعلق بھی تمام اسلاف نے شروع ہی سے اسی طریقہ کو اختیار فرمایا ہے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو کسی وجہ سے اختیار کیا جائے تو ایسی صورت میں حفظ اور یاد کرنے کے تسلسل کو جاری رکھنا یعنی ہر پہلی نسل خود یاد کر کے آئندہ نسلوں کو یاد کراتی چلی جائے تو مختلف وجوہ سے کتابت اور قلمبندی کے لحاظ سے حفظ اور یاد کرنے کا یہ طریقہ زیادہ اسلم واحکم ہے۔ (٦٧)

نقد رجال کے امام جلیل علی بن مدینی اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

حافظ متقن أحب الي من أصل غير متقن. (٦٨)

حدیثوں کو اتقان اور بیدار مغزی کے ساتھ زبانی یاد رکھنے والے میرے نزدیک حدیث کے ایسے نسخے سے بہتر ہیں جن کے لکھنے میں زیادہ توجہ نہ کی گئی۔

ابتدائی دور میں تدوین کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی

حدیث کی تدوین کا معاملہ قرآن کی جمع وترتیب کے معاملہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے، کیا کوئی حضرت عثمان غنیؓ کے دور پر نظر کرنے والا یہ نتیجہ نکال سکتا ہے، کہ قرآن پہلے محفوظ نہ تھا، پھر ان کے زمانے میں محفوظ ہوا در حقیقت قرآن وحدیث ابتدائی دور میں اہل اسلام کی زندگی کا اس طرح جزو لاینفک بنے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کے لیے انہیں کسی اہتمام کی ضرورت ہی نہ تھی،

تہجد اور فرائض وسنن کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی قرآن کا دور جاری رہا کرتا تھا، پھر سال بھر میں تراویح کا ایک مشغلہ ایسا تھا کہ اس سلسلہ سے خواندہ وناخواندہ حافظ اور غیر حافظ سب کے کانوں تک کئی بار قرآن پہنچ جایا کرتا تھا، ادھر آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، عبادات تو الگ رہیں یہاں عادات میں بھی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ان میں بھی پوری مشابہت پیدا کرنے کے لیے حضرات صحابہؓ کی جدوجہد جاری رہا کرتی تھی، آپ ہی کی طرح نشست وبرخاست، رفتار وگفتار، طعام وشراب، نوم وبیداری کی ایک ایک حالت گزارنا ان کا آخری جذبہ تھا۔ اگر کسی نے آپ کی قمیص کا گریباں کھلا دیکھ لیا تو وہ اسی ادا پر مر مٹا، اگر کسی نے لوکی کے ٹکڑے کی طرف آپ کی انگلیاں چلتی دیکھ لیں تو اسی دن سے اسے لوکی سے عشق پیدا ہو گیا۔

اور اگر کسی نے کوئی بات کہہ کر ہنستے دیکھا تو اس نے وہ بات نقل کر کے آپ کی طرح ہنس پڑنا بھی اپنے اوپر لازم تصور کر لیا، جب تک قرآن کا یہ چرچا نبی کی ہر ہر ادا اور ان کی ہر حرکت کا یہ نقشہ ہر گھر میں موجود ہو تو اس دور میں اس کا کیا گمان ہو سکتا تھا کہ قرآن یا آپ کی حدیثیں جمع کرنے کا کوئی سرکاری طور پر بھی انتظام ہونا چاہیے۔

قرآن وحدیث کی حفاظت کا یہ دور دورِ شباب تھا اس لیے حفاظ کی کثرت، صحابہؓ کی یکجہتی اور آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت کے عمیق اثرات نے اس ضرورت کا احساس ہی نہ ہونے دیا کہ وہ قرآن کے لیے کسی جدید نظم ونسق کا تخیل اپنے دماغوں میں لائے، اسی طرح حدیث کا معاملہ بھی لوگوں کے اپنے اپنے انفرادی جذبۂ تحفظ کی وجہ سے کسی مزید اہتمام کے قابل نہ سمجھا گیا، حتیٰ کہ جب جنگ یمامہ میں دفعتاً صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی تو اب حاملین قرآن کے اس اچانک اور غیر معمولی نقصان سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑ جانے کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگا، چنانچہ یہاں حضرت عمرؓ کے جو الفاظ ہیں پورے غور کے ساتھ ملحوظ رکھئے: جنگ یمامہ میں حفاظ بے طرح شہید ہوئے ہیں، خدانہ کردہ اگر آئندہ اسی طرح حفاظ قتل ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے آپ قرآن جمع کرنے کا سرکاری طور پر انتظام کیجیے۔

دوسری طرف اب اس دور پر غور فرمایئے جب کہ صحابہؓ ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے یعنی دیکھنے والوں کا دور تو ختم ہو رہا تھا اور ان کی جگہ اب ان مشاہدات کو الفاظی لباس میں دیکھنے والوں کی باری آ رہی تھی، جمال جہاں آرا کو بے حجاب دیکھنے والوں کے سینوں میں جو حرارت بھڑک رہی تھی آپ کے انتقال مکانی کا حجاب پڑ جانے سے اس کے شعلوں میں بھی وہ تیزی باقی نہ رہنے کا امکان نظر آنے لگا تھا؛ اس لیے یہاں بھی دیکھنے والوں کے دل میں یہ بے چینی پیدا ہونی شروع ہو گئی کہ کہیں اس محبوب عالم کی ادائیں ان کے رخ انور کے نظارہ کرنے والوں کے ختم ہو جانے سے تاریخ کا ایک صفحہ بن کر نہ رہ جائیں اس لیے وہ انتظام کرنا چاہیے جو عالم کی تاریخ میں ایک یادگار رہ جائے۔ (۶۹)

تدوین حدیث کا آغاز

پہلی صدی ہجری پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے قریب ہے، احادیث کا ذخیرہ لوگوں کے سینوں میں اور زندگیوں میں محفوظ ہے اور

بہت سے صحابہ وتابعین نے اپنے طور پر لکھ کر بھی اسے محفوظ کر رکھا ہے؛ لیکن اب زمانہ بدل رہا ہے، فتنوں کی آمد آمد ہے، امت کے بہترین افراد رفتہ رفتہ اٹھتے چلے جارہے ہیں، عرب اگر چہ نسلاً بعد نسل قوی حافظہ کے مالک چلے آرہے ہیں؛ لیکن اب اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے، قبائل عجم فوج درفوج اسلام میں داخلہ کا شرف حاصل کررہے ہیں، اہل عرب کی طرح ان کا حافظہ ضرب المثل نہیں ہے وہ تو لکھی ہوئی باتوں کو سمجھنے اور یاد کرنے کے عادی ہیں، فتوحات کا دروازہ کھل چکا ہے، شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں صحابہؓ اور اہل علم نور نبوت کو پھیلا رہے ہیں، حالات کا تقاضہ ہے کہ اب دیر نہ کی جائے اور جلدی احادیث رسول کو لوگوں کے سینوں سے نکال کر قرطاس وقلم کے حوالہ کیا جائے اور اسلام کے اس مصدر ثانی کی فنی طور پر جمع وتدوین کا آغاز کیا جائے۔

چنانچہ عبدالعزیز بن مروان والئ مصر سب سے پہلے اس کوشش کا آغاز کرتے ہیں اور کثیر بن مرہ حضرمی- جنہوں نے بدر میں شریک ہونے والے ۷۰ رصحابہ کو پایا تھا- کو ان تمام احادیث کو جمع کرنے کا حکم دیتے ہیں جو انہوں نے مختلف صحابہؓ سے سنی تھیں۔

سوائے ان احادیث کے جو حضرت ابوہریرہؓ سے سنی؛ اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا مجموعۂ احادیث ان کے پاس پہلے سے تھا۔(۷۰) اس سلسلہ میں کیا پیش رفت ہوئی تاریخ میں کچھ نہیں ملتا۔

اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی خلافت (۹۹ھ) کا زمانہ آیا، آپ نے تمام ممالک کے علماء کو یہ فرمان بھیجا: **انظروا حديث رسول الله ﷺ فاجمعوه** (نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کو تلاش کرکے یکجا کرلیا جائے) (۷۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے قاضی مدینہ ابوبکر بن حزم (م۱۲۰ھ) کو یہ حکم دیا:

انظروا ما كان من حديث رسول الله ﷺ او سنة ماضية فاكتبه فاني خفت دروس العلم وذهاب اهله.

رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت سب کو تلاش کرکے جمع کرو؛ اس لیے کہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فناء ہوجانے کا خوف ہے۔(۷۲)

خلیفہ عدل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو اس کام کے لیے اسلیے مقرر فرمایا تھا کہ وہ اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کے نائب تھے اور ان کا علمی پایہ بھی اتنا بلند تھا کہ امام مالکؒ ان کے حق میں یہ فرماتے ہیں: **لم يكن أحد بالمدينة عنده من علم القضاء ما كان عند أبي بكر بن حزم.** اس وقت مدینہ میں علم قضاء کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔(۷۳) علاوہ ازیں ان کے پاس آنحضرت ﷺ کے صدقات، اور دیات وغیرہ کے کچھ احکام بھی وراثتاً موجود تھے۔

اسی طرح کے فرامین آپ نے امام زہری (م۱۲۴ھ) امام شعبی (م۱۰۴ھ) امام مکحول (م۱۱۳ھ) وغیرہ کے نام ارسال

کئے، یہ حضرات تن دہی کے ساتھ اس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے، قبل اس کے کہ قاضی ابوبکر بن حزم اپنے مجموعہ احادیث کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کرتے وہ راہی ملک عدم ہو گئے۔(۷۴) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور کامیاب کوشش کی، وہ فرماتے ہیں:

أمرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن، فكتبنا ها دفترا دفترا، فبعث الى كل أرض له عليها سلطان دفترا.

ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے احادیث کو جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے الگ الگ کاپیوں میں اس کو لکھ لیا (پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں پیش کیا) آپ نے ایک ایک کاپی ہر علاقہ کے امیر کے پاس (اپنے قلمرو میں) بھیج دی۔(۷۵)

یہی وجہ ہے کہ مؤرخین اور علماء اس پر متفق ہیں کہ: ''اول من دون العلم ابن شهاب''۔(۷۶) یعنی ذمہ داروں کے حکم سے سب سے پہلے فنی طور پر تدوین احادیث کا آغاز کرنے والے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ ہیں۔ آپ نے اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لیے ایک راہ عمل متعین کی جس پر چل کر دوسری صدی ہجری میں اس تحریک نے زور پکڑا اور علماء تدوین میں مشغول ہو گئے۔

امام زہریؒ اپنے زمانہ کے اتنے کثیر العلم شخص تھے کہ ان کے متعلق حضرت معمرؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم نے زہریؒ کا بہت سا علم حاصل کر لیا ہے، جب ولید بن یزید کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ہم نے دیکھا کہ اس خزانے سے جانوروں پر لد کر کتابیں آ رہی ہیں ہم نے جب ان کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بیان کیا کہ یہ سب زہریؒ کا علم ہے۔ (۷۷)

ان کے قلمی ذخیرہ کا تو یہ حال تھا، اب ان کے حافظہ کا حال سنئے۔ ابن شہاب خود اپنا حال لکھتے ہیں کہ جب میں مقام بقیع سے گزرتا تو اپنے کان اس خوف سے بند کر لیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں بیہودہ باتیں نہ پڑ جائیں، خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے کان میں کوئی بات پڑ گئی ہو پھر میں اسے بھول گیا ہوں۔ امام شعبیؒ کے حافظہ کا بھی یہی حال تھا۔(۷۸)

فن حدیث میں تصنیف کا آغاز کرنے والے حضرات

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ اپنی کتاب: ''ماتمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه'' میں رقم طراز ہیں:

ثم .... يجيئ بعد هؤ لاء سراج الأمة، فقيه الملة، حافظ السنة الا مام الأعظم أبو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفيؓ فيغلب الناس بالحفظ والفقه الصيانة وشدة الورع.

اس کے بعد سراج امت، فقیہ ملت، حافظ حدیث امام اعظم، ابوحنیفہ النعمن بن ثابت الکوفیؒ (م ۱۵۰) کا زمانہ آیا۔

آپ یادداشت، فقاہت، حفاظت وصیانت اور تقوی وپرہیز گاری میں معاصرین پر غالب آگئے۔

امام اعظم علیہ الرحمہ کے علاوہ جن دیگر علماء کا شمار فن حدیث میں سلسلہ تصنیف کا آغاز کرنے والوں میں ہوا ہے ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج البصری (۱۵۰ھ)

(۲) مالک بن أنس (۱۷۹ھ) (۳) محمد بن اسحاق (ت ۱۵۰ھ)

(۴) محمد بن عبدالرحمٰن بن أبی ذئب (ت ۱۵۸ھ)

(۵) الربیع بن صبیح (ت ۱۶۰ھ)

(۶) شعبۃ بن الحجاج (ت ۱۶۰ھ)

(۷) سعید بن أبی عروبۃ (ت ۱۵۶ھ)

(۸) حماد بن سلمۃ (ت ۱۶۷ھ)

(۹) سفیان الثوری (ت ۱۶۱ھ)

(۱۰) معمر بن راشد (ت ۱۵۳ھ)

(۱۱) عبدالرحمٰن بن عمرو الأوزاعی (ت ۱۵۷ھ)

(۱۲) عبداللہ بن مبارک (ت ۱۸۱ھ)

(۱۳) ھشیم بن بشیر (ت ۱۸۳ھ)

(۱۴) جریر بن عبدالحمید (ت ۱۸۸ھ) (۱۵) عبداللہ بن وھب (ت ۱۹۷ھ)

(۱۶) وکیع بن الجراح (ت ۱۹۸ھ)

(۱۷) سفیان بن عیینۃ (ت ۱۹۸ھ)

اس صدی میں جو دوسری صدی ہجری ہے۔ احادیثِ مرفوعہ، آثار صحابہؓ اور تابعین کے اقوال وفتاویٰ ایک ایک کر کے مدون کر لیے جاتے ہیں؛ لیکن اس صدی میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں یہ تمام چیزیں مخلوط تھیں، احادیث مرفوعہ، اقوال صحابہ وتابعین کو الگ الگ لکھنے کا اہتمام نہیں تھا۔

تیسری صدی کا آغاز

تیسری صدی ہجری کو علماء نے خدمات حدیث کے سلسلہ میں مبارک ترین دور قرار دیا ہے، اسی صدی میں امام احمد

اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں، جن پر امت نے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ اس صدی میں اقوال صحابہ وتابعین کو احادیث مرفوعہ سے الگ کیا گیا، اور پھر احادیث کو اس طرح مسانید پر مرتب کیا گیا کہ ہر صحابی کا مسند اور اس کی حدیثیں یکجا ہو گئیں اسی کے ساتھ ساتھ بعض مسانید کو اسماء صحابہ پر مرتب کر کے اس کی احادیث کو فقہی ابواب پر تقسیم کیا گیا۔

دوسرا طریقہ تصنیف کا یہ تھا کہ احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کر کے مختلف انواع میں تقسیم کر دیا گیا، بعض مؤلفین نے اپنی کتابوں میں صرف احادیث صحیحہ کے جمع کرنے پر اکتفا کیا جیسے امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ اور بعض نے احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ اس سے کم درجہ کی احادیث بھی شامل کیں جیسے امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی ودیگر محدثین رحمہم اللہ۔ اس سے پہلے علماء کرام نے اپنی تمام تر توجہ متقدمین کی کتابوں میں موجود ذخیرۂ احادیث کو جمع کرنے پر مرکوز کر رکھی تھی، جب وہ اس کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو نقاد حدیث میدان میں آئے اور انہوں نے اصول صحیحہ کے معیار پر احادیث کو جانچنا شروع کیا۔

خلاصہ یہ کہ تدوین حدیث تحفظ علم کی ایک ارتقائی شکل تھی جس طرح موجودہ صورت قرآن کے جمع وترتیب کی ارتقائی شکل ہے، پہلے وہ عموماً سینوں میں محفوظ تھا پھر صحف میں لکھا گیا، پھر صحف سے مصحف بنا، پھر غیر مشکل سے مشکل ہوا، رکوع اور سورتوں کے نشانات قائم کئے گئے، پھر مترجم ہوا، پھر اس کی مختلف تفاسیر اور فہرستیں مرتب ہوئیں، اسی طرح حدیث بھی پہلے منتشر طور پر محفوظ رہی، پھر زمانہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہاں بھی ایک ارتقاء نمودار ہوا، اور اس کے قلمبند کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی، پہلے آثار مرفوع حدیثیں یکجا لکھی گئیں، اسی حال پر ایک دور گزرا، دوسرا دور آیا تو مرفوع کو آثار سے جدا کر لیا گیا، اس کے بعد صحیح وضعیف کے جدا جدا لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہ تمام صورتیں فطری ارتقاء کی بناء پر ظاہر ہونا ناگزیر تھیں، ہر ارتقائی حرکت پہلے پہل قابلِ اعتراض نظر آئی آخر کار وہی متفقہ دستور العمل بن گئی۔ (۷۹)

حوالہ جات

(۱) ابن ماجۃ

(۲) مسند احمد ۱۹۳/۷

(۳) مسند احمد ۱۵۷/۴

(۴) مجمع الزوائد ۱۲۱/۱

(۵) مجمع الزوائد ۱۲۷/۱

(۶) مجمع الزوائد ۱۲۳/۱

(۷) مسند احمد ۲۰۲/۵ ح: ۳۵۸۱

(۸) مجمع الزوائد: ۱۳۲/۱

(۹) مجمع الزوائد: ۱۲۹/۱ معزواالی الطبر انی فی الکبیر، ورجالہ رجال الصحیح

(۱۰) مجمع الزوائد: ۱۲۹/۱ معزواالی الطبرانی فی الکبیر

(۱۱) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع: ۹۶

(۱۲) فتح الباری: ۳۸۹/۷

(۱۳) مسند احمد: ۲۵۴/۴

(۱۴) مسند احمد: ۳۶۲/۲

(۱۵) مسند احمد، ح: ۳۵۱/۲

(۱۶) مسلم شریف: ۴۱۴/۲، کتاب الزہد

(۱۷) تقیید العلم ۳۲-۳۳

(۱۸) الوزراء والکتاب الاجھیشاری، ص ۱۲ بحوالہ دراسات فی الحدیث النبوی، ص ۵۵

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھئے تدوین حدیث، ص ۲۴۱-۲۴۱-۲۴۲
(۲۰) دیکھئے تاویل مختلف الحدیث، ص: ۳۶۶
(۲۱) السنة قبل التدوین : ۳۰۱-۳۰۲
(۲۲) دراسات فی الحدیث النبوی: ۷۳
(۲۳) فیض الباری ۱/۲۰۸
(۲۴) بخاری فی العلم، مسند دارمی، ترمذی، مسند احمد ۱۲/۲۳۲
(۲۵) مسند دارمی ۱/۱۲۵، ابوداؤد فی العلم، ۳۶۴۶
(۲۶) ترمذی: ۲/۱۰۷
(۲۷) تقیید العلم ۷۰، جامع بیان العلم ۱/۷۲
(۲۸) اسد الغابہ: ۳/۲۳۳، جامع بیان العلم: ۱/۷۲
(۲۹) جامع بیان العلم ۱/۷۶
(۳۰) جامع بیان العلم
(۳۱) دیکھئے تاویل مختلف الحدیث، ص ۳۶۵
(۳۲) الباعث الحثیث، ص ۱۳۳
(۳۳) فتح المغیث: ۳/۱۸، توضیح الافکار: ۲/۳۵۴
(۳۴) دراسات فی الحدیث النبوی، ص ۱۷۹
(۳۵) فتح المغیث: ۳/۱۸، توضیح الافکار: ۲/۳۵۴
(۳۶) الوجیز، ص ۶۹، السنة قبل التدوین، ص: ۳۰۸
(۳۷) السنة ومکانتہا فی التشریع السلامی، ص ۷۸
(۳۸) مسلم شریف
(۳۹) تذکرۃ الحفاظ ۱/۵
(۴۰) کنز ۱۰/۱۷۵
(۴۱) کنزالعمال ۱۰/۱۷۵
(۴۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: تدوین حدیث، ۲۷۶
(۴۳) جامع بیان العلم ۱/۶۴، تقیید العلم، ص ۵۰
(۴۴) دیکھئے تدوین حدیث، ص: ۳۴۷
(۴۵) کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں، ص: ۱۲۵
(۴۶) جامع بیان العلم ۱/۶۳
(۴۷) بخاری شریف ۱۴۵۴، مسند احمد: ۱/۱۱
(۴۸) المعجم الکبیر الطبرانی ۱/۵
(۴۹) مسند احمد ۱/۱۶
(۵۰) الکفایہ ص: ۳۵۳
(۵۱) الطبقات الکبری ۱/۴۸۶
(۵۲) مختصر الوجیز ص: ۸۱
(۵۳) مسند احمد، ۷۲، ۱/۱۸۳-۱۸۴
(۵۴) الکفایہ، ص: ۳۵۳
(۵۵) الاموال، ص ۳۶۰
(۵۶) الاموال، ص: ۳۵۸
(۵۷) مسند احمد: ۲/۴۴-۳۵
(۵۸) جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۷۲
(۵۹) الکفایہ، ص: ۳۳۰
(۶۰) الاصابہ: ۶/۳۱۲
(۶۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/۷۴
(۶۲) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، ص: ۱۳۷، المحدث الفاصل، ص: ۱۲۸
(۶۳) الطبقات الکبری: ۵/۲۱۶
(۶۴) الطبقات الکبری: ۸/۲۰۱، قسم ۲
(۶۵) مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۷۱
(۶۶) المحدث الفاصل، ص ۳۸۱
(۶۷) تدوین حدیث ص: ۱۹۱ تا ۱۹۹
(۶۸) کفایہ ۳۴۱
(۶۹) ترجمان السنة: ۱/۲۰۴
(۷۰) الطبقات الکبریٰ، تہذیب التہذیب ۸/۴۲۹
(۷۱) فتح الباری ۱/۲۰۴
(۷۲) بخاری شریف ۱/۲۰ باب کیف یقبض العلم، دارمی ۱/۱۲۶
(۷۳) توجیہ النظر، ص: ۷
(۷۴) الرسالۃ المستطرفہ ص: ۴
(۷۵) جامع بیان العلم ۱/۷۶
(۷۶) جامع بیان العلم ۱/۷۶
(۷۷) جامع بیان العلم: ۱/۷۳
(۷۸) جامع بیان العلم: ۱/۶۹
(۷۹) ملخص از ترجمان السنة ۱/۲۱۱

مفتی عبدالجلیل قاسمی

حضرات صحابہ ﷺ سے مروی احادیث کی تعداد

دو ہزار یا اس سے زائد روایت کرنے والے حضرات کی تعداد مرویات

(۱)	حضرت ابوہریرہ	پانچ ہزار تین سو چوہتر	۵۳۷۴
(۲)	حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب	دو ہزار چھ سو تیس	۲۶۳۰
(۳)	حضرت انس بن مالک	دو ہزار دو سو چھیاسی	۲۲۸۶
(۴)	حضرت عائشہ صدیقہ	دو ہزار دو سو دس	۲۲۱۰

ایک ہزار سے یا اس سے کچھ زائد روایت کرنے والے حضرات کی تعداد مرویات

(۵)	حضرت عبداللہ بن عباس	ایک ہزار چھ سو ساٹھ	۱۶۶۰
(۶)	حضرت جابر بن عبداللہ	ایک ہزار چھ سو ساٹھ	۱۶۶۰
(۷)	حضرت ابوسعید خدری	ایک ہزار ایک سو ستر	۱۱۷۰

واضح رہے کہ ایک ہزار یا اس سے زائد حدیث کی روایت کرنے والے کو محدثین کی اصطلاح میں مکثرین کہا جاتا ہے۔

ایک ہزار سے کم روایت کرنے والے حضرات

(۸)	حضرت عبداللہ بن مسعود	آٹھ سو اڑتالیس	۸۴۸
(۹)	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	سات سو	۷۰۰
(۱۰)	حضرت عمر بن الخطاب	پانچ سو سینتیس	۵۳۷
(۱۱)	حضرت علی بن ابی طالب	پانچ سو	۵۰۰
(۱۲)	حضرت ام سلمہ (ام المومنین)	تین سو اٹھہتر	۳۷۸
(۱۳)	حضرت ابوموسیٰ اشعری	تین سو ساٹھ	۳۶۰

(۱۴)	حضرت براء بن عازب	تین سو پانچ	۳۰۵

دوسو یا کچھ زائد روایت کرنے والے حضرات

(۱۵)	حضرت ابوذر الغفاری (بکسر الغین)	دوسو اکیاسی	۲۸۱
(۱۶)	حضرت سعد بن ابی وقاص	دوسو اکہتر	۲۷۱
(۱۷)	حضرت ابوامامہ باہلی (بضم الہمزہ)	دوسو ستر	۲۷۰
(۱۸)	حضرت حذیفہ بن الیمان	دوسو پچیس	۲۲۵

سو یا اس سے زائد روایت کرنے والے حضرات

(۱۹)	حضرت سہل بن سعد	ایک سو اٹھاسی	۱۸۸
(۲۰)	حضرت عبادہ بن صامت	ایک سو اکیاسی	۱۸۱
(۲۱)	حضرت عمران بن حصین	ایک سو اسی	۱۸۰
(۲۲)	حضرت ابودرداء	ایک سو اناسی	۱۷۹
(۲۳)	حضرت ابوقتادہ	ایک سو ستر	۱۷۰
(۲۴)	حضرت بریدہ الحصیب الاسلمی	ایک سو سرٹھ	۱۷۶
(۲۵)	حضرت ابی بن کعب	ایک سو چونسٹھ	۱۶۴
(۲۶)	حضرت معاویہ بن ابی سفیان	ایک سو تہتر	۱۷۳
(۲۷)	حضرت ابوایوب انصاری	ایک سو پچپن	۱۵۵
(۲۸)	حضرت معاذ بن جبل	ایک سو ستاون	۱۵۷
(۲۹)	حضرت عثمان بن عفان	ایک سو چھیالیس	۱۴۶
(۳۰)	حضرت جابر بن سمرہ انصاری	ایک سو چھیالیسی	۱۴۶
(۳۱)	حضرت ابوبکر صدیق	ایک سو بیالیس	۱۴۲
(۳۲)	حضرت مغیرہ بن شعبہ	ایک سو چھتیس	۱۳۶
(۳۳)	حضرت ابوبکر	ایک سو بتیس	۱۳۲
(۳۴)	حضرت اسامہ بن زید	ایک سو اٹھائیس	۱۲۸
(۳۵)	حضرت ثوبان (مولی رسول)	ایک سو اٹھائیس	۱۲۸

(۳۶)	حضرت نعمان بن بشیر	ایک سو چودہ	۱۱۴
(۳۷)	حضرت ابومسعود انصاری	ایک سو دو	۱۰۲
(۳۸)	حضرت جریر بن عبداللہ البجلی	ایک سو ایک	۱۰۱

سو سے کم حدیث روایت کرنے والے صحابہ

(۳۹)	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی	پنچانوے	۹۵
(۴۰)	حضرت زید بن خالد	اکیاسی	۸۱
(۴۱)	حضرت اسماء بنت یزید بن السکن	اکیاسی	۸۱
(۴۲)	حضرت کعب بن مالک	اسی	۸۰
(۴۳)	حضرت رافع بن خدیج	اٹھہتر	۷۸
(۴۴)	حضرت سلمہ بن اکوع	ستتر	۷۷
(۴۵)	حضرت میمونہ (ام المومنین)	چھہتر	۷۶
(۴۶)	حضرت وائل بن حُجر	اکہتر	۷۱
(۴۷)	حضرت زید بن ارقم انصاری	ستر	۷۰
(۴۸)	حضرت ابورافع (مولیٰ رسول ﷺ)	اڑسٹھ	۶۸
(۴۹)	حضرت ابوعوف بن مالک	سرسٹھ	۶۷
(۵۰)	حضرت عدی بن حاتم	چھیاسٹھ	۶۶
(۵۱)	حضرت ام حبیبہ (ام المومنین)	چھیاسٹھ	۶۶
(۵۲)	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف	پینسٹھ	۶۵
(۵۳)	حضرت عمار بن یاسر	باسٹھ	۶۲
(۵۴)	حضرت سلمان الفارسی	ساٹھ	۶۰
(۵۵)	حضرت حفصہ (ام المومنین)	ساٹھ	۶۰
(۵۶)	حضرت اسماء بنت عُمیس	ساٹھ	۶۰
(۵۷)	حضرت جبیر بن مُطعِم	ساٹھ	۶۰
(۵۸)	حضرت اسماء بنت ابی بکر	اٹھاون	۵۸

(۵۹)	حضرت واثلہ بن اسقع	چھپن	۵۶
(۶۰)	حضرت عقبہ بن عامر الجہنی	پچپن	۵۵
(۶۱)	حضرت شداد بن اوس	پچاس	۵۰
(۶۲)	حضرت فضالہ بن عُبید	پچاس	۵۰
(۶۳)	حضرت عبداللہ بن بشیر	پچاس	۵۰
(۶۴)	حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل	تینتالیس	۴۳
(۶۵)	حضرت مقدام بن معدیکرب	سینتالیس	۴۷
(۶۶)	حضرت عبداللہ بن زید	اڑتالیس	۴۸
(۶۷)	حضرت کعب بن عُجرہ	سینتالیس	۴۷
(۶۸)	حضرت ام ہانی بنت ابی طالب	چھیالیس	۴۶
(۶۹)	حضرت ابوبَرزہ اسلمی	چھیالیس	۴۶
(۷۰)	حضرت ابوجُحَیفہ	پینتالیس	۴۵
(۷۱)	حضرت بلال (موذن رسول ﷺ)	چوالیس	۴۴
(۷۲)	حضرت جندب بن عبداللہ بن سفیان	تینتالیس	۴۳
(۷۳)	حضرت عبداللہ بن مغفل	تینتالیس	۴۳
(۷۴)	حضرت مقداد	بیالیس	۴۲
(۷۵)	حضرت معاویہ بن حیوۃ	بیالیس	۴۲
(۷۶)	حضرت سہل بن حُنیف	چالیس	۴۰
(۷۷)	حضرت حکیم بن حزام	چالیس	۴۰
(۷۸)	حضرت ابوثعلبہ خُشَنی	چالیس	۴۰
(۷۹)	حضرت ام عطیہ	چالیس	۴۰
(۸۰)	حضرت عمرو بن العاص	انتالیس	۳۹
(۸۱)	حضرت خزیمہ بن ثابت	اڑتیس	۳۸
(۸۲)	حضرت زبیر بن عوام	اڑتیس	۳۸
(۸۳)	حضرت طلحہ بن عبیداللہ	اڑتیس	۳۸

(۸۴)	حضرت عمرو بن عنبسہ	اڑتیس	۳۸
(۸۵)	حضرت عباس بن عبدالمطلب	پینتیس	۳۵
(۸۶)	حضرت معقل بن یسار	چونتیس	۳۴
(۸۷)	حضرت فاطمہ بنت قیس	چونتیس	۳۴
(۸۸)	حضرت عبداللہ بن زبیر	تینتیس	۳۳
(۸۹)	حضرت خباب بن الارت	بتیس	۳۲
(۹۰)	حضرت عرباض بن ساریہ	اکتیس	۳۱
(۹۱)	حضرت معاذ بن انس	تیس	۳۰
(۹۲)	حضرت عیاض بن حماد	تیس	۳۰
(۹۳)	حضرت سہیب	تیس	۳۰
(۹۴)	حضرت فضل بنت حارث	تیس	۳۰
(۹۵)	حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی	انتیس	۲۹
(۹۶)	حضرت یعلی بن امیہ	اٹھائیس	۲۸
(۹۷)	حضرت عقبہ بن عبد	اٹھائیس	۲۸
(۹۸)	حضرت ابواسید الساعدی	اٹھائیس	۲۸
(۹۹)	حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ	اٹھائیس	۲۸
(۱۰۰)	حضرت ابومالک اشعری	ستائیس	۲۷
(۱۰۱)	حضرت ابوحمید الساعدی	ستائیس	۲۷
(۱۰۲)	حضرت یعلی بن مرّہ	چھبیس	۲۶
(۱۰۳)	حضرت عبداللہ بن جعفر	چھبیس	۲۶
(۱۰۴)	حضرت ابوطلحہ انصاری	پچیس	۲۵
(۱۰۵)	حضرت عبدالسلام بن سلام	پچیس	۲۵
(۱۰۶)	حضرت سہل بن ابی حثمہ	پچیس	۲۵
(۱۰۷)	حضرت ابوملیح الہذلی	پچیس	۲۵
(۱۰۸)	حضرت فضل بن عباس	چوبیس	۲۴

(۱۰۹)	حضرت ابوواقد اللیثی	چوبیس	۲۴
(۱۱۰)	حضرت رِفاعہ بن رافع	چوبیس	۲۴
(۱۱۱)	حضرت عبداللہ بن اُنیس	چوبیس	۲۴
(۱۱۲)	حضرت اوس بن اوس	چوبیس	۲۴
(۱۱۳)	حضرت لقیط بن عامر	چوبیس	۲۴
(۱۱۴)	حضرت ام قیس بنت محصن	چوبیس	۲۴
(۱۱۵)	حضرت عامر بن ربیعہ	بائیس	۲۲
(۱۱۶)	حضرت قرۃ المزنی	بائیس	۲۲
(۱۱۷)	حضرت سائب بن یزید	بائیس	۲۲
(۱۱۸)	حضرت سعد بن عُبادہ	اکیس	۲۱
(۱۱۹)	حضرت الربیع بنت مُعوذ	اکیس	۲۱

بیس عدد روایت کرنے والے اصحاب رسول ﷺ

(۱۲۰) حضرت ابوبرزہ اسلمی (۱۲۱) حضرت ابوشریح الکعبی

(۱۲۲) حضرت عبداللہ بن جراد (۱۲۳) حضرت مسور بن مخرمہ

(۱۲۴) حضرت عمرو بن امیہ ضمری (۱۲۵) حضرت صفوان بن عسال

انیس حدیث کے راوی

(۱۲۶) حضرت سراقہ بن مالک (۱۲۷) حضرت سبرہ بن معبد الجُہنی

اٹھارہ حدیث کے راوی

(۱۲۸) حضرت تمیم الداری (۱۲۹) حضرت خالد بن ولید

(۱۳۰) حضرت عمرو بن حریث (۱۳۱) حضرت اُسید بن حُضیر

(۱۳۲) حضرت فاطمہ بنت رسول ﷺ

سترہ حدیث کے راوی

(۱۳۳) النواس بن سمعان الکلابی (۱۳۴) حضرت عبداللہ بن سَرجس

سولہ حدیث کے راوی

(۱۳۵) صعب بن جثامہ　(۱۳۶) قیس بن سعد بن عبادہ　(۱۳۷) محمد بن مسلمہ

پندرہ حدیث کے راوی

(۱۳۸) مالک بن حیرث اللیثی　(۱۳۹) ابولُبابہ بن عبدالمنذر

(۱۴۰) سلمان بن صُرَد　(۱۴۱) خولہ بنت حکیم

چودہ حدیث کے راوی

(۱۴۲) عبدالرحمٰن بن شبل　(۱۴۳) ثابت بن ضحاک

(۱۴۴) طلق بن علی　(۱۴۵) عبیدہ بن الجراح

(۱۴۶) طارق آخر　(۱۴۷) عبداللہ الصنابحی

(۱۴۸) عبدالرحمٰن مرہ　(۱۴۹) الحکم بن عُمیر

(۱۵۰) حضرت سفینہ مولی رسول ﷺ　(۱۵۱) کعب بن مُرّہ

(۱۵۲) ام سُلیم بنت ملحان

تیرہ حدیث کے راوی

(۱۵۳) ابویعلیٰ انصاری　(۱۵۴) معاویہ بن حکم

(۱۵۵) حسن بن علی بن ابی طالب　(۱۵۶) حذیفہ بن اسد الغفاری

(۱۵۷) سلیمان بن عامر　(۱۵۸) عروۃ البارقی

(۱۵۹) صفوان بن امیہ بن خلف

بارہ حدیث کے راوی

(۱۶۰) ابوبصرہ الغفاری　(۱۶۱) عبدالرحمٰن بن البزی

(۱۶۲) عبداللہ بن عُکیم　(۱۶۳) عمر بن مسلمہ

(۱۶۴) عامر بن ربیعہ　(۱۶۵) ربیعہ بن کعب

(۱۶۶) سلمہ بن مُحبّق الہذلی　(۱۶۷) الشفا بنت عبداللہ العدویہ

(۱۶۸) سبیعہ الاسلمہ

گیارہ حدیث روایت کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱۶۹) نبیشہ بن ابو کبشہ الانماری　　(۱۷۰) عمرو بن الحمق
(۱۷۱) قبیصہ یزید بن قنافہ الطائی　　(۱۷۲) وابصہ بن معبد الاسدی
(۱۷۳) زینب بنت جحش (ام المومنین)　　(۱۷۴) ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب
(۱۷۵) ابوالیسر　　(۱۷۶) بسرہ بنت صفوان

جن صحابہ کرام سے دس احادیث مروی ہیں

(۱۷۷) خریم بن فاتک　　(۱۷۸) ابومحذورہ　　(۱۷۹) ام المومنین حضرت صفیہ
(۱۸۰) عتبان بن مالک　　(۱۸۱) عروۃ بن مضرس　　(۱۸۲) عمیر مولیٰ ابواللحم
(۱۸۳) مجمع بن جاریہ　　(۱۸۴) نعیم بن ہمار　　(۱۸۵) ام کلثوم
(۱۸۶) ام مبشر الانصاریہ　　(۱۸۷) ام معقل الاسدیہ　　(۱۸۸) ام ہشام بنت حارثہ الانصاریہ
(۱۸۹) ام کرزہ

نو احادیث کے رواۃ

(۱۹۰) ابیض بن حمال　　(۱۹۱) اشعث بن قیس　　(۱۹۲) بشیر بن خصاصیہ
(۱۹۳) حمزہ بن عمرو اسلمی　　(۱۹۴) عمارہ بن رویبہ　　(۱۹۵) مطلب بن ابووداعہ
(۱۹۶) نوفل بن معاویہ　　(۱۹۷) ہشام بن عامر　　(۱۹۸) ابوریحانہ (نام شمعون)
(۱۹۹) ابوصرمہ　　(۲۰۰) ابوطفیل بن حنظلہ

آٹھ احادیث کے راوی صحابہ

اسماء بن شریک　　اسود بن سریع　　امیمہ بنت رقیہ　　ابن الحارث
جرہد　　حسین بن علی　　حنظلہ الکاتب　　خولہ بنت قیس
بنت خذام　　رویفع بن ثابت　　زینب (زوجہ مسعود)　　عائذ بن عمرو المزنی
عبدالرحمٰن بن ابوبکر　　عبدالمطلب بن ربیعہ　　عمرو بن خارجہ　　فریعہ بنت مالک
ام الحصین　　ام رمیۃ

سات احادیث کے رواۃ

حارث بن اوس	حارث بن یزد البکری	امۃ بنت خالد	ام المومنین حضرت جویریہ
صیب بن مسلمہ	زینب بنت ابوسلمہ	سلمہ بن قیس الاشجعی	سلمہ بن صحر البیاضی
سلمی (رسول ﷺ کی آزاد کردہ باندی)		سوید بن نعمان	عبداللہ بن السائب
عبداللہ بن المزنی	عرفجہ ابن اسعد	عقبہ بن حارث	علی بن شیبان
عویم بن ساعدہ	قتادہ بن نعمان	قطبہ بن مالک	قیس بن طفحہ غفاری
قیس بن ابوغرزہ	محمد بن عبداللہ بن جحش	مستورد بن شداد	میتب ابوسعید
معیقب	ابوامیہ	ابوجمعہ	ام حرام بنت ملحان

چھ احادیث کے راوی صحابہ ﷺ

بشیر بن سحیم	حجاج الاسلمی	حارث الاشعری	حارثہ بن وہب الخزاعی
رافع بن عرامہ	سلمہ بن یزید	سوید بن مقرن	عاصم بن عدی
عبداللہ بن حنظلہ	عبداللہ بن شخیر	عقیل بن ابی طالب	عویمر بن اشقر
فلتان بن عاصم	قبیصہ بن المخارق	کرز بن علقمہ	مالک بن الحویرث
محمد بن صفوان	مخنف بن سلیم	مہاجر بن قنفذ	نصر بن حزن
نعمان بن مقرن	ابوعیاش الزرقی	ابوالحمراء	ابووہب الجشمی
ام حبیب	ام العلاء		

جن صحابہ سے پانچ احادیث مروی ہیں

ثعلبہ بن الحکم	خفاف بن ایما	خولہ بنت ثعلبہ	ربیعہ بن عباد
سائب بن خلاد	سالم بن عبید	سلمہ بن نفیل	سفیان بن ابوزہیر
سفیان بن عبداللہ الطائفی	ام المومنین حضرت سودہ	صحار العبدی	صفیہ بنت ابی شیبہ
عثمان بن طلحہ	عمرو بن حزم	قابوس بن ابوالمخارق	لقیط بن صبرہ
مالک بن صعصعہ	مجاشع بن مسعود الاسلمی	محجن بن الاذرع	معقل بن سنان الاشجعی
معمر بن عبداللہ بن نضلہ	معن بن یزید	ہانی بن نیاز	یزید بن الاسود ابوالجعد
ابوعبس بن جبیر	ابوغریب	ام ایمن	ام درداء

ام بجید

جن صحابہ کرام سے چار روایتیں مروی ہیں

ابی بن مالک	بشر بن ابی ارطاۃ	جاریہ بن قدامہ	جارود العبدی
حارث بن عمرو	حارث بن قیس	حارث بن مسلم	حجاج بن عمر
خالد بن عرفطہ	دیلم الحمیری	ذویب ابوقبیصہ	رکانہ بن عبد یزید
رویبہ	زید بن حارثہ (رسول ﷺ کے آزاد کردہ غلام)		زیاد بن حارث
صبرہ بن فاتک	سعد ابوعبدالعزیز	سنان بن سنہ	ضحاک بن سفیان
طارق بن اشیم	علاء بن الحضرمی	عبداللہ بن ابوحدرد	عبداللہ بن یزید الانصاری
عبدالرحمٰن بن حسنہ	عباس بن مروان	عتبہ بن غزوان	عثمان بن مظعون
عکاف بن وداعہ،	فیروز دیلمی	قیس بن عاصم المنقری	مالک بن ہبیرہ
محمد بن صیفی	معاذ بن عفراء	معاویہ بن خدیج	وحشی بن حرب
ہانی بن ہانی	ہزال	ابوخزامہ	ابوبشیر الانصاری
ابوجبیرہ الانصاری	ابوحازم الانصاری	ابوہم	ابویزید الانصاری
ابولبیبہ	ابونجیح السلمی	ابن ابی عمیرہ	ام حبیبہ بنت سہل
ام ضبیہ	ام کردم	ام لیلیٰ	ام المنذر

جن صحابہ کرام سے تین احادیث منقول ہیں

احمر بن جزء الاغز المزنی	اقرم	انس بن مالک الاشہلی	انیسہ اہبان بن صیفی
بدیل بن ورقاء	بصرہ بن ابی بصرہ	جاریہ بن ظفر	ابوغزان الحنفی
جعدہ ابوجزء	جنادہ الازدی	حارث بن وہب	حرملہ
حکیم بن معاویہ	حارث بن زیاد	حبشی بن جنادہ	حنظلہ بن ندیم
خارجہ بن حذافہ (خالد بن علی)	خالد بن سعید	خالد الخزاعی	دحیہ الکلبی
درہ بنت ابولہب	ذوالجوشن	سعید بن حریث	سعید بن یربوع
ابن عنکشہ	سلمہ بن سلامہ	سوید بن ہبیرہ	سوید بن قیس
سہل بن حنظلہ الانصاری	سہل بن بیضاء	شریک بن طارق	صماد بنت بسر

عابس التیمی	عبداللہ بن حذافہ السہمی	عبداللہ بن حبیب	عبداللہ السعدی
عبداللہ بن عبداللہ بن ابی	عبداللہ بن ابی الجدعاء	عبداللہ بن ابی حبیبہ	عبداللہ بن قارب
عبدالرحمٰن بن یعمر	عبید مولی رسول ﷺ	عبید بن خالد	عراء بن خالد
عطیہ السعدی	عطیہ القرظی	علی بن طلق	عمارہ بن حزم
عمرو بن مرہ الجہنی	غطیف بن حارث	فاطمہ بنت ابوعمیش	فروہ بن مسک
کردم	مالک بن ربیعہ	ابومریم	مالک بن عبداللہ
مالک بن عمر القشیری	محرش الکعبی	محیصہ	میمونہ بنت سعد
یزید بن ثابت	یوسف بن عبداللہ بن سلام	ابوالدراج	ابوحیہ البدری
ابوزید	ابوسعد الانصاری	ابوشہم	ابوعبدالرحمٰن الجہنی
ابوعزہ	ابوعنبہ الخولانی	ابوفاطمہ الازدی	ابولبید الانصاری
ابومحیبہ الباہلی	ابوہاشم بن عتبہ بن کاس	ابن ام کلثوم	ام سعد

جن صحابہ سے دو حدیثیں مروی ہیں

ابی بن عمارہ	اسلع	اسید بن ظہیر	اشج بنی عصر
امیمہ اوس بن حذیفہ	اوس بن صامت	ایاس بن عبدالمزنی	جذامہ بنت وہب
جعدہ بن خالد	حارث بن برصا	حارث بن قیس	حارث بن ہشام
حارثہ بن نعمان	حارثہ بن قیس	حارث بن ہشام	حارثہ بن نعمان
حارثہ (زید کے بھائی)	حکیم بن جابر	حکیم بن سعید المزنی	حمزہ بن عبدالمطلب
حمل بن النابغہ	خالد بن لجلاج	خشخاش العبدی	بنت ثامر
دہر بن اخرم	ذوالاصابع	ذوالیدین	رافع بن عمرو
رباح بن الربیع	ربیعہ بن الہاد	رفاعہ الجہنی	زاہر کنیت ابومجراۃ
زینب	زید بن ابی مولی (سعد ابوبکر کے آزاد کردہ غلام)		سعید بن سعد
سلمہ بن سلامہ بن وقش	سلیم بن جابر الجہنی (یا اصل نام جابر بن سلیم الجہنی ہے)		سلمہ بن خزاعی
سندر	سوادہ بن ربیع	سوید بن حنظلہ	سوداء
سہلہ بنت سہیل	شرحبیل بن حسنہ	شیبہ بن عتبہ	صخر الغامدی
طارق بن مخاش	ظہیر	عائشہ بنت قدامہ	عباد

عبداللہ بن ارقم	عبداللہ بن ثعلبہ	عبداللہ بن حنظلہ (غسیل الملائکہ)	
عبداللہ بن ربیعہ بن حارث		عبداللہ بن سائب	عبداللہ بن عدی
عبداللہ بن قریط	عبداللہ بن مالک	عبداللہ بن المرقع	عبداللہ بن القرشی
عبداللہ بن ابی ربیعہ	عبدالرحمٰن بن عائذ	عبدہ بن حزن	عتاب بن شمیر
عتبہ بن نذر	حدمی بن عدی	عرس بن عمیرہ	عقبہ بن مالک
عمرو بن الاحوص	عمرو بن ثغلب	عمر بن غیلان	عمرو بن کعب الیامی
عمیر بن قتادہ	عیاش بن ابی ربیعہ	عیاض الاشعری	فرات بن حبان الفراسی
قتادہ بن ملحان	قدامہ بن عبداللہ	کعب بن عیاض	مالک بن عبداللہ الاودی
مالک (کنیت ابوصفوان)	ماریہ (رسول ﷺ کی آزاد کردہ باندی)		محمد بن حاطب
محصن	مطلب بن عبداللہ حطب	معقل بن مقرن	معقل بن ابوٴعقل
معاویہ بن جاہمہ	میمونہ (رسول ﷺ کی آزاد کردہ باندی)		نافع بن حارث
نبیط بن شریط	نعیم بن نحام	ولید بن عقبہ	وہب بن حذیفہ
یعلی العامری	یسیر (اسیر) الدرکی	ابوامامہ الحارثی	ابو بردہ
ابوابراہیم	ابوثابت	ابوالجعد	ابورافع الغفاری
ابورفاعہ	ابوزہیر النمیری	ابوسعید بن المعلی	ابوسلامہ
ابوسلمی (راعی وخادم رسول ﷺ)		ابوسلیط	ابوشمح
ابوسیارہ المتعی	ابوعمرہ	ابوغطیف	ابوکلیب
ابومرثد الغنوی	ابونملہ (نام معاذ)	ابودرداء	ام بشر بن براء
ام الحکم	ام زیاد	ام عبدالرحمٰن بن طارق	ام عبداللہ بنت اوس
ام عمارہ	ام معبد	ام ورقہ بن الرسیم	

جن صحابہ کرام سے صرف ایک حدیث مروی ہے

ابولحم اذرع السلمی	اذینہ اسماء بن جاریہ	اسمر بن مضرس	اسود بن اصرم المحاربی
اقرع بن حابس	انیس	ابوفاطمہ	ایمن بن عبید
انیس بن ابومرثد	اوس	ایاس بن عبداللہ	بروع بنت واشق
بریرہ (حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ باندی)		بسر بن محجن	بشر بن عاصم

بشر کنیت ابونحیلہ	بشیر الغفاری	بشیر بن عقربیہ	بشیر الاسلمی
بشیر	بقیرہ (حضرت قعقاع کی اہلیہ)		بلال بن سعد
تلب	تمیم المازنی	تمیم العدوی	ثابت بن رفیع
ثابت بن صامت	ثابت بن قیس بن شماس	ثابت بن یزد	ثابت بن ابوعاصم
ثعلبہ بن زہدم	ثعلبہ بن ابومالک	ثعلبہ	ثمامہ بن انس
جاہمہ	جابر بن عمیر	جابر الاحمسی	جبار بن سلمی
جبیر الکندی	جبلہ بن ازرق	جدار الاسلمی	جرموز الہجیمی
جعدہ بن ہبیرہ	جعفر بن ابوالحکم	جعیل الاشجعی	جمرہ ایربوعیہ
جمیلہ بنت ابی بن سلول	جبارہ بن مالک	جندب بن سلمہ	جندب بن مکیث
جندرہ بن خیشنہ	جودان	حارث بن بدل	حارث بن حارث
حارث بن حاطب	حارث بن حسان	حارث بن خزمہ	حارث بن غزیہ
حارث بن غطیف	حارث بن مالک	حارث بن نوفل	حارث الثقفی
حارثہ الخزاعی	حازم بن حرملہ	حبیب بن فدیک	حبیبہ بنت ابوتجراء
حبہ بنت خالد	حبان بن بح	حجاج بن عبداللہ	حجاج بن علاط
حجر المدری	حجیر بن بیان	حدرد بن ابی حدرد	حذیم السعدی
حرام بن معاویہ	حرملہ العنبری	حرملہ الاسلمی	حسان بن ثابت
حسان بن ابوجابر السلمی	حصین بن عوف الاحمسی	حکم بن حزم	حکم بن عمرو الغفاری
حمزہ بن ابواسید	حمنہ بنت جحش	حنظلہ السدوسی	حواء
حویطب بن عبدالعزی	خالد بن عدی الجہنی	خالد بن ابوجبل	خلاد
خالدہ بنت انس	ام المومنین خدیجہ	خرشہ بن حارث	خزیمہ بن جزی
خوات بن جبیر	خولی	خولہ بنت صامت	خیرہ (کعب بن مالک کی اہلیہ)
دغفل	دکین بن سعید	دیلم الجیشانی	ذوالزوائد
ذوالغرہ	راوع بن بشر یا ابن بسر	رافع بن عمرو المزنی	رافع بن مالک الانصاری
رافع بن مکیث	رافع بن ابورافع الطائی	ربیع الانصاری	رسیم الہجری
رشید السعدی	رفیقہ	زارع بن عامر العنبری	زہیر بن عثمان

زہیر بن علقمہ	زہیر بن عمرو	زہیر بن قیس البجلی	زنباع الجذامی
زیاد بن حارث	زید بن حارثہ	زید بن خارجہ	زید بن ثابت
زرارہ بن جزی	زنکل	سائب بن خباب	سائب بن خلاد کنیت ابوسہلہ
سابط	سالم بن حرملہ	سبرہ بن ابوفاکہ	سراء بنت نبہان
سعد بن اطول	سعد بن اسحاق	سعد بن تمیم سعد	سعید بن العاص
سعید بن عامر	سعید	سعید بن ابوراشد	سعید بن ابوذباب
سعید	سفیان بن مجیب	سفیان بن وہب الخولانی	سلمہ بن قیس
سلمہ بن نعیم	سلمیٰ ام رافع (حضور ﷺ کی آزاد کردہ باندی)،		سلمی الجرمی
سلامہ بن قیصر	سلامہ بن معقل	سلیل اشجعی	سلمان
سواء بن خالد	سوید بن جبلہ	سوید الانصاری	سواد بن عمرو
سہل بن حنیف	سہیل بن یوسف	شریک بن حنبل	شداد بن اسید
شعبہ بن توام	شقی بن ماتع	شکل بن حمید	شمیر
شموس بنت نعمان	شیبہ بن عثمان	شیبان	صخر بن عیلہ
صعصعہ بن ناجیہ	صعصعہ	صفوان الزہری	صلہ الغفاری
صمیتہ	صہیب (یہ صہیب رومی کے علاوہ ہیں)		ضحاک بن قیس
طارق بن عبداللہ المحاربی	طارق بن سوید	طارق بن شہاب	طعمہ بن جزء
طفیل بن سخبرہ	طلحہ بن مالک	طلحہ بن معاویہ	طلحہ السلمی
طلحہ النصری	طلق بن یزید	طہفہ الغفاری	عابس الغفاری
عامر بن شہر	عامر بن عائذ	عامر بن مسعود	عامر المزنی
عامر الرام	عائذ بن قرط	عبداللہ بن اقرم	عبداللہ بن بدر
عبداللہ بن جبیر الخزاعی	عبداللہ بن رواحہ	عبداللہ بن ربیعہ	عبداللہ بن زمعہ
عبداللہ بن سبرہ	عبداللہ بن سعد	عبداللہ بن السعدی	عبداللہ بن سہیل
عبداللہ بن عامر	عبداللہ بن عمار	عبداللہ بن عتبہ	عبداللہ بن عبدالرحمٰن
عبداللہ بن عتیک	عبداللہ بن عدی	عبداللہ بن عیسیٰ	عبداللہ بن کعب
عبداللہ بن معقل بن مقرن	عبداللہ بن معبد	عبداللہ بن ہلال الثقفی	عبداللہ بن ابوامیہ

عبداللہ بن اوشدیدہ	عبداللہ بن ابوسفیان	عبداللہ بن ابوالمطرف	عبیداللہ القرشی
عبدالرحمٰن بن خباب	عبدالرحمٰن بن خماشہ	عبدالرحمٰن بن سبرہ بن ستہ	عبدالرحمٰن بن عائش
عبدالرحمٰن بن عتبہ	عبدالرحمٰن بن عثمان	عبدالرحمٰن بن عدلیس (یا حدلیس)	
عبدالرحمٰن بن عمرو السلمی	عبدالرحمٰن بن قتادہ السلمی	عبدالرحمٰن بن مالک	عبدالرحمٰن بن معاذ
عبدالرحمٰن بن معاویہ	عبدالرحمٰن بن ابوعقیل	عبادہ بن قرص	عبید بن خشخاش
عباد بن شرجیل	عباد	عبدالحمید بن عمرو	
عبدعوف (قیس بن ابوحازم کے والد)		عبیدہ بن عمرو الکلابی	عبید اللیثی
عبید بن خالد السلمی	عثمان بن حنیف	عدی بن زید	عدی الجذامی
عروہ بن عامر الجہنی	عروہ بن مسعود الثقفی	عروہ	عسعس بن سلامہ
عصام المزنی	عفیف الکندی	عقبہ بن اوس	عقبہ بن مالک
عکرمہ بن ابوجہل	عکراش بن ذویب	علقمہ بن حویرث	علقمہ بن رمثہ البلوی
علمقہ بن نضلہ	عمار بن اوس	عمارہ بن زعکرہ	عمار بن مدرک
عمرو بن اراکہ	عمرو بن حارث	عمرو بن سعد	عمرو بن سفیان السلمی
عمرو بن شاس	عمرو بن شعبہ	عمرو بن عامر بن طفیل	عمرو بن مالک الروسی
عمرو بن معدیکرب	عمرو بن الوعقرب	عمرو بن العجلانی	عمرو البکالی
عمرو الجمعی	عمیر بن حبیب بن خماشہ	عمیر بن سلمہ	
عمیر بن عامر بن مالک (کنیت ابوداؤد)		عمیر بن ابوسلمہ الضمری	عمر اللیثی
عمیر بن العتری	عمیر	عیاض بن غنم	غالب بن ابوابجر
عرفہ الکندی	فاکہ بن سعد	فجیع العامری	فروہ بن نوفل
قارب اللیثی	قبیصہ البجلی	قتیلہ	قسامہ بن زہیر
قطبہ بن قتادہ	قعقاع بن ابوحذرد	قیس بن خشخاش	قیس بن سائب
قیس بن سہل الفقیمی	قیس بن سہل (حضرت یحییٰ بن سعیہ کے دادا)		
قیس بن عائذ (کنیت ابوالکاہل)		کبیشہ	کدیر الضبی
کردم بن قیس	کلیب الجہنی	کلثوم	کندیر
کیسان (رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام)		لیلی بنت قانف	مالک بن اخیمر

مالک بن تیہان	مالک بن خشخاش	مالک بن عبادہ الغافقی	مالک بن عتابیہ
مالک بن عوف القشیری	مالک بن بن عمرو العبدی	مالک بن عمرو البلوی	مالک بن قہطم
مالک بن مرارہ	مالک الاشعری	مثعب	مجمع بن یزید
محمد بن عبداللہ بن سلام	محمد بن عمرو بن علقمہ	محمد بن فضالہ	محمود بن ربیع
مجن الدیلی	محمر بن معاویہ	مخرمہ بن نوفل	مرہ البہزی
مرہ الفہری	مسعود البلوی	مسلم بن حارث التیمی	مرزوق الصیقل
مرداس بن عروہ	مرداس بن عبدالرحمٰن	مروان بن قیس	مسعود بن العجماء
مسعود بن عمرو، مسعدہ (سپہ سالار)		مسور بن ندبیہ	مسعور بن یزید
مسلم بن رباع	مسلمہ بن مخلد	مطر بن عکاس	مطیع بن اسود
معقل بن مقرن	مغیرہ	مسعد (۲) (منقذ بن عمرو المنہال)	
المقنع	مہران (حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام)		مہند الغفاری
مہاجر (حضرت ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام)		میسرۃ (میسرۃ الفجر)	میمونہ بن سنباذ
ناجیہ الخزاعی	نافع بن حارث	نافع بن عتبہ	نبیہ الجہنی
نصر بن دہر الاسلمی	نصر السلمی	نضرہ	نعلہ
نعیم بن مسعود الاشجعی	نعمان بن ہلال المزنی	نفیر ابوجبیر	نقادہ الاسدی
نمیر بن تولب	نمیر الخزاعی	نوفل الاشجعی	ہبیب بن معقل
ہرماس بن زیاد	ہرم (ان کو وہب بن خنیش بھی کہتے ہیں)		ہشام بن فدیک
ہلال الاسلمی	ہند بن ابوہالہ	ہند الاسلمی	ہنیدہ بن خالد الخزاعی
یزید بن اخنس	یزید بن مسکن	یزید بن سلمہ	یزید بن شجرہ
یزید بن شرح	یزید بن عامر السوائی	یزید بن مربع	یزید بن نعیم
یزید بن نعامہ	یعقوب	یعلی بن سیابہ	یعمر بن شداد
ابو ابی الانصاری	ابو اشیلہ (حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام)		ابو الارقم
ابو اسید بن ثابت	ابو امیہ	ابو بشر الخثعمی	ابو بشر السلمی
ابو بردہ بن قیس	ابو بردہ الظفری	ابو بجہ	ابو ثعلبہ الاشجعی
ابو ثور الفہمی	ابو حماد	ابو حازم مولی الانصاری	ابو حبیب العنبری

ابوالحجاج الشمالی	ابوحدرد	ابوحصین	ابوخالد
ابوخلاد الانصاری	ابوخیثمہ	ابوالدجداح	ابورفاعہ
ابورمثہ التیمی	ابوالرمداء	ابوزہیر الثقفی	ابوسائب
ابوسعد بن فضالہ	ابوسعید الانصاری	ابوسفیان بن حرب	ابوسلمہ
ابوسلامہ	ابوسنابل بن بعکک	ابوسود	ابوسوید
ابوسہل	ابوسہلہ	ابوشیب	ابوصبرہ
ابوطلیق الاشجعی	ابوعامر الاشعری	ابوعبدالرحمٰن المعطی	ابوعبدالرحمٰن الفہری
ابوعبداللہ الامجاری	ابوعبداللہ	ابوعزیز	ابوعقبہ
ابوعقرب	ابوعقیل	ابوغادیہ	ابوالغوث
ابوفرہ	ابوفصیلہ	ابو قتیلہ	ابوقتادہ السدوسی
ابوالیقین	ابومالک	ابودرہم الازدی	ابوالعلاء الانصاری
ابومنصور	ابوالمنتفق	ابومنفعہ	ابونعمان
ابونھلہ الکنانی	ابوالنضر السلمی	ابونجیح السلمی	ابوہانی
ابوہند الداری	ابویزید بن ابومریم	ابویزید الہلالی	ابونخسینہ
ابن حبشی	ابن حذافہ	ابن سیلان	ابن شیاب
ابن عائش	ابن عبادہ بن صامت	ابوالفغواء	ابن کیسان
ابن مربع الانصاری	ابن ابوشیخ	اخوقرہ بن ایاس	عم حسناء الصریمیہ عم ابوحرہ
عم جاریہ بن قدامہ	ام ایوب الانصاریہ	حضرت ابوایوب کی اہلیہ	ام اسحاق
ام انس	ام جمیلہ	ام الحجاج	ام حمید
ام خالد بن اسود	ام رومان	ام سنبلہ	
ام سلیمان بنت حکیم (یا بنت ابوحکیم)		ام شریک	ام صہبا
ام طفیل	ام عامر	ام عثمان بنت سفیان	ام فروہ
ام کبشہ	ام مالک البہزیہ	ام منیب	ام نضر
ام ہانی الانصاریہ	ام ہلال بنت بلال	بنت حمزہ بن عبدالمطلب	

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کی شرعی حیثیت

''صحابی'' کے اصل معنی ''ساتھی'' اور ''رفیق'' کے ہیں؛ لیکن یہ اسلام کی ایک مستقل اور اہم اصطلاح ہے، اصطلاحی طور پر صحابی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے بحالت ایمان حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں، حدیث نبوی ﷺ :

" طوبى لمن رآني ولمن رآى من رآني " (۱)

''خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جس نے مجھ کو دیکھا اور اس کے لئے جس نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا''

سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ صحابیت کے لئے ملاقات کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت حاصل ہو یا اس نے حضور ﷺ سے کوئی روایت بھی نقل کی ہو، جیسا کہ بعض اہل علم کی رائے ہے؛ بلکہ سعید بن میسب کے نزدیک تو صحابہ ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سال دو سال رہنا اور ایک دو غزوات میں شرکت کرنا بھی ضروری ہے۔ (۲)

اسی لئے اصحمہ نجاشی کا شمار صحابہ میں نہیں ہوگا، کہ آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا اور جو لوگ ملاقات سے مشرف ہوئے، گو کم عمر رہے ہوں، صحابہ کہلائیں گے، جیسے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت محمود بن ربیع ﷺ وغیرہ، سعید بن میسب کی طرف مذکورہ قول کی نسبت ابن صلاح نے کی ہے؛ لیکن علامہ زید الدین عراقی نے اس پر نقد کیا ہے اور اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے؛ کیوں کہ سعید بن میسب کا یہ قول محمد بن عمر واقدی سے منقول ہے اور واقدی کا حدیث میں ضعیف و نامعتبر ہونا محتاج بیان نہیں۔ (۳)

صحابیت کا ثبوت

صحابیت کا ثبوت چار طریقوں سے ہوسکتا ہے:

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

(۱) تواتر کے ذریعہ، جیسے حضرات خلفاء راشدین اور عشرۂ مبشرہ وغیرہ۔

(۲) تواتر سے کم تر درجہ شہرت کے ذریعہ، جیسے حضرت ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن وغیرہ۔

(۳) کوئی معروف صحابی کسی شخص کے بارے میں صحابی ہونے کی اطلاع دے، جیسا کہ حضرت ابوموسی اشعری ؓ نے حممۃ بن ابوحممہ الدوسی کی بابت صحابی ہونے کی خبر دی۔

(۴) کوئی ایسا شخص جس کا عادل ومعتبر ہوا معلوم ہو اور زمانی اعتبار سے اس کا صحابی ہونا ممکن بھی ہو، اگر اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کو قبول کرلیا جائے گا، اس سلسلہ میں علماء کا خیال ہے کہ ۱۱۰ھ کے بعد اگر کوئی شخص صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ غیر معتبر ہے، اسی بنا پر جعفر بن نسطور رومی اور رتن ہندی وغیرہ کے دعویٰ صحابیت کو غیر معتبر مانا گیا ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے ۱۰ھ میں ارشاد فرمایا تھا:

" ما من نفس منفوسة اليوم يأتي عليها مائة سنة وهي حية يومئذ " (۴)

''آج کوئی متنفس نہیں کہ سو سال گذرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہے''

ان چار طریقوں سے کسی کا صحابی ہونا تسلیم کیا جاتا ہے۔(۵)

تمام صحابہ عادل ہیں

اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام ہی صحابہ عادل ومعتبر ہیں خواہ وہ حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت اور اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والے فتنہ میں شریک رہے ہوں یا نہیں۔(۶)

صحابہ میں مراتب

اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ اور آپ ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ تمام امت میں افضل ہیں، حضرت عمر ؓ کے بعد حضرت عثمان ؓ وعلی ؓ کا درجہ ہے، اکثر علماء نے حضرت عثمان ؓ کو افضل قرار دیا ہے اور علماء کوفہ نے حضرت علی ؓ کو۔(۷)

امام ابوحنیفہؒ کا رجحان بھی اسی طرف بتایا جاتا ہے؛ اسی لئے آپ نے اہل سنت والجماعت کی علامات میں حضرات شیخین کی فضیلت اور حضرت عثمان ؓ وعلی ؓ کی محبت کو شمار کیا ہے۔(۸)

امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں توقف منقول ہے، نیز مشہور محدث محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ اور خطابیؒ نے بھی حضرت علی ؓ کو افضل مانا ہے۔

خلفاء اربعہ کے بعد پھر ان چھ صحابہ کا درجہ ہے، جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں، ان کے بعد اصحاب بدر، ان کے بعد اصحاب احد اور ان کے بعد حدیبیہ میں بیعت رضوان کے شرکاء کا شمار ہے، آخر درجہ فتح مکہ اور اس کے بعد ہونے والے مسلمانوں کا ہے، جن میں

حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ ؓ وغیرہ ہیں۔

امام حاکم نیشاپوریؒ نے صحابہ ؓ کے بارہ طبقات بیان کئے ہیں:

۱) مکہ میں ابتداءً اسلام قبول کرنے والے جن میں خلفاء اربعہ بھی داخل ہیں۔

۲) دار الندوہ کے اصحاب، یعنی جب حضرت عمر ؓ اسلام لائے اور اپنے اسلام کا عام اعلان واظہار کیا تو وہ آپ ﷺ کو دار الندوہ لے گئے، جہاں اہل مکہ کی ایک جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان حضرات کو اصحاب دار الندوہ کہتے ہیں۔

۳) حبش ہجرت کرنے والے صحابہ۔

۴) بیعت عقبہ اول میں شریک رہنے والے صحابہ۔

۵) بیعت عقبہ ثانی میں شریک رہنے والے صحابہ۔

۶) وہ مہاجرین جو آپ کے قباء میں رہتے ہوئے پہونچ چکے تھے۔

۷) غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ۔

۸) غزوۂ بدر، صلح حدیبیہ کے درمیان ہجرت کرنے والے صحابہ۔

۹) وہ صحابہ جو بیعت رضوان میں شریک رہے، جن کے بارے میں قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح:۱۸) ''اللہ ایمان والوں سے خوش ہوا جب تجھ سے بیعت کرنے لگے اس درخت کے نیچے''۔

۱۰) صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کرنے والے صحابہ، ان ہی میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ ہیں۔

۱۱) جو لوگ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔

۱۲) وہ کم سن صحابہ جنہوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ کے موقع سے آپ کی زیارت کی ہے، حضرت سائب بن یزید، عبداللہ بن ثعلبہ، ابوالطفیل، عامر بن واصلہ اور حضرت ابوجحیفہ وغیرہ کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔(۹)

روایت کے اعتبار سے درجات

باعتبار روایت حدیث کے صحابہ کے تین درجات کئے گئے ہیں، اول مکثرین جن کی روایات ہزار سے اوپر ہوں، دوسرے مقسطین جن کی روایات ہزار سے کم اور سو سے زیادہ ہوں، تیسرے مقلین جن سے سو سے کم حدیثیں منقول ہیں، مقسطین

اور مقلین کی تعداد تو بہت ہے؛ البتہ مکثرین سات ہیں، اوران کے نام اور مرویات کی تعداد اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۲۶۳۰
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۲۸۶
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۶۶۰
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	۱۵۴۰
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷۰

فقہی اعتبار سے بھی بعض صحابہ مکثرین شمار کئے گئے ہیں، تاہم مسروق سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا علم چھ صحابہ میں جمع ہو گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، بعض نے ابو الدرداء کی جگہ ابو موسی اشعری کا ذکر کیا ہے اور پھر ان چھ کا علم دو میں جمع ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب کی آراء میں زیادہ موافقت پائی جاتی تھی۔ (۱۰)

صحابہ کے بارے میں احتیاط

امت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک خاص درجہ و مقام ہے کہ انہیں کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے اور ان ہی کی قربانیوں اور جاں نثاریوں سے اسلام کا شجر طوبی پروان چڑھا ہے؛ اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو امت کا سب سے بہتر طریقہ قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے عہد کے مسلمان بہترین مسلمان ہیں، پھر ان کے بعد آنے والے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں: " خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم " ۔(۱۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو وہ ان کے ایک مُد بلکہ اس کے نصف خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا'' (۱۲)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ، جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان بغض رکھا، اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے ان کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لے''

اس لئے حضرات صحابہ کے بارے میں بہت احتیاط چاہئے اور ہمیشہ سوءِ کلام اور سوءِ گمان سے بچنا چاہئے؛ چنانچہ اگر کوئی شخص صحابہ کی شان میں بدگوئی کرے تو اس کے فاسق العقیدہ ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں؛ لیکن تکفیر میں اختلاف ہے، فقہاء احناف میں عبدالرشید طاہر البخاریؒ نے لکھا ہے کہ ''اگر کوئی شخص رافضی شیخین کی شان میں گستاخی کرے اور لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے''۔(۱۳)

ملا علی قاریؒ نے بھی مشائخ سے اس طرح کی بات نقل کی ہے؛ لیکن اس کو از روئے قواعد مشکل قرار دیا ہے۔(۱۴)

فقہاء مالکیہ میں علامہ دردیر نے ایسے شخص کو کافر تو قرار نہیں دیا ہے؛ لیکن صحابہ اور اہل بیت کی تنقیص کرنے والوں کو شدید تعزیز کا مستحق قرار دیا ہے۔(۱۵)

علامہ صاوی مالکیؒ نے نقل کیا ہے کہ قول معتمد یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کی اہانت یا تکفیر کی وجہ سے کفر کا فتویٰ تو نہیں لگایا جائے گا ؛البتہ تعزیر کی جائے گی؛ لیکن سحنون مالکیؒ نے خلفاء اربعہ کو کافر کہنے والوں کو مرتد قرار دیا ہے، نیز صاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو تمام صحابہ کی تکفیر کرے وہ بالاتفاق کافر ہے۔(۱۶)

غرض اگر از راہِ احتیاط صحابی کی شان میں گستاخی کو کفر قرار نہ دیا جائے تب بھی اس کے قریب بہ کفر ہونے میں شبہ نہیں؛ اسی لئے سلف نے مشاجرات صحابہ پر گفتگو کرنے سے بھی منع کیا ہے، افسوس کہ گذشتہ نصف صدی میں بعض ایسی کتابیں منظر عام آئی ہیں، جن میں ناحق صحابہ کے اختلاف کو زیر بحث لایا گیا ہے اور آخر یہ بحث کہیں تو ناصبیت کے درجہ کو پہنچ گئی ہے اور کہیں اس کی سرحد تشیع سے جاملی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا عمل خدمت نہیں؛ بلکہ بدخدمتی ہے اور ایک ایسی راہ پر بے احتیاطی سے قدم رکھنا ہے، جو شیشہ سے زیادہ نازک اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ فإلی اللہ المشتکی وبه التوفیق .

آثار صحابہ

صحابہ نے جس طرح اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین حق کی صیانت وحفاظت میں رسول اللہ ﷺ کی بھرپور نصرت وحمایت کی اور آپ ﷺ کی رفاقت کا حق ادا فرمایا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی صحبت بافیض سے گہری بصیرت، دین کا فہم صحیح اور عمیق علم بھی حاصل کیا اور اس اعتبار سے بھی ان کا درجہ ومقام بعد میں آنے والی امت سے بدرجہا بلند وبالا ہے، اسی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا کہ صحابہ کے فتاوی اور اقوال وافعال کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

شافعی نقطۂ نظر

اس سلسلہ میں فقہاء کے جو مذاہب نقل کئے گئے ہیں، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱) کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کے قول جدید کے مطابق قول صحابی حجت نہیں: " **الشافعي في الجديد أنه لا يجوز مطلقاً** "۔(۱۷)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں معلوم ہوتی، علامہ ابن قیم نے بھی امام شافعیؒ کی طرف اس نسبت کو نادرست قرار دیا ہے۔(۱۸)

راقم الحروف نے اپنے مقالہ ''فقہ شافعی اور اس کی خصوصیات واولیات'' (مطبوعہ بحث ونظر)......میں اس پر گفتگو کی ہے، یہاں اس گفتگو کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

مصادر شریعت میں ایک آثار صحابہ بھی ہے، صحابہ کے ایسے فتاوی جو قیاس کے قبیل کے نہ ہوں، غالب گمان یہ ہے کہ وہ کسی سنت ہی پر مبنی ہوں گے، اس لئے فقہاء کے درمیان آثارِ صحابہ کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوگیا، امام شافعیؒ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ ابتداءً آثار صحابہ کو حجت مانتے تھے، لیکن بعد میں آپ کی رائے بدل گئی تھی اور آپ اس کو حجت تسلیم نہ کرتے تھے، امام نووی نے امام شافعی کے نقطۂ نظر کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

''جب صحابی کو کوئی رائے ہو، دوسرے صحابہ سے اختلاف منقول نہ ہو اور صحابی کا وہ قول مشہور نہ ہوا ہو تو یہ اجماع نہیں؛ لیکن کیا وہ حجت بھی ہے؟ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو رائیں منقول ہیں: صحیح اور جدید قول یہ ہے کہ حجت بھی نہیں، قول قدیم کے مطابق حجت ہے، پس اگر ہم صحابہ کے ایسے اقوال کو حجت مان لیں تو وہ قیاس پر مقدم ہوگا......اگر صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہو تو قول قدیم کے مطابق دونوں اقوال متعارض دلیل سمجھے جائیں گے اور ایک کو دوسرے پر اس بنیاد پر ترجیح دی جائے گی کہ صحابہ کی زیادہ تعداد کس رائے کی حامی ہے'' (۱۹)

اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ بات جو امام نووی نے کہی ہے اور عام طور پر علماء اصول کے درمیان معروف ہے محل نظر ہے اور خود حضرت الامام کی تحریروں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، امام شافعیؒ الرسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ ایک صحابی کے قول کی بھی اتباع کی جائے گی، بشرطیکہ کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع اور اس کے ہم درجہ حکم کا ماخذ یا قیاس نہ پایا جائے؛ لیکن ایسا کم ہوگا ہے کہ کسی صحابی سے ایسی رائے منقول ہو کہ دوسرے صحابی نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو'' (۲۰)

امام شافعیؒ کی کتاب الام جس کو ان کے قول جدید کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، اس میں ایسے بہت سے ایسے احکام موجود ہیں،

جن میں امام شافعیؒ نے محض آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے، مثلاً حضرت الامام کے نزدیک یمین لغو کا مصداق وہ قسمیہ کلمات ہیں جو بے ساختہ زبان پر آجائیں اور اس کے لئے دلیل صرف حضرت عائشہ کا فتوی ہے: ''أما الذي نذهب إليه فهو ما قالت عائشة'' (۲۱) بڑھاپے کی وجہ سے جو شخص روزہ نہ رکھ سکے، امام شافعیؒ اس پر فدیہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس پر حضرت انس ﷺ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں۔ (۲۲)

اس لئے امام شافعیؒ کی طرف آثار صحابہ کو حجت نہ ماننے کی نسبت صحیح نظر نہیں آتی، اصل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کسی حدیث نبوی کی موجودگی میں آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے:

" إن لان يروىٰ عمّن دون رسول الله ﷺ حديث يخالفه لم التفت إليٰ ما خالفه وحديث رسول الله ﷺ أوليٰ أن يؤخذ به " (۲۳)

دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ امام شافعیؒ کو جن دو جماعت فقہاء حنفیہ اور مالکیہ سے سابقہ پیش آیا، وہ دونوں ہی بعض حالات میں آثار صحابہ کو خبر واحد پر ترجیح دے دیا کرتے تھے، امام شافعیؒ کو اس طریقۂ ترجیح سے سخت اختلاف تھا اور انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق اس پر شدید نقد کیا، مثلاً حدیث میں ہے کہ پانچ وسق سے کم مقدار غلہ میں عشر واجب نہیں، احناف اس پر عامل نہیں اور علاوہ کتاب وسنت کے عموم کے بعض صحابہ کے آثار سے بھی اس پر استدلال کرتے ہیں، امام شافعیؒ نے اس پر نقد کیا ہے۔ (۲۴)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، حنفیہ حضرت ابن عمر ﷺ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ بلی کے جھوٹے سے وضو مکروہ ہے، امام صاحبؒ نے اس کو حدیث کی مخالفت قرار دیا ہے۔ (۲۵)

اسی طرح کی تنقیدیں آپ نے مالکیہ پر بھی کی ہیں؛ بلکہ مالکیہ کے یہاں چوں کہ آثار صحابہ سے استدلال زیادہ ہے؛ اس لئے ان پر آپ کی تنقید کا لب ولہجہ بھی ذرا تیکھا ہے، فرماتے ہیں:

" عن ابن عمر أنه كان إذا اغتسل من الجنابة نضح في عينيه الماء ، قال مالك : ليس عليه العمل ، قال الشافعي : هذا مما تركتم على ابن عمر ولم ترووا عن أحد خلافه ، فإذا وسعكم الترك على ابن عمر لغير قول مثله لم يجز لكم أن تقولوا قوله حجة على مثله " (۲۶)

''ابن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ جب غسل جنابت فرماتے تو آنکھوں میں بھی پانی بہاتے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر ﷺ کی اس رائے پر عمل نہیں ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی مثال ہے کہ تم لوگ ابن عمر ﷺ کی رائے کو چھوڑتے ہو؛ حالاں کہ کسی صحابی سے اس کی مخالفت رائے نقل نہیں کرتے تو جب تم ابن عمر ﷺ کی رائے کسی صحابی کے اختلاف کے بغیر ترک کر سکتے ہو

تو پھر دوسرے صحابی کے مقابلہ ان کی رائے کو کیوں کر حجت قرار دے سکتے ہیں''

اس لئے اس عاجز کا خیال ہے کہ آثار صحابہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حجت ہے؛ البتہ یہ کسی بھی صورت خبر واحد پر ترجیح اور اولیت کے حق دار نہیں...... واللہ اعلم۔

۲) دوسری رائے یہ ہے کہ اگر صحابی کی یہ رائے اس کے عہد میں مشہور ہوگئی ہو، تب وہ حجت ہوگی، ورنہ نہیں، امام غزالی، علامہ آمدی اور رازی وغیرہ نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (۲۷)

مالکی و حنبلی نقطۂ نظر

۳) فقہاء حنابلہ سے اس سلسلہ میں مختلف اقوال منقول ہیں، قول راجح یہ ہے کہ صحابہ کا قول حجت ہے اور اس کی تقلید واجب ہے، چنانچہ علامہ نجم الدین طوفی حنبلی فرماتے ہیں:

" الثاني : قول صحابي لم يظهر له مخالف حجة يقدم على القياس ويخص به العام ، وهو قول مالک وبعض الحنفية خلافا لأبي الخطاب وجديد الشافعي وعامة المتكلمين " (۲۸)

طوفی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات مالکیہ کی بھی رائے ہے؛ چنانچہ اکثر اہل علم نے مالکیہ سے نقل کیا ہے کہ صحابی کے اقوال قیاس پر مقدم ہیں، یہی نقطۂ نظر حنفیہ میں ابوبکر جصاص رازی اور ابوسعید بردعی وغیرہ کا ہے۔ (۲۹)

رازی نے بواسطہ کرخی نقل کیا ہے کہ میں امام ابو یوسف کو بعض مسائل کے بارے میں دیکھتا ہوں کہ کہتے ہیں: قیاس تو یہ ہے؛ لیکن میں نے اس کو قول صحابی کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے:

" القياس كذا إلا أني تركته للأثر وذلک الأثر قول واحد من الصحابة " (۳۰) .

حنفیہ کا نقطۂ نظر

۴) حنفیہ کی رائے میں کچھ تفصیل ہے:

(الف) جن مسائل میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش نہیں، ان میں صحابی کا قول بالاتفاق حجت ہے؛ کیوں کہ جب اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے تو ضروری ہے کہ صحابی نے یہ رائے کسی نص کی بنیاد پر قائم کی ہوگی، چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

" ولا خلاف بين أصحابنا المتقدمين والمتأخرين أن قول الواحد من الصحابة حجة فيما لا مدخل للقياس في معرفة الحكم فيه " (۳۱)

امام سرخسیؒ نے اس کی بہت سی مثالیں نقل کی ہیں، جیسے مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم کا ہونا، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کا قول ہے جسے ہم نے لیا ہے، حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوگی، اس میں حضرت انس ﷺ کا

قول لیا گیا ہے، نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہوگی، اس میں حنفیہ نے عثمان بن ابی العاص ﷺ کے قول کو لیا ہے، اپنی فروخت کی ہوئی چیز کو قیمت کی ادائیگی سے پہلے ہی خریدار سے کم قیمت پر خرید کر لینا جائز نہیں، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور حنفیہ نے اسے اختیار کیا ہے، کوئی شخص اپنی اولاد کو ذبح کرنے کی نذر مان لے تو اس کی جگہ اس کو بکرا ذبح کرنا چاہئے، یہ عبداللہ بن عباس ﷺ کا قول ہے، جس پر احناف کا عمل ہے۔ (۳۲)

متعدد مسائل ہیں کہ احناف نے ان میں قیاس کے مقابلہ صحابی کے فتویٰ کو قابل ترجیح سمجھا ہے۔

(ب)　جو مسائل قیاسی واجتہادی ہوں تو اس میں صحابہ کے قول کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، امام کرخی کی رائے ہے کہ ان مسائل میں صحابی کا قول حجت نہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ صحابی نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہو، اور ابو سعید بردعی کے نزدیک ایسے مسائل میں بھی صحابی کا قول حجت ہے، اور وہ قیاس سے مقدم ہوگا۔

(۲)...... عام طور پر حنفیہ کا عمل ابوسعید بردعی کے قول پر ہے، سرخسی نے اس کی بہت سی مثالیں نقل کی ہیں، قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، غسل جنابت اور وضو دونوں میں سنت ہو؛ لیکن احناف نے عبداللہ بن عباس ﷺ کے قول کی بنیاد پر ان کو غسل میں واجب اور وضو میں سنت قرار دیا، قیاس کا تقاضا ہے کہ خون زخم کے اوپر نکل آئے اور نہ بہہ جائے تو بھی وہ ناقض وضو ہو؛ لیکن عبداللہ بن عباس ﷺ کے قول کی وجہ سے قیاس کو چھوڑتے ہوئے اس کو ناقض وضوء نہیں قرار دیا، مرضِ وفات میں وارث کے لئے دین کا اقرار کیا جائے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ جائز ہو؛ لیکن عبداللہ بن عمر ﷺ کے قول کی بناء پر اس اقرار کو معتبر قرار دیا گیا، اگر اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ طے پائے کہ اگر خریدار نے تین دنوں تک قیمت ادا نہیں کی، تو معاملہ ختم ہو جائے گا تو قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو؛ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر ﷺ کے قول کی بناء پر ہم نے اس معاملہ کو درست قرار دیا ہے۔ (۳۳)

حقیقت یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہؒ سے ان کے طریقۂ اجتہاد کی جو تفصیل منقول ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کتاب وسنت کے بعد صحابہ کے فتاویٰ کو مطلقاً حجت مانتے تھے اور ایک مستقل دلیل شرعی کی حیثیت سے اس کو پیش نظر رکھتے تھے، فرمایا:

> ''میں اولاً کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اس میں نہ ملے تو حدیث کی طرف، دونوں میں نہ ملے تو صحابہ کے اقوال سے اخذ کرتا ہوں، ان میں سے جن کی رائے چاہتا ہوں قبول کرتا ہوں، اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں کرتا، پھر جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء اور سعید بن مسیب تک پہونچتا ہے، تو وہ بھی اجتہاد کرتے تھے، اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں'' (۳۴)

اسی سے ایک دوسرا مسئلہ یہ متعلق ہے کہ اگر کوئی حدیث عام ہو تو کیا صحابی کے قول وفعل سے اس میں تخصیص ہو سکتی ہے،

یعنی بعض افراد کا اس حکم سے استثناء کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں دو نقاط نظر ہیں، ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ چوں کہ قول صحابی بھی حجت ودلیل ہے؛ اس لئے اس کی وجہ سے حدیث کے عمومی حکم میں تخصیص کی جاسکتی ہے، دوسری رائے اس کے برخلاف ہے ،(۳۵) دوسرا قول امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے اور پہلا احناف اور حنابلہ کا (۳۶) امام مالکؒ کے طریقۂ اجتہاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول صحابی کی بناء پر حدیث کے عمومی مفہوم میں تخصیص کو درست سمجھتے تھے، یہ ایک بنیادی اور اہم مسئلہ ہے اور اس سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کم علم لوگوں کو ائمہ مجتہدین کے بارے میں غلط فہمی ہوتی ہے، اور صحابہ کے اقوال وفتاوی پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان کی رائے کو خود رائی پر مبنی تصور کرنے لگتے ہیں، اگر یہ پہلو ذہن میں رہے کہ صحابہ نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے دین کو حاصل کیا ہے اور وہ ورع وتقویٰ اور خشیت الٰہی میں پوری امت پر فائق ہیں؛ اس لئے اگر کسی حکم شرعی سے واقف ہونے کے باوجود ان کا فتویٰ یا عمل بظاہر اس کے خلاف جاتا ہو تو ضرور ہے کہ انہوں نے حضور سے سیکھ کر اور آگہی حاصل کر کے ہی یہ عمل کیا ہوگا ،تو وہ بدگمانی پیدا نہ ہو، جس میں آج کل مسلمانوں کا ایک کم علم گروہ مبتلا ہے۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس فرض کے سوا کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ، حضرت ابوالدرداء ﷺ ،حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ وغیرہ کے بارے میں صحیح حدیثیں موجود ہیں کہ انہوں نے مسجد کے دروازہ پر یا مسجد کے کسی گوشے میں یا صفوں سے ہٹ کر نماز ادا فرمائی، پھر جماعت میں شریک ہوئے۔(۳۷)

(۳)...... چنانچہ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء نے ان صحابہ کے آثار کی بنیاد پر یہ رائے قائم فرمائی کہ اگر جماعت کے بالکلیہ فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو جماعت کی جگہ سے ہٹ کر سنت فجر کا ادا کر لینا بہتر ہے، اسی طرح حدیث میں جمعہ کی فرضیت کا حکم عام ہے؛ لیکن حضرت علی ﷺ کا فتویٰ موجود ہے کہ جمعہ وعیدین شہر سے متعلق عبادتیں ہیں، چنانچہ حنفیہ نے اسی بنیاد پر نماز جمعہ کے لئے شہر کی شرط لگائی ہے، یہ حدیث کے مقابلہ رائے پر عمل کرنا نہیں ہے؛ بلکہ قول صحابی — جو خود بھی حدیث کے درجہ میں ہے — کی بنیاد پر حدیث کے ایک عمومی حکم میں تخصیص ہے اور یہ اس حسن ظن کی بنیاد پر ہے کہ یہ جماعت صحابہ ﷺ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی تربیت یافتہ ہے؛ اس لئے ان کے اقوال وافعال منشأ نبوی ﷺ کے ہی ترجمان ہیں۔”رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ“۔

حوالہ جات

(۱) مجمع الزوائد: ۲۰/۱۰

(۲) مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۲۵، النوع التاسع والثلاثون، الفیۃ مصطلح الحدیث للعراقی ص: ۱۷۴، ''معرفۃ الصحابۃ''۔

(۳) التقیید والإیضاح، ص: ۲۸۳

(۴) مسلم کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۵۳۸

(۵) مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۱۲۵، علوم الحدیث ومصطلحہ للدکتور صبحی المحصانی، ص: ۳۵۳-۳۵۲

(۶) الفیۃ العراقی، ص: ۱۷۴

(۷) مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۱۲۸

(۸) خلاصۃ الفتاوی: ۳۸۱/۴

(۹) معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۲۹-۳۱

(۱۰) مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۲۷

(۱۱) مجمع الزوائد: ۲۰/۱۰، مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ

(۱۲) مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۴۰، بخاری، حدیث نمبر: ۳۶۷۳

(۱۳) خلاصۃ الفتاوی: ۳۸۱/۴

(۱۴) دیکھئے: شرح فقہ اکبر، ص: ۲۲۹

(۱۵) الشرح الصغیر: ۴۴۴/۴

(۱۶) حاشیہ صاوی علی الشرح الصغیر: ۴۴۴/۴-۴۴۳

(۱۷) نہایۃ السول للأسنوی، ص: ۳۶۷

(۱۸) دیکھئے: إعلام الموقعین: ۱۲۰/۴-۱۲۱

(۱۹) شرح مہذب: ۵۸/۱

(۲۰) الرسالۃ، ص: ۵۹۸

(۲۱) الأم: ۲۴۲/۷

(۲۲) الأم: ۲۴۵/۷

(۲۳) الأم: ۱۹۱/۷، باب اختلاف مالک والشافعي

(۲۴) الأم: ۱۹۴/۷-۱۹۵

(۲۵) الأم: ۱۴۷/۷

(۲۶) الرسالۃ، ص: ۵۰۷

(۲۷) نہایۃ السول، ص: ۳۶۷

(۲۸) شرح مختصر الروضة: ۱۸۵/۳، نیز دیکھئے: الواضح في اصول الفقه لابن عقيل حنبلی: ۳۸/۲

(۲۹) الأحکام لآمدی: ۲۰۱/۴

(۳۰) أصول السرخسی: ۱۰۵/۲

(۳۱) أصول السرخسي: ۱۱۰/

(۳۲) حوالہ سابق

(۳۳) أصول السرخسي: ۱۰۶/

(۳۴) تاریخ بغداد: ۳۶۸/۱۳

(۳۵) الواضح في اصول الفقہ: ۴۱/۲

(۳۶) الإحکام في أصول الأحکام: ۳۵۸/۲

(۳۷) دیکھئے: آثار السنن ، باب من قال يصلى سنة الفجر عند اشتغال الإمام بالفريضة خارج المسجد

محمد عبیداللہ الاسعدی ☆

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تشریعی حیثیت

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین- یعنی عالم انسانیت کا وہ پاکیزہ گروہ- جس کو نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ومصاحبت کا شرف حاصل ہوا، خواہ ایک ہی نظر، اور ایک ہی ساعت ولحہ کی حد تک ہو۔

یہ گروہ عالم انسانیت اور اتباع انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وہ منتخب گروہ اور سید الانبیاء وافضل الرسل علیہ الف الف سلام وتحیۃ کے اتباع، محبین وجان نثاران، نیز خیر الامم کی وہ اولین جماعت تھی، جو انسانیت اور بشری تقاضوں کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم، اور انسانی تقاضوں سے بالاتر تو نہ تھی، لیکن بعد میں آنے والوں کے مقابلے میں اپنے ایمان ویقین اور سیرت وکردار میں اتنی مضبوط ومحفوظ تھی کہ شیطان بھی ان کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا اور ان سے گھبراتا تھا(۱) اور یہ ان کے یقین کی پختگی، آخرت، وہاں کی جوابدہی وسزا پر یقین کی پختگی ومضبوطی ہی تھی کہ اگر بشریت کے تقاضوں کے تحت ان کا کوئی فرد کہیں پھسل گیا اور بہک گیا تو اس کو اپنے جرم کا اقرار اور برسرِ عام اعتراف کرنے اور خود کو سزا کے لئے پیش کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوا(۲) چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے بے چین ہو کر خدمت اقدس میں پہونچ گئے(۳) اور مخلصین واہل نظر نے کہا بھی کہ پردہ داری سے کام لو، اللہ سے توبہ کرلو کافی ہے(۴) بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس قسم کی بات فرمائی(۵) مگر ان کو تسلی نہ ہوئی اور خود کو سزا دلا کر رہے۔

ان کے اسی حال اور اسی شان نے حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نیز کتاب وسنت کی رو سے ان کو سند توصیف ہی نہیں بلکہ توثیق وتعدیل کا تحفہ بھی دلایا اور بڑے سے بڑا غلط کام بھی ہوگیا تو اس پر بھی اخیر میں، ان کو، ان کے خصوصی حال کی بنا پر رضا وخوشی کا اعزاز مل کر رہا(۶)

عمومی آیات- یعنی وہ آیات جن میں عام باکمال وبااخلاص اہل ایمان کے لئے بشارتیں ہیں، ایسی آیات- کو جانے دیں، خصوصی آیات کئی ہیں جن میں خصوصیت سے صحابہ ہی کا اور ان کے بعض احوال واعمال کی نسبت سے ان کا ہی تذکرہ ہے۔

☆ استاذ جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِه حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا اَرٰاكُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤ مِنِيْنَ (۷)

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھلا دی تھی تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعضے تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلبگار تھے اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو آزمائے اور یقین سمجھو کہ اللہ نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے''

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً (۸)

''بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے اُن میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک قریبی فتح دیدی''

سورۂ فتح کی آخری آیت ان حضرات کی مدح و توصیف میں بہت اہم ہے اسی طرح سورۂ حدید کی آیت ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدِ وَ قَاتَلُوْا وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (۹)

''تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد میں خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے''

اس آیت میں فتح مکہ سے ماقبل کے اور مابعد کے تمام ہی صحابہ سے ''حسنیٰ'' یعنی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وعدۂ جنت مغفرت کے بغیر نہیں ہے یعنی سارے صحابہ از اول تا آخر سب کی مغفرت حتمی و قطعی ہے اور سب جنتی ہیں (۱۰)

اور روایات کا بھی یہی معاملہ ہے اور روایات تو بے شمار ہیں جن میں اہل بدر کی بابت وہ روایت بہت اہم ہے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آتی ہے:

لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال: اعملوا ماشئتم فقدغفرت لکم (۱۱)

''شاید کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مخاطب ہوکر فرمایا ہے: جو جی چاہے کرو کہ میں نے تم کو معاف کر دیا ہے''

ایک معروف روایت یوں آئی ہے:

لا تسبوا أصحابي فلو أن أحدکم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد أحدهم و لا نصفه (۱۲)

''میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہا کرو کہ اگر تم میں سے کوئی آج اُحد کے برابر سونا خرچ کرے گا تو اُن کے ایک مُد کیا نصف کے برابر بھی نہ ہوگا''۔

صحیحین وغیرہ کی ایک بہت معروف روایت ہے:

خیر الناس قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم(۱۳)

''میری امت کا سب سے بہتر طبقہ میری قرن (زمانہ) کا ہے یعنی صحابہ کا، پھر ان کے بعد والے یعنی تابعین، پھر ان کے بعد والے یعنی تبع تابعین''۔

جس جماعت کی یہ شان ہو کیا بعید ہے کہ شارع وشریعت خدا ورسول بعد کے آنے والے تمام اہل اسلام کے لئے ان کو اسوہ ونمونہ اور مقتدا ومعتمد، سند وحجت قرار دیں۔ قرآن کریم میں یہ مضمون سورۂ براءت کی آیت ذیل میں آیا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ(۱۴)

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور متقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے''

اور احادیث میں یوں آیا ہے:

مامن احدمن أصحابي یموت بارض اِلا بعث قائداً ونوراً لهم یوم القیامة(۱۵)

''میرے صحابہ میں جو بھی کسی زمین وعلاقہ میں مرے گا وہ وہاں کے لوگوں کے لئے رہنما ونور کی حیثیت سے اٹھایا جائے''

نیز یہ تو بہت معروف ہے:

أصحابي کالنجوم فبأیهم اقتدَیْتُم اهدیتم(۱۶)

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پر رہو گے''

بلکہ ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے:

سالت ربي عن اختلاف أصحابي من بعدي فأوحى اِليَّ يامحمد اِن اصحابک عندي بمنزلة النجوم في السماء ،بعضها اقوى من بعض ،ولكل نور فمن أخذ بشيء مماهم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى(۱۷)

''میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کی بابت دریافت کیا تو حق تعالیٰ نے مجھ کو وحی کے ذریعہ خبر دار کیا کہ اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں بعض (روشنی میں) بعض سے فائق ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک روشنی ہے،لہذا ان کے اختلافات میں سے جس چیز کو کوئی اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر رہے گا''

محققین کی تشریح وتفصیل کے مطابق روایت ذیل بھی اسی موضوع سے متعلق ہے

" النجوم امنة للسماء فاِذا ذهبت النجوم اتى السماء ماتوعد.وأنا أمنة لأصحابي فاِذا ذهبت أتى أصحابي مايوعدون واصحابي أمنة لأمتي فاِذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون " (۱۸)

''ستارے آسمانوں کی حفاظت کا باعث ہیں اور جب یہ ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان اس چیز کا سامنا کرے گا جس کا اس سے وعدہ کیا جارہا ہے اور میں اپنے اصحاب کے لئے امن وحفاظت کا ذریعہ ہوں اور جب میں (دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب ان چیزوں کا سامنا کریں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امن وامان کا ذریعہ ہیں اور جب یہ (دنیا سے) رخصت ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ سب آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین جن کا معاملہ یہ ہے کہ انسانوں کے کردار واحوال میں نظر و پرکھ اور چھان وپھٹک کرنے والا ان سے بہتر و برتر نہ کوئی ہوا اور نہ ہو سکے گا۔انھوں نے اپنی تحقیق وتنقیح میں حضرات تابعین کے عہد سے کسی بڑے سے بڑے عالم ومفتی اور ولی ومتقی کو نہیں بخشا لیکن صحابہ کے حق میں سب کا منھ بند کیا اور خود کو بھی پابند رکھا یہ کہہ کر:الصحابة كلهم عدول۔(۱۹)

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام کو جو شرف ہوا کہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالست ومصاحبت کی سعادت حاصل ہوئی اس کی وجہ سے وہ جہاں ایک طرف دین وایمان،اخلاق وکردار کے نہایت اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے وہیں پر وہ نزول وحی کے زمانۂ حال سے براہ راست واقف ومستفید تھے اس بنا پر وہ روایت ودرایت دونوں میں حجت وسند ہیں۔

روایت سے مراد نقل روایات واحادیث ہے،جن کے وہ براہ راست مشاہد وسامع تھے،یا اگر بالواسطہ تھے تو واسطہ عموماً ایسا تھا جو نہیں جیسا تھا تو گویا واسطہ ہی نہ تھا اور درایت سے مراد فقہ وافتاء اور اجتہاد وقیاس وغیرہ ہے:

''الصحابة كلهم عدول'' روایت میں ان کی حجیت مطلقہ کا اور ''اصحابی کالنجوم'' درایت میں حجیت کا مظہر ہے۔

اور کم از کم اہلِ سنت کے جملہ فِرَق اس پر متفق ہیں، خواہ کلامی واعتقادی ہوں، یا فقہی وفروعی، دوسرے فرقوں میں دسیوں کجیاں ہیں وہ اگر صحابہ کرام کے مقام واحترام کو نہ مانیں تو فرق نہیں پڑتا۔

اہل حق کے فروعی وفقہی مسالک میں مذاہب اربعہ کے ماسوا مسلک ظاہریت وسلفیت کا ہے اور وہ بھی حضرات صحابہ کے احترام اور ان کے آثار کی شان احتجاج کا منکر نہیں ہے، یہ بات الگ ہے کہ وہ نہایت مخصوص حالات میں بڑی قید وبند کے ساتھ اس کو مانتا ہے مگر مانتا ہے۔

اور ائمہ اربعہ نیز مذاہب اربعہ کی نسبت سے تو صحیح وراجح یہی ہے کہ وہ مطلقاً ان کو حجت مانتے ہیں خواہ ان کے اجماعی واتفاقی اقوال ہوں یا شخصی واختلافی۔

اس بابت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے قول جدید کے حوالہ سے جو یہ بات ہے کہ وہ ان کو حجت نہیں مانتے اور وہ کہتے ہیں:

نحن رجال وهم رجال

تو محققین کی رائے وتحقیق کے مطابق یہ درست نہیں ہے، اس بابت ان کا قول جدید، قول قدیم سے مختلف نہیں ہے۔ اور قول قدیم میں ان حضرات کی شان کی بابت جو محققانہ بات آئی ہے اس کے ماسوا ان سے کچھ منقول نہیں ہے۔ (۲۰) اسی طرح حنفیہ میں بعض لوگوں کی نسبت سے جو یہ بات آئی ہے کہ انھوں نے صحابہ کی فقاہت وعدم فقاہت کی بنیاد پر حجیت میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے وہ فتاویٰ جو قیاس کے موافق نہیں ہیں، عدم فقاہت کی صورت میں قابل قبول یا قابل احتجاج اور سند نہیں ہوں گے۔ (۲۱) یہ بات بھی محققین حنفیہ کی رائے میں درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے کہ آثار صحابہ کی حجیت حنفیہ کے یہاں بھی مطلقاً ہے۔ (۲۲)

حضرات صحابہ کے مقام واحترام، ان کے آثار پر اعتماد اور ان سے احتجاج کی بابت ہر زمانے میں علماء نے لکھا ہے اور بہت کچھ لکھا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حق ادا کیا ہے، ہر مسلک ومذہب کے ممتاز علماء کے یہاں ان کے شایان شان گفتگو ملے گی، مذاہب اربعہ کے پابند فقہاء ہوں یا ان کی طرف منسوب فقہاء جو اجتہادی شان کے حامل مانے جاتے ہیں مثلاً ابن تیمیہ، ابن القیم، شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ۔ (۲۳)

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی معروف کتاب ''الرسالۃ'' میں مختصر لفظوں میں مضبوط کلام فرمایا ہے۔ (۲۴)

اور اپنے محدود مطالعہ میں جو کچھ دیکھنے کی نوبت آئی تو احساس یہ ہوا کہ عقلاً اور نقلاً دونوں طرح ابن القیم علیہ الرحمۃ کا کلام وقیع وجامع ہے، انھوں نے اپنی مایۂ ناز اصولی کتاب اعلام الموقعین میں جن موضوعات پر خصوصیت سے اور تحقیقی گفتگو کی ہے ان میں یہ بھی شامل ہے اور انھوں نے چھیالیس (۴۶) وجوہ سے آثار صحابہ کی حجیت کو ثابت کیا ہے اور ہر وجہ کو کسی آیت یا روایت کی

بنیاد پر ذکر کیا ہے اور وضاحت کی ہے، بجز آخری چند وجوہ کے کہ ان میں ایسا نہیں ہے۔

صحابہ کرام کے آثار، اقوال وآراء، فتاویٰ وقضایا کی حجیت کے جو واضح دلائل کتاب وسنت میں موجود ہیں ان کی وجہ سے خود صحابہ کرام بھی اس امر کے معترف تھے اور قائل بھی، چنانچہ اصاغر اکابر کو اور اکابر درجہ بدرجہ اپنے سے فائق وفاضل کے اقوال وآراء کو اہمیت دیتے تھے، بلکہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ان کی آراء کی طرف رجوع کرتے اور شاید و باید ہی مخالفت کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر وحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی بابت ابن القیم نے ذکر کیا ہے۔

اور کہہ سکتے ہیں کہ حجیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ اس لئے کہ ان کا عمل یہ بتاتا ہے کہ کتاب وسنت کی رو سے یہ بات- یعنی صحابہ کرام کے آثار کی شان احتجاج ومقبولیت- ان کے لئے واضح تھی اسی لئے تو وہ ایسا کرتے تھے۔

یہ جو آتا ہے کہ عہد خلفاء راشدین میں ہر بعد کا خلیفہ کتاب وسنت کے بعد سابق خلیفہ وخلفاء کے فتاویٰ وقضایا کو تلاش کرتا اور اس پر اعتماد کرتا تھا۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کی آراء کو دیکھتے اور بعد والے اس کے مطابق۔ ابن عباس وغیرہ حضرت عمر کی آراء کو، یہ سب اسی قبیل کی چیز تھی۔ (۲۵)

آثار صحابہ سے احتجاج کی بابت علماء امت کی تصریحات سے قبل بعض روایات ملاحظہ ہوں، ارشاد نبویہ واقوال صحابہ، جن میں یہ مضمون نہایت تاکید اور بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے اگرچہ ان ارشادات نبوی میں یہ بات خصوصی طور پر آئی ہے کہ مخصوص حضرات کے لئے احتجاج واستناد کی بات آتی ہے، مگر اس سے اس موقف ورائے کو عمومی طور پر بھی تقویت ہوتی ہے (۱۶) عمومی روایات گذر چکی ہیں۔ (۲۷)

۱ــ **اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر (۲۸)**

(ان دونوں لوگوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد (میرے نائب) ہوں گے ابوبکر وعمر)۔

۲ــ **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (۲۹)**

(تم پر میری سنت نیز خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کا پکڑنا لازم ہے، اسی کو اختیار کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو)۔

۳ــ پہلی روایت کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی آیا ہے:

واهتدوا بهدى عمار وتمسكوا بعهد ابن مسعود (۳۰)

(اور عمار کی سیرت کو اپنانا اور ابن مسعود کی وصیت ونصیحت کو مضبوطی سے پکڑنا)

۴ــ ابن مسعود کے متعلق یہ ارشاد نبوی بھی منقول ہے:

رضيت لأمتي مارضي لهم ابن أم عبد وكرهت لأمتي ماكره لها ابن أم عبد (۳۱)

(ابن مسعود میری امت کے لئے جو پسند کریں وہ میں بھی اپنی امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس کو ابن مسعود ناپسند کریں)

۵ ــــ پیچھے ایک معروف روایت خیر الناس کی ذکر کی گئی ہے بعض کتابوں وطرق میں وہ اس طرح بھی مروی ہے۔ جس سے اس کے مقصد ومفہوم کی پوری وضاحت ہوتی ہے:

عليكم بأصحابي ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (۳۲)

(تم پر میرے صحابہ کی اقتداء لازم ہے، پھر ان کی جو ان کے بعد ہیں اور ان کے بعد ان سے بعد والوں کی اقتداء لازم ہے)

حضرات صحابہ کی شان حجیت کی بابت صحابہ کرام کے عمل کے ساتھ جس کا تذکرہ آچکا ہے اور آگے حسب موقع آئے گا۔ خود حضرات صحابہ کے ارشادات بھی آئے ہیں جو بہت وقیع ہیں، جو شخصی بھی ہیں یعنی بعض صحابہ سے متعلق ہیں اور عمومی بھی۔ (۳۳) جیسے کہ اکابر تابعین جو اکابر صحابہ کے فی الجملہ معاصر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا، ان کے بھی اس قسم کے اقوال بہت ہیں۔

اس موقع سے صحابہ کے لئے عمومی طور پر جو بات بعض اکابر صحابہ سے مروی ومحفوظ ہے اس کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کا شمار ممتاز فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے، ان سے متعدد باتیں نقل کی گئی ہیں (۳۴) جن میں ان کا ارشاد ذیل بہت معروف ہے:

من كان متأسّياً فيلتأس بأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنهم كانوا أبر هذه الأمة قلوباً وأعمقها علماً وأقلها تكلفاً وأقومها هديا وأحسنها حالاً. قوم اختارهم الله لصحبة نبيه واقامة دينه فاعترفوا لهم فضلهم واتبعوا آثارهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم (۳۵)

(جو آدمی۔ کسی کی۔ اقتدا کرنا چاہے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی اقتدا کرنی چاہئے کہ وہ لوگ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے گہرے علم والے، سب سے کم تکلف والے، اور سب سے بہتر سیرت والے اور سب سے اچھے حال والے تھے، وہ ایسے لوگ تھے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی مصاحبت کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے و برپا کرنے کے لئے ان کا انتخاب فرمایا، لہذا ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرو اور ان کے آثار (چھوڑی ہوئی چیزوں۔ قول وفعل) کی اتباع کرو کیونکہ وہ لوگ بلاشبہ صراط مستقیم پر تھے)۔

۲۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

یامعشر القراء خذوا طریق من کان قبلکم فو اللہ لئن استقمتم لقد سبقتم سبقا بعیدا ولئن ترکتموہ یمینا وشمالاً لقد ضللتم ضلالا بعیداً (۳۶)

(اے جماعت قراء ان لوگوں کا راستہ اپناؤ جو تم سے پہلے ہوئے ہیں کہ بخدا اگر تم صحیح راہ پر چلوگے (جو پرانوں وگذر جانے والوں کی راہ ہے) تو تم بہت آگے جاؤگے اور اگر اس سے ادھر ادھر ہو کر چلوگے تو تم بڑی گمراہی میں پڑ جاؤگے)۔

۳-اس بابت حضرت عبداللہ بن مسعود کے ایک معروف ارشاد میں یہ بھی آیا ہے:

إن اللہ نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختار لہ أصحابہ فجعلھم وزراء دینہ فمارأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ومارأہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح (۳۷)

(اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا اور ان کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے اصحاب کا انتخاب کر کے ان کو اپنے دین کا معاون ومددگار بنایا، لہذا جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بری ہے)

ابن مسعود کے اس ارشاد میں مسلمانوں سے حضرات صحابہ ہی مراد ہیں جیسا کہ سیاق وسباق سے واضح ہے اور اسی کو علماء محققین نے اختیار کیا ہے (۳۸) کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ مراد کامل مسلمان ہیں جس کا فرد اعلی حضرات صحابہ ہی ہیں۔

یہ تو اس بابت ان حضرات کے اقوال ونظریات کی بات ہے، رہا عمل کہ یہ حضرات کس حد تک اس پر عامل اور اس کا لحاظ کرنے والے تھے تو اس بارے میں ڈاکٹر معروف دوالیبی صاحب نے ''المدخل'' میں ایک اصولی بات نقل کی ہے اور وہ یہ کہ جب کسی مسئلہ میں اہل حضرات کوئی فیصلہ کر دیتے تو دوسرے اکابر حتی کہ حضرات خلفاء راشدین بھی لحاظ فرماتے اور اس کی مخالفت نہیں فرماتے تھے، البتہ اگر بات فتوی کی ہوتی تو مخالفت کی صورت سامنے آتی۔

اور اس کی توضیح میں انھوں نے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا ہے کہ ایک آدمی کا کوئی قضیہ تھا، اس نے حضرت عمر سے اس کا تذکرہ کیا ہوگا مگر ان کی طرف سے اس میں تصفیہ کی نوبت نہیں آسکی، بعد میں اس شخص سے حضرت عمر کی ملاقات ہوئی، ان کو خیال آیا تو اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے معاملہ میں کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ حضرت علی وحضرت زید بن ثابت نے فیصلہ کر دیا ہے اور فیصلہ کا بھی تذکرہ کیا، اس کو سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ کرتا، اس پر اس آدمی نے عرض کیا اب آپ فیصلہ کر دیں، حضرت عمر نے فرمایا:

لو کنت أردک إلی کتاب اللہ أو إلی سنۃ نبیہ لفعلت ولکني أردک إلی رأیي

والرأي مشترک (۳۹)

(اگر بات یہ ہوتی کہ میں دوسرا فیصلہ صریح کتاب وسنت کا کرتا تو میں فیصلہ کردیتا لیکن صورت حال یہ ہے کہ میں جو فیصلہ کروں گا وہ میری رائے واجتہاد کا ہوگا اور رائے رائے برابر ہے)

کہ میرا اجتہاد اور ان حضرات کا اجتہاد یکساں درجہ ومرتبہ میں ہے تو ان کے اجتہاد کے بجائے اپنے اجتہاد کی طرف میں کیوں لاؤں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ قضا کے معاملات کے علاوہ فتاویٰ میں بھی یہ حضرات بڑی حد تک پابندی ولحاظ فرماتے تھے، ابن القیم وغیرہ نے تو اس سیاق میں بہت سی باتیں نقل کی ہیں (۴۰) اور ایک کی رائے سامنے آنے کے بعد جہاں دوسرے کی طرف سے موافقت ہوئی بسا اوقات دوسری صورت بھی سامنے آتی تھی جیسا کہ اس سلسلے کی تفصیلات وتصریحات سے واضح ہے۔

علماء امت اور مجتہدین وفقہاء اس بابت کیا کہتے ہیں؟ تو بجائے اس کے کہ مذاہب اربعہ کے علماء اور کتابوں سے اقوال نقل کئے جائیں، اجمالاً ان حضرات کی آراء ان کتابوں سے نقل کی جارہی ہیں جن میں ان مذاہب کے ایسے مسائل واصول کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کام وسعت کے ساتھ شیخ محمد ابوزہرہ نے کیا ہے، جنھوں نے ائمہ مجتہدین، ان کی شخصیات اور اصول وآراء سے متعلق مفصل ومحققانہ کام کیا ہے، شخصیات کے نام وعنوان سے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور ایک مبسوط کتاب ''تاریخ المذاہب الاسلامیہ'' کے عنوان سے دو جلدوں میں لکھی ہے جس کی دوسری جلد میں ائمہ اربعہ نیز دیگر بعض معروف مجتہدین کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کی نیز ابن القیم وغیرہ کی تصریحات کی روشنی میں ڈاکٹر معروف دوالیبی نے ''المدخل'' میں مختصراً اچھا جائزہ پیش کیا ہے، اور اب تو ایسے موضوعات پر چھوٹی بڑی متعدد مستقل کتابیں بھی آگئی ہیں۔

ڈاکٹر دوالیبی نے شیخ ابوزہرہ کے جائزہ وتجزیہ کا حاصل بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

أجمع أئمة المذاهب الأربعة وجماهير الفقهاء على الأخذ بأقوال الصحابة والاحتجاج بفتاواهم (۴۱)

(مذاہب اربعہ کے ائمہ اور تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اقوال صحابہ پر عمل کیا جائے اور ان کے فتاویٰ کو حجت بنایا جائے گا)۔

اگرچہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس بابت ان حضرات کے یہاں کچھ تفصیل نہیں ہے اور یہ کہ کچھ حضرات اس رائے سے اختلاف نہیں رکھتے، مذاہب اربعہ کے فقہاء کی ایک جماعت نیز ظاہریہ یا ان میں سے بعض کی مخالفت معروف ہے۔ دوالیبی نے ان حضرات کا قول ذکر کرنے کے بعد دونوں نقطہائے نظر میں تطبیق وتوجیہ کی بہترین سعی کی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے۔

کیونکہ قول صحابی کو حجت ماننے والے اور حجت نہ ماننے والے دونوں بنیادی اصول و ماخذ چار ہی مانتے ہیں، انکار کرنے والوں کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس کی حقیقت اگر پانچویں اصل کی ہے تو غلط ہے، اور اگر چار کے تحت داخل و شامل ہے تو درست ہے، اور جو لوگ حجت مانتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ چار سے الگ کوئی مستقل اصل و ماخذ ہے بلکہ یہ اصل ثانی کے ملحقات و لواحق میں سے ہے یا یہ کہ اس کا اعتبار چاروں میں سے کسی ایک سے متعلق ہونے اور اس پر مبنی ہونے کی صورت میں ہے۔ (۴۲)

یہی وجہ ہے کہ شیخ محمد ابوزہرہ کے جائزہ کے مطابق منکرین کے یہاں بھی ان حضرات کے اقوال و فتاویٰ سے احتجاج و استدلال ملتا ہے مگر اس حیثیت سے کہ اصول اربعہ میں سے کسی کے تحت اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اور قائلین بسا اوقات تمام صحابہ کے اقوال سے الگ کوئی قول اختیار کرتے ہیں جبکہ ان حضرات کے اقوال کے خلاف اصول اربعہ میں سے کسی کے تحت ان کو کوئی زیادہ مناسب و مضبوط رائے و راہ ملتی ہے اور اس کے مدنظر قول صحابی کو وہ کمزور محسوس کرتے ہیں۔ (۴۳)

شیخ محمد ابوزہرہ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے:

''مذاہب اربعہ کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کے اقوال و فتاویٰ حجت ہیں اور آچکا ہے کہ حضرات تابعین کا طریقہ بھی یہی تھا کیونکہ وہ اپنے اساتذہ کے مقتدی و پیرو تھے جن سے انھوں نے اکتساب فیض کیا تھا اور اگر چہ بعض تابعین ان صحابہ کے اقوال کی مخالفت کرنے کو درست سمجھتے تھے جن سے انھوں نے براہ راست استفادہ نہیں کیا تھا مگر وہ اس کو ہرگز روا نہیں سمجھتے کہ اپنے اساتذہ کی مخالفت کریں۔

چنانچہ (ائمہ اربعہ جن میں سے بعض تابعین میں اور بعض تبع تابعین میں ہوئے ان کا معاملہ بھی یہی رہا کہ) امام ابوحنیفہ صاف لفظوں میں فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کسی مسئلہ میں ایک رائے و متفق ہوں تو میں اسی رائے و قول کو اختیار کرتا ہوں اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو ان کی مختلف آراء میں۔ میں انتخاب کرتا ہوں، لیکن ان کی آراء کو چھوڑ کر اور ان سے صرف نظر کر کے کوئی دوسری رائے و راہ اختیار نہیں کرتا۔

امام مالک بھی حضرات صحابہ کے قول کو سنت متبعہ قرار دیتے تھے کہ وہ ایسا دستور ہے جس کی پابندی لازم و متعین ہے اس لئے کہ صحابہ کو وحی اور زمان وحی کے مشاہدہ و معائنہ کا اور براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا شرف حاصل ہے۔

امام احمد کا معاملہ بھی یہی تھا بلکہ وہ تو صحابہ کے اختلافی اقوال میں ترجیح اور اختیار و انتخاب کے بھی قائل نہ تھے، وہ اختلاف کی صورت میں مختلف اقوال کو نقل کر کے ان سب پر عمل کی بات کو ذکر کرتے اور گنجائش رکھتے تھے اور ترجیح و انتخاب کو اپنی حیثیت سے برتر قرار دیتے تھے۔

اور ابن القیم نے تو یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام احمد حدیث مرفوع مرسل کے مقابلے میں صحابی کے اس اثر کو ترجیح دیتے تھے جو سند متصل کے ساتھ ثابت و منقول ہے (۴۴)

امام شافعی کے بارے میں اگر چہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ قول جدید میں اثار صحابہ کی حجیت کے منکر ہیں لیکن ہم نے ان کی کتاب ''الرسالۃ'' اور ''کتاب الام'' میں - اور یہ دونوں کتابیں ان کے جدید قول پر مشتمل اور اسی عہد کی ہیں - یہی دیکھا ہے کہ وہ حجت کے قائل ہیں، اگر ان کی ایک رائے ہو تو اسی کو اور اختلاف کی صورت میں ترجیح و اختیار کو اپناتے ہیں (۴۵)

اور معروف ہے کہ مرفوع مرسل کے مرجحات میں امام شافعی اثر صحابہ کو بھی شمار کرتے ہیں (۴۶)

شیخ محمد ابو زہرہ نے مذکورہ بالا اجمالی تبصرہ کے علاوہ ہر مجتہد کے تذکرہ اور بیان اصول میں بھی اس مضمون کی صراحت کی ہے۔ (۴۷)

اس امر پر ائمہ اربعہ کے فی الجملہ اتفاق کے ساتھ تفصیلات میں کچھ اختلاف بھی ہے مثلاً یہ کہ امام احمد اختلاف اقوال کی صورت میں ترجیح کے قائل نہیں ہیں اور امام شافعی ان حضرات کی ان مرویات کو جو صراحۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں ترجیح دیتے ہیں بمقابلہ ان کے ان آثار و مرویات کے جن کو حکماً مرفوع قرار دیا جاتا ہے۔

آثار صحابہ سے استدلال و احتجاج میں نوعیت و حالات کے پیش نظر کچھ تفصیل ہے - جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے - مختصراً وہ تفصیل پیش کی جارہی ہے:

۱- صحابہ کے وہ اقوال و افعال جن میں عقل و رائے کا دخل ممکن نہیں وہ ''سنت نبویہ'' کے حکم میں ہیں اور ان کے حق میں یہی کہا جائے گا کہ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اور دیکھ کر ہی اس کو اختیار کیا ہے، کہا ہے اور کیا ہے۔

۲- وہ اقوال و افعال کہ جن میں عقل و رائے کا دخل ممکن ہے وہ اجماع و قیاس سے ملحق ہیں اور ان میں کئی شقیں نکلتی ہیں:

(الف) جس قول و فعل پر سب متفق ہوں اس کی حیثیت اجماع کی ہے، خواہ سب نے باہمی مشورے سے کوئی بات طے کی ہو یا مجمع صحابہ میں کسی نے کوئی بات کہی یا کی، اور کسی نے نکیر و مخالفت نہیں کی۔

(ب) کسی قول و فعل کی نقل تو بعض حضرات ہی سے ہو لیکن اس طرح کہ بقیہ حضرات سے نہ تائید منقول ہو اور نہ مخالفت و تردید، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت ہے۔

(ج) جو قول و فعل اختلاف کے ساتھ منقول ہو وہ صحابہ کے بعد امت کے تمام طبقات کے لئے یوں حجت ہے کہ اس سے خروج یعنی اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ کسی نئے قول و رائے کو اختیار کرنا درست نہیں، البتہ اس صورت میں ترجیح سے کام لیا جائے گا اور ترجیح میں اختلاف کرنے والوں کے مقام و مرتبہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا اور اگر اس بنیاد پر ترجیح ممکن نہ ہو تو قلب کا رجحان دیکھا جائے گا۔

(د) ایسا قول و فعل جو دو، ایک ہی حضرات سے منقول ہو اور اس کا تعلق عمومی طور پر درپیش مسائل سے نہ ہو تو وہ بھی

حجت ہے اور اس کا ترک اور اس سے صرف نظر درست نہیں ہے۔

۳- اہل علم صحابہ جو روایت ودرایت میں معروف وممتاز ہیں ان کے اقوال مطلقاً حجت ہیں، خواہ وہ فقاہت میں امتیازی مقام رکھتے ہوں یا نہیں، اور خواہ ان کا قول قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔

۴- کسی نص عام کے خلاف اگر کسی صحابی کا عمل پایا جائے تو وہ نص کے لئے مخصص مانا جائے گا (۴۸)

آ چکا ہے کہ ابن القیم علیہ الرحمۃ نے قول صحابی کی حجیت وسند ہونے کو دسیوں وجوہ سے مدلل ومبرہن کیا ہے اور اس ضمن میں اس پہلو کی وضاحت شامل ہے کہ ان کے آثار کی خصوصیت واہمیت یہ ہے کہ ان میں اس کا احتمال قوی رہتا ہے- جو تحقیق سے بسا اوقات پایۂ ثبوت کو بھی پہونچتا ہے- کہ انھوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا ہے اور وہ محض ان کی اجتہادی اور ان کی فکر ورائے کی بات نہیں نیز دوسری بنیادوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے جو ان آثار کو قابل احتجاج واستناد بناتی ہیں اور وہ بالفاظ ذیل ذکر کی گئی ہیں:

یہ حضرات جو فتویٰ دیتے ہیں وہ اکثر مذکورہ ذیل چھ وجوہ سے خالی نہیں ہوتا:

۱- اس کو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا۔

۲- اس کو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے والوں سے سنا۔

۳- اس کو انھوں نے کتاب اللہ سے اس طرح سمجھا کہ ہم نہیں سمجھ سکے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔

۴- اس پر وہ سب متفق تھے مگر ہمارے سامنے صرف ایک ہی دو کا قول بطور فتویٰ آسکا۔

۵- اس کو انھوں نے موقع ومحل حالات اور اپنی خصوصیات کے تحت جس طرح سمجھا ہم بعد والے نہیں سمجھ سکتے؛ کیونکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس طرح زبان کا اور الفاظ کے مدلولات کا علم کامل رکھتے تھے وہ ہم کو حاصل نہیں ہے، نیز وہ خطاب اور موقع ومحل کے قرائن کو جانتے اور سمجھتے تھے، اور بہت سی ایسی باتیں ان کو حاصل تھیں جو انہیں کا خاصہ وامتیاز تھیں، ایک لمبی مدت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا، آپ کے افعال واحوال نیز سیرت وکردار کا براہ راست مشاہدہ، اور براہ راست آپ کے کلام کو سننا، اور مقصد ومنشا (بلکہ مزاج) کو سمجھنا، نزول وحی نیز اس کے احوال کا مشاہدہ، اور نص کے بالفعل واقعی مصداق کا دیکھنا۔

ان پانچ احتمالات کی تقدیر پر صحابی کا قول ہمارے لئے حجت ہے اور اس کی اتباع واجب ہے۔

رہ گیا ایک یہ احتمال- جو چھٹا احتمال ہے- کہ مذکورہ قول وفتویٰ ان کے استنباط واجتہاد پر مبنی ہو جس میں چوک ہوگئی ہو تو اس کا وقوع ان سے ایسے ہی بعید ہے جیسے ثقہ راوی سے نقل روایت میں خطا کے وقوع کا احتمال بعید سمجھا جاتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ آخر یہ ایک احتمال ہے تو- اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ احتمال بعد کے اجتہاد کرنے والوں کے حق میں بدرجہ اولیٰ ہے اور بعد والوں کے مقابلہ میں صحابہ کا قول- ان کی خصوصیات کی وجہ سے زیادہ قابل اتباع ہے (۴۹)

اس گفتگو کو ابن تیمیہ وابن القیم علیہما الرحمۃ کے بعض ارشادات پر ختم کرتا ہوں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے ایک موقع پر فرمایا ہے:

''حضرات خلفاء راشدین نے جو معمولات جاری فرمائے وہ شرعی بدعت نہیں کہ ان سے روکا جائے اگر چہ لغت کی رو سے ان کو بدعت کہا جائے'' (۵۰)

نیز یہ بھی فرماتے ہیں:

''حضرات صحابہ کے جو اقوال بغیر نکیر معروف ہیں وہ بالاتفاق حجت ہیں اور ان کے اختلافات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا'' (۵۱)

اور ابن القیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''صحابی جب کوئی بات کہتا یا فیصلہ کرتا ہے یا فتویٰ دیتا ہے تو اس میں اس کے پاس کچھ ایسے ماخذ وذرائع ہوتے ہیں کہ جن میں وہ ہم سے منفرد اور الگ وممتاز ہیں، اور کچھ ایسے ماخذ وذرائع ہوتے ہیں جن میں ہم ان کے ساتھ شریک ہیں، ان کے خصوصی ماخذ وذرائع میں سے یہ ہے کہ انھوں نے خود براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو یا کسی دوسرے صحابی کے واسطے سے آپ سے ہی سنا ہو۔

اور ہم سے الگ جو ان کے مخصوص ذرائع علم ہیں وہ احاطہ سے زائد ہیں کیونکہ انھوں نے جو کچھ سنا سب کو روایت نہیں کیا، کہاں حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق وغیرہ اکابر صحابہ کا سنا دیکھا اور کہاں ان کی مرویات؟ ابوبکر جو صدیق الامۃ ہیں ان سے کل سو احادیث مروی ہیں جبکہ وہ کسی معرکہ وغزوہ میں غائب نہیں رہے، بلکہ بعثت ونبوت کے آغاز سے لے کے وفات تک ساتھ رہے، اور وہ امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نیز آپ کے اقوال وافعال اور سیرت وکردار کو سب سے زیادہ جانتے تھے، ایسے اکابر صحابہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی روایات ان کے براہ راست سنے ہوئے اور دیکھے ہوئے امور وافعال کی تعداد کی نسبت سے بہت کم ہیں'' (۵۲)

حوالہ جات

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس قسم کے متعدد ارشادات نبویہ معروف ہیں: إن الشيطان ليخاف منك ياعمر (جامع الاصول ۶۱۸/۸ بحوالہ ترمذی، المناقب باب مناقب عمر وقال الترمذي :هذا حديث حسن صحيح)-إني لأنظر إلى شياطين الانس والجن قدفروامن عمر(جامع الأصول ۶۱۸/۸-ترمذي ،المناقب باب مناقب عمروقال :هذا حديث حسن صحيح).والذي نفسي بيده مالقيك الشيطان سالكا فجّا إلا سلك فجّا غيرفجك((جامع الأصول ۶۲۱،۶۶۲/۸ بحواله صحيحين)

(۲) مشكاة المصابيح ص:۳۱۰-۳۱۳-كتاب الحدود .واقعه ماعزاسلمی وغيره۔

(۳) بخاری کتاب التفسیر سورہ ہود، ترمذی ابواب التفسیر سورۂ ہود آیت: ان الحسنات یذھبن السیئات کے تحت واقعہ معروف ہے، جس میں تعدد کا بھی احتمال ہے اور اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت ماعز اسلمی کے متعلق نسائی وموطا وغیرہ میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر دونوں کے پاس گئے اور دونوں نے ان سے توبہ و پردہ داری کو فرمایا(فتح الباری ۱۲۲/۱۲ وجامع الاصول ۵۲۹/۳)۔

(۵) ماعز اسلمی اور غامدی خاتون دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ و استغفار کو فرمایا تھا (مشکوۃ ص:۳۱۰، ابواب الحدود، بحوالۂ مسلم)۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی کے حق میں فرمایا(لقدتاب توبة لوقسمت بين أمة لوسعتهم)اور غامدی خاتون کے بارے میں فرمایا:فوالذي نفسي بيده لقدتابت توبة لوتابهاصاحب مكس لغفرله)(مشکوۃ ص:۳۱۰ بحوالۂ مسلم.جامع الاصول ۵۲۰/۲ و۵۱۸)ایک صاحب جرم کر کے موقع سے غائب ہو گئے اور پھر حاضر ہو کر اقرار کیا اور سزا پائی ان کے حق آپ نے فرمایا(لقدتاب توبة لوتابهاأهل المدينة لقبل منهم) (ترمذي ،الحدود باب ماجاء في المرأة إذا استكرهت على الزنا.وقال :حسن صحيح)۔

(۷) پارہ ۴۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۵۲۔

(۸) سورۂ فتح۔ ۱۸۔

(۹) سورۂ حدید: ۱۰۔

(۱۰) معارف القرآن تفسیر سورۂ حدید جلد ہشتم۔

(۱۱) جامع الاصول ۳۵۹/۷ و۳۶۲ بحوالہ صحیحین وغیرہ۔

(۱۲) مشکوۃ ص: ۵۵۳ بحوالۂ صحیحین۔ جامع الاصول ۵۵۲/۸ و۵۵۳۔

(۱۳) مشکوۃ ص: ۵۵۳ بحوالۂ صحیحین۔ جامع الاصول ۵۴۷/۸ و۵۴۸۔ ابن القیم نے اعلام الموقعین (۱۳۶/۴) میں اس روایت کو بھی بنیاد بنایا ہے اور اس کی روشنی میں حجیت آثار کی وضاحت کی ہے۔ روایت زیادہ تر خیر الناس کے لفظ کے ساتھ آئی ہے اور خیر امتی وخیر کم بھی آیا ہے (ملاحظہ ہو: جامع الاصول ۵۴۷/۸ و۵۵۰)۔

(۱۴) سورۂ براءۃ: ۱۰۰۔ حجیت کی توضیح کے لئے ملاحظہ ہو (کشف الخفاء ۳۹۶/۱۔ اعلام الموقعین ۱۲۳/۴-۱۲۹۔

(۱۵) مشکوۃ ص: ۵۴۴ بحوالہ ترمذی۔ جامع الاصول ۵۵۶/۸ قال الترمذي حديث غريب۔ وفي حاشي جامع الأصول -(۵۵۶/۸)-: وقد روى هذا الحديث عن عبدالله بن مسلم ابي طيبة عن ابن بريدة عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلا وهذا اصح۔ ونحوه في كشف الخفاء (۱۹۳/۲)

(۱۶) مشکوۃ ص: ۵۵۴ بحوالہ رزین۔ جامع الاصول (۵۵۶/۸) ۔ورواه السيوطي في جامعه الكبير وقال: يشهدله لأحاديث الصحيحة (اثر لأدلة

المختلف فيها ص:۳۳۸) وقال الزركشي: يتقوى طرقه بعضها ببعض لاسيما وقد احتج به الإمام أحمد (المعتبر في تخريج أحاديث المختصر ص:۸۰-۸۵ والى نحو ذالك ذهب الحافظ في أواخر تلخيص الحبير (۴/۲۰۹-۲۱۰) وفي كشف الخفاء (۱/۱۳۲) رواه البيهقي واسنده الديلمي عن ابن عباس۔

(۱۷) جامع الاصول ۸/ ۵۵۶۔ ومشکوۃ ص ۵۵۴ بحوالہ رزین وفی ہامش جامع الاصول (۸/۵۵۶) اخرجہ السیوطی فی الجامع الصغیر وھو ضعیف۔

(۱۸) جامع الاصول ۸/ ۵۵۵ بحوالہ مسلم فضائل صحابہ۔ ابن الاثیر اور ابن القیم وغیرہ نے تشریح میں اسی قسم کی بات لکھی ہے، ملاحظہ ہو جامع الاصول ۸/ ۵۵۶ واعلام الموقعین ۴/ ۱۳۷۔

(۱۹) تقریب النووی مع التدریب ۲/۲۱۴۔ اس بابت کتب اصول وکتب تفسیر اور شروح حدیث وغیرہ میں کافی تفصیل موجود ہے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی مع التقریب ۲/۲۱۴-۲۱۶ مع حاشیہ (کتاب منہج النقد فی علوم الحدیث) ص:۱۲۱-۱۲۳۔

(۲۰) تاریخ المذاهب الاسلامیة جلد دوم، ملاحظہ ہو تذکرہ اصول ائمہ مجتهدین نیز اعلام الموقعین ۴/۱۲۰ و ۱۲۱ و المدخل للدوالیبی ص:۲۷۶۔

(۲۱) حسامی ص:۷۵، نقلا عن عیسی بن ابان.

(۲۲) اصول السرخسی ۲/۱۰۵-۱۱۳۔ ابن القیم نے بھی اس پہلو کا تذکرہ کیا ہے اور ترجیح اسی کو دی ہے کہ مطلق حجت ہے (اعلام الموقعین ۴/۱۵۶)۔

(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام ۲۰/۱۴ و ۲۱/۳۱۹ و ۲۲/۲۳۵ واعلام الموقعین ۴۰/ ۱۱۸-۱۲۳ و حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۴۴ و ۱۴۵۔

(۲۴) الرسالہ ص:۵۹۶-۵۹۸ فقرات ۱۸۰۵-۱۸۱۱ تحقیق احمد شاکر۔

(۲۵) اعلام الموقعین ۱/۶۲-۶۴۔

(۲۶) ایسی بعض روایات کا، نیز ان کی بنیاد پر صحابہ کی اقتداء کے ثبوت وجواز کا تذکرہ علامہ شوکانی نے بھی کیا ہے، اگر چہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اقتداء کے اہل ہیں لیکن حجیت کی بات ثابت نہیں ہوتی (ارشاد الفحول ص:۸۳)۔
لیکن اہلیت کا تذکرہ کرنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو سند بنایا جائے اور ان پر اعتماد کیا جائے جبکہ اس کی صراحۃ ہدایت وحکم بھی موجود ہے کہ ان کی بات مانو، ان کی اتباع کرو، ان کی اقتداء کرو۔

(۲۷) روایات کے لئے ابتدائی حصہ ملاحظہ کیا جائے پہلے آیات ذکر کی گئی ہیں ان کے بعد روایات ذکر کی گئی ہیں۔

(۲۸) جامع الاصول ۸/۵۷۲ و ۵۷۳ بحوالہ ترمذی ورواہ احمد والحاکم۔ ترمذی نے حضرت حذیفہ وحضرت ابن مسعود دونوں سے روایت کیا ہے اور دونوں کو حسن کہا ہے تفصیلی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ فضائل صحابہ للامام احمد ص:۱۸۷ و ۱۸۸ وھو في تلخيص الحبير (۴/۲۰۹)-وراجعه للتفصيل التخريج۔

(۲۹) جامع الاصول ۱/۲۷۹ بحوالہ ترمذی وابوداؤد ورواہ ابن ماجہ۔ مذکورہ الفاظ ابوداؤد وابن ماجہ کے ہیں (ابوداؤد کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ وابن ماجہ-المقدمۃ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین) ورواہ احمد فی فضائل الصحابہ (ص:۳۳۲، حدیث:۴۷۸ و ۴۷۹ وص ۳۵۹، حدیث ۵۲، (ص ۴۲۶، حدیث ۶۷۰)، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے (ترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة) ونسبه الحافظ في التلخيص (۴/۲۰۹) الی الحاکم وابن حبان وقال: طرقہ الحاکم فی العلم من مستدرکہ۔

(۳۰) جامع الاصول ۸/۵۷۳ بحوالہ ترمذی-ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ حضرت عمر نے جب حضرت ابن مسعود وحضرت عمار کو کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کے نام اپنے گرامی نامے تحریر فرمایا تھا: اقتدوا بہما واسمعوا قولہما (اعلام الموقعین ۴/۱۴۴)۔

(۳۱) فضائل الصحابہ للامام احمد ص:۸۳۸، حدیث ۱۵۳۶ (فی ہامش-مرسل رجالہ ثقات والحدیث صحیح باسناد الحاکم- تفصیلی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ فضائل الصحابہ للامام احمد، ابن القیم نے اعلام الموقعین (۴/۱۴۳، ۱۴۴) میں پہلا ٹکڑا-دو مرتبہ کچھ فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۳۲) کنز العمال۔ (رواہ ابن عساکر) کتاب الفاء فضائل الصحابۃ اجمالاً حدیث ۳۵۵۸۶۔

(۳۳) اعلام الموقعین ۱/۱۴-۲۰ و ۱۴۲ و ۱۵۰-۱۵۲۔

(۳۴) ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۱/۶۵ و ۴/۱۳۹

(۳۵) اعلام الموقعین ۴/۱۳۹۔ مشکاۃ ص:۳۲ بحوالہ رزین وجمع الفوائد ۱/۲۸ لفظوں کا کچھ فرق بھی ہے۔ جامع الاصول ۱/۲۹۲ نسب الی جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر۔ ابن القیم نے اس کو امام احمد کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

(۳۶) اعلام الموقعین ۴/۱۳۹/۴/۱۳۹۔ وروی نحوہ عن ابن مسعود طبرانی مجمع الزوائد ۱/۱۸۷۔ کتاب العلم باب اقتداء السلف۔

(۳۷) رواہ احمد والبیھقی والبزار والطبرانی (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸) قال الھیثمی: رجالہ موثقون۔ وقال الحاکم: انہ صحیح الاسناد ولم یخرجاہ (المعتبر فی تخریج احادیث المنھاج والمختصر ۲۳۵) وقال ابن القیم: رواہ ابوداؤد والطیالسی (اعلام الموقعین ۴/۱۳۸) وذکرہ ابن القیم ۱/۶۵ وھو فی المستدرک ۳/۷۸ وذکرہ أحمد فی فضائل الصحابۃ ص:۳۶۷ رقم ۵۳۱ وھو فی مسندہ ایضاً ۱/۳۷۹ وراجع لتخریجہ ھامش فضائل الصحابۃ لأحمد، ص:۳۶۷۔

(۳۸) اعلام الموقعین ۴/۱۳۸ وحواشی ہدایہ از مولانا عبد الحی لکھنوی ۱/۱۶۵۔

(۳۹) المدخل اِلی علم الاصول الفقہ للدوالیبی ص:۱۰۶۔ اعلام الموقعین ۱/۶۵۴۔

(۴۰) اعلام الموقعین ۱/۶۱-۶۲۔

(۴۱) المدخل للدوالیبی ص:۲۷۶ بحوالہ کتاب ابن حنبل لأبي زہرۃ ص:۲۵۱-۲۵۴۔

(۴۲) المدخل ص:۲۷۸-۲۸۰ بحوالہ اعلام الموقعین وکتب ابی زہرہ وغیرہ۔

(۴۳) المدخل ص:۲۷۹ و ۲۸۰۔

(۴۴) اعلام الموقعین ۴/۲۹۔

(۴۵) تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲/۴۷ و ۷۵۔

(۴۶) تیسیر مصطلح الحدیث ص:۷۳۔

(۴۷) تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲/۱۶۱ و ۱۶۲، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۶۱، ۳۲۹۔

(۴۸) مذکورہ تفصیلات بنیادی طور پر فقہ حنفی کے اصولی مسائل ومسلمات میں سے ہیں اور فقہ حنفی کی اصولی کتابوں سے ماخوذ ہیں لیکن دوسری کتابوں اور دوسرے گذشتہ صفحہ کا حاشیہ: مذاہب میں بھی اکثر بیشتر مذکورہ امور ومسائل معتبر ہیں (فواتح الرحموت ۲/۱۸۶ و ۱۸۷، حسامی ونظامی ص:۹۳ و نور الانوار ص:۲۱۸ و ۲۱۹۔ توضیح ص:۴۹۳ و ۴۹۴۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲/۳۶-۳۸ و ۱۶۱ و ۱۶۲، ۲۱۷ و ۲۱۸، ۲۶۱ و ۲۶۲، ۳۲۹، ۳۳۲ - اعلام الموقعین ۴/۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۳، ۱۵۲، ۱۵۶۔ المدخل الی علم اصول الفقہ ص:۱۰۵، ۲۷۶-۲۸۱ و ۲۳۴۔ علم اصول الفقہ للخلاف ص:۹۴-۹۶۔ ابن قدامہ واثارۃ الاصولیہ۔ ص:۱۴۸-۱۵۲ و ۱۶۵ و ۱۶۶۔

(۴۹) تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲/۳۷ و ۳۸ اعلام الموقعین ۴/۱۴۸۔

(۵۰) فتاویٰ شیخ الاسلام ۲۱/۳۱۹۔

(۵۱) فتاویٰ شیخ الاسلام ۲۰/۱۴۔

(۵۲) تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲/۳۶ و ۳۷، ۳۶۲ و ۳۷ و اعلام الموقعین ۴/۱۴۷۔

ریاست علی قاسمی ☆

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث کی روشنی میں

الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علیٰ سیدنامحمد النبی الأمی. وعلیٰ آله واصحابه أجمعین وبعد :

اللہ رب ذوالجلال نے دین اسلام کو اپنے حبیب سرور کائنات حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اپنے برگزیدہ منتخب افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچایا۔

اس سے مراد وہ قدسی صفات لوگ ہیں جن کو صحابہ کرام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کی صحبت کیلئے منتخب فرمایا، تاکہ براہِ راست، آپ ﷺ سے دین سیکھ کر اسے ہم تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیں، یہ جماعت پوری انسانیت میں سب سے زیادہ نیک دل، عمیق العلم، بے تکلف اور سادگی پسند تھی، یہ جماعت اپنے خالص ایمان عظیم اخلاص، دین کے تئیں اپنی بہترین خدمات اوراعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنے زبردست کارناموں کے سبب اس مقام تک پہنچی کہ رب عرش اُس سے اِس قدرراضی ہوا کہ اس نے اپنی رضاوخوشی کا اعلان اپنی زندۂ جاوید کتاب قرآن کریم میں کیا۔ یہ جماعت پیغمبر اعظم ﷺ سے اس قدر گہری محبت رکھتی تھی اوراتنی صاف دل، پاکیزہ نفس، نیک ارادہ والی اور عزائم کی حامل تھی کہ بہ جا طور پر نبی کریم ﷺ نے اس کے اِردگرد، اپنے اس فرمان کے ذریعے حفاظتی دائرہ کھینچ دیا:

لا تسبوا أصحابی، فان أحدكم لوا نفق مثل أحدٍ ذهباً مابلغ مُدَّ أحدِهِم ولا نصيفهُ (۱)

میرے صحابہ کوسب وشتم نہ کرو؛اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اُن کے ایک مُد (تقریباً سیر بھر) یا آدھے مُد کے برابر نہیں ہوسکتا۔لیکن صحابۂ کرام وخلفائے راشدین کے دور ہی سے ایک بے توفیق جماعت نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اُن کو اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایاان پر ہرطرح کی تہمت لگائی، ان کے احسانات کوفراموش کیا،اوران کے حسن وسلوک کا بدلہ، بدسلوکی سے دیا،لیکن امتِ مسلمہ کی نظر میں یہ جماعت ہمیشہ راندۂ بے حقیقت، غیر معتبر اور کسی

☆ استاذ حدیث وافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

بھی شمار وقطار کے لائق نہ رہی، اسی لئے پیش نظر مضمون میں اس مقدس الوالعزم وبلند و بالا مقام ومرتبہ والی جماعت کا جائزہ احادیث شریفہ کے آئینہ میں لیا جارہا ہے۔

لوگوں میں بہترین قرن

حضرت عمران بن حصینؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر الناس قرني، ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قال عمران : فلا أدری أ ذکَرَ بعد قرنہ قرنین أوثلاثة،ثم ان بعد ھم یشھدون ولایُستشھدون، ویخونون ولا یؤتمنون،وینذرون ولایوفون، ویظھرفیھم السّمَنَ.(۲)

لوگوں میں بہترین قرن میرا ہے، پھران لوگوں کا جواس سے متصل ہے راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں کہ اپنے قرن کے بعد دوقرنوں کا ذکر فرمایا، یا تین قرنوں کا، اس کے بعد ایسے لوگ ہونگے جومطالبۂ شہادت کے بغیر ہی شہادت دینے کو تیار ہونگے ،خیانت کریں گے، امانت دارنہ ہونگے، نذرمانیں گے پوری نہ کریں گے، ان میں (بےفکری کے سبب) مٹاپا رونما ہوجائیگا۔

میرے صحابہ کوھدف تنقید نہ بناؤ

أللہ أللہ فی أصحابی،لا تتخذوھم غرضاًمن بعدی فمنْ أحبّھم فَبِحُبّی أحبّھم،ومن أبغضھم فبغضی أبغضھم ومَن اذاھم فقد اذانی ومَن اذانیِ فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیو شک أن یأخذہ .(۳)

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعدان کو (طعن وتشنیع کا) نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی، مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض کیوجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے ان کوایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کوایذاء پہنچائی اور جواللہ کوایذاء پہنچانا چاہے، تو قریب ہے کہ اللہ کا عذاب اس کو اپنی گرفت میں لے لے، اس حدیث میں ان لوگوں کیلئے سخت وعیداور پھٹکار ہے جوصحابہ کرام کو اپنی آزادانہ تنقید، دل خراش بدگوئی اور زھرآلود قلم کا نشانہ بناتے ہیں یاان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جس کا مقصد لوگوں میں ان کو بے حیثیت کرنا اوران کے دل میں ان کے لئے بغض پیدا کرنا ہے؛ تاکہ لوگوں کا اعتماداس قدسی صفات جماعت سے اٹھ جائے۔

صحابہ کو بُرا کہنے والا قابل لعنت

حضرتؓ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

'' إذا رأيتم الذين يسبُّون أصحابي ، فقولوا لعنة الله علىٰ شركم '' (۴)

''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں، تو ان سے کہو، خدا کی لعنت ہو تم میں سے بدترین شخص پر''

حدیث میں صحابہ کو برا بھلا کہنے والے کو مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ لفظ ان ساری باتوں کو شامل ہوگا اور حدیث کے اس مفہوم کے تحت وہ تمام بدنصیب اس میں شامل ہوں گے، جو بلا واسطہ، یا بالواسطہ کسی بھی طرح سے صحابہ کی توہین، عیب جوئی، حرف گیری، بے ادبی، یا دل آزاری کرتے ہیں۔ (۵)

صحابہ کرامؓ امت کے پاسباں

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

،صلينا المغرب مع رسول الله ﷺ ثم قلنا: لو جلسنا حتى نصلي معه العشاء قال فجلسنا فخرج علينا فقال مازلتم هٰهنا ؟ قلنا يا رسول الله صلينامعك المغرب، ثم قلنا نجلس حتى نصلي معك العشاء قال أحسنتم أوأصبتم قال : ثم رفع رأسه الى السماء ، وكان كثيراً ما يرفع رأسه الى السماء فقال : ألنجوم أمنة للسماء ، فاذا ذهبت النجوم أتى السماء ماتوعد ، و أنا أمنة لأصحابي فاذا ذهبت أتىٰ أصحابي مايوعدون،وأصحابي أمنة لأمتي،فاذاذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون. (٦)

ہم نے مغرب کی نماز، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر ہم نے کہا کہ آپ کیساتھ بیٹھے رہیں، یہاں تک کہ عشاء آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ لیں تو بہتر ہوگا، پھر ہم بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ابھی تک یہیں بیٹھے ہو؟ ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کیساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے (دل میں) کہا اگر ہم بیٹھے رہیں یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں تو بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہت خوب پھر آپ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اکثر آپ ﷺ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا نجوم وکواکب آسمان کیلئے حفاظت کا ذریعہ ہیں جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ چیز

آئیگی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔(یعنی قیامت آجائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا)

میں اپنے صحابہ کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہوں، جب میں چلا جاؤں گا، تو میرے اصحاب پر وہ وقت آجائیگا جس کا وعدہ ہے۔میرے صحابہ میری امت کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائیگا جس کا وعدہ ہے۔

اس میں اہل خیر کے رخصت ہو جانے کے بعد، فتنہ وفساد کے بھڑکنے کی طرف اشارہ ہے۔چنانچہ جب تک آپ ﷺ کی ذات بابرکات موجود تھی، آپ ﷺ راہ صواب بتا کر ان کے اختلافات کو ختم کر دیتے تھے آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرامؓ میں اختلافات ہوئے تو وہ آپ ﷺ کے قول وفعل یا دلالت حال کو صحابہ کرام تلاش کرتے تھے!لیکن صحابۂ کرامؓ کے بعد وہ نور جاتا رہا اور تاریکی کا دور دورہ ہو گیا۔(۷)

صحابۂ کرامؓ نور بنا کر اٹھائے جائیں گے

حضرت بریدہ بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول ﷺ نے فرمایا:

ما من أحدٍ مِن أصحابی یموت بأرض الابُعث لهم نوراً وقائداًیوم القیمٰة.(۸)

میرا جو صحابی بھی کسی زمین میں جاں بہ حق ہوگا، قیامت کے دن اُن کے لئے پیشوا اور نور بنا کر اٹھایا جائیگا۔

اس لئے کہ یہ حضرات شرف صحابیت سے سرفراز ہوے لہذا آپ ﷺ کے بعد، دنیا والوں کی قیادت کا حق دار اُن سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے ؟

اور جن کے لئے صحابۂ کرام کو پیشوا اور نور بنا کر اٹھایا جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے ساتھ آسان حساب وکتاب کا معاملہ کریگا۔

اہل بدر افضل ترین مسلمان

حضرت رفاعہ بن رافع جو خود بدری صحابی ہیں کا بیان ہے۔

جاء جبریل علیه السلام الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال : ماتَعُدُّ ونَ أهل بدر فیکم ؟ قال : من افضل المسلمین.أو کلمةًنحوها . قال : و کذلک من شهد بدراً من الملائکة .(۹)

حضرت جبریل، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ اہل بدر والوں کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب مسلمانوں میں افضل ترین حضرت جبریل نے کہا: اسی طرح وہ فرشتے جو جنگ بدر میں شریک ہوے تھے دیگر فرشتوں سے

افضل ترین ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

اطلع الله علیٰ أهل بدرٍ ،فقال : اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم. (۱۰)

اللہ تعالیٰ نے (آسمان پر سے) بدر والوں کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ بدری صحابہ، سب سے افضل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی کیفیات، باطنی حالات، یعنی صدق واخلاص، اللہ، رسول اور آپ کی دعوت کے تئیں، ان حضرات کی مکمل وفاداری کو دیکھ کر، ان کو مغفرت وبخشش کی بشارت دے دی ہے۔

درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کے لئے بشارت

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ید خل النار أحدممن بایع تحت الشجرة. (۱۱)

جس نے بھی کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں نہیں جائیگا۔ نیز اللہ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان قرآن پاک میں اس طرح کیا ہے :

لقد رضی الله عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرة (۱۲)

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب آپ نے اس درخت کے نیچے بیعت کی۔ (۱۳)

صحبت نبوی کے لئے پاکیزہ نفوس کا خدائی انتخاب

اس میں کوئی حیرت واستعجاب نہیں، اس لئے کہ جن حضرات کو نبی خاتم ﷺ کی صحبت کا شرف ملا، انہیں یہ سعادت، توفیق الٰہی سے ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے لئے ان کا انتخاب فرمایا، شرف صحابیت کوئی معمولی چیز نہیں جو ہر کس وناکس کو مل جائے، کوئی ایسا سامان نہیں جسے انسان اپنی جیب سے خرید لے یا اسکو اپنے زور بازو سے حاصل کرلے، یا کسی حیلہ وتدبیر یا ذاتی کوشش کے ذریعہ اس سے بہرہ یاب ہوا اسی لئے منصب صحابیت صرف اُسی کو ملا جس کے لئے یہ مقدر تھا، اور جس کو خدا تعالیٰ نے اسکا اہل بنایا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ اس منصب کی ذمہ داری لیاقت وصلاحیت کیساتھ پوری کریگا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

ان الله اختار اصحابی علی العالمین سِوی النبین و المرسلین واختارلی من أصحابی أربعة :أبابکرؓ ، وعمرؓ،وعثمانؓ وعلیا وجعلهم أصحابی وقال في

أصحابی کلهم خیر. (۱۴)

اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے بعد، ساری دنیا سے میرے صحابہؓ کا انتخاب فرمایا۔ پھر میرے صحابہ میں سے چار یعنی ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم کو چنا اُن کو میرا خصوصی یار بنایا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا میرے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم میں خیر ہے۔ (۱۵)

الغرض احادیث مبارکہ سے یہ بات منقح ہوگئی ہے کہ:

(۱) بغیر کسی استثناء کے سارے صحابہ جنتی ہیں۔

(۲) سارے صحابہ کو اللہ رب العزت کی دائمی رضا و خوشنودی حاصل ہے۔

(۳) جملہ صحابہ آپس میں برادرانہ الفت و محبت رکھتے تھے۔

(۴) ہر ایک صحابی کا دل ایمان و اخلاص کی الفت سے مزین اور کفر، فسق اور نافرمانی سے متنفر تھا۔

(۵) حضرات صحابہ اللہ تعالیٰ کے منتخب و برگزیدہ ہیں، جماعت انبیاء کے علاوہ جن و بشر کا کوئی بھی فرد ان کی عظمت کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۶) صحابہ کی محبت رسول اللہ کی محبت اور ان سے بغض اللہ کے رسول سے بغض ہے۔

(۷) صحابہ کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بنانا حرام ہے۔

(۸) امت کا سارا شرف و مجد صحابہ کیساتھ وابستگی پر موقوف ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہ عقیدہ اور محبت و احترام ہر صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کیلئے یہ چیز ناگزیر ہے کہ ان کو رسول اللہ کے صحابہ کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے اس قدسی صفت جماعت سے اپنے رشتہ کو مظبوط تر کرنا چاہیئے تا کہ کل میدان حشر میں حضرت محمد ﷺ سے قربت میسر ہو اور غلامان محمد ﷺ میں ہمارا شمار ہو سکے۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقو نا بالایمان و لا تجعل فی قلو بنا غلّا للذین أمنو، ربنا انک رؤف رّحیم (۱۶)

(وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله وصحبه أجمعین آمین)

حوالہ جات

(۱) بخاری شریف کتاب الفضائل جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۵۱۸
(۲) بخاری شریف کتاب الفضائل صفحہ ۵۱۵ جلد ا
(۳) ترمذی شریف کتاب المناقب صفحہ ۲۲۵ جلد ۲
(۴) ترمذی کتاب المناقب صفحہ ۲۲۵ جلد ۲
(۵) مقام صحابہ ۵۷
(۶) مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ صفحہ ۳۰۸ جلد ۲
(۷) جامع الاصول۔۸/۵۵۵۔۵۵۶
(۸) ترمذی شریف کتاب المناقب صفحہ ۲۲۵ جلد ۲
(۹) بخاری شریف کتاب المغازی صفحہ ۵۶۹ جلد ۲
(۱۰) بخاری شریف کتاب المغازی باب من شھد بدرا صفحہ ۵۶۷ جلد ۲
(۱۱) مسلم شریف کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل اصحاب الشجرۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۳
(۱۲) سورۃ فتح ۱۸
(۱۳) صحابۂ رسول اسلام کی نظر میں صفحہ ۱۵۱
(۱۴) مجمع الزوائد ۱۰/۱۶
(۱۵) صحابہ رسول اللہ ﷺ اسلام کی نظر میں صفحہ ۶۷۔۶۸
(۱۶) سورۃ الحشر آیت ۱۰

مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی ☆

صحابیات رضی اللہ عنہن اور خدمتِ حدیث

اللہ تعالیٰ کے تخلیقی منصوبہ کے مطابق ''انسان'' ہی وہ مخلوق ہے، جس کے لئے اس جہانِ رنگ و بو کی ہر چیز معرضِ وجود میں لائی گئی ہے، (۱) ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان کو دو جنسوں میں تقسیم کیا گیا، جنس قوی اور جنس نازک، اور ان کے فطری تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسے قوانین و اُصول وضع کئے گئے کہ نہ مردانہ قوّامیت پر حرف آئے (۲) اور نہ ان نازک آبگینوں میں خراش، (۳) ــــ مگر قرآن مجید نے بار بار اور باصرار یہ بات واضح کر دی کہ اس تخلیقی فرق کے باوجود دونوں ہی بشریت (۴) اور عبودیت (۵) میں یکساں و برابر ہیں، نیز دونوں کے حقوق بھی ایک دوسرے پر ''ہم مثل'' ہیں۔ (۶)

اسلام کے اسی مزاج و مذاق کا اثر تھا کہ خواتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تحریک اور ہر مہم کا حصہ ہوا کرتی تھیں، تعلیم و تربیت، عبادت و ریاضت، جہاد و شہادت، تبلیغ و دعوت، معیشت و تجارت، صدقہ و انفاق، تیمارداری و طبی نگہداشت اور سماج کی تعمیر و ترقی، غرض زندگی کے ان تمام صیغوں میں خواتین کی نمایاں نمائندگی پائی جاتی تھی ــــ خاص طور پر تعلیم و تربیت میں وہ مَردوں کے شانہ بشانہ ہوا کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث کے فہم و حفظ اور ان کی حفاظت و تبلیغ و اشاعت اور ان سے اخذ و استنباط میں خواتین ہمیشہ پیش پیش رہی ہیں؛ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ احادیث و تفسیر کا وہ ذخیرہ جو خواتین اسلام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، اگر ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے شریعت پر نگاہ ڈالی جائے تو وہ نامکمل محسوس ہوگی ــــ دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کوئی بھی مذہب دینی علوم کی حفاظت اور ترویج و اشاعت میں خواتین کی ایسی کارکردگی پیش کرنے سے قاصر ہے!

زیر بحث مقالہ ''صحابیات کی خدمتِ حدیث'' کو ہم نے دو فصل، خاتمہ اور تجاویز پر تقسیم کیا ہے ''فصل اول'' صحابیات و خواتین کی تعلیم اور تحمل حدیث سے متعلق بنیادی باتوں پر مشتمل ہے، اس کے تحت تین مباحث ذکر کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

مبحث اول : عہد نبوی میں خواتین کی تعلیم و تربیت اور تحمل حدیث کے طریقے۔

مبحث دوم : حدیث اور خواتین -- ایک تاریخی جائزہ۔

☆ استاذ شعبۂ حدیث و فقہ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

مبحث سوم : راویات -- ائمۂ جرح وتعدیل کی نظر میں۔

دوسری فصل کا عنوان ''صحابیات اور خدمتِ حدیث'' ہے، اس کے تحت پانچ مباحث ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

مبحث اول : کتب ستہ میں صحابیات اور دیگر راویات اور ان کی روایتیں۔

مبحث دوم : صحابیات کی روایتیں اور ان کا موضوع۔

مبحث سوم : بعض وہ ابواب جس میں صرف صحابیات کی روایتیں ہیں۔

مبحث چہارم : امہات المومنین اور خدمتِ حدیث۔

مبحث پنجم : دیگر صحابیات اور ان کی روایتیں۔

اور ''خاتمہ'' کے تحت ہم نے بحث کے خلاصہ واہم نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے اور اخیر میں چند مشورے وتجاویز پیش کی گئی ہیں؛ تا کہ قافلۂ اہل علم میں سے کوئی دانا ودیدہ ور اس جانب متوجہ ہو اور اپنی ''حیات مستعار'' کو اس ''گوشۂ غریباں'' کی بازآباد کاری میں لگادے، جو کہ آئندہ نسلوں کے لئے چشم کشا بھی ہو اور سرمۂ چشم بھی بن سکے۔

مقالہ میں خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ روایت کرنے والی صحابیات، خود ان کی روایت کردہ احادیث اور کتب ستہ میں موجود ان کی روایات سے متعلق اعداد وشمار جمع کردیئے جائیں، نیز صحابیات کی یہ روایتیں کن ابواب دین سے متعلق ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی جائے، اسی طرح کتب تاریخ ورجال کے حوالہ سے خواتین کی خدمتِ حدیث کا مختصر تاریخی جائزہ پیش کیا جائے؛ تا کہ موضوع کی مختلف جہتوں پر روشنی پڑے۔

یہ مقالہ بین الاقوامی عظمت صحابہ کانفرنس منعقدہ: ۱-۳ر جولائی ۲۰۱۱ء، باہتمام جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد کی دعوت پر لکھا جارہا ہے، اس اہم کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد کے مستحق ہیں جناب رحیم الدین انصاری صاحب (معتمد جامعہ) اور ان کے تمام ہی رفقاء ـــــ نیز ہم ممنون ہیں اپنے عزیز دوست جناب مولانا سعید الظفر قاسمی (استاذ جامعہ) کے، کہ ان ہی کے اصرار پر یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکا۔ هذا وصلى الله على سيدنا محمد وبارك وسلم.

فصل اول: صحابیات ودیگر خواتین کی تعلیم اور تحمل حدیث سے متعلق بنیادی باتیں

مبحث اول : عہد نبوی میں خواتین کی تعلیم وتربیت اور تحمل حدیث

اسلام نے خواندگی کو جو اہمیت دی ہے، اس کی نظیر کسی بھی مذہب یا ثقافت میں تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور اس نے یکساں طور پر مرد وعورت سے اس کا مطالبہ کیا ہے، قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی (۷) دونوں ہی کو خطاب کرتی ہے اور خواتین کی تعلیم وتربیت کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ اسلام جس فکر وعقیدہ اور نظام حیات کی دعوت دیتا ہے اور جس معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے وہ اس ''شاخ گل'' کو تازہ دم کئے بغیر ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیتی نظام

میں اس جانب خوب توجہ دی گئی ہے (۸)، نیز آپ ﷺ کا قول: ''کلکم راع ومسئول عن رعیته'' (۹) ——خواتین کی تعلیم کے بابت جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے؛ چنانچہ صحابیات کے طریقۂ تعلیم اور تحمل حدیث کو حسب ذیل چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱- خواتین کی حوصلہ افزائی

خواتین کے تئیں عرب معاشرہ کا جو رویہ تھا، اس نے ان کے اندر سے عزتِ نفس کا احساس اور خود اعتمادی جیسے عناصر --- جو شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں --- کو ختم کردیا تھا، حضرت عمر ﷺ کے بقول :

واللہ إنا کنا في الجاھلیة لا نعد للنساء أمراً ، حتی أنزل اللہ فیھن ما أنزل وقسم لھن ما قسم . (۱۰)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا، آپ ﷺ ان کی باتوں کو غور سے سنتے، انھیں سوالات کا موقع دیتے، انھیں انفرادی واجتماعی سطح پر نصیحت فرماتے، ان کے حالات دریافت کرتے، ان کے نجی مسائل کو حل کرتے، بعض پابند خواتین کو اپنی مجلسوں میں نہیں پاتے تو ان کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتے، بسا اوقات ان کے گھر تشریف لے جاتے، ربیع بنت معوذ — جن کے بعض بزرگ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے — کی شادی کے اگلے ہی روز صلہ رحمی کے طور پر ان کے گھر تشریف لے گئے، ان کے دوبدو بیٹھ کر گفتگو کی اور مبارک باد دی، (۱۱) اُم ورقہ کو خاص طور پر اپنے گھر پر مؤذن رکھنے اور اہل خانہ کی امامت کی اجازت دی؛ بلکہ ان کے جذبۂ جہاد وشہادت کے پیش نظر انھیں ''شھیدة'' کے لقب سے نوازا (۱۲)، اُم حرام بنت ملحان کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جایا کرتے تھے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے کچھ مجاہدین کے بارے میں بشارت دی، تو وہ درخواست گزار ہوئیں کہ دُعاء فرمادیں کہ وہ بھی مجاہدین کے اس قافلہ کا حصہ بنیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''انت منھم'' (۱۳)— احادیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں، یہاں ان ہی چند پر اکتفا کیا جاتا ہے، غرض یہ کہ خواتین کی تعلیم وتربیت کے لئے آپ ﷺ نے جو مختلف طریقے اختیار کئے، ان میں سے یہ طریقہ بہت مؤثر اور بامعنی تھا۔

۲- عبادات اور عمومی مجلسوں میں شرکت

صحابیات کے ذریعہ جو ذخیرۂ حدیث ہم تک پہنچا ہے، اس کا ایک بڑا سبب، ان خواتین کا عبادات اور عمومی مجلسوں میں شریک ہونا ہے، جیسے نماز، جمعہ، عیدین، اعتکاف، حج، بیعت اور جہاد وغزوات وغیرہ، یہ مناسبتیں دراصل ان کے حق میں ''درس حدیث'' کی نشستیں اور منبع علم وفکر ہوا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو اس طرح کی مجلسوں میں نہ صرف شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی؛ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور مردوں کو کسی طرح کی رکاوٹ پیدا کرنے سے بھی باز رکھا ''اذا

استأذنت امرأة احدکم فلا یمنعھا ''(۱۴) اور ایک موقع سے فرمایا: ''لا تمنعوا النساء حظوظھن من المساجد اذا استأذنوکم'' (۱۴۵) اس روایت میں ''حظوظھن'' کا لفظ اپنے اندر خوب معنویت رکھتا ہے، جو اہل علم کو دعوت غور وفکر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خواتین پنج وقتہ نمازوں میں شریک ہوا کرتی تھیں؛ بلکہ آپ ﷺ ان کی شرکت سے پیدا ہونے والی بعض پیچیدگیوں کو بھی نہ یہ کہ گوارا کرتے؛ بلکہ ان کی خوب رعایت ملحوظِ خاطر ہوتی، چنانچہ ایک خاتون کے ساتھ آئے نو خیز کے رونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے نمازِ فجر کو مختصر کردیا۔ (۱۶) ام ہشام بنت الحارث کہتی ہیں کہ انھوں نے سورۂ ق (جو ۴۵ آیتوں پر مشتمل ہے) کو رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں سنتے سنتے یاد کیا ہے۔ (۱۷)

اسی طرح نمازِ عید واُضحیٰ میں بھی ان سے شرکت کا مطالبہ کیا (۱۸) بالغ ونابالغ لڑکیوں کو بھی شرکت کا پابند بنایا، حالت پاکی تو کجا، ناپاکی کی حالت میں بھی آنے کی تاکید فرمائی (۱۹) بلکہ ستر پوش لباس کے نہ ہونے پر بھی انھیں معذور نہیں سمجھا گیا، إحدانا لا یکون لھا جلباب ؟ قال : لتلبسھا أختھا من جلبابھا ،(۱۲۰) اسی طرح سفر حج میں یہ صحابیات ساتھ ساتھ ہوتیں اور موقع بہ موقع آپ ﷺ سے سوالات کرتیں؛ بلکہ کتاب الحج کی احادیث پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈالی جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حج کے اہم اور بعض بنیادی مسائل ان صحابیات ہی کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں، خواتین پر حج کی فرضیت (۲۱) معذور شخص کی طرف سے نیابتاً حج کا جواز (۲۲)، اسی طرح انتقال شدہ لوگوں کی طرف سے حج کا ثبوت (۲۳) حج کی بنیادی تین قسموں کا ذکر (۲۴) حالت احرام میں سائبان یا چادر سے سایہ حاصل کرنے کا حکم عن ام الحصین (۲۵) خود آپ ﷺ کے حج کی کیفیت ونوعیت وغیرہ۔

اسی طرح مسجد میں اعتکاف کا زمانہ ہوتا تو خواتین کے خیمے بھی لگادیئے جاتے (۲۶) بلکہ عام حالات میں بھی بعض خواتین کے لئے مسجد میں خیمہ لگایا گیا ہے، فکان لھا خناء فی المسجد أو حفش ،(۲۷)—— بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ علمی بحث ومباحثہ اور مناقشہ میں خواتین حصہ لیتیں، حجۃ الوداع کے موقع سے صحابہ میں اس بات کو لے کر اُلجھن پیدا ہوگئی کہ عرفہ کے دن روزہ رکھا جائے گا یا نہیں، تو حضرت اُم الفضل بنت الحارث نے اس موقع پر صحابہ کے اس اختلاف کو دور کیا اور دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جسے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے آپ ﷺ نے نوش فرمایا (۲۸)—— علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث سے ایک نفیس نکتہ اخذ کیا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ ہے: مرد وعورت کے درمیان کسی علمی مسئلہ میں مناظرہ کے جواز کا، ومن فوائد الحدیث : المناظرۃ فی العلم بین الرجال والنساء (۲۹)—— اسی طرح خواتین میدانِ جہاد میں بھی پیش پیش رہتی، تیمارداری کے سوا شمشیر بکف بھی نظر آتیں، خود بیعت رضوان میں کئی صحابیات شریک تھیں، علاوہ اس کے یہ خواتین آپ ﷺ کی مختلف مجلسوں میں یا آپ کے گھر حاضر ہوکر بھی احادیث اخذ کرتیں—— اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خواتین کی تعلیم وتربیت کا ایک وسیع تر انتظام فرمایا، عبادات سے لے کر سماجی اور معاشرتی تمام مسائل ومراحل میں انھیں ہمدمی وہمقدمی کا شرف عطا کیا۔

۳- مستقل درسگاہ کا قیام

صحابیات کی تعلیم وتربیت میں ایک اہم کردار اس ''درسگاہ'' کا بھی ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان ہی کے لئے قائم کیا تھا، حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ :

ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا! آپ کی تعلیمات سے مرد استفادہ کرتے ہیں، مگر آپ ایک دن اپنی طرف سے ہمارے لئے منتخب کردیں، ہم آپ کی خدمت میں آئیں گے اور آپ ﷺ اللہ کی جانب سے عطا کی ہوئی ہدایات وتعلیمات سے ہمیں بہرہ ور کریں، آپ ﷺ کی طرف سے ارشاد ہوا: فلاں فلاں دن، فلاں فلاں جگہ آپ عورتیں جمع ہوجایا کریں، تو وہ خواتین جمع ہوتیں، آپ ﷺ تشریف لاتے اور ان کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتے۔ (۳۰)

۴- ان خواتین کی تعلیم وتربیت اور ان تک احادیث پہنچنے کا ایک بڑا ذریعہ خود صحابہ بھی تھے، جو بحیثیت باپ، شوہر اور بھائی کے خواتین تک آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایت پہنچاتے تھے؛ چنانچہ سیر ورجال کی کتابوں میں بکثرت ان صحابہ کا ذکر ملتا ہے، جو اپنے اہل وعیال سے احادیث کا مذاکرہ کرتے اور فرمانِ نبوی کی روشنی میں ان کی تربیت کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت سعد بن وقاص ؓ کا اپنی صاحبزادی عائشہ، اسی طرح حضرت انس بن مالک ؓ کا اپنی گوشۂ جگر امینہ کی تعلیم کا اہتمام کرنے کا ذکر ملتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابیات کی جو روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، ان کا ماٰخذ ومصدر اور منبع یہی طریقۂ تعلیم وتربیت ہے اور خواتین کا یہی طرز تھا دربار رسالت سے خوشہ چینی اور اس چشمۂ حیواں سے سیرابی کا۔

مبحث دوم : روایت حدیث اور خواتین-- ایک تاریخی جائزہ

علوم اسلامی اور خاص طور پر حدیث سے صحابیات کو ابتداء ہی سے دلچسپی رہی ہے؛ چنانچہ حدیث کو سننے، یاد کرنے اور اس کے روایت کرنے کا رواج خواتین میں عہد نبوی ہی سے ہے؛ بلکہ پہلی تین صدیوں میں جو اہتمام اور توجہ اس جانب پائی جاتی تھی، وہ بعد کے صدیوں میں کم سے کم تر ہوتی چلی گئی؛ مگر اس کے باوجود ہر قرن میں ایسی بلند حوصلہ اور دراز قامت خواتین مل جاتی ہیں، جنھوں نے روایت، حفظ اور خدمت حدیث کو اپنا مشغلۂ حیات بنایا—— ڈاکٹر اکرم ندوی (آکسفورڈ اسلامک سنٹر برطانیہ) کی تحقیق کے مطابق چودہ سو سال میں کم وبیش آٹھ ہزار ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں، جنھوں نے علوم اسلامیہ کی خدمت اور خاص طور پر حدیث رسول ﷺ کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

تمام محدثین اور علماء اصول اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث کو قبول کئے جانے میں راوی کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مرد وعورت ہر ایک کی روایت یکساں درجہ کی ہے، ملحوظ رہے کہ شریعت نے شہادت وگواہی کے باب میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں رکھا ہے، مگر یہ اسی باب سے متعلق ہے؛ چنانچہ حدیث کے قبول کئے جانے کے سلسلہ میں عورت میں ان ہی شرائط کا پایا جانا کافی ہے، جو مرد کے لئے مطلوب ہیں، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں :

لم ينقل عن أحد من العلماء بأنه رد خبر امرأة لكونها امرأة ، فكم من سنة تلقتها الأمة بالقبول من امرأة واحدة من الصحابة ، وهذا لا ينكره من له أدنى نصيب من علم الرواية . (۳۱)

یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ ؓ نے صحابیات سے استفادہ کیا ہے اور ان سے نقل کردہ روایات کو اپنے اجتہاد و استنباط کی بنیاد بنائی ہے، علم و فضل کے پیکر سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کا صحابیہ میمونہ بنت سعد سے روایت کرنا ثابت ہے، کتب رجال میں حضرت عائشہ سے روایت کرنے والوں کی فہرست میں متعدد صحابہ کے نام موجود ہیں، اسی طرح حضرت ام سلمہ کا حال ہے، مشہور تابعی امام محمد بن شہاب زہری، عمرۃ بنت عبد الرحمٰن انصاریہ سے احادیث روایت کرتے ہیں، امام التابعین سعید بن المسیب کی صاحبزادی بھی باکمال محدثات میں سے تھیں، اپنے والد کی تمام احادیث کو زبانی یاد کر رکھا تھا، ان کی شادی سعید ہی کے ایک شاگرد سے ہوئی، شب زفاف کی اگلی ہی صبح جب وہ سعید بن میتب کی مجلس حدیث کا ارادہ کر کے نکلنے لگے، سعید بن المسیب کی لڑکی نے کہا: اجلس أعلمک علم سعید ، (۳۲)—— امام مالک کی مجلس حدیث میں پڑھنے والا اگر کوئی غلطی کرتا تو آپ کی صاحبزادی دروازہ پر دستک دیتیں، تو امام مالک پڑھنے والے سے فرماتے: ''ارجع فالغلط معک ، فيرجع القاری فيجد الغلط''۔ (۳۳)

امام مدینہ منورہ مالک بن انس کے اساتذۂ حدیث میں عائشہ بنت سعد الزہریہ کا نام علماء نے ذکر کیا ہے (۳۴) امام احمد بن حنبل نے ام عمران بنت حسان الثقیفہ سے احادیث نقل کی ہیں (۳۵)—— معروف محدث و مؤرخ امام ابن عساکر نے ۸۰ سے زائد خواتین سے احادیث سنیں ہیں اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے (۳۶) علامہ سمعانی نے اپنے اساتذۂ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے ۶۹ خواتین کے نام شمار کئے ہیں، (۳۷)—— معروف محدث علامہ منذری بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں فاطمہ بنت سعید الخیر سے اجازتِ حدیث حاصل ہے، ولنا منها اجازة ، (۳۸) تاریخ میں ایک محدثہ کا نام ایسا بھی ملتا ہے، جن کے بارے میں محدث ''ہرات'' نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صحیح بخاری انھیں سے پڑھی جائے، أوصى محدث هراة —— أبو ذر الهروی —— طلابه ألا يأخذوا صحيح البخاری الا عنها، یہ ہیں حافظ وقت کریمہ بنت عبد الوہاب، علامہ سیوطی اور وقت کے ممتاز محدثین نے ان سے استفادہ کیا ہے، علامہ ذہبی نے ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: كانت امرأة صالحة جليلة ، طويلة الروح على الطلبة ، لا تمل من الرواية، (۳۹)—— جب خاتون محدثات کا ذکر ہو تو ابن حجر کے ''بیت العلم'' کا ذکر کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے، آپ کی ہمشیرہ ست الرکب (م: ۷۹۸ھ) کے چرچے مجلس حدیث میں ہوا کرتے تھے، علامہ سخاویؒ جیسے محدث نے آپ سے اجازت حدیث حاصل کی ہے، ابن حجر کی اہلیہ اُنس خود ابن حجر کی موجودگی میں درس حدیث دیتیں، آپ سے استفادہ کی غرض سے طلبۂ حدیث کا ہجوم ہوتا تھا، اسی طرح آپ کی صاحبزادیاں بھی حدیث سے شغف رکھتی تھیں، جن کے نام اس طرح ہیں: زین خاتون، فرحہ، عالیہ اور رابعہ (۴۰)—— اسی طرح امام ابوداؤد کی بیٹی ام سلمہ، ابن قدامہ کی صاحبزادی رابعہ و

رقیہ اور حافظ عراقی کی لڑکیاں جویریہ وزینب کا ذکر بھی ملتا ہے، قاسم بن یوسف التجیبی نے امام بخاری کی ''ثلاثیات'' وایک ہی طبقہ کی چار محدثات سے سنا ہے، فاطمہ بنت حسین الآدمیہ، ست الوزراء بنت عمر التنوخیہ، خدیجہ بنت عبدالرحمٰن المقدسیہ اور خدیجہ بنت محمد الدمشقیہ (۴۱) علامہ ابن حجر نے کتب ستہ کی سندوں میں موجود جن خواتین روات کا ذکر کیا ہے، خود ان کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے (۴۲)، علامہ سخاویؒ نے نویں صدی ہجری کی شخصیات پر ''الضوء اللامع لأهل القرن التاسع'' تصنیف کی تو اس میں ۱۰۷۰ خواتین کا ذکر کیا، جن میں سے اکثر محدثات ہیں۔

علامہ ذہبی کا ایک انکشاف

نابغۂ روزگار محدث اور علم الرجال کے امام، علامہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (م: ۷۴۸ھ) جن کی کتابوں سے استفادہ کئے بغیر طالب حدیث قدم دو قدم آگے نہیں بڑھ سکتا ہے، نیز علماء اسلام اور رجال حدیث پر جن کی سب سے گہری نگاہ ہے ——نے تحقیق وجستجو کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ خواتین راویات کی فہرست میں کوئی بھی ایسی خاتون نہیں ہیں، جن پر وضع حدیث، یا حدیث کے سلسلہ میں کذب بیانی کی تہمت ہو، یا جن کو محدثین نے ''متروک'' قرار دیا ہو، ما علمت فی النساء من اتهمت ولا من تركوها۔ (۴۳)

جب کہ اہل علم واقف ہیں کہ مرد راویوں میں ایک بڑی تعداد ہے جن پر کذب ووضع حدیث کی تہمت ہے اور ایسے راویوں کی بھی بڑی تعداد ہے، جن کو محدثین نے متروک قرار دیا ہے، علامہ ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء (۹ رجلدی) میں اور موجودہ عہد کے نامور محقق دکتور شیخ عمر فلاتہؒ نے الوضع والوضاعون میں اور دکتور عبدالصمد نے الوضع فی الحدیث میں ایسے راویوں کے حالات جمع کئے ہیں، جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس سنگین جرم میں فرد جرم ''ابن آدم'' پر ہے، نہ کہ ''بنت حواء'' پر—— خیال ہوتا ہے کہ علامہ ذہبی کا یہ ایک جملہ خواتین کی خدمت حدیث اور ان کے مقام ومرتبہ کے بیان کے لئے کافی ہے۔

مبحث سوم : خواتین روایات ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں

اس بات پر اُمت کا اتفاق ہے کہ صحابہ اور صحابیات تمام کے تمام عادل اور ثقہ ہیں، ان کی عدالت پر شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، علامہ ابن کثیر اور نووی وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، نووی لکھتے ہیں :

الصحابة كلهم عدول ...... باجماع من معتد به . (۴۴)

احادیث نقل کرنے والی جو دیگر راویات ہیں، ان میں بعض تو وہ ہیں جن کی توثیق کے لئے ائمہ جرح وتعدیل نے ''ثقہ'' جیسے حفصہ بنت سیرین، ثقة من الثالثه (۴۵) یا ''مقبولة جیسے، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق: مقبول من الثالثة (۴۶) —— کے الفاظ ذکر کئے ہیں؛ البتہ بڑی تعداد ایسی ہے جن کے بارے میں ''لا یعرف حالها'' یا ''مجهولة'' کہا گیا ہے اور اس

کی وجہ ان روایت کرنے والی خواتین کے حالات سے مصنفین کی عدم آگہی و ناواقفیت ہے؛ چنانچہ کتب ستہ کے راویات میں صحابیات کے سوا ۱۵ار خواتین ''ثقہ'' ہیں اور ۳۳ ''مقبولۃ'' ہیں اور جو بقیہ راویات ہیں وہ یا تو ''مستورۃ'' (لا یعرف حالها) یا ''مجہولۃ'' ہیں۔ (۴۷)

علامہ ابن حجرؒ نے تمام رواۃ کو ۱۲ مراتب میں تقسیم کیا ہے، ان کی ترتیب کے مطابق نو واں مرتبہ مجہول رمجہولۃ کا ہے، جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

التاسعة : من لم يرو عنه غير واحد ولم يوثق ، واليه الاشارة بلفظ مجهول ۔ (۴۸)

چنانچہ اس کے بعد کے جو تین مراتب (۱۰/۱۱/۱۲) ہیں، ان کی روایت محدثین قبول نہیں کرتے ہیں —— خواتین کے لئے یہ بات کس قدر باعث تشکر و افتخار ہے کہ ایک بھی راویہ کا تعلق ان آخری تین مراتب میں سے نہیں ہے، جب کہ مرد راویوں میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کا تعلق ان مراتب سے ہے، اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے رجال اور خاص طور پر ضعیف راویوں سے متعلق کتابوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا بھی کافی ہوگا، یہی وجہ ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ علامہ ذہبی نے خواتین راویات کے متعلق لکھا ہے کہ :

وما علمت في النساء من اتهمت ولا من تركوها . (۴۹)

میں خواتین میں ایسی کسی راویہ کو نہیں جانتا، جس پر تہمت کذب ہو، یا جسے محدثین نے متروک قرار دیا ہو۔

نیز علامہ شوکانی کی عبارت بھی جو اوپر گزر چکی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ (۵۰)

فصل دوم : صحابیات اور خدمتِ حدیث

مبحث اول : کتب ستہ میں صحابیات اور دیگر راویات اور ان کی روایتیں

یوں تو تفسیر اور احادیث و سیر سے متعلق تمام کتابوں میں خواتین کی روایتیں موجود ہیں اور یہ روایتیں اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں اور شریعت اسلامی کا قیمتی ذخیرہ ہیں؛ بلکہ بعض مسائل میں ''عمدۃ فی الباب'' کی حیثیت رکھتی ہیں، مگر ان کا احاطہ کرنا اس مختصر سے مقالہ میں مشکل بھی ہے اور کسی قدر دائرہ بحث سے باہر بھی، یہاں صرف حدیث کی چھ معتبر اور متداول کتابیں —— کتب ستہ —— کے حوالہ سے ان راویات اور ان کی روایتوں کی تعداد ذکر کی جاری ہے، ورنہ مسند امام احمد بن حنبل، مسند بقی بن مخلد اسی طرح ابو بکر البرقی کے ہاں جو ''مسانید النساء'' دستیاب ہیں، نیز ''مسند ابن کثیر'' —— جو حال ہی میں طبع ہو کر آئی ہے اور پچھلی تقریباً تمام ہی مسانید کا احاطہ کرتی ہے —— ان کے حوالہ سے راویات کی تعداد اور ان کی روایتیں جمع کیا جائے تو بلاشبہ یہ بڑا ہی علمی و قیمتی کام ہوگا۔

احادیث نقل کرنے والی صحابیات اور ان کی روایتیں (کتب ستہ میں)

وہ صحابیات جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راست یا بالواسطہ احادیث سنیں ہیں اور نقل کیا ہے، ان کی تعداد ۱۱۵ ہے، اسی طرح پانچ خواتین اور بھی ہیں، جن کے ''صحابیہ'' ہونے میں محدثین میں اختلاف ہے (وہ پانچ یہ ہیں: ۱/اسماء بنت زید بن الخطاب، ۲/اسماء بنت سعید بن زید بن نفیل، ۳/صفیہ بنت الحارث بن طلحہ العبدریہ، ۴/عائشہ بنت مسعود بن الاسود، ۵/زینب بنت نبیط) اگر ان کو بھی شامل کرلیا جائے تو مجموعی تعداد ۱۲۰ ہوجاتی ہے، علامہ مزی نے ان صحابیات کی تعداد ۱۱۲ تک ذکر کی ہے۔ (۵۱)

چنانچہ کتب ستہ کے مؤلفین نے ان صحابیات — جو سب کے سب ''عدول'' ہیں (۵۲) — میں بعض سے روایت کیا ہے اور بعض سے نہیں اور اس کے مختلف اسباب ہیں، جیسے ان سے روایت کردہ احادیث کی سند میں بعض رجال و رواۃ ایسے ہوتے ہیں جو بعض مؤلفین کی شرائط پر نہیں اُترتے ہیں، اسی طرح بہت سی روایتیں ان مؤلفین تک نہیں پہنچ پائیں وغیرہ، بہر حال کتبِ ستہ میں جن صحابیات سے روایت کیا گیا ہے ان کی تعداد اس طرح ہے:

صحیح البخاری : ۳۱ صحابیہ سے

حافظ ابن حجر نے پوری تفصیل کے ساتھ مقدمہ فتح میں ان کے نام ذکر دیئے ہیں، نیز بخاری میں موجودہ ہر صحابیہ کی روایتوں کی تعداد کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ (۵۳)

صحیح مسلم	۳۶	صحابیہ سے
سنن ابوداؤد	۷۵	صحابیہ سے
سنن ترمذی	۴۶	صحابیہ سے
سنن نسائی	۶۵	صحابیہ سے
سنن ابن ماجہ	۶۰	صحابیہ سے

کتب ستہ میں صحابیات کے علاوہ روایت کرنے والی جو دیگر خواتین ہیں — جیسے تابعیات تبع تابعیات وغیرہ — ان کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، بعض محققین نے ۱۰۳ تک بتلایا ہے (۵۴) اور مجموعی طور پر کتب ستہ میں خواتین کی کل روایتیں ۲۷۴۶ ہیں، ان میں صرف صحابیات کی ۲۵۳۹ روایتیں ہیں، گویا کہ غیر صحابیات کی کتب ستہ میں محض ۲۲۵ روایتیں ہیں۔

مبحث دوم : صحابیات کی روایتیں اور ان کا موضوع -- عمومی جائزہ

خواتین کی دین سے رغبت اور تعلیم و تعلم سے دلچسپی کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ''مرد آپ ﷺ کی احادیث کو لئے جاتے ہیں، اس لئے آپ ہمارے لئے خصوصی نشست کا اہتمام کریں — اسی طرح آپ ﷺ کے فتاویٰ پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس میں سوالات کی ایک بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے، جو عورتوں کی

جانب سے پوچھے گئے تھے،یہی وجہ ہے کہ زندگی کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلق احکام اسلام صحابیات کے ذریعہ بھی ہم تک پہنچے ہیں—ان روایتوں کو بنیادی طور پر حسبِ ذیل دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱- احکام سے متعلق روایتیں

صحابیات کی بیشتر روایتیں ''احکام دین'' سے متعلق ہیں، جیسے عبادات، نکاح وطلاق، مالی معاملات، خورد ونوش اور لباس و پوشاک سے متعلق مسائل و آداب اور استئذان وغیرہ اور خاص طور پر وہ احکام جن کا تعلق براہ راست خواتین سے ہے، جیسے طہارت ونا پاکی، حیض ونفاس اور رضاعت وغیرہ، گویا کہ خواتین کی زیادہ تر روایتوں کا تعلق ابواب احکام سے ہے۔

۲- دیگر ابواب دین سے متعلق روایتیں

ان روایتوں کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں ہے، مگر اپنی نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے بہت قیمتی ہیں اور جس باب سے متعلق ہیں ان میں اصل اور بنیاد کی انھیں حیثیت حاصل ہے، جیسے ''ابواب الفتن و اشراط الساعة '' کے تحت ایک حدیث ہے:'' لیفرن الناس من الدجال فی الجبال ''(۵۵) اسے ام شریک نے روایت کیا ہے، اسی طرح یاجوج وماجوج سے متعلق بعض روایتیں صحابیات ہی کے واسطہ سے پہنچی ہیں، نیز عقائد، ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ، مناقبِ صحابہ، فضائل مدینہ اور بدءِ وحی جیسے ابواب میں بھی ان کی روایتیں ملتی ہیں، خاص طور پر ابواب التفسیر میں صحابیات کی روایت کردہ کئی روایتیں ہیں جن کا تعلق آیات کی تفسیر، شانِ نزول اور اختلاف قراءات سے ہے۔

صحابیات کے ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ظاہر ہے علم وتفقہ اور ذہانت وذکاوت کے اعتبار سے سب سے نمایاں حیثیت کی حامل ہیں، ان کے ذریعہ سے جو روایتیں پہنچی ہیں، ان کا تعلق تمام ابوابِ دین سے ہے؛ بلکہ شاید ہی دین وشریعت کا کوئی گوشہ ایسا ہو، جس میں ان کی روایت نہ ہو؛ بلکہ وہ تو ان محدثات میں سے ہیں، جن سے صحابہ رُجوع کیا کرتے تھے اور بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں حضرت عائشہؓ نے صحابہ— جیسے حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ— پر استدراک کیا ہے، علامہ زرکشی نے استدراکات عائشہ کو مستقل ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس سے ان کے تفقہ اور کتاب وسنت سے گہری واقفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مبحث سوم : بعض وہ ابواب جس میں صرف صحابیات کی روایتیں ہیں

ذخیرۂ احادیث میں چند وہ روایتیں بھی ہیں، جو محض صحابیات کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں اور فقہی احکام ومسائل میں اور فقہاء کے اجتہاد واستنباط میں ان ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس کی چند مثالیں ذیل میں ذکر کی جاری ہیں :

بیوہ خاتون کس گھر پر عدت گذارے گی؟ اس سے متعلق جو روایت ہے، اس کو نقل کرنے والی ''فریعة بنت مالک''

تنہا ایک خاتون ہیں (۵۶) اسی روایت کو بنیاد بنا کر حضرت عثمان ؓ نے مہاجر وانصار صحابہ کی موجودگی میں ایک خاتون سے متعلق فیصلہ کیا تھا۔

اسی طرح میت کے غسل کا طریقہ حضرت اُم عطیہؓ کے ذریعہ ہی اُمت تک پہنچا، آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو غسل دیا کرتی تھیں (۵۷) اوراس طریقہ کو صحابہ نے اُم عطیہ سے سیکھا، بعد کو آپ بصرۃ منتقل ہوگئیں، جہاں دور دراز سے تشنگان علم آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، آپ کے شاگردوں میں صحابہ اورابن سیرین جیسے اصحاب علم وفضل کا نام آتا ہے۔

بیت رضوان میں شریک صحابہ وصحابیات (اصحاب الشجرۃ) کے لئے جنت کی بشارت سے متعلق جو روایت ہے، اس کو نقل کرنے والی بھی ایک خاتون ہی ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ نے حضرت ام بشر سے اس روایت کو سنا ہے (۵۸) ملحوظ رہے کہ ام بشر خود بھی بیعت رضوان میں شریک تھیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ ہیں، انھوں نے خروج دجال سے متعلق طویل حدیث نقل کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابیات کی روایتیں مقدار وتعداد میں کم ہونے کے باوجود، اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے ہر باب میں ''عمدۃ فی الباب'' کی حیثیت رکھتی ہیں اوران سے صرف نظر کرتے ہوئے اتباع سنت اورفہم شریعت ناممکن ہے۔

مبحث چہارم : اُمہات المومنین اورخدمت حدیث

ازواجِ مطہرات نہ صرف حیاء وپاکبازی میں بلند مقام ومرتبہ کی مالک ہیں؛ بلکہ علم وتفقہ میں بھی وہ امامت کے درجہ پر فائز ہیں، ظاہر ہے یہ اس درکی مکیں ہیں جہاں سے موجودہ دنیا کا علمی انقلاب وابستہ ہے، جہاں سے وحی ربانی کے سوتے پھوٹتے تھے اور جو سرچشمۂ علم وعرفان ہے، اورانھیں معلم انسانیت کی نہ صرف ''شاگردگی'' کا شرف حاصل ہے؛ بلکہ زوجیت اور شب وروز کی معیت بھی ان کا حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات کے گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد، علوم شرعیہ کی درسگاہ بن گئے تھے، جہاں طلبہ کی آمدورفت لگی رہتی تھی، سوال واستفتاء کرنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا، قرآن وحدیث اورخاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ونجی زندگی سے متعلق معلومات ان ہی سے حاصل کی جاتی تھیں، اس طرح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ان امہات المومنین کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا۔

۱- سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ علوم قرآن وحدیث، فقہ وسیرت عربی اشعار، قبائل کی تاریخ وانساب اورادب وفصاحت میں نابغۂ روزگار ہیں، آپ کے علم وفضل کا اعتراف تمام صحابہ ؓ کو تھا، فقہاء ومحدثینِ صحابہ کے درمیان آپ کے فتاویٰ کو بڑی اہمیت حاصل تھی، حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں :

ما أشكل علينا -- أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم -- أمر فسألنا عائشة

الا وجدنا عندها فيه علم ۔(۵۹)

ہم صحابہ جب کسی مسئلہ میں پریشان ہوتے تو سید عائشہؓ سے دریافت کر لیتے اوران کے پاس اس بارے میں ضرور معلومات ہوتیں۔

اسی طرح خلفاء راشدین بھی آپ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

حضرت عائشہ مکثرین صحابہ میں ہیں :

وہ صحابہ جن سے ہزار سے زیادہ احادیث نقل کی گئی ہیں، محدثین نے انھیں ''مکثرین'' کے زمرہ میں رکھا ہے اور یہ نصیب صرف سات صحابہ کرام کا تھا، جن کے نام اس شعر میں پرودیئے گئے ہیں :

أبو هريرة ، سعد ، جابر ، أنس

صديقة ، ابن عباس ، كذا ابن عمر

ان میں سیدنا عائشہ کا نام بھی ہے اور احادیث کی تعداد کے اعتبار سے آپ ان میں چوتھے نمبر پر ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن حزم کے مطابق آپ کی احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے(۶۰) مگر راقم الحروف نے مسند الامام احمد بن حنبل میں ''مسند عائشہ'' کے تحت ذکر کردہ احادیث کو شمار کیا تو ۲۴۰۳ روایتیں ملیں،(۶۱) امام حاکم نیساپوری کے بقول: شریعت اسلامی کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ محفوظ ہوا اور اُمت تک پہنچا۔

کتب ستہ میں حضرت عائشہؓ کی روایتیں

یوں تو حضرت عائشہ ''سات مکثرین صحابہ'' میں چوتھے نمبر پر آتی ہیں؛ لیکن صرف کتب ستہ میں جو روایتیں موجود ہیں، ان کی تعداد دیکھی جائے تو سب سے زیادہ ان کتابوں میں حضرت ابوہریرہ کی روایتیں ہیں اور دوسرے درجہ میں حضرت عائشہ کی روایتیں، دیگر مکثرین صحابہ آپ کے بعد ہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہ کی ۲۰۸۲ روایتیں ہیں اور حضرت ابوہریرہ کی ۳۳۷۰۔(۶۲)

بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایتیں

حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری و مسلم کو جو اعتبار و استناد حاصل ہے وہ علماء؛ بلکہ عوام کے لئے بھی محتاج بیان نہیں ہے، محدثین کا کسی راوی کے بارے میں محض یہ کہہ دینا کہ 'روی لہ البخاری، اُو مسلم' اس کی توثیق کے لئے کافی ہوتا ہے —— حضرت عائشہؓ کی روایات کی اہمیت و قیمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مجموعی طور پر بخاری و مسلم میں آپ کی ۲۹۷ روایتیں نقل کی گئی ہیں، تفصیل اس طرح ہے :

وہ روایتیں جو بخاری و مسلم دونوں میں (متفق علیہ) ہیں	۱۷۴
وہ روایتیں جو محض بخاری میں ہیں	۵۴

وہ روایتیں جو محض مسلم میں ہیں	:	۶۹
بخاری و مسلم کی وہ تمام روایتیں جو حضرت عائشہ سے منقول ہیں		۲۹۷

حضرت عائشہؓ کے استدراکات

وہ احادیث و مسائل جس میں حضرت عائشہؓ نے دوسرے صحابہ پر علمی نقد کیا ہے یا ان کی تصحیح کی ہے، ان کی بھی بڑی تعداد ہے، معروف محدث علامہ زرکشی نے ''الاجاجة لایراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة'' میں ان احادیث کو جمع کر دیا ہے اور یہ کتاب مطبوع ہے۔

حضرت عائشہؓ کے شاگرد

آپ سے روایت کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے، اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ عرصہ تک باحیات رہیں، آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی؛ چنانچہ بڑے اور کم عمر صحابہ اور کبار وصغار تابعین بھی آپ سے روایت کرنے والوں میں ہیں، جیسے کہ حضرت ابوبکر، عمر، ابوہریرہؓ، آپ کے بھانجے عروۃ بن الزبیر اور ابوعمرو ذکوان وغیرہ، اسی طرح تابعین میں مسروق، سعید بن المسیب، شعبی اور مجاہد وغیرہ ہیں، آپ کے شاگردوں میں حضرت عروۃ بن زبیر اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ ان کی بیشتر روایتیں حضرت عائشہؓ ہی سے ہیں؛ چنانچہ ان کی کل مرویات ۱۹۹۹ ہے، جن میں سے ۱۰۵۰ روایتیں حضرت عائشہؓ سے سنیں ہوئیں ہیں۔

۲- حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ہند بنت ابی امیہ القرشیہ المخزومیۃ ہے، ان خوش نصیب خواتین میں ہیں جنھیں ہجرت حبشہ و مدینہ دونوں میں شرکت کا موقع ملا، آپ کے —— سابق —— شوہر حضرت ابوسلمہ غزوۂ احد میں شریک رہے، کاری زخم لگا اور اسی کے سبب انتقال ہوگیا، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، آپ ﷺ حضرت اُم سلمہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے، صحابہ میں دین داری اور دانشمندی کے لئے معروف تھیں (۶۳)، علامہ ذہبیؒ نے آپ کو فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔

حضرت اُم سلمہ سے بھی بکثرت روایتیں نقل کی گئی ہیں، آپ ''مئین'' (ہزار سے کم اور سو سے زیادہ روایات نقل کرنے والوں) کے زمرہ میں آتی ہیں، علامہ ابن حزم کے مطابق آپ سے کل ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں اور مزی نے کتب ستہ کے حوالہ سے ۱۵۸ روایتیں نقل کی ہیں اور بخاری و مسلم میں آپ کی روایتیں اس طرح ہیں :

متفق علیہ	:	۱۳ حدیث۔
جو صرف بخاری میں ہیں	:	۳ حدیث۔

جو صرف مسلم میں ہیں　　:　۱۳ حدیث۔

حضرت عائشہؓ کی وفات کے چار سال بعد ۶۲ ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ازواج مطہرات میں احادیث کی تعداد کے اعتبار سے آپ دوسرے درجہ میں آتی ہیں، صحابہ آپ سے احادیث سنا کرتے تھے، خاص طور پر حضرت عائشہ کے بعد آپ ہی کی طرف رُجوع ہوتے۔

حضرت ام سلمہ کی راویات مضمون کے اعتبار سے اگر چہ مختلف ابواب سے متعلق ہیں، جیسے آداب، تفسیر، فتن ادعیہ وغیرہ، مگر اکثر حدیثیں احکام سے متعلق ہیں۔(۶۴)

۳- حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ

احادیث کی تعداد کے اعتبار سے آپ ازواج مطہرات میں تیسرے نمبر پر ہیں، ۷۶ حدیثیں آپ سے نقل کی گئی ہیں، کتب ستہ میں ان میں سے ۳۱ حدیثیں ملتی ہیں اور بخاری و مسلم میں مجموعی اعتبار سے ۱۳ حدیثیں---آپ سے روایت کرنے والوں میں کئی صحابہ ہیں، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ذکر ملتا ہے۔(۶۵)

۴- حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں سے ہیں، ۴۴ ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ۶۵ روایتیں آپ سے نقل کی گئی ہیں، کتب ستہ میں ۲۹/ احادیث کو ذکر کیا گیا ہے اور بخاری و مسلم میں آپ کی محض دو روایتیں ہیں۔

۵- حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کی صاحبزادی ہیں، حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی داخل ہیں، آپ سے ۶۰ روایتیں نقل کی گئی ہیں، کتب ستہ میں کل ۲۸ روایتیں آپ کی ملتی ہیں، اور بخاری و مسلم میں آپ کی راویت کردہ ۱۰ روایتیں ہیں، آپ کی احادیث کا تعلق عبادات کے علاوہ، آداب، زینت، طب، فتن اور تعبیر رؤیاء سے بھی ہے۔

۶- زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اُمہات المومنین میں سے ہیں، ۲۰ ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض پانچ سال رہنے کا موقع ملا اور آپ کے بعد ۱۰ سال تک باحیات رہیں، آپ سے ۱۱ حدیثیں مروی ہیں، کتب ستہ میں آپ کی پانچ روایتیں اور بخاری و مسلم میں دو ہیں۔

آپ سے راویت کرنے والوں میں محمد بن عبداللہ بن جحش (آپ کے بھتیجے) اُم المومنین حضرت حبیبہ اور زینت بنت اُم سلمہ کا ذکر ملتا ہے۔(۶۶)

۷- صفیہ بنت حیی بن اُخطب رضی اللہ عنہا

آپ سے ۱۰ روایتیں منقول ہیں، جن میں سے ایک متفق علیہ ہے، ۳۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۸- جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

آپ سے سات روایتیں نقل کی گئی ہیں، جن سے چار کتب ستہ میں ہے اور بخاری ومسلم میں آپ کی کل تین حدیثیں ہیں، ۵۰ یا ۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔(۶۷)

۹- سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ سے کل ۵ حدیثیں روایت کی گئی ہیں، ان میں سے دو کتب ستہ میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ آپ کے شاگردوں میں ہیں، ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہے۔(۶۸)

مبحث پنجم : دیگر صحابیات اور ان کی روایتیں

ازواج مطہرات کے علاوہ جو دیگر صحابیات ہیں ان کی روایتیں بھی مجموعی اعتبار سے بہت ہیں، اگرچہ تمام صحابیات میں حضرت عائشہ اور ام سلمہ کے بقدر کسی کی روایت نہیں ہے، ذیل میں ان صحابیات کا نام اور ان سے مروی روایات کی تعداد ذکر کی جارہی ہے :

وہ صحابیات جن کی دھائیوں (عشرات) میں روایتیں ہیں :

اسماء بنت عمیس، اسماء بنت ابی بکر، اُم ہانی بنت ابی طالب، اُم عطیہ الانصاریہ، فاطمہ بنت قیس، اُم فضل بنت الحارث، اُم قیس بنت محصن، ربیع بنت معوذ۔

جن کی (۱۸) روایتیں ہیں : فاطمہ صاحبزادیٔ رسول۔

جن کی (۱۴) روایتیں ہیں : اُم سلمہ بنت ملحان۔

جن کی (۱۲) روایتیں ہیں : شفاء بنت عبداللہ العدویۃ، سبیعۃ الأسلمیۃ۔

جن کی (۱۱) روایتیں ہیں : ضباعۃ بنت الزبیر، بسرۃ بنت صفوان

جن کی (۱۰) روایتیں ہیں : اُم ہشام بنت حارثہ، اُم مبشر، اُم کلثوم، اُم کرز، اُم معقل۔

جن کی آٹھ روایتیں ہیں : اُم الحصین، خولۃ بنت قیس، زینب، حضرت ابن مسعود کی اہلیہ، فریعۃ بنت مالک، خنساء بنت خدام، امیۃ بنت رقیقۃ۔

جن سے سات روایتیں ہیں : اُم خالد بن خالد، اُم حرام، بنت ملکان، زینب بنت اُم سلمہ۔

جن سے چھ روایتیں ہیں : اُم جندب، اُم العلاء۔

جن سے پانچ روایتیں ہیں : اُم بجید، اُم درداء (الکبریٰ)، صفیہ بنت شبیہ، اُم ایمن۔

جن سے چار روایتیں ہیں : اُم صبیہ، اُم لیلیٰ، اُم المنذر، اُم کردم، رویبہ، اُم حبیبہ بنت سہل۔

جن سے تین روایتیں ہیں : الصماء بنت بشر، فاطمہ بنت ابی جیش، اُم سعد، اُنیسہ، سلامۃ بنت الحر، درہ بنت اُبی لہب، میمونہ بنت سعد۔

جن سے دو روایتیں ہیں : جدامۃ بنت وہب، عائشۃ بنت قدامۃ، ام زیاد، ام طارق۔

ابن حزم نے اس کے تحت ۱۸ صحابیات کا ذکر کیا ہے، ہم ان ہی چند پر اکتفاء کرتے ہیں۔

جن سے ایک روایت ہیں : اس کے تحت ۴۸ صحابیہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں :

ام اسحاق الغنویۃ، ام ایوب، ام مالک البہزیۃ۔

خاتمہ

زیر بحث مقالہ کی تکمیل کے بعد راقم الحروف ان نتائج پر پہنچا ہے :

۱- خدمتِ حدیث میں خواتین اور بالخصوص صحابیات کا نمایاں حصہ رہا ہے اور اسلامی شریعت کے بہت سے احکام ان ہی کے واسطہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔

۲- روایت و درایت حدیث کی ''طرح'' خواتین کی صف میں حضرت عائشہؓ نے ڈالی ہے، نیز صحابیات کے تمام ذخیرۂ حدیث میں حضرت عائشہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔

۳- بحیثیت مجموعی تمام ازواج مطہرات حدیث کی ترویج و اشاعت میں ''مستقل مدرسہ'' کی حیثیت رکھتی تھیں اور صحابہ بلاتفریق ان سے رُجوع ہوا کرتے تھے۔

۴- تحمل حدیث کے لئے صحابیات، تمام عبادتوں اور مشترکہ و منفرد علمی مجلسوں میں شریک ہوا کرتی تھیں اور احادیث کے حصول کے لئے ''سماع من لفظ الشیخ'' ہی مروجہ طریقہ تھا۔

۵- محدثین نے عورتوں کی روایات کو ان ہی شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، جو مردوں کے لئے ہیں؛ البتہ ائمہ جرح وتعدیل نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ خواتین میں کسی پر بھی کذب بیانی یا وضع حدیث کی تہمت نہیں ہے۔

۶- پہلی تین صدیوں کے بعد حدیث کی تبلیغ واشاعت میں خواتین کی شرکت کم ہوتی گئی، اگرچہ ہر دور میں چند خواتین ایسی رہیں ہیں، جن کے علم وفضل کے چرچے محدثین کے درمیان رہے۔

سفارشات

۱- دینی تحریکوں و مدارس کو خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

۲- جو دینی درسگاہیں ان کے لئے قائم ہیں، ان کے معیارِ تعلیم و تربیت کو بلند کرنے کے لئے مستقل لائحۂ عمل تیار کرنا چاہئے۔

۳- لڑکیوں کی درسگاہوں میں ''تخصص فی الحدیث'' کا کورس شروع کرنا چاہئے۔

۴- عقائد و احکام اور اخلاق و آداب سے متعلق احادیث کو زبانی یاد کرنے کی ترغیب دی جائے۔

۵- ملک کے مختلف حصوں میں چند تحقیقاتی ادارے قائم ہوں، جو علوم اسلامی کے تئیں خواتین کی خدمات پر مختلف ناحیوں سے موسوعات تیار کریں۔

۶- صحابیات کی عفت و عصمت اور خاص طور پر سیدنا عائشہؓ پر زبان درازی کرنے والے، بے حیاء و اسلام دشمن افراد کی تحریر و تقریر پر پابندی لگائی جائے، نیز ان کے شکوک و شبہات سے مسلم ذہنوں کو بچانے کے لئے صحابیات کی سیرت اور مقام و مرتبہ پر مختلف زبانوں میں لٹریچر عام کرنا چاہئے۔

(وصلی اللہ علی سیدنا محمد وبارک وسلم)

☆☆☆

فہرست مصادر ومراجع (حروف تہجی کی ترتیب پر)

۱- القرآن الكريم.
۲- ابن حجر و دراسة مصنفاته.
۳- الإجابة لايراد ما استدركته عائشة على الصحابة / للزركشي.
۴- أسماء الصحابة الرواة ومالكل واحد من العدد / لإبن حزم.
۵- الإصابة في تمييز الصحابة / لإبن حجر العسقلاني.
۶- الباعث الحثيث / لإبن كثير.
۷- برنامج التجيبي.
۸- تحفة الأشراف لمعرفة الأطراف / للمزي.
۹- تقريب التهذيب / للحافظ إبن حجرالعسقلاني.
۱۰- التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير والنذير / للنووي.
۱۱- تهذيب الكمال / للمزي.
۱۲- تهذيب التهذيب / للحافظ إبن حجر.
۱۳- ترتيب المدارك / للقاضي عياض.
۱۴- دورالمرأة في خدمة الحديث في القرون الثلاثة الاولى/ للدكتورة آمال قرداش.
۱۵- سنن أبي داؤد/ لأبي داؤد سليمان بن أشعث.
۱۶- سنن إبن ماجه / لمحمد بن يزيد القزويني.
۱۷- سنن ترمذي / لأبي عيسىٰ.
۱۸- سنن نسائي / لأحمد بن شعيب.
۱۹- سير أعلام النبلاء / للإمام الذهبي.
۲۰- صحيح البخاري / لـ محمد بن اسماعيل.
۲۱- صحيح مسلم / لـ مسلم بن الحجاج.
۲۲- الضوء اللامع لأهل القرن التاسع / للسخاوي.
۲۳- الطبقات الكبرى / لإبن سعد.
۲۴- فتح الباري / للحافظ إبن حجر.
۲۵- لسان الميزان /لإبن حجر.
۲۶- مسند أحمد / للامام أحمد بن حنبل.
۲۷- مشيخة السمعاني/ للسمعاني.
۲۸- معجم الادباء / للياقوت الحموي.
۲۹- ميز الإعتدال / للذهبي.
۳۰- نيل الأوطار / للعلامة الشوكاني.
۳۱- هدية الساري مقدمة فتح الباري / لإبن حجر.

حوالہ جات

(۱) البقرۃ:۲۹
(۲) النساء:۳۴
(۳) الروم:۲۱
(۴) النساء:۱،الاعراف:۱۸۹،الحجرات:۱۳،النجم:۴۵
(۵) الذاریات:۵۶،النساء:۷
(۶) البقرۃ:۲۲۸
(۷) العلق:۱-۵
(۸) التحریم:۶
(۹) بخاری،حدیث نمبر:۱۳۸۷،مسلم،حدیث نمبر:۱۸۲۹
(۱۰) بخاری،کتاب التفسیر،حدیث نمبر:۴۹۱۳
(۱۱) سنن ترمذی:۱۰۹۰،باب ماجاء فی اعلان النکاح
(۱۲) بخاری،فضل الغزو فی البحر،حدیث نمبر:۳۵۳۵
(۱۳) حوالہ سابق
(۱۴) بخاری ، باب استئذان المرأۃ زوجها بالخروج الی المسجد،حدیث نمبر:۸۲۶
(۱۵) مسلم ، باب خروج النساء الی المساجد،حدیث نمبر:۶۷۲
(۱۶) بخاری ، باب الایجاز فی الصلاۃ وإکمالها،حدیث نمبر:۸۶۱
(۱۷) مسلم ، کتاب الجمعة ،حدیث نمبر:۸۷۲
(۱۸) بخاری ، باب خروج النساء والحیض الی المصلی،حدیث نمبر:۹۶۷
(۱۹) حوالہ سابق
(۲۰) حوالہ سابق
(۲۱) عن عائشه ، سنن ابن ماجه،حدیث نمبر:۲۹۰۱،مسند احمد:۱۶۵/۶
(۲۲) عن امرأۃ من خثعم ، بخاری:۱۵۱۳،مسلم:۱۳۳۴
(۲۳) عن امرأۃ من جهینة ، بخاری:۱۸۵۲
(۲۴) عن عائشة ، بخاری :۱۵۲۴،مسلم:۱۱۸۱
(۲۵) مسلم:۱۲۹۸
(۲۶) بخاری:۲۰۲۶،مسلم:۱۱۷۲
(۲۷) بخاری ، باب نوم المرأۃ فی المسجد:۴۲۰
(۲۸) بخاری ، باب الوقوف علی الدابة بعرفة:۱۶۶۱،مسلم ، کتاب الصیام:۱۱۰
(۲۹) فتح الباری:۲۶۹/۶
(۳۰) بخاری ، باب تعلیم النبی انه من الرجال والنساء:۶۷۶۶
(۳۱) نیل الاوطار،شرح منتقی الأخیار:۲۲/۸،ط:بیروت
(۳۲) سیر أعلام النبلاء:۱۴۰۵
(۳۳) ترتیب المدارک للقاضی عیاض:۱۰۱/۱،ط:بیروت
(۳۴) تهذیب التهذیب لابن حجر:۳۶۴/۱۲
(۳۵) مناقب الامام احمد لابن الجوزی:۵۴
(۳۶) معجم الأدباء لیاقوت الحموی:۴۰/۵-۴۱
(۳۷) مشیخة السمعانی:۳۹۶/۲
(۳۸) تکملة الاکمال:۱۳۵/۱
(۳۹) سیر اعلام النبلاء:۹۳/۲۳
(۴۰) ابن حجر ودراسة مصنفاته:۹۶/۱-۱۱۰
(۴۱) برنامج التجیبی:۷۲
(۴۲) دیکھئے:تقریب التهذیب ، باب النساء :۷۶۱-۷۸۶
(۴۳) میزان الاعتدال،فصل فی النسوۃ المجهولات:۲۷۸/۶،ط:دارالفکر العربی،نیز دیکھئے:لسان المیزان لابن حجر:۵۳۴/۹،ط:داراحیاء التراث
(۴۴) التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر والنذیر:۲۱/۱،نیز دیکھئے:الباعث الحثیث لابن کثیر:۶/۱
(۴۵) دیکھئے:تقریب،ترجمہ:۸۵۶۱
(۴۶) تقریب:۸۵۳۰
(۴۷) دیکھئے:تقریب التهذیب ، باب النساء
(۴۸) مقدمة التقریب:۱۱۱

(۴۹) میزان الاعتدال، فصل فی النسوۃ المجہولات: ۲۷۸/۶

(۵۰) نیل الاوطار: ۲۲/۸

(۵۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: تہذیب الکمال، تحفۃ الأشراف فی معرفۃ الأطراف، اسی طرح تقریب التہذیب لابن حجر

(۵۲) الباعث الحثیث لابن کثیر مانع، تحقیق: احمد شاکر: ۱۷۲

(۵۳) دیکھئے ہدیۃ الساری: ۴۴۲/۱

(۵۴) دور المرأة فی خدمة الحدیث ، دکتورة أمال قرراش

(۵۵) مسلم ، باب فی بقیة من احادیث الدجال، حدیث نمبر: ۵۲۳۸

(۵۶) دیکھئے: سنن النسائی ، باب مقام المتوفی عنها زوجها فی بیتها، حدیث نمبر: ۳۴۷۱

(۵۷) بخاری ، باب غسل المیت ووضوئه بالماء والسدر: ۱۱۷۵

(۵۸) دیکھئے: مسلم ، باب من اصحاب الشجرة أهل البیعة، حدیث نمبر: ۴۵۵۲

(۵۹) سنن الترمذی، کتاب المناقب، فضل عائشۃ، حدیث نمبر: ۳۹۸۲، وقال: حسن صحیح

(۶۰) اسماء الصحابه الرواة وما لکل واحد من العدد، ط: بیروت

(۶۱) دیکھئے: مسند احمد: ۳۱۷/۶-۳۱۹، ط : المکتب الاسلامی

(۶۲) تفصیلات کے لئے دیکھئے: تحفۃ الاشراف

(۶۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر: ۴۰۷/۴

(۶۴) مقدمة الشیخ اکرم العمری علی کتاب عدد مالکل واحد من الرواة من الصحابة :۵۱

(۶۵) دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۲۹۲/۲

(۶۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۲۱۱/۲، الاصابہ: ۳۰۷/۴

(۶۷) الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۵۳/۸

(۶۸) الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۵۳/۸

مولانا امداد اللہ امیر الدین مئوی قاسمی

تابعین سے روایت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

انسانیت کو قعر مذلت سے نکالنے اور اسے عروج وارتقاء کی بلندیوں سے ہم کنار کرانے، معصیتِ خالق سے ہٹا کر طاعتِ خالق کی راہ پر لگانے، اسے دینی ودنیوی کامیابی وکامرانی سے سرفراز کرنے، اور ابدی وآفاقی پیغامِ خداوندی سے آئندہ نسلوں کو روشناس کرانے کے مقصد سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بڑھ کر مقدس وبرگزیدہ جماعت جس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب پڑی، اور جسے دنیا ہی میں اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا کر کے اس کی عظمت کو جاودانی بنا دیا، (۱) وہ جماعت جس کے ذکرِ خیر سے قرآنِ کریم کے اوراق معمور ہیں، سید الکونین کی زبان مبارک پر جس کا تذکرہ کبھی ''ہدایت کے ستاروں'' (۲) کے عنوان سے آتا ہے، تو کبھی اس سے محبت کو خدا اور رسول کی محبت کا نتیجہ وحاصل، اور اس سے بغض کو اللہ ورسول سے بغض کے مرادف قرار دیا جاتا ہے (۳)، وہ جماعت جس کے چند مٹھی جَو صدقہ کرنے کی خداوند قدوس کے نزدیک ایسی قدر ومنزلت ہے کہ دوسرے لوگ اُحُد پہاڑ کے بقدر سونا صدقہ کر کے بھی اس مرتبہ کے حصول سے عاجز ہیں، (۴) وہ وصف جس سے متصف ہونا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ دیگر لوگ پوری عمر طاعات پر عمل اور منکرات سے اجتناب کے ساتھ گذارنے پر بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے، بڑے سے بڑا ولی، قطب اور ابدال بھی ان کی ہم نوائی سے قاصر ہے، جس وصف کے آگے فن جرح وتعدیل کے تمام تر اصول وضوابط بے معنی رہ جاتے ہیں، اور محض اس وصف کی بنا پر مصنفین کو ''کلھم عدول'' کا تاج عطا کر دیا جاتا ہے، وہ پاکیزہ وعظیم المرتبت جماعت، نبی آخر الزماں ﷺ کے چہیتے اصحاب کی جماعت ہے، جن پر ایک حرف بھی رکھنا، اور ان کی شان میں معمولی گستاخی بھی ایمان کے خرمن کو خاکستر کرنے کے لیے کافی ہے، اور وہ وصف، وصفِ صحابیت ہے، جس کے رہتے ہوئے نہ عدالت معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ثقاہت جانچنے کی حاجت، بلکہ یہ تنہا وصف تمام شرائط وقیود اور اصول وضوابط پر بھاری ہے، زیرِ نظر مقالہ اسی پاکیزہ مایۂ ناز سلسلۃ الذہب کے ان معدودے چند شذرات کے ذکر سے مزین ہے، جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

تابعین سے روایت کا محرّک اور اس کی دلیل

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے چوں کہ ''بلغوعني ولو اٰية'' (میری جانب سے پہنچاؤ، اگر چہ ایک

☆ استاذ دار العلوم حیدر آباد

آیت ہی سہی) (۵) کا فرمانِ نبوی موجود تھا، "الا لیبلغ الشاھد منکم الغائب" (تم میں سے حاضرین کو چاہئے کہ غیر حاضرین کو مطلع کردیں) (٦)، اور نضر اللہ امرءًا سمع مقالتي فحفظها ووعاها، ثم أداها كما سمعها (اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھیں جو میری حدیث سنے اور کما حقہ یاد کرے، پھر جیسے سنا ہے اسی طرح دوسروں تک پہونچائے) (۷) جیسے ارشادات سے وہ آشنا تھے، اس لیے حضور اقدس ﷺ کے ایک ایک قول کو معلوم کر کے اولاً خود کما حقہ ان گنجینوں کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا، اور پھر غایت احتیاط کے ساتھ من وعن آئندہ امت تک منتقل کیا، اور اس اخذ وروایت کے میدان میں ایسے اشتغال وانہماک کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر سے تاریخِ عالم قاصر ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس امر کو مدارِ زیست بنالیا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی بند نہیں باندھا، بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل اور عرب ہو یا عجم، غرض جس سے ملے، جہاں سے ملے، جس قدر ملے، آں حضرت ﷺ کے اقوال وافعال کے موتیوں کو لڑی میں پرو کر آنے والی نسلوں کے لیے بیش بہا ذخیرہ جمع کردیا- جزاہم اللہ عنا خیر الجزاء-

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس تلاش وجستجو کی تگ ودو انہیں اپنے سے فروتر اور کم رتبہ اشخاص کے پاس بھی لے جاتی ہے اور وہ ان سے بھی اخذِ علم کرتے نظر آتے ہیں، ان کے اسی جذبے کے نتیجہ میں فن "اصول حدیث" میں "روایة الأکابر عن الأصاغر" کا مستقل باب وجود میں آتا ہے، اور ان کا یہ جذبہ کیوں کر نہ ہوتا، جب کہ ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا اسوہ موجود تھا، چناں چہ مسلم شریف میں صحیح سند کے ساتھ یہ واقعہ منقول ہے (۸) کہ: منادیٔ رسول ﷺ کی ندا پر اہل مدینہ جوق در جوق مسجد نبوی کا رخ کررہے ہیں، ان میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی، یہ جاں نثاران بلانے کے مقصد سے بے خبر و بے پروا خدمت نبوی میں پروانہ وار حاضر ہورہے ہیں، نماز سے فراغت کے بعد سرکار دوعالم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور مسکراتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جساسہ اور مسیح دجال کے ایک جزیرۂ بے نام ونشاں میں مقید ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی سند میں فرماتے ہیں: "حدثني تميم الداري" (مجھ سے تمیم داری نے یہ واقعہ بیان کیا ہے)، حضور اقدس ﷺ کا "حدثني" فرمانا صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ایک اسوہ بن گیا اور انہوں نے اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا، اور تابعین سے روایت کر کے حبیب پاک ﷺ کے اس طریقے کو آئندہ نسلوں کے لیے جاری وساری کردیا۔

شارحِ مشکوۃ ملا علی قاریؒ (ت: ۱۰۱۴) لکھتے ہیں: کہ "روایة الأکابر عن الأصاغر" کے باب کی اصل حضور ﷺ کا یہی ارشاد ہے، نیز انہوں نے ابن مندہ اور سخاوی کے حوالے سے دو مزید واقعے نقل کئے ہیں جن میں نبی پاک ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے "حدثني فلان بكذا" فرمایا ہے۔ (۹) (۱۰)

اس موضوع کی اہمیت وافادیت

"روایة الأکابر عن الأصاغر" کے موضوع کو فن اصولِ حدیث میں انتہائی اہمیت حاصل ہے، حتی کہ کہا جاتا

ہے:"لایکون الرجل محدثا حتی یاخذ عمن فوقه ومثله ودونه"، (کوئی بھی شخص اسی وقت محدث بنلانے کا مستحق ہوسکتا ہے، جب کہ وہ اپنے اکابر ومعاصر کے ساتھ ساتھ کم رتبہ لوگوں سے بھی روایت کرے)(۱۱) اسی طرح اس موضوع کی معرفت سند میں قلب کا مظنہ دفع کرتی ہے، کیوں کہ عام طور سے مروی عنہ، راوی سے اعلی وافضل ہوتا ہے، اور جب کہیں مروی عنہ فروتر نظر آئے تو فوراً سند میں قلب اور الٹ پھیر کا شبہ پیدا ہوگا، اس موقعہ پر اس موضوع کی معرفت دستگیری کرے گی اور آدمی غلطی سے محفوظ رہے گا، چناں چہ متعدد علماء نے اس موضوع پر گراں قدر تصانیف ومضامین سے دنیائے علم کو نوازا ہے، جن میں حافظ خطیب بغدادی (ت:۴۶۳ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (ت:۸۵۲ھ) رحمہما اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر مقالے کی تقسیم وترتیب

بڑوں کے چھوٹوں سے روایت کرنے کا دائرہ تو سند کی ابتداء سے انتہا تک تمام طبقات کو محیط ہے، اور اس میں مختلف درجات قائم کئے گئے ہیں، لیکن سر دست ہم ان صحابہ کرام ﷺ کے تذکرہ سے مشرف ہورہے ہیں جنہوں نے تابعین سے روایت کی ہے، اور وہ روایات کتب متداولہ میں موجود ہیں، یہاں یہ بات خالی از فائدہ نہ ہوگی کہ حضرات مخضرمین، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کا زمانہ پایا، لیکن آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے، ان کو بھی جمہور علماء نے اجلہ تابعین میں سے شمار کیا ہے، (۱۲) کیوں کہ صحابیت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی، لہٰذا اگر کوئی صحابی ﷺ کسی مخضرم سے روایت کریں تو وہ بھی ہمارے موضوع کا حصہ ہوں گے۔

دوسری بات یہ کہ بعض تابعین کو کچھ لوگ صحابیت سے سرفراز کرتے ہیں، جب کہ دوسرے حضرات انھیں اجلہ تابعین میں شمار کرتے ہیں، تو اس موقعہ پر ہم نے حافظ خطیب بغدادیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے اقوال کو ترجیح دی ہے، اور اس کے مطابق انہیں تابعین کی صف میں رکھا ہے۔

اپنے اس مقالے کو ہم تین مرحلوں میں منقسم کرتے ہیں

پہلے مرحلے میں ان صحابہ کرام ﷺ کے اسمائے گرامی سے مقالے کو مزین کریں گے، جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں، اور چونکہ ان صحابہ کرام ﷺ کی تعداد خاصی ہے اور ان میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے، اس لیے ہم مراتب سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کے اسمائے گرامی حروف ہجا کی ترتیب سے ذکر کریں گے۔

دوسرے مرحلے میں ان خوش قسمت تابعین کے ناموں کو حروف تہجی کے اعتبار سے صفحۂ قرطاس پر لائیں گے جن سے روایت حدیث کرکے صحابہ ﷺ نے ان کی عظمتوں کو چار چاند لگادیئے ہیں، اس فہرست میں تابعیات بھی ہیں، جن کا تذکرہ حسب مرتبہ تابعین کے بعد ہوگا۔

تیسرے مرحلے میں صحابہ ﷺ کی مرویات کو قدرے تفصیل سے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جن روایتوں کے مخرج کی علماء

نے نشان دہی کررکھی ہے یا جن مراجع و مآخذ تک ہماری رسائی ہوسکی ہے، ان کے حوالے بھی ذکر کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

پہلا مرحلہ: اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم

حفاظ کرام- خطیب بغدادی، زین الدین عراقی (ت:۸۰۶ھ) اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ- کے اقوال کی روشنی میں اس طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بائیس ۲۲ رکو پہونچتی ہے (۱۳):

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ت:۹۳ھ)
۲۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ (ت:۷۰ھ کے بعد)
۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ت:۷۰ھ کے بعد)
۴۔ حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ (ت:۴۸ھ)
۵۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (ت:۹۱ھ)
۶۔ حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ (ت:۶۵ھ)
۷۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ (ت:۸۸ھ)
۸۔ حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ (ت:۸۳ھ)
۹۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (ت:۷۳ھ)
۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ت:۶۸ھ)
۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (ت ۷۳ھ)
۱۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (ت:۶۳ھ)
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ت:۳۲ھ)
۱۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ت:۲۳ھ)
۱۵۔ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ (ت:۵۰ھ کے بعد)
۱۶۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ (ت: خلافت عبدالملک میں)
۱۷۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (ت:۶۰ھ)
۱۸۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ (ت:۶۵ھ)
۱۹۔ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ (ت:۴۰ھ کے بعد)
۲۰۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (ت:۸۶ھ)
۲۱۔ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ (ت:۱۱۰ھ)
۲۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (ت:۵۹ھ)

دوسرا مرحلہ: اسمائے تابعین و تابعیات

ان تابعین و تابعیات کی تعداد اکتیس ۳۱ رہے: (۱۴)

۱۔ حضرت اویس قرنیؒ (ت:۳۷ھ)
۲۔ حضرت بشر بن عاصمؒ (ت:۱۲۴ھ کے بعد)
۳۔ حضرت بکر بن قرواشؒ
۴۔ حضرت حلام بن جزلؒ
۵۔ حضرت ذکوان ابوعمروؒ (ت:۶۳ھ)
۶۔ حضرت رافع بن ابی رافعؒ
۷۔ حضرت شبث بن ربعیؒ (ت:۷۰ھ کے قریب)
۸۔ حضرت ضحاک بن قیسؒ (ت:۶۵ھ)
۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرو الحضرمیؒ
۱۰۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ (ت:۸۸ھ)

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن محمدؒ (ت:۶۳ھ)	۱۲۔ حضرت عبدالملک بن اخی ابی ذرؒ
۱۳۔ حضرت عتریس بن عرقوبؒ	۱۴۔ حضرت عجوان الرقاشیؒ
۱۵۔ حضرت عنبسہ بن ابی سفیانؒ (ت:۴۷ھ کے بعد)	۱۶۔ حضرت کعب احبارؒ (ت: آخر خلافت عثمانؓ)
۱۷۔ حضرت مالک بن یخامرؒ (ت:۷۰ھ)	۱۸۔ حضرت مروان بن الحکم (۶۵ھ)
۱۹۔ حضرت نافع بن جبیر (ت:۹۹ھ)	۲۰۔ حضرت ہاشم بن عتبہؒ
۲۱۔ حضرت ہیثم بن اسودؒ (ت:۸۰ھ کے بعد)	۲۲۔ حضرت وقاص بن ربیعہؒ
۲۳۔ حضرت ابورافع الصائغؒ (ت:۹۰ھ کے بعد)	۲۴۔ ابن اخی زینب الثقفیؒ۔
۲۵۔ حضرت اُبی بن کعبؓ کے ایک شاگرد	۲۶۔ بعض اہل کتاب۔
۲۷۔ حضرت اسماء بنت زیدؒ (ت:۷۳ھ سے پہلے)	۲۸۔ حضرت صفیہ بنت ابی عبیدؒ
۲۹۔ حضرت نائلہ بنت فرافصہؒ	۳۰۔ حضرت ام کلثوم بنت ابی بکرؒ
۳۱۔ حضرت ام عبداللہ بن ابی ذبابؒ۔	

تیسرا مرحلہ: مرویات کی تفصیل

۱۔ حضرت انس بن مالک ﷺ، یہ چار تابعین سے روایت کرتے ہیں: (۱) شبث بن ربعی، (۲) عجوان الرقاشی، (۳) کعب بن احبار، (۴) وقاص بن ربیعہ، ان میں سے شبث بن ربعی کی روایت امام بخاریؒ کی تاریخ کبیر (ترجمہ نمبر ۲۷۵۵) میں موجود ہے، جب کہ بقیہ تین کی روایات حافظ ابن حجرؒ نے خطیب بغدادیؒ کے حوالے سے اپنی کتاب ''نزھۃ السامعین'' (۱۵) میں نقل کی ہے، ان کے مخارج تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔

۲۔ حضرت جابر بن سمرہ ﷺ، صرف ایک تابعی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں، اس روایت کی تخریج امام ابوعبداللہ حاکم (ت:۴۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین'' (ذکر مناقب ہاشم بن عتبہ:۵۶۹۰) میں کی ہے۔

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ، آپ ایک تابعی حضرت ذکوان ابوعمرو مولی عائشہ صدیقہؓ اور ایک تابعیہ حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر ﷺ سے روایت کرتے ہیں، پہلی روایت کی تخریج امام احمدؒ (ت:۲۴۱ھ) نے اپنی مسند (مسند عائشہ الصدیقہؓ:۲۴۸۸۲) میں کی ہے، جب کہ دوسری روایت مسلم شریف (نسخ الماء من الماء: ۵۲۷) میں موجود ہے، حافظ زرکشیؒ (ت:۷۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ ﷺ نے تابعین سے جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں سب سے مشہور یہی حضرت ام کلثوم والی روایت ہے (۱۶)۔

۴۔ حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ، حضرت کعب احبار سے روایت کرتے ہیں، اور یہ روایت حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کر رکھی ہے۔(۱۷)

۵۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو الحضرمی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے اخذ روایت کرتے ہیں، پہلے کی روایت مصنف عبدالرزاق (۱۸۸۲۶) اور امام بیہقی (ت:۴۵۸ھ) کی سنن صغریٰ (۳۶۰۴) میں موجود ہے، جب کہ موخر الذکر کی روایت امام مسلمؒ (ت:۲۶۱ھ) نے اپنی ''صحیح'' (جامع صلاۃ اللیل ومن نام عن حزبہ:۱۲۳۶)، امام ابوداؤد (ت:۲۷۵ھ) نے اپنی ''سنن'' (من نام عن حزبہ:۱۱۱۸)، امام ترمذیؒ (ت:۲۷۹ھ) نے اپنی ''جامع'' (ماذکر فیمن فاتہ حزبہ:۵۳۰)، امام نسائی (ت:۳۰۳ھ) نے اپنی ''مجتبیٰ'' (متی یقضی من نام عن حزبہ فی اللیل:۱۷۶۷) اور امام ابن ماجہؒ (ت:۲۷۳ھ) نے اپنی ''سنن'' (فیمن نام عن حزبہ:۱۳۴۳) میں نقل کر رکھی ہے۔

۶۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ، نے حضرت نافع بن جبیر بن مطعم سے روایت نقل کی ہے، جس کی تخریج بقول حافظ عراقیؒ، خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''روایۃ الصحابہ عن التابعین'' میں کی ہے۔(۱۸)

۷۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، نے مروان بن الحکم سے اخذِ روایت کی ہے، اس روایت کی تخریج امام بخاریؒ (ت:۲۵۶ھ) نے اپنی ''صحیح'' (التفسیر/۲۶۲۰)، امام نسائیؒ نے اپنی ''سنن مجتبیٰ'' (فضل المجاہدین علی القاعدین:۳۰۴۹) اور امام ترمذیؒ نے اپنی ''جامع'' (التفسیر/من سورۃ النساء:۲۹۵۹) میں کی ہے۔

۸۔ حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ، دو تابعی: حضرت رافع بن ابی رافع الطائی اور حضرت ھیثم بن اسود سے روایت نقل کرتے ہیں، اول کی روایت امام ابن ابی شیبہؒ (ت:۲۳۵ھ) کی ''مصنف'' (۲۷۲۰۱) اور امام طبرانیؒ (ت:۳۶۰ھ) کی المعجم الکبیر (۴۳۴۲) میں موجود ہے، جب کہ دوسرے کی روایت امام بیہقیؒ نے اپنی ''سنن کبریٰ'' (ماجاء فی الترغیب فی العفو عن القصاص:۱۶۴۷۲) میں نقل کی ہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار سے دو روایتیں نقل کی ہیں، پہلی روایت کی تخریج حافظ ابن عساکر (ت:۵۷۱ھ) نے اپنی مایہ ناز کتاب ''تاریخ دمشق'' (کعب بن ماتع بن یسوع الخ:۵۰/ ۱۶۸) میں کر رکھی ہے، جب کہ دوسری روایت امام عبدالرزاق (ت:۲۱۱ھ) نے اپنی ''مصنف'' (۲۰۷۵۵) میں نقل کی ہے۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کے کسی شاگرد سے ایک روایت اور حضرت کعب احبار سے چھ روایتیں نقل کی ہیں، اول الذکر کی روایت امام احمد نے اپنی ''مسند'' (۲۳۴۸۴) میں نقل کی ہے، لیکن اس میں اس تابعی کے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہونے کی صراحت نہیں ہے، البتہ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام ابوداؤد طیالسی (ت:۲۰۴ھ) نے بھی ذکر کی ہے، اور اس جگہ روای حدیث یونس بن حبیب نے صراحت کی ہے کہ وہ تابعی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہی کے شاگرد ہیں، نیز حافظ خطیب بغدادی کا طرزِ عمل بھی اسی کی غمازی کرتا ہے، کیوں کہ انہوں اس روایت پر ''عن صاحب

لأبی بن کعب ﷺ'' کا عنوان لگایا ہے۔(۱۹)

اور حضرت کعب احبار سے منقول روایات میں سے ایک حافظ ابن عساکرؒ نے ''تاریخ دمشق'' (تبیع بن حسان:۱۱ ۸) میں نقل کی ہے، جب کہ ایک دوسری روایت امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' (التشدید علی منع الزکاۃ:۳۰۴۱) میں مذکور ہے۔اور دیگر روایات حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔(۲۰)

۱۱۔ عبداللہ بن عمر ﷺ، آپ نے تین تابعین: حضرت عبداللہ بن محمد بن أبی بکر، حضرت کعب احبار، حضرت ابو رافع الصائغ، نیز دو تابعیات: حضرت اسماء بنت زید بن الخطاب جو آپ کی چچازاد بہن ہیں، اور حضرت صفیہ بنت أبی عبید الثقفی جو آپ کی زوجہ محترمہ ہیں، سے روایات اخذ کی ہیں، جن میں حضرت کعب سے چار اور حضرت صفیہ سے تین روایتیں منقول ہیں۔

ان روایتوں میں سے حضرت عبداللہ بن محمد کی روایت امام بخاریؒ کی ''صحیح'' (فضل مکۃ و بنیانھا:۱۴۸۰) مسلم شریف (نقض الکعبۃ و بناؤھا:۲۳۶۸) اور نسائی شریف (بناء الکعبۃ:۲۸۵۱) میں مذکور ہے اور حضرت کعب احبار سے نقل کردہ ایک روایت کی تخریج امام ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' (ماذکر فی سعۃ رحمۃ اللہ:۳۵۳۵۵) اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان (فی معرفۃ الملائکہ:۱۶۲) میں کی ہے۔اور دوسری روایت امام بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' (جماع ابواب من رأی فی منامہ:۲۹۶۱) میں، اور تیسری روایت ''مصنف ابن أبی شیبہ (من کرہ الخروج فی الفتنۃ:۳۸۵۷۳) میں موجود ہے، اور ایک روایت بقول حافظ ابن حجرؒ، خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کر رکھی ہے۔(۲۱)

حضرت ابورافع الصائغ والی روایت حافظ ابن حجر نے اپنی تصنیف میں نقل کی ہے۔(۲۲)

اور حضرت اسماء بنت زید کی روایت امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' (باب السواک:۴۸) اور امام حاکم نے ''مستدرک'' (الطہارۃ:۵۵۶) میں ذکر کی ہے۔

حضرت صفیہ بنت أبی عبید سے مروی تین روایات میں سے ایک روایت ''ابوداؤد شریف'' (مایلبس المحرم:۱۵۶۰) میں، دوسری امام طبرانی کی ''المعجم الأوسط'' (۴۰۶۰) میں، اور تیسری بقول حافظ عراقیؒ خطیب بغدادی کی کتاب میں منقول ہے۔(۲۳)

۱۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ: حضرت کعب احبار سے دو روایتیں اور بعض اہل کتاب سے ایک روایت بیان کرتے ہیں، کعب کی روایتِ اول خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد'' (ذکر من اسمہ عبدالرحمٰن:۴/۴۱۷) میں اور ثانی ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق'' (موسی بن عمران بن یصہر:۶۱/۳۱) میں مذکور ہے، جب کہ بعض اہل کتاب والی روایت حافظؒ نے ابن ابی الدنیا کے حوالے سے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔(۲۴)

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ حضرت عتریس بن عرقوب سے روایت نقل کرتے ہیں، یہ روایت امام طبرانی کی ''المعجم الکبیر'' (۸۴۸۵) میں مذکور ہے۔

۱۴۔ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ﷺ دو تابعین: حضرت اویس قرنی اور حضرت بشر بن عاصم سے روایت کرتے ہیں، حضرت اویس قرنی کی روایت خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے، (۲۵) اور حضرت بشر بن عاصم کی روایت ''مصنف ابن ابی شیبہ'' (الامارۃ: ۳۳۲۱۳) میں مذکور ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ (۲۶)

۱۵۔ حضرت عمرو بن الحارث بن المصطلق ﷺ، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی زوجہ محترمہ زینب الثقفیہ کے بھتیجے سے روایت کرتے ہیں، ان کی روایت امام احمدؒ کی ''مسند'' (حدیث زینب امرأۃ عبداللہ: ۲۷۰۴۸)، اور امام نسائیؒ کی ''السنن الکبریٰ'' (۹۲۰۰)، اور امام حاکم کی ''المستدرک'' (کتاب الأموال: ۸۷۸۴) میں موجود ہے۔

۱۶۔ حضرت معاذ بن انس ﷺ، حضرت کعب احبار سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس کی تخریج حافظ خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں کر رکھی ہے۔ (۲۷)

۱۷۔ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ﷺ نے، دو تابعین: حضرت ضحاک بن قیس اور حضرت مالک ابن یخامر سے روایت کی ہے، حضرت ضحاک کی روایت امام حاکم کی ''المستدرک'' (ذکر الضحاک بن قیس: ۶۲۳۳) میں منقول ہے، اور حضرت مالک کی روایت ''بخاری شریف'' (سؤال المشرکین الخ: ۳۳۶۹) اور ''مسند الامام احمد'' (حدیث معاویہ بن أبی سفیان: ۱۶۹۳۲) میں ذکر کی گئی ہے۔

۱۸۔ حضرت نعمان بن بشیر ﷺ حضرت عثمان غنی ﷺ کی زوجہ محترمہ نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس کی تخریج حافظ ابن عساکرؒ نے ''تاریخ دمشق'' (عثمان بن عفان ﷺ: ۳۹/۳۸۸) میں کی ہے۔

۱۹۔ حضرت یعلیٰ بن امیہ ﷺ، نے حضرت عنبسہ بن أبی سفیان سے ایک روایت اخذ کی ہے، جو ''نسائی شریف'' (ثواب من صلی فی الیوم واللیلۃ: ۱۷۷۶) میں مذکور ہے۔

۲۰۔ حضرت ابواُمامہ باہلی ﷺ بھی حضرت عنبسہ بن اُبی سفیان سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ: خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں اس کی تخریج کی ہے۔ (۲۸)

۲۱۔ حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ ﷺ نے تین تابعین سے روایت لی ہے:

(۱) حضرت بکر بن قرواش، ان کی روایت امام ابو یعلی موصلی (ت: ۳۰۷ھ) کی ''مسند'' (مسند سعد ابن ابی وقاص: ۷۵۳) میں مذکور ہے۔

(۲) حضرت حلام بن جزل، بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ خطیب بغدادی نے یہ روایت اپنی کتاب میں ذکر کی ہے، (۲۹) یہی قول حافظ عراقی کا بھی ہے۔ (۳۰)

(۳) حضرت ابوذر غفاری ﷺ کے بھتیجے حضرت عبدالملک، یہ روایت حافظ ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' (اُبوذر

غفاری: ٦٦/١٩١-١٩٤) میں نقل کی ہے۔

۲۲۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے ایک تابعی حضرت کعب احبار، اور ایک تابعیہ حضرت ام عبداللہ بن ابی ذیاب سے روایت کرتے ہیں، حضرت کعب سے انہوں نے تقریباً تیرہ روایتیں نقل کی ہیں، جن میں سے ساعتِ جمعہ کے سلسلے کی مشہور حدیث ''ابوداؤد شریف'' (فضل یوم الجمعہ: ۸۸۲) اور ''نسائی شریف'' (ذکر الساعۃ التی یستجاب الخ: ۱۴۱۳) میں منقول ہے، اور ایک روایت ''تاریخ دمشق (٦١/١٥١) میں، اور ایک ''مصنف ابن ابی شیبہ'' (ما قالوا فی الرجل: ۲۹۹۰۵) میں مذکور ہے، دیگر روایات حافظؒ نے ''نزھۃ السامعین'' میں جمع کر رکھی ہیں۔ (۳۱)

حضرت ام عبداللہ کی روایت حافظ ابن ابی الدنیا (ت: ۲۸۱ھ) نے اپنی کتاب ''المرض والکفارات'' (۴۳) میں نقل کی ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اله و أصحابه و أتباعهم أجمعین.

حواشی:

(۱) سورہ توبہ: آیت: ۱۰۰
(۲) رواہ البیہقی کما فی کشف الخفاء: ۱/۱۳۲
(۳) رواہ الترمذی (فیمن سب أصحاب النبی ﷺ)
(۴) رواہ مسلم (تحریم سبّ الصحابہ ؓ: ۴۶۱۰
(۵) رواہ البخاری (ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۳۲۰۲
(۶) رواہ البخاری (لیبلغ العلم الشاهد الغائب: ۱۰۲
(۷) رواہ الترمذی (فی الحث علی تبلیغ السماع: ۲۵۸۲
(۸) رواہ مسلم (قصه الجساسة: ۵۲۳۵
(۹) شرح الشرح لملا علی قاری، ص: ٦٣٧
(۱۰) فتح المغیث للسخاوی: ۳/۱۷۰،
(۱۱) شرح الشرح: ص: ٦٣٧،
(۱۲) نزهة النظر شرح نخبة الفکر ص: ۲۰،
(۱۳) نزهة السامعین فی روایة الصحابة عن التابعین، للحافظ ابن حجرؒ، والتقیید و الایضاح للحافظ العراقی،
(۱۴) بہ حوالہ سابق،
(۱۵) ص: ۴۸، ص: ٦١، ص: ۱۱۰،
(۱٦) النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی: ۱/٦٨
(۱۷) نزهة السامعین، ص: ۱۱۰،
(۱۸) التقیید و الایضاح، ص: ۷۹،
(۱۹) حوالۂ سابق، ص: ٦٦،
(۲۰) نزهة السامعین، ص: ۱۰٦،
(۲۱) ایضاً، ص: ۹۹،
(۲۲) أیضاً، ص: ٦٢
(۲۳) التقییدو الایضاح، ص: ۷۹،
(۲۴) نزهة السامعین، ص: ٦٨،
(۲۵) حوالہ سابق، ص: ۲٦،
(۲٦) الاصابة فی تمییز الصحابة للحافظ (ذکر من اسمه بشر: ۱/۲۹۸)
(۲۷) النزهة: ص: ۱۱۱،
(۲۸) التقیید، ص: ۷۹،
(۲۹) النزهة، ص: ۳۲،
(۳۰) التقییدو الایضاح، ص: ۷۹،
(۳۱) نزهة السامعین، ص: ۸۲ تا ۹۵

مآخذ ومراجع

(۱) قرآن کریم۔

(۲) بخاری شریف، ط: دار ابن کثیر/ بیروت۔

(۳) مسلم شریف، ط: دار احیاء التراث العربی/ بیروت۔

(۴) ابوداؤد شریف، ط: دار الفکر/ بیروت۔

(۵) ترمذی شریف، ط: دار احیاء التراث العربی/ بیروت۔

(۶) نسائی شریف، ط: مکتب المطبوعات الاسلامیہ/ حلب۔

(۷) ابن ماجہ شریف، ط: دار الفکر/ بیروت

(۸) مسند امام احمد، ط: مؤسسۃ الرسالہ۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ، ط: دار القبلہ۔

(۱۰) مصنف عبد الرزاق، ط: المکتب الاسلامی/ بیروت۔

(۱۱) مسند ابو یعلی، ط: دار المأمون للتراث/ دمشق۔

(۱۲) معجم کبیر للامام طبرانی، ط: مکتبۃ الزہراء/ الموصل۔

(۱۳) معجم اوسط للامام طبرانی، ط: دار الحرمین/ القاہرہ۔

(۱۴) معجم صغیر للامام طبرانی، ط: المکتب الاسلامی/ بیروت۔

(۱۵) السنن الکبریٰ للنسائی، ط: دار المکتب العلمیہ/ بیروت۔

(۱۶) السنن الصغری للامام البیہقی، ط: مکتبۃ الدار/ المدینہ منورہ

(۱۷) السنن الکبری للامام البیہقی، ط: مکتبہ دار الباز/ مکہ المکرمہ۔

(۱۸) شعب الایمان للامام البیہقی، ط: دار الکتب العلمیہ/ بیروت

(۱۹) دلائل النبوۃ للامام البیہقی، ط: دار الکتب العلمیہ/ بیروت۔

(۲۰) المستدرک علی الصحیحین للامام أبی عبد اللہ الحاکم، ط: دار الکتب العلمیہ/ بیروت۔

(۲۱) کتاب المرض والکفارات، لابن ابی الدنیا، ط: الدار السلفیہ، بومبائی۔

(۲۲) تاریخ بغداد للامام خطیب بغدادی، ط: دار الکتب العلمیہ/ بیروت۔

(۲۳) نزھۃ السامعین فی روایۃ الصحابہ عن التابعین للحافظ ابن حجرؒ، ط: دار الہجرۃ للنشر والتوزیع/ الریاض۔

(۲۴) التقیید والایضاح للحافظ العراقی، ط: دار الفکر/ بیروت۔

(۲۵) فتح المغیث للامام السخاوی، ط: دار الکتب العلمیہ/ بیروت۔

(۲۶) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ للحافظ ابن حجر، ط: دار الجیل/ بیروت۔

(۲۷) النکت علی ابن الصلاح للزرکشی، ط: اضواء السلف/ الریاض۔

(۲۸) نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر للحافظ ابن حجر ط: مکتبۃ الاتحاد/ دیوبند۔

(۲۹) شرح الشرح لملا علی القاری، ط: دار الارقم/ بیروت۔

(۳۰) تاریخ دمشق للحافظ ابن عساکر۔

(۳۱) تاریخ کبیر للامام البخاری۔


صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ

مفتی محمد جمال الدین صاحب☆

صحابہ کرام ؓ اور ان کی فقہی بصیرت

فقہ فی الدین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ اس نعمت سے اپنے مخصوص بندوں کو ہی نوازتا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین.(۱)

''خدائے تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے''۔

اور جسے یہ عظیم نعمت حاصل ہو جاتی ہے وہ خود راہ راست پر ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی صحیح راستے کی رہنمائی کرتا ہے، ان کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھاتا ہے، اور شیطان کا شکار ہونے سے بچا کر ان کو صراط مستقیم پر ڈالتا ہے، اسی لیے شیطان فقیہ سے بہت گھبراتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد.(۲)

''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے''۔

صحابہ کرام ؓ جو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد انسانیت کے سب سے مقدس گروہ ہیں، اور جو رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ واسطہ ہیں، جن کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے، نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑا ہے، نہ رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطہ کے بغیر علم ہو سکتا ہے، اس جماعت کو تفقہ فی الدین کی عظیم نعمت سے وافر حصہ ملا تھا، حضور اکرم ﷺ کی تعلیم وفیض صحبت نے صحابہ کرام ؓ کے علوم اور تفقہ فی الدین میں ایسا عمق وگہرائی اور نورانیت پیدا کر دی تھی کہ وہ خود معیار حق بن گئے، اور دربار نبوی ﷺ سے ان کو یہ تمغہ ملا:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم.(۳)

اسلاف کا صحابہ ؓ کے تفقہ پر اعتماد

اس لیے سلف صالحین کی نظر میں حضرات صحابہ ؓ کے علم وفہم کی بہت زیادہ اہمیت تھی، اور ہر دینی معاملہ میں ان

☆ صدر شعبۂ افتاء دار العلوم حیدرآباد

حضرات کی سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ اس میں صحابہ کرام ؓ کا کیا مسلک اور طریقہ تھا، اور جب ان کی رائے معلوم ہو جاتی تو اس کو اپنے لیے اسوہ بنا لیتے، چنانچہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے حج کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا:

کرهها عمر و عثمان فان يكن علما فهما اعلم مني وان يكن رايا فرايهما افضل ۔(۴)

''حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمانؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے، اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے اعلم تھے، اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے زیادہ بہتر ہے''۔

امام اوزعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد بقیہ بن ولید سے فرمایا:

يا بقيه!العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم وما لم يجئ فليس بعلم.(۵)

''اے بقیہ: علم تو بس وہی ہے جو آں حضور ﷺ کے اصحاب سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں''۔

اور عامر شعبیؒ فرماتے ہیں:

ماحدثوک عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه سلم فخذ به وما قالوا فيه برايهم فبل عليه. (٦)

''لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضور ﷺ کے صحابہ کی طرف سے نقل کریں تو انہیں اختیار کرلو، اور جو اپنی رائے سے کہیں اسے نفرت کے ساتھ چھوڑ دو''۔

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلاف کے یہاں صحابہ ؓ کے علم وتفقہ کا کتنا وزن تھا، وہ حضرات سمجھتے تھے کہ جس طرح سنت مقاصد قرآنیہ کے لیے کاشف ہے اسی طرح صحابہ کرام ؓ کے ارشادات مقاصد سنت کی تشریح کرنے والے ہیں، کیوں کہ وہ ارشادات اگر حضور اکرم ﷺ سے سنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضور ﷺ کی بات سے افضل کوئی بات نہیں ہو سکتی، اور اگر وہ ان کی اپنی اجتہادی رائے ہے تو دین میں ان کی اجتہادی رائے سے افضل کس کی رائے ہو سکتی ہے؟

صحابہ ؓ اور تحصیل فقہ

عہد نبوت میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون ومرتب نہیں تھا کہ صحابہ کرام ؓ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے، اس بناء پر علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ قرآنی آیات یا احادیث رسول میں جو حکم صحابہ کرام ؓ کو ملتا تھا، یا ان سے جو باتیں ان حضرات کے سمجھ میں آتی تھیں، یا افعال رسول ﷺ مثلاً نماز، وضو، روزہ، حج وغیرہ کا بغور مشاہدہ فرماتے اور قرائن

وعلامات سے ان کے شروط وارکان طے فرماتے، اور مباح ہونا، واجب ومنسوخ ہونا قرار دیتے تھے (۷) نیز سوال واستفسار کے ذریعہ بھی آپ ﷺ سے مسائل دریافت کئے جاتے تھے، قرآن کریم میں صحابہ کرام ﷺ کے نوسوالات کے جوابات مذکور ہیں، اور احادیث میں سینکڑوں سوالات کا تذکرہ ہے۔

البتہ صحابیات کو ان تمام طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا، اسی کے ساتھ بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے، اس لیے ان کو خاص طور سے سوال واستفسار کی ضرورت پیش آتی تھی، اور اس طرح فقہ کے بہت سارے مسائل واضح اور منقح ہوجاتے تھے، انصاریہ خواتین اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین.(۸)

''انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھتی''۔

اور جو صحابہ ﷺ مدینہ سے باہر رہا کرتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا، اس لیے وہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر چندروز قیام کرتے تھے، اور فقہی تعلیم حاصل کر کے واپس چلے جاتے اور خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے، احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور مذہبی تعلیم حاصل کر کے واپس گئے، ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں مستقل طور سے حلقہ تدریس قائم تھا، جہاں اصحاب صفہ شب وروز تعلیم وتعلم میں مصروف رہا کرتے تھے، ایک دن آپ ﷺ اپنے حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے نظر آئے، ایک میں لوگ تلاوت ودعا کررہے تھے، اور دوسرے حلقے رائے تعلیم وتعلم میں مصروف تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں نیک کام کررہے ہیں، پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

انما بعثت معلما فجلس معھم.(۹)

''میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، (یہ کہ کر) آپ ﷺ (تعلیم وتعلم والے) حلقہ میں بیٹھ گئے''۔

اس کے علاوہ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ وہ ایک مستقل تعلیم گاہ بھی ہوگیا تھا، باہر سے جو مہاجر آتے، رسول اللہ ﷺ ان کو انصار کے سپرد کردیتے، اور وہ حضرات مہمان نوازی کے ساتھ ان کو دینی احکام بھی بتاتے، چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس منت شناسانہ اعتراف کے ساتھ واپس گیا:

خیر اخوان الانوا فراشنا واطابوا مطعمنا وباتوا واصبحوا یعلموننا کتاب ربنا و سنة نبینا. (۱۰)

''بڑے اچھے بھائی ہیں، نرم نرم بستر پر سلایا، اچھے کھانے کھلائے، اور شب وروز خدا کی کتاب اور

سنت نبوی ہم کو سکھایا''۔

وفد بنو تمیم آیا تو ایک مدت تک مدینہ میں رہ کر احکام شرعیہ کا علم حاصل کرتا رہا (۱۱) قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ آئے اور نماز روزے وغیرہ کے متعلق چند سوالات کر کے کہا میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں (۱۲) غرض اس طرح صحابہ کرام ؓ فقہ کے ضروری اور عملی مسائل حاصل کرتے تھے۔

اصحابِ افتاء واہل اجتہاد صحابہ ؓ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اصحاب افتاء صحابہ ؓ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، مکثرین، متوسطین اور مقلین، مکثرین سے مراد وہ صحابہ کرام ؓ ہیں جنہوں نے کثرت سے فتاوی دیے ہیں، یہ سات صحابہ ہیں، حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ان میں سے ہر ایک کے فتاوی اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، چنانچہ ابوبکر محمد بن موسی نے عبداللہ بن عباس ؓ کے فتاوی کو بیس اجزا میں جمع کیا ہے (۱۳)

متوسطین میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیس صحابہ ؓ کو شمار کیا ہے، جن میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت ام سلمہ ؓ حضرت انس بن مالک ؓ، حضرت ابو سعید خدری ؓ، حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ، حضرت ابوموسی اشعری ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ، حضرت معاذ ؓ بن جبل ؓ، حضرت طلحہ ؓ حضرت زبیر ؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، حضرت عمران بن حصین ؓ، حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عبادہ بن صامت ؓ، اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ ہیں، ان حضرات کے فتاوی کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کے فتاوے ایک مختصر جزء میں آسکتے ہیں۔ (۱۴)

مقلین سے مراد وہ صحابہ کرام ؓ ہیں جنہوں نے کم فتوی دیا ہے، ان سے صرف دو چار مسائل منقول ہیں، بقول ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان تمام حضرات کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک مختصر جزء میں آجائے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک سو پچیس صحابہ ؓ اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام ذکر کیے ہیں، جن میں اکثر امہات المؤمنین، خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، نواسۂ رسول حضرت حسن ؓ و حسین ؓ شامل ہیں (۱۵)

عہد نبوی ﷺ میں صحابہ ؓ کا اجتہاد

بعض صحابہ عہد نبوی میں بھی حضور ﷺ کی اجازت سے فتوی دیا کرتے تھے، بعض صحابہ ؓ تو وہ تھے جن کو آپ ﷺ کسی جگہ دینی وانتظامی امور کا ذمہ دار بنا کر بھیجا تھا جیسے حضرت علی ؓ، حضرت معاذ ؓ بن جبل، حضرت مصعب بن عمیر ؓ وغیرہ،

ظاہر ہے کہ جن مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے وہاں یہ حضرات اپنے اجتہاد و رائے ہی سے فتوی دیا کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہ ؓ بھی عہد نبوت میں فتوی دیا کرتے تھے، چنانچہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ، عمر ؓ، عثمان ؓ اور علی ؓ عہد نبوی ﷺ میں بھی فتوی دیا کرتے تھے (۱۶)

سہل بن ابی حثمہ راوی ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تین مہاجر صحابہ حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ اور تین انصاری صحابہ حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت معاذ ؓ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت ؓ فتوی دیا کرتے تھے (۱۷) اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں فتوی دیا کرتے تھے (۱۸) حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہ ؓ فتاوی دیتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے، خواہ وہ قاضی ہوں یا نہ ہوں، اسی کو علامہ آمدی اور ملا محب اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے (۱۹)

حضور ﷺ کے زمانے میں صحابہ ؓ کا اجتہاد

حضرت علی ؓ کو آپ ﷺ نے یمن کے ایک علاقے کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، وہاں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کچھ لوگوں نے شیر کا شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا، شیر اس میں آگرا، اب لوگوں کو جو معلوم ہوا تو اس کو دیکھنے کے لیے بھیڑ لگا دی، کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک شخص اس میں جا گرا، مگر گرتے گرتے اس نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لی، اور چاروں اس گڑھے میں گر گئے، شیر جو کافی دیر سے خونخوار بنا بیٹھا تھا، اس نے چاروں پر حملہ کر کے زخمی کر دیا، اور چاروں مر گئے، اب اولیاء مقتول آپس میں لڑنے لگے، اور نوبت قتل وقتال تک پہنچ گئی، حضرت علی ؓ نے سب کو سمجھایا کہ چار کے بدلہ سینکڑوں آدمی کی جان لے لینا دانشمندی کی بات نہیں ہے، آؤ تم سب کا میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر منظور ہوا تو بہت اچھا ورنہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہونچ کر اس کا فیصلہ کرالو، وہ سب اس پر راضی ہو گئے، حضرت علی ؓ نے واقعہ سن کر یہ فیصلہ دیا کہ دیت تو گڑھا کھودنے والے حضرات ادا کریں گے، البتہ چاروں کی دیت اس تفصیل سے ادا کی جائے کہ پہلے گرنے والے شخص کو چوتھائی دیت، دوسرے نمبر پر گرنے والے کو تہائی، تیسرے کو آدھی اور چوتھے کو پوری دیت دی جائے، اس تفصیل کو سن کر بعض لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا، اور یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے، اور آپ ﷺ سے فیصلہ مانگا، اس میں سے ایک صاحب نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس کا فیصلہ حضرت علی ؓ کر چکے ہیں، آپ ﷺ نے اس فیصلہ کو سن کر فرمایا:

القضاء كما قضى علي. (۲۰)

''میرا فیصلہ بھی وہی ہے جو حضرت علی ؓ نے فیصلہ کیا ہے''۔

حضرت علی ؓ کا ایک دلچسپ فیصلہ

اسی طرح اہل یمن میں سے تین حضرات نے ایک مقدمہ حضرت علی ؓ کی عدالت میں پیش کیا کہ ایک باندی سے

ایک ہی طہر میں غلطی سے تینوں نے جماع کرلیا، اور اس سے بچہ تولد ہوا، اب یہ بچہ کس کو ملے؟ تینوں میں سے ہر ایک اس بچہ کا دعویدار تھا، حضرت علی ؓ نے سبھوں کا دعوی سن کر فرمایا کہ تم میں سے دو برضاء ورغبت تیسرے کے حق میں اپنے دعوی سے دست بردار ہوجاؤ تو مناسب رہے گا، لیکن کوئی اس پر تیار نہ ہوا، تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ پھر میں قرعہ اندازی کروں گا، قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے گا میں بچہ اس کے حوالہ کردوں گا، اور اس کو باندی کی دوتہائی قیمت اپنے دو بقیہ دعویداروں کو دینی ہوگی، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی، اس میں جس کا نام نکلا اسے بچہ دے دیا گیا، اور اس کو باندی کی دوتہائی قیمت ادا کرنے کا پابند بنایا گیا، جب یہ مقدمہ اور حضرت علی ؓ کا فیصلہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ اس فیصلہ پر بہت مسرور ہوئے، حدیث کے الفاظ ہیں:

فضحک حتی بدت نوا جذہ (۲۱)

''چنانچہ آپ ﷺ ہنس پڑے، حتی کہ آپ ﷺ کے نواجذ دانت نظر آنے لگے کیونکہ حضرت علی ؓ کو اللہ کی طرف سے صحیح فیصلہ کی توفیق ملی تھی۔

دونوں صحابی کے اجتہاد کی تصویب

دو صحابی ایک سفر پر تشریف لے گئے، دوران سفر یہ ہوا کہ ان کا پانی ختم ہوگیا، اور نماز کا وقت آگیا، دونوں حضرات نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، ابھی اس نماز کا وقت باقی ہی تھا، کہ پانی ان حضرات کو مل گیا، اب دونوں حضرات کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھی جائے یا تیمم کرکے پڑھی گئی نماز ہی کافی ہے، دونوں کی الگ الگ رائیں ہوئیں، ایک نے وضو کرکے نماز کا اعادہ کیا جبکہ دوسرے نے تیمم سے پڑھی گئی نماز کو ہی کافی سمجھا اور وضو کرکے نماز نہیں پڑھی، جب دونوں حضرات سفر سے واپس ہوئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے اپنے اجتہاد کو بیان کیا، آپ ﷺ نے دونوں کی تصویب فرمائی، اور کسی کی تغلیط نہیں کی، حدیث کے الفاظ ہیں:

فقال للذی لم یعد اصبت السنة واجزأتک صلوتک وقال للذی توضأ واعاد لک الاجر مرتین. (۲۲)

''جس نے وضو کرکے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان کو مخاطب کرکے فرمایا تم نے سنت کے مطابق عمل کیا، تمہاری پہلے والی نماز معتبر ہے، اور جس نے وضو کرکے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان کو فرمایا کہ تم کو دوہرا اجر ملا''۔

دونوں گروہوں کے اجتہاد کی تصویب

غزوۂ احزاب کے موقع سے بنوقریظہ نے عہد شکنی کی تھی، اور مسلمانوں کے خلاف کفار ومشرکین کی مدد کی تھی، اس لیے

جب کفار ومشرکین ناکام ونامرد ہوکر اپنے اپنے مقام کے لیے واپس ہوگئے تو بحکم خداوندی آپ ﷺ نے بنوقریظہ پر فوج کشی کی، اور صحابہ کرامؓ کو بنوقریظہ والوں کے پاس جلد پہونچنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا يصلين احد الظهر الا في بني قريظه.(۲۳)

''ظہر کی نماز سب بنوقریظہ پہونچ کر پڑھیں''۔

چنانچہ صحابہ کرام ؓ بعجلت ممکنہ تیار ہوکر بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوگئے، لیکن راستہ میں ظہر کی نماز کا وقت تنگ گیا، اور یہ اندیشہ ہونے لگا کہ بنوقریظہ پہونچتے پہونچتے ظہر کی نماز کا وقت نکل جائے گا، تو بعض صحابہ نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کا مقصود جلد بنوقریظہ پہونچنے کا تھا، اور ہم لوگوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، اب جب کہ ظہر کی نماز کے قضاء ہوجانے کا اندیشہ ہوگیا ہے، تو ظہر کی نماز پڑھ لی جائے پھر بلا تاخیر سفر جاری رکھا جائے، چنانچہ ان حضرات نے راستہ میں نماز پڑھ لی، لیکن دوسرے حضرات نے ظاہر لفظ کو دیکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب آپ کی طرف سے بنوقریظہ پہونچ کر نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے تو وہیں نماز پڑھی جائے اگرچہ ہماری نماز قضاء ہوجائے، یہ سمجھ کر انہوں نے راستہ میں نماز نہیں پڑھی، اور بنوقریظہ پہونچتے پہونچتے ظہر کی نماز کا وقت نکل گیا تھا اس لیے ان کو ظہر کی نماز قضا پڑھنی پڑی، آپ ﷺ کی خدمت میں جب یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے کسی جماعت پر نکیر نہیں فرمائی، علامہ نووی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ دونوں فریق چونکہ مجتہد تھے، اور دونوں منشأ شریعت ہی پر عمل کرنا چاہتے تھے، کسی کی نیت بری نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔(۴)

صحابہ ؓ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دینا

حضور ﷺ کی تربیت کی وجہ سے جو فقہی ذوق صحابہ کرام ؓ کو حاصل ہوا تھا اس کا استعمال وہ حضرات دربار نبوی میں بھی کیا کرتے تھے، اور صحیح نتیجہ پر رسائی ہوجانے پر سند صحت بھی عطا کی جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر ؓ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں فتوی

غزوہ حنین کے موقع سے جب کہ ابتداءً مسلمان پیچھے ہٹنے لگے، اور دشمنوں کا غلبہ ہو رہا تھا تو اس موقع سے ایک کافر کے حملہ سے ایک صحابی مغلوب ہو رہے تھے، حضرت ابوقتادہ ؓ کی جب ان پر نظر پڑی تو نظر بچا کر اس تک پہنچے اور ایسا وار کیا کہ اس کے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا، پھر جب لڑائی ختم ہوئی اور انجام کے لحاظ سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو جوانمردی کا مظاہرہ کرنے والے حضرات کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قتل قتيلا له عليه بينةله سلبه .(۲۵)

''جو کسی کافر کو قتل کیا ہو اور وہ اس پر بینہ قائم کردے تو اس کا سارا سامان اسی کو ملے گا''۔

یہ اعلان سن کر حضرت ابوقتادہ ؓ یکے بعد دیگرے تین بار کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کون میرے حق میں اس بات کی

گواہی دے گا کہ میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آخری مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! بار بار تمہارے اٹھنے کا کیا مقصد ہے؟ میں نے واقعہ بیان کیا تو ایک صاحب نے میری تصدیق کی اور عرض کیا کہ اس مقتول کا سامان میرے پاس ہے، آپ ﷺ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو راضی کردیں کہ وہ سامان مجھے دے دیں، یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کو وہ سامان ہرگز نہیں مل سکتا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جان پر کھیل کر قتل کوئی کرے اور اس کا فائدہ تم کو پہونچے ایسا نہیں ہوسکتا، یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد اور فتوی کی تصدیق فرمائی، اور سارا سامان حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردیا (۲۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں فتوی

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز پڑھائی، مقتدی کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کے معا بعد ایک صاحب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے ان کے پاس پہونچے اور ان کے مونڈھوں کو حرکت دیتے ہوئے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اہل کتاب کی ہلاکت کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ نماز فرض اور سنت کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے، یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمایا:

اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب. (۲۷)

''اے ابن خطاب! اللہ تعالیٰ خیر کی طرف تمہاری مزید رہنمائی فرمائے''۔

صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے درست اجتہاد اور صحیح فتوی دینے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب فرمائی، اور دعائیہ کلمات سے نوازا (۲۸)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کی موجودگی میں فتوی

ابتدائے اسلام میں اگر کوئی مسبوق ہوجاتا تھا تو پہلے اپنی فوت شدہ رکعات ادا کرتا تھا پھر امام کے ساتھ شامل ہوتا تھا، جس میں بظاہر امام کی مخالفت نظر آتی تھی کہ امام کبھی رکوع یا سجدہ میں ہوتا، لیکن مسبوق کبھی قیام اور کبھی قعدہ میں ہوتا، ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسبوق ہوگئے، جب صف میں شامل ہوئے تو نماز میں پہلے سے شامل صحابی رضی اللہ عنہ نے ان کو اشارہ سے فوت شدہ رکعات کی تعداد بتائی، تاکہ وہ پہلے اپنی فوت شدہ رکعات کو مکمل کرلیں، پھر آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوں، لیکن آپ ﷺ نے اس پر توجہ نہیں دی، اور دل میں یہ خیال فرمایا کہ فوت شدہ رکعات کو ابھی ادا کرنے کے بجائے آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد فوت شدہ رکعات کو ادا فرمایا، آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے اجتہاد کی تصویب فرمائی اور سبھوں کو یہی طریقہ اپنانے کا حکم دیا، حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

ان معاذا سن لکم سنۃ کذلک فافعلوا۔(۲۹)

''حضرت معاذ نے تم لوگوں کے لیے بہتر طریقہ جاری کیا ہے، تم لوگ اسی طرح کیا کرو''۔

غزوۂ خندق کے موقعے سے بنو قریضہ نے عہد شکنی کر دی تھی، اور پورے عرب سے جمع شدہ لشکر خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹ گیا اور بنو قریظہ کو اس عہد شکنی کی سزا کے لیے فوج کشی کی گئی تو وہ لوگ اپنے بارے میں حضرت سعد بن معاذ ﷺ کو حکم بنایا، آپ ﷺ زخموں سے چور بستر علالت پر تھے، اسی حالت میں آپ تشریف لائے اور اپنا فیصلہ سنایا، اس فیصلہ کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد حکمت فیھم بحکم اللہ عز وجل.(۳۰)

تم نے ان لوگوں کے بارے میں اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

یہ احادیث واضح طور سے بتلاتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی صحابہ کرام ﷺ اجتہاد کرتے تھے، اور صحیح ہونے پر اس کی تصویب آپ ﷺ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا اپنی موجودگی میں صحابی ﷺ کو فیصلہ کرنے کا حکم دینا

یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی صحابہ ﷺ کی تربیت کی خاطر اپنی موجودگی میں آئے ہوئے مقدمہ کے فیصلہ کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ صحابہ ﷺ پر ڈال دیا کرتے تھے، تا کہ ان کے اجتہاد اور قوت فیصلہ کا اندازہ کیا جا سکے، اور اگر کوئی چوک ہو جائے تو اس کی اصلاح کی جا سکے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک مقدمہ آیا، آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص ﷺ کو اس کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا، انہوں نے معذرت کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر صحیح فیصلہ کرو گے تو دس نیکیاں ملیں گی، اور اگر کوشش کے بعد غلطی ہو جائے تب بھی تم کو ایک نیکی ملے گی (۳۱)

غلط اجتہاد پر تنبیہ

اور کبھی کسی صحابی ﷺ کا اجتہاد واقعہ کے خلاف ہوتا تو اس پر نکیر بھی فرماتے تھے، حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے، ہمارے ایک ساتھی کے سر میں پتھر کی چوٹ آئی، رات میں ان کو بد خوابی ہوئی، تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا کہ میرے لیے تیمم کی اجازت ہے؟ ان کو بتایا گیا کہ جب تم کو پانی کے استعمال کرنے پر قدرت ہے تو تیمم کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے غسل کر لیا، مگر پانی اس کے زخمی سر میں داخل ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا، واپسی پر نبی کریم ﷺ کے سامنے جب اس واقعہ کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

قتلوہ قتلھم اللہ الاسألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال.

''لوگوں نے ان کو مار ڈالا، اللہ تعالیٰ ان کا ناس کرے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو کیوں نہیں

اہل علم سے معلوم کرنے کی کوشش کی، عاجز آدمی کے لیے شفاء تو سوال کرنے میں ہے''۔

پھر آپ ﷺ نے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اسے زخم پر مضبوطی سے پٹی باندھ لینی چاہئے تھی، اور وہ اس پر مسح کر لیتا، اور پورے جسم پر پانی بہالیتا (۳۲)

ابوالسنابل ؓ کے اجتہاد پر نکیر

حضرت سبیعہ ؓ بنت حارث کے شوہر حضرت سعد بن خولہ کا انتقال حجۃ الوداع کے موقع سے ہوگیا تھا، حضرت سبیعہ ؓ حمل سے تھیں، کچھ دنوں کے بعد ہی وضع حمل ہوگیا، اور متوفی عنہا زوجہا کی جو عدت چار مہینہ دس دن ہوتی ہے وہ نہ ہو پائی، انہوں نے وضع حمل ہوتے ہی یہ سمجھ لیا کہ ہماری عدت ختم ہو چکی، لہٰذا اگر کوئی پیغام نکاح دے تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن حضرت ابوالسنابل ؓ کو جب ان کے ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا (۳۳)

''اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ) سے روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن''۔

کی روشنی میں یہ فرمایا کہ جب تک چار مہینہ دس دن تمہارے شوہر کی وفات پر نہ گذر جائیں اس وقت تک تم عدت میں ہو، تم کسی سے نکاح نہیں کر سکتی ہو، یہ سن کر صحیح مسئلہ کی جانکاری کے لیے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اپنا واقعہ اور حضرت ابوالسنابل ؓ کا فتوی سنایا، ساری باتوں کو سننے کے بعد آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا اس کو وہ ان الفاظ میں نقل فرماتی ہیں:

فافتانی بانی قدحللت حین وضعت حملی وامرنی بالتزوج ان بدالی. (۳۴)

''آپ ﷺ نے میرے حق میں یہ فتوی دیا کہ وضع حمل ہوتے ہی تمہاری عدت پوری ہوگئی ہے، اگر مناسب رشتہ ہو تو نکاح کر سکتی ہو''۔

گویا آپ ﷺ نے ابوالسنابل ؓ کے اجتہاد کو قبول نہیں فرمایا، اور جو واقعہ تھا اس کی وضاحت حضرت سبیعہ ؓ کے سامنے کر دی۔

حضرت اسامہ ؓ کے اجتہاد پر نکیر

حضرت اسامہ بن زید ؓ قبیلہ جہینہ کی طرف ایک فوج لے کر چلے، ایک آدمی کو جیسے ہی انہوں نے قابو میں کیا تو اس نے فوراً لاالٰہ الا اللہ پڑھ لیا، اس کے باوجود انہوں نے اسے ہلاک کر دیا، لیکن ان کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی، جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ سنایا، آپ ﷺ نے نہایت تعجب سے فرمایا: جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا تھا اس کو تم نے قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا، محض ہتھیار کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا

تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیتے کہ اس نے اخلاص سے یہ کلمہ پڑھا تھا یا نہیں؟ آپ ﷺ بار بار یہ جملہ ارشاد فرمارہے تھے حتی کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ آج ہی میں اسلام قبول کرتا، تا کہ اتنا بڑا گناہ مجھ سے حالت اسلام میں سرزد نہ ہوتا۔(۳۵)

صحابہ ﷺ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی حیات میں اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کیا کرتے تھے، بلکہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے ان حضرات نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اجتہاد کیا ہے، اور امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

حضرت ابوبکر ﷺ کا اپنے زمانہ خلافت میں معمول

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے زمانہ خلافت میں جب کوئی واقعہ پیش آتا تو سب سے پہلے ان کی نگاہ قرآن پاک کی طرف اٹھتی، اگر اس میں جواب مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے، دوسرے نمبر پر احادیث کی تلاش وجستجو فرماتے، اگر اس میں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق حکم نافذ کردیتے، اگر خود سے کامیابی نہیں ملتی تو دیگر صحابہ ﷺ سے دریافت فرماتے کہ آپ ﷺ سے منقول کوئی حدیث اس بارے میں کسی کے پاس ہے؟ اگر حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے، اگر خود سے حدیث تک رسائی نہیں ہوتی، اور نہ انفرادی طور پر معلوم کرنے سے حدیث معلوم ہوتی تو پھر صحابہ ﷺ کو جمع فرماتے ان سے مشورہ کرتے، اور جب کسی ایک رائے پر صحابہ ﷺ متفق ہوجاتے تو اسی کو نافذ کردیتے۔(۳۶)

اور اگر کوئی حدیث نہ ملتی، اور صحابہ ﷺ کا آپس میں اختلاف ہوتا تو خود بھی اجتہاد فرماتے اور آپ ﷺ کا اجتہاد سب پر فائق ہوتا، مانعین زکوۃ سے جہاد کے متعلق تمام صحابہ ﷺ کا موقف یہ تھا کہ ان سے جہاد نہ کیا جائے، حتی کہ حضرت عمر ﷺ بھی اسی رائے کے حامی بلکہ ایک گونہ اس پر مصر تھے، لیکن حضرت ابوبکر ﷺ ان سے جہاد کرنے کے حق میں تھے، اور بالآخر تمام صحابہ ﷺ نے ان کے موقف کی حمایت کی، ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مانعین زکوۃ کے تئیں آپ ﷺ کا موقف اور صحابہ کرام ﷺ کا اس رائے کی جانب رجوع کرلینا صحت استدلال اور اصابت رائے کی دلیل ہے(۳۷) اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ایک خاص موقع سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ابوبکر ﷺ غلطی کرجائیں(۳۸) علی حیدر آفندی نے ان کے بارے میں یہ بھی صراحت کی کان یصدر بعض الاحکام بناء علی اجتهاده.(۳۹)

حضرت عمر ﷺ کا اپنے زمانہ خلافت میں معمول

حضرت عمر ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا، البتہ سنت نہ ملنے کی صورت میں آپ کی نظر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے فیصلہ پر جاتی تھی، اگر اس مسئلہ میں ان کا فیصلہ ہوتا تو اسے اختیار فرماتے، ورنہ حضرات صحابہ ﷺ سے مشورہ فرماتے، بحث ومباحثہ کرتے، حتی کہ بات منقح ہوجاتی(۴۰) ذاتی طور پر خود بھی ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں قائم کرتے، ان کو بطور یادداشت لکھتے بھی تھے، اور ان میں محو واثبات بھی کرتے رہتے تھے، چنانچہ میراث کے ایک خاص مسئلہ کے متعلق ایک یادداشت مرتب کی تھی

جس کو اخیر میں مٹادیا تھا۔ (۴۱)

الغرض شیخین کے فتاوی اور فیصلے محض شخصی کاوش کا نتیجہ نہیں ہوتے تھے، عموماً صحابہ سے مشورہ کے بعد آخری شکل دی جاتی تھی، اس بنا پر ان حضرات کے اکثر قضایا اور فتاوی کی ہر جگہ پذیرائی ہوئی، اور تمام مجتہدین نے ان کو قبول کیا ہے (۴۲) یوں تو فقہاء صحابہ ؓ کی ایک بڑی تعداد تھی، اور ان سے بہت سے فتاوے منقول بھی ہیں، اور کسی موقع پر ان سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آیا ہو اور ان کے حل کرنے میں عدم دلچسپی دکھائی ہو، بلکہ اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر اس کے حل کرنے کی یا تو خود کوشش فرمائی یا پھر اپنے سے اعلم کی طرف رہنمائی فرمادی، آج ان کے فتاوی کتب حدیث وآثار میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر رواس قلعجی کو کہ انہوں نے موسوعۂ فقہ صحابہ کے نام سے صحابہ کرام ؓ کے فتاوی کو اکٹھا کرنے کا بہت ہی مبارک و مسعود کام شروع کیا ہے، متعدد صحابہ کرام ؓ کے فتاوی مستقل جلدوں میں جمع ہوگئے ہیں، اسی طرح شیخ ابوعبداللہ سید بن کسروی بن حسن کی موسوعہ آثار صحابہ ؓ بھی ایک بڑا کارنامہ ہے جس میں تمام صحابہ ؓ کے فتاوی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ بڑی محمود اور قابل تعریف کاوشیں ہیں، جن کے ذریعہ صحابہ کرام ؓ کے فتاوی واجتہادات سے استفادہ کرنے کا موقع موجودہ عہد کے اہل علم کو ملے گا، اور سلف سے علمی رابطہ زیادہ بہتر طور پر استوار ہو سکے گا۔

ائمہ اربعہ کی فقہ آج کل پوری دنیا میں رائج ہے، ان کی بنیاد عام طور پر چار صحابہ ؓ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ پر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کوفہ میں رہتے تھے، حضرت عمر ؓ نے ان کو وہاں کا معلم، قاضی اور بیت المال کا ذمہ دار بنا کر بھیجا تھا، اس لیے آپ ؓ سے اسی علاقے کے لوگوں نے زیادہ استفادہ کیا، وہاں آپ ؓ نے باقاعدہ فقہ کی تعلیم دی، آپ ؓ کے تلامذہ میں خاص طور سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ وہ آپ ؓ کے فتاوی واحکام کو لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لم یکن احد له اصحاب معروفون حرروا فتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود. (۴۳)

''عبداللہ ابن مسعودؓ کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاوی اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا۔

عبداللہ بن مسعود ؓ کے تلامذہ میں حضرت علقمہ واسود بہت نامور ہوئے، ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد میں فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہوگیا، جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس لیے فقہ حنفی کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے فتاوی و احکام پر قائم ہوئی، چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وکان ابو حنیفة رضی الله عنه الزمهم بمذهب ابراهیم واقرانه لا یجاوزه الاماشاء الله. (۴۴)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراھیم نخعی اوران کے ہم عصروں کے مذہب کے تحت تبع تھے، اوراس سے بہت کم ہٹتے تھے''۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ اور ان کے تلامذہ نے مکہ مکرمہ کو دارالعلوم بنایا تھا، اور وہاں کی سرزمین کو سیراب کیا تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جن کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے، انہوں نے آپ ﷺ کے اجتہادات سے بہت اعتناء کیا ہے، بلکہ ان کی فقہ کی زمین درحقیقت عبداللہ بن عباس کی فقہ سے تیار ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ مدینہ طیبہ میں مقیم تھے، اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے، اسی طرح حضرت زید بن ثابت ﷺ بھی مدینہ منورہ میں رہتے تھے، اوران کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، ان کے تلامذہ میں حضرت سعید بن میسب، عطاء بن یسار، عروہ، قاسم بن محمد وغیرہ نہایت ممتاز تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے انہی دو بزرگوں کے تلامذہ یعنی، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی تھی (۴۵) اس لیے انہوں نے انہی حضرات کے مذاہب پر اپنی فقہ کی بنیاد رکھی، چنانچہ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

ولذلک تری مالکا یلازم محجتهم.(۴۶)

''اس لیے تم دیکھو گے کہ امام مالک اہل مدینہ کی روش اوران کے طرز کولازم پکڑتے ہیں''۔

اور فقہ حنبلی چونکہ سابقہ تینوں فقہ کے وجود میں آنے کے بعد وجود میں آئی ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں یا پھران کے شاگردوں کے شاگردوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، اس لیے ان کی فقہ پران حضرات کے منہج کا خاص اثر پڑا ہے، اس لیے فقہ حنبلی میں بھی صحابہ ﷺ کے آثاراوران کے فتاوی سے کافی اعتناء کیا گیا ہے، اورحتی الامکان قیاس سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ فقہ حنبلی کوئی مستقل مکتب فقہ نہیں ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے، یہ بھی ایک مستقل دبستان فقہ ہے، اوران کی فقہ پرنظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ ظاہری سے اس کی قربت زیادہ ہے۔

بہرحال صحابہ کرام ﷺ اپنے فقہی ذوق اوراپنے اجتہاد کے لحاظ سے بھی امت میں فائق اورغیر معمولی احترام کے لائق ہیں، اوران کا اجتہاد بعد کے مجتہدین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قابل وثوق اور لائق اعتماد ہے، اس لیے ہر فقیہ نے ان کی آراء اور قیاس واجتہاد سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے، فقط

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین.

حوالہ جات

(۱) بخاری حدیث نمبر:۶۹،من یرد اللّٰہ بہ خیرا،الخ۔
(۲) ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۱۸، فضل العلماء والحث علی طلب العلم.
(۳) جامع الاصول حدیث نمبر:۶۳۶۹،فضائل الصحابہ۔
(۴) جامع لبیان العلم حدیث نمبر:۹۰۵،الحجۃ بالعمرۃ الخ۔
(۵) جامع بیان العلم حدیث نمبر :۸۹۵،العلم ماجاء الخ۔
(۶) جامع بیان العلم حدیث نمبر:۹۱۲،ماحدثوک عن الخ.
(۷) طبقات الفقہاء لابی اسحاق الشیرازی:۱/۳۵۔
(۸) مسلم کتاب الطھارۃ حدیث نمبر:۵۰۰۔
(۹) ابن ماجہ حدیث نمبر:۲۲۵،فضل العلماء الخ۔
(۱۰) مسند احمد:۴/۲۰۶،حدیث نمبر:۱۷۸۶۵۔
(۱۰) مسند احمد:۴/۲۰۶،حدیث نمبر:۱۷۸۶۵۔
(۱۲) بخاری کتاب العلم حدیث نمبر:۶۱۔
(۱۳) اعلام الموقعین ۱/۲۱۔
(۱۴) اعلام الموقعین :۱/۲۱۔
(۱۵) حوالہ سابق۔
(۱۶) طبقات بن سعد:۲/۳۳۵۔
(۱۷) سیر اعلام النبلاء:۱/۴۵۲۔
(۱۸) سیر اعلام النبلاء:۱/۸۶۔
(۱۹) الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ۴/۲۳۵،فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت:۲/۳۷۵۔
(۲۰) مسند ابوداؤد طیالسی حدیث نمبر:۱۱۶،احادیث علی بن ابی طالب۔
(۲۱) نسائی حدیث نمبر:۳۴۳۴،القرعۃ فی الولد اذا تنازعوا،حاشیہ السندی علی النسائی
(۲۲) ابوداؤد حدیث نمبر: ۲۸۶، فی المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت
(۲۳) مسلم حدیث نمبر:۳۳۱۷،المبادرۃ بالغزو الخ۔
(۲۴) نووی علی المسلم۔
(۲۵) بخاری حدیث ۲۹۰۹،باب من لم یخمس الاسلاب الخ۔
(۲۶) بخاری حدیث نمبر:۲۹۰۹من لم یخمس الاسلاب الخ۔
(۲۷) السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر:۳۰۴۶،باب الامام یتحول عن مکانہ اذا الخ۔
(۲۸) مرقاۃ المفاتیح:۲/۱۷۷،باب الذکر بعد الصلوۃ۔
(۲۹) ابوداؤد: ۱/۵۰۶، باب کیف الاذان مع عون المعبود۔
(۳۰) مسلم حدیث نمبر:۱۷۶۹،باب جواز قتال من نقض الخ۔
(۳۱) مسند احمد حدیث نمبر:۱۷۸۵۸۔
(۳۲) ابوداؤد حدیث نمبر:۳۳۶،باب فی المجروح یتیمم۔
(۳۳) البقرہ:۲۳۴.
(۳۴) بخاری حدیث نمبر:۳۹۹۱،باب فضل من شھد بدرا۔
(۳۵) مسلم حدیث نمبر:۹۶،باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الہ الا اللّٰہ۔
(۳۶) اعلام الموقعین:۱/۶۲،فی کلام الائمہ فی ادوات الفتیا وشروطھا۔
(۳۷) تاریخ الخلفاء:۱/۱۵۔
(۳۸) حوالہ سابق ص:۱۷۔
(۳۹) دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام:۱/۳۵۔
(۴۰) اعلام الموقعین:۱/۶۲،فی کلام الائمہ فی ادوات الفتیا وشروطھا۔
(۴۱) اعلام الموقعین:۱/۳۰۸،اخطاء اصحاب الفتی
(۴۲) حجۃ اللّٰہ البالغہ:۱/۲۷۸،باب کیفیۃ تلقی الامۃ الشرع من النبی ﷺ
(۴۳) اعلام الموقعین:۱/۲۰،الصحابۃ سادۃ المفتیین والعلماء
(۴۴) حجۃ اللّٰہ البالغہ:۱/۳۰۷،باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء
(۴۵) الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذاہب:۱/۲،فی ترجیح مذہب مالک
(۴۶) حجۃ اللّٰہ البالغہ :۱/۳۰۶،باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء

مفتی منصف صاحب بدایونی ☆

حضرات صحابہؓ اور فقہ

فقہ وفتاویٰ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے ہیں سبھی نے اپنی امتوں کی رہنمائی فرمائی ہیں اور حلال وحرام سے واقف کرایا ہے اسی کا نام فقہ وفتاویٰ ہے۔ بعض انبیاء کرام کے فتاوی خود قرآن کریم میں نقل کئے گئے ہیں، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے فتوے کا ذکر یوں ہے:

''و داؤد و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم و کنا لحکمهم شاهدین ففهمنا ها سلیمان و کلا آتیناه حکما و علما و کذالک نجزي المحسنین''(۱)

''اور داؤد وسلیمان کا تذکرہ کیجئے جب دونوں نے فیصلہ کیا ایک کھیت کے بارے میں جبکہ اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت میں جاپڑیں اور اس کو چرگئیں اور ہم اس فیصلہ کو دیکھ رہے تھے سو ہم نے اس کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور ہم نے ان دونوں کو ہی علم وحکمت عطا کی تھی اور ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

''قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بینما امرأتان معهما ابنانان لهما اذ جاء الذئب فاخذ احدالابنین فتحاکمتا الی داؤد فقضی به للکبری فخرجتا فدعا هما سلیمان فقال هاتوا السکین اشقه بینهما فقالت الصغری یرحمک الله هو ابنها لا تشقه فقضی به للصغری''

☆ استاذ حدیث والافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو عورتیں تھیں ان کے پاس ان دونوں کے بیٹے تھے اچانک بھیڑیا آیا اور دونوں بچوں میں سے ایک کو لے گیا (آخر کار) وہ دونوں فیصلہ کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئیں تو حضرت داؤدؑ نے اس بچہ کا فیصلہ ان میں سے بڑی کے حق میں کر دیا وہ دونوں نکل گئیں پھر حضرت سلیمانؑ نے ان دونوں کو بلوایا اور کہا کہ ایک چھری لاؤ اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں تو ان میں سے چھوٹی عورت بولی کہ اللہ آپ پر رحم کرے آپ اس کے دو ٹکڑے نہ کریں یہ بچہ اسی کا ہے تو حضرت سلیمانؑ نے اس بچہ کا فیصلہ چھوٹی کے لیے فرما دیا''۔

اور بھی کئی واقعے اس طرح کے ابن کثیر نے نقل کیے ہیں۔

دو جماعتوں کے کارنامے ناقابل انکار ہیں

اس سے کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا کہ دو جماعتوں کے کارنامے ہر دور میں بہت نمایاں رہے ہیں:

(۱) محدثین عظام جنھوں نے احادیث نبویہ کی روایات والفاظ کو ضبط اور جمع کرنے کا اہتمام فرمایا

(۲) دوسری جماعت فقہاء کرام کی ہے جنھوں نے آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ میں درایت سے کام لیا اور الفاظ حدیث سے کہیں زیادہ معانی نصوص میں غور وفکر کر کے احکام ومسائل کا استنباط اور استخراج کیا اور استنباط واستخراج کے اصول وضوابط کی ترتیب پر ان کی نگاہیں مرکوز رہیں۔

ہمارا مقصد دوسری جماعت سے متعلق کچھ پیش کرنا ہے۔

فقہ کے معنی

لغت میں فقہ کے معنی سمجھنا، چاہے مشکل بات ہو یا ظاہر دونوں کی سمجھ پر اس کا اطلاق ہے، بعض علماء نے فقہ کے معنی لکھے ہیں ''فهم الشئ الدقيق '' یعنی مشکل اور باریک بات کو سمجھنا، کہا جاتا ہے ''فقهت كلامک '' کہ میں آپ کی بات سمجھ گیا یہ نہیں کہا جاتا ''فقهت السماء والارض '' کہ میں آسمان اور زمین کو سمجھ گیا کیونکہ یہ دونوں واضح اور ظاہر ہیں۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں فقہ کی مختلف ادوار کے اعتبار سے مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ابتداءً جب فقہ کا اطلاق تقریباً تشریع کے معنی میں ہوتا تھا جس میں عقائد، عبادات اور معاملات سبھی شامل تھے تو فقہ کی تعریف کی گئی: ''الفقه هو معرفة النفس مالها وما عليها ''(۲) بعد کے دور میں جب علم عقائد کو مستقل الگ فن کی شکل دے دی گئی اور اس کو علم الکلام، علم التوحید والصفات

اور علم العقائد کے نام سے موسوم کر دیا گیا تو علم فقہ کی تعریف کی گئی ''الفقہ ہو علم بالاحکام الفرعیۃ العملیۃ بالأدلۃ التفصیلیۃ'' (۳) یعنی احکام فرعیہ علمیہ کو دلائل تفصیلیہ سے جاننے کا نام علم فقہ ہے۔ صاحب بحرالرائق نے فقہ اور تفقہ کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"اعلم ان معنى الفقه فى اللغة الوقوف والاطلاع و فى الشريعة الوقوف الخاص وهو الوقوف على معانى النصوص واشاراتها و دلالاتها و مضمراتها و مقتضياتها و الفقيه اسم للواقف عليه" (۴)

'' جاننا چاہئے کہ فقہ کے معنی لغت میں واقف ہونا اور مطلع ہونے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں خاص قسم کی واقفیت کا نام فقہ ہے یعنی نصوص شرعیہ کے معانی، ان کے اشارات، دلالات، مضمرات اور مقتضیات سے واقف ہونا یہ تو فقہ ہے اور جو ان سے واقف ہو اس کا نام فقیہ ہے''

مطلب یہ ہے کہ نصوص یعنی وحی و نبوت کی معلومات خواہ وہ کتاب اللہ (قرآن کریم) سے حاصل ہوں یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہوں، ان معلومات میں جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا جن کی طرف وہ راہ نمائی کرتی ہوں یا ان کے جامع و مانع الفاظ کی کلیت میں جو باتیں مضمر اور پوشیدہ ہوں یا جن امور کی وہ مقتضی ہوں ان ہی چیزوں کا نام شرعی اصطلاح میں فقہ ہے۔ یعنی فقہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریعت میں اپنی عقل سے کسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے بلکہ نصوص شرعیہ (کتاب وسنت) کے احکام ونتائج میں جو علل واسباب اور مقاصد مضمر اور پوشیدہ تھے عقل ان کو نکالتی ہے اور پھر نئے پیش آنے والے مسائل کا حکم ان سے معلوم کرتی ہے عقل کی اسی کوشش کا نام تفقہ واجتہاد ہے۔

الحاصل تفقہ اور اجتہاد سے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ انہیں چیزوں کا ظاہر کرنا ہوتا ہے جن پر نصوص مشتمل ہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر پیش آنے والے مسئلہ اور مشکل کا حل قرآن وسنت کی نصوص میں صراحتاً مل جائے یہ نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ نصوصِ کتاب وسنت محدود ہیں اور پیش آنے والے مسائل وحوادثات لامحدود ہیں چارو ناچار قرآن وسنت میں موجود اصول وضوابط کی تطبیق ان حوادثات وواقعات پر کرنا پڑے گی۔

فقہ دور نبوی میں

فقہ وفتاوی کا کام دور نبوی سے لے کر اب تک زبانی اور تحریری دونوں طرح چلا آ رہا ہے، زبانی فتوں کی مثالیں احادیث کے ذخیرہ میں بکثرت موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے کسی صحابی نے یہ سوال کیا تو آپ نے یہ جواب دیا اور تحریراً فتوے پر ترمذی شریف کی یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سبزیوں کے عشر سے متعلق سوال لکھ کر بھیجا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا جواب تحریراً ارسال فرمایا تھا۔ خصوصاً جبکہ سائل مدینہ

(دارالخلافۃ) سے باہر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحریراً جواب ارسال فرماتے۔

"عن معاذ بن جبلؓ انہ کتب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یَسْئَلُہ عن الخضراوات و ھی البقول فقال لیس فیھا شئ" (۵)

دورنبوی میں فتوے کا محوروحی الٰہی تھا

دوررسالت میں فقہ وفتاوی کی اساس وحی الٰہی پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسائل اورامورشرعیہ کے بیان کرنے میں پورااعتماد وحی الٰہی پر فرمایا کرتے تھے، چاہے وہ وحی متلو(قرآن کریم) ہو یا وحی غیر متلو(احادیث مبارکہ)

"وان مرجعہ فی التشریع کان الوحی بقسیمیہ المتلو وھوالقران و غیر المتلو فھوالسنۃ" (۶)

چنانچہ جب بھی آپ سے سوال کیا جاتا تو اگر اس کا جواب آپ کے پاس ہے تو عنایت فرما دیتے ورنہ وحی کا انتظار کرتے۔اکثر احکامات کی آیتیں صحابہ کرامؓ کے سوالات کے جواب میں ہی نازل ہوئی ہیں،احکام کی ان آیتوں کی تعداد بہت کم ہے جو بغیر کسی واقعہ اور بغیر کسی سوال کے نازل ہوئی ہوں اور حضرات مفسرین کرام نے ان کا کوئی سبب نزول بیان نہ کیا ہو۔

"اما الاحکام التی انزلت بدون حادث او سوال فقلیلۃ و قلمانری حکمالن یذکرلھا المفسرون حادثا انزل الحکم مرتباعلیہ" (۷)

اجتہادنبوی

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دورنبوی میں فقہ وفتاوی کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات اجتہاد بھی کیا ہے اور رای سے بھی حکم صادر فرمایا ہے کبھی ایسا ہوتا کہ سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال کیا اور اس سوال سے متعلق آپ کے پاس معلومات نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کے وحی لانے کا انتظار کرتے؛لیکن جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا اور وحی نازل نہ ہوتی تو آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے اگر وہ حکم صحیح ہوتا تو اس کی باقی رکھا جاتا ورنہ خطا اجتہادی پر متنبہ کر دیا جاتا:

"و اصح الاقاویل عندنا انہ علیہ السلام فیماکان یبتلیٰ بہ من الحوادث التی لیس فیھا وحی منزل کان ینتظر الوحی الی ان تمضی مدۃ الانتظار ثم کان یعمل بالرای والاجتہاد و یبین الحکم بہ" (۸)

اجتہادنبوی کی مثال

(۱)　سورۃ التحریم کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول جو مفسرین عظام نے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اپنی رای اور اجتہاد سے حرام کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطا اجتہادی پر متنبہ کیا اور صحیح طریقہ پر گامزن فرمایا۔

(۲) جنگ بدر کے قیدیوں سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کیا تو دو رائیں سامنے آئیں ایک یہ کہ قیدیوں سے فدیہ لے کران کو رہا کر دیا جائے یہ رای حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور دیگر صحابہ کرام ؓ کی تھی دوسری رای حضرت عمر ؓ کی تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی رای کو ترجیح دی اور قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر دیا، لیے ہوئے فدیہ کو ناجائز تو نہیں قرار دیا گیا البتہ اس رای کے خلاف مصلحت ہونے ،اور حضرت عمر ؓ کی موافقت میں وحی نازل فرمادی گئی:

''ما كان لنبي ان يكون له اسرىٰ حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة .الاية'' (۹)

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خونریزی نہ کرلیں تم دنیا کے سازوسامان کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی اور بھی کئی مثالیں ہیں لیکن انہی دو مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کا اجتہاد کرنا

پہلی مثال: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں منقول ہے کہ ایک سفر میں وہ اور حضرت عمر ؓ ایک ساتھ تھے دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی پانی نہ ملنے کی صورت میں وضو کی جگہ تیمم کا حکم نازل ہو چکا تھا لیکن غسل کی صورت میں اگر پانی نہ ملے تو کیا کریں؟ اس کا حکم قرآن کریم میں صراحتاً نازل نہیں ہوا تھا تو حضرت عمر ؓ نے تو نماز کو موقوف کیا پانی ملنے تک، اور حضرت عمار بن یاسر ؓ نے وضو والے تیمم پر قیاس کر کے یہ کیا کہ زمین پر لوٹ لگائی (اور پورے بدن پر مٹی ملی) جیسے چوپایا لوٹ لگاتا ہے:

''فتمرغت في الصعيد كما تمرغ الدابة ثم اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذالك له فقال انما كان يكفيك ان تقول بيديك هكذا'' (۱۰)

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اجتہاد کو بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ بس ایسا کرتے (یعنی وضو والے تیمم کی طرح ہاتھ مار کر اشارہ کیا کہ غسل کے لیے بھی اتنا ہی تیمم کافی ہے پورے بدن پر مٹی ملنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

دوسری مثال: حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اے معاذ! تمہارے سامنے جب کوئی مسئلہ آئے گا تو فیصلہ کیسے کروگے تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر اس میں نہ پایا تو؟ تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ اگر اس میں بھی نہ پایا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا کہ پھر میں اپنی رای سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، (حق کی جستجو میں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''فضرب رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ لمایرضی رسول اللہ''

حضرت معاذ بن جبلؓ کے سینے پر آپ نے (فرط مسرت میں) ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے رسول (قاصد وپیغمبر) کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا جواب سن کر یہ نہیں فرمایا کہ اے معاذ تم اجتہاد سے لوگوں کو مسئلہ بتاؤ گے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؛ بلکہ ان کے جواب پر اللہ کی تعریف بیان کی۔

فقہ خلفاء راشدین اور کبار صحابہ کے دور میں

۱۱ھ سے ۴۰ھ تک کا دور خلفاء راشدین اور کبار صحابہ کا ہے یہ فقہ کے عروج اور ارتقاء کا دور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات اسلامیہ کا جو لامتناہی سلسلہ شروع ہوا خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ہر روز کوئی نہ کوئی علاقہ مملکت اسلامیہ میں داخل ہوکر اس کا جز بن جاتا اس طرح مسلمانوں کا دوسری اقوام سے اختلاط بڑھتا گیا روزانہ نت نئے واقعات وحوادثات سامنے آنے لگے کیونکہ ہر قوم کا مخصوص اخلاق وعادات اور مخصوص نظام حیات ہوتا تھا اور انہی اطوار وعادات پر ان کے معاشرتی ومعاملاتی نظام کا مدار تھا۔ ان نت نئے مسائل کے شرعی حل نے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث میں غور وخوض کرنے کا موقع فراہم کیا چنانچہ حضرات خلفاء راشدین اور فقہ وفتاوی کی لیاقت رکھنے والے حضرات صحابہ کرام نے قرآن وحدیث کے اصول وقواعد اور جزئیات کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کا استنباط واستخراج کیا۔

نئے مسائل کے اجتہاد واستنباط میں صحابہ کا منہج

خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی فیصلہ آتا تو سب سے پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش فرماتے ناکامی کی صورت میں جو احادیث مبارکہ آپ کے حافظہ میں ہوتیں ان میں غور وفکر کرتے ان میں بھی اگر حکم نہیں ملتا تو آپ صحابہ کے مجمع

میں تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ میرے پاس ایسا ایسا مسئلہ آیا ہے اگر اس سلسلہ میں کسی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد ہوتو بتلائے کبھی تو ایسا ہوتا کہ مجمع میں بہت سے صحابہؓ بول اُٹھتے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اور مسئلہ حل ہو جاتا اور کبھی کوئی جواب نہی ملتا تو پھر آپ کبار صحابہ اور فقہاء صحابہ کا اجتماع بلاتے اور پیش آمدہ مسئلہ میں ان سے رای اور مشورہ کرتے اور جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو جاتا وہی مسئلہ کا حل قرار پاتا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا منہج اور طریقہ کار بھی یہی تھا کہ پہلے کسی مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں تلاش فرماتے پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اگر اس میں بھی نہ ملتا تو پھر تیسرے نمبر پر خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں پر نظر ڈالتے اگر ان میں کوئی مثال یا نظیر مل جاتی تو وہی مسئلہ کا حل ہوتا ورنہ تو پھر صحابہ کا اجماع بلاتے اور جس پر اتفاق ہو جاتا وہی فیصلہ صادر فرمادیا جاتا۔

الغرض خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک فقہ وفتاویٰ کے مأخذ چار تھے۔:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) رای اور قیاس

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اجماع وجود کے اعتبار سے تو قیاس سے مؤخر ہے لیکن ترتیب میں قیاس سے پہلے ہے۔

فتویٰ دینے والے صحابہ

یہ بات مسلم ہے کہ نصوص شرعیہ (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ) سے اصول وکلیات کا استنباط اور جزوی واقعات و حوادثات پر انکا انطباق ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کے متعلق کتابوں میں اسلامی نصوص کے سمجھنے سے متعلق جو واقعات منقول ہیں انہی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کام ہر شخص کا نہیں ہے۔

ایک عربی زبان کے عالم کو لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ استنجاء کرتے ہیں تو باقاعدہ وضو کرتے ہیں اور پھر تین رکعت نماز پڑھتے ہیں کسی نے دریافت کرلیا کہ یہ جو آپ استنجاء کرنے کے بعد نماز پڑھتے ہیں یہ کیسی نماز ہے بڑے غصہ میں آکر جواب دیا کہ لوگوں کو حدیث کا علم نہ ہوتو میں کیا کروں پوچھا گیا وہ کونسی حدیث ہے تو مشہور حدیث ''من استجمر فلیوتر '' (جو استنجاء میں ڈھیلا استعمال کرے تو وہ طاق عدد استعمال کرے) پڑھ کر سنائی اور صحاح میں نکال کر اسے دکھادیا حالانکہ ان سے مغالطہ یہ ہوا کہ فلیوتر جس کا ترجمہ ہے کہ طاق عدد ڈھیلے استعمال کرے اسی فلیوتر کا ترجمہ انہوں نے سمجھ لیا کہ وتر کی نماز پڑھے۔

احادیث شریفہ میں کئی مثالیں اس طرح کی ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فہم حدیث وقرآن میں تمام صحابہؓ برابر نہ تھے مثلاً آیت کریمہ ''حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود '' (۱۱) کا مطلب ایک صحابی رسول نے یہ خیال فرمالیا کہ اس سے مراد سیاہ اور سفید دھاگے ہیں؛ لہٰذا وہ دو کالے اور سفید دھاگے لے کر تکیہ کے نیچے رکھ کر سوگئے لیکن اس سے صبح صادق کے بارے میں جب کچھ پتہ نہ چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ ''ان وسادتک لعریض'' تمہارا

تکیہ تو بڑا چوڑا ہے، یعنی اس سے مراد تورات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے تم نے ان دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے دبالیا۔

اس لیے فقہ و فتاویٰ میں وہی صحابہ کرامؓ قابل اعتبار مانے گئے جنھوں نے قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا، سیکھا اور سمجھا اور اس کے معنی و مطلب، ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول وغیرہ علوم کو حاصل کیا۔ ان صحابہ کرام کو اصحاب فتوی شمار کیا جاتا ہے جن کی تعداد ایک سو تیس سے زائد تھی جن میں مرد و عورت دونوں شامل تھے:

''والذین حفظت عنهم الفتوی من اصحاب رسول الله مأة و نیف و ثلاثون نفسا مابین رجل وا مرأة'' (۱۲)

دور رسالت میں فتویٰ دینے والے صحابہ کرامؓ:

ان میں سے چودہ حضرات صحابہ کرام ایسے ہیں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی فتوے کا کام انجام دیا ہے۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر فاروقؓ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت علی مرتضیٰؓ (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۶) حضرت معاذ بن جبلؓ (۷) حضرت زید بن ثابتؓ (۸) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۹) حضرت ابی بن کعبؓ (۱۰) حضرت عبادۃ بن الصامتؓ (۱۱) حضرت ابوالدرداءؓ (۱۲) حضرت حذیفۃ بن الیمانؓ (۱۳) حضرت عثمان غنیؓ (۱۴) حضرت عمار بن یاسرؓ۔ (۱۳)

ان حضرات کا آپ کی حیات میں فتوی دینا گویا ایک طرح سے اگلے دور کے لیے مجتہدین کی جماعت تیار کرنا تھی اور فتوی دینے کی مشق کرانا تھی۔

مکثرین فی الفتاوی صحابہ کرام

سات صحابہ کرامؓ مکثرین فی الفتاویٰ کہلاتے ہیں اگر ان کے فتاویٰ کو مستقل کتابوں میں جمع کیا جائے تو کئی ضخیم کتابوں کی شکل میں تیار ہوں گے۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن موسی نے صرف عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوی کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے (۱۴) وہ سات صحابہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حضرت عمر فاروقؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵) حضرت زید بن ثابتؓ (۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

فقہ و فتاویٰ میں متوسط درجہ کے صحابہ کرام

وہ صحابہ کرام جن سے بہت زیادہ فتاوی منقول نہیں ہے اور بہت کم بھی نہیں بلکہ قلت و کثرت کے بین بین ہیں ان کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے: (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت ام سلمہؓ (۳) حضرت انس بن مالکؓ (۴) حضرت ابوسعید خدریؓ (۵) حضرت ابوہریرۃؓ (۶) حضرت عثمان غنیؓ (۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۸) حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ (۹) حضرت

ابوموسیٰ اشعریؓ (۱۰) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۱۱) حضرت سلمان فارسیؓ (۱۲) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۱۳) حضرت معاذ بن جبلؓ۔

وہ صحابہ کرام جو مقلین فی الفتوی کہلاتے ہیں: ایسے صحابہ کرام جن سے صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں وہ مقلین فی الفتوی کہے جاتے ہیں ان کی تعداد ایک سو چھبیس (۱۲۶) ہے ان میں اکثر مرد ہیں جبکہ بیس عورتیں بھی اس تعداد میں شامل ہیں جن سے ایک دو یا تین مسئلوں میں فتوی دینا ثابت ہے۔ (۱۵)

معروف مجتہدین صحابہ کرام

رائ اور اجتہاد سے فتوی دینے میں سب سے زیادہ مہارت خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کو تھی دوسرے صحابہ کرام کے مقابلہ میں یہ کام انھوں نے کچھ زیادہ ہی انجام دیا ہے، ان کے اجتہاد ورائ سے فتوی دینے میں مہارت کی روشن دلیل ان کا وہ پیغام ہے جو انھوں نے حضرت ابوموسی اشعریؓ بصرہ کے قاضی کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت عمرؓ کا وہ خط کافی لمبا ہے اس میں ہماری بحث سے متعلق یہ جز ہے:

"الفهم الفهم فيما تلجلج في صدرك مما ليس في كتاب الله ولا سنة النبي صلى الله عليه و سلم ثم اعرف الاشباه والا مثال فقس الامور عند ذالك بنظائرها و اعمد الى اقربها الى الله و اشبهها بالحق" (۱٦)

جو مسئلہ تمہیں کتاب وسنت میں نہ ملے اور اس سے متعلق تمہارے دل میں شبہ ہو تو اس کے مشابہ اور ہم مشکل مسائل کو حاصل کرو اور ان نظیروں پر تم قیاس کرو اور جو امر اللہ کے حکم کے زیادہ قریب اور حق سے زیادہ مشابہ ہو اسے اختیار کرلو۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس طرح کے خطوط دوسرے قضاۃ کے پاس بھی بھیجے تھے قاضی شریح کوفہ کے قاضی کے پاس آپ نے جو خط بھیجا تھا اس کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جو صحابہ کرام فقہ وفتاویٰ کے کام میں مشغول تھے سبھی نے اجتہاد سے کام لیا ہے؛ لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی چند مثالیں

سرزمین فارس کے اہل قری پر جزیہ کا تعین، واقعہ ہجرت سے اسلامی تاریخ اور سن کا آغاز، مسلمانوں کے لیے بیت المال کا نظم، اور تراویح کی نماز میں ایک امام کے پیچھے مسجد میں سب لوگوں اکٹھا کرنا اس میں آپ کا اجتہاد یہ ہے کہ تمام صحابہ کو جمع کر کے نماز تراویح کو باقاعدہ جماعت کے ساتھ شروع کرایا ورنہ تراویح کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولا ترغیب بھی دی

ہے۔''من قام رمضان ایماناو احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ''(۱۷) اور عملاً کئی رات آپ نے با جماعت نماز پڑھائی بھی ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے ذوق وشوق کو دیکھ کر اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ نماز ان پر فرض نہ کر دی جائے آپ نے تین یا چار راتوں کے بعد جماعت سے تراویح کی نماز نہیں پڑھائی (۱۸) لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فرضیت کا اندیشہ نہیں رہا تو حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کر کے باقاعدہ تراویح کی نماز با جماعت ادا کرنے کا حکم دیا اور سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔

اجتہاد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا منہج

صحابہ کرام میں سے جو اصحاب فقہ وفتوی ہیں انہیں وادیٔ اجتہاد کی سیر بہر حال کرنا پڑی ہے اور اجتہاد کے سلسلہ میں مختلف صحابہ کرام کا مختلف نہج رہا ہے عبداللہ بن مسعودؓ کا نہج ان کے اس ارشاد سے بالکل واضح اور منقح ہو جاتا ہے فرماتے ہیں:

''فمن عرض له منكم قضاء بعداليوم فليقض بمافي كتاب الله فان جاءه امرليس في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه و سلم فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولاقضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولاقضى به نبيه صلى الله عليه وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهد برايه'' (۱۹)

آج کے بعد جس شخص کو قاضی بنایا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں اگر فیصلہ موجود ہو تو اس پر فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسا کوئی فیصلہ فرمایا ہے تو صالحین کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی معاملہ ایسا آجائے کہ نہ اس کا حکم کتاب اللہ میں ہے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا فیصلہ کیا ہے اور نہ صالحین کے فیصلوں میں اس کی مثال موجود ہے تو وہ پھر وہ اپنی رائی سے اجتہاد کرے۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ''متوفى عنها زوجها قبل الدخول ''یعنی اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جس کے شوہر کا انتقال دخول سے پہلے ہو جائے اور اس کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو کتنا مہر دیا جائے گا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''لهامثل صداق نسائها لاوكس ولا شطط و عليها العدة ولها الميراث ''کہ اس کو مہر مثل ملے گا نہ اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی اور اسے وراثت میں حصہ بھی ملے گا، ایک صحابی معقل بن سنان اشجعی

نے کہا کہ ٹھیک آپ کے فیصلہ جیسا فیصلہ ہمارے قبیلہ کی ایک عورت، بروع بنت واشق کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت خوش ہوئے کہ میرا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی موافقت کر گیا۔ (۲۰)

رای اور اجتہاد سے دیا ہوا فتوی اگر صحیح اور درست ہوتا تو حضرات صحابہ کرام اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتے اور اگر غلط ہوتا تو اس کو اپنی طرف منسوب کرتے اور اللہ تعالی سے استغفار کرتے یہی معمول تھا حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا ''ان ابابکر کان یقول اذا اجتهد برایه هذا رائی فان یکن صوابا فمن الله و ان یکن خطأ فمنی و استغفر الله'' حضرت عمر فاروقؓ کے منشی نے ایک مرتبہ یہ لکھ دیا ''هذا ماراى الله و رای عمر'' یہ رائے اللہ کی ہے اور عمر کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہیں یوں لکھنا چاہئے تھا ''هذا مار ای عمر فان یکن صوبا فمن الله و ان یکن خطأ فمن عمر'' یہ رائے اگر درست ہو تو اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اگر اس میں خطا سرزد ہوئی ہے تو عمر کی طرف سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب سے پہلے یہ فرمایا:

''اقول فیها برائی فان یکن صوابافمن الله و ان یکن خطأ فمنی و من الشیطان والله و رسوله بریٔ منه.''

میں اس سوال کا جواب اپنی رای سے دے رہا ہوں اگر صحیح ہوا تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (۲۱)

البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مخصوص صحابہ کرام کو حدیث کے لکھنے کی اجازت دی تھی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے احادیث کا ایک مجموعہ الصادقہ کے نام سے جمع کیا تھا۔ لیکن حدیث وفقہ کی باضابطہ تدوین اس زمانہ میں نہیں ہوئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی شکل میں سب سے پہلے فقہ کی تدوین ہوئی اور احادیث رسول یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض صحابہ نے لکھی تھیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ کے صحیفوں کا ذکر مسند احمد وغیرہ میں ہے لیکن باضابطہ حدیث کی تدوین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں کرائی اور پھر فقہی ترتیب پر حدیث کی تدوین امام مالکؒ نے سب سے پہلے کی، اور علم فقہ کی تدوین موجودہ ترتیب کے مطابق (عبادات معاملات وعقوبات) کتاب در کتاب، باب در باب، اور فصل در فصل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے نامور تلامذہ کرام کے ساتھ ملکر کی، اسی لئے انکو فقہ کا مدون اول کہا جاتا ہے:

فاول من دون الفقه والقانون الاسلامی ابوحنیفةؒ (۲۲)

اسی بنا پر امام شافعیؒ نے فرمایا: من اراد الفقه فهو علیٰ ابی حنیفةؒ جو شخص بھی فقہ حاصل کرنا چاہے تو وہ امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے۔

رائے محمود اور رائے مذموم

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رائے اور اجتہاد کا استعمال حضرات خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ نے ضرورت کے وقت کیا ہے؛ لیکن وہیں کچھ صحابہ کرام سے رائے کی مذمت کے سلسلہ میں بھی کتابوں میں اقوال ملتے ہیں تو یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے جہاں کہیں رائے اور اجتہاد کو اختیار کیا ہے تو ضرورت اور حاجت کے وقت نہایت خشیت الٰہی اور احتیاط کے ساتھ کیا ہے اور رای کی جو مذمت منقول ہے وہ اس لیے تاکہ لوگ بلاضرورت اور بغیر علم کے رای زنی کرنے پر کہیں جری نہ ہوجائیں اور بسا اوقات غیر دین کو دین میں داخل کرنے سے بھی نہ چوکیں۔

الغرض رای مذموم وہ رای کہلائے گی جس میں مفتی اتباع ہوی اور خواہش نفس کا شکار ہوجائے اور ایسا فتوی صادر کرے جس کی اسلام میں کوئی اصل نہ ہو:

''فالمذموم انما هو اتباع الهوی فی الفتوی مع عدم الاستنادالیٰ اصل من الدين يرجع اليه''

اور رای محمود وہ رای ہے جس کی تعریف حضرت فاروقؓ نے اپنے مکتوب میں فرمائی ہے ''اعرف الاشباه والامثال ثم قس الامور عندذالک'' (۲۳)

دور نبوی میں فقہ کے مدون نہ ہونے کی وجہ

ذکر کردہ مثالوں سے یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ فقہ اسلامی کی ابتداء شروع اسلام سے ہوئی ہے لیکن اس کی تدوین دور نبوی سے اس لیے نہیں ہوئی کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے علاوہ دیگر چیزوں (حدیث وفقہ) کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا (۲۴) اس اندیشہ سے کہ کہیں قرآن کا غیر قرآن کے ساتھ اختلاط نہ ہوجائے اور سابقہ آسمانی کتابوں کی طرح انبیاء وصلحاء کے کلاموں کے ساتھ خلط ملط ہوکر ضائع نہ ہوجائے۔

حوالہ جات

(۱) سورۃ الانبیاء آیت ۷۸
(۲) فواتح مع مستصفی
(۳) مقدمۃ الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/۱
(۴) مقدمہ البحر الرائق
(۵) ترمذی ۸۱/۱
(۶) تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۴
(۷) تاریخ التشریع الاسلامی ص ۱۳
(۸) اصول السرخی ۹۱/۱
(۹) سورۃ الانفال ۶۷/
(۱۰) صحیح مسلم ۱۶۱/۱
(۱۱) سورۃ البقرہ ۱۸۷
(۱۲) اعلام الموقعین ۲۱/۱
(۱۳) الفکر السامی ۱۷۰/۱ تا ۱۷۳، بحوالہ اودھ میں افتاء کے مراکز ۸۴/۱
(۱۴) اعلام الموقعین ۲۱/۱
(۱۵) اعلام الموقعین ۱۴/۱
(۱۶) المدخل الفقھی العام :۸۰/۱
(۱۷) صحیح مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان ۲۵۹
(۱۸) صحیح مسلم ۲۵۹/۱
(۱۹) سنن نسائی ۲۰۵/۲
(۲۰) ترمذی ۳۶/۲
(۲۱) تاریخ التشریع الاسلامی ۹۰ بحوالہ اودھ میں افتاء کے مراکز
(۲۲) مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ
(۲۳) المدخل الفقہی العام ۸۰/۱
(۲۴) مسلم ۴۱۴/۲

مولانا امانت علی صاحب قاسمی☆

منصب افتاء پر فائز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اسلام قانون فطرت ہے اور انسانیت کی ہدایت اور ابدی نجات کا ضامن بھی، یہ وہ جامع اور مکمل دین ہے جس کا کوئی گوشہ تشنۂ کام نہیں، اس کی شفافیت اور پاکیزگی مسلم ہے، اس نے دنیا اور دنیا میں زندگی گذارنے کے تعلق سے ایک خاص تصور دیا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اس کو کبھی بقاء و دوام نہیں اس لیے انسان کی نگاہ ہمیشہ اس منزل پر ہونی چاہئے جس کو دوام حاصل ہے، اسی طرح اسلام نے اس فانی دنیا میں زندگی گذارتے ہوئے اخروی جزا و سزا، جنت و جہنم اور کامیابی و ناکامی کا تصور دیا ہے، مسلمان اس فانی دنیا میں آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں وہ حکم خداوندی کا محتاج ہے اور بحیثیت مسلمان اس کی ذمہ داری ہے کہ جب بھی اس کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اس کی حلت و حرمت کا قطعی علم اسے نہ ہو تو وہ علماء و فقہاء سے اس سلسلہ میں ''حکم خدا'' کو معلوم کرے اور اس پر عمل کرے، پیش آمدہ مسائل میں اللہ کی رضا و خوشنودی معلوم کرنے کو شریعت کی اصطلاح میں ''استفتاء'' اور حکم خداوندی سے آگاہ کرنے کو ''افتاء'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

افتاء کی لغوی اور شرعی تعریف

افتاء کے لغوی معنی ہیں کسی بھی سوال کا جواب دینا؛ خواہ اس کا تعلق حکم شرعی سے ہو یا کسی دنیوی معاملے سے، اور شریعت کی اصطلاح میں افتاء کہتے ہیں کسی دینی اور شرعی مسئلہ کے بارے میں ادلۂ شرعیہ کے ذریعہ حکم خداوندی اور منشاء الٰہی سے واقف کرانا، ''المصباح'' کے مصنف افتاء کے لغوی اور شرعی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> معنى الإفتاء في اللغة: هو الجواب لأى سوال كان؛ سواء كان متعلقا بالأحكام الشرعية أو بغيرها من المعاملات الأخرى الدنيوية المحضة ويؤخذ مما قال علماء الفقه الإسلامي وأصوله أن الإفتاء: هو الإخبار بحكم الله تعالىٰ عن مسئلة بمقتضى الأدلة الشرعية لمن سأل عنه. (۱)

☆ استاذ دارالعلوم حیدرآباد

دین کے مخصوص خدام

یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء کرام کے دو طبقے مخصوص طور پر دین کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے ہیں ایک محدثین کا طبقہ ہے، جن کا مشغلہ احادیث نبوی کی حفاظت وصیانت ہے یعنی اس طبقہ کو احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام رہا اور انہوں نے اسناد اور الفاظ حدیث پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا طبقہ فقہاء امت کا ہے، جنھوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل واحکام کا استخراج کیا اور الفاظ حدیث سے زیادہ معانی اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔ (۲)

ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی

مفتیوں کا تعلق اسی دوسرے طبقہ سے ہے، اور اس امت کے پہلے مفتی اعظم خود رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے؛ اس لیے کہ بندوں کو امر الٰہی اور حکم خداوندی سے واقف کرانا انبیاء کرام کی مقدس جماعت کے واسطہ سے ہی ہوا ہے، اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ انسانیت کا رشتہ رب العالمین سے جوڑا جائے، مخلوق کو خالق سے ملایا جائے، اور بندوں کو رب کے احکام بتا کر حکم خدا پر لگایا جائے اس لیے اس عظیم الشان فریضے کو سب سے پہلے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا اور یہ دولت آپ تک خود رب العالمین کی جانب سے پہونچی تھی، قرآن پاک میں لفظ ''افتاء'' خود حق جل مجدہ کے لیے استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے:

يستفتونك في النساء قل الله يفتيكم فيهن وما يتلى عليكم في الكتاب. (۳)

لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتا ہے اور وہ آیات بھی جو قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

کلالہ کے سلسلہ میں آیت نازل ہوئی:

يستفتونك، قل الله يفتيكم في الكلالة. (۴)

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے سلسلہ میں حکم دیتا ہے۔

ان آیتوں کو پڑھتے چلئے تو صاف معلوم ہوگا کہ ان آیتوں میں افتاء کی نسبت خود اللہ رب العزت کی طرف کی گئی ہے، اس سے اس منصب کی عظمت اور جلالت شان کا بھی اندازہ ہوتا ہے، علامہ ابن القیم اپنی شہرہ آفاق تالیف ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

اول من قام بمنصب الإفتاء سيد المرسلين، خاتم النبيين صلى الله عليه وسلم

فكان يفتي عن الله سبحانه وتعالى بوحيه المبين وكانت فتاواه عليه السلام جوامع الأحكام وهي اكبر ماخذ للشريعة الإسلامية بعد القرآن. (۵)

سب سے پہلے منصب افتاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی مبین کے ذریعہ فتوی دیتے تھے اور آپ کے فتاوی جامع الاحکام اور قرآن کے بعد شریعت کے سب سے بڑے ماخذ ہیں۔

چنانچہ عہد نبوی میں جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو صحابہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی روشنی میں سب کو شاد کام فرماتے ان سولات و جوابات کا بڑا ذخیرہ کتب حدیث میں محفوظ ہے اور علماء نے اس حصہ کو علیحدہ جمع کرنے کی بھی سعی پیہم کی ہے چنانچہ حیدرآباد کے شیخ عبدالرحمن مقیم حال جدہ نے ''فتاوی الرسول الاکرم'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو فتاوی کو جمع فرما دیا ہے جو ایک قیمتی ذخیرہ ہے اور اس موضوع پر ایک اہم باب کا اضافہ۔

عہد نبوی میں صاحب فتاوی صحابہ کرامؓ

اسلام جب کہ ابتدائی دور سے گزر رہا تھا اور مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی، مسلمان ابھی اچھی طرح شریعت اور اسلامی تعلیمات سے واقف بھی نہ تھے اور مسلمانوں کا مدینہ اور اطراف مدینہ میں ہونے کی وجہ سے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کا حل معلوم کرنا کوئی دشوار امر نہ تھا، اس لیے ابتدائی زمانہ میں تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فریضہ کو انجام دیتے تھے؛ لیکن جب اسلام فاران کی چوٹی سے باہر نکلا اور اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا، دور دراز علاقوں میں اسلام کی بازگشت سنائی دینے لگی، مدینہ اور اطراف مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، اور بلاد بعیدہ سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں آنا اور سوال معلوم کرنا سیاسی و معاشی ہر دو لحاظ سے دشوار ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم صحابہ کو لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان علاقوں میں بھیجا، صحابہ کرامؓ نے وہاں جا کر لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دی اور منصب افتاء کے فرائض حسن وخوبی کے ساتھ انجام دئے؛ چنانچہ المصباح کے مصنف لکھتے ہیں:

ولم يكن أحد في عهد رسول الله يشتغل بمنصب الإفتاء غيره غير انه عليه السلام ربما بعث بعض الصحابة إلى البلاد النائية فأذن لهم بالإفتاء والقضاء كما بعث معاذ بن جبل. (٦)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے علاوہ کوئی بھی اس منصب پر فائز نہ تھا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کو دور دراز علاقوں میں بھیجتے تو ان کو افتاء اور قضاء کی بھی ذمہ داری عطا

فرماتے۔

ابن سعد نے طبقات میں سہل بن خیثمہ کے حوالے سے ان صحابہ کرامؓ کے اسماء کو ذکر کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس منصب پر فائز تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

كان الذين يفتون على عهد رسول الله ثلاثة نفر من المهاجرين وثلاثة من الأنصار عمر و عثمان و على وابى بن كعب ومعاذ بن جبل وزيد بن ثابت. (۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مہاجرین صحابہ میں حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی اور انصار صحابہ میں حضرت ابی بن کعب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فتوی دیا کرتے تھے۔

ابن سعد کی طبقات میں ہی کعب بن مالک کا قول منقول ہے:

كان معاذ بن جبل يفتى بالمدينة فى حياة الرسول وابى بكر. (۸)

حضرت معاذؓ حضور کی زندگی میں اور حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں مدینہ میں فتوی دیتے تھے۔

ابن عمرؓ سے معلوم کیا گیا کہ حضورؐ کے زمانہ میں کون لوگ فتوی دیتے تھے تو ابن عمر نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فتوی دیتے تھے ان کے علاوہ میں کسی تیسرے کا نام نہیں جانتا ہوں (۹) قاسم بن محمد کا قول ہے کہ چاروں خلفاء حضورؐ کے زمانہ میں فتوی دیا کرتے تھے۔(۱۰)

عہد صحابہ میں منصب افتاء پر فائز صحابۂ کرامؓ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم الشان منصب پر آپ کے وہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ فائز ہوئے جو آپ کی وراثت کے اولین محافظ و امین تھے اور تقوی و طہارت، صداقت و عدالت، شجاعت و سخاوت اور ایثار و ہمدردی میں مانند آفتاب اور رشد و ہدایت، علم و معرفت میں مانند ماہتاب تھے جن کے متعلق ارشاد ربانی ہے: **رضى الله عنهم ورضوا عنه** ۔(۱۱) اللہ ان سے خوش ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں، جن کے متعلق معلم انسانیت نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے: **اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم** ۔(۱۲) میرے صحابہ مانند ستارے کے ہیں ان میں تم جن کی اقتدا کرلو گے راہ یاب ہو جاؤ گے، جن کو کتاب و سنت کا فہم خاص عطا کیا گیا تھا جو نزول قرآن، اسباب نزول اور منشاء قرآن سے اچھی طرح باخبر تھے جن کے بارے میں امت کا متفقہ فیصلہ ہے:

الين الأمة قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا واحسنها بيانا واصدقها ايمانا واعمها نصيحة واقربها إلى الله وسيلة. (۱۳)

صحابہ کرامؓ امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح ایمان میں سب سے سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے اور اللہ کے وسیلہ کے اعتبار سے قریب تر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور محکمۂ افتاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد امت نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا، حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے ابتدائی زمانہ میں فتنۂ ارتداد کی بیخ کنی کی، اوران کاموں کی طرف توجہ دی جن کو کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم مصمم فرمالیا تھا اور نہ کر سکے تھے پھرانہوں نے اسلامی نظام سلطنت کے تمام شعبوں کو مضبوط و مستحکم کیا، فقہ وفتاوی کے لیے باضابطہ ایک شعبہ قائم کیا شاہ معین الدین ندوی سیر الصحابہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق وتنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ،حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جو اپنے علم واجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے اس خدمت پر مامور تھے ان کے سوا کسی کو فتوی دینے کی اجازت نہ تھی حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا تھا"۔(۱۴)

صاحب فتاوی صحابہ کرامؓ کی تعداد

جو لوگ فقہ وفتاوی سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ فقہ وفتاوی میں نزاکت اور دقیقہ سنجی پائی جاتی ہے دوسری طرف صحابہ کرامؓ باہمی فہم وفراست، ذہانت وذکاوت، شرف صحبت اور قبول اسلام کے اعتبار سے مختلف تھے؛ اس لیے تمام صحابہ کرامؓ اس منصب پر فائز نہ ہوسکے جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

ثم ان الصحابة كلهم لم يكونوا أهل فتيا ولا كان الدين يؤخذ عن جميعهم وانما كان مختصا بالحاملين القرآن العارفين بناسخه ومنسوخه الخ. (۱۵)

پھر تمام صحابہ اصحاب فتوی نہ تھے اور نہ ہی تمام صحابہ سے دین حاصل کیا جاتا تھا بلکہ اس کے لیے وہ صحابہ مختص تھے جو حاملین قرآن تھے اور ناسخ ومنسوخ کو پہچانتے تھے۔

ابن قیم کی تحقیق کے مطابق ۱۳۰؍ سے زائد صحابہ کرام اس منصب پر فائز تھے پھر ابن القیم نے صاحب فتاوی صحابہ کرام کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے پہلا طبقہ ان صحابہ کرام کا ہے جنہوں نے طویل مدت تک کثرت کے ساتھ اس ذمہ داری کو انجام دیا اور جن کے فتاوی کتب حدیث میں کثرت کے ساتھ منقول ہیں ان کو "مکثرین فی الفتیا" سے تعبیر کرتے ہیں ان کے فتاوی کو

اگر یکجا کیا جائے تو ہر ایک کے فتاوی کی تعداد اتنی ہے کہ ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں مکثرین صحابہ کی تعداد بقول ابن القیم سات ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جو فطرۃ ذہین اور صائب الرائے تھے، ان کی طبیعت نکتہ رس واقعہ ہوئی تھی، جنہوں نے نسل نو کے استنباط احکام، اور تفریع مسائل کے لیے ایک شاہ راہ قائم کی تھی جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ۔(۱۶) اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے:

لو وضع علم احیاء العرب فی کفۃ ووضع علم عمر فی کفۃ لرجح بھم علم عمر.(۱۷)

کہ اگر عرب کے زندہ لوگوں کا علم ایک جانب رکھا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم ایک جانب تو حضرت عمرؓ کا علم غالب ہوگا۔

(۲) امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ: جن کو فقہ واجتہاد میں کامل دست گاہ حاصل تھی اور کتاب وسنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی اور انتقال ذہنی میں اپنی مثال آپ تھے ان کے متعلق فقیہ الامت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ اہل مدینہ میں علم فرائض، کار افتاء اور کار قضاء میں حضرت علیؓ سب سے اعلی ہیں (طبقات لابن سعد) اور ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اذا حدثنا ثقۃ عن علی بفتیا لانعدوھا۔(۱۸) اگر کوئی معتمد شخص ہمارے سامنے حضرت علی کے فتاوی اور احکام بیان کرے تو ہم ان سے ہٹ کر کوئی فتوی نہیں دیتے ہیں۔

(۳) فقیہ الامت عبداللہ ابن مسعودؓ: جن کے متعلق زبان رسالت سے یہ کلمہ جاری ہوا:

رضیت لامتی ما رضی لھا ابن أم عبد وکرھت ما کرہ لھا ابن ام عبد.(۱۹)

میں ہر اس چیز سے راضی ہوں جس سے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) راضی ہیں اور ہر اس چیز کو نا پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد ناپسند کرتے ہیں۔

ابن مسعود کی شان تفقہ کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ابوموسی اشعری جیسے بلند پایہ فقیہ صحابی فرماتے ہیں:

لاتسألونی مادام ھذا الحبر فیکم یعنی ابن مسعود.(۲۰)

جب تک یہ بڑے عالم یعنی ابن مسعودؓ تمہارے درمیان ہیں مجھ سے مسائل مت معلوم کیا کرو

فقہ حنفی کی بنیاد بھی عبداللہ بن مسعود کی فقہ پر ہے۔

(۴) افقہ نساء الامت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ: جن کو تمام خوبیوں کے ساتھ فقہ واجتہاد میں بھی امتیازی مقام حاصل تھا، امام زھری فرماتے ہیں ''اگر حضرت عائشہؓ کے علم کو تمام عورتوں کے علم کے ساتھ ملایا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم افضل ثابت ہوگا (۲۱) حضرت عائشہؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے اخیر عمر تک فتوی دیا کرتی تھیں اور اکابر صحابہ اکثر

مشکل مسائل حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کرتے تھے (۲۲)

(۵) مفتی مدینہ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت: جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے! **فرض امتی زید بن ثابت** ۔(۲۳) میری امت میں علم فرائض کے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں، امام مالک فرماتے ہیں: **کان امام الناس عندنا بعد عمر زید بن ثابت** (۲۴) لوگوں کے امام حضرت عمرؓ کے بعد ہمارے نزدیک زید بن ثابت ہیں، سلیمان بن یسار کا قول ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ قضاء، فتوی، علم قرأت اور فرائض میں زید بن ثابت پر کسی کو مقدم نہیں رکھتے تھے۔(۲۵)

(۶) فقیہ العصر ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ: جن کی فقہی بصیرت کے لیے زبان رسالت سے دعائیہ کلمات نکلے **اللّٰھم فقھه فی الدین**، حضرت مجاہد کہتے ہیں: **ماسمعت فتیا احسن من فتیا ابن عباس** ۔(۲۶) میں نے ابن عباس کے فتوی سے بہتر کسی کا فتوی نہیں سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بدری صحابہ کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ابن عباس عہد فاروقی اور عہد عثمانی سے اخیر عمر تک منصب افتا پر فائز رہے، (۲۷) ابوبکر محمد بن موسیٰ نے ابن عباس کے فتاوی کو بیس کتابوں میں جمع کیا ہے (۲۸)

(۷) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: جن کے متعلق امام مالک کا قول ہے:

کان امام الناس عندنا بعد زید بن ثابت عبداللّٰه بن عمر مکث ستین سنة یفتی الناس. (۲۹)

زید بن ثابت کے بعد لوگوں کے امام ہمارے نزدیک عبداللہ بن عمر ہیں ساٹھ سال تک انہوں نے افتاء کے فرائض انجام دئے۔

لیکن شعبی کا قول جس کو اسد الغابہ میں نقل کیا اور ابن سعد نے طبقات میں

کان ابن عمر جید الحدیث ولم یکن جید الفقه. (۳۰)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر کا مقام فقہ کے مقابلہ میں حدیث میں زیادہ بلند ہے لیکن اس کے باوجود ابن حزم نے ''الاحکام'' میں اور ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' ابن عمر کا شمار ''مکثرین فی الفتیا'' صحابہ میں کیا ہے۔

دوسرا طبقہ متوسطین فی الفتیا صحابہ کرام ﷺ کا ہے، ان صحابہ کرام کے فتاوی کو اگر علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو چھوٹی چھوٹی جلد تیار ہوسکتی ہے، اس طبقہ میں بیس صحابہ کا شمار ہوتا ہے جس کو ابن القیم نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے جن کے اسماء گرامی قدریہ ہیں (۱) امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ. (۲) ام سلمہ رضی اللہ عنہا. (۳) انس بن مالکؓ. (۴) ابوسعید خدریؓ. (۵) عثمان بن عفانؓ. (۶) ابوہریرہؓ (۷) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ. (۸) عبداللہ بن زبیرؓ. (۹) ابوموسی اشعریؓ. (۱۰) سعد بن ابی وقاصؓ. (۱۱) سلمان فارسیؓ. (۱۲) جابر بن عبداللہؓ. (۱۳) معاذ بن جبلؓ. (۱۴) حضرت طلحہؓ. (۱۵) حضرت زبیرؓ.

(۱۶) عبدالرحمٰن بن عوفؓ.(۱۷) عمران بن حصین.(۱۸) ابوبکرہؓ.(۱۹) حضرت عبادہ بن صامتؓ.(۲۰) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تیسرا طبقہ مقلین فی الفتیا صحابہ کرام ث کا ہے بعض سے ایک مسئلہ بعض سے دو یا تین یا کچھ زائد منقول ہیں اگر ان تمام کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹا سا رسالہ مرتب ہوسکتا ہے، اس طبقہ میں اوپر مذکور صحابہ کرام کے علاوہ باقی اصحاب افتاء صحابہ کرام شامل ہیں جن کی تعداد ایک سو سے کچھ زائد ہے، ابن قیم نے ان کے اسماء بھی شمار کرائے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے راقم نے ان حضرات صحابہ کے اسماء یہاں ذکر کرنے سے گریز کیا ہے، اہل تحقیق وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے فتاوی کے مآخذ

صحابہ کرام کے فتاوی موطا، مسند اور سنن کی ان کتابوں میں مذکور ہیں جنہوں نے مرفوع روایت نقل کرنے کا التزام نہیں کیا ہے جیسے مؤطا مالک، مؤطا محمد، مسند دارمی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند طحاوی، مسند عبداللہ بن وھب، وغیرہ ذلک۔(۳۱)

حوالہ جات

(۱) المصباح فی رسم المفتی ومناہج الافتاء:۱/۱۶۔
(۲) مقدمہ فتاوی دار العلوم دیوبند:۱/۸۰۔
(۳) النساء:۱۹۔
(۴) النساء:۱۷۷۔
(۵) اعلام الموقعین:۱/۱۲۔
(۶) المصباح:۱/۵۸۔
(۷) طبقات لابن سعد:۲/۳۴۴۔
(۸) طبقات لابن سعد:۲/۳۴۴۔
(۹) طبقات ۲/۳۳۵۔
(۱۰) طبقات ۲/۳۳۵۔
(۱۱) توبہ:۱۳۔
(۱۲) جامع الاصول، رقم الحدیث:۶۳۶۹۔
(۱۳) اعلام الموقعین:۱/۵۔
(۱۴) سیر الصحابہ:۱/۶۹۔
(۱۵) تاریخ ابن خلدون:۱/۴۴۶۔
(۱۶) طبقات لابن سعد:۲/۳۳۵۔
(۱۷) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث:۳۲۶۶۶۔
(۱۸) طبقات:۲/۳۳۸۔
(۱۹) سیر اعلام النبلاء:۱/۴۷۹۔
(۲۰) طبقات:۲/۳۴۳۔
(۲۱) سیر اعلام النبلا:۲/۱۹۹۔
(۲۲) طبقات:۲/۳۷۵۔
(۲۳) سیر اعلام النبلاء:۲/۴۳۲۔
(۲۴) ایضا:۲/۴۳۶۔
(۲۵) طبقات لابن سعد:۲/۳۵۹۔
(۲۶) سیر اعلام النبلاء:۳/۳۵۰۔
(۲۷) طبقات لابن سعد:۲/۳۶۶۔
(۲۸) المصباح:۱/۶۴۔
(۲۹) سیر اعلام النبلاء:۳/۲۲۱۔
(۳۰) اسد الغابہ:۳/۳۴۹۔
(۳۱) المصباح:۱/۵۔

مفتی محمد مکرم محی الدین قاسمی☆

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ـــــ بحیثیت فقیہ

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، انکی والدہ امّ الفضل لبابہ بنت الحارث الحلالیہ تھیں، جو امّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کی ہمشیرہ بھی ہوتی تھیں، یہ ان دنوں پیدا ہوئے جب نبی کریم ﷺ اور آپ کا قبیلہ شعب ابی طالب میں محصور تھا، جب پیدا ہوئے تو ان کو آپ کی خدمت میں لایا گیا، آپؐ نے تبرکاً لعابِ مبارک ان کے منہ میں ڈالا، یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے، آغازِ طفولیت ہی سے رسول کریم ﷺ سے وابستہ دامن رہے، آپ کی وفات کے وقت ابن عباسؓ کی عمر امام احمد بن حنبل کی ترجیح کی روشنی میں پندرہ برس تھی وفاتِ نبی کے بعد کبارِ صحابہ کی صحبت اختیار کی اور ان کے چشمۂ علم سے اپنی علمی پیاس بجھائی، قول راجح کے مطابق ۶۸ھ میں بعمر 70 سال طائف میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے، محمد بن حنفیہ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی، قبر میں اتارا اور ان الفاظ میں ان کو خراجِ تحسین پیش کیا، آج اس امت کے عظیم عالم نے وفات پائی۔(۱)

وسعتِ علم

حضرت ابن عباسؓ وسعتِ علم کے معاملہ میں بے نظیر تھے، وہ بیک وقت فقہ، تفسیر، علم میراث، شعروادب، مغازی و تاریخ عرب پر کامل دسترس رکھتے تھے، ان علوم کے شائقین باری باری حضرت ابن عباسؓ سے استفادہ کیا کرتے تھے، کثیر العلم ہونے کی وجہ سے آپؓ کو الحبر (بڑا عالم) اور البحر (سمندر) کے القاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔(۲)

علمی برتری کے اسباب

حضرت ابن عباسؓ کی علمی برتری کے کئی ایک اسباب ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق کسب سے ہے اور بعض خالص وہبی

☆ استاذ دارالعلوم حیدرآباد

ہیں، کسب سے تعلق رکھنے والا بنیادی سبب حضرت ابن عباسؓ کا وہ علمی شغف تھا جو انہیں کسی پل چین لینے نہ دیتا تھا، اس موقع پہ حضرت ابن عباسؓ کی ایام طالب علمی کا یہ واقعہ ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ چلو بھائی ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں سے چل کر دریافت کریں کیوں کہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے بولے: ابن عباسؓ کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ بھی تمہارے محتاج ہوں گے حالانکہ ابھی تو لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہ موجود ہیں، لیکن اس بے چارہ کو کیا معلوم تھا کہ یوں ہی چھوٹے، بڑوں کے گزرنے کے بعد بڑے بنتے ہیں، بعد کو اپنے علمی سرمایہ کی بدولت جب ابن عباسؓ مرجع انام بن گئے تو وہ بے چارے پچتاتے تھے اور کہتے تھے: کان هذا الفتى اعقل منّى: یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا۔ (۳)

وہب وعطا سے تعلق رکھنے والا بنیادی سبب، رسول اللہ ﷺ کی وہ دعا تھی جس نے حضرت ابن عباسؓ کو علم وحکمت، فقاہت وتفسیر کے اوجِ ثریا پر پہنچا دیا تھا، ایک سے زائد بار آپؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے حکمت وفقاہت سے بہریاب ہونے کی دعا فرمائی تھی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اے اللہ: اسے کتاب کا علم سکھادے (۴)

ایک روایت کے مطابق:

اے اللہ اسے حکمت سکھادے (۵)

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

اے اللہ اسے دین کی فقاہت یعنی سمجھ عطا کر (۶)

ایک اور روایت میں ارشاد ہے:

اے اللہ اسے دین کی فقاہت عطا کر اور تاویل یعنی تفسیر کا علم سکھادے (۷)

خود حضرت ابن عباسؓ بجا طور پر فخر ومباہات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے:

میرے لئے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ حکمت کی دعا فرمائی ہے (۸)

تفسیر میں مقام

تفسیر کے معاملہ میں اکابرین صحابہ، اکثر تابعین، آپؓ سے رجوع ہوا کرتے تھے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب، آپؓ کے جلیل القدر صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مشکلاتِ قرآن کے حل کے معاملے میں بارہا آپؓ سے مراجعت کی تھی، باب العلم حضرت علیؓ بن ابی طالب برملا آپؓ کی تفسیری صلاحیت کا اعتراف فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ نے آپؓ کو ترجمان القرآن کا لقب دیا تھا۔ (۹)

ایک دفعہ ایک نوجوان نے متعدد ایسی قرآنی آیات جو بظاہر ایک دوسرے کے معارض معلوم ہوتی تھیں، حضرت کی خدمت میں رکھ کر اپنے اشکالات کی تشفی چاہی، حضرت ابن عباسؓ نے اسی مجلس میں ان آیات کے باہمی تعارض کو بڑے سلیقہ سے رفع فرمایا اور نوجوان کی تشنگی و اضطراب کو دور کر دیا (۱۰) ایک دفعہ ایک شخص کی ذہنی سطح کی پستی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اگر میں تمہاری پیش کردہ آیت کی تفسیر تمہارے سامنے بیان کروں تو اندیشہ ہے کہ تم اس کا انکار کر بیٹھو گے۔ (۱۱)

حدیث میں مقام

حدیث کے باب میں آپؓ کا شمار مکثرین صحابہ کے طبقہ سے ہوتا ہے جنہوں نے بکثرت آنحضرت ﷺ کی روایات نقل کی ہیں، آپؓ کی کُل مرویات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اکابر صحابہ سے بڑی ہی محنت و جستجو سے یہ احادیث جمع کی تھیں خود فرماتے ہیں: مجھے اگر پتہ چلتا کہ فلاں صحابی کے پاس حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے تو میں ان کے دروازے پر پہنچ جاتا چوں کہ یہ دوپہر کے قیلولہ کا وقت ہوتا اس لئے میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر اس کے سہارے لیٹ جاتا پھر قیلولہ سے فارغ ہو کر مذکورہ صحابی اپنے گھر سے باہر آتے اور مجھ کو دیکھ کر فرماتے: اللہ کے رسولؐ کے ابن عم (چچازاد بھائی) آپؓ نے مجھے پیغام کیوں نہیں بھیج دیا کہ میں خود آپؓ کے پاس آجاتا۔ (۱۲)

استدلال بالحدیث

حضرت ابن عباسؓ نہ صرف یہ کہ حافظِ حدیث تھے بلکہ اور صحابہ کی طرح برموقع استدلال بالحدیث بھی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپؓ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ اپنے اوپر وہ چیز حرام کر لے جو اللہ نے اس پر حرام نہیں فرمائی تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا یہ کفارۂ یمین ہے، وہ چیز اس پر حرام نہ ہو سکے گی، پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کے عمل میں بہترین نمونہ ہے (احزاب: ۲۱) (۱۳) حضرت ابن عباسؓ و حضرت معاویہؓ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، حضرت معاویہؓ نے خانۂ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ ان دونوں کونوں یعنی رکن یمانی اور حجرِ اسود کے علاوہ کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: اس مقدس گھر کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کو چھوڑ دیا جائے، حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا آپؓ کا فرمانا صحیح ہے (۱۴) ان دونوں موقعوں پر گویا آپؓ نے عملِ نبویؐ سے حجت کیا، ایک مرتبہ آپؓ نے طاؤسؒ کو دیکھا کہ عصر کے بعد نفل نماز پڑھ رہے ہیں، آپؓ نے ان سے کہا کہ یہ عمل ترک کر دو، طاؤسؒ نے کہا کہ یہ عمل ممنوع اس وقت ہے جب کہ سنت کی حیثیت سے اسے اختیار کیا جائے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، مجھے پتہ نہیں کہ آیا تم کو اس نماز پر عذاب ہوگا یا اجر ملے گا پھر آپؓ نے سورۂ احزاب کی آیت: ۳۶

تلاوت فرمائی کہ: کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ ان کو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔(۱۵)

یہاں حضرت ابن عباس ؓ نے قول رسول ﷺ سے حجت قائم کی پھر قول رسول کے حجت ہونے پر قرآنی آیت سے استشہاد کیا۔

شعر وادب میں مقام

شعر وادب میں بھی ابن عباس ؓ کو خاصا درک حاصل تھا غرائب القرآن کے حل کرنے میں حضرت ابن عباس ؓ نے اپنی اس قابلیت کا بھرپور استعمال کیا، ابن عباس ؓ کے ادبی ذوق ومہارت اور بے مثال قوتِ حافظہ کے حوالے سے یہ قصہ مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ۸۰ شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق گفتگو چلی، ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا، جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر شعر سنادوں اور سنادیا۔(۱۶)

فقہ واجتہاد

ویسے تو صحابہ کرام ؓ کی ایک ممتاز جماعت فقہ وفتاوی کا شغل رکھتی تھی بوقتِ ضرورت نئے مسائل کے پیش آنے کی صورت میں اجتہاد واستنباط، قیاس وتفقہ کے ملکہ کو بھی کام میں لایا کرتے تھے، تاہم حضرت ابن عباس ؓ کی شان یہ تھی کہ وہ اس ممتاز جماعت کے بھی اس حصہ سے تعلق رکھتے تھے جو مکثرینِ فتوی کے لقب سے معروف تھا، نہ صرف حضرت ابن عباس ؓ خود کے فتاوی صادر کیا کرتے تھے بلکہ وقت پڑنے پر اس معاملہ میں وہ خلفاء راشدین اور عام اربابِ افتاء کی معاونت بھی کیا کرتے تھے، ابن عباس ؓ نے اس کثرت سے فتاوی دیئے کہ علامہ ابن حزم کے مطابق خلیفہ مامون الرشید کے پڑپوتے ابوبکر محمد بن موسی نے فتاوی ابن عباس ؓ ۲۰ جلدوں میں جمع کیے ہیں۔(۱۷)

حضرت ابن عباس ؓ کی صلاحیتِ اجتہاد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر ؓ جیسی لسان الحق شخصیت آپ ؓ کی رائے وفتوے پر اعتماد کیا کرتی تھی، کبھی کبھار حضرت عمر ؓ یوں فرماتے: ہمارے سامنے پیچیدہ مقدمات پیش ہوتے ہیں اور تم ہی انہیں اور ان جیسے دیگر مسائل کو حل کروگے، (۱۸) بعض دفعہ مشورہ طلب کرتے ہوئے فرماتے: غوطہ خورز را غوطہ تو لگاؤ۔(۱۹) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمر ؓ کو دیکھا کہ پیچیدہ مسائل پیش آنے پر ابن عباس ؓ کو طلب کرتے اور صرف یہ فرماتے کہ ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے حالانکہ امیر المؤمنین کے اردگرد بدری صحابہ موجود ہوتے (۲۰) حضرت ابن عباس ؓ کی اجتہادی صلاحیت کو اس سے بھی جلا ملی کہ کبارِ صحابہ کے اجتہادات پر بھی انکی گہری نظر تھی، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کا کہنا ہے کہ: حضور ﷺ کی احادیث نیز حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے عدالتی فیصلوں کا حضرت ابن عباس ؓ سے بڑھ کر علم

رکھنے والا اور انہیں سمجھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (۲۱)

غرض کسی مجتہد کے لئے جن علوم میں دسترس و مہارت درکار ہوتی ہے، ان سارے علوم میں حضرت ابن عباسؓ یگانۂ روزگار اور استاذِ زمانہ تھے، مجتہد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغویؒ، رافعیؒ علامہ نوویؒ وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے: مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، مذاہبِ سلف، لغت، قیاس، ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں قیاس کے جو طرق ہیں قریب کُل کے جانتا ہو، اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس کو تقلید کرنی چاہیے۔ (۲۲)

مجتہد کے یہ معیارات اگرچہ بعد کے وضع کردہ ہیں تاہم اگر انکی روشنی میں بھی ابن عباسؓ کی شخصیت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ پیمانے ابن عباسؓ جیسی شخصیات کے وصفِ اجتہاد کی پیمائش کے مطلق قابل نہیں بلکہ حق بات یہ ہے کہ ابن عباسؓ جیسی شخصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعد کے علماء نے نہایت مائل بہ تنزل ہو کر مجتہد کے لئے اخیر درجہ کے طور پر یہ معیارات مقرر کئے ہیں۔

ذیل میں ہم چند نظائر کے ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جن سے حضرت ابن عباسؓ کی قابلیتِ اجتہاد و قیاس کا اظہار ہوتا ہے۔

آیات قرآنی سے استنباط

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا کہنے لگا: میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی؟ آپؓ نے فرمایا: تمہارے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اس لئے اس نے اس کو شرمسار کردیا اور شیطان کی فرمانبرداری کی اس لئے اس نے اس کے لئے کوئی نکلنے کی راہ نہیں چھوڑی، سائل نے اس پر کہا: اگر کوئی شخص اس کی بیوی کا حلالہ کر کے اس کو واپس کردے تو؟ آپؓ نے فرمایا: جو شخص دھوکہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ خود اسے دھوکہ کے برے انجام سے دوچار کردیتے ہیں۔ (۲۳)

ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی، آپؓ نے فرمایا: تین طلاق تم پر اسے حرام کردے گی اور باقی طلاقیں تم پر بوجھ رہیں گی، تم نے تو اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا ہے۔ (۲۴)

اس موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے فتوی پر سورۂ طلاق کی ابتدائی دو آیات سے دلیل قائم کی، ان آیات میں اشارۃً بتدریج سنبھل سنبھل کر طلاق دینے کی تعلیم نکلتی ہے، دوسری آیات کے ختم پر ایسے محتاط آدمی کے بارے میں ارشاد ہے: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے رہائی کی کوئی نہ کوئی سبیل نکال دیتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی پھر نتیجہ اخذ کرتے ہوئے گویا ہوئے: تو اللہ سے ڈرا نہیں، اس لئے تیری لئے اب کسی قسم کی گنجائش باقی نہیں۔ (۲۵)

ایک موقع پر حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو سفارت کار بنا کر خوارج کے یہاں روانہ کیا تھا، خوارج نے بڑی نرالی

ہی چال چلی، حضرت ابن عباسؓ کی ثالثی کو مغالطہ خیز طور پر آیت قرآنی، إن الحکم الا للّٰہ حکم خدا ہی کا ہے (۲۶) کے ذریعہ چیلنج کیا، اس قرآنی ارشاد کے مطابق حکم وثالث خدا ہی ہوسکتا ہے، انسان کا یہ منصب نہیں، حضرت ابن عباسؓ نے نہایت حاضر دماغی سے ان کی چال انہی پر اُلٹ دی، فوراً ان آیات کا حوالہ دیا جہاں میاں بیوی کے باہمی نزاع کو چکانے کے لئے خود حق تعالیٰ نے حکم اور فیصل تجویز کرنے کا حکم دیا (۲۷) ایسے ہی بروقت ان آیات کی تلاوت فرمائی جہاں شکارِ حرم یا شکار بحالت احرام میں جزا کی تعیین حکم حضرات کے سپرد رکھی گئی ہے (۲۸) پھر نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ان برخود غلط خوارج سے کہا: کیا امتِ مسلمہ کا باہمی نزاع، زوجین کے نزاع سے بھی غیر اہم ہے؟ کیا امتِ مسلمہ کا خون صید حرم سے ارزاں ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کی اس مدلل وکامیاب سفارت سے تقریباً ایک چوتھائی لوگ بغاوت سے تائب ہوئے۔ (۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حیرت انگیز طور پر چاشت کی نماز کا ثبوت قرآن سے پیش کیا: فرماتے تھے یہ نماز قرآن میں ہے لیکن غواص ہی اس میں غوطہ لگا سکتا ہے اور پھر آپؓ نے سورۂ نور کی آیت ۳۶ تلاوت فرمائی۔ (۳۰)

احادیثِ رسولؐ سے استنباط

آپؓ نے حضور ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ جو شخص کوئی طعام خریدے تو جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے، اس وقت تک اسے آگے فروخت نہ کرے، یہ روایت بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اپنا اجتہاد بیان فرمایا کہ میں ہر چیز کو طعام کے بمنزلہ قرار دیتا ہوں (۳۱) حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت نقل کی کہ آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت میمونہؓ کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوا تھا البتہ تعلقاتِ زن وشو بعد از فراغتِ احرام قائم ہوئے تھے (۳۲) اس روایت سے حضرت ابن عباسؓ نے بحالتِ احرام نکاح وانکاح (خود نکاح کرنا اور کسی کا نکاح کرانا) کے جواز کا عمومی فتویٰ صادر فرمایا تھا، اس بابت حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے: محرم اگر شادی کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۳۳)

مجتہد اور قیاس

مجتہد کے لئے قیاس کے بغیر چارہ کار نہیں، بہت سے لوگ قیاس کا نام سن کر بھڑک اٹھتے ہیں اور غلط فہمی کی بنا پر قیاس سے ثابت شدہ احکام ومسائل کو ایک متوازی شریعت خیال کرتے ہیں، حالانکہ دو باہم مماثل مواقع کو حکم میں یکساں رکھنا یا مشترک علت کی بنا پر فرع کو اصل پر قیاس کرنا عین تقاضائے فطرت ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مسائل ومقدمات کے فیصل کرنے کے لئے جو ہدایت نامہ لکھ بھیجا تھا اس میں بعینہٖ قیاس کے اسی طریق کی بالتفصیل تلقین موجود ہے۔ (۳۴)

میراث کے معاملہ میں حضرت زید بن ثابتؓ نے جب قیاس کے معروف ضابطے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میت کے دادا کو بمنزلۂ ایک بھائی کے قرار دیا تو حضرت ابن عباسؓ نے سخت نکیر فرمائی تھی اور کہا تھا: کیا زید اللہ سے ڈرتے نہیں کہ پوتے کو (بیٹے کی عدم موجودگی میں) بیٹے کے درجہ میں رکھتے ہیں اور دادا کو (باپ کی عدم موجودگی میں) بمنزلۂ باپ نہیں رکھتے۔ (۳۵)

اجتہادی مسائل میں اختلافِ آراء ناگزیر:

غیر منصوص مسائل میں جب کئی ایک مجتہدین اپنی اپنی اجتہادی قوی صرف کریں گے تو ظاہر ہے اختلاف آراء ناگزیر ہے، ذہنی صلاحیتوں کا فطری اختلاف، نظریاتی اختلافات کی شکل میں ظہور پذیر ہوگا، اختلافِ آراء کو انسانوں کا وہی گروہ معیوب سمجھتا ہے جس کے افراد جمود و تعطل کا شکار ہو چکے ہوں، ورنہ ایک صحتمند معاشرے میں ایسا اختلاف، انسانیت کے لئے جزو لاینفک ہے، البتہ ضرورت ایسی صورتحال کے تحمل کی اور باہمی جذبۂ احترام کی ہے، موجودہ ماحول میں ایک طبقہ یا تو لفظِ اختلاف ہی سے بدکنے لگتا ہے یا ایک طبقہ اختلاف کے حدود کو پھلانگ کر افتراق و پھوٹ کی راہ پر آجاتا ہے، دورِ صحابہ میں ایک طرف اختلافِ آراء بھی آزادانہ طور ہوا کرتا تھا اور دوسری طرف ایک دوسرے کے علمی مرتبہ کا پاس و لحاظ، ادب و احترام بھی رکھا جاتا تھا، صحابہ کے مابین، شوہر کے اس جملہ '' انت علیّ حرام '' تو (یعنی میری بیوی) مجھ پر حرام ہے، کے حکم کے تعلق سے اختلافِ رائے پایا جاتا تھا، شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) اسے یمین و قسم قرار دیتے تھے، یہی حضرت ابن عباسؓ کی بھی رائے تھی، حضرت علیؓ و زیدؓ طلاقِ ثلاث (تین طلاق) مانتے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ ایک طلاق ہونے کے قائل تھے (۳۶) علامہ ابن قیمؒ نے اپنی اس عظیم المرتبت تصنیف میں ایک دوسری جگہ بالتفصیل لکھا ہے کہ اس ایک مسئلہ میں سلف کے تقریباً پندرہ مسلک تھے (۳۷) لیکن کیا مجال کہ یہ اختلاف، ان کے درمیان خونریزی یا جدال کا باعث بنتا۔

آنحضرت ﷺ کے نمازِ وتر کے معمول میں اختلاف کی بنا پر نمازِ وتر کی تعدادِ رکعات کے بارے میں صحابہ کے درمیان بھی ایک گونہ اختلاف رائے موجود تھا لیکن اس کے باوجود، ہر ایک دوسرے کی تصویب کرتا اور اس کے اجتہاد کو بنظر استحسان دیکھتا، حضرت ابن عباسؓ کے غلام کریبؒ نے حضرت معاویہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے عشاء کی نماز کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا، کریبؒ نے یہ بات حضرت ابن عباسؓ سے بیان کی آپؓ نے فرمایا: بیٹے انہوں نے ٹھیک کیا۔ (۳۸)

مجتہد کا ایک دقیق طرزِ اجتہاد

مجتہد کا ایک طرزِ عمل یہ بھی کوتاہ بینوں کے لئے کھٹک کا باعث بنتا ہے کہ ایک طرف کسی مسئلہ میں بظاہر صریح حدیث موجود رہتی ہے پھر بھی مجتہد کسی ظاہری وجہ کے بغیر اس سے صرفِ نظر کرتا ہے اور بظاہر اس حدیث کے خلاف رائے کو اختیار کرتا ہے ایسے مواقع پر مشتعل ہو کر مجتہد کو مطعون کرنے کے بجائے مجتہد کے مدارکِ اجتہاد کو بدقتِ نظر ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایسی جگہوں پر عموماً شریعت کے ایسے اصولِ عامہ اور نصوص قاطعہ مجتہد کے پیش نظر رہتے ہیں کہ جن پر محض ایک جزوی دلیل کو فوقیت دینا، وہ اپنے اجتہاد کی رو سے نادرست سمجھتا ہے بلکہ اس کی دانست میں یہ اصول عامہ، دلیل مخالف کی ظنیت کے پہلو کو قوی اور اس کے حدّ اعتبار کو گھٹا دیتے ہیں، کوئی شخص تحمل و کشادہ ذہنی سے مجتہد کے اس طرزِ اجتہاد کا جائزہ لے تو اسکے سامنے منطقی اعتبار سے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، یا تو مجتہد کا مصیب و مبنی برحق ہونا عیاں ہو جاتا ہے یا مخطی و خطاوار ہونا سمجھ میں آتا ہے، شرافت و دیانت کا

تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آدمی پہلی صورت میں مجتہد کی رائے بجان و دل قبول کرلے اور دوسری صورت میں مجتہد کو اپنے اجتہاد میں معذور سمجھے، خواہ مخواہ اپنے زعم میں اس پر مخالفتِ حدیث کا الزام نہ دھرے کہ یہ غیر شریفانہ وغیر عالمانہ عمل ہے۔

عام قارئین کے لئے یہ انکشاف موجب حیرت ہوگا کہ اجتہاد کا یہ طرز عمل کوئی نیا نہیں، صحابہ ہی سے چلا آرہا ہے، حضرت عائشہؓ نے اجتہاد کے اس خاص طریقہ کے زیر اثر پسماندگانِ میت کے گریہ و ماتم کی وجہ سے میت کے مبتلائے عذاب ہونے کا مضمون بیان کرنے والی حدیث کو قبول نہیں کیا تھا، حضرت عائشہؓ اس خصوص میں نص قطعی ''ولا تزر وازرۃ وزر اخری'' اور بوجھ نہ اٹھائیگا ایک شخص دوسرے کا (۳۹) مقدم رکھتی تھیں، انکے نزدیک عذاب وعقاب کا یہ عام اصول معارض روایت کے پایۂ ثبوت پہ سوالیہ نشان لگا دیتا ہے ایسے ہی حضرت عائشہؓ نے سورۂ انعام کی آیت ۱۰۳ ''نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاسکتا ہے آنکھوں کو'' کی بنا پر معراج کی رات جناب رسول اللہ ﷺ کو دیدار خداوندی کے ہونے کو بیان کرنے والی روایت کو قبول نہیں کیا تھا (۴۰)

حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسی خاص نہج کے زیر اثر حضرت ابو ہریرہؓ کی ان دو روایات کو قبول نہیں کیا تھا:

(الف) نیند سے بیدار ہونے والا شخص برتن میں اپنا ہاتھ ڈبونے سے قبل ہاتھ کو برتن کے باہر ضرور ہی دھولے، روایت کا عموم اس کو مقتضی ہے کہ، خواہ ہاتھ پر ناپاکی کا اثر موجود ہو یا نہ ہو، برتن خواہ چھوٹا اٹھانے جھکانے کے قابل ہو یا بڑا حوض جیسا ہو، ہاتھ دھونا بہر حال ضروری ہے۔

(ب) آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم ہوگا خواہ یہ پنیر کا ایک بڑا ٹکرا کیوں نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے پہلی روایت کو رفعِ حرج کی عام نصوص کے معارض ہونے کے وجہ سے قابل اخذ نہیں سمجھا اور دوسری روایت کو آگ کے خلقی خاصہ سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بنا پر اختیار نہیں کیا۔ (۴۱)

چنانچہ ایک دفعہ فرمایا: آگ تو اللہ کی نازل کردہ برکت ہے یہ کسی چیز کو نہ حلال کرتی ہے اور نہ ہی حرام آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں ہوتا۔ (۴۲)

قارئین کرام! یہ حضرات عبداللہ ابن عباسؓ کی ہمہ گیر و جامع الکمالات شخصیت کی علمی زندگی کے چند نمونہ وخاکے ہیں، جو نہ صرف اجمالی طور پر حضرتؓ کی شخصیت کے تعارف میں معاون ثابت ہوں گے بلکہ مجتہدین امت کے تعلق سے پائی جانے والی عام غلط فہمیوں کے ازالہ کا بھی باعث بنیں گے۔

حوالہ جات

(۱) فقہ عبداللہ بن عباسؓ للدکتور محمد رواس
(۲) تہذیب التہذیب ۵/ ۲۷۶
(۳) مسند دارمی حدیث نمبر: ۵۸۰
(۴) مشکوۃ: ۵۶۹
(۵) مشکوۃ: ۵۶۹
(۶) مشکوۃ: ۵۶۹
(۷) مسند احمد ۱/ ۲۶۴
(۸) مشکوۃ: ۵۷۰
(۹) تاریخ تفسیر ومفسرین: ۶۸
(۱۰) الموافقات للشاطبی ۴/ ۱۴۹
(۱۱) اعلام الموقعین ۴/ ۲۰۴
(۱۲) تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۴۱
(۱۳) مسلم شریف: ۳۶۵۵
(۱۴) مسند احمد ۱/ ۳۳۲
(۱۵) الموافقات ۴/ ۳۴۲، بیہقی ۲/ ۴۵۳
(۱۶) الاعلام ۴/ ۲۲۵۔ تدوین حدیث: ۴۱
(۱۷) الاحکام فی اصول الاحکام ۵/ ۵۲
(۱۸) اسد الغابہ ۳/ ۲۹۱
(۱۹) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۴۶
(۲۰) طبقات ابن سعد ۲/ ۳۶۹
(۲۱) الاستیعاب ۳/ ۲۹۱
(۲۲) عقد الجید از شاہ ولی اللہؒ ۷
(۲۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۱۱
(۲۴) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۹۸۔ بیہقی ۷/ ۳۳۷
(۲۵) موافقات للشاطبی ۱/ ۵۳۵
(۲۶) یوسف: ۴۰
(۲۷) سورۂ نساء: ۳۵
(۲۸) مائدہ: ۹۵
(۲۹) اعلام الموقعین لابن قیم: ۱/ ۲۳۴۔ ۲۳۶
(۳۰) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۹
(۳۱) مسلم شریف: ۳۸۱۰
(۳۲) بخاری کتاب الحج: باب تزویج المحرم
(۳۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۴
(۳۴) ازالۃ الخفاء ۲/ ۱۸۷
(۳۵) اعلام الموقعین ۱/ ۲۳۶
(۳۶) اعلام الموقعین ۱/ ۲۳۸
(۳۷) اعلام الموقعین ۳/ ۸۵۔ ۹۰
(۳۸) بیہقی ۳/ ۲۶۔ ۲۷
(۳۹) انعام: ۱۶۴
(۴۰) الموافقات ۳/ ۱۹۲
(۴۱) الموافقات ۳/ ۱۹۲
(۴۲) مصنف عبدالرزاق ۱/ ۱۶۸۔ کنز العمال ۹/ ۴۹۳

شیخ محمد فیضان مفتاحی، قاسمی ☆

عہد صحابہ کے ایک ممتاز فقیہ
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

قال عمر رضی الله عنه: کنیف ملیٔ علما (۱)

قال علی رضی الله عنه: فقیه فی الدین ،عالم بالسنة (۲)

قال ابو الدرداء : ماترک بعده مثله (۳)

تعارف

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ ذہین وفطین اور صاحب الرائے انسان تھے، جن کے چہرے پر عیاں آثارِ فطانت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں اس وقت پڑیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کے نواح میں ان کے پاس سے گزرے اس وقت یہ عقبہ بن ابی معیط کے مویشی چرا رہے تھے آغاز شباب تھا، دونوں حضرات نے ان سے کہا: او لڑکے! تمہارے پاس ہمیں پلانے کے لئے دودھ ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرے یہ مویشی کسی کی امانت ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات کو نہیں پلاسکتا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی اونٹنی ہے جس سے سانڈ نے ابھی تک جفتی نہ کی ہو؟ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا، دونوں حضرات اونٹنی کے پاس چلے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاؤں باندھ کر تھن پر دستِ مبارک پھیرا اور اللہ سے دعا کی؛ چنانچہ اونٹنی کا تھن دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پیالہ نما پتھر لے آئے اس میں اونٹنی کا دودھ نکالا گیا اور دونوں حضرات نے اسے نوش فرمایا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن کو سکڑ جانے کے لئے کہا؛ چنانچہ تھن سکڑ گیا اور اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمۂ قدرت اور معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر کیا،

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

آگے بڑھے اور عرض کیا: مجھے بھی یہ ''قول سکھا دیجئے'' ان کی مراد وہ دعا تھی جو حضور صلی اللہ نے مانگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''انک غلام معلّم'' یعنی تم نے تو بہت کچھ سیکھ رکھا ہے۔ (۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خیرہ کر دی اور آپ جلد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں شامل ہو گئے، جس میں آپ کا چھٹا نمبر تھا۔ (۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بحیثیت فقیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اول درجے کے فقیہ تھے، اس بات کی گواہی اہل علم اور اہل فضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے دی ہے اور باوجود اس حقیقت کے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ستارہ مدینہ منورہ میں اسقدر نہیں چمکا جس قدر عراق میں چمکا تھا کچھ تو اسلئے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ دینے والے بڑے بڑے اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہ کی کثیر تعداد موجود تھی اور کچھ اس لئے کہ مدنی معاشرہ کی اس حالت میں کوئی بڑا تغیر نہیں آیا تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ گئے تھے مگر اس کے باوجود مدینہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حیثیت ایک ایسے عالم کی تھی جنکی طرف لوگوں کی نظریں اٹھتی تھیں۔

جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے عراق منتقل ہو گئے تا کہ وہاں کے تہذیبی طوفان کا مقابلہ کریں اور نئے نئے مسائل جو وہاں پیدا ہوں انہیں حل کرسکیں، تو آپ کی حیثیت سب سے بڑے اور سربرآوردہ عالم کی ہوگئی اور لوگ آپ کے چشمۂ علم سے فیضیاب ہونے کے لئے آپ کے گرد جمع ہو گئے اہل عراق کے بڑے دانا اور سربرآوردہ لوگوں نے آپ کو اپنی ذات کے لئے منتخب کرلیا آپ کو ان سے الفت ہوگئی اور انہیں آپ سے اور ان میں آپ کو اپنی ذات اور اپنی شخصیت کا پھیلاؤ نظر آنے لگا، اور آپ نے انہیں اپنی محبت سے نوازا ان کے متعلق آپ کہا کرتے تھے ''تم میرے دل کی جلا ہو'' (۶) آپ ان میں علم بانٹنے میں کبھی بخل نہ کرتے جسکے نتیجے میں آپ کے ہاتھوں فقہاء کی ایک پوری جماعت تیار ہوگئی، جن میں نمایاں ترین آپ کے وہ مشہور فقہا ہیں جن کے نام یہ ہیں، علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ، اسود بن یزید نخعی رحمہ اللہ، عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ، مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ، عمر بن شرحبیل ہمدانی رحمہ اللہ اور حارث بن قیس جعفی رحمہ اللہ (۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے فوقیت لے گئے تھے؛ حتی کہ شعبی کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے اتنے شاگرد نہیں تھے جتنے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تھے۔ (۸)

ان شاگردوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتووں اور ان کے علم کو نہ صرف اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا بلکہ انہیں تحریری شکل بھی دے دی اور ان کے مقاصد اور جہات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا، ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں گزرا جسکے حلقے درس میں اس قدر مشہور لوگ ہوں اور جنہوں نے استاذ کے فتووں اور فقہی مسلک کو تحریری شکل دے دیا (۹) ان شاگردوں میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کے سب سے بڑے حافظ اور سب سے بڑے پیرکار علقمہ بن

قیس نخعی رحمہ اللہ تھے، اس لئے کہ وہی اپنے استاذ کے پاس سب سے زیادہ وقت گزارا کرتے تھے، یہاں تک کہ رات بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گزارتے، ان کی خدمت کرتے اور ان سے دین کا علم حاصل کرتے پھر علقمہ کی لاولدی بھی اس عمل کے لئے بڑی سازگار رہی کیونکہ ان پر کوئی ذمہ داری نہیں تھیں۔

اجماع

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گوکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خاص طغرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا:

"مارأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ومارأوا سيأ فهو عند الله سئ" (۱۰)

''جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے''

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصل روح ہے۔

قیاس

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکامِ منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہی اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہاں اس قوتِ اجتہاد تفریع مسائل واستنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے، حضرعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کردی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کردیئے جو آج ہمارے علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا۔ حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہوجانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کرسکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے، اور آئندہ جب کبھی موقع میسر آئے تو اپنے ارادے کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا؛ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجبوری کو علتِ مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی بولے: تم صرف بانی بھیج کر احرام کھول دو اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو (۱۱) اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے۔

(۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی اس کو وراثت میں ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سی قرابت ہے برخلاف اس کے دونوں مؤخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس صورت میں ازدیاد قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ (۱۲)

آپ استنباطِ احکام وتفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور نصوص شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ موقت ومؤبد کی تفریق کر کے استنباطِ حکم کا صحیح راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے ''والذین یتوفون منکن ویذرون ازاجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً '' تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورت) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں اور سورۂ طلاق میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن '' اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں، اس بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کی زمانۂ عدت قرار دیا دے تاکہ دونوں آیتوں کا توفق پیدا ہو جاۓ؛ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ طلاق کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضعِ حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ میں اس کے لئے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورۂ بقرہ سورۂ طلاقکے بعد نازل ہوئی ہے (۱۳) یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر مکاتب فکر کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مبحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے جواب انصت فان فی الصلوة شغلاسیکفیک ذاک (۱۴) خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے، اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے:

(۱) اذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو۔

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''من کان له امام فقراء ةالامام قرأة له '' یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم الارث ہے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا انہوں نے فرمایا اگر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا بیشک لڑکی نصف پائے گی لیکن دوثلث پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے (۱۴) یہ جواب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتو فرمایا جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول بہ ہے۔

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد وجلالتِ شان کا یہ حال تھا؛ لیکن دوسری طرف حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا (۱۵) مسروق جوان کے خاص تلامذہ میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل ورائے سے قیاس کریں گے (۱۶) ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے لئے کیا حکم ہے وہ مہر ووراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے اور اس مسئلے پر غور کرتے رہے لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہئے، پھر فرمایا: اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہے اس وقت حاضرین میں صحابی حضرت جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ موجود تھے انہوں نے اٹھ کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی، راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس قدر خوش ہوئے اتنا خوش میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ (۱۷)

اس روایت میں جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے مہر کے بارے میں پوچھا گیا جس کا مہر مقرر نہیں ہوا اور اس کا شوہر دخول سے پہلے مرگیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بارے میں قیاس واجتہاد کر کے جواب

دوں گا، پھر قیاس کرکے جواب دیا کہ اس عورت کا مہر بلا کم وبیش اس کا مہر مثل ہے اگر قیاس حجت نہ ہوتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ قیاس کرکے مسئلہ کا حکم نہ بیان فرماتے۔

ظہور خطا پر بے تامل فتوے سے رجوع کرنا

بایں ہمہ اگر کبھی حضرت ابن مسعود فتویٰ دیتے اور بعد میں اس کے خلاف ثابت ہوجاتا تو فوراً اس سے رجوع کرلیتے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ صرف عقد نکاح سے بیوی کی ماں شوہر کے لئے حرام نہیں ہوجاتی جب تک ہم بستری نہ ہوجائے؛ لیکن آپ نے جلد ہی اس رائے سے رجوع کرلیا اور پھر آپ کا مسلک یہ ہوگیا کہ صرف عقد سے ہی حرمت پیدا ہوجاتی ہے، اس میں دخول یا ہمبستری کی کوئی شرط نہیں ہے، آپ کی رائے میں تبدیلی کے پس منظر میں ایک مشہور واقعہ ہے، ایک شخص بنو شمخ بن فزارہ کی ایک عورت سے نکاح کرلیا پھر اس کی نظر اس عورت کی ماں پر پڑگئی جو اس کا دل لبھا گئی، اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ میں فلاں عورت سے نکاح کیا تھا اور ابھی ہم بستری بھی نہیں ہوئی تھی کہ میری نظر اس کی ماں پر پڑگئی جو مجھے بہت اچھی لگی، آیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس سے نکاح کرسکتا ہوں؟ آپ نے اثبات میں ''جواب دیا'' چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر اس کی ماں سے نکاح کرلیا پھر آپ مدینہ منورہ گئے اور وہاں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا سب نے یہی کہا ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ پھر آپ کوفہ واپس گئے اور بنو شمخ میں جاکر اس شخص کو تلاش کیا اور اسے اپنی بیوی سے علیحدگی کا حکم دیا لوگوں نے عرض کیا اب تو یہ بہت مشکل ہے چونکہ اس کے کئی بچے پیدا ہوچکے ہیں، آپ نے فرمایا چاہے جو کچھ بھی ہو وہ ہر صورت اس مرد سے علیحدگی اختیار کرے اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف سے حرام ہے (۱۸) غرض آپ رضی اللہ عنہ نے حق کے سامنے آتے ہی قبولیتِ حق کے سلسلے میں بے نفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق کے آگے سپردگی کردی۔

الغرض حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان فاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی، کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ رضی اللہ عنہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا، ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا اور حماد سے منتقل ہوکر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم واجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیاء اسلام ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہے۔

حوالہ جات

(۱) المستدرک: ۳/۳۱۸
(۲) الطبقات لابن سعد: ۳/۱/۱۰
(۳) اسد الغابہ: ۳/۴۰۰
(۴) اسد الغابہ: ۳/۳۹۴، ۹۵۔ صفوۃ الصفوۃ: ۱/۳۹۵
(۵) بحوالہ سابق
(۶) صفوۃ الصفوۃ: ۱/۴۱۳
(۷) ابن ابی شیبہ: ۲/۱۶۵
(۸) مصنف عبد الرزاق: ۱۰/۲۶۹
(۹) اعلام الموقعین: ۱/۲۰
(۱۰) مسند احمد/ ۳۷۹۸
(۱۱) مؤطا محمد: ۲۳۲
(۱۲) ابن ابی شیبہ: ۲/۱۸۱، المغنی: ۶/۱۸۹
(۱۳) الناسخ والمنسوخ: ۱۸۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۳
(۱۴) الموطا الامام محمدؒ: ۱/۹۴
(۱۴) مسند احمد: ۱/۴۲۸، بخاری: ۱/۹۹۷
(۱۵) اعلام الموقعین: ۱/۶۴
(۱۶) اعلام الموقعین: ۱/۶۴
(۱۷) باب فیمن تزوج ولم یسم صداقها، ابوداؤد: کتاب النکاح۔ ترمذی: کتاب النکاح۔ نسائی: کتاب النکاح۔ سنن بیهقی: ۶/۱۴۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۳۹ ی، ۲۲۳
(۱۸) مصنف عبد الرزاق: ۶/۲۷۳۔ مصنف ابن شیبہ: ۱/۲۰۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۰

مفتی مظہر الحق قاسمی☆

حضرت علی ؓ کے فیصلے

سیدنا حضرت علی ؓ حضور اقدس ﷺ کے خلیفہ رابع اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، خالق ارض وسماء نے آپ کی فطرت میں وہ اوصاف وکمالات ودیعت رکھے تھے، جو بنی آدم کے خواص اور نوع انسانی کے برگزیدہ لوگوں میں ہوتے ہیں۔

چنانچہ آپ کا ایک خاص اور امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ امت مسلمہ کے پیچیدہ اور مشکل معاملات اور دشوار سے دشوار تر مقدمات کی تہہ تک فوراً پہونچ جاتے اور اپنے حکیمانہ انداز میں اس کو ایسا حل کردیتے کہ جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں رہتی، قضایا نمٹانے اور درست فیصلہ کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

خود آپ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے اور درخواست کی کہ ہمارے پاس (یمن) ایک ایسے شخص کو بھیج دیجئے جو فقہ اور سنت کا علم سکھائے اور ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرسکے؛ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ یمن چلے جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو فقہ وسنت کی تعلیم دو اور کتاب اللہ کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرنا، چلتے وقت میں نے عرض کیا حضور ﷺ! مجھ کو حکومت پر بھیج رہے ہیں، میں تو ابھی جوان (ناتجربہ کار) ہوں، مجھ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ فیصلہ کرنا اور مقدمات طئے کرنا کس کو کہتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا اور فرمایا: ''خداوند! علی کے دل کو راہ نیک دکھانا اور اس کی زبان حق بات پر ثابت رکھنا''، حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جو دانہ پھوڑ کر اس میں درخت اگاتا ہے، میں نے دو شخصوں کے درمیان کبھی کسی مقدمہ میں فیصلہ کرنے میں کسی طرح شک نہیں کیا؛ بلکہ کیسا ہی باریک اور الجھاؤ والا مقدمہ کیوں نہ ہو جب میرے سامنے پیش ہوتا تو بے دھڑک وبلا تردد فیصلہ کردیتا۔ (۱)

حتی کہ رسالت مآب ﷺ نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں بعض مقدمات کا فیصلہ بذات خود نہ کرکے اسے حضرت علی ؓ کے سپرد کیا اور فیصلے کے صحیح ہوجانے پر آپ ﷺ نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اسی کو نافذ فرمایا۔

جیسا کہ روایت میں ہے کہ

''ایک مرتبہ رسول معظم ﷺ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے دعویٰ کیا حضور! میرے

☆ استاذ فقہ جامعہ انوار الہدی

پاس ایک گدھا تھا اور اس شخص کے پاس ایک بیل، اس کے بیل نے میرے گدھے کو مار ڈالا،
حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب بولے کہ جانور بے زبان پر کیا ضمان و تاوان، حبیب اکرم
نے فرمایا کہ اے علی تم ان دونوں میں تصفیہ کردو، جناب علی نے فریقین سے سوال کیا، یہ دونوں رسی
میں بندھے تھے یا کھلے تھے یا ایک بندھا تھا اور ایک کھلا تھا؟ فریقین نے جواب دیا گدھا بندھا تھا،
مگر بیل چھوڑا ہوا تھا اور بیل کا مالک اس کے پاس تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: بیل والے پر ضمان ہے،
گدھے کی قیمت اس کے مالک کے حوالہ کردے، جناب رسول الثقلین نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور
یہی حکم جاری کیا'' (۲)

نیز حضرات صحابہ کرام میں بھی یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت علی قضاء کے باب میں سب سے آگے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی ہم لوگوں میں بڑے فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل مدینہ میں آپ (علی) اچھے قاضی اور فیصلہ کرنے والے تھے۔ (۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر کوئی معتمد شخص ہمارے سامنے حضرت علی کے فتوے اور احکام بیان کرے تو ہم مقدمات میں
ان سے ہٹ کر کوئی فتوی نہیں دیں گے'' (۵)

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دشوار اور پیچیدہ مقدمہ میں اللہ سے پناہ مانگتے تھے، جس میں حضرت علی کی رائے نہ ہوتی تھی۔ (۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " **لو لا علي لهلك عمر** " (۷) ''اگر (رائے وفیصلہ دینے میں) حضرت علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''اہل مدینہ میں علم فرائض کے اور کار قضاء وافتاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے اعلی ہیں''۔ (۸)

تاریخ وادب کی کتابوں میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا تھا: '' **قضية ولا أبا حسن لها** '' (۹) ایک پیچیدہ مسئلہ ہے مگر اس کے حل کے لئے ابوالحسن نہیں''۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کی شان میں یہ جملہ ارشاد فرمایا: " **واقضاهم علي** " (۱۰) ''حق کے مطابق سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ہیں''۔

آپ نے پوری زندگی اس وصف کمال کو فصل خصومات میں صرف کیا جس کے چند نظام درج ذیل ہیں:

ابن حبیش سے روایت ہے کہ

''دو شخص کھانے بیٹھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دوسرے کے پاس تین، جب دونوں نے اپنا اپنا کھانا سامنے رکھا تو ایک تیسرا شخص ادھر سے گذرا اور ان کو سلام کیا، دونوں نے اس کو بلایا، وہ بھی آ کر بیٹھ گیا، تینوں نے مل کر وہ سب آٹھ روٹیاں کھا ڈالیں، تیسرا شخص اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے آٹھ درہم دونوں کو دیتے ہوئے کہا: یہ کھانے کا عوض ہے، جو میں نے تمہارے ساتھ کھایا ہے، اس کے جانے کے بعد دونوں میں حجت وتکرار شروع ہوئی جس کی پانچ روٹیاں تھیں، اس نے کہا: میں پانچ درہم لوں گا، اور تجھ کو تین درہم ملیں گے؛ کیوں کہ تیری روٹیاں تین تھیں، تین روٹی والے نے کہا: میں تو نصف سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گا، یعنی چار درہم لے کر چھوڑوں گا، یہ جھگڑا اتنا طول پکڑا کہ بالآخر جناب امیر المؤمنین حضرت علی ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور انصاف طلب کیا گیا، آپ نے دونوں کے بیانات سن کر تین روٹی والے سے فرمایا تم کو تین درہم ملتے ہیں، یہ کم نہیں ہے؛ کیوں کہ تمہاری تین ہی روٹیاں تھیں؛ لہٰذا تم کو جو ملتا ہے اس پر راضی ہو جا، مدعی: میں اپنا پورا حق لوں گا، علی: اگر حق پر چلتے ہو تو تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تین درہم جو تم کو ملتا ہے تمہارے حق سے کہیں زیادہ ہے، مدعی: سبحان اللہ آپ نے اچھا فیصلہ کیا، تین درہم یہ شخص خود دیتا رہا اور میں اس پر راضی نہ ہوا، اب آپ فرماتے ہیں کہ تیرا حق ایک ہی درہم ہے، علی: بے شک تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تمہارا فریق تین درہم پر صلح کرتا رہا، مگر تم نے نہ مانا اور بات بڑھا دی، اب تم مانتے نہیں تو سن لو کہ تمہارا حق کیا ہے، مدعی: فرمایئے اور وجہ معقول بیان کیجئے، علی: آٹھ آٹھ روٹیوں کے تین ٹکڑے برابر کے کرو تو چوبیس (۲۴) ٹکڑے ہوئے، اب تم تین آدمی کھائے، یہ تو معلوم نہیں کہ کس نے زیادہ کھایا اور کس نے کم؛ لہٰذا فرض کر لو کہ سب برابر کھائے، مدعی: ہاں، بے شک، علی: تو اس صورت میں ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، صرف ایک ٹکڑا بچا جو تیسرے نے کھایا اور تمہارے فریق کی پانچ روٹیاں تھیں، جن کے پندرہ ٹکڑے ہوئے، آٹھ خود کھایا اور سات تیسرے کو کھلائے، اب تمہاری تین روٹیاں کے نو ٹکڑوں میں سے صرف ایک ٹکڑا تیسرے آدمی نے کھایا جس کا عوض ایک درہم ہے اور تمہارے فریق کے سات ٹکڑے کھائے جس کا عوض سات درہم ہے، مدعی: آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا، بے شک میرا حق ایک ہی درہم ہے اور میں راضی ہوں'' (۱۱)

روایت ہے کہ جب علی عہد رسالت میں حاکم بن کر یمن پہونچے تو وہاں یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں دائر ہوا کہ ایک غار شیر کو شکار کرنے کے واسطے کھودا گیا تھا، اتفاقا چار شخص اس غار پر ہو کر گزرے، ان میں ایک کا پاؤں پھسلا اور گرنے لگا تو دوسرے کو

پکڑلیا، پہلا شخص غار میں چلا تو اس کے ساتھ دوسرا بھی چلا، اس نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، آخر چاروں غار میں گر پڑے اور بقضائے الٰہی شیر بھی اس غار میں آپہونچا، اس نے چاروں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کرڈالا، مرنے والے تو مر گئے، مگر ان کے اولیاء میں باہم تنازع ہوا، ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور دیت طلب کرنے لگے، آپ کے اجلاس میں دعویٰ پیش ہوا، آپ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کئے دیتا ہوں، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ گے تو بہتر ہوگا ورنہ تم لوگوں کو باہمی تکرار اور جنگ وجدال سے روکوں گا، یہاں تک کہ تم رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہو اور حضور نبوی سے تمہارے بارے میں حکم صادر ہو، میرا فیصلہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ گڑھا کھودایا ہے، ان کے قبیلے والوں کو جمع کرو اور ان سے دیت بہ تفصیل ذیل لو، یعنی ایک ربع دیت ایک ثلث ایک نصف ایک دیت کامل جو شخص ان میں اول گرنے لگا تھا اس کی دیت تو ایک ربع ہے؛ کیوں کہ اس کے پکڑنے سے تین آدمی ضائع ہوئے؛ لہٰذا اس کی دیت بھی بقدر تین ربع ساقط ہوگئی اور دوسرے کی دیت جس کو پہلے نے پکڑا تھا، ایک ثلث ہے؛ کیوں کہ یہ باعث ہلاکت دو شخصوں کا ہوا، تیسرے کی نصف؛ کیوں کہ اس نے ایک کو ہلاک کیا، چوتھے کی دیت کامل یہ کسی کے ہلاک ہونے کا سبب نہیں بنا، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور حضرت علی ﷺ کی تجویز بھی پیش کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کا فیصلہ پسند فرمایا اور اسی کے مطابق حکم دیا۔(۱۲)

حسن بن معتمر سے روایت ہے کہ

''دو شخصوں نے ایک قریشی عورت کے پاس سو دینار امانت رکھے اور یہ کہہ دیا کہ ہم دونوں جب آئیں تو دینا، صرف ایک کے حوالے نہ کرنا، اس کو ایک سال گذر گیا، اب ان دونوں میں سے ایک شخص آیا اور عورت سے ظاہر کیا کہ میرا ساتھی مرگیا ہے، امانت مجھ کو واپس دے، عورت نے انکار کیا، مرد نے عورت کے اقرباء کو بیچ میں ڈالا، بعد گفتگو عورت نے مجبور ہوکر اس کو دینار دے دئے، پھر ایک برس کے بعد دوسرا شخص آیا اور امانت طلب کی، عورت نے سارا قصہ کہہ سنایا، جس میں دونوں کی تکرار ہوئی اور عورت نے حضرت عمر فاروق ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے عورت پر ادائے تاوان کا حکم کرنا چاہا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ میرے نزدیک تو ضامن ہے، عورت نے کہا: خدا کے واسطے آپ فیصلہ نہ کریں اور ہمارے مقدمہ کو حضرت علی ﷺ کے سامنے پیش کردیں، حضرت عمر فاروق ﷺ نے فریقین کو خدمت مرتضی میں بھیج دیا، آپ پہچان گئے کہ دونوں مردوں کی چالاکی ہے، غریب عورت کو مفت پھانسا ہے، آپ نے مدعی سے فرمایا: کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک کو نہ دینا؛ بلکہ جب دونوں ایک ساتھ آئیں تو دینا؟ مدعی نے جواب دیا: ہاں، یہ بات کہی تھی، آپ نے فرمایا: تو جاؤ اور حسب شرط اپنے ساتھی کو لاؤ، جب امانت ملے گی''(۱۳)

زین بن ارقم سے روایت ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت علی ﷺ کے دربار میں تین شخص ایک مقدمہ لے کر آئے کہ ایک لونڈی مشترکہ سے ایک ہی طہر میں تینوں نے صحبت کی، اس کا لڑکا پیدا ہوا، ہر ایک مدعی تھا کہ میرا لڑکا ہے، آپ نے ہر ایک سے جداگانہ یہ سوال کیا کہ کیا تم یہ لڑکا اس شخص کو (دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دینے میں خوش ہوگے؟ ہر ایک نے جواب دیا نہیں، یہ ہرگز پسند نہیں، آپ نے فرمایا: تم شرکاء متخاصمین ہو، میں قرعہ ڈالتا ہوں، جس کا نام نکلے اسی کا لڑکا ہے، وہ دو ثلث قیمت بچے کی اپنے دوسرے شرکاء کو ادا کرے؛ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا، جب آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ سنا تو پسند کر کے فرمایا: جیسا علی نے فیصلہ کیا ہے، میرے نزدیک بھی یہی حکم ہے'' (۱۴)

حارث سے روایت ہے کہ

''حضرت علی ﷺ کے اجلاس میں ایک شخص اپنی عورت لے کر حاضر ہوا اور ظاہر کیا کہ اس عورت نے وقت نکاح مجھ سے عیب چھپایا تھا، اب معلوم ہوا ہے کہ مجنونہ ہے، آپ نے غور و تامل فرمایا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عورت بہت حسین و جمیل ہے، حضرت علی ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: تیرا شوہر کیا کہتا ہے؟ عورت نے جواب دیا: امیر المؤمنین مجھ کو جنون نہیں ہے؛ لیکن وقت مباشرت مجھ پر غشی طاری ہوجاتی ہے، یہ سمجھتا ہے کہ جنون ہے، آپ نے عورت کے جواب سن کر شوہر سے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اچھی طرح رکھو؛ البتہ تو اس کے قابل نہیں، تجھ کو یہ تمیز نہیں کہ یہ مجنونہ ہے یا نازک مزاج حسینہ ہے'' (۱۵)

ایک مرتبہ تین شخص سترہ اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! یہ سترہ اونٹ ہمارے مشترکہ منافع کے ہیں، ان میں نصف حصہ ایک شخص کا ہے، تیسرا حصہ دوسرے کا اور نواں حصہ تیسرے کا ہے، ہم اپنا اپنا نفع تقسیم کرنا چاہتے ہیں، براہ کرم ایسی صورت میں تقسیم کردیں کہ کسی اونٹ کو ذبح کرنا یا بیچ کر تقسیم نہ کیا جائے اور ہر ایک اپنا اپنا حق حاصل کرلے، آپ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کردو اور ایک طرف اپنا اونٹ لے کر ان ہی میں کھڑا کردو، جب حسب الحکم تعمیل ہوچکی تو آپ نے پہلے شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنا نصف حصہ ان اونٹوں میں سے لے لو، چنانچہ اس نے نو اونٹ علیحدہ کرلئے، پھر دوسرے کو بلایا اور فرمایا کہ تم اپنا تیسرا حصہ لے لو، اس نے اپنے تیسرے حصے کے چھ اونٹ علیحدہ کرلئے، پھر تیسرے کو فرمایا کہ تم اپنا نواں حصہ لے لو، چنانچہ اس نے اپنے حصہ کے دو اونٹ لے لئے، پھر آپ نے قنبر کو حکم دیا کہ تم اپنا اونٹ لے جاؤ، تینوں سائل خوش ہو کر چلے گئے اور اپنا اونٹ اپنے ہی پاس رہا۔ (۱۶)

حضرت عمر فاروق ﷺ کے عہد میں لوگ کسی حادثہ یا واقعہ کی تاریخ مختلف طریقوں سے قلم بند کرتے تھے، اور ان کے درمیان اختلاف تھا کہ تاریخ کس بنیاد پر مقرر کی جائے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جس طرح اہل فارس اپنے بادشاہوں اور

حکمرانوں کی پیدائش یا تخت نشینی سے زمانہ کا تعین کرتے ہیں، اس کو اختیار کیا جائے اور کچھ لوگوں کا رجحان تھا کہ رومیوں کا طریقہ اپنانا چاہئے، بعض صحابہ کی رائے تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی تاریخ کو اسلامی جنتری کی ابتداء قرار دیا جائے، سیدنا حضرت علی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مکہ سے مدینہ جس دن ہوتی ہے، اس کو اسلامی تقویم کی اساس و بنیاد بنایا جائے، حضرت عمر فاروق ﷺ اور تمام صحابہ کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور حضرت عمر ﷺ نے حکم دیا کہ تاریخ کا تعین ہجرت نبوی کی بنیاد پر کیا جائے۔(۱۷)

ایک مرتبہ ایک نوجوان چند آدمیوں کی شکایت لے کر آیا کہ لوگ میرے باپ کو سفر میں لے گئے تھے، یہ سب لوگ تو واپس آگئے؛ لیکن میرا باپ واپس نہ آیا، میں ان سے پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے اور جب اس کا مال دریافت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ مال نہ تھا؛ حالاں کہ وہ بہت سامال اپنے ساتھ لے گئے تھے، حضرت علی ﷺ نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پہلے ایک کو بلایا اور اس سے تمام تفصیلات معلوم کیں، مگر اس نے اس کے قتل کرنے کا اقرار نہ کیا، حضرت علی ﷺ نے ایک نعرہ تکبیر بلند کیا، جتنے ان کے ساتھ علیحدہ کمروں میں تھے، انہوں نے سمجھا کہ ان کے ساتھی نے راز فاش کردیا، اس کے بعد جب یکے بعد دیگرے وہ سب بلائے گئے تو سبھوں نے اس کے باپ کے قتل کرنے کا اقرار کیا، آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اس کو قصاص میں قتل کردیا جائے۔(۱۸)

سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ

> ''عہد فاروقی میں ایک مجنونہ عورت کی نسبت زنا ثابت ہوا، جناب فاروق اعظم ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ایک عورت نے چھ ماہ میں بچہ جنا، لوگوں نے حرامی نطفہ قرار دے کر دربار خلافت میں مقدمہ پیش کیا، آپ ﷺ نے بعد تحقیقات اس کو بھی سنگسار کرنے کو فرمایا، ابھی مجرموں پر حد جاری ہونے نہ پائی تھی کہ حضرت علی ﷺ نے دوسری عورت کی نسبت فرمایا کہ اقل مدت چھ ماہ ہے اور یہ آیت کریمہ ''وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا'' پیش کی اور مجنونہ کی نسبت یہ حدیث (مجنون مرفوع القلم ہے) سنائی، حضرت عمر فاروق ﷺ نے تسلیم کیا اور فرمایا: ''لولا علي لهلک عمر''(۱۹)

جب عیسائیوں نے حضرت عمر ﷺ کو یہ دعوت دی کہ وہ بیت المقدس آکر صلح کی دستاویز اپنے ہاتھ سے لکھیں تو لوگ (عیسائی) ان کو مسجد اقصی کی چابیاں حوالہ کریں اور حضرت ابوعبیدہ ﷺ نے لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی آمد پر موقوف ہے تو حضرت عمر ﷺ نے کبار صحابہ کو جمع کیا اور ان سے رائے معلوم کیں، ہر ایک نے الگ الگ رائے دی، چنانچہ حضرت عثمان ﷺ نے مشورہ دیا کہ حضرت عمر ﷺ وہاں نہ جائیں؛ تاکہ وہ اپنی ذلت محسوس کریں اور ان کی ایک طرح سے تحقیر ہو؛ لیکن حضرت علی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر ﷺ کو ضرور جانا چاہئے (کیوں کہ اس میں ایک تاریخی اعزاز ہے، جو ہمیشہ یادگار رہے گا اور یہ بات ہر

ایک کو ہر ایک زمانہ میں حاصل نہیں ہوتی) اور اس طرح مسلمانوں پر بوجھ کم ہوگا، حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کا فیصلہ پسند آیا اور سفر کے لئے تیار ہوئے اور اپنی جگہ پر حضرت علیؓ کو امور خلافت کی ذمہ داری سپرد کر کے رجب ۱۶ھ کو شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ (۲۰)

محمد بن زبیر سے روایت ہے کہ

''میں مسجد دمشق میں گیا، ایک بوڑھا شخص نظر آیا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کی گردن کی ہڈیاں ایک دوسرے سے مل گئی تھی، میں نے پوچھا تم تو بڑی عمر والے ہو، تم نے کس کو دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: بے شک میں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا ہے، میں نے سوال کیا: کسی غزوہ میں شریک ہوئے ہو؟ کہا: ہاں، جنگ یرموک میں جہاد کیا ہے، میں نے کہا: جناب عمر سے کچھ سنا ہو تو بیان کرو؟ اس نے اس طرح کہنا شروع کیا: میں ایک مرتبہ چند جوانوں کے ہمراہ حج کو چلا، راہ میں ایک مقام پر شتر مرغ کے انڈے پڑے پائے، وہ ہم لوگوں نے حالت احرام میں توڑ پھوڑ ڈالے، جب ارکان حج سے فارغ ہوکر واپس آئے تو انڈوں کا ذکر جناب امیر المؤمنین عمر سے کیا: آپ کچھ جواب نہیں دیئے؛ بلکہ ہم سے مڑکر ارشاد فرمایا کہ پیچھے پیچھے چلے آویں، چلتے چلتے ہم لوگ دولت سرائے نبی پر پہنچے، آپ نے بڑھ کر ایک دروازہ پر دستک دی، اندر سے کسی عورت نے جواب دیا، آپ نے پوچھا: ابوالحسن (علی) ہیں؟ جواب ملا: نہیں، پھر آپ وہاں سے چل پڑے اور ایک سایہ دار مقام پر پہونچ کر گزرے اور ہم کو یہی ارشاد ہوا کہ چلے آؤ، بالآخر جناب علی سے ملاقات ہوئی، آپ زمین پر بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ سے مٹی برابر کر رہے تھے، جناب فاروق کو دیکھتے ہی فرمایا: خوش آمدید یا امیر المؤمنین! فاروق: یہ لوگ حالت احرام میں تھے کہ راستہ میں شتر مرغ کے انڈے توڑ ڈالے، علی: آپ نے خود کیوں تکلیف فرمائی، ان ہی لوگوں کو بھیج دیا ہوتا، فاروق: مجھ کو خود آنا لازم تھا (کیوں کہ ایک مسئلہ شرعی کا استفسار منظور تھا) علی: جس قدر انڈے توڑے ہیں، اتنے ہی نر اونٹوں کو اسی قدر جوان اونٹنیوں پر چھوڑ دیں، ان اونٹنیوں کے جس قدر بچے پیدا ہوں، جب وہ قابل قربانی ہوں، قربانی کئے جائیں، یہ اس گناہ کا کفارہ ہے، فاروق: اونٹنی کا حمل تو گر بھی جاتا ہے، پھر اس کا کیا تدارک ہوگا، علی: انڈے بھی گندے ہو جاتے ہیں، فاروق: خداوند مجھ پر کوئی سخت کام نہ پڑے، مگر ابوالحسن میرے پاس ہی ہوں'' (۲۱)

قطع نظر اس کے کہ اس صورت میں علماء فقہاء دین کے نزدیک محرم پر شکاری پرندے کے انڈے تلف کر دینے میں کیا جزا واجب ہے، حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ قابل تعریف ہے، آپ کی قوت اجتہاد اور استقامت دین کی کیا نفیس نظیر ہے!

حسن بن سعید سے روایت ہے کہ

''ایک مرتبہ یحسنس (مرد رجل کا نام) اور صفیہ اور اس کے علاوہ اور پانچ لوگ قید ہو کر آئے اور صفیہ نے ان پانچ میں سے کسی ایک سے زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، زانی اور یحسنس دونوں نے دعویٰ کیا کہ بچہ میرا ہے، بالآخر مقدمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے فیصلے (الولد للفراش وللعاهر الحجر) کے مطابق فیصلہ کروں گا (چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ) بچہ عورت کا ہے (اور زانی کے لئے کچھ نہیں ہے) پھر اس کے بعد آپ نے دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگوائے'' (۲۲)

حمید بن عبداللہ بن یزید مدنی سے روایت ہے کہ

''نبی ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ کا ذکر کیا گیا جس کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا تو نبی ﷺ نے اس کو پسند کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم میں یعنی اہل بیت میں حکمت رکھی ہے'' (۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ چند قضیے بطور نمونہ کے ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے قضیے ہیں، جو کتب حدیث و تاریخ میں مذکورہ ہیں۔

حوالہ جات

(۱) مستدرک:۱۳۵/۳،كنز العمال على مسند الإمام أحمد بن حنبل :۳۷/۵

(۲) شمس التواریخ:۷۵۱/۵

(۳) طبقات الکبریٰ:۳۳۹/۲

(۴) مستدرک ک۱۳۵/۳

(۵) کنز العمال علی مسند الامام احمد بن حنبل:۵۳/۵

(۶) طبقات الکبریٰ:۳۳۹/۲

(۷) الاستیعاب لابن عبدالبر ص:۲۰۱۵

(۸) طبقات الکبریٰ:۳۳۹/۲

(۹) المرتضی، ص:۱۷۶

(۱۰) مشکوۃ ص:۵۶۶،كنز العمال :۶۳۵/۱۱

(۱۱) الخفاء:۴۵۷/۴

(۱۲) کنز العمال علی مسند الامام احمد بن حنبل:۳۷/۵،۶۳۹/۴

(۱۳) ازالۃ الخفاء:۴۷۸/۴

(۱۴) مستدرک:۱۳۶/۳

(۱۵) ازالۃ الخفاء:۴۸۰/۴

(۱۶) اسد الغابۃ ص:۲۳۲

(۱۷) البدایہ والنہایہ:۷/۷

(۱۸) خلفاء راشدین ص:۳۹

(۱۹) مسند احمد:۱۵۴/۱

(۲۰) الکامل:۳۹۹/۳-۴۰۲

(۲۱) ازالۃ الخفاء:۴۷۴/۴

(۲۲) مسند احمد:۱۵۴/۱

(۲۳) ازالۃ الخفاء:۴۸۱/۴

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی ☆

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادات میں مقاصد شریعت کی رعایت

اس کائناتِ رنگ وبو میں ازل ہی سے قدرت کا یہ نظام رہا ہے کہ ہر عہد میں خیر وشر کے درمیان رسہ کشی چلتی رہی ہے، پھر جب جب شر کا پلّہ بھاری ہونے لگا، اللہ تعالی نے خصوصی اوصاف کے حامل افراد کو مبعوث فرمایا کہ وہ اس معرکۂ خیر وشر میں فیصلہ کن کردار ادا کریں، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا؛ بلکہ انہیں ایسے لوگوں کی حمایت ونصرت سے بھی نوازا جو اپنی زندگی کی ہر ایک سانس نظام الٰہی کی اصلاح اور دین الٰہی کے قیام کی خاطر وقف کر چکے تھے، اس مبعوث شخصیت کو نبی اور ان عظیم صفات کے حاملین افراد کو ہم حوارین اور صحابہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جن کی عظمت کا ہر دور معترف رہا ہے۔

بعثت انبیاء کرام کا مبارک سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا کہ آپ آخری نبی قرار پائے، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت آخری دستور حیات قرار پائی، دنیوی واخروی فلاح اسی دین وشریعت سے متعلق قرار دی گئی، تو لازمی طور پر اس کی حفاظت کا انتظام بھی کچھ زیادہ خاص ہونا ضروری تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کی بالخصوص اور مفاہیم وعلوم قرآن کی بالعموم حفاظت کی ذمہ داری لے لی، اور سبب کے طور پر نبی علیہ السلام کی بابرکت صحبت وہم نشینی کے لیے ان انفاس قدسیہ کا انتخاب فرمایا جو اپنی مثال آپ تھے، جنھوں نے نبی علیہ السلام سے ملنے والے قول وفعل کو ایک امانت وذمہ داری جان کر اس کی حفاظت کی اور اسے دوسروں تک پہونچایا، اگر وہ عظیم صحابہ اپنے مال وجان کی قربانی پیش نہ کرتے تو اس امانت کے اور اس آخری دین کے ہم تک پہونچنے کا ظاہری سبب کچھ نہ ہوتا۔

صحابہ کرام اور قرآنی بشارتیں

ان صحابہ کرام کو اللہ رب العزت نے جہاں اس اہم ذمہ داری کے لیے قبول فرمایا، وہیں انہیں دائمی جنت اور اپنی

☆ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ، گجرات، الہند

رضامندی کا پروانہ بھی عطا فرمادیا، جو ان کے لئے سب سے بڑا اعزاز تھا، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے: ”رضي الله عنهم ورضوا عنه ، ذلک لمن خشيَ ربّه “(البینۃ:۸) جس میں عمومی طور پر تمام صحابہ کرام کو رضامندی کی خوشخبری دی گئی ہے۔ نیز اللہ رب العزت نے صحابہ کی جانی و مالی قربانیوں کا ذکر کرنے کے بعد انہیں کامیابی کی بشارت دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”لکن الرسول والذين آمنوا معه جاهدوا بأموالهم وأنفسهم وأولئک لهم الخيرات وأولئک هم المفلحون ٥ أعدّ الله لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ذلک الفوز العظيم “(التوبة:۸۸،۸۹)

اسی طرح نبی علیہ الصلوۃ والتسلیم اور صحابہ کو تسلی دی گئی کہ تکالیف پر غم ورنج نہ کریں، اللہ رب العزت آپ کے اور آپ کے متبعین کے لئے کافی ہیں، جیسا کہ سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

”يأيها النبي حسبک الله ومن اتبعک من المؤمنين “(انفال: ۶۴)

الغرض اللہ رب العزت نے دنیا و آخرت میں صحابہ کرام کی کامیابی وابدی رضامندی کے حصول کا اظہار فرما کر تا ابد ان کی عظمت کا اعلان فرمادیا ہے۔

فضیلت صحابہ احادیث و آثار کی روشنی میں

پھر دیکھیں کہ اصحاب رسول جس شمع نبوت کے نور سے مستفید ہو رہے تھے، اس ذات اقدس نے بھی اپنے اصحاب کی مدح فرمائی اور ان کی شان میں گستاخی کرنے یا زبان طعن دراز کرنے سے روکا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ذکر کردہ روایت:

”لاتسبُّوا أصحابي ، فلوأن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبًا مابلغ مُدّ أحدهم ولا نصيفه“(۱)

نیز ”خير أمتي قرني ، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم... “(۲) اور اس جیسے ملفوظات اس کی واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کی پاکیزگی سے واقف تھے لہذا ان سے متعلق کسی طرح کی بدزبانی و بدگمانی کو یا بدخیالی و بدکلامی کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہ گویا ان کی بیش بہا خدمات اور بے لوث کوششوں کا اعتراف تھا، یہی نہیں؛ بلکہ یہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے کی عزت افزائی، تکریم و تقدیم میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ کے فیض یافتہ ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے عجیب تاریخی درس دیا؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

”من كان مستنا فليستن بمن قد مات ، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة ، أولئک أصحاب محمد ﷺ ، أبرّهم قلوباً ، أعمقها علما، أقلّها تكلّفا، اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم ،واتبعوهم على آثارهم ،

وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرتهم ؛ فإنهم كانوا على الهُدى المستقيم" (۳)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ وفات پا چکے ان کی اقتدا کرنا بہتر ہے مقابل اس کے کہ زندہ شخص کی پیروی کی جائے؛ کیونکہ زندہ شخص کے فتنہ میں ملوث ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں مزید یہ کہ صحابہ کرام اقتدا کیے جانے کے سب سے زیادہ اہل ہیں جو نہایت درجہ کے نیک دل، گہرے علم کے حامل اور تکلفات کے بوجھ سے خالی ہیں، اقامت دین اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے لیے اللہ تعالی نے انہیں منتخب فرمایا، جس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ان کی قدر و منزلت کو جان کر ان کی اتباع کی جائے، اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق حمیدہ کو خود میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ وہ لوگ راہ راست کے مسافر ہیں، نیز امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں سند صحیح سے آپ ہی کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں:

"إن الله نظر في قلوب العباد ، فوجد قلب محمد ﷺ خير قلوب العباد ،فاصطفاه لنفسه ، فابتعثه برسالته ، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد ، فوجدقلوب أصحابه خير قلوب العباد ، فجعلهم وزراء نبيه، يقاتلون علىٰ دينه ، فما رأى المسلمون حسناً فهو عندالله حسن، وما رأوا سيئاً فهو عند الله سيئ" (۴)

جس کا مفہوم ہے کہ اللہ رب العزت نے محمد ﷺ کے قلب مبارک کو سب سے بہتر دل پایا، چنانچہ اسے اپنے لیے منتخب فرمالیا، پھر بندوں میں سے اصحاب محمد کے قلوب کو سب سے زیادہ پاکیزہ پایا تو انہیں اپنے نبی کی رفاقت و حمایت کے لیے منتخب فرمالیا، لہذا جس چیز کو اہل اسلام پسندیدہ سمجھیں وہ اللہ کے یہاں بھی پسندیدہ ہوتی ہے، اور جس چیز کو وہ برا سمجھیں تو وہ اللہ کے یہاں بھی ناپسندیدہ ہے۔

عظمت صحابہ کے اسباب

یہاں پہونچ کر ہمارے ذہن میں یہ سوال بیدار ہونے لگتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے اور وہ کونسی صفات تھیں جنہوں نے صحابہ کرام کو اتنے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہمارے لیے اس سوال کا جواب دینا اس لئے بہت مشکل ہے کہ اگر ایک دو وصف یا چند اسباب ہوتے تو انہیں ذکر کرنے پر اکتفا کر لیتے، لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اسباب عظمت اور اوصاف حمیدہ کی لمبی فہرست ہے، اور پھر یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ کس بات کو ذکر کریں اور کسے ترک کریں، البتہ چند اقتباسات پیش خدمت ہیں، جو اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ صحابہ کیوں عظیم تھے۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ لکھتے ہیں:

".......وثبتت بهم حجة الله عزوجل على المسلمين، فهم خير القرون وخير أمة أخرجت للناس ، ثبت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسوله ﷺ ، ولا أعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ونصرته ، ولاتزكية أفضل من ذلک ولا تعديل أكمل منها ، قال الله عزوجل ذكره :محمد رسول الله، والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم ...، فهذه صفة من بادر إلى تصديقه والإيمان به وآزره ونصره ولصق به وصحبه ...."(۵)

کہ یہ صحابہ ہی ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے مسلمانوں پر حجت تام فرمائی ہے، جو صرف اپنے ہی زمانہ کے نہیں بلکہ ساری امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں، اللہ تعالی اور اس کے رسول نے ان صحابہ کی تعریف فرما کر ان کی پاکیزگی پر مہر لگادی ہے، اور جس کو اللہ رب العزت اپنے نبی کی رفاقت اور اس کی مدد کے لیے منتخب فرمالے اس کے لئے اب کوئی مزید تصدیق وشہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

اسی طرح ساتویں صدی ہجری کے مشہور عالم حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"الصحابة كلهم عدول عند أهل السنة والجماعة، لما أثنى الله عليهم في كتابه العزيز ، وبما نطقت به السنة النبوية في المدح لهم في جميع أخلاقهم وأفعالهم وما بذلوه من الأموال والأرواح بين يدي رسول الله ﷺ ، رغبة فيما عند الله من الثواب الجزيل والجزاء الجميل" (٦)

ماضی قریب کی عبقری شخصیت حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ساتھی، آپ کی تعلیمات کو تمام دنیا اور اپنے زن وفرزند اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے، آپ کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کرکے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلانے والے ہیں، ان کی سیرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک جزو ہے، یہ عام دنیا کی طرح صرف کتب تاریخ سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ نصوص قرآن وحدیث اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے جانے پہچانے جاتے ہیں، ان کا اسلام اور شریعت اسلام میں ایک خاص مقام ہے۔" (۷)

اسی طرح ملک شام کے صاحب قلم ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے عظمت صحابہ کے کچھ اسباب شمار کروائے جو اس طرح ہیں:

الف: صحابہ کرام آپ ﷺ پر نازل ہونے والی ہر آیت اور آپ ﷺ سے صادر ہونے والے ہر ہر عمل کو محفوظ کرنے کے عادی تھے۔

ب: زبان عربیت میں پختگی اور اس کے اتار چڑھاؤ سے کامل واقفیت رکھتے تھے۔

ج: صحابہ کرام فطرتاً معاملہ فہم اور بہت جلد مسئلہ کی تہہ میں پہونچ جانے والے تھے۔

د: دین کی زیادہ سے زیادہ اور صحیح فہم کے حصول کی سچی تڑپ ان میں موجود تھی۔

ہ: اخلاص کے اعلی مراتب پر فائز تھے۔

و: انوار نبوت کا مسلسل مشاہدہ کرنے کی وجہ سے روحانی کیفیت کا عروج انہیں حاصل تھا۔

ز: قرآنی احکامات اور سیرت نبی ﷺ کا عملی نمونہ بننے کی جستجو کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جہاں کوئی وضاحت مطلوب ہوتی فوراً بارگاہ رسالت کا رخ کرتے تھے۔(۸)

صحابہ کا امتیازی وصف

علامہ ابن الجوزیؒ نے صحابہ کرام کا ایک امتیازی وصف یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ حضرات ان مسائل میں اجتہاد کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے جن میں انہیں کوئی واضح نص نہ ملی ہو، اور خود نبی ﷺ نے انہیں اس کی تربیت دی تھی، چنانچہ حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے نبی ﷺ نے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو تمہیں قرآن وحدیث میں نہ ملے تو تم کیا کروگے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: '' اجتهد رايی لا آلو ''، کہ میں وہاں اجتہاد سے کام لوں گا اور کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونے دوں گا۔ آپ کے اس جواب سے نبی ﷺ خوش ہوئے اور آپ کی تصویب فرمائی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے چند صحابہ کو غزوہ اُحزاب کے موقع پر حکم دیا تھا کہ وہ عصر کی نماز بنوقریظہ پہونچ کر پڑھیں، آپ کے اس حکم کو بعض صحابہ نے ظاہر پر محمول کیا اور رات میں جب بنی قریظہ پہونچے تب نماز عصر ادا کی، جبکہ دیگر صحابہ نے کہا کہ اس حکم کا مقصود یہ تھا کہ ہم جلد بنوقریظہ میں پہونچ جائیں، لہذا انہوں نے وقت ہونے پر نماز ادا کرلی۔(۹)

الغرض یہ چند جھلکیاں ہیں ان انفاس عالیہ اور بابرکت شخصیات کی، جنہوں نے براہ راست درسگاہ نبوی سے سیرابی حاصل کی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دین کی ایک ایک بات ہم تک پہونچائی، ان تمام باتوں سے جہاں صحابہ کرام کی عظمت ومنزلت کا پتہ چلتا ہے، وہیں ان کی دینی سوچ واسلامی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ترتیب خلافت کی اہمیت

اس کے بعد ہمیں ایک اور حقیقت جاننے کو ملتی ہے، وہ یہ کہ ان تمام صحابہ کرام میں افضل ترین صحابہ چار ہیں جو نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے نائب اور خلیفہ بنے، جن کے نام بالترتیب یوں ہے: ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم، اور اسی ترتیب کے ساتھ اللہ رب العزت نے ان کے لیے منصب خلافت کا انتخاب فرمایا تھا، کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد جیسے جیسے حالات میں تبدیلی آئی ویسے ویسے ان حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لیے ایسے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا

جو اس ذمہ داری کو اس کی اہمیت سمجھ کر درست انداز میں ادا کر سکے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کے کہ جس طرح نظام شمسی ایک مخصوص طرز پر کارگر ہے اور تقدیر الٰہی کی جانب مشیر ہے اسی طرح مسند خلافت پر جس ترتیب سے جو شخصیتیں آئیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا، یہ بالکل ''ذٰلک تقدیر العزیز العلیم'' کا مظہر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ بحیثیت خلیفہ

چنانچہ ذرا نگاہ بصیرت کو وا کر کے دیکھیں تو یہ منظر سامنے آتا ہے کہ نبی ﷺ داعیٔ اجل کو لبیک فرما چکے ہیں، صحابہ کرام کو کسی ایسے قائد کی ضرورت ہے جو اسی نہج پر ان کی تربیت کرے جس پر وہ نبی کے زمانہ میں تھے، سقیفۂ بنی ساعدہ میں ہونے والے چند مشوروں کے بعد اور بالخصوص حضرت عمرؓ کی مخلصانہ جدوجہد کے بعد تقدیر الٰہی سے حضرت ابوبکر صدیقؓ زمام خلافت سنبھالتے ہیں، اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت کے حالات میں آپ ہی اس قابل تھے، مشکل سے مشکل وقت میں جان و مال کی بے مثال قربانیاں پیش کرنے اور تعلق مع اللہ میں نیز حقوق العباد کی رعایت میں اپنی مثال آپ تھے، نیز مذہب اسلام کے لیے آپ کی غیرت وحمیت سب سے زیادہ تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ''أینقص الدین وانا حي'' کہ ابوبکر کے جیتے جی احکام اسلام میں کمی زیادتی ہونے لگے؟ گویا یہ آپ کی دینی غیرت کے خلاف تھا، اسی دینی حمیت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تمام صحابہ کے لاکھ سمجھانے کے باوجود مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کا حکم دیا؛ حتی کہ صحابہ کو بھی شرح صدر ہو گیا، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ آج زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر رہے ہیں، تو کل روزہ کی باری ہوگی اور پھر حج کا مرحلہ آئے گا، اس طرح احکام اسلام کی دینی حیثیت یکسر ختم ہو جائے گی، لہٰذا آپ نے فرمایا: ''واللہ لأقاتلن من فرّق بین الصلاۃ والزکوۃ ؛ فإن الزکوۃ ھو حق المال '' کہ جو انسان نماز و زکوۃ میں فرق کرے ہم اس سے ضرور جہاد کریں گے، کیونکہ زکوۃ تو مال پر واجب ہونے والا حق ہے۔

اسی طرح آپؓ نے دوسرا عہد ساز فیصلہ یہ فرمایا کہ نبی ﷺ نے یہ تمنا ظاہر فرمائی تھی کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو لشکر دے کر رومیوں سے مقابلہ کے لیے بھیجا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے اس نازک موقع پر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس فلسفہ پر یقین رکھتے ہوئے کہ منشأ نبوی کی تکمیل پر نصرت الٰہی کا نزول یقینی ہے لشکر روانہ فرما دیا، اور ہوا بھی یہی کہ اُدھر اللہ تعالی نے لشکر اسلام کی حمایت فرمائی اور ادھر مدینہ منورہ میں موجود اہل اسلام کی حفاظت فرمائی، اس طرح فتنۂ ارتداد کا قلع قمع فرما کر اور غیر اسلامی سلاطین کے دلوں میں اسلام کی ہیبت بٹھا کر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی اور نبی ﷺ سے جا ملے۔

حضرت عمرؓ مسند خلافت پر

آپؓ کے بعد امت اسلامیہ کو ایک ایسے نگران کی ضرورت محسوس ہوئی جو دین کے اس قلعہ کی حفاظت کرے اور حضرت ابوبکرؓ کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچائے، فتوحات اور مال کی کثرت کی وجہ سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کا توڑ جانتا ہو

اور اسلام کا سچا و مخلص خادم ہو، چنانچہ خلافت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں دی گئی جن میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، آپ نے اونٹ کا گوشت کھانے والے اور کافور کو نمک سمجھ کر استعمال کرنے والے سادہ لوح مسلمانوں کی ایسی خدمت کی کہ انہیں جادہ حق سے ہٹنے نہ دیا، سادگی کا وہ نمونہ پیش کیا کہ تمدن وتہذیب کی نئی چمک دمک اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کھنک نے مسلمانوں کو متاثر نہیں ہونے دیا، عدل وانصاف کا وہ معاشرہ قائم کیا کہ وقت آنے پر خود اپنے لڑکے کو درے لگوائے اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادہ کو قبطی سے کوڑا لگوایا، اور دنیا کو یہ سبق دیا کہ عدل وانصاف کے بغیر کوئی قوم وتہذیب ترقی نہیں پاسکتی اور مذہب اسلام کے بغیر یہ دنیا ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

حضرت عثمانؓ بحیثیت خلیفۃ المسلمین

حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو خلافت کی یہ ذمہ داری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر آئی جو ذوالنورین تھے، نبی ﷺ کی دو چہیتی لڑکیوں سے نکاح کرنے کا عظیم شرف آپ کو حاصل ہوا تھا، مجسم حیا تھے، آپ نے دیکھا کہ ارتداد کی ہوائیں تھم چکی ہیں، عدل وانصاف بھی قائم ہو چکا ہے لیکن اب ایک چیز کی ضرورت ہے، اور وہ یہ کہ اسلامی ملک کے قیام کے لیے اور اس کی توسیع کے لیے ایسے افراد کا انتخاب ہو جو صرف ملازم اور جوابدہ ہوکر ذمہ داری نہ نبھائیں بلکہ گھر کے ایک فرد کی طرح مخلصانہ طور پر اور رضا کارانہ انداز میں دین اسلام کی آبیاری کریں، چنانچہ تاریخ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ آپؓ نے ایسے حضرات کا انتخاب فرمایا جو آپ سے دینی رشتہ بھی رکھتے تھے اور خونی رشتہ بھی، آپؓ کی اس دور اندیشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپؓ کے عہد میں قبرص اور افریقہ کا بڑا حصہ اور شیراز و اصفہان، طبرستان و سجستان اور نیشاپور وغیرہ اسلام کے پرچم تلے آگئے، اور پھر وہیں سے بخاری و مسلم جیسے محدث، ابوحنیفہ و مالک، شافعی واحمد جیسے فقیہ، محمد وابو یوسف جیسے قانون ساز اور عقبہ بن نافع اور طارق بن زیاد جیسے محافظ پیدا ہوئے؛ بالآخر منافقین کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوکر آپؓ نے جام شہادت نوش فرمالیا لیکن اس نیابت سے دستبردار نہیں ہوئے جو انہیں نبی ﷺ سے ملی تھی، اور نہ ہی یہ گوارا کیا کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں۔

حضرت علیؓ اور زمام خلافت

آپؓ کی شہادت کے بعد منجانب اللہ حضرت علیؓ کا انتخاب ہوا کہ اب اس ذمہ داری کو وہ سنبھالیں، چنانچہ آپؓ نے سیاسی اصولوں اور سیاسی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر خالص دینی منافع کو ترجیح دی، سلطنت اسلامی کے عاملین کا محاسبہ کرنے میں ذرا بھی نہ جھجکتے اور ستو کھا کر عالم اسلام کی حفاظت فرماتے، ایک مقدمہ کے سلسلہ میں یہودی کے حق میں اور آپ کے خلاف قاضی نے فیصلہ سنایا لیکن آپ کی جبین پر شکن تک نہیں آئی، اپنی خلافت کے عہد میں آپ نے اندرونی فتنوں اور آپسی انتشار کو دفع کرنے کی بہترین مثال قائم فرمائی اور مسلمانوں کو درس دیا کہ اندرونی اختلافات سے کس طرح نمٹا جاتا ہے۔ تو یہ ہے وہ ترتیب خلافت جسے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے منتخب کیا اور پھر تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں نے اُسے بصدق قلب قبول کیا۔

خلفاء اربعہ کی افضلیت کی وجہ

ان چاروں کو ان کی دینی خدمات، نبوی زندگی سے بہت درجہ مشابہت اور مزاج رسول ومنشأ خداوندی کی صحیح سمجھ کی بنا پہ یہ فضیلت حاصل ہوئی تھی کہ دین اسلام کی حفاظت وبقا اور غیر اسلامی امور کی دراندازی سے حفاظت کی خاطر ان حضرات نے روشن کارنامے انجام دیئے، جن میں سے ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ کی روح کو درست انداز میں سمجھ کر، اس کے مقاصد کو جان کر ایسے اصول وضوابط متعین فرمائے جو پوری دنیا تک کی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں، اور جنہیں بعد کے علماء نے ''مقاصد شریعت'' کے عنوان سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے شمار کیا ہے۔

مقاصد شریعت مختصر تعارف

اس اجمال کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مقاصد شریعت کا مختصر تعارف ضروری محسوس ہوتا ہے؛ تاکہ صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی فقہی بصیرت اور مذہب اسلام کی بہترین نمائندگی ہمارے سامنے آسکے، اور ان حضرات کی زندگیوں کے اس باب پر بھی کچھ روشنی پڑ سکے کہ یہ بھی ان کی عظمتوں کا اہم سبب ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مقاصد شریعت کی بنیاد ''دفع مضرت وجلب منفعت'' کے قانون پر قائم ہے کہ شریعت اسلامی کے تمام مامورات ومنہیات میں سے کوئی بھی حکم جلب منفعت یا دفع مضرت کی غرض سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ متقدمین ومتأخرین میں سے امام الحرمین عبدالملک جوینی (م:۴۷۸ھ) سے لے کر محمد طاہر بن عاشور (م:۱۹۷۳ء) تک اور ان کے بعد آنے والے متعدد ارباب علم ودانش نے اپنی تحریرات میں مقاصد شریعت کو بہت واضح انداز میں پیش کیا ہے، ان تمام حضرات کی یہ علمی کاوشیں درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے مزاج اور خلفاء راشدین وصحابہ کرام کی طبائع سلیمہ کا طویل مطالعہ کرنے کے بعد ہی معرض وجود میں آئیں، جس سے جہاں ان حضرات کی قوت فکر واجتہاد کا پتہ چلتا ہے وہیں رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کے دینی افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر احکام شریعت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو مکلف بنایا ہے، جس کا لازمی پہلو یہ ہے کہ انسان کو جو بھی حکم دیا جائے گا یا جس کام سے روکا جائے گا اس میں یقیناً کوئی مصلحت ضرور ہوگی؛ کیوں کہ اللہ رب العزت کی ذات حکیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ: ''فعل الحکیم لایخلو عن حکمة'' جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تمام احکام اسلام کسی نہ کسی حکمت سے متصف اور مصلحت پر مبنی ضرور ہیں، ان مصلحتوں اور حکمتوں کو بعد کے علماء نے کبھی ''مصالح مرسلہ'' کا نام دیا، تو کبھی ''مقاصد شریعت'' کا نام دیا کہ علماء نے احکام شریعت میں غور وفکر کرنے کے بعد ان کا استنباط کیا اور پھر جہاں جس مسئلہ میں کوئی واضح جواب نہ ملے، وہاں مقاصد شریعت ہی کی روشنی میں نصوص سے ہی استفادہ کر کے اس کا جواب دے دیا۔ امام غزالیؒ کی شخصیت ان چند لوگوں میں سے ہے، جنہوں نے اس جانب سب

سے پہلے توجہ کی، چنانچہ اپنی مشہور کتاب ''المستصفیٰ'' میں فرماتے ہیں:

"مقصود الشرع من المخلوق خمسة: وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم، فكل مايتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة، وكل مايفوت هذه الأصول فهو مفسدة، ودفعها مصلحة" (۱۰)

یعنی شریعت مخلوق سے پانچ چیزوں کا تقاضہ کرتی ہے اور وہ یہ کہ لوگ اپنے دین، جان، عقل، نسل واولاد اور اپنے مال کی حفاظت کریں، لہذا جو حکم ان پانچوں اسباب میں سے کسی ایک پر مشتمل ہوگا اسے اس حکم کی مصلحت سمجھا جائے گا، اور وہ کام جو ان مصالح کو ضائع کرنے کا سبب بنے، اسے مفسدہ سمجھا جائے گا اور اسے دور کرنا مصلحت شمار ہوگا۔

امام غزالیؒ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مقاصد شریعت کل پانچ ہیں:

۱) **حفظ دین:** یعنی دین اسلام کے وہ تمام احکام جن کا تعلق براہ راست دین سے ہو ان کے تحفظ کا خیال کرنا، انہیں بجا لانا اور ان کی عدم ادائیگی سے اجتناب کرنا۔

۲) **حفظ نفس:** اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جس طرح احکام شریعت کا مکلّف ہے اسی طرح اس بات کا بھی مکلّف ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرے، اسے ہلاکت میں نہ ڈالے، ان اشیاء کا استعمال نہ کرے جو جان لیوا ہوسکتی ہیں، اسی طرح شریعت کا قانون قصاص ودیت بھی اسی مقصد پر مبنی ہے۔

۳) **حفظ عقل:** دنیا کی دیگر مخلوقات میں اور انسان میں صرف ایک فرق ایسا ہے جو اسے فوقیت دیتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے عقل کی نعمت سے نوازا ہے، اسی لیے اس کی حفاظت کرنا انسان کی اہم ذمہ داری ہے، شریعت میں شراب ومخدّرات کی حرمت، سفیہ کے تصرفات پر روک اور اس جیسے مسائل اس حکمت سے متعلق ہیں۔

۴) **حفظ نسل:** نسل کی حفاظت کرنا ایک ایسا جذبہ ہے جو قدرت کی طرف سے انسان میں فطری طور پر رکھا گیا ہے، اور شریعت نے اسی کی رعایت کرتے ہوئے زانی کے لیے سخت ترین سزا، نیز بہتان تراشنے پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دیا، حضانت اور حرمت اختصاء کا تعلق بھی اسی مقصد کے تحت آتا ہے۔

۵) **حفظ مال:** شریعت اسلامیہ نے طلب رزق حلال کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس پر ابھارا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مستحکم معاشی نظام کو پسند کیا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے دھوکہ، جوا، رشوت خوری، سود، ظالمانہ ٹیکس، ڈاکہ زنی اور ان جیسے دیگر معاشی جرائم پر سخت سے سخت دنیاوی سزا اور اخروی وعید کے ذریعہ قابو پانے کی کوشش کی گئی۔

مدارج شریعت

الغرض شریعت کے تمام احکام کی مقصدیت ان پانچوں میں سے کسی ایک کو اپنے اندر یقیناً سموئے ہوئے ہوگی، نیز ایک اور بات واضح کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ علماء اصولیین کی تحقیق وتنقیح کے مطابق ان پانچوں مقاصد میں سے ہر ایک کا تعلق مدارج شریعت سے ضرور ہوتا ہے، اور مدارج شریعت تین ہیں: (۱) ضروریات (۲) حاجیات (۳) تحسینیات۔

عصر حاضر کے مشہور اور مقاصد شریعت پر گہری نظر رکھنے والے عرب عالم ڈکتور یوسف حامد العالم اپنی کتاب ''المقاصد العامة للشريعة الإسلامية'' میں ان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والمقاصد الضرورية: وهي مالابد منها لقيام نظام العالم وصلاحه بحيث لايبقى النوع الإنساني مستقيم الحال بدونه"

یعنی مقاصد ضروریہ سے وہ مقاصد مراد ہیں کہ نظام زندگی کے قیام اور اس کے سدھار کے لیے ان کا ہونا ضروری ہو، اگر وہ نہ ہوں تو انسانوں کا درست حالت میں باقی رہنا ناممکن ہوجائے۔

پھر فرماتے ہیں:

"الحاجيات :وهو ماتدعو حاجة الناس إليه من غيرأن يصل إلى حدّ الضرورة"

یعنی حاجیات سے مراد وہ مقاصد ہیں جو ضرورت کی حد تک تو نہ پہونچیں لیکن لوگوں کو اس کی کمی کا احساس ہوتا ہو اور وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوں۔

آگے تحسینیات سے متعلق لکھتے ہیں:

"التحسينيات : وهو مالا يرجع إلىٰ ضرورة ولاإلى حاجة ، ولكن يقع موقع التحسين والتزيين والتوسعة والتيسير للمزايا والمراتب،ورعاية أحسن المنهاج في العبادات والعادات والمعاملات والحمل علىٰ مكارم الأخلاق ومحاسن العادات "

کہ تحسینیات ان مقاصد کو کہتے ہیں جو ضرورت وحاجت کے درجہ کو تو نہیں پہونچتے ہیں، لیکن ان کی رعایت کرنا احکام اسلام کی ادائیگی میں حسن وجمال پیدا کرتا ہے، جن احکام میں مختلف پہلو ہوں یا مختلف مراتب ہوں وہاں ان مقاصد کی رعایت وسعت وسہولت کا سبب بنتی ہے، اسی طرح عبادات وعادات اور معاملات میں بہتر طریقہ کی رعایت کا سبب بن کر اخلاق حسنہ وخصائل حمیدہ سے متصف ہونے پر ابھارتی ہیں۔ (۱۱)

اجتہادات خلفاء راشدین اور مقاصد شریعت کی رعایت

اس تمہید کے بعد دیکھیں کہ خلفاء راشدین نے اپنے اپنے عہد خلافت میں مقاصد شریعت کی رعایت کس حد تک کی، یا بالفاظ دیگر خلفاء راشدین کے عہد زریں میں ظاہر ہونے والے وہ امور جو بعد میں مقاصد شریعت کی ترویج کے لیے بنیاد بنے وہ دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جن کا تعلق عبادات سے یا عائلی زندگی کے مسائل جیسے نکاح وطلاق اور میراث وغیرہ سے ہے، اور دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق معاملات، حدود وجنایات اور حکومت شرعیہ وغیرہ سے ہے، خلفاء اربعہ نے ان مسائل میں نصوص کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اجتہاد فرما کر اور مقاصد شریعت کی کلی رعایت کرتے ہوئے بہت سے مشکل مسائل کو حل فرمالیا۔

زکوۃ کے باب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

چنانچہ زکوۃ کے باب میں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ فرضیت زکوۃ اور اس کی اہمیت کا مکمل شعور صحابہ کرام کو تھا، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ایک طبقہ نے ادائے زکوۃ سے انکار کردیا اور ارتداد کی ہوائیں چلنے لگیں تو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا حکم دیا، جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ذرا توقف سے کام لیا جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو تنبیہ فرمائی اور مانعین زکوۃ سے علی الفور جہاد کرنے کا حکم دیا جس پر بعد میں حضرت عمرؓ بھی مطمئن ہوگئے۔

اب غور فرمائیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اگر ان مانعین زکوۃ کو مہلت مل گئی تو دوسرے قبائل بھی ان کے ساتھ ہوجائیں گے اور کفر وردّت کا شکار ہو کر بغاوت پر اتر آئیں گے، جس میں دین اسلام کا بڑا نقصان ہوسکتا ہے، جبکہ حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ ان مرتدین ومانعین زکوۃ کا مقابلہ کرنے کے لیے جتنی قوت وطاقت کی ضرورت ہے اس کا انتظام ہونے تک تھوڑا انتظار کرلیا جائے، تو یہ ان دونوں حضرات کے اپنے اجتہاد تھے جو مقصد حفظ دین اور دفع مضرّت پر مبنی تھے، یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے فتنۂ ارتداد کا قلع قمع فرمایا۔

علامہ ابن العربی نے اسی بات کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لما مات رسول الله ﷺ، ارتدّ العرب وانقاض الإسلام، وتزلزلت الأفئدة وماج الناس ؛ فارتاع الصحابة، فقال عمر وغيره لأبي بكر: خُذ منهم الصلاة ، ودع الزكاة حتى يتمكن الدين ويسكن جأش المسلمين فقال أبوبكر رضي الله عنه : والله لأقاتلنّ من فرّق بين الصلاة والزكاة ، والله لومنعوني عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم عليه''.(۱۲)

تراویح میں حضرت عمرؓ کا اجتہاد

اسی طرح تراویح کا مسئلہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ بعض افراد تنہا اور بعض جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں: چنانچہ آپؓ نے تمام لوگوں کو ایک امام کی اقتداء میں باجماعت تراویح پڑھنے کی نیت سے حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع فرمایا، علامہ باجی فرماتے ہیں:

''فـان أن ذلک فيـمـا أدّى إليـه اجتهـاده ورأيـه واستنـبـاطـه ذلک من إقـرار النبي ﷺ النـاس على الصلاة معه في الليلتين ، وقيامه ذلک علىٰ جمع النـاس علـىٰ إمـام واحد في الصلوات المفروضة، ولما في اختلاف الأئمة من اختلاف الكلمة وأسباب الحقد ''. (۱۳)

آپ کا یہ عمل دفع مضرت کے اصول پر مبنی تھا، کیوں کہ آپ کو اندازہ تھا کہ اگر اس صورت کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو مستقبل میں اختلافات شدید ہو سکتے ہیں، تو ان اختلافات کو دور کرنے اور امت اسلامیہ کی صفت اتحاد و اتفاق باہمی کو باقی رکھنے کی غرض سے آپ نے یہ کام انجام دیا۔

مؤلفۃ القلوب اور حضرت عمرؓ کا اجتہاد

اسی قسم کا ایک مسئلہ مؤلفۃ القلوب کا ہے، جنہیں قرآن نے مصارف زکوۃ میں سے ایک مصرف قرار دیا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

'' إنـمـا الـصـدقٰـت لـلـفقراء والمسٰكين والعٰملين عليها والمؤلّفة قلوبهم وفي الـرقـاب والـغٰـرمـيـن وفي سبـيـل الله وابن السبيل ،فريضة من الله، والله عليهم حكيم ''(التوبة : ٦٠)

اور نبی ﷺ کے عہد سے لیکر عہد فاروقی تک اس پر عمل ہوتا رہا، پھر حضرت عمرؓ نے اس مصرف میں زکوۃ کی ادائیگی کو وقتی طور پر موقوف قرار دیا، اور اس سلسلہ میں عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابسؓ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بہتر مثال ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس اجتہادی فیصلہ کی بنیاد یہ بات تھی کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے کا مقصد اہل اسلام کی تعداد بڑھانا اور مذہب اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنا تھا، اب جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو وہ علت ہی ختم ہوگئی، جس کی وجہ سے وہ حکم بھی ختم ہوگیا۔

امام بیہقیؒ نے اس پورے واقعہ کو نقل کیا جس میں یہ حصہ قابل ذکر ہے:

'' ....فقـال عـمـر رضـي الـله عنه : إن رسـول الله ﷺ كان يتألفكما والإسلام يـومـئـذ ذلـيـل، وأن الله قد أعزّ الإسـلام فاذهبا فاجهدا جهد يكما، ولا أرعى الله

عليكما إن رعيتكما". (۱۴)

آپؓ کا یہ فیصلہ دفع مضرت وجلب منفعت دونوں کو گھیرے ہوئے تھا کہ ایک جانب امت اسلامیہ کے ہر فرد کو خود مختار وخود کفیل بنانا تھا اور دوسری جانب امت کے مستحق طبقہ تک زکوۃ کا مال بہتر انداز میں پہونچانا تھا، البتہ اس سلسلہ میں ایک وضاحت ضروری ہے کہ آپ کا یہ عمل الغاء نص کی غرض سے ہر گز نہیں تھا، بلکہ وقتی طور پر آپ نے اسے موقوف رکھنا مناسب سمجھا، یہی وجہ ہے کہ اگر دوبارہ کہیں یہ علت پائی جائے گی تو اس کا حکم بھی لازما پایا جائے گا۔ اسی بات کو شیخ محمود علی داود العبیدی نے ابوعبید کی ''کتاب الأموال'' سے نقل کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''..... وربما يعتقد معتقد أن فعل عمر بن الخطاب إنما هو إلغاء النص ومنع العمل به ، لكنه كان إيقافا مؤقتا للنص ؛ لأنه لايمكن لعمر رضي الله عنه ولا لغيره أن يجرءَ علىٰ إيقاف العمل بالنص أو إلغاءه ، لأن هذا النص حتىٰ ماتوفّرت شروط تطبيقه فإنه يطبق ، خصوصاً إذا رأى وليّ الأمر من يتألفه على الإسلام ". (۱۵)

یہی وجہ ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا تو آپ نے تالیف قلب کی غرض سے جسے مناسب سمجھا اسے مال زکوۃ میں سے حصہ عنایت فرمایا، چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے: ''أنه ربّما أعطى المال من يُستألف على الإسلام''. (۱۶)

حضرت عمرؓ کا کتابیات سے نکاح پر روک لگانا

اس بحث میں دوسری قسم کے مسائل وہ ہیں جن کا تعلق مناکحات اور باہمی ازدواجی زندگی سے ہے، خلفائے راشدین نے دینی بصیرت اور فراست ایمانی کی وجہ سے بہت سے ایسے فیصلے صادر فرمائے جو ان کی مجتہدانہ صفت پر دلالت کرتے ہیں، ان ہی میں سے ایک مسئلہ کتابیہ سے نکاح کا ہے کہ فی نفسہ پاکدامن کتابیہ عورت سے نکاح کرنا درست ہے اور بعض صحابہ کرام نے کتابیات سے نکاح کیے بھی تھے، لیکن ایک وقت آیا کہ حضرت عمرؓ نے کتابیات سے نکاح کرنے پر روک لگادی، چنانچہ جب آپ کو پتہ چلا کہ حضرت حذیفہؓ نے کتابیہ سے نکاح فرمایا ہے تو انہیں حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں، حضرت حذیفہؓ نے پوچھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ تو جواب دیا کہ حرام تو نہیں ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں آگے چل کر ان کی فاحشہ عورتوں سے تم نکاح نہ کر بیٹھو۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسے یوں نقل فرمایا ہے:

''... فكتب إليه عمر: لا، ولكني أخاف أن تواقعوا المومسات منهن". (۱۷)

اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ لوگ تمہاری اقتداء میں کتابیات سے ان کے حسن وجمال کی بناپر شادی کرنے لگ جائیں اور امت مسلمہ کی باعفت خواتین سے بے رغبت ہوجائیں۔ اس اثر کو امام محمدؒ نے کتاب الآثار

میں نقل فرمایا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"…. فإني أخاف أن يقتدي بك المسلمون فيختاروا نساء أهل الذمة لجمالهن، و كفىٰ بذلك فتنة لنساء المسلمين".(۱۸)

اسی کو ابن کثیرؒ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"….وإنما كره عمر ذلك لئلا يزهد الناس في المسلمات".(۱۹)

حضرت عمرؓ کے اس عمل کا سبب جو بھی ہو؛ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ نسل انسانی کی حفاظت اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے کیا، آپ کو یہ خوف تھا کہ اگر منع نہیں کیا گیا تو آہستہ آہستہ کتابیات کی فاحشہ عورتوں سے اہل اسلام کے روابط بڑھیں گے، آپس میں نکاح ہوگا اور پھر اس بچہ کا نسب عورت کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے مشتبہ رہے گا، نیز یہی بچہ غیر اسلامی طرز زندگی پر پروان چڑھ کر وہی طبیعت و معاشرہ پیش کرے گا جو اس نے اپنی ماں کی گود میں حاصل کیا ہے، دوسری جانب آپ کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر اہل اسلام کتابیات سے نکاح کرنے کے عادی ہو جائیں تو پھر مسلم لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، اور ان سے عدم رغبت کا نقصان ایک فتنہ کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ الغرض اس مسئلہ میں مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد "حفظ نسل" کی مکمل رعایت کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا معذور شوہر کو مہلت دینا

اسی طرح نکاح ہی سے متعلق ایک مسئلہ ہے کہ بسا اوقات زوجین میں سے کسی ایک میں کوئی ایسی بیماری پائی جاتی ہے کہ جس کی بنا پر وظیفۂ زوجیت کا وقوع ممکن نہیں ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شرعی حکم یہی ہے کہ اگر ایسی کوئی صورت پائی جائے تو رشتۂ نکاح کو فوراً ختم کر کے دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے؛ لیکن اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کا اجتہادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ جو شخص عنین ہو- یعنی مباشرت پر قادر نہ ہو- اسے ایک سال کی مہلت دی جائے اور فوراً نکاح ختم نہ کر دیا جائے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں سعید بن المسیب سے منقول ہے:

"قضىٰ عمر بن الخطاب رضي الله عنه في الذي لايستطيع النساء أن يؤجل سنة"(۲۰)

نیز سعید بن المسیب ہی فرماتے ہیں:

"أن عمر جعل للعنّين أجل سنة ، وأعطاها صداقا وافيًا".(۲۱)

اب حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد پر نظر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ مہلت اس لیے دی کہ بسا اوقات کسی انسان میں قدرت و طاقت تو ہوتی ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے وہ معذور ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے تاکہ سال بھر

کے مختلف مواسم اور ماحول کی تبدیلی اس میں تبدیلی لا سکے، اب اگر ایک سال کی مدت میں وہ قادر ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ ختم کر دیا جائے گا۔ آپؓ کا یہ فیصلہ سراسر جلب منفعت و دفع مضرت پر مبنی تھا کہ آپ ایک بنے بنائے رشتہ کو یوں ختم کر دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی یہ پسند فرماتے تھے کہ ایک لڑکی طلاق کا کلنک لگائے معاشرہ میں گھومے، اسی طرح یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی اس رائے سے حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہؓ نے بھی اتفاق کیا ہے جبکہ حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ مہلت دیے جانے کے حق میں نہیں تھے، ان حضرات کی اس رائے کا سبب اگر چہ کسی نے ذکر نہیں کیا ہے البتہ یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان حضرات کو ممکن ہے یہ اندیشہ ہو کہ اگر زوجین کو اسی حالت پر باقی رکھا جائے تو بہت ممکن ہے کہ آپسی اختلافات بڑھیں گے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ عورت اپنی جائز شہوت کو پورا کرنے کے لیے کوئی غلط قدم اٹھالے، تو ان تمام خدشات کے پیش نظر ان حضرات نے مہلت دینا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ تفریق کرنا بہتر سمجھا کہ ہر کوئی اپنی ضرورت کو پورا کرنے میں آزاد رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الغرض اس طرح کے نجانے کتنے مسائل ہیں جن میں صحابہ کرام و خلفاء راشدین نے دینی فکر پر مبنی اجتہاد کرتے ہوئے اور مقاصد شریعت کی روح کو سمجھتے ہوئے ان کا استنباط کیا ہے، اگر صحابہ اس میدان کو یونہی کھلا چھوڑ دیتے تو آج ہزاروں مسائل ایسے ہوتے کہ جن کا حل کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہوتا۔

اجتہاد عمرؓ ایک عظیم کارنامہ

مقاصد شریعت کی صحیح ترجمانی اور اسرار شریعت کو سمجھ کر شریعت کی تنفیذ میں حضرت عمرؓ کا خصوصی کردار رہا ہے، آپ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تھے کہ مشکات نبوت سے صادر ہونے والے وہ احکام جن میں صاحب نبوت نے اجتہاد کی گنجائش رکھی ہے، ان میں اجتہاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے جزیہ کی تعیین، خراج کی توضیح اور ام ولد کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں اجتہاد سے کام لیا اور یہ نکتہ واضح فرمایا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلیہ پر مبنی ہیں۔

بالخصوص آپ نے تمدن و ثقافت اور سیاست ملکیہ سے متعلق جو احکامات نافذ کیے وہ آپ کی اجتہادی فوقیت کو ثابت کرتے ہیں، جیسے خمس کا مسئلہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم قرآنی اور آپ ﷺ کے معمول کو مدنظر رکھ کر مال خمس کی تقسیم میں مثبت تبدیلی فرمائی۔ اسی قبیل کا ایک مسئلہ ''فيئ'' کا ہے کہ جو زمین فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے، اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ وقف کی شکل میں محفوظ کر دی جائے گی، جس کے منافع سے اس دور کے اور بعد کے مسلمان فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام و عراق فتح ہوئے تو بعض صحابہ نے اس زمین کو تقسیم پر اصرار کیا، لیکن حضرت عمرؓ نے قرآن کی آیت: ''......والذین جاء وا من بعد'' پڑھ کر فرمایا:

''فكانت هذه عامة لمن جاء من بعدهم، فصار هذا الفيئ بين هؤلاء جميعا،

فکیف نقسمه لهولاء وندع من یخلف بعدهم ؟ "

یعنی فیئ کا مال مشترک مال ہے، جس میں بعد میں آنے والے مسلمان کا بھی حصہ ہے، اگر اسے ابھی تقسیم کردیا گیا تو پھر ان کو کہاں سے دیا جائے گا؟ اسی طرح جزیہ کی تعیین میں آپؓ کا اجتہاد آپ کی بصیرت پر دلالت کرتا ہے، آپ نے وقت اور حالات کے پیش نظر اس میں تبدیلی بھی فرمائی اور بسااوقات ادائیگی جزیہ میں رعایت دی اور کبھی وقتی طور پر معاف بھی کردیا، خراج کے سلسلہ میں ارض عراق میں آپ نے زمین کی پیداوار اور زرعی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ایسا خراج متعین کیا کہ جس میں ذمیوں کے حقوق کی از حد رعایت کی گئی، اور اس صوابدیدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم مدت میں خراج سے حاصل ہونے والی رقم دس کروڑ بیس ہزار درہم ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول وہ اقوال وافعال جو منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں ان میں آپؓ نے اجتہاد کیا؛ کیونکہ آپؓ نے اقوال وافعال رسول کے درمیان موجود فرق کو سمجھا تھا، اور اسی سمجھ کی بنا پر آپ نے ایسا کیا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حضور ﷺ کے تمام اقوال وافعال تشریعی حیثیت کے حامل ہوتے تو حضرت عمرؓ ہی کیا، کوئی اور بھی یہ جرأت نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ان میں اپنے اجتہاد سے کمی بیشی کرے، اسی طرح دیگر صحابہ کرامؓ کا حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو تسلیم کرنا خود ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی اس حقیقت سے واقف تھے، ورنہ وہ یہ کیسے گوارا کرتے کہ حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں حضرت عمرؓ تبدیلی کریں۔(۲۲)

حضرت عثمانؓ کے اجتہادات

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ عبادات میں سے نماز جمعہ کے لیے اذان کا مسئلہ ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک ایک ہی اذان ہوتی تھی جو خطیب کے سامنے دی جاتی تھی، پھر جب حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت شروع ہوا تو آپ نے محسوس کیا کہ مدینہ کی آبادی کافی پھیل چکی ہے اور لوگ تجارت ودنیوی امور میں مشغولی کی وجہ سے وقت جمعہ کا دھیان نہیں رکھ پاتے ہیں، تو آپ نے اس غرض سے کہ لوگ نماز جمعہ سے پہلے مسجد میں پہونچ جائیں اور خطبہ میں شریک ہوجائیں، ایک اور اذان کو جاری کروایا جو دیگر اذانوں کی طرح ابتداء وقت پر دلالت کرتی ہو۔ چنانچہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وتبين مما مضىٰ أن عثمان رضي الله عنه أحدثه لإعلام الناس بدخول الوقت قياسا على بقية الصلوات ، فألحق الجمعة بها وأبقىٰ خصوصيتها بالأذان بين يدى الخطيب..."(۲۳)

اور آپ کا یہ عمل محض جلب منفعت کی غرض ہی سے تھا کہ لوگوں کا جمعہ اور خطبہ چھوٹنے نہ پائے۔

اسی قبیل کا ایک مسئلہ منیٰ میں قصر واتمام کا ہے، آپ ﷺ، حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں منیٰ میں نمازیں قصر اًپڑھی جاتی تھیں، لیکن بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اتمام کرنا شروع کر دیا، علماء کرام نے آپ کے اس عمل کی مختلف وجوہات بیان کی کہ آپ نے اقامت کی نیت کی تھی، یا یہ کہ آپ نے وہاں نکاح فرمایا تھا، لیکن ابن حجرؒ نے جس سبب کو ترجیح دی وہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں بعض عرب قبائل نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آپؓ کو خوف تھا کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ نماز میں دو ہی رکعتیں پڑھنا فرض ہے، تو ان کو اس گمان سے بچانے کی خاطر آپ نے اتمام فرمایا، اس میں ایک اور سبب کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپؓ کو اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ قصر کو جو کہ رخصت ہے واجب نہ سمجھ لیں، اور بہر حال اسی پر عمل پیرا ہونے کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ تو اس اندیشہ کو بھی دور کرنا مقصود ر، اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کا یہ اجتہاد دفع مضرت کی غرض سے تھا، اسی بات کو ذکر کرتے ہوئے ابن حجر امام بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''إن عثمان أتم بمنىٰ ثم خطب فقال: إن القصر سنة النبي وصاحبيه ، ولكن حدث طغام–أي الأعراب الجهلة– فخفت أن يستنوا، وأورد ابن جريج أن أعرابياً ناداه في منىٰ: يا أمير المؤمنين ! مازلتُ أصليها منذ رايتک عام أول ركعتين '' ۔ان عبارات کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں:''وهذه طرق يقوي بعضها بعضا، ولا مانع أن يكون هذا سبب الإتمام''. (۲۴)

اجتہادات حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے علم وافر کی وجہ سے جس مقام پر تھے؛ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بعض مسائل میں آپ سے جواب دریافت فرماتے تھے، جو آپؓ کے علمی مرتبہ کو واضح کرتا ہے، آپؓ کے قضایا اپنی مثال آپ تھے، جن سے آپؓ کی دینی بصیرت کا پتہ چلتا ہے، روٹیوں کے تقسیم والا مسئلہ اور کنویں میں گر کر مرنے والے افراد کے سلسلہ میں آپ نے جو فیصلے صادر فرمائے، وہ آپ کی فقاہت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے مسائل میں آپؓ نے اسلاف کی طرح اجتہاد اور قیاس سے بھی کام لیا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں حد شرب خمر کا مسئلہ درپیش ہوا، تو آپؓ نے رائے دی کہ شرابی کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں اور اس کا سبب یہ بتایا کہ شراب پی کر انسان بکواس کرتا ہے اور لوگوں کی عزت وآبرو کو نشانہ بناتا ہے، جس کی سزا شریعت میں اسی (۸۰) کوڑے ہیں، لہذا شرابی کو بھی اسی کوڑے لگنے چاہئے، حضرت عمرؓ نے آپؓ کی رائے کو قبول کرتے ہوئے شرابی کو اسی کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، پھر خود اپنے دور خلافت میں آپؓ نے ماہ رمضان میں شراب پینے والے شخص کو سو (۱۰۰) کوڑے لگوائے اور وضاحت بھی فرما دی کہ اسی (۸۰)

کوڑے شراب نوشی کی سزا کے طور پر اور بیس (۲۰) کوڑے ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے کے جرم میں لگائے گئے، آپؓ کا یہ عمل اجتہاد پر مبنی تھا کہ حالات و مصلحت کے پیش نظر آپ نے اس اضافے کو مناسب سمجھا۔(۲۵)

حضرت عمرؓ کے دربار میں ایک پاگل عورت لائی گئی، جس سے زنا کا صدور ہو گیا تھا، حضرت عمرؓ نے حد رجم جاری کرنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے آپؓ کو روکا اور بتایا کہ مجنون اپنے عذر کی بناء پر احکام شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس عورت پہ بھی حد جاری نہیں کی جا سکتی۔(۲۶) اس سے حضرت علیؓ کے علمی استحضار کا اندازہ ہوتا ہے، نیز ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے مسئلہ دریافت فرمایا کہ خنثٰی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہوگی؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ لگایا جائے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ گویا اس طرح آپؓ نے اس مسئلہ کو حل فرمالیا جو حضرت معاویہؓ جیسے صحابی جلیل پر واضح نہ ہو سکا تھا۔(۲۷)

اور یہ واقعہ تو آپؓ کی فقہی بصیرت کا ترجمان ہے جب کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسی خاتون لائی گئی جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت علیؓ کو پتہ چلا؛ تو آپؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ قرآن پاک میں مدت حمل و مدت رضاعت تیس مہینے بتائی گئی ہے، جب کہ دوسری جگہ رضاعت کی تعیین دو سال سے کی گئی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حمل کی اقل مدت چھ مہینے ہیں؛ لہٰذا اس عورت کو سزا نہیں دی جا سکتی ہے، اس طرح قرآنی آیات کا صحیح مطلب و مفہوم کو آپؓ نے صحیح انداز میں سمجھ کر ایک غلط فیصلے کو صادر ہونے سے روک دیا۔

الغرض آپؓ نے اسلاف کی روش پر چلتے ہوئے اور احکام دینیہ کے مناسب انداز میں نفاذ کے لئے شریعت کی مقصدیت کو سمجھ کر خلافت کی ذمہ داری بہتر طریقے سے انجام دی۔

اقوال صحابہ میں سے کسے ترجیح ہوگی؟

ہماری اس تحریری گفتگو کو ختم کرنے سے قبل دوبارہ اپنے عنوان کی جانب لوٹتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دو اہم اقتباسات آپ کے حوالہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جو اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے آپسی علمی اختلافات کس نوعیت کے ہوتے تھے اور ان کے زمانہ میں کس کی رائے کو فوقیت و اقدمیت حاصل ہوتی تھی؟ چنانچہ ابن قیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں اختلافات صحابہ، ان کے فتاوی اور اس جیسے مسائل پر مفصل گفتگو فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابی کوئی بات کہے تو اس قول کی مخالفت میں بھی کوئی قول ہوگا یا نہیں ہوگا، پھر اگر مخالف قول موجود ہے اور وہ اس جیسے ہی دوسرے صحابی کا ہے تو اب ایک کا قول دوسرے کے خلاف حجت نہیں بن سکتا، کیونکہ دونوں نے یقیناً رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے استفادہ کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی ہے، لیکن اگر مخالف قول کسی ایسے صحابی کا ہے جو علم و عمل، تقویٰ و صلاح میں ان سے بہتر ہے، جیسے خلفاء راشدین کا یا ان میں سے کسی کا قول دیگر صحابہ کے قول کے مقابل ہو، تو ایسی صورت میں خلفاء راشدین کی رائے کو راجح قرار دیا جائے گا، پھر ان چاروں میں سے زیادہ جس طرف ہو، وہ قول راجح ہوگا، اور اگر خلفاء راشدین میں بھی دو اور دو کا تناسب ہو جائے

تو حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو ترجیح دی جائے گی، پھر اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں بھی اختلاف ہو تو حضرت ابوبکرؓ کی رائے راجح ہوگی، اسی طرح صحابہ کرام کے آثار وفتاویٰ متاخرین کے فتاوی وآراء کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے، الغرض مشکوۃ نبوت سے جس کو جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اس کی رائے اتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی، اسی کو ابن قیم لکھتے ہیں: ''......وکلما کان العہد بالرسول أقرب کان الصواب أغلب ''.(۲۸)

اقوال صحابہ میں اختلاف کے اسباب

اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں کافی اطمینان بخش گفتگو فرمائی ہے، نیز اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ عہد نبی ﷺ میں شاذ ونادر ہی ایسے مسائل پیش آئے تھے کہ ان کی بابت صحابہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے، ورنہ اکثر تو یہی ہوتا کہ نبی کو جو کام جیسا کرتا دیکھتے صحابہ اسی طرح اسے کرنے کی کوشش کرتے، یا جس کام سے متعلق نبی اس کا طریقہ سکھلا دیتے اسے ویسے ہی ادا کرتے، پھر رفتہ رفتہ اسلام نے مختلف ممالک میں اپنا سکہ جمایا اور حالات وافراد کی تبدیلی کی وجہ سے نئے نئے مسائل سامنے آنے لگے تو صحابہ کرام نے نصوص شرعیہ کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا، اور جن مسائل میں نصوص سے کوئی جواب سمجھ میں نہ آسکا، ان میں نصوص ہی کی قیادت میں اجتہاد واستنباط سے کام لے کر اور شریعت کے احکام کی علت کو سمجھ کر حتی الامکان صحیح جواب دینے کی کوشش کی، شاہ ولی اللہؒ نے صحابہ کے ان اجتہادات اور ان کی بنا پر ہونے والے اختلافات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''فعند ذلک وقع الاختلاف بینهم علی ضروب ، منها أن صحابیا سمع حکما في قضیة أو فتویٰ لم یسمعه الآخر فاجتهد برأیه في ذٰلک ، وهذا علیٰ وجوه : أحدها : أن یقع اجتهاده موافق الحدیث....وثانیها: أن یقع بینهما المناظرة، ویظهر الحدیث بالوجه الذی یقع به غالب الظنّ، فیرجع عن اجتهاده إلی المسموع.....وثالثها: أن یبلغه الحدیث ، لکن لاعلی الوجه الذی یقع به غالب الظن، فلم یترک اجتهاده ، بل طعن فی الحدیث ...ورابعها: أن لایصل إلیه الحدیث أصلا''

یعنی بسا اوقات اختلاف اس لیے واقع ہوتا تھا کہ ایک صحابی کسی مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ یا فتویٰ جانتے تھے جبکہ دوسرے صحابی اس سے لاعلم ہوتے تھے اور اجتہاد فرماتے تھے، تو کبھی ان کا اجتہاد حدیث کے موافق ہی رہتا تھا اور کبھی یہ ہوتا کہ وہ اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیتے اور حدیث پر عمل کرتے، کبھی حدیث میں کوئی ایسی بات ہوتی جو ان تک پہونچتی تو سہی لیکن دیگر نصوص کی

روشنی میں وہ اپنے اجتہاد پر ہی قائم رہتے، اور کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ سرے سے کوئی حدیث ان تک پہونچی ہی نہ ہوتی۔

پھر شاہ صاحب نے اختلاف کے دوسرے سبب یا دوسرے حصہ کو ذکر کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ومن تلک الضروب أن يروا رسول اللهﷺ فعل فعلا، فحمله بعضهم على القُربة وبعضهم على الإباحة، ...ومنها اختلاف الوهم...ومنها اختلاف السهو والنسيان ...ومنها اختلاف الضبط....ومنها اختلافهم في علة الحكم ....ومنها اختلا فهم في الجمع بين المختلفين "

کہ صحابہ میں بسا اوقات اختلاف اس لیے ہوتا تھا کہ وہ نبی ﷺ کو کوئی کام کرتا دیکھتے، تو بعض حضرات اسے تطوع اور نیکی کے کام پر محمول کرتے اور بعض اسے مباح گردانتے، جس کی وجہ سے ان کی آراء میں بھی اختلاف ہو جاتا، کبھی اندازہ وگمان کے اختلاف کی وجہ سے بھی اختلاف ہوتا تھا، اسی طرح کبھی کبھی بھول بھی اختلاف کی وجہ بن جاتی تھی، تو کبھی روایت کو ضبط کرنے میں اور اسے سمجھنے میں اختلاف ہوتا تھا، نیز کبھی کسی حکم کی علت کو سمجھنے میں اختلاف ہو جاتا تھا۔(۲۹)

صحابہ میں سب سے افضل کون ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ کہ وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد سے آج تک، بلکہ رہتی دنیا تک اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں، گرچہ اس مسئلہ تفضیل میں دسیوں اقوال ہیں اور ان کے معتقدین آج بھی کئی ممالک میں پائے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ جمہور علماء کا اسی ترتیب پر اتفاق ہے جو ابھی گزری۔ اللہ جزائے خیر دے امام بخاریؒ کو جنہوں نے ایک روایت نقل کر کے ہمارے لیے سامان تسلی مہیا کر دیا ہے، چنانچہ آپ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کے حوالہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ

: "كنا نخيّر بين الناس في زمن النبي ﷺ ، فنخيّر أبا بكرؓ ثم عمربن الخطابؓ ،ثم عثمان بن عفانؓ ". (۳۰)

اسی طرح ابن کثیرؒ ''الباعث الحثیث'' میں لکھتے ہیں:

"وأفضل الصحابة بل أفضل الخلق بعد الأنبياء أبو بكر الصديق ... ثم من بعده عمر بن الخطاب ، ثم عثمان بن عفان ثم على بن أبى طالب رضي الله عنهم " (۳۱)

نیز مقدمہ ابن الصلاح میں مذکور ہے:

"أفضلهم على الإطلاق : أبو بكر، ثم عمر ،ثم إن جمهور السلف علىٰ تقديم عثمان علىٰ علي رضي الله عنهم أجمعين". (۳۲)

ان تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل الصحابہ ہیں اور پھر تینوں صحابہ ہیں جو آپؓ کے بعد بالترتیب خلیفہ بنے، اور اس عقیدہ کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ کو ماننا ایمان سے خارج کرے نہ کرے، ایمان کو مخدوش ضرور کر دے گا۔

ساتھ ہی ساتھ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دنیا چاہے ترقیات کی دوڑ میں حیرت انگیز رفتار سے دوڑے، مریخ دماہ پر اپنے نقش قدم چھوڑ آئے، سمندروں کی گہرائی میں چھپے لعل وگوہر سے اپنے دامن بھر لے اور چاہے نظام قدرت میں شیطانی دماغ کا استعمال کر کے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لے، تب بھی اس کائنات میں موجود ہر انسان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات صرف اسی شریعت اسلامیہ سے متعلق ہے جو اللہ رب العزت نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمائی، اور جسے آپ کے جاں نثار صحابہ نے بے مثال قربانیاں دے کر مکمل احساس ذمہ داری کے ساتھ ہم تک پہونچایا ہے، کہ ان کے نقش قدم پر اٹھنے والا ہر قدم درحقیقت جنت کے قریب ہو رہا ہے۔

اجتہادات خلفاء اربعہ اور عصر حاضر

خلاصہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے ان اجتہادات سے ہمیں یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ في زمانہ دنیا عروج کی شکل میں زوال کی جانب بڑھتی جارہی ہے، ایسے حالات میں حضرت ابوبکرؓ کے اجتہادات ہمیں سکھلاتے ہیں کہ فتنوں کا مقابلہ کیسے کرنا ہے، اور امت اسلامیہ کا داخلی انتشار جو ساری دنیا پر واضح ہوگیا ہے، حضرت علیؓ کے اجتہادات ہمیں ان سے نمٹنے کا راستہ دکھاتے ہیں، دنیا میں پھیلی بے امنی اور بدامنی، مذہبی تعصب اور نسلی منافرت کے سیلاب کو روکنے کے لیے حضرت عثمانؓ کی سوچ اور عمل مشعل راہ ہے کہ بقائے باہمی کی غرض سے آپ نے بہت مناسب فیصلے کیے، اور بالآخر غربت وافلاس کے شکنجے میں جکڑی اور بھکمری سے پریشان دنیا کے معاشی استحکام، اسلام کی سیاسی واخلاقی بالادستی کے اثبات اور فرسودہ نظام جمہوریت کے مقابل خلافت اسلامیہ کے قیام کی افادیت کے لیے ہمارے یہاں حضرت عمرؓ کی عالی فکر اور معتدل وبرحق اجتہادات کا ذخیرہ موجود ہے، ان کی اتباع کرتے ہوئے دنیا کو دوبارہ اس عہد زریں کی جانب لوٹایا جاسکتا ہے کہ انسانیت نے جس کے خواب دیکھنے بھی چھوڑ دیے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) بخاری : ۳۶۷۳، مسلم : ۲۵۴۰
(۲) بخاری : ۳۶۵۰، مسلم : ۲۵۳۵
(۳) مشکوۃ المصابیح ، حدیث : ۱۹۳
(۴) مسند احمد : ۵۰۵/۳، ۵۰۶ برقم : ۳۶۰۰
(۵) الإستیعاب : ۵/۱
(۶) الباعث الحثیث، ص: ۱۷۶، ۱۷۷
(۷) مقام صحابہ از مفتی محمد شفیع عثمانی ، ص: ۸
(۸) فقہ حضرت ابوبکرؓ (مترجم) ص: ۱۲، ۱۳
(۹) اعلام الموقعین : ۲۰۲/۱-۲۰۴
(۱۰) المستصفیٰ للغزالي : ۲۷۸/۱
(۱۱) المقاصد العامة للشریعة الإسلامية ، ص: ۱۶۱-۱۶۴
(۱۲) اجتهاد الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۴۱
(۱۳) المنتقیٰ للباجی : ۲۰۷/۱
(۱۴) السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱۱۳/۱۰ برقم: ۱۳۴۶۴
(۱۵) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۴۵
(۱۶) طبقات ابن سعد : ۲۷۰/۵
(۱۷) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۳۳
(۱۸) کتاب الآثار ، باب من تزوج الیهودیة او النصرانیة ...: ۳۹۴/۱ برقم : ۴۱۲
(۱۹) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۳۴
(۲۰) مصنف عبدالرزاق : ۲۵۳/۶ برقم: ۱۰۷۲۰
(۲۱) مصنف عبدالرزاق : ۲۵۳/۶ برقم: ۱۰۷۲۱
(۲۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: الفاروق از علامہ شبلی نعمانی
(۲۳) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۳۳
(۲۴) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۱۹
(۲۵) اجتهادات الخلفاء الراشدين الأربعه از شیخ محمود علی داود العبیدی، ص: ۱۹۲-۱۹۵
(۲۶) مسند أحمد : ۹۵/۲، برقم: ۱۱۸۳
(۲۷) تاریخ الخلفاء للسیوطی ، ص: ۱۶۵
(۲۸) أعلام الموقعین : ۱۱۸/۴-۱۲۰
(۲۹) رحمة الله الواسعة شرح حجة الله البالغة : ۵۸۸/۲-۵۹۵
(۳۰) بخاری برقم: ۳۶۵۵، کتاب فضائل الصحابة ، باب فضل أبی بکر بعد النبی ﷺ
(۳۱) الباعث الحثیث، ص: ۱۶۷
(۳۲) مقدمة ابن الصلاح ، ص: ۱۷۸


صحابہ رضی اللہ عنہم تعلیم و تربیت



مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

صفہ اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم

صفہ عربی زبان میں چبوترہ کو کہتے ہیں، مسجد نبوی ﷺ سے متصل مسجد سے باہر ایک سایہ دار چبوترہ بنادیا گیا تھا، اس پر وہ مہاجرین حضرات جو نہ کاروبار کرتے تھے نہ ان کے پاس گھربار تھا، نہ اہل وعیال، مکہ مکرمہ اور دیگر علاقوں سے دین متین کے سیکھنے کے لئے بھوک وپیاس کو اپنی غذا بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپڑے تھے، ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی؛ کیوں کہ وہ مسافر حضرات بھی باہر سے آکر اسی چبوترہ پر ٹھہر جایا کرتے تھے، جن کا مدینہ منورہ کے کسی باشندہ سے تعارف اور تعلق نہ ہوتا تھا، مسافر مہمان آجاتے تو اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی تعداد بڑھ جاتی تھی اور مسافر چلے جاتے تو تعداد کم ہوجاتی تھی، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

" وأصحاب الصفة رضي الله عنهم زهاد من الصحابة رضي الله عنهم وهم الفقراء الغرباء الذين كانوا يأوون إلى مسجد النبي ﷺ وكانت لهم في آخره صفة وهي مكان منقطع من المسجد مظلل يبيتون عليه ويأوون عليه قاله إبراهيم الحربي والقاضي عياض وكانوا يقلون ويكثرون ففي وقت كانو سبعين وفي وقت غير ذلك وقد بلغوا أربعمائة كما ذكره القرطبي في تفسير سورة النور ومثله في الكشاف عند قوله تعالىٰ ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ فيزيدون بمن يقدم عليهم وينقصون بمن يموت أو يسافر أو يتزوج " (۱)

''اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم وہ پردیسی اور بے سروسامان صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو دنیا سے بے رغبت تھے، رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو قیام گاہ بنائے ہوئے تھے، مسجد کے آخر میں ان کے (قیام کے) لئے ایک چبوترہ تھا جو مسجد سے علیحدہ تھا اور اس پر سایہ کے لئے کچھ پڑا ہوا تھا، اس پر رات گذراتے تھے، ابراہیم حربی اور قاضی عیاض نے ایسا ہی فرمایا ہے، اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کبھی کم ہوجاتے تھے اور کبھی بڑھ جاتے تھے، کبھی ستر ہوگئے اور کبھی اس سے کم وبیش، حتی کہ چار سو تک پہنچ گئے تھے، جیسا کہ علامہ قرطبیؒ نے سورہ نور

کی تفسیر میں اور کشاف میں سورہ بقرہ کی آیت ﴿لِلۡفُقَرَاءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ایسا ہی لکھا ہے'' جب باہر سے لوگ ان میں آ کر شامل ہو جاتے تھے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی تھی اور جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا مدینہ منورہ سے چلا جاتا یا نکاح کر کے (گھر بار والا ہو جاتا) تو ان کی تعداد گھٹ جاتی تھی''۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصحاب صفہ ؓ کے ایک سو ایک نام گنائے ہیں (جو ان کو معلوم ہو سکے) اور ایک مستقل رسالہ میں ان حضرات کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں، محدث حاکم نے اپنی مشہور کتاب مستدرک میں چونتیس نام تحریر فرمائے ہیں، حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں ۴۳ نام لکھے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر کے موافق ابن الاعرابی اور سلمی نے بھی ان حضرات کے اسماء گرامی جمع کئے ہیں، (ذکرہ فی فتح الباری باب نوم الرجال فی المسجد) اس مضمون کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ اصحاب صفہ ؓ کے اسمائے گرامی درج کروں گا جو حاکم نے مستدرک میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھے ہیں:

حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں:

"تأملت هذه الأخبار الواردة في أهل الصفة فوجدتهم من أكابر الصحابة ؓ ورعا وتوكلا على الله عز وجل وملازمة لخدمة الله ورسوله ﷺ اختار الله تعالىٰ لهم ما اختاره لنبيه ﷺ من المسكنة والفقراء والتضرع لعبادة الله عز وجل وترك الدنيا لأهلها" (۲)

''وہ روایات جو اصحاب صفہ ؓ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، میں نے ان میں غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ پرہیز گاری اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے کے بارے میں (اور اللہ کے دین) اور اس کے رسول ﷺ کی خدمت کے لئے پڑ جانے کی صفت میں بڑے درجے کے صحابہ ؓ میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہی پسند فرمایا جو اپنے نبی پاک ﷺ کے لئے پسند فرمایا تھا، یعنی فقر و فاقہ اور مسکینی اور اللہ کے سامنے رو دھو کر عبادت کرنے اور دنیا کو دنیا والوں کے حوالے کرنے کی صفت سے ان کو نواز دیا، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ان خوبیوں سے نوازا تھا''

فقر و فاقہ کی حالت

حضرات اصحاب ؓ کے فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ (بعض مرتبہ) حضور اقدس ﷺ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوئے بھوک کی وجہ سے گر پڑتے تھے اور دیہات سے آنے والے ان کو دیکھ کر کہتے تھے: ''هؤلاء مجانين'' (یہ دیوانے ہیں جو نماز پڑھتے

پڑھتے گر پڑے) رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو ان سے فرماتے تھے کہ اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ اس فاقہ اور بھوک کی وجہ سے تم کو کیا ملنے والا ہے تو تم اس سے بھی زیادہ فاقہ اور محتاجگی کی تمنا کرو۔(۳)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ

''ایک روزہ ہم سات آدمی تھے اور سب بھوکے تھے؛ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مجھے (آپس میں تقسیم کرنے کے لئے) سات کھجوریں عنایت فرمائیں اور فی کس ایک ایک کھجور حصہ میں آئی''(۴)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ

''ایک روز میں صفہ میں موجود تھا (اور میرے شریک حال دیگر اصحاب صفہ بھی تھے) ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں بھجوائیں، اس وقت ہماری بھوک کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک کھجور کھانے کو نفس نے گوارا نہ کیا؛ بلکہ ہر لقمہ میں جلدی جلدی دو دو کھجوریں کھانے لگے اور آپس میں سب نے کہہ دیا کہ ہر شخص دو دو ملا کر کھائے (تا کہ کوئی زیادہ نہ کھا جائے اور کوئی ٹوٹے میں نہ رہ جائے)''(۵)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کو زمین سے چپکا دیا کرتا تھا اور یہ بھی کرتا تھا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا''(۶)

حضرت ابو ہریرہ ؓ اپنا ایک واقعہ یوں بھی بیان فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ مجھے تین روز تک کھانے کو کچھ نہ ملا جس کی وجہ سے ایسا ضعف ہو گیا کہ صفہ تک جانا چاہتا تھا تو چلتے چلتے گر جاتا تھا، یہ حالت دیکھ کر لڑکے کہنے لگے: ابو ہریرہ ؓ دیوانہ ہو گئے، میں نے کہا: تم دیوانے ہو، تم دیوانے ہو، جو کسی بے چارے کو بغیر حال معلوم کئے دیوانہ بتا رہے ہو، اسی طرح گرتے پڑتے میں صفہ تک پہنچا، وہاں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ثرید کے دو پیالے ہدیہ پیش کئے گئے ہیں اور آپ ﷺ ان پیالوں کو اصحاب صفہ ؓ کو کھلا رہے ہیں، قریب ہو کر میں بار بار اچکنے لگا؛ تا کہ مجھ پر (بھی) آپ ﷺ کی نظر پڑ جائے اور مجھے بھی بلا لیں، حتی کہ وہ سب فارغ ہو گئے اور میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا، ایک پیالہ کے کناروں میں جو کچھ رہ گیا تھا، اس کو جمع فرما کر حضور اقدس ﷺ نے مجھے عنایت فرما دیا جو ایک لقمہ سے زیادہ نہ تھا اور فرمایا: ''کل بسم اللہ'' (اللہ کا نام لے کر کھا لو) خدا کی قسم اس میں اتنی برکت ہوئی کہ میں اس کو کھاتا رہا، یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا''(۷)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان بھوک کی

وجہ سے بے ہوش پڑا رہتا تھا اور راہ چلنے والے مجھے دیوانہ سمجھ کر (۸) میری گردن پر پاؤں رکھ کر جاتے اور دیوانگی بھلا کہاں وہ تو بھوک کی وجہ سے بے ہوشی تھی۔(۹)

گذارہ کی صورتیں

حضرات! اصحاب صفہ ﷺ کے گذارے کی مختلف صورتیں تھیں: ایک صورت یہ تھی کہ حضرت اقدس ﷺ کے پاس صدقہ آتا تھا تو آپ ﷺ سب ان ہی کے پاس بھیج دیتے تھے اور خود ذرا بھی نہ کھاتے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کو صدقہ کھانا درست نہیں تھا اور جب آپ ﷺ کے پاس ہدیہ آتا تھا تو ان کے پاس بھی بھیج دیتے تھے اور خود بھی کھاتے تھے،(۱۰) اور مدینہ منورہ کے رہنے والے صحابہ ﷺ بھی ان حضرات کا خصوصی خیال رکھتے تھے، حلیۃ الأولیاء میں ہے کہ:

" بنیت صفة لضعفاء المسلمين فجعل المسلمون يوغلون إليها ما استطاعوا من خير " (۱۱)

''صفہ ضعفاء مسلمین ﷺ کے لئے بنایا گیا تھا؛ لہٰذا (اہل وعیال اور مال والے) حضرات جس قدر بھی ہوسکتا تھا صفہ میں کھانے پینے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے''

ایک صورت ان حضرات کے گذارہ کی یہ تھی کہ حضور اقدس ﷺ ان حضرات کو مدینہ منورہ سے اہل وعیال والے مسلمانوں پر تقسیم کردیا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ:

" كان رسول الله ﷺ إذا أمسى قسم ناسا من أهل الصفة ﷺ بين ناس من أصحابه ﷺ " (۱۲)

''جب شام ہوجاتی تھی تو حضور اقدس ﷺ اصحاب صفہ ﷺ کو دے کر صحابہ ﷺ کو تقسیم فرمادیا کرتے تھے''

لہٰذا کوئی اپنے ساتھ ایک کو لے جاکر کھلاتا تھا اور کوئی دو افراد کو لے جاتا تھا اور کوئی تین حضرات کی مہمانی اپنے سر لیتا اور گھر لے جاکر کھلاتا تھا؛ حتی کہ بعض صحابہ ﷺ دس حضرات کو بھی لے جاتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ ﷺ ہر رات اپنے ہمراہ اسی افراد کو لے جاتے تھے اور اپنے گھر لے جاکر کھلاتے تھے۔(۱۳)

حضرت ابوذر غفاری ﷺ فرماتے ہیں کہ میں (بھی) اصحاب صفہ ﷺ میں شامل تھا جب شام ہوجاتی تو ہم حضور اقدس ﷺ کے دولت کدہ پر حاضر ہوجاتے تھے؛ لہٰذا آپ فی کس (۱۴) ایک ایک آدمی تقسیم کردیتے تھے، پھر جو بچ جاتے تھے جو (عموماً) دس یا کم وبیش ہوتے تھے ان کو حضور اقدس ﷺ اپنے ساتھ بٹھا کر اپنے کھانے میں سے کھلاتے تھے، جب ہم کھا کر فارغ ہوجاتے تھے تو آپ ﷺ فرمادیتے تھے کہ (جاؤ) مسجد میں سوجاؤ، ایک روز ایسا ہوا کہ میں پیٹ کے بل مسجد میں سو رہا تھا کہ حضور اقدس ﷺ

کا وہاں گذر ہوا تو آپ ﷺ نے پیر کے اشارے سے مجھے جگا کر فرمایا کہ اے جندب (۱۵) یہ کس طرح لیٹے ہو؟ یہ تو شیطان کا لیٹنا ہے۔(۱۶)

حضرت طخفۃ بن قیس غفاری ﷺ فرماتے ہیں جو اصحاب صفہ ﷺ میں سے ہیں کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ﷺ کو یہ حکم دیا (کہ اصحاب صفہ ﷺ کو ہمراہ لے جا کر کھلائیں) لہٰذا کوئی شخص ایک آدمی کو لے گیا، کوئی دو کو لے گیا، حتی کہ ہم پانچ افراد بچ گئے؛ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ چلو میرے ساتھ آؤ، لہٰذا ہم آپ ﷺ کے ہمراہ چل دیئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچے وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ:

" یا عائشة ! أطعمنا و اسقینا " ''اے عائشہ! ہم کو کھلاؤ پلاؤ''

چنانچہ وہ دلیہ کی قسم کا پکا ہوا کھانا لائیں، جسے ہم نے کھالیا، اس کے بعد وہ حریرہ لائیں، اسے بھی ہم نے کھالیا، پھر حضور ﷺ کے فرمانے پر وہ ایک چھوٹے پیالہ میں دودھ لائیں، جب ہم نے دودھ پی لیا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: تم چاہو تو یہیں سو جاؤ اور چاہو تو مسجد میں جا کر سو رہو، ہم نے عرض کیا کہ (نہیں ہم یہاں نہیں سوتے) مسجد میں جاتے ہیں۔(۱۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جو حضرات باقی رہ جاتے تھے، حضور اقدس ﷺ ان کو ساتھ لے جا کر اور خود اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے پلاتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ کی یہ خاص شان تھی کہ بھوک پیاس اور محنت و مجاہدہ میں اپنے صحابہ ﷺ کے شریک حال رہتے تھے، وہ بھوکے ہیں تو آپ ﷺ بھی بھوکے ہیں، اصحاب صفہ ﷺ کا کھانا دوسروں کے ذمہ کر رہے ہیں تو خود بھی ان کو کھلا رہے ہیں، ان کے پیٹوں پر ایک پتھر ہے تو آپ ﷺ کے شکم مبارک پر دو پتھر ہیں، صحابہ ﷺ مسجد بنا رہے ہیں تو آپ ﷺ بھی اس عمل میں شریک ہیں، صحابہ ﷺ خندق کھود رہے ہیں تو آپ ﷺ بھی ان کے ہمراہ بنفس نفیس شریک عمل نظر آتے ہیں، غزوہ بدر کو جا رہے ہیں، سواری کے لئے اونٹ کم ہیں تو فی اونٹ تین افراد کو شریک فرماتے ہیں اور اپنے لئے مستقل اونٹ نہیں رکھتے؛ بلکہ حضرت علی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک ہو جاتے ہیں اور اپنے نمبر پر پیدل چلتے ہیں اور جب دونوں سوار ہو جاتے اور عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں، آپ ﷺ کی طرف سے ہم پیدل چل لیں گے تو ارشاد فرماتے کہ:

" ما أنتما بأقوى مني وما أنا بأغنى عن الأجر منكما " (۱۸)

''تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں اور نہ یہ بات ہے کہ میں تمہاری بہ نسبت اجر کا کم محتاج ہوں؛ بلکہ میں اور تم سب ہی اجر کے محتاج ہیں، پھر میں کیوں نہ پیدل چلوں''

فصلی اللہ تعالیٰ علی سید رسلہ محمد و آلہ بقدر حسن کمالہ و جمالہ .

حضرت ابوبکر ﷺ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن ﷺ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ ﷺ بے سروسامان حضرات تھے اور حضور اقدس ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو لے

جائے (ایک روز ایسا ہوا کہ میرے باپ حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو لے آئے اور حضور اقدس ﷺ دس آدمیوں کو لے گئے اور ہمارے والد صاحب (مہمانوں کو گھر پہنچا کر) پھر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور وہیں کھانا کھالیا اور کھانے کے بعد پھر وہیں ٹھہرے رہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ لی، نماز پڑھ کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حتی کہ آپ نے کھانا کھالیا (اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا اس کے بعد پھر دیر تک بیٹھے رہے، پھر اچھی طرح خاصی رات گذرنے کے بعد گھر آگئے، گھر آنے پر آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر اتنی دیر آپ کس وجہ سے غیر حاضر رہے؟ والد صاحب نے دریافت فرمایا کہ تم نے ابھی تک ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور فرمایا خدا کی قسم میں آج کے اس کھانے میں سے کبھی نہ کھاؤں گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ میں بھی نہ کھاؤں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بغیر) نہ کھائیں گے۔ (۱۹)

جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غصہ فرو ہو گیا اور فرمایا کہ ہمارا غصہ شیطان کی طرف سے ہے: لہٰذا کھانا منگا کر کھانا شروع کر دیا، (۲۰) اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہمانوں نے بھی کھایا، اس کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ جب کوئی لقمہ اٹھاتے تھے تو نیچے سے وہ اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا تھا، یہ ماجرا دیکھ کر (تعجب سے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیوی سے فرمایا کہ قبیلہ بنی فراس والی یہ کیا ماجرا ہے؟ بیوی نے (بھی تعجب سے) عرض کیا، کیا بتلاؤں میرا دل باغ باغ ہوا جارہا ہے، یہ تو باوجودیکہ کھایا جارہا ہے، پھر بھی اس سے تین گنا زیادہ ہے، جتنا پہلے تھا، بہرحال سب نے کھایا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھی اس کھانے میں سے بھیجا، بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بھی اس میں سے کھایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اصحاب صفہ میں سے تھا، ایک روز میں نے روزہ رکھا جب شام ہوئی تو نماز پڑھ کر قضائے حاجت کے لئے چلا گیا؛ کیوں کہ اس روز میرے پیٹ میں تکلیف تھی، جب میں واپس آیا تو کھانا کھایا جاچکا تھا اور اصحاب صفہ فارغ ہو چکے تھے، اب میں نے دل میں سوچا کہ کس کے پاس پہنچوں غور کرنے کے بعد دل میں آیا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں وہ اس وقت مسجد میں موجود تھے اور نماز کے بعد نفلیں پڑھ رہے تھے، جب وہ نفلوں سے فارغ ہو گئے تو میں ان کے قریب ہو گیا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی آیت سکھا دیجئے (آیت کا صرف بہانہ تھا ورنہ حقیقتاً) میرا مطلب یہ تھا کہ (باتوں باتوں میں) کھانے کو پوچھ لیں اور ساتھ لے جاکر کھلا دیں، انہوں نے مجھے سورہ آل عمران کی کچھ آیتیں سکھا دیں اور مسجد سے اٹھ کر گھر کو چل دیئے، میں بھی ان کے ساتھ چل دیا، حتی کہ جب دروازہ پر پہنچے تو مجھے چھوڑ کر اندر چلے گئے اور دیر ہو جانے پر بھی اندر سے میری کوئی خبر نہ لی، میں نے خیال کیا کہ باہر نکلنے کے کپڑے اتارنے میں دیر ہو گئی ہے، میرے لئے کھانا بھیجنے والے ہیں؛ لیکن بہت دیر ہو گئی اور میرے لئے کچھ بھی اندر سے نہ آیا تو میں چل دیا، (۲۱) چلا جارہا تھا کہ سامنے سے حضور اقدس ﷺ تشریف لاتے ہوئے مل گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوہریرہ آج تو تمہارے منہ کی بو (جو روزہ کی وجہ سے ہو جایا کرتی

ہے) بڑی تیز ہے''، میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! میں نے آج روزہ رکھا تھا اور اب تک افطار کی نوبت نہیں آئی اور نہ کچھ افطار کے لئے میرے پاس ہے، فرمایا: آؤ میرے ساتھ چلو میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا حتی کہ آپ ﷺ اپنے دولت کدہ پہنچ گئے اور باندی سے فرمایا کہ لاؤ وہ پیالہ لے آؤ، چنانچہ وہ پیالہ لے آئی جس میں ذرا بہت کھانا تھا جو صرف اس کے کناروں میں لگا ہوا تھا، میں نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور پیالہ میں ہر طرف کو ٹٹول ٹٹول کر نکالتا رہا، حتی کہ میرا پیٹ بھر گیا۔(۲۲)

حافظ ابو نعیمؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

" وهو (يعني أبا هريرة) أشهر من سكن الصفة واستوطنها طول عمر النبی ﷺ ولم ينتقل عنها و كان عريف من سكن الصفة من القاطنين ومن نزلها من الطادقين كان النبي ﷺ إذا أراد أن يجمع أهل الصفة لطعام حضره تقدم إلى أبي هريرة ليدعوهم ويجمعهم لمعرفته بهم ومنازلهم ومراتبهم " (۲۳)

''وہ صفہ میں قیام کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، حضور اقدس ﷺ جب تک بقید حیات رہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفہ ہی میں رہے اور وہاں سے منتقل نہیں ہوئے، صفہ میں اقامت کرنے والوں کو خوب جانتے تھے، حضور اقدس ﷺ جب اصحاب صفہ کو کھانے کے لئے بلانے کا ارادہ فرماتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے اور ان سے ارشاد فرماتے کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ اور جمع کرو؛ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سب کو خوب جانتے تھے اور ان کے مراتب سے بھی خوب واقف تھے''

ایک روز کا واقعہ ہے جو بخاری شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ سخت بھوک کی وجہ سے میں راستہ میں بیٹھ گیا، جہاں سے صحابہ رضی اللہ عنہم گذرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور میرا مطلب آیت پوچھنا نہ تھا؛ بلکہ یہ تھا کہ اپنے ساتھ لے چلیں اور کھانا کھلا دیں، (لیکن وہ آیت بتا کر) گذرے چلے گئے، اور مجھے ساتھ نہ لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور میرا مطلب آیت پوچھنا نہ تھا؛ بلکہ یہ تھا کہ اپنے ساتھ لے چلیں اور کھانا کھلا دیں، (لیکن وہ آیت بتا کر) گذرے چلے گئے، اور مجھے ساتھ نہ لیا، پھر حضرت محمد رسول اللہ ابو القاسم ﷺ تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر مسکرائے اور چہرا دیکھ کر آپ ﷺ نے میرا مقصد پہچان لیا اور فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمایا: آؤ چلے آؤ، میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیا، حتی کہ آپ ﷺ اپنے دولت کدہ تک پہنچ گئے،

دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے گھر والوں سے اندر آنے کی اجازت چاہی، چنانچہ آپ ﷺ کو اندر بلایا گیا (اور چوں کہ میرے لئے بھی اجازت لی تھی اس لئے) میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ اندر چلا گیا، گھر میں ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے گھر والوں سے پوچھا یہ کہاں سے آیا، عرض کیا: فلاں شخص نے خدمت عالی میں ہدیہ بھیجا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ، اصحاب صفہ (صرف) اسلام کے مہمان تھے نہ ان کے پاس گھر بار تھا نہ مال وعیال، نہ کسی خاص آدمی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، جب آنحضرت ﷺ کے پاس صدقہ کی کوئی چیز آتی تو ساری اصحاب صفہ کے لئے بھیج دیتے تھے اور اس میں ذرا بھی استعمال نہ فرماتے تھے اور جب آپ ﷺ کے پاس ہدیہ آتا تھا تو ان سب کو ملا کر کھلا دیتے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ تو میرے نفس کو یہ بات بڑی گراں گذری اور جی ہی جی میں کہا کہ اصحاب صفہ کے مقابلے میں اتنے دودھ کی کیا حقیقت ہے (جو آپ ﷺ سب کو بلوا رہے ہیں؛ چوں کہ میں زیادہ بھوکا تھا اور آپ ﷺ مجھے ساتھ بھی لائے ہیں؛ لہٰذا) میں زیادہ حقدار ہوں کہ اس میں سے کچھ ذرا سا مل جائے، جس سے قوت حاصل ہو اور مزید یہ بات بھی کھٹکی کہ جب اصحاب صفہ آجائیں گے تو آپ ﷺ مجھ ہی کو حکم فرمائیں گے کہ ان کو پلا (پلانے والے کا نمبر آخر میں ہوتا ہی ہے؛ اس لئے) قوی اندیشہ ہے کہ میرے لئے ذرا سا بھی نہ بچے گا؛ لیکن چوں کہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا؛ اس لئے میں گیا اور اصحاب صفہ کو بلا لایا، وہ سب آگئے اور دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اندر آکر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: لو یہ پیالہ لے کر سب کو پلاؤ، میں نے پیالہ لیا اور سب کو پلانا شروع کیا (خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ) وہ ذرا سا دودھ بڑھتا ہی گیا، یکے بعد دیگرے میں ہر ایک کو دیتا گیا اور سب نے پیٹ بھر کر پی لیا، حتی کہ وہ پیالہ لے کر میں حضور اقدس ﷺ کے پاس پہنچا؛ کیوں کہ آپ ﷺ سب کے آخر میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے مجھ سے پیالہ لے لیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا اب میں اور تم ہی رہ گئے، میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے درست فرمایا، اس کے بعد مجھ سے فرمایا بیٹھو اور پیو میں نے بیٹھ کر پیا اور بس کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا، فرمایا اور پیو، آپ ﷺ اسی طرح فرماتے

رہے کہ اور پیو اور پیو کہ حتی کہ میں نے کہہ دیا قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے، اب تو اس کے جانے کی ذرا بھی جگہ نہ رہی، فرمایا لاؤ مجھے دو میں نے پیالہ آپ ﷺ کو پیش کر دیا، آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر (ہم سب کا بچا ہوا) نوش فرمایا'' (۲۴)

حضور اقدس ﷺ کے پاس کھجوریں ہوتی تھیں تو حضرات اصحاب صفہ ﷺ کے لئے روزانہ ایک مد (۲۵) دو شخصوں کے گذارے کے لئے عنایت فرما دیتے تھے، جس کو حضرت طلحہ بن عمر ﷺ یوں روایت فرماتے ہیں کہ

''جب کوئی شخص باہر سے حضور ﷺ کے پاس آتا تھا تو اگر مدینہ میں اس کی کسی سے جان پہچان ہوتی تھی تو اس کے پاس قیام کر لیتا تھا اور اگر کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تھا تو صفہ میں ٹھہر جاتا تھا، میں بھی ان لوگوں میں سے تھا، جن کو صفہ میں ٹھہرنا پڑا تھا، چنانچہ میں نے ایک شخص کو اپنا ساتھی (خوراک کا شریک) بنا لیا تھا اور حضور اقدس ﷺ کی طرف سے روزانہ ہر دو شخص کے لئے ایک مد عنایت کیا جاتا تھا'' (۲۶)

ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کا سلام پھیرا تو اصحاب صفہ ﷺ میں سے ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

'' يا رسول الله ! قد أحرق التمر بطوننا وتخرقت عنا الخنف ''

''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کھجوروں نے ہمارے پیٹ جلا دیئے روزانہ ان کا کھانا دشوار ہو گیا اور موٹے کپڑے جو ہم پہنے ہوئے ہیں پھٹ گئے''

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اپنا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''دس سے کچھ اوپر ایسے دن گذرے ہیں کہ میں نے اور میرے ایک ساتھی نے صرف اراک (پیلو) کے پھل کھا کر گذارا کیا ہے، مکہ میں ہم نے ایسی ایسی سختیاں اٹھائی ہیں، اس کے بعد ہم مدینہ میں اپنے انصاری بھائیوں کے پاس آ گئے، ان کے پاس کھانے کا اکثر سامان کھجوریں ہی ہیں (ان کے خرچ میں) انہوں نے دریغ نہیں کیا؛ بلکہ ہمارے ساتھ سلوک کیا، اب میں ان کے سوا اور چیزیں کہاں سے لاؤں، اللہ کی قسم! اگر میں تمہارے لئے گوشت روٹی پاتا تو تم کو کھلا دیتا؛ لیکن یہ بات تم سے ضرور کہے دیتا ہوں کہ شاید تم ایسا زمانہ ضرور پاؤ گے، جس میں کعبہ کے پردوں کی طرح (اچھے کپڑے) پہنو گے اور صبح و شام (مختلف پیالے) تمہارے سامنے رکھے جائیں گے'' (۲۷)

حضرات اصحاب صفہ ﷺ کے گذارے کی ایک یہ بھی صورت تھی کہ کچھ صحابہ لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے اور ان کو فروخت

کر کے حضرات اصحاب صفہ ؓ کے لئے کھانا فراہم کرتے تھے، جیسا کہ حضرت انس ؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ:

''کچھ لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ ایسے لوگوں کو بھیج دیں جو (ہماری قوم کو) قرآن اور سنت نبوی کی تعلیم دیں، ان کے عرض کرنے پر حضور اقدس ﷺ نے انصار میں سے ان ستر حضرات کو بھیج دیا جو قراٗ کہلاتے تھے، ان میں میرے ماموں بھی تھے، جن کا نام حرام تھا، ان حضرات کا مشغلہ (مدینہ میں رہتے ہوئے) یہ تھا کہ رات کو قرآن شریف پڑھتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو سنا کر یاد کرتے تھے، اور دن کو پانی لا کر مسجد میں رکھتے تھے اور لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اصحاب صفہ ؓ اور فقراء کے لئے کھانا خریدتے تھے، ان میں سے ستر قاریوں کو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ بھیج دیا؛ لیکن ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور ان حضرات کو منزل مقصود پر پہنچنے سے قبل شہید کر دیا، ان شہیدوں نے دنیا سے چلتے وقت دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے نبی ﷺ کو خبر پہنچا دے کہ ہم تجھ سے آملے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو گیا اور ہم تجھ سے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی'' (۲۸)

کپڑوں کی کمی

اصحاب صفہ ؓ جیسا کہ کھانے پینے کے اعتبار سے بے سروسامان تھے، اسی طرح ان کے پاس کپڑوں کی بھی کمی تھی، حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے ستر اصحاب صفہ کو اس حال میں دیکھا کہ ان میں کسی کے پاس بھی بڑی چادر نہ تھی (جس سے پورا جسم ڈھک لیتے) ہر ایک کے پاس ایک تہبند تھا اور یا چھوٹی سی چادر تھی، اسی کو ہر ایک نے اپنی اپنی گردن میں باندھ رکھا تھا جو کسی کے آدھی پنڈلیوں تک اور کسی کے ٹخنوں تک پہنچی ہوئی تھی اور ستر چھپانے کے لئے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھے'' (۲۹)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرمایا کہ:

''میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ایک ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے، جن میں سے کسی کا کپڑا گھٹنوں تک پہنچا ہوا تھا اور کسی کا اس سے نیچا تھا، جب رکوع کرتے تھے تو اسے ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے؛ تا کہ ستر نہ کھل جائے'' (۳۰)

حضرت واثلہ بن الاسقع ؓ نے بیان فرمایا کہ:

''میں اصحاب صفہ میں تھا اور ہم میں سے کسی پر بھی پورا کپڑا نہ تھا (جس سے بدن ڈھک جاتا؛

چوں کہ کپڑا دھونے اور نہانے کے لئے کم از کم دو کپڑوں کا ہونا ضروری ہے؛ تا کہ ایک پہنے رہے اور دوسرے کو دھو کر یا غسل کر کے سکھا دیوے؛ اس لئے ان کپڑوں کے دھونے اور نہانے کی نوبت کم آتی تھی، جس کی وجہ سے) پسینہ کے باعث ہماری کھالوں پر میل اور غبار کافی مقدار میں چڑھ گیا'' (۳۱)

حضرت ابوسعید خدری ﷺ کو بعض علماء نے اصحاب صفہ ﷺ میں سے شمار کیا ہے؛ لیکن حافظ ابونعیمؒ کا فرمان ہے:

" وحاله قريب من حال أهل الصفة وإن كان أنصارى الدار لا يثاره التصبر والختباره الفقر والتعفف " (۳۲)

''ابوسعید خدری ﷺ اگر چہ اصحاب صفہ ﷺ میں سے نہ تھے؛ لیکن ان کا حال اصحاب صفہ ﷺ کے حال سے قریب ہے، اگر چہ وہ انصاری تھے اور گھر والے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے فقر کو ترجیح دی تھی اور فقر کو اختیار کرتے ہوئے مخلوق کے سامنے حاجت نہ رکھنے کو اپنا شیوہ بنایا تھا''۔

ان ہی حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی ایک روایت میں ہے (جو آئندہ پوری آئے گی) کہ میں ایک روز ضعفائے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ کپڑوں کے نہایت ہی کم ہونے کی وجہ سے اس طرح آگے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کو آڑ بنا کر اپنے ننگے پن کو چھپاتا تھا۔ (۳۳)

اصحاب صفہ ﷺ پر اللہ جل شانہ کا خاص کرم

حضرات اصحاب صفہ ﷺ اپنی محتاجگی اور فاقہ کشی میں مست تھے؛ لیکن پھر بھی طبعی طور پر بتقاضائے بشریت کبھی ان کو اس امر کی تمنا ہوئی کہ ہمارے پاس دنیا کے سامان ہوتے تو اچھا تھا، اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ﴾ (۳۴)

''اور اگر اللہ تعالیٰ خوب دیدے رزق بندوں کو تو ضرور بغاوت کریں زمین میں''

حافظ ابونعیمؒ حلیۃ الاولیاء میں اپنی سند کے ساتھ عمرو بن حریث وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب صفہ ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی تھی؛ کیوں کہ انہوں نے دنیا (پاس ہونے کی) تمنا کی تھی، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

" زوى الله عز وجل عنهم الدنيا وقبضها ابقاءً عليهم وصونالهم لئلا يطغوا فصاروا في حماه محفوظين من الأثقال ومحروسين من الأشغال لا تذهلهم الأموال ولا تغير عليهم الأحوال " (۳۵)

''اللہ جل شانہ نے دنیا ان کے پاس آنے سے روک دی اور ان تک نہ پہنچنے دی؛ تاکہ ان کی ممتاز جگہ والی زندگی کو باقی رکھیں اور ان کو (فتنہ کی چیز سے) بچائیں؛ تاکہ سرکش نہ ہو جائیں؛ لہٰذا اس سبب سے وہ اللہ کی حفاظت میں (حساب کے) بوجھوں سے محفوظ ہو گئے اور مال ہونے پر جو اللہ کو بھولتے اور دنیا میں پڑنے کی وجہ سے جو مختلف حالات سے گذرتے ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا''

درحقیقت اللہ جل شانہ کا یہ بہت بڑا کرم ہے کہ کسی کو دنیا کے مال ومتاع سے بچادے اور اسے فتنوں کی چیزوں میں نہ ڈالے جو اس کی آخرت کو برباد کردیں، ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ:

" إن رسول الله ﷺ قال : إذا أحب الله عبدًا حماه الدنيا كما يظل أحدكم بحمي سقيمه الماء " (۳۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ جب اللہ جل شانہ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اسے دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جیسے تم اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتے ہو''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اثنتان يكرههما ابن آدم يكره الموت والموت خير للمؤمن من الفتنة ويكره قلة المال وقلة المال أقل الحساب " (۳۷)

''انسان دو چیزوں کو اچھا نہیں سمجھتا؛ حالاں کہ وہ دونوں اس کے لئے بہتر ہیں، وہ موت سے کراہت کرتا ہے؛ حالاں کہ موت مؤمن کے لئے بہتر ہے، جس کی وجہ سے فتنہ سے بچ جائے گا اور وہ مال کی کمی کو اچھا نہیں سمجھتا؛ حالاں کہ مال کی کمی حساب کی کمی کا سبب ہے''

حضرت اسامہ بن زید ﷺ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں جنت (۳۸) کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا اس میں اکثر بے پیسہ والے ہیں اور مال والے ابھی حساب دینے کے لئے اٹکے ہوئے ہیں، ہاں جن مالداروں کو دوزخ میں جانا تھا، ان کو دوزخ میں بھیجنے کا حکم نافذ ہو چکا تھا اور میں دوزخ کے دروازہ پر (اس کے اندر کا حال دیکھنے کے لئے) کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں اکثر عورتیں ہیں'' (۳۹)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ حضرات اصحاب صفہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اللہ نے خیریت کے ساتھ رکھا ہے، اس کے بعد سید عالم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم آج اچھی حالت میں ہو (کیوں کہ دین سیکھتے سکھاتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو اور فتنوں میں ڈالنے والی چیزیں تمہارے پاس نہیں ہیں) اور اس وقت کو

بھی یاد کرو جب کہ صبح کو ایک پیالہ میں کھاؤ گے اور شام کو دوسرا پیالہ تمہارے سامنے رکھا جائے گا (جس میں صبح کے سالن کے علاوہ دوسرا سالن ہوگا اور جب کہ دونوں وقت علیحدہ علیحدہ سالن پکے گا تو روٹی کی ہی بہتات ہوگی اور طرح طرح کی روٹی پکائی جائے گی اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح کپڑوں سے ڈھانکو گے، جیسے کعبے کو ڈھانکا جاتا ہے، یہ سن کر حضرات اصحاب صفہ ﷡ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ تو فرمائیے کہ وہ مال پاس ہونے کا دور اس صورت میں آئے گا، جب کہ ہم دیندار ہوگے، (۴۰) آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ بس تو ہم اس روز اچھے حال میں ہوں گے (کیوں کہ دین پہ بھی چل رہے ہوں گے اور دنیا جو پاس ہوگی اسے بھی دین پر خرچ کریں گے؛ اس لئے اس وقت ہم صدقے کریں گے اور غلام آزاد کریں گے (اور یہ ثواب بھی ملے گا جس سے ہم آج مال پاس نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہیں، پھر آپ یہ کیسے فرما رہے ہیں کہ ہم آج اچھی حالت میں ہیں؟)

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: نہیں (نہیں) تم آج ہی بہتر ہو جب دنیا تم کو ملے گی تو آپس میں حسد کرنے لگو گے اور آپس کے تعلقات توڑ دو گے اور آپس میں بغض رکھنے لگو گے، (۴۱) مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم آج ہی بہتر ہو آج تم آپس میں محبت رکھتے ہو اور اس روز ایک دوسرے کی گردن مارو گے، (۴۲) دنیا آتی ہے تو تنہا نہیں آتی؛ بلکہ اپنے ساتھ حسد، بغض، عداوت، مقدمہ بازی، حرص، آخرت سے غفلت، اللہ سے بعد، خواہشات نفس کی پیروی اور دیگر مصیبتیں لے کر آتی ہے؛ لہٰذا وہ بندے بہت مبارک ہیں جو دنیا کے ساز وسامان سے محروم ہیں، نہ دنیا میں کسی سے الجھیں نہ آخرت میں حساب کے میدان میں کھڑے پریشان ہوں۔

حضرات اصحاب صفہ ﷡ کا اللہ کے یہاں مرتبہ

فقر و فاقہ بڑی اچھی نعمت ہے، بشرطیکہ کوئی اس کی قدر کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے (یعنی میری رضا اور خوشی) اپنے ضعیفوں (کی خیر خبر لینے) میں تلاش کرو (مال کے اعتبار سے ضعیف ہوں یا اور کسی اعتبار سے) کیوں کہ تم کو جو رزق ملتا ہے اور تمہاری جو مدد ہوتی ہے وہ تمہارے ضعیفوں کی وجہ سے ہے، دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رب اشعث مدفوع عن الأبواب لو أقسم علی الله لأبره" (۴۳)

''بہت سے وہ بندے جن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کو دروازوں سے ہٹا دیا جاتا ہے، (ان کا اللہ کے یہاں یہ درجہ ہے) کہ اگر اللہ سے کوئی کام کرانے کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادیں''

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ

''اے عائشہ! مساکین سے محبت رکھ اور ان کو اپنے سے قریب کر؛ کیوں کہ ایسا کرنے سے اللہ تجھے

اپنے قریب کرے گا‘‘(۴۴)

حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت فرماتے ہیں کہ

’’میں (ایک مرتبہ) بے پیسہ والے مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھ گیا اور یقین جانو کہ اس وقت ان کے پاس کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ ننگے پن کی وجہ سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر اپنے بدن کو چھپاتے تھے، وہیں ایک قرآن پڑھنے والا سب کو قرآن سنا رہا تھا کہ اچانک حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو قرآن سنانے والے صاحب خاموش ہوگئے، جب وہ خاموش ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے سلام کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ تم کیا کررہے تھے؟ ہم نے عرض کیا ’’اللہ کی کتاب سن رہے تھے‘‘ یہ جواب سن کر فرمایا:

" الحمد لله الذي جعل من أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم "

’’سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو کر دیا جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھنے کا حکم ہوا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے؛ تاکہ (نشست کا امتیاز ختم کرنے کے لئے) اپنے آپ کو ہم میں ملا کر برابری والی شان ظاہر فرمائیں‘‘

اس کے بعد آپ ﷺ نے (حلقہ بنانے کے لئے) دست مبارک سے اشارہ فرمایا؛ لہٰذا سب نے حلقہ بنالیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہوگئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے پیسہ والے مہاجروں کی جماعت تم یہ خوشخبری قبول کرلو کہ قیامت کے روز تم کو نورتام (پورا نور) عنایت کیا جائے گا، قیامت کے روز تم مالدار لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آدھا دن (آج کل کے دنوں کے حساب سے پانچ سو برس کے برابر ہوگا، یہ جنت میں مزے کررہے ہوں گے اور وہ حساب دے رہے ہوں گے‘‘(۴۵)

دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے ان کو مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی تو ان کے چہروں کے رنگ کھل گئے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے تھے کہ ان کی خوشی دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ میں بھی ان میں سے ہوتا۔(۴۶)

حضرت خباب بن الارت ؓ سورہ انعام کی آیت ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ کا شان نزول بیان فرماتے تھے کہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے (یہ دونوں دنیا کے لحاظ سے مال وعزت والے تھے) جب یہ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت بلال ؓ، حضرت عمار ؓ، حضرت صہیب ؓ اور حضرت خباب ؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، جب ان دونوں کی نظر ان خاصان خدا پر پڑی تو ان کو حقیر سمجھا اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی کسر شان سمجھ کر

حضوراقدس ﷺ سے تنہائی میں عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو اپنے ساتھ بٹھانے کا اس طرح موقع دیں کہ عرب ہماری فضیلت سمجھیں، آپ کے پاس عرب کے وفود آتے ہیں؛ لہٰذا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان کو ہمارے ساتھ نہ بیٹھنے دیا کریں اور جب ہم آپ سے گفتگو کر کے فارغ ہو جائیں تو چاہیں تو آپ ان کو اپنی مجلس میں بٹھالیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی گفتگو سنی تو (ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لئے) ان کی درخواست منظور فرمائی، ان دونوں نے عرض کیا کہ آپ اس کا عہد نامہ لکھ دیں؛ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک کاغذ منگایا اور لکھنے کے لئے حضرت علی ﷺ کو بلایا کہ اچانک جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (۴۷)

''اور ان کو دور نہ کیجئے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں، اس کی رضا کا قصد رکھتے ہیں، ان کا حساب ذرا بھی آپ سے متعلق نہیں اور نہ آپ کا حساب ذرا بھی ان سے متعلق ہے کہ آپ ان کو نکال دیں اور بے انصافوں میں سے ہو جائیں''

اس آیت میں حضرات فقرائے مہاجرین کی یہ تعریف فرماتے ہوئے کہ اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں، مجلس سے ہٹانے کی ممانعت فرمائی اور پھر اگلی آیت میں ایسی بے جا درخواست کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِيْنَ﴾ (۴۸)

''اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے؛ تاکہ (یوں) کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن کو ہم سب میں سے انتخاب کر کے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے، کیا اللہ شکر گذاروں کو خوب جاننے والا نہیں؟''

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ایماندار بندوں کی قدر بڑھانے کے لئے فرمایا:

﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (۴۹)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے سلام علیکم فرمائیے (اور یہ بھی) فرمائیے کہ تمہارے رب نے رحمت اپنے ذمہ کر لی ہے''

اس آیت شریف کے نازل ہونے کا حضور اقدس ﷺ پر یہ اثر ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کاغذ کو پھینک دیا اور ہم

(مسکینوں) کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے سلام علیکم فرمایا (جیسا کہ آیت میں ارشاد ہوا تھا) اور ہم آپ ﷺ کے اس قدر قریب بیٹھ گئے کہ اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے (کسی کے آنے پر) اپنی مجلس سے فقراء و مہاجرین کو نہ اٹھانے کا فیصلہ فرمالیا؛ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ جب تک آپ ﷺ کو بیٹھنا ہوتا تھا ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور جب تشریف لے جانا ہوتا تھا تو ہم کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے؛ لہٰذا اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاکَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَکَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ (۵۰)

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ بٹھائے رکھئے جو محض اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، محض اس کی رضا چاہتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹنے پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش نفسانی پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے''

حضرت خباب بن الارت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے پر حضور اقدس ﷺ کا ہمارے (یعنی فقرائے مہاجرین کے) ساتھ طرز عمل ہوگیا کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ہم بیٹھے رہتے تھے اور جب وہ وقت ہوجاتا تھا جس پر آپ ﷺ کو اٹھنا ہوتا تو ہم خود ہی اٹھ جاتے تھے اور آپ ﷺ کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر ہم نہ اٹھتے تو آپ ﷺ بیٹھے ہی رہتے تھے اور ہم کو چھوڑ کر اٹھ جانا گوارہ نہ فرماتے تھے، خواہ کتنی ہی دیر ہوجاتی۔ (۵۱)

دوسری روایت میں ہے جس کے حضرت سلمان فارسی ﷺ راوی ہیں کہ جب سورہ کہف کی مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ فقرائے مہاجرین کو تلاش کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے، حتی کہ یہ حضرات ﷺ آپ ﷺ کو مسجد کے آخری حصہ میں مل گئے، جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے، ان حضرات پر نظر پڑی تو سید عالم ﷺ نے فرمایا:

'' الحمد لله الذي لم يمتني حتی أمرني أن أصبر نفسي مع قوم من أمتي''

''یہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس سے پہلے موت نہیں دی، جب تک کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ اپنے کو ٹھہرائے رکھوں''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''معکم الحياة ومعکم الممات'' یعنی میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہے، (۵۲)

حضرت جعیل بن سراقہ ضمری ﷺ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے اور بہت ہی زیادہ مسکین اور حال سے بے حال تھے، ایک موقع پر حضور اقدس ﷺ نے (مال تقسیم فرماتے ہوئے) ان کو کچھ بھی نہ دیا اور اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو سو (اونٹ) عنایت فرمائے، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عیینہ

اور اقرع جیسوں سے ساری زمین بھی بھری ہو تو (اللہ کے نزدیک) تنہا جعیل ان سب سے بہتر ہوگا، رہی لینے دینے کی بات تو ان کو اسلام قبول کرنے کے لئے مال دے کر مائل اور مالوف کرتا ہوں اور جعیل کے لئے اسلام کافی ہے۔(۵۳) (اس کے نزدیک مال کی کچھ حقیقت نہیں اسے اسلام ہی پر مگن رہنا چاہئے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام ؓ سے سوال کرتے ہوئے فرمایا:

''بتلاؤ جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا: ''اللہ ورسولہ أعلم'' یعنی اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی خوب جانتے ہیں، یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے وہ

فقراء المهاجرين الذين تتقى بهم المكاره يموت أحدهم وحاجته في صدره لا يستطيع لها قضاء

'' فقراء ومہاجرین داخل ہوں گے، جن کی وجہ سے تکلیف دینے والی چیزوں اور حالتوں سے بچا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے امت کو تکلیف دینے والی چیزوں اور حالتوں سے بچاتے ہیں) وہ بے چارے سینوں میں اپنی حاجتیں دبائے ہوئے دنیا سے چلے جاتے ہیں، جن کے پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تھی''

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ (جب وہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے لگیں گے) تو فرشتے کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم تیرے فرشتے ہیں اور تیرے (مقرر کردہ انتظاموں کے) مہتمم ہیں اور تیرے آسمانوں کے رہنے والے ہیں، ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ فرما، اس کے جواب میں اللہ جل شانہ فرمائیں گے: یہ میرے خاص بندے ہیں، جنہوں نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنایا اور ان کی فضیلت اس سے ظاہر ہے (کہ دنیا میں) یہ مصیبت کی چیزوں سے (مخلوق کو) بچانے کا ذریعہ تھا (اور ان کے صبر واستقلال کا یہ عالم تھا کہ) ان کو اس حال میں موت آئی تھی کہ اپنی اپنی حاجتیں سینوں میں دبائے ہوئے تھے، جن کو پوری کرنے کی کوئی صورت نہ تھی؛ لہٰذا ان کی (یہ فضیلت سن کر) ہر دروازہ سے فرشتے ان کے پاس (جنت میں) یوں کہتے ہوئے پہنچیں گے: ''سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار''(۵۴) یعنی ''تم پر سلام ہو بوجہ اس کے کہ تم نے صبر کیا پس اس جہاں میں تمہارا انجام یہ ہوا''۔

اصحاب صفہ ﷺ اور دیگر فقراء کا اس لئے رونا کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے عاجز ہیں

۹ ھ میں غزوۂ تبوک کے لئے تیار ہونے کی حضور اقدس ﷺ نے ترغیب دی اور اس سلسلہ میں صحابۂ کرام ﷺ نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق خوب حصہ لیا، تبوک مدینہ منورہ سے بہت دور تھا، پیدل پہنچنا بہت ہی مشکل اور دشوار تھا؛ اس لئے سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا، چند تنگ دست صحابہ ﷺ تعداد میں سات افراد تھے، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہماری بھی سواری کا انتظام فرمادیں؛ تاکہ ہم بھی غزوہ میں شریک ہوسکیں، ان کی درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا أجد ما أحملكم عليه'' (میرے پاس سواری نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں) یہ سن کر ساتوں حضرات روتے ہوئے اور غزوہ کی شرکت سے محرومی پر افسوس کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس سے چلے گئے، ان سات حضرات میں سالم بن عمیر ﷺ بھی تھے، جو اصحاب صفہ میں سے تھے، اللہ رب العزت نے آیت ذیل میں ان حضرات کا اس طرح ذکر فرمایا:

﴿وَلاَ عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَناً أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ (۵۵)

''اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آئے کہ آپ ان کو سواری دیدیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کردوں وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ اس رنج سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کو خرچ کرنے کو میسر نہیں''

ان ساتوں حضرات میں سے ایک حضرت ابولیلی ﷺ اور ایک حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ بھی تھے، یہ دونوں ساتھ ساتھ روتے ہوئے جارہے تھے کہ راستے میں ابن یامین النضری ﷺ سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے سوال کیا کہ کیوں روتے ہو؟ دونوں نے اپنا قصہ سنایا اور رونے کی وجہ بتائی؛ لہٰذا ابن یامین ﷺ نے ان کو ایک اونٹنی اور کھجوریں زادراہ کے طور پر دے دیں، چنانچہ دونوں حضرات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شرکت کے لئے روانہ ہوگئے۔

ان ہی سات بزرگوں میں سے حضرت عتبہ بن زید ﷺ بھی تھے، انہوں نے بارگاہ رسالت سے واپس ہوکر رات کو بڑی دیر تک نماز پڑھی اور پھر اللہ کی جناب میں رو رو کر عرض کیا ''اے اللہ! آپ جہاد کا حکم فرمایا اور اس کی ترغیب دی اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس کی طاقت نہ دی اور اپنے رسول ﷺ کو اتنا مال دیا جس کے ذریعہ آپ مجھے سواری عنایت فرمادیتے، جب صبح ہوئی تو حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے بھرے مجمع میں فرمایا کہ رات کو جس نے صدقہ کیا ہے کھڑا ہوجائے، یہ سن کر کوئی کھڑا نہ ہوا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا تو حضرت عتبہ بن زید کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بشارت قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہارے رونے دھونے کی وجہ سے تمہارے لئے مقبول شدہ زکوۃ کا ثواب لکھا گیا۔ (۵۶)

اصحاب صفہ کے پاس سید عالم ﷺ کا تشریف لا کر بیٹھنا اوران کے دلوں کو دنیا سے ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ کرنا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت اصحاب صفہ ﷺ کا جو مرتبہ تھا اس کی تفصیل گذشتہ اوراق سے معلوم ہو چکی ہے، اسی مرتبہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان حضرات کی خاص قدر فرماتے تھے اور ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے تھے، ان کو دین سکھاتے اور آخرت کی چیزوں کی قدر و قیمت سے آگاہ فرما کر دنیاوی ساز و سامان سے ان کے دلوں کو بیزار فرماتے رہتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر ﷺ سے روایت ہے کہ: ''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم صفہ میں موجود تھے، اور تشریف لا کر فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ روزانہ صبح کے وقت بازار بطحان اور عقیق میں جائے اور بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے دو ایسی اونٹنیاں پکڑ کر لائے جو خوب موٹی تازی ہوں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ہم سب کو پسند اور مرغوب ہے، یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ (دنیا کی حقیر اور فنا ہونے والی اونٹنیوں سے رغبت رکھنے کی بجائے) تم میں سے کوئی شخص ایسا کیوں نہ کرے کہ صبح کے وقت (مسجد میں) پہنچ کر اللہ کی کتاب میں سے دو آیتیں (کسی کو) سکھا دے یا خود ہی تلاوت کرے، یہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر عمل ہوگا اور تین آیات کا (پڑھنا یا پڑھانا) تین اونٹنیوں سے اور چار آیات کا (پڑھنا پڑھانا) چار اونٹنیوں سے افضل ہے، (پھر قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا کہ) اور اس سے آگے جہاں تک بھی حساب لگاتے جاؤ اور آیتوں اور اونٹنیوں کا مقابلہ کرتے جاؤ تو) آیتیں ہی اونٹوں اور اونٹنیوں سے افضل ہوں گی، یعنی کوئی شخص جس قدر آیات پڑھے یا پڑھائے گا ان آیات کی تعداد کے بقدر اونٹوں کے حاصل کرنے سے افضل عمل ہوگا۔

بطحان اور عقیق مدینہ منورہ کے قریب دو جگہیں ہیں، جہاں اونٹوں کا بازار لگتا تھا، عرب والوں کے نزدیک اس زمانہ میں اونٹ نہایت ہی پسندیدہ چیز تھی، خاص کر اس اونٹنی کو تو بہت ہی عمدہ اور قابل قدر سمجھتے تھے، جو موٹی تازی اور فربہ ہو؛ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کے مزاج کو دیکھ کر رغبت کی چیز سے افضل اور عمدہ عمل کی طرف ان کو متوجہ فرمایا، یہ جو فرمایا کہ بغیر گناہ اور قطع رحمی کے اونٹنیاں حاصل ہو جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اونٹنیاں گناہ کے ذریعہ حاصل کی جائیں، مثلاً چرا کر یا چھین کر یا میراث وغیرہ میں کسی رشتہ دار کے مال پر قبضہ کر لے ان کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو اونٹنیاں دنیا و آخرت کے وبال و نقصان کے بغیر حاصل ہو جائیں، ان میں سے ہر ایک اونٹنی ہر ایک آیت کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر ہے اور جو اونٹنیاں گناہ اور قطع رحمی کے ذریعہ حاصل کی جائیں (جن پر مواخذہ ہو) ان کا تو آیت کے مقابلہ میں ذکر ہی کیا ہے۔

اس حدیث مبارک میں حضور اقدس ﷺ نے بطور مثال فانی اور باقی کا مقابلہ کر کے بتایا ہے، ورنہ ایک آیت کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی، آج نہیں تو موت کل کو دنیا کا سارا دھندا اور سارے منافع جدا کر دے گی؛ لیکن آیتوں کے پڑھنے اور پڑھانے میں جو ملے گا وہ ہمیشہ کے لئے ساتھ رہنے والی چیز ہے، ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

" والحاصل أنه ﷺ أراد ترغيبهم في الباقيات وتنفيرهم عن الفانيات فذكر هذا على سبيل التمثيل والتقريب إلى الفهم وإلا فجميع الدنيا أحقر من أن يقابل بمعرفة آية من كتاب الله تعالىٰ أو بثوابها من الدرجات العلى " (۵۷)

'' حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو باقیات کی رغبت دلائی اور فانیات سے ان کا دل پھیرا؛ لہٰذا سمجھانے کی غرض سے اونٹنی کو بطور مثال ذکر فرمایا، ورنہ ساری دنیا ہی ایک آیت کے جان لینے اور اس کے ثواب سے جو درجات کی صورت میں ملے گا، بہت ہی حقیر ترین ہے''

اس حدیث کو لکھنے کے بعد حافظ ابونعیمؒ حلیۃ الأولیاء میں لکھتے ہیں کہ

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرات اصحابِ صفہ کی توجہ بتقاضائے بشریت اسباب دنیاوی پر جانے کا موقع ہوتا تھا تو حضور ﷺ ان چیزوں کی طرف رغبت دلاتے تھے جو ان کے لئے زیادہ مناسب اور نفع مند تھیں اور جن سے ان کے باطن کا سدھار ہوتا تھا، یعنی ان کو ذکر اللہ میں مشغول ہونے اور ان کاموں میں لگنے کی ترغیب دیتے تھے، جن سے انوار قلبی حاصل ہوں جن کی وجہ سے آخرت کے خطروں اور ہلاکتوں سے محفوظ رہ سکیں'' (۵۸)

حضرت حسن فرماتے تھے کہ'' صفہ'' ضعفاء مسلمین کے لئے بنایا گیا تھا؛ لہٰذا مدینے کے رہنے والے مسلمان جہاں تک ہوسکتا تھا صفہ والوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بھیجنے میں ذرا کسر اٹھانہ رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ ان حضرات کے پاس تشریف لاتے تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے''السلام عليكم يا أهل الصفة ''(صفہ والو!تم پر سلام ہو) پھر ان سے دریافت فرماتے تھے کہ''كيف أصبحتم ؟ ''(کس حال میں صبح ہوئی) وہ عرض کرتے''بخیر یارسول اللہ!''۔(۵۹)

ایک روز حضرت ابوطلحہ ؓ(مسجد نبوی کی طرف چلے تو) دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اصحاب صفہ کو (قرآن شریف) پڑھا رہے ہیں اور بھوک کی وجہ سے آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا ہے اور اس سے اپنی پشت قائم کر رکھی ہے۔(۶۰)

ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرات اصحاب صفہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے اندر اس طرح گھل مل کر بیٹھ گئے جس سے کہ بیٹھنے میں امتیازی شان نہ ظاہر ہو اور آپ اور وہ برابر معلوم ہوں، اس کے بعد ان کو مالدار لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جانے کی خوشخبری سنائی۔(یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے)

حضرت ثابت بنانیؒ کا بیان ہے کہ

''ایک جماعت میں حضرت سلمان ؓ (فارسی) موجود تھے، یہ جماعت جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی تھی، وہاں حضور اقدس ﷺ کا گذر ہوا (آپ کو دیکھ کر) وہ جماعت اپنے مشغلہ سے رک گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کر رہے تھے؟ عرض کیا یارسول اللہ! ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے، فرمایا: جو تم کہہ رہے

تھے پھر کہو کیوں کہ مجھے تم پر رحمت نازل ہوتی ہوئی نظر آئی؛ لہٰذا میرا جی چاہا کہ اس رحمت میں تمہارے ساتھ میں بھی شریک ہو جاؤں، اس کے بعد اللہ کی حمد وثنا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" الحمد لله الذي جعل في أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم "

سب تعریف اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ کر دئے جن کے ساتھ اپنے نفس کو ٹھہرائے رکھنے کا مجھے حکم دیا گیا'' (۶۱)

حضرت جرہد بن خویلد ﷺ سے بھی اصحاب صفہ ﷺ میں سے تھے ان سے روایت ہے کہ

''(ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آ کر تشریف فرما ہوئے اس وقت میری ران کھلی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أما علمت أن الفخذ عورة ''(کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ران کا ڈھانکنا ستر چھپانے میں داخل ہے، جو شرعا ضروری ہے)'' (۶۲)

اصحاب صفہ کے اسمائے گرامی

محمد حاکم ؒ نے مستدرک میں جن حضرات اصحاب صفہ ﷺ کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں، وہ یہ حضرات ہیں:

(۱) حضرت سلمان فارسی ﷺ
(۲) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ﷺ
(۳) حضرت عمار بن یاسر ﷺ
(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ
(۵) حضرت مقداد بن الاسود ﷺ
(۶) حضرت خباب بن الارت ﷺ
(۷) حضرت بلال بن رباح ﷺ
(۸) حضرت صہیب بن سنان ﷺ
(۹) حضرت زید بن الخطاب ﷺ (عمر فاروق کے بھائی)
(۱۰) حضرت ابوکبشہ ﷺ
(۱۱) حضرت ابومرثد العدوی ﷺ
(۱۲) حضرت صفوان بن بیضاء ﷺ
(۱۳) حضرت ابوعیسی بن جبر ﷺ
(۱۴) حضرت سالم مولی ابوحذیفہ ﷺ
(۱۵) حضرت مسطح بن اثاثہ ﷺ
(۱۶) حضرت عکاشہ بن محصن ﷺ
(۱۷) حضرت مسعود بن الربیع ﷺ
(۱۸) حضرت عمیر بن عوف ﷺ
(۱۹) حضرت عویم بن ساعدہ ﷺ
(۲۰) حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر ﷺ
(۲۱) حضرت سالم بن عمیر ﷺ
(۲۲) حضرت ابوالبشر کعب بن عمرو ﷺ
(۲۳) حضرت خبیب بن یساف ﷺ
(۲۴) حضرت عبداللہ بن انیس ﷺ
(۲۵) حضرت ابوذر غفاری ﷺ
(۲۶) حضرت عتبہ بن مسعود ﷺ

(۲۷) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۲۸) حضرت عبداللہ بن زید الجہنی رضی اللہ عنہ

(۲۹) حضرت حجاج بن عمرو الاسلمی رضی اللہ عنہ (۳۰) حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ

(۳۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ (مولی رسول اللہ ﷺ) (۳۲) حضرت معاذ بن حارث القاری رضی اللہ عنہ

(۳۳) حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ (۳۴) حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ

محدث حاکمؒ ان حضرات کے اسمائے گرامی لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ:

" علقت هذه الأسامي من أخبار كثيرة متفرقة فيها ذكر أهل الصفة والنازلين معهم المسجد " (۶۳)

''ان ناموں کو میں نے بہت سی متفرق حدیثوں سے اخذ کر کے لکھ دیا ہے جن میں اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اور ان کے پاس آ کر قیام کرنے والوں کا ذکر ہے اور ان روایات کی سندیں میں نے حذف کر دی ہیں''

حافظ ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں جن حضرات کو اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے تسلیم کیا ہے یا جن کے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے ہونے کی تغلیط نہیں کی وہ یہ ہیں:

''حضرت اسماء بن حارثہ، حضرت اغرالمزنی، حضرت بلال بن رباح، حضرت البراء بن مالک، حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ، حضرت ثقیف بن عمرو، حضرت ابوذر غفاری، حضرت جرہد بن خویلد، حضرت جعیل بن سراقہ الضمری، حضرت جاریہ بن جمیل، حضرت حذیفہ بن السید، حضرت حارثہ بن النعمان، حضرت حازم بن حرملہ، حضرت حنظلہ بن ابی عامر غسیل الملائکہ، حضرت الحکم بن عمیر، حضرت حرملہ بن ایاس، حضرت خباب بن الارت، حضرت خنیس بن حذافۃ السہمی، حضرت خریم بن فاتک، حضرت خریم بن اوس الطائی، حضرت خبیب بن یسارف، حضرت دکین بن سعد المزنی، حضرت عبداللہ ذوالبجادین، حضرت ابولبابہ الانصاری، حضرت ابورزین، حضرت زید بن الخطاب، حضرت سلمان فارسی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن عامر، حضرت سفینہ، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت سالم بن عبید الاشجعی، حضرت سالم بن عمیر، حضرت سائب بن خلاد، حضرت شقران مولی رسول اللہ ﷺ، حضرت شداد بن اسید، حضرت صہیب بن سنان، حضرت صفوان بن بیضاء، حضرت طخفہ بن قیس، حضرت طلحہ بن عمرو، حضرت طفاوی دوسی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین''

حاکمؒ و ابونعیمؒ کی دونوں فہرستوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے وہ نام جو ایک نے ذکر کئے ہیں، دوسرے

نے ذکر نہیں کئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ اصحاب صفہ ﷺ کی تعداد چار سو تک بتائی جاتی ہے؛ اس لئے جس کو جو نام معلوم ہو گیا، اس نے وہی لکھ دیا، پھر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض وہ حضرات جن کو محدث حاکم اصحاب صفہ ﷺ میں سے بتاتے ہیں، حافظ ابو نعیمؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے، مثلاً ثابت بن ودیعہ جو محدث حاکم کی فہرست کا آخری نام ہے، اس کے متعلق حافظ ابو نعیمؒ کہتے ہیں:

"وإنما نزل الكوفة لا الصفة"

''وہ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے تھے، صفہ میں قیام نہیں فرمایا''

حافظ ابو نعیمؒ کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہے کہ بعض کاتبین نے غلطی سے بعض اصحاب قبہ ﷺ اور اصحاب عقبہ ﷺ کو اصحاب صفہ ﷺ میں لکھ دیا ہے اور ایک وجہ اس میں اختلاف کی یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ ﷺ کو گھر والے تھے؛ لیکن چوں کہ اصحاب صفہ ﷺ کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا زیادہ تھا اور صبر وفقر کو انہوں نے ترجیح دی تھی؛ اس لئے ان کو بھی بعض راویوں نے اصحاب صفہ ﷺ میں شمار کر لیا، مثلاً حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ کے متعلق حافظ ابو نعیمؒ لکھتے ہیں:

"خالط أهل الصفة مدة فنسب إليهم"

''ایک عرصہ تک اصحاب صفہ ﷺ کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہے؛ اس لئے ان ہی کی طرف ان کی نسبت کردی گئی''

چوں کہ مجھے اصحاب صفہ ﷺ کے عمومی احوال (فقر وفاقہ) تعلیم وتعلم، ذکر اللہ، محبت آخرت وغیرہ کا ذکر کرنا مقصود ہے؛ اس لئے تمام اسمائے گرامی کی تفتیش میں نہیں لگتا ہوں اور ناموں کی ہی فہرست پر بس کرتا ہوں۔

فکر واعتبار

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نام لیوا زمین کے چپہ چپہ پر موجود ہیں، اسلام کے علوم ومعارف کے جاننے والے اور قرآن وحدیث کے ماہر جگہ جگہ مل جاتے ہیں، یہ علوم ہم تک کس طرح پہنچے؟ اس پر اگر ہم غور کریں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ قرن اول کے مسلمانوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر علوم اسلامیہ کو حاصل کیا اور دنیاوی مشغلوں کو چھوڑ کر یا کم کر کے اسلام کو سیکھنے کے لئے اوقات فارغ کئے، پھر ان علوم کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں بڑی ہمت اور حوصلہ سے کام لیا اور اسلام کی تبلیغ کے لئے ملک اور شہر بہ شہر پھیل گئے۔

حضرات اصحاب صفہ ﷺ کو لے لیجئے کہ دین حاصل کرنے کے لئے برسوں درسگاہ نبوی ﷺ میں بھوکے پیاسے پڑے رہے، فاقوں پر فاقے ہیں پھر بھی مست اور مگن ہیں، کپڑے نہیں ہیں، پھر بھی خوش ہیں، گھر در نہیں، پھر بھی ہشاش بشاش ہیں، اگر یہ حضرات چاہتے تو صفہ کو چھوڑ کر اور اسلام کے مدرس اعلی حضرت محمد ﷺ کی مصاحبت سے جدا ہو کر کاروبار میں لگ جاتے اور شہروں میں منتشر ہو کر کھاتے کماتے، مکان بناتے، مزے اڑاتے؛ لیکن چوں کہ انہوں نے کھانے پینے اور کسب کرنے کو زندگی کا مقصد

نہیں سمجھا تھا اور مکانات بنانے کو دنیا میں آنے کی غرض نہیں بنایا تھا؛ اس لئے ان چیزوں کے پاس نہ ہونے سے ذرا نہ گھبراتے تھے ؛ چوں کہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا ان کی غذا تھی، اللہ کا ذکر ان کا مشغلہ تھا، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات محفوظ رکھنا ان کی اہم آرزو تھی؛ اس لئے ان چیزوں میں اگر اپنی کوتاہی دیکھتے تو پریشان ہوتے تھے؛ کیوں کہ مقصد زندگی فوت ہوتا نظر آتا تھا۔

ان حضرات نے آخرت سامنے رکھی اپنے باطن کو محبت خداوندی سے معمور کیا، آخرت کے غنا کی آرزو میں فقر وفاقہ کو اختیار کیا، جنت کے محلوں کو دنیا کے مکانوں پر ترجیح دی اور آخرت کے حساب سے بچنے کے لئے دنیاوی ساز وسامان سے منہ موڑا اور درسگاہ نبوی ﷺ کے بھوکے پیاسے طالب علم بن کرامت کے استاذ اور مقتدا اور قیامت آنے تک امت کی طرف سے رضی اللہ عنہم کی دعا کے مستحق ہوگئے اور آخرت میں اپنا یہ مقام حاصل کیا کہ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف ملا اور ان کی عزت بڑھانے کے لئے سید المخلوقات ﷺ کو حکم ہوا کہ ان کے پاس بیٹھے رہا کرو، دنیا سے منہ موڑا، اللہ سے رشتہ جوڑا، یہ اللہ کے ہوگئے اللہ ان کا ہوگیا، علوم کے سمندر پی گئے ومعارف کے معدن بن گئے، ننگے بھوکے تھے، مگر اللہ کے پیارے تھے، روٹی سے پیٹ خالی تھا؛ لیکن ایمان ویقین سے دل لبریز تھا، قربانی دی، اس کا پھل ملا، فانی دنیا چھوڑ گئے، باقی کے مستحق ہوگئے۔

آج اسلام زندگیوں سے نکلا ہوا ہے، علوم اسلامیہ کے محافظ بس کاغذ ہی رہ گئے ہیں، مسلمان اس عہدہ کو چھوڑتے جارہے ہیں، اسلام اجنبی ہے اس کے احکامات سے زندگی کا ہر شعبہ خالی ہے، اللہ کے ذکر سے زبانیں معمور نہیں؛ بلکہ غیبتوں اور لا یعنی باتوں سے لبریز ہیں، علوم قرآن وحدیث کو قابل تحصیل نہیں سمجھا؛ بلکہ فلسفہ اور جغرافیہ، سائنس اور دیگر دنیاوی علوم کے لئے زندگیاں وقف ہیں، اچھے اچھے دیندار کہلانے والے اور قرآن وحدیث کے مدرس اپنے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں کی نظر کرکے کفر والحاد کے حوالے کررہے ہیں، یہ پیٹ وتن اور کمانے کھانے سے آگے نہ فکر ہے نہ ہمت، نہ حوصلہ نہ ارادہ، روٹی ہونی چاہئے اور ایمان کی ضرورت نہیں، کپڑا اجلا ہو خواہ دل پر الحاد وفکر کے عقائد کی سیاہی چڑھی ہو، مکان اچھا ہو خواہ نماز غارت ہورہی ہو، یہ آج کے مسلمان کی حالت ہے۔

دینی مدارس طلباء سے خالی ہوتے جارہے ہیں اور جو طلباء ان مدارس میں نظر آتے ہیں، اچھا کپڑا، اچھا کھانا محبوب ومرغوب ہے، بھوک وپیاس سے محبت نہیں رہی، دینی علوم پڑھنے کے زمانے میں کسی کو طب کی طرف توجہ کوئی منشی فاضل اور مولوی فاضل کی سند حاصل کرنے کے لئے سرگردان ہے، کوئی میٹرک کے امتحان کے لئے محنت کررہا ہے، کوئی بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی امنگوں میں گم ہے، جو حکیم بنا یا کسی کالج کا پروفیسر ہوگیا وہ دینی خدمت سے گیا اور جو صرف مولوی ہی رہ گیا اسے تنخواہ کم ملتی ہے، اب چوں کہ دنیا سے لگاؤ ہے؛ اس لئے اہل دنیا کی طرف نظر ہے، بھوک پیاس سے محبت نہیں۔

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلاَ تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلاً﴾ (۶۴)

بھوک اور پیاس کو غذا بنا کر دینی علوم پڑھیں اور پڑھائیں اور دنیا سے نظریں ہٹا کر درسگاہ نبوی ﷺ کے طالب علموں کی

طرح زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور اپنے باطن کو محبت الٰہیہ سے معمور کریں اور دینی خدمت کو مقصود بنا دیں تو قلوب منور ہو جائیں، اللہ کے یہاں بھی معزز ہوں دنیا والے بھی قدر کریں، جو صرف نماز کے امام ہیں، امت کے ہر کام کے امام ہو جائیں: لیکن ’’المنایا علی متن البلایا ‘‘لذتوں کو قربان کرنے کی ضرورت ہے۔

آج اسلام کی خدمت کے لئے نہ فقیر تیار ہے، نہ مالدار، تنگ دست اور مفلس بھی علوم دینیہ سے ناواقف ہیں اور مالدار سرمایہ دار بھی، نہ ان کو آخرت سے محبت ہے اور نہ ان کو دین کو پھیلانے اور اس کے حاصل کرنے پر راضی ہیں اور دونوں فریق (عملاً) یہ سمجھتے ہیں کہ نہ ہمارے ذمہ دین پر خود چلنا ہے اور نہ دوسروں کو چلانا ہے، مالدار کے پاس ٹیلیویژن، ناچ گانوں اور فحاشی و عیاشی اور دیگر گناہوں میں روپیہ برباد کرنے کو خوب ہے؛ لیکن دین کی خدمت کے لئے اقتصادی حالت خراب ہے، عیسائیوں کی طرح شکل وصورت بنانے اور ان جیسا لباس سلوانے کے لئے تو سب کچھ موجود ہے؛ لیکن محلہ کی مسجد اور گاؤں کے مدرسہ کے لئے خرچ کرنے کو کچھ بھی پاس نہیں۔

غریبوں سے دین سیکھنے کے لئے کہو اور اسلام پھیلانے کی ترغیب دو تو مالداروں پر ٹال دیتے ہیں، دنیا کمانے میں سرگرداں ہیں؛ لیکن پھر بھی نصیب نہیں اور دین کو (اپنے خیال میں) اس لئے نہیں سیکھتے کہ ننگے بھوکے ہیں؛ حالاں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر آج کوئی بھی نہیں ہے، اگر فقر وفاقہ اور تنگ دستی دین سیکھنے سکھانے سے روکنے والی چیز ہوتی تو بس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی بھوک اور پیاس ہی کو لئے بیٹھے رہتے اور دین ان سے آگے نہ بڑھتا، مسلمانو! آنکھیں کھولو اور اللہ سے لَو لگاؤ اس کے دین کی خدمت کرو۔ (كلا إنها تذكرة فمن شاء ذكره)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد رسله محمد وآله وأصحابه أجمعين

حوالہ جات

(۱) تہذیب الأسماء واللغات (۲) مستدرک حاکم
(۳) الترغیب والترہیب (۴) الترغیب والترہیب
(۵) حلیۃ الأولیاء (۶) حلیۃ الأولیاء
(۷) الترغیب والترہیب
(۸) اس وقت عرب میں دیوانگی کا یہ علاج سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا جائے۔
(۹) شمائل ترمذی (۱۰) حلیۃ الأولیاء
(۱۱) حلیۃ الأولیاء
(۱۲) مصنف ابن أبي شيبة ، كتاب الأدب ، باب ما ذكر في الشح ،حدیث نمبر: ۲۷۱۴۵
(۱۳) حلیۃ الأولیاء (۱۴) غالباً یہ اس وقت ہوتا ہوگا جب کہ اصحاب صفہ کم ہوتے تھے۔
(۱۵) جندب حضرت ابوذر غفاری ؓ کا نام ہے۔ (۱۶) حلیۃ الأولیاء
(۱۷) حلیۃ الأولیاء (۱۸) مشکوۃ شریف
(۱۹) بخاری ومسلم
(۲۰) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو کوئی قسم کھالیوے اور پھر اس کے خلاف کرنے کو اس کے پورا کرنے سے اچھا سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور جو بہتر ہے اسی کو کرلے، حضرت صدیق اکبر ؓ نے اس پر عمل کیا جب ایسی صورت پیش آئے تو علماء سے تفصیلی طور پر مسئلہ معلوم کر کے عمل کرلیں۔
(۲۱) دوسری روات میں حضرت عمر ؓ نے دوسرے روز فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ ہوتا تو تم کو کھلادیتے؛ لیکن اس وقت ہم تم برابر تھے۔
(۲۲) حلیۃ الأولیاء (۲۳) حلیۃ الأولیاء: ۱/۳۷۶
(۲۴) صحيح البخاري ، كتاب الرقاق ، باب كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه وتخليهم عن الدنيا ،حدیث نمبر: ۶۴۵۲
(۲۵) ایک مد دو رطل کا اور ایک رطل ۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ تولہ کا ہوتا ہے۔
(۲۶) حلیۃ الأولیاء (۲۷) حلیۃ الأولیاء
(۲۸) جمع الفوائد (۲۹) حلیۃ الأولیاء
(۳۰) حلیۃ الأولیاء (۳۱) حلیۃ الأولیاء
(۳۲) حلیۃ الأولیاء (۳۳) مشکوۃ شریف، کتاب فضائل القرآن
(۳۴) الشوری: ۲۷ (۳۵) حلیۃ الأولیاء
(۳۶) مشکوۃ شریف (۳۷) مشکوۃ شریف
(۳۸) میدان حشر کا ایک منظر حضور ﷺ کو دکھایا گیا تھا، اس کو آپ ﷺ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا۔
(۳۹) بخاری شریف
(۴۰) صحابہ ؓ نے جو یہ دریافت کیا کہ وہ مالداری کا دور اس حالت میں آئے گا کہ ہم اپنے دین پر رہوں گے؟ اس سوال سے ان حضرات کے ایک خاص ذہن کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ کہ مالداری ان کو اس صورت میں بھائی تھی جب کہ دین پر ہوتے ہوئے زندگی گذاری جائے؛ لیکن اگر مال سے دین

برباد ہوتا ہو تو وہ اس سے کوسوں دور بھاگنے والے تھے۔(عفا اللہ عنہ)۔

(۴۱) حلیۃ الأولیاء (۴۲) مستدرک حاکم

(۴۳) مشکوۃ شریف (۴۴) مشکوۃ شریف

(۴۵) مشکوۃ المصابیح ص:۱۹۱، عن أبی داؤد

(۴۶) أخرجه في المشكوة ص:۲۴۹، وعزاه إلى الدارمي ولفظه : " فلقد رأيت ألوانهم أسفرت حتى تمنيت أن أكون معهم

(۴۷) الأنعام:۵۲ (۴۸) الأنعام:۵۳

(۴۹) الأنعام:۵۴ (۵۰) الکہف:۲۸

(۵۱) حلیۃ الأولیاء (۵۲) حلیۃ الأولیاء

(۵۳) حلیۃ الأولیاء، مطلب یہ ہے کہ جعیل اسلام ہی کو اپنے لئے اتنی بڑی نعمت سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اسلام کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

(۵۴) حلیۃ الأولیاء

(۵۵) التوبۃ:۹۲ (۵۶) الہدایۃ

(۵۷) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح (۵۸) حلیۃ الأولیاء

(۵۹) حلیۃ الأولیاء (۶۰) حلیۃ الأولیاء

(۶۱) حلیۃ الأولیاء (۶۲) حلیۃ الأولیاء

(۶۳) المستدرک للحاکم (۶۴) النساء:۷۷

مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی ☆

مکی دور میں صحابہ ؓ کی تعلیم وتربیت
مراکز، منہج اور طریقۂ کار

اسلام کے ساتھ ساتھ اولین حاملین قرآن وسنت یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے ہر شعبہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱) مکی دور۔

۲) مدنی دور۔

سیرت نبی ﷺ اور سیر صحابہ کے تقریباً تمام ہی تذکرہ نگار مدنی دور کی اولیات، ترقیات، تعلیم وتربیت اور شعبہائے زندگی کی ہر پیش رفت کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ہی اسلام اور مسلمانوں کو سر ابھارنے کا موقع ملا اور اسلام نے ہمہ جہت ترقیات کیں، تعلیم وتربیت سے لے کر ملکی انتظام وانصرام تک کا مضبوط سسٹم وجود میں آیا، جس کے نتیجے میں عرب مہذب، متمدن، سنجیدہ، اہل علوم وفنون، اور فاتح قوم بن کر ابھرے۔ اسلام کے ان دونوں دوروں میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ مکہ میں ضعیف اور کمزور لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ میں سب سے پہلے امیر اور رؤسائے مدینہ نے برضاء ورغبت اسلام قبول کیا اور اسی شان سے اسلام کی خدمات بھی انجام دیں۔

ہجرت سے قبل اسلام اور مسلمان جس ناداری کی کیفیت میں تھے اس سے تاریخ کا طالب علم ناواقف نہیں، مکی زندگی میں مسلمانوں نے انتہائی تکالیف برداشت کر کے اپنے دین ومذہب کی بقا اور نسلِ انسانی کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے اگر کچھ کارنامے انجام بھی دیے ہیں تو وہ نظروں سے اوجھل ہی رہے، وہ کام یا تو چھپ کر محدود دائرہ کار میں انجام دئے گئے اور اگر بر سر عام بھی کیے گیے تو تاریخ نویس نے محض واقعات کا نام دے کر ان سے صرف نظر کر لی، اس نقطۂ نظر کی نشاندہی کی کوشش نہیں کی گئی

☆ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

جس کی بنیاد پر یہ واقعات وجود میں آئے، میرا خیال ہے کہ ہم اگران واقعات کو اتفاق کا نام نہ دے کر مکہ کے دب تپے مسلمانوں کی کاوشوں کا نام دیں تو ایک حوصلہ مند اسلامی تاریخ سامنے آئے گی، اور مکی مسلمانوں کی خداداد دینی، اصلاحی، فکری اور سیاسی بصیرت سے نوجوان نسل متعارف ہوگی اور اس کی روشنی میں مستقبل کے نقوش وخطوط متعین کر سکے گی۔

ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لیے کوئی مستقل تعلیمی، دعوتی اور تربیتی مرکز نہیں تھا جہاں رہ کر یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں، آپ ﷺ کی ذات بابرکت ہی چلتی پھرتی درسگاہ تھی، سفر، حضر، رات اور دن غرض آپ ﷺ کی ذات ہر حال اور ہر مقام پر تعلیم وتبلیغ کا منبع تھی۔

اس پرآشوب دور میں مسلمان عام طور پر چھپ کر قرآن کریم سیکھتے تھے ان زہرہ گداز حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق ﷜، خباب ابن الارت ﷜، فاطمہؓ بنت خطاب، اور دیگر صحابہ کرام ﷢ بھی قرآن کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف تھے، حالات کی نزاکت کے پیش نظران حضرات کا منہج اور طریقۂ کار مختلف رہا، لیکن نقطۂ نظر (یعنی تعلیم وتعلم) ایک ہی تھا، مکی دور کے ایسے تمام حلقہ جات کو بجا طور پر تعلیمی اور تربیتی مراکز کا نام دیا جاسکتا ہے، اس تحریر سے ہمارا منشاء حضرات صحابہ ﷢ کی جدوجہد اور مکی دور کے علمی وتربیتی مراکز اوران کے منہج وطریقۂ کار کی نشاندہی ہے۔

مسجد ابوبکر صدیق ﷜

دور مکی کی اولین درسگاہ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی مسجد تھی، ابتداء میں اس مسجد کی حیثیت ایک کھلی جگہ کی تھی جہاں حضرت ابوبکر صدیق ﷜ تلاوت قرآن کریم کرتے تھے اور نماز ادا کرتے تھے، آپ ﷜ کی تلاوت کے وقت کفار کے بڑے اور بچے وہاں جمع ہوجاتے تھے اور تلاوت کلام اللہ سنتے تھے، اس درسگاہ میں نہ کوئی معلم تھا اور نہ متعلم، یہ مسجد مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد مستقل مسجد بن گئی، بخاری میں ہے:

''ثم بدأ لأبی بکر فابتنی مسجداً بفناء داره وبرز فكان يصلی فيه ويقرأ القرآن''(۱)

تاریخی حوالے سے کوئی سراغ نہیں ملتا کہ اس مسجد صدیق ﷜ کی سرگرمیوں سے کیا تعلیمی اور دعوتی نتائج سامنے آئے؟ البتہ اعجاز قرآنی کے حیرت انگیز واقعات کی روشنی میں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر ﷜ کی تلاوت قرآن کی بدولت کفار کی کچھ نہ کچھ تعداد اسلام سے متاثر ہوئی ہوگی، اس نفسیاتی نقطۂ نظر سے مسجد صدیق ﷜ کو اسلام کی پہلی درسگاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

دار ارقم

ہم واضح کرچکے ہیں کہ مکی دور میں مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جاتا تھا، اللہ کی عبادت سے روکا جاتا تھا حتی

کہ مکی مسلمان پہاڑوں اور غاروں تک میں عبادت کا تصور نہیں کر سکتے تھے، ابن اسحاق کا بیان ہے:

''ایک دفعہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سست کہنا شروع کیا، بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری، جس سے اس کا سر پھٹ گیا، یہ پہلا خون تھا جو اسلام کے بارے میں بہایا گیا'' (۲)

ان سنگین حالات نے مسلمانوں کو ''دارارقم'' میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تاکہ وہ اسلام کے احکام و مسائل سیکھ سکیں اور اجتماعی صورت میں اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

یہ مکان حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ کا تھا اور انہی کی طرف منسوب بھی ہوا حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا ''**السابقون الاولون**'' میں شمار ہوتا ہے، اسلام کا سورج طلوع ہی ہوا تھا کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عثمان ابن ارقم جو ثقہ محدث بھی ہیں، کہا کرتے تھے:

''انا ابن سبع الاسلام، اسلم ابی سابع سبعة''. (۳)

''میں (عثمان رضی اللہ عنہ) ایسے شخص کی اولاد ہوں جنہیں اسلام میں ساتواں درجہ حاصل ہے، میرے والد اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی ہیں''۔

البتہ ابن اثیرؒ (۴) نے حضرت ارقم کو دسویں نمبر پر اسلام لانے والا شمار کیا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں حضرت ارقمؓ ''**السابقون الاولون**'' میں داخل ہیں، حضرت ارقم کا یہ مکان صفاء پہاڑی کے اوپر یا اس کے قریب تھا (۵) مؤرخین نے دارارقم کہے جانے والی اس درسگاہ کو ''دارالاسلام'' سے بھی یاد کیا ہے۔ (۶)

دارارقم کی تاریخی حیثیت

مؤرخین نے دارارقم کی بناء اور اس کی سرگرمیوں کو تاریخی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت دی ہے خصوصاً ابتدائی دور کے مؤرخین اور تذکرہ نگار دارارقم کے اسلامی مرکز بننے کو انقلابی واقعہ تصور کرتے ہیں اور مکی دور کی سیرت، تاریخ اسلام کے واقعات اور شخصی حالات کی تعیین اسی مرکز اسلامی کی بناء سے کرتے ہیں، مثلاً ابن الاثیر نے مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، اور معمر بن حارث رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے زمانہ قبول اسلام کی تعیین کے لیے مرکز دارارقم کی بناء کو مرکزی نقطہ قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ حضرات دارارقم کے مرکز تعلیم و تربیت بننے سے پہلے ہی حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ، طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ، وغیرہ کے زمانہ قبول اسلام کے بارے میں ابن اثیرؒ کی رائے مرکز اسلام دارارقمؓ کی بناء کے بعد کی ہے۔ (۷)

ابن اثیر کے علاوہ مؤرخ ابن سعد نے بھی اپنی بحث وتحقیق کے لیے دارارقم کی بنا، اور تاسیس ہی کو مرکزی نقطہ قرار دیا ہے، چناں چہ الطبقات الکبری میں انہوں نے تقریباً ۲۰ صحابہ کرامؓ کے تذکروں میں وضاحت کی ہے کہ یہ حضرات دارارقم کے مرکز اسلام بننے سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، وہ صحابہ کرام ﷺ درج ذیل ہیں۔

(۱) خدیجہؓ (۲) ابوبکر صدیق ﷺ (۳) عثمان ﷺ (۴) علی ﷺ (۵) زید بن حارثہ ﷺ (۶) عبیدہ بن حارث ﷺ (۷) ابوحذیفہ بن عتبہ ﷺ (۸) عبداللہ بن جحش ﷺ (۹) عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ (۱۰) عبداللہ بن مسعود ﷺ (۱۱) خباب بن الارت ﷺ (۱۲) مسعود بن ربیع ﷺ (۱۳) واقد بن عبداللہ ﷺ (۱۴) عامر بن فہیرہ ﷺ (۱۵) ابوسلمہ بن اسد ﷺ (۱۶) سعید بن زید ﷺ (۱۷) عامر بن ربیعہ ﷺ (۱۸) خنیس بن حذافہ ﷺ (۱۹) عبداللہ بن مظعون ﷺ (۲۰) حاتم بن عمرو ﷺ

ان حضرات کے علاوہ ابن سعد نے دارارقم کے قیام کے بعد دارارقم میں حاضر ہو کر اسلام لانے والے حضرات کی نشاندہی فرمائی ہے ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) صہیب ﷺ (۲) عمار بن یاسر ﷺ (۳) مصعب بن عمیر ﷺ (۴) عمر بن خطاب ﷺ (۵) عاقل بن ابی بکر ﷺ (۶) عامر بن ابی بکر ﷺ (۷) ایاس بن ابی بکر ﷺ (۸) خالد بن ابی بکر ﷺ (۸)

دارارقم کی سرگرمیاں

دارارقم کے مرکز بننے کے بعد مکی مسلمانوں کو قدرے اطمنان ہوا اور ان کو ایسی پناہ گاہ مل گئی جہاں وہ حضرات اپنے رب کے حضور جبین نیاز جھکا سکیں اور قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرسکیں، دارارقم کی سرگرمیوں کی ایک تاریخ ہے یہاں تعلیم وتربیت کے علاوہ اجتماعی عبادات، ذکر اللہ اور دعاؤں کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا جب حضرت عمر ﷺ میں قبول اسلام کا داعیہ پیدا ہوا تو حضرت خباب ابن الارتؓ نے ان کو خوشخبری دیتے ہوئے بتایا تھا کہ میں نے رسول اللہ کو دارارقم میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:

''اللّٰهم ايد الاسلام بابی الحكم بن هشام او بعمر بن الخطاب''.(۹)

''اے اللہ ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے اسلام کی تائید فرما''

ابن ہشام کی اس روایت سے سراغ ملتا ہے کہ تعلیمی وتربیتی مروجہ منہج اور طریقہ کار کے علاوہ آپؐ دارارقم میں اجتماعی عبادات کے ساتھ دعاؤں کا بھی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

اس مرکز کے قیام کا بنیادی مقصد حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے صحابہؓ کی علمی واخلاقی پرورش تھی اور اسلامی مبادیات کی تعلیم کے ساتھ ایسے ماحول کی فراہمی بھی تھی، جو اسلام پر دل بستگی کے لیے معاون ہو، چنانچہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام صحابہ کرامؓ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے، امام ابوالولید ازروقی لکھتے ہیں:

"یجتمع هو واصحابی عند الارقم بن ابی الارقم ویقرء هم القرآن ویعلمهم فیه". (۱۰)

''رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ دارارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپ ان لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین کی تعلیم دیتے تھے''۔

طلبہ کا قیام وطعام

اس علمی درگاہ کی نوعیت موجودہ دور کی درسگاہوں سے مختلف تھی، نہ تو اس کی کوئی یافت تھی اور نہ ہی کوئی ذریعہ معاش جو غریب الدیار، ضعیف طلبہ کی کفالت کرتا، ظاہر ہے مکی دور کے حالات ان اقدامات کی اجازت بھی نہیں دیتے ہیں، اس ادارہ میں زیر تعلیم حضرات دو نوعیت کے تھے، بعض حضرات وہ تھے جن کی معاشی حالت اچھی تھی اور مکہ میں ان کا گھر بار تھا یہ حضرات نظام الاوقات کے تحت تعلیم کے لیے حاضر ہوتے تھے اور فراغت کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے تھے، اپنے قیام وطعام کے خود ذمہ دار اور کفیل تھے۔

ان حضرات کے علاوہ کچھ نادار اور ضعیف حیثیت کے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں زیر تعلیم تھے، یا تو مکہ میں ان کا گھر بار نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو معاشی حالت نہایت خستہ تھی، ان حضرات کے قیام وطعام کی ذمہ داری اسی مرکز پر تھی ان حضرات کے قیام وطعام کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''اسلام لانے والوں میں سے دو آدمیوں کو کسی مستطیع مسلمان کے ساتھ کر دیا جاتا تھا اور یہ دونوں اس کے یہاں رہ کر کھانا کھاتے تھے''۔(۱۱)

دارالشوریٰ

دارارقم کی ایک حیثیت ''دارالشوریٰ'' کی بھی تھی مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی مسائل اسی جگہ مشورہ کے بعد حل ہوتے تھے، تاریخی حوالوں اور قرائن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ جیسے اہم اقدامات کا فیصلہ باہم مشورہ سے اسی مرکز میں ہوا۔ ابن ہشامؒ نے آپ ﷺ کی تقریر نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

"قال لهم لو خرجتم الى ارض الحبشة فان بها ملكا، لايظلم عنده أحد، وهى ارض صدق، حتى يجعل الله لكم فرجاً مما انتم فيه". (۱۲)

''رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاسکتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل

سے نجات دلا دے جس میں تم گرفتار ہو''۔

اس تاریخی روایت کی ترتیب اور ضمائر کی جمعیت کو پیش نظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا خطاب کسی مجمع عام سے ہے، گذشتہ صراحت سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ مکہ میں اس وقت دارارقم کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان جمع ہو کر عبادت اور اپنے مسائل باہمی مشورہ سے حل کر سکیں ان حالات کے تناظر میں قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت حبشہ جیسا اہم اور تاریخی فیصلہ اسی مرکز تعلیم وتربیت میں کیا گیا۔

دعوتی خدمات

اسی مرکز میں دعوت وتبلیغ کے لیے مشورہ بھی ہوتے تھے اور دعوت کا منہج اور طریقۂ کار طے ہونے کے بعد باہمی مشورہ سے مبلغ کو بھی طے کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ صحابہؓ دارارقم میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ابھی تک قریش مکہ نے باآواز بلند قرآن کریم کی تلاوت نہیں سنی ہے، کسی مبلغ کو اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے بھیجا جائے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ ذمہ داری قبول کی اور قریش کو ان کی مجلس میں جاکر قرآن کی طرف دعوت دی۔ (۱۳)

دارارقم میں لوگوں کا اسلام قبول کرنا

یہ تمام دارارقم جیسے عظیم الشان اور تاریخی مرکز کے طریقہ کار اور خدمات کی مختصر تفصیل تھی ان تمام سرگرمیوں کے علاوہ اہم کام جس کے لیے اس مرکز کی بناء پڑی تھی لوگوں کو توحید کی حقیقت اور شرک پرستی کی قباحت سے مطلع کرنا تھا اور ہر ایک پر مرتب ہونے والے نتائج یعنی جزاء اور سزا سے بھی آگاہ کرنا مقصود تھا، مستدرک حاکم میں ہے:

''کان النبیؐ یسکن فیھا فی اول الاسلام وفیھا یدعوا الناس الی الاسلام'' (۱۴)

''رسول اللہ ﷺ ابتدائے اسلام میں اسی مکان میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے''۔

اس درسگاہ کی اسلامی تحریک کا نتیجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی مرکز میں اسلام قبول کیا ان کے علاوہ عمار بن یاسرؓ صہیب رومیؓ کے قبول اسلام کا دلچسپ واقعہ بھی اسی مرکز سے تعلق رکھتا ہے، ایک دن یہ دونوں حضرات چھپتے چھپاتے دبے پاؤں دارارقم کے دروازے پر اکٹھے ہوئے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے حضرت عمار بن یاسرؓ خود بیان کرتے ہیں:

''میں نے صہیب سے پوچھا تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ صہیب نے کہا! تم کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں محمد ﷺ کے پاس جاؤں اور ان کی باتیں سنوں! صہیب نے کہا: میں بھی تو یہی چاہتا ہوں''۔ (۱۵)

چنانچہ دونوں حضرات بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

ان حوالوں کی روشنی میں ہمارا نقطہ نظر واضح ہوجاتا ہے کہ دارارقم کی تاسیس کے اہم مقاصد میں سے دعوت اسلام بھی تھی جس کے نتیجہ میں مسلمان ہونے والے حضرات کو اسی مرکز میں تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا جاتا تھا البتہ اس مرکز کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہوکر کتنے بندگان خدا نے اسلام قبول کیا اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی، مستدرک حاکم نے ''فأسلم فیها قوم کثیر'' (۱۶) کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی جن کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ ابن سعد نے چند حضرات کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے دارارقم میں آکر اسلام قبول کیا، وہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (۲) عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ (۳) مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (۴) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۵) عاقل بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (۶) عامر بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (۷) ایاس بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (۸) خالد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ (۱۷)

مشہور مؤرخ ابن اثیر نے ان ناموں پر حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (۱۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ کے ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لاچکے تھے اور میں نے ایمان لا کر چالیس کا عدد مکمل کردیا'' (۱۹)

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ دارارقم نے تقریباً چالیس حضرات کو اسلام سے روشناس کراکر حلقہ اسلام میں داخل کیا۔

دارارقم کی تاسیس کب عمل میں آئی؟

دارارقم کے متعلق ایک اہم تاریخی بحث یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دارارقم میں فروکش کب ہوئی؟ یعنی دارارقم مرکز اسلامی کب بنا؟ اور کل کتنی مدت آپ ﷺ اس مرکز میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم وتربیت دیتے رہے؟۔

تاریخی اشارات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ بعثت نبوی ﷺ کے ابتدائی ایک، دوسال گزرنے پر ہی دارارقم کی تاسیس عمل میں آئی، مثلاً حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا اپنا اقبالیہ بیان اسد الغابہ میں اس طرح مذکور ہے کہ:

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے اسلام کے بعد) دیکھا تو آپ ﷺ کے ساتھ صرف پانچ غلام، عورتیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیقص تھے''۔ (۲۰)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے اس بیان میں ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں کی مجموعی تعداد اور اسلام قبول کرنے والوں میں اپنا نمبر ساتواں بتایا ہے چنانچہ ابن الاثیرؒ نے حضرت مجاہدؒ کے حوالے سے یہی وضاحت فرمائی ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا نمبر ساتواں ہے۔ (۲۱) ہم نے دارارقم کی سرگرمیوں کے تحت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرکے صراحت کی ہے کہ دونوں نے دارارقم میں ہی اسلام قبول کیا، اس مختصر بحث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں دارارقم اسلامی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا اور آپ تعلیم وتربیت کے لیے یہاں فروکش ہوچکے تھے۔

بحیثیت اسلامی مرکز دارارقم کی کل مدت

یہاں ایک اور اہم سوال یہ ہے دارارقم کب تک تعلیم وتربیت کا مرکز رہا اور رسول اللہ ﷺ یہاں مقیم رہے؟ تو اس بات پر تمام مؤرخین اور محققین کا اتفاق ہے کہ رسول خدا ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام تک دارارقم میں مقیم رہے عمر کے اسلام کے بعد مسلمانوں نے بیت اللہ میں اللہ کی عبادت شروع کی، مؤرخین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے جس کی بنیاد پر دارارقم میں آپ کے قیام کی مدت میں بھی اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مؤرخین کی تحقیق کے مطابق اعلان نبوت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا حضرت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''واسلم فی السنة الثانية من البعثة ولازم نصر رسول الله وهاجر معه'' (۲۲)

ابن حجر نے دیگر اقوال کو چھوڑ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے اسی طرح مؤرخ ابن الاثیر کی تحقیق کے مطابق بھی یہی قول راجح ہے۔ (۲۳)

ان اقوال کی ترجیحات اور تاریخی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ دارارقم ابتدائے اسلام میں ہی اسلام سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا اور اس کی یہ حیثیت اسلام عمر رضی اللہ عنہ تک رہی، جس کی کل مدت ایک سال یا اس سے کچھ کم وبیش ہوتی ہے۔

بہرحال دارارقم اسلام کا وہ انقلابی مرکز ہے، جس نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیم وتربیت کے علاوہ قانون اسلامی سے روشناس کرایا اور بقاء دین ومذہب کے انوکھے اسباق سکھائے۔

درسگاہ فاطمہ بنت خطاب

حضرت فاطمہ بنت خطاب بن نفیل قرشیہ عدویہ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن ہیں، یہ اپنے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہوگئیں تھیں، مکی دور کے نامساعد حالات کے باوجود حضرت فاطمہ بنت خطاب کا مکان ایک درسگاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اس اسلامی مرکز کے معلم حضرت خباب بن الارتؓ تھے، دراصل حضرت خبابؓ دارارقم کے طلبہ میں تھے اور ہم وضاحت کرچکے ہیں کہ دارارقم کے نادار طلبہ کا قیام وطعام مستطیع مسلمانوں کے گھر ہوا کرتا تھا، اس نظام کے تحت حضرت خباب ابن الارتؓ حضرت فاطمہ بنت خطاب کے گھر مقیم تھے اور دونوں میاں بیوی کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا ایک خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں ہے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ میرے بہن بہنوئی کے یہاں آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے''۔ (۲۴)

درسگاہ فاطمہ بنت خطاب میں طلبہ کی تعداد

اس اسلامی مرکز اور درسگاہ میں کتنے طالب علم تھے؟ تاریخی اشارات کی روشنی میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے تلوار لئے ہوئے اپنے بہن کے مکان پر گئے تو دیکھا کہ بہن اور بہنوئی دونوں قرآن کریم پڑھ رہے ہیں ابن ہشامؒ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وعندهما خباب بن الارت معه صحيفة فيها طه يقرء هما اياها". (۲۵)

''ان دونوں کے پاس خباب بن ارت ؓ تھے، ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورہ طہٰ تھی اور وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے''۔

ابن ہشام نے اس عبارت میں وضاحت فرمائی ہے کہ اس درسگاہ میں صرف یہ میاں بیوی دو ہی طالب علم تھے، لیکن اس درس گاہ کے تعلق سے حضرت عمرؓ کا بیان ہے:

"كان القوم جلوساً يقرؤن صحيفة معهم".

''یہ جماعت بیٹھ کر صحیفہ پڑھ رہی تھی جو ان کے پاس تھا''۔

حضرت عمرؓ نے لفظ قوم استعمال کیا ہے اہل لغت کی وضاحت کے مطابق اس درسگاہ میں دو سے زائد طالب علم تھے جو حضرت خباب الارت ؓ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

درسگاہ فاطمہ بنت خطاب کا تعلیمی منہج

حضرت فاطمہؓ کا یہ مکان اسلام کے ابتدائی دور کی درسگاہ ہے اور استاذ اور طلبہ بھی ابتدائی دور ہی کے اسلام کے قبول کرنے والے ہیں اس لیے اس درسگاہ تعلیمی منہج کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ اس درسگاہ میں ابتدائی بچوں کی طرح قرآن کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور اس درسگاہ کے معلم حضرت خباب ؓ نے تعلیم کے لیے ''سورہ طہٰ'' کے کسی حصہ کا انتخاب کیا تھا۔

اس درسگاہ سے بڑے اہم اور حوصلہ مند نتائج برآمد ہوئے آپ ﷺ ہمیشہ حضرت عمر ؓ کے اسلام کی تمنا اور دعا فرمایا کرتے تھے (۲۶) اس درسگاہ کے علمی اور روحانی ماحول نے آپ کے اندر اسلام کا داعیہ پیدا کیا اور دار ارقم حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

درسگاہ شعب ابی طالب

مکی دور کی ایک اہم درسگاہ شعب ابی طالب بھی ہے اس درسگاہ کا امتیاز یہ ہیکہ صحابہ کرامؓ نے اجتماعی صورت میں ایک ہی جگہ طویل مدت یعنی تقریباً تین سال تک تعلیم و تربیت حاصل کی ہے شعب ابی طالب ظلم و زیادتی کا دوسرا نام ہے جو صرف اور

صرف اسلام کے بڑھتے سیلاب کو روکنے کے نتیجے میں وجود میں آیا، چنانچہ ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اہل خاندان کے ساتھ اسی گھاٹی میں محصور تھے جس کی مدت تین سال ہے۔

شعب ابی طالب میں قیام اور اس کا پس منظر

وہ حالات اور پس منظر کیا تھے؟ جس کی وجہ سے مسلمان اس گھاٹی میں قید ہونے پر مجبور ہو گئے اب تک حالات یہ تھے کہ کفار مکہ شخصی طور پر صحابہؓ کو جبر و تشدد کا نشانہ بناتے تھے تاکہ وہ حضرات اسلام کا راستہ چھوڑ دیں اور اسلامی تحریک ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے، نتیجہ برعکس سامنے آیا لوگ اعلانیہ و خفیہ اسلام میں داخل ہوتے رہے، حتی کہ صرف چار ہفتہ ہی میں کفار مکہ کو چار بڑے دھچکے لگے۔

(۱)　حضرت حمزہؓ حلقہء اسلام میں داخل ہو گئے اور صرف تین دن کے بعد ہی حضرت عمرؓ نے اسلام کے دامن میں پناہ لی یہ دونوں وہ حضرات تھے جن پر عرب فخر کرتا تھا۔

مال و دولت کی پیشکش

(۲)　دوسرا دھچکا یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ نے مشرکین مکہ کی پیش کش ٹھکرا دی اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام کے بعد کفار نے محسوس کر لیا کہ جبر و تشدد کے راستہ سے لوگوں کو اسلام سے نہیں روکا جا سکتا لہذا انہوں نے منصوبہ میں تبدیلی کی، ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے قریش کی محفل میں کہا کہ میں کیوں نہ رسول اللہ ﷺ سے بات کروں اور چند امور پیش کروں آپ ﷺ کا جو بھی مطالبہ ہو ہم اسے پورا کر دیں اور وہ اسلام کی دعوت و تبلیغ سے باز آجائیں۔ مشرکین کو یہ مشورہ پسند آیا اور عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ:

> ''بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے اور اگر تم چاہتے ہو کہ تم بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے علاج کر دیتے ہیں اور سارا خرچ ہم برداشت کر لیں گے''

آپ ﷺ نے یہ تقریر بڑے غور سے سنی پھر ''سورہ سجدہ'' کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور سجدہ ادا کیا اور فرمایا:

> ''ابو الولید تمہیں جو کچھ سننا تھا سن چکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔'' (۲۷)

گویا رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مطالبات کو یکسر مسترد فرما دیا

رسول ﷺ کی حفاظت کا عہد

بعثت کے ساتویں سال کے آغاز تک مسلمانوں کی وافر تعداد مکہ میں جمع ہوگئی تھی اور کسی حد تک کفار کی طرف سے ظلم وزیادتی کے واقعات میں کمی آئی تھی لیکن آپ ﷺ کے حوالہ سے اندیشے برقرار تھے ماضی قریب ہی میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے مسلسل واقعات پیش آئے چنانچہ ابوطالب نے اپنے جداعلی عبدمناف کے دوصاحبزادے ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت وحمایت کا جو کام تنہا انجام دے رہے تھے اب سب ملکر انجام دیں ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی البتہ ابوطالب کے بھائی ابولہب نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور قریش مکہ سے جاملا (۲۸)

ظالمانہ فیصلہ

صرف چار ہفتوں کے اندر ہی یہ چاروں واقعات مسلسل پیش آئے اس وقت کے حالات کے تناظر میں ان کو انقلاب کا نام دیا جاسکتا ہے کفار نے محسوس کرلیا کہ اب آپ ﷺ کو قتل نہیں کیا جاسکتا ورنہ مکہ کی وادی خون سے لالہ زار ہوجائے گی لہذا تمام مشرکین محصب میں خیف بن کنانہ میں جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف عہد و پیمان کیا کہ نہ اس سے شادی بیاہ کریں گیں نہ خرید وفروخت کریں گے نہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالہ نہ کردیں مشرکین نے اس فیصلہ کو دستاویز کے طور پر صحیح قول کے مطابق غیض بن عامر بن ہاشم سے لکھوایا اور خانہ کعبہ کے اندر لٹکادیا۔(۲۹)

اس بائیکاٹ کے نتیجہ میں مسلمان اور آپ ﷺ کی حمایت میں اٹھنے والے کفار شعب ابی طالب میں بعثت کے ساتویں سال مقید ہوکر رہ گئے ان تین سالوں میں حالات انتہائی سنگین ہوگئے غلہ اور سامان خورد ونوش کی آمد بند ہوگئی فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی سے سنائی پڑتی تھیں۔

اس درسگاہ کے حوالے سے صرف اور صرف فقر وفاقہ، پریشانی اور تکالیف جیسے حالات کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے صحابہؓ نے بھی شخصی طور پر اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کیا ہے اس تین سال کی طویل مدت کے دوران صحابہؓ کی تعلیم وتربیت کے تعلق سے کیا اقدامات اور پیش رفت کی گئی تاریخ اس سے خاموش ہے شریعت اسلامیہ کی اجمالی تاریخ کو سامنے رکھ کر اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ قرآن کریم صحابہؓ کو سناتے تھے اور بعد میں صحابہؓ اس کا تکرار بھی کرتے تھے اس وحی کی روشنی میں جن مسائل کا استنباط اور استخراج ہوسکتا تھا لسان نبوت ﷺ نے اس کی نشان دہی فرمادی اور وحی کی تبیین وتشریح میں جو کچھ کہا گیا صحابہؓ نے محفوظ کرلیا اس لئے کہا جاسکتا ہیکہ اس درسگاہ سے صحابہؓ نے مکی دور میں سب سے زیادہ استفادہ کیا، اس درسگاہ کا ایک تربیتی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اور دیگر صحابہؓ ایام حج پر نکلتے اور مختلف قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

یہ مکی دور کے تعلیمی، تربیتی مراکز اور ان کے منہج وطریقہ کار کا مختصر تعارف تھا، ہم شروع ہی میں وضاحت کر چکے ہیں کہ مکی دور میں تعلیم وتربیت کے حوالے سے جو بھی واقعات وجود میں آئے تاریخ نے ان کے مناہج وطریقہ کار اور سرگرمیوں کو محفوظ نہیں رکھا اس کے ذمہ دار مکہ کے حالات کو قرار دیا جائے یا اس کا الزام مؤرخ کے سر ڈالا جائے البتہ کھلے منہ اتنا ضرور کہا جا سکتا کہ یہ مراکز اسلام کے خفیہ قلعے تھے وہاں سے داعی اور معلمین کی تربیت یافتہ جماعتیں وجود میں آئیں اور ان کے ذریعہ قبائل عرب اور ان سے باہر اسلام کی ترویج واشاعت عمل میں آئی انہی مراکز نے مکہ کے کمزور مسلمانوں میں زندگی کا حوصلہ بخشا جس کے نتائج فتح مکہ اور دیگر غزوات کی شکل میں سامنے آئیں۔

حوالہ جات

(۱) صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی ﷺ وعقدہ، ح:۲۲۹۷، ص:۳۶۷۔
(۲) ابن ہشام:۱/۲۶۳۔
(۳) مستدرک تذکرہ ارقم بن ابی الارقم:۳/۵۰۲۔
(۴) اسد الغابۃ تذکرہ ارقم بن ابی الارقم:۱/۶۰۔
(۵) المستدرک تذکرہ ارقمؓ:۱/۶۰۔
(۶) ابن سعد تذکرہ ارقم:۳/۲۴۳۔
(۷) تفصیل کے لیے دیکھئے اسد الغابۃ۔
(۸) تفصیل کے لیے دیکھئے ابن سعد۔
(۹) ابن ہشام اسلام عمر بن خطاب:۱/۳۸۳
(۱۰) اخبار مکہ:۲/۲۱۰
(۱۱) خیر القرون کی درسگاہیں:۲۷
(۱۲) ابن ہشام، ذکر الہجرۃ الاولی الی ارض الحبشہ:۱/۳۵۸
(۱۳) ابن ہشام اول من جہر القرآن: ۱/۳۵۱
(۱۴) مستدرک حاکم:۳/۵۰۲۔
(۱۵) اسد الغابۃ تذکرہ عمار بن یاسر:۴/۴۴
(۱۶) مستدرک حاکم:۳/۵۰۲۔
(۱۷) ابن سعد:۳/۱۱۵، ۲۷۳، ۴۲۵۔
(۱۸) اسد الغابہ:۳/۹۲۔
(۱۹) فتح الباری کتاب الفضائل الصحابہؓ مناقب عمر بن الخطاب:۷/۴۸۔
(۲۰) اسد الغابہ:۳/۹۲۔
(۲۱) اسد الغابہ:۴/۴۴۔
(۲۲) الاصابۃ تذکرہ حمزہ ابن المطلب:۱/۳۵۴۔
(۲۳) اسد الغابہ تذکرہ حمزہ ابن المطلب:۲/۶۶۔
(۲۴) سیرت حلبیہ:۱/۳۰۱۔
(۲۵) سیرت ابن ہشام:۱/۳۴۴۔
(۲۶) ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطاب:۱/۳۸۳۔
(۲۷) ابن ہشام ۱/۲۹۳، ابن ہشام ۱/۲۹۳۔
(۲۸) ابن ھشام ۱/۲۶۹۔
(۲۹) ابن ھشام ۱/۳۸۸۔

پروفیسر محمد اکرم ورک

مدنی دور کے معلم اور مبلغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مدینہ منورہ آمد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد نبوی ؐ کی تعمیر تھی، مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک سائبان اور چبوترہ (صفہ) بنایا گیا جس پر وہ مہاجرین صحابہ کرام ؓ مدینہ منورہ آکر رہنے لگے تھے جو نہ تو کچھ کاروبار کرتے تھے اور نہ ان کے پاس رہنے کو گھر تھا، مکہ مکرمہ اور دیگر علاقوں سے دین متین کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے آنے والے صحابہ کرام ؓ بھی یہاں قیام کرتے تھے، گویا صفہ ان غریب اور نادار صحابہ کرام کی جائے پناہ تھی جنہوں نے اپنی زندگی تعلیمِ دین، تبلیغِ اسلام، جہاد اور دوسری اسلامی خدمات کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

مدنی عہد نبوت میں مذہبی تعلیم وتربیت کے دو طریقے تھے، ایک غیر مستقل، جس میں مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آکر چند دن قیام کرتے اور ضروری مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے اور اپنے اپنے قبائل کو جا کر تعلیم دیتے، ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے قبائل میں واپس بھیج دیتے، چنانچہ مالک ؓ بن الحویرث کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا:

"اِرجعوا الی اهلیکم فعلّمو هم ومروهم وصلوا کما رأیتمونی أصلی، و اذا حضرت الصلوة فلیؤذِن لکم احدکم ثم لیؤمکم اکبر کم" (۱)

''تم اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو امور شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح پڑھانا، اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان دے، پھر تم میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا امامت کرائے''

اسی طرح وفد عبدالقیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام کی بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادائے خمس، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کی تعلیمات دیں اور پھر فرمایا:

"احفظوہ واخبروہ من ورائکم" (۲)

''ان باتوں کو یاد کر لو اور جا کر دوسروں کو بھی بتا دو''۔

دوسرا طریقہ مستقل تعلیم وتربیت کا تھا اور اس کے لیے صفہ کی درس گاہ مخصوص تھی، اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے

جو علائق دنیوی سے بے نیاز تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو دینی تعلیم و تربیت اور عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر رکھا تھا، مسجد نبوی کی اس درس گاہ کے دو حلقے تھے، ایک درس و تعلیم کا حلقہ اور دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا، حضرت عبداللہؓ بن عمرو فرماتے ہیں:

''خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم من بعض حجره، فدخل المسجد، فاذا هو بحلقتين احد هما يقرئون القرآن ويدعون الله، والاخرىٰ يتعلّمون ويعلّمون، فقال النبى ﷺ كل على خير، هؤلآء يقرء ون القرآن ويدعون اللّٰه، فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم، وهؤلاء يتعلّمون ويعلّمون، وانما بعثت معلما، فجلس معهم'' (۳)

''ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے تو مسجد میں دو حلقے دیکھے، ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا میں مصروف تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ تعلیم و تعلم میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی اور فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں، یہ لوگ قرآن پڑتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں، اگر چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو روک لے، اور یہ لوگ سیکھتے ہیں اور سکھاتے ہیں، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے کہ) ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' حلقۂ درس و تعلیم میں جا کر بیٹھ گئے''۔

اصحابِ صفہ کے لیے اساتذہ کا تقرر

اصحابِ صفہ کے معلم اول تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی، چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

''اقبل ابو طلحةؓ يو ما فاذا النبى صلى اللّٰه عليه و سلم قائم يقرىء اصحاب الصفة على بطنه فصيل من حجر يقيم به صلبه من الجوع''(۴)

''ایک دن حضرت ابوطلحہؓ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کو کھڑے قرآن پڑھا رہے ہیں، آپؐ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر کا ٹکڑا باندھا ہوا تھا تا کہ کمر سیدھی ہو جائے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تعلیم و نصیحت سے فارغ ہو کر تشریف لے جاتے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ حلقہ میں بیٹھ کر تعلیم کے سلسلہ کو اسی طرح جاری رکھتے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لاتے تو لوگ خاموش ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہونے کے بعد فرماتے کہ اسی عمل میں مشغول رہیں اور اس کو جاری رکھیں، کبھی کبھار حضرت معاذؓ بن

جبل بھی تعلیمی حلقہ سنبھال لیتے تھے۔(۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کئی مستقل معلمین بھی اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت پر متعین تھے، حضرت عبادہؓ بن صامت کا بیان ہے:

''علّمت ناسا من أهل صفة القرآن والكتاب فاهدىٰ الىّ رجل منهم قوساً'' (٦)

''میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا اور لکھنے کی تعلیم دی تو ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیہ میں ایک کمان دی''۔

اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن سعید بن العاص جو خوش خط تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے، اصحاب صفہ کو لکھنا سکھاتے تھے۔(۷)

اوقاتِ تعلیم

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا فرمالیتے تو ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا تھا''۔(۸)

سماک بن حرب نے حضرت جابرؓ بن سمرہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھا کرتے تھے؟

''تو انہوں نے کہا: ہاں، میں بہت زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شریک رہا کرتا تھا، جب تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ پر رہتے تھے، اور طلوع آفتاب کے بعد اٹھ کر مجلس میں تشریف لاتے تھے، اور مجلس کے درمیان صحابہ زمانۂ جاہلیت کے واقعات بیان کرکے ہنستے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرادیتے تھے''۔

اصحاب صفہ انتہائی نادار اور مفلس تھے اس لیے ان میں سے بعض لوگ دن میں شیریں پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی، اس سے اپنے مصارف پورے کرتے تھے، (۹)۔

اس مصروفیت کی وجہ سے ان میں سے بعض حضرات کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اس بناء پر ان کی تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا گیا تھا، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ستر کے قریب اصحاب صفہ رات کے وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔

''فكانوا اذا جنّهم الليل انطلقوا الى معلم لهم بالمدينة، فيدرّسون الليل حتىٰ

یصبحوا'' (۱۰)

''جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ مدینہ میں ایک معلم کے پاس جاتے اور رات بھر پڑھتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی'

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ مسجدِ نبوی سے ہٹ کر کوئی اور جگہ تھی جہاں اصحابِ صفہ رات کے وقت تعلیم حاصل کرتے تھے، گویا اصحابِ صفہ کا سارا وقت درس و تدریس ہی میں بسر ہوتا تھا، ابن المسیبؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''یقولون:ان ابا هريرةؓ قد اكثر و اللّٰه الموعد و يقولون ما بال المهاجرين والانصار لا يتحدّثون مثل احاديثه ؟ و ساخبر كم عن ذالك : ان اخواني من الانصار كان يشغلهم عمل ارضهم، واما اخواني من المهاجرين''

''لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کثرت سے حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ ہی ہمارا اور تمہارا محاسبہ کرنے والا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کیا وجہ ہے کہ انصار اور مہاجرین ابو ہریرہؓ کی طرح کثرت سے حدیثیں بیان نہیں کرتے؟ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنی کھیتوں میں مشغول رہتے ہیں''

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليحدّث الحديث لو شاء العادّ ان يحصيه أحصاه (۱٦)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حدیث بیان کرتے تھے کہ اگر شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر لیتا''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ آپ بات ٹھہر ٹھہر کر اس انداز میں کہتے کہ سننے والوں کے دل میں بیٹھ جائے، یاد کرنے والے یاد کر لیں اور لکھنے والے لکھ لیں، نرم کلامی، شیریں بیانی اور اندازِ تعلیم کے اسی اسلوب کی بدولت بدوی لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہو جاتے تھے، حضرت معاویہؓ بن حکم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز پڑھ رہا تھا، مجھ سے خلافِ نماز کوئی حرکت سرزد ہوگئی، جس کی وجہ سے تمام نمازی مجھ سے بگڑ گئے اور گھور گھور کر میری طرف دیکھنے لگے، لیکن خود معلم انسانیت کا رویہ اور طریقہ تعلیم کیا تھا؟ صحابی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

فبابي هو وامي، مارأيت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه، فواللّٰه ما كهرني ولا ضربني، ولاشتمني، قال صلى اللّٰه عليه وسلم: ان هذه الصلوة لايصلح فيها شيء من كلام الناس انما هو التسبيح ، و التكبير و قرأة القرآن (۱۷)

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا، خدا کی قسم نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی سخت سست کہا، بلکہ فرمایا نماز میں انسانی کلام اچھا نہیں ہے، اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنا ہے''۔

اصحابِ صفہ میں درس وتدریس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے، حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں ضعفاء مہاجرین کے ساتھ بیٹھا تھا، ان میں سے بعض لوگ عریانیت کے خوف سے ایک دوسرے سے مل کر بیٹھے تھے اور ایک قاری ہم لوگوں کو قرآن پڑھا رہا تھا، اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکر ہمارے پاس کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر قاری خاموش ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرکے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاری قرآن پڑھ رہا ہے اور ہم سن رہے ہیں، ہمارا جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی جعل من امتی من امرت ان أصبر نفسی معھم

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم ہے''۔

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے رہیں، پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس طرح بیٹھو، اور حاضرین مجلس اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ سب کا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فقراء مہاجرین! تم کو بشارت ہو قیامت کے دن نور تام کی، تم لوگ مالداروں سے آدھ دن پہلے جنت میں داخل ہوگے، اور یہ (دنیوی حساب سے) پانچ سو سال ہے۔(۱۸)

اصحابِ صفہ کی دعوتی سرگرمیاں

ویسے تو ہر مسلمان ہی داعی اور مبلغ ہے اور دعوت وتبلیغ ہی اس امت کا وہ خصوصی وصف ہے جس کی بدولت اس کو ''خیر الامم'' کے لقب سے ملقب کیا گیا، (۱۹) اسلامی معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دعوتِ دین کے لیے ایک ایسی جماعت تیار کرے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کردے،

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران، ۳: ۱۰۴)

''تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم کرے اور برائی

سے منع کرے''۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک باقاعدہ درسگاہ قائم فرمائی، تاکہ مبلغین کی ایک تربیت یافتہ جماعت تیار کی جائے، اصحابِ صفہ کی صورت میں جب یہ جماعت تیار ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب کو، جو اپنے علم وفضل کی وجہ سے ''قراء'' کہلاتے تھے، (۲۰) مختلف دعوتی وتبلیغی مہمات پر روانہ فرمایا۔

رجیع کی مہم

صفر ۴ھ میں قبائل عضل وقارہ کے چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارگاہِ رسالت میں درخواست کی کہ آپ اپنے رفقاء میں سے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیجیے تاکہ وہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا کریں، قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ صفہ میں سے مندرجہ ذیل چھ☆ افراد منتخب کیے: مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی، خالدؓ بن بکیر لیثی، عاصمؓ بن ثابت، خبیبؓ بن عدی، زیدؓ بن دثنہ، عبداللہؓ بن طارق، اور مبلغین کی اس جماعت کا امیر مرثدؓ بن ابی مرثد کو مقرر فرمایا۔

جب یہ لوگ رجیع، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک جگہ ہے، پہنچے تو قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور قبیلہ ہذیل کو مدد کے لیے پکارا، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن دثنہ کو پناہ کا دھوکہ دے کر گرفتار کرلیا، جبکہ باقی صحابہ کو شہید کر دیا گیا، زیدؓ بن دثنہ اور خبیبؓ بن عدی کو بھی ان لوگوں نے بعد میں مکہ لے جا کر فروخت کر دیا، چنانچہ زیدؓ بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے عوض قتل کرنے کے لیے خرید لیا، جبکہ خبیبؓ کو حجیر بن ابواہاب تمیمی نے خرید کر قتل کر دیا۔ (۲۰)

بئر معونہ کی مہم

صفر ۴ھ میں نجد کے ایک قبیلے عامر بن صعصعہ کے ایک رئیس ابوالبراء عامر بن مالک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی، وہ نہ اسلام لایا اور نہ اس نے تردید کی بلکہ کہنے لگا! اے محمد! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقا میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے ہاں بھیج دیں اور وہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا کر انہیں اسلام کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ اہلِ نجد آپ کے پیغام پر ضرور لبیک کہیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: مجھے اپنے آدمیوں کے متعلق اہلِ نجد سے خوف ہے، ابو براء نے کہا: میں اس کا ضامن ہوں، اس لیے آپ ان کو روانہ فرما دیجیے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذرؓ بن عمرو کی قیادت میں ستر صحابہ، جو سب کے سب درسگاہِ صفہ کے تربیت یافتہ تھے، اس کے ساتھ بھیج دیے۔ (۲۲)

ابنِ ہشام اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ جماعت چالیس صحابہ پر مشتمل تھی، یہ سب لوگ بئر معونہ پہنچ گئے، جو بنو سلیم کے قریب ایک جگہ تھی، وہاں سے اپنی جماعت کے ایک آدمی حرامؓ بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر قبیلے

کے سردار عامر بن طفیل کی طرف بھیجا، لیکن اس نے خط پڑھنے سے قبل ہی قاصد کو قتل کر دیا اور بنو سلیم کے ہمراہ بئر معونہ روانہ ہوا اور باقی مسلمانوں کو بھی قتل کر دیا۔ (۲۳)

سطور بالا کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی و تبلیغی مقاصد کے لیے ایک ایسی جماعت کی تیاری کو ضروری خیال کیا جس کو دعوتی مشن اپنی جان سے بھی عزیز تھا، رجیع اور بئر معونہ کی دعوتی مہمات میں انتہائی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا انتہائی رنج ہوا، اس لیے بعد کے دور میں خالصتاً تبلیغی مہمات بھی حفاظتی نقطۂ نظر سے مسلح کر کے بھیجی گئیں۔

درس گاہِ صفہ کے تربیت یافتہ معلمین و مبلغین کی دعوتی سرگرمیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو مختلف جہادی مہمات میں افواج کے ہمراہ بطور مبلغ روانہ فرماتے، اس کے علاوہ قبائل عرب کی طرف سے آنے والے وفود کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی آپ اصحابِ صفہ سے مدد لیتے تھے۔

قریش مکہ کو چونکہ مذہبی سیادت حاصل تھی، اس لیے عرب میں ان کا ادب و احترام کیا جاتا تھا اور تمام عرب مذہبی معاملات میں ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے تھے، کفر اسلام اور حق و باطل کی جو آویزش جاری تھی، اس میں قبائل عرب قریش کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، بالآخر جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش سب کے سب مسلمان ہو گئے تو اب قبائل عرب کے لیے بھی اسلام کے حق میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا، ابنِ حجر لکھتے ہیں:

ان مكة لما فتحت بادرت العرب باسلامهم فكان كل قبيلة ترسل كبراء ها يسلّموا ويتعلّموويرجعوا الى قومهم فيدعوهم الى الاسلام (۲۴)

''فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا، ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور دین کی تعلیم حاصل کریں، واپس آئیں تو اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دیں''۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً ایک سال کے عرصہ میں تمام قبائل عرب نے اپنے منتخب افراد کو وفود کی صورت میں مدینہ طیبہ بھیجا تا کہ وہ پوری قوم اور قبیلہ کی طرف سے اسلام کی بیعت کریں، فتح مکہ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ جو قبیلہ اور قوم بھی اسلام قبول کرے، اسے مدینہ آ کر مستقل رہنے پر آمادہ کیا جائے، اس کی بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو لوگ دار الہجرت میں آ کر دین کی تعلیم حاصل کریں اور مزید یہ کہ دفاعی نقطۂ نظر سے بھی مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو، چنانچہ فتح مکہ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوتی مہمات روانہ فرماتے تھے، ان کو یہی نصیحت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اگر وہ قبول کر لیں تو ان کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت دیں، حضرت بریدہؓ کا بیان ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذابعث اميرا على سرية او جيش او

صاه بتقوى الله خاصة في نفسه وبمن معه من المسلمين خيرا، وقال صلى الله عليه و سلم " اذا لقيت عدوک من المشركين فادعهم الى احدى ثلاث خصال فأيتها اجابوک اليها فاقبل منهم و كف عنهم ، ادعهم الى الاسلام،فان اجابوا فاقبل منهم وكف عنهم، ثم ادعهم الى تحول من دارهم الى دار المهاجرين واعلمهم انهم ان فعلوا ذالک ان لهم ما للمهاجرين وان عليهم ما على المهاجرين ، فان ابوا واختاروا دارهم فأعلمهم انهم يكونون كأعراب المسلمين يجرى عليهم حكم الله الذى كان يجرى على المؤمنين و لا يكون لهم فى الفى و الغنيمة نصيب الا ان يجاهدوا مع المسلمين،فان هم ابوا فادعهم الى اعطاء الجزية فان اجابوا فاقبل منهم وكف عنهم، فان ابوا فاستعن بالله وقاتلهم (۲۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی جماعت یا لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرماتے تو اس کو خاص اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتے اور جو مسلمان اس کے ساتھ ہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے: جب تمہارا مشرک دشمنوں سے سامنا ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دینا، ان باتوں میں سے جو بات بھی وہ مان لیں، تم اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ نہ کرنا، پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسے منظور کر لیں تو تم ان سے اسے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ، پھر تم ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دارالمہاجرین (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دو اور انہیں یہ بتلا دو کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو وہ تمام منافع ملیں گے جو مہاجرین کو ملتے ہیں اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ اسے نہ مانیں اور اپنے علاقے میں رہنے کو ہی ترجیح دیں تو انہیں بتلا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور اللہ کے احکام جو تمام مسلمانوں کے ذمہ ہیں، وہ ان کے ذمہ ہوں گے، انہیں فے اور مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تو حصہ ملے گا، اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو اگر وہ اسے مان لیں تو تم اسے قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کرو''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی سالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ نومسلم

قبائل اور افراد کو مدینہ کی طرف ہجرت کی ترغیب دی جائے، لیکن فتح مکہ کی صورت میں جب اسلام کو نئی قوت و شوکت نصیب ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت عملی تبدیل فرمائی اور واضح طور پر اعلان فرما دیا گیا:

لاھجرۃ بعد فتح مکۃ (۲۶)

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے''۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جو لوگ بھی انفرادی طور پر یا وفود کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خود تعلیم ارشاد فرماتے اور بعض اوقات انصار و مہاجرین صحابہ کو حکم دیتے کہ وہ ان لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں اور جب وہ لوگ دین کے بنیادی امور کا علم حاصل کر لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان وفود کو، جو عام طور پر رؤسائے قبائل پر مشتمل ہوتے تھے، واپس اپنے قبائل میں جانے کا حکم دیتے اور ان کو حکم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ سیکھ چکے ہیں وہ اپنے دوسرے لوگوں کو سکھائیں۔ (۲۷)

امام بخاریؒ نے ایک جگہ ''وصاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفود العرب ان یبلغوا من ورائھم'' (۲۸) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس کو آگے دوسروں تک پہنچانا ان وفود کا سب سے اہم فریضہ تھا نیز بعض علاقوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی مہمات روانہ فرمائیں اور مبلغین کو تلقین کی کہ اگر وہ لوگ اطاعت کا اظہار کریں تو ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں اور ان کو کہیں کہ وہ وفد بن کر مدینہ آئیں اور براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہوں۔ (۲۹)

چنانچہ ۹ھ میں اس کثرت سے وفود آئے اس لیے مؤرخین نے اس سال کو ''عام الوفود'' کا نام دے دیا، ان وفود میں سے بعض سینکڑوں افراد پر بھی مشتمل تھے، اور بعض محض ایک، دو اور تین افراد پر، ان وفود کی تعداد میں بھی کافی اختلاف ہے تاہم یہاں ان میں سے چند وفود اور قبائلی رؤسا کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا کردار دعوت و تبلیغ کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔

قبائلی رؤسا کی تعلیم و تربیت کا انتظام

اصحاب صفہ کی منظم اور مستقل تبلیغی جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ ہر قبیلہ اور جماعت میں سے کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو انجام دیتے رہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبہ، ۹: ۱۲۲)

''اور سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آسکتے تو ہر قبیلہ سے ایک جماعت کیوں نہیں آتی کہ وہ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کریں، تاکہ جب وہ واپس جائیں تو اپنی قوم کو ڈرائیں، شاید وہ بری باتوں سے بچ جائیں''۔

چنانچہ بعض قبائل نے تو خود ہی اپنے نمائندہ افراد کو مدینہ بھیجا اور بعض قبائل مثلاً بنو حارث بن کعب اور ہمدان وغیرہ کو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ وہ اپنے وفود بھیجیں، چنانچہ اس کے بعد عرب کے تقریباً ہر قبیلہ نے اپنے وفود بارگاہ رسالتؐ میں بھیجے تاکہ وہ دین کا فہم حاصل کریں اور واپس آکر خود ان کو اس کی تعلیم دیں، تفسیر خازن میں ابن عباسؓ کا قول مروی ہے:

كان ينطلق من كل حي من العرب عصابة فيأتون النبي صلى الله عليه وسلم فيسألونه عما يريدون من امر دينهم ويتفقّهون في دينهم (۳۰)

''عرب کے ہر قبیلے کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی امور دریافت کرتا اور دین کا فہم حاصل کرتا''۔

آنے والے وفود اور قبائل عرب کے نمائندہ افراد کی ایسی تعلیم وتربیت کے وہ واپس جا کر دعوت وتبلیغ کا کام کما حقہ کرسکیں، بڑی اہم ذمہ داری تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین اور اصحابِ صفہ کی مدد سے عمدہ طریقہ سے انجام دیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفود عرب میں آنے والے قبائلی عمائدین کی خود تعلیم وتربیت فرماتے اور بعض اوقات انصار ومہاجرین کو حکم ہوتا کہ معزز مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قرآن وسنت سکھائیں، حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشغل،فاذاقدم رجل مهاجر على رسول الله صلى الله عليه وسلم دفعه الى رجل منا يعلمه القرآن. (۳۱)

''کوئی شخص جب ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تعلیم قرآن کے لیے ہم میں سے کسی کے سپرد کردیتے''۔

چنانچہ حضرت وردانؓ طائف سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابانؓ بن سعید کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔(۳۲)

انصارِ مدینہ باہر سے آنے والے حضرات کی مہمان نوازی کے ساتھ اس لگن اور دلسوزی سے ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ لوگ تشکر کے جذبات کے ساتھ واپس جاتے تھے، چنانچہ وفد عبدالقیسؓ آیا تو اس اعتراف کے ساتھ واپس گیا:

خير اخوان،الانوافراشنا،وأطابوا مطعمنا، وباتوا واصبحوا يعلّمونا كتاب ربنا وسنة نبينا.(۳۳)

''یہ ہمارے بہترین بھائی ہے، انہوں نے نرم بستر مہیا کئے، اچھا کھانا کھلایا اور دن رات ہمیں اللہ کی کتاب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دیتے رہے''۔

آنے والی سطور میں ان چند قبائلی رؤسا اور مبلغین کا ذکر کیا جارہا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے قبائل میں دعوت کا فریضہ انجام دیا۔

عمیرؓ بن وہب کی قریشِ مکہ کو دعوت

عمیرؓ بن وہب قریش کے ممتاز سرداروں میں سے ایک تھے، یہ ابتدائے اسلام میں اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے ایک تھے، ان کا بیٹا وہب بن عمیر غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو چھڑانے کے بہانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس سازش کا سوائے صفوان بن امیہ کے کسی کو علم نہ تھا، جو خود اس منصوبہ میں شریک تھے، لیکن مدینہ پہنچ کر جب وہ اس ارادے سے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بذریعہ وحی صفوان بن امیہ کے ساتھ تیار کردہ سازش سے آگاہ کردیا اب عمیر پر حقیقت حال واضح ہوچکی تھی، اس لئے انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

فائذن لی یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فالحق بقریش فادعوھم الی اللّٰہ والی الاسلام لعل اللّٰہ ان یھدیھم. (۳۴)

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چاہتا ہوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں مکہ جا کر اہلِ مکہ کو اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا''۔

ابن الاثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمیرؓ مکہ میں مسلسل اسلام کی صدا بلند کرتے رہے، چنانچہ صفوانؓ بن امیہ سمیت متعدد لوگوں نے آپ کی ترغیب سے ہی اسلام قبول کیا۔ (۳۵)

حضرت ضحاکؓ بن سفیان کی بنو کلاب کو دعوتِ اسلام

حضرت ضحاک کی کوششوں سے بنوکلاب کا پورا قبیلہ اسلام لے آیا، ۹ھ میں اس قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا: ضحاک بن سفیان نے ہمارے درمیان کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کیا اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی، ہم نے اسے قبول کرلیا۔ (۳۶)

ابوامامہؓ باہلی کی اپنی قوم باہلہ کو دعوتِ اسلام

ابوامامہؓ باہلی نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی اپنی قوم کی طرف ہی مبلغ بنا کر بھیجا تاکہ وہ

ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرائیں، قوم نے جب ان کو دیکھا تو خوش ہو کر کہا: صدیؓ بن عجلان (ابو امامہؓ کا نام ہے) کو خوش آمدید ہو، اور کہنے لگے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تم بے دین ہو کر اس آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مائل ہو گئے ہو، انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہو گیا ہوں اور مجھے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ میں تم پر اسلام اور اس کے احکام پیش کروں۔

چنانچہ اس کے بعد ابو امامہؓ ان کو اسلام کی دعوت دینے لگے، لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر بڑی سختی کی، ابو امامہؓ نے بڑی استقامت کا مظاہرہ کیا، بالآخر ان کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں پوری قوم مسلمان ہوگئی۔(۳۷)

حضرت ابو امامہؓ نے اس کے بعد دعوتِ دین کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا جہاں دو چار لوگوں کو دیکھتے ان تک اسلام کا پیغام ضرور پہنچاتے، مسلم بن عامر کا بیان ہے: ''جب ہم ابو امامہؓ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث سناتے اور کہتے ان کو سنو، سمجھو اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ''۔(۳۸)

سلمان بن حبیب محاربی بیان کرتے ہیں: میں حمص کی مسجد میں گیا، دیکھا کہ مکحولؒ اور ابن زیاد زکریا دونوں بیٹھے ہوئے ہیں، مکحولؒ نے کہا کہ اس وقت دل چاہتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو امامہؓ باہلی کے حضور چلتے، ان کی کچھ خدمت کرتے اور ان سے کچھ حدیثیں سنتے، سلمان کہتے ہیں: ہم لوگ اٹھے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم لوگوں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا اس کے بعد فرمایا: تمہارا میرے پاس آنا تمہارے لیے باعثِ رحمت بھی ہے اور تمہارے اوپر حجت بھی، (یعنی اگر تم حدیث کی خلاف ورزی کروگے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کے حق میں جھوٹ اور تعصب سے زیادہ اور کسی چیز کا خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آگاہ رہو جھوٹ اور تعصب سے بچو پھر فرمایا:

الا وانه أمرنا ان نبلّغكم ذالك عنه ألا وقد فعلنا فأبلغوا عنا ماقد بلّغنا كم (۳۹)

''آگاہ رہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم یہ باتیں تم تک پہنچادیں، آگاہ رہو ہم نے پہنچادیں، لہٰذا اب تم ان باتوں کو جو ہم سے تم نے سنیں ہیں دوسروں تک پہنچا دینا''۔

حضرت عمروؓ بن مرہ جہنی کی اپنی قوم کے لیے دعوت

حضرت عمروؓ بن مرہ جہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور قرآن مجید کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ سے حاصل کی (۴۰) پھر بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے میری قوم میں بھیج دیں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بھی میرے ذریعہ فضل فرمادے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مجھ پر فرمایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم میں دعوتِ اسلام کی اجازت مرحمت فرمائی، انہوں نے قوم کو ان الفاظ

میں اسلام کی طرف بلایا:

یا معشر جهينة! انی رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم اليكم ادعوكم الى الاسلام وامركم بحق الدماء وصلة الارحام، و عبادة الله وحده ، و رفض الاصنام و بحج البيت ، و صام شهر رمضان شهر من اثنى عشر شهرا، فمن اجاب فله الجنة ومن عصى فله النار(۴۱)

اے قبیلہ جہینہ! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا قاصد ہوں اور تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور میں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ تم خون کی حفاظت کرو، صلہ رحمی کرو، ایک اللہ کی عبادت کرو، بتوں کو چھوڑ دو، بیت اللہ کا حج کرو اور بارہ مہینوں میں سے رمضان کے روزے رکھو جو مان لے گا اس کے لیے جنت ہے اور جس نے نافرمانی کی اس کے لیے جہنم کی آگ ہے''۔

حضرت عمروؓ بن مرہ کی مسلسل دعوت اور کوشش سے ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اپنی قوم کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال فرمایا، اور ان کو درازیٔ عمر کی دعا دی اور ان کی قوم کے لیے ایک تحریر لکھ کر دی۔(۴۲)

رفاعہؓ بن زید جزامی کی اپنی قوم کے لیے بطور مبلغ تقرری

خیبر سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر رفاعہؓ بن زید جزامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تحریر ان کی قوم کے لیے لکھ دی اور ان کو اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر روانہ فرمایا، اس خط میں تحریر تھا:

هذا كتاب من محمد رسول الله صلى الله عليه و سلم لرفاعةؓ بن زيد ، انى بعثته الى قومه عامة، ومن دخل فيهم، يدعوهم الى الله و الىٰ رسوله، فمن اقبل منهم ففى حزب الله و حزب رسوله. (۴۳)

یہ محمد رسول اللہ کی جانب سے رفاعہ بن زید کے لیے تحریر ہے کہ میں نے انہیں ان کی عام قوم کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو ان کی قوم میں داخل ہوں، بھیجا ہے، رفاعہ ان سب کو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف دعوت دیں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا، اللہ اور اس کے رسول کی جماعت میں شمار ہوگا''۔

پھر جب رفاعہ بن زید اپنی قوم میں پہنچے تو قوم نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا۔(۴۴)

عروہؓ بن مسعود کی ثقیف کو دعوت/عثمانؓ بن ابی العاص کا بطور امیر تقرر

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ماہ رمضان ۹ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے عروہؓ بن مسعود ثقفی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قوم میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں ان کو اسلام کی طرف بلاؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ ثقیف تمہیں قتل کرڈالیں، عروہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان کے نزدیک باکرہ عورتوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

چنانچہ وہ اس امید پر کہ قوم ان کی مخالفت نہیں کرے گی بڑے جذبے کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت کے لیے روانہ ہوئے، جب وہ اپنے مکان کے بالا خانے پر نمودار ہوئے، قوم کو اسلام کی طرف بلایا اور ان پر اپنا دین ظاہر کیا تو انہوں نے ہر طرف سے ان پر تیروں کا مینہ برسادیا جس سے آپؓ شہید ہوگئے لیکن حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کی یہ قربانی رائیگاں نہ گئی، جلد ہی قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، چھ افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرلیا اور مدینہ میں ٹھہر کر اسلام کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے لگے، جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ دی اور عثمانؓ بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر کیا۔

ابن ہشام نے ان کی تقرر کی یہ حکمت بیان کی ہے: ان لوگوں میں انہیں اسلام کو ٹھیک طور پر سمجھنے اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا سب سے زیادہ شوق تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی یہ کہتے ہوئے ان کی تقرر کی سفارش کی:

یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی قد رأیت ھذا الغلام منھم من احرصھم علی التفقہ فی الاسلام، وتعلم القرآن (۴۵)

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لڑکے کو ان لوگوں میں تفقہ فی الدین، مسائل دینی اور قرآن سیکھنے کا سب سے زیادہ حریص پاتا ہوں''۔

وفد بنو تمیم

بنو تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت سے ۹ھ میں مدینہ آیا، وفد میں قبیلہ کے تقریباً تمام بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، عمرو بن اہتم، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر اور عیینہ بن حصن وغیرہ شامل تھے، یہ لوگ اپنے خطیب اور شاعر ساتھ لے کر آئے تھے، ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

کان فی وفد بنو تمیم سبعون او ثمانون رجلا ثم اسلموا القوم وبقوا با لمدینۃ مدۃ یتعلّمون القرآن والدین (۴۶)

''قبیلہ بنو تمیم کے ستر یا اسی افراد وفد کی صورت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور مدینہ میں ایک

مدت تک دین اسلام اور قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے''۔

اسی وفد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی تھی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. (الحجرات، ۴۹:۴)

''وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے عقب سے پکارتے ہیں ان میں سے بیشتر نا سمجھ ہیں''۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کہا! اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تمہارے پاس مفاخرہ کرنے کے لیے آئیں ہیں، اس لیے ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دو'' چنانچہ بنوتمیم کی طرف سے عطارد بن حاجب نے تقریر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ثابتؓ بن قیس نے اس کا جواب دیا، اسی طرح زبرقان بن بدر نے فخریہ اشعار پڑھے تو ابنِ اسحاق کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسانؓ بن ثابت کو بلوا بھیجا تو انہوں نے ان کا جواب دیا، دوطرفہ مفاخرہ کے بعد اقرع بن حابس یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے: ''باپ کی قسم! یہ آدمی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہیں جن کو توفیق الٰہی حاصل ہے، ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے اور ان کے الفاظ ہمارے الفاظ سے شیریں ہیں''۔

پھر بنوتمیم کے وفد کے تمام افراد اسلام لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہترین انعامات سے نوازا۔(۴۷)

ضمامؓ بن ثعلبہ کی بنوسعد بن بکر کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنوسعد بن بکر نے ضمامؓ بن ثعلبہ کو بارگاہِ رسالت میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ کر آئیں، ضمام بڑے جری انسان تھے، چنانچہ یہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور پوچھا: ایکم ابن عبدالمطلب؟ (تم میں عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا!: ''انا ابن عبدالمطلب''، (میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)، پھر ضمامؓ بن ثعلبہ نے اسلام کے متعلق کئی سوال کیے، جن کو ابن ہشام اور دوسرے مؤرخین نے تفصیل سے بیان کیا ہے، مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور کہا!

فانی اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسأدی ھذہ الفرائض واجتنب ما نھیتنی عنہ،ثم لا ازید ولا انقص (۴۸)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اقرار کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور میں یہ فرائض ادا کرتا رہوں گا اور جن چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان سے پرہیز کروں گا، پھر میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا''۔

پھر اپنے اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے، جب اپنی قوم میں پہنچے تو پوری قوم ان کے پاس جمع ہو گئی چنانچہ انہوں نے قوم سے جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی:

بئست اللات والعزی!قالوا: مه یا ضمام! اتق البرص،اتق الجذام،اتق الجنون! قال ویلکم!انهما واللّٰه لایضر ان ولا ینفعان، ان اللّٰه قد بعث رسولا وانزل علیه کتابا استنفذکم به مما کنتم فیه،وانی اشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له وان محمدا عبده و رسوله، وقد جئتکم من عنده بما امرکم به،وما نهاکم عنه. (۴۹)

''لات وعزیٰ کتنے برے ہیں، اس پر قوم نے کہا: ضمام! ٹھہرو، ٹھہرو! برص میں مبتلا ہونے سے ڈرو، جذام میں مبتلا ہونے سے ڈرو اور جنون سے ڈرو، ضمام نے جواب دیا! تمہارا برا ہو، خدا کی قسم! یہ دونوں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، بیشک اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اس گمراہی سے نکالا ہے جس میں تم پڑے ہوئے تھے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں تمہارے پاس ان کی طرف سے وہ لایا ہوں جس کا انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے اور وہ لایا ہوں جس سے انہوں نے تمہیں منع کیا ہے''۔

راوی (ابن عباس) کا بیان ہے کہ شام ہونے سے قبل ہی اس قبیلے کے ہر مرد و عورت نے اسلام قبول کر لیا۔

اکثم رضی اللہ عنہ بن صیفی کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

حضرت اکثم رضی اللہ عنہ کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو آدمیوں کو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں وہ دونوں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ آیت سنائی:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل،۱۶: ۹۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور فحاشی، برائی اور ظلم

سے منع کرتا ہے، خدا تم کو نصیحت کرتا ہے شاید تم سمجھو اور سوچو''۔

ان لوگوں نے جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا:

یا قوم! أراہ یأمر بمکارم الاخلاق وینھیٰ عن ملائمھا فکونوا فی ھذ الأمر رؤوسا ولاتکونوا اذنابا وکونوا فیہ اولا ولا تکونوا فیہ آخر

''اے میری قوم یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے، اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے تم لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو، سر بنو، مقدم بنو، مؤخر نہ ہو''۔

۔اس کے بعد تادم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے، انتقال ہوا تو اہل وعیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔(۵۰)

حضرت زیادؓ بن حارث کی اپنی قوم کو بذریعہ خط دعوت اسلام:

حضرت زیادؓ بن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا، مجھے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میری قوم کی طرف بھیجا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر واپس بلالیں، میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ میری قوم مسلمان بھی ہو جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی کرے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جاؤ اور اس لشکر کو واپس بلا لاؤ، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری سواری تھکی ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیج کر لشکر واپس بلوالیا، میں نے اپنی قوم کو خط لکھا، وہ مسلمان ہوگئے اور ان کا ایک وفد یہ خبر لے کر حضور کی خدمت میں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یا اخا صداء!" انک لمطاع فی قومک" فقفت : "بل اللّٰہ ھذا ھم للاسلام فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم:افلاؤ مرک علیھم ؟" قلت ! بلی یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم!قال: فکتب لی کتابا امّرنی.(۵۱)

''اے صدائی بھائی! واقعی تمہاری قوم تمہاری بات مانتی ہے، میں نے کہا (اس میں میرا کمال نہیں) بلکہ اللہ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ان کا امیر نہ بنادوں؟ میں نے کہا بنادیں یا رسول اللہ! چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امارت کے بارے مجھے ایک خط لکھ کر دیا''۔

فروہؓ بن مسیک کی اپنی قوم کو دعوتِ اسلام

فروہؓ بن مسیک ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا، فروہ کا قبیلہ مراد سے تعلق تھا، قبول اسلام

کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت ہو تو اپنی قوم کے اہل اسلام کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے کافروں سے قتال کروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اجازت دے دی، جب یہ چلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیج کر ان کو بلوا لیا اور فرمایا:

ادع القوم فمن اسلم منهم فاقبل منه ومن لم یسلم فلا تجعل حتی احدث الیک۔(۵۲)

''تم اپنی قوم کو اسلام کی ترغیب دینا، جو شخص اسلام لے آئے اس کا اسلام قبول کر لینا اور جو انکار کرے اس کے سلسلے میں توقف کرنا یہاں تک کہ میں تم کو کوئی حکم بھیجوں''

ابو ثعلبہ خشنی کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

حضرت ابو ثعلبہؓ جرثوم بن ناشب خشنی کا تعلق قبیلہ قضاعہ کی شاخ خشین سے تھا، یہ حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہؓ کو ان کے اپنے قبیلہ کی طرف ہی مبلغ بنا کر بھیجا چنانچہ حضرت ابو ثعلبہؓ کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ رسول اللہ کی زندگی ہی میں اسلام لے آیا۔(۵۳) ابن عبد البر کا بیان ہے:

وارسلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی قومہ فاسلموا۔(۵۴)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا پس ان کی قوم نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا''۔

عامرؓ بن شہر کی قبیلہ ہمدان کو دعوت اسلام

عامرؓ بن شہر ایک زمانہ تک بادشاہوں کی صحبت میں رہ چکے تھے اور اپنے قبیلہ کے قابل ترین فرد تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ان کے قبیلہ ہمدان کو ملی تو قبیلہ والوں نے ان سے کہا کہ تم اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور جس چیز کو تم ہمارے لیے اچھا سمجھو گے اس کو ہم کریں گے اور جس کو برا سمجھو گے اس کو نہ کریں گے، چنانچہ عامرؓ بن شہر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دین اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، پھر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی تو کئی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔(۵۵)

حارثؓ بن ضرار کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

حضرت حارثؓ بن ضرار نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عقائد اسلام اور زکوۃ کی تعلیم دی اس کے بعد انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤں تاکہ ان کو اسلام اور اداءِ زکوۃ کی دعوت دوں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت حارثؓ

بن ضرار واپس اپنی قوم میں آ گئے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا تو قوم نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا، حضرت حارثؓ زکوۃ اکٹھی کر کے خود مدینہ حاضر ہوئے۔(۵۶)

عمروؓ بن حسان کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

حضرت عمروؓ بن حسان نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا تو تمام لوگ مسلمان ہو گئے، چنانچہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے پیچھے کسی شخص کو نہیں چھوڑا جس سے میں نے اسلام پر بیعت نہ لے لی ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا ہو سوائے قبیلے کے خاندان بنی جون کی ایک ضعیفہ یعنی میری والدہ کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارفق بھا (ان کے ساتھ نرمی کرو)۔(۵۷)

قیسؓ بن نشبہ کی بنی سلیم کو دعوت اسلام

حضرت قیسؓ بن نشبہ قبول اسلام کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور ان کو اسلام کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا:

یبنی سلیم قد سمعت ترجمة الروم وفارس واشعار العرب والکهان ومقاول حمیر وما کلام محمد یشبه شیئا من کلامهم فأطیعونی فی محمد فانکم اخواله

''اے بنو سلیم! میں نے روم و فارس کے تراجم اور عرب، کہان اور حمیر کے بہادروں کے اشعار سنے ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سب سے الگ ہے، پس محمد کے معاملہ میں میری اطاعت کرو، کیوں کہ تم ان کے ماموں ہو''۔

ابن کثیر کی روایت کے مطابق حضرت قیس بن غزبہ نے بھی اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا تھا(۵۹)

مالکؓ بن احمر کی اہل فدک کو دعوتِ اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے مقام پر تشریف لائے تو مالکؓ بن احمر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے اور عرض کیا کہ انہیں تبلیغ دین کے بارے میں ایک اجازت لکھ دیں جس کے ذریعہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلائیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو تحریر لکھ دی۔(۶۰)

محیصہؓ بن مسعود کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

حضرت محیصہؓ بن مسعود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فدک کے پاس ارشاد و ہدایت کے لیے روانہ فرمایا، محیصہؓ بن مسعود جو ان کے بڑے بھائی تھے وہ ان ہی کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔(۶۱)

مسعودؓ بن وائل کی بنی سلیم کو دعوت اسلام

حضرت مسعودؓ بن وائل مشرف بہ اسلام ہوئے تو درخواست کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انی احب ان تبعث الی قومی رجلا یدعوھم الی الاسلام

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری قوم کی طرف کسی آدمی کو روانہ کریں جو ان میں اسلام کی تبلیغ کرے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک فرمان لکھ کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے قبیلے میں دعوت کا کام کریں۔(۶۲)

عبداللہؓ بن عوسجہ کی قبیلہ حارث بن عمرو کو دعوت اسلام

حضرت عبداللہؓ بن عوسجہ البجلی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خط دے کر قبیلہ حارثہ بن عمرو بن قریط کے پاس تبلیغ وہدایت کے لیے بھیجا، چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن یہ لوگ اسلام سے محروم رہے۔(۶۳)

قیسؓ بن یزید کی اپنی قوم کو دعوت اسلام

اسی طرح ابن اثیر قیسؓ بن یزید کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی: ''**فدعا قومہ الی الاسلام فاسلموا**''(۶۴)

عمروؓ بن حزم کا بنو حارث بن کعب کی طرف بطور مبلغ تقرر

ربیع الاول ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو بنو حارث بن کعب کے پاس نجران دعوت وتبلیغ کی خاطر روانہ فرمایا، بنو حارث نے اسلام قبول کرلیا، تو خالدؓ بن ولید نے بذریعہ خط کامیابی کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابی خط میں ان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھ بنو حارث کا وفد لے کر واپس آجائیں، چنانچہ حضرت خالدؓ بنو حارث کے وفد سمیت مدینہ حاضر ہوگئے، چشمہ نبوت سے براہِ راست فیض یاب ہونے کے بعد جب یہ وفد واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو حارث بن کعب پر قیسؓ بن حصن کو امیر مقرر فرمایا اور ان لوگوں کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن حزم کو ان کی طرف روانہ فرمایا، ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ان سے صدقات وغیرہ اصول کریں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی، ابن ہشام لکھتے ہیں:

وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بعث الیھم بعد ان ولی وفدھم

عمروؓ بن حزم، ليفقههم فى الدين، و يعلمهم السنة و معالم الاسلام. (٦٥)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن حزم کو بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا تاکہ وہاں جاکر ان میں دین کا فہم پیدا کریں اور انہیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرائیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ بن جبل کو یمن کے ایک حصہ کا عامل اور قاضی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ لوگوں میں اسلامی شعور پیدا کریں اور ان کو قرآن کی تعلیم دیں، ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم قاضيا الى الجند من اليمن يعلّم الناس القرآن و شرائع الاسلام. (٦٦)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام دین کی تعلیم دیں''۔

خلاصۂ بحث

قبائل عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ سنایا ہو، بالخصوص مکی عہدِ نبوت میں جب قبائل عرب ایام حج میں مکہ آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلہ اور خاندان کے پاس خود جا کر ان کو اسلام کی دعوت پیش فرماتے، تاہم وہ لوگ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم براہِ راست دعوتِ اسلام نہ دے سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اپنے صحابہؓ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔

مدنی عہد نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ قبائل عرب کی طرف دعوتی و تبلیغی مہمات روانہ فرمائیں اور صحابہ کرامؓ کو دعوت کی ذمہ داری سونپی، اگرچہ ہر قبیلہ کی طرف بھیجے جانے والے مبلغین اور ان کی سرگرمیوں کا ہمیں تفصیلی ذکر نہیں ملتا تاہم مدنی دور میں جس تیزی سے اسلام پھیلا وہ بذات خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گم نام مبلغین کی انتھک کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہے جن کے بارے میں ماخذ یا تو بالکل خاموش ہے یا ان کے بارے میں چند اشارے اور منتشر معلومات ملتی ہیں، ایسے ہی ایک گم نام مبلغ کے بارے میں حضرت احنفؓ بن قیس کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اتنے میں بنولیث کے ایک آدمی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سنا دوں؟ میں نے کہا ضرور، اس نے کہا کیا تمہیں یاد ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری قوم کے پاس بھیجا تھا، میں ان پر اسلام کو پیش کرنے لگا اور ان کو اسلام کی دعوت دینے لگا تو تم نے کہا تھا کہ تم ہمیں بھلائی کی دعوت دے رہے ہو اور بھلی بات کا حکم کر رہے ہو اور وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھلائی کی دعوت دے رہے

ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تمہاری بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللّٰھم!اغفر للاحنفؓ''

''اے اللہ! احنفؓ کی مغفرت فرما''۔

حضرت احنفؓ فرمایا کرتے تھے کہ

''میرے پاس ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے زیادہ امید ہو''۔(٦٧)

اسی نوعیت کا ایک واقعہ عبد خیرؒ ابنِ یزید بیان کرتے ہیں:

''میں ملکِ یمن میں تھا وہاں لوگوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا جس میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، اس وقت میرے والد کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور میری عمر ابھی کم تھی، جب میرے والد واپس آئے تو میری والدہ سے کہا کہ دیگ کو کتوں کے سامنے بہا دو اس لیے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، پس اس وقت میں اسلام لے آیا، دیگ کے بہانے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس میں مردار پکا ہوا تھا''۔(٦٨)

بنولیث سے تعلق رکھنے والے یہ مبلغ صحابی کون تھے؟ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت احنفؓ بن قیس کی قوم میں دعوت وتبلیغ کے لیے بھیجا تھا اس بارے میں ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے، اسی طرح ملک یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی خط لے کر جانے والے صحابی کون تھے؟ جن کی سرگرمیوں کا اشارہ حضرت عبد خیرؒ بن یزید کے بیان سے ملتا ہے، تاہم اس وقت کی روایات سے یہ رائے ضرور قائم کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تخصیص تمام قبائل عرب کی طرف صحابہ کرامؓ کو دعوت وتبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، اگرچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں کتب سیر وتاریخ خاموش ہیں۔

اسی طرح وفود عرب بھی مدنی دور میں دعوت وتبلیغ کا انتہائی مؤثر ذریعہ ثابت ہوئے، وفود عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سردارانِ قوم پر مشتمل ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناسب تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کے اپنے ہی قبائل میں دعوت وتبلیغ کے لیے بھیج دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حکمت عملی انتہائی کامیاب رہی اور اس کے نتائج انتہائی حوصلہ افزا رہے۔

عرب کے مخصوص قبائلی اور معاشرتی ماحول میں جہاں سردار قوم کا مذہب ہی پورے قبیلے اور خاندان کا مذہب اور دین ہوتا تھا، نومسلم سرداروں نے اشاعتِ اسلام میں اہم کردار ادا کیا، چنانچہ قبائلی رؤسا کو اپنے قبائل میں جو شخصی اثر ورسوخ اور وجاہت حاصل تھی اس کی بنا پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ فرد واحد کی دعوت پر پورے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا، چنانچہ حضرت سعدؓ بن معاذ، ابوثعلبہؓ، زیادؓ بن حارث، ضمامؓ بن ثعلبہ کی دعوت پر ان کے پورے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا، اسی طرح حضرت ضمادؓ ازدی نے قبول اسلام کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بھی اسلام کی بیعت کی۔

حوالہ جات

(۱)　صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، ج: ۶۰۰۸، ص: ۱۰۵۱. ایضاً، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرین...... ح: ۶۳۱، ص: ۱۰۴. صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ؟ ح: ۱۵۳۵، ص: ۲۷۲. سنن نسائی، کتاب الاذان، باب اجتزاء المرء باذان غیرہ فی الحضر، ح: ۶۳۶، ص: ۸۸.

(۲)　صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا الایمان ....ح: ۸۷، ص: ۲۰. ایضاً کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، ح: ۵۳، ص: ۱۳.

(۳)　سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل الماء والحص الی طالب العلم، ح: ۲۲۹، ص: ۳۵. سنن الدارمی، المقدمہ، باب فی فضل العلم والعالم، ح: ۳۵۵، ۱/۱۰۵.

(۴)　ابو نعیم الاصفہانی، ''حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء''، ذکر اھل الصفاء، ۱/۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء.

(۵)　کتانی، عبدالحی، علامہ، ''نظام الحکومت النبویہ''، (مترجم، مولانا معظم الحق) ص: ۳۲۷.

(۶)　سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب کسب المعلم، ح: ۳۴۱۶، ص: ۴۹۵. المسند، حدیث عبادۃؓ بن صامت، ح: ۲۲۱۸۱، ۶/۴۲۹.

(۷)　اسد الغابۃ، تذکرہ عبداللہؓ بن سعید بن العاص، ۳/۱۷۵. الاستیعاب، تذکرہ عبداللہ بن العاص، ۳/۳۹۰.

(۸)　جمع الفوائد کتاب العلم، ۱/۴۸.

(۹)　المسند، حدیث جابر بن سمرۃؓ، ح: ۲۰۲۳۳، ۶/۹۵. ۹۶.

(۱۰)　المسند انسؓ بن مالک، ح: ۱۱۹۹۴، ۳/۵۹۸.

(۱۱)　صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل ابی ہریرۃؓ، ح: ۶۳۸۹۲، ص: ۱۰۹۸. صحیح البخاری، کتاب العلم باب حفظ العلم، ح: ۱۱۸، ص: ۲۵.

(۱۲)　صحیح البخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ح: ۸۹، ص: ۲۱.

(۱۳)　سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التحلق، ح: ۴۸۲۳، ص: ۶۸۲.

(۱۴)　صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من اعاد الحدیث ثلاثہ لیفھم عنہ، ح: ۹۵، ص: ۲۲.

(۱۵)　سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی سرد الحدیث، ح: ۳۶۵۵، ص: ۵۲۴.

(۱۶)　ایضاً.

(۱۷)　صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ، ح: ۱۱۹۹، ص: ۲۱۸.

(۱۸)　سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، ح: ۳۲۲۲، ص: ۵۲۶.

(۱۹)　آل عمران، ۳/۱۱۰.

(۲۰)　صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید، ح: ۴۹۱۷، ص: ۸۵۱/المسند، مسند انس بن مالک، ح: ۱۱۹۹۴، ۳/۵۹۸.

(۲۱)　ابن ھشام، ذکر یوم الرجیع، ۳/۱۸۷. ۳۰۳. تاریخ الامم والملوک، ۳/۲۹. ۳۱ (واقعات ۴ھ

(۲۲)　صحیح مسلم، کتاب الامارہ باب ثبوت الجنۃ للشھید، ح: ۴۹۱۷، ص: ۸۵۱.

(۲۳) ابن هشام حديث بئر معونه ،۲۰۴/۳، ۲۱۰ .اسد الغابة تذكره منذرؓ بن عمرو ،۴۱۸/۴.
(۲۴) فتح البارى، ۲۵۲/۱۰.
(۲۵) سنن ابى داؤد، كتاب الجهاد، باب فى دعا المشركين، ح: ۲۶۱۲، ص: ۳۷۷ .سنن ابن ماجه، ابواب الجهاد، باب وصية الامام، ح: ۲۸۵۸ ص: ۴۱۲ .المسند ، حديث بريدةؓ السليم ، ح: ۲۲۵۲۱، ۴۹۲/۶.
(۲۶) المسند، مسند صوانؓ بن اميه ، ح: ۱۴۸۸۲، ۴۰۱/۳.
(۲۷) صحيح البخارى، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ح: ۶۰۰۸، ص: ۱۰۵۱.
(۲۸) صحيح البخارى، كتاب التمنى، ص: ۱۲۵۰.
(۲۹) ابن هشام، اسلام بنى الحارث بن كعب ......۲۳۹/۴.
(۳۰) تفسير خازن، تفسير سورئه توبه، آيت ماكان المؤمنون لينفروا ......۴۲۱/۲.
(۳۱) المسند حديث عباده ابن صامت ، ح: ۲۲۲۶۰، ۴۴۳/۶.
(۳۲) الاصابة، تذكره دردانؓ جد الفرات، ۲۳۳/۳.
(۳۳) المسند، حديث وفد عبد القيس، ح: ۱۵۱۳۱، ۴۵۲/۴ .ايضاً، ح: ۱۷۳۷۶، ۲۳۵/5.
(۳۴) الاصابة، تذكره عميرؓ ابن وهب ، ۱۵۰/۴.
(۳۵) اسد الغابة ، تذكره عميرؓ ابن وهب ، ۱۵۰/۴.
(۳۶) ابن سعد ، وفد كلاب، ۳۰۰/۱.
(۳۷) المستدرك، ذكر ابى امامه الباهلى، ۶۴۱/۳ .الاصابة ، تذكره صدیؓ بن عجلان، ۱۸۲/۲.
(۳۸) سنن الدارامى ، المقدمه، باب البلاغ عن رسول الله وتعليم السنن ، ح: ۵۵۰، ۱۴۳/۱.
(۳۹) اسد الغابة، تذكره صدیؓ بن عجلان، ۱۶/۳ .۱۷.
(۴۰) الاصابة ،۱۲/۵.
(۴۱) البداية، ۱۲/۵ .كنز العمال ،۶۴/۷.
(۴۲) البداية، ۱۲/۵ .كنز العمال ،۶۴/۷.
(۴۳) ابن هشام، قدوم رفاعةؓ بن زيد جزامى ،۲۵۲/۴ .اسدالغابة تذكره رفاعة ابن زيدؓ ،۱۸۱/۲.
(۴۴) ايضاً.
(۴۵) ابن هشام، امر وفد ثقيف واسلامها......۹۴/۴ .تاريخ الامم والملوك، ۱۴۱/۳ (واقعات سنہ ۹ھ)
(۴۶) الاستيعاب ،تذكره عمر و ابن اهتم ، ۱۱۶۴/۳.
(۴۷) ابن هشام، قدوم وفد بنى تميم، ۲۲۱/۴.
(۴۸) ابن هشام، قدوم ،ضمامؓ بن ثعلبه وافداً عن بنى سعد بن بكر ،۲۲۹/۴ .المسند، مسند عبدالله ابن عباسؓ ، ح: ۲۲۵۴، ۴۱۴/۱ .صحيح البخارى، كتاب العلم ، باب القرأة والعرض على المحدث، ح: ۶۳، ص: ۱۵ .المؤطا كتاب قصر الصلوة فى السفر ، ح: ۱۹۷، ص: ۱۳۰.
(۴۹) ابن هشام، قدوم ،ضمامؓ بن ثعلبه وافداً بنى سعد بن بكر ،۲۲۹/۴ .المسند، مسند عبدالله ابن عباسؓ ، ح: ۲۳۷۶، ۴۳۷/۱ .اسد الغابة ، تذكره ضمامؓ بن ثعلبه ۴۳/۳ .المستدرك ، رجوع ضمامؓ بن ثعلبه على قومه، ۵۴/۳.

(۵۰) اسد الغابة ،تذکرہ اکثمؓ بن صیفی ،۱/۱۱۲.

(۵۱) الاصابة ، تذکرہ زیادؓ بن حارث ، ۱/۵۵۷.البداية ، ۵/۸۳.

(۵۲) اسد الغابة تذکرہ فرو بن مسیک ،۴/۱۸۱.

(۵۳) اسد الغابة تذکرہ جرثومؓ بن ناشب ، ۱/۲۷۷.

(۵۴) الاستیعاب، تذکرہ ابو ثعلبہ الخشنی ،۴/۱۶۱۸.

(۵۵) اسد الغابة،تذکرہ عامرؓ بن شہر ہمدانی، ۳/۸۳.

(۵۶) ایضاً، تذکرہ حارثؓ بن ضرار، ۱/۳۳۴.

(۵۷) ایضاً،تذکرہ سبر الابراشیؓ ،۲/۳۶۰.

(۵۸) ایضاً، تذکرہ قیسؓ بن نشبہ ، ۴/۴۷۶.

(۵۹) اسد الغابة تذکرہ قیسؓ بن غزبہ ،۴/۴۶۶.

(۶۰) ایضاً ، تذکرہ مالک بن احمد، ۴/۷۳۱.

(۶۱) ایضاً ، تذکرہ محیصہ بن مسعود ،۴/۳۳۴.

(۶۲) ایضاً، تذکرہ مسعودؓ بن وائل ،۴/۳۶۰.

(۶۳) ایضاً،تذکرہ عبداللہؓ بن عوسجہ،۳/۲۳۹.

(۶۴) ایضاً، تذکرہ قیسؓ بن یزید ،۴/۲۲۹.

(۶۵) ابن ہشام ، اسلام بنی الحارث بن کعب،۴/۲۵۰.تاریخ الامم والملوک ، ۳/۱۵۷ (واقعات ۱۰ ھ)

(۶۶) الاستیعاب،تذکرہ معاذؓ بن جبل.

(۶۷) اسد الغابة ،تذکرہ احنف بن قیسؓ ،۱/۵۵.الاصابة ،تذکرہ احنف بن قیسؓ ،۱/۱۰۰ .المستدرک، ذکر احنف بن قیسؓ ،۳/۲۱۴.

(۶۸) اسد الغابة،تذکرہ عبدخیرؓ ابن یزید،۳/۲۷۷.

مولانا محمد ساجد قاسمی ☆

صحابہ ؓ درسگاہ نبوت ﷺ کے تربیت یافتہ

درسگاہ نبوت ﷺ

صحابہ کرام امت کے ہراول دستہ ہیں، درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کے شاہ کار ہیں، نیز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مربیانہ اور معلمانہ صلاحیتوں کے مظہر ہیں۔ چنانچہ وہ قرآن کی جیتی جاگتی تصویر، ایمان کا معیار اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے قابل تقلید نمونہ ہیں۔

ہمیں تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں بیشمار درسگاہیں ملتی ہیں، لیکن درسگاہ نبوت سے زیادہ بلند مقام، ہمہ گیر، رجال ساز، بامقصد، بافیض، اثر آفریں اور انسانیت کے لیے مفید کوئی درسگاہ نہیں ملتی۔

اس درسگاہ کا فیض عام ہوا، پوری انسانیت نے اس سے فائدہ اٹھایا، تہذیبوں اور ثقافتوں پر اس نے بڑے دوررس اثرات چھوڑے، پرانی درسگاہیں ماند پڑ گئیں اور تاریخ کا دھارا بدل گیا۔

بے مثال معلم

یہ درسگاہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وما أرسلناك إلا كافةً للنَّاس بشيرًا ونذيرًا ولكنَّ أكثر الناس لا يعلمون (١)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا آپ خوشخبری سنانے والے ہیں اور ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

جو عظیم معلم ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

هو الذي بعث في الأميين رسولًا منهم يتلو عليهم آياته، ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين (٢)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما بعثت معلما (۳) ''مجھے تو معلم بنا کے بھیجا گیا''۔

آپ بے مثال مربی ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس مانزل إليهم ولعلهم يتفکرون (۴)

اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں سے اس کی وضاحت کریں جو آپ پر اتاری گئی تاکہ لوگ غور وفکر کریں۔

آپ عادات واطوار کا نمونہ ہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم في رسول الله اسوة حسنة لمن کان يرجو الله واليوم الآخر وذکر الله کثيرًا (۵)

تحقیق کہ تمھارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ کی امید رکھتا ہو اور دار آخرت کی اور اللہ کا خوب ذکر کرتا ہو۔

آپ صاحب خلق عظیم ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: إنک لعلی خلق عظيم (۶) ''بلاشبہ آپ کے اخلاق بلند ہیں''۔

آپ بہادر کمانڈر ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

کنا إذا حمي الوطيس واشتد القتال احتمينا برسول الله فلم يکن احد اقرب إلی العدو من رسول الله

جب میدان کارزار گرم ہوجاتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیا کرتے تھے، چنانچہ آپ سے زیادہ دشمن کے قریب کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (۷)

اللہ تعالی نے پوری انسانیت کو اپنی لازوال اور آخری شریعت کا درس دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔

آپ اپنے ظاہر وباطن، قول وفعل، کردار واطوار کے اعتبار سے معلم تھے۔ حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارأيت معلما لاقبله ولابعده أحسن تعليما منه. (۸)

''میں نے آپ سے بہتر معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا تھا نہ آپ کے بعد دیکھا''۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم معلم تھے، اگر جائزہ لیا جائے کہ آپ کی بعثت سے پہلے انسانیت کا کیا حال تھا اور آپ کی بعثت کے بعد کیا حال ہوا، تو اس سے آپ کی معلمانہ اور مربیانہ عظمت کا اندازہ ہوجائے گا، صحابہ

کی جتنی بڑی تعداد آپ کے ہاتھوں تربیت پاکر تیار ہوئی کیا تاریخ میں کسی اور معلم نے اتنی بڑی تعداد تیار کی؟ وہ آپ سے پہلے کیا تھے پھر آپ کے بعد کیا بنے؟ صحابہ میں سے ہر ایک اس یگانہ معلم کی عظمت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ ایک اصول فقہ کے عالم نے فرمایا: اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے علاوہ دیگر معجزات نہ ہوتے تو صحابہ آپ کی نبوت کے ثبوت کے لیے کافی تھے۔(۹)

درسگاہ نبوت کی نصابی کتاب قرآن کریم

اس درسگاہ کا نصاب تعلیم کتاب خداوندی قرآن کریم ہے، جس کے متعلق اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید (۱۰)

باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے (یہ) حکمت والے اور قابل تعریف کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جس نے صحرائے عرب کے باشندوں کو اوج ثریا پر پہنچادیا، رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا:

إن الله یرفع بهذا الکتاب أقواما ویضع به آخرین (۱۱)

''اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعہ کچھ قوموں کو سر بلندی عطا فرماتے ہیں جب کہ کچھ قوموں کو پستی''۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے تعلیم وتعلم میں اشتغال رکھنے والے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (۱۲)

''تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے پڑھنے والے کو اور اس میں انہماک اختیار کرنے والے کو اللہ والا اور اس کا مخصوص بندہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن للّٰه أهلین من خلقه ، قالوا ومن هم یارسول الله ؟ قال أهل القرآن هم أهل الله وخاصته (۱۳)

اللہ کی مخلوق میں کچھ اس کے اہل اور مخصوص لوگ ہوتے ہیں، صحابہ نے دریافت کیا: وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اہل قرآن اللہ والے اور اس کے مخصوص بندے ہیں۔

درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ

صحابہ کرام اس درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں، اللہ تعالی نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے انھیں منتخب کیا اور ان کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل کھول دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن اللّٰه اختار أصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین، واختار من أصحابی أربعة: أبابکر وعمر وعثمان و علیا رضي الله عنهم (۱۴)

اللہ تعالیٰ نے انبیا اور رسولوں کے علاوہ دنیا جہان والوں میں سے میرے صحابہ کو منتخب فرمایا اور میرے صحابہ میں سے چار کو منتخب کیا: ابوبکر عمر عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا:

والسابقون الأولون من المهاجرین والأنصار و الذین اتبعوهم بإحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجری من تحتها الأنهار خالدین فیها أبدا ذلک هو الفوز العظیم. (۱۵)

مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اور جنھوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی، اللہ تعالی ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کرر کھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے وصال فرمانے کے بعد وہ آپ کے جانشیں ہوئے اور پوری دنیا میں دین کا پیغام پہنچانے کی ذمے داری نبھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد: ألا فليبلغ الشاهد الغائب (۱۶) ''موجود لوگ ان لوگوں کو پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من كان مستنا فليستن بمن قد مات، أولئک أصحاب محمد صلى الله علیه وسلم كانوا خیر هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما ، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبیه صلى الله علیه وسلم ونقل دینه، فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم، فهم (أصحاب محمد صلى الله علیه وسلم) كانوا على الهدى المستقیم. (۱۷)

اگر کوئی کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو اسے ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جو امت میں سب سے افضل، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے زیادہ سادہ و بے تکلف تھے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو پہونچانے کے لیے منتخب فرمایا؛ لہٰذا ان کی طرح عادات واخلاق اور طور وطریق اختیار کرو، اس لیے کہ وہ راہ راست پر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی بے مثال تربیت کی، انھیں ایمان کے منفرد سانچوں میں ڈھالا۔ صحابہ بھی اپنے مزاج و مذاق اور صلاحیت و استعداد اور اللہ اور اس کے رسول کی بے پناہ محبت کی وجہ سے اس تربیت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اپنی حیرت انگیز تربیت سے ایمان، خوف خدا، اللہ اور رسول کی سچی محبت، ان کی اطاعت وفرمانبرداری، اپنی جان ومال سے راہ خدا میں جہاد، خود احتسابی، دنیا سے بے رغبتی، شوق آخرت اور ایثار و ہمدردی کے صفات پیدا کیے۔

یہ بلند صفات اور اعلی اقدار ان کی رگ وپے میں سرایت کر گئے، اب وہ قرآن کی جیتی جاگتی تصویر تھے اور منفرد انسانی نمونے، جن کی انسانی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرلو گے کامیاب ہو جاؤ گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا مقصد پورا ہو گیا، ہر صحابی خیر امت کا مصداق تھا، وہ نمائندہ تھا اللہ تعالی کے اس ارشاد کا:

کنتم خیر امة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ

تم بہترین جماعت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان میں سے ہر ایک ہر مقام کے لائق اور ہر ذمے داری نبھانے کا اہل تھا، چنانچہ ان میں سے کوئی خلیفہ راشد تھا، تو کوئی جانباز سپاہی، کوئی منصف قاضی تھا، تو کوئی امانت دار خازن، جب کہ کوئی مخلص مبلغ دین۔ وہ کسی عہدے کو اعزاز نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اسے ایک ذمے داری تصور کرتے تھے جس کے لیے وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے، ان میں سے بعض پر اللہ کا خوف اس قدر غالب تھا کہ کسی عہدے اور ذمے داری کو قبول ہی نہیں کرتے تھے۔

صحابہ کرام سے پہلا اسلامی معاشرہ تشکیل پایا، جو اخوت، محبت، ایثار، غمخواری، مساوات، ہمدردی اور باہمی احترام پر استوار ہوا، چنانچہ وہ تمام انسانی معاشروں سے بہتر اور اعلی تھا۔ نیز سب سے پہلی اسلامی حکومت بھی قائم ہوئی جو منصف حکومت کا اعلی نمونہ تھی، اور اس کے خلفا صفائی معاملہ، انصاف، حقوق کی ادائیگی اور بلندی اخلاق کا نمونہ تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ آپ کے جانشین ہوئے، دین کی ذمے داری سنبھالی اور اسے

چہار دانگ عالم میں پھیلایا، دیکھتے دیکھتے فارس اور روم کی حکومتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ وہاں کے باشندوں نے آزادی کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام ایک ممتاز جماعت اور نادرہ ءروزگار گروہ ہوگئے اور ان سے عقیدہ وایمان، ان کی خاطر مشقت وقربانی، اللہ اور رسول سے عشق ومحبت، ان کی اطاعت وفرمانبرداری، شوق شہادت، متاع دنیا سے بیزاری، ایثار وہمدردی، اخوت وبھائی چارگی اور محاسبہ نفس کے ایسے حیرت انگیز واقعات صادر ہوئے جن سے بڑھ کر انسان سے متصور نہیں ہوسکتے۔

عقیدہ وایمان کی خاطر مشقت وقربانی

صحابہ کے دلوں میں ایمان رچ بس گیا تھا اور ان کی رگ وپے میں سرایت کرگیا تھا، چنانچہ انھوں نے مکہ میں دین کی خاطر ایسی ایسی مشقتیں اور اذیتیں برداشت کیں کہ جن کے سننے سے رونگھے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل پگھل جاتے ہیں۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا کنبہ جو بیوی سمیہ رضی اللہ عنہا بیٹے عمار رضی اللہ عنہ پر مشتمل ہے، یہ پورا کنبہ اسلام قبول کر لیتا ہے، کفار مکہ ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: صبرا یا آل یاسر فإن موعدکم الجنۃ (۱۸) ''اے آل یاسر صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے''، ابوجہل نے حضرت سمیہ کی شرمگاہ پر برچھا مارا جس سے وہ جاں بحق ہوگئیں، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو اس قدر ستایا گیا کہ ان کی وفات ہوگئی، حضرت سمیہ اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے والی خاتون تھیں۔

مہاجرین وانصار میں باہم اخوت وبھائی چارگی

جب مسلمانوں پر سرزمین مکہ تنگ ہوگئی اور پانی سر سے اونچا ہوگیا تو اللہ تعالی نے انھیں ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ مدینہ ہجرت کر گئے، اہل مدینہ نے خیر مقدم کیا، ان کی بھرپور مدد کی اور ان کے ساتھ ایثار، اخوت اور وسیع النظرفی کا بے مثال معاملہ کیا جس کی شہادت خود اللہ تعالی نے دی، چنانچہ فرمایا:

للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئک هم الصادقون، والذين تبوء وا الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولايجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون (۱۹)

ان مہاجر فقراء کے لیے جنھیں ان کے گھروں اور جائیداد سے نکال دیا گیا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی

خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں۔ اور وہ لوگ جنھوں نے دار اور ایمان کو اپنا ٹھکانہ بنایا وہ اپنے یہاں ہجرت کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے دیا ہے اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے ہیں اور اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انھیں خود ضرورت ہو۔ اور جن کو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو وہ کامیاب ہونے والوں میں ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہمارے یہاں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم ؓ آئے، چنانچہ وہ دونوں ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، پھر عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم آئے، اس کے بعد حضرت عمر ؓ بیس آدمیوں کے ہمراہ آئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے دیکھا کہ اہل مدینہ کو جتنی اس سے خوشی ہوئی اتنی اور کسی چیز سے انھیں خوشی نہیں ہوئی۔ (۲۰)

جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مدینہ ہجرت کی اس وقت وہ غریب تھے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور سعد بن الربیع (جو نقبا میں سے ایک تھے) کے درمیان برادرانہ رشتہ قائم کرادیا، تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے پیش کش کی کہ آپ میرے مال کا ایک حصہ لے لیں اور میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دوں جس سے نکاح کرلیں تو انھوں نے فرمایا:

بارک الله فی اهلک ومالک ، ولکن دلنی علی السوق (۲۱)

اللہ تعالیٰ تمھارے مال اور اہل وعیال میں برکت دے، مجھے تو بازار کا راستہ بتادو۔

راہ خدا میں جہاد

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد کے لیے بیعت کی اور اس بیعت کا پورا پاس رکھا، چنانچہ انھوں نے اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور اخروی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی میں صبح کے وقت خندق کے پاس تشریف لے گئے، تو مہاجرین اور انصار کو سردی میں صبح کے وقت خندق کھودتے ہوئے دیکھا ان کے پاس غلام نہیں تھے جو ان کا کام کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور مشقت دیکھی تو فرمایا:

اللهم إن العيش عيش الآخره فاغفر الأنصار والمهاجره

اے اللہ! زندگی حقیقت میں آخرت ہی کی زندگی ہے، انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

صحابہ نے آپ کے جواب میں فرمایا:

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد مابقينا أبدا

ہم لوگوں نے تادم حیات جہاد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

صحابہ کرام نے نہ صرف راہ خدا میں جہاد کے لیے بیعت کی، بلکہ راہ خدا میں جان دینے کے لیے بھی بیعت کی۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، پھر میں درخت کے سایہ میں آ گیا، جب لوگ چلے تو آپ نے مجھ سے پوچھا: اے ابن الاکوع کیا بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے تو بیعت کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر بھی، تو میں نے دوبارہ بیعت کی۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے پوچھا کہ ابو مسلم! اس دن آپ لوگ کس پر بیعت کر رہے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ''موت پر''۔ (۲۲)

صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق

صحابہ کرام کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھے، چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں صحابہ کے عشق اور جانثاری کے ایسے واقعات مذکور ہیں جن کے سامنے عاشقوں کا عشق اور اہل محبت کی محبت ہیچ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ عضل وقارہ کا ایک وفد آیا، اس نے بتایا کہ ہم تک اسلام کی خبر پہونچی ہے ہمیں کچھ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ہم کو دین سکھلائیں اور قرآن پڑھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کی درخواست پر عاصم بن ثابت کی سربراہی میں مبلغین صحابہ کی ایک جماعت روانہ کی، جب یہ مکہ اور عسفان کے درمیان قبیلہ ہذیل کی بستی سے قریب 'الرجیع' نامی چشمے پر پہونچے تو ان کی طرف سے غداری سامنے آئی، ان لوگوں نے قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگوں کی مدد سے ان پر تلواروں سے حملہ کر دیا، ان میں سے تین کو قیدی بنالیا، ان قیدیوں کو قریش کے ہاتھوں فروخت کیا، ان قیدیوں میں سے عبداللہ بن طارق نے چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کی تو ان کو قتل کر دیا، دوسرے قیدی زید بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا؛ تاکہ ان کو اپنے والد کے بدلے قتل کرے، جب وہ ان کو قتل کرنے جا رہا تھا تو ایک عجیب وغریب صورت حال سامنے آئی' جسے تاریخ نے ہمیشہ کے لیے اپنے اوراق میں محفوظ کر دیا، زید اپنے سر کو تن سے جدا کرانے کے لیے تیار ہیں، ابوسفیان ان سے کہتے ہیں: بخدا زید تم مجھے بتاؤ، کیا تم کو پسند ہے کہ محمد تمہاری جگہ ہوں اور ان کی گردن ماردی جائے اور تم اپنے اہل وعیال میں محفوظ بیٹھو۔ تو اس عاشق رسول نے جواب دیا کہ بخدا یہ مجھے کبھی گوارہ نہیں ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں محفوظ بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا: میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا کہ محمد کے ساتھی محمد سے محبت کرتے ہیں۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے:

أسرت قريش مسلما فی غزوة	فمضى بلا وجل إلى السياف
سألوه هل يرضيک أنک آمن	ولک النبی فدى من الإتلاف
فأجاب كلا لا سلمت من الردى	ويصاب أنف نبينا برعاف

قریش نے ایک غزوہ میں ایک مسلمان کو قید کرلیا، وہ بیبا کانہ انداز میں جلاد کے پاس گیا، انھوں نے پوچھا کہ کیا تم کو پسند ہے کہ تم محفوظ رہو اور تمھاری جگہ محمد کو قتل کر دیا جائے، اس نے جواب دیا کہ ہرگز مجھے پسند نہیں ہے کہ میں بچ جاؤں اور محمد کی نکسیر بھی پھوٹے۔ (۴۳)

جنگ احد کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے اور آپ کے ساتھ چند صحابہ کے سوا اور کوئی نہیں رہا، تو کفار نے اس موقع کو غنیمت جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش برسانے لگے۔ حضرت ابودجانہ آپ پر ڈھال بن گئے اور تیران کی پشت میں آکر پیوست ہو رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کے لیے جانثاری کا یہ وہ حیرت انگیز واقعہ ہے جو تاریخ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ (۴۴)

خوداحتسابی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں خوف خدا، تقوی اور خوداحتسابی کا یہ عالم تھا کہ اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اسے اس کا ضمیر جھنجھوڑتا اور اپنے آپ کو قانون کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا اور مطالبہ کرتا کہ اسے سزا دی جائے؛ تاکہ وہ گناہ کی گندگی سے پاک ہو جائے۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے۔ آپ مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ نے انھیں واپس کر دیا۔ دوسرے دن پھر آئے اور کہا کہ میں نے زنا کرلیا ہے، آپ مجھے پاک کر دیجیے۔ دوسری بار بھی آپ نے ان کو واپس کر دیا اور ان کی قوم کے لوگوں سے معلوم کرایا کہ کیا ان کے دماغ میں کوئی خلل تو نہیں ہے؟ تو ان لوگوں نے بتلایا: ایسی کوئی بات نہیں، وہ تو ہمارے یہاں عقلمندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر تیسری مرتبہ آئے، آپ نے پھر معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ ان کی عقل میں کوئی فتور تو نہیں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عقل و دماغ ان کا بالکل ٹھیک ہے۔ جب وہ چوتھی بار آئے تو ان کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا اور انھیں سنگ سار کیا گیا۔

غامدیہ (قبیلہ غامد سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انھوں نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے؛ مجھے پاک کر دیجیے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، جب دوسرا دن ہوا تو وہ پھر آئیں، کہنے لگیں آپ نے مجھے کیوں واپس کیا؟ کیا آپ مجھے اسی طرح واپس کر رہے ہیں جس طرح آپ نے ماعز کو واپس کیا تھا؟ بخدا میں تو حمل سے ہوں، آپ نے فرمایا: اگر تم کہتی ہو تو ابھی جاؤ ولادت کے بعد آنا۔ جب ولادت ہوگئی تو بچے کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے لے کر آئیں، پھر آپ نے فرمایا: ''ابھی جاؤ اور اس بچے کو دودھ پلاؤ، جب بچہ روٹی کھانے لگے تو آنا'' جب بچے کا دودھ چھڑا دیا تو آئیں، بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! اس کا دودھ میں نے چھڑا دیا ہے اور یہ اب روٹی کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک

مسلمان کو دے دیا، پھر ان کے سینے تک ایک گڑھا کھودا گیا اور ان کو سنگ سار کرنے کا حکم دیا، حضرت خالد بن ولید نے ان کے سر پر ایک پتھر مارا، جس سے خون کی چھینٹیں ان کے چہرے پر آئیں، انھوں نے ان کو کچھ برا بھلا کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن لی، آپ نے فرمایا:

''مھلا یاخالد! فوالذی نفس محمد بیدہ إنھا تابت توبةً لو تابھا صاحب مکس لغفر له'' (۴۵)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور تدفین ہوئی۔

ایثار و ہمدردی

انسانی معاشروں میں ایثار و ہمدردی کا تعامل بہت پہلے سے چلا آرہا ہے، ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کرنا ایک اچھا عمل سمجھا تا رہا ہے، لیکن صحابہ نے ایک دوسرے کے ساتھ جس ایثار و ہمدردی کا معاملہ کیا اس کی نظیر انسانی معاشروں میں نہیں ملتی ہے۔ چنانچہ ابوجہم بن حذیفہ عدوی فرماتے ہیں: میں جنگ یرموک میں ایک مشکیزہ میں پانی لے کر اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میں نے کہا: اگر میں ان میں کچھ زندگی کی رمق پاؤں گا تو انھیں پانی پلا دوں گا یا ان کا چہرہ دھو دوں گا، جب میں ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ زور سے سانس لے رہے تھے اور بے ہوشی کے قریب ہیں، میں نے پوچھا کہ پانی پلاؤں؟ تو انھوں نے اشارہ کیا کہ پلاؤ، اتنے میں ایک زخمی نے آہ کی، تو میرے چچازاد بھائی نے اشارہ کیا کہ ان کے پاس جاؤ، میں ان کے پاس پہنچا، تو دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص ہیں، میں نے ان سے کہا کہ پانی پلاؤں؟ تب تک انھوں نے ایک دوسرے زخمی کی آہ سنی، تو ہشام نے اشارہ کیا کہ ان کے پاس جاؤ، جب میں ان کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ ان کی روح پرواز کر چکی تھی، پھر میں ہشام کے پاس واپس آیا تو ان کا بھی انتقال ہو چکا تھا، پھر جب میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔(۴۶)

شوق شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں شہادت کے لیے آتش شوق کو تیز کر دیا تھا، ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ موت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، چنانچہ نوعمر لڑکے، نوجوان حتی کہ بوڑھے بھی شوق شہادت میں بے تاب نظر آتے تھے، اس کے لیے وہ ایک دوسرے سے مسابقت کرتے تھے، جتنا لوگوں کو جینے کا شوق ہوتا ہے اتنا انھیں موت کی آغوش میں جانے کا شوق تھا، صحابہ کرام کی عظیم فتوحات کا ایک راز یہ بھی ہے۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک معذور شخص ہیں، ان کے پیر میں بہت لنگ ہے، ان کے چار بیٹے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں نکلتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے لیے نکل رہے

تھے، تو ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ نے آپ کو رخصت دی ہے، اس لیے جہاد کے لیے نہ نکلیں اور گھر میں رہیں، ہم لوگ اس کے لیے کافی ہیں۔ تو عمرو بن جموح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! یہ (میرے بیٹے) مجھے جہاد میں جانے سے روک رہے ہیں، بخدا میری تمنا ہے کہ میں شہید ہو جاؤں اور اپنے اس لنگڑے پن سے جنت میں چلوں، آپ نے ان کے بیٹوں سے کہا کہ ان کو کیوں نہیں جانے دیتے؟ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی ان کو شہادت نصیب فرمائے؛ چنانچہ وہ بھی رسول اللہ کے ساتھ نکلے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ (۲۷)

دنیا سے بے رغبتی

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کا لقب سیف اللہ تھا، جو دنیا کے عظیم کمانڈر تھے، جدھر کا رخ کرتے فتح وکامرانی ان کی ہمرکاب رہتی، ان کے ہاتھوں فارس اور روم کی سلطنتوں کا سقوط عمل میں آیا۔ کیا ان کے پاس شاندار محلات، دولت وجائداد اور وسیع وعریض زمینیں تھیں؟ جس طرح آج کل قوم کے قائدین کے پاس ہوتی ہیں، آیئے تاریخ کی کتابوں سے معلوم کریں کہ اس عظیم قائد کے پاس دنیا سے رخصت ہوتے وقت کیا تھا؟

تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، تو انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کردیا، ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا، حضرت خالد بن ولید حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی فوج میں ایک سپاہی کے بطور لڑتے رہے، راہ خدا میں انھوں نے عظیم کارنامے انجام دیے۔ ۲۱ ہجری میں مقام حمص میں وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی اور حمص سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع بستی میں مدفون ہوئے۔

"لما مات خالد لم يدع إلا فرسه وسلاحه وغلامه"

جب حضرت خالد بن ولید کا انتقال ہوا تو ترکے میں انھوں نے صرف گھوڑا، ہتھیار اور غلام چھوڑا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالی ابوسلیمان پر رحم فرمائے میں انھیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ (۲۸)

صحابہ کرام نے درسگاہ نبوت میں تربیت پائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں قرآنی پیکروں میں تبدیل ہوگئے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب خوب اکتساب فیض کیا، آپ کے وصال کے بعد آپ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور آپ کے لائے ہوئے دین کا پرچم اٹھایا۔

چنانچہ صحابہ کرام عقیدہ وایمان، دین وشریعت، اللہ ورسول کی محبت، راہ خدا میں جہاد، دنیا سے بے رغبتی، شوق آخرت، عادات واطوار، سلوک وکردار، بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں منفرد انسانی نمونہ ہیں۔

وہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے نمونہ ہیں، ان کی سیرت اور زندگی امت کے لیے سرچشمہ ہے، جب کبھی امت کو اپنی زندگی کے سفر میں تکان کا احساس ہوگا تو امت اس چشمہ حیات سے تازگی اور بالیدگی حاصل کرتی رہے گی۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ☆

صحابۃ الرسول ﷺ

صحابہ کرام کی جماعت انسانی تاریخ میں اپنی ایمانی کمیت اور کیفیت دونوں کے اعتبار سے منفرد جماعت گزری ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے آخری اور مثالی شخصیت رکھنے والے نبی ﷺ نے اس طرح تربیت دی کہ زندگی کے تمام پہلوں میں ایمان رچ بس گیا تھا اور یاد الٰہی کی وہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ فرشتوں جیسے اعمال ظاہر ہوتے تھے؛ لیکن فرق یہ رہا کہ انسان کو اس کے پروردگار کی طرف سے دنیا اور دین کے درمیان جامعیت اور دنیاوی امور میں اپنی پسند کو تابع بنانے اور تابع نہ بنانے کی جو صلاحیت دی گئی ہے ، وہ صلاحیت فرشتوں کو نہیں دی گئی ہے، اس طرح انسانوں کو امتحان سے گزارا گیا اور تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں کو اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی طرف برابر توجہ دلائی گئی اور اس کامیابی میں بڑے انعام واکرام کا وعدہ فرمایا گیا، توجہ دہانی کا یہ کام انبیاء علیہم السلام برابر کرتے رہے، آخری نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایسی تلقین کی اور ان کی ایسی تربیت کی کہ اس امتحان میں انہوں نے کامیابی کی مثال قائم کردی اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم وارادہ سے ہوا، اور حضور ﷺ کے خاتم الرسل اور تمام اہل ایمان کے لئے اسوہ حسنہ بنائے جانے کا نتیجہ اور علامت بنا، اگر آپ ﷺ کی اس سلسلہ میں محنت کامیاب اور وسیع اثر رکھنے والی نہ ہوتی تو آپ خاتم الرسل اور اسوہ حسنہ کیسے قرار دئے جاتے۔

حضور ﷺ نے توحید وایمان کی دعوت اس طریقہ سے دی کہ جس نے بھی توجہ سے سنا، بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس پر اس کا ایمان مستحکم ہوگیا، آپ ﷺ کا اخلاق ، انسانی ہمدردی اور محبت بھرا انداز بھی ایسا تھا کہ جس نے بھی قریب سے دیکھا اور سنا وہ صرف متأثر ہی نہیں ہوا؛ بلکہ دل وجان سے آپ ﷺ کا کہنا ماننے والا بن گیا اور آپ ﷺ پر فدا ہونے کے لئے تیار ہوگیا اور یہ حالت صرف دو چار آدمیوں کی نہیں ہوئی؛ بلکہ جس نے بھی آپ ﷺ کو دیکھا سنا اور سمجھا اس کی یہی کیفیت ہوگئی، اس طرح آپ ﷺ کی دعوتی زندگی کی ۲۳ سالہ مدت میں ایمان والوں کی ایسی جماعت تیار ہوگئی، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یہی جماعت آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کی پوری نیابت کرنے والی بن گئیں، اس پر اس کام کو چلاتے رہنے کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس ذمہ داری کو اس نے پوری دیانت وامانت اور مکمل توجہ سے انجام دیا، اس کے سامنے اللہ کی خوشنودی اور حضور ﷺ کی محبت اور آخرت

☆ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کا مسئلہ تھا، جس کو ان لوگوں نے دل وجان سے قبول کیا تھا؛ چنانچہ آپ ﷺ پر جو بھی ایمان لاتا خواہ امیر ہو یا غریب، معزز خاندان کا ہوتا یا کمزور پوزیشن کا اس میں ایسا ہی پختہ ایمان پیدا ہو جاتا۔

یہ ایمان زیادہ تر دو اسباب سے پیدا ہوتا تھا: ایک سبب اللہ تعالیٰ کا کلام معجز بیان تھا، جس کو ایک بار بھی سن لینے سے آدمی کا دل بدل جاتا تھا، دوسرا سبب آپ ﷺ کے اخلاق شفقت کو قریب سے دیکھ لینا تھا، قرآن مجید کو ایمان لانے والوں کی تعداد بھی خاصی تھی اور آپ ﷺ کے اخلاق وبات چیت سن کر متأثر ہونے والوں کی تعداد بھی خاصی تھی، آپ ﷺ سے متأثر ہونے کی ایک مثال ثمامہ بن اثال کا واقعہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ

> ''وہ حضور ﷺ کے پاس دشمنی بلکہ آپ کو نقصان پہونچانے کی نیت سے آئے؛ لیکن ملتے ہی بدل گئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے خدا کی کہ سارے عالم میں مجھ کو آپ سے زیادہ کسی اور سے اتنی نفرت نہ تھی؛ لیکن اب تو آپ ﷺ ہی دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں''(۱)

آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا حال آپ ﷺ کی محبت اور تربیت سے ایسا ہی بن گیا کہ ان کے دلوں میں ایمان لاتے ہی اس طرح کی محبت اور فدائیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور پھر آپ ﷺ کی رہنمائی اور تعلیم وتلقین سے زندگی کے اعلیٰ حقائق سے واقفیت اس درجہ پیدا ہو جاتی کہ ان کو دین کی نصرت اور اپنے رب کے لئے فدائیت میں اعلیٰ مقصد کے لئے جاں نثار کردینے میں ادنیٰ تکلف نہ ہوتا، اور اپنے معلم اور قائد نبی مکرم ﷺ کے حکم پر بے تکلف اپنی جاں نثار کردینے کے لئے تیار ہو جاتے، اپنی مرضی اور خواہش میں خواہ کتنا سخت رہے ہوں، آپ ﷺ کی مرضی کے سامنے اس کو بالکل نظر انداز کردیتے اور آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق عمل کرتے۔

چنانچہ جو بھی آپ ﷺ پر ایمان لایا اس نے اسی بات کا ثبوت دیا، اس کی ایک بڑی مثال صلح حدیبیہ میں صحابۂ کرام ؓ کا قریش کی ظالمانہ شرائط کا قبول کرلینا اور آپ ﷺ کی مرضی کے سامنے جھک جانا ہے اور غزوۂ خندق میں ۳ ؍ ہفتوں سے زیادہ فقرو فاقہ اور سخت سردی کی حالت میں اپنی جان ہتھیلی پر لئے جمے رہنا ہے اور غزوۂ احد میں جب دشمن شکست کھا کر بھاگنے لگے اور یہ دیکھ کر پہاڑی پر مقرر حفاظتی دستہ کے افراد میں سے اکثر نیچے اتر آئے اور دشمن نے موقع مناسب سمجھ کر پلٹ کر حملہ کردیا اور مسلمان فوج منتشر ہونے لگی اور تھوڑے وقت کے لئے افراتفری کی صورت بن گئی تو آپ ﷺ کے گرد حضرت ابوبکر وحضرت عمر جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جم کر مقابلہ کرنے لگے اور آپ ﷺ کو دشمن سے بچانے کے لئے دسیوں جاں نثار صحابہ ؓ آپ ﷺ کے سامنے آگئے اور دشمنوں کے وار اپنے سینوں پر لئے اور سارے زخم برداشت کئے؛ تاکہ حضور ﷺ محفوظ رہیں اور آپ ﷺ پر قربان ہوگئے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے اپنا ہاتھ سامنے کردیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا، یہاں تک ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہوگئیں اور ہاتھ مفلوج ہوگیا، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے ساتھ ان

کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ باہر آ گیا، حضرت ابو دجانہ ؓ ڈھال بن کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے، تیران پر گرتے رہے؛ لیکن وہ اسی طرح آپ ﷺ پر جھکے رہے یہاں تک ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہوگئی۔(۲)

غزوۂ احد کے بعد مسلمان مدینہ پہونچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گذر ہوا، جس کے باپ، بھائی اور شوہر سب اس معرکہ میں کام آ گئے تھے، باری باری تین حادثوں کی صدا ان کے کانوں میں پڑی تھی؛ لیکن وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا: بخیر ہیں، انہوں نے پاس آ کر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں: ''كل مصيبة بعدك جلل ''(آپ کے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں)''۔(۳)

جب کفار قریش زید بن الدثنہ ؓ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لائے تو ابو سفیان نے ان سے کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوں؟ زید ؓ نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے، ابو سفیان نے اس پر کہا میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی کرتے تھے۔(۴)

جو شخص بھی چند منٹ کے لئے ایمان کے ساتھ حضور ﷺ سے مل جاتا وہ آپ ﷺ پر سب کچھ قربان کردینے کے لئے تیار ہو جاتا، سوائے ان بعض لوگوں کے جو مدینہ میں بسے یہودیوں کے دوست ہونے کی بنا پر بطور سازش اپنے کو مسلمان دکھانے کو اختیار کیا اور منافقین کے زمرہ میں شامل ہوگئے، وہ اپنے دوستوں اور یہودیوں کے پاس جا کر اپنی اصلی حالت کے مطابق کفر کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کے سامنے ظاہر میں اپنے کو مسلمان دکھاتے اور جہاد میں جانے کا موقع آتا تو کوئی بصورت بہانے کر کے اپنے کو خطرہ میں پڑنے سے بچا لیتے، وہ اپنی اسی حرکت کی بنا پر منافق کی حیثیت سے پہچان لئے جاتے، حضور ﷺ کو خدا کی طرف سے ان کے نام بھی بتا دئے گئے تھے؛ لیکن حضور ﷺ نے ان کے خلاف کاروائی اس لئے نہیں کی کہ غیروں کی نظر میں آپ ﷺ کے عمل کے بارے میں بدگمانی نہ ہو؛ کیوں کہ وہ ظاہر میں اپنے کو مسلمان بتاتے تھے ورنہ مکہ سے آئے ہوئے اور مدینہ منورہ کے بقیہ سب لوگ آپ ﷺ پر فدا تھے اور ہر حکم کو بغیر کسی چوں چرا قبول کرتے تھے، اور جو منافق تھے ان کی طرف سے خطرہ کے موقع پر بہانہ بازی اختیار کرتے رہنے سے وہ عام طور پر سب کی نگاہ میں آ گئے تھے، قرآن مجید میں ان کی نشاندہی بھی کردی گئی تھی اور ایمان وعزیمت والوں کا ذکر قرآن مجید میں بہت اعلیٰ اسلوب میں کیا گیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنهُم مَّغفِرَةً وَأَجرًا عَظِيمًا﴾ (۵)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل ورضا مندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا؛ تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے''

چنانچہ آپ ﷺ کی رفاقت اور صحبت سے صحابۂ کرام ؓ کی جو جماعت بنی وہ ایمان اور محبت رسول اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی میں ناقابل تسخیر پہاڑ کی طرح تھی اور بتدریج اتنی بڑی تعداد میں یہ جماعت تیار ہوئی کہ تاریخ انسانی میں صالح ترین اور پختہ ایمان اور دین میں پختگی رکھنے والی اتنی بڑی جماعت ہونے کی مثال نہیں ملتی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں اور آپ ﷺ کی صحبت اور رہنمائی حاصل کرنے والوں کی جماعت کو ایسے صفات اور کردار کا بنا دیا کہ وہ نبوت کی پوری نیابت کرتے ہوئے اس دین کو اور اعلیٰ انسانی صفات کو آگے بڑھائیں، اس کے افراد میں سے ہر ایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا اور آپ ﷺ نے ان کے بارے میں تصدیق بھی کی، فرمایا:

'' أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديهم اهتديتم '' (٦)

آپ ﷺ سے جو جتنا زیادہ قریب رہا اس کو اتنی زیادہ اولیت حاصل ہوئی، آپ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب حضرت ابوبکر صدیق ؓ رہے، کہ جن سے آپ ﷺ کی رفاقت اور دوستی نبوت سے پہلے سے تھی، وہ تقریباً آپ ﷺ کے ہم عمر تھے، صرف دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس دین اسلام کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری سب سے پہلے آپ ؓ کو ملی اور آپ ؓ خلیفۂ اول ہوئے، پھر اسی تربیت سے آپ ﷺ کے بعد تین دیگر خلفاء ہوئے جو آپ ﷺ کے سچے جانشین ہوئے اور خلفائے راشدین کہلائے، ان سب کے ذریعہ خلافت راشدہ یعنی اعلیٰ معیار کی خلافت کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ۳۰ سال تک جاری رہا اور حضور ﷺ نے وحی کے ذریعہ جو اخلاق وصفات اور زندگی کی مختلف ذمہ داریوں میں جو طریقہ عمل اختیار کیا تھا اور اپنے صحابہ ؓ کو اس کی تربیت دی تھی اس کے مطابق اسلامی دستور حیات کو صحابۂ کرام ؓ کے ذریعہ بے کم وکاست جاری کیا جاتا رہا، جس کے ذریعہ آئندہ کے لئے اعلیٰ نظیر بن گئی اور دین صحیح کا راستہ روز روشن کی طرح مقرر ہو گیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ بن گیا۔

حضور ﷺ کی ۲۳ رسالہ تربیت و ہدایت کے بعد آپ ﷺ کے معتمد ترین اصحاب کے پاس ۳۰ سال تک اس ذمہ داری کے رہنے سے حضور ﷺ کے زمانہ میں اختیار کردہ طریقۂ عمل کے عین مطابق کام انجام پائے اور آئندہ کے لئے نمونہ بنا، حضور ﷺ کے معتمد ترین خلفاء کے نظام و انصرام کی یہ ۳۰ سال کی مدت ایسی مدت تھی کہ اس کے اختتام پر نظم و انتظام سنبھالنے کا کام نئی نسل تک بتدریج منتقل ہوا، جس کو براہ راست حضور ﷺ کی سرپرستی نہیں ملی تھی؛ لیکن عین حضور ﷺ کے زمانہ کے اختیار کردہ طریقہ کی طرح تھی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی انتظام تھا، وہ یہ کہ آپ ﷺ کی نبوت کے آخری دس سال وحی الٰہی کی روشنی میں اور خود حضور ﷺ کی سرپرستی میں، پھر تیس سال آپ ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات کے تحت نمونہ کا نظام اسلامی چلے، اس طرح چالیس سال میں دین اسلام کا نمونہ کا نظام اسلامی سامنے آجائے اور قیامت تک وہ معیاری نمونہ کے طور پر سامنے رہے؛ کیوں کہ دین مکمل کردیا گیا اور اسی مکمل دین کو جاری رکھنا ہے اور قیامت تک انسانوں کی صلاح و فلاح کے لئے وہ بالکل کافی ہے؛ اس لئے کہ وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے قیامت تک کے لئے دیا ہوا دین ہے، جو انسانوں کے مزاج اور ضرورتوں کو شروع سے آخر تک جاننے والا؛ بلکہ بنانے والا ہے، اسی لحاظ سے اس کو مکمل فرمادیا گیا اور اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمادیا گیا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ (۷)

''بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۸)

''آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر مکمل کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا''

حضور ﷺ کے بعد جن حضرات کو یہ سلسلہ چلانا تھا وہ آپ ﷺ کے اصحاب کی یہی جماعت تھی، جس کو صحابۃ الرسول ﷺ کا نام ملا، اسی جماعت نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد چالیس سال تک مثالی نمونہ کے طور پر آسمانی شریعت انسانوں میں نافذ کیا، انہوں نے نبی ﷺ کے قول و فعل کو اچھی طرح سمجھا تھا اور وہ اس کے لئے اپنی مرضی اور خواہشات کو مٹا چکے تھے اور اپنے نبی ﷺ کا آئینہ بن چکے تھے، وہ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ کرسکتے تھے، جو اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف ہو، یہ جماعت جماعت صحابہ کہلائی، جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ ہوئی۔

رب العالمین کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو عطا کردہ جو شریعت ہے اور زندگی کی صلاح اور فلاح کے لئے جو احکام ہیں وہ ہم کو صحابۂ کرام ﷺ کے توسط سے ہی ملے ہیں، صحابۂ کرام ﷺ کا ایمان وتقوی اتنا عظیم اور محکم تھا کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے اپنے دین کو بے کم وکاست پہونچانے اور کمال دیانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لئے حضرات صحابہ ﷺ کو ذریعہ بنایا گیا، اس طرح شریعت اسلامی اور دین متین جو ہم کو پہونچا اس کی صحت وحقانیت کو اعتبار و

اعتماد صحابہ ؓ کی امانت و دیانت ہی سے حاصل ہوا، اور یہ اعتماد رب العالمین کی طرف سے صحابۂ کرام ؓ کو اس دین متین کے احکام و تفصیلات کو بیان کرنے کے لئے اختیار کرنے سے بنا اور خاتم الرسل سیدنا محمد ا سے اس جماعت کو جو محبت و عقیدت اور وابستگی تھی اس نے حضور ﷺ سے محبت کرنے کے ساتھ ان حضرات سے بھی محبت کرنے کو ضروری بنا دیا، اس طرح صحابۂ کرام ؓ بھی ہمارے مطاع اور مقتدا بنے۔ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ۔

حوالہ جات

(۱) صحيح مسلم ، كتاب الجهاد والسير ، باب رباط الأسير وحبسه

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۱۷

(۳) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۹۹

(۴) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۱۷۴

(۵) سورہ فتح: ۲۹

(۶) كشف الخفاء، حدیث نمبر: ۳۸۱

(۷) سورہ حجر: ۹

(۸) سورہ مائدہ: ۳

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و تقدس ایمانِ صحیح کا تقاضہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الامين سيدنا محمد واله وصحبه اجمعين!

صحابہ کرام کے تذکرہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ صحابی کسے کہتے ہیں اور علماء نے صحابی کی کیا تعریف بیان فرمائی ہے؟ یہاں سب سے زیادہ وسیع النظر عالم حافظ ابن حجرؒ (جن کی عظمت پر علمائے اہل حق کا اتفاق ہے) کی احوال صحابہ پر مستند ترین کتاب سے ''صحابی'' کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

''أصح ما وقفت من ذلک أن الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به مات علی الإسلام فیدخل فی من لقیه طالت مجالسته له أو قصرت ومن روی عنه أولم یرو من غزا معه أولم یغزو من رأی رؤیة ولم یجالسه ولم یره لعارض کالأعمی'' (۱)

''میری معلومات کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صحابی وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ سے بحالت ایمان ملا ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو وہ شخص بھی اس شرف میں شریک ہے جو طویل مدت تک آنحضرت ﷺ کا ہم نشین رہا ہو اور وہ بھی جو بہت تھوڑی سی مدت رہا، وہ بھی جس نے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا اور وہ بھی جس نے نہیں کیا وہ بھی جس نے آپ ﷺ کی جھلک تو دیکھی؛ لیکن ہم نشینی کی نوبت نہیں آئی اور وہ بھی جس نے ملاقات تو کی مگر کسی مجبوری کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا جیسے نابینا''

''**مات علی الإسلام**'' کی شرط کا فائدہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ صدر شعبہ تفسیر و استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

"وخرج من قولنا مات على الاسلام من لقى مومنا به ثم ارتد ومات على ردته والعياذ بالله" (۲)

''یعنی اس شرط (اسلام ہی پر وفات ہونے کی شرط) کی وجہ سے وہ شخص صحابی کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا، جو آنحضرت ﷺ سے بظاہر اسلام کی حالت میں ملا تھا مگر بعد میں وہ مرتد ہوگیا اور اسی حال میں مر بھی گیا (العیاذ باللہ) ''

حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ

"هذا التعريف مبنى على الأصح المختار عند المحققين كالبخارى و شيخه أحمد و من تبعهما"

''یعنی یہ تعریف تمام محققین کی اختیار کردہ ہے جن میں امام بخاری، امام احمد جیسے جلیل القدر محدثین کے علاوہ ان کے متبعین بھی شامل ہیں''

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ صحابہ کا مرتد ہونا ناممکن اور محال ہے اور غلط فہمی کے تمام پردے چاک ہوجاتے ہیں اور ظاہر ہوجاتا ہے کہ جو لوگ ارتداد کا شکار ہوئے وہ حقیقتاً صاحب ایمان نہیں ہوئے تھے اور جو قبائل وفات نبی ﷺ (فداہ روحی) کے بعد مرتد ہوگئے تھے ان کا ایک فرد بھی صحابی نہیں تھا۔

ان قدسی صفات نفوس کی عظمت ومحبت ایمان باللہ وبالرسول کا لازمی تقاضہ ہے؛ کیوں کہ ان حضرات ہی کے توسط سے ہمیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی تعلیمات کا علم ہوا، اور حدیث میں آتا ہے:

"الله الله فى اصحابى لاتتخذوهم غرضًا من بعدى، فمن أحبهم فبحبى أحبهم ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم" (۳)

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو (ملامت کا) نشانہ نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا میری وجہ سے کرے گا جو بغض رکھے گا تو میری وجہ سے رکھے گا''

یعنی ان سے بغض رکھنے کا مطلب مجھ سے بغض ہے۔ یہ حدیث مولانا شاہ اسمٰعیل شہید صاحبؒ کے مرتب کردہ خطبہ جمعہ میں شامل ہے، گویا اس طرح ہر جمعہ کو عام مسلمان بھی اسے سن سکتے ہیں، مولانا شہیدؒ کے خطبہ میں شامل کرنے کی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے، مذکورہ بالا تفصیلات سے ان پر ایمان لانے کی ضرورت اور ان کی عظمت بھی معلوم ہوتی ہے، اسی بنیاد پر مشہور محدث امام ابوزرعہ رازی کسی صحابی کی ادنی تنقیص کرنے والے کو زندیق (بے دین کہتے تھے) حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الاصابہ'' میں بیان کیا ہے:

"قال أبوزرعة الرازى إذا رأيت الرجل ينتقص من أصحاب رسول الله ﷺ

فاعلم أنه زنديق وذلك أن الرسول حق ، والقرآن حق ، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا كله والصحابة ، وهؤلاء (اى منتقصون) يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة" (۴)

انہیں وجوہ سے امت کے تمام قابل ذکر علماء نے صحابہ کی فضیلت اور عدالت پر سب اہل حق کا اتفاق نقل کیا ہے، پانچویں صدی کے مشہور محدث ومحقق عالم خطیب بغدادی نے اپنی معروف کتاب الکفایہ (۵) میں صحابہ کی افضلیت اور ان کے عادل ومتدین ہونے کا مستقل ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے ''باب ماجاء في تعديل الله ورسوله للصحابة '' یعنی صحابہ کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تعدیل وتوثیق کیے جانے کا باب، اور اس باب کے تحت لکھتے ہیں کہ صحابہ کے بارے میں اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ وہ عادل تھے یا نہیں؟ کیوں کہ ان کی عدالت تو ثابت ومعلوم ہے؛ اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے پاکباز اور برگزیدہ ہونے کی خبر دی ہے:

"لان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وإخباره عن طهارتهم واختياره لهم".

اس کے بعد موصوف نے وہ آیتیں ذکر کیں جن سے صحابہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور پھر ان کی شان میں متعدد احادیث نقل کیں، مشہور محدث ابن عبد البرؒ نے بھی الاستیعاب میں ایسی بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

" قال رسول الله ﷺ : إن الله اختار أصحابي على الثقلين سوى النبيين والمرسلين" (٦)

''میرے اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسول کے علاوہ تمام انسان وجنات پر فضیلت دی ہے''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ ''وسلام علی عبادہ الذین اصطفی'' کا مصداق صحابہ کرام ہی کو بتاتے تھے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے:

"اتفق أهل السنة على أن الجميع عدول ولم يخالف في ذالك الاشرذمة المبتدعة" (۷)

'' کچھ اہل بدعت کو چھوڑ کر تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں''

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"انهم أفضل من جميع المخالفين بعدهم والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم، هذا مذهب كافة العلماء ومن يعتمد قوله".

''یعنی صحابہ اپنے بعد کے تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، جن میں وہ لوگ بھی ہیں جو تعدیل

کرتے ہیں، یہی تمام قابل اعتماد علماء کا مذہب ہے''

جس گروہ انسانیت کو یہ مرتبہ و مقام حاصل، وہ منبع اصلی و سرچشمۂ حقیقی سے فیضیاب و مستفیض ہو چکا ہو وہ بے شبہ قابل اتباع و تقلید ہے اور اس کا ہر ہر فرد پچھلوں کے لیے نمونہ (Ideal) کی حیثیت رکھتا ہے اور چراغِ راہ کا کام کرسکتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

''أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم''

یہ حدیث رزین کے حوالہ سے مذکور ہے، اگرچہ کچھ ائمہ حدیث فنی طور پر اسے بہت کمزور کہتے ہیں؛ لیکن محدث عجلونی نے (کشف الخفاء) میں یہ حدیث بیہقی کے حوالہ سے بلاکسی نقد کے نقل کی ہے، اس حدیث کی سند چاہے جیسی ہو؛ لیکن علماء حق کی ایک تعداد کے یہاں یہ بات تقریباً تسلیم شدہ ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال فی الجملہ حجت ہیں، اگرچہ تفصیلات میں خاصا اختلاف ہے، اصول فقہ کی مشہور کتاب ''حسامی'' میں ابوسعید بردعی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

''تقلید الصحابی واجب یترک به القیاس لاحتمال السماع والتوقیف ولفضل إصابتهم فی نفس الرای بمشاهدة أحوال التنزیل''

''صحابی کے قول اور فعل کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائے گا؛ کیوں کہ اس کا احتمال ہے کہ صحابی کا قول وفعل اللہ کے رسول کے قول وفعل سے اخذ کیا گیا ہو اور پھر یہ بات بھی ہے کہ وہ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ اور حالات سے زیادہ واقف تھے اس لئے ان کی رائے زیادہ صحیح ہوگی''

حسامی کی شرح نامی (۸) میں امام رازی وغیرہ کا بھی یہی قول بتایا گیا ہے چنانچہ کچھ حضرات فقہاء (امام شافعیؒ امام غزالیؒ وغیرہ) کے علاوہ باقی تقریباً تمام فقہاء وعلماء کا مسلک یہ ہے کہ صحابی کا قول حجت ہے، اس کی حجیت پر سب سے تفصیلی کلام علامہ ابن تیمیہؒ کے ممتاز شاگرد امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) اپنی مشہور کتاب ''اعلام الموقعین'' میں کیا ہے اور (۴۴) دلیلیں اس پر قائم کی ہیں، یہاں یہ وضاحت کردینا ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ صحابی کے قول سے استدلال کی ضرورت اس وقت ہوگی جب ادلہ ثلاثہ (کتاب، سنت، اجماع) میں مسئلہ کا واضح جواب نہ مل رہا ہو، اسی کے ساتھ یہ قید بھی ملحوظ رہے کہ کسی صحابی کے قول کو متعین طور پر دلیل بنانے کے لیے مثبتین کے نزدیک بھی یہ ضروری ہے کہ ان کے (صحابہ) کے اقوال میں اختلاف نہ رہا ہو۔

اس تمہید کے بعد حافظ ابن قیمؒ کے کلام سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

''فالذی علیه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفیة، صرح به محمد بن الحسن ذکر عن ابی حنیفة نصا وهو مذهب مالک و اصحابه وتصرفه فی مؤطنه دلیل علیه، وهو قول اسحق بن راهویه وابی عبید وهو منصوص الامام

احمد فی غیر موضع عنه و اختیار جمهور اصحابه"

''وہ مسلک جس پر جمہور امت ہیں وہ حجت ہے اور یہ قول جمہور حنفیہ کا ہے جسکی صراحت محمد بن حسن شیبانی نے کی ہے اور امام ابوحنیفہ سے صراحتاً منقول ہے اور یہی مذہب امام مالک کا اور ان کے اصحاب کا، امام مالک نے موطا میں جو طرز اختیار کیا ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے۔ یہی قول ہے اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبید کا اور یہی امام احمدؒ سے منقول ہے مختلف مواقع پر اور امام احمد کے جمہور اصحاب پسندیدہ قول بھی یہی ہے''

اس کے بعد ابن قیمؒ نے ثابت کیا ہے (دلائل کے ساتھ) کہ امام شافعیؒ کا بھی قول جدید یہی ہے، امام موصوف کا قول قدیم ہونا تو ان کے سب اصحاب مانتے ہیں مگر اصحاب کی ایک تعداد قول جدید کو اس کے خلاف بتائی ہے، لیکن حافظ ابن قیمؒ نے بہت تفصیلی بحث کے بعد دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام صاحبؒ کا یہی قول جدید بھی ہے'' (۹)

ایک اشکال اور اس کا جواب

صحابہ کے قابل اتباع ماننے کی صورت میں ان کے بعض ایسے اعمال سے اشکال پیدا ہوتا ہے جو ان سے بشری تقاضہ سے سرزد ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی عمل کے بارے میں یقینی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ خلاف شرع ہے اس عمل کے حد تک قابل اتباع نہیں رہیں گے اور اسے مستثنیٰ کر دیا جائے گا لیکن اس استثناء کے باوجود قاعدہ اپنی جگہ درست رہے گا کہ صحابہؓ قابل اتباع ہیں، جیسا کہ قرآن مجید کی ایک آیت یا چند آیتوں کے حکم کا منسوخ ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ قرآن مجید حجت نہیں رہا۔

آخر میں مسک الختام کے طور پر یہ روایت ذکر کی جاتی ہے جس سے صحابہ کرام ﷺ کی خصوصیات اور فضلیت کا پتہ چلتا ہے:

"عن ابن مسعود قال: من كان مستنا فليستن بمن قدمات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة، اولئک اصحاب محمد ﷺ كا نو أفضل هذه الأ مة أبرها قلوبا و أعمقها علما و اقلها تكلفا اختبار هم الله لصحبة نبیه و لإقامة دینة فاعرفوا لهم فضلهم و اتبعو هم علی آثار هم و تمسكو اما استطعتم من اخلاقهم و سیرهم فانهم كانو اعلیٰ الهدی المستقیم رواه رزین" (۱۰)

''حضرت عبداللہ بن مسعود بنؓ نے فرمایا: کہ جو شخص کسی کو اپنا کامل رہبر بنانا چاہے تو اسے بنائے جو دنیا سے (بحالت سلامتیٔ ایمان و اعمال صالحہ) رخصت ہو چکا ہے، اس لیے کہ زندہ آدمی کے

بارے میں فتنہ سے حفاظت کی گارنٹی نہیں ہو سکتی اور اللہ کے رسول ﷺ کے جو ساتھی تھے وہ سب سب کے سب امت کے افضل ترین لوگ تھے ان کے قلوب نہایت پاکیزہ واطاعت شعار، علم ان کا بہت گہرا تھا اور تکلف بہت کم تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب کیا تھا اور اللہ کے دین کے قائم کرنے کے لیے لہٰذا ان کی برتری کو پہچانو! ان کے نشان قدم کا اتباع کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق وسیرت سے وابستہ رہو اس لیے کہ وہ سب کے سب سیدھی راہ پر تھے''

مراجع ومصادر:

۱۔ الصحیح لمسلم، مسلم بن الجاج القشیری (۳۱۶ھ) اصح المطابع دہلی

۲۔ مشکوۃ المصابیح، شیخ ولی الدین تبریزی (م۷۴۰ء) اصح المطابع دہلی

۳۔ الکفایة للخطیب البغدادی (م۴۲۳ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد

۴۔ أعلام الموقعین، للامام ابن القیم الجوزیة (۷۵۱ھ) مطبع دارذات سلاسل، کویت۔

۵۔ حسامی، حسام الدین بن محمد (م۶۴۴) مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

۶۔ النامی مولانا عبدالحق بن محمد امیر (۱۳۳۵ھ) داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

۷۔ کشف الخفاء محدث اسماعیل العلوبی (م۱۱۶۲ھ) داراحیاء الراک العربی، بیروت

۸۔ الا صابة فی تمییز الصعابة، حافظ ابن حجرالعسقلانی (م۸۵۲ھ) دارالکتاب العربی بیروت

۹۔ الاسیتعاب فی مرفة الأصحاب، للحافظ ابن عبدالبرا لمالکی الأ مذلسی (م۴۶۳ھ) مکتبۃ النہضۃ مصر



حوالہ جات

(۱) الإصابة فی تمیز الصحابة، للحافظ ابن حجر العسقلانی:۷/۱

(۲) ایضا

(۳) مشکوٰۃ المصابیح:۵۵۷/۲

(۴) الاصابہ

(۵) الکفایة للخطیب البغدادی:۴۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد

(۶) الاستیعاب لابن عبدالبر:۶/۱

(۷) الإصابة في تمییز الصحابة للحافظ ابن حجر العسقلانی :۱۱/۱

(۸) نامی شرح حسامی:۱۹۰/۱

(۹) إعلام الموقعین لابن القیم الجوزیة :۱۲۰/۴، نیز:۱۲۳/۴-۱۵۵

(۱۰) بحوالہ مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة :۴۳/۱

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی ☆

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ

نبوت ورسالت کے آخری سلسلہ کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر کردی گئی، اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے، آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں اور قوموں کے لیے اس کو خدا کا آخری قانون بنایا گیا، اس لیے قیامت تک اس کو محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے، ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ اس لیے قرآن کے الفاظ اور اس کے معانی دونوں کی حفاظت کی گئی ہے، جس طرح اس کی علمی حفاظت کی گئی اسی طرح عملی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا گیا۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابۂ کرامؓ کی جماعت سب سے اول ہے، ان حضرات کی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے، ان کی عقل، رزانت ومتانت پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، یہی وہ مقدس جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتصفیہ کے لیے سرورِ کائنات ﷺ کو براہ راست معلم ومزکی، استاذ ونگراں مقرر کیا گیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِيْن (۱)

بہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب کہ بھیجا ان میں ایک رسول ان ہی میں سے کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو، اور تعلیم کرتا ہے ان کو کتاب وحکمت کی اور بالیقین تھے وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی ہیں۔

چونکہ ان حضرات صحابۂ کرام کو آنحضرت ﷺ کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت سپرد کی جارہی ہے، اس لیے قرآن وحدیث میں ان کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی۔

قرآن مجید نے ان کی تعدیل کی اور ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وتقویٰ، دیانت وامانت پر شہادت دی، اور انہیں یہ

☆ بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ ورئیس مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڑھ، ومستشار مشل رئیس دولۃ الامارات العربیۃ المتحدہ

رتبہ بلند ملا کہ اس جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر عادل گواہوں کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُود (۲)

محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو ایمان دار لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں، وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدے کا نشان ہے۔

گویا محمد رسول اللہ ﷺ ایک دعویٰ ہے، اور اس کے ثبوت کے لیے حضرات صحابۂ کرامؓ کی سیرت و کردار کو بطور دلیل پیش کیا گیا، کہ جس کو آنحضرت ﷺ کی صداقت میں شک وشبہ ہوا سے آپ کے ساتھیوں کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند اخلاق وکردار کے مالک ہوں، خود وہ کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

قرآن مجید نے صحابۂ کرام کے راستہ کو ایک معیاری راستہ قرار دیا، ان کی مخالفت رسول کی مخالفت قرار دی گئی۔

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى. (۳)

اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ ﷺ کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہو، اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اولین مصداق صحابہؓ کی مقدس جماعت ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبویؐ کی صحیح شکل صحابۂ کرامؓ کی سیرت وکردار اور ان کے اخلاق واعمال کی پیروی ہے، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کرلیا جائے۔

اس قسم کی بہت سی آیات میں صحابہ کرامؓ کے مناقب وفضائل مختلف عناوین سے بیان کیے گیے ہیں، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی پہلی کڑی (معاذ اللہ) اگر نا قابل اعتماد ہو، ان کے اخلاق واعمال میں خرابی بسالی جائے، (خاکم بدہن) اگر ان کے بارے میں یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ وہ بھی حب جاہ وحب مال میں گرفتار تھے، اقرباپروری خویش نوازی میں مبتلا تھے تو دین کی ساری عمارت مسمار ہو کر رہ جائے گی۔

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب کسی خبر یا واقعہ کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح وتنقید کا نشانہ بنایا جائے، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کیا جائے، ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک بنایا جائے۔

صحابہ کرامؓ دین وشریعت کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے مذہب اسلام کے خلاف سازش کی اور اس سے لوگوں کو برگشتہ کرنا چاہا، تو سب سے پہلے صحابہؓ کو ہدف تنقید بنایا، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریات کے اختلاف کے باوجود اس میں متفق نظر آتے ہیں، ان لوگوں نے مقدس جماعت کی سیرت وکردار کو داغ دار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی، ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر حب جاہ وحب مال، غصب وخیانت، کنبہ پروری، اقربانوازی کی تہمتیں لگائی گئیں، یہی نہیں بلکہ ان کی پاکیزہ ہستیوں کو جن کے ایمان کو حق تعالیٰ نے معیار قرار دیا ہے ﴿آمنوا کما آمن الناس﴾، انہیں کے ایمان وکفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، حالاں کہ یہ وہ جماعت ہے جس نے اسلام کی آبیاری اپنے خون وپسینے سے کی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان حضرات صحابہؓ نے اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں، اپنی جائداد واملاک، حتی کہ جان عزیز تک کو راہ خدا میں قربان کرنے سے گریز نہیں کیا تھا۔

﴿رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (۴)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا، جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اس راستہ میں دے ڈالی اور بعض اس کے منتظر ہیں، اور ان کے عزم واستقلال میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

حافظ ابوزرعہ رازی جماعت صحابہ کرامؓ کی عدالت وثقاہت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی فرد پر تنقید کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ رسولؐ برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو کچھ رسولؐ لائے ہیں، وہ برحق ہے، ان سب کے ہمارے لیے صحابہ کرامؓ ناقل ہیں، یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل کردیں، اس لیے وہ خود بدرجۂ اولیٰ مجروح ہیں''۔

تقریباً حدیث کی اکثر کتابوں میں ''مناقب صحابہ'' پر مستقل ایک کتاب قائم کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات نقل کیے گیے ہیں جو اس مقدس جماعت کے مقام ومرتبہ کو اور ان کی خصوصیات وفضائل، اوصاف وکمالات کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے، اس سے آپ کا یہی مقصد تھا کہ اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ اس جماعت کو عام افراد انسانی پر قیاس نہ کیا جائے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ ہیں، ان کی محبت عین محبت رسولؐ ہے، ان کے بارے میں ادنیٰ لب کشائی نا قابل عفو جرم ہے، آپ نے فرمایا:

الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه (۵)

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیوں کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ کو اذیت پہونچائی، اور جس نے مجھ کو اذیت پہونچائی اس نے اللہ کو اذیت پہونچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہونچائی قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحابي فلو أن أحدکم أنفق مثل أحدٍ ذهبا ما بلغ مدّ أحدهم ولا نصيفه. (۶)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیوں کہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلے میں تنکے کا ہوسکتا ہے) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ایک مد جو کے برابر نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اس کے عشر عشیر کے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب میں بہت سی آیات واحادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وجميع ذلک يقتضي القطع على تعديلهم، ولا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله له إلى تعديل أحد من الخلق له على أنه لولم يرد من الله عزوجل و رسوله فيهم شيءٌ مما ذكرنا لأ وجبت الحال التي كانوا عليها في الجهاد والهجرة والنصرة وبذل المهج والأموال وقتل الآباء والأولاد والمناصحة في الدين وقوة الإيمان واليقين القطع على تعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم على أنهم أفضل من جميع الخالفين بعدهم والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم هذا مذهب كافة العلماء (۷)

یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گیے) ان کی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی ہیں، ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے، ان صحابہ کرام کے

متعلق اگر اللہ ورسول کے وہ ارشادات وارد بھی نہ ہوئے ہوتے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں ان کی مدح اور تعریف وتوثیق کی گئی ہے تب بھی ان کے جو حالات تھے، یعنی راہ خدا میں جہاد، ہجرت ونصرت، جان ومال کی قربانی، اللہ کی رضا کے لیے اپنے آباء واجداد اور اولا دوا قارب کے قتل پر آمادہ ہوجانا، اور دین کی خیر خواہی اور اللہ ورسول کی وفاداری اور ایمان ویقین کی قوت، تو جو شخص بھی ان کے حالات کو پیش نظر رکھے گا وہ قطعی طور سے ان کے عادل ہونے اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ کرے گا اور یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

اگر چہ ان کے درجات میں باہم تفاوت تھا، مگر ان کا اخلاص وللٰہیت، تقویٰ ودیانت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

اس کے بعد اگر کوئی شخص ان حضرات کو عام انسانوں کی سطح پر رکھ کر تنقیدیں شروع کردے تو اس سے یہی لازم آئے گا کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ اپنے منصب تزکیۂ نفوس کو بخوبی انجام نہیں دے سکے، یہ قرآن حکیم کی صریح تکذیب ہے۔

غرض یہ کہ صحابہ کرامؓ پر تنقید کا نتیجہ صرف انہیں تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول کتاب وسنت سب اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور دین کی پوری عمارت منہدم ہوجاتی ہے اہل حق کا یہ امتیازی نشان رہا ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی محبت وعظمت کرتے ہیں، تمام عقائد کی کتابوں میں اجماعی طور پر یہ مضمون لکھا ہوا ہے کہ: ان (صحابہ کرامؓ) کا ذکر خیر کے سوا اور کسی طرح کی تنقید کرنے سے زبان کو بند رکھا جائے۔

مگر آج موجودہ دور میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جنہیں نہ کتاب وسنت کی خبر ہے اور نہ ہی اسلامی علوم سے واقف ہیں، ان لوگوں نے تحقیق کے نام پر تحریف شروع کررکھی ہے، تاریخ کی کتابوں سے مقصد برآری کے لیے آنکھیں بند کرکے کہ روایت کا معیار کیا ہے؟ اس کا مؤلف کس پایہ کا ہے؟ صحابہ کرامؓ کی کمزوریاں ثابت کرنے کی ناپاک کوشش میں مشغول ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں بالخصوص صحاح ستہ کی روایات میں جو احتیاط رکھی گئی ہے، تاریخ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، ثانیاً یہ کہ قرآن وحدیث واہل حق کا اجماع سب اس پر متفق ہیں کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ پر نکتہ چینی نہ کی جائے، بلکہ جو روایات ان اصولوں کے خلاف ہوں وہ قابل رد ہیں۔

لیکن اگر تحقیقی جائزہ وریسرچ کے شوق میں ان سارے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا جائے تو ظاہر ہے کہ تحقیق نہیں بلکہ تحریف ہوگی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت کا کیا یہی تقاضا ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہ کرامؓ کا ذکر بالخیر ہے؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے۔

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم.(۸)
جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انھیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہو، اس پر اللہ کی لعنت، ظاہر ہے کہ اس لعنت کے مستحق ناقدین صحابہ ہی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں، انہیں جو صحبت نبوی کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتی، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب دوراں کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے، اہل حق کی یہ شان نہیں ہے کہ اپنی غلطی پر اصرار کرے، بلکہ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف لوٹ آئے، حق تعالیٰ ہماری اور پوری امت اسلامیہ کی ہر زیغ وضلال سے حفاظت فرمائے، اور ہمارے قلوب میں حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت وعظمت پیدا فرمائے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنک رحمةً إنک أنت الوهاب.

حوالہ جات

(۱) آل عمران:۱۶۴
(۲) الفتح:۲۹
(۳) سورۂ نساء:۱۱۵
(۴) الأحزاب:۲۳
(۵) سنن ترمذی:۳۸۶۲
(۶) صحیح بخاری:۳۶۷۳
(۷) الکفایۃ فی فنون الروایۃ:ص۴۹
(۸) سنن ترمذی:۳۸۶۶

مولانا عبدالرحمٰن صاحب ☆

حرمت صحابہ رضی اللہ عنہم

اسلام محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظام عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے، وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ علی صاحبھا الف الف صلوۃ وسلام کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کا علم وعمل کی حامل وامین ہو، حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی، حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرامؓ کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ کے قدموں پر نچھاور کر دیا، ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لیے سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو معلم ومزکی اور استاذ واتالیق مقرر کیا گیا، اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں، کم ہے جتنا فخر کریں، بجا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین". (۱)

''بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے''۔

☆ ناظم تعلیمات دارالعلوم حیدرآباد

نبوت کی علمی وعملی میراث کے مالک

آنحضرت ﷺ کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی، اس لیے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابل اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے، چنانچہ:

(۱) وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللٰہیت اور سیرت پر شہادت دی جیسا کہ ارشاد ہے:

"محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم، تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا، سیماھم فی وجوھھم ان اثر السجود"۔(۲)

'محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدے کے نشان ہے''۔

گویا یہاں محمد رسول اللہ (محمدؐ اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرتؐ کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپؐ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے۔

صحابہ ﷺ معیار حق ہیں

(۲) حضرات صحابہؓ کے ایمان کو ''معیار حق'' قرار دیا گیا اور ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کردی گئی: جیسا کہ ارشاد ہے:

"واذا قیل لھم آمنوا کما آمن الناس قالوا آنؤمن کما آمن السفھاء ألا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون"(۳)

''اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے، تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں''؟ سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے''۔

رضائے خداوندی کا اعلان

(۳) حضرات صحابہ کرامؓ کو رضائے خداوندی یعنی ''رضی اللّٰہ عنھم و رضو عنہ'' (اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے رضائے خداوندی کا اعلان شدت و کثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ لقب امت کا تکیۂ کلام بن گیا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر، اپنی رضا و خوشنودی کا اعلان کیا، بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے، خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہئے، کسی اور کے بارے میں تو ظن ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تو نص قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

مخالفت صحابہؓ مخالفت رسول ﷺ ہے

(۴) حضراتِ صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال اور منہج زندگی کو ''معیاری راستہ'' قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی چنانچہ ارشاد ہے:

''ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی''. (۴)

''اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ کی جبکہ اسکے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے''۔

آیت مبارکہ میں ''المومنین'' کا اولین مصداق اصحاب النبی کی مقدس جماعت ہے، رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی نجات و فلاح ان اولین حاملین قرآن و سنت کی اتباع اور پیروی کے لطیف فلسفہ ہی میں مضمر ہے، ان حضرات کی مخالفت یا عدم اتباع گمراہی کے لامتناہی سلسلوں کا باعث ہو سکتی ہے۔

(۵) اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرتؐ کے سایہء عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا جیسا کہ ارشاد ہے:

''یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم''. (۵)

''جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مؤمن ہوئے آپ کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا

ان کے آگے اور ان کے داہنے''۔

اس قسم کے بیسوں نہیں، بلکہ سینکڑوں آیات میں صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب اور حرمت کومختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی پہلی کڑی کے بارے میں فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کے علمی وعملی تدبیر نہیں کرسکی تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے، اور آپ کی تعلیم وتربیت اور دینی ودعوتی محنت کی بارآوری کا انکار ہے دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح کا نشانہ بناؤ، اور ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک ثابت کرو، صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہؓ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت وکردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گیں، ان پر مال وجاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات لگائے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو وانتہاء پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''امنوا کما امن الناس'' انہیں کے ایمان وکفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا اور تکفیر وتفسیق تک نوبت پہنچادی گئی، جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہیں کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے، جن مردان خدا کے صدق وامانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی:

''رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضىٰ نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا''. (٦)

''یہ وہ ''مرد'' ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان عزم واستقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی''۔

انہیں کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق وامانت سے موصوف تھے، نہ اخلاص وایمان کی دولت انہیں نصیب تھی، جن مخلصوں نے اپنی بیوی، بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز واقارب کو، اپنے دوست واحباب کو، اپنی ہر لذت وآسائش کو، اپنے جذبات وخواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص وہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی، ظاہر ہے کہ اگر امت ان بیہودہ اور بے اصل نظریات کو قبول کر لیتی تو دین کی پوری عمارت گر جاتی، قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے اعتبار اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لیے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے

علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے، اس کا اعلان تھا:

''واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون''.

''یعنی اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو''۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرامؓ کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق وتعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان فرمادیا:

''اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ''.

''یعنی یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفاء راشدین، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین، حضرت علی المرتضیٰؓ، رضوان اللہ علیھم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کردی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ یہ جماعت عام جماعت نہیں ہے بلکہ عدالت وثقاہت اور اخلاق واعمال کے اعلیٰ معیار پر ہے اس لیے ان کی محبت عین محبت رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل معافی جرم آپؐ نے فرمایا:

''اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، لاتتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم، ومن اذاھم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللّٰہ ومن آذی اللّٰہ فیوشک ان یأخذہ''. (۸)

''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے''۔

امت کو اس سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لیے ان پر زبان دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، رسول اللہؐ نے ارشاد ہے:

"لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ احدهم ولا نصيفه". (۹)

''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکہ کا ہوسکتا ہے، چنانچہ تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو''۔

مقام صحابہؓ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھے بلکہ، برملا اس کا اظہار کرے، محمدؐ نے فرمایا:

"اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم"(۱۰)

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت''۔

صحابہؓ پر تنقید جائز نہیں

اس حدیث پاک کے مفہوم سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں، مختصراً ان کی طرف اشارہ کردینا مفید ہوگا، ۱- حدیث میں ''سب سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ وہ قائل کے ملعون ومتروردہونے کی دلیل ہے۔ ۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والے کے اعمال کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون"

ناقدین صحابہ ﷺ کو جواب دینا واجب ہے

۳- حدیث میں ''فقولوا'' صیغہ امر ہے، جس کی رو سے صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے۔

۴- آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے ''لعنة الله علی شرکم''

۵- ''شرکم'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس میں آنحضرتؐ نے ناقدین صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مرکر

جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا؟ وہ کان سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمران کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر دیئے جاتے اور تشنہ ''کامان محبت'' ہل من مزید'' کا نعرہ مستانہ لگار ہے تھے؟

۶- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہؓ کا منشاء ناقد کا نفسیاتی شر اور تکبر ہے، آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفات میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے، اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے، یہ ہے تکبر کا وہ ''شر'' جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ''شر'' کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷- حدیث میں بحث مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کو برہم ہونے کی گنجائش نہیں، اب رہا یہ قصہ کہ ''تم دونوں میں برا'' کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

ناقدین صحابہ رضی اللہ عنہم فریق امت ہیں

۸- حدیث میں ''فقولوا'' کا خطاب امت سے ہے، گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے، بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لیے شدید وعید ہے، جیسا کہ بعض دوسرے گنہگاروں پر ''فلیس منا'' کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا، اسی طرح ناموس صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا، کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

۱۰- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہؓ کی جماعت بھی ان لوگوں میں سے ہے جن سے جہاد باللسان کا

حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃ بھی آرہا ہے، یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ قرآن وسنت شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیت منصب نبوت کے عائد کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کا بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے، حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ انا للّٰہ ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم وعمل غلط ہوا۔ نعوذ باللّٰہ من ذالک ۔ الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو:

''من آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى اللّٰه فيوشک ان يأخذه''

''جس نے ان (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے''۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقہ باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت رہا ہے، تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے:

''وتكلف عن ذكر الصحابة الا بخير''.

یعنی ہم صحابہ ﷺ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں، گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام ﷺ کا ''ذکر بالخیر'' ہے۔

حوالہ جات

(۱)　آل عمران: ۱۳۲
(۲)　الفتح: ۲۹
(۳)　البقرہ: ۱۳
(۴)　سورہ نساء: ۱۱۵
(۵)　التحریم: ۸
(۶)　الاحزاب: ۲۳
(۸)　ترمذی
(۹)　بخاری و مسلم
(۱۰)　ترمذی

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب ☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام عظمت

اہل حق کے موقف اعتدال کے آئینے میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت تک قرآن وسنت اور دین واسلام کے پہنچنے کا واحد قابل اعتماد ذریعہ ہیں، اور ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ اور کڑی ہیں، اگر انہیں درمیان سے ہٹا دیا جائے، ان پر بداعتمادی کی جائے، تو ہمارے پاس کچھ بھی دین نہیں بچ سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ وہ انبیاء کے بعد روئے زمین پر سب سے افضل انسان تھے، اسلام کی تاریخ میں کتاب وسنت کی عملی تطبیق وتنفیذ کا کام سب سے پہلے، سب سے مکمل، سب سے جامع اور مثالی انداز میں صحابہ ہی نے انجام دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگیاں مکمل پاکیزہ، ایمانی اور ربانی زندگی کا شاہ کار اور علمی وعملی تمام عظمتوں، کمالات اور محاسن کی جامع تھیں۔

کمال ایمان

قرآن وسنت میں جابجا صحابہ کے ایمان کو کامل، اسوہ اور نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

(۱) فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا. (۱)

اگر یہ (غیر مسلم) اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم (اے صحابہ) ایمان لائے ہو، تو انہیں ہدایت مل جائے گی۔

مزید فرمایا جارہا ہے:

(۲) وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ. فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً. (۲)

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد یوپی

لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت عطا کردی، ایمان کو تمہارے لئے دل پسند بنادیا، اور تم کو کفر، فسق اور نافرمانی سے متنفر کردیا، یہ (صحابہ) اللہ کے فضل وانعام سے راہِ راست پر ہیں۔

(۳) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ. (۳)

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور ان کے صحابہ کافروں کے لئے سخت اور باہم رحمت ومودت کے شاہ کار ہیں۔

اللہ کے دشمنوں کے لئے سخت، اصولی اور بے لچک موقف رکھنا اور اپنے کلمہ گو بھائیوں کے لئے رحمت، مودت اور ہمدردی کے جذبات رکھنا ایمان کا مطلوب بھی ہے اور ایمان کے کمال کی واضح دلیل بھی ہے۔ چناں چہ ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ. (۴)

جو اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ کے لئے دشمنی کرے، اس کا ایمان مکمل ہے۔

مذکورہ آیت میں صحابہ کا یہی امتیاز بتایا گیا ہے کہ ان کی محبت وعداوت، دوستی ودشمنی، تعلق وبے تعلقی کے تمام جذبات ورجحانات صرف اللہ کی مرضی کے تابع تھے، جس سے ان کے ایمان کے کمال واستحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا آبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ، اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ، وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (۵)

تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ ورسول کی مخالفت کی ہو، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، یا بھائی یا اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت اور نقش کردیا ہے، اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں، یہ اللہ کا گروہ ہے، یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

اِس آیت میں صحابہ کی ایمانی قوت اور دینی تصلب کا بڑے واضح اور بلند الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے، اسی قوتِ ایمانی کا مظہر تھا کہ صحابہ نے ایمان کی راہ میں قریب سے قریب تر رشتہ دار اور اہل تعلق سے ناطہ توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اسی ایمان کی بدولت راہِ حق کی تمام قربانیاں ان کے لئے سہل ہوگئی تھیں۔

(۵) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (۶)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے نفع کے لئے برپا کی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہاں بھی اولین خطاب صحابہ کو ہے، اور معرفت حق کا عظیم کارنامہ انجام دینے کی بنیاد پر وہ ''خیر امت'' اور ''امت وسط'' کے امتیازی القاب کے اولین مصداق بنے، اور ان کے ایمان کو کامل قرار دیا گیا۔

(۶) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِنْ رَّبِّهٖ. (۷)

بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے۔ (سنگ دلوں کے برابر ہوسکتا ہے؟)

یہاں بھی اولین مصداق صحابہ ہیں، اور ان کے کمالِ ایمان، عقیدۂ حق پر ان کے اطمینان وشرح صدر کو واضح کردیا گیا ہے۔

سنہ ۷ ہجری کے آغاز میں قیصر روم ہرقل کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی مکتوب پہنچنے کے بعد ابوسفیان سے مختلف سوالات کرتے ہوئے ہرقل نے یہ سوال بھی کیا تھا:

(۷) هَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ مِنْهُمْ سُخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ.

کیا کوئی مسلمان اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین سے نفرت کرکے مرتد ہوتا ہے؟

ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا، جس پر ہرقل نے یہ تبصرہ کیا:

كَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ. (۸)

ایمان کا یہی رنگ ہوتا ہے، جب اس کی بشاشت (انشراح کی اعلیٰ کیفیت) دلوں میں رچ بس جاتی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا گیا:

هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ؟

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنستے بھی تھے؟

انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ! وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ. (۹)

ہاں وہ ہنستے تھے، لیکن ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط تھا۔

(۹) حضرت بکر بن عبداللہ کا بیان ہے:

كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَادَحُوْنَ بِالْبِطِّيْخِ، فَإِذَا كَانَتِ الْحَقَائِقُ، كَانُوْا هُمُ الرِّجَالَ.

صحابہ خربوزے کے چھلکے (مذاقاً) ایک دوسرے کو مارتے تھے، یہ ان کی سادہ زندگی تھی؛ لیکن جب دین وایمان کا موقع آ جاتا تھا تو وہ نہایت سنجیدہ، بے لچک، ثابت قدم اور اٹل ہو جاتے تھے۔

کمالِ عبادت وعمل

ایمانیات کے بعد اعمال وعبادات کا شعبہ ہے، حضراتِ صحابہ کرام کا کردار اس باب میں بھی انتہائی اعلیٰ وارفع اور پاکیزہ وکمل نظر آتا ہے۔

قرآنِ کریم میں متعدد مواقع پر صحابہ کے اِس امتیاز کا واضح بیان آیا ہے:

(۱) تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (۱۰)

تم ان کو دیکھو گے کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں ہیں، وہ اللہ کے فضل اور رضا کی تلاش میں رہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

اعمال اور عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز ہے، مذکورہ آیت میں واضح فرمادیا گیا ہے کہ نماز صحابہ کا ایسا وظیفۂ زندگی اور لازمۂ حیات بن گیا تھا کہ عبادت، نماز، بندگی اور سجدے کے اثرات ان کے چہرے مہرے سے، چال ڈھال سے، بات چیت سے، گفتار ورفتار، سیرت وکردار، عادات واطوار ہر چیز سے نمایاں ہوتے تھے، ہر جگہ اُسی کی نمود ملتی تھی، ان کے چہروں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ برگزیدہ ترین گروہ ہے؛ اس لئے کہ خدا پرستی، عبادت وبندگی اور نماز وسجدہ کے انوار ان کے چہروں پر چمکتے، دمکتے اور جگمگاتے رہتے تھے۔

(۲) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ، وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ. (۱۱)

اے پیغمبر! آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ دوتہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات، اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں، اور آپ کے صحابہ میں سے بھی ایک جماعت ایسا ہی کرتی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کے ذوقِ عبادت، تہجد اور قیام اللیل کی پابندی اور شب بیداری کے اہتمام کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(۳) يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ، رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، يَخَافُوْنَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ. (۱۲)

ان (مسجدوں) میں صبح وشام وہ (صحابہ) تسبیح کرتے ہیں، جن کو کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے، نہ نماز قائم کرنے سے، نہ زکاۃ ادا کرنے سے، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں الٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔

(۴) اَلَّذِيْنَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ، اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (۱۳)

یہ (صحابہ) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

مذکورہ آیات میں صحابہ کے ذوقِ عبادت، ذکر الٰہی اور تسبیح ومناجات کے اہتمام کی صراحت فرمائی گئی ہے، آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ احادیث نبویہ اور اقوالِ صحابہ وتابعین میں جا بجا جماعت صحابہ کے کمالِ عمل وعبادت کا تذکرہ ملتا ہے۔ چناں چہ چند نصوص پیش کئے جاتے ہیں:

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، دیر تک بیٹھے رہے، قریب آدھی رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور ہم کو بیٹھا منتظر دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا:

اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ. (۱۴)

تم ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو جس کا تمہارے سوا کوئی انتظار نہیں کر رہا ہے۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا أَرىٰ أَحَداً يُشْبِهُهُمْ مِنْكُمْ، لَقَدْ كَانُوْا يُصْبِحُوْنَ شُعْثاً غُبْراً، وَقَدْ بَاتُوْا سُجَّداً وَقِيَاماً، يُرَاوِحُوْنَ بَيْنَ جِبَاهِهِمْ وَخُدُوْدِهِمْ، وَيَقِفُوْنَ عَلىٰ مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِكْرِ مَعَادِهِمْ، كَأَنَّ بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ رُكَبَ الْمِعْزىٰ مِنْ طُوْلِ سُجُوْدِهِمْ، إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ هَمَلَتْ أَعْيُنُهُمْ حَتّٰى تَبُلَّ جُيُوْبُهُمْ، وَمَادُوْا كَمَا يَمِيْدُ الشَّجَرُ يَوْمَ الرِّيْحِ الْعَاصِفِ، خَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ وَرَجَاءً لِلثَّوَابِ، مُرْهَ الْعُيُوْنِ مِنَ الْبُكَاءِ، خُمْصَ الْبُطُوْنِ مِنَ الصِّيَامِ، ذُبُلَ الشِّفَاهِ مِنَ الدُّعَاءِ، صُفْرَ الْأَلْوَانِ مِنَ السَّهَرِ، عَلىٰ وُجُوْهِهِمْ غَبَرَةُ الْخَاشِعِيْنَ، أُولٰئِكَ اِخْوَانِيَ الذَّاهِبُوْنَ، فَحَقٌّ لَنَا اَنْ نَظْمَأَ إِلَيْهِمْ، وَنَعَضَّ الْأَيْدِيَ عَلىٰ فِرَاقِهِمْ. (۱۵)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایسی شان دیکھی ہے کہ میں تم سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں پاتا، وہ صبح اس حال میں نظر آتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے، غبار آلود ہوتے، رات انہوں نے سجدے اور قیام میں گذاری ہوتی، کبھی اپنی پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی اپنے رخساروں پر، قیامت کی یاد سے ایسے بے چین نظر آتے تھے جیسے انگاروں پر کھڑے ہوں، ان کی پیشانی (کثرت وطولِ سجود سے) ایسی سخت وخشک معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ، اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں ایسی اشک بار ہوجاتیں کہ ان کے گریبان ودامان تر ہوجاتے، اور وہ اس طرح سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں لرزتے ہوئے نظر آتے، جیسے تیز آندھی کے وقت درخت، ان کی آنکھیں فرطِ گریہ سے سفید تھیں، ان کے پیٹ روزوں کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہوتے، ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہوتے، ان کے رنگ بے خوابی اور بیداری کی وجہ سے زرد ہوتے، ان کے چہروں پر اہل خشیت کی اداسی ہوتی، یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے چلے گئے، ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے ملنے کی پیاس پیدا ہو، اور ہم ان کی جدائی پر ہاتھ ملیں۔

صحابہ کے کردار اور عبادت وعمل اور سیرت وحیات کی منظر کشی اس سے زیادہ جامع، حقیقت پسندانہ اور اعلیٰ الفاظ واسلوب میں نہیں کی جاسکتی۔

کمالِ تقویٰ

ایمانی زندگی کی اساس اور بنیاد تقویٰ ہے، جو انتہائی جامع اور ہمہ گیر مفہوم کی حامل حقیقت ہے، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وحیات تقویٰ کی شاہ کار سیرت وحیات ہے، قرآن وسنت اور احادیث وآثار میں اس کی صراحت مختلف انداز واسلوب میں آئی ہے۔

(۱) اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ لِلتَّقْوٰی، لَہُمْ مَغْفِرَۃٌ وَاَجْرٌ عَظِیْمٌ. (۱۶)

یہ (صحابہ) وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے (اور خاص کرلیا ہے) ان کے لئے مغفرت اور عظیم اجر ہے۔

(۲) وَاَلْزَمَہُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِہَا وَاَہْلَہَا. (۱۷)

اور اللہ نے ان (صحابہ) کو تقوے کی بات پر جمائے رکھا، اور وہی اس کے زیادہ حق دار اور اہل تھے۔

(۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ، وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَاناً، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (۱۸)

مؤمن تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں، اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۴) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصَّابِرِيْنَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (۱۹)

اور خوش خبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو عاجزانہ روش اختیار کرنے والے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں، اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

ان آیات میں اولین مصداق صحابہ ہیں، اور ان سے ان کے کمالِ تقویٰ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

حاصل یہ کہ انبیاء کے بعد صحابہ کرام کی جماعت انسانی عالمی مرقع کی سب سے حسین ودل آویز تصویر کہلانے کی مستحق ہے، اس جماعت کا ہر ہر فرد فیض نبوی کی وجہ سے نبوت کا شاہکار اور پوری نسل انسانی کے لئے باعث شرف وافتخار ہے، اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ:

''انسانیت کے مرقع میں؛ بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دل کش ودل آویز تصویر نہیں ملتی، جو صحابہ کی زندگی میں نظر آتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھا، جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دئے تھے، ان کا معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی، تربیت ایمانی اور تعلیماتِ قرآنی پر پڑی تھی، ایک بے خار انسانی گلدستہ تھا، جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی''۔ (۲۰)

اہل السنّت والجماعت کا موقف

اہل السنّت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کی شان میں بدگوئی، بداعتقادی اور بدگمانی سب حرام ہے، یہ زندیقوں کا عمل ہے، صحابہ سے بغض ایمان کے منافی ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے، انصارِ مدینہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

لاَ يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ. (۲۱)

ان سے مؤمن ہی محبت کرتا ہے، اوران سے منافق ہی بغض رکھتا ہے۔

صحابہ کی شان میں بدکلامی اوران کو مجروح کرنا اصلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، شخصیت اور مشن کو مجروح کرنا ہے، یہ رافضیت اور شیعیت کی علامت ہے۔

تراجم اور سیر کے مستند عالم علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

فَمَنْ طَعَنَ فِيْهِمْ اَوْ سَبَّهُمْ، فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الدِّيْنِ، وَمَرَقَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (۲۲)

جس نے صحابہ پر طعن کیا یاان کو گالی دی، وہ دین سے خارج اور مسلمانوں سے الگ ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے اپنی ''کتاب الکبائر'' میں ''اَلْكَبِيْرَةُ السَّبْعُوْنَ: سَبُّ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ: (سترواں کبیرہ گناہ: صحابہ میں سے کسی کو برا کہنا) کا عنوان قائم کیا ہے، اور متعدد احادیث کی روشنی میں واضح طور پر ثابت فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ کی شان میں معمولی گستاخی بھی بدترین گناہ اور سنگین جرم ہے، انہوں نے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِيْ وَاخْتَارَلِيْ اَصْحَاباً، فَجَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ وُزَرَاءَ وَأَنْصَاراً وَأَصْهَاراً، فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ مَعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفاً وَلاَ عَدْلاً. (۲۳)

بلاشبہ اللہ نے مجھے منتخب فرمایا ہے، اور میرے لئے صحابہ منتخب فرمادئے، پھران میں سے میرے لئے وزیر، مددگار اور سسرالی رشتہ کے قرابت دار بنادئے، پس جوان کو برا کہے، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ اس سے قیامت کے دن نہ فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔

مشہور محدث امام ابوزرعہ رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ اَحَداً مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيْقٌ، وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ، وَالْقُرْآنَ حَقٌّ، وَمَا جَاءَ بِهٖ حَقٌّ، وَاِنَّمَا رَوىٰ اِلَيْنَا ذٰلِكَ كُلَّهُ الصَّحَابَةُ، وَهٰؤُلاَءِ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَجْرَحُوْا الصَّحَابَةَ لِيُبْطِلُوْا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ، فَهُمْ زَنَادِقَةٌ. (۲۴)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کررہا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، ایسا اس لئے ہے کہ رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے، رسول کی لائی ہوئی تعلیمات برحق ہیں، اور یہ سب چیزیں ہم تک صحابہ کی روایت سے ہی پہنچی ہیں، اب یہ (مخالفین) کتاب وسنت کو باطل

کرنے کے لئے صحابہ کو مجروح کرنا چاہتے ہیں؛ اس لئے یہ زندیق ہیں۔

امام نووی شرح مسلم میں وضاحت کرتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ سَبَّ الصَّحَابَةِ حَرَامٌ مِنْ فَوَاحِشِ الْمُحَرَّمَاتِ. (۲۵)

جان کہ صحابہ کو برا کہنا حرام ہے، انتہائی بے ہودہ عمل اور سخت ممنوع ہے۔

مذکورہ تفصیل سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک حضرات صحابہ کے اقوال، افعال، آراء، اجماعات اور فہم سب حجت و معتبر ہیں، اور ان کی ادنیٰ تنقیص اور بدگمانی، بداعتقادی، بدگوئی اور ان پر تبصرہ انتہائی بے ہودہ حرکت اور حرام ہے۔

عدالتِ صحابہ اور گمراہ فرقے

صحابۂ کرام کی مطلق عدالت وثقاہت امت کا اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے؛ لیکن اس باب میں بعض گمراہ فرقوں کا کردار بے حد گھناؤنا ہے۔

گمراہ فرقوں کے متعدد، معروف نمائندوں اور ترجمانوں کی طرف سے تقریراً اور تحریراً بعض صحابہ کرام کے فاسق اور غیر عادل ہونے کی صراحت کی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت ولید بن عقبہ، اور حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے بارے میں نعوذ باللہ فاسق ہونے کی بات گمراہوں کی طرف سے بڑی جسارت کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

غور فرمایا جائے یہ حضرات صحابہ کی شان میں آخری درجہ کی گستاخی کے جملے ہیں، قرآنِ کریم کی سورۃ الحجرات کی آیت ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. (۲۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچادو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔

اس آیت کا پس منظر ایک واقعہ ہے، قبیلۂ بنو المصطلق کی زکاۃ وصول کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ صحابی کو بھیجا، جب یہ اُس بستی کے قریب پہنچے، تو وہ لوگ ان کے استقبال کے لئے جمع تھے، کسی نے حضرت ولید کو یہ بتادیا کہ یہ لوگ لڑائی کے لئے جمع ہیں۔ چناں چہ حضرت ولید وہیں سے واپس ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ لوگ تو لڑائی کے ارادے میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو مقرر فرمایا کہ تحقیق کریں، اور اگر ایسا ہی ہو تو ان سے

جہاد کریں، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ تو استقبال کے لئے آئے تھے نہ کہ لڑائی کے لئے، اس پر یہ آیت اتری۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بعض گمراہوں نے ''فاسق'' کا مصداق حضرت ولید کو قرار دیا، اور اس بنیاد پر عدالت صحابہ کے منکر ہو گئے، جب کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اولاً تو سند کے لحاظ سے اس واقعہ کی روایات کم زور، متعارض اور مختلف ہیں؛ لہٰذا نا قابل استدلال ہیں، دوسرے یہ کہ اس واقعہ میں حضرت ولید نے غلط فہمی کی بنیاد پر واپسی کا اقدام کیا، جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولے، اس لئے ان کو ''فاسق'' کہنا بالکل غلط ہے۔

اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ابن جریر طبریؒ کے بقول اس آیت میں ''فاسق'' کا مصداق حضرت ولید نہیں؛ بلکہ وہ شیطان ہے جس نے انسانی شکل میں آ کر حضرت ولید کو بتایا کہ یہ لوگ تمہارے قتل کے ارادے سے جمع ہیں۔ (تفسیر طبری: ۲۸۶/۲۲) لہٰذا یہ لفظ صحابی پر نہیں، اُس جھوٹے مخبر پر چسپاں ہوتا ہے۔

اہل السنّت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں، ان میں کوئی ایک بھی فاسق و فاجر نہیں ہے، حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے:

فَهُمْ خَيْرُ الْقُرُوْنِ وَخَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، ثَبَتَتْ عَدَالَةُ جَمِيْعِهِمْ بِثَنَاءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِمْ، وَثَنَاءِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا اَعْدَلَ مِمَّنْ ارْتَضَاهُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَنُصْرَتِهٖ، وَلَا تَزْكِيَةَ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ، وَلَا تَعْدِيْلَ أَكْمَلُ مِنْهُ. (۲۷)

صحابہ خیر القرون ہیں، خیر امت ہیں، انہیں انسانوں کی ہدایت کے لئے برپا کیا گیا ہے، تمام صحابہ کا عادل ہونا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح وثناء سے ثابت ہے، اس سے بڑھ کر کوئی عادل نہیں ہو سکتا، جسے اللہ نے اپنے نبی کی رفاقت اور نصرت کے لئے پسند فرمایا ہو، نہ اس سے بڑھ کر کوئی تزکیہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے مکمل کوئی تعدیل، تصدیق اور توثیق ہو سکتی ہے۔

امام ابن الاثیر جزریؒ لکھتے ہیں:

اَلصَّحَابَةُ يُشَارِكُوْنَ سَائِرَ الرُّوَاةِ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ اِلَّا فِي الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ، فَاِنَّهُمْ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ، لَا يَتَطَرَّقُ اِلَيْهِمُ الْجَرْحُ، لِاَنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ زَكَّيَاهُمْ وَعَدَّلَاهُمْ، وَذٰلِكَ مَشْهُوْرٌ لَا يُحْتَاجُ لِذِكْرِهٖ. (۲۸)

صحابہ حفظ واتقان کے تمام اوصاف میں عام راویوں کے ساتھ شریک ہیں، مگر جرح وتعدیل میں شریک نہیں ہیں؛ اس لئے کہ وہ سب عادل ہیں، ان پر جرح راہ نہیں پا سکتی؛ کیوں کہ اللہ ورسول نے ان کو پاک صاف، ثقہ اور عادل قرار دیا ہے، اور یہ اتنی مشہور حقیقت ہے جس کے تذکرے کی حاجت نہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى قُبُوْلِ شَهَادَاتِهِمْ وَرِوَايَاتِهِمْ وَكَمَالِ عَدَالَتِهِمْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ. (۲۹)

تمام اہل حق صحابہ کی گواہی اور روایات کے مقبول ہونے پر اور ان کے مکمل عادل ہونے پر متفق ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں عدالت صحابہ کے عنوان سے پوری فصل لکھی ہے، اور واضح کیا ہے کہ تمام اہل السنّت والجماعت باتفاقِ رائے تمام صحابہ کی عدالت وثقاہت اور شانِ صحابیت کی بے مثال عظمت کے قائل ہیں۔ (۳۰) خطیب بغدادی نے مختلف اہل علم سے تمام صحابہ کے حجت اور ثقہ ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ (۳۱)

مقام فکر ہے کہ جس جماعت صحابہ کو قرآن وسنت کی تصریحات بلا استثناء عادل وصالح قرار دے رہی ہیں، اور جس کے تقویٰ وتدین کی شہادت قرآن میں خدائے عزوجل نے بار بار دی ہے، اس جماعت کے تعلق سے گمراہوں کا گستاخ ودریدہ دہن طبقہ فسق وفجور کی نسبت کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کی زبان میں اس طرزِ عمل پر یہی کہا جاسکتا ہے:

سُبْحَانَكَ، هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ، يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (۳۲)

یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے، اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر دوبارہ کبھی ایسی حرکت مت کرنا، اگر تم ایمان والے ہو۔

اہل السنّت والجماعت کا موقفِ قطعی صحابہ تمام بعد والوں سے افضل ہیں

اہل السنّت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ قرنِ اول سے ہے کہ صحابہ کا قول بھی حجت ہے، عمل بھی حجت ہے، فہم بھی حجت ہے، اجماع بھی حجت ہے، کسی صحابی کی تنقیص جائز نہیں ہے، تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہم کہا جائے، غیر صحابی اپنے تمام ترعلم وتدین کے باوجود کسی صحابی کے مقام بلند کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے سوال کیا گیا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ سوال کرنے والے نے حضرت معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تقابل کرنا چاہا تھا، اور اس کے ذہن میں یہ رہا ہوگا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ مقبول اور ہر نزاع سے پاک تابعی ہیں، جب کہ حضرت معاویہ صحابی کی شخصیت متعدد نزاعات کی وجہ سے کچھ باطل پرست طبقات کے نزدیک نعوذ باللہ داغ دار ہے، حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں داخل ہونے والا غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے، وضاحت کردی گئی کہ بڑے سے بڑا تابعی اور ولی صحابی کے مقام بلند تک نہیں پہنچ سکتا۔ (۳۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرُّهَا قُلُوْباً، وَأَعْمَقُهَا عِلْماً، وَأَقَلُّهَا تَكَلُّفاً، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ. (۳۴)

جسے پیروی کرنا ہو، ان کی پیروی کرے جو وفات پا چکے ہیں؛ کیوں کہ زندہ پر فتنے سے بے خوف نہیں ہوا جا سکتا، صحابہ کرام کی پیروی کرو، یہ اس امت کے سب سے برگزیدہ سب سے نیک دل، سب سے گہرے اور پختہ علم والے، سب سے کم تکلف والے لوگ تھے، اللہ نے ان کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی تنفیذ کے لئے منتخب کیا تھا، تم ان کے فضل کو پہچانو، ان کے نقش قدم کی پیروی کرو، اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق و کردار کو مضبوطی سے تھام لو، اس لئے کہ وہ سیدھی راہِ ہدایت پر گامزن تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر بلندیٔ شان کے باوجود چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہو سکے، اس لئے ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکے، کسی شخص نے عبد اللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز؟ جواب میں فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبد العزیزؒ سے کئی گنا بہتر ہے''۔ (۳۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَباً، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ. (۳۶)

میرے صحابہ کو گالی مت دو، برا مت کہو، (ان کا مقام تو یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کرے، تو وہ صحابہ کے ایک مد اور آدھے مد (ایک سیر اور آدھے سیر) کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کو یہ امتیازی مقام اس لئے نصیب ہوا تھا کہ انہوں نے مشکل گھڑیوں میں اللہ و رسول کے لئے جان، مال ہر طرح سے قربانی دی تھی، ہر حکم کی تعمیل کی تھی، ہر کام کے لئے اپنے کو وقف کر دیا تھا، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا جب فضا بالکل ناساعد تھی، حالات انتہائی ناسازگار تھے، زمین بے حد ناہموار تھی، انہوں نے بے اعترافی کے ماحول میں اعتراف کیا تھا، ناقدری کے حالات میں قدردانی کی تھی، جب آنکھ والے بھی حق سے اندھے بنے ہوئے تھے، صحابہؓ نے اُس وقت بینا ہونے کا ثبوت دیا تھا، جہاں کان والے بھی حق کی صدا سننے کو تیار نہ تھے، صحابہ نے وہاں حق کی صدا نہ صرف سنی تھی؛ بلکہ پورے عالم کو سنائی تھی، اسی لئے قرآنِ کریم میں بلاواسطہ ان کے اوصاف کا ذکر جمیل اِس طرح آیا ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ.(۳۷)

(ان کی شان یہ ہے کہ وہ) توبہ کرنے والے، اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں جو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں ان میں انتہائی خاص حکیمانہ ترتیب موجود ہے، اور ان اوصاف سے نمایاں طور پر صحابہ کی عظمت، مقام اور انبیاء کے بعد ہر طبقۂ انسانی پر ان کی برتری کو سمجھا جاسکتا ہے۔امام نوویؒ نے شرح مسلم میں قاضی عیاضؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

وَاِنَّ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاٰهُ مَرَّةً مِنْ عُمْرِهٖ، وَحَصَلَتْ لَهٗ مَزِيَّةُ الصُّحْبَةِ، اَفْضَلُ مِنْ كُلِّ مَنْ يَّاْتِيْ بَعْدُ، فَاِنَّ فَضِيْلَةَ الصُّحْبَةِ لَا يَعْدِلُهَا عَمَلٌ. (۳۸)

جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی، زندگی میں ایک بار بھی آپ کو دیکھ لیا، اور اس کو صحبت کا شرف حاصل ہوگیا، وہ بعد میں آنے والے ہر شخص سے افضل ہے؛ اس لئے کہ صحبتِ نبی کی فضیلت کے برابر کوئی بھی عمل نہیں ہوسکتا۔

یہی ہر دور میں اہل حق کا متفقہ عقیدہ رہا ہے، اور جو اس عقیدے سے منحرف ہوا اسے گمراہی کے کھڈ میں گرنا پڑا ہے۔

صحابہ کے باب میں علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک صحابہ کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے، ان کے فتاویٰ میں جگہ جگہ اقوالِ صحابہ، افعالِ صحابہ، اجماعاتِ صحابہ، آراء صحابہ اور فہم صحابہ سے استدلال اور ان پر مکمل اور راسخ اعتماد

واعتبار کا اظہار موجود ہے۔

انہوں نے وضاحت کی ہے کہ:

وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الصَّحَابَةَ فِيْ عَهْدِهٖ وَبَعْدَهٗ، أَفْضَلُ مِنَّا، وَاَتْبَعُ لِلسُّنَّةِ، وَأَطْوَعُ لِأَمْرِهٖ. (۳۹)

یہ حقیقت معلوم ہے کہ صحابہ عہد نبوی میں اور اس کے بعد بھی ہم سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سب سے زیادہ متبع اور حکم نبوی کے سب سے بڑھ کر مطیع تھے۔

مزید لکھتے ہیں:

بَلْ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْنَ هُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِسُنَّتِهٖ وَأَرْغَبُ النَّاسِ فِيْ اتِّبَاعِهَا. (۴۰)

بلکہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور ان کی اتباع کا سب سے زیادہ شوق وذوق رکھنے والے لوگ تھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

وَمَا سَنَّهُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ فَإِنَّمَا سَنُّوْهُ بِأَمْرِهٖ، فَهُوَ مِنْ سُنَّتِهٖ. (۴۱)

خلفائے راشدین جو طریقۂ عمل جاری کریں وہ حضور کے حکم سے ہے، اسی لئے وہ آپ کی سنت ہے۔

وضاحت کرتے ہیں:

فَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَطْعِيَّةٌ. (۴۲)

صحابہ کا اجماع دلیل قطعی ہے۔

یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضرات صحابہ کا جب کسی بات پر اتفاق ہوجائے تو وہ بات باطل نہیں ہوسکتی۔ (۴۳) اور قرآن وسنت، اجماع وقیاس کی دلالت کی بنیاد پر صحابۂ کرام امت میں سب سے کامل وافضل ہیں، امت میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو صحابہ کی فضیلت کا معترف نہ ہو، اور اس باب میں اختلاف ونزاع کرنے والے جاہل ہیں۔ (۴۴)

علامہ ابن تیمیہ کی عبارات سے ان کا یہ موقف بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ ان کے نزدیک صحابہ کے اقوال وافعال حجت ہیں، صحابہ کا کسی کام کو انجام دینا اُس کے سنت شرعیہ ہونے کی علامت ہے، صحابہ پوری امت میں سب سے زیادہ سنتوں کے عالم، سب سے زیادہ متبع ومطیع تھے، خلفائے راشدین کے فرامین، اعمال وارشادات سنت نبویہ کے مطابق ہوتے تھے، ان کا عمل معتبر وحجت ہے، وہ کبھی بدعت نہیں ہوسکتا، ان کا جاری کردہ عمل شریعت ہے، صحابہ کا اجماع قطعی دلیل ہے، صحابہ کی تنقیص حرام

اور روافض کا شعار ہے، اور زندیقوں اور جاہلوں کا طریقہ ہے۔ (۴۵)

امام ابن تیمیہؒ نے حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابوسفیان، عمرو بن عاص، معاویہ، ابوذر اور حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں انتہائی بلند کلمات لکھے ہیں، ان کی عظمتوں کا صراحۃً ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جو گمراہوں کی ملامتوں، تبصروں، گستاخیوں اور توہین کا ہدف ہیں (جیسا کہ ذکر آ چکا ہے) اصحاب عقل خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ گمراہوں کے اور علامہ ابن تیمیہ کے مسلک میں کتنا فرق ہے؟ اور کس طرح ابن تیمیہ صحابہ کے باب میں جمہور کے ہم خیال اور عظمت صحابہ کے پرجوش قائل وترجمان ہیں۔

صحابۂ کرام علماء دیوبند کی نگاہ میں

علمائے دیوبند مسلک اہل السنّت والجماعت کے اصل ترجمان، حامل، نقیب اور داعی ہیں، اور اپنی تاب ناک تاریخ کے ہر مرحلے میں علمائے دیوبند نے مسلک حق کی ترجمانی، احقاقِ حق، ابطالِ باطل اور موقف حق پر استقامت کا جو کردار پیش کیا ہے، وہ انتہائی روشن، بے مثال اور سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

حضراتِ صحابہ کرام کے تعلق سے علمائے دیوبند کا موقف بعینہٖ وہی ہے جو گذشتہ صفحات میں اہل السنّت والجماعت کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے، علمائے دیوبند صریح الفاظ میں جماعت صحابہ کی مکمل عدالت، ثقاہت، فقاہت، تمام بعد والوں سے ان کی افضلیت، معتبریت، کمالِ علمی وعملی اور تا قیامت ہر دور کے لئے ان کے اسوہ ومعیارِ حق ہونے کے نہ صرف قائل ہیں؛ بلکہ پرزور داعی ہیں، اور اس کے خلاف کسی موقف کو وہ صحابہ کی تنقیص اور دین کی بنیادیں منہدم کرنے کی سازش کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

اکابر دیوبند کی تحریرات میں اس موقف کے تعلق سے بڑی تفصیلات موجود ہیں، اُن سب کو یہاں ذکر کرنا موجب طوالت ہے، تاہم چند نمایاں اکابر کی تحریروں کے کچھ اقتباسات بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے صحابہ کی عظمت، اُن کے اقوال وافعال کے معتبر وحجت اور ان کے معیارِ حق ہونے پر انتہائی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''چوں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، اُن ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے کتاب اللہ بھی امت کو پہنچی ہے اور سنت بھی، اس لئے وہی مدارِ دین ہیں، اگر وہ معتمد علیہ ہیں، تب تو کتاب وسنت پر اعتماد ہو سکتا ہے، ورنہ تمام دینی عمارت کھوکھلی اور ناپائیدار ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے زنادقہ اور مبتدعین نے ہمیشہ اس جماعت صحابہ کو مطعون کرنے کی کوشش بلیغ کی ہے......
>
> خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حق تمام اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل اور ثقہ ہیں، ان کی روایات اور شہادتیں مقبول اور معتمد علیہ ہیں، ان میں کوئی جرح اور تنقید نہیں

ہوسکتی، دلائل نقلیہ اور عقلیہ کثیرہ شہیرہ اس پر قائم ہیں، ان ہی کے ذریعہ سے دین بعد والوں کو پہنچا ہے، وہی مدارِ دین اور معیارِ حق ہیں، اور ان کی ہی تابع داری بعد والوں کے لئے ضروری ہے...... تمام امت کو ان کی تقلید اور ان کے ہی ساتھ رہنا واجب ہے، یہ مسئلہ اصولی ہے، اور معمولی اصولی نہیں؛ بلکہ اسی پر تمام دین، کتاب وسنت کا مدار ہے''۔ (۴۶)

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد تصانیف میں صحابہ کے مقام کی وضاحت فرمائی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو پہچاننے کے لئے حضرات صحابہ ہی کی زندگی معیار ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ یہی وہ مقدس طبقہ ہے جس نے براہِ راست فیضانِ نبوت سے نور حاصل کیا اور اُسی پر آفتابِ نبوت کی کرنیں بلا کسی حائل وحجاب کے بلاواسطہ پڑیں؛ اس لئے قدرتی طور پر جو ایمانی حرارت اور نورانی کیفیت اُن میں آسکتی تھی، وہ بعد والوں کو میسر آنی طبعاً ناممکن تھی، اس لئے قرآنِ حکیم نے من حیث الطبقہ اگر کسی پورے کے پورے طبقہ کی تقدیس کی ہے، تو وہ صحابۂ کرام ہی کا طبقہ ہے، اس نے اُنہیں مجموعی طور پر راضی ومرضی اور راشد ومرشد فرمایا، ان کے قلوب کو تقویٰ وطہارت سے جانچا پرکھا...... اس لئے امت کا یہ اجماعی عقیدہ مسلسل ومتواتر چلا آرہا ہے کہ صحابہ کل کے کل عدول اور متقن ہیں، اُن کے قلوب ونیات کھوٹ سے بری ہیں، اور ان کا اجماع شرعی حجت ہے، جس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس لئے بہر حال صحابہ کے ہی مقدس طبقہ کو بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ وہ کمالاتِ نبوی کا آئینہ دار اور جمالاتِ رسالت کا مظہر اتم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاداتِ کریمہ، خصائل حمیدہ، شمائل فاضلہ، اخلاقِ عظیمہ اور شریعت کے تمام مسائل ودلائل اور حقائق وآداب کا علماً وعملاً سچا ترجمان ہے، اور اس لئے ان کی راہ کا اتباع ایک بے غل وغش اور مطمئن راستہ ہے جو امت کو ہر گمراہی سے بچاسکتا ہے''۔ (۴۷)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''علمائے دیوبند اُن (صحابہ) کی اس عمومی عظمت وجلالت کی وجہ سے انہیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں، اور بعد والوں کی نجات انہیں کے علمی وعملی اتباع کے دائرے میں منحصر سمجھتے ہیں؛ لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لئے ماننے لگیں...... جو فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدول ومتقن مانتا ہے، وہی فرقہ حسب ارشادِ نبوی فرقہ حقہ ہے، اور وہ الحمد للہ اہل سنت والجماعت ہیں جن کے سچے علم بردار علمائے دیوبند ہیں، اور جو فرقہ ان کے بارے میں بدگمانی یا بدزبانی یا بے

ادبی کا شکار ہے، وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے؛ کیوں کہ شریعت کے باب میں ان کے بارے میں کسی ادنیٰ دغل کا توہم پورے دین پر سے اعتماد ہٹا لینے کے مرادف ہے،...... اس لئے حسب مسلک علمائے دیوبند جہاں وہ منفرداً اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی اور نقی اور صفی ووفی ہیں، وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی ان ہی کے اتباع میں منحصر ہے، اور وہ بحیثیت قرنِ خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لئے نبی کے قائم مقام اور معیارِ حق ہیں''۔(۴۸)

(۳) محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی قدس سرہ نے اپنی تالیفات اور بطور خاص ''عظمتِ صحابہ'' میں بہت تفصیل سے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے، فرماتے ہیں:

''صحبت رسول اتنا بڑا شرف، اتنی بڑی بزرگی اور ایسی منقبت ہے، جس میں کوئی غوث، کوئی قطب اور کوئی ولی ان کا شریک وحصہ دار نہیں ہے، اور نہ ان میں سے کوئی کسی صحابی کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے......اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ صحابہ کل کے کل عدل ہیں، ان میں کوئی بھی فاسق وفاجر نہیں ہے''۔(۴۹)

(۴) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''اہل السنّت والجماعت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابہ کرام ہی کا درجہ ہے، حضرات صحابہ کرام اگر چہ معصوم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے گناہ مغفور ہیں، ان کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کرنا درست ہے، ان میں سے کسی کو برا کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے،......اس آزادی کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حق شناسی اور ان کے ادب واحترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے؛ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالاں کہ صحابہ کرام دین کی بنیاد ہیں، دین کے اصول پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے''۔(۵۰)

(۵) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام جس مقدس گروہ کا نام ہے، وہ امت کے عام افراد ورجال کی طرح نہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں، یہ مقام وامتیاز ان کو قرآن وسنت کی نصوص وتصریحات کا عطا کیا ہوا ہے، اور اسی لئے اس پر امت کا اجماع ہے، اس کو تاریخ کی صحیح وسقیم روایات کے انبار میں گم

نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی روایت ذخیرۂ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کو مجروح کرتی ہو، تو وہ بھی قرآن وسنت کے نصوصِ صریحہ اور اجماع امت کے مقابلہ میں متروک ہوگی، تاریخی روایات کا تو کہنا کیا ہے''؟(۵۱)

مذکورہ بالا اقتباسات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں علماء دیوبند کا موقف حق واعتدال بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک اہم حقیقت

ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ صحابہ معصوم ہیں، اوران سے کوئی خطا نہیں ہوسکتی، عصمت لوازم نبوت میں سے ہے، غیر نبی کوئی انسان معصوم نہیں ہوسکتا؛ لیکن ہم پورے وثوق واعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام محفوظ من اللہ تھے، جو ولایت کا انتہائی اعلیٰ مقام ہے، صحابہ نعوذ باللہ نبی نہیں تھے، مگر تقدس کے انتہائی عظیم مقام پر تھے، وہ صفاتِ بشریت، لوازم بشریت اور ضروریات بشری کے پابند تو تھے؛ لیکن عام بشر کی سطح سے بلند متعدد غیر معمولی امتیازات کے حامل بھی تھے، ان کو ولایت، عدالت اور تقویٰ کا جو مقام عالی ملا تھا، وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا، ان کو نور نبوت سے براہِ راست بلا واسطہ کسب فیض کا موقع ملا تھا، اس لئے ان کے دل صیقل ہو چکے تھے، ان سے خطا ہوتی تھی، مگر وہ خطا پر باقی نہیں رہ سکتے تھے؛ بلکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کے بقول: ''خطاؤں کے کام ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکوینی طور پر کرائے گئے۔(۵۲) اور امت کی تعلیم کے لئے مشاجراتِ صحابہ کا وجود میں آنا ضروری تھا۔(۵۳) اور صحابہ سے گناہ سرزد ہونے میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں، اور ان خطاؤں کا صادر ہونا انکے بلند مرتبہ کے منافی نہیں ہے۔(۵۴)

صحابہ سے کبھی کوئی خطا ہوتی تھی تو فوراً انہیں احساسِ ندامت ہوتا تھا، توبہ کی توفیق ملتی تھی، یہ کوئی طلسماتی بات نہیں، حقیقت واقعہ ہے جس کی شہادت ہماری تاریخ میں موجود ہے، ہم میں اور صحابہ میں یہی فرق ہے کہ وہ معیارِ حق ہیں، عادل ہیں، معتمد ہیں، ان کو محفوظیت کا مقام حاصل تھا، حضرت غامدیہؓ سے زنا سرزد ہوتا ہے، خود احساس ہوتا ہے، اقرارِ جرم کرتی ہیں، سزا دی جاتی ہے، سنگ سار کیا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ. (۵۵)

اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ مدینہ کے ستر گنہگاروں میں تقسیم کردی جائے تو سب کی معافی کے لئے کافی ہوجائے۔

لمحۂ فکریہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات ہمارے لئے بہت بڑا سامانِ عبرت ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کی شان میں گستاخی کرنے والے گمراہوں کو یہ ارشادات پیش نظر رکھ کر اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ ارشاد نبوی ہے:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِيْ، فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ. (۵۶)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں، تو کہہ دو: اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر یا تم میں سے برے پر۔

مزید فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ يُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ. (۵۷)

میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانۂ تنقید مت بناؤ، کیوں کہ جو ان سے محبت کرے گا، وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا، اور جو ان سے بغض رکھے گا، وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جو ان کو ستاتا ہے وہ یقیناً مجھے ستاتا ہے، اور جو مجھے ستاتا ہے وہ یقیناً اللہ کو ستاتا ہے، اور جو اللہ کو ستاتا ہے، قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب کی گرفت میں لے لے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَقَامُ أَحَدِهِمْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً. (۵۸)

تم صحابہ کرام کو برا مت کہو؛ اس لئے کہ کسی صحابی کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ دیر رہنا تمہارے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے:

وَاللّٰهِ لَمَشْهَدُ رَجُلٍ مِنْهُمْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَغْبَرُّ فِيْهِ وَجْهُهُ، خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ، وَلَوْ عُمِّرَ عُمْرَ نُوْحٍ.

خدا کی قسم! صحابہ میں سے کسی شخص کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے، دوسروں کی عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے، اگرچہ دوسروں کو حضرت نوح علیہ السلام جیسی لمبی عمر عطا ہو جائے۔

یہ نصوص پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام کے تعلق سے ہمارا موقف کیا ہونا چاہئے؟ قرآنِ کریم بھی سکھا رہا ہے کہ

بعد والوں کو اس طرح دعا گو ہونا چاہئے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ، وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (۵۹)

اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمایئے، اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھئے، اے ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہمیں صحابہ کا احسان مند ہونا چاہئے، ان کی سیرت کو مشعلِ راہ بنانا چاہئے اور ان پر تبصروں کے بجائے غایت عقیدت سے ان کو اپنی عملی زندگی کا رہنما بنانا چاہئے۔

پیغامِ خلوص

ہم صحابہ کے تعلق سے بے اعتدالی کا موقف رکھنے والے تمام افراد کو انتہائی خلوص کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ خدارا امت کو تفریق کی نحوست سے بچائیں، ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ ہم ہر دور میں اتحاد امت کے داعی اور نقیب رہے ہیں، اور فروعی مسلکی بنیادوں پر امت میں نزاع وشقاق کو ہم دور حاضر کا سنگین ترین جرم سمجھتے ہیں، ملت کے اتحاد کے لئے بلند کی جانے والی ہر صدا پر سب سے پہلے ہم ہی لبیک کہتے ہیں؛ لیکن ان سب کے ساتھ ہم اپنے دین کی بنیادوں کو منہدم ہوتا نہیں دیکھ سکتے، دین ہمارے لئے سب کچھ ہے، اور بقول عربی شاعر:

اَبِيَ الْإِسْلَامُ لَا أَبَ لِيْ سِوَاهُ ☆ اِذَا افْتَخَرُوْا بِقَيْسٍ اَوْ تَمِيْمِ

تجب لوگ قبیلوں پر فخر کرتے ہیں، میں اسلام پر فخر کرتا ہوں کہ میرا سب کچھ اسلام ہے، وہی میرا نسب بھی ہے اور عزت بھی۔

دین ہی ہماری عزت، عظمت اور آبرو ہے، وہی ہمارے سروں کا تاج اور کلاہ بھی ہے، اور ہم کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اس کی بنیادوں اور اس کے اولین نمائندوں پر حملے کئے جائیں اور ان کی مقدس شبیہ داغ دار کی جائے۔

اس لئے ہمارا پیغام خلوص یہ ہے کہ صحابہ کی توہین اور سلف کی تنقیص کے ملعونانہ عمل سے اپنے کو بچایا جائے، صحابہ کا مقصد حیات سامنے رکھ کر دین کی خدمت کے لئے سرگرم ہو جایا جائے، اور یہ سمجھ لیا جائے کہ صحابہ کا کردار ہی اس پر فتن دور میں ہمارے لئے سفینۂ نجات ہے، اور صحابہ کے نقش قدم کی پیروی ہی اس دورِ ضلال میں سلامتی کی راہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقاً وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ. آمین.



حوالہ جات

(۱) البقرۃ:۱۳۷
(۲) الحجرات:۷-۸
(۳) الفتح:۲۹
(۴) بخاری
(۵) المجادلۃ:۲۲
(۶) آل عمران:۱۱۰
(۷) الزمر:۲۳
(۸) بخاری باب الوحی
(۹) مشکاۃ المصابیح
(۱۰) الفتح:۲۹
(۱۱) المزمل:۲۰
(۱۲) النور:۳۶-۳۷
(۱۳) الرعد:۲۸
(۱۴) مشکاۃ المصابیح ۶۱، بحوالہ: مسلم شریف
(۱۵) نہج البلاغۃ:۱۴۳ و ۱۷۷
(۱۶) الحجرات: ۳
(۱۷) الفتح:۲۶
(۱۸) الانفال:۶
(۱۹) الحج:۳۴-۳۵
(۲۰) دو متضاد تصویریں ۱۸ و ۴۲
(۲۱) بخاری کتاب الایمان
(۲۲) کتاب الکبائر للذھبی
(۲۳) کتاب الکبائر للذھبی
(۲۴) الاصابۃ:۱/۱۱
(۲۵) صحیح مسلم مع شرح نووی:۲/۳۱۰
(۲۶) الحجرات: ۶
(۲۷) الاستیعاب:۱/۲
(۲۸) اسد الغابۃ:۱/۳
(۲۹) صحیح مسلم:۲/۳۲۷
(۳۰) الاصابہ:۱/۷۷۶
(۳۱) الکفایۃ ۴۱۵
(۳۲) النور:۱۶-۱۷
(۳۳) البدایہ والنہایہ ۸/۱۳۹
(۳۴) رواہ رزین، مشکاۃ المصابیح: باب الاعتصام ۳۲
(۳۵) مکتوبات امام ربانی: مکتوب نمبر:۲۰۷، ۱/۳۲۶
(۳۶) بخاری شریف و مسلم شریف: المناقب
(۳۷) التوبۃ:۱۱۳
(۳۸) مسلم مع شرح النووی ۱/۱۲۷
(۳۹) فتاویٰ شیخ الاسلام ۲۲/۱۷۹
(۴۰) ایضاً:۲۳/۱۱۰
(۴۱) ایضاً:۱/۲۸۲
(۴۲) ایضاً:۲۲/۲۵۲
(۴۳) منہاج السنۃ ۳/۶۶
(۴۴) ایضاً:۱/۱۶۷
(۴۵) فتاویٰ شیخ الاسلام
(۴۶) مودودی: دستور و عقائد کی وضاحت ۳۱-۴۴
(۴۷) تقریظ: حیاۃ الصحابہ ۳/۴-۵
(۴۸) علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج ۱۱۹-۱۲۱
(۴۹) عظمت صحابہ ۱۳-۱۷
(۵۰) فضائل صحابہ، مرتبہ: حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنیؒ ۶ و ۱۱۵
(۵۱) ایضاً ۷۶-۷۷
(۵۲) ایضاً ۳۹
(۵۳) ایضاً ۸
(۵۴) ایضاً ۶
(۵۵) مسلم: کتاب الحدود
(۵۶) ترمذی شریف: المناقب
(۵۷) ترمذی: المناقب
(۵۸) شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۳۹۸
(۵۹) الحشر:۱۰

زین الاسلام قاسمی الٰہ آبادی ☆

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد!

مذہب اسلام ہی وہ یکتا مذہب ہے جو اپنے آپ میں مکمل نظام حیات وعمل لے کر چلتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ وہر گوشہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے نیز ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے چونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور مذہب اسلام مالک ارض وسما کا آخری پسندیدہ مذہب ہے؛ اس لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی علمی وعملی دونوں طرح سے مکمل حفاظت کا انتظام کیا جاتا تا کہ صبح قیامت تک ایسی جماعت کا سلسلہ جاری رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حامل امین اور داعی الی الحق ہو، چنانچہ باری تعالیٰ نے ایک سے زائد ذرائع سے حفاظت دین فرمائی۔

حفاظت دین کے ذرائع میں صحابۂ کرامؓ کی جماعت جس کو قرآنِ کریم میں حزب اللہ کہا گیا ہے، سرفہرست ہے۔ اس برگزیدہ جماعت نے جسے خود رب کائنات نے پیغمبر اعظم ﷺ کی رفاقت ومعیت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور ملأ اعلیٰ میں نصاب مقرر فرما کر درس گاہِ نبوت کے لیے ہادی عالم ﷺ کو ان کا معلم بنایا، آپ ﷺ نے ان کو بلا واسطہ وحی الٰہی کی روشنی میں مقصد اصلی کی رہنمائی فرما کر ایک معبودِ برحق کے سامنے سجدہ ریز ہونا سکھایا۔ ہر ایک کا تزکیۂ نفس کیا، ہر طرح کے آداب واخلاق سے آراستہ وپیراستہ کیا اور تمام صحابۂ کرامؓ نے استقامت اور مکمل اعتماد ویقین کے ساتھ اس کو عملی جامہ پہنایا اور تا قیامت آنے والی نسلوں تک عدالت وثقاہت کے ساتھ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال اور اعتماد کے دائرے میں رہ کر جان ومال کی قربانی دے کر بیوی بچوں سے اعزا واقربا سے علیحدگی اختیار کر کے تبلیغِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، ان اکابرینِ امت نے آپ ﷺ کی زیر تربیت اخلاق واعمال کو منشأ ایزدی کے مطابق سنوارا اور سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی اور جب آپ ﷺ ان کی تربیت فرما چکے تو علام الغیوب کی طرف سے امتحان ہوا، أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ اور جب اس مقدس اور محفوظ عن المعاصی گروہ نے امتحان میں کامیابی وکامرانی حاصل کر لی تو اللہ رب العزت نے انھیں دنیا ہی میں رضی اللہ عنہم

☆ نائب مفتی، دار العلوم دیوبند

ورضو عنه کہہ کر اپنی خوشنودی ورضا کا مژدہ سنایا، کہیں اولٰئک هم المفلحون فرما کر اور کہیں اولئک هم الصادقون اور کہیں اولئک هم المهتدون سنا کر اور کہیں اولئک فی جنّت مکرمون فرما کر اور خود ہی خدا نے برتر نے آخرت کے لیے لہم مغفرۃ واجر عظیم یعنی جنت ورضوان کی بشارت سنا کر عنداللہ سندِ مقبولیت سے اُنھیں نوازا۔

دراصل صحابۂ کرامؓ دین کے ستون ہیں، ان شخصیات کے مقام ومرتبے کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، نبی کریم ﷺ کی سیرت اگر قرآن ہے تو صحابۂ کرامؓ اس کے ترجمان ہیں، صحابۂ کرامؓ کو مقتدائیت میں وہ امتیازی مقام حاصل ہے جس کو حاصل کرنے سے بڑا سے بڑا اپنے وقت کا ولی اور قطب بھی قاصر ہے، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ تم میں سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر بلندی شان کے باوجود چونکہ آپ ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے اس لیے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے، صحابۂ کرامؓ نے ایمان وعمل کی جو مشعل روشن کی اور راہِ خداوندی میں جو جانی ومالی قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا وہ اتنی ظاہر وباہر ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں تک نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ایثار وقربانی اور سعی پیہم کے جو لازوال نقوش صحابۂ کرامؓ نے چھوڑے ہیں وہ جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر جان قربان کرنے کی ادا اور آپ کے ہر حکم پر آمنا وصدقنا کہنے کا انداز ایسا مثالی ہے کہ غیر تک عظمت صحابہ کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

شام کی جنگ میں جب پادریوں نے اصحابِ رسول ﷺ کو دیکھا تو پکار اٹھے:

''خدا کی قسم یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بہتر ہیں''۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے کے لیے عروہ ابن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تھے (یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) شرائط صلح طے کرتے وقت انھوں نے بنظر غائر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا جائزہ لیا واپس جانے کے بعد انھوں نے کفارِ مکہ کے سامنے صحابۂ کرامؓ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: ''اے قریش کے لوگو! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباریوں کو بھی دیکھا ہے، مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اور اس کے ماننے والے اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد ﷺ کی محمد ﷺ کے ماننے والے کرتے ہیں، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اسے اپنے بدن اور منہ پر مَل لیتا ہے، جو بات محمد ﷺ کے منہ سے نکلتی ہے اس کو پورا کرنے کے لیے سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں ان کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے، اگر کسی کو کوئی قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ ملا کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے، ان کے روبرو زور سے نہیں بولتے، اگر بولتے ہیں تو بہت ہی پست آواز سے، ادب کی وجہ سے ان

کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے، ہمیشہ ان کے سامنے نظریں جھکائے رہتے ہیں، اگر ان کے سر یا ڈاڑھی کا بال گرتا ہے تو تبرکاً اٹھا کر بہت اہتمام کے ساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا اور رہبر سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا، جتنی محبت یہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھ کرتے ہیں''۔

ان کے دل میں اسلام کے لیے سب کچھ قربان کردینے کا ایسا جذبہ تھا کہ دنیا کی تاریخ میں کسی لیڈر کسی قائد، کسی گرو، کسی پنڈت یا کسی مذہبی یا سیاسی رہبر کے ماننے والے میں حتی کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متبعین میں بھی نہیں پایا جاتا۔ آپ نے عوام کو اپنے قائدین سے، شاگردوں کو اپنے استادوں سے، بچوں کو اپنے والدین سے، مریدوں کو اپنے پیروں سے، محبت کرتے دیکھا ہوگا، آپ نے اس بارے میں داستانیں بھی سنی ہوں گی، واقعات بھی نظروں سے گذرے ہوں گے، لیکن وہ محبت وعقیدت جو صحابۂ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی، محبت اور عقیدت کے ساتھ ادب واحترام اور ادب واحترام کے ساتھ اتباع اور اطاعت میں صحابۂ کرامؓ اپنی مثال آپ تھے، ہماری طرح زبانی دعویدار نہیں تھے؛ بلکہ حقیقی عاشق رسول تھے، جنھوں نے آپ ﷺ کی غلامی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش، اپنا آرام، اپنا خیال اور اپنی سوچ سب کچھ قربان کردیا تھا۔ صحابۂ کرامؓ کو ایمان کی خاطر صرف جسمانی تکلیفوں ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا؛ بلکہ انھیں عزیزانہ تعلقات کی بھی قربانی دینی پڑی، ایمان اختیار کرنے کی بنا پر بہن بھائی، چھوٹے بڑے، ماں باپ نے منھ موڑ لیا، بیوی بچے روٹھ گئے؛ لیکن صحابۂ کرامؓ کے ایمانی قدم پیچھے نہیں ہٹے، حالانکہ انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے، کہ وہ بھوک پیاس، بیماری اور فقر وفاقہ کی سختیاں برداشت کرسکتا ہے؛ لیکن خون کے رشتے نہیں توڑسکتا، مگر ان عظیم انسانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ جوڑنے کی خاطر باقی تمام رشتے توڑ لیے، صرف یہی نہیں کہ ایمان کی وجہ سے یہ خونی رشتے ٹوٹ گئے ہوں؛ بلکہ یوں بھی ہوا کہ جن سے خون، نسل اور نسب کے رشتے تھے، انھوں نے ایمان قبول کرنے کے جرم میں انھیں اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے، تن کے کپڑے تک چھین لیے، ہاتھوں پیروں میں زنجیریں ڈال دیں، کھانا پینا بند کردیا، ذرا تصور کیجیے کہ جب باپ کوڑے مارتا ہوگا، جب بھائی لباس چھین کر کہتا ہوگا کہ جا محمد سے مانگ لے، تو دل پر کیا گذرتی ہوگی؟

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے، تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے وہ اس سے نہ بات چیت کریں گی، نہ کھانا کھائیں گی، نہ پانی پئیں گی، چنانچہ قسم پوری کی، تیسرے دن کے بعد فاقے کی وجہ سے بے ہوش ہوگئیں لیکن حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر کوئی اثر نہ پڑا، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمھارے قالب میں ہزاروں جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کرکے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے دین کو نہ چھوڑوں گا۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے، تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کردیا، کھانا پینا بند کردیا، اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کردیا؛ لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی معیت نہ چھوڑی

اورآخرکارحبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔جسمانی تکلیفوں اور عزیزوں کی بے رخی کے ساتھ ایک اور خوفناک اژدہا تھا جس کا سامنا ایمان والوں کو کرنا پڑا،اس اژدہے کو غربت اور افلاس کہتے ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں کے کس بل نکال کر سیدھا کر دیتا ہے، لوگ اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عزت و ناموس تک کا سودا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔کتنے ہی لوگ ہیں جو پیٹ کی خاطر ایمان بیچ دیتے ہیں؛ مگر اس نیلگوں آسمان نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ کمر کو لگ جاتے تھے: مگر راہ وفا میں ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں تھے۔

حضرت عتبہ ابن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کر گذر اوقات کرتے تھے،جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے منھ کے کونے پھٹ گئے تھے۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو مکمل کفن تک میسر نہ ہوا،صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس کپڑوں کی اس قدر قلت تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کر بیٹھتے تھے،تاکہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔ ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے،موزے نہ تھے،سر پر ٹوپی نہ تھی،بدن پر کرتا نہ تھا،چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے،کیا منظر ہوگا جب وہ اللہ والے جن کے سروں پر فرشتوں کے پروں کا سائبان رہتا،بازار سے ننگے پاؤں،ننگے سر اور ننگے بدن گذرتے ہوں گے اور اللہ اور اس کے رسول کے منکر،قیامت کے منکر،قرآن کے منکر مذاق اڑاتے ہوں گے،پھبتیاں کستے ہوں گے،کہتے ہوں گے کہ ارے!اس لیے آبائی دین چھوڑا تھا کہ یوں غربت وافلاس کی زندگی گذارو،تمھیں کیا دیا اس نئے دین اور نئے نبی کی غلامی نے؟ آؤ ہمارے پاس ہم تمھیں نہال اور مالا مال کردیں گے؛مگر وہ لوگ عجیب ہی قسم کے لوگ تھے،نہ انھیں ظلم وستم حق سے برگشتہ کرسکا،نہ عزیزوں کی جفا کاریاں ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا کرسکیں نہ وطن کی جدائی ان سے ایمان چھڑا سکی،نہ تحریص وترغیب آقائے دوجہاں ﷺ سے بے وفائی پر آمادہ کرسکی، اور نہ ہی مشرکوں کی پھبتیاں انھیں اپنے کیے پر شرمندہ کرسکیں۔اور صحابۂ کرامؓ کا یقین اللہ اکبر،انھیں رسول اکرم فداہ امی وابی کی ہربات ہرارشاد اور ہر پیشین گوئی پر ایسا یقین تھا کہ شاید ہمیں آسمان کے بلند ہونے اور زمین کے پست ہونے،دن کے روشن ہونے،رات کے تاریک ہونے بلکہ اپنے وجود پر ایسا یقین نہ ہو،ان کا یقین تھا کہ ہربات جھوٹی ہوسکتی ہے،ہرخبر غلط ہوسکتی ہے؛ مگر جو بات آقا کے منھ سے نکلی اور جو خبر آقا نے دی ہو وہ خبر غلط نہیں ہوسکتی،انھیں یہ بھی یقین تھا ہماری دنیا وآخرت کی کامیابی صرف اور صرف نبی کی سچی غلامی اور نبی کے ہر حکم کی اتباع کرنے میں ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ہر ادا مثالی اور ان کی ہربات بے نظیر تھی،ان کا ایمان ان کا یقین،ان کی دیانت،ان کی صداقت،ان کا ایثار،ان کا جذبۂ جہاد،ان کی فیاضی،ان کے معاملات،ان کی عفت وطہارت،ان کی نمازیں اور ان کا صدقہ اور خیرات ہر چیز بے مثال تھی۔آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ تو حقیقت میں نقل ہے،اصل تو صحابہؓ کے یہاں تھی۔مذکورہ باتوں سے کچھ تو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ صحابۂ کرامؓ کون تھے؟ ان کی سیرت کیسی تھی؟ ان کی راتیں کیسی گذرتی تھیں؟ ان کے دن کیسے بسر ہوتے تھے؟ انھیں کیسے کیسے مصائب اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا؟ وہ غلامی رسول میں

کتنے پکے اور سچے تھے؟ ان کے اندر ایثار وفیاضی کا کتنا جذبہ تھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ایک ادا کو دیکھئے، مکی زندگی کے مظالم کو، مدنی زندگی کی فتوحات کو دیکھئے، بدر اور اُحد کی قربانیوں کو دیکھئے، مسجد کی خلوتوں میں آنسو بہاتے دیکھئے، آقا ﷺ پر جان و مال نچھاور کرتے دیکھئے۔ اشاعت اسلام کے لیے ان کی کاوشوں کو دیکھئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر خدا کو حاضر وناظر جان کر فیصلہ کیجیے کہ کیا دنیا میں کوئی دوسرا استاذ بھی ایسا گذرا ہے، جس کے شاگرد ایسے باکمال اور جاں نثار ہوں، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ پوری انسانی تاریخ پڑھ لینے کے بعد بھی میرے آقا ﷺ کے غلاموں جیسا کوئی ایک بھی نہ پاسکیں گے۔ صحابۂ کرامؓ کا طریقۂ زندگی امت محمدؐیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے، صحابۂ کرامؓ سے بڑھ کر معیارِ حق اور نمونۂ عمل دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا؛ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

> ''لائق اتباع صرف اصحابِ محمد ﷺ ہیں جو اس امت میں سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلف کرنے والے، اللہ نے انھیں اپنے حبیب کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے پسند فرمایا، لہٰذا تم بھی ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو، اور حتی الامکان ان کے اخلاق وکردار، ان کے طور وطریق کو مضبوطی سے پکڑے رہو؛ کیونکہ وہ صراطِ مستقیم پر ہیں''۔

صحابۂ کرامؓ نے حق کے سامنے قطعاً کسی کی پرواہ نہیں کی، خواہ دنیا انھیں کچھ بھی کہتی رہی، انھیں اہل دنیا کو خوش کرنے کی فکر نہیں تھی، ان کا مدعا اور ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ خالق ارض وسما اور مالک عرش وکرسی راضی ہوجائے، اس کا حبیبؐ خوش ہوجائے، خواہ ساری دنیا ناراض ہوجائے۔ صحابۂ کرامؓ خدا اور رسول کی رضا جوئی کی خاطر ہمہ وقت متفکر رہتے تھے، اور اس کے لیے ساری دنیا کی ناراضگی اور اس کا نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، یہاں تک کہ خود قرآن نے اس کی شہادت دیدی ''لایخافون لومۃ لائم'' صحابۂ کرام حق کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔

اب ذیل میں قرآن کریم کی آیات، احادیث نبوؐیہ، آثارِ صحابؓہ نیز اجماع اور عقل وفہم کی شہادت سے صحابۂ کرامؓ کی عظمت اور ان کے معیارِ حق ہونے نیز ان کے مکمل صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور ما أنا علیہ وأصحابي کا مصداق ہونے کے شواہد اور دلائل سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔

عظمت صحابہ ﷺ قرآن کی روشنی میں

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ. وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (۱)

(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی

تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔

اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے، اس کے علم ازلی میں پہلے سے ہی یہ مقدر ہو چکا تھا جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخرالزماں ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ امم واقوام پر سبقت لے جائے گی؛ کیوں کہ اس کو سب سے اشرف واکرم پیغمبر نصیب ہوگا، اَقْوَم واکمل شریعت ملے گی، علوم ومعارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے، ایمان وعمل وتقویٰ کی ساری شاخیں اس کی محبت اور قربانی سے سرسبز وشاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم ونسب بالخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی؛ بلکہ اس کا دائرۂ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لیے ہوگا کہ دوسروں کی خیرخواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انھیں جنت کے دروازوں پر لا کھڑا کردے۔ ''اُخْرِجَتْ للنّاس'' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔(۲)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۳)

یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا، جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت اتاردی۔ اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی۔

اس آیت میں ان مخلصین ومطیعین اور جاںنثاروں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جنھوں نے رسولِ خدا ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ ہم زندگی کی آخری سانس تک رسولِ خدا ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور آخری دم تک ہر طرح کی مدد واعانت کرتے رہیں گے۔ اور اطاعت وفرمانبرداری سے قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹائیں گے، حق تعالیٰ شانہ نے ایسے مخلصین کا ذکر اپنی رضا وخوشنودی کے اعلان سے فرمایا، ارشاد ہے:

''بے شک اللہ خوش ہوا ان ایمان والوں سے جب کہ وہ بیعت کررہے تھے، آپ ﷺ سے، اے ہمارے پیغمبر! اس درخت کے نیچے جو ایک کیکر کا درخت تھا مقام حدیبیہ میں جہاں کھڑے ہوکر آپ نے بیعت کا اعلان فرمایا تھا اور صحابہؓ نے اس درخت کے نیچے بیعت کا سلسلہ شروع کیا، پھر جان لیا اللہ نے اس چیز کو جو ان کے دلوں میں تھا، اخلاص اور ایمان اور ایثار وجہاد کے جذبات سے تو اتارا ان پر سکون واطمینان اور انعام دیا ان کو ایک نزدیک فتح کا اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی عزت وحکمت والا ہے۔(۴)

مذکورہ آیت میں ''لقد رضی اللہ عن المؤمنین'' کا عنوان اس پر دلالت کررہا ہے کہ ان اصحاب رسول ﷺ سے اللہ

کی خوشنودی ان کے ایمان واخلاص کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہی ایمان واخلاص اس رضائے الٰہی کا منشا بنا جب کہ یہ عمل بیعت ان کے ایمانِ کامل کے ثبوت پر ظاہر ہورہا ہے جب کہ اس درخت کے نیچے بیعت ہورہی تھی تو یہ عنوان بلیغ ترین عنوان ہوا بہ نسبت اس کے کہ ''رضی اللہ بیعتہم'' کیونکہ اس میں صرف اس عمل پر ہی خوشنودی کا اظہار ہوتا اب یہاں اس کے مقابل عمل کو ظرف بتایا گیا اور خوشنودی کا محل صرف صحابہ کی ذات قرار دی گئی اور اس کا منشا ان کا ایمان واخلاص بتایا گیا جس کی گواہی دینے والا خود اللہ رب العزت ہوا، اب اس کے بعد ان حضرات میں سے کسی کے بھی ایمان واخلاص میں شبہ کرنا درحقیقت خدا تعالیٰ کی گواہی کو ٹھکرانا ہوگا۔ العیاذ باللہ (۵)

ان آیات میں صحابۂ کرامؓ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہونے کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوگیا اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ صحابۂ کرامؓ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے احکام سے کس قدر راضی اور خوش تھے اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: ''نحن قوم أعزنا اللہ بالإسلام'' ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت سے سرفراز فرمایا اور حضرت ربعی بن عامر کی رستم کے دربار میں کی گئی اس تقریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے بطور پیغام رستم کے دربار میں کی:

> ''اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ مشیتِ الٰہی کے مطابق لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت میں، اور مذاہب کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین دے کر ہمیں اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے تاکہ ہم انھیں اس دین کی دعوت دیں''۔

> الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ٥ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ٥ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ٥ (٦)

> جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انھوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی ہے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا پروردگار انھیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس عظمت والا اجر موجود ہے۔

حضراتِ صحابۂ کرامؓ کے تین اعمال کا ذکر فرماتے ہوئے ایمان، جہاد، ہجرت ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی، رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ، ابوحیان نے لکھا ہے کہ رحمت ایمان پر مرتب ہے ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت ومہربانی سے

کوئی حبہ نہیں مل سکتا اور ''رضوان'' جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا صلہ ہے، مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ وتعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان ومال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے: لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا مقام ہے، باقی ''ہجرت'' وہ خدا کے لیے وطن مالوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے؛ اس لیے مہاجر کو خوش خبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش وراحت سے رہنا ہوگا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحٰتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (۷)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں، تم انھیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوتے ہیں، ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں تا کہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کرلیا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی عظمت اور عند اللہ ان کی مقبولیت کو بیان فرمایا ہے اس طرح کہ محمد عربی ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہؓ کی سیرت اور کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے نبی امین کی صداقت میں شک وشبہ ہوا سے آپ ﷺ کے رفقا اور ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی پر ایک نظر ڈال کر خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہیے کہ جس کے صحبت یافتہ اور ہمنشین اس قدر بلند کردار اور پاک باز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کس مقامِ بلند پر فائز ہوگا، معلوم ہوا کہ باری تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کو آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے لیے بہ طور شہادت پیش کیا ہے پھر ان گواہوں کی تعدیل اور توثیق بھی خود ہی فرمائی ہے لہٰذا جو ان پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آپ ﷺ کی شانِ رسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ شہادتِ قرآن کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ نیز اس آیت میں صحابۂ کرامؓ کی دلجوئی بھی کی گئی ہے، کیونکہ حدیبیہ کی بظاہر مغلوبانہ صلح سے صحابۂ کرامؓ افسردہ

خاطر اور مغموم تھے، ان آیات کریمہ میں باری تعالیٰ نے بڑے والہانہ انداز میں حضور ﷺ کے ساتھ صحابۂ کرامؓ کی رفاقت، کفار کے مقابلے میں ان کی سختی جس سے کافروں پر رعب پڑے، آپس میں نرم دلی، کفر سے نفرت و بیزاری نیز ان کی عبادت و ریاضت کا تذکرہ فرمایا ہے، اوران کے چہروں پر سجدوں کے نشان کو بھی ان کے مقبولِ بارگاہ ہونے کی علامت قرار دیا ہے، جو خاص قسم کا نور اور رونق ہے، گویا خشیت وخضوع اور حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ کر ظاہر کو روشن کررہی ہیں، کھیتی کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی بتدریج ترقی کرتی ہے ایسے ہی صحابۂ کرامؓ بتدریج ترقی کر کے منازل کو طے کریں گے، اور جس طرح کھیتی کے پھلنے پھولنے سے کسان خوش ہوتا ہے اسی طرح صحابۂ کرامؓ کی ترقی منازل سے اللہ اوراس کے رسول خوش ہوں گے، نیز صحابۂ کرامؓ جس طرح دنیوی ترقی سے نوازے جائیں گے اخروی ترقی بھی انھیں حاصل ہوگی، نیز بخشش اور اجر عظیم سے وہ نوازے جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے صحابہ کے لیے ''والذین معہ'' کے عنوان سے جو منقبت اور فضیلت بیان فرمائی تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فضیلت ذکر نہ کی جاتی تب بھی یہی ایک دولت دنیا وآخرت کی تمام دولتوں سے بڑھ کر تھی، مگر اسی پر اکتفا نہ فرما کر مزید ان کی صفاتِ کمالیہ کو بطورِ مدح بیان فرمایا ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' جس میں ان کے تمام علمی وعملی اخلاقی ونفسیاتی کمالات کا احاطہ کرلیا گیا، سو یہ اکابر امت ممدوحِ خداوندی ہیں اور وحیِ الٰہی ان کے کمالات سے رطب اللسان ہے، اس کے بعد بھی اگر کوئی ان میں نقائص ومطاعن تلاش کرتا ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ اسے باری تعالیٰ سے اور کلامِ باری تعالیٰ سے اختلاف ہے، اسی آیت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان اکابر امت کی مدح وستائش صرف قرآن کریم ہی میں نہیں، بلکہ کتب سابقہ توریت اور انجیل میں بھی ان کی اعلیٰ وارفع شان بیان فرمائی گئی ہے، ''ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم في الإنجیل'' گویا ان جاں نثاران محمد ﷺ کے نام کا ڈنکا ہمیشہ بجتا رہا ہے، انبیائے سابقین علیہم السلام ان کے کمالات سے آگاہ ومعترف رہے ہیں، اور امم سابقہ بھی ان کے اوصاف مدح وکمال کا تذکرہ کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں، اور اسی لیے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے صحابہ کو ایسا باکمال بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کافروں اور بے ایمانوں کو غیظ وبغض کی آگ میں ہمیشہ جلاتا رہے ''لیغیظ بھم الکفار'' گویا قرآن نے ان اکابر امت کی مدح وستائش پر اکتفا نہیں فرمایا؛ بلکہ ان سے کینہ وبغض رکھنے والوں کے حق میں کفر کا فتویٰ بھی صادر فرمادیا۔ چونکہ آپ ﷺ کا صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا قطعی ویقینی ہے، اس لیے جن اکابر امت کے لیے آپ ﷺ کی معیت بنص قرآنی ثابت ہے ان کا صراطِ مستقیم پر ہونا بھی قطعی ویقینی اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، زہے سعادت کہ حضراتِ شیخین کو دنیا میں رفاقت نبوی میسر رہی، روضۂ مطہرہ میں بھی قیامت تک شرف رفاقت حاصل ہے اور دخول جنت کے بعد بھی اس دولتِ کبریٰ سے دائما ابدا سرفراز رہیں گے۔ ان شاء اللہ

آخر میں ان حضرات کے ایمان کامل اور عمل صالح کی بنا پر ان سے مغفرت واجر عظیم کا وعدہ فرمایا فطوبی لھم ثم طوبی لھم مذکورہ تصریحات باآواز بلند یہ پکار رہی ہیں کہ حضرات صحابۂ کرامؓ صراطِ مستقیم پر تھے، معیارِ حق تھے، اور ہیں

اور تا قیامت رہیں گے اور اس آیت کا ہر ہر جز تمام جماعت صحابہ بہ ہیئت مجموعی کی مدح ومنقبت پر دال ہے۔ خصوصاً اصحاب بیعۃ الرضوان کی مدح ومنقبت جن کا ذکر آغاز سورت سے چلا آرہا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ o فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ o (۸)

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمھارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر تمھاری بات مان لیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ؛ لیکن اللہ نے تمھارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اسے تمھارے دلوں میں پرکشش بنادیا ہے اور تمھارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے، ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں متعدد وجوہ سے صحابۂ کرامؓ کی فضیلت ومنقبت بیان کی گئی ہے، اول: ان پر اس انعام عظیم کا ذکر ہے کہ ان کے درمیان حبیب خدا فخر دوعالم ﷺ کا وجود مسعود رونق افروز ہے اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ دوم: حق تعالیٰ شانہ نے نہ صرف ان کے ایمان کامل کی شہادت دی ہے بلکہ یہ بھی بیان فرمادیا کہ ایمان ان کے دلوں میں جان ومال اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہے، اور اس ایمان سے ان کے قلوب معمور اور منور ومزین ہیں، کفر وفسق اور عصیان کی کراہت ونفرت ان کے قلوب میں منجانب اللہ القاء کی گئی ہے، ممکن نہیں کہ القائے ربانی کے بعد یہ آلودگیاں ان کے دامن ایمان کو داغ دار کرسکیں۔ سوم: ان حضرات کو ''أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ'' کا زرّیں تمغۂ عنایت فرمایا گیا اور اس کو کلمۂ حصر کے ساتھ ذکر کرکے تنبیہ فرمادی گئی کہ رشد وہدایت انھیں کے طریقے میں منحصر ہے جو شخص ان کی راہ پر چلے گا، آئندہ ہدایت اسی کو نصیب ہوگی۔ چہارم: یہ نعمتِ کبریٰ جو صحابۂ کرامؓ کو ارزانی فرمائی گئی اس کو ''فضلا من الله ونعمة'' فرما کر تصریح کردی گئی کہ یہ حضرات حق تعالیٰ شانہ کے فضل خاص اور انعام عظیم کا مورد ہیں، ان کو عام مسلمانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ پنجم: والله عليم حکیم اس امر کی وضاحت ہے کہ اوپر صحابۂ کرامؓ کی جس عظیم منقبت وفضیلت کا ذکر ہے یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر مبنی ہے، حق تعالیٰ شانہ کو ان اکابر کے ظاہری اور باطنی تمام حالات سے آگاہی ہے اور ان کے انھیں حالات وکمالات کے پیش نظر حق تعالیٰ شانہ کا یہ حکیمانہ فیصلہ ہوا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا o ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا o (۹)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام

فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین، اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے اور (لوگوں کے حالات سے) پوری طرح باخبر ہونے کے لیے اللہ کافی ہے۔ فائدہ: یعنی وہ کسی کو فضیلت معاذ اللہ بے خبری کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کے عملی حالات سے باخبر ہو کر دیتا ہے۔

یہ چار گروہ بارگاہِ الٰہی سے انعام یافتہ ہیں، حضرات صحابۂ کرامؓ گو انبیاء کا درجہ حاصل نہیں ہوتا لیکن صدیقین شہدا اور صالحین کا اولین مصداق ہیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کا راستہ صراطِ مستقیم ہے جس کو ہر نماز کی ہر رکعت میں اہل ایمان کو مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جس کو آنحضور ﷺ نے ''ما أنا علیه و أصحابي'' سے تعبیر فرمایا ہے، مزید برآں دو فائدے اور معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کی نماز جوام العبادات ہے صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ وہ نہایت اخلاص وخضوع اور غایت محبت کے ساتھ حضرات صحابۂ کرامؓ کے راستہ پر چلنے کی دعا نہ مانگیں۔ دوم یہ کہ اللہ ورسول کے اطاعت گذاروں کو قیامت میں ''أنعم الله علیهم'' کی رفاقت ومعیت کی خوشخبری دے کر ''و حسن أولئک رفیقا'' کی مہر تحسین ثبت کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر ان حضرات کے صراطِ مستقیم پر فائز ہونے اور معیارِ حق ہونے نیز اسوۂ امت ہونے کی طرف اشارات اور کہیں تصریحات ملتی ہیں، مگر میں سردست بنظر اختصار انھیں آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ تمام اہل اسلام کو صحابۂ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائے۔

عظمت صحابہؓ احادیث کی روشنی میں

مذکور استدلالات کے علاوہ نبی رحمت ﷺ نے اپنے اصحاب کے بے شمار فضائل احادیث میں بیان فرمائے ہیں، خاص طور سے خلفائے اربعہ آپ ﷺ کے اہل بیت نیز ازواجِ مطہرات امہات المؤمنینؓ، عشرۂ مبشرہ، سابقین اولین کے فضائل ومناقب ان کے اوصاف وکمالات جس کثرت وشدت کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ان سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ بات امت کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے کہ میرے صحابہ کو عام افرادامت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان کا تعلق بلاواسطہ آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ہے، اس لیے ان کی محبت عین محبت رسول ہے، اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی اعلیٰ قسم کا جرم ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے سرکار مدینہ ﷺ فرماتے ہیں:

(۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي لاَ تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا من بَعْدِى فَمَنْ أَحَبَّهُمْ

فَبِحُبِّی أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِی أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِی وَمَنْ آذَانِی فَقَدْ آذَی اللَّهَ وَمَنْ آذَی اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (۱۰)

اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! مکرر کہتا ہوں میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، میرے بعد انھیں ہدف تنقید نہ بنانا کیوں کہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا پہنچائی عنقریب اللہ اس کو عذاب میں گرفتار کرے گا۔

معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ کے پاس ادب میں کوتاہی کرنے سے آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر کو ایذا ہوتی ہے اور آپ ﷺ کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے، لقولہ تعالیٰ: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ لہٰذا صحابہؓ کو برا کہنے میں سلب ایمان کا اندیشہ ہے، اور فرمایا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی؛ اس لیے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں ہے۔

(۲) عَنْ أَبِی سَعِيدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِی فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ. (۱۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، (کیوں کہ ان کے مقابلے میں تمھارا وزن اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلے میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے، چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کے نصف کو۔

مقام صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کو اس بات کی تعلیم دی گئی کہ ان کی عیب جوئی کرنے والے کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِی فَقُولُوا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى شَرِّكُمْ. (۱۲)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انھیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقد صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔ (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)

مذکورہ دونوں حدیثوں میں ''سبّ'' سے صرف بازاری گالیاں ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ہر ایسا کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے یا ان کا پاسِ ادب فوت ہو۔

ان کے علاوہ سیکڑوں ارشادات رسولؐ ہیں جو ان کے معیارِ حق اور ان کے مقتدائے ہدایت ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

عظمت صحابہ ؓ آثار صحابہ ؓ کی روشنی میں

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه من كان مستنا فليستن بمن قد مات، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، كانوا أفضل هذه الأمة، وأبرها قلوباً، وأعمقها علما، وأقلها تكلفاً، اختارهم الله لصحبة نبيه، ولإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم على أثرهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم. (۱۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: کہ جس شخص کو کسی کی اقتدا کرنی ہو ان حضرات کی اقتدا کرے جو وفات پا چکے ہیں، چونکہ زندہ شخص فتنے سے محفوظ نہیں ہے (یہ لائق اتباع حضرات) محمد ﷺ کے صحابہ ہیں، جو اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل سب سے زیادہ پاکیزہ ان کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا اور وہ سب سے بڑھ کر تکلف سے بچنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے حبیب کی صحبت و معیت کے لیے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا تھا، ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے چلو جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناؤ کیوں کہ یہ حضرات ہدایت و صراط مستقیم پر تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ما رأيت قوماً كانوا خيرًا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم"

میں نے کوئی جماعت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھی۔

حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت نے انھیں نہایت اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ

-صلى الله عليه وسلم- خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِه ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعبادِ فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ فَما رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَوْا سَيِّئاً فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّءٌ. (۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو سب سے اچھا قلب آپ ﷺ کا پایا، تو اسے اپنے لیے منتخب کرلیا اور اپنی رسالت کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا۔ پھر بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو ان میں آپ ﷺ کے قلب کے بعد اصحابِ محمد ﷺ کے قلوب کو سب بہتر پایا، اس لیے ان کو اپنے نبی کے لیے بطور وزراء منتخب فرمایا جو دین کی خاطر جہاد کرتے ہیں، لہٰذا جسے مسلمان (صحابہ) اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے اور جسے وہ برا سمجھیں وہ عنداللہ بھی برا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے آخری حصے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا اجماعی فہم حجت شرعیہ ہے اور یہ اتنی واضح بات ہے کہ جس کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

عظمت صحابہؓ اقوال فقہاء کی نظر میں

(۱) محدث جلیل حافظ ابوزرعہ رازی (متوفی ۲۶۰ھ) فرماتے ہیں:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق وذلک أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق. والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسننَ أصحابُ رسول الله صلى الله عليه وسلم وإنما يريدون أن يجرحوا شهودَنا ؟؟؟ الكتاب والسنة والجرحُ بهم أولى هم زنادقة. (۱۵)

جب تم کسی کو حضور ﷺ کے کسی صحابی پر تنقید و تنقیص کرتے دیکھو تو یقین کرلو کہ وہ زندیق اور بداعتقاد ہے کیوں کہ حضور ﷺ حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے اور ہم تک تو قرآن کریم اور سنن نبویہ صحابۂ کرامؓ نے پہنچائی ہیں، تو یہ لوگ (تنقیص کرنے والے) یہ چاہتے ہیں کہ کتاب وسنت پر قائم ہمارے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ کتاب وسنت سے اعتماد اٹھ جائے حالانکہ وہ خود جرح کے زیادہ مستحق ہیں ایسے لوگ زندیق و بے دین ہیں۔ (یہ قول بہت سے علمائے اصول حدیث نے نقل

کیا ہے)

(۲) محقق ابن ہمام حنفیؒ اور علامہ ابن ابی شریف شافعیؒ فرماتے ہیں:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہ کے وجوبِ تزکیہ کا ہے کہ ان سب کی عدالت مان لی جائے اور ان میں طعن کرنے سے روکا جائے اور ان کی ایسی ثنا اور صفت بیان کی جائے جیسی کہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اسی طرح ہم نے تم کو متوسط امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو''۔

(۳) امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ صحابۂ کرامؓ کو برائی کے ساتھ یاد کرے، یا عیب ونقص کا طعن کرے، اگر کرتا ہے تو اسے سزا دینا واجب ہے''

اور فرمایا

:''کہ تم جس شخص کو کسی صحابی کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام وایمان کو متہم سمجھو''۔(۱۶)

(۴) ابراہیم ابن میسرہؒ کہتے ہیں:

''کہ میں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو، مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر سب وشتم کی اس کو انھوں نے خود کوڑے لگائے''۔(۱۷)

(۵) قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ امام معافی ابن عمرانؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں عمران بن عبدالعزیزؒ کا کیا درجہ ہے؟ سن کر نہایت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا:

"لا یقاس باصحاب النبي احد، معاویۃؓ صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحي الله". (۱۸)

نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے مقابلے میں کسی کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا، معاویہؓ آپ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ ﷺ کے برادرِ نسبتی ہیں، آپ ﷺ کے کاتب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپ ﷺ کے امین ہیں۔

(۶) حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

"والله إن الغبار الذي دخل في أنف فرس معاويةؓ مع رسول الله أفضل من عمرؒ بألف مرة، صلى معاويةؓ خلف رسول الله فقال رسول الله سمع الله لمن حمده

فقال معاویةؓ ربنا لک الحمد، فما بعد هذا الشرف الأعظم". (۱۹)

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ عمر ابن عبدالعزیزؒ سے ہزار درجہ افضل ہے، حضرت معاویہؓ نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی، آپ ﷺ نے رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہا، پیچھے سے حضرت معاویہؓ نے کہا ربنا لک الحمد، اس عظیم تر شرف کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟

انصاف کیجیے کہ آپ ﷺ کی معیت و رفاقت اور صحابیت کا جو شرف حضرت معاویہؓ کو میسر آیا کیا بعد کے لوگوں کو اس دولت کا کوئی حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟

عظمت صحابہؓ عقل سلیم کی روشنی میں

جس طرح مندرجہ بالا آیات اور احادیث و آثارِ صحابہ سے صحابۂ کرامؓ کا مقتدا اور متبوع ہونا نیز معیارِ حق ہونا ثابت ہوتا ہے، عقل و فہم کا مقتضا اور علم و حکمت کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات قدسی صفات کی طرح صحابۂ کرامؓ کی شخصیات بھی معتمد علیہ، معیارِ حق اور حجت شرعیہ ہوں؛ کیوں کہ آنحضور ﷺ کا لایا ہوا دین آفاقی ہے، یعنی پوری انسانیت اور پوری دنیا کے لیے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور سورۂ جمعہ میں امت محمدیہ کے دو طبقے ایک امیین یعنی باشندگانِ جزیرۃ العرب اور دوسرے آخرین یعنی جزیرۃ العرب کے علاوہ پوری دنیا کے سارے باشندے ذکر کیے گئے اور دونوں قسموں کے درمیان واو عاطفہ لایا گیا ہے، جو من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغایرت پر دلالت کرتا ہے، اس اعتبار سے دونوں میں یہ فرق ہوا کہ پہلی قسم میں تبلیغ کی ذمے داری نبی کریم ﷺ پر اور دوسری قسم میں تبلیغ کی ذمے داری صحابۂ کرامؓ کے ذمے رکھی گئی ہے، چنانچہ جب جزیرۃ العرب میں اشاعت اسلام کے آثار نمایاں نظر آنے لگے تو سورۂ نصر کا نزول ہوا جس میں آپ کو فراغ ذمہ کی خبر دی گئی اور جزیرۃ العرب اور اس کے باہر ساری دنیا میں دین کی تبلیغ و اشاعت کی نمائندگی اور تبیین و تشریح صحابۂ کرامؓ کے حوالے کر دی گئی، اب اگر ان کا قول و فعل حجت شرعیہ نہ ہو اور ان کی بیان کردہ تبیین و تشریح قابل اعتماد نہ ہو تو ان کے ذریعے سے دین کی تبلیغ اشاعت کی کوئی صورت نہیں بنتی، یعنی عقل و فہم کا فیصلہ یہ ہے کہ جب صحابۂ کرامؓ کو یہ ذمے داری سونپی گئی ہے تو لازماً اس ذمے داری کے مقتضیات بھی تسلیم کرنے ہوں گے، علاوہ ازیں صحابۂ کرامؓ بلا واسطہ فیضانِ نبوت سے مستفیض ہوئے ہیں اور بعد میں آنے والی امت بالواسطہ فیضان نبوت سے مستفیض ہوئی ہے اور عقل و فہم میں یہ بات بہت آسانی سے آسکتی ہے کہ استاذ کا بلا واسطہ اثر قوی ہوتا ہے اور واسطہ در واسطہ میں ضعف آجاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ فیضان نبوت کی تاثیر کا ظہور صحابۂ کرامؓ میں کس طرح ہوا؟ علم کے اعتبار سے یا عمل کے اعتبار سے یا مقتدائیت کے اعتبار سے؟ لامحالہ صحابۂ کرامؓ کا امتیاز مقتدا ہونے کے اعتبار سے تسلیم کرنا ہوگا۔ چونکہ محض علم کے اعتبار سے تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ مشہور ہے ''کم ترک الأول للآخر'' پہلے گروہ نے بعد والے کے لیے کتنا ہی علم چھوڑا ہے۔ اور صرف

باعتبار عمل کے بھی ان کا امتیاز نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ عمل اصل کمال نہیں ہے لہٰذا مقتدائیت کے اعتبار سے صحابۂ کرامؓ کا امتیاز تسلیم کرنا ہوگا، اور متقتدا وہی ہوتا ہے جو کمال علمی کا بھی حامل ہو، نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس بھی درحقیقت کمالِ علمی کا مظہرِ اتم ہے اور اسی لیے وہ امت کے مقتدا ہیں، اور یہی خصوصیت و امتیاز آفتاب نبوت سے بلاواسطہ فیض پانے والے صحابۂ کرامؓ کو حاصل ہے لہٰذا وہ بھی مقتدا اور معیارِ حق ہوں گے۔ چناں چہ صحابۂ کرامؓ کو معیار نہ ماننا جادۂ حق سے انحراف اور کھلی گمراہی ہے۔

(۲) دوسری دلیل عقلی جس کو حضرت مفتی یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے:

''حضرات صحابۂ کرامؓ ہمارے محبوب ہیں اور محبوب کی اقتدا و اتباع اور ان کی عظمت کا قائل ہونا اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے۔ اور ہمارے محبوب اس لیے ہیں کہ محبوبِ کبریا کے اک عاشق و محب و جانثار و فداکار تھے، ان کی نظر محبت نے ہمارے محبوب کے جمالِ جہاں آرا کو آئینہ قلب میں جذب کیا تھا، اس لیے ان سے محبت کا ہونا تقاضۂ ایمان اور لازمۂ حب رسول ہے''۔

نیز منطقی قاعدہ کہ محب کا محب بھی محب ہوتا ہے، کی وجہ سے بھی یہی ہونا چاہیے۔

(۳) محبت کا ایک منشا محبوب کے کمالات ہوتے ہیں، اور انبیائے کرامؑ کے بعد چشم فلک نے حضرت محمد B کے جانثار خدام جیسے صاحب کمال افراد نہیں دیکھے، اس لیے یہ حضرات ان کمالاتِ ظاہری و باطنی پر بھی ہمارے محبوب ہیں، قرآن کریم نے ان کی علمی و عملی، اخلاقی اور نفسیاتی کمالات کی شہادت دی ہے۔

(۴) یہ حضرات ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ ہمیں اسلام اور ایمان کی دولت انھیں کے دم قدم سے میسر آئی، اور قیامت تک آنے والی امت کے نیک اعمال ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے، اور محبوب و محسن کا مطاع اور مقتدا ہونا سو یہ ایک فطری عمل ہے جس کو ہر خاص و عام جانتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کے نقشِ قدم کو اپناتا ہے اسی کے اطوار و عادات سیکھتا ہے اور بقدر محبت اس کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے، ہر چند کہ یہ چیز نہ صرف فطری اور وجدانی ہے بلکہ محسوس و مشاہَد بھی ہے تاہم اگر نقل سے بھی اس کی تائید لانا ضروری ہو تو پڑھئے اور سمجھئے حق تعالیٰ شانہ کا فرمان:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ'' (۲۰)

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان:

''المرء مع من أحب وأنت مع من أحببتَ'' نیز ''المرء على دين خليله'' (۲۱)

عظمت صحابہ اہل سنت والجماعت کی نظر میں

(۱) اہل سنت والجماعت صحابۂ کرامؓ کے اجماعی فیصلوں کو حجتِ شرعیہ مانتے ہیں یعنی حضراتِ صحابۂ کرامؓ نے

اپنے دور میں اجماعِ تصریحی و اجماعِ سکوتی کے ذریعے جو مسائل طے کیے ہیں، وہ بھی بمنزلہ نصوصِ صریحہ کے حجتِ قطعیہ ہیں۔

(۲) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابۂ کرامؓ کے عادل اور ثقہ ہونے کا ہے۔

(۳) اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابۂ کرامؓ وہ نفوسِ مطہرہ ہیں کہ جن کا تقدس عدالت و ثقاہت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

(۴) اہل سنت والجماعت کے نزدیک خلفائے اربعہؓ بالترتیب افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔

(۵) جمہور علمائے امت کے نزدیک اصحابِ محمد ﷺ پاکیزہ ترین ارواحِ مقدسہ ہیں، ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں۔

(۶) تمام صحابۂ کرامؓ معیارِ حق یعنی دین حق کو سمجھنے کا پیمانہ اور کسوٹی ہیں۔

(۷) تمام صحابۂ کرامؓ دین اسلام کی تبیین و تشریح کے لیے اتھارٹی اور حجت شرعیہ ہیں۔

(۸) صحابۂ کرامؓ کو معیارِ حق نہ ماننا جادۂ حق سے انحراف اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

(۹) ساری دنیا کے انسانوں میں انبیائے کرامؑ کے بعد کوئی، صحابۂ کرامؓ سے فضل و کمال میں فائق اور مقتدائیت میں بڑھ کر نہیں ہے۔

(۱۰) جماعتِ انبیاء کے علاوہ جن و بشر کا کوئی بھی فرد ان کی عظمت کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۱) تمام صحابۂ کرامؓ نجوم ہدایت ہیں، انھیں ماننے والا مسلمان، نہ ماننے والا زندیق ہے۔

(۱۲) صحابۂ کرامؓ کو سبّ و شتم کرنے والا، ان پر جرح کرنے والا مستحق لعنت و موجب سزا ہے، بہر حال انھیں تنقیص و تنقید کا نشانہ بنانا حرام و ناجائز ہے۔

(۱۳) صحابۂ کرامؓ کی تنقیص و تنقید کرنے والا بد اعتقاد و بد دین ہے، عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے ''ویکف عن ذکر الصحابة إلا بخیر''۔

(۱۴) اکابر صحابۂ کرامؓ گناہوں سے محفوظ تھے معصوم نہیں تھے۔

(۱۵) صحابۂ کرامؓ کی محبت اہل ایمان کا قیمتی سرمایہ ہے، اور ان سے بغض و عداوت منافقوں کا شیوہ ہے۔

(۱۶) ایمان اور ایمانیات میں صحابۂ کرامؓ کی اتباع بھی شرط ہدایت ہے۔ کیوں کہ ان کا ایمان معیاری ہے۔

(۱۷) صحابہؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

(۱۸) صحابۂ کرامؓ کو مجروح و غیر معتد بہ قرار دینا، رفض و تشیع کو فروغ دینا ہے اور دین اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عظمت صحابہؓ سمجھنے کی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علينا إلا البلاغ

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.



حوالہ جات

(۱) آل عمران:۱۱۰

(۲) عثمانی:۸۲

(۳) الفتح:۱۸

(۴) معارف القرآن ادریسی:۷/۴۶۳

(۵) معارف القرآن ادریسی:۷/۴۷۰

(۶) التوبۃ:۲۰-۲۲

(۷) الفتح:۲۹

(۸) الحجرات:۷-۸

(۹) النساء:۶۹-۷۰

(۱۰) ترمذی:۲/۲۲۶

(۱۱) بخاری شریف:۱/۵۱۸، مسلم شریف:۱/۳۱۰

(۱۲) ترمذی:۲/۲۲۷

(۱۳) مشکاۃ:۳۲

(۱۴) مسند احمد، رقم:۳۶۶۷

(۱۵) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی:۴۹

(۱۶) اختلاف امت اور صراط مستقیم:۴۳۴

(۱۷) حوالہ سابق

(۱۸) تطہیر الجنان، ابن حجر مکی:۱۰

(۱۹) حوالہ بالا

(۲۰) آل عمران:۳۱

(۲۱) ـ ترمذی، کذا فی المشکاۃ:۴۲۷ـ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

کرامات صحابہ رضی اللہ عنہم

کرامات سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیس وسق (یعنی ساٹھ صاع تقریباً پانچ من) کھجوریں جو درختوں میں لگی تھیں، ہبہ کی تھیں، اور اپنی وفات سے پہلے ہی فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں اور مجھے تمہاری حاجت مندی بھی پسند ہے، بلاشبہ بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں ہبہ کی تھیں، اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوکہ ہو جاتیں؛ لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے، جس میں تمہارے دو بھائی اور تمہاری دو بہنیں شریک ہیں، بس اس کو تم قرآنِ کریم کے احکام کے موافق تقسیم کر لو، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ابا جان! اگر زیادہ بھی ہوتیں تو تب بھی میں اس ہبہ سے دست بردار ہو جاتی؛ لیکن یہ تو فرمائیے کہ میری بہن تو صرف اسماء ہے، یہ دوسری کون؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بنت خارجہ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے''، اس واقعہ کو ابن سعد نے اس طرح روایت کیا ہے کہ بنت خارجہ کے پیٹ کی لڑکی کو میرے دل میں القاء کیا گیا، یعنی میری بیوی بنت خارجہ کے پیٹ میں لڑکی ہی ہے، پس میری اس نصیحت و وصیت کو قبول کرو، بالآخر جناب ام کلثوم پیدا ہوئیں'' (۱)

اس وصیت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی الہامی کرامت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پیٹ ہی میں جناب ام کلثوم کے وجود کو معلوم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تمہاری بہن موجود ہے۔

ابویعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک قصہ کے تحت نقل کیا ہے کہ

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ

نے اس دنیا سے کس دن رخصت فرمائی؟ انہوں نے کہا: پیر کے دن، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک رات کے بعد اسی چیز کا امیدوار ہوں؛ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منگل کی رات میں داعی اجل کو لبیک کہا اور صبح ہونے سے پہلے ہی پہلے آپ دفن کیے گئے'' (۲)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ دوسری کرامت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جو حکم لگایا تھا، اسی وقت آپ کی وفات ہوئی، اگرچہ زہوقِ روح (روح نکلنا) شب میں ہوا؛ لیکن وفات کے مقدماتِ یقینیہ دن ہی میں واقع ہوئے جو موت کے حکم میں ہیں۔

جناب سعد نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت مکہ معظمہ تھرایا تھا، جس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد جناب ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ زلزلہ کیسا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادہ نے جامِ رحمت نوش فرمایا جس پر جناب ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو بڑی سخت مصیبت آن پڑی'' (۳)

آپ لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ کانپا، تھرایا اور زلزلہ پذیر ہوکر آپ کی کرامت کا ظہور رہا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے ایک بڑم قصہ میں منقول ہے کہ

''ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کی دعوت کی اور خود بھی شریک طعام تھے، جس میں ہر شخص یہ محسوس کررہا تھا اور مشاہدہ میں بھی آرہا تھا کہ ہر لقمہ اٹھانے کے بعد کھانا پہلے سے زیادہ بڑھ جاتا، گویا اور پیدا ہوجاتا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے جو بنی فراس کے قبیلہ کی تھیں فرمایا: اے ہمشیرۂ بنی فراس! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: اے آنکھوں کے سکھ، کلیجہ کی ٹھنڈک! اس وقت تو یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، چنانچہ ان سبھوں نے خوب کھانا کھایا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی روانہ کیا، جسے حضور ہادیٔ کل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جان نوش فرمایا'' (۴)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیک نیتی اور برکت کا یہ طفیل تھا؛ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ادنی ظہور تھا کہ تھوڑا سا کھانا تمام مہمانوں نے کھایا جس میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔

محمد بن منظور سے روایت ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پُرنور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیمار دیکھا اور پھر اس بیماری کی اطلاع کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور ان سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی علالت کو بیان ہی فرمارہے تھے کہ عین اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہادیٔ کل صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوکر اندر آنے کی اجازت چاہی جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ابا

جان تو آ رہے ہیں، اس پر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس بات سے کہ شافی مطلق نے اتنی جلد اچھا کر دیا، تعجب فرمایا، صدیق اکبر ﷺ نے کہا کہ حضور جوں ہی میرے پاس سے نکلے جبریل امین ﷺ نے آ کر مجھے ایک دوا سنگھائی اور میں تندرست ہوگیا، اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے بھی بیان فرمایا ہے''(۵)

حضرت صدیق اکبر ﷺ کی یہ کرامت بھی آپ نے دیکھی کہ ایک ہی لمحہ میں بیماری سے صحت یاب ہوگئے اور حضرت جبریل ﷺ کے ذریعہ احکاماتِ الٰہی کو حاصل کیا۔

ابو جعفر سے روایت کی گئی ہے کہ

''سرکار دوعالم ﷺ اور جبریل امین ﷺ کی سرگوشیوں کو سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ سنتے تھے اور ان کو دیکھتے نہیں تھے، اس کو مصاحف میں بھی ابوداؤد نے لکھا ہے اور حافظ محدث ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے''(۶)

حدیبیہ سے متعلق مذکور ہے کہ

''حضرت عمر فاروق ﷺ نے کہا کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول ہیں؟ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: ہاں، ہوں، پھر میں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں؟ اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہیں، پھر میں نے عرض کیا تو ہم اپنے دین کے بارے میں اب ذلت کیوں گوارہ کریں؟ یعنی جبکہ ہم حق اور سچائی پر قائم ہیں تو وہ صلح جو مصلحۃً کر لی گئی ہے، اسے برقرار کیوں رکھیں؟ اس پر سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد ہوا: میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہ ہماری مدد کرنے والا ہے اور انجام کار ہمیں غلبہ دے گا، پھر میں نے کہا: آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ آئیں گے؟ اور اس کا طواف کریں گے؟ اس پر سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: ہاں؛ لیکن میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال آئیں گے؟ میں نے عرض کیا جی نہیں، اس پر سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم یقیناً یہاں آؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے، اس کے بعد میں نے صدیق اکبر ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ سرور عالم ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا بے شک ہیں، میں نے کہا کیا ہم حق وراستی پر اور ہمارے دشمن کجراہی اور باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا کہ اس وقت جبکہ ہم راستی پر ہیں اور مخالف باطل پر تو دین کے بارے میں اس صلح کو برقرار رکھ کر ذلت کیوں اختیار کریں؟ جس پر صدیق ﷺ نے جواباً کہا: اے مرد خدا! سُن

سرورِ عالم ﷺ بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور ان کو غلبہ دینے والا ہے، پس تم ان کے احکام کی سختی سے تعمیل کرتے رہو؛ کیوں کہ اللہ کی قسم! وہ راستی اور حق پر گامزن ہیں، پھر میں نے اور دریافت کیا کہ کیا انہوں نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم بیت اللہ آکر اس کا طواف کریں گے؟ جس پر صدیق اکبر ﷺ نے جواب دیا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس جرأتِ دریافت کے تدارک کے لئے بہت سے نیک اور صالح اعمال کئے'' (۷)

سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا جواب لفظ بلفظ بالکل رسالت مآب ﷺ کے جواب کے برابر پایا جانا بالعموم لوگوں کی عادتوں کے خلاف ہے؛ اس لئے یہ بھی آپ ﷺ کی کرامت تصور کی گئی، امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر ﷺ کی نیک نیتی اور برکت کا طفیل تھا؛ بلکہ درحقیقت آپ ﷺ کی کرامت تھی کہ اپنی کرامتوں اور خرقِ عادت کاموں کو دوسروں پر واضح الفاظ میں بیان نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ خود کو ادنی بندہ کہتے اور اکثر اوقات اپنے اقوال وکردار سے کرامتوں کا اظہار فرماتے؛ تاکہ تمام لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

کراماتِ خلیفۂ دوم فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں القاء کی جاتی تھیں، یعنی الہام ہوتا تھا اور میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہیں'' (۸)

نیز علامہ طبرانی نے کتاب الاوسط میں جناب ابوسعید خدری ﷺ کے ذریعہ ایک لمبی مرفوع حدیث کے تحت بیان کیا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے جس امت پر کوئی نبی بھیجا تو اس امت میں کوئی نہ کوئی ملہم ضرور ہوتا تھا، یعنی نبی کی آمد سے قبل اس امت میں ایسی شخصیت ضرور ہوتی تھی، جس پر پروردگار الہام فرماتے رہتے تھے، اور اگر ان الہاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونے والا کوئی شخص میری ملت میں ہے تو وہ عمر ہیں، صحابہ ﷺ کے استفسار پر کہ محدث وملہم کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: اس کی زبان پر فرشتے بولتے ہیں، یعنی اس شخص ملہم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ فرشتے اس سے جو کچھ کہتے ہیں وہ فرشتوں کی کہی ہوئی باتوں کو انسانوں سے کہہ دیتا ہے اور کوئی بات اپنی طرف سے کسی سے بھی نہیں کہتا'' اس حدیث کی سند حسن یعنی معتبر ہے۔ (۹)

ان دونوں حدیثوں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا صاحب الہام ہونا، آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں لفاظ ''إن یکن ''یعنی اگر کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے تا کہ انتہائی وثوق ظاہر ہو اور کلام میں قوت پیدا ہو، جیسے کوئی شخص اپنے پکے دوست سے یوں کہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی یار ہے تو وہ تم ہو، اس جملہ سے کسی سمجھ دار کو اس کی یاری اور دوستی میں وہم اور شک پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ بہت انتہاء و پکی دوستی کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ پچھلی امتوں میں صاحب الہام ہوا کرتے تھے تو ملت اسلامیہ جو باعتبار علم و فضل افضل تر ہے، اس نعمت الہام سے زیادہ تر مشرف ہوئی، ان دونوں حدیثوں میں کوئی لفظ تو کیا، کوئی نقطہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے پر منحصر اور دلالت کرتا ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا صاحب الہام ہونا پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جو بالکل صحیح ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر الہامات کی بارش آپ رضی اللہ عنہ کے اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف ہے، نیز ہر شخص پر واضح ہے کہ تقریباً بائیس مقامات ایسے ہیں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے فرمانِ پروردگار کے عین موافق تھی، جن کا تذکرہ قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے۔(۱۰)

امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''البتہ میں نے انسانوں، جناتوں اور شیاطین کو دیکھا کہ وہ عمر کے خوف سے بھاگ گئے''(۱۱)

اور امام احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! البتہ تم سے شیطان تک ڈرتا ہے''(۱۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جناب ساریہ کی قیادت میں جہاد کی غرض سے ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اپنے اسی خطبہ کے دوران میں فرمانے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا، آپ رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا؛ کیوں کہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی امید تھی، جب تھوڑے دنوں بعد اس فوج کا قاصد آیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی کا حال پوچھا، قاصد نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ایک دن شکست کھانے والے تھے کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی، جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا، اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا، اور ہم نے پہاڑ کی طرف پیٹھ کر کے سہارا لیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو شکست فاش دی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا: جبھی تو آپ جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان اسی لئے چیخ رہے تھے، اور یہ پہاڑ جہاں جناب ساریہ اور ان کی فوج تھی، مشرق کے شہر نہاوند میں تھا''(۱۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام دریافت کیا، اس نے کہا: جمرہ (بمعنی چنگاری) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ تمہارے باپ کا نام؟ اس نے جواب دیا کہ ابن شہاب (بمعنی شعلہ) پھر پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے فرد ہو؟ اس نے کہا حرقۃ (بمعنی سوزش) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بود باش کی جگہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا حرہ (یعنی گرمی) اور دوبارہ دریافت پر کہ حرہ کے کس حصہ میں سکونت پذیر ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ذات نظی (بمعنی شعلہ والا) میں، اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جا اپنے کنبے کی خبر لے کہ وہ سب جل کر سوختہ ہوگئے، چنانچہ اس آدمی نے لوٹ کر اپنے کنبے والوں کو سوختہ سامان پایا'' (اس تاریخی واقعہ کو ابوالقاسم بن بشر نے فوائد میں اور جناب مالک - رحمہ اللہ تعالیٰ - نے بروایت یحیٰ بن سعید موطأ میں اور ابن درید نے اخبار مشہورہ میں اور ابن کلبی نے جامع میں بیان کیا ہے) (۱۴)

جناب ابن عساکر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے طارق بن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ

''ایک شخص تھا جو دوران گفتگو میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جب کوئی جھوٹی بات کہتا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے اس بات کو یاد رکھنا، پھر باتیں کرنے لگتا اور پھر جب کوئی جھوٹ بات کہتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کو ٹوک کر فرماتے اس بات کو بھی یاد رکھنا، آخر کار اس شخص نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری تمام گفتگو میں جہاں جہاں ٹوک کر آپ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یاد رکھنا فرمایا ہے بس یہ جھوٹی ہیں اور باقی پوری باتیں ٹھیک اور سچی ہیں، حافظ حدیث جناب ابن عساکر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جھوٹی بات کا پہچاننا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حق تھا'' (۱۵)

ہر جھوٹی بات پہچان لینا یہ آپ رضی اللہ عنہ کا سچا ادراک بلکہ درحقیقت کشفِ فراست تھا جو خرق عادت ہے، اور آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کا مظہر ہوا، اس شبہ کا جواب کہ بعض عقلمند بھی قرائن سے ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں، جن کو خرق عادت کہا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عقلمندوں کا اندازہ صرف تحقیق پر مبنی ہوتا ہے اور ان کا قیاس بیشتر اوقات اس لئے صحیح نہیں ہوتا کہ وہ فراست کشفیہ کے مالک نہیں ہیں اور فراستِ کشفیہ میں کسی قرینہ کی تحقیق کی حاجت نہیں؛ بلکہ ایسے کاشف کو خود بخود ضروری علم حاصل ہوجاتا ہے، نیز چوں کہ کشف کو شرعی حجت قرار نہیں دیا گیا؛ اس لئے محض کشف کی بنیاد پر کسی سے بدگمانی کرنا بھی جائز نہیں رکھا گیا، پس جس صورت میں کشف پر عمل کرنے سے کوئی شرعی عذر لازم آئے، ایسے کشف پر عمل نہ کیا جائے گا؛ بلکہ اسباب ظاہری کی تحقیق پر جو نتیجہ ہاتھ آئے اس پر کاربند ہونا چاہئے۔

علامہ بیہقی نے کتاب الدلائل میں بروایت ابی ہدیہ حمصی بیان کیا ہے کہ

''عراقیوں کے اپنے حاکم اعلیٰ کو سنگسار کرنے کی خبر حضرت فاروق اعظم ﷺ کو پہنچی تو ان کی یہ ناشائستہ حرکت سن کر آپ کو غصہ آگیا اور آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، جس میں آپ ﷺ کو سجدۂ سہو لازم ہوگیا، آپ ﷺ نے نماز ختم کر کے دعا کی کہ اے اللہ! ان ظالم عراقیوں نے مجھے شبہ میں ڈال دیا، جس سے میری نماز میں سہو ہوگیا، اے بار خدایا! تو ان کو بھی شبہ میں ڈال دے اور نوعمر ثقفی کی حکومت کو ان پر جلدی سے مسلط کر دے؛ تا کہ ان پر زمانۂ جاہلیت جیسی حکومت نظر آئے، نیک و بد کی مطلق تمیز نہ کرنے والی رعایا پر یہ نئی حکومت اپنا حکم چلائے اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے ان کی اچھائیوں کو شرف قبول بھی نہ دے، علامہ کہتے ہیں کہ اس نئی حکومت سے فاروق اعظم ﷺ کی مراد حجاج سے تھی؛ لیکن ابن لہیہ کا بیان ہے کہ حجاج اس تاریخ تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا''

حضرت فاروق اعظم ﷺ کا غصہ کی حالت میں ان ظالم عراقیوں کے لئے ایسی دعا کرنا جس سے بددعا کا غالب گمان واضح ہوتا ہے کہ یہ بددعا دراصل دعویٰ اور مقابلہ کے عنوان اور طریق پر ہے اور اس صورت میں اس قسم کی دعا کرنا درست اور جائز ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ ﷺ کی ہر دعا کا قبول ہونا خرقِ عادت اور کرامت ہے۔

جناب ابن سعد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت سلیمان بن یسار (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ

''سیدنا فاروق اعظم ﷺ کی وفات حسرت آیات پر جنات نے بھی اظہار رنج وغم کیا اور نوحہ پڑھا'' (۱۶)

حضرت حکم نے مالک بن دینار سے روایت کی ہے کہ

''جس وقت حضرت عمر ﷺ مقتول ہوئے تو جبل تبالہ سے یہ آواز آئی، اسلام سے محبت رکھنے والے کو اسلام کی حالت پر رونا چاہئے، اسلامی زمانہ اگرچہ پرانا نہیں؛ لیکن اہل اسلام بچھڑ گئے اور مسلمانوں میں ضعف نمودار ہوگیا، دنیا اچھائیوں اور دنیا والوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا اور جس کو موت کا یقین ہے وہ تو اس دنیا میں ملول اور رنجیدہ ہی رہتا ہے، چوں کہ دنیاوی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں اور آخرت میں حشر ونشر اور بقا پیش آنے والی ہے؛ اس لئے اس دنیا میں عقلمندوں کو سکون جامد جس کو چین اور سکھ کا نام دیا گیا ہے، ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا'' (۱۷)

جنات کی یہ گریہ وزاری اور ان کے آہ وبکا کا سنا جانا نہ صرف عجیب وغریب امر ہے؛ بلکہ یہ بات خوارقِ عادت میں داخل ہے۔

حافظ الحدیث ابوالشیخ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب العصمہ میں قیس بن الحجاج کے ذریعہ بیان کنندہ سے روایت کی ہے کہ

''مصر فتح ہونے کے بعد عجمی مہینوں میں سے ایک مہینہ کی پہلی تاریخ کو ایک وفد نے رئیس مملکت

حضرت عمرو بن العاص ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے امیر المؤمنین! ہمارا یہ معمول ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہ کر دی جائے ہمارے اس دریائے نیل میں روانی نہیں ہوتی، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا: بتاؤ تو تمہارا معمول کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارا سالانہ دستور یہ ہے کہ ہر سال ایک کنواری جوان لڑکی کو جو اپنے والدین کی اکلوتی ہوتی ہے اس کے والدین کو راضی کر لیتے ہیں اور پھر اس کو نہلا دھلا کر اس کو اچھے اچھے کپڑے اور عمدہ سے عمدہ زیورات پہنا کر اور اس کو خوب سجا کر دریائے نیل کی نظر کر دیتے ہیں، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے یہ سب کچھ سن کر فرمایا: یہ سب کچھ ایام جاہلیت کی رسوم ہیں اور خدا کی قسم اسلام کے عہد میں تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوگا! اس لئے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے تمام رسوم کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ تمام مصری خاموش ہو گئے اور اس سال زندہ لڑکیوں کو اس طرح ڈبونے کی رسم ادا نہ ہونے سے دریائے نیل کی روانی رُکی رہی، دریا کی روانی کو بند دیکھ کر لوگوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے ان تمام حالات کی امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم ؓ کو اطلاع دی، جنہوں نے جواب میں لکھا کہ اے عمرو بن العاص! تم نے جو کچھ کیا درست کیا اور تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے، اسلام نے رسوم سابق کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا ہے، نیز اپنے مکتوب گرامی میں ایک علیحدہ پرچہ رکھ کر حضرت عمرو بن العاص ؓ کو لکھا کہ تمہارے موسومہ خط میں ہم ایک علیحدہ پرچہ بھیج رہے ہیں، اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا، پس عمرو بن العاص ؓ نے اپنے موسومہ خط میں اس علیحدہ پرچہ کو پڑھا جس میں مرقوم تھا: از طرف عبد اللہ عمر امیر المؤمنین بنام نیل مصر، حمد وصلاۃ کے بعد اگر تو باختیار خود بہتا ہے تو ہرگز مت چل اور اللہ تعالیٰ تجھ کو رواں کرتے ہیں تو خداوند یکتا و زبردست سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو جاری کرے، چنانچہ عمرو بن العاص ؓ نے ستارۂ صلیب نکلنے سے ایک دن پہلے کے وقت اس حکم نامہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا، دوسرے دن صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ اونچا پانی دریائے نیل میں اللہ تعالیٰ نے جاری فرما کر لڑکی کے ڈباؤ کے دستور قدیم کو اہلیانِ مصر سے آج تک کے لئے مسدود و منقطع کر دیا'' (۱۸)

معزز حکم نامہ میں ''إن کــان'' یعنی اجرائے آب میں لفظ اگر سے توبہ توبہ کوئی بھی یہ شک نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری طاقت پانی پر قابض ہے؛ بلکہ فاروق اعظم ؓ کی اس قسم کی تحریر سے تاکید ثابت ہوتی ہے، یعنی اے دریائے نیل! تو تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے، اس پر تیرا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں اور ''جاری مت ہو'' کا لفظ کہنا محض زجر و توبیخ اور سرزنش کے لئے تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح کا بھی مختار نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی

ہے، اللہ سے ڈرنے والی شخصیت کی سب پر حکومت ہوتی ہے۔

یحیی بن ایوب خزاعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ

''ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کی قبر پر جا کر فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں پروردگار عالم سے ڈرتا رہا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے دو باغ دے گا: (﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ یہ سورۂ رحمٰن میں موجود ہے) اس نوجوان نے اپنی قبر میں سے جواب دیا، اے فاروق اعظم! مجھے تو پروردگار نے ایسے دو مرتبہ عطا فرمائے ہیں'' (اس دراز قصہ کو حافظ ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے)۔(۱۹)

حضرت معدان بن ابی طلحہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک واقعہ کے تحت لکھا ہے کہ

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگو سنو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ دو لال مرغوں نے مجھے ٹھونگیں ماریں اور اس خواب کی تعبیر میری موت کی قربت ہے'' (اس واقعہ کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے)۔(۲۰)

چوں کہ یہ خواب الہامی کشف تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کی رحلت سے ثابت ہوا اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت مجاہد (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

''ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تمام شیاطین مقید اور بند تھے؛ لیکن ان کے وصال کے بعد یہ سارے طاغوت پھیل گئے'' (اس خبر کو حافظ حدیث ابن عساکر نے بیان کیا ہے)(۲۱)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

''میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کہیں یہ کہتے نہیں سنا کہ میں امر کے متعلق یہ اور یہ گمان کرتا ہوں؛ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جیسا آپ فرماتے تھے ویسا ہی ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک شخص گذرا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا گمان غلط نکلا، یہ تو زمانۂ جاہلیت میں نجومی اور فال بتانے والا تھا اور اب تک اپنے پرانے دین پر قائم ہے، ذرا اس کو میرے پاس تو لاؤ، جب وہ حاضر ہو گیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میرا یہ گمان غلط تھا کہ اب تک تم اپنے پرانے مذہب پر قائم ہو اور زمانۂ جاہلیت میں تم نجومی اور فال دیکھنے والے تھے؟ اس نجومی نے جواب دیا، میں نے آج تک تم جیسا مسلمان نہیں دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اچھا تم مجھے اپنے پورے حالات بتاؤ، اس پر اس نجومی نے کہا کہ ہاں میں ایام جاہلیت میں ان کا کاہن تھا'' (اس کو

امام بخاری نے بھی بیان کیا ہے'' (۲۲)

کرامات سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ

''خلیفۂ سوم حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید کی نعش مبارک آپ کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے طق، طق ''دفن دفن'' کی پے در پے آواز آ رہی تھی؛ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک باغ کوکب پہنچائی گئی، جہاں آپ رضی اللہ عنہ دفن کیے گئے'' (۲۳)

حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ

''سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جب کبھی باغِ کوکب سے گزرتے تو فرماتے کہ یہاں عنقریب ایک نیک مرد دفن کیا جائے گا؛ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ خود وہاں دفن کیے گئے''

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ

''حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے ایک دن صبح کے وقت بیان فرمایا: میں نے رات کو دیکھا کہ سرور کائنات محمد ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! آج کا روزہ ہمارے پاس کھولنا؛ چنانچہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو روزہ کی حالت میں اسی دن شہید کیا گیا، اس واقعہ کو حاکم نے بھی بیان کیا ہے'' (۲۴)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ کو خواب میں یہ بھی کہتے سنا کہ اے عثمان! تم جمعہ کے دن ہمارے پاس آ جاؤ گے۔ (۲۵)

چوں کہ جمعہ کے دن ہی آپ رضی اللہ عنہ نے روزہ کی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا خواب مزید کسی تعبیر کا محتاج نہ رہا، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت نہیں ہے تو کیا چیز تھی؟

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مجن کہتے ہیں کہ

''ایک دن میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی زمین پر گیا، جہاں ایک عورت نے — جو کسی تکلیف کا شکار تھی — آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھ سے زنا کی غلطی ہوگئی، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو حکم دیا کہ اس عورت کو نکال دو، چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا، تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آ کر پھر کہا کہ میں نے تو زنا کیا ہے؛ چنانچہ سرکار کے فرمانے پر کہ اے مجن! اسے باہر نکال دو میں نے دور بھگا دیا اور تیسری مرتبہ پھر اس عورت نے کہا: اے خلیفۂ وقت! میں نے بلا شک وشبہ زنا کیا ہے اور میرے تین مرتبہ کے اقرار پر حد زنا جاری فرمائی جائے، اس پر

میرے آقا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: او ناواقف مجنن! اس عورت پر مصیبت آپڑی ہے اور مصیبت و تکلیف ہمیشہ شر و فساد کا سبب ہوتی ہے، تم جاؤ اور اس کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کو پیٹ بھر روٹی اور تن بھر کپڑا دو، اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو میرے آقا نے فرمایا تھا، یعنی میں نے آرام سے رکھا، تھوڑے دنوں بعد جب اس کے ہوش وحواس ٹھکانے لگے اور وہ مطمئن ہوگئی تب آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اب کھجور، آٹا اور کشمش سے ایک گدھا بھر کر کل اس کو جنگل کے باشندوں کے پاس لے جاؤ اور ان بادیہ نشینوں سے کہو کہ اس عورت کو اس کے کنبہ والوں اور اہل وعیال کے پاس پہنچادیں؛ چنانچہ میں کھجوروں، کشمش اور آٹے سے بھرے ہوئے گدھے کو لے کر اس کے ساتھ روانہ ہوا، میں نے راستہ چلتے چلتے کہا کہ کیا اب بھی تم اس کا اقرار کرتی ہو، جس کا تم نے امیر المؤمنین کے سامنے اقرار کیا تھا؟ وہ کہنے لگی نہیں ہرگز نہیں؛ کیوں کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ تو صرف مصیبتوں اور تکلیفوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے سے کہا تھا؛ تا کہ حد لگا دی جائے اور مصیبتوں سے نجات پا جاؤں، اس واقعہ کو عقیلی نے بھی کہا ہے'' (۲۶)

لوگو! دیکھو الہامی کشف تھا جو بالکل صحیح واقعہ ثابت ہوا، اس سے بڑھ کر اور کس کرامت کے طلب گار ہو؟ خلیفۂ سوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ مجسم کرامت تھے، ان کی کرامتوں کو مشتے از خروارے بیان کیا ہے۔

کرامات سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''آگاہ ہوجاؤ یہ شخص مجھے قتل کرے گا، اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کے قصاص کے بارے میں کیا چیز مانع ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے ابھی تک مجھ کو قتل نہیں کیا ہے؛ اس لئے قصاص لینا کسی طرح جائز نہیں ہے'' (۲۷)

آخر کار جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہی شیطنت پیش آئی، یعنی بد بخت ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، دیکھئے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر بات میں الہامی کشف ہوا کرتا تھا، جو ان حضرات کی کرامات ہیں۔

طبرانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب الاوسط میں اور ابو نعیم نے کتاب الدلائل میں جناب زاذان سے روایت کی ہے کہ

''جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے کسی سے گفتگو فرمائی جس نے دوران گفتگو ہی میں آپ رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا، اس پر جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جھوٹا تو دراصل تو ہے اور کیا تیرے جھوٹ کے اظہار کے لئے میں جناب باری عز اسمہ میں دعا کروں؟ اس بے وقوف نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے بڑی

دلیری سے کہا کہ میں تو سچا ہوں، اگر میں جھوٹا ہوں گا تو آپ رضی اللہ عنہ کی بددعا مجھے لگے گی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس جھوٹے کے حق میں بددعا کی اور آپ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوگئی، یعنی وہ جھوٹا ابھی بیٹھا تھا کہ بددعا کے ساتھ ہی اندھا ہوگیا اور اس مجلس سے اٹھنے بھی نہ پایا'' (۲۸)

حضرت ابو یحیی (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ

''میں نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا بھائی ہوں اور اس کلمہ کو میرے بعد سوائے کسی کذاب کے اور کوئی زبان پر نہیں لائے گا، عدنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین کی موجودگی میں ان کلمات کو جس شخص نے اپنی زبان سے ادا کیا وہ فوراً ہی مجنون اور پاگل ہوگیا'' (۲۹)

قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ

''جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے پڑھتے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اسلامی قسم دلاتا ہوں کہ ہر شخص کو جس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ میں جحفہ کے پاس جو مقام خمِ غدیر کے نام سے موسوم ہے، اس میں حضور سرور کائنات ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ اے مسلمانو! کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم کو پیارا نہیں ہوں؟ ان سب لوگوں کے اقرار کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس کا پیارا ہوں تو علی بھی اس کے پیارے ہیں، اے پروردگار! تو محبوب کرلے اس کو جو محبوب کرلے علی کو اور دشمنی کا مزہ چکھادے اس کو، جو علی سے دشمنی رکھے اور اے بارخدایا! جو علی کی مدد کرے تو تو اس کی مدد کر اور ذلیل و رسوا کر اس کو جو علی کو مصیبت میں تنہا چھوڑ دے، لوگو! سرورِ کائنات کو یہ اقوال کہتے ہوئے جس کسی نے سنا ہو وہ کھڑا ہوجائے؛ چنانچہ دس سے زیادہ آدمیوں نے کھڑے ہوکر گواہی دی کہ آپ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، ان آدمیوں کے سوا ایک قوم نے اس شہادت کو چھپایا جس کی وجہ سے ان کو برص کا مرض ہوگیا، یعنی ان کے جسم پر سفید داغ پڑ گئے اور وہ سب اندھے ہوکر اس دنیا سے فنا ہوئے، اس واقعہ کو خطیب نے افراد میں بیان کیا ہے'' (۳۰)

آپ نے یہ زندہ کرامت دیکھی کہ اس قوم کے افراد اندھے ہو ہوکر موت کے گھاٹ اترتے ہیں، اللھم احفظنا من کل الخطایا.

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ

''دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کا جھگڑا

سننے کے لئے آپ ؓ ایک دیوار کی جڑ میں بیٹھ گئے، ایک نے کہا کہ دیوار گر رہی ہے تو آپ ؓ نے فرمایا کہ تم اپنا بیان شروع کرو، حفاظت کے لئے اللہ کافی ہے، جب ان دونوں کے بیانات سن کر مقدمہ کا فیصلہ کر کے کھڑے ہوئے تو اس کے بعد وہ دیوار گر پڑی، اس واقعہ کو ابو نعیم نے کتاب الدلائل میں بیان کیا ہے'' (۳۱)

ابوالبختری سے روایت ہے کہ

''ایک شخص نے حضرت علی ؓ کے پاس آکر آپ ؓ کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا شروع کی، اس شخص کے متعلق جناب علی ؓ کو اس سے پہلے ہی کچھ معلومات ہو چکی تھیں، آپ ؓ نے فرمایا تو جو منافقانہ مدح سرائی کر رہا ہے میں تو اس سے بہت زیادہ بلند ہوں یعنی تو جس قدر میرا مرتبہ سمجھا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سر بلندی اور ذی مرتبہ کیا ہے، اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے'' (۳۲)

حیدر کرار کو اس جھوٹے مدح سرا کی خوشامد کا کشف بذریعہ الہام ہو جانا کرامت ہے۔

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ

''رمضان کا مہینہ تھا اور جناب شیر خدا ؓ ایک ایک دن جناب امام حسن ؓ جناب امام حسین ؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ کے پاس روزہ افطار کرتے تھے، آپ ؓ دو تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں کرتے تھے، آپ ؓ کی کم خوردنی دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ اس قدر کم کیوں کھا رہے ہیں؟ آپ ؓ نے جواب دیا: میری زندگی تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے، وہ وقت قریب ہے کہ میں بھوکا رہوں گا اور موت کا فرشتہ آجائے گا، آپ ؓ اسی شب میں شہید کر دیئے گئے'' اس واقعہ کو عسکری نے بھی بیان کیا ہے۔ (۳۳)

حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جناب شیر خدا ؓ نے فرمایا کہ

''رات کو خواب میں میرے محبوب یعنی رسول خدا ﷺ سے میری ملاقات ہوئی، میں نے ان سے عراقیوں کے طرز عمل کی شکایت کی جو آپ کے بعد انہوں نے مجھے مخالفت اور ایذاء رسانی کر کے پہنچائیں، اس پر رسالت مآب ﷺ نے مجھے ان کی ایذاء رسانی سے نجات دلا کر عنقریب راحت و آرام دلانے کا وعدہ کیا، اس خواب کے بعد شیر خدا ؓ صرف تین دن اس دنیا میں مقیم رہے اور اس کے بعد شہید کر دیئے گئے'' اس واقعہ کو عدنی نے بھی بیان کیا ہے۔ (۳۴)

جناب حسن بن کثیر اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

''حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے جہاں بطخیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آکر آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ دیکھ کر چلانے لگیں، لوگوں نے ان کو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہنکایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کو رہنے دو، چھوڑ دو یہ تو نوحہ پڑھ رہی ہیں، پھر ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا'' اس واقعہ کو ابن عسا کرنے بھی ذکر کیا ہے۔(۳۵)

جناب عاصم بن ضمرہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ جناب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ

''سرکار دو جہاں جب والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی جہاد میں روانہ کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے داہنے طرف جبریل امین علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام ہوتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ اس جنگ کو جیت کر واپس آجاتے تھے، یعنی جہاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام رہا کرتے تھے، اور اللہ کی امداد سے جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ اس جنگ کو جیت لیتے تھے'' اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے۔(۳۶)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے، جب ہم قلعۂ خیبر کے پاس پہنچے جو مدینۂ منورہ کے قریب ہے تو خیبر والے آپ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، آپ رضی اللہ عنہ نے کشتوں کے پشتے لگادیئے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ پر ایک یہودی نے چوٹ کر کے آپ کے ہاتھ سے آپ رضی اللہ عنہ کی ڈھال گرادی، اس پر جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے ایک دروازے کو اکھیڑ کر اپنی ڈھال بنالیا، اور اس کو ڈھال کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے شریکِ جنگ رہے، بالآخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس ڈھال نما دروازے کو اپنے ہاتھ میں سے پھینک دیا، اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور بھی تھے اور ہم آٹھوں آدمی مل کر اس دروازہ کو الٹ دینے کی کوشش کرتے رہے؛ لیکن وہ دروازہ جس کو تن تنہا حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں اٹھالیا تھا، اس کو ہم آٹھوں آدمی کوشش کے باوجود پلٹ تک نہ سکے''(۳۷)

حضرت والا مرشدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''مَا حَمَلْتُهَا بِقُوَّةٍ وَلٰكِنْ حَمَلْتُهَا بِقُوَّةٍ إِلٰهِيَّةٍ ''یعنی میں نے کواڑ کو انسانی قوت کے بل بوتے پر نہیں اٹھایا؛ بلکہ قوت الٰہیہ سے اٹھایا، اس قصہ کو امام احمد نے بھی بیان فرمایا ہے۔

علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل قصہ کے ماتحت بیان کیا ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب ماتم پرسی ہونے لگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے گھر کے کونے سے

ایک آواز سنی، اے رسول اللہ ﷺ کے گھر والو! تم پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں، اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ ہر مشکل کو ٹال دیتا ہے، وہی بندوں کے غم غلط کرتا ہے، ہر فوت ہونے والی چیز کا وہ خود نعم البدل ہو جاتا ہے، بس اللہ ہی سے امید رکھو؛ کیوں کہ مصیبت زدہ تو دراصل وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم اور مایوس رہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جو نبی تو نہیں مگر کامل ولی ہیں'' (۳۸)

آپ رضی اللہ عنہ کا حضرت خضر علیہ السلام کو دریافت کر لینا یہ بھی منجملہ دیگر کرامات کے ایک کرامت تھی، انہی شخصوں کے لئے تو کہا گیا ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند وعیال وخان ومال راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

کرامات سبط رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو دنیا کی سات دن تک یہ حالت تھی کہ:

(۱) سورج کی روشنی دیواروں پر کسم میں رنگی ہوئی چادروں کی طرح معلوم ہوتی تھی، یعنی دھوپ بالکل پھیکی معلوم ہوتی تھی۔

(۲) اور ایک ستارہ دوسرے ستارے پر گر رہا تھا، یعنی لگاتار آسمانی ستارے ٹوٹ رہے تھے۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت دسویں محرم ۶۰ھ میں ہوئی اور اسی دن شدید ترین سخت سورج گرہن لگا۔

(۴) آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ماہ تک آسمان کے کنارے کچھ عجیب طرح سے سرخ رہے اور پھر وہ سرخی جاتی رہی، شہادت سے پہلے اور اس کے بعد پھر کبھی ایسی سرخی نہیں دیکھی گئی۔

(۵) آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن بیت المقدس میں ہر پتھر کے نیچے تازہ تازہ خون نکلا۔

(۶) ظالموں کی فوج میں جو پیلے رنگ کی گھانس رکھی ہوئی تھی وہ راکھ ہوگئی۔

(۷) ان ظالموں نے اپنے لشکر میں ایک اونٹنی ذبح کی تو اس کے گوش میں سے آگ کی چنگاریاں نکلتے دیکھیں۔

(۸) اور جب اس کا گوشت پکایا تو وہ اندرائن کی طرح کڑواز ہر ہوگیا۔

(۹) ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے گستاخ باتیں کیں تو خدائے جبار وقہار نے اس پر دو آسمانی ستارے پھینکے جس سے اس کی قوت بصارت جاتی رہی۔ (۳۹) اور ان ایام کی اسی حالت سے متعلق حضرت ابونعیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب الدلائل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت

حسین رضی اللہ عنہ پر جنات کو روتے اور نوحہ کرتے سنا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ دس کرامتیں تاریخ خلفاء سے نقل کی گئی ہیں، باقی آگے دیکھئے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسوف شمس سے اہل ہیئت کی اصطلاح جو آخری مہینہ میں رونما ہوتی ہے، وہ نہیں ؛ بلکہ لغوی یعنی آفتاب کا بے نور ہوجانا بتایا ہے، نیز ان مذکورہ بالا کرامات کو حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مزید صحیح حوالوں کے ساتھ کتاب تہذیب التہذیب کی جلد دوم صفحات: ۳۵۴، ۳۵۵ پر بھی بیان کیا ہے۔

''خلف بن خلیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آسمان کالا ہوگیا اور دن میں ستارے نکل آئے، محمد بن صلت اسدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ربیع بن منذر ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آکر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی اور وہ اندھا ہوگیا، جس کو دوسرا آدمی کھینچ کر لے گیا، ابن عیینہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا بیان ہے کہ مجھ سے میری دادی نے کہا قبیلہ جعفیین کے دو آدمی جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے جن میں سے ایک کی شرمگاہ اتنی لمبی ہوئی کہ وہ مجبوراً اس کو لپیٹتا تھا اور دوسرے آدمی کو اتنا سخت استسقاء ہوگیا کہ وہ پانی کی بھری ہوئی مشک کو منہ سے لگالیتا اور اس کی آخری بوند تک چوس جاتا، سدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جگہ مہمان گیا جہاں قتل حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا، میں نے کہا: حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو شریک ہوا وہ بُری موت مرا، جس پر گفتگو کرنے والے نے کہا: اے عراقیو! تم کتنے جھوٹے ہو، مجھے دیکھو میں قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھا؛ لیکن اب تک بُری موت سے محفوظ ہوں، اسی لحہ اس نے جلتے ہوئے چراغ میں اور تیل ڈال کر بتی کو اپنی انگلی سے ذرا بڑھایا ہی تھا کہ پوری بتی میں آگ لگ گئی، جسے وہ اپنی پھونک سے بجھا رہا تھا کہ اس کی ڈاڑھی میں آگ لگ گئی، وہ وہاں سے دوڑا اور پانی میں کود پڑا؛ تاکہ آگ بجھ جائے؛ لیکن آخر کار جب اسے دیکھا تو جل کر کوئلہ ہوگیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی دکھادیا کہ تیری شرارت کا یہ انجام ہے'' (۴۰)

عمارہ بن عمیر نے بیان کیا ہے کہ

''جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لاکر مسجد کے برآمدے میں برابر برابر رکھے گئے اور میں اس وقت ان لوگوں کے پاس پہنچا جب کہ وہ لوگ کہہ رہے تھے وہ آگیا کہ اتنے میں ایک سانپ نے آکر ان سروں میں گھسنا شروع کردیا اور عبید اللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھستا اور اس میں تھوڑی دیر ٹھہر کر باہر آجاتا، اس واقعہ کو امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بیان کر کے سن دکو بھی

صحیح کہا ہے''(۴۱)

کرامات سیدنا حضرت امام حسن ؓ

حافظ حدیث ابن عبدالبر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ

''ہم کو کئی سندوں سے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امام حسن ؓ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے حضرت حسین ؓ سے کہا: اے بھائی! ابا جان کو امر خلافت کا خیال ہوا تھا کہ اسلام کی خدمت کریں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر ان کو خلافت نہ دے کر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو اس کا والی بنایا، ان کی وفات کے بعد پھر ابا جان کو اس کا خیال ہوا تو سلطنت خلافت حضرت عمر ؓ کے حوالہ کر دی گئی اور فاروق اعظم ؓ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ میں ابا جان کو یقین تھا کہ خلافت ان کو تجاوز نہ کرے گی، یعنی وہی خلیفہ مقرر کئے جائیں گے؛ لیکن خلافت کی باگ ڈور حضرت عثمان ؓ کے سپرد کر دی گئی اور حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد والد بزرگوار حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، یعنی وہ خلیفہ بنائے گئے، پھر ایک فتنہ برپا ہوا جس میں تلواریں کھینچ لی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں، یعنی وہ خلافت ابا جان کو بلا غبار نہیں ملی، خدا کی قسم میں یہ امر تجویز نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ ہم اہل بیت نبوی میں نبوت اور خلافت دونوں چیزیں جمع کر دے، یعنی میرا اندازہ یہ ہے کہ خلافت اہل بیت میں نہیں رہے گی اور یقیناً میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوفے کے بیوقوف تم کو حرکت دے کر جنگ و جدل کی طرف متوجہ کر دیں اور تم کو وطن سے باہر نکال دیں''(۴۲)

ان امور کا اس وقت تک بظاہر کوئی قرینہ تو نہ تھا کہ کوئی حضرت حسین ؓ کے ساتھ نازیبا برتاؤ کریں گے؛ لیکن آپ ؓ کو کشف کے ذریعہ یہ سب کچھ معلوم ہو جانا آپ ؓ کی کرامت تھی۔

حضرت امام حسن ؓ فرماتے ہیں کہ میری خواہش پر کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن کیا جاؤں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اقرار فرمایا تھا، یعنی سرور عالم ﷺ کے پاس مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی اور جب میں مر جاؤں تو اس کی درخواست ان سے پھر کر لینا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گمان ہے کہ قوم تم کو اس بات سے روکے گی اور اگر وہ ایسا کریں یعنی میرے دفن سے تم کو روکیں تو ان سے بار بار نہ کہنا، الحاصل حضرت حسن ؓ کی وفات پر جناب حسین ؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر کہا: انہوں نے جواب دیا نہایت خوشی سے؛ لیکن مدینہ کے گورنر مروان نے ان کو وہاں دفن کرنے سے منع کر دیا، اس پر حضرت حسین ؓ اور ان کے رفقاء مسلح ہو کر لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے؛ لیکن حضرت ابو ہریرہ ؓ نے ان کو اس

ارادۂ جنگ سے باز رکھا اور کہا اس موقع پر اگر چہ مروان نے نامعقول اور ناشائستہ حرکت کی ہے؛ لیکن تمہارا آمادۂ جنگ ہونا مناسب نہیں، آخر کار حضرت حسن رضی اللہ عنہ مقامِ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس دفن ہوئے۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت رفقاء اہل بیت کی کثرت کی وجہ سے کسی سے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دفن سے روکا جائے گا؛ لیکن امام عالی مقام نے ظاہراً حالت کے خلاف جس ہونے والے واقعہ کو بذریعۂ کشف ظاہر کیا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

کرامات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

تہذیب التہذیب میں درج ہے کہ

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات پر منافقوں نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے؟ اس پر سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازہ کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں؛ اس لئے ہلکا معلوم ہورہا ہے؛ حالاں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے موٹے تازے آدمی تھے، جیسا کہ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی اور زیلعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تخریج الہدایہ پر درج کیا ہے اور کئی معتبر سندوں کے ذریعہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت عرشِ اعظم بھی اس شوق میں جھوما کہ اب ان کی روح ہمارے پاس آجائے گی'' (۴۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ

''حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جو اس سے پہلے اتنی تعداد میں کبھی زمین پر نہیں آئے، تاختم حدیث شریف'' (۴۴)

زہری نے ابن مسیب کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیان پر کہا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''تین آدمیوں میں سے میں ایک شخص ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث بھی سنی وہ اللہ کا حق ہے اور میں نے کثرت مشاغل کے باوجود اپنی پوری نمازیں پڑھی ہیں اور میں جس جنازے میں شریک رہا تو میں نے اس سے باتیں کیں، حضرت ابن مسیب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں تو ان خصلتوں کو صرف انبیائے کرام میں جانتا ہوں؛ لیکن اپنی آنکھوں سے یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ میں دیکھ لیں، ایسا ہی تہذیب التہذیب جلد سوم صفحہ: ۳۸۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن میں مرقوم ہے'' (۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ جنگ خندق سے لوٹ کر آئے، اس میں یہ قصہ بھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ہفت اندام رگ میں تیر لگا تھا، رسول اللہ ﷺ نے قریب ہی سے ان کی عیادت کے لئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تھا، جس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی، اے الہ العالمین! تو خوب جانتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور ان کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کیا ہے، مجھے ایسے لوگوں سے جہاد کرنا بہت زیادہ محبوب ہے، اے اللہ! میرا گمان ہے کہ تو نے ہم میں اور ان میں لڑائی بند کردی ہے ،یعنی میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہم مسلمانوں اور ان ظالموں میں کوئی جنگ نہیں ہوگی، اگر میرا یہ خیال غلط ہے اور قریش کے ساتھ کوئی معرکہ ہونا باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ؛ تاکہ میں تیری راہ میں ان سے جہاد کروں اور اگر میرا یہ گمان صحیح ہے کہ ہم سے ان کا کوئی معرکہ نہ ہوگا تو میرے زخم کے خون کو جاری کردے اور اسی میں مجھے موت دے دے، چنانچہ اسی رات کو اس رگ کا منہ کھل گیا اور مسجد والوں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا خون بہتے ہوئے ان لوگوں کی طرف آرہا تھا، پس اسی حالت میں کہ خون بہہ رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

اس حدیث کو شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جنگ خندق میں ایک تیر لگا، جس سے ہفت اندام کی رگ کٹ گئی، جس کو رسول اللہ ﷺ نے خون تھم جانے کے لئے آگ سے داغ دیا، خون تو رک گیا، مگر حضرت سعد بن معاذ کا ہاتھ سوج گیا؛ چوں کہ خون کی روانی میں جوش تھا، اس لئے خون پھر بہنے لگا، آپ ﷺ نے دوبارہ داغ دیا، اس سے خون تو رک گیا، مگر ہاتھ پر ورم زیادہ ہوگیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہا: اے اللہ! اس وقت تک میری روح پرواز نہ ہو جب تک بنوقریظہ کی طرف سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوجائیں، یعنی ان کی شرارت کی سزا دیکھنے کے بعد مجھے موت آجائے؛ چنانچہ ان کی رگ کا خون بند ہوگیا اور ایک بوند بھی نہ نکلی، یہاں تک کہ بنوقریظہ محاصرہ سے عاجز آکر سرکارِ دوعالم ﷺ کے حکم پر اس شرط کے ساتھ باہر آئے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہمارے لئے جو تجویز کریں وہ کاروائی ہم سے کی جائے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شریعت کے موافق ان کے مقدمہ میں فیصلہ کردیا کہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کردیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تم نے اس مقدمہ میں خدا کے حکم کے موافق فیصلہ دیا ہے، ان لوگوں کی تعداد چار سو تھی، حسب فیصلۂ مذکورہ جب ان کے قتل سے فراغت ہوگئی تو ان کی وہ ہفت اندام کی رگ پھر پھٹ پڑی اور ان کا انتقال ہوگیا، اس روایت کو امام ترمذی

(رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے اور اس کی صحت کا بھی اقبال واقرار کیا ہے''(۴۶)

اس قصہ میں حضرت سعد ﷺ کی کئی کرامتیں درج ہیں، ایک تو یہ کہ میرے خیال سے ہماری اور مشرکین قریش کی جنگ موقوف ہوگئی ہے، چنانچہ اس کے بعد کوئی معرکہ نہیں ہوا اور فتح مکہ میں چھوٹی سی نبرد آزمائی اور چھیڑ چھاڑ ہوئی تھی، جس کو عربی زبان میں مناتلہ کہتے ہیں، دوسری کرامت جاری خون کا بند ہو جانا، تیسری کرامت بند خون کا بہنے لگنا اور راوی کا " فلما فرغ " کا لفظ استعمال کرنا صرف اختصار بیان کے لئے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ:

" فلما فرغ ودعا بما في الحديث الأول فانتفق " ۔(۴۷)

کرامات حضرت خبیب ﷺ

حضرت امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ

''وہ خاتون جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، وہ کہتی تھی کہ میں نے کسی قیدی کو حضرت خبیب ﷺ سے زیادہ اچھا نہیں دیکھا، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ خبیب ﷺ مکہ معظمہ میں کافروں کی قید و بند میں تھے، نیز انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت خبیب ﷺ کو جب وہ لوہے کے پنجرے میں مقید تھے اور کہیں آجا نہ سکتے تھے اور اس وقت مکہ معظمہ میں پھلوں کا موسم بھی نہ تھا، انہیں انگور کے خوشے کھاتے دیکھا اور ان کا وہ کھانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق تھا''(۴۸)

حضور ختمی نبوت ﷺ نے اصحاب سے فرمایا: ہے کوئی جو خبیب ﷺ کی لاش کو سولی سے اتار لائے؟ چنانچہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کام کا اقرار کیا اور پھر روانہ ہوگئے، وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے رہتے، چنانچہ وہ اس سولی کے پاس پہنچ گئے جہاں چالیس محافظ موجود تھے؛ لیکن سب کے سب سو رہے تھے، ان دونوں نے حضرت خبیب ﷺ کو سولی سے اتارا اور گھوڑے پر رکھ لیا، اگر چہ حضرت خبیب ﷺ کے قتل کو چالیس دن گذر چکے تھے؛ لیکن ان کا جسم بالکل تازہ تھا، زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو آرہی تھی، صبح کے وقت جب قریش کو اس کی خبر ہوئی تو چاروں طرف شتر سوار دوڑا دیئے، کچھ شتر سواروں نے آپ ﷺ کو آلیا، حضرت زبیر ﷺ نے یہ دیکھ کر لاش کو فوراً زمین پر رکھ دیا اور زمین انہیں نگل گئی؛ اس لئے تو حضرت خبیب ﷺ کو'' بلیغ الارض'' کہا جاتا ہے، اس کے بعد حضرت زبیر ﷺ نے ان کفار کی طرف منہ کر کے کہا: میں زبیر بن العوام ہوں اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عبد المطلب میری ماں ہیں اور یہ میرے رفیق حضرت مقداد بن الاسود ﷺ ہیں، تمہارا جی چاہے تو تیروں سے اور کہو تو اتر کر نیزے اور تلوار سے لڑیں اور چاہو تو لوٹ سکتے ہو، چنانچہ وہ شتر سوار کافر واپس ہوگئے۔

ان دونوں حضرات نے حضور اقدس ﷺ میں کل ماجرا بیان کیا اور اسی وقت آنحضرت جبریل امین علیہ السلام نے مجلس میں حاضری دے کر کہا کہ سرکار آپ ﷺ کے ان دونوں اصحاب کی فرشتوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

مندرجہ تاریخ حبیب الٰہ مؤلف مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ (ص:۸۵-۸۶) کے اس قصہ پہ بندہ مطلع نہیں ہوا، مگر چوں کہ تاریخ حبیب الٰہ نہایت معتبر کتاب ہے، پس موجودہ کتاب سے اس قصہ کی نقل کافی ہے۔

کرامات حضرت عاصم رضی اللہ عنہ

حضرت امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک قصہ کے تحت روایت کی ہے کہ

''کفار قریش نے اپنے ایک دستہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش میں سے کوئی ٹکڑا کاٹ لانے کے لئے بھیجا؛ تاکہ اس عضوِ بدن کو دیکھ کر ان کے قتل کا یقین ہوجائے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دل کو ٹھنڈک بھی ہوجائے کہ یہی وہ عاصم رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے ہمارے ایک بڑے آدمی کو جنگ بدر میں قتل کردیا تھا، اس دستہ کے پہنچتے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اوران کے مقتول ساتھیوں کی لاش پر شہد کی مکھیوں کو بادل کی طرح بھیج دیا، جنہوں نے ان شہیدوں کی لاش کو ان سے محفوظ کردیا اور وہ کافر کچھ بھی نہ کرسکے'' (۴۹)

بخاری شریف کے حاشیہ پر حضرت اسحاق (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یہ مضمون لکھا ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے حق تعالیٰ سے عہد کرلیا تھا کہ کوئی مشرک ان کو چھو نہ سکے گا، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کے مدنظر اپنے مسلمان بندہ کی اس کے انتقال کے بعد بھی حفاظت کی، بظاہر اگر چہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا؛ لیکن پروردگار نے اس کی حفاظت کی اور ان کے جسد اطہر کو کوئی کافر ہاتھ تک نہ لگا سکتا اور آپ رضی اللہ عنہ کا عہد بھی پورا ہوگیا، یہ سب آپ رضی اللہ عنہ کی کرامتیں تھیں۔

کرامات حضرت انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، روایت کرتے ہیں کہ

''ان کی پھوپھی نے کس لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا، ہمارے آدمیوں نے اس لڑکی والوں سے معافی مانگی تو انہوں نے انکار کردیا، پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ دیت یعنی دانت کے بدلے میں دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو، اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قصاص طلب کیا، چنانچہ بحکم قرآن کریم سرور عالم ﷺ نے قصاص ہی کا حکم دیا، اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میری پھوپھی حضرت ربیع کا اگلا دانت توڑ دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ان کا دانت تو نہیں توڑا جائے گا، آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول شریعت کے

متابلہ میں انکار کے طور پر نہ تھا؛ بلکہ غلبۂ حال میں ایسا توکل اور بھروسہ غالب ہوا تو قسم کھالی اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں معافی ڈال دیں گے یا پھر یہ لوگ دیت قبول کرلیں گے، اس پر سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے انس! اللہ کی کتاب تو قصاص کا حکم دیتی ہے، اس پر ان لوگوں نے خوش ہوکر دانت کا بدلہ معاف کردیا، اسی واقعہ پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا: بیشک بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے'' (۵۰)

ایسی قسم صرف غلبۂ حال وکیفیت میں ہوتی ہے، جب تک ہر شخص حضرت انس ؓ جیسی کیفیت پیدا نہ کرلے، اس کو ہرگز ایسی قسم نہ کھانا چاہئے۔

کرامات حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک طویل قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس شخص کے لئے بددعا کرتا ہوں جس نے میری تین باتوں کی جھوٹی شکایت کی تھی، اے اللہ! یہ تیرا جھوٹا بندہ جو مکاری سے شکایتیں سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کردے، اس کی محتاجی میں اضافہ کردے اور اس کو فتنہ وفساد میں مبتلا کردے، حضرت سعد ؓ کی اس دعا کے بعد لوگوں نے اسے دیکھا کہ جب اس سے خیرت دریافت کی جاتی تو وہ بڈھا پھونس جواب دیتا، میں بالکل بڈھا ہوگیا ہوں، میر عقل ماری گئی ہے اور مجھے سعد ؓ کی بددعا لگ گئی ہے، حضرت عبد الملک (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں نے اس بڈھے کو اس حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھوؤں نے بالکل چھپالیا اور وہ راستہ چلتی باندیوں کو روکتا اور اتنا بے حیا ہوگیا تھا کہ راستہ ہی میں چھیڑ چھاڑ کرتا اور افلاس وغربت کی وجہ سے وہ اسی قسم کی ذلیل حرکتیں کیا کرتا تھا، وہ اگر مالدار ہوتا تو اس میں شرم ولحاظ کا کچھ اثر رہتا'' (۵۱)

الحاصل حضرت سعد ؓ کی یہ تینوں باتیں درازئ عمر، افلاس اور فتنہ میں مبتلا ہونا درگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگئیں۔

حضرت سعد ؓ روایت کرتے ہیں کہ

''میں نے یوم احد میں سرکار دوعالم ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سفید پوش لوگوں کو دیکھا جو بڑی سخت جنگ لڑ رہے تھے، ایسے جنگ جو میں نے نہ تو پہلے دیکھے اور نہ بعد میں اور یہ دونوں سفید پوش جبرائیل اور میکائیل تھے'' (۵۲)

کرامات حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ

حافظ حدیث علامہ واقدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب مغازی میں لکھا ہے کہ

''حضرت حنظلہ بن ابی عامی رضی اللہ عنہ نے جمیلہ دختر عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شادی کی اور سرکار دو عالم ﷺ سے اجازت لے کر جنگ احد کی ایک رات اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے اور اسی حالت جنابت میں صبح سویرے ہتھیار لگا کر مسلمانوں کی فوج میں پہنچ گئے، ادھران کی نئی نویلی دلہن نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے پاس اطلاع بھیجی کہ میرے خاوند ہم بستری کے بعد جہاد میں چلے گئے اور لوگوں کو اس لئے گواہ کرلیا؛ تاکہ حمل رہ جانے کی صورت میں کسی کو کوئی بات کہنے کی گنجائش نہ رہے، جس کو سہیلی نے کتاب زیلعی (۱/۲۷۰) میں بھی ذکر کیا ہے، لوگوں نے اس نئی دلہن سے پوچھا کہ ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا ، آسمان کھولا گیا، اس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور پھر آسمان کے دروازے بند کردئے گئے، جس سے مجھے یقین ہوا کہ کل وہ شہید کردیئے جائیں گے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان نیک سیرت بی بی کا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہوا، جن کے پیٹ سے محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں ، اور ادھر کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فوج میں آتے ہی دل کھول کر ہاتھ دکھائے ، جس کے نتیجہ میں مشرکین کو شکست نظر آرہی تھی اور انہوں نے ابوسفیان کو —— جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے —— مارنا ہی چاہا تھا کہ پیچھے سے اسود بن شعیب نے حملہ کرکے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ایسا برچھا مارا کہ وہ شہید ہوگئے ، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کو نقرئی طشت یعنی چاندی کے ٹب میں مینہ کے پانی سے آسمان و زمین کے بیچ نہلا رہے تھے، ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور یہ دیکھ کر میں نے فوراً رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر تمام واقعہ سنایا، اس پر سرور عالم ﷺ نے ان کی بیوی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ ان کی حالت روانگی معلوم کرے، چنانچہ اس قاصد سے جناب جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ وہ جہاد کے میدان میں گھر سے بحالت جنابت گئے تھے، یعنی ان کو غسل کی ضرورت تھی'' (۵۳)

ہر وہ شخص جو بحالتِ جنابت شہید ہوجائے تو شریعتِ اسلامیہ کے مدِ نظر ایسے شہید کو بھی غسل دیا جانا ضروری ہے؛ چوں کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل کی ضرورت تھی اور اسلامی فوج کے کسی آدمی کو اس کی اطلاع نہ تھی کہ ان کو غسل دیتا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دلایا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپکتے ہوئے رسول مقبول ﷺ

کے سوائے اور لوگوں نے بھی دیکھیں اور یہ بھی آپ ﷺ کی کرامت تھی۔

کرامات ایک انصاری صحابی ﷺ کی

حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ

''جنگ بدر کے دن ایک مسلمان شخص ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اس نے اپنے آگے والے مشرک کے سر پر ایک کوڑا مارنے کی آواز سنی اور گھوڑے سوار کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ حیزوم (جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے) آگے بڑھ، اس کے بعد مشرک کو چت گرا ہوا دیکھا جس کی ناک چر گئی تھی اور چہرہ لہولہان تھا، جیسا کہ خوب زور سے کوڑا مارانے کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے، ایسے ہی اس کے بدن کے سب اعضاء نیلے پڑ گئے تھے، چنانچہ ان انصاری ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا، جس پر سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے، یہ تو تیسرے آسمان کی مدد تھی؛ چنانچہ مسلمانوں نے اس روز ستر مشرکوں کو قید کیا اور ستر کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا، اس کو امام مسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بیان کیا ہے'' (۵۴)

کرامات حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ

مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بروایت امام بخاری مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

''ہم کئی صحابی ﷺ جو کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ غذا جو ہم کھا رہے تھے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی تھی، یعنی وہ کھانا سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا تھا'' (۵۵)

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل قصہ کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رات میرے سامنے چھوارے کے پیڑوں میں سے ایک کالا بادل اٹھا، جس سے مجھے خوف ہوا کہ حضور ﷺ کو اس سے کوئی صدمہ نہ پہنچے؛ لیکن آپ ﷺ کا یہ حکم یاد آنے پر کہ ''اس جگہ سے مت ہٹنا'' میں اپنی جگہ جما رہا اور اسی حالت میں میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، تو وہ سارا بادل بیٹھ گیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ سارا بادل چھٹ گیا، صبح کو رسول اللہ ﷺ کی اس جگہ تشریف آوری پر میں نے اپنا اندیشہ اور پورا واقعہ سنایا تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نصیبین کے جن تھے جو مجھ سے ملنے آئے تھے۔ (۵۶)

چوں کہ جنات کو دیکھنا خلاف عادت ہے؛ اس لئے اس کو بھی خوارق میں شمار کیا گیا۔

کرامات حضرت اسید بن حضیر وعباد بن بشیر رضی اللہ عنہما

حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ

''سرکار دو عالم ﷺ سے جناب اسید و عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی کچھ ضرورتیں ظاہر کیں، جس میں کچھ رات ہوگئی، رات بہت ہی تاریک تھی، چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے اپنے گھروں کو لوٹے، ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، ان میں سے ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی اور لالٹین کا کام دینے لگی، جس کی روشنی کی مدد سے دونوں چلنے لگے، جب ایک راستہ ختم ہوگیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو اس روشن عصا نے اس دوسرے کی لاٹھی کو بھی روشن کر دیا اور یہ دوسرا بھی اپنے گھر کو روانہ ہوگیا اور یہ دونوں آدمی اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں اپنے اپنے ہاں بچوں میں پہنچ گئے، اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے'' (۵۷)

اس قصہ میں دو کرامتیں ظاہر ہوئیں: ایک تو یہ کہ بغیر کسی تیل بتی کے ایک لاٹھی روشن ہوگئی اور دوسری کرامت یہ کہ ایک لاٹھی سے دوسری لاٹھی جس میں کوئی الیکٹرک کرنٹ نہ تھا، وہ بھی روشن ہوگئی اور رات کے اندھیرے سے ان دونوں حضرات کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

کرامات پدرِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

''جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے پدر بزرگوار نے طلب کر کے فرمایا: کل اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شہادت میں سب سے اول میری شہادت واقع ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تم ہو، سنو! مجھ پر ایک آدمی کا قرضہ ہے، وہ تم ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا، صبح کو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرے والد ماجد ہی نے جام شہادت نوش فرمایا ہے، میں نے ان کو اور ان کے ایک ساتھی کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ہی قبر میں سپرد خاک کیا'' اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔ (۵۸)

یہ الہام کشفی دراصل کرامت ہی کرامت ہے۔

کرامات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف پر جب آپ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کپڑے اتار کر آپ ﷺ کو غسل دیں، جیسا کہ عام طور پر اپنی امیتوں کے ساتھ کرتے ہیں یا کپڑوں سمیت آپ ﷺ کو نہلائیں؟ اس معاملہ میں اختلاف رائے ہو رہا تھا

کہ اللہ نے ان پر نیند کو اس طرح مسلط کر دیا کہ ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر ہوگئی، یعنی وہ سب سو گئے اور اسی حالت میں مکان کی ایک سمت سے جس کو کہتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں، اس نے کہا: نبی کریم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو، پس صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو اس طرح نہلایا کہ آپ ﷺ جو کرتہ پہنے ہوئے تھے، اسی پر پانی ڈالتے اور اسی کرتہ پر سے آپ ﷺ کے جسد مبارک کو ملتے جاتے تھے'' دلائل النبوۃ میں علامہ بیہقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔(۵۹)

کرامات حضرت سفینہ ؓ

ابن منکدر سے روایت ہے کہ

''حضرت سفینہ ؓ جو حضور ﷺ کے غلام تھے، ایک مرتبہ سرزمینِ روم میں اپنے اسلامی لشکر کا راستہ بھول گئے، وہ راستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں قید کر لیا، ایک دن وہ قید سے بھاگ کر راستہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ان کی ایک شیر سے مڈبھیڑ ہوگئی، چنانچہ حضرت سفینہ ؓ نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا: اے ابوالحارث! سن میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے، جنگل کا شیر یہ سن کر خوشامد میں لگ گیا اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے برابر چلنے لگا، اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو وہ فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور پھر آپ ؓ کے ساتھ بغل میں چلنے لگتا، جب حضرت سفینہ ؓ اپنے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر ان کو پہنچا کر واپس لوٹ آیا''(۶۰)

اس واقعہ کو کتاب شرح السنۃ میں بیان کیا گیا ہے۔

کرامات سیدتنا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ

''ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت کال آیا تو ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر کہا کہ اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہوگئے ہیں، اس پر بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے مزار شریف کی طرف دیکھو اور گنبد خضراء میں آسمان کی طرف کو ایک آر پار سوراخ کر دو؛ تا کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے، ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا کہ خوب بارش ہوئی، اتنا مینہ پڑا کہ گھاس جم آئی اور اونٹ اتنے موٹے ہوگئے کہ چربی کی وجہ سے پھٹ پڑے اور اس کا نام فتق رکھا گیا'' اس قصہ کو دارمی نے بھی بیان کیا ہے۔(۶۱)

ایک طویل قصہ کے تحت درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے ام سلمہ! تم عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- سے کوئی بُرا برتاؤ کر کے مجھے تکلیف مت پہنچاؤ، اللہ کی قسم! بی بی عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کے پاس لیٹنے کی حالت میں مجھ پر وحی آتی رہی، ان کے سوائے کسی دوسری بی بی کے پاس لیٹے رہنے کی حالت میں مجھ پر وحی نہیں آئی اور وہ تم سب میں ایک اچھی خاتون ہیں'' (۶۲)

اللہ اللہ! حضرت بی بی عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کی کرامت ملاحظہ فرمایئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی بات ناگوار ہونے سے سرکار دو جہاں ﷺ کو صدمہ ہوتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک دیندار کی اذیت اور تکلیف سے دوسرے دیندار کو رنج، دکھ، غم اور اندوہ و ملال ہوا ہی کرتا ہے۔

ابوسلمہ ﷺ نے بروایت حضرت عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- بیان کیا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرئیل تم کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے جواباً کہا: ان پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں، اے حضو! آپ ﷺ ان کو دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی'' (۶۳)

یعنی جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سلام کہلوایا، اسی طرح ان کو حضرت عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- نے جواب بھجوایا اور چوں کہ عورت کسی مرد کو نہیں دیکھتی؛ اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ان کو جھانکا تاکا نہیں، اس حدیث سے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عالمِ بالا کے ساتھ جس طرح اعلیٰ درجہ کا تعلق ظاہر ہوا کہ فرشتے تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کہتے تھے، یہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ہے۔

کرامات سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے (عرب کی عادت کے موافق کہ مخاطب کو چچا کے بیٹے یا بھتیجہ سے خطاب کرتے ہیں، اگرچہ درحقیقت یہ رشتہ نہ بھی ہو) کہا:

''اے میرے چچا کے بیٹے! آپ ﷺ کے وہ دوست جو آپ ﷺ کے پاس ہمیشہ آتے ہیں، یعنی جبرئیل امین علیہ السلام جب وہ آئیں تو ان کے آنے کی اطلاع دے سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں، ابھی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہی تھے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی آپ ﷺ نے ان کو اطلاع کر دی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اس وقت آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا: ہاں، اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

کہا کہ آپ ﷺ ذرا میرے بائیں جانب بیٹھ جائیں، جب سرکار دو عالم ﷺ بائیں جانب بیٹھ گئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کیا اب آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا: ہاں، اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تو ذرا اب میری سیدھی طرف تشریف رکھئے، آپ ﷺ بی بی کی سیدھی جانب آبیٹھے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اچھا حضور اب ذرا میری گود کی طرف آجائے، جب آپ ﷺ ادھر آگئے تو پھر انہوں نے پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سر سے دوپٹا اتارا اور سر کو کھول کر پوچھا کیا اب بھی دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: اب تو نہیں، اس پر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: یہ شیطان نہیں ہے؛ بلکہ درحقیقت فرشتہ ہے، اب آپ ﷺ مطلق نہ گھبرائیں اور حق پر ثابت قدم رہیں اور خوش ہوجائیں کہ نبوت جیسی نعمت سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا، اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ ﷺ جو کچھ خدا سے لائے ہیں وہ بالکل سچ ہے'' (۶۴)

چوں کہ ابتدائے نزول وحی میں سرکار ﷺ کو کچھ گھبراہٹ ہونے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو تسکین اور تسلی دی تھی؛ تاکہ طبیعت کو قرار آجائے اور اس مرتبہ بھی اپنی فطرت کو کام میں لائیں، تسلی دینے والا تسلی دینے کی وجہ سے جس کو تسلی دے اس سے کبھی اعلیٰ وافضل نہیں بن سکتا؛ بلکہ ایک چھوٹا اپنے بڑے کو اس لئے تسلی دیتا ہے کہ اس کو اس کے امور متحضر اور یاد آجائیں، اس حدیث سے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ برتاؤ بذریعہ الہام ہونا ثابت ہے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ عقل وسمجھ کے ذریعہ ہرگز ایسے لطیف اور دقیق نکات کا استفادہ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ یہ تمام کیفیات الہام کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں اور الہام نام ہے خرقِ عادت وکرامت کا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ

''جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے پاس بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرہی ہیں اور ان کے ہاتھ میں جو برتن ہے اس میں سالن، کھانے کی چیز اور کچھ پینے کی چیز ہے، جب وہ آپ ﷺ کے پاس آجائیں تو ان سے میرا اسلام کہہ دیجئے کہ اللہ میاں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کہا ہے اور یہ کہہ دیجئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش ہوجائے آپ کے لئے جنت میں ایسا مکان ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے، جہاں کوئی شور وغل نہیں اور کوئی تکلیف نہیں ہے'' (۶۵)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر آنا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ کی کھلی دلیل ہے، چوں کہ عام طور پر بندوں سے اللہ بزرگ و برتر کا یہ برتاؤ نہیں اور یہ سب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامتیں ہیں۔

کرامات سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا ہے کہ

''حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئیں، جس میں ان کو موت آ گئی، وہ بیمار تھیں اور میں تیماردار تھی، ایک دن صبح سویرے میں نے دیکھا کہ ان کو فاقہ نظر آ رہا تھا اور حضرت علی ﷺ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے پر کہ اے اماں! میں نہانا چاہتی ہوں میرے لئے نہانے کا پانی انڈیل دو، میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں، پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے، میں نے ان کو نئے کپڑے بھی دے دیئے جو انہوں نے خود پہن کر کہا: امی اب آپ ذرا میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے، میں نے یہ بھی کر دیا، بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا: اے امی جان! اب میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں، اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں، اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی اور حضرت علی ﷺ کے آنے کے بعد پورا واقعہ میں نے ان سے کہہ سنایا'' (٦٦)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب و فضائل اور تفصیلی حالات کتاب مناقب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مؤلفہ احمد حسن صاحب سنبھلی (رحمہ اللہ تعالیٰ) میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مسند ابن حنبل میں حضرت ابو نعیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کپڑے دینے اور ان کا بستر بچھانے والی خاتون کا نام زوجہ ابی رافع ہے، ہمیں اس کرامت کے ضمن میں یہ بتانا ہے کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس مرض الموت میں تھیں، ان کو قربِ موت کا کشفِ الہامی ہوا، چنانچہ وہ تندرستوں کی طرح نہا دھو کر نئے کپڑے بدل کر خدا سے ملنے کے لئے تیار ہو گئیں، جو ان کی کرامت ہے، کتاب اسد الغابۃ (٦٧) پر لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس طرح غسل سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ کو غسل میت نہ دیا جائے؛ بلکہ ایک دوسری روایت میں حضرت اسماعیل سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا جب میں مر جاؤں تو اے اسماء! تم اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھے نہلائیں اور ان کے سوا میرے غسل میں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

الحاصل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مرنے سے پہلے اپنی موت کا الہام ہوا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ہے۔

حضرت علی ﷺ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہے گا: اے حاضرین! اپنی آنکھیں بند کرلو؛ اس لئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزر رہی ہیں'' (۶۸)

اللہ اللہ! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بزرگی اور بلندئ درجات کہ قیامت کے دن بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عزت ہوئی کہ آپ کی خاطرداری کے لئے الگ الگ احکام جاری ہوتے رہیں گے۔

حضرت علی ﷺ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے فاطمہ! تمہاری خفگی سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہوجاتا ہے اور تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتا ہے'' (۶۹)

یعنی اگر تم کسی سے ناراض ہوجاؤ اور اس پر خفا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی غضبناک ہوکر اس شخص پر قہر وغضب کی بجلیاں گراتا ہے؛ کیوں کہ تم کسی سے ناحق ناراض نہیں ہوتی ہو تو تمہارا غصہ اور تمہاری رضامندی سب کچھ اللہ کے واسطے ہے؛ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی ہے اور تمہارے رتبہ کو بلند کیا ہے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضا اللہ پاک کی خوشنودی اور آپ کی خفگی اللہ تعالیٰ کا غضب قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ ان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کے لئے نہیں تھا، سب لوگ اور خصوصاً عورتیں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قدم بقدم چل کر اپنا رتبہ اونچا کرسکتی ہیں، بس عمل کی دیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ

''ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول تھے تو کافروں نے سجدہ کی حالت میں نجاست ڈال دی اور آپ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے، میں نے ان کافروں کو سمجھایا؛ لیکن وہ سمجھنے کے بجائے الٹا برہم ہوگئے اور فساد ہونے کو ہی تھا کہ میں نے خود کو اکیلا پا کر اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی؛ تاکہ ان کی صغرسنی پر ہی یہ ظالم اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ چھوٹی عمر کی لڑکی تھیں؛ لیکن انہوں نے میری گفتگو کو نہایت غور سے سنا اور پھر دوڑتی ہوئی جاکر رسول اللہ ﷺ پر سے جبکہ آپ ﷺ ابھی تک سجدہ کی حالت میں تھے، اس نجاست کو اٹھا کر دور پھینک دیا اور ان کافروں سے خوشامد کی کوئی بات کہے بغیر نہایت دلیری سے بات کرکے ان کو خوب خوب صلوتیں سنائیں'' (۷۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس عالی ہمتی اور قوتِ گفتار سے ان کی بزرگی اور کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن کے باوجود نہایت دلیری سے دشمنوں کو گالیاں (۷۱) دیں اور ان ظالموں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعرض و مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی'' (۷۲)

کوئی دشمن غصہ کی حالت میں اپنے مخالف کے بچہ کی سخت وست گفتگو اور گالیوں کو کبھی بھی یہ کہہ کر نہیں ٹالتا کہ جانے دو بچہ ہے، اس کی گالیاں ہی کیا؛ بلکہ وہ اور بھی برسرپیکار ہو جاتا ہے اور یہ ایک نئی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہیں، چہ جائیکہ مسلمانوں کے پکے دشمن یہ ظالم کافر جو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے عادی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچپن کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گالیوں سے خاموش نہ بیٹھے؛ بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلیرانہ گفتگو کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان ظالم کافروں کا منہ بند کر دیا۔

الحاصل حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی بزرگ شخصیت تھیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت سی کرامتیں تھی۔

ایک صحابی ﷺ کی کرامات

حضرت براء ﷺ کہتے ہیں کہ

''ایک آدمی کے برابر میں مضبوط رسیوں سے ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اور یہ آدمی سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک ابر اٹھا اور وہ گھوڑے پر بھی چھا گیا، گھوڑا بدک رہا تھا اور بادل برابر بڑھتا جا رہا تھا، اس قصہ کا تذکرہ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بادل نہیں تھا؛ بلکہ تلاوت قرآن کی وجہ سے طمانیت اور سکون کے فرشتے نازل ہوئے تھے'' (۷۳)

کرامت حضرت اسید بن حضیر ﷺ

حضرت ابوسعید الخدری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ اسید بن حضیر ﷺ نے کہا کہ:

''وہ ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا، وہ دفعۃً کودا تو یہ خاموش ہو گئے اور وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا اور جب وہ تلاوت کرنے لگے تو گھوڑے نے پھر جولانی دکھائی تو یہ پھر چپ ہو گئے اور گھوڑا بھی خاموش کھڑا ہو گیا، پھر پڑھنے لگے تو تیسری مرتبہ گھوڑے نے ٹاپیں مارنی شروع کر دیں تو یہ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ کر اس جگہ سے اس لئے ہٹ گئے کہ گھوڑا ان کے چھوٹے لڑکے کو جوان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، کہیں لات نہ مار دے جس سے بچہ کو نقصان پہنچ جائے، انہوں نے اپنے لڑکے کو وہاں سے اٹھا کر اپنا سر جو اونچا کیا تو کیا

دیکھتے ہیں کہ آسمان پر سائبان کی طرح ایک چیز ہے جس میں چراغ جل رہا ہے، صبح کو یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پڑھتے جاتے اور برابر پڑھتے رہتے، انہوں نے کہا میں اس بات سے ڈر گیا کہ میرا بیٹا یحیی جو گھوڑے کے قریب ہی تھا کہیں اس کو کوئی نقصان نہ ہو جائے؛ اس لئے میں نے تلاوت چھوڑ کر بچے کی طرف رخ کیا اور اتفاقا آسمان کی طرف سر اٹھانے پر اس سائبان کو دیکھا جس میں لیمپ روشن تھے، میں یحیی کو وہاں سے اٹھا کر نکلا تو میں نے وہ سائبان وغیرہ کچھ نہ دیکھا، اس پر سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کے قریب آرہے تھے، اگر تم مسلسل اور برابر پڑھتے رہتے تو صبح کو تمام لوگ ان کو دیکھتے یعنی ہر ایک کو دکھائی دیتے'' بخاری شریف کی اس حدیث کو مسلم میں بھی درج کیا گیا ہے''(۷۴)

کرامت بعض اصحاب النبی ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں:

''بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنا خیمہ اس جگہ لگایا جہاں ایک قبر تھی جو انہیں معلوم نہ تھی اور اس قبر کے مردے نے سورۂ ''تبارك الذی'' پڑھ کر پوری کی، ان اصحاب رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پورا واقعہ بیان کیا؛ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ ''تبارك الذی'' انسان کو برائیوں سے روکنے والی ہے، اس سورت نے اس قبر والے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائی'' اس واقعہ کو امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔(۷۵)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بعض اصحاب النبی ﷺ نے جیتے جاگتے اس قبر والے کی آواز سنی اور اس کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو خرق عادت وکرامت ہے۔

کرامت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ماتحت کہتے ہیں کہ:

''مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے گا جن سے مجھے فائدے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ تو ٹھیک ہے اور تم تین راتوں سے جس سے باتیں کر رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور! میں تو پوری پوری اس کی حقیقت نہیں جانتا، اس پر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مرد شیطان ہے" (۷۶)

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس سالم حدیث کو بخاری شریف میں بیان کیا ہے؛ لیکن ضرورت کے مطابق اس کا تھوڑا سا وہ مضمون یہاں نقل کر دیا گیا ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مردود شیطان کو گرفتار کر لینا مذکور ہے، شیطان کی گرفتاری یہ خرق عادت اور کرامت ہے۔

کرامت حضرت ربیع رضی اللہ عنہ

حضرت ربعی بن خراش کہتے ہیں کہ

"ہم چار بھائی تھے اور ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیع رضی اللہ عنہ پکے نمازی اور بڑے روزہ دار تھے، سردیوں، گرمیوں میں بھی وہ نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے، جب ان کا انتقال ہوا تو ہم سب ان کے آپ پاس اکٹھے تھے اور ہم ان کے لئے کفن کا کپڑا لینے ایک آدمی بھیج چکے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا السلام علیکم (ہم لوگ عبسی قوم کے ہیں) جواب دیا: وعلیکم السلام برادران عبس، کیا موت کے بعد بھی تم بات چیت کرتے ہو؟ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں تم سے جدا ہو کر جب میں پروردگار عالم سے ملا تو میں نے اسے غضبناک نہیں دیکھا، اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی روزی، جنت کے لباس اور دبیز ریشمی کپڑے مرحمت فرمائے، سنو! حضرت ابوالقاسم رحمۃ للعالمین ﷺ میری نماز پڑھانے کے لئے منتظر ہیں، بس اب دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو، اس کے بعد وہ اس طرح ہو گئے جیسے کسی طست میں ایک کنکری گر جائے، یعنی تھوڑی دیر کے لئے ان کی زبان نے حرکت کی اور پھر وہ بالکل خاموش اور بے جان ہو گئے اور پھر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا، یہ قصہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہاں مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں" اس واقعہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (۷۷)

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فہرست میں دیکھا تو نہیں گیا، مگر دوسرے قرینوں اور اس واقعہ سے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا صحابہ ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

کرامات حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ

سہم نے بیان فرمایا کہ

''ہم علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہوکر جب مقامِ دارین پہنچے جو ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے، چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہوکر کہا: اے اللہ! تو جاننے والا ہے، تو قوت والا ہے، تو بہت بڑا ہے، ہم تیرے معمولی بندے یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سرے پر ہے، اللہ! ان کو شکست دینے کے لئے، ان کو راہ راست پر لانے کے لئے اور ان کو اسلام کا کلمہ پڑھانے کے لئے ان تک پہنچادے، اس دعا کے بعد انہوں نے ہم کو سمندر میں اتار دیا، اس سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے سینوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم سمندر پار ہوکر اسلام کے دشمنوں پر جاٹوٹے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان حالت میں بادشاہِ کسریٰ کے عامل نے دیکھ کر اپنی فوج کے سرداروں سے کہا کہ ہم ان مجاہدوں سے ہرگز نہیں لڑ سکتے، ان بہادروں سے مقابلہ کی میں تو ہمت ہی نہیں رہی اور بالآخر وہ کشتی میں بیٹھ کر فارس روانہ ہوگیا اور اس کی فوج بھی ایک دو تین ہوگئی'' اس قصہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۷۸)

کرامت حضرت زید بن خارجہ بن زید بن ابی زبیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

حافظ حدیث ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ

''زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد بھی گفتگو کی، اس کو ابن سعد، ابن ابی حاتم، امام ترمذی، یعقوب بن سفیان، بغوی، طبری اور ابونعیم وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے''(۷۹)

زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے خلافتِ سوم میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، تہذیب التہذیب کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس قصہ کی سند حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ

''زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا انتظار تھا، میں نے کہا لاؤ اتنی دیر میں دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہوں، ادھر میں نماز میں لگا ادھر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر کہا: السلام علیکم یا أهل البیت! سب لوگوں سے ان کی گفتگو ہو رہی تھی اور میں سجدہ میں ''سبحان ربي الأعلی'' پڑھ رہا تھا، زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے اپنی دوران گفتگو میں کہا: لوگو! بالکل خاموش ہو جاؤ سنو! رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ سب سے سچے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو جسمانی طور پر تو دبلے پتلے تھے، مگر اللہ کے احکام کے اجراء میں بڑے طاقتور اور قوت دار تھے،

اوراس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ سچے تھے وہ جس طرح مضبوط بدن کے آدمی تھے اسی طرح احکامِ خدا کے اجراء میں بھی بڑے سخت اور بڑے کڑے تھے اوراب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بھی دو برس گزر چکے ہیں اور چار سال باقی ہیں، یہ بھی سچ اور صداقت کا مجسمہ ہیں، ان کے دور خلافت میں تمام معاملات اوراشیاء محفوظ پرفتنوں کا دباؤ ہےاوراُریس کے کنویں کوتو تم لوگ جانتے ہی ہو، جہاں رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے گر گئی تھی اوراسی دن سے فتنہ وفساد کے دروازے کھل گئے تھے اوراے عبداللہ بن رواحہ! تم پراللہ کی سلامتی ہو، کیا تم کو خارجہ اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حالات معلوم نہیں، اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہوگئے، میں تو نماز سے فارغ ہوکر یہ تمام باتیں سن ہی رہا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تشریف آکرنماز جنازہ پڑھادی''

اس واقعہ کوکئی طریقوں سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے بیان کیا ہے۔(۸۰)

کرامت حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق اورعلامہ بیہقی (رحمہما اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ

''حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ جنگ بدر میں ایک مشرک کے قتل کرنے کے لئے جھپٹے، کیا دیکھتے ہیں کہ شمشیر آب دار ابھی اس تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ اس کا سرکٹ کرنیچے گر پڑا'' (۸۱)

کرامت حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

حاکم، بیہقی اورابونعیم (رحمہم اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنگِ بدر کی حالت یہ تھی کہ ہمارے کسی مشرک اور خدا کے باغی کے لئے تلوار کا اشارہ کرتے ہی ہماری تلواراس کے سر پر پڑتی تک نہ تھی کہ اس بدبخت کی کھوپڑی کٹ کر دور جاپڑتی'' (۸۲)

واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے آتے تھے اوروہ ہر مسلمان کا اشارہ پاتے ہی اس مشرک کوقتل کردیتے تھے۔

کرامت حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ

امام بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ

''حضرت ابو بردہ ؓ نے فرمایا: میں نے جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں مشرکوں کے تین سرلے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ان میں سے دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک خوش رو نوجوان جو بڑا لمبا تڑنگا تھا؛ لیکن وہ ہم مجاہدوں میں کا نہیں تھا؛ کیوں کہ سب دوستوں کو تو میں پہچانتا ہوں، اس شیر مرد نے اس ناپاک کو مار گرایا اور میں اس گندے سر کو یہاں لے آیا ہوں، اس پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ فلاں فرشتہ تھا'' (۸۳)

کرامت حضرت سہل بن عمر ؓ

علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان فرماتے ہیں کہ

''حضرت سہل ؓ نے فرمایا کہ میں نے جنگ بدر میں کچھ گورے چٹے اور سرخ وسفید لوگوں کو دیکھا جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور مشرکوں میں سے کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، وہ جدھر بھی رخ کرتے صفوں کی صفیں کھیت کر دیتے'' (۸۴)

موج رواں کی طرح جدھر یہ پلٹ گئے
مشرک سر اپنا پھینک کر پیچھے کو ہٹ گئے

کرامت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما

صحیحین میں حضرت اسامہ ؓ سے روایت ہے کہ

''انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں جبرئیل کو دیکھا'' (۸۵)

کرامت زنِ صالحہ ؓ

بیہقی اور ابن عدی (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ

''ایک اندھی بڑھیا کے ایک نوجوان انصاری بیٹے نے وفات پائی اور بڑھیا نے اس کے منہ پر کپڑا اڑھا دیا، ہم اس کو صبر وتسلی دے رہے تھے، بیچ میں وہ کہنے لگی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے پیغمبر کی طرف اس امید پر ہجرت کی کہ تو تکلیفوں میں میری مدد کرے، آج میری مصیبت کو تو ٹال دے، اے اللہ! محمد رسول اللہ ﷺ کا صدقہ میری مدد کر، حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ اس مردے نے — جو اپنے باپ کے لحاظ سے انصاری تھا — اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور اپنی بڈھی مہاجر ماں سے کہا: اب تم گھبراؤ مت، میں اچھا ہوگیا؛ چنانچہ ہم سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا'' (۸۶)

لیکن ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبوراغلبۂ حال میں دعا کی تھی اور غلبۂ حال میں ہر شخص معذور ہوتا ہے۔اور ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیتِ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت تھی تو اللہ کے لئے ،مگراس کی برکت سے مقصودِ انسانی بھی پیشِ نظر تھااور صلوۃ الحاجۃ کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ انسان کی تکلیفیں دور ہوجائیں؛ تاکہ وہ اطمینان سے عبادت کر سکے۔

نوٹ: ہروہ دعا جس میں مقصد کا حصول ناممکن سا ہو وہ جائز نہیں۔

کرامت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عبداللہ بن عبیداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ

''حضرت ثابت بن قیس ﷺ جس وقت جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے دفن میں میں بھی شریک تھا، جب ان کو قبر میں رکھ دیا گیا تو انہوں نے کہا:

"محمد رسول الله ،أبو بكر الصديق ، عمر الشهيد ، عثمان البر الرحيم"

اس پوری شہادت کو ہم نے سنا، اس کے بعد ان شہید کو ویسے ہی پایا جیسا کہ وہ باتیں کرنے سے پہلے تھے یعنی بالکل خاموش مردہ'' (۸۷)

کرامت حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ

سعید بن زید ﷺ کے بارے میں جس حدیث پر تمام علماء کا اتفاق ہےاور جس کو ''روض الریاحین'' میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

''ایک مکار عورت نے حضرت سعید ﷺ پر یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اس سے زبردستی کچھ زمین لے لی ہے، اس پر حضرت سعید ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں پھوڑ دے اور اس کو اس کی زمین میں ہی موت دے دے، بس وہ اپنی زندگی میں ہی اندھی ہوگئی اور ایک دن جبکہ وہ اپنی زمین پر چل رہی تھی ناگاہ ایک گڑھے میں گر کر مرگئی'' اس قصہ کو صحیحین میں بھی بیان کیا گیا ہے'' (۸۸)

کرامت حضرت سلیمان وابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہما

''حضرت سلیمان وابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے بیچ میں پیالہ رکھا ہوا تھا جو سبحان اللہ پڑھ رہا تھا اور اس کی اس تسبیح کو دونوں حضرات نے سنا'' (۸۹)

کرامت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری ﷺ نے ایک لمبی حدیث کے تحت بیان کیا ہے کہ

''مجھ سے سرکار دو عالم ﷺ نے دریافت فرمایا: اے ابو ذر! تم کو کھانا کون کھلاتا تھا؟ میں نے جواب دیا حضور مجھے کھانا تو کوئی نہیں کھلاتا تھا؛ البتہ آب زمزم خوب پیا کرتا تھا، جس سے میں اتنا موٹا ہو گیا کہ میرے پیٹ میں سٹیں پڑنے لگیں اور بھوک نے میرے جگر کا فعل بھی خراب نہیں کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آب زمزم بڑی اچھی چیز ہے اور پیٹ بھرنے کے لئے عمدہ قسم کا کھانا ہے'' اس کو مسلم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (۹۰)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری ؓ چاہ زمزم پر ایک ماہ تک مقیم رہے، آپ ؓ وہاں صرف آب زمزم ہی پیتے رہے اور کوئی غذا نہیں کھائی، اگر چہ اس متبرک پانی کی تاثیر یہی ہے، مگر ہر شخص اس کا مظہر نہیں ہو سکتا، جن کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، وہی ایسی برکتوں کے محل و مظہر ہوا کرتے ہیں ۔

در نجواہی آدمیت ، دررہ آں ، زودزن

کرامت حضرت عمران بن حصین ؓ

صحیح مسلم میں حضرت عمران ؓ سے روایت ہے کہ

''فرشتے مجھے سلام کیا کرتے تھے، مجھے تیس برس سے بواسیر تھی، اس بیماری کو دور کرنے کے لئے میں نے مسوں کو داغنا شروع کیا تو فرشتوں نے مجھے سلام کرنا چھوڑ دیا اور جب میں نے اس مکروہ چیز کو ترک کر دیا تو ملائکہ پھر مجھے سلام کرنے لگے'' (۹۱)

اور صحیح ترمذی میں ہے کہ

''عمران بن حصین ؓ کے گھر میں لوگ کسی سلام کرنے والے کو نہیں دیکھتے تھے، مگر السلام علیکم یا عمران کی آواز برابر ان کو سنائی دیتی تھی'' (۹۲)

''نسیم الریاض'' میں معتبر کتابوں کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ عمران بن حصین ؓ سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ بدن کے کسی حصہ کو داغنا، گودنا اور جلانا بہت ہی برا کام ہے؛ لیکن حضرت عمران بن حصین ؓ سے فرشتوں کو سلام، گفتگو اور مصافحہ یہ سب آپ ؓ کی کرامتیں ہیں۔

کرامات حضرت حارث بن کلدہ ؓ

ابن سعد اور حاکم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے صحیح سند کے ساتھ بذریعہ ابن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کیا ہے کہ

''حضرت صدیق اکبر اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بیٹھے تھے اور دلیا کھا رہے تھے، جو تحفہ کے طور پر آیا تھا، دلیا کھاتے کھاتے ایک مرتبہ حضرت حارث ؓ نے کہا: اے خلیفۂ رسول!

ہاتھ کھینچ لیجئے، اللہ کی قسم اس حریرہ میں وہ زہر ہے جس سے سال بھر میں ہلاکت واقع ہوتی ہے۔ اب آپ رضی اللہ عنہ اور میں ایک دن میں مریں گے؛ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ دلیا کھانا چھوڑ دیا اور پھر وہ دونوں ایک سال تک بیمار رہ کر ایک ہی دن اس دنیا سے رحلت فرما گئے'' (۹۳)

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی دو کرامتیں ظاہر ہوئیں، ایک تو دلیا کھاتے کھاتے بغیر کسی ظاہری سبب کے یہ معلوم کرلیا کہ اس میں وہ سلو پائزن (سست رفتار سے اثر کرنے والا زہر) ملا ہوا ہے، جس کا کھانے والا ایک سال میں ہلاک ہوجاتا ہے اور دوسری کرامت یہ کہ دونوں کی وفات ایک ہی دن ہوگی اور یہ سب ایسا ہی ہوا جس کو قرینہ سے کوئی دوسرا معلوم نہیں کرسکتا اور یہ کشف آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

کرامت حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ہلال! تم گواہ لاؤ ورنہ اس تہمت کی وجہ سے تم پر حد قذف جاری ہوگی، یعنی تم کو اسی کوڑے مارے جائیں گے، اس پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا، میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ عنقریب کوئی حکم بھیجے گا، جو میری کمر کو حدِ قذف سے بری کردے گا، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور لعان کی آیت ساتھ لائے، یعنی وہ حکم جو میاں بیوی کی قسموں سے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہوتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لعان کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نازل نہ کرتا تو میرا اور اس عورت کا معاملہ بڑا ہی سخت ہوجاتا'' (۹۴)

یعنی اس کو وہ سزا دی جاتی جو ولدِ حرام پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے مقرر کردی گئی ہے، (۹۵) اس کو بخاری، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی بیان کیا ہے۔

کرامت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

بیہقی اور نسائی نے بیان کیا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ کے حکم پر خالد رضی اللہ عنہ نے جب عمارتِ عزیٰ کو ڈھایا تو اس میں سے ایک کالی بھجنگی ننگی عورت پریشان حال بنے سر پر ہاتھ رکھے چیختے ہوئے نکلی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو دو ٹکڑے کرڈالے اور پھر آنحضرت ﷺ کے حضور میں آکر اس قصہ کو بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: عزیٰ وہی عورت تھی جس کو تم نے قتل کردیا، اب کبھی اس عورت کی عبادت نہ ہوگی، شاباش! شاباش

!عزیٰ درخت پر بنائی ہوئی ایک عمارت تھی، جس کو مشرکین اس لئے پوجتے تھے کہ اس میں سے آ وازیں سنائی دیتی تھیں از قبیل شیطان، اس عمارت میں ایک خبیث روح تھی جو بولا کرتی تھی؛ چنانچہ وہ خبیث روح سرکار دو عالم ﷺ کے خوف سے انسانی حالت میں جب نکلی تو حضرت خالد بن ولید ﷺ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اسی کا نام عزیٰ تھا''(۹۶)

اس شیطان روح کو قتل کرنا اور بت خانۂ عزیٰ کی پھر دوبارہ عبادت نہ ہونا، یہ حضرت خالد ﷺ کی کرامت تھی۔

کرامت حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل حدیث میں روایت بیان کی ہے کہ ہشام بن عروہ ﷺ نے کہا کہ مجھ سے میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ

''بیر معونہ میں جس وقت صحابہ ﷺ شہید کئے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری ﷺ کو قید کیا گیا تو ان سے عامر بن طفیل ﷺ نے ایک مقتول وشہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ جس پر اسیرِ مشرکین عمرو بن امیہ ﷺ نے جواب دیا تم نہیں جانتے یہ تو عامر بن فہیرہ ﷺ ہیں اور عامر بن طفیل ﷺ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے اس شہید یعنی عامر بن فہیرہ ﷺ کے جنازے کو آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ جنازہ اتنا اونچا ہو گیا کہ آسمان وزمین کے درمیان میں اس کو دیکھ نہ سکا، یعنی وہ میری حدِ نگاہ سے بھی پرے ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کا جنازہ زمین پر لا کر رکھ دیا گیا''(۹۷)

اللہ تعالیٰ نے عامر بن فہیرہ ﷺ کی بزرگی دکھانے کے لئے ان کے جنازہ کو آسمان کی طرف اٹھانا دکھایا، یہ بھی آپ ﷺ کی کرامت تھی۔

کرامات ایک جن صحابی رضی اللہ عنہ کی

حافظ حدیث ابن جوزی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں اپنی سند سے امام الاولیاء حضرت سہل بن عبداللہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ

''میں قوم عاد کے شہروں میں شہر عاد کی ایک سرحد پر تھا، جہاں میں نے تراشیدہ پتھروں کا ایک شہر دیکھا یعنی اس شہر کی سب عمارتیں پتھروں کو اندر سے کھود کر بنائی گئی تھیں اور اس شہر کے بیچوں بیچ ایک سنگیں محل تھا، جس میں جنات رہا کرتے تھے، ایک دن میں اس محل میں گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک موٹا تازہ اور لحیم، شحیم پرانا بڈھا جن کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور پر رونق جبہ پہنے

ہوئے ہے، میں اس کے بے انتہا موٹاپے اور اس بھڑک دار عبا پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ اس نے نماز سے فراغت کے لئے سلام پھیرا، میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: اے سہل بن عبداللہ! بدن سے کپڑے پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوتے؛ اس لئے کہ بدن میں کوئی ایسی خاصیت نہیں کہ اس سے کپڑے پھٹ جائیں؛ بلکہ کپڑے تو صرف گناہوں کی بدبو اور حرام غذاء کے کھانے سے بوسیدہ ہو کر پھٹ جاتے ہیں، اس ادنی جبہ کو تقریباً سات سو سال سے پہنے ہوئے ہوں اور میں نے اسی لباس میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور سرور عالم ﷺ سے ملاقات کی ہے اور دونوں پر ایمان بھی لا چکا ہوں، میں نے ان کو پوچھا آپ ہیں کون؟ تو انہوں نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: "قد أوحی الی انه استمع نفر من الجن" (۹۸)

دیکھا آپ نے ان جن صحابی ﷺ نے اپنی تین کرامتوں کا ظاہر کیا:

اول: یہ کہ انہوں نے بلا میل جول نام معلوم کرلیا۔

دوم: یہ بتایا کہ گناہوں کی نحوست بُری چیز ہے۔

اور تیسری کرامت یہ بتائی کہ تعجب کی کوئی بات نہیں یہ تو سات سو سال سے بھی پرانا جبہ ہے، مگر برائیوں سے دور رہنے کی وجہ سے بالکل نیا معلوم ہو رہا ہے۔

حوالہ جات

(۱) تاریخ الخلفاء، ص:۹۱، مطبوعہ فخر المطابع۔لکھنؤ
(۲) ابو یعلی
(۳) تاریخ الخلفاء، ص:۶۲
(۴) متفق علیہ۔مشکوۃ شریف، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ
(۵) قرۃ العین، ص:۹۹، مجتبائی دہلی
(۶) کنز العمال:۳۱۱/۶، مطبوع حیدرآباد
(۷) تیسیر مطبوعہ نول کشور، ص:۱۴۵
(۸) تاریخ الخلفاء، ص:۸۴
(۹) تاریخ الخلفاء، ص:۸۵
(۱۰) تفصیلات کے لئے تاریخ الخلفاء، صفحات:۸۷تا۸۹ دیکھئے
(۱۱) تاریخ الخلفاء، ص:۸۴
(۱۲) تاریخ الخلفاء، ص:۸۵
(۱۳) تاریخ الخلفاء، ص:۸۹
(۱۴) تاریخ الخلفاء، ص:۹۰
(۱۵) باب کرامات عمر ؓ، تاریخ الخلفاء، ص:۹۱
(۱۶) تاریخ الخلفاء، ص:۱۰۳
(۱۷) تاریخ الخلفاء، ص:۱۰۳
(۱۸) تاریخ الخلفاء:۹۰-۹۱
(۱۹) قرۃ العینین، ص:۹۷-۹۸
(۲۰) قرۃ العینین، ص:۱۰۳
(۲۱) کنز العمال:۳۳۶/۶
(۲۲) تیسیر، ص:۱۴۵/۲، مطبوعہ نول کشور
(۲۳) استیعاب:۴۹۱/۲
(۲۴) قرۃ العینین، ص:۱۳۸
(۲۵) تفصیل کے لئے قرۃ العینین، ص:۱۳۸
(۲۶) رواہ العقیلی
(۲۷) استیعاب:۴۸۳/۲
(۲۸) تاریخ الخلفاء، ص:۱۲۵-۱۲۶
(۲۹) کنز العمال:۳۹۶/۲
(۳۰) کنز العمال:۳۹۷/۲
(۳۱) کنز العمال:۴۰۲/۲
(۳۲) کنز العمال:۴۰۹/۲
(۳۳) کنز العمال:۴۰۹/۲
(۳۴) کنز العمال:۴۰۹/۲
(۳۵) کنز العمال:۴۱۳/۲
(۳۶) کنز العمال:۴۱۲/۲
(۳۷) الرحمۃ المہداۃ مطبوعہ فاروقی دہلی، ص:۲۱۶
(۳۸) مشکوۃ:۵۵/۲
(۳۹) تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ الخلفاء، ص:۱۴۵
(۴۰) تہذیب التہذیب کی:۳۵۵،۴۵۴/۲
(۴۱) تیسیر کشوری:۱۵۰/۲
(۴۲) تاریخ الخلفاء، ص:۱۳۵
(۴۳) تہذیب التہذیب:۴۸۱/۳
(۴۴) زیلعی:۳۵۷/۱
(۴۵) تکشف:۸۸/۵-۸۹
(۴۶) تکشف:۸۸/۵-۸۹
(۴۷) تفصیل کے لئے تکشف ملخصاً، ص:۹۰-۹۱
(۴۸) بخاری:۵۸۵/۲
(۴۹) بخاری:۵۸۶/۲
(۵۰) ۶۴۶/۱، مطبوعہ مصطفائی لکھنؤ
(۵۱) بخاری:۱۰۴/۱
(۵۲) مشکوۃ:۵۳۱/۲، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ
(۵۳) زیلعی تخریج ہدایہ:۳۷۰/۱-۳۷۱، مطبوعہ علوی
(۵۴) مشکوۃ:۵۳۱/۲
(۵۵) رواہ البخاری:۵۳۸،۵۳۷/۲
(۵۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: الکلام المبین مؤلفہ مفتی عنایت احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، ص:۱۱۱،۱۱۲
(۵۷) مشکوۃ:۵۴۴/۲
(۵۸) مشکوۃ، ص:۴۴-۴۵

(۵۹) مشکوٰۃ:۲/۴۵
(۶۰) مشکوٰۃ:۲/۵۴۵
(۶۱) مشکوٰۃ:۲/۵۴۵
(۶۲) اسد الغابۃ:۵/۵۰۳،مصری
(۶۳) اسد الغابۃ:۵/۵۰۳
(۶۴) اسد الغابۃ:۵/۴۳۷
(۶۵) اسد الغابۃ
(۶۶) اسد الغابۃ،ابی نعیم وابی موسیٰ:۵/۵۹۰
(۶۷) اسد الغابہ:۵/۵۲۴
(۶۸) اسد الغابۃ:۵/۵۲
(۶۹) اسد الغابۃ:۵/۵۲۲
(۷۰) اشعۃ اللمعات:۴/۴۸۱،ط:مصطفائی
(۷۱) اگر شرعی مضرت کا اندیشہ نہ ہو تو کافر کو گالی دینے کی گنجائش ہے، ویسے اصل حدیث میں ''سب'' کا لفظ ہے، جس کے معنی بُرا بھلا کہنے کے آتے ہیں۔محمود اشرف غفر اللہ لہ
(۷۲) ۴/۲۸۸
(۷۳) مشکوٰۃ:۱/۱۸۴
(۷۴) مشکوٰۃ:۱/۱۸۴
(۷۵) مشکوٰۃ:۱/۱۸۷-۱۸۸
(۷۶) مشکوٰۃ:۱/۱۸۵
(۷۷) الرحمۃ المهداۃ،مطبوعہ فاروقی دہلی،ص:۳۰۳
(۷۸) الرحمۃ المهداۃ،ص:۳۰۳
(۷۹) تہذیب التہذیب:۳/۴۰۹-۴۱۰مع حاشیہ
(۸۰) تفصیل کے لئے دیکھئے: حاشیہ تہذیب التہذیب:۳/۴۱۰-۴۱۴
(۸۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: الکلام المبین،ص:۷۹
(۸۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: حاکم،بیہقی،حلیۃ الأولیاء
(۸۳) الکلام المبین،ص:۸۰
(۸۴) الکلام المبین،ص:۸۱
(۸۵) الکلام المبین،ص:۸۱
(۸۶) الکلام المبین،ص:۱۰۴-۱۰۵
(۸۷) الکلام المبین،ص:۱۰۵
(۸۸) روض الریاحین،ص:۱۷،مصری
(۸۹) روض الریاحین،ص:۱۸،مصری
(۹۰) تیسیر الاصول:۲/۱۵۲
(۹۱) صحیح مسلم
(۹۲) ترمذی
(۹۳) تاریخ الخلفاء،ص:۶۰
(۹۴) کذا فی التیسیر المطبوع فی کلکتہ،ص:۸۱،تکشف:۵/۲۹
(۹۵) مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے۔اصل مسودہ دستیاب نہ ہوسکا، بہ ظاہر عبارت یہ ہونی چاہئے کہ ''اس کو وہ سزا دی جاتی جو زنا کے لئے مقرر کردی گئی ہے''۔محمود اشرف غفر اللہ لہ
(۹۶) بیہقی ونسائی
(۹۷) بخاری
(۹۸) صفوۃ الصفوۃ،باب العقول مصر:۲/۱۱۷

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی ☆

معیار افضلیت

حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل کون ہے؟

اس مسئلہ پر گفتگو سے پہلے فضیلت کی قسموں کو جان لینا ضروری ہے، کیونکہ اسی پر افضلیت کا مدار ہے، کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں: (۱) فضیلت اختصاصی (۲) فضیلت اکتسابی۔ اس دوسری قسم کو حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے فضیلت جزائی سے تعبیر کیا ہے۔

فضیلت اختصاصی

یہ محض عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے جس میں اطاعت وعبادت کا کوئی دخل نہیں ہے، بس اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے پایاں سے ایک شئے کو دوسری شئے پر فضیلت وفوقیت عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ مالک مطلق ہے، اپنی مملوکات میں سے جسے چاہے اپنی عنایت خاص سے سرفراز کر دے۔

جسے چاہے مالک دو جہاں اسے رفعتوں سے نواز دے

یہ فضیلت اپنے اندر بڑی وسعت اور عمومیت رکھتی ہے۔ انسان، حیوانات، جمادات بلکہ جواہر واعراض تک کو اس سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے۔ درج ذیل مثالوں سے اس کی ہمہ گیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فضیلت اختصاصی کی چند مثالیں

مثلاً فرشتوں کو وجود اور پیدائش میں تمام مخلوق پر اولیت اور تقدم کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ خلعت وجود سب سے پہلے انہیں کو عطا کیا گیا، اسی طرح حضرات انبیاء کو منصب نبوت سے سرفراز فرما کر تمام انسانوں پر انہیں فوقیت وفضیلت دی گئی، دنیا کے تمام کمسن بچوں کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم علیہ السلام کو شرف فضیلت سے نوازا گیا، عالم کی تمام اونٹنیوں پر

☆ استاذ حدیث وایڈیٹر ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند''

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بزرگی عطا کی گئی، حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) کو تمام شہروں پر فضیلت اور برتری مرحمت ہوئی، یوم جمعہ اور یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو دیگر ایام کے مقابلہ میں امتیاز واختصاص بخشا گیا۔ اور عشرہ ذی الحجہ کو باقی تمام دنوں سے محترم بنایا گیا، فرض کو نفل پر برتری دی گئی، عصر و فجر کو دوسرے فرائض کے مقابلہ میں افضلیت حاصل ہوئی اور سجدہ کو باقی ارکان صلوٰۃ کے مقابلہ میں قرب و منزلت سے نوازا گیا۔

ان مثالوں سے جہاں فضیلت اختصاصی کی وسعت اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فضیلت کا حصول کسی عمل پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تمام تر مدار قسمت اور تقدیر الٰہیہ پر ہے۔ (ذالک تقدیر العزیز العلیم)

فضیلت اختصاصی کی قسمیں

اس کی کل چار قسمیں ہیں: (۱) فضیلت معلوم الوجہ (۲) فضیلت مجہول الوجہ (۳) فضیلت اصلی (۴) فضیلت تبعی۔ ذیل میں ہر قسم کی کچھ تفصیل ذکر کی جارہی ہے تاکہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔

(۱) معلوم الوجہ: جس میں سبب فضیلت تک عقل انسانی کی رسائی ہو جائے اور آدمی سمجھ لے کہ اس فضیلت کی وجہ کیا ہے مثلاً یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دوسری جگہوں کے مقابلہ میں مساجد کی بزرگی اور فضیلت اس کے محل عبادت اور مقام ذکر ہونے کی وجہ سے ہے البتہ خود جگہ کا عبادت گاہ اور مسجد کے لیے منتخب کیا جانا محض عنایت خداوندی کی بناء پر ہے، اس اختصاص کا سمجھنا فہم انسانی کے دائرہ قدرت سے بالاتر ہے۔

(۲) مجہول الوجہ: وہ فضیلتیں کہلاتی ہیں جن کے اسباب و وجوہ کی دریافت سے انسانی عقل قاصر ہے، جیسے حجر اسود کی دوسرے پتھروں پر اور مکان کعبہ کی دوسرے مکانات پر فضیلت کے اسباب و وجوہ کیا ہیں، عقل انسانی ان کے ادراک سے عاجز و درماندہ ہے۔

(۳) فضیلت اصلی: صاحب فضیلت کو یہ شرف و فضل بلا کسی واسطہ کے اصالۃً حاصل ہوا ہو، جیسے حجر اسود کہ اس کی فضیلت اصلی ہے؛ کیوں کہ اس میں کسی واسطہ کا دخل نہیں ہے۔

(۴) فضیلت تبعی: جو صاحب فضیلت کو کسی واسطہ اور وسیلہ سے حاصل ہوئی جیسے صاحبزادہ رسول حضرت ابراہیم ؓ کی بزرگی آنحضرت ﷺ کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔

فضیلت اختصاصی کی اس تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ فضیلت کی اس قسم میں مدار فضیلت حق جل مجدہ کی تخصیص پر ہے عمل یا کوشش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) فضیلت اکتسابی

یہ فضیلت اطاعت و عبادت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، اور فضیلت کی پہلی قسم یعنی اختصاصی کے بالمقابل اس کا دائرہ

محدود اور تنگ ہے، کیونکہ اس کا مدار اعمال پر ہے، لہٰذا یہ انہیں لوگوں کے حصہ میں آئے گی جو عمل کی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہوں ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگی اور اہل عمل کی صرف تین جماعتیں ہیں، ملائکہ، جنات اور انسان۔ یہ فضیلت بظاہر عمل کے معاوضہ کے طور پر عطاء کی جاتی ہے، لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو اس کا منتہا بھی وہی فضیلت اختصاصی ہی ہے جیسا کہ آئندہ کی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

اختلاف اور نزاع کا محل یہی فضیلت اکتسابی ہے۔ فضیلت اختصاصی میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے ثبوت کے لیے کتاب وسنت کا بیان کافی ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ تمام حضرات صحابہ کو پوری امت پر فضیلت اختصاصی حاصل ہے جس کا ثبوت ذیل کی حدیث سے ہو رہا ہے:

''اختار الله لى اصحابا و اصحارا و انصارا''

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اصحاب، رشتہ دار اور مددگار کا انتخاب فرمایا ہے اور یہ اختصاصی بزرگی آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کو بھی حاصل ہے، لیکن یہاں گفتگو امت کے مقابلے میں حضرات صحابہ کی فضیلت کے اثبات میں نہیں ہے وہ تو حضرت شارع علیہ السلام کے فرمودات سے ثابت ہے، بلکہ اس وقت تو خود حضرات صحابہ کے درمیان فرق مراتب کی وضاحت مقصود ہے، کیونکہ محل اختلاف یہی امر ہے۔

بعض احادیث سے بظاہر ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ان حضرات میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت اور بزرگی دی گئی ہے۔ اس کا تعلق فضیلت اختصاصی سے ہے لیکن آیات قرآنیہ میں غور کرنے اور احادیث پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت اکتسابی ہی ہے۔ ہاں ترتیب خلافت میں اگر بعض خلفاء کی بعض پر تقدیم کو فضیلت اختصاصی میں شمار کیا جائے تو مناسب ہے۔ جس پر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ''فابی علی الا تقدیم ابی بکر '' یعنی '' آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر کے بجائے کسی کی تقدیم کو پسند نہیں کیا''۔ کے علاوہ دیگر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔

فضیلت اکتسابی کی قسمیں

فضیلت اکتسابی کی بھی چند قسمیں ہیں۔ اب ان اقسام پر بغور نظر ڈال کر محل اختلاف میں جو قسم قابل اعتبار ہو اس کو جاری کرنا چاہیے تا کہ فضیلت اکتسابی کے مصداق کی تعیین ہو جائے اور اختلاف ختم ہو، اس سلسلہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ ایک عمل کو دوسرے عمل پر سات وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے، ان سات وجوہ کے علاوہ کوئی اور وجہ اور صورت مدار فضیلت نہیں ہو سکتی۔

وجوہ مدار فضیلت یہ ہیں (۱) ماہیت عمل (۲) لمیت عمل (۳) کیفیت عمل (۴) کمیت عمل (۵) زمان عمل (۶) مکان عمل (۷) امور خارجہ۔

سطور ذیل میں ان ساتوں وجوہ کی قدرے وضاحت پیش کی جارہی ہے تا کہ بات منقح ہو کر سامنے آجائے۔

(۱) ماہیت عمل: یعنی خود عمل اپنی ذات وصفت کے اعتبار سے دوسرے عمل پر فوقیت رکھتا ہو، جیسے فرائض کی فوقیت نوافل پر۔ لہٰذا دو آدمیوں میں ایک جملہ فرائض کو ادا کرتا ہے اور دوسرا بعض کو بجالاتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے مگر ساتھ ہی نوافل کا بھی پابند ہے، یا دونوں تمام فرائض کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی کثرت سے نوافل بھی پڑھتے ہیں؛ لیکن ایک کی نوافل دوسرے سے بڑھی ہوئی ہیں، یا ان میں سے ایک نماز کے اندر تلاوت، تسبیح اور حمد وثنا کثرت سے ادا کرتا ہے اور دوسرا خارج صلوٰۃ ذکر واذکار کی کثرت رکھتا ہے، یا دو شخصوں میں سے ایک جہاد میں جان کی پرواہ کیے بغیر دشمنوں کی صفوں میں گھس کر داد شجاعت دیتا ہے، اور دوسرا مجاہدین کی مدد رسانی اور ان کے آس پاس سے دشمنوں کو دور رکھنے میں کوشش کرتا ہے، یا ایک جہاد میں مصروف رہتا ہے اور دوسرا جہاد کے بجائے نماز وروزہ اور دیگر عبادات میں لگا رہتا ہے۔ غرض ان تمام صورتوں میں اول دوسرے کے مقابلے میں افضل مانا جائے گا کیونکہ پہلے کا عمل ذاتی طور پر دوسرے کے عمل سے افضل اور اعلیٰ ہے۔

(۲) لمیت عمل: عمل کی غایت وغرض جسے عرف شرع میں نیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص صرف رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ مولیٰ کی نیت سے عمل کرتا ہے اس کے سوا اس کی کوئی اور غرض نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص بھی وہی عمل کرتا ہے، مگر اس کے اخلاص نیت میں کمی ہے کہ رضائے الٰہی کے ساتھ اس کی نظر دنیوی منافع ومصالح پر بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا عمل حسن نیت اور کمال اخلاص کی بناء پر دوسرے سے افضل ہوگا۔

(۳) کیفیت عمل: یعنی عمل کو اس کے تمام آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ انجام دینا۔ مثلاً ایک شخص ہر عمل کو اس کے جملہ واجبات وسنن اور آداب وحقوق کو پورا کرتے ہوئے ادا کرتا ہے۔ اور دوسرا ان کی پوری رعایت نہیں کرتا ہے۔ یا ایک شخص کا عمل ہر قسم کے گناہوں کی مصاحبت اور تلویث سے پاک وصاف ہے اور دوسرا عبادت وریاضت کے ساتھ گناہوں میں بھی مبتلا رہتا ہے، یا ایک شخص حضور قلب اور پورے خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور دوسرا بے توجہی اور بے التفاتی کے ساتھ، یا ایک شخص وضو کے ساتھ ذکر وتلاوت کرتا ہے اور دوسرا بے وضو ہو کر۔ ان تمام صورتوں میں پہلا عمل اپنی کیفیت کی بناء پر دوسرے عمل سے بڑھ جائے گا۔

(۴) کمیت عمل: عمل کی مقدار وتعداد کے لحاظ سے افضلیت کا ثبوت۔ مثلاً دو شخص فرائض کی ادائیگی میں برابر ہوں؛ لیکن ان میں سے ایک کی نفلیں دوسرے سے زائد ہوں تو اس زیادتی مقدار کی بناء پر اسے افضلیت ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ دو اصحاب بیک وقت مشرف بہ اسلام ہوئے اور ساتھ ہی ہجرت بھی کی پھر ان میں سے ایک صاحب کسی جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے حیات سے رہے۔ ان دونوں حضرات کے متعلق ایک سلسلہ گفتگو میں بعض حضرات صحابہ نے کہا کہ شہید کا مقام ومرتبہ اپنے ساتھی کے اعتبار سے بلند ہیں، آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

فاین صلوٰته بعد صلوٰته و صیامه بعد صیامه''۔

''شہید کے بعد زندہ رہنے والے کی نماز اور روزہ کہا جائیں گے''

مطلب یہ تھا کہ اگر ایک کو شہادت کا شرف حاصل ہے تو دوسرے کے لیے زیادتی صلوٰۃ وصوم کی فضیلت متحقق ہے۔ اس لیے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

(۵) زمان عمل: یعنی کبھی وقت کے لحاظ سے عمل کی اہمیت اور فضیلت بڑھ جاتی ہے، مثلاً ابتداء اسلام میں یا مسلمانوں کی زبوں حالی کے وقت جہاد اور صدقہ وخیرات کرنا یقینی طور پر اس جہاد اور صدقہ وخیرات سے افضل ہوگا، جو اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کے استغناء کے زمانہ میں کیا جائے۔ چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سابقین رضی اللہ عنہم کی دیگر حضرات پر افضلیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لو انفق احدکم مثل اُحد ذھبا ما بلغ مد أحدھم ولا نصیفہ''.

''یعنی بالفرض اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے جب بھی وہ ثواب میں ان حضرات کے ایک مد (تقریباً آدھ سیر) بلکہ نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا''

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں زمان عمل کی اہمیت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

'' لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولٓئک أعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا''.

''فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد انفاق وجہاد کیا''

اسی طرح تنگ دستی اور احتیاج کی حالت میں یا صحت وتندرستی کے وقت اللہ کے راستہ میں ایک روپیہ خرچ کرنا ثروت وتمول کی حالت میں کثیر رقم صدقہ کرنے اور بیماری اور حیات سے ناامیدی کی حالت میں ہزاروں کی وصیت سے بہتر ہوگا۔ یوں ہی جو فرائض اور عبادات، خوف، مرض، سفر، مشقت، قلت فرصت اور کثرت موانع کے وقت ادا کی جائیں وہ اطمینان وراحت اور صحت وفراغت کے وقت کی عبادتوں سے افضل قرار پائیں گی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عمرۃ فی رمضان یدل بحجۃ و من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ مما سواہ و من ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ''.

''ماہ رمضان میں عمرہ ادا کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے، اور جو شخص اس مبارک مہینہ میں نفلی عبادت بجالائے تو اس کا ثواب غیر رمضان کے فرض کی طرح ہوگا اور اس ماہ کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہوتا ہے''

اسی طرح فرمایا گیا کہ

"افضل الصیام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم".

''رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین ماہ محرم (عاشورۂ محرم) کے روزے ہیں''

اسی طرح اشہر حرام (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے) میں دیگر مہینوں کے اعتبار سے اعمال کے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۶) مکان عمل: یعنی عبادت کے مکان ومحل کے اعتبار سے بھی فضائل میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو نماز مسجد حرام یا مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پڑھی جائے وہ دیگر مقامات میں ادا کی ہوئی ہزاروں نمازوں سے افضل ہے، اسی طرح دار الحرب میں جہاد کے موقع پر روزہ رکھنا دوسرے مقام کے روزہ سے افضل ہوتا ہے، حدیث پاک میں ہے۔

"من صام يوما في سبيل الله حرم الله عليه النار".

''جس شخص نے جہاد کے موقع پر روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیں گے''

(۷) امور خارجی: عمل کے ساتھ خارج سے کوئی ایسی چیز آ کر مل جائے جس سے عمل کے ثواب میں اضافہ ہو جائے۔ یہ سبب خارجی کبھی تو خود عمل کرنے والے کی اپنی ذات ہوتی ہے اور کبھی عمل کرنے والے کے ساتھ کسی دوسرے کی شرکت ومقارنت اضافہ فضیلت کا سبب ہو جاتی ہے، جیسے نبی (ﷺ) کی ایک رکعت غیر نبی کی ہزاروں رکعتوں سے افضل ہوتی ہے، نبی ورسول کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز دیگر نمازوں کے مقابلہ میں بدرجہا اعلیٰ ہوگی۔ اسی بناء پر وہ صدقہ وخیرات اور روزہ وجہاد جو خود نبی کریم ﷺ سے عمل میں آئے یا آپ ﷺ کی معیت وصحبت میں حضرات صحابہ سے وقوع پذیر ہوئے۔ دیگر صدقات، صیام اور جہاد سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اپنے ان اعمال وعبادت کو جو آں حضرت ﷺ کے بعد انجام دیئے تھے وہ درجہ نہیں دیتے تھے جو درجہ اور مقام آپ کی معیت وصحبت میں کیے ہوئے اعمال کو دیتے تھے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر اس کے اشارات موجود ہیں، چنانچہ ایک جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"و لكن الرسول والذين آمنوا معه جاهدو باموالهم و انفسهم ا ولئك لهم الخيرات و اولئك هم المفلحون".

''لیکن رسول خدا اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اور اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کیا انہیں کے لیے تمام بھلائیاں ہیں، اور وہی کامیاب ہیں''

اسی سے ابو ہاشم جبائی (معتزلی) کا یہ نظریہ کہ ''اگر کسی شخص کو طویل عمر مل جائے تو اس کے اعمال نبی کے اعمال کے برابر ہو سکتے ہیں''۔ پادر ہوا ہو جاتا ہے علاوہ ازیں اس تفصیل سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ جماعت صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، ابو امامہ باہلی، عبداللہ بن بشیر، عبداللہ بن الحارث، سہل بن اسعد ساعدی اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم

جنہوں نے طویل عمریں پائیں اور کثرت سے اعمال خیر کیے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، ابوعبیدہ بن الجراح، زید بن حارثہ، جعفر بن ابوطالب، مصعب بن عمیر، عبداللہ بن جحش، سعد بن معاذ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے حالانکہ اول الذکر حضرات میں سے بعض ثانی الذکر حضرات کے بعد لگ بھگ اسی نوے سال تک حیات رہے اور طاعات وعبادات میں لگے رہے۔ لہٰذا یہ بات پورے یقین ووثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت دوسروں سے افضل تھا، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد دوسرے لوگ اعمال کے ذریعہ اس کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

ثمرہ فضیلت

فضیلت خواہ اختصاصی ہو یا اکتسابی، اس سے دوفوائد حاصل ہوتے ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مفضول یعنی کم درجہ رکھنے والے پر افضل کی تعظیم وتکریم واجب کردیتے ہیں، اس عزت افزائی میں تمام افاضل اور بلند درجہ کے حاملین شریک ہیں، چاہے وہ جمادات، حیوانات اور اعراض سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے خانہ کعبہ، حجراسود، مساجد، یوم جمعہ، ماہ رمضان اور ناقہ صالح علیہ السلام وغیرہ۔ یا انسان اور ملائکہ کی جماعت سے متعلق ہوں جیسے حضرات انبیاء، صحابہ کرام، ازواج مطہرات، وغیرہ کہ حکم تعظیم ان سب کو عام ہے اور ان میں سے سب ہی کی تعظیم وتکریم واجب ہوگی۔

اور فضیلت کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں انہیں قرب ومنزلت کے اس اعلیٰ وارفع مقام سے سرفراز کیا جائے گا کہ ان سے کم مرتبہ کو یہ مقام ومرتبہ حاصل نہ ہوسکے گا، فضیلت کے یہ دونوں ثمرات چونکہ جنات انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائے جاتے اسی وجہ سے ان دونوں (جن وانس) کے سوا فضیلت اکتسابی کا ثبوت کسی چیز میں نہیں پایا جاتا۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دخول جنت بھی کبھی محض اختصاصی طور پر بغیر کسی عمل کے ہوتا ہے جیسے عام مؤمنین اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے کمسن بچے کہ انہیں بغیر کسی عمل کے جنت عطا کی جائے گی۔

اور فضیلت کے اس نتیجہ سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شریعت نے جن چیزوں کی تعظیم وتکریم کا حکم ہمیں دیا ہے وہ سب کی سب صاحب فضیلت ہیں۔ اس موقع پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ''کافر والدین کی تعظیم کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے، حالانکہ ان کے اندر قطعاً کوئی فضیلت نہیں ہے''؛ کیوں کہ شریعت کی جانب سے ہمیں کافر والدین کی جس تعظیم کا حکم ہوا ہے وہ حقیقت میں تعظیم نہیں ہے بلکہ حسن سلوک اور مروت کا معاملہ ہے اور کسی کے ساتھ مروت اور حسن سلوک سے پیش آنے کے لیے اس کا صاحب فضل ہونا ضروری نہیں۔

مدار فضیلت اور اس کے ثمرات ونتائج کی وضاحت کے بعد اب حضرات صحابہ اور ازواج مطہرات واولاد اطہار کے مابین فرق مراتب اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت وبزرگی محقق طور پر معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مقدمات اور اصول کو پیش نظر

رکھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ ان مقدمات کو ذہن نشین کیے بغیر اس مقدس جماعت کے باہمی فرق مراتب اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا صحیح طور پر معلوم کرنا نہایت دشوار ہے۔

مقدمہ (۱): ازواج مطہرات کی عظمت۔ یہ امر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ خدا کی عظمت و کبریائی کے بعد رسول خدا ﷺ کی تعظیم و تکریم واجب ہے اور صرف تعظیم ہی نہیں؛ بلکہ تعظیم کا وہ درجہ مطلوب ہے جس میں حضرات انبیاء کے سوا کوئی اس تعظیم و تکریم میں ان کا شریک و سہیم نہیں ہوسکتا ہے، پھر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد آں حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کا استحقاق تعظیم نص قرآن سے اس طور پر ثابت ہے کہ دوسرے لوگوں کے لئے اس طرح کا استحقاق ثابت نہیں، ارشاد حق جل مجدہ ہے:

"النبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم و أزواجه أمهاتهم".

نبی (ﷺ) مومنین کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں"

اس آیت پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں نبی کریم ﷺ کی صحبت کی فضیلت اکثر حضرات صحابہ کے اعتبار سے قوی تر ہے کیونکہ ان کی صحبت بلحاظ عام صحابہ کی صحبت کے ایک بلند مقام کی حامل ہے اس کے علاوہ امت کی دینی ماں ہونے کی خصوصیت نے ان کے استحقاق تعظیم کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔

مقدمہ (۲): جس وقت کسی ایک کی دوسرے پر فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو تو اس وقت جہت فضیلت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ دو چیزوں کے درمیان ایک کی دوسرے پر فضیلت اسی وقت متحقق ہوسکتی ہے جبکہ دونوں میں جہت فضیلت ایک ہو اور پھر اس جہت میں ان کے اندر کمی یا بیشی ہو اور اگر دونوں کے فضائل مختلف جہت سے ہوں تو ان میں باہم تفاضل اور ایک دوسرے پر بڑائی متحقق نہیں ہوسکتی، لہٰذا اگر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں سوال کیا جائے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے تو اس کے جواب میں یہ کہنا کہ رمضان المبارک افضل ہے یا ناقہ حضرت صالح بہتر ہے درست نہ ہوگا۔ کیونکہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی وجہ فضیلت اور ہے اور رمضان المبارک اور ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کی وجہ فضیلت اور۔ البتہ اگر یہ پوچھا جائے کہ ناقہ حضرت صالح افضل ہے یا آں حضرت ﷺ کی اونٹنی عضباء تو اس کے جواب میں ناقہ صالح یا ناقہ عضباء محمد ﷺ کہنا صحیح ہوگا؛ کیوں کہ دونوں میں جہت فضیلت متحد ہے، اب جس کے اندر یہ جہت قوی ہوگی اسے اپنے مقابل پر فضیلت ہوگی۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ثابت نہ ہوگی کیونکہ دونوں حضرات کے درمیان وجہ فضیلت مختلف ہے، کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی فضیلت کسی عمل کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ محض اختصاصی ہے۔

مقدمہ (۳): جنت میں درجات کی بلندی کبھی کسی کی تبعیت اور طفیل میں ہوتی ہے جیسے آنحضرت ﷺ کی کمسن اولاد کے مدارج کی بلندی، آنحضرت ﷺ کی تبعیت اور طفیل میں ہے، اس طرح کی بلندی درجات فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت نہیں

کرتی یعنی جو فضیلت عمل اور طاعت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس سے یہ بلندی درجات کی فضیلت جو کسی کے طفیل میں حاصل ہوتی ہے اعلیٰ اور افضل نہیں ہوگی۔

اور کبھی یہ بلندی درجات اصالۃً اپنے عمل کے مقابلہ میں حاصل ہوتی ہے یہ بلندی درجات فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت کرے گی، مثلاً دو آدمیوں کو ان کے عمل کے عوض میں بلند درجہ ملا ہے، لیکن ان میں سے ایک کا درجہ دوسرے سے بلند ہے تو یہ بلندی درجات اس فضیلت اکتسابی کے مقابلہ میں افضلیت پر دلالت کرے گا، جس کے عوض میں کم تر درجہ حاصل ہوا ہے۔

اسی طرح جنت میں داخل ہونا، حوض کوثر پر پہلے پہنچنا یا حساب وکتاب میں سابق ہونا بھی انہیں دوقسموں پر ہے، یعنی کسی کو یہ امور تبعاً حاصل ہوں گے اور کسی کو اصالۃً اپنے عمل کے بدلہ میں، پہلی قسم فضیلت اکتسابی پر افضلیت کو ثابت نہیں کرے گی، دوسری قسم اس افضلیت پر دلالت کرے گی چنانچہ انہیں امور مذکورہ (یعنی شفاعت وحساب وکتاب اور حوض کوثر پر پہنچنے وغیرہ) میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حضرات انبیاء پر تقدم آنحضرت ﷺ کی تبعیت اور طفیلی ہونے کے طور پر ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''هم و ازواجهم فی ظلال علی الارائک متکئون''.

''وہ لوگ اور ان کی بیویاں جنت کے سایہ میں آراستہ تختوں پر مسند نشین ہوں گے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''و الحقنا بهم ذريتهم''

''ہم نے ان کے ساتھ اس کی اولاد کو لاحق کر دیا''

لہٰذا یہ تقدم وسبقت حضرات انبیاء کے مقابلہ میں امت محمدیہ کی فضیلت پر دلالت نہیں کرے گا۔

مقدمہ (۴): سیادت (سرداری) اور فضیلت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں کیونکہ سیادت تو صاحب سیادت کی ذاتی شرافت کو بتاتی ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار اس ذاتی بزرگی کی بناء پر جو انہیں حاصل ہے سادات اور سردار ہیں، اور فضیلت کا مدار عمل کی جزاء ہے یعنی صاحب عمل کو فضیلت بطور عمل کی جزاء کے عطا ہوتی ہے۔

اسی طرح امارت کے لیے فضیلت لازم نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات اعلیٰ کے مقابلہ میں ادنیٰ کو امارت مل جاتی ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی امارت کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کی اطاعت کے لیے مامور کیا جانا اس کی واضح دلیل ہے۔ اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت کے موقع پر اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کو ان کی اطاعت پر مامور کیا گیا، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی شخص کی اطاعت کا کسی پر واجب ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس کی اطاعت واجب کی گئی ہے وہ اطاعت گذاروں سے افضل اور بزرگ تر ہے۔

مقدمہ (۵): جس وقت فضیلت کی مذکورہ سات وجوہ میں باہم تعارض واقع ہو جائے تو کتاب وسنت کی روشنی میں طے

کر لینا چاہیے کہ ان متعارض وجوہ میں سب سے زیادہ قابل اہمیت اور لائق اعتبار کون سی وجہ ہے، چنانچہ شریعت سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ کیفیت عمل کے مقابلہ میں کیت (مقدار) عمل کا چنداں لحاظ نہیں ہے، اسی طرح خود کمیت و کیفیت کا زمان عمل کے مقابلے میں کم درجہ کا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل''.

''تم میں سے جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے برابر نہیں ہوں گے''

اور احادیث صحیحہ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اعمال آنحضرت ﷺ کی معیت اور صحبت میں کیے ان کے مقام و مرتبہ کو ان کے بعد کے اعمال نہیں پہنچ سکتے اور یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عمل کے برابر کسی کا عمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا اصحابہ کرام جس عمل میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہوں اس کے مقام و مرتبہ تک کسی دوسرے عمل کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ شرکت جماعت کی بناء پر ایک نور وحدانیت پیدا ہوجاتا ہے جس سے صحابہ کا عمل آنحضرت ﷺ کے ہم رنگ ہوجاتا ہے، جیسے مرکب دواؤں میں مزاج کی ایک کیفیت وحدانیت پیدا ہوجاتی ہے کہ مرکب کے ہر ہر جز میں باہمی تشابہ رونما ہوجاتا ہے۔ (نماز جماعت کی مشروعیت کی ایک اہم ترین وجہ یہی ہے) اس اعتبار سے تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو پوری امت پر عظیم بزرگی اور فضیلت حاصل ہے، پھر اس مقدس اور پاکباز جماعت کے درمیان حسب تصریح آیت کریمہ ''لا یستوی منکم'' سبقت تقدم کا اعتبار ہوگا کہ جو حضرات پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے وہ بعد والوں سے افضل ہوں گے، کیونکہ جس قدر زمانی تقدم اور سبقت ہوگی اسی قدر اسلام کی نصرت، تائید اور تقویت کی احتیاج بھی زیادہ ہوگی چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے دیگر حضرات صحابہ کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''فقال صدقت و قلتم کذبت''

''انہوں نے (ابوبکر صدیق) ابتداء میں میری تصدیق کی اور تم لوگوں نے اس وقت میری تکذیب کی''

اس اعتبار سے وہ حضرات صحابہ جو ہجرت سے پہلے مکی زندگی ہی میں اعمال اسلامی پر عمل پیرا تھے، ان حضرات سے افضل ہوں گے جو اس کے بعد ان اعمال پر کاربند ہوئے مثلاً ابوبکر صدیق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عثمان بن مظعون، طلحہ، زبیر، مصعب بن عمیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، سعید بن زید، زید بن حارثہ، ابوعبیدہ، بلال، سعد، عمار بن یاسر، ابوسلمہ بن الاسد، عبداللہ بن جحش وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین جو بالکل ابتداء ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے، دوسروں سے زیادہ افضل ہوں گے، ان کے بعد ان حضرات کا درجہ ہوگا جنہوں نے ہجرت سے پہلے عقبہ اولیٰ میں شرف بیعت حاصل کیا، پھر عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے والے حضرات ہوں گے، پھر غزوہ بدر میں شریک ہونے والے حضرات کا مقام و مرتبہ ہوگا، پھر غزوہ بدر کے بعد دیگر

غزوات میں شرکت کرنے والے تاریخ وسن کی ترتیب کے موافق ایک دوسرے سے افضل ہوں گے، یہ سلسلہ غزوہ حدیبیہ تک جاری وساری رہے گا، کیونکہ ان تمام غزوات میں شریک ہونے والوں پر سکینہ کا نزول اوران کے قلوب کا پاک وصاف ہونا حسب تصریح قرآن مجید سے ثابت ہے، لیکن غزوہ حدیبیہ کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں شرکت کو معیار فضیلت قرار دیا جائے کیونکہ اس کے بعد تمام غزوات میں منافقین بھی شریک ہوئے ہیں۔

افضل کی تعین کا طریقہ

ان مقدمات کی تفصیلات کے بعد ہمارے لیے اب یہ موقع آ گیا ہے کہ ہم یہ فیصلہ کرسکیں کہ حضرات صحابہ میں سب سے افضل کون بزرگ ہیں، اوراس ساری خامہ فرسائی کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ اختلاف اور نزاع اسی مسئلہ میں ہے کہ حضرات خلفائے اربعہ میں افضلیت کے مقام پر کون فائز ہے، اولیت سابقیت اور قدیم الایمان ہونے کی صفت میں تو یہ چاروں حضرات باہم مشترک اور مساوی ہیں اور دوسرے اکثر حضرات صحابہ سے اس شرف میں سبقت اور تقدم رکھتے ہیں، اس لیے اس عتبار سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا ان حضرات کے درمیان فرق مراتب کی تعیین میں ہمیں دو چیزوں کی جانب رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ افضل واعلیٰ کو متعین کرنے کی بس یہی صورت ہے، اول نبی کریم ﷺ کی احادیث پاک، دوم ان حضرات کے احوال واعمال کی تلاش وجستجو یعنی پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حضرات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے جو ارشادات ہیں، ان میں سے کس کی سب پر فضیلت اور بزرگی بیان کی گئی ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ احادیث سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس سلسلہ کی احادیث باہم متعارض ہیں، لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ باہمی تعارض اس وقت پیش آتا جبکہ دو اصحاب کے بارے میں ایک ہی مفہوم کے الفاظ وارد ہوئے ہوں، اوران سے دونوں کی بزرگی اور بڑائی یکساں طور پر ثابت ہوتی ہو حالانکہ احادیث کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرات شیخین (صدیق اکبر وفاروق اعظم) رضی اللہ عنہما کے لیے احادیث میں لفظ ''افضل وخیر'' آیا ہے اور سیادت احبیت، اور شرف کے لحاظ سے حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور گذشتہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ الفاظ فضیلت اختصاصی کو ظاہر کرتے ہیں اور ''افضل'' و ''خیر'' سے فضیلت اکتسابی وجزائی ثابت ہوتی ہے، اس لیے ان روایات میں سرے سے تعارض ہی نہیں ہے۔

اعمال کی تحقیق اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات

دوسرا طریقہ جس کی روشنی میں کسی کی افضلیت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے وہ احوال واعمال کی تحقیق وتفتیش ہے، شریعت نے جن اعمال کی وجہ سے کسی کو مستحق فضیلت اور بزرگی قرار دیا ہے ان میں اہم ترین حسب ذیل ہیں:

(۱) جہاد (۲) علم (۳) تقویٰ (۴) زہد (۵) انفاق فی سبیل اللہ (۶) حسن سیاست۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ان اوصاف واعمال میں حضرات خلفائے اربعہ میں سے کس کا درجہ بلند ہے، پھر اسی کی روشنی میں اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ ہوگا۔

(۱) جہاد: اسلام میں جہاد ایک عظیم فریضہ ہے، قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت وفضیلت کو بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا ہے، اسی لیے ان اعمال میں جو مدارفضیلت ہیں یہ ایک اہم ترین عمل ہے، جہاد کی تین قسمیں ہیں:

۱) جہاد باللسان، زبان سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینا اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کی سعی وکوشش بجالانا

۲) جہاد بالرائے، یعنی عقل وتدبیر اور رائے ومشورہ سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت اور استحکام پیدا کرنا، اور حکمت عملی سے دشمنوں کے دلوں میں رعب بٹھانا اوران کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا۔

۳) جہاد بالید، تیر وتلوار وغیرہ سے دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا اور حرب وضرب کے ذریعہ اشاعت اسلام کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنا اور اسلام کی سربلندی کی کوشش کرنا۔

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ شجاعت اور بہادری میں تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے اور یہ بات بھی محقق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی جہاد باللسان اور جہاد بالرائے میں گذری ہے، جہاد بالید میں آپ مشغول نہیں ہوئے (الا نادراً) اس لیے جہاد کی پہلی دوقسمیں تیسری اور آخری قسم سے لازمی طور پر اعلیٰ اور افضل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے اعلیٰ وافضل کو چھوڑ کر ادنیٰ اور کمتر کو اختیار فرمایا اور یہ ممکن نہیں تاریخ وسیر اور آثار واحادیث سے ثابت ہے کہ جہاد باللسان اور جہاد بالرائے میں حضرت صدیق اکبر ؓ اور حضرت فاروق اعظم ؓ تمام حضرات صحابہ پر سبقت اور فوقیت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت وتبلیغ سے حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) جیسے اجلہ صحابہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے جس سے اسلام کی ترقی اوراشاعت کی راہیں کھلیں اور حضرت فاروق اعظم کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کو جوعزت وشوکت حاصل ہوئی وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے، آپ کے اسلام سے پہلے مسلمانوں کی کس مپرسی اور بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ آزادی کے ساتھ وہ اسلامی شعائر کی بجا آوری نہیں کر سکتے تھے لیکن جس دن سے حضرت فاروق اعظم زمرۂ اسلام میں شامل ہوئے اسی دن سے مسلمان اعلانیہ طور پر اسلامی عبادات واعمال کوادا کرنے لگے۔

رائے اور مشورہ میں بھی یہ دونوں حضرات ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے مشیر اور وزیر کی حیثیت سے آپ ﷺ کے شریک رہے اور کوئی غزوہ اور مہم ان دونوں حضرات کے مشورہ کے بغیر واقع نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کے اندر اجتماعیت واستحکام پیدا کرنے اور مشرکین کی صف میں انتشار واختلال برپا کرنے میں ان دونوں حضرات نے دیگر حضرات صحابہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ خدمات انجام دی ہیں، یہاں تک کہ مشرکین بطور خاص ان ہر دو بزرگوار کے وجود سے نہایت خائف

اور بدل و جان ان کی ہلاکت کے آرزو مند و خواہاں تھے، چنانچہ غزوہ احد کے آخر میں ابوسفیان نے حضرات صحابہ میں سے انہیں دونوں حضرات کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا یہ دونوں ہلاک ہو گئے یا زندہ ہیں؟ ان تفصیلات سے محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا جہاد دوسرے حضرات صحابہ مثلاً حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوطلحہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہم اجمعین کے جہاد سے افضل اور اعلیٰ ہے، اس کے باوجود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیسری قسم یعنی جہاد بالید میں بھی مشارکت حاصل ہے۔'' کما یدل علی ذالک التواریخ''۔

(۲)　علم: فضیلت کے اسباب میں سے ایک سبب علم بھی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ

"قل هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون".

'' آپ کہہ دیجئے کہ اہل علم اور بے علم برابر نہیں ہیں؟''

کہا جاتا ہے کہ حضرات صحابہ میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ علمی اعتبار سے سب سے بلند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علم کی زیادتی کا پتہ دو طریقہ سے لگایا جا سکتا ہے: اول کثرت روایات حدیث اور دوسرے آنحضرت ﷺ کا کسی کو ایسا کام سپرد کرنا جو علم سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کسی کام کی ذمہ داری اسی شخص کے سپرد کرتے تھے، جو اس کا سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہوتا تھا۔ اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز، حج اور جہاد میں امام اور امیر بنایا ہے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو صدقات و زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے عامل مقرر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں کتب احادیث سے یہ بھی معلوم ہے کہ صدقات سے متعلق اکثر روایتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے واسطہ سے امت تک پہنچی ہیں، مسائل زکوٰۃ کی تشریح و تفصیل انہیں سے منقول ہے اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے منقول ہے وہ محدثین کے نزدیک درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکی ہے، مزید برآں اس میں ایک ایسا وہم موجود ہے جس کی بناء پر علماء اسلام میں سے کسی نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرات شیخین سفر و حضر ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کے رفیق صحبت و شریک مشورہ رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ علم کامل کے بغیر حضور ﷺ انہیں اپنا مشیر و وزیر نہیں بنا سکتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی صحبت و رفاقت جس قدر دراز ہوگی اسی اعتبار سے احکام و فتویٰ کی معلومات میں زیادتی ہوگی۔

رہا معاملہ کثرت روایات و فتویٰ کا تو چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندگی کا بہت ہی کم موقع ملا، اس کے علاوہ دور صحبت نبوی ﷺ سے بالکل قریب اور متصل تھا اس لیے لوگوں کو آپ سے روایت حدیث کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی پھر آپ حج وغیرہ کے علاوہ کبھی مدینہ سے باہر سفر میں بھی نہیں نکلے کہ دور دراز مقامات کے لوگ آپ سے روایت حاصل کرتے، کثرت روایت کے ان موانع کے باوجود ایک سو بینتالیس احادیث صحیحہ آپ کے واسطہ سے مروی ہیں جنہیں کبار صحابہ نے آپ سے روایت کیا ہے، جس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً تیس (۳۰) سال تک حیات رہے، طول طویل اسفار بھی کیے اور عہد نبوت سے بعید ہونے کی بناء پر لوگوں کو آپ سے روایت حدیث کی احتیاج

بھی زیادہ تھی، کثرت روایت کے ان اسباب ومواقع کے باوجود آپ کی کل مرویات صحیحہ کی تعداد پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) سے زیادہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے دیگر حضرات صحابہ کی مدت حیات کا موازنہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام دیگر حضرات صحابہ کے مقابلے میں بہت بلند ہے، اسی پر ان کے فتویٰ کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔

اور کمال علمی میں یہی مقام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ہے کیونکہ ان کی مرویات مسندہ کی تعداد پانچ سو سینتیس (۵۳۷) ہے اور فتاویٰ تو ان کے بے شمار ہیں حتی کہ ہر مسئلہ فقہیہ میں ان کا فتویٰ موجود ہے، علاوہ ازیں عقائد، تفسیر اور تصوف کے باب میں بھی آپ نے داد تحقیق دی ہے اور اپنے پیچھے ان موضوعات پر ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' میں ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے جو ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہ بات متحقق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت فاروق اعظم سے تقریباً سترہ (۱۷) سال زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دنیا میں رہنے کا موقع ملا ہے کیونکہ حضرت فاروق اعظم کی وفات یکم محرم ۲۴ھ کو ہوئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کی وفات کا سانحہ ۴۰ھ میں پیش آیا۔ مگر اس مدت دراز کے حاصل ہونے کے باوجود حضرت فاروق اعظم کی مرویات سے ان کی مرویات صرف انچاس (۴۹) زائد ہیں۔ اور اگر حضرت فاروق اعظم کی متانت تقریر، قوت تفہیم اور حسن تعلیم کو سامنے رکھا جائے تو دونوں حضرات کے درمیان نمایاں تفاوت نظر آئے گا، کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانہ میں کوئی اختلافی مسئلہ منقح اور طے نہ ہو سکا، برخلاف اس کے حضرت فاروق کے عہد میں بہت سارے مسائل طے ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت حضرت فاروق اعظم کا علم کئی گنا زیادہ تھا اور یہ حقیقت اس وقت اور منقح ہو کر سامنے آجائے گی جب دونوں حضرات کے مسانید وفتاویٰ کا باہم موازنہ ومقابلہ کیا جائے۔

علم کا ایک اہم ترین شعبہ علوم قرآن ہے اس باب میں بھی حسب تصریح مورخین ومحدثین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس فن میں تینوں حضرات کا درجہ مساوی اور برابر ہے۔ البتہ قرأت قرآن، کتابت قرآن، قرآن کے الفاظ اور رامت کو ایک قرأت پر جمع کرنے کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان تینوں حضرات پر سبقت حاصل ہے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ تمام مساعی جمیلہ حضرات شیخین ہی کے جمع کردہ مصحف کی روشنی میں انجام دی ہیں، اس لیے اس امر میں بھی حضرات شیخین ہی کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا امامت نماز کے لیے حضرت صدیق اکبر کو منتخب فرمانا بھی یہی بتاتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ علم وقرأت اور فقہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہوئے نہیں تھے ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے اعلیٰ کو نظر انداز کر کے غیر اعلیٰ کو ترجیح دی جو صاحب نبوت سے بعید ہے۔

(۳) تقویٰ: اعمال فضیلت میں ایک اہم ترین عمل اتباع شریعت اور تقویٰ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم''

''یقیناً تم میں سے سب سے باعزت اللہ کے نزدیک تمہارا سب سے بڑا متقی ہے''

کتاب وسنت اور آثار سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے ایک کلمہ بھی کبھی آنحضرت ﷺ کی مرضی کے خلاف زبان سے نہیں نکالا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے معاملہ میں اسی طرح حدیبیہ میں صلح کے سلسلہ میں بعض کبار صحابہ نے رائے اور مشورہ کے درجہ میں اختلاف کیا مگر حضرت صدیق اکبر کی رائے ان دونوں موقعوں پر بھی نبی کریم ﷺ کے موافق رہی حتی کہ ارادہ کے درجہ میں بھی آپ نے آنحضرت ﷺ کے فرمان کیخلاف کبھی نہیں سوچا اور نہ کبھی آپ کے ارشادو مرضیات کی تعمیل میں کسی قسم کی سستی اور کمزوری گوارا کی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان سے آخر دم تک راضی وخوش رہے۔ حضرت فاروق اعظم کی رائے اگرچہ بعض مواقع میں آنحضرت ﷺ کی رائے سے بظاہر مخالف ہوئی مگر یہ اختلاف رائے تشدد فی الدین اور حمیت اسلامی کی بناء پر پیش آیا، جو یقیناً عین اتباع وموافقت ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر میں بذریعہ وحی آپ کی تصویب کی گئی لہٰذا یہ اختلاف بھی آپ کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے، اس کے برعکس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کے معاملہ میں اور نماز تہجد کی تقیید کے سلسلہ میں مورد عتاب ہو چکے ہیں۔

(۴)　زہد: مدار فضیلت میں سے ایک عمل زہد اور دنیا سے بے نیازی ہے، بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''ازہد الناس علی'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے زاہد تھے، ہم کہتے ہیں کہ زہد نام ہے دنیا کی لذت سے بے نیاز اور مال ودولت، بیوی، اولاد اور حشم وخدم سے بے رغبت ہونے کا، اور یہ بات محقق طور پر معلوم ہے کہ حضرت صدیق اکبر جس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں وہ شہر مکہ کے چند سرمایہ داروں میں سے ایک تھے، لیکن قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنا سارا سرمایہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی میں صرف کر دیا اور ضعفائے مسلمین کی ایک جماعت کو جو غلامی کی دردناک زندگی گزارنے پر مجبور تھی، ان کے ظالم وجابر آقاؤں سے انہیں خرید کر آزاد کیا، غرضیکہ اسلام اور مسلمانوں کی امداد واعانت میں اس طرح بے دریغ مال خرچ کیا کہ ان کے پاس ایک درہم بھی باقی نہ بچا اور اس دنیا سے اس طرح فارغ ہو کر گئے کہ اپنے پیچھے نہ کوئی جائیداد چھوڑی اور نہ زمین۔

زمانہ خلافت میں بھی زہد کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے بطور گذارہ کے بس اتنی رقم لینا قبول کیا کہ کسی طرح گذر اوقات ہو جاتی تھی اور اس پر بھی یہ حال تھا کہ جب مال غنیمت وغیرہ سے کوئی رقم ان کے حصہ میں آتی تھی تو بیت المال سے لی ہوئی رقم کے عوض اسے کار خیر میں خرچ کر دیتے تھے۔

زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں یہی حال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا جس کی شہادت خود حضرات صحابہ نے دی ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جائیداد اور زمین خریدی، کھیتیاں اور باغات لگائے اور وفات کے وقت اپنے پیچھے چار بیویاں، انیس باندیاں، بہت سارے غلام وخدام اور تیس کے قریب اولاد چھوڑی اور اس بڑے کنبہ کے لیے اتنا ترکہ چھوڑا کہ اس کی وجہ سے سب کے سب غنی اور مالدار تھے، قصبہ ینبع میں آپ کی اتنی بڑی جائیداد تھی کہ اس کی پیداوار میں غلہ کے

علاوہ ایک ہزار وسق (آج کے حساب سے تقریباً پانچ ہزار ایک سو ترانوے من تیس سیر) کھجور سالانہ پیدا ہوتی تھیں۔

نیز زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ خود دنیا کی لذتوں سے نفع اندوز ہو اور نہ اپنے رشتہ داروں کو اس سے متمتع ہونے کا موقع فراہم کرے اس اعتبار سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے اعزاء واقربا کو حکومت کے عہدوں سے ہمیشہ الگ رکھا، حالانکہ آپ کے قریبی رشتہ داروں میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ (بھتیجہ) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (صاحبزادے) اور حضرت عائشہ صدیقہ (صاحبزادی) جیسے جلیل القدر عالم وفاضل صحابی موجود تھے جو کاروبار حکومت کو چلانے کی پوری صلاحیت واہلیت رکھتے تھے مگر ان میں سے کسی کو بھی کوئی منصب نہیں دیا، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قبیلہ بنوعدی میں سے کسی کو حاکم وعامل نہیں مقرر کیا، اگر چہ آپ کے خاندان میں بھی حضرت سعید بن زید، ابوجہم بن حذیفہ، خارجہ بن حذیفہ، معمر بن عبداللہ اور خود آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن آپ نے کسی کو بھی عہدہ اور منصب نہیں دیا۔ البتہ اپنے خاندان میں سے نعمان بن عدی کو کچھ دنوں کے لیے علاقہ منان کا حاکم بنا دیا تھا، لیکن جلد ہی انہیں اس منصب سے علیحدہ کر دیا۔

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے چچازاد بھائیوں میں سے حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا، عبیداللہ بن عباس کو یمن کا اور قثم اور معبد ابناء عباس کو علی الترتیب مکہ ومدینہ کا اور اپنے بھانجہ جعد بن ہراء کو کوفہ کا اور اپنے ربیب (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنایا ار بوقت وفات اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔

بلاشبہ یہ سب کے سب حضرات ان مناصب اور عہدوں کے بجا طور پر لائق اور مستحق تھے، اس لیے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہوگا کہ حاشا وکلا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محض قرابت کی بنیاد پر ان حضرات کو اس اعزاز سے نوازا تھا، مگر فرق مراتب کے وقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرات شیخین کے عزیزوں میں بھی ان مناصب کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والے افراد موجود تھے مگر انہوں نے ان لوگوں کو کوئی عہدہ نہیں دیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا زہد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زہد سے اعلیٰ وارفع ہے، کیونکہ حضرت علی کرم اللہ کا زہد صرف اپنی ذات پر تھا اور حضرات شیخین کا اپنی ذات کے ساتھ اپنے عزیز واقارب پر بھی۔

(۵) انفاق فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا بھی ترقی درجات کا ذریعہ اور سبب فضیلت ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس باب میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ چنداں مشارکت نہیں ہے، ہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں، لیکن حضرات شیخین رضی اللہ عنہ دیگر اسباب فضیلت، علم، جہاد، زہد وغیرہ میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، اس لیے اس ایک وصف میں زیادتی کی بناء پر حضرات شیخین کے مقابلہ میں ان کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔

(۶) حسن سیاست: خلافت اور حسن سیاست بھی منجملہ اسباب فضیلت میں سے ایک سبب ہے اس شعبہ میں

حضرت صدیق اکبرو فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی پیش قدمی روز روشن کی طرح واضح ہے، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرماتے ہی بہت سے قبائل عرب میں ارتداد کا سنگین فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اگر بروقت اس فتنہ کی سرکوبی نہ کی جاتی تو اسلام کے حق میں یہ ایک ایسا عظیم خطرہ بن جاتا جس کا مقابلہ ممکن نہ ہوتا، اس قیامت خیز فتنہ کے فرو کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس جرأت ایمانی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ تاریخ اسلامی کا ایک درخشاں باب اور حکمت عملی حسن سیاست کا ایک بے مثال نمونہ ہے اور بالآخر آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرگیا۔

اسلامی فتوحات کے آغاز کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے، کیونکہ آپ ہی کے دور خلافت میں قیصر و کسریٰ سے باقاعدہ جنگ کی ابتداء ہوئی اور آپ کے حسن تدبیر سے ہر محاذ پر مجاہدین اسلام کو کامیابی ملی اور اسلامی ریاست کا رقبہ فارس وعراق کی حدود تک وسیع ہوگیا۔ مسلمانوں کو خاصی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوئے، جس سے ان کی تنگ دستی دور ہوئی اور ان کی عزت و شوکت میں اضافہ ہوا۔

آپ کے دور میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت نہایت مستحکم رہی، آپس میں اتحاد و یگانگت پورے طور پر قائم رہی، باہمی اختلاف وانتشار کا کوئی نام ونشان تک نہیں تھا، عام مسلمان امن واطمینان کے ساتھ اسلامی علوم وعبادت کی تعلیم وتبلیغ میں منہمک رہے، غرضیکہ آپ کا عہد خلافت اسلام اور مسلمان دونوں کے لیے سراپا خیر و برکت تھا اور حضرت فاروق اعظم کے دور میں ان تمام امور حسنہ میں مزید استحکام وترقی ہوئی جس کی ابتداء اور آغاز عہد صدیقی میں ہوا تھا۔ اس کے بالمقابل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں اسلامی قلمرو میں کوئی اضافہ نہ ہوسکا اور نہ ہی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا استحکام باقی رہا، بلکہ مسلمان اختلاف وانتشار کا شکار ہوگئے، اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچ گئی، جس کی بناء پر اسلامی معاشرہ مضمحل ہوگیا اور اسلام کی ترقیات رک گئیں، ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آگئی کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جملہ اوصاف کمال مثلاً علم، جہاد، زہد، تقویٰ، عشق واطاعت، انفاق فی سبیل اللہ، حسن سیاست وغیرہ کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکی ہے، اور یہی وہ اوصاف واعمال ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے فضیلت و بزرگی کے موقع پر شمار فرمایا ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضرات خلفاء اربعہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق کا درجہ ہے۔ (رضی اللہ عنہما)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام اصحاب رسول ﷺ پر فضیلت کے اثبات میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بت پرستی اور شرک نہیں کیا، برخلاف دیگر حضرات کے کہ دور جاہلیت میں ان سے اس امر قبیح کا صدور ہوا ہے اس لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، لیکن صغرسنی اور کم عمری کی بناء پر کفر وشرک سے محفوظ رہنا وجہ فضیلت نہیں بن سکتا، اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ دس برس کی عمر ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے، کیونکہ ارباب سیر

وتاریخ اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں بعمر تریسٹھ سال فوت ہوئے ہیں، اوراس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعثت کے تیرہویں سال ہجرت فرمائی لہٰذا اس حساب سے بعثت نبوی ﷺ کے وقت حضرت علی کی عمر دس سال قرار پائی ہے، علاوہ ازیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پرورش پائی ہے اوران کا پورا زمانہ طفولیت آنحضرت ﷺ کے گھر میں گزرا ہے، اور بچوں کا یہ نفسیاتی قاعدہ ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی روش اور طور طریقے کو اختیار کرتے ہیں، پھر اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے کہ شرک وبت پرستی سے بچ جانا علی الاطلاق موجب فضیلت اور وجہ بزرگی ہے تو لازمی طور پر یہ ماننا ہوگا کہ ہر بچہ جو اسلام میں پیدا ہوا ہو وہ اکابر صحابہ مثلاً حضرت سلمان فارسی، حضرت سید الشہداء حمزہ، حضرت جعفر الطیار، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے افضل ہو حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اس لیے کلی فضیلت کے لیے اسے پیش کرنا ہی درست نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنی وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں باہمی فضیلت

اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضرات ختنین یعنی عثمان ذی النورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں افضل کون ہے، اس سلسلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، اوراس مسئلہ میں کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں حضرات کے کمالات وفضائل مساوی اور ہم پلہ ہیں، کیونکہ اگر حضرت ذی النورین کو خدمت قرآن میں سبقت کا شرف حاصل ہے تو حضرت علی مرتضیٰ کی روایت حدیث، اجتہاد اور فتاویٰ میں فوقیت مسلم ہے اور اگر جہاد بالسیف کے سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں تو لشکر اسلام اور مجاہدین کی مالی امداد واعانت میں حضرت عثمان غنی کا بے دریغ مال خرچ کرنا ایک مثالی کارنامہ ہے، اسی طرح اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قتل کرنے میں نہایت ہی محتاط تھے کہ اپنی ذات کے لیے قید وبند اور قتل کی مشقت واذیت برداشت کرلی لیکن کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانا گوارا نہیں کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مخالفین کے سلسلہ میں زبان کو قابو میں رکھنے اوران کے حق میں کلمہ حق کے سوا کچھ نہ کہنے میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ الحاصل دونوں حضرات کے فضائل عملیہ باہم معارض اور مساوی ہیں، رہی فضیلت اختصاصی یعنی اللہ کے نزدیک کسی کا خیر وافضل ہونا تو اس میں بھی دونوں حضرات برابر کے شریک ہیں، اس لیے اس مسئلہ میں کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

''واللہ اعلم الحقیة الحال''.

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب ☆

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوران کی عدالت

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ بیٹے میں باپ کا، شاگرد میں استاذ کا اور زیر تربیت رہنے والوں میں مربی کا عکس نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے، بہت سی اچھائیاں اور برائیاں، خوبیاں اور کمیاں بڑوں سے چھوٹوں کی جانب منتقل ہوتی ہیں، بالخصوص اگر وہ مرشد اور رہبر ہو تو اردگرد رہنے والوں کے لئے اس کی شخصیت نمونہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کے انداز واطوار کی نقالی کی جاتی ہے، اوراس کی زبان سے نکلے ہوئے جملوں کو صرف سنا ہی نہیں جاتا؛ بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی ہر بات کو قبول بھی کیا جاتا ہے، گویا اس کے ہم نشیں اس کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، جن میں پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جیسا کہ عربی کے ایک مقولہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا گیا ہے: اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ۔ یعنی بیٹا اپنے باپ کے اخلاق وعادات کا راز داں ہوا کرتا ہے، بالکل یہی کیفیت استاذ کے شاگرد اور نبی کے اصحاب کی ہوتی ہے۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم امانت ودیانت، سچائی وایمان داری، رحم وکرم، عفو ودرگذر اور خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک جیسی لاتعداد خوبیوں اور کمالات سے متصف تھے، جن سے متاثر ہوکر عرب کے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور مقام صحابیت پر فائز ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اپنے قلوب کو روشن کرنے لگے، آپ اگر ایک طرف نبی برحق ہیں، تو دوسری طرف صحابہ کرام کے لئے روحانی باپ بھی ہیں، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ مشفق استاذ، مربی حقیقی اور مرشد کامل کا مقام بھی آپ کو حاصل ہے، جس کی بنا پر ایمان کے ساتھ چند ساعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں گذارنے والے کے دل کی دنیا ہی بدل جایا کرتی تھی، اب اُس میں شرک کی جگہ توحید خالص، بزدلی کی جگہ بہادری، جھوٹ کی جگہ سچائی، بے ایمانی کی جگہ ایمان داری، حب دنیا کی جگہ فکر آخرت، فحاشی کی جگہ غیرت وحمیت اور بداخلاقی کی جگہ حسن اخلاق کے جذبات پروان چڑھنے لگتے اور جب وہ آپ کی مجلس سے باہر نکلتا تو دنیا کے لئے مقتداء اور نمونہ ہوتا، یہ آپ کی بہترین تربیت کا بے مثال اثر تھا، جو ہر صحابی کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا، جس کی وجہ سے عدالت وثقاہت اور فضیلت ومرتبہ میں بعد میں آنے والا کوئی شخص بھی ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

☆ مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

صحابہ کرام کی عدالت اور اس کے دلائل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد روئے زمین کے سب سے مقدس لوگ ہیں جن کے فضائل اور مناقب کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہیں۔ ذیل میں قرآنِ کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں، جن سے صحابہ کرام کی عزت وعظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(۱) اللہ رب العزت قرآنِ کریم کی ایک آیت میں صحابہ کرام کو اپنی خوشنودی کا پروانہ دیتے ہوئے اور رہتی دنیا تک آنے والے تمام انسانوں پر ان کی فوقیت کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ، جَزَآءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ. (۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہ خلق میں سے بہترین لوگ ہیں، ان کا بدلہ ان کے رب کے یہاں باقی رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ نزولِ آیت کے وقت اہل ایمان کا اولین مصداق صحابہ کرام کی ذاتِ عالیہ ہی تھی، انہی کو خیر البریۃ کہا گیا اور انہی کے سلسلہ میں ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا، ان کے بعد جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا وہ مذکورہ عنایاتِ خداوندی کا مستحق قرار پائے گا؛ لیکن ''الفضل للمتقدم'' کے اصول کے مطابق بعد میں آنے والے صحابہ کرام کی برابری نہیں کر پائیں گے۔ الغرض آیت مبارکہ میں خلق خدا کے جس گروہ کو ''خیر البریۃ'' کا اولین مقصداق ہونے کا شرف حاصل ہے یقیناً اس کی عدالت وثقاہت اور سچائی وایمان داری میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح رب ذوالجلال ایک دوسری آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے دوسروں کو ان کی تقلید کا حکم دیتا ہے، اور فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. (۲)

اور جو لوگ قدیم ہیں یعنی سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے ہیں اور جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

آیت مبارکہ میں ''اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کے مفہوم کی تعیین میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

الف: وہ حضراتِ صحابہ مراد ہیں جنہوں نے پہلے بیت المقدس اور پھر بیت اللہ یعنی دونوں قبلوں کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔

ب: وہ حضرات صحابہ مراد ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

ج: وہ صحابہ کرام اس کا مصداق ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت فرمائی۔

لیکن اہل علم نے عام طور پر اُس قول کو زیادہ پسند کیا ہے جو تفسیر مظہری میں نقل کیا گیا ہے، یعنی آیت مذکورہ میں ''من'' تبعیضیہ نہیں؛ بلکہ بیانیہ ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام بہ نسبت باقی امت کے سابقین اولین ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، گویا اللہ رب العزت آیت مبارکہ میں اگر ایک طرف صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو اپنی رضا اور رضوان کے خوش کن اعلان سے نواز رہا ہے، تو دوسری طرف تا قیامت آنے والے امت کے افراد کے واسطے صحابہ کرام کی ذات کو مقتدا، پیشوا اور معیارِ حق بنا کر ان کی پاک بازی اور تقدس پر مہر تصدیق ثبت فرمارہا ہے، اور یقیناً جو حضرات قابل تقلید اور پیشوا قرار دئے جائیں ان کی ثقاہت وعدالت شک وشبہ سے بالاتر ہوگی۔

(۳) خدائے وحدہ لاشریک ایک آیت میں صحابہ کرام کے مختلف مراتب اور درجات کو ذکر کرنے کے بعد سب کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى. (۳)

برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور جہاد کیا ان لوگوں کا درجہ بڑھا ہوا ہے ان سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے سب سے ہی وعدہ کیا خیر اور بھلائی کا۔

آیت مبارکہ میں اگرچہ صحابہ کرام کی درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں، اور پہلی قسم کو دوسری قسم پر فضیلت دی گئی ہے؛ لیکن مراتب ودرجات کے اس فرق کے باوجود خدائے ذوالجلال نے جنت اور مغفرت کا وعدہ تمام ہی صحابہ کرام سے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وکلا وعد اللہ الحسنی﴾ یعنی جہاں تک سوال جنت اور مغفرت کا ہے، تو عمومی طور پر تمام ہی صحابہ کرام اس کے مستحق ہیں اور خدائے ذوالجلال نے سب ہی سے اس کا وعدہ فرمایا ہے، جس گروہ کو دنیا ہی میں جنت ومغفرت کی بشارت دے دی گئی ہو اس سے زیادہ قابل اعتبار ثقہ اور عادل کون ہوسکتا ہے؟

احادیث رسول اور عدالت صحابہؓ

(۱) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب اور ان کی عدالت وثقاہت جس طرح آیاتِ قرآنیہ سے

ثابت ہے، اسی طرح احادیث نبویہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، چناں چہ ایک طویل روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو صحابہ کرام کے تئیں اعزاز واکرام کا حکم دیتے ہوئے ان کے بہترین اور خیر امۃ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ارشاد نبوی ہے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَكْرِمُوْا أَصْحَابِيْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكِذْبُ۔(۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام کیا کرو؛ کیوں کہ وہ تم میں سے بہترین لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے (تابعین) اور پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں (تبع تابعین) اور پھر ان کے بعد جھوٹ ظاہر ہونے لگے گا۔

جو لوگ زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے بہترین گروہ ہونے کا شرف حاصل کر چکے ہیں، یقیناً ان سے زیادہ معتبر ثقہ اور عادل کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

(۲) اسی طرح ایک روایت میں نبی علیہ السلام امت کو اپنے اصحاب کے سلسلہ میں زبان طعن دراز کرنے سے روکتے ہیں اور ان کی شان میں ہر طرح کی گستاخی سے پرہیز کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنَّ اَحَداً اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهٗ.(۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو کیوں کہ تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کردے تب بھی وہ اجر وثواب میں ان کے ایک یا نصف مد کے برابر نہیں پہنچ سکے گا۔

کیوں کہ اخلاص وللّٰہیت کے علاوہ دشمنانِ اسلام سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرنے اور قبولِ اسلام میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ان کو ایک مد یا نصف مد (تھوڑا بہت) راہِ خدا میں صدقہ کرنے پر جو عظیم الشان اجر وثواب ملے گا وہ بعد میں آنے والوں کے احد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کرنے سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔

یاد رکھئے! جس طرح گالی دینا، برا بھلا کہنا صحابہ کرام کی شان میں گستاخی ہے، اسی طرح ان کی عدالت وثقاہت میں شک وشبہ کا اظہار کرنا بھی ان کی شان میں گستاخی ہے، جس سے مذکورہ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو باز رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیگر طویل روایت میں اپنے اصحاب کو بعد میں آنے والے افراد کے لئے معیار حق اور قابل تقلید قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً، قَالُوْا: مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ. (۶)

بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، جن میں ایک کے سوا سب جہنمی ہوں گے؟ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ فرقہ ناجی کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر گامزن ہو۔

غور کیجئے! جن حضرات کی راہ کو راہِ حق قرار دے کر نجات اخروی کا ذریعہ بنادیا گیا ہو، کیا ان سے بڑھ کر بھی کوئی ثقہ اور عادل ہوسکتا ہے؟ کیا اب ان کی ثقاہت وعدالت اور قابل اعتبار ہونے پر بحث وتمحیص کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

اجماعِ امت اور عدالت صحابہ

صحابہ کرام کا تعلق اس مقدس گروہ سے ہے کہ جن کے واسطے سے بعد میں آنے والوں تک قرآن وحدیث، دین وشریعت اور اسلامی تعلیمات پہنچی ہیں، ان کے معتبر اور ثقہ ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ اگر پیدا ہوتا ہے تو دین کی پوری عمارت متزلزل ہوجائے گی، کتاب وسنت، شریعت وطریقت، دین واسلام کوئی بھی چیز محفوظ نہیں رہ پائے گی، چناں چہ اسی وجہ سے نیز اوپر ذکر کئے گئے دلائل کی بنیاد پر اہل سنت وجماعت کا تمام صحابہ کرام کے عادل اور قابل اعتبار ہونے پر اجماع ہے، جیسا کہ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ مُطْلَقاً لِظَوَاھِرِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَاِجْمَاعِ مَنْ یُعْتَدُّ بِہٖ. (۷)

صحابہ سب کے سب قابل اعتبار وعادل ہیں، کتاب وسنت کے واضح دلائل اور قابل اعتماد حضرات کے اجماع کی وجہ سے۔

(۲) حضرت امام نوویؒ شرح مسلم میں صحابہ کرام کی عدالت پر اجماعِ امت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ اَھْلُ الْحَقِّ وَمَنْ یُعْتَدُّ بِہٖ مِنَ الْاِجْمَاعِ عَلٰی قَبُوْلِ شَھَادَاتِھِمْ وَرِوَایَاتِھِمْ وَکَمَالِ عَدَالَتِھِمْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ. (۸)

اہل حق متفق ہیں اور قابل اعتماد لوگوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ صحابہ کرام کی گواہیوں اور ان کی روایات کو قبول کیا جائے، نیز ان کی عدالت کو کامل ومکمل مانا جائے۔

(۳) اسی طرح صاحب فتح الملہم صحابہ کرام کی حقانیت وصداقت پر اہل سنت وجماعت کا اجماع نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ اَجْمَعَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلىٰ اَنَّ الصَّحَابَةَ اَفْضَلُ الْخَلائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاء عَلَيْهِمُ السَّلاَمُ وَعَلىٰ اَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَرْتَبَتَهُمْ فِيْ الْفَضِيْلَةِ اَحَدٌ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ وَقَدْ شَهِدَتْ بِذٰلِكَ نُصُوْصٌ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ. (۹)

اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ مخلوقات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے مرتبہ کو بعد میں آنے والے اولیاء میں سے بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا، کتاب وسنت میں موجود نصوص سے یہی ثابت ہے۔

الغرض مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین امت محمدیہ کا وہ پاکیزہ اور مقدس طبقہ ہے کہ جس کے فضائل ومناقب اور ثقاہت وعدالت کتاب وسنت سے ثابت ہے، اور امت کا ان کی پاک بازی اور قابل اعتبار ہونے پر اجماع ہے، ورنہ تو یہ دین نادانوں اور بدخواہوں کے ہاتھوں کا کھلونہ بن کر رہ جائے گا، اور کوئی بھی چیز محفوظ نہیں رہ پائے گی۔ اللہ رب العزت صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو ناکام بنادے، اور امت کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی عقیدت وفضیلت کو بٹھادے۔

وصلى الله على سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين.



حوالہ جات

(۱) البینۃ: ۷-۸
(۲) التوبۃ: ۱۰۰
(۳) الحدید: ۱۰
(۴) مرقاۃ ۱۱/ ۲۷۷
(۵) متفق علیہ، مرقاۃ ۱۱/ ۲۸۳
(۶) رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ۳۰
(۷) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/ ۲۷۲
(۸) نووی شرح مسلم ۲/ ۲۲۷
(۹) فتح الملہم ۵/ ۶۰

محمد بلال بن حسین حسامی

القاب صحابہ رضی اللہ عنہم

	اسماء	القاب	حوالہ جات
(۱)	ابوبکر صدیق ؓ	الصدیق	اسد الغابہ: ۳/۳۱۵۔
(۲)	عمر بن الخطاب ؓ	الفاروق	سیر الصحابہ: ۱/۹۶۔
(۳)	عثمان بن عفان ؓ	ذوالنورین	اسد الغابہ: ۳/۶۰۶۔
(۴)	بلال بن رباح ؓ	موذن رسول ﷺ	اسد الغابہ: ۱/۳۰۵۔
(۵)	ثابت بن قیس ؓ	خطیب النبی ﷺ	اسد الغابہ: ۱/۳۳۹۔
(۶)	حسان بن ثابت ؓ	شاعر النبی ﷺ	اسد الغابہ: ۲/۷۔
(۷)	عمیر بن عبد عمرو بن نضلۃ ؓ	ذوالشمالین	اسد الغابہ: ۲/۲۰۸۔
(۸)	انس بن مالک ؓ	خادم رسول ﷺ	اسد الغابہ: ۱/۱۹۲۔
(۹)	زبیر بن العوام ؓ	حواری الرسول ﷺ	اسد الغابہ: ۲/۲۹۶۔
(۱۰)	حمزہ بن عبد المطلب ؓ	اسد اللہ	اسد الغابہ: ۲/۶۶۔
(۱۱)	خالد بن ولید ؓ	سیف اللہ	اسد الغابہ: ۲/۱۳۶۔
(۱۲)	وحشی بن حرب ؓ	قاتل خیر الناس أی حمزہ بن عبدالمطلب ''یوم احد''	اسدالغابہ: ۵/۴۵۵.
(۱۳)	ابوعبیدہ بن الجراح ؓ	امین الامۃ	اسد الغابہ: ۳/۱۲۴، ۶/۲۱۸۔ طبقات: ۳/۴۴۱۔
(۱۴)	عبداللہ بن عباس ؓ	حبر الامۃ	اسد الغابہ: ۳/۲۹۶۔
(۱۵)	ابودرداء عویمر بن زید ؓ	حکیم الامۃ	اسد الغابہ: ۶/۱۰۴۔
(۱۶)	اوس بن معیر بن ربیعہ وابومحذورہ ؓ	موذن رسول ﷺ بمکۃ	اسد الغابہ: ۱/۲۲۶۔

(۱۷)	معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	اعلم الامۃ بالحلال والحرام	اسد الغابہ:۵/۲۰۴۔
(۱۸)	حسن وحسین رضی اللہ عنہما	ریحانتا النبی ﷺ	اسد الغابہ:۱/۲۷۔
(۱۹)	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	صالح قریش	اسد الغابہ:۴/۲۶۱۔
(۲۰)	صہیب بن سنان الرومی رضی اللہ عنہ	سابق الروم الی الاسلام	طبقات:۳/۲۲۶۔
(۲۱)	سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ	سابق الفرس الی الاسلام	طبقات:۴/۸۲۔
(۲۲)	بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	سابق الحبش الی الاسلام	اسد الغابہ:۱/۳۰۶۔
(۲۳)	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	الرجل القرآنی	الاحزاب: آیت: ۳۷۔
(۲۴)	عمرو بن اقیش رضی اللہ عنہ	داخل الجنۃ وما صلی صلوۃ واحدۃ	اسد الغابہ:۴/۲۰۵،
(۲۵)	عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	حمامۃ المسجد	اسد الغابہ:۳/۴۲۶۔
(۲۶)	حضرت علی رضی اللہ عنہ	ابوتراب	اسد الغابہ:۴/۱۰۰
(۲۷)	حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ	غسیل الملائکۃ۔	اسد الغابہ:۲/۸۵۔
(۲۸)	جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	ابوالمساکین	اسد الغابہ:۱/۴۲۱۔
(۲۹)	شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ	حاجب الکعبۃ العظمہ	اسد الغابہ:۲/۶۱۵۔
(۳۱)	اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ	اُقرا امتی	اسد الغابہ:۳/۳۹۸، طبقات، ۴۹۹۔
(۳۲)	حویرث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	اَبی اللحم	اسد الغابہ:۱/۵۷۔
(۳۳)	خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ	بطل فوق الصلیب رضی اللہ عنہ۔	اسد الغابہ:۲/۱۵۰۔
(۳۴)	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ	صاحب سر النبی ﷺ	اسد الغابہ:۱/۵۷۳۔
(۳۵)	معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	کاتب الوحی	اسد الغابہ:۵/۲۲۱۔
(۳۶)	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	راوی السنۃ ومحدث الصحابۃ الکرام	اسد الغابہ:۶/۳۳۸۔
(۳۷)	عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ	اظلتہ الملائکۃ باجنحھا	اسد الغابہ:۳/۳۵۴۔
(۳۸)	عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ	المطہر	اسد الغابہ:۴/۳۳۷۔
(۳۹)	عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ	کلمہ اللہ عزوجل دون حجاب	اسد الغابہ:۳/۳۵۴
(۴۰)	اعامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	رفعتہ الملائکۃ عند موتہ	اسد الغابہ:۳/۱۳۴۔
(۴۱)	براء بن مالک رضی اللہ عنہ	لواُقسم علی اللہ لأبراللہ قسمہ	اسد الغابہ:۱/۲۶۰۔
(۴۲)	اُھبان بن اوس رضی اللہ عنہ	کلمہ الذئب	اسد الغابہ:۱/۲۰۶۔

(۴۳)	عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	صلی خلفہ النبی	اسد الغابہ: ۳/ ۴۹۹۔
(۴۴)	صہیب بن سنان الرومی رضی اللہ عنہ	''أبا یحی''	اسد الغابہ: ۳/ ۴۱۔
(۴۵)	زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	کاتب النبی وجامع القرآن	بخاری: ۲/ ۷۴۵۔
(۴۶)	عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ	بایع علی الموت فی معرکۃ الیرموک	اسد الغابہ: ۴/ ۷۹۔
(۴۷)	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	حکم فی الیہود بحکم اللہ عزوجل	اسد الغابہ: ۲/ ۴۴۲۔
(۴۸)	محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ	لا تضرہ الفتنۃ	اسد الغابہ: ۵/ ۱۱۸۔
(۴۹)	عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	داخل الجنۃ بغیر حساب	اسد الغابہ: ۴/ ۷۵۔
(۵۰)	ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ	معد بمائۃ فارس	اسد الغابہ: ۳/ ۴۸۔
(۵۱)	اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	الحب بن الحب	اسد الغابہ: ۱/ ۱۰۲۔
(۵۲)	عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ حمی الدبر (الدبر: الزنابیر، وقیل: ذکور النحل)		اسد الغابہ: ۳/ ۱۰۷۔
(۵۳)	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	محب المجالس المتباھیۃ	اسد الغابہ: ۳/ ۱۰۷۔
(۵۴)	ابودجانۃ سماک بن خرشۃ رضی اللہ عنہ	اخذ سیف رسول اللہ بحقہ	اسد الغابہ: ۶/ ۱۰۳۔
(۵۵)	أبو طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ	صوتہ خیر من الف رجل	اسد الغابہ: ۶/ ۱۹۳۔
(۵۶)	سالم بن معقل مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	محمود النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اسد الغابہ: ۲/ ۳۶۷
(۵۷)	عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	المجدع فی سبیل اللہ عزوجل	اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۶۔
(۵۸)	زید بن حارثۃ رضی اللہ عنہ	مولی النبی واحب القوم الیہ	اسد الغابہ: ۲/ ۳۳۵۔
(۵۹)	زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	مصدق اللہ عزوجل	اسد الغابہ: ۲/ ۳۲۹۔

محمد جہانگیر شریف حسامی

القاب صحابیات رضی اللہ عنہن

	اسماء	القاب	حوالہ جات
(۱)	رقیہ بنت الرسول	ذات الہجرتین	اسد الغابہ: ۷/ ۱۲۶-۱۲۷۔
(۲)	فاطمہ بنت الرسول	سیدۃ نساء اہل الجنۃ	اسد الغابہ: ۷/ ۲۴۳۔
(۳)	اسماء بنت ابوبکر	ذات النطاقین	اسد الغابہ: ۷/ ۱۱۔
(۴)	اسماء بنت عمیس	صاحبۃ الہجرتین	اسد الغابہ: ۷/ ۱۷-۱۸۔
(۵)	نسیبہ بنت کعب الانصاریہ	ام عمارہ	اسد الغابہ: ۷/ ۴۰۶۔
(۶)	رفیدہ بنت کعب الاسلمیہ	الممرضۃ الاولی	اسد الغابہ: ۷/ ۱۲۳۔
(۷)	آمنہ بنت الارقم المخزومیہ	صاحبۃ البئر	اسد الغابہ: ۷/ ۷۔
(۸)	خدیجہ بنت خویلد	الطاہرہ	اسد الغابہ: ۷/ ۸۹۔
(۹)	الفریعہ بنت مالک الخذری	المعتدہ	اسد الغابہ: ۷/ ۲۵۴۔
(۱۰)	فاطمہ بنت الولید بن المغیرہ	صاحبۃ الازار	اسد الغابہ: ۷/ ۲۵۱۔
(۱۱)	فاطمہ بنت قیس بن خالد الفہریہ	صاحبہ بیت الشوری	اسد الغابہ: ۷/ ۲۴۹۔
(۱۲)	فاطمہ بنت اسد بن ہشام بن عبد مناف	ذات القمیص النبوی	اسد الغابہ: ۷/ ۲۳۵۔
(۱۳)	ام سلیم بنت ملحان الانصاریہ	الغمیصاء	اسد الغابہ: ۷/ ۳۷۶-
(۱۴)	عاتکہ بنت عبد المطلب	صاحبۃ الرویاء	اسد الغابہ: ۷/ ۲۰۱-۲۰۲۔
(۱۵)	جمیلہ بنت ابی الانصاریہ	المختلعہ	اسد الغابہ: ۷/ ۶۰۔
(۱۶)	ضباعہ بنت الزبیر بن عبد المطلب	المشترطہ	اسد الغابہ: ۷/ ۱۹۲۔

(۱۷)	حذافہ بنت حارث السعدیہ	الشیماء	اسد الغابہ: ۷/۷۲۔
(۱۸)	زینب بنت خزیمہ الہلالیہ	ام المساکین	اسد الغابہ: ۷/۱۴۲۔
(۱۹)	ام منیع بنت عمرو بن عدی الانصاریہ	العقبیہ	اسد الغابہ: ۷/۴۳۸۔
(۲۰)	شفاء بنت عبداللہ العدویہ	صاحبۃ النملہ	اسد الغابہ: ۷/۱۷۸۔
(۲۱)	ام خالد بنت خالد بن سعید	صاحبۃ الخمیصہ	اسد الغابہ: ۷/۳۵۲۔
(۲۲)	سمیہ بنت خباط	الشہیدۃ الاولی	اسد الغابہ: ۷/۱۶۷۔
(۲۳)	سعاد بنت سلمہ بن زہیر الانصاریہ	حرۃ الحرائر	اسد الغابہ: ۷/۱۵۵۔
(۲۴)	عیناء ام رومان الکنانیہ	الحوراء	اسد الغابہ: ۷/۳۶۰۔
(۲۵)	ام حرام بنت ملحان الانصاریہ	شہیدۃ البحر	اسد الغابہ: ۷/۳۴۳۔
(۲۶)	اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ	الشقیہ	اسد الغابہ: ۷/۲۰۔
(۲۷)	ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث الانصاریہ	الشہیدہ	اسد الغابہ: ۷/۴۴۶۔
(۲۸)	حلیمہ بنت ابی ذؤیب السعدیہ	مرضعۃ الرسول ﷺ	اسد الغابہ: ۷/۷۷-۷۸۔
(۲۹)	حفصہ بنت عمر بن الخطاب	الصوامہ القوامہ	اسد الغابہ: ۷/۷۴۔
(۳۰)	ام مالک الانصاریہ	صاحبۃ العکّہ	اسد الغابہ: ۷/۴۲۷۔
(۳۱)	ام ایمن برکۃ بنت ثعلبہ	حاضنۃ الرسول ﷺ	اسد الغابہ: ۷/۳۲۵۔
(۳۲)	اسماء بنت یزید الانصاریہ	خطیبۃ النساء	اسد الغابہ: ۷/۲۲۔
(۳۳)	ام شریک غزیہ بنت جابر العامریہ	الواہبہ	اسد الغابہ: ۷/۳۸۳۔
(۳۴)	عمرہ بنت سعد بن عمرو	المستغفری	اسد الغابہ: ۷/۲۱۹۔
(۳۵)	عائشہ بنت ابی بکر صدیق ؓ	افضل النساء	اسد الغابہ: ۷/۲۰۵۔
(۳۶)	خنساء بنت عمرو بن شرید	شاعرہ	اسد الغابہ: ۷/۹۹۔
(۳۷)	جویریہ بنت مجلل	ام جمیل	اسد الغابہ: ۷/۶۵۔
(۳۸)	ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط	الممتحنہ	طبقات: ۸/۲۳۰۔
(۳۹)	ام معبد عاتکہ بنت خالد الخزاعیہ	مضیفۃ الرسول ﷺ	طبقات: ۸/۲۸۸-۲۸۹۔
(۴۰)	امیہ بنت قیس الغفاریہ	صاحبۃ القلادہ	طبقات: ۸/۲۹۳۔
(۴۱)	شفاء بنت عوف الزہریہ	العتقاء	طبقات: ۸/۲۴۸۔

(۴۲)	مندوس بنت عمر بن حبیس الانصاریہ	امۃ اللہ	الاصابہ:۴ ۔۳۹۰۔
(۴۳)	ظمیاء بنت اشرس التمیمیہ	السفیرہ	الاصابہ:۴ ۳۴۵۔
(۴۴)	ام زید بنت حرام بن عمرو الانصاریہ	صاحبۃ الجمل	الاصابہ:۴/ ۴۳۵۔
(۴۵)	اسماء بنت مخربہ التمیمیہ	العطارہ	الاصابہ:۴/ ۲۲۶۔
(۴۶)	رقیقہ الثقفیہ	مسلمۃ الطائف	الاصابہ:۴/ ۲۹۶۔
(۴۷)	ہنیدہ بنت صعصہ بن ناجیہ التمیمیہ	ذات الخمار	الاصابہ:۴/ ۴۲۲۔
(۴۸)	ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ	ایم العرب	الاصابہ:۴/ ۴۴۰۔
(۴۹)	نفیسہ بنت امیہ التمیمیہ	الخاطبہ	الاصابہ:۴/ ۴۰۵۔
(۵۰)	امامہ بنت الحارث بن عوف	البرصاء	الاصابہ:۴/ ۲۲۹۔
(۵۱)	لیلی بنت ابی حثمہ العدویہ	اول المہاجرات الی المدینہ	الاصابہ:۴/ ۳۸۷۔
(۵۲)	عفراء بنت عبید الانصاریہ	ام الشہداء	الاصابہ:۴/ ۳۵۳۔
(۵۳)	سلمی مولاۃ صفیہ بنت عبد المطلب	خادم ومولاۃ النبی ﷺ	الاصابہ:۴/ ۳۲۶
(۵۴)	خولہ بنت ثعلبہ الانصاریہ	المجادلہ	سورہ مجادلہ:۱۔
(۵۵)	زینب بنت جحش الاسدیہ	المرأۃ القرآنیہ	سورہ احزاب:۳۷۔

مفتی سلمان منصوری پوری☆

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی قابلِ تقلید امتیازی صفات

فقیہ الاسلام سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لاَ تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةَ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْباً وَ أَعْمَقَهَا عِلْماً وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفاً، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اِثْرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلاَقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ. (۱)

جسے پیروی کرنی ہے وہ حضرات مرحومین کی پیروی کرے، کیوں کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں ہے۔ اور (وہ قابل اتباع حضرات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں: جو اس امت کے افضل ترین حضرات تھے، وہ دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک، علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم تھے (سادہ زندگی والے تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ اور اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، لہٰذا تم ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو، اور تم سے جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق فاضلہ اور مبارک سیرت کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اس لئے کہ وہ سیدھی راہ پر قائم تھے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں خاص کر تین صفات نمایاں تھیں: (۱) دلوں کی نیکی (۲) علمی گیرائی (۳) سادگی و بے تکلفی، یہ ایسی صفات ہیں کہ جس فرد اور جس جماعت میں پیدا ہو جائیں اس کو دارین کی عظمت نصیب ہو سکتی ہے۔

☆استاذ حدیث والافتاء شاہی مراد آباد

دلوں کی نیکی

دلوں کے نیک ہونے کے اثرات زندگی میں تین طرح ظاہر ہوتے ہیں :

(الف) اخلاص: جب دل میں نیکی ہوگی تو یقیناً انسان کا ہر عمل مکمل اخلاص پر مبنی ہوگا، اور وہ کبھی بھی دینی معاملہ میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی کو ہرگز پیش نظر نہ رکھے گا۔ حضرات صحابہ ؓ میں پیغمبر علیہ الصلاۃ السلام کی صحبت مبارکہ سے یہ شان اس انداز میں پائی جاتی تھی کہ ان کے بعد پوری امت میں اس کی مثال نہیں ملتی، خود قرآن پاک میں ان کے خلوص کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالی نے بہت ہی شاندار انداز میں حضرات صحابہ ؓ کا تعارف کراتے ہوئے، ارشاد فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ.(۲)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں اور کبھی سجدہ ریز ہیں، اللہ تعالی کے فضل اور اس کی خوشنودی کی جستجو میں لگے ہیں، سجدہ کی تاثیر کی وجہ سے ان کی نشانی ان کے چہروں پر نمایاں ہے۔

اسی خلوص اور للّٰہیت کی وجہ سے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرات صحابہ ؓ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً مَا اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ. (۳)

میرے صحابہ ؓ کو برا بھلا مت کہو، اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ کسی صحابی کے خرچ کردہ ایک مد یا آدھے مد (کے ثواب) تک بھی نہ پہنچ سکے گا۔

یعنی جو دلی خلوص ایک صحابیِ رسول کے دل میں پیوست تھا- جو اجر وثواب کے استحقاق میں سب سے زیادہ مؤثر ہے- اس درجہ کا خلوص بعد والوں میں پایا نہیں جاسکتا۔

(ب) جذبۂ اطاعت: حضرات صحابہ ؓ کی دلوں کی نیکی ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے شریعت کی تعمیلِ کامل اور قرآن وسنت کی پیروی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ وہی عرب؛ جہاں اسلام سے پہلے اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے قبل، قتل وغارت گری، بے حیائی اور فحاشی اور جاہلانہ اعمال ورسومات کا چلن عام تھا، اسلام کی روشنی پھیلتے ہی یہ علاقہ امن وامان کا گہوارہ اور عفت وعصمت اور پاکیزگی وپاک بازی کا سرچشمہ بن گیا۔ حرام کی جگہ حلال، غلاظت کی جگہ طہارت اور خوں ریزی کی جگہ امن وسلامتی کا سکہ چلنے لگا۔ شراب! جو اہل عرب کی گھٹی میں پڑی تھی اور جسے پانی کی طرح استعمال

کیا جاتا تھا اس کی حرمت کا اعلان ہوتے ہی صحابہ ﷺ نے بلا چوں چرا مٹکے انڈیل دئے اور بندھے ہوئے مشکیزوں کے دہانے کھول دئے، تا آنکہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ پڑی۔(۴)

غزوۂ خیبر میں اعلان ہوا کہ پالتو گدھے حرام ہوگئے ہیں تو اگر چہ ان کا گوشت دیگچوں میں پک رہا تھا؛ لیکن حرمت کا پتہ چلتے ہی حضرات صحابہ ﷺ نے پکتے ہوئے دیگچے الٹ دئے۔(۵)

کوئی بات پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک سے صادر ہو یا آپ ﷺ سے ثابت ہو تو اس کے سامنے آنے کے بعد یہ ناممکن تھا کہ کوئی صحابی اس کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی آنا کانی کرے، حکم کی بجا آوری کا ایسا بے مثال جذبہ تھا کہ جہاں حکم ملا وہیں بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، اور سرِ تسلیم خم ہوگیا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام خطبۂ جمعہ کے لئے ممبر پر تشریف لا چکے تھے، آپ نے صحابہ ﷺ سے ارشاد فرمایا: ''بیٹھ جاؤ'' یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کے کان میں اس وقت پڑا جب کہ آپ مسجد سے باہر ہی تھے، بس آپ یہ ارشاد سنتے ہی فوراً وہیں بیٹھ گئے، تا آں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ السلام نے خطبہ پورا فرمایا، بعد میں جب آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت عبد اللہ بن رواحہ ﷺ کا یہ عمل سامنے آیا تو آپ ﷺ نے مسرت آمیز انداز میں یہ دعا دی: ''اللہ تعالی خدا اور اس کے رسول کی حکم بجا آوری کے تمہارے شوق میں مزید اضافہ فرمائے''۔(۶)

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ ایک انصاری صحابی کی بلند عمارت کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوئی تو جیسے ہی ان صحابی ﷺ کو پیغمبر ﷺ کی ناراضگی کا علم ہوا تو فوراً پوری عمارت زمین بوس کردی۔(۷)

ایک صحابی ﷺ کے بدن پر رنگین کپڑا دیکھ کر آپ ﷺ کو ناگواری ہوئی تو ان صحابی ﷺ نے احساس کرتے ہی وہ کپڑا جا کر تنور میں جلا ڈالا۔(۸)

اور یہ جذبہ صرف چند صحابہ ﷺ تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہ ﷺ کا پورا معاشرہ؛ کیا مرد کیا عورتیں، کیا بوڑھے کیا جوان، کیا امیر کیا غریب، از اول تا آخر سب کے سب دل وجان سے دین کے شیدائی اور حکمِ خدا اور سولؐ پر جان چھڑکنے والے تھے۔

آپ دورِ صحابہ ﷺ کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں اخلاقی، سماجی، اور مالی جرائم گویا کہ ناپید ہوگئے تھے۔ دورِ نبوت اور دورِ صحابہ ﷺ میں اسلامی عدالتوں میں اس طرح کے جو مقدمات پیش ہوئے انہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ اور ان میں بھی یہ پہلو نمایاں تھا کہ مجرم اللہ کے خوف سے خود ہی اپنے جرم کا اقرار کرنے والا ہوتا تھا، تا کہ جو بھی سزا ہو وہ دنیا میں بھگت کر آخرت کی سنگین سزا سے بچنے کا انتظام ہوجائے، حضرت ماعز اسلمی ﷺ اور امرأۃ غامدیہ رضی اللہ تعالی عنہا (جنہیں زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا) کے واقعات اس معاملہ میں عبرت ناک بھی ہیں اور نصیحت آموز بھی۔ یعنی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت طیبہ سے ان کے قلوب ایسے مزکی اور مجلیٰ ہوگئے تھے کہ اولاً تو سرکشی اور نافرمانی کا داعیہ ہی دل میں نہ ابھرتا تھا، اور اگر کبھی نفسانی اثرات سے کوئی اونچ نیچ کی بات ہو بھی جاتی تو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک کہ دنیا ہی میں اس کی تلافی نہ ہوجاتی۔ صحابہ ﷺ کی شان

اس آیت مبارکہ کے عین مطابق تھی:

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ، وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (۹)

اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھتے ہیں کوئی کھلا گناہ، یا اپنے حق میں برا کام کریں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی، اور کون ہے گناہ بخشنے والا اللہ کے سوا؟ اور اَڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا یہ جذبہ دلوں کی نیکی کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے ان حالات کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مذکورہ ارشاد کی صداقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ واقعۃً حضرات صحابہ ؓ امت میں سب سے نیک، مخلص اور شریعت پر عمل کرنے میں سب سے ممتاز تھے، رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

(ج) بغض وعناد سے اجتناب: دلوں کی نیکی کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ حضرات صحابہ ؓ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور بغض وعناد اور حسد اور کینہ سے دور تھے۔ ایثار و ہمدردی، تواضع اور فروتنی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرگئی تھی۔ ہجرت کے موقع پر مہاجرین وانصار میں جو مواخات (بھائی چارگی) قائم کی گئی اور جس طرح دونوں فریقوں نے اسے نبھایا وہ دنیا کی تاریخ کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔ یہ محض اللہ تعالی کا فضل وکرم اور عظیم الشان انعام تھا، ورنہ اس وقت کے عرب معاشرے میں اس طرح کی الفت ومحبت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس عظیم نعمت کی یاد دہانی اس طرح فرمائی ہے:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ، إِنَّهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (۱۰)

اور ان (مؤمنین) کے دلوں میں محبت ڈال دی، اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے سب (اس غرض سے) خرچ فرمادیتے پھر بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال پاتے لیکن اللہ تعالی نے ان میں الفت ڈال دی۔

حضرت زید بن اسلم ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو دجانہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت نزع کے عالم میں تھے؛ لیکن چہرہ خوشی اور مسرت سے چمک رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے چہرے پر بشاشت پھیل رہی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: میں اپنے اعمال میں دو باتوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے قابل قبول تصور کرتا ہوں، اول یہ کہ میں اپنی زبان کو بے کار اور لغو باتوں سے محفوظ رکھتا تھا، دوسرے یہ کہ میرا دل مسلمانوں کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ (۱۱)

ابن بریدۃ اسلمی ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے بارے میں کچھ نازیبا بات کہی تو

حضرت ابن عباس ؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم مجھے برا بھلا کہتے ہو؟ حالاں کہ میرے اندر تین باتیں پائی جاتی ہیں:

(۱) میں جب بھی قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھتا ہوں (اور اس کے علوم کا میرے سامنے انکشاف ہوتا ہے) تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہر مسلمان کو وہ علم حاصل ہو جائے جو مجھے حاصل ہے۔

(۲) جب مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی حاکم نے اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کیا ہے تو مجھے دلی مسرت ہوتی ہے اگر چہ وہ حاکم ایسی جگہ ہو جہاں مجھے کبھی مقدمہ لے جانے کا امکان نہ ہو (یعنی اس خوشی کا تعلق اپنے کسی مفاد سے نہیں بلکہ صرف ملی اور قومی مفاد سے ہے)

(۳) جب میں یہ سنتا ہوں کہ کسی علاقہ میں باران رحمت ہوئی ہے تو مجھے قلبی مسرت ہوتی ہے اگر چہ میرا اس علاقہ میں کوئی چرنے والا جانور نہ ہو۔ (۱۲)

گویا یہ حضرات عمومی طور پر خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار تھے، اور پوری امت کی فوز وفلاح کے لئے دل سے متمنی رہتے تھے، اور بعد کے زمانہ میں ان کے درمیان جو اختلافات اور معرکے پیش آئے وہ بھی نفسانیت پر مبنی نہ تھے؛ بلکہ خلوص پر مبنی تھے، اور ہر فریق دیانۃً جس بات کو حق سمجھتا تھا اس پر قائم تھا۔ اس لئے ان اختلافی حادثات کی وجہ سے کسی بھی صحابی کے بارے میں بدگمانی یا طعن وتشنیع کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(۲) علمی گیرائی

حضرات صحابہ ؓ علم دین حاصل کرنے کے نہایت شوقین تھے، ان میں کا ہر شخص اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح اسے دین کی معلومات حاصل ہوں؟ اور کیسے وہ مسائل کے احکامات سے واقف ہو؟ چناں چہ وہ اسی غرض کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس مبارک شوق کے اثرات بالخصوص درج ذیل تین صورتوں میں ظاہر ہوتے تھے۔

(الف) تعلیمی حلقے: دورِ صحابہ ؓ میں جا بجا تعلیمی حلقے لگا کرتے تھے، اور عام طور پر مساجد میں نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ علم دین کی نشر واشاعت کا بھی نظم تھا، اور فارغ اوقات کو علمی بحث ومباحثہ اور مذاکرہ میں گذارنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، حتی کہ سفر جہاد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ حطان بن عبد اللہ رقاشیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابیٔ رسول سیدنا حضرت ابو موسی اشعری ؓ کے ساتھ دجلہ کے ساحل پر قیام پذیر تھے، نماز ظہر کا وقت آیا، اذان ہوئی اور باجماعت نماز ادا کی گئی، پھر لوگ دینی تعلیم کے لئے حلقے بنا کر بیٹھ گئے، اور عصر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (۱۳)

دورِ نبوت میں حضرات صحابہ ؓ کی کوشش رہتی کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی کسی روحانی مجلس میں حاضری سے محرومی نہ رہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ دینی استفادہ کا موقع مل سکے، اور اگر کسی شخص کو ذاتی مشاغل کی وجہ سے ہر روز حاضری کا موقع نہ ملتا، تو وہ دوسرے شخص کے ساتھ باری باری مجلس نبوت میں حاضری کا معمول بنالیتا؛ تاکہ ہر مجلس کی اہم دینی باتوں سے واقفیت حاصل ہوتی

رہے۔ چناں چہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے اپنے پڑوسی انصاری صحابی کے ساتھ یہی معمول بنا رکھا تھا۔ (۱۴)

پھر صحابہ ﷺ کو علم کی اشاعت کا ایسا شوق تھا کہ جو صحابی دنیا کے جس خطہ میں قیام پذیر ہوگیا وہاں سے علم کے چشمے جاری ہوگئے۔ ایک ایک صحابی ﷺ سے ہزاروں ہزار افراد نے فیض اٹھایا، اور ان کی فیض رسانی سے قرآن وسنت کا صحیح علم اطراف واکناف عالم میں پھیل گیا، اور نہ صرف حجاز مقدس بلکہ شام وعراق وغیرہ میں بھی علم دین کے عظیم الشان مراکز قائم ہوگئے۔

حضرات صحابہ ﷺ کی اعلیٰ علمی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہوئے بعد میں آنے والے اساطین امت نے یہ طے کیا کہ جس مسئلہ میں حضرات صحابہ ﷺ کی رائے متفق ہوگئی ہو اس سے عدول کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ یقیناً گمراہ قرار پائے گا۔ اور جس مسئلہ میں صحابہ کی آراء اخیر تک مختلف رہی ہیں اب اس اختلاف سے ہٹ کر اس مسئلہ میں کسی تیسرے موقف کو اپنانا درست نہ ہوگا۔ (۱۵)

صحابہ ﷺ معیار حق ہیں

نیز جمہور امت نے حضرات صحابہ ﷺ کو پوری امت کے ''اساتذہ'' کے درجہ میں رکھ کر ان کی عظمت کو دین کی عظمت قرار دیا۔ اور ان کو ''معیار حق'' تسلیم کیا ہے، اور جو لوگ صحابہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں ان پر سخت نکیر کی ہے۔ مشہور محدث امام ابوزرعہ رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تم کسی شخص کو صحابہ ﷺ کی شان میں ناروا کلمات کہتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ شخص زندیق (بددین) ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول برحق ہیں، قرآن کریم برحق ہے، قرآن وسنت کی تعلیمات برحق ہیں، اور یہ سب چیزیں ہمارے پاس حضرات صحابہ ﷺ کے واسطے سے پہنچی ہیں، اب یہ زندیق لوگ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے اساتذہ کو مطعون کرکے قرآن وسنت کو باطل قرار دے سکیں، تو اس شرارت کا علاج یہ ہے کہ صحابہ ﷺ کو مجروح کرنے کے بجائے ان شرارت پسندوں ہی کو مجروح قرار دیا جائے''۔ (۱۶)

اس لئے صحابہ ﷺ کی علمیت کو تسلیم کرنا اور ان کے نقش قدم کو اختیار کرنا دین کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیوں کہ صحابہ ﷺ کا واسطہ اگر درمیان سے ہٹ جائے تو پھر دین کی کوئی بات بھی مستند نہ رہ پائے گی، اور دین کا سارا سرمایہ شکوک وشبہات کے دائرہ میں آجائے گا۔ اسی لئے دشمنان دین شروع ہی سے صحابہ ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے آئے ہیں۔ مذہب شیعیت ورافضیت کی تو بنیاد ہی بغض صحابہ ﷺ پر ہے۔ جب کہ گذشتہ صدی میں مستشرقین (اسلامی علوم کے ماہر یہود ونصاریٰ) نے ایک تحریک کی شکل میں صحابہ ﷺ کو مطعون کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، جس سے متاثر ہوکر بہت سے جدت پسند مسلم ارباب قلم (جیسے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ہم فکر لوگ) بھی جوش میں آگئے، اور انہوں نے صحابہ ﷺ کے اختلافی واقعات میں تاریخی محاکمہ کا بزعم خود دعوی کرکے اپنے قلم کی جولانی سے صحابہ ﷺ کی عظمت کو تارتار کرڈالا، اور ذرا بھی شرم محسوس نہ کی، اور آج تک ان کے متبعین صحابہ ﷺ کے خلاف ہفوات سے بھرپور ان کی تصنیفات دھڑلے سے چھاپ رہے ہیں، اور دعوی یہ ہے کہ ہم سے بڑا اتحاد امت کا علم بردار کوئی نہیں

ہے۔ذرا سوچئے! کیا حضرات صحابہ ؓ کی عظمت و عزت کا پاس ولحاظ کئے بغیر امت میں اتحاد کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اگر صحابہ ؓ (خواہ وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں) پر ہی اعتماد نہ رہے تو آخر امت میں کون اس قابل ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے، اور پھر ہم ہوتے کون ہیں صحابہ ؓ کے اختلافات میں فیصل بننے والے؟ ہم اپنے اعمال ہی کی درستگی کرلیں تو بڑی بات ہے، صحابہ ؓ جیسے جلیل القدر حضرات کے آپسی معاملات حل کرنے کا اپنے کو اہل سمجھنا خودفریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لئے امت کے ہر فرد کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات صحابہ ؓ ہمارے سر کے تاج ہیں، اور پوری امت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ان کے علوم سے امت کا کوئی فرد کبھی بھی اور کہیں بھی مستغنی نہیں ہوسکتا، اور جو صحابہ ؓ سے کٹے گا وہ دین سے کٹ جائے گا۔اللّٰہم احفظنا منہ۔

بدعات سے اجتناب

(ب)	حضرات صحابہ ؓ کیوں کہ دین کے سب سے بڑے عالم تھے اس لئے قدرتی طور پر وہ ہر ایسی بات سے متنفر تھے جو دین کے برخلاف ہو اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، اسی بناپر دورِ صحابہ ؓ بدعات سے بالکل خالی نظر آتا ہے، اور حضرات صحابہ ؓ کی زندگیاں سنت کے نور سے معمور اور بدعات کی ظلمت سے پوری طرح محفوظ دکھائی دیتی ہیں۔دراصل حضرات صحابہ ؓ کے سامنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ ارشادات تھے جن میں آپ ﷺ نے برسرعام بدعات پر نکیر فرمائی تھی، مثلاً آپ ﷺ عام طور پر جمعہ کے خطبہ میں یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے :

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (۱۷)

امابعد: کائنات میں سب سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین اسوۂ مبارکہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا طریقہ ہے، اور بدترین چیز (دین میں) من گھڑت باتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسی طرح نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرات صحابہ ؓ کو متنبہ فرمایا تھا کہ وہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً میں کسی بد عقیدہ بدعتی شخص کو پناہ نہ دیں، آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اس سلسلہ میں نہایت سخت وعید ارشاد فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عِيْرٍ إِلىٰ ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ آوىٰ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (۱۸)

مدینہ منورہ عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے، پس جس شخص نے اس خطہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعقیدہ بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس

کی فرض یا نفل کوئی بھی عبادت قبول نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک مرسل روایت میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الإِسْلَامِ. (۱۹)

جس شخص نے کسی بدعتی کی (اس کی بدعت کی بنیاد پر) تعظیم وتکریم کی تو اس نے اسلام کی بنیاد مٹانے پر تعاون کیا۔

یعنی بدعتی شخص کی عزت افزائی دراصل صحیح دین کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہے، نیز نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مرتبہ بدعت کی نحوست بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ. (۲۰)

بے شک اللہ تبارک وتعالی نے ہر بدعتی شخص کو توبہ کی توفیق سے محروم کردیا ہے۔

ان ارشادات عالیہ کی بنیاد پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حد درجہ محتاط ہو گئے تھے، اوران میں کا ہر شخص ہر معاملہ میں اس بات پر گہری نظر رکھتا تھا کہ کہیں امت میں کوئی بدعت جاری نہ ہو جائے۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے جن میں ایک شخص پکار کر کہتا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو سب لوگ زور زور سے تکبیر کہنے لگتے ہیں پھر وہ شخص پکارتا ہے کہ لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھو تو سب لوگ لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھنے لگتے ہیں، اسی طرح وہ درود پڑھنے کو کہتا ہے تو سب لوگ درود پڑھنے لگتے ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نبی اکرم ﷺ اوران کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ دراصل تم ایک بڑی بدعت کے مرتکب ہو رہے ہو، کیا تم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم پر فضیلت رکھتے ہو؟ (۲۱)

یعنی اس طرح مسجد میں مل کر تکبیر وتہلیل کے نام پر شور مچانے کا عمل دورِ نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے، اس پر نکیر کی وجہ یہی تھی کہ کہیں یہ مخصوص ہیئت ہی بعد میں خصوصیت کے ساتھ موجب ثواب نہ سمجھ لی جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ اکثر ائمہ نماز کے بعد عموماً دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنے کا اہتمام کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کہیں یہ عمل بعد میں لازم نہ سمجھ لیا جائے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئاً مِنْ صَلَاتِهِ يَرَىٰ أَنَّ حَقّاً عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَثِيراً يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ. (۲۲)

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کے حوالہ نہ کرے یعنی یہ نہ سمجھے کہ اس پر دائیں طرف رخ کر کے بیٹھنا لازم ہے، اس لئے کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو بہت مرتبہ بائیں طرف کو رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے والد سے زیادہ بدعت کا سخت مخالف کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں نے نماز پڑھتے ہوئے سورہ فاتحہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے پڑھ دی جس کو موصوف نے سن لیا، اور ارشاد فرمایا کہ:

يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ فَإِنِّيْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِيْ بَكْرٍ ؓ وَعُمَرَ ؓ وَعُثْمَانَ ؓ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ، إِذَا قَرَأْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (۲۳)

بیٹے! بدعت سے بچتے رہو، اس لئے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ (جہراً) پڑھتے ہوئے نہیں سنا، لہٰذا جب تم قراءت کرو تو الحمد للہ رب العالمین سے ابتدا کیا کرو۔

یہ باتیں دیکھنے میں معمولی ہیں لیکن ان سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اس کام سے بیزار تھے جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، اور جو شخص بھی علم صحیح کا حامل ہوگا وہ کبھی بھی بے سند اور من گھڑت عقائد و رسومات کو قبول نہیں کرے گا۔

بدعت کا سبب جہالت ہے یا شرارت

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں بدعت کی اشاعت کے پیچھے دو اسباب کارفرما رہے ہیں:

(۱) اول یہ کہ دشمنان اسلام نے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے نہایت شاطرانہ طور پر فکری اور عملی بدعتیں مسلم معاشرہ میں داخل کردیں، اور ان کے اس قدر فضائل و مناقب بیان کئے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان سے متأثر ہوکر گمراہی کے راستہ پر چل پڑا، اور اس نے صحیح دینی عبادات کو پسِ پشت ڈال کر من گھڑت رسومات ہی کو دین سمجھ لیا۔

(۲) بدعات پھیلنے کا دوسرا بڑا سبب جہالت ہے، جہالت اور بدعت لازم ملزوم ہیں، جہاں دینی اعتبار سے جہالت پائی جائے گی وہاں بدعت کا ہونا یقینی ہے، کیوں کہ جب صحیح بات کا علم ہی نہ ہوگا تو دینی لبادہ اوڑھ کر جو شخص بھی بدعات رائج کرنا چاہے گا اس پر کوئی نکیر کرنے والا نہ ہوگا، اور لوگ جہالت کی وجہ سے اس کی غلط باتوں کو دین سمجھ کر اختیار کرلیں گے۔ چناں چہ آج جہاں جہاں بھی جہالت عام ہے وہاں کثرت سے بدعات بھی رائج ہیں اور لوگ اس قدر متشدد ہیں کہ صحیح بات سننے سمجھنے تک کو تیار نہیں ہیں۔

بدعت شیطان کو بہت پسند ہے

مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ عام گناہوں کے مقابلہ میں شیطان کو بدعت زیادہ پسند ہے۔(۲۴) اوراس پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کوئی عام گناہ کرتا ہے تواس کے ضمیر پر ایک ٹھیس لگتی ہے اور وہ کبھی نہ کبھی توبہ ضرور کرلیتا ہے، لیکن بدعتی شخص چوں کہ اپنے عملِ بدعت کو عین عبادت سمجھتا ہے اس لئے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ وہ بدعت کی دلدل میں مزید دھنستا چلا جاتا ہے، وہ سمجھتا تو یہ ہے کہ میں بہت بڑا کارثواب انجام دے رہا ہوں، جب کہ درحقیقت وہی عمل اس کے لئے وبال بنتا رہتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ''سنت کے مطابق تھوڑا عمل بدعت والے زیادہ اعمال سے بہت بہتر ہے''۔(۲۵) اس لئے ہر صاحب ایمان کو بدعت اور بدعتی سے دور رہنا چاہئے۔

مشہور محدث حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تمہاری ملاقات راستہ میں کسی بدعتی سے ہوتو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلو''۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ ''بدعتی شخص کی مجلس میں بیٹھنے سے بچتے رہو''۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص بدعتی شخص کے ساتھ بیٹھے اٹھے گا وہ حکمت سے محروم رہے گا''۔(۲۶)

ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل بدعت کے ساتھ نہ تو اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے جھک بازی کرو، اس لئے کہ مجھے اس بات سے اطمینان نہیں ہے کہ کہیں وہ تمہیں اپنی گمراہی میں شامل نہ کرلیں، یا تمہارے اندر صحیح باتوں کے بارے میں شکوک وشبہات نہ ڈالدیں''۔(۲۷)

موجودہ زمانہ کا حال

امت میں بدعات کا شیوع دور صحابہ ؓ کے بعد ہی سے ہوگیا تھا۔ شیعیت، خارجیت اوراس کے بعد فتنۂ باطنیت اور فتنۂ اعتزال یہ سب فکری بدعت کی بدترین صورتیں تھیں، جو آج بھی ترقی پاکر کسی نہ کسی نام سے موجود ہیں، ان کے علاوہ عملی بدعات کا رواج بھی کچھ کم نہیں، اولیاء اللہ کی محبت کی آڑ میں سارے عالم میں مزارات پر بدعت کی شرک آمیز دوکانیں خوب پھل پھول رہی ہیں۔ اوراہل بدعت نے اپنے اپنے گروپ منظم طور پر بنا رکھے ہیں، اور جس طرح تجارتی کمپنیاں اپنی تجارت کی بقا کے لئے ''ٹریڈ مارک'' مقرر کرتی ہیں، اسی طرح ان گروپوں نے کچھ مخصوص اعمال کو اپنے فرقہ کا ''ٹریڈ مارک'' بنا رکھا ہے، اوران بے سند اور بے اصل اعمال پر ایسا جمود ہے کہ ہلنے جلنے کو تیار نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی نحوست سے اہل بدعت کے دل قطعاً سیاہ ہوجاتے ہیں اور حق وانصاف کی باتوں کو قبول کرنے سے ان کا ضمیر عاجز ہوجاتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ ان سب بدعات کے علم بردار ہونے کے باوجود یہی لوگ اپنے کو سنت کا ٹھیکے دار قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو اسلام کا پروانہ جاری کرنے کا خصوصی حق بھی اپنے نام رجسٹرڈ سمجھتے ہیں، اس سے بڑی خودفریبی اور جہالت کیا ہوسکتی ہے؟

بدعت، دین کی توہین کا سبب ہے

واقعہ یہ ہے کہ اہل بدعت نے دین کو کھیل تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے، اور اخلاص وللّٰہیت کی روح کو پامال کر ڈالا ہے، یوں تو بدعات سارے سال ہی جاری رہتی ہیں لیکن محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی ان میں اُبال آجاتا ہے، کوئی اور نیکی کا کام ہو یا نہ ہو تعزیہ ضرور بنے گا۔ اور تعزیہ بھی کیا ہے؟ بانس کی کھپچیوں سے خود ہی ایک ڈھانچہ بنایا اور پھر خود ہی اس کی تعظیم کرنے لگے اور اس پر چڑھاوے چڑھانے لگے؟ اور اس واہیات حرکت پر اس قدر اصرار کہ اگر کہیں تعزیہ سازی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو فوراً دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور لوگ مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تو یہ دین کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

ذرا سوچیں! کیا کوئی شریف آدمی اسے پسند کر سکتا ہے کہ اس کے ماں باپ کی باقاعدہ تدفین ہو جانے کے بعد کچھ لوگ ان کی مصنوعی قبریں بنا کر ہر سال تدفین کا ڈھونگ رچایا کریں؟ تو جب ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے تو حضرات اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبروں کی شبیہ بنا کر ان کے ساتھ یہ کھلواڑ آخر کیسے روا رکھا جاتا ہے؟ اس سے معلوم ہو گیا کہ تعزیہ داری کی بدعت کوئی عبادت نہیں بلکہ مقدس نفوس اہل بیت رضی اللہ عنہم کی بدترین توہین اور سخت گناہ ہے۔ مگر بدعتی فرقہ نے شیعیت کے دام تزویر میں گرفتار ہو کر اسے جاہل عوام کے دلوں میں ایسا پیوست کر دیا ہے کہ وہ تعزیہ ہی کو اسلام کی سب سے بڑی نشانی سمجھنے لگے ہیں، نعوذ باللہ من ذلک۔

اسی طرح اولیاء اللہ کے مزارات پر جو طوفان بدتمیزی مچتا ہے وہ سب دین کی اصل شبیہ کو مسخ کرنے کا ذریعہ ہے، مزارات کے بے جا تعظیم وتقدس دیکھ کر غیر مسلم بھی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارے مذہب میں اور اسلام میں کوئی خاص فرق نہیں بس مورتی اور قبر کا فرق ہے، اور بعض بدعتی علماء اپنے فتوؤں میں بظاہر ان چیزوں کی تردید کرتے ہیں، مگر عملی طور پر نہ صرف ان بدعات میں شریک رہتے ہیں بلکہ دھڑلے سے ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور لچر تاویلات کے ذریعہ ان بدعملیوں کو سند جواز عطا کرتے ہیں جو حد درجہ قابل مذمت عمل ہے۔

بدعات کا خاتمہ کیسے ہو؟

مگر یہاں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ چوں کہ ہر بدعت دین کے نام پر ہی کی جاتی ہے اور بدعت کا شوقین ہر شخص اسے دین ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے تو پھر آخر ان بدعات پر روک کیسے لگے؟ تو اس بارے میں ہمارے پاس ہمارے آقا ومولا سرور عالم حضرت محمد ﷺ کی واضح رہنمائی موجود ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت عرباض بن ساریہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ایسا پر اثر وعظ فرمایا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل کانپ اٹھے، تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ تو آخری نصیحت معلوم ہوتی ہے تو آپ ہمیں کیا تاکیدی حکم دینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

قَدْ تَرَكْتُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَايَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ

مِنْكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلاَفاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ الخ. (۲۸)

میں تم کو روشن شریعت پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے، اس سے میرے بعد وہی شخص اعراض کرے گا جو تباہ ہونے والا ہے، تم میں جو شخص بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا، اس لئے تم پر میری معروف سنتوں اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنتوں کی پیروی لازم ہے، ان سنتوں پر دانت گاڑ کر رہنا۔

ہادیٔ عالم نبیٔ اکرم ﷺ کے اس فیصلہ کن ارشاد عالی کے بعد اب معاملہ صاف ہے وہ تمام من گھڑت اعمال و رسومات جن پر آج اہل بدعت قائم ہیں ان میں سے ایک ایک بات کو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے، پھر فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اور کیا سنت ہے اور کیا بدعت؟ محرم کی تعزیہ داری، اکھاڑے بازی، اور کھچڑے کی نذر و نیاز ہو یا شب براءت کا حلوہ، عرس کے نام پر تماشے ہوں یا شہادت کے نام پر ماتم ان کا دور نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کہیں اتہ پتہ نہیں ملتا، یہ سب ہواء و ہوس کے پرستاروں کی ایجادات ہیں، مقدس مذہب اسلام اس طرح کی خرافات سے پوری طرح بری ہے، نبیٔ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے کامل مکمل دین میں ان تماشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جو شخص ان بے اصل باتوں ہی کو اصل دین قرار دے وہ یقیناً دین کی بنیادوں کو مٹانے والا، اور شریعت بیضاء کی شان پر بدنما داغ لگانے والا ہے۔ اللہ تعالی امت کو ہر طرح کی بدعات سے محفوظ رکھے اور اہل بدعت کی تلبیسات سے بچائے رکھے، آمین۔

پیغمبر علیہ السلام پر والہانہ وارفتگی

(ج) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی گیرائی کا ایک واضح اثر یہ بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا پورا معاشرہ نبیٔ کریم ﷺ کی ایک ایک سنت پر جان چھڑکتا تھا۔ اور ان کی نظر میں پیغمبر علیہ السلام کے اسوۂ مبارکہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ کیا مرد کیا عورتیں، کیا جوان کیا بوڑھے سب جذبۂ اطاعت و اظہارِ محبت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے نزدیک پیغمبر علیہ السلام کی خلاف ورزی کرنے یا آپ کی منشاء کے خلاف کرنے کا تصور ہی نہ تھا، ان میں کا ہر شخص آپ ﷺ کا سچا تابعدار اور مخلص فدائی تھا۔

حدیث کی کتابوں میں اس سلسلہ کا ایک اثر انگیز واقعہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان صحابی حضرت طلحہؓ بن البراء رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کے قریب آ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے آ کر عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپؐ مجھے جو چاہیں حکم دیں میں آپؐ کی ہرگز خلاف ورزی نہ کروں گا''، نبیٔ اکرم ﷺ کو ان کی نوعمری کے باوجود اس طرح کا سوال کرنے پر تعجب ہوا اور آپؐ نے بطور امتحان ان سے کہا کہ: ''جاؤ اپنے والد کو قتل ڈالو'' وہ صحابی فوراً حکم کی تعمیل کے

لئے چل پڑے۔ آپؐ نے انہیں پھر واپس بلایا اور فرمایا کہ: ''اپنے ارادہ سے باز آؤ مجھے قطع رحمی کا حکم دے کر نہیں بھیجا گیا ہے'' (یعنی یہ تو محض آزمائش کے طور پر تم سے کہا گیا تھا اور تم نے تعمیل کا ارادہ ظاہر کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی ہے) پھر چند دن کے بعد یہی حضرت طلحہ ؓ بیمار ہوئے، پیغمبر علیہ السلام ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے جب کہ موسم بارش اور سردی کا تھا۔ ان کے پاس سے باہر آ کر آپ ﷺ نے گھر والوں سے کہا کہ: ''مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ کی وفات کا وقت قریب ہے لہٰذا اگر ایسا حادثہ پیش آجائے تو مجھے اطلاع دیدینا، تاکہ میں ان کے جنازہ اور نماز میں شریک ہوسکوں اور اس میں جلدی کرنا''۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لے چلے، ابھی آپ ﷺ قبیلہ بنو سالم ہی میں پہنچے تھے کہ حضرت طلحہؓ بن البراء ؓ کی وفات ہوگئی۔ لیکن چوں کہ رات ہو چکی تھی، موسم خراب تھا، اور وفات سے قبل حضرت طلحہ ؓ نے گھر والوں کو تاکید کر دی تھی کہ میری وفات کی خبر پیغمبر علیہ السلام کو مت دینا اور رات ہی میں مجھے دفن کر دینا؛ کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ رات میں نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے پر یہودی دشمن آپ ﷺ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لئے گھر والوں نے پیغمبر علیہ السلام کو اطلاع نہیں دی اور ان کی وصیت کے مطابق انہیں رات ہی میں دفن کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب اگلے دن حادثہ کا علم ہوا تو قبر پر تشریف لا کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: اللّٰھم الق طلحة تضحک إلیه ویضحک إلیک۔ ''اے اللہ! آپ طلحہ سے ہنستے ہوئے ملئے اور انہیں بھی اپنے سے ہنس کر ملنے کی سعادت سے نوازیئے''۔ (۲۹)

پیغمبر علیہ السلام کی حد درجہ تعظیم

حضرات صحابہ ؓ کی نظر میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی عظمت اس قدر تھی کہ سوائے قریبی رفقاء: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کسی کو آپ ﷺ سے نظر ملا کر گفتگو کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اور جب وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو اس قدر ادب سے بیٹھتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (۳۰)

وارفتگی کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے یا تھوکنے کا ارادہ فرماتے تو حاضرین صحابہ ؓ کوشش کرتے کہ آپ ﷺ کے وضو کا پانی اور مبارک لعاب دہن زمین پر گرنے کے بجائے کسی نہ کسی صحابی ؓ کے ہاتھ پر پڑے، اور پھر جس کو یہ سعادت ملتی وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر لگالیتا۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ ؓ سے پوچھا کہ ''تم لوگ آخر یہ عمل کیوں کرتے ہو''؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ ہم اس سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس پر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ جامع ترین نصیحت فرمائی کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ: (۱) ہمیشہ سچ بولا کرے (۲) اور امانت ادا کرے (۳) اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے''۔ (۳۱)

اسی منظر کی تصویر کشی عروہ بن مسعود ثقفی ؓ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ان تاریخی جملوں سے کی تھی:

وَاللّٰہِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ، فَدَلَکَ بِھَا

وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِه،
وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظْرَ تَعْظِيْماً لَهُ.

قسم بخدا! جب بھی نبیؐ اکرم ﷺ اپنا بلغم تھوکتے ہیں تو وہ ان صحابہ ﷺ میں سے کسی نہ کسی کی ہتھیلی پر پڑتا ہے، جس کو وہ اپنے چہرے اور بدن پر لگالیتا ہے، اور جب آپ انہیں کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے باہم رقیب بن جاتے ہیں، اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو سب اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں، اور تعظیم کے مارے وہ آپ کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

اور پھر مشرکین کے مجمع میں جا کر یہ کہا :

أَيْ قَوْمِ! وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرىٰ وَالنَّجَاشِيْ
وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكاً يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّداً. (۳۲)

برادران قوم! اللہ کی قسم میں نے بادشاہوں کی خدمت میں حاضری دی ہے، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں، اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اس کے درباریوں کی طرف سے اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد ﷺ کے صحابہ ﷺ محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباس ﷺ کی تحریک پر حضرت ابوسفیان ﷺ نے رات میں اسلام قبول کیا، جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ پورے لشکر میں ہلچل مچی ہوئی ہے، لوگ ہاتھ منہ دھو کر ایک جگہ جمع ہورہے ہیں، ابوسفیان ڈر گئے کہ پتہ نہیں کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے حضرت عباس ﷺ سے پوچھا کہ یہ ہلچل کیسی ہے؟ کیا کوئی خاص بات پیش آگئی ہے؟ حضرت عباس ﷺ نے فرمایا نہیں کوئی بات نہیں، بس یہ لوگ اذان سن کر نماز کی تیاری کررہے ہیں۔ چناں چہ حضرت ابوسفیان ﷺ نے وضو کیا اور پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ وہاں جو انہوں نے صف بندی اور جماعت میں ہزاروں افراد کے ایک ساتھ رکوع سجدہ کرنے کا منظر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے، اور بے اختیار بول اٹھے کہ دنیا میں میں نے کسی قوم کو اپنے سردار کی اس طرح بے مثال اطاعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا نہ تو فارس کے باعزت بادشاہوں میں اور نہ رومیوں کی صدیوں سے چلی آرہی حکومت میں۔ اور پھر حضرت عباس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے بولے: ''اے ابوالفضل (حضرت عباس ﷺ کی کنیت) آپ کے بھتیجے کو تو زبردست بادشاہت نصیب ہوگئی ہے'' حضرت عباس ﷺ نے جواب دیا کہ ''یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے''۔ (۳۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوسفیان ﷺ نے حضرت عباس ﷺ سے سوال کیا تھا کہ: ''کیا یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہیں''؟ تو حضرت عباس ﷺ نے فرمایا کہ ''جی ہاں اگر آپ ﷺ انہیں کھانا پینا چھوڑنے کا حکم دیدیں تو اس کی بھی یہ سب اطاعت کریں گے''۔ (۳۴)

حکم نبوی کی فوری تعمیل

سہل بن حنظلہ عبشمی ؓ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''خریم اسدی ؓ بڑے اچھے آدمی ہیں اگر ان میں دو باتیں نہ ہوں ایک ان کے سر کے بالوں کا حد سے زیادہ لمبا ہونا، دوسرے تہبند کا ٹخنے سے نیچے ہونا۔ جب یہ بات حضرت خریم ؓ تک پہنچی تو انہوں نے بلا توقف استرا لے کر اپنی زلفیں آدھے کان تک کاٹ ڈالیں اور نصف پنڈلی تک اپنا تہبند اوپر کر لیا''۔ (۳۵)

ہمارے آقا ﷺ کا تو طریقہ یہی ہے

سیدنا حضرت عثمان غنی ؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر مصالحت کی گفتگو کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، پیغمبر علیہ السلام دیگر ساتھیوں کے ساتھ حدیبیہ میں اقامت گزیں تھے، ابان بن سعید بن الوقاص نے حضرت عثمان ؓ کو اپنی پناہ میں لیا اور اپنی سواری پر بٹھا کر لے چلے، تو دیکھا کہ حضرت عثمان ؓ نے پرانے سے کپڑے زیب تن کر رکھے ہیں، اور تہبند آدھی پنڈلی تک ہے یہ دیکھ کر ابان بن سعید سے نہیں رہا گیا، اور انہوں حضرت عثمان ؓ کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ کیا بات ہے میں آپ کو پرانے کپڑوں میں دیکھ رہا ہوں؟ آپ بھی اسی طرح اپنے کپڑے کو نیچے لٹکایئے! جیسا کہ یہاں کے (معزز) لوگوں کا معمول ہے، تو حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ (لوگوں کا دستور ہوا کرے اس سے مجھے مطلب نہیں) ''میرے آقا (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کا طریقہ نصف پنڈلی تک پائینچے رکھنے کا ہے''۔ (۳۶)

ایک طرف صحابیٔ رسول ﷺ کا عمل دیکھئے دوسری طرف اپنے معاشرہ کا جائزہ لیجئے کہ آج بڑے بڑے مدعیانِ محبت دھڑلے سے ٹخنے سے نیچے تک پائجامہ وغیرہ پہنتے ہیں، اور اس عمل کی برائی تک ان کے دلوں سے نکل چکی ہے۔ فیا للعجب!

نقوش قدم کی تلاش

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول تھا کہ جب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر فرماتے تو کوشش کرتے کہ ان مقامات پر پڑاؤ ہو جہاں نبی کریم ﷺ نے اپنے اسفار کے درمیان قیام فرمایا تھا، اور بسا اوقات اپنی سواری کی نکیل ادھر سے ادھر کرتے ہوئے فرماتے کہ: ''شاید میری اونٹنی کا قدم اس جگہ پر پڑ جائے جہاں سفر کے دوران پیغمبر علیہ السلام کی سواری کا قدم پڑا تھا''۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا یہ شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ کے شاگرد رشید حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ: ''اگر تم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پیغمبر علیہ السلام کے نقوش قدم تلاش کرنے کے جذبہ کو دیکھ لیتے تو تم سمجھتے کہ شاید وہ مجنون ہیں''۔ (۳۷)

اور یہی حال سب صحابہ ؓ کا تھا، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ اسوۂ مبارکہ کی تلاش میں رہتے تھے، انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی حیات طیبہ کے پیکر میں اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔ باقاعدہ مجلسیں لگا کر عبادات، معاشرت اور معاملات میں اسوۂ حسنہ کی

یاددہانی کرائی جاتی تھی۔ بعض صحابہ ؓ کو بعض مسائل میں اختصاص کا درجہ حاصل تھا۔ اور وہ گویا ان مسائل کی عملی مشق کرایا کرتے تھے۔ صحیح روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنی ؓ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضرین کے سامنے وضو کرکے بتلاتے اور پھر فرماتے کہ پیغمبر علیہ السلام وضو اس طرح فرماتے تھے۔ بعض صحابہ ؓ نماز کے طریقہ کو بتانے میں مشہور تھے چناں چہ حضرت ابوحمید ساعدی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ ؓ کی تفصیلی روایات اس باب میں مشہور ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرات صحابہ ؓ پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کے ان گوشوں پر گہری نظر رکھ کر ان تفصیلات سے امت کو آگاہ نہ فرماتے تو سنت کے کتنے ابواب اور شریعت کے کتنے ہی پہلو امت کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے۔ آج امت کے پاس جو بھی دینی سرمایہ ہے اس کا سلسلہ حضرات صحابہ ؓ سے جا کر ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان مقدس نفوس کو دین کی اشاعت، علم کی بقا اور شریعت بیضاء کے تحفظ کا مضبوط ذریعہ بنادیا ہے۔

آج امت کو ضرورت ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے اور پیغمبر علیہ السلام کے تربیت یافتہ حضرات کے نقش قدم پر چلنے کو لازم پکڑے، ہر مسلمان کے دل میں علم دین کے حصول کا شوق، اتباع سنت کا جذبہ اور آخرت کی فکر جاگزیں ہو، اس کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور کامیابی کی توقع رکھنا محض فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگانِ امت کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضراتِ صحابہ ؓ کی سادگی و بے تکلفی

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے حضرات صحابہ ؓ کا جو تعارف کرایا تھا اس میں ان کی تیسری صفت یہ تھی کہ واقلهم تكلفاً یعنی وہ حضرات تکلف و تصنع سے دور تھے۔ ان کی گفتگو، رہن سہن، معاشرت اور زندگی کا ہر گوشہ تکلفات سے پاک تھا، اور دنیوی رسومات سے انہوں نے حیرت انگیز طور پر بے زاری اختیار کر رکھی تھی۔ اور بلاشبہ یہ کیفیت انہیں پیغمبر علیہ السلام کی مبارک صحبت سے حاصل ہوئی تھی۔ سادگی اور قناعت کا جو سبق انہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے حاصل کیا تھا وہ ان کی زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔

ظاہری ٹیپ ٹاپ اور غیر ضروری زیبائش و آرائش سے ان کی زندگی خالی تھی، عام طور پر سادہ لباس استعمال کرتے اور بلا کسی خاص اہتمام کے جو کھانا بھی بروقت میسر آتا اس کو شکر کے ساتھ تناول کر لیتے۔ اور مال و دولت یا منصب و حکومت ان کی سادہ زندگی پر کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہو پاتا۔ صحابہ ؓ کے معاشرہ میں یہ امتیاز دشوار ہوتا کہ کون امیر ہے کون مامور؟ کون حاکم ہے اور کون محکوم؟ بلکہ سب آپس میں بے تکلف دوستوں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔ اس سلسلہ کی چند جھلکیاں اور واقعات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھر والوں کے تکلفات پسند نہ تھے

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کر کے جاتے اور جب واپسی ہوتی تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات فرماتے (تاکہ فراق کا عرصہ کم سے کم ہو) ایک مرتبہ آپ ﷺ سفر جہاد سے واپس تشریف لائے حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کے اعزاز میں اپنے مکان میں پردہ ڈالنے کا اہتمام کیا اور اپنے صاحب زادگان نورِ نظر اور لختِ جگر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کڑے پہنا دئے (جیسا کہ ماؤں کا معمول ہے کہ بڑے آدمی کے پاس بھیجتے وقت انہیں سجا سنوار کر بھیجتی ہیں) لیکن ہوا یہ کہ نبی اکرم ﷺ سفر سے واپسی میں حضرت فاطمہؓ سے ملنے تشریف نہیں لائے۔ حضرت فاطمہؓ کو اندازہ ہو گیا کہ انہی تکلفات کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام رونق افراز نہیں ہوئے (آخر وہ بھی تو جگر گوشۂ رسول تھیں) فوراً لٹکے ہوئے پردے کو چاک کر ڈالا، اور صاحب زادگان کے ہاتھ میں ڈالے ہوئے چاندی کے کڑے توڑ کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دئے۔ وہ دونوں صاحب زادے روتے ہوئے اپنے نانا جان پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ سے وہ ٹوٹے ہوئے کنگن لے لئے اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ انہیں فلاں خاندان والوں (جو فقر و فاقہ میں مشہور تھے) کو دے آؤ! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ لوگ میرے گھر والے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ اپنی نیکیوں کا بدلہ سب دنیا ہی میں وصول کرلیں'' (یعنی انہیں دنیوی ٹیپ ٹاپ کے بجائے آخرت کو کامیابی کے حصول کی فکر کرنی چاہئے) پھر آپ ﷺ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ! فاطمہؓ کے لئے ہڈی سے بنا ہوا ہار اور ہاتھی کے دانت کے بنے ہوئے کنگن خرید لاؤ۔ (۳۸)

غور فرمایئے! پیغمبر علیہ السلام نے اپنی سب سے چہیتی صاحب زادی اور چہیتے نواسوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اور تکلفات سے بچنے کی کس انداز سے تعلیم دی۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا سرکاری وظیفہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلافت کے منصب کے لئے منتخب کیا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ان کے لئے سرکاری بیت المال سے وظیفہ مقرر کرنا چاہئے، چناں چہ طے کیا گیا کہ انہیں لباس کے طور پر دو چادریں ملیں گی وہ جب پرانی ہو جائیں تو انہیں بدل کر نئی دیدی جائیں، اور وہ کہیں سفر میں جائیں تو سواری کا انتظام کیا جائے گا۔ اور خلافت سے قبل وہ اپنے گھر والوں کے نان نفقہ پر جو خرچ کرتے تھے اتنی مقدار نفقہ انہیں ملے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ مقدار منظور ہے۔ (۳۹)

یہ ہے اسلام کے سب سے بااختیار شخص: امیر المؤمنین کی سادگی، اس کے برخلاف آج امیر المؤمنین تو درکنار کوئی شخص معمولی سی ملی تنظیم یا ادارے کا بھی ذمہ دار بن جاتا ہے تو اپنے کو سیاہ سفید کا مالک سمجھتا ہے، اور بلا تکان مالی وسائل اپنے ذاتی استعمال میں لانے میں دریغ نہیں کرتا۔

تکلفات سے بچنے کی تلقین

سیدنا حضرت عمر ﷺ نے ایک مرتبہ حضرات صحابہ ﷺ کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: زیادہ غسل خانوں میں آمد و رفت، اور بالوں کی تراش خراش کا اہتمام اور عمدہ عمدہ قالینوں پر بیٹھنے اور چلنے کا التزام مت کرو، اس لئے کہ اللہ کے مقبول بندے آرام پسند اور زیبائش و آرائش کے دل دادہ نہیں ہوتے۔ (۴۰)

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''دیکھو کھانے پینے میں زیادہ چٹورپن سے احتراز کرو اس لئے کہ اس سے جسم خراب ہوجاتا ہے۔ بیماریاں پنپنے لگتی ہیں اور عبادات میں سستی ہوجاتی ہے۔ لہذا کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو، کیوں کہ اس سے بدن درست رہے گا اور فضول خرچی سے حفاظت رہے گی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالی کو موٹے پیٹ والے شوقین مزاج لوگ سخت ناپسند ہیں، اور انسان اس وقت تک برباد نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہش کو دین پر ترجیح نہ دے''۔ (۴۱)

ان قیمتی ہدایات کے برخلاف آج امت میں شوقین مزاجی، تکلفات اور ٹیپ ٹاپ کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، چٹورپن کا حال یہ ہے کہ مرغن اور لذیذ کھانوں کی دوکانوں، ہوٹلوں اور ریستورانوں پر ہمارے نوجوانوں کی بھیڑ کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ ایک طرف معاشی پسماندگی کا شکوہ ہے، دوسری طرف جو کچھ سرمایہ ہے وہ بلا تکان چٹورپن پر خرچ کیا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس رجحان کے ہوتے ہوئے قومی ترقی ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔

ہماری عزت تو اسلام سے ہے

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے ملک شام کا دورہ فرمایا اور بیت المقدس جاتے ہوئے ''جابیہ'' سے گزرے تو حال یہ تھا کہ ایک گندمی رنگ کے اونٹ پر سوار تھے۔ سر پر نہ تو ٹوپی تھی اور نہ عمامہ، اور سر کا بال سے خالی حصہ دھوپ میں چمک رہا تھا، سواری پر پائے دان بھی نہ تھا، دونوں پیر کجاوے کے دونوں جانب لٹکے ہوئے تھے، کجاوے پر جو چادر تھی وہ موٹی اون کی تھی، جب آپ سواری سے اترتے تو یہی چادر بستر کا کام دیتی تھی۔ آپ کا تھیلا ایک چادر تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، جب آپ اترتے تو یہی تھیلا آپ کا تکیہ بن جاتا تھا۔ آپ کے بدن پر ایک لٹھے کا کرتا تھا، جو کثرتِ استعمال سے گھس کر ایک جانب سے پھٹ گیا تھا، اسی حالت میں آپ نے شہر جابیہ کے چودھری کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتا دھوڈالو، اور جو حصہ پھٹا ہوا ہے اسے سی دیا جائے، اور مجھے اپنا ایک کرتا عاریت پر دیدو۔ چناں چہ کپڑا دھلنے تک آپ نے دوسرا کرتا استعمال کیا اور جب اپنا کرتا سوکھ گیا تو پھر اسے ہی پہن لیا، اتنے میں اس بستی کا سردار (جلومس) آگیا، اس نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو کہا کہ آپ عرب کے بادشاہ ہیں، اور اس علاقہ میں اونٹ پر سواری کا رواج نہیں ہے، کیا اچھا ہو کہ آپ کوئی عمدہ لباس پہنیں اور خچر پر سواری کریں؛ تاکہ رومیوں کے اوپر آپ کی دھاک بیٹھ سکے۔ یہ سن کر حضرت عمر ﷺ نے نہایت استغناء اور بے تکلفی کے ساتھ جواب دیا

کہ ''ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، لہٰذا ہم اللہ کے علاوہ کسی سے عزت کے طالب نہیں ہیں''۔(۴۲)

غور فرمایئے! کیا اس سادگی سے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی فرق آ گیا؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان کا درجہ دنیا والوں کی نظر میں اور بلند ہوگیا کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جسے دنیا کے جواہر کی چمک دمک خیرہ کر سکے، بلکہ یہ وہ ذات ہے جس کی نظر میں ساری دنیا کی زیبائش وآرائش ٹھیکروں کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی سادگی نے قیصر وکسریٰ کے کنگوروں کو ہلا کر رکھ دیا، اور آپ کا رعب عالم کفر پر ایسا قائم ہوا کہ بڑے بڑے کروفر والے لوگ آپ کا نام سن کر تھرا کر رہ گئے۔ اور اسلام کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

ایک طرف امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کردار ہے دوسری طرف آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہر شخص غیروں کے سامنے مرعوب ہوکر بچھا جارہا ہے، اور غیروں کو خوش کرنے کے لئے اپنا تشخص اور امتیاز تک چھوڑنے کو تیار ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کا نمونہ اسوۂ نبوت اور اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بجائے اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کے طور طریق کو بنالیا گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جب ہم اسلام کے بجائے دوسروں کے طریقوں کو عزت دیں گے تو ہمیں قیامت کی صبح تک بھی عزت حاصل نہیں ہوسکے گی۔

ایک مسلمان کو عزت حاصل کرنی ہے تو اسے وہی جذبہ پیش نظر رکھنا ہوگا جس کی تعلیم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ میں دی گئی ہے کہ ''ہماری عزت تو صرف اسلام سے وابستہ ہے کسی اور چیز سے نہیں''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور فہم صحیح سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

جنگ قادسیہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جرأت مندانہ کردار

امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۱۴ھ) میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قادسیہ کے میدان میں دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کی فوج کو عبرت ناک شکست دی، اور جرأت وحمیت، اور سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا ششدر رہ گئی، اور ان کا یہ بے مثال کردار تاریخ کے صفحات پر آب زر سے نقش ہوگیا۔ ایک طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں اسلامی لشکر تھا جو زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، دوسری طرف شاہِ کسریٰ ''یزدجر'' نے اپنے بھروسہ مند کمانڈر ''رستم بن الفرخزاذ'' کی قیادت میں ایک لشکر جرار روانہ کیا، جس میں ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار لڑاکے شامل تھے۔ اور پیچھے سے مزید کمک کی تیاری تھی، اس عظیم الشان لشکر میں گھوڑوں کے علاوہ ۳۳/ ہاتھی بھی تھے، جن میں ایک ہاتھی سفید تھا، مگر یہ سب باتیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو قطعاً مرعوب نہ کرسکیں، بلکہ ان حالات سے ان کا حوصلہ اور اللہ پر توکل مزید بڑھ گیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت اپنے دشمنوں کے سامنے کیا کردار پیش کیا اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب دونوں فوجوں نے آمنے سامنے پڑاؤ ڈالا، تو رستم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اپنا کوئی نمائندہ بھیجیں

تاکہ ہم اس سے گفتگو کریں، چناں چہ اولاً حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ تشریف لے گئے اور پوری جرأت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا تعارف کرا کے واپس تشریف لائے، اس کے بعد حضرت ربعی بن عامر ؓ کو اس سفارت کے لئے مقرر کیا گیا، ان کی آمد سے پہلے ہی رعب ڈالنے کے لئے رستم کے فوجیوں نے زبردست سجاوٹ کا اہتمام کیا، رستم کی قیام گاہ کے راستوں میں سونے کے تاروں کے نقش ونگار والے قالین اور ریشم کے غالیچے بچھا دئے گئے، اور قیمتی ہیرے جواہرات جا بجا بکھیرے گئے، اور رستم کے لئے سونے کا تخت بچھایا گیا، اور خود اس کے سر پر تاج رکھا گیا، الغرض دنیوی زیب وزینت کی کوئی چیز چھوڑی نہیں گئی۔ دوسری طرف ربعی بن عامر ؓ کا حال یہ تھا کہ معمولی قسم کے کپڑے زیب بدن تھے، ایک تلوار تھی جس پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ ایک ڈھال، ایک نیزہ جو گلے میں لٹکا تھا اور سر پر خود تھی، اور ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار تھے۔ اسی حال میں قالینوں تک پہنچے، اور ایک قالین پہ گھوڑے کو کھڑا کر کے اس کی لگام قالین میں سوراخ کر کے وہیں باندھ دی۔ رستم کے پہرے داروں نے کہا کہ آپ ہتھیاروں کو یہی رکھ دیجئے۔ ان کے ساتھ رستم کے سامنے نہیں جا سکتے، حضرت ربعی ؓ نے فرمایا کہ میں خود نہیں آیا تم لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے، اگر ہتھیار کے ساتھ اندر جانا منظور نہیں ہے تو میں یہیں سے واپس جاتا ہوں، مجھے رستم کی ملاقات منظور نہیں ہے، یہ بات اندر پہنچائی گئی تو رستم نے اندر آنے کی اجازت دیدی، اب آپ اس طرح اندر تشریف لے گئے کہ اپنے نوک دار نیزے سے راستے میں پڑنے والی قالینوں کو جگہ جگہ سے کاٹ کر خراب کر دیا۔ اور رستم کے سامنے پہنچ کر زمین پر بیٹھ گئے اور اپنا نیزہ ایک قالین میں گاڑ دیا۔ رستم نے پوچھا کہ آپ زمین پر کیوں بیٹھے؟ حضرت ربعی بن عامر ؓ نے فرمایا کہ ہم تمہاری اس زیب وزینت پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ پھر رستم نے پوچھا کہ آپ لوگوں کی یہاں (ملک فارس میں) آمد کا مقصد کیا ہے؟ تو حضرت ربعی بن عامر ؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس مقصد سے بھیجا ہے تاکہ ہم انسانوں کو بندوں کی غلامی کے بجائے اللہ تعالی کی بندگی کی طرف لے جائیں، اور دنیا کو تنگی سے نکال کر وسعت کی طرف لے جائیں، اور ظلم وزیادتی کی جگہ پر اسلام کا عادلانہ نظام قائم کریں، ہمیں اللہ نے اپنا دین لے کر بھیجا ہے، پس جو اسے قبول کرلے گا تو ہم بھی تسلیم کرلیں گے اور یہاں سے واپس چلے جائیں گے، اور جو نہیں مانے گا تو ہم اس سے اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ اللہ تعالی کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔ رستم نے کہا کہ اللہ تعالی کا وعدہ کیا ہے؟ حضرت ربعی ؓ نے فرمایا کہ وعدہ یہ ہے کہ جو شہید ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جو زندہ رہے گا وہ فتح یاب ہوگا۔ یہ گفتگو سن کر رستم مرعوب ہو گیا اور اس نے لشکر کے سرداروں کو حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ سردار طاقت کے نشہ میں چور تھے، انہوں نے حضرت ربعی ؓ کے لباس کا مذاق اڑایا، تو رستم نے جواب دیا کہ ان کے لباس کو مت دیکھو بلکہ ان کی رائے کی پختگی، گفتگو کے انداز اور سیرت وکردار پر نظر ڈالو، عرب لوگ کھانے اور پہننے میں سادگی اپناتے ہیں مگر اپنے خاندانی کردار کی بھرپور حفاظت کرتے ہیں: الی آخرہ۔ (۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے کسریٰ یزدجرد کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے اس کے دار الخلافہ مدائن میں صحابہ ؓ کا ایک وفد بھیجا تھا، یہ وفد شہر مدائن میں اس حال میں داخل ہوا کہ ان کی چادریں ان کے

کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں، ہاتھ میں کوڑے تھے، پیروں میں جوتے تھے اور سواریاں بہت کمزور تھیں، مدائن کے لوگ انہیں بڑے تعجب سے دیکھتے تھے کہ بھلا یہ فاقہ زدہ فقیر لوگ ہمارے لشکر جرار کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟۔(۴۴)

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہی سادہ لوگ جب ایمانی قوت کے ساتھ میدان کارزار میں اترے تو دشمن کی لاشوں کے پرے کے پرے لگا دیئے، صرف جنگ قادسیہ میں بیس ہزار کفار مارے گئے، اور خود رستم بھی اپنی جان نہ بچا سکا، اور اس کے بعد چند ہی دنوں میں کسریٰ کی حکومت کا قیامت تک کے لئے نام ونشان مٹ گیا۔(۴۵)

ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہماری عزت دنیوی رسومات، تکلفات اور طور طریقوں میں نہیں ہے، بلکہ ہمارا اصل سرمایہ اسلام ہے، ہم ظاہر میں کیسے ہی ہوں اگر ہمارا رابطہ اسلام اور دین سے مضبوط ہوگا تو ہمیں عزت حاصل رہے گی، اور دین سے رابطہ میں جتنی کمی ہوگی اتنا ہی ہم عزت سے دور ہوتے جائیں گے۔ کاش کہ یہ حقیقت ہمارے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائے۔

تقریبات میں سادگی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں رہتے تھے، اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام بھی وہیں تشریف فرما تھے، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہ اس کا اہتمام نہیں فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہر تقریب میں شرکت کریں، حتی کہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باش حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نکاح فرما لیتے تھے اور پیغمبر علیہ السلام کو اس کی اطلاع بھی نہ ہوتی تھی۔

مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن پیغمبر علیہ السلام نے ان کے کپڑے پر نسوانی خوشبو کا رنگ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت! میں نے ایک گٹھلی سونے کی مہر پر شادی کر لی ہے (اور یہ رنگ بیوی کی خوشبو سے لگ گیا ہے) یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام نے انہیں برکت کی دعا دی، اور ولیمہ کرنے کا حکم دیا۔(۴۶)

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا، اور پیغمبر علیہ السلام کو خبر نہ دی، ایک سفر سے واپسی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نئی نئی شادی کا عذر کر کے جلدی مدینہ واپسی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شادی کا علم ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کنواری سے شادی کی یا بیوہ سے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیوہ سے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری سے شادی کرنے کی ترغیب دی، لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہنوں کی سرپرستی کا عذر کیا۔(۴۷)

اور بھی اس طرح کے واقعات دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ملتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کو علم نہیں ہوا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی تقریبات منعقد کر لیں، ہمارے معاشرہ کے اعتبار سے یہ باتیں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے تکلف زندگی کے بہ عین مطابق ہیں، اس معاشرہ میں شادی بیاہ میں کوئی تکلف تھا ہی نہیں، باپ خود ہی اپنی بیٹی کا رشتہ براہِ راست داماد سے پیش کر دیتا حتی

کہ بعض صحابیات خود نکاح کا پیغام بھیجتیں، اور اسے معاشرہ میں قطعاً معیوب نہ سمجھا جاتا۔

اس کے برخلاف ہمارے یہاں کی تقریبات، تکلفات کا سرچشمہ بن گئی ہیں ایک ایک تقریب کے لئے اس قدر لوازمات ہیں کہ اصل تقریب میں اتنا خرچ نہیں جتنا اس کے لوازمات کا خرچ ہے۔ اسی بنا پر معاشرہ میں نکاح جو ایک سادہ اور آسان عمل تھا اسے مشکل ترین اور ہوش ربا عمل بنادیا گیا ہے، اور لڑکی والوں کو تو اس قدر بوجھل کردیا گیا ہے کہ انہیں اس کا تحمل سخت دشوار ہے۔ بس نہیں چلتا کہ لڑکے والے لڑکی والوں کی جائیداد اور مکان بکوا کر ان کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس لیں۔ الامان والحفیظ۔

سادگی کا مطلب پھوہڑ پن نہیں ہے

اسلام میں سادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی وسعت ہونے کے باوجود بے ہنگم انداز میں زندگی گزارے اور بے وقعت لباس استعمال کرے، جیسا کہ بعض نام نہاد صوفیوں کا طریقہ ہے کہ کوئی قصداً ٹاٹ پہن کر ''ٹاٹ شاہ'' بن جاتا ہے اور کوئی بے ہنگم انداز میں بال بڑھا کر اور ہفتوں ہفتوں غسل اور صفائی نہ کرنے کو ہی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہے، تو اسلامی شریعت ایسی واہیات حرکتوں سے قطعاً بری ہے۔

حضرت جابر ﷺ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ایک شخص کو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ''اسے کوئی ایسی چیز نصیب نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کرسکے'' اور ایک شخص کے بدن پر آپ نے میلے کچیلے کپڑے دیکھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کیا اس کے پاس کپڑا دھونے کا بھی انتظام نہیں ہے''۔ (۴۸)

اسی طرح حضرت ابوالاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں گھٹیا کپڑے پہن کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ''مال تو ہے'' آپ ﷺ نے پوچھا کہ کس کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی نے مجھے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر طرح کا مال عطا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالی نے تم کو مال سے نوازا ہے تو لازم ہے کہ اللہ تعالی کی نعمت اور کرامت کا اثر تمہارے بدن پر ظاہر ہو۔ (۴۹)

مطلب یہ ہے کہ دونوں طرح کا تکلف شریعت میں منع ہے، کہ وسعت ہوتے ہوئے دکھاوے کے لئے گھٹیا لباس پہننا یہ بھی منع ہے، اور حد سے زیادہ شاندار لباس کے فراق میں رہنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ہر حالت میں بے تکلفی رہنی چاہئے، اور انسان کو سادی زندگی گذارنی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ ﷺ اور امت کو یہی تعلیم دی ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''کھاؤ پیو، صدقہ کرو، اور جو چاہے لباس پہنو، بس فضول خرچی اور کبر و غرور نہ ہونا چاہئے''۔ (۵۰)

اسی طرح آپ ﷺ نے بالوں کو درست رکھنے کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو بال رکھے تو وہ ان کا اکرام کرے (یعنی صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرے) لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ آدمی روز روز تیل کنگھی کرنے میں نہ لگا رہے، بلکہ کچھ کچھ دن چھوڑ کر تیل کنگھی کیا کرے۔(۵۱)

خلاصہ یہ کہ اسلام کی تعلیم ہر معاملہ میں میانہ روی کی ہے، ایک مسلمان کو ہمیشہ اپنے دین کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اور غیر قوموں سے ہر طرح کی مرعوبیت دل سے نکال دینی چاہئے، اور دنیا میں بے تکلف اور سادہ زندگی گزارنی چاہئے اسی میں ہماری عزت ہے، اور اسی میں عافیت اور نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرات صحابہ ؓ کے اسوۂ مبارکہ کو اختیار کرنے کی توفیق بخشیں، اور دینی فکر سے ہمارے قلوب کو معمور فرمائیں۔ آمین۔

حوالہ جات

(۱) مشکوۃ شریف:۳۲/۱

(۲) سورۃ الفتح ۲۹

(۳) بخاری شریف ۳۶۷/۳، مسلم شریف ۲۵۴/۱

(۴) مسلم شریف ۱۶۲/۲

(۵) بخاری شریف ۶۰۴/۲

(۶) حیاۃ الصحابہ ۶۲۷

(۷) حیاۃ الصحابہ ۶۲۹/۲

(۸) حیاۃ الصحابہ ۶۳۰/۲

(۹) آل عمران:۱۳۵

(۱۰) الانفال ۶۳

(۱۱) حیاۃ الصحابہ ۷۴۲/۲

(۱۲) حیاۃ الصحابہ ۷۴۳/۲

(۱۳) حیاۃ الصحابہ ۷۳۳/۱

(۱۴) بخاری شریف ۱۹/۱

(۱۵) توضیح وتلویح ۳۴۹، خلاصۃ التحقیق ۱۷

(۱۶) مقدمۃ الاصابہ فی تمییز الصحابہ شیخ عادل احمد عبدالموجود وغیرہ ۲۲/۱

(۱۷) مسلم شریف ۲۸۵/۱

(۱۸) بخاری شریف ۱۰۸۴/۲، مسلم شریف ۱۴۴/۱

(۱۹) شعب الإيمان للبيهقي ٦١ /٧

(۲۰) شعب الایمان ۶۰/۷

(۲۱) احکام الاحکام ۵۲/۱ بحوالہ راہِ سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر ۱۲۴

(۲۲) متفق علیہ مشکوۃ شریف ۸۷/۱

(۲۳) موسوعۃ آثار الصحابہ ۳۴۷/۳

(۲۴) شعب الایمان ۵۹/۷

(۲۵) شعب الایمان ۴۲/۷

(۲۶) شعب الایمان ۶۴/۷

(۲۷) شعب الایمان ۶۰/۷

(۲۸) سنن ابن ماجہ ۴۳

(۲۹) حیاۃ الصحابہ ۲۹۹/۲، الاصابہ ۳۲۶/۳

(۳۰) حیاۃ الصحابہ ۳۰۵/۲

(۳۱) حیاۃ الصحابہ ۳۰۵/۲

(۳۲) بخاری شریف ۳۷۹/۱، حیاۃ الصحابہ ۳۰۶/۲

(۳۳) مصنف ابن ابی شیبہ، حیاۃ الصحابہ ۱۲۹/۳

(۳۴) حیاۃ الصحابہ ۱۳۰/۲

(۳۵) حیاۃ الصحابہ ۶۳۰/۲

(۳۶) حیاۃ الصحابہ ۶۳۶/۲

(۳۷) حیاۃ الصحابہ ۶۵۵/۲

(۳۸) مشکوۃ شریف ۳۸۳/۲

(۳۹) موسوعۃ آثار الصحابہ ۹۰/۱

(۴۰) موسوعۃ آثار الصحابہ ۲۵۳/۱

(۴۱) موسوعۃ آثار الصحابہ ۲۵۳/۱

(۴۲) حیاۃ الصحابہ ۳۸۸/۳

(۴۳) البدایہ والنہایہ ۴۴/۷، ملخصاً، حیاۃ الصحابہ ۶۹۷/۳

(۴۴) البدایہ والنہایہ ۴۵/۷

(۴۵) البدایہ والنہایہ ۴۸/۷

(۴۶) مشکوۃ شریف ۲۷۸/۲

(۴۷) مسلم شریف ۲۹/۲

(۴۸) مشکوۃ شریف ۳۷۵/۲

(۴۹) مشکوۃ شریف ۳۷۵/۲

(۵۰) مشکوۃ شریف ۳۷۷/۲

(۵۱) مشکوۃ شریف ۳۸۲/۲

مولانا محمد تراب الحق صاحب مظاہری ☆

بدری صحابہ ؓ اسماء وفضائل

صحابہ کرام ؓ

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام کی جماعت ایک مقدس اور پاکیزہ جماعت ہے، محسن انسانیت کی بابرکت صحبت سے اللہ رب العزت نے ان نفوس قدسیہ کو انسانی شرافت کا اعلیٰ نمونہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ ہر صحابی کی زندگی چلتا پھرتا اسلام ہے، اللہ رب العزت نے ان فدا کاروں کو ہدایت یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی، قرآن کریم نے ان کی زندگی اوران کے افکار ونظریات میں انقلاب پیدا کر کے ان کی زندگی کا رخ مقصد اصلی کی طرف پھیر دیا، ہر ایک کے دل میں بس ایک ہی لگن تھی ،اعلاء کلمۃ اللہ، دعوت حق اور تبلیغ اسلام ہو جائے وہ ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات پر شرعی احکام اور اسلامی مقاصد کو غالب رکھتے تھے، جنت اور مغفرت کی طلب اور آرزو نے ان کو اللہ اور رسول سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ ان کو دنیا والوں کی خوشی اور ناخوشی کی کوئی پرواہ نہ تھی ،ان کی مقدس زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب بھی باطل پرستوں نے عظمت اسلام کو للکارا، آفتاب رسالت کو بجھانے کی کوشش کی اور قصر دین وملت پر یلغار کی تو اصحاب رسول دشمنوں پر قہر وغضب بن کر ٹوٹے ،شیر وببر بن کر جھپٹے اور راہ حق میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ٹھوکروں میں اڑا دیا، باطل کے سیل رواں کے سامنے سد سکندری بن گئے، طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے ،قصر اسلام کی حفاظت کی اور پرچم توحید بلند رکھا، حد تو یہ ہے کہ توحید کے پرستاروں اور شمع رسالت کے پروانوں نے توحید ورسالت کے سامنے رشتہ اخوت وابوت تک کو قربان کر دیا، خونی رشتوں تک کی پرواہ نہ کی جیسا کہ اسلامی تاریخ سے واضح ہے، اسی کے ساتھ جن صحابہ نے اسلام کی سب سے پہلی معرکۃ الآراء اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کر دینے والی لڑائی غزوہ بدر کبریٰ میں شرکت کی ان کو دیگر صحابہ پر حد درجہ فضیلت حاصل ہے، قرآن وحدیث نے ان کی فضیلت اور کارناموں کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے۔

☆ استاد جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

غزوۂ بدر

اسلام کے غزوات میں غزوہ بدر سب سے پہلا اور کفر و شرک میں امتیاز پیدا کرنے والا غزوہ ہے؛ اس لیے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر شرک کی ذلت ورسوائی کی ابتداء اسی غزوہ سے ہوئی اس لیے اس میں شریک ہونے والے صحابہ کرام کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے،

یہ غزوہ رمضان ۲ھ میں پیش آیا، اس غزوہ میں اسلام کو ظاہری اور مادی اسباب کے بغیر اللہ کی رحمت اور تائید غیبی سے فتح وکامیابی حاصل ہوئی، اس سے کفر شرک پر کاری ضرب لگی، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں یوم الفرقان فرمایا، بدر ایک کنویں کا نام ہے جو بدر بن حارث یا بدر بن کمدہ نے بنایا، اس لیے اس کے قرب وجوار کے میدان کو بھی بدر کہتے ہیں ، یہ مقام مدینہ سے مکہ کے راستے میں تقریبا اسی میل پر واقع ہے۔

غزوۂ بدر کے اسباب

کفار مکہ کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کا مکہ سے صاف نکل جانا اور مدینہ میں شان وشوکت اور عظمت کے ساتھ رہنا اور فدا کاران اسلام میں روز افزوں ترقی ہونا بہت ناگوار اور کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، وہ مدینہ کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ مدینہ میں تارکین وطن کو پناہ نہ دی جائے، انہوں نے مدینہ کے منافقین اور یہود سے ساز باز شروع کر دیا تھا اور قریش کے چھوٹے چھوٹے جتھے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے مدینہ کے قریب اکثر گشت لگا رہے تھے، کرز بن جابر فہری مدینہ کی چراگاہوں پر لوٹ مار کرتا رہتا تھا، ان حالات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اب مسلمانوں کو بھی مقابلہ کی اجازت دی تب مسلمانوں نے اس چھیڑ چھاڑ کا جواب دینا شروع کیا، اہل مکہ کی تجارت کا سلسلہ شام سے وابستہ تھا اور مدینہ کے علاقہ سے یہ راستہ گذرتا تھا، مسلمانوں نے اس میں رکاوٹ پیدا کرنی شروع کر دی؛ تا کہ اہل مکہ کی مالی قوت پر اثر پڑے جس کے بل بوتے وہ مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی فکریں کرتے رہتے ہیں، نیز اس تجارت کے حیلہ سے منافقین اور یہود مدینہ سے ساز باز کا جو موقعہ ہاتھ آجاتا تھا اس کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان بھی خاموش رہتے نظر نہیں آتے اور ہماری دسیسہ کاریوں کا جواب ملنے لگا ہے تو بڑے غور وخوض کے بعد ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے خفیہ تدابیر شروع کر دیں؛ مگر جنگ کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت تھی؛ اس لیے شام کی تجارت کے موسم میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ بھیجا گیا، تمام مردوں اور عورتوں نے اپنا اپنا سرمایہ اس قافلہ کے حوالہ کر دیا، تا کہ منافع کی رقم جنگ کے سامان پر خرچ کی جاسکے۔

حملہ کی تیاری

ابوسفیان جب اپنے رفیقوں کے ساتھ شام سے مکہ واپس ہونے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے حالات وواقعات پر نظر رکھتے

ہوئے اس قافلہ پر قبضہ کرنا ضروری سمجھا، جلد سے جلد جو اشخاص تیار ہوسکے ان کو لے کر روانہ ہوئے، یہ تین سو تیرہ تھے اور ساز وسامان کا حال یہ تھا کہ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور معمولی اسلحہ، چند آدمیوں کے علاوہ کسی کے پاس زرہ بھی نہ تھی۔

ابوسفیان کا حزم واحتیاط

ابوسفیان کو جب اس بات کا علم ہوا تو ضمیم بن عمر غفاری کو اجرت دے کر مکہ دوڑایا کہ جا کر قریش کو اطلاع دے جب قریش کو معلوم ہوا تو تمام اہل مکہ میں بل چل پڑ گئی چوں کہ قریش کی اپنی پوری پونجی اس قافلہ کی تجارت میں لگی ہوئی تھی ابولہب کے سوا کوئی شخص مکہ میں نہیں ٹھہرا، اس نے بھی اپنی جگہ عاص ابن ہشام کو روانہ کیا، پورے جوش اور ساز وسامان کے ساتھ ایک ہزار جنگ جو جن میں سو گھوڑے سوار، پیادہ فوج میں چھ سو زرہ پوش بے شمار اونٹ اور بے شمار اسلحہ کے ساتھ ابوجہل کی سرداری میں نکلے۔

ابوسفیان نے حالات کا اندازہ کر کے قافلہ کا رخ بدل دیا اور ساحل کے راستہ سے صحیح سالم نکل گیا اور قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ صرف قافلہ کے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچانے کے لیے آئے تھے، اللہ نے سب کو بچالیا ہے، لہٰذا تم سب مکہ واپس ہوجاؤ، ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہ اڑالیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ

جب اسلامی لشکر روحا پہنچا تو مخبر نے اطلاع دی کہ مکہ سے زبردست لشکر مسلمانوں سے جنگ کی غرض سے آرہا ہے، رسول اللہ نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا، صحابہ کرام نے پورے جوش وخروش کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر آمادگی ظاہر فرمائی، اس طرح مسلمانوں کے تین سو تیرہ مجاہدین کا بے سروسامان لشکر اور دوسری طرف کفار مکہ کا ایک ہزار پرشوکت لشکر بدر پہنچا۔

جنگ اور اللہ کی مدد

دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہوئی، کفار کا لشکر جنگ میں درہم برہم ہو کر شکست کھا گیا، ابوجہل اور مکہ کے بڑے بڑے سردار ہلاک ہوگئے، جس سے مکہ والوں کی طاقت ہمیشہ کے لیے کھوکھلی ہوگئی، رسول اللہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور زبان مبارک سے فرمایا الحمد للہ الذی اعز الاسلام واھلہ۔(۱)

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے اسلام کو اور اہل اسلام کو عزت بخشی، بعض روایات میں ہے کہ سجدہ شکر بھی ادا کیا اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے شکریہ میں دوگانہ پڑھا، اس جنگ میں ستر اہل مکہ ہلاک ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں زخمی اور قید ہوئے کفار کے مقتولین کی لاشیں رسول اللہ کے حکم سے بدر کے کنویں میں ڈال دی گئیں، امیہ کی لاش پھول کر بہت بھاری ہوگئی تھی اس لیے قتل گاہ ہی میں چھپا دیا گیا، ابولہب شریک جنگ نہ تھا، جب اس کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو غم کی وجہ سے مکان میں

چلا گیا اور اپنے غصہ میں گھل کر یا کسی طاعونی بیماری میں مبتلا ہو کر گھر ہی میں مر گیا، مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے، چھ مہاجرین اور آٹھ انصار، جو کفار قید ہوئے انہیں فدیہ دے کر چھوڑ دیا گیا، فدیہ کی مقدار حیثیت کے مطابق ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی، جو نادار تھے اور فدیہ نہیں دے سکتے تھے وہ بلا کسی معاوضہ اور فدیہ آزاد کردئے گئے جو لکھنا جانتے تھے انہیں دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دینے پر آزاد کر دیا گیا، زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا۔

اہل بدر کی تعداد

بدری حضرات کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں، مشہور یہ ہے کہ تین سو تیرہ تھے، تعداد میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں، حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں سب اقوال کو جمع کر دیا، اور ۳۶۳ نام شمار کرائے، حضرت جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجیؒ نے اصحاب بدر کے اسماء مبارکہ اور ان کے فضائل وفوائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے بجالیۃ الکرب باصحاب سید العجم والعرب اس کتاب میں برزنجی نے متعدد کتابوں کے حوالہ سے اصحاب بدر کو ۳۶۳ کی تعداد میں ذکر کیا، تا کہ کسی قول کی بناء پر کوئی نام نہ رہ جائے، احتیاطاً سب کا ذکر کر دیا؛ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بدری صحابہ کی تعداد تین سو تریسٹھ ہے، بلکہ انہوں نے وضاحت کر دی کہ اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں جیسا کہ صاحب استیعاب نے ۳۱۳ کی تعداد ہی بیان کی ہے۔(۲)

مسند احمد، مسند بزار اور معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہل بدر تین سو تیرہ تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے لیے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار کرنے کا حکم دیا، جب شمار کئے گئے تو تین سو چودہ تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو، دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دور سے دبلے اونٹ پر ایک شخص سوار نظر آیا، اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوئے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔(۴)

یہ تین روایتیں ہیں، لیکن حقیقت میں سب متحد ومتفق ہیں، اس لیے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی اکرم ﷺ کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اگر اس آخری شخص اور آپ ﷺ کو اصحاب کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ تعداد تین سو تیرہ ہے، اس سفر میں کچھ صغیر السن بچے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جیسے (۱) حضرت براء بن عازبؓ (۲) حضرت عبداللہؓ (۳) حضرت انس بن مالکؓ (۴) حضرت جابر بن عبداللہؓ مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی، اگر ان کم سن بچوں کو بھی بدریین میں شمار کر لیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

آٹھ آدمی ایسے تھے جو اس غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے مال

غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا، وہ آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ ہیں۔

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑ گئے تھے۔

(۲-۳) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے قافلہ کے تجسس کے لیے بھیجا تھا۔

(۴) حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ ان کو روماء سے مدینہ منورہ پر اپنا قائم مقام بنا کر واپس فرمایا۔

(۵) حضرت عاصم بن عدی کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا۔

(۶) حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن حاطب بن عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی خبر پہنچی تھی اس لیے آپ نے حضرت حارث بن حاطب کو بنی عمرو کی طرف واپس بھیجا۔

(۷) حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرمادیا تھا۔

(۸) حضرت خوات رضی اللہ عنہ بن جبیر پنڈلی میں چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کردیے گئے تھے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ لگایا، جو اس وقت حبشہ میں تھے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ یعنی سھل رضی اللہ عنہ کے والد نے راستہ میں انتقال فرمایا اور صبیح مولی احیحہ بیماری کی وجہ سے واپس ہوئے۔(۵)

بدری فرشتے

اس جنگ میں کفار ومشرکین کی امداد کے لیے ابلیس لعین اپنا لشکر لے کر حاضر ہوا تھا، اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کی سرکردگی میں آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا جو ایک ہزار، پھر تین ہزار، پھر پانچ ہزار تھے۔(۶)

شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں اور اس کا لشکر بنو مدلج کے مردوں کی شکل میں ظاہر ہوا، اسی وجہ سے فرشتے بھی مردوں کی شکل میں نمودار ہوئے، یہ اگرچہ صورۃ انسان تھے، مگر فرشتے تھے، جنگ بدر میں فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہونا اور ان کا جہاد میں شریک ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے، لیکن روایات میں صرف تین فرشتوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام (۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام۔

شہدائے بدر

معرکہ بدر میں ۱۴ اصحاب رسول ﷺ شہید ہوئے، ان میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ:

یہ قبیلہ قریش کے مطلبی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، کنیت ابوالحارث اور لقب شیخ المہاجرین ملا تھا، خاندان عبدالمطلب میں سے آپ کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا، آپ نبی کریم ﷺ کے دارالتبلیغ دارارقم کے افتتاح کرنے سے پہلے ہی دولت اسلام سے فیض یاب ہو چکے تھے، عمر میں نبی کریم ﷺ سے دس سال بڑے تھے، جب ہجرت کا حکم ملا تو آپ اپنے بھائیوں طفیل ﷺ، حصین ﷺ، اور مسطح بن اثاثہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے ہاں قیام کیا، نبی کریم ﷺ کے یہاں حضرت عبیدہ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت تھی، غزوہ بدر میں جن صحابہ کرام ﷺ نے اپنی جانیں ناموس رسالت پر نچھاور کیں ان میں حضرت عبیدہ ﷺ بن الحارث نے سب سے پہلی اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہ میں سرخرو ہو گئے۔

آپ کو مقام صفراء میں دفن کیا گیا، آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کا ایک قافلہ اس مقام پر خیمہ زن ہوا تو ساری وادی مشک خالص کی خوشبو سے معطر تھیں، صحابہ ﷺ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ اس مقام پر مشک کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ میرے عبیدہ ﷺ بن الحارث کی قبر ہے۔

حضرت عمیر ذوالشمالین ﷺ

آپ کا اسم گرامی عمیر ﷺ اور لقب ذوالشمالین تھا، اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ آپ دونوں ہاتھوں سے بیک وقت کام کرتے تھے، آپ کے والد عبد عمرو بن فضلہ قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے، اپنا قبیلہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آگئے تھے اور عبدالحارث بن زہرہ کے حلیف تھے، عبدالحارث نے اپنی بیٹی نعمی کی شادی عبد عمر سے کی، اسی نعمی کے بطن سے حضرت عمیر ذوالشمالین ﷺ پیدا ہوئے آپ مہاجرین بنوزہرہ میں سے تھے، جنگ بدر میں ابواسامہ جشمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا، رضی اللہ عنہ۔

حضرت صفوان بن وہب ﷺ

آپ بنی حارث سے تھے، والد کا نام بیضاء تھا، کنیت ابوعمرو، جلیل القدر بدری شہداء میں شمار ہوتے ہیں، آپ ﷺ بن عدی کے ہاتھوں میدان بدر میں شہید ہوئے۔

حضرت عاقل ﷺ

آپ مدینہ پاک میں بن عدی کے حلیف تھے، سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں، دارارقم میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے، اگرچہ آپ کے دوسرے بھائی عامر، الیاس اور خالد ﷺ بھی معرکہ بدر میں شریک ہوئے، مگر شہادت صرف آپ ہی کو نصیب ہوئی، دور جاہلیت میں آپ کو غافل نام سے یاد کیا جاتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے لگے تو آپ ﷺ نے ان کا نام غافل سے عاقل رکھ دیا۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ

والد کا نام مالک بن اہیب تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح قادسیہ کے چھوٹے بھائی تھے، جنگ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ عمرو بن وذ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ

یمن کے رہنے والے تھے عرب قزاقوں نے آپ کو گرفتار کیا اور مکہ میں لے آئے تھے، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ ''سابقون الاولون'' میں شمار ہوتے ہیں، بنی عدی کے ساتھ ہجرت کی، آپ حضرت نبی کریم ﷺ کی مجلس کے ان غرباء صحابہ سے تعلق رکھتے تھے، جن کے بارے میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کی غربت پر رشک کرتے، حضرت نبی کریم ﷺ کی نگاہ خاص کا مرکز تھے، حضرت مہجع رضی اللہ عنہ معرکہ بدر میں ایک کافر عمرو بن حضرمی کے تیر سے زخمی ہوئے، جب رسول اللہ ﷺ کو آپ کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو بے اختیار فرمایا، آج مہجع سید الشہداء ہیں۔

حضرت سعد بن خثیمہ انصاری رضی اللہ عنہ

آپ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، آپ ان بارہ مدنی بزرگوں میں شامل تھے جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، اور جن کی جرأت ایمانی مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو حوصلہ بخشتا تھا، آپ عمرو بن وڈ یا طعیمہ بن عدی کے ہاتھوں شہید ہوئے،

حضرت بشر انصاری رضی اللہ عنہ

آپ انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے والد کا اسم گرامی عبدالمنذر تھا اپنے بھائی ابولبابہ کے ساتھ شریک بدر ہوئے، ابوثور کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ

عمیر بن الحمام انصاری قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے آپ کا رشتۂ مواخات حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے قائم کیا تھا، یہ دونوں بھائی میدان بدر میں شہید ہوئے، میدان بدر میں جب جنگ زوروں پر تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کافروں سے لڑتے لڑتے جو بھی شہید ہوگا اللہ کی جنت اس کا استقبال کریگی'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے، واہ واہ (بخ بخ) کہتے ہوئے اٹھے کھجوریں زمین پر پھینک دیں اور فرمایا، آج میرے اور جنت کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی'' آگے بڑھے اور تلوار لہراتے ہوئے کفار پر ٹوٹ پڑے اور خالد بن الاعلم کے ہاتھوں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

حضرت یزید ؓ بن حارث

آپ ؓ قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے اور رشتہ مواخات میں ذوالشمالین ؓ سے وابستہ تھے دونوں ہی میدان بدر میں شہادت کے اعزاز سے سرفراز ہوئے، آپ کو طعیمہ بن عدی یا نوفل بن معاویہ نے شہید کیا۔

حضرت رافع ؓ

آپ کے والد کا اسم گرامی معلیٰ تھا، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، معرکہ بدر میں عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

حضرت حارث یا حارثہ ؓ

حارثہ بن سراقہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، والدہ کا نام ربیع النضر تھا یہ حضرت انس ؓ کی پھوپی تھیں، حضرت حارثہ باقاعدہ جنگ کرنے کے لئے میدان بدر نہیں گئے تھے بلکہ ایک مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے، لیکن حبان عرقہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، علامہ ابن حجر عسقلانی اور طبرانی نے آپ کو شہداء بدر میں شمار کیا ہے مگر واقدی لکھتے ہیں کہ حضرت حارثہ میدان بدر میں حوض کے کنارے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آپ کے حلق میں لگا جو آپ کی شہادت کا سبب بنا، ان کی شہادت کی خبر ان کی والدہ کو مدینہ منورہ پہونچی تو آپ نے قسم کھائی کہ، جب تک حضور نبی کریم ﷺ بخیر وعافیت مدینہ منورہ نہیں آجاتے اور مجھے اپنی زبان مبارک سے میرے بیٹے کی خبر نہیں سناتے، میں اس کے لئے نہ رووں گی نہ ہی گریہ کروں گی۔

جب حضور ﷺ بدر سے واپس شریف لائے تو حضرت حارثہ ؓ کی والدہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ، حارثہ کی شہادت سے مجھے جو صدمہ ہوا ہے وہ آپ جانتے ہیں، مگر میں نے فیصلہ کیا تھا جب تک یہ خبر آپ سے نہ سن لوں کسی قسم کا گریہ وزاری نہیں کرونگی، اگر وہ جنت کا حقدار ہے تو مجھے گریہ وزاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بصورت دیگر اتنا رووں گی کہ زمین وآسمان تھرا اٹھیں گے، غمزدہ ماں کی بات جب رسول ﷺ نے سنا تو فرمایا تم کیوں غمزدہ ہوتی، وہ تو جنت الفردوس میں شاداں وفرحاں ہے، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بشارت پا کر ربیع النضر صبر کے ساتھ اٹھیں اور کہنے لگیں، اب میں اپنے بیٹے کے لئے نہیں رووں گی۔

حضرت عوف ؓ

والد کا اسم گرامی حارث والدہ کا عفرا تھا، آپ اپنے مشہور چھوٹے بھائیوں معاذ ؓ اور معوذ ؓ کے ساتھ میدان بدر میں پہنچے اس کے بعد آپ دوڑے دوڑے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ وہ کونسا کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی وخوش ہوتا ہے جو زرہ کی پرواہ کئے بغیر لڑائی

میں شریک ہو جاتا ہے، یہ سنتے ہی حضرت عوف ؓ نے زرہ اتاری اور میدان کارزار میں کود پڑے اور اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے، آپ ابو جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت معاذ ؓ اور معوذ ؓ

انصار کے یہ دو کم سن مگر معروف بھائی معاذ ؓ اور معوذ ؓ حضرت حارث کے نامور فرزند تھے، اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ یہی وہ نوجوان تھے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے اشارے پر ابو جہل پر ٹوٹ پڑے اور اسے زخمی کر کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا، ان کی تلوار کے زخم کے بعد ابو جہل دوبارہ نہ اٹھ سکا اور دیر تک موت وحیات کی کشمکش میں تڑپتا رہا۔ حتی کہ حضرت ابن مسعود ؓ نے ان کا سر کاٹ دیا، عکرمہ نے ان شاہین صفت نوجوانوں کو اپنے باپ پر جھپٹتے دیکھا تو حضرت معاذ ؓ کے بازو پر وار کیا جس سے آپ کا بازو کٹ گیا، مگر لٹکتا ہوا بازو چونکہ لڑائی میں رکاوٹ تھا اس لیے حضرت معاذ ؓ خود اپنے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبایا اور بازو کو علحدہ پھینک کر شریک جہاد رہے، حضرت معاذ ؓ اسی ایک بازو کے ساتھ حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہے، حضرت عثمان ؓ فرمایا کرتے تھے کہ معاذ کا دوسرا بازو میں ہوں کیونکہ یہ بازو میرے آقا رسول ﷺ کے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کٹا تھا، اور حضرت معوذ ؓ کو ابو مسافع نے شہید کر دیا۔

اہل بدر کے فضائل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کے قصہ میں حضرت عمر ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لَعَلَّ اللّٰهَ اطلع الی اهل بَدر فقال اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنة". (۷)

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی''۔

حضرت رفاعہ بن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ ﷺ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل اور بہتر، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے تھے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (۸)

اصحاب بدر کے فضائل میں سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی زبان مبارک کے ذریعہ جنت کی بشارت دی ''وجبت لکم الجنة'' اے اصحاب بدر تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لن یدخل النار احد شهد بدراً'' (۹) جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ جہنم میں نہ جائے گا، یہ بھی ان کے فضائل میں ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل کیا اور ان فرشتوں نے اصحاب بدر کے ساتھ مل کر دشمنان اسلام سے جنگ کی۔ (۱۰)

خواص وبرکات

ان فضائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسماء میں عجیب وغریب برکت اور غیر معمولی خواص رکھے ہیں، جن کا بزرگوں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے، اور عجیب تاثیر پائی ہے حضرت برہان الدین حلبی مشائخ حدیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہل بدر کے اسماء ذکر کر کے جو دعا مانگی جاتی ہے مقبول ہوتی ہے، بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے، اور جن مریضوں نے اہل بدر کے وسیلہ سے اپنے لیے شفا کی دعا مانگی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی، حضرت جعفر بن عبداللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں رسول اللہ کے صحابہ ؓ سے محبت رکھوں اور یہ کہ اپنی تمام مہمات میں اہل بدر کے وسیلہ سے دعا مانگوں، نیز انہوں نے فرمایا تھا کہ بیٹے اہل بدر کے اسماء مبارکہ کے واسطے سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب کوئی بندہ اہل بدر کے اسماء کا ذکر کرتا ہے، ان کے ذکر کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو اس وقت مغفرت، رحمت، برکت، رضا اور رضوان اس بندہ کو گھیر لیتی ہے۔

صاحب مشکوۃ نے اہل بدر کے اسمائے مبارکہ ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' کے حوالے سے جو نقل کیا ہے، اسی کے مطابق ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اسمائے گرامی حضرات بدریین مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین

سید المہاجرین، امام البدریین، اشرف الخلائق، خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۔ ابوبکر صدیق ؓ
۲۔ ابوحفص عمر بن الخطاب ؓ
۳۔ ابوعبداللہ عثمان بن عفان ؓ
۴۔ ابوالحسن علی بن ابی طالب ؓ
۵۔ حمزہ بن عبدالمطلب ؓ
۶۔ زید بن حارثہ ؓ
۷۔ انسہ حبشی مولی رسول اللہ ﷺ
۸۔ ابوکبشہ فارسی مولی رسول اللہ ﷺ
۹۔ ابومرثد کناز بن حصن ؓ
۱۰۔ مرثد ابن ابی مرثد ؓ
۱۱۔ عبیدہ بن حارث ؓ
۱۲۔ طفیل بن حارث ؓ
۱۳۔ حصین بن حارث ؓ
۱۴۔ مسطح بن اثاثہ ؓ
۱۵۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ؓ
۱۶۔ سالم مولی ابی حذیفہ ؓ
۱۷۔ صبیح مولی ابی العاص امیہ ؓ
۱۸۔ عبداللہ بن جحش ؓ
۱۹۔ عکاشہ بن محصن ؓ
۲۰۔ شجاع بن وھب ؓ
۲۱۔ عتبہ بن وھب ؓ
۲۲۔ یزید بن رقیش ؓ

۲۳۔ ابوسنان بن محصن ؓ

۲۴۔ سنان بن ابی سنان ؓ

۲۵۔ محرز بن نضلہ ؓ

۲۶۔ ربیعہ بن اکثم ؓ

۲۷۔ ثقف بن عمرو ؓ

۲۸۔ مالک بن عمرو ؓ

۲۹۔ مدلج بن عمرو ؓ

۳۰۔ سوید بن مخشی ؓ

۳۱۔ عتبہ بن غزوان ؓ

۳۲۔ جناب مولیٰ بن غزوان ؓ

۳۳۔ زبیر بن عوام ؓ

۳۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ

۳۵۔ سعد کلبی مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ

۳۶۔ مصعب بن عمیر ؓ

۳۷۔ سویبط بن سعد ؓ

۳۸۔ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ

۳۹۔ سعد بن ابی وقاص ؓ

۴۰۔ عمیر بن ابی وقاص ؓ

۴۱۔ مقداد بن عمرو ؓ

۴۲۔ عبداللہ بن مسعود ؓ

۴۳۔ مسعود بن ربیعہ ؓ

۴۴۔ ذوالشمالین بن عبد عمرو ؓ

۴۵۔ خباب بن الارت ؓ

۴۶۔ بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر ؓ

۴۷۔ عامر بن فہیرہ ؓ

۴۸۔ صہیب بن سنان رومی ؓ

۴۹۔ طلحہ بن عبیداللہ ؓ

۵۰۔ ابوسلمہ بن عبدالاسد ؓ

۵۱۔ شماس بن عثمان ؓ

۵۲۔ ارقم ابی الارقم ؓ

۵۳۔ عمار بن یاسر ؓ

۵۴۔ معتب بن عوف ؓ

۵۵۔ زید بن الخطاب ؓ

۵۶۔ مہجع مولیٰ عمر بن الخطاب ؓ

۵۷۔ عمرو بن سراقہ ؓ

۵۸۔ عبداللہ بن سراقہ ؓ

۵۹۔ واقد بن عبداللہ ؓ

۶۰۔ خولیٰ بن ابی خولیٰ ؓ

۶۱۔ مالک بن ابی خولیٰ ؓ

۶۲۔ عامر بن ربیعہ ؓ

۶۳۔ عامر بن بکیر ؓ

۶۴۔ عاقل بن بکیر ؓ

۶۵۔ خالد بن بکیر ؓ

۶۶۔ ایاس بن بکیر ؓ

۶۷۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ؓ

۶۸۔ عثمان بن مظعون جمحی ؓ

۶۹۔ سائب بن عثمان ؓ

۷۰۔ قدامہ بن مظعون ؓ

۷۱۔ عبداللہ بن مظعون ؓ

۷۲۔ معمر بن حارث ؓ

۷۳۔ خنیس بن حذافہ ؓ
۷۴۔ ابو سبرۃ بن ابی رہم ؓ
۷۵۔ عبداللہ بن مخرمہ ؓ
۷۶۔ عبداللہ بن سہل بن عمرو ؓ
۷۷۔ عمیر بن عوف مولیٰ سہیل بن عمرو ؓ
۷۸۔ سعد بن خولہ ؓ
۷۹۔ ابوعبیدہ عامر بن الجراح ؓ
۸۰۔ عمرو بن الحارث ؓ
۸۱۔ سہیل بن وہب ؓ
۸۲۔ صفوان بن وھب ؓ
۸۳۔ عمرو بن ابی سرح ؓ
۸۴۔ وھب بن سعد ؓ
۸۵۔ حاطب بن عمرو ؓ
۸۶۔ عیاض بن ابی زہیر ؓ
۸۷۔ سعد بن معاذ ؓ

اسمائے گرامی حضرات بدریین انصار رضی اللہ عنہم اجمعین

۸۸۔ عمرو بن معاذ ؓ
۸۹۔ حارث بن اوس بن معاذ ؓ
۹۰۔ حارث بن انس ؓ
۹۱۔ سعد بن زید ؓ
۹۲۔ سلمہ بن سلامۃ بن وقش ؓ
۹۳۔ عباد بن بشر بن وقش ؓ
۹۴۔ سلمہ بن ثابت بن وقش ؓ
۹۵۔ رافع بن یزید ؓ
۹۶۔ حارث بن خزمہ ؓ
۹۷۔ محمد بن مسلمۃ ؓ
۹۸۔ سلمہ بن اسلم ؓ
۹۹۔ ابوالہیثم بن التیہان ؓ
۱۰۰۔ عبید بن التیہان ؓ
۱۰۱۔ عبداللہ بن سہل ؓ
۱۰۲۔ قتادہ بن النعمان ؓ
۱۰۳۔ عبید بن اوس ؓ
۱۰۴۔ نصر بن الحارث ؓ
۱۰۵۔ معتب بن عبید ؓ
۱۰۶۔ عبداللہ بن طارق ؓ
۱۰۷۔ مسعود بن سعد ؓ
۱۰۸۔ ابوعبس بن جبیر ؓ
۱۰۹۔ ابو بردہ ہانی بن نیار ؓ
۱۱۰۔ عاصم بن ثابت ؓ
۱۱۱۔ معتب بن قشیر ؓ
۱۱۲۔ عمرو بن معبد ؓ
۱۱۳۔ سہل بن حنیف ؓ
۱۱۴۔ مبشر بن عبدالمنذر ؓ
۱۱۵۔ سعد بن عبید بن النعمان ؓ
۱۱۶۔ سعد بن عبید النعمان ؓ
۱۱۷۔ عویم بن ساعدہ ؓ

۱۱۸۔ رافع بن عنجدہ ؓ
۱۱۹۔ عبید بن ابی عبید ؓ
۱۲۰۔ ثعلبہ بن حاطب ؓ
۱۲۱۔ ابولبابہ بن عبدالمنذر ؓ
۱۲۲۔ حارث بن حاطب ؓ
۱۲۳۔ حاطب بن عمرو ؓ
۱۲۴۔ عاصم بن عدی ؓ
۱۲۵۔ انیس بن قتادہ ؓ
۱۲۶۔ معن بن عدی ؓ
۱۲۷۔ ثابت بن اقرم ؓ
۱۲۸۔ عبداللہ بن سلمہ ؓ
۱۲۹۔ زید بن اسلم ؓ
۱۳۰۔ ربعی بن رافع ؓ
۱۳۱۔ عبداللہ بن جبیر ؓ
۱۳۲۔ عاصم بن قیس ؓ
۱۳۳۔ ابوضیاح بن ثابت ؓ
۱۳۴۔ ابوحنۃ بن ثابت ؓ
۱۳۵۔ سالم بن عمیر ؓ
۱۳۶۔ حارث بن النعمان ؓ
۱۳۷۔ خوات بن جبیر بن النعمان ؓ
۱۳۸۔ منذر محمد ؓ
۱۳۹۔ ابوعقیل بن عبداللہ ؓ
۱۴۰۔ سعد بن خیثمہ ؓ
۱۴۱۔ منذر بن قدامۃ ؓ
۱۴۲۔ مالک بن قدامۃ ؓ
۱۴۳۔ حارث بن عرفجہ ؓ
۱۴۴۔ تمیم مولی سعد بن خیثمہ ؓ
۱۴۵۔ جبر بن عتیک ؓ
۱۴۶۔ مالک بن نمیلہ ؓ
۱۴۷۔ نعمان بن عصر ؓ
۱۴۸۔ خارجۃ بن زید ؓ
۱۴۹۔ سعد بن ربیع ؓ
۱۵۰۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ
۱۵۱۔ خلاد بن سوید ؓ
۱۵۲۔ بشیر بن سعد ؓ
۱۵۳۔ سماک بن سعد ؓ
۱۵۴۔ سبیع بن قیس ؓ
۱۵۵۔ عباد بن قیس ؓ
۱۵۶۔ عبداللہ بن عبس ؓ
۱۵۷۔ یزید بن حارث ؓ
۱۵۸۔ خبیب بن اساف ؓ
۱۵۹۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ ؓ
۱۶۰۔ حریث بن زید بن ثعلبہ ؓ
۱۶۱۔ سفیان بن بشر ؓ
۱۶۲۔ تمیم بن یعار ؓ
۱۶۳۔ عبداللہ بن عمر ؓ
۱۶۴۔ زید بن المزین ؓ
۱۶۵۔ عبداللہ بن عرفطہ ؓ
۱۶۶۔ عبداللہ بن ربیع ؓ
۱۶۷۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ؓ

۱۶۸۔اوس بن خولیؓ
۱۶۹۔زید بن ودیعہؓ
۱۷۰۔عقبہ بن وہبؓ
۱۷۱۔رفاعہ بن عمروؓ
۱۷۲۔عامر بن سلمہؓ
۱۷۳۔معبد بن عبادؓ
۱۷۴۔عامر بن البکیرؓ
۱۷۵۔نوفل بن عبداللہؓ
۱۷۶۔عبادہ بن الصامتؓ
۱۷۷۔اوس بن الصامتؓ
۱۷۸۔نعمان بن مالکؓ
۱۷۹۔ثابت بن ہزالؓ
۱۸۰۔مالک بن دخشمؓ
۱۸۱۔ربیع بن ایاسؓ
۱۸۲۔ورقہ بن ایاسؓ
۱۸۳۔عمرو بن ایاسؓ
۱۸۴۔مجذر بن زیادؓ
۱۸۵۔عباد بن خشخاشؓ
۱۸۶۔نحاب بن ثعلبہؓ
۱۸۷۔عبداللہ بن ثعلبہؓ
۱۸۸۔عتبہ بن ربیعہؓ
۱۸۹۔ابودجانہ سماک بن خرشہؓ
۱۹۰۔منذر بن عمروؓ
۱۹۱۔ابواسید مالک بن ربیعہؓ
۱۹۲۔مالک بن مسعودؓ
۱۹۳۔عبدربہ بن حقؓ
۱۹۴۔کعب بن جمازؓ
۱۹۵۔ضمرۃ بن عمروؓ
۱۹۶۔زیاد بن عمروؓ
۱۹۷۔بسبس بن عمروؓ
۱۹۸۔عبداللہ بن عامرؓ
۱۹۹۔قراش بن صمہؓ
۲۰۰۔حباب بن منذرؓ
۲۰۱۔عمیر بن الحمامؓ
۲۰۲۔تمیم مولیٰ خراشؓ
۲۰۳۔عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ
۲۰۴۔معاذ بن عمرو بن الجموحؓ
۲۰۵۔معوذ بن عمرو بن الجموحؓ
۲۰۶۔خلاد بن عمرو بن الجموحؓ
۲۰۷۔عقبہ بن عامرؓ
۲۰۸۔حبیب بن اسودؓ
۲۰۹۔ثابت بن ثعلبہؓ
۲۱۰۔عمیر بن الحارثؓ
۲۱۱۔بشر بن البراءؓ
۲۱۲۔طفیل بن مالکؓ
۲۱۳۔طفیل بن النعمانؓ
۲۱۴۔سنان بن صیفیؓ
۲۱۵۔عبداللہ بن جذ بن قیسؓ
۲۱۶۔عتبہ بن عبداللہؓ
۲۱۷۔جبار بن صخرؓ

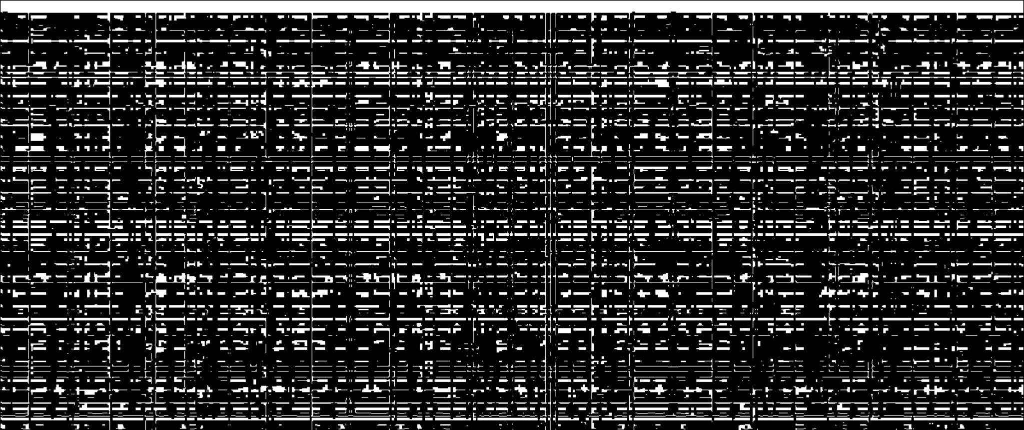
۲۱۸۔ خارجہ بن حمیر ؓ
۲۱۹۔ عبداللہ بن حمیر ؓ
۲۲۰۔ یزید بن المنذر ؓ
۲۲۱۔ معقل بن المنذر ؓ
۲۲۲۔ عبداللہ بن النعمان ؓ
۲۲۳۔ ضحاک بن حارثہ ؓ
۲۲۴۔ سعاد بن زریق ؓ
۲۲۵۔ معبد بن قیس ؓ
۲۲۶۔ عبداللہ بن قیس ؓ
۲۲۷۔ عبداللہ بن مناف ؓ
۲۲۸۔ جابر بن عبداللہ بن ریاب ؓ
۲۲۹۔ خلید بن قیس ؓ
۲۳۰۔ نعمان بن سنان ؓ
۲۳۱۔ ابوالمنذر یزید بن عامر ؓ
۲۳۲۔ سلیم بن عمرو ؓ
۲۳۳۔ قطبہ بن عامر ؓ
۲۳۴۔ عنترہ مولی سلیم بن عمرو ؓ
۲۳۵۔ عبس بن عامر ؓ
۲۳۶۔ ثعلبہ بن غنمہ ؓ
۲۳۷۔ ابوالیسر کعب بن عمرو ؓ
۲۳۸۔ سہل بن قیس ؓ
۲۳۹۔ عمرو بن طلق ؓ
۲۴۰۔ معاذ بن جبل ؓ
۲۴۱۔ قیس بن محصن ؓ
۲۴۲۔ حارث بن قیس ؓ
۲۴۳۔ جبیر بن ایاس ؓ
۲۴۴۔ سعد بن عثمان ؓ
۲۴۵۔ عقبہ بن عثمان ؓ
۲۴۶۔ ذکوان بن عبد قیس ؓ
۲۴۷۔ مسعود بن خلدہ ؓ
۲۴۸۔ عباد بن قیس ؓ
۲۴۹۔ اسعد بن یزید ؓ
۲۵۰۔ فاکہ بن بشیر ؓ
۲۵۱۔ معاذ بن ماعص ؓ
۲۵۲۔ عائذ بن ماعص ؓ
۲۵۳۔ مسعود بن سعد ؓ
۲۵۴۔ رفاعہ بن رافع ؓ
۲۵۵۔ خلاد بن رافع ؓ
۲۵۶۔ عبید بن زید ؓ
۲۵۷۔ زیاد بن لبید ؓ
۲۵۸۔ فروہ بن عمرو ؓ
۲۵۹۔ خالد بن قیس ؓ
۲۶۰۔ جبلہ بن ثعلبہ ؓ
۲۶۱۔ عطیہ بن نویرہ ؓ
۲۶۲۔ خلیفہ بن عدی ؓ
۲۶۳۔ عمارۃ خرم ؓ
۲۶۴۔ سراقہ بن کعب ؓ
۲۶۵۔ حارثہ بن النعمان ؓ
۲۶۶۔ سلیم بن قیس ؓ
۲۶۷۔ سہیل بن قیس ؓ

۲۶۸۔عدی بن زغبار رضی اللہ عنہ
۲۶۹۔مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ
۲۷۰۔ابوخزیمہ بن اوس رضی اللہ عنہ
۲۷۱۔رافع بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۲۔عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۳۔معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۴۔معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۷۵۔نعمان بن عمر رضی اللہ عنہ
۲۷۶۔عامر بن مخلد رضی اللہ عنہ
۲۷۷۔عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۷۸۔عصیمہ اشجعی رضی اللہ عنہ
۲۷۹۔ودیقہ بن عمر رضی اللہ عنہ
۲۸۰۔ابوالحمراء مولیٰ حارث بن عفراء رضی اللہ عنہ
۲۸۱۔ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۸۲۔سہیل بن عتیک رضی اللہ عنہ
۲۸۳۔حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
۲۸۴۔ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۲۸۵۔انس بن معاذ رضی اللہ عنہ
۲۸۶۔اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۸۷۔ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۸۸۔ابوطلحہ زید بن سھل رضی اللہ عنہ
۲۸۹۔حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۲۹۰۔عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۲۹۱۔سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۹۲۔ابوسلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۹۳۔ثابت بن خنساء رضی اللہ عنہ
۲۹۴۔عامر بن امیہ رضی اللہ عنہ
۲۹۵۔محرز بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۹۶۔سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ
۲۹۷۔ابوزید قیس بن سکن رضی اللہ عنہ
۲۹۸۔ابوالاعور بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۹۹۔سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ
۳۰۰۔حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ
۳۰۱۔قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ
۳۰۲۔عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۳۰۳۔عصیمہ اسدی رضی اللہ عنہ
۳۰۴۔ابوداؤد عمیر بن عامر رضی اللہ عنہ
۳۰۵۔سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۰۶۔قیس بن مخلد رضی اللہ عنہ
۳۰۷۔نعمان بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ
۳۰۸۔ضحاک بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ
۳۰۹۔سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ
۳۱۰۔جابر بن خالد رضی اللہ عنہ
۳۱۱۔سعد بن سہیل رضی اللہ عنہ
۳۱۲۔کعب بن زید رضی اللہ عنہ
۳۱۳۔بجیرہ بن ابی بجیرہ رضی اللہ عنہ
۳۱۴۔عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۳۱۵۔ملیل بن دبرہ رضی اللہ عنہ
۳۱۶۔عصمہ بن الحصین رضی اللہ عنہ
۳۱۷۔بلال بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ (۱۱)

حوالہ جات

(۱)　فتح الباری: ص: ۲۳۰۔
(۲)　مظاہر حق حصہ پنجم قسط ہشتم، ص: ۱۹، سیرت مصطفیٰ: ۱/۶۰۶۔
(۳)　طبرانی، بیہقی۔
(۴)　بیہقی۔
(۵)　زرقانی: ۱/۴۰۹، سیرت مصطفیٰ: ۱/۶۰۸۔
(۶)　مختصر تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۱۶۔
(۷)　بخاری شریف باب فضل من شہد بدراً، ح: ۳۹۸۳۔
(۸)　باب شہود الملائکۃ بدراً۔
(۹)　مسند احمد، ح: ۲۷۰۴۲۔
(۱۰)　مختصر تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۱۶۔
(۱۱)　سیرت المصطفیٰ: ۲/۱۳۶ تا ۱۴۵۔


صحابہ رضی اللہ عنہم اور دعوتِ دین



مولانا محمد عبدالقوی حسامی ☆

عہدِ صحابہؓ کے مشہور داعی

آندھراپردیش کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حیدرآباد کی جانب سے ''عظمتِ صحابہ کانفرنس'' منعقد کرنے کا فیصلہ قابل تحسین وموجبِ تائید ہے، اس عاجز کو ''عہدِ صحابہ کے مشہور داعی'' کے عنوان پر کچھ لکھنے کا ذمہ داروں کی جانب سے حکم ملا ہے، صحابہ کرامؓ تاریخ اسلام کی وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ ان کی نسبت سے کوئی بھی خدمت بذاتِ خود ایک مبارک کام ہے مگر مصروفیات کی زیادتی اور علم کی کم مائیگی کی وجہ سے موضوعاتی مضامین کے لکھنے سے اس عاجز کی طبیعت بہت گھبراتی ہے، برادرم مولانا سعید الظفر زید مجدہٗ کی مسلسل یاددہانی سے شرمندہ ہوکر چند سطریں لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں، حق تعالیٰ مدد فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین

''صحابہ'' صاحب کی جمع ہے، لغتاً ساتھی اور صحبت یافتہ کو کہتے ہیں، شرعی اصطلاح میں جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کی صحبت پائی یا حالتِ بیداری میں ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا وہ صحابی ہے۔ اندازہ ہے کہ اس امت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار سعادت مندوں کو یہ شرفِ صحابیت حاصل ہوا ہے۔ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی کریم ا کی خوشنودی کے مستحق قرار پائے، ان کے بارے میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کا وعدہ بلا استثنٰی قرآن مجید میں نازل کر کے قیامت تک کے لیے محفوظ فرمادیا گیا ہے۔ ان کے درمیان مراتب ومقامات کا اگرچہ فرق ہے، بعض بعض سے بڑھ کر قرب وشرف رکھتے ہیں۔ لیکن سب کے سب مخلِص اور مخلَص ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کی عظمت ورفعت کا کیا کہنا؟

''دعوت'' لغت میں بُلانے اور اپنی جانب متوجہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں اپنے قول وعمل سے اسلام کی طرف لوگوں کو مائل اور متوجہ کرنے کو دعوت کہا جاتا ہے، دعوت نہایت ہی مبارک عمل اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کا وظیفۂ حیات اور فریضۂ نبوت ہے۔ نبی کریم ا کے بارے میں ارشاد ہے ''اس سے اچھی کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی اچھے کام کرے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اچھا اور قیمتی عمل ''دعوت الی اللہ'' ہے۔ دعوت کے اسباب وذرائع مختلف ہیں، مثلاً انفرادی ملاقاتوں میں تفہیم وتذکیر، اجتماعی مواعظ وتقریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ترغیب وترہیب اور جہاد

☆ ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

فی سبیل اللہ وغیرہ، دعوت کا عمل دعوت کے علاوہ دوسرے ناموں سے بھی کتاب وسنت میں موسوم کیا گیا ہے، مثلاً ارشاد و تبلیغ، تذکیر، نصیحت، وعظ، انذار اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب نبی کریم ا کے اعوان وانصار تھے، اور نبی کریم ا کا کام ہی دعوت الی اللہ تھا تو صحابہ کرامؓ کا کام دعوت کے علاوہ کیا ہوسکتا تھا؟ بالخصوص جب کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فلیبلغ الشاھد الغائب کا صریح امر فرمادیا تھا؛ اس لیے سب سے پہلے یہ طئے کرلینا چاہیے کہ تمام صحابہ کرامؓ ہر وقت اور ہر آن اپنے قول وعمل سے دین کے داعی اور اسلام کے مبلغ تھے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لے آئے تو فوراً دعوتِ اسلام کا کام شروع کردیا، اپنے احباب اور خاص خاص اصحاب کے پاس جاتے، بڑی حکمتِ عملی سے اور موثر طریقے پر انہیں عقیدۂ توحید ورسالت کی اہمیت سمجھا کر اسلام کی طرف مائل کرلیتے تھے، جب ان کا ذہن بن جاتا تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے اور آپ سے بیعت کروادیتے، سابقین اولین میں بہت سے لوگ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت سے اسلام میں داخل ہوئے، حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبید اللہ وغیرہ اجلۂ صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت ہی سے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ پھر یہ سب لوگ بھی اسی کام میں لگ گئے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کو خیال ہوا کہ اب ہماری تعداد پینتیس چالیس تک پہونچ گئی ہے لہٰذا ہمیں کھلے عام اسلام کی دعوت دینی چاہیے، انہوں نے حرم شریف میں پہونچ کر لوگوں کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دی، لوگ ان پر جھپٹ پڑے اور مار مار کر ادھ مرا کردیا، اس حال میں جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ حضور ﷺ کے دیدار کے لیے دارِ ارقم پہونچے تو اس حال میں اور اس وقت بھی انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہی درخواست کی کہ آپ میری والدہ کے لیے ہدایت کی دعا بھی کیجئے اور ان کو اسلام کی دعوت دیجئے، چنانچہ آپؐ نے دعوت دی تو ان کی والدہ ام خیر نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو جب آپ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی اور وہ مکہ مکرمہ پہونچے تو حضرت علیؓ نے ان کی ذہن سازی کی اور حضور اکرم ﷺ سے براہِ راست ملاقات کروائی، جب انہوں نے آپ کی باتیں سنیں تو اسلام لے آئے، پھر آپؐ کے حکم سے وطن واپس ہوگئے، وہاں انہوں نے اپنے قبیلے والوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کیا، تو آدھا قبیلہ تو اسی وقت ان کی دعوت سے مشرف بہ اسلام ہوگیا، بقیہ آدھا بھی ہجرت کے بعد اسلام میں داخل ہوگیا۔

حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ نے مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور مسلمان ہوگئے، پھر آپ سے تائید الٰہی کی دعا کرواکے اپنے وطن واپس گئے، وہاں جاکر سب سے پہلے اپنے والد کو دعوت دی وہ مسلمان ہوگئے، پھر اہلیہ کو اسلام کے بارے میں سمجھایا وہ بھی مسلمان ہوگئیں، اپنی قوم کو دعوت دی تو وہ لوگ آمادہ نہیں ہوئے۔ واپس مکہ مکرمہ آکر نبی کریم ﷺ سے اپنی قوم کے لیے خصوصی دعا کروائی، پھر وطن جاکر مسلسل کوشش کرتے رہے تا آنکہ غزوۂ خندق کے بعد جب وہ حضور اکرم ﷺ سے ملنے کے لیے مدینہ منورہ آئے تو ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ستر سے زائد خاندان بھی آئے جو سب کے سب مسلمان تھے۔

حضرت عمرؓ نے بھی جب اسلام قبول کیا تو ہر خطرہ مول کر اسلام کی دعوت کا کام کیا، بلکہ علی الاعلان کیا۔ ایک دفعہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اسلام سے قبل میری جس جس بیٹھک میں رسائی تھی اور جہاں جہاں میں جایا کرتا تھا ان تمام مجالس ومحافل میں میں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور حق کا پیغام پہونچا دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو بھی اپنے ایمان کے اعلان کے بعد اپنی قوم سے بہت مزاحمت کرنی پڑی، لیکن وہ نہ ان لوگوں سے گھبرائے اور نہ ہی پیچھے ہٹے، بعد میں بھی وہ ہمیشہ اسلام اور اعمال اسلام کی دعوت دیتے رہے، اور اپنے دورِ خلافت میں تو امت کو اس پر مضبوطی سے جمائے رکھا۔

حضرت ابوہریرہؓ اسلامی تعلیمات اور نبوی ہدایات کی طرف دعوت اور تبلیغ کا فریضہ درس وتدریس کے ذریعہ انجام دیتے تھے، وہ صحابۂ کرام کی جماعت میں حدیث کی حفاظت واشاعت میں دوسروں سے بہت ممتاز تھے۔

حضرت نعمان بن مُقرن نے کسریٰ کے دربار میں فریضۂ دعوت ادا کرتے ہوئے صاف لفظوں میں اس سے کہہ دیا تھا کہ یا تو تم لوگ ہمارے نبی کی دعوت وتعلیم کو قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ، یا پھر جزیہ ادا کر کے ہماری حکومت کے تحت ہو جاؤ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر ہمارے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ وقت کے ایک عظیم بادشاہ کے سامنے اور بھرے دربار میں اس طرح دوٹوک اور فیصلہ کن دعوت دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ کو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے جب رستم کے دربار میں بھیجا تو انہوں نے بھی بڑی بیباکی سے اسے اسلام کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ ہم اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی پر ڈال دیں، جو اس دعوت کو قبول کرلے گا ہم اس کو گلے لگائینگے اور جو انکار کردے گا تو ہم اس سے جہاد کرینگے، خواہ ہم غالب ہو کر نظام الٰہی کو نافذ کرلیں یا مغلوب ومقتول ہو کر جنت میں اپنا ٹھکانہ بنالیں۔'' ان کی اس بیباکانہ اور دوٹوک دعوت سے بادشاہ سمیت پورا دربار حیران رہ گیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کو نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کو دعوتِ اسلام کی ذمہ داری دے کر بھیجا تھا، انہوں نے مدینہ منورہ میں اسعد بن زرارہؓ کے گھر قیام کر کے اہل مدینہ کی ہدایت کے لیے مسلسل جدوجہد کی اور انصار کی بڑی آبادی کو آپ ﷺ کی ہجرت سے قبل ہی داخل اسلام کرلیا۔ حضرت اُسید بن حُضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما جیسی انصار کی اہم شخصیات ان ہی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ کے دعاۃِ اسلام میں خود ان لوگوں کا ایک نمایاں مقام ہے کہ ان لوگوں کی حق پسندی، حق پذیری اور حق پروری کے جذبے نے ایک ہی دن میں قبیلۂ بنی عبدالاشہل کے ہر گھر کو اور ہر گھر کے ہر فرد کو اسلام میں داخل کروالیا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے مردوں کی طرح ان کی عورتوں میں بھی جذبۂ دعوت اور ولولۂ تبلیغ موجود تھا، صرف ایک واقعہ کی طرف خواتین صحابہ کے اس جذبے کو سمجھنے کے لیے اشارہ کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت ام سُلیمؓ کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے جواب میں کہلوایا ''اگرچہ آپ جیسے شریف وسلیم آدمی کا پیغام نکاح ٹھکرانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں مگر بات دراصل یہ ہے کہ آپ کافر ہیں اور میں مسلمان ہوں، اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو میں آپ کے اسلام کو اپنا مہر سمجھ لوں گی، پھر اس کے بعد کسی

اور چیز کا آپ سے کبھی مطالبہ نہ کروں گی'' حضرت ابوطلحہؓ ان کی اس حکیمانہ دعوت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ایمان لے آئے۔

صحابہ کرامؓ کے جذبۂ دعوت وتبلیغ سے متعلق یہ چند واقعات ہیں جو ادنیٰ تأمل سے دورانِ تحریر ذہن میں آ گئے، ورنہ اس موضوع پر اگر تھوڑی تحقیق وتدقیق سے کام لینے کا موقع مل سکتا تو سینکڑوں حیرت انگیز واقعات اور سبق آموز نکات سامنے آ گئے تھے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت ہی کچھ اس طرح ہوئی تھی کہ ان کے قول وفعل سے لے کر رفتار وگفتار تک اور حرکت وعمل سے لے کر سکوت وسکون تک ہر ادا سراپا دعوت بن گئی تھی۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے ہمیں ان کے مقام ومرتبہ کی صحیح معرفت حاصل کرنے اور ان کی رفعت وعظمت کا پورا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

پروفیسر محمد اکرم ورک

نبوی سفراء کی دعوتی سرگرمیاں

اسلام تمام انسانیت کا دین ہے جس کے مخاطب پوری دنیا کے انسان ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاورسل اس دنیا میں تشریف لائے، ان کی رسالت خاص تھی اور ان کی نبوت اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی، اس کی دلیل تحریف شدہ بائبل کے اندراج بھی موجود ہے، مثلاً ایک عورت نے جب حضرت مسیحؑ سے برکت چاہی تو آپؑ نے فرمایا:

''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا''۔(۱)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ نقیب مقرر فرمائے اور ان کو مختلف علاقوں کی طرف دعوت وتبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو بطور خاص ان کو تلقین فرمائی:

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''۔(۲)

یہ امتیاز صرف رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے کہ آپ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لیے ہوئی، قرآن مجید اور کتب احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے،(۳) چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اطمینان نصیب ہوا اور مشرکین مکہ سے محاذ آرائی کا سلسلہ وقتی طور پر بند ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی آفاقی دعوت کو اطراف واکناف عالم میں پھیلانے کا فیصلہ کیا، ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے، صحابہ کرامؓ جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''انی بعثت رحمة و كافّة فأدوا عني يرحمكم الله ولا تختلفوا على كاختلاف الحواريين على عيسىٰ بن مريم قالوا:''يا رسول الله صلى الله عليه وسلم وكيف كان اختلافهم'' قال صلى الله عليه وسلم:''دعا الى مثل مادعوتكم اليه فاما من قرب به فأحب وسلم وأما من بعد به فكره وأبى، فشكا ذالك منهم عيسىٰؑ الى الله فاصبحوا من ليلتهم تلك وكل رجل منهم يتكلم بلغة القوم

الذین بعث الیھم فقال عیسیٰ ھذا امر قد عزم اللّٰہ لکم علیہ فامضوا(۴)

''میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، تم میری دعوت کو تمام دنیا میں پھیلاؤ اور میرے بارے میں ایسا اختلاف نہ کرو جیسا کہ حواریوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا تھا، صحابہؓ نے عرض کیا: انہوں نے کیا اختلاف کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰؑ نے ان کو وہی دعوت دی تھی جو میں نے تم کو دی ہے، جو قریب تھے انہوں نے اس دعوت کو پسند کر کے قبول کرلیا اور جو دور تھے، انہوں نے ناپسند کیا اور اسے مسترد کردیا، عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی (اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ) اس رات سے ان میں ہر شخص صرف وہ زبان بولنے لگا جس کے پاس وہ دعوتِ دین کے لیے بھیجا گیا تھا، اس پر عیسیٰؑ نے فرمایا: اب تو اللہ یہی فیصلہ تمہارے متعلق کر چکا ہے، اسی پر عمل کرو''۔

ابن سعد کی روایت ہے: صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء ان لوگوں کی زبان بولنے لگے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا، (۵) یہ معجزاتی واقعہ حضرت مسیح کے حواریوں کے ساتھ پیش آیا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء کے ساتھ یا دونوں ہی کی اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس سلسلہ میں مدد کی ہو، اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ کسی سے اس کی زبان میں خطاب کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی اور صحابہ کرامؓ نے یہ زبانیں سیکھیں۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم باری تعالیٰ: '' یَـٰٓأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ''(٦) (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے، اس کو پہنچادو) کی تکمیل کرتے ہوئے مختلف سفراء کو خطوط دے کر شاہانِ عالم کے پاس بھیجا، تا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے آخری دین کی طرف بلائیں، اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیع دینی معلومات اور سفارت کاری کا تجربہ رکھنے والے افراد کا انتخاب فرمایا، نبوی پیغامات اور دعوتی خطوط کا مطلوبہ افراد تک پہنچانا اگر چہ بذات خود ایک دعوتی وتبلیغی عمل ہے اور اگر اس حوالے سے مآخذ کا مطالعہ کیا جائے تو نبوی سفراء کی تعداد کسی طرح بھی چالیس سے کم نہیں بنتی، تاہم سطور ذیل میں صرف ان سفراء کا ذکر کیا جارہا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات اور دعوتی خطوط سے ہٹ کر اپنے قول وفعل اور عمل سے بھی لوگوں کو متاثر کیا اور اسلام کی طرف بلایا۔

عمروؓ بن امیہ الضمری / رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ شاہِ حبش کے نام:

محرم ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبش کے نام ایک دعوتی مکتوب ارسال فرمایا، بارگاہ رسالت کے سفیر عمروؓ بن امیہ الضمری جب شاہ حبش کے دربار میں پہنچے تو مکتوب گرامی نجاشی کی خدمت میں پیش کیا اور حسب ذیل اثر انگیز تقریر کی:

''شاہ ذی جاہ! میرے ذمہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمہ حق کی سماعت، کچھ عرصہ سے ہم پر آپ کی شفقت ومحبت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں، ہمیں آپ کی ذات پر اس قدر اطمینان ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیحدہ نہیں سمجھتے، حضرت آدمؑ کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجت قطعی ہے، جس قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے حضرت آدمؑ کو بغیر والدین کے پیدا کردیا، اسی نے حضرت عیسی کو بغیر باپ کے بطن مادر سے پیدا کیا ہے، ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل سب سے بڑی شہادت ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خیر وبرکت کا ورود اور فضیلت وبزرگی کا حصول ہے۔

شاہ عالی جاہ! اگر آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کیا تو اس نبی امی کا انکار آپ کے لیے وبال جان ہوگا جس طرح عیسیؑ کا انکار یہودیوں کے حق میں وبالِ جان ثابت ہوا، میری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے ہے، دوسروں سے نہیں، آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اجر وثواب کا خیال رکھیں گے''۔

کچھ عرصہ قبل حضرت جعفر طیارؓ کی معجز بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا، نبوی قاصد کی اس پُر اثر تقریر نے اس کے سینے میں اسلام کو راسخ کردیا، چنانچہ نجاشی ان سے مخاطب ہو کر بولا: عمروؓ! بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی برگزیدہ رسول ہیں جن کی آمد کا ہم اور یہود انتظار کر رہے تھے، نجاشی تختِ شاہی سے نیچے اتر آیا، اور نامۂ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا۔(۷)

دحیہ کلبیؓ / رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ قیصر روم کے نام:

قیصر روم کو گرامی نامہ پہنچانے کے لیے دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا، حضرت دحیہؓ نے ہرقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوتی خط اس وقت پیش کیا جب وہ ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دینے کے بعد اظہار تشکر کے طور پر بیت المقدس آیا ہوا تھا، اگرچہ ہرقل پر اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی، تاہم حکومت اور بادشاہت کے لالچ نے اس کو اسلام سے محروم رکھا، لیکن حضرت دحیہؓ کی دعوت پر اسقف ضغاطر نے اسلام قبول کرلیا اور رومیوں کے سامنے، جو گرجے میں جمع تھے، اپنے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد ان کو بھی اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے ان کو حملہ کر کے شہید کردیا، اس افسوس ناک واقعہ کے بعد حضرت دحیہؓ قیصر کی طرف سے ملنے والے تحائف کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے۔(۸)

حاطبؓ بن ابی بلتعہ / مقوقس شاہِ مصر کے نام مکتوبِ گرامی:

بارگاہِ رسالت سے مصر کی سفارت کاری کے لیے حاطبؓ بن ابی بلتعہ مامور ہوئے، وہ مسافت طے کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور مقوقس مصر☆ کے سامنے مکتوب گرامی پیش کیا، ابن الاثیر کی روایت ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطب کو اپنے پاس بلوایا اور ان کے درمیان حسبِ ذیل مکالمہ ہوا:

مقوقس: اخبرنی عن صاحبک ألیس ھو نبیاً؟
''مجھ سے اپنے صاحب کے بارے میں بیان کرو، کیا وہ نبی نہیں ہیں؟''
حاطبؓ: بلیٰ! ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.
''ہاں! بیشک وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''
مقوقس: فمالہ لم یدع علی قومہ حیث اخرجوہ من بلدتہ؟
''پھر انہوں نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کی جب ان کی قوم نے ان کو ان کے شہر سے نکالا؟''
حاطبؓ: فعیسی ابن مریم! أتشھد انہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمالہ حیث اراد قومہ صلبہ لم یدع علیھم حتی رفعہ اللّٰہ؟
''عیسیٰ ابن مریم کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول تھے، پھر جب ان کو ان کی قوم نے سولی دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کیوں نہ انہیں بددعا دی، یہاں تک کہ ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا؟''
مقوقس: احسنت! انت حکیم جاء من عند حکیم.
''تم نے اچھا جواب دیا، تم ایک دانا آدمی ہو اور ایک دانا آدمی کے پاس سے آئے ہو۔''(۹)

ابن قیمؒ نے اس کے علاوہ مقوقس اور حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے درمیان ہونے والے ایک اور مکالمہ کا بھی ذکر کیا ہے، حاطبؓ جب مقوقس کے دربار میں پہنچے تو حسب ذیل مکالمہ ہوا:

حاطبؓ: ''(اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) گزرا ہے جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا، اللہ نے اسے آخر و اول کے لیے عبرت بنادیا، پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے انتقام لیا، پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا لھذا دوسروں سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں''۔

مقوقس: ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے''۔

حاطبؓ: ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالی نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلہ کافی بنادیا ہے، دیکھو! اسی نبیؐ نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے، یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے، میری عمر کی قسم! جس طرح موسیٰؑ نے عیسیٰ کے لیے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ

نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو، جو نبی جس قوم کو پا جاتا ہے، وہ قوم اس کی امت ہو جاتی ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے، اور تم نے اس نبی کا عہد پا لیا ہے، اور پھر ہم تمہیں دینِ مسیح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں''۔

مقوقس: میں نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے، وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں نہ جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے ہیں اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں، میں مزید غور کروں گا''۔(۱۰)

عبداللہؓ بن حذافہ سہمی رنامۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاہِ فارس کے نام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد عبداللہؓ بن حذافہ سہمی جب فارس پہنچے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی مکتوب شاہِ فارس خسرو پرویز کے سامنے پیش کیا، (۱۱) شاہِ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور صاف گویانہ انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا، پھر طیش میں آ کر نبوی مکتوب کو چاک کر دیا اور غضبناک لہجے میں گرج کر بولا:

یکتب الی هذا وهو عبدی(۱۲)

ہمارے غلام کی یہ جرأت کہ ہمارے نام اس طرح خط لکھا؟

یزید بن ابی حبیب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت کا علم ہوا تو فرمایا:

''اسی طرح اس کی حکومت کے پرزے پرزے ہو جائیں گے''۔

پھر کسریٰ نے والیٔ یمن باذان کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔(۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عبداللہؓ بن حذافہ یہ ساری صورتحال دیکھ رہے تھے چنانچہ وہ نہایت تحمل، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اہلِ دربار سے یوں مخاطب ہوئے:

''اے اہلِ فارس! عرصۂ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی اللہ کا رسول تمہارے یہاں مبعوث ہوا ہے، جس سلطنت پر تمہیں گھمنڈ ہے، وہ خدا کی زمین کا بہت مختصر ٹکڑا ہے، دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں موجود ہیں''۔

اور پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا!

''آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں، ان میں سے جس نے آخرت کو اپنا منتہائے مقصود سمجھا، وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا، اس نے آخرت کے اجر کو ضائع کر دیا، افسوس کہ میں نجات وفلاح کے جس پیغام کو لے کر آیا ہوں، آپ نے اسے حقارت سے دیکھا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے، یادر ہے کہ حق کی آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی''۔(۱۴)

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اہلِ دربار کو یہ تنبیہ کر کے دربار سے چلے آئے۔

شجاعؓ بن وہب الاسدی/رئیس دمشق کے نام گرامی نامہ:

شام کے مشہور اور تاریخی شہر دمشق پر حارث غسانی حکمران تھا، دمشق کی سفارت شجاعؓ بن وہب الاسدی کے سپرد ہوئی، شجاعؓ نے یہ خط منذر کو پڑھ کر سنایا، اس نے نہ صرف قبول اسلام سے انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کا بھی اعلان کیا اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔(۱۵)

ابنِ سعد کی روایت ہے کہ جب شجاعؓ بن وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر دمشق پہنچے تو معلوم ہوا کہ قیصر روم بیت المقدس کی زیارت کے لیے جارہا ہے اس لیے حارث غسانی اس کے انتظام وانصرام میں مصروف ہے، چنانچہ ان فارغ اوقات میں شجاعؓ بن وہب نے اہلِ دربار میں دعوت کے کام کو جاری رکھا اور بالآخران کی کوششوں سے حارث غسانی کے ایک درباری نے اسلام قبول کرلیا۔(۱۶)

علاءؓ بن الحضرمی/منذر بن ساویٰ کے نام مکتوبِ گرامی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خط منذر بن ساویٰ حاکم بحرین کی طرف روانہ فرمایا، سفارت کی ذمہ داری علاءؓ بن الحضرمی نے ادا کی، چنانچہ خود منذر اور اس کی رعایا میں سے بھی کثیر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور بارگاہِ رسالت میں خراج بھیجا، ابنِ حبیب کی روایت ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے حاکم بحرین ہی نے خراج بھیجا تھا۔(۱۷)

عمروؓ بن العاص/شاہِ عمان کے نام خط:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط شاہِ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا، ان دونون کے والد کا نام جلندی تھا ایلچی کی حیثیت سے عمروؓ بن العاص کا انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ انہوں نے عمان پہنچ کر دونوں بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔(۱۸)

ابنِ قیم نے عمروؓ بن العاص اور عبد بن جلندی کے درمیان ہونے والا ایک مکالمہ بھی نقل کیا ہے، جس سے عمروؓ بن العاص کی ان دعوتی کوششوں کا حال معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس طرح بڑی کامیابی سے ان دونوں بھائیوں کو اسلام کا قائل کرلیا، چنانچہ جب عمروؓ وہاں پہنچے تو پہلے عبد سے ملے جو زیادہ دور اندیش اور نرم خو تھا اور پھر دونوں کے درمیان حسبِ ذیل مکالمہ ہوا:

عبد: ''تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟''

عمروؓ: ہم ایک اللہ کی طرف بلاتے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے، اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔

عبد: ''اے عمروؓ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو، بتاؤ، تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ ہمارے لیے اس کا طرزِ عمل لائق اتباع ہوگا''۔

عمروؓ: ''وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے، لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہوتی، میں خود بھی انہیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی''۔

عبد: ''اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟''

عمروؓ: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں، نیکی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ظلم وزیادتی، زناکاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں''۔

عبد: ''یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلاتے ہیں''۔

بالآخر دونوں بھائیوں عبد اور جیفر نے اسلام قبول کرلیا۔(۱۹)

خلاصۂ بحث

نبویؐ سفراء کی ان دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام روے زمین کے بیشتر حکمرانوں اور بادشاہوں تک پہنچ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خطوط اور صحابہ کرامؓ کی سفارت کاری کے نتیجہ میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر اختیار کیا، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اسلام کی طرف مبذول ہوگئی اور ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گئی، صحابہ کرامؓ نے شاہانِ عالم کو دعوت دیتے وقت جو اسلوب اختیار کیا، اس کی چند جھلکیاں مذکور سطور میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے اور آپ کی دعوت ہر قوم، زمانے اور نسل کے لوگوں کے لیے ہے۔

۲۔　داعی اگر مخاطب کے منصب اور مقام ومرتبہ کا پوری طرح لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دے تو

ایسی دعوت زیادہ موثر ہوگی اور مخاطب داعی کی بات کو زیادہ توجہ اور انہماک سے سنے گا، نبویؐ سفراء کا مخاطب کو ''اے بادشاہ'' اور ''شاہِ ذی جاہ'' وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرنا اسی اسلوبِ دعوت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ دعوت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب سے بحث ومباحثہ سے حتی الامکان احتراز کیا جائے لیکن اگر مخاطب بحث پر ہی مصر ہو تو داعی کا فرض ہے کہ وہ دورانِ گفتگو شائستگی کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دے، لہجے کی شائستگی اور دلیل کے ساتھ بات کرنا ایسا اسلوب دعوت ہے جس سے نہ صرف مخاطب کو لاجواب کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو اعترافِ حقیقت پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت حاطبؓ نے مقوقس شاہِ مصر کو مظبوط دلائل سے لاجواب کردیا تو مقوقس نے حضرت حاطبؓ اور ان کی دعوت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

انت حکیم جاء من عند حکیم 	تم دانا ہو اور ایک دانا کے پاس سے آئے ہو۔

۴۔ داعی کا فرض ہے کہ دعوت اور مخاطب کے عقائد وافکار کے درمیان قدر مشترک تلاش کرے اور ان کی درست باتوں کو دعوت کی بنیاد بنائے، اگر اس اسلوبِ دعوت کو اختیار کیا جائے تو مخاطب کو دعوت سے مانوس کرنے میں مدد ملتی ہے اور مخاطب سمجھتا ہے کہ جو دعوت اس کو پیش کی جارہی ہے، وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی اجنبی چیز کو مان لینے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، حضرت حاطبؓ کا مقوقس کو یہ کہنا: ''ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں'' اس اسلوبِ دعوت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

حوالہ جات

(۱) کتاب مقدس، متی، ۱۵:۳۵۔

(۲) ایضاً متی، ۱۰:۶۔

(۳) هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (التوبہ،۹:۳۳) اس موضوع پر چند مزید آیات ملاحظہ ہوں: الفتح،۴۸:۲۸۔النساء،۴:۷۹۔سبا،۳۴:۲۸۔الانبیا،۲۱:۱۰۷۔ الاعراف،۷:۱۵۷۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''وکان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة'' (صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب قولہ تعالیٰ: فلم تجدوا ماءً، ح:۳۳۵،ص:۵۸۔ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً، ح:۴۳۸،ص:۷۶)

(۴) ابن ہشام، خروج رسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک،۴/۲۶۲۔تاریخ الامم والملوک،۳/۸۵۔

(۵) ابن سعد، ذکر بعثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الرسل بکتبہ،۱/۲۵۸۔

(۶) المائدہ:۵/۶۷۔

(۷) ابن سعد، ذکر بعثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الرسل بکتبہ،۱/۲۵۸۔زاد المعاد،۳/۶۹۸۔۶۹۰۔

(۸) تاریخ الامم والملوک،۳/۸۸ (واقعات،۶ھ) اسد الغابہ، تذکرہ ضغاطر،۳/۴۱۔

(۹) اسد الغابہ، تذکرہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ،۱/۳۶۲۔

(۱۰) زاد المعاد:۳/۶۹۱۔۶۹۲۔

(۱۱) تاریخ الامم والملوک،۳/۹۰ (واقعات ۶ھ)

(۱۲) تاریخ الامم والملوک،۳/۹۰ (واقعات،۶ھ)۔

(۱۳) ایضاً۔

(۱۴) الروض الانف:۲/۲۵۳۔

(۱۵) تاریخ الامم والملوک:۳/۸۸ (واقعات،۶ھ)۔

(۱۶) ابن سعد، ذکر بعثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرسل بکتبہ:۱/۲۶۱۔

(۱۷) ابن حبیب، (م ۲۴۵ھ) محمد، ''کتاب المحبر''، نشر الکتب الاسلامیہ، ص:۷۷۔

(۱۸) کتاب المحبر، ص:۷۷۔

(۱۹) زاد المعاد،۳/۶۹۳۔۶۹۵۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ ☆

دستور جماعت اسلامی کی دفعہ نمبر ۶ پر ایک نظر

جماعت اسلامی کے دستور کی دفعہ ۶ کہ ''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں، کسی کی ذہنی غلامی میں'' مبتلا نہ ہو، ساری جماعت کا مسلمہ عقیدہ اور بنیادی اصول ثابت ہوتی ہے،

میں چاہتا ہوں کہ اس دفعہ کے مضمرات کی تنقیح کر دوں تا کہ ان حقائق کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اس دفعہ میں مودودی صاحب نے غیر رسول کو معیار حق بنانے اور اس سے بالاتر سمجھنے سے روکا مگر یہ ممانعت جب ہی درست ہوسکتی ہے کہ شرعاً کوئی غیر رسول معیار حق و باطل نہ بن سکے اور تنقید سے بالاتر نہ ہوا گر شرعی طور پر کوئی معیار ہو اور بن سکتا ہو تو اسے معیار حق مان لینا اور تنقید سے بالاتر سمجھنا کوئی جرم نہیں سکتا، اس لیے اس دفعہ کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق و باطل نہیں ہوسکتا، کوئی تنقید سے بالاتر نہیں ہوسکتا کوئی ذہنی غلامی کا مستحق نہیں ہوسکتا، پھر بھی اگر کسی نے از خود کسی کو معیار حق بنا لیا اور تنقید سے بالاتر سمجھا تو وہ شرعی مجرم اور ایک شرعی گناہ کا مرتکب ہوگا، اس سے ہمارا کلام مودودی صاحب کے اس نظریہ پر ہوگا کہ غیر رسول معیار حق نہیں بن سکتا اور تنقید سے بالاتر نہیں ہوسکتا۔

اگر اس دفعہ ۶ کو اس کے ہمہ گیر عموم کے ساتھ اسی کے عام لفظ میں تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے کہ ''رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق و باطل نہیں، کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں اور کوئی بھی اس کا مستحق نہیں کہ اس کی ذہنی غلامی کی جائے''، تو سوال یہ ہے اگر خود رسول خدا ہی کسی کو معیار حق بنا دیں یا اس کے معیار حق ہونے کی شہادت دیں یا معیار حق ہونے کا ضابطہ بتا دیں کہ اس کی رو سے معیار حق کی تعیین کر لی جایا کرے تو کیا پھر بھی وہ معیار حق نہ بن سکے گا؟ اگر بن سکے گا تو یہ اصول غلط نکلا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق نہ ہو تو خود رسول خدا کا معیار حق ہونا معاذ اللہ باطل ٹھہر جاتا ہے جب کہ رسول خدا کا قول خلاف حق ہوگا۔العیاذ باللہ۔ دونوں صورتوں میں دستور جماعت کی دفعہ ۶ باد رہوا ہو جاتی ہے، ایک صورت میں اس کا منفی پہلو باطل ٹھہرتا ہے کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق نہیں، اور دوسری صورت میں اس کا مثبت پہلو باطل ہو جاتا ہے کہ صرف رسول خدا ہی معیار حق ہیں، اس ضفطہ

☆ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

سے نکلنے کی آسان صورت اس کے سوا دوسری نہیں کہ ہم رسول خدا کے سوا کسی کو بھی بارشاد رسول معیار حق اور نا قابل تنقید تسلیم کرلیں، تا کہ رسول خدا بذات معیار حق رہیں اور غیر رسول بارشاد رسول معیار حق ہیں۔

معیار حق

سوال رہ جاتا ہے تو صرف یہ کہ آیا رسول خدا نے کسی کو معیار حق بنایا بھی ہے یا نہیں؟ اور آیا کسی کو تنقید سے بالاتر ذہنی غلامی فرمایا بھی ہے یا نہیں؟ سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے جن کو نام لے کر معیار حق و باطل قرار دیا ان پر جرح و تنقید سے روکا اور ذہنوں کو ان کی غلامی کے لیے مستعد بنایا وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے، ان کے معیار حق بتانے ہی کے لیے آپ نے نہایت صاف و صریح اور غیر مبہم ہدایت جاری فرمائی، یعنی صحابہ کا معیار حق ہونا قیاسی یا استنباطی نہیں بلکہ منصوص ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک مستقل حدیث ارشاد فرمائی ہے،

عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاصقال قال رسول اللّٰهاتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً كلهم في النار الا واحدة قيل من هم يا رسول اللّٰه قال مأنا عليه وأصحابي.(١)(١)مختصرا عن المشكوة)

"عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: میری امت تہتر ملتوں پر تقسیم ہو جائے گی، سوائے ایک کہ سب جہنم میں ڈالے جائیں گے، پوچھا گیا کہ وہ (مستثنیٰ) کون لوگ ہیں یارسول اللہ تو فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہیں"۔

(۱) اس حدیث میں فرقِ اسلامیہ کی نجات و ہلاک اور بالفاظ دیگران کہ حق و باطل ہونے کا معیار نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے کہ وہ میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ ہے، لیکن اس طریقہ کو شخصیتوں سے الگ کر کے تنہا کو معیار نہیں بتلایا بلکہ اپنی ذات بابرکت اور اپنے صحابہ کی ذوات قدسیہ کی طرف منسوب کر کے معیار بتلایا کہ وہ ان شخصیتوں کے ضمن میں پایا جائے ورنہ بیان معیار میں اس نسبت اور نامزدگی کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ من هم کہ جواب میں مـاأنا عليه کے سیدھی تعبیر یہ تھی کہ مـاجئت به فرمادیا جاتا یعنی معیار حق وہی ہے جسے لے کر میں آیا ہوں یعنی شریعت، لیکن اس شریعت کو شخصیتوں سے الگ کر کے ذکر کرنے کے بجائے شخصیتوں کے انتساب سے ذکر فرمانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ محض کاغذ کے کالے نقوش معیار نہیں، بلکہ وہ ذوات معیار حق ہیں جن میں یہ نقوش وحروف اعمال واحوال بن کر رچ گئے ہیں اور اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اب کوئی بھی ان کی ذوات کو دین سے الگ کر کے اور دین کو ان کی ذوات سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھ سکتا جس کا حاصل یہ نکلا کہ محض لٹریچر معیار حق نہیں بلکہ وہ ذوات معیار حق ہیں جو اس لٹریچر کے حقیقی ظرف بن چکے ہیں۔

"بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم ومايجحدوا باياتنا الا

الظالمون''.

''بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں''۔

پھر اس طریقہ کو شخصیت کی طرف منسوب کرنے کے سلسلہ میں بظاہر ما کے بعد أنا کافی تھا اور یہ فرمادینا بس کرتا تھا کہ نجات وہلاکت کے پہچاننے کا طریقہ میری ذات ہے تاکہ معیار حق صرف رسول خدا کی ذات ثابت ہوتی لیکن آپ نے اپنے ساتھ صحابہ کو بھی شامل فرمایا جس سے واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ فرقوں اور مختلف مکاتب خیال کے حق وباطل کے پرکھنے کا معیار جیسے رسول کی ذات ہے ویسے ہی صحابہ کی ذوات بھی ہیں اور اس لیے رسول خدا کی موجودگی یا عدم موجودگی میں کسی فرقہ اور کسی مکتب خیال کے افراد کو پرکھنے کے لیے یہ دیکھ لینا کافی ہے کہ وہ صحابہ کرام کی راہ کے مطابق چل رہے ہیں یا مخالف سمت میں ہیں، ان کی اطاعت کررہے ہیں یا اس سے گریز کررہے ہیں، ان کے ساتھ حسن ظن کا برتاؤ کررہے ہیں یا سوء ظن اور بے اعتمادی کا؟ کہ یہی شان کسی شے کے معیار ہونے کی ہوتی ہے، جس سے صاف طور پر رسول خدا کے ساتھ صحابہ رسول کا معیار حق ہونا واضح ہوجاتا ہے اور یہ حدیث اس بارہ میں نص صریح ثابت ہوتی ہے جس کا مقصد ہی یہ مدعا ثابت کرنا ہے۔

(۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ جو خود اس حدیث ہی سے نمایاں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اپنے طریق کو بعینہ اپنے صحابہ کا طریق بتلایا ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ان کی راہ چلنا میری راہ چلنا ہے اور ان کی پیروی میری پیروی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول پاک ﷺ کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ:

''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ''.

''جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

اس سے ایک کی اطاعت کو بعینہ دوسرے کی اطاعت بتلانا مقصود ہے جس کے صاف معنی یہی ہوتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کا طریق الگ الگ نہیں جو رسول کا راستہ ہے وہی اللہ کا راستہ ہے، پس اللہ کی اطاعت معلوم کرنے کا معیار یہ ہے کہ رسول کی اطاعت دیکھ لی جائے اگر وہ ہے تو بلاشبہ خدا کی اطاعت بھی ہے ورنہ نہیں۔

وہی صورت یہاں بھی ہے کہ رسول خدا نے صحابہ کی پیروی اطاعت کو بعینہ اپنی پیروی واطاعت قرار دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر رسول کی اطاعت دیکھنی ہو تو صحابہ کی اطاعت دیکھ لی جائے، اگر صحابہ کی متابعت جاری ہے تو رسول خدا کی اطاعت قائم ہے ورنہ نہیں، اس کا حاصل وہی نکلتا ہے کہ رسول اور صحابۂ رسول کے طریقے الگ الگ نہیں ہیں بلکہ جو رسول کا طریقہ ہے وہی بعینہ صحابۂ رسول کا طریقہ ہے، اس لیے جیسے رسول فرقوں کے حق وباطل کا معیار ہیں، ایسے ہی صحابۂ رسول بھی معیار حق وباطل ہیں، جن کو سامنے رکھ کر سب کے حق وباطل کو پرکھا جاسکتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے حضرات صحابہ کی صرف منقبت وفضیلت ہی ثابت نہیں ہوتی نیز محض اُن کی مقتدائیت اور مقبولیت ہی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اُمت کے حق وباطل کے لیے ان کی معیاری شان

ثابت ہوتی ہے کہ وہ خود ہی حق پر نہیں ہیں بلکہ حق کے پرکھنے کی کسوٹی بھی بن چکے ہیں، جن سے دوسروں کا حق و باطل بھی کھل جاتا ہے، پھر یہ بھی کہ ان میں یہ معیار ہونے کی شان محض اُن کی غیر معمولی فضیلت سے بطور رائے و قیاس نہیں مان لی گئی ہے بلکہ اللہ کے رسول نے اپنی ذات کے دوش بدوش ان کے معیار حق و باطل ہونے کی شہادت دی ہے جس سے مختلف مکاتب خیال کے حق و باطل کے پرکھنے کی کسوٹی ثابت ہوئے ہیں، اس لیے اُن کا معیار حق و باطل ہونا قیاسی نہیں بلکہ منصوص ثابت ہوا۔

بالاتر از تنقید

(۳) اور جب رسولِ خدا کے ساتھ صحابۂ رسول پوری امت کے حق و باطل کے پرکھنے کا معیار ثابت ہوئے تو کیا اُمت کو یہ حق پہونچے گا کہ ان پر تنقید کرے، اور گرفتیں کر کے اُن کی خطائیں پکڑنے لگے؟ یا یہ حق خود اُن کا ہوگا کہ امت کے خطا وثواب کا فیصلہ کریں؟ کون نہیں جانتا کہ تنقید کا حق معیار کا ہوتا ہے جو پرکھنے والا ہے نہ کہ محتاج معیار کا جو پرکھوانے والا ہے، آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو اپنے خطا وثواب کو کسی معیار پر جانچنے اور اپنا فیصلہ کرانے چلے ہوں، وہ چلتے چلتے راستہ میں خود ہی معیار بن جائیں اور اپنے اوپر حکم لگوانے کے بجائے معیار ہی پر حکم لگانے کھڑے ہو جائیں؟ اس سے واضح ہے کہ جس طرح نبی کریم امعیار حق و باطل ہونے کی وجہ سے تنقید سے بالاتر ہیں، ایسے ہی آپ کے صحابہ بھی جب کہ آپ نے ان کو بھی حکم میں اپنے ساتھ ملا کر معیار حق و باطل قرار دیا ہے تنقید سے بالاتر ہیں، ورنہ کسی کو معیار حق مان کر اس پر نکتہ چینی کرنا، یعنی خلافِ حق ہونے کا اس کی طرف ایہام کرنا، یا خلاف حق ہونے کا طعنہ دینا، اسے معیار مان کر بھی معیار نہ ماننا ہے جو صریح اجتماع ضدین ہے، اس لیے حضرات صحابہ اگر امت کے فرقوں کے حق و باطل کے فیصلہ کا معیار ہیں اور حسبِ حدیث بالا ضرور ہیں تو وہ یقیناً ان فرقوں کی تنقید سے بالاتر بھی ضرور ہیں، ورنہ ان میں معیار ہونے کی شان قائم نہ رہے گی جس کا قائم رہنا بہ نص حدیث ضروری ہے۔

ذہنی غلامی

(۴) صحابہ کے معیار حق اور بالاتر از تنقید ثابت ہو جانے کے بعد یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ صحابہ کے معیار حق یا حق و باطل کی کسوٹی ہونے کے یہ معنی تو ہو ہی نہیں سکتے کہ جیسے کسوٹی کا پتھر سونے کے کھرے اور کھوٹے ہونے کو نمایاں کر دیتا ہے مگر خود نہ کھرا ہوتا ہے نہ کھوٹا، ایسے ہی حضرات صحابہ بھی بایں معنی معیار حق ہوں گے دوسروں کا معیار حق تو ان سے کھل جائے گا مگر وہ خود معاذ اللہ نہ حق ہوں نہ باطل، کیوں کہ انہیں نبی کریم انے حکم میں اپنے ساتھ ملا کر امت کے لیے معیار حق بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود اللہ کے رسول کے معیارِ حق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ حق و صداقت کا مجسم نمونہ سرتا پا صدق و امانت ہیں، جن میں باطل کی آمیزش کا شائبہ بھی ممکن نہیں، اس لیے صحابہ کی جماعت کے معیارِ حق ہونے کے معنی بھی یہی ہوں گے کہ وہ بھی خالص حق کے پیکر ہوں اور حق و صداقت کا مجسم نمونہ ہوں جس میں باطل کا گذر نہ ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ رسول کریم اور صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کی شان یہ نکلتی ہے کہ اُن کو سامنے رکھ لینے پر حق و باطل میں امتیازِ کامل بھی پیدا ہو جائے اور حق دستیاب بھی ہو جائے

کیوں کہ جب وہ کامل نمونۂ حق ہوئے اور وہی اس امت کے لیے شہیدِ حق بھی ہوئے تو حق پہچانا بھی ان ہی سے جائے گا اور حق دستیاب بھی ان ہی سے ہوگا، بشرطیکہ ان کی پیروی کی جائے، اندریں صورت صحابہ کے معیارِ حق ہونے اور امت کے مختلف الخیال فرقوں کے حق و باطل کی کسوٹی ہونے کے معنی یہ نکل آئے کہ جو فرقہ اُن کی اطاعت کا التزام کرے گا وہی حق پر ہوگا، اور اس کسوٹی پر پورا اُترے گا اور جو اُن سے منحرف ہوکر خلافِ راہ چلے گا وہی باطل پر ہوگا اور اس معیار پر پورا نہ اترے گا اور ظاہر ہے کہ التزام اطاعت کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ان پر جرح وتنقید کرنے کے بجائے ان کی تصویب کی جائے، ان کی خطائیں پکڑنے اور ان پر گرفتیں کرنے کے بجائے ان کی توثیق کی جائے، ان سے بدظنی کے بجائے حسنِ ظن رکھا جائے اور ان پر امور قبیحہ مثلاً جھوٹ وغیرہ کے تہمتیں دھرنے کے بجائے انہیں صادق وامین کہا جائے، اگر ان کے بعد امت کے طبقات کو پیروی کا یہ درجہ بھی حاصل نہ ہو، اور اس اندازہ سے وہ صحابہ کے نمونوں کو سامنے نہ رکھیں تو یقیناً نہ انہیں حق حاصل ہی ہوسکتا ہے اور نہ ان کے دلوں میں حق و باطل میں امتیاز ہی پیدا ہوسکتا ہے، کیوں کہ صحابہ ہی رسول کے بعد اس امت کے مومنین اولین اور امت کے حق میں دین کے مبلغین اولین ہیں، دین کا کوئی حصہ کسی سے پہنچا ہے اور کوئی کسی سے، حدیث رسول کا کوئی ذخیرہ کسی سے دستیاب ہوا ہے، اور کوئی کسی سے، قرآن حکیم کا کوئی ٹکڑا کسی سے ملا ہے اور کوئی کسی سے جن کو جامعین قرآن صحابہ نے جمع فرمایا ہے، تو کسی ایک صحابی کی پیروی سے انحراف یا کسی ایک صحابی پر جرح اور نکتہ چینی درحقیقت دین کے اس ٹکڑے سے انحراف ہوگا جو اس سے روایت ہوکر امت تک پہنچا ہے، اگر راوی مجروح اور ناقابل پیروی ہے تو اس کا روایت کردہ حصہ دین بھی مجروح اور ناقابل اعتبار ہے، اگر معاذ اللہ یہ نکتہ چینی اور جرح اور عدم پیروی ان حضرات کے حق میں یوں ہی جائز رکھی جائے اور وہ سب میں دائر وسائر اور جاری رہے، جس کا ہم سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ رسول خدا کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو، اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو تو دین کا کوئی ایک حصہ بھی غیر مجروح اور معتبر باقی نہیں رہ سکتا اور امت کا کوئی ایک فرد بھی دین دار یا مدعی دین نہیں بن سکتا اس لیے صحابہ پر تنقید کو جائز سمجھنے والے بلکہ اسے ہی اپنے تئیں اصول موضوعہ بنانے والے پہلے اپنے دین کی خبر لیں کہ وہ باقی رہا یا ختم ہوگیا، بہر حال التزام طاعت اور ''ذہنی غلامی'' کا ادنیٰ ترین مرتبہ صحابہ کے ساتھ قلبی حسن ظن اور ان پر جرح وتنقید سے لسانی روک تھام ہے، انہیں خطا کار سمجھ کر اطاعت شعار بننا ممکن نہیں، کیوں کہ خطا کو خطا سمجھ کر اس کی اطاعت نہیں کی جاتی، اس لیے امت میں صرف وہی ایک فرقہ اس حدیث کی رو سے حق پر ہوسکتا ہے جو ہر نہج سے صحابہ کی توثیق وتصدیق اور تصویب وتنزیہہ کے جذبات اپنے اندر لئے ہوئے ہو، اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ مطیع طبقہ یا ''ذہنی غلامی'' کا پیکر طبقہ صرف اہل سنت والجماعت کا ہے جن کا مذہب ہی یہ ہے کہ صحابہ سب کے سب بلا استثناء متفق عدول اور پاکباز ہیں، ان کے ہر فعل کا منشاء پاک، نیتیں راست اور ارادے سچے تھے، وہ جھگڑتے بھی تھے تو ان کے جھگڑوں میں شر نہ ہوتا تھا، اُن کا خلاف بھی ہماری آشتی سے خوش آئند تر تھا ان سب کے نفوس امارہ نہیں بلکہ مطمئنہ تھے، اُن کے قلوب تقویٰ وتقدس کا محور تھے اور جن کا امتحان اللہ نے کرلیا تھا، ان کا نصف جو صدقہ بھی پہاڑ جیسے صدقہ سے افضل تھا، وہ تصنع اور بناوٹ سے بری تھے، ان کا علم گہرا اور نکھرا ہوا تھا، اُن کے مقامات توحید واخلاص سے پوری امت کے توحید واخلاص کو کوئی نسبت نہ تھی اور بقول

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ''امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک کے اوپر کا غبار ہزار عمر بن عبدالعزیز سے افضل تھا کہ معاویہ صحابی تھے اور عمر بن عبدالعزیز تابعی'' (روح المعانی) وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان جذبات کو بطور عقیدہ ذہن میں رکھ لینے کے بعد صحابہ پر جرح وتنقید کا تو کوئی سوال ہی ذہنوں میں نہیں آسکتا، البتہ ''ذہنی غلامی کا سوال'' ضرور پیدا ہوسکتا ہے سو اس منقول دین میں تیں، اولین طبقہ کا آدمی کلیۃً محتاج ہو، روایت میں بھی اور درایت میں بھی، تلاوت میں بھی اور تعلیم وتزکیہ میں بھی، اجمال میں بھی اور تفصیل میں بھی، آخر اس کی ذہنی غلامی نہیں کرے گا تو کرے گا کیا؟ اور جب کہ رسولِ خدا نے انہیں کو امت کے مختلف فرقوں کے حق وباطل کا معیار بھی قرار دے دیا اور معیار ہونے کی شان یہ ہے کہ ان ہی سے حق وباطل ممتاز بھی ہوتا ہے اور اُن ہی سے ملتا ہے تو اس صورت میں بجز ''ذہنی غلامی کے چارہ کار بھی کیا ہے، ورنہ محق ہونے کے بجائے آدمی مبطل ہونا گوارا کرے، روافض وخوارج معتزلہ اور دوسرے ان ہی کے ہم رنگ فرقے مبطل ہی اس لیے قرار پائے کہ انہوں نے صحابہ کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا، اُن کی ذہنی غلامی پر راضی نہ ہوئے اور ان پر طعنہ زنی اور نکتہ چینی سے باز نہ آئے، جس سے صاف لفظوں میں اللہ کے رسول نے روکا تھا، اور فرمادیا تھا کہ میرے صحابہ پر سب وشتم نہ کرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو جس میں نکتہ چینی اور گرفت اور نقد وتبصرہ سب ہی کچھ زیر ممانعت آجاتا ہے، وہ نجوم ہدایت ہیں تو ان سے راہ پائی جائے گی، انہیں راہ دکھائی نہیں جائے گی، ان کی اقتداء کی جائے گی، ان کی غلطیاں پکڑ پکڑ کر ان سے اقتدا کرائی نہیں جائے گی، اس سے واضح ہے کہ جو لوگ اپنے نقد وتبصرہ کا دائرہ ان آباء صالحین تک وسیع کردینا چاہتے ہیں، اور بقول شخصے ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی'' کے ڈھنگ پر ان جرح وتنقید جائز سمجھتے ہیں تو یہی ایک چیز ان کے مسلک کے باطل ہونے اور مخالف اہل سنت والجماعت ہو کر ان کے اعتزال کرلینے کی کافی دلیل ہے اب خواہ وہ کوئی نیا فرقہ بن جائے یا پرانے مبطل فرقوں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر ان ہی کی مقلد ہو، بہرحال وہ اہل حق میں سے نہ ہوگا۔

(۵) کیوں کہ اس حدیث سے یہ بھی نمایاں ہے کہ جب صحابہ معیار حق وباطل ہیں تو ان کی مخالفت ہی سے نیا فرقہ بنے گا، موافقت سے کوئی نیا فرقہ وجود میں نہیں آسکتا بلکہ وہی قدیم ناجی فرقہ برقرار رہتا ہے جو صحابہ کے واسطے سے اپنا روحانی سلسلہ نبی کریم اسے ملائے ہوئے ہے کیوں کہ رسول خدا کے زمانے میں ایک ہی فرقہ تھا جو ناجی تھا اور وہ صحابہ کرام کی جماعت تھی جو برحق بھی تھی اور معیار حق بھی تھی، اس لیے بعد میں جتنے فرقے بنے وہ ان کی مخالف راہ چل کر ہی بنے، اس لیے وہ ناحق قرار پائے کہ معیار حق سے الگ ہوگئے، پس جو لوگ بلا استثناء سارے صحابہ کی عظمت وعقیدت کے ساتھ پیروی کرتے ہیں اور ان پر زبان طعن وتنقید کھولنا جائز نہیں سمجھتے وہ یقیناً فرقہ نہیں بلکہ اصل جماعت ہیں، جن کے عقیدہ وعمل کا سرا سند کے ساتھ قرن اول کی پاکباز جماعت سے ملا ہوا ہے اور وہی اس جماعت کی سنتوں پر عقیدت وعظمت پر جمے ہوئے ہونے کے سبب صحیح معنی میں ''اہل سنت والجماعت'' کہلانے کے مستحق ہیں، البتہ صحابہ کے خلاف کرنے والے اور ان پر جرح وتنقید سے نہ رکنے والے حتی کہ اسے اصول قرار دینے والے درحقیقت بلا جڑ کی نئی نئی شاخیں دین میں نکال کر اور نئے نئے خوشنما روپ کے عنوانوں سے دین کی تعبیریں کرکے اسے صدرُخ دینے والے امت میں تشتت وانتشار پھیلا رہے ہیں اور امت کو دین کے نام پر ضعیف وناتواں بناتے

جارہے ہیں، تو یہی لوگ فی الحقیقت فرقہ میں جماعت نہیں، گو اپنے نام کے ساتھ جماعت کا لفظ پکار پکار کر شامل کرلیں، اولئک الذین سمّا هم اللّٰه۔

بہرحال اس حدیث مذکور سے یہ واضح ہوگیا کہ صحابہ کو معیارِ حق رسولِ خدا نے بنایا اور وہ آپ کے منشاء کے مطابق معیارِ حق ثابت ہوئے جن پر آج تک امت مرحومہ اپنے کھرے اور کھوٹے کو پہچانتی آرہی ہیں، رسول خدا نے اسی لیے ان پر کلی اعتماد فرما کر ان کے طریقے کو اپنا طریقہ اور اپنے طریقہ کو ان کا طریقہ فرمایا اور پوری امت کے لیے انہیں حجت قرار دیا، جس سے قیامت تک امت کے حق و باطل کا فیصلہ ان ہی کے علم وعمل کے معیار سے ہوتا رہے گا۔

اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ ہمیں عموم واطلاق کے ساتھ یہ دعوی کرنا کہ رسولِ خدا کے سوا کوئی معیارحق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہ سب سے پہلے شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح وتنقید کا عملی پروانہ بھی ڈال دینا حدیث رسول کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیارحق ہونے کا اِعادہ ہے جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی جرأت کرلی گئی، گویا جس اصول کو شد اور مد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا، اپنے بارہ میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لیے رسولِ خدا کے سوا خود معیارحق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔

(۶) اِدھر الفاظ حدیث سے یہ واضح ہورہا ہے کہ رسولِ خدا کے سوا ایک دو صحابی ہی معیارِ حق نہیں بنادئے گئے بلکہ اصحابی، جمع کا صیغہ لاکر اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول کے سوا تمام صحابہ معیارحق بن کر واجب الاطاعت ہیں جس کے لیے احادیث میں ایک ایک دو دو چار چار اس سے زیادہ اور پھر پوری جماعت کی اقتداء کے اوامر وارد ہوئے ہیں، کیوں کہ معیار اگر معیار ہو کر بھی واجب الاطاعت نہ بنے تو وہ معیار معیار نہیں رہتا اور جب کہ معیارِ حق ساری جماعتِ صحابہ کو فرمایا گیا تو سارے ہی صحابہ بلا استثناء واجب الاطاعت بھی قرار دئے گئے، ممکن ہے کہ کسی شکی کو شک وشبہ گذرے کہ جب صحابہ کے فروعی مذاہب مختلف رہے اور مسائل میں اختلاف تناقض تک نظر آتا ہے تو لامحالہ ایک کی اطاعت کر کے بقیہ کی اطاعت سے دست برداری ہی دینی پڑے گی ورنہ ضدین کا اجتماع ہوجائے گا جو ناممکن العمل ہے تو پھر سب کی اطاعت و پیروی کہاں رہی اور ممکن ہی کب ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ اگر ایک کی پیروی دوسروں پر طعن وتنقید سے بچ کر اور سب کی عظمت رکھ کر ہو تو وہ سب ہی کی پیروی کہلائے گی، جیسے سلسلۂ نبوت میں عملاً پیروی ایک رسول کی ہوتی ہے مگر معیارحق سب کو سمجھا جاتا ہے، عظمت وتنزیہہ اور تقدیس سب کی یکساں کی جاتی ہے، تنقید وتخطیہ سب کا معصیت سمجھا جاتا ہے تو یہی سارے انبیاء کی پیروی شمار کی جاتی ہے، ورنہ کسی ایک پر بھی زبان طعن یا لسان نقد وتبصرہ کھول کر ہزار کی پیروی بھی پیروی نہیں ہے بلکہ سب کی مخالفت اور بغاوت ہے کیوں کہ خود حضرات صحابہ فروعات میں مختلف رہنے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کی عظمت وتوقیر کو واجب ولازم سمجھتے اور اس کے خلاف کو برداشت نہیں کرسکتے تھے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام شرائع میں مختلف رہ کر ایک دوسرے کی تصدیق اصل ایمان قرار دیتے تھے، پس ایک طعنہ زن اور نکتہ چین جب کہ ان

کے اس قدر مشترک کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو وہ سب کی خلاف ورزی کا مرتکب اور سب کے حق میں باغی ہے، ذیل کے ارشاد میں بھی اس حقیقت پر روشنی بھی ڈال دی گئی ہے کہ:

أصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم.

’’میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے‘‘۔

ایھمکے کے لفظ سے اقتداء تو مطلق رکھی گئی ہے کہ کسی کی بھی کی جائے ہدایت مل جائے گی لیکن نجوم کے لفظ سے نورانی سمجھنا اور ہادی ماننا سب کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ نہیں کہ جس کی پیروی کرو نجم ہدایت اور نور بخش صرف اسی کو سمجھو، اس پیروی کا عمل تو ایک دو تک محدود ہوسکتا ہے، لیکن نورافشانی کا عقیدہ ایک تک محدود نہیں رہ سکتا وہ سب کے لیے ماننا لازمی ہوگا۔

بہر حال صحابہ کا طبقہ تو وہ ہے کہ اس کا نام لے کر حضور نے اسے امت کے مختلف مکاتیب خیال کے فرقوں کے حق و باطل کا معیار قرار دیا ہے تنقید سے بالاتر بتلایا ہے اور ان کی ’’ذہنی غلامی‘‘ یا اطاعت و پیروی ضروری قرار دی۔

ان حضرات کے بعد کسی طبقہ کو طبقہ کی حیثیت سے نام لے کر معیار حق نہیں فرمایا، البتہ معیار حق ہونے کا ایک کلی ضابطہ اور معیاری اوصاف کا تعین فرمادیا گیا ہے جنہیں سامنے رکھ کر معیاری افراد کو ہر زمانہ میں فی الجملہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ قرون مشہورہ کے بعد بشری کمزوریوں کے امکانات بھی رہے اور ایسی کمزوریوں کا گاہ وبگاہ عملاً ظہور بھی ہوا، لیکن ایسی گاہ بے گاہ کی کمزوریوں سے معیاری شخصیتوں کے معیار ہونے میں فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اول تو اتقیاء امت میں سے کسی کی زندگی کو پاکباز زندگی کہنے کے لیے یہ کافی ہے کہ غالب زندگی تقویٰ وطہارت کی ہو، بھول چوک نسیان وذہول اور گاہ بے گاہ ارادی کمزوری انسانی خمیر میں ہے، دوسرے بعد کے لوگ صرف بایں معنی معیار حق و باطل ہوتے ہیں کہ ان کی مجموعی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے لیے دینی راہِ عمل کا خاکہ بنالیا جائے اور اسے ان کے پارسیانہ عمل کے خاکہ پر منطبق کر کے اپنے حق و باطل کا فیصلہ کیا جاتا رہے بایں معنی معیار حق نہیں ہوتے کہ ان کا ہر قول وفعل حجۃ شرعی ہو، اس قسم کے مقدس افراد اور معیاری لوگ ہر دور میں ہوتے رہیں گے اور امت کے لیے مینارۂ روشنی ثابت ہوتے رہیں گے۔

چناں چہ حضرت شیخ نے معیاریت کے ایسے اوصاف پر بھی کتاب وسنت سے روشنی ڈالی ہے اور اس لیے ڈالی ہے کہ راہ رشد وہدایت میں محض لٹریچر سے رہنمائی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ شخصیتوں کے کردار کے جامہ میں سامنے نہ آئے ورنہ کتب سماویہ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث فرمائے جانے کی ضرورت نہ ہوتی درآنحالیکہ خود کتب سماویہ کے معانی ومرادات کی وضاحت کے لیے بھی معیار حق یہی مقدس ہستیاں ہوتی ہیں، وہ نہ ہوں تو کتب الٰہیہ کے معانی متعین کرنے میں ہر بوالہوس آزاد ہوجائے اور حق و باطل کا کوئی فیصلہ کبھی نہ ہوسکے، اس لیے قیامت تک رسول خدا کے بعد ایسی معیاری شخصیتوں کا بنام مجدد، محدث، امام، مجتہد، راسخ فی العلم، منیب، فقیہ وغیرہ آتے رہنا ضروری ہے، جس کے معیار سے امت کے عوام وخواص اپنے دینی عقیدہ وکردار کو جانچتے رہیں اور فی الجملہ ان پر اپنے کو منطبق کر کے روحانی سکون وطمانیت حاصل کرتے رہیں۔

پس مودودی صاحب تو رسولِ خدا کے بعد کسی بھی انسان کو معیارِ حق ماننے کے لیے تیار نہیں، لیکن کتاب وسنت کا فیصلہ یہ ہے کہ رسولِ خدا کے بعد قیامت تک معیاری شخصیتیں آتی رہیں گی، جو درجہ بدرجہ حق وباطل کا معیار ثابت ہوتی رہیں گی، اور جو بھی کتاب وسنت کے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کرے گا تو ایسی ہی شخصیتیں اپنے اپنے دور کے مناسب حال عنوانوں سے ان کی تاویلات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کا روشن چہرہ دکھاتی رہیں گی، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

یحصل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین. (مشکوة)

''اس علم (دین) کو (ہر دور میں) اعتدال پسند خلف (اپنے سلف سے) لیتے رہیں گے جو غلو پسندوں (اور حدود واعتدال سے گذر جانے والوں) کی تحریفوں، باطل پرستوں کی دروغ بافیوں اور جہلا کی (رکیک) تاویلوں کو رد کرتے رہیں گے''۔

اگر توفیق خداوندی شاملِ حال ہوئی تو ان معیاری شخصیتوں اور ان کے معیار ہونے کی شانوں کی تفصیل آئندہ کسی دوسرے مقالہ میں کی جاسکے گی۔

بہر حال حضرت شیخ مدظلہٗ کے مکتوب گرامی میں اہم اور بنیادی نقطۂ بحث بھی معیاریت غیر رسول کا مسئلہ ہے، جس کو مودودی صاحب نے اصولی طور پر اپنے بنیادی دستور میں رد کر دیا ہے اور شیخ نے اسے اہل حق کی بنیاد قرار دیا ہے جس سے یہ اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی بن گیا ہے خدا کرے کہ مودودی صاحب اور ان کے رفقائے کار اس پر توجہ دیں اور اس خلیج کو پاٹ دینے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں کسی تحریک کو چلانے کے لیے بنیادی اختلافات پیدا کر لینا خود تحریک کو اپنے ہاتھوں ختم کر دینا ہے، فروعی باتیں تو اتفاق واختلاف دونوں راستوں سے چلتی رہتی ہیں لیکن اصولی اختلاف اور صرف نظر ایک ظرف میں جمع نہیں ہو سکتے۔

مولانا مفتی خلیل احمد ☆

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں

صحابہ کرام ؓ نے حضور ﷺ کی صحبت بابرکت میں رہ کر دین کی اصلیت کو پالیا تھا، انہیں جہاں کہیں کوئی شبہ پیش آتا تو فوری ذات رسالت مآب ﷺ سے رجوع ہوتے اور حقیقت کو پالیتے، جس کی وجہ سے ان کے پاس دین میں کسی قسم کا کوئی تردد وتامل اور شک وشبہ نہیں پایا جاتا، کتاب وسنت اور تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام تک جتنے انبیاء تشریف لائے، ان سب کا دین ایک تھا، یعنی اصل دین (عقائد) میں تمام انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کی شریعتوں کی بنیاد اور اساس ایک ہی رہی ہے، اسلام میں سات بنیادی عقائد ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، اس کی کتابوں پر ایمان لانا، اس کے رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا، اچھی بری تقدیر اللہ کی جانب سے ہونے پر ایمان لانا اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا یہ عقیدے تمام انبیاء کی شریعتوں میں مشترک ہیں، البتہ مسائل میں حالات، ضروریات اور زمانہ کے تقاضوں کے اعتبار سے اختلاف رہا ہے، اختلاف کی مختلف نوعیتیں ہیں، ایک اختلاف فروعی مسائل میں ہے، جیسے کسی شریعت میں حقیقی بہن سے نکاح جائز تھا، بعد میں وہ منسوخ ہوا، ہفتہ کے دن شکار کرنا یہودیوں کے پاس منع تھا، ہماری شریعت میں مباح کیا گیا، اس طرح فروعی مسائل میں اختلاف سے اصل دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ دین کی اصل عقائد ہیں، اس کے بگاڑ سے دین متاثر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے درمیان عقائد میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا، تمام کے تمام صحابہ ایک ہی قسم کے عقائد کے حامل تھے، یعنی جو عقائد کتاب وسنت سے ثابت ہیں اسی کے پابند تھے، صحابہ کی جماعت کو جو ہم اصول اور بنیاد قرار دے رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ حضرات حقیقت کے آئینہ دار تھے، ان کے پاس صداقت ہی صداقت تھی، دین کے بارے میں ان سے کبھی کوئی غلط بات صادر نہیں ہوئی، وہ ہمیشہ دین کی حفاظت میں کوشاں رہے اور تا عمر دین کی حفاظت کرتے رہے اور دین کے بارے میں اگر کوئی چیز عہد رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام سے ذرا سا مختلف نظر آتی تو فوری اس سے اختلاف کرتے اور جب تک دلائل سے حقیقت وصداقت ثابت نہ ہوتی، اس

☆ شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ

سے انکار کرتے اور جب واضح اور ثابت ہو جاتا کہ یہ معاملہ دین کے مطابق ہے اور اس میں کتاب وسنت سے کوئی انحراف نہیں ہے، تو اس کو قبول کرتے اور اس کی تائید و مدد کرتے، سیرت صحابہ ﷺ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض قبائل نے نماز پڑھنے اور دیگر احکام شریعت کو ماننے اور عمل کرنے کا اقرار کیا، صرف زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کیا، اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی رائے یہ تھی کہ ان سے جہاد کیا جائے، کیونکہ یہ لوگ اسلام کے ایک فریضہ کا انکار کر رہے ہیں، آپ کا استدلال تھا کہ ایک فریضہ کا انکار کرنا یا کل فرائض کا انکار کرنا دونوں برابر ہیں، جب یہ لوگ فریضہ زکوۃ کا انکار کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سے یہ اسلام سے مرتد ہو چکے ہیں ارتداد کرنے والوں سے جہاد ضروری ہے، دیگر صحابہ جن میں حضرت سیدنا عمر ﷺ بھی شامل ہیں، ان کا خیال اور استدلال اس طرف نہیں گیا وہ حضرات اس حدیث پاک کی طرف غور کرتے رہے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو الااله الا اللّٰه فاذا قالوها عصموا امنی دماء هم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی اللّٰه. (ترمذی)

''حضور پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے جہاد کروں اسلام لانے تک اور جب وہ اسلام لالیں تو وہ اپنے جان و مال کو محفوظ کر لئے''۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ صحابہ تامل میں تھے کہ یہ لوگ ''لا الہ الا اللّٰہ'' کے قائل ہیں، اس لیے ان سے جہاد کی صورت درست نہ ہوگی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کی روشنی میں ان حضرات پر حق کو واضح کر دیا تو یہ حضرات بھی سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کے ہم خیال ہو گئے اور آپ کی تائید و مدد کے لیے تیار ہو گئے، اہل سنت و جماعت کا جو عقیدہ ہے کہ صحابہ کی جماعت عدول ہے، یہاں پر اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ زکوۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کا حکم کتاب وسنت میں نہیں ملتا، کیونکہ ایسا مسئلہ حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں پیش نہیں آیا، اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا حل اور دین کی صحیح تشریح تعبیر ان صحابہ کے ذریعہ عطا فرمائی، اسی طرح جمع قرآن کا مسئلہ بھی امت کے لیے ان ہی صحابہ ﷺ کے ذریعہ ہدایت و رحمت کا باعث بنا، جنگ یمامہ میں سینکڑوں حفاظ صحابہ کرام ﷺ کی شہادت واقع ہوئی، یہ واقعہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ کے دور خلافت میں پیش آیا، سینکڑوں حفاظ صحابہ کی شہادت کی وجہ سے حضرت عمر فاروق ﷺ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر حفاظ کی شہادت کے واقعات ایسے ہی پیش آتے رہیں تو پھر قرآن مجید کی حفاظت کا مسئلہ پیچیدہ ہو جائے گا۔

اس لیے آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ سے خواہش کی کہ قرآن مجید کو جمع کر لیا جائے، کیونکہ وہ اب تک حافظوں کے سینوں میں اور بعض صحابہ ﷺ کے پاس ہڈیوں پر اور چمڑوں پر لکھا ہوا محفوظ تھا، لیکن مکمل قرآن مجید کی شکل میں کسی کے پاس نہیں تھا، حضرت عمر فاروق ﷺ اس آیت کریمہ کو جانتے تھے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون.

''یعنی قرآن مجید کا نزول اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرمانے والا ہے''

اس پر ہر مسلمان کا عقیدہ ہے لیکن حضرت عمر ﷺ کی یہ تجویز مقتضائے آیت کے خلاف نہیں، آپ اپنی اس تجویز سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کے مختلف طریقوں کو اختیار کرنا وعدہ الٰہی کے عین مطابق ہے، وعدہ الٰہی کے خلاف نہیں، ابتداً اس تجویز پر سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ اور دیگر صحابہ مائل نہیں ہوئے، اور استدلال کرتے رہے کہ یہ کام حضور پاک ﷺ کی حیات میں نہیں ہوا تو اب میں کیسے اس کو اختیار کروں، لیکن دلائل کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اور آپ کے ہمنوا اصحابہ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ عمل دین کی حفاظت کا عمل ہے تو ان حضرات نے حضرت عمر فاروق ﷺ کی تجویز کو قبول کرلیا اور اس کو عملی جامہ پہنایا، اسی بنا پر اہل سنت و جماعت، صحابہ ﷺ کی جماعت کو اصول، اساس اور بنیاد سمجھتے ہیں، کیونکہ ان مسائل میں ان حضرات سے ہدایت و رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو مابعد کے زمانہ میں ان کا حل مشکل تھا، حضرات صحابہ ﷺ کے ایسے فیصلے فقہ اسلامی میں ایک دستور اور قانون کی حیثیت رکھتے ہیں، مابعد کے ائمہ اور مجتہدین، صحابہ کرام ﷺ کے ان فیصلوں کو نظیر بناتے ہوئے کئی مسائل کا استنباط کرتے ہیں، اسلام میں شخصیت پرستی منع ہے، لیکن شخصیت سے محبت منع نہیں ہے، عموماً یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ صحابہ ﷺ کو اصل سمجھنا پھر مابعد کے ائمہ کو اپنا پیشوا جاننا دین بنالیا گیا ہے۔

اس مسئلہ میں کھلے دل سے غور وفکر کی ضرورت ہے، شخصیت پرستی کا عام مفہوم ہے کہ کسی شخصیت کو اپنے لیے معیار بنالیا جائے اور اصول، قانون، ضابطہ، حق وصداقت کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ اپنی تمام ترچیزوں کہ اس شخصیت سے وابستہ کرلیا جائے، ایسی شخصیت پرستی یقیناً اسلام میں حرام ہے اور اس کی کبھی اجازت نہیں دی جاسکتی، جیسا کہ بادشاہوں کے تعلق سے لوگوں کے معاملات ہوتے ہیں، اس طرح بعض شخصیات جو کسی چیز میں شہرت پاجاتی ہیں تو لوگ بغیر غور وفکر ان کے پیچھے ہوجاتے ہیں، بغیر کسی دلیل و برہان، علم وحکمت ان سے اپنی زندگی وابستہ کرلیتے ہیں، شریعت میں ایسا عمل ہرگز قابل قبول نہیں۔

اسلام شخصیات کا مذہب نہیں، اسلام اللہ کا دیا ہوا مذہب ہے، اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ جس کو معیار بنائے وہی ذات معیار حق ہوگی، کوئی دوسرا اپنے طور پر معیار حق ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنے نبی ورسول کو ہی معیار حق بنایا ہے، اور آخر میں اپنے حبیب پاک ﷺ کو خاتم النبین بنایا اور تا قیامت آپ ہی کو معیار حق قرار دیا، اس لیے آپ کی ذات اقدس سے ہٹ کر کہیں اور حق کو تلاش کرنا یا آپ سے ہٹ کر کسی اور چیز کو ذریعہ ہدایت سمجھنا کفر اور گمراہی ہے، ہدایت، رحمت کا مرکز وذریعہ آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے، اس لیے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ تمام احکام منسوخ سمجھے جائیں گے، جو ہماری شریعت کے احکام کے خلاف ہوں، کیونکہ اب حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت ہی ہدایت کا واحد راستہ ہے۔

صحابہ کرام ﷺ کو اہل سنت و جماعت معیار حق سمجھتے ہیں وہ اسی معنی میں ہیں کہ یہ مقدس جماعت حضور اکرم ﷺ سے کامل وابستگی رکھتی ہے اور یہ جماعت حضور ﷺ کی شریعت اور دین کی آئینہ دار ہے، اس آئینہ میں دین حق ہی نظر آتا ہے۔

یہاں اطاعت، اور اتباع کا کامل نمونہ ملتا ہے اور فنائیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، اس لیے یہ لوگ حق گو، حق

پرست، صداقت شعار، دین کے محافظ اور حضور پاک ﷺ کی ذات اقدس کے شیدائی وفدائی ہیں، اس بنا پر ان کو معیار حق تسلیم کیا گیا، چنانچہ حدیث پاک بھی ہے:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم.

''حضور پاک ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے اور امت کو سخت تاکید کے ساتھ صحابہ ؓ کی شان میں بے ادبی وگستاخی سے منع فرمایا''۔

جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

''اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، لاتتخذوھم غرضا من بعدی''.

''میرے صحابہ کے بارے میں کچھ کہنے سے ڈرو، میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ مت بناؤ''۔

اسی وجہ سے اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ **''الصحابة کلھم عدول''** یعنی تمام صحابہ ؓ عادل، ثقہ اور حق گو ہیں، تمام صحابہ ؓ سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔

صحابہ ؓ کے آپسی اختلافات وواقعات کو اجتہادی خطا پر محمول کرنا چاہئے، صحابہ ؓ کے درمیان فضائل ودرجات میں فرق ہے، ہر ایک اپنے اپنے درجہ میں برحق ہے، ہم کو صحابہ ؓ کے ذریعہ دین پہنچا، ان کے ذریعہ دین کی صحیح سمجھ عطا ہوئی، صحابہ ؓ کے درمیان کے واقعات بھی مابعد کے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوئے، چنانچہ حضرت سیدنا علی ؓ کی سیرت طیبہ کے کئی واقعات امت کے لیے ہدایت اور دستور کی نوعیت رکھتے ہیں۔

خوارج کے تعلق سے علامہ شامیؒ نے سیدنا علی ؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اخوانا بغوا علینا'' یعنی ''یہ ہمارے بھائی ہیں''۔

لیکن ہمارے خلاف بغاوت کئے ہیں، اس وقت حضرت سیدنا علی ؓ خلیفہ برحق ہیں، آپ کے خلاف محاذ آرائی بغاوت ہے، اس لیے آپ نے ان کے خلاف جنگ کی، علما نے آپ کے اس فیصلہ کو دستوری حیثیت اور قانونی نوعیت دیتے ہوئے یہ مسئلہ بتلایا کہ باغی سے بھی جہاد کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کہ وہ اسلام کا دعویدار ہو، اس سے پہلے کے دور میں کفار ومشرکین کے خلاف یا مرتدین کے خلاف جہاد ہوتا تھا لیکن حضرت سیدنا علی ؓ نے امت کو یہ مسئلہ بھی بتادیا کہ باغیوں کے خلاف بھی جہاد ہوتا ہے، اور اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے ایسا عمل ناگزیر ہوتو اس کو اختیار کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں کوتامل کی ضرورت نہیں، چنانچہ حضرت سیدنا امام حسین ؓ نے باطل پرستوں کے خلاف جہاد کرکے امت کو ایک اور راہ دکھائی کہ ایسے باطل پرستوں سے بھی جہاد جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو نیک توفیق دے۔

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی ☆

صحابۂ کرام ؓ کے حسن معاشرت میں دعوت کا پیغام

دنیا کی طویل تاریخ میں افراد تو بہت گذرے ہیں، پاکباز و پاک نفس، مقدس و معظم، جامع کمالات وقدسی صفات، آسمان کی رفعتوں نے جن کی عظمت کو جھک کر سلام کیا، اور ملکوتی پیکروں نے جن کی راہ میں اپنے پر بچھادئے۔ لیکن افراد انسانی کا کوئی گروہ، ایک پوری جماعت اور کوئی انسانی معاشرہ جسے بحیثیت مجموعی انسانی تاریخ کی چنندہ جماعت کہا جاسکے، جس نے تمام انسانی خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہو، اور جو روئے زمین پر مثالی انسانی معاشرہ کے لقب سے آراستہ ہوسکا ہو۔ چشم فلک نے ایسی جماعت کو صرف ایک بار دیکھا، نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا، نہ اس کے بعد کبھی دیکھ سکے گی۔ یعنی رافت ورحمت کے خوگر، عدالت و شجاعت کے ہمسر، تقوی وطہارت کے پیکر، اصحاب صدق وصفا، ارباب جود وسخا، علم وعمل کے دھنی، خلوص وایثار کے غنی، وہ دن کے شہسوار اور شب کے عبادت گذار، وہ باطل کے لئے سیل رواں اور حق کے لئے حریر وپرنیاں، وہ سربلندی اسلام کے لئے عزم جواں، دعوت وتبلیغ کے لئے پیہم رواں، خشیت الٰہی سے ہمہ دم لرزاں۔ یعنی وہ سید الاولین والآخرین محمد ﷺ کے اصحاب جاں نثار، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

صحابہ کرام یعنی معزز ساتھی، کیسا دلنشیں اور کتنا پرعظمت لفظ ہے۔ یہ لفظ اسی جماعت باعظمت کو زیب دیتا ہے۔ یہ ساتھی اور رفیق کس ذات والا صفات کے ہیں، کیسی شان ہے ان کی کہ رفاقت وصحبت کی نسبت اس مقدس ذات والا مرتبت کی طرف ہورہی ہے، جو دونوں جہانوں کے سردار اور محبوب رب العالمین ہیں۔ یہ اصحاب محمد ﷺ جن کو اپنے پیارے نبی کی صحبت کے لئے خود صاحب عرش بریں نے منتخب کیا، ''اولئک الذین اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ''۔ پھر ان کے مقام اور شان کے بیان کے لئے یہ ناسوتی الفاظ کہاں ساتھ دے سکتے ہیں۔ ہاں جب خود الٰہ العالمین ان کے شیریں تذکرہ کو اپنی کتاب مبین میں لازوال بنادے۔ آیئے پڑھئے بیان الٰہی کو اور دیکھئے اصحاب نبی ﷺ کے روز وشب کو:

" محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله و رضوانا ، سيما هم في وجوههم من اثر السجود ،

☆ شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ذلک مثلھم فی التوراۃ ،ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ ، یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرۃ واجرا عظیما‘‘ (فتح . ۲۹)

اللہ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ آخرت کا مقام تو ان کے لئے مقدر ہے، کہ جنت کے بالا خانوں میں کہیں حضور مصطفیٰ ﷺ کو اپنے آگے ان کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے، کہیں وہ جنت کی فضاؤں میں پر لگا کر اڑتے پھر رہے ہیں، کہیں ان کے لئے وسط جنت میں موتیوں کے محل کی خوشخبری ہے۔ یہ ان گنت بشارتیں تو ان کا ہی مقدر ہیں۔خود دنیا میں کیا کچھ مرتبے اور عظمتیں ان کی دکھائی جارہی ہیں۔ مکہ کی گرم ریتوں پر جب زبان بلالی نعرہ احد بلند کرتی ہے تو ناسوتی جسم کی اذیتیں کافور ہوجاتی ہیں۔ روح القدس اپنے رب کا سلام حرم نبوت اور ام امت رضی اللہ عنہا کو پہنچانے مامور ہوتے ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت صدیق رضی اللہ عنہ کو ملکوتی ہاتھ سے ریشمی لباس میں خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیا جاتا ہے۔ میدان بدر میں قدسی جماعت شریک رزم ہوجاتی ہے۔لرزتا جبل احد تھم جاتا ہے کہ اس پر ایک نبی ﷺ، ایک صدیق رضی اللہ عنہ اور ایک شہید رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔لسان عمر رضی اللہ عنہ پر حق جاری کردیا جاتا ہے اور موافقت میں آسمانی آیات نازل ہوتی ہیں۔شہید احد رضی اللہ عنہ کو ملائکہ غسل دیتے ہیں، حیاء عثمانی رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیاء کرنے لگتے ہیں۔ محبت علی رضی اللہ عنہ کو محبت رسول ﷺ کی علامت بنادیا جاتا ہے۔ احسان صدیقی رضی اللہ عنہ کی بے کراں وسعتوں کا اعلان زبان رسالت ﷺ سے ہوتا ہے۔ایک دفتر بے پایاں ہے ان عظمتوں اور مرتبوں کا جو اصحاب محمد ﷺ کے لئے فرمان الٰہی یا لسان نبوی سے ہویدا ہوتے ہیں۔ جب ہی تو ان کے لئے آسمان کی بلندیوں سے خوشنودی رب کی سند ان واضح لفظوں میں نازل ہوتی ہے کہ :’’رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ‘‘۔ ذرا انداز بیان دیکھئے کہ رضامندی کا پروانہ دونوں جانب سے ہے، یعنی یہ ان سے راضی اور وہ ان سے راضی۔لیکن دونوں رضامندیوں کا اعلان ایک ہی عالی دربار سے ہوتا ہے کہ وہی اس اعلان کا حقیقی سزاوار ہے۔اور جب رب العالمین کے عرش سے سند جاری ہوجاتی ہے.تو محبوب رب العالمین ﷺ کی محبت ومشیت بھی گویا ہوتا ہے کہ:

’’ اللہ اللہ فی اصحابی ، لاتتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فبغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ(ترمذی).

یہ اعلان بالکل فطری اور عین برحق ہے، جب نبی ﷺ عالی مقام ہے، اور کی محبت ایمان کی پہچان ہے، تو ان کے ہم نشین اور خوشہ چین کیونکر اعلیٰ مقامی سے نیچے آسکتے ہیں۔اور ان سے محبت کیوں نہ محبت نبی ﷺ کا لازمی نتیجہ بنے۔

یہ عظمت ورفعت، یہ شان ومرتبت، یہ حیثیت وفضیلت کس بناپر انھیں حاصل ہوئی ہے؟ صرف اس لئے کہ وہ صحبت نبوت کے لئے منتخب الٰہی ہیں؟تسلیم کہ یہ ہی اپنے آپ میں کم باعظمت نہیں کہ صاحب عرش اپنے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ کی صحبت

کے لئے عرش پر ان کا انتخاب فرماتا ہے۔ لیکن جس طرح یہ انتخاب عظیم تھا، اس انتخاب کے تقاضے بھی عظیم تھے۔ ان سے عظیم قربانیاں مطلوب تھیں، اعلیٰ ترین کرداران سے مطلوب تھا۔ عظمتوں سے آراستہ معاشرہ انھیں بننا تھا۔ ان سے بے مثال جاں نثاری، بے نظیر قربانی، بے انتہا اطاعت، بے کراں محبت، اور ہمہ وقت تبلیغ ودعوت مطلوب تھی۔ اور انھوں نے اپنے مشن کو پورا کیا۔ اور ایسا پورا کیا کہ قرآن گویا ہوا: '' رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر و ما بدلوا تبديلا''۔ انھوں نے قربانی دی تو کیسی دی ؂

جہاں کردیا گرم، گرما گئے وہ　　　جہاں کردیا نرم، نرما گئے وہ

یعنی سمیہؓ نے اپنے نازک عضو پر برچھی کھا کر زمین اسلام کو اپنے خون کے اولین قطروں سے سیراب کردیا۔ حمزہؓ نے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر جسم کی شناخت کھودی۔ ابوطلحہؓ نے وجود نبوت ﷺ پر ڈھال بن کر ہاتھ کو شل کرلیا۔ جعفرؓ نے دونوں بازو گنوالئے۔ مصعبؓ نے ناز ونعم کو کفن کے ناکافی ٹکڑوں میں تبدیل کرلیا۔ سینکڑوں نے ہجرت کی مشقتوں کو سینے سے لگالیا۔ انھوں نے اطاعت کی تو ایسی کی کہ مکہ کا ہر ظلم وستم سہہ گئے لیکن کیا مجال کہ '' کفوا ایدیکم'' سے سرمو گریزاں ہوں۔ سعد بن معاذؓ منشائے نبوت کو بھانپ کر بول اٹھے کہ: '' آپ ہم کو حکم دیں تو ہم دریا میں کود پڑیں''۔ اور بے کراں محبت کا یہ عالم کہ برہنہ شمشیر کے نیچے زیدؓ کہتے ہیں کہ: '' مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ پائے نبوت میں کوئی کانٹا بھی چبھے اور اس کے بدلہ میری جاں بخشی ہوجائے''۔ ایسی محبت کسی شاہ وامیر کے دربار نے نہ دیکھی تھی۔ ان کی دعوت وتبلیغ ایسی ہوئی کہ عرب کے ریگزاروں، افریقہ کے صحراؤں، روم وشام کے مرغزاروں اور عجم کے لالہ زاروں تک ان کے قدم پہنچتے گئے اور نقش توحید ہر دل پر وہ بٹھاتے گئے۔

صحابہ کرامؓ ان تمام عظمتوں، اطاعتوں اور قربانیوں سے آراستہ تھے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ اسی گوشت پوست کے پتلے تھے۔ اسی طرح انسان تھے، ایسی ہی انسانی خوبیوں اور خامیوں کے امکانات رکھتے تھے اور ایسے ہی سرد وگرم حالات سے دوچار ہوتے تھے، جیسے کوئی بھی انسانی سماج اور انسانی جماعت دوچار ہوتی ہے۔ وہ کوئی علاحدہ مخلوق نہ تھے، نہ مافوق الفطرت خوبیوں کے مالک انسان تھے۔ اسی لئے اس معاشرہ کو بہتیرے ان مسائل سے دوچار ہونا پڑا، مخالفتوں اور دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑا، دنیاوی ضروریات کے لئے جدوجہد کرنا پڑی، آپسی اختلافات بھی پیدا ہوئے، کشاکش اور انتشار کی صورتیں بھی پیش آئیں، انسانی غلطیوں کا بھی صدور ہوا، سزاؤں کے نفاذ کی مثالیں بھی قائم ہوئیں، عائلی تنازعات سے بھی سابقے پڑے، باہمی معاملات کی نزاکتیں بھی پیدا ہوئیں، عدالتوں میں مقدمات بھی دائر ہوئے۔ وہ سب کچھ ہوا جو کسی بھی انسانی سماج کے اوصاف ہوسکتے ہیں۔ انھوں نے جنگیں بھی لڑیں، حکومت بھی چلائی، سیاسی ذمہ داریاں اور انتظامی عہدے بھی قبول کئے، معاہدے بھی کئے، تجارت اور تجارتی اسفار بھی کئے، زراعت وکاشتکاری بھی کی، باغبانی اور حرفے بھی اختیار کئے، محنت ومزدوری بھی کی، علمی مجلسیں بھی آراستہ کیں، درس وتدریس اور علمی تحقیق بھی انجام دی، علمی اختلاف ومناقشے بھی کئے، تردید واختلاف رائے بھی اپنائے، سماجی ومعاشرتی تعلقات بھی اختیار کئے، غیروں کے ساتھ روابط بھی استوار کئے، گھریلو ذمہ داریوں اور بچوں کی تربیت سے بھی وابستہ رہے، تہوار اور تقاریب بھی

منعقد کئے اور حادثات سے بھی گذرے، پڑوسیوں کے نرم وگرم سے بھی عہدہ برآ ہوئے، کسی کے ماتحت رہ کر اور کسی کو ماتحت رکھ کر کام کرنے کے تجربات بھی کئے۔ غرض ایک عام انسان کی عام زندگی کے متنوع رنگ اس سماج میں نظر آتے رہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ صحابہ کرام ؓ کی جماعت چند افراد یا سو دو سو لوگوں کے مجموعہ کا نام نہ تھا۔ اس پاکیزہ جماعت میں ہزاروں ہزار نہیں لاکھوں کی تعداد میں جاں نثاران رسول ﷺ تھے۔ ان کے ذوق الگ، مزاج مختلف، صلاحتیں جدا، احوال علاحدہ، سطحیں متعدد اور انداز اپنے تھے۔ سب نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق تربیت نبوی ﷺ کے موتیوں سے دامن بھرے تھے۔ وسیع خوان نبوت سے اپنی پسند اور سطح کے مطابق ریزہ چینی کی تھی۔ اپنے اپنے مزاج کے مطابق اوصاف نبوت کے گلشن سے پھول چنے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام ؓ کی مقدس جماعت کی زندگی سے ہر ذوق کی مثال، ہر مزاج کا نمونہ، ہر میدان کا تجربہ اور ہر سطح کا اسوہ ڈھونڈ نکالا جا سکتا ہے۔ ذات رسالت ختمی مرتبت ﷺ ایک جامع کمالات ذات اقدس تھی۔ اور اس کے ہزار ہا ہزار جلوے علاحدہ علاحدہ زندگیوں میں جلوہ ریز ہو رہے تھے۔ ان میں زہد کے پیکر ابو ذر ؓ تھے، تو صاحب دولت وثروت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ بھی تھے۔ تجارت پیشہ زبیر ؓ تھے تو کاشتکار انصار ؓ بھی تھے۔ فاقہ مست اصحاب صفہ ؓ تھے، شجاعت کے پیکر ابو عبیدہ ؓ اور خالد بن ولید ؓ تھے، قرآن کے قاری زید بن ثابت ؓ اور ابی بن کعب ؓ تھے تو حلال وحرام کے ماہر معاذ بن جبل ؓ، فقہ وفتاوی سے آشنا عبداللہ بن مسعود ؓ اور قضاء کے شناور علی مرتضیٰ ؓ بھی تھے۔ اقوال وافعال نبوی ﷺ کے حافظ وراوی ابو ہریرہ ؓ و عبداللہ بن عمر ؓ تھے تو خلوت نبوی کے رازداں اور امت کو ان سے آشنا کرنے والی عائشہ صدیقہ ؓ، ام سلمہ ؓ اور دیگر ازواج مطہرات بھی تھیں۔ ان میں سخت مزاج اور باطل کے لئے شمشیر براں عمر بن خطاب ؓ تھے تو رقیق القلب اور بردبار ابو بکر ؓ بھی تھے، حیاء کے پیکر عثمان ؓ بھی تھے اور حزم وتدبر کے ماہر عمرو بن العاص ؓ اور امیر معاویہ ؓ بھی تھے۔ یہ سارے نمونے اور نقشے صحابہ کرام کی زندگیوں میں موجود تھے۔ اور ان سب کا مجموعہ ذات رسالت مآب ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا عکس حسین بنتا تھا۔ جب ہی تو خود زبان رسالت ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ میرے اصحاب ایسے ستاروں کی مانند ہیں کہ جس کی بھی رہنمائی اختیار کی جائے ہدایت نصیب ہو جائے گی۔: ''**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**''۔

یہ درست ہے کہ صحابہ کرام کے مقام کی بلندیوں کو بعد والوں میں سے کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا، کہ یہ شرف صحابیت ہے جو ان کے لئے مقدر ہو گیا اور ان ہی کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا۔ رسول مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ: ''**فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا مابلغ مد احدھم ولا نصیفہ**'' (بخاری ومسلم)۔ لیکن اس کے سوا دیگر اوصاف وکمالات میں صحابہ کرام کی پاک زندگیاں پورے سماج کے لئے رول ماڈل ہیں۔ یہاں ہر ذوق کے لئے نمونہ ہے اور ہر مزاج کے لئے رہنمائی۔ یہ وہ آسمان ہدایت ہے جس کا ہر ستارہ قابل اقتداء اور راہ حیات کی تاریکی میں روشن منارہ ہے۔ اور ستاروں کے اس جھرمٹ میں کچھ بدر منیر بھی ہیں جن کی تابنا کی خود دعوت سفر دینے لگتی ہے۔ اور انہی کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ: ''**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی**''۔

اب آیئے! ذرا ایک دوسری جہت سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھیں۔ صحابہ کرامؓ میں باہم اختلافات ہوئے، یہ علمی اختلافات بھی تھے، فکر ونظر کے اختلاف بھی اور انتظامی وسیاسی اختلاف بھی۔ انھوں نے ایک دوسرے کی تردید کی، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کئی صحابہ کرام کی آراء پر علمی استدراک کیا۔ حضرت علیؓ کو کئی معاملات میں اختلاف رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کو بعضوں سے تکلیف پہنچی۔ ازواج مطہرات میں بعض کو بعض نے کچھ کہہ دیا۔ ایسے تلخ وشیریں لمحات ان کی زندگیوں میں بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان اختلافات نے ان کے باہمی تعلقات پر کیا اثر ڈالا، اور ایسے مواقع پر وہ کن اصولوں کے پابند رہے۔ کیا انھوں نے حدود شریعت کو پامال ہونے دیا۔ کیا انھوں نے ذاتی انا کو دینی اصولوں پر ترجیح دی۔ کیا انھوں نے انفرادی پسند کی چوکھٹ پر اجتماعی مفاد کو قربان کرنے کی اجازت دی۔ کیا انھوں نے مستحب اور مباح عمل میں اختلاف رائے پر اصرار کو محرمات کے ارتکاب کی وجہ بننے دیا۔ کیا انھوں نے ذوق ومزاج میں اختلاف کی وجہ سے امت کے اتحاد میں دراڑ پیدا ہونے دیا۔ اور کیا انھوں نے دین کی فروعات میں اپنی رائے پر اصرار اور دوسروں کو اس پر مجبور کیا؟ صحابہ کرامؓ کی حیات پاکیزہ کا مطالعہ کرنے والے ان تمام سوالات کا جواب پوری قطعیت کے ساتھ یہی دیں گے کہ "نہیں، ہرگز نہیں"۔ حدود شریعت کی پامالی، فروعات اور ذوق ونہج پر اصرار اور مراتب احکام کی عدم رعایت جیسے غیر شرعی امور سے ان کا دامن پاک رہا۔ انھوں نے انسانی زندگی گذاری، لیکن شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے، اور اسلامی اخلاق وآداب سے دست کش نہ ہوئے۔

اب ذرا ہم اپنے سماج کو دیکھیں۔ عام مسلمانوں کی زندگی نہیں بلکہ اہل علم ودانش کا معاشرہ دیکھیں، دین کا علم رکھنے والوں کی زندگی دیکھیں، دین کی نسبت سے قائم اداروں کا ماحول دیکھیں، اور تلخ نوائی روا ہو تو صف علماء اور خلوت خواص پر نظر ڈالیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اختلاف فکر ونظر ناپید ہو جائے، تو اختلاف فکر ونظر کے ساتھ کیونکر اشتراک ہو سکتا ہے؟ یہ تو مطلوب نہیں کہ ذوق ومزاج اور نہج وانداز کا فرق جاتا رہے، تو طریقہ عمل کے فرق کے ساتھ تعاون باہمی کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی تو مستحسن نہیں کہ علمی ومسلکی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، تو فروعی اختلاف کے ساتھ عملی اتحاد کے نمونے کیسے قائم ہو سکتے ہیں؟ معاصر زندگی کے یہ تلخ حقائق بھی ہیں اور حقیقی سوالات بھی۔ ایسے سوالات جو صرف زیب قرطاس اور زینت گفتار بن کر کوئی حل نہیں پیش کر سکتے۔ کیا ہم صحابہ کرامؓ کی عظمتوں کے نشان کو معاصر زندگی کا نقش بنا سکتے ہیں؟ ہر ذوق کے لئے نقش، ہر مسلک کے لئے نقش، اور ہر جدوجہد کے لئے نقش —— یہی تو وہ پائیدار نقوش ہیں جو ہزار رنگ رکھتے ہوئے بھی ایک پختہ رنگ پیش کرتے ہیں۔ وہی رنگ جو ان الفاظ میں نمایاں ہے:

"أبر الناس قلوبا، وأعمقهم علما وأقلهم تكلفا" (قول ابن مسعودؓ)

سچ ہے کہ

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

محمد مزمل بدایونی ☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عائلی زندگی میں دعوت دین

جس طرح اسلام ایک کامل و مکمل دین اور نظام حیات ہے اسی طرح پیغمبر اسلام ایک کامل و مکمل معلم ہیں، پھر اس نبی کامل کی خصوصیت وامتیاز یہ ہے کہ خود تو کامل تھا ہی، دوسرے ناقصوں کو بھی کامل بنادیا، خود پاک تھا اور دوسرے ناپاکوں کو بھی دھوکر پاک وصاف کردیا اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے اپنی بے مثال زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے فیض سے بہرہ مند مثالی ومعیاری کردار ونمونے بھی امت کو دیے - بقول سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ:

''آپ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاذ، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد وعابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے .... مدینۃ النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کی اس درسگاہ اعظم .... جس کا نام مسجد نبوی تھا، اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں ابوبکر وعمر، عثمان وعلی جیسے فرماں روا زیر تعلیم ہیں، کہیں طلحہ و زبیر ومعاویہ وسعد بن زبیر جیسے ارباب رائے وتدبر ہیں، کہیں خالد وابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور عمرو بن العاص جیسے سپہ سالار ہیں، کہیں ابوذر وسلمان وابوالدرداء جیسے وہ خرقہ پوش ہیں جو مسیح اسلام کہلاتے ہیں'' (۱) (رضی اللہ عنہم)

کردار محفوظ ہیں: پھر الحمد للہ ایسا بھی نہیں کہ اس نبی کامل اور اس کے صحبت یافتہ اخوان باصفا کی سیرت کا کوئی گوشہ پردۂ خفا میں چلا گیا ہو، ہرگز نہیں! بلکہ اس امت وسط نے اس نبی اعظم اور اصحاب نبی کی ایک ایک ادا کو محفوظ رکھا ہے جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا اپنا آئیڈیل تلاش کرے گا، یقیناً اپنی رہبری کے لیے بے شمار مواد اپنے سامنے پائے گا اور یہ مسلم قوم کا طرۂ امتیاز ہے جس کا غیروں کو بھی اعتراف ہے چنانچہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری نے شہرۂ آفاق مستشرق ''مسٹر جون دیون پورٹ'' کا سیرت نبویہ کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کے تمام مشہور مقننوں اور فاتحوں میں سے کسی ایک کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس کے وقائع عمری محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - کے حالات زندگی کی طرح کامل ثقاہت و صداقت اور پوری تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں'' (۲)

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند

بلکہ مسلمانوں نے تو نبی -علیہ الصلاۃ والسلام- اور اصحاب نبی -رضی اللہ عنہم- کے حالات محفوظ کرنے والوں تک کے حالات محفوظ کر دیے، مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپنگر نے کہا ہے:

''کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔'' (٣)

آمدم برسر مطلب: لیکن اس وقت صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کی حیات مبارکہ سے سپہ سالاری، فرماں روائی، عبادت گزاری اور خرقہ پوشی کے نمونے بیان کرنا مقصود نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی زندگی کا ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار کی حیثیت سے نمونہ پیش کرنا مقصود ہے۔ بالفاظ دیگر مقصود یہ ہے کہ اس مقدس جماعت کی عائلی اور خاندانی زندگی کیسی تھی۔

عائلی کا مفہوم: ''عائلی'' عیال سے ماخوذ ہے جس کے معنی اہل لغت نے ''اهل بيت الرجل الذين ينفق عليهم'' (آدمی کے وہ اہل خانہ جن کا وہ نفقہ برداشت کرتا ہے) لکھے ہیں (٤) اس لحاظ سے ''عائلی زندگی'' کا مفہوم وہی ہے جس کو اردو میں ''خاندانی و خانگی زندگی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام اجتماعیت کا مذہب ہے: انسان فطرتاً اجتماعیت پسند واقع ہوا ہے اور اسلام دین فطرت ہے اس لیے اسلام نے یہ قطعاً روانہ رکھا کہ کوئی تجرد اور ترک دنیا کر کے، اہل و عیال اور زن و فرزند سے نفرت رکھ کر خدا کی محبت کا غلط مدعی بن بیٹھے، اسلام نے فلسفیوں کی اشراقیت، عیسائیوں کی رہبانیت اور اہل ہند کے جوگ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام راہبانہ طریقوں کا اپنے ایک مختصر فقرے سے ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، آپ نے فرمایا:

لا صرورة في الإسلام (٥) اسلام میں کوئی بھی رہبانیت نہیں۔

پھر جب انسان فطری طور پر اجتماعی زندگی گزارے گا اور اسلام نے اس کو پسند کیا ہے تو معاشرہ اور خصوصاً خاندان کے مختلف افراد سے اس کا تعلق قائم ہو جائے گا، اپنے ماں باپ، اہل و عیال، عزیز و رشتہ دار، دوست و احباب سب سے رابطہ ہونا لابدی ہو جائے گا اور ان کے کچھ حقوق و فرائض بھی اس پر عائد ہوں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اولین مخاطب صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- نے ان تعلقات کو کس طرح ادا کیا؟

صحابہ بچوں کے ساتھ: جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو وہ عہد طفولیت میں ہوتا ہے اس وقت وہ شفقت و محبت، رافت و رحمت کا محتاج ہوتا ہے اس نقطۂ نظر سے ہم صحابہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں: کہ

(١) ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران حضرت جبلہ بن سحیم ان کے پاس جاتے ہیں اور حضرت معاویہ -رضی اللہ عنہ- کی گردن میں ایک رسی دیکھتے ہیں جسے ایک بچہ کھینچ رہا ہے اور آپ اس سے کھیل رہے ہیں، جبلہ بن سحیم کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا! ''بیوقوف چپ رہو'' میں نے نبی کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کسی کے پاس بچہ ہوتو وہ بھی بچوں کی حرکتیں کرلیا کرے تا کہ بچہ خوش ہو جائے'' (۶)

(۲) ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ ان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو منگاتے اور فرط محبت سے سونگھتے''(۶)

(۳) ''حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا، اس نے کہا: میرے متعدد لڑکے ہیں، مگر میں نے کسی کو نہیں چوما! فرمایا: خدا صرف محبت کیش آدمیوں پر رحم کرتا ہے'' (۷)

اولاد کی تربیت: اولاد سے یہ شفقت و محبت اپنی جگہ، لیکن یہ محبت ان کی تربیت میں کبھی آڑے نہیں آسکتی تھی، وہ اولاد کو کتاب وسنت کی اتباع کا عادی بناتے تھے چناں چہ حدیث صحیح میں ہے: کہ

اول اول جب عاشوراء کا روزہ فرض تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کی صبح منادی کرادیتے: کہ جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے وہ اپنا روزہ پورا کرلیں اور جن لوگوں نے کھا پی لیا ہے وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں اس اعلان کے بعد اس حکم پر صحابہ کرام کے عمل کرنے کا عالم یہ تھا کہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی روزے رکھواتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے بے تاب ہوتے تو بہلانے کے لیے رنگین اون کی گڑیاں دے دیتے۔ (۸)

حضرت عمرؓ نے ایک بدمست کو اپنے بچوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہہ کر سزادی تھی: کہ ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے، افسوس!'' (۹)

عہد طفولیت سے انسان آگے بڑھتا ہے اور شباب کے مرحلے میں پہنچتا ہے تو جہاں اس کا واسطہ اپنی رفیقہ حیات سے ہوتا ہے وہیں اس کے بوڑھے والدین اس کی محبت واعانت کے مستحق ہوتے ہیں، جب اس زاویے کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ:

حضرات صحابہ بیویوں کے ساتھ: (۱) حضرت طلحہؓ نے عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے نکاح کا پیغام بھیجا، وہاں دوسرے معزز اشخاص کے بھی پیغامات پہنچے ہوئے تھے، لیکن انھوں نے حضرت طلحہؓ کو ترجیح دی، وجہ پوچھی گئی تو بتایا: ''کہ میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کردو، شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہوجائے تو معاف کردیتے ہیں۔ (۱۰)

(۲) حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کو اپنی بی بی عاتکہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کردیا، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو طلاق دینے پر اصرار کیا، اطاعت والد کے خیال سے طلاق دے دی، لیکن دل کے درد کو چند اشعار میں بیان کیا حضرت ابوبکرؓ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انھوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ (۱۱)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے تھے کہ جب حضرت عمرؓ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو

انھوں نے صاف انکار کر دیا، معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اطاعت والدین کے خیال سے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ (۱۲)

صحابیات شوہروں کے ساتھ: (۱) صحابیات کو اپنے شوہروں سے بے حد محبت تھی حضرت عاتکہؓ کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ جب غزوۂ طائف میں شہید ہوئے، تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پر درد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

فالیت لا تنفک عیني حزینة علیک و لا ینفک جلدي اغبرا

میں نے قسم کھالی ہے کہ تمہارے غم میں میری آنکھیں ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی اور دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ کو بھی شریک کیا تو انھوں نے حضرت عاتکہ کو یہ شعر یاد دلایا، وہ رو پڑیں، پھر حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پر درد مرثیہ کہا، ان کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو ان کا بھی نوحہ لکھا۔ (۱۳)

(۲) حضرت حمنہ بنت جحشؓ کے شوہر شہید ہوئے، جب انھیں شہادت کی خبر ملی تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔ (۱۴)

شوہر کی خدمت: (۱) حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا اثر آپ کی خدمت پر ہرگز نہیں پڑتا، یہاں تک کہ آپ کے کمال طہارت کی وجہ سے آپ کی مسواک بھی دھوکر دیا کرتی تھیں۔ (۱۵)

(۲) جب رسول اللہؐ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگایا کرتی تھیں۔ (۱۶)

صحابیاتؓ کا اپنے شوہروں اور بچوں کا نفقہ برداشت کرنا: ''شریعت نے بیوی اور چھوٹے بچوں کا نفقہ شوہروں کے ذمے کیا ہے لیکن یہ اعلیٰ کردار بھی آپ کو اصحاب رسول ہی میں ملے گا کہ خلاف ضابطہ عورتیں اپنے نادار شوہروں کا خرچ برداشت کرتی ہیں، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عورتوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ گھر واپس آئیں تو اپنے شوہر سے کہنے لگیں: کہ ''تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر لیجے! میں اپنا صدقہ آپ پر کر سکتی ہوں''؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: کہ ''تمہیں جاؤ'' وہ کاشانۂ رحمت پر پہنچیں تو ایک اور بی بی اسی مقصد سے اتفاقاً موجود تھیں، دونوں آپ کے شدت رعب سے خود تو معلوم نہ کر سکیں، حضرت بلالؓ کے ذریعہ دریافت کرایا، جواب یہ ارشاد ہوا: کہ ''ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا دوسرا صدقے کا''۔ (۱۷)

شوہر کے مال کی حفاظت: ''بیوی دیانت دار ہو، شوہر کی عزت وناموس اور اس کے مال واسباب کی محافظ بن کر رہے تو عائلی زندگی پر نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے اور طرفین کی محبت والفت کو چار چاند لگ جاتے ہیں، صحابیاتؓ میں یہ خوبی اس حد تک موجود تھی کہ ضیاع مال تو درکنار، شوہر کی اجازت کے بغیر ان کے متعلق اسباب میں کوئی بھی تصرف نہیں کرتی تھیں یہاں تک کہ اپنے خرچ میں بھی نہیں لاتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء گھر میں تھیں، حضرت زبیر تشریف نہیں رکھتے تھے، ایک غریب الوطن تاجر آیا

اور سایۂ دیوار میں بیٹھ کر سامان تجارت بیچنے کی اجازت چاہی، فیاض و کشادہ دل تھیں، اجازت دینا چاہتی تھیں، لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر کیسے اجازت دیتیں؟ کش مکش میں مبتلا ہوگئیں، بولیں! ''زبیرؓ کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو'' وہ اسی حالت میں آیا اور اجازت طلب کی، حضرت اسماءؓ نے کہا: ''تمہیں مدینے میں میرا ہی گھر ملا تھا'' حضرت زبیرؓ نے کہا: ''تمہارا کیا بگڑ تا ہے جو ایک محتاج کو خرید و فروخت سے روکتی ہو، وہ تو چاہتی ہی تھیں؛ اجازت دے دی۔ (١٨)

یہ وصف تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن قریش کی عورتیں اس میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مقدس سے ان کی اس خصوصیت کی شہادت دی ہے، فرمایا ہے:

''قریش کی عورتیں کس قدر اچھی عورتیں ہیں، اونٹوں کی سواری کرتیں، بچوں سے محبت رکھتیں، اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں'' (١٩)

صحابہ کرامؓ والدین کے ساتھ: قرآن وسنت میں جس کثرت وتاکید کے ساتھ اطاعت والدین وحقوق والدین کو بیان کیا گیا ہے اور صحابہ کرامؓ جس قدر قرآن وسنت پر عمل کرنے کے حریص تھے اس اعتبار سے ہر شخص تصور کرسکتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی اطاعت واعانت اور ان کے ادب واحترام کا کس درجہ لحاظ رکھتے ہوں گے، تاہم ایک دو واقعہ اس حوالے سے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

(١) حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کھجور کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، پھر بھی حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کھجور کے ایک درخت میں شگاف کیا اور اس سے جمار نکالا، لوگوں نے کہا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ کھجور کا درخت تو بہت بیش قیمت ہوگیا ہے، بولے: میری ماں نے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی اور جہاں تک ہوسکتا ہے ان کی فرمائشوں کی تعمیل کرتا ہوں۔ (٢٠)

(٢) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ جب تک زندہ رہیں انھوں نے انھیں چھوڑ کر حج کرنا تک پسند نہیں کیا۔ (٢١)

باپ کے تعلق سے باپ کے دوست واحباب بھی قابل تعظیم ومستحق خدمت ہوجاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے:

"إن أبر البر أن يصل الرجل اهل ودأبيه" (٢٢)

سب سے زیادہ حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست سے بھی حسن سلوک کرے۔

(٣) چناں چہ حضرت ابوالدرداء مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام سفر کرکے ان کی عیادت کو گئے انھوں نے پوچھا: اس شہر میں کیوں آئے ہو؟ فرمایا: صرف اس لیے کہ آپ میں اور میرے والد میں دوستانہ تعلقات تھے۔ (٢٣)

صحابہ کرامؓ بھائیوں کے ساتھ: خاندانی زندگی میں اخوت کا ایسا رشتہ ہوتا ہے جو انتہائی مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے ایک بھائی دوسرے بھائی کی اعانت ومروت کا ہمہ وقت محتاج ہوتا ہے جب اس رشتے میں محبت والفت کا رس گھلا ہوا ہو تو زندگی میں شیرینی ولذت آجاتی ہے، دیکھیے صحابہ کرام کی زندگیوں میں رشتۂ اخوت کی کیا اہمیت ہے:

(۱) حضرت عمرؓ کو اپنے بھائی زید سے اس قدر محبت تھی کہ وہ غزوۂ یمامہ میں شہید ہوئے تو عمر بھر ان کا داغ دل سے نہ مٹ سکا، فرمایا کرتے تھے کہ: جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے مجھے زید کی خوشبو آتی ہے۔ (۲۴)

(۲) حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہؓ ان کا حال معلوم کرنے آئیں، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملاقات ہوئی لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ان کی نسبت کچھ معلوم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کی عقل زائل نہ ہو جائے، ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کے لیے دعا کی، انھوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں۔ (۲۵)

مہر کی ادائیگی: دور حاضر میں عورتوں کے حقوق کو بے دریغ پامال کیا جا رہا ہے، خصوصا مہر کی ادائیگی تو نسیا منسیا ہے، لیکن حضرات صحابہؓ کے یہاں مہر کی حیثیت قرض کی تھی اگر بالفرض زندگی میں ادا نہ بھی کر پاتے تو موت کے وقت تو وصیت فراموش ہو ہی نہیں سکتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی شادی کر دی، وہ صحابی عورت کو مہر نہیں دے سکے تھے کہ پیغام موت آ پہنچا، اسی وقت وصیت کی کہ ہمارا خیبر کا حصہ عورت کو مہر میں دے دیا جائے، دے دیا گیا، عورت نے اس کو فروخت کیا تو ایک لاکھ درہم قیمت ملی۔ (۲۶)

بیویوں کے درمیان عدل: اسلام نے متعدد مصالح کی بناء پر ہر شخص کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی، لیکن اس سلسلے میں اہم شرائط عائد کی ہیں اور بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے، ساتھ ہی متنبہ کر دیا ہے کہ قیام عدل جوئے شیر لانا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

ولن تستطيعوا أن تعدلوا بين النساء (۲۷)

اور تم لوگ متعدد عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

لیکن صحابہ کرام کے لیے یہ چیز بھی آسان تھی، حضرت معاذ بن جبلؓ کی دو بیویاں تھیں انھوں نے اس احتیاط اور شدت سے مساوات کا معاملہ کیا کہ جس دن ایک کی باری ہوتی، اس دن دوسری کے گھر کھانا پینا یا آرام کرنا تو کجا، اس کے گھر کے پانی سے وضو تک نہ فرماتے تھے۔ (۲۸)

تقسیم وراثت اور صحابہؓ: وراثت کی اہمیت اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، خصوصاً ان حالات میں، جب کہ اولاد سے محبت میں مساوات نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے حصے کا تصور ہی ذہن میں نہ آتا ہو اور اسلام نے ماں، بیوی اور بیٹی سبھی کو مستحق قرار دیا ہو لیکن صحابہ کرامؓ کی زندگی کا جائزہ لیجیے اور عش عش کرتے رہیے، حضرت ابوبکرؓ کو اپنی صاحب زادی حضرت عائشہ سے دیگر اولاد کی بہ نسبت زیادہ محبت والفت ہے، ان کو کچھ مال دیا ہوا ہے، پر اب تک قبضہ نہیں ہو سکا ہے، اس لیے ہبہ مکمل نہیں، اچانک وقت موت آ پہنچتا ہے، فرماتے ہیں: ''اے بیٹی! مجھے اس بات سے زیادہ عزیز کوئی اور چیز نہیں کہ تم میرے بعد خوش حالی کی زندگی گزارو اور اس سے زیادہ ناگوار کوئی چیز نہیں کہ تم افلاس کی زندگی گزارو، تاہم میں نے تمہیں جو مال ہبہ کیا ہے اس پر قبضہ نہیں ہوا اور

وہ وراثت میں شامل ہے، تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں بھی وارث ہیں؛ اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لینا: '' بولیں: اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تب بھی میں چھوڑ دیتی۔ (۲۹)

اپنے کام خود کرنا: عائلی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے صحابہ کرام کی اس صفت کو ذکر کرنا بے محل نہیں ہوگا وہ اپنے امور از خود انجام دینے کی عادی تھے، کسی دوسرے پر بوجھ بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ چیز ہندوستانی معاشرے کے پیش نظر- جس میں بیوی کو گھر کا نوکر بنا کر رکھنا ایک عام بات ہے- نہایت اہم ہے، پھر صحابہ عظامؓ اس کو کوئی عیب بھی نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں:

''ہم سب رسول اللہ کے ساتھ خود اپنے خادم تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے'' (۳۰)

ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ مشک لیے آ رہے تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے، بولے: رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس مسلمان کے تین لڑکے مر جاتے ہیں، خدا اس کو جنت دیتا ہے۔ (۳۱)

صحابیات کا معمول: صحابیاتؓ کا بھی یہی معمول تھا، وہ سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کر کے بھی خانہ داری کے کام خود کرتی تھیں، حضرت فاطمہؓ نبی آخر الزماں -صلی اللہ علیہ وسلم- کی محبوب ترین صاحب زادی تھیں، لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغ دار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔ (۳۲)

ازواج مطہرات گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جو پیسے تھے، اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں، آپ آئے تو جگایا۔ (۳۳)

ان سطور کا مقصد صحابہ کرامؓ کی عائلی زندگی کے نمونے پیش کرنا ہے جس کی کچھ نہ کچھ جھلک سامنے آ ہی گئی، اب ان سطور کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ایک ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے جو صحابہ کرام کے طرز زندگی کا اندازہ لگانے کے لیے نہایت جامع ہے، حضرت فرماتے ہیں:

> ''جو شخص کسی کی سنت اختیار کرنا چاہتا ہے وہ ان اسلاف کا طریقہ اختیار کرے جو گزر چکے کیوں کہ زندہ شخص پر فتنہ سے امن نہیں ہو سکتا، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، جو اس امت کی افضل ترین شخصیات ہیں، امت میں سب سے نیک دل، سب سے گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کی زندگی گزارنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کے قیام کے لیے منتخب کیا، تم ان کی فضیلت کو پہچانو! ان کے نقش قدم پر چل کر ان کا اتباع کرو! جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے اخلاق و کردار کو مضبوطی سے پکڑ لو! کیوں کہ یہ سیدھے راستے پر مستقیم ہیں''۔ (۳۴)

اللہ تعالیٰ ان نجوم ہدایت کی اتباع کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ☆

حوالہ جات

(۱) سیرت النبی ۲۴/۶
(۲) دیباچہ سیرت کبریٰ: ص ۱۴
(۳) مقدمہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ۲/۱۸۸ء بحوالہ آثار الحدیث ۱/۳۸۳
(۴) المعجم الوسیط ص: ۶۳۷
(۵) سنن ابوداؤد حدیث: ۱۷۳۱۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۲۸۴۴
(۶) سیوطی: تاریخ الخلفاء ۱/۸۲۔ تذکرہ حضرت معاویہؓ۔ فصل فی نبذ من اُخبارہ
(۶) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ
(۷) الادب المفرد، حدیث: ۹۹
(۸) صحیح مسلم، حدیث: ۲۷۲۵
(۹) صحیح بخاری، باب صوم الصبیان
(۱۰) کنز العمال، حدیث: ۳۶۵۹۲
(۱۱) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت عاتکہ بنت زیدؓ
(۱۲) سنن ابوداؤد، حدیث ۵۱۴۰
(۱۳) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت عاتکہؓ
(۱۴) سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۵۹۰
(۱۵) سنن ابوداؤد، حدیث: ۵۲
(۱۶) سنن ابوداؤد، حدیث: ۱۷۴۷
(۱۷) صحیح مسلم، حدیث ۲۳۶۳
(۱۸) صحیح مسلم، حدیث ۵۸۲۲
(۱۹) صحیح مسلم، حدیث ۲۵۲۷
(۲۰) طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت اسامہ بن زیدؓ
(۲۱) صحیح مسلم، حدیث: ۴۴۱۰
(۲۲) صحیح مسلم، حدیث: ۶۶۷۷۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۵۷۲۱
(۲۳) مسند امام احمد بن حنبل ۴۵۰/۶ حدیث: ۲۷۵۸۶
(۲۴) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت زیدؓ بن خطاب
(۲۵) طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت حمزہؓ
(۲۶) سنن ابوداؤد، حدیث: ۲۱۱۹
(۲۷) النساء: ۱۲۹
(۲۸) نزہۃ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار، تذکرہ حضرت معاذ بن جبلؓ
(۲۹) موطا امام مالکؒ، حدیث: ۲۸۸۳
(۳۰) سنن ابوداؤد، حدیث: ۱۶۹
(۳۱) الادب المفرد۔ حدیث: ۱۵۰
(۳۲) سنن ابوداؤد، حدیث: ۲۹۹۰
(۳۳) الادب المفرد۔ حدیث: ۱۲۰
(۳۴) جامع الاصول۔ حدیث: ۸۰

☆ ان سطور کی ترتیب میں ''سیر الصحابہ، ادارہ اسلامیات لاہور'' سے بھی تعاون لیا گیا ہے۔


صحابہ رضی اللہ عنہم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا زین العابدین انصاری ☆

صحابہ رضی اللہ عنہم اور حمیت اسلامی

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی اسلامی حمیت

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اسلام کی دعوت مکہ کے لوگوں کو دی تو انہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت شروع کردی، بت پرستی میں رچے بسے آزاد طبیعت عربوں کے لئے ایک اللہ کی عبادت اپنے آباء واجداد کے رواج ورسوم کے خلاف معلوم ہوئی؛ اس لئے سب بڑے بڑے سردار آپ (ﷺ) کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے، ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شبیہ، امیہ بن خلف وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے مشن کو مٹا ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کو زور لگا دیا، ان ہی مخالفین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، اسلام کی ترقی برداشت نہ کرسکے اور ننگی تلوار لے کر آپ ﷺ کو قتل کرنے نکلے۔

اس طرح ننگی تلوار لے کر جاتے دیکھا تو لوگ سمجھ گئے کہ آج پھر کسی کی خیر نہیں، کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایسے ظالم انسان کو ٹوکے؛ لیکن اس کے خاندان میں ہی ایک نوجوان — نعیم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ — بڑے حق پسند، بیباک، اور بے خوف تھے، اسلام ان کے دل میں گھر کر چکا تھا، مگر انہوں نے کسی کو بتایا نہیں تھا کہ وہ بھی محمد ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں، انہوں نے اس طرح برہنہ تلوار لے کر اس ظالم کو گھر سے نکلتے دیکھا تو ان کا ماتھا ٹھنکا، پوچھا ''ابن خطاب! خیر تو ہے کہاں جاتے ہو؟

چہرے پر غصہ کی سرخی اور لہجے میں تشدد کی کڑواہٹ لئے جواب دیا ''ابی طالب کے بھتیجے نے قریش میں لادینی کا فتنہ کھڑا کردیا ہے، آج اس فتنہ کو ختم کرنے جارہا ہوں''

''اس تلوار سے''

''ہاں اس تلوار سے آج یہ محمد کے سر کو (معاذ اللہ) تن سے جدا کردے گی''

ابن خطاب نے تلوار اونچی کرتے ہوئے کہا۔

حضرت نعیم نے کہا ''واللہ عمر! تمہارے نفس نے تمہیں دھوکہ میں ڈال دیا ہے، اگر تم محمد ﷺ کو قتل کردوگے تو کیا اس کے

☆ نائب صدر مدرس دار العلوم حیدرآباد

خاندان بنی عبد مناف کے لوگ تم کو زمین پر چلنے پھرنے کے لئے زندہ چھوڑ دیں گے؟ ہمارے خاندان بنی عدی کی ان کے سامنے کیا بساط ہے؟

اس بات نے عمر بن خطاب کا پارہ اور چڑھا دیا، بولے'' مجھے لگتا ہے نعیم تو بھی بے دین ہوگیا ہے، شاید تو نے بھی اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا ہے، لا پہلے تیری ہی گردن مارتا ہوں''

ایک لمحہ کے لئے حضرت نعیمؓ کو لگا کہ عمران کی گردن اڑادے گا، مگر ایمان کی تقویت نے کوئی خوف چہرے پر نہیں آنے دیا، انہوں نے بڑی جرأت سے کہا'' میاں عمر! گھر کی خبر لو، دوسروں کے لئے تلوار اٹھائے پھرتے ہو اور تمہارے اپنے گھر ایمان کے ترانے گونج رہے ہیں'' ــــــ'' میرے گھر میں! کس کی مجال جو میرے گھر میں ایسا کرے'' عمر کا غصہ حیرت میں بدل چکا تھا۔

'' جی آپ کے گھر میں، آپ کے بہنوئی سعیدؓ بن زید اور آپ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب کبھی کے مسلمان ہو چکے ہیں''۔

عمر جوش غضب سے بے قرار سیدھے بہنوئی کے گھر پہنچے، دیکھا کہ واقعی وہاں قرآن کی صدائے دل نواز گونج رہی ہے، پہلے مار پیٹ ہوئی، پھر بحث و تکرار ہوئی اور آخر قرآن کی برچھی سینہ میں ایسی چبھی کہ تاریکی کے سب پردے پھٹتے چلے گئے، خود ہی پکار اٹھے'' بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''(۱)

حضرت ابوذر غفاریؓ کا جوش ایمان

حضرت ابو ذر غفاریؓ کی حق پرستی کا یہ حال تھا کہ اسلام کے ظہور سے پہلے جب تمام عرب میں بت پرستی کا رواج تھا، تب بھی یہ توحید پرست تھے، ایسی سلیم طبیعت اور پاکیزہ فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے کہ اپنے اجتہاد ہی سے لا الہ الا اللہ پکارا کرتے تھے۔

آرائش وزیبائش

حضرت ابوذر غفاریؓ کیسے خطرناک حالات میں اعلان حق سے نہیں کتراتے تھے، ان کی حق پسند طبیعت کا یہ حال تھا کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لئے مکہ بھیجا، انہوں نے واپس جاکر بتایا کہ'' خدا کی قسم! وہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے'' اتنا سننا تھا کہ یہ فوراً مکہ کی جانب چل کھڑے ہوئے، مکہ پہنچ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے، اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ارقمؓ بن ارقم کے مکان پر خفیہ اسلام کی تحریک چلا رہے تھے، چند گنے چنے لوگ اس وقت تک ایمان لائے تھے، کفار قریش کی ایذا رسانیوں اور ظلم و زیادتی کے ڈر سے کسی کی ہمت اعلان حق کی نہ ہوتی تھی، کفار اگر کسی کو اسلام کی طرف راغب ہوتے دیکھتے تھے تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی طبیعت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ حق کام بھی چوری سے کریں، ان کو جب یہ ہدایت کی گئی کہ ابھی

قریش کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرنا، ورنہ وہ سب تمہاری جان کے دشمن بن جائیں گے، تو انہوں نے کہا'' خدا کی قسم! ابوذر سے یہ نہ ہوگا کہ وہ اسلام جیسی حق چیز کو پوشیدہ رکھے'' یہ کہہ کر مسجد حرم میں آئے، یہاں بہت سے قریش اکٹھا تھے، انہوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا'' اے اہل قریش! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں'' اتنا سننا تھا کہ قریش غصہ کے مارے آپے سے باہر ہوگئے، لوگوں نے للکارا کہ ذرا اس بے دین کو پکڑو، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے، لاتوں گھونسوں سے اس قدر مارا کہ بے دم ہوگئے، حضرت عباس ﷺ بن عبدالمطلب بھی وہاں موجود تھے، انہیں ایک پردیسی کو اس طرح پٹتے دیکھ کر ترس آیا، وہ ان کے اوپر گر پڑے اور قریش کو سمجھایا کہ کیا حماقت کرتے ہو، یہ بنوغفار کا آدمی ہے، وہ قبیلہ شام کے راستے میں پڑتا ہے، اگر یہ مرگیا تو تمہارے لئے شام سے تجارت کرنا مشکل ہو جائے گا، یہ بات سن کر قریش نے انہیں چھوڑا۔

اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ کسی طرح اترنے والا نہ تھا، اس صادق و بیباک صحابی سے یہ گوارا نہ ہوا کہ اسی طرح لوٹ جاتا۔

دوسرے دن مسجد میں جا کر پھر اعلان حق کیا اور پھر قریش کی مار کھائی، لوگ مارتے جاتے تھے اور یہ اعلان حق کرتے جاتے تھے، آخر پھر حضرت عباس ﷺ بن عبدالمطلب نے اسی طرح مشرکین کے ہاتھ سے بچایا — آپ نے واپس وطن پہنچ کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا، ان کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دین کے معاملے میں کسی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کی حق گوئی کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

''آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ صادق کوئی نہیں'' (۲)

حضرت جعفر طیار ﷺ کی تقریر حبشہ میں

مکہ میں جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی مختصر جماعت پر قریش مکہ کے مظالم بہت زیادہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت کو حبشہ (افریقہ) کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی، یہ جماعت حضرت جعفر ﷺ بن ابی طالب کی قیادت میں حبشہ پہنچی، یہاں کا بادشاہ نجاشی تھا جو عیسائی تھا، اس نے ان لوگوں کو امن سے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔

کفار مکہ کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ مسلمانوں کی جماعت خاموشی سے حبشہ چلی گئی تو انہوں نے اس کو اپنی سیاسی شکست سمجھا، تمام قریش دارالندوہ (۳) میں جمع ہوئے اور کہا کہ نجاشی پر مسلمانوں کا اثر قائم ہونا اچھا نہیں ہے! اس لئے کسی بھی طرح ان کو مکہ واپس لایا جائے، اس کام کے لئے انہوں نے دو قریشی سردار، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی امیہ کو نجاشی کے پاس بہت سے قیمتی تحفے لے کر بھیجا، انہوں نے حبشہ جا کر نجاشی کو بتایا کہ '' ان کے یہاں جو باغیوں کی جماعت آئی ہے وہ اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہوگئی ہے، وہ حضرت عیسی علیہ السلام و مریم کے متعلق بھی اچھا نظریہ نہیں رکھتے تثلیث (۴) کے خلاف ہیں اور تمام مذہب کو

رد کرتے ہیں۔

نجاشی نے تحقیق حال کے لئے ان لوگوں کو دربار میں طلب کرلیا، مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ وہ کیا کہیں گے؟ اگر حضرت عیسی اور مریم کے متعلق کوئی بات عیسائیوں کے عقیدے کے خلاف کہہ دی تو سخت سزا ملے گی. سب نے آپس میں مل کر مشورہ کیا کہ کیا جواب دیا جائے، حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب نے فرمایا: ''بھلے ہی ہمیں کچھ بھی سزا ملے، مگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق صرف سچی بات ہی کہنی چاہئے، سچ کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

جب یہ نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے ان سے پوچھا: ''تم لوگوں کا عقیدہ کیا؟''

حضرت جعفر ؓ نے فرمایا: ''اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، گندے کام کرتے تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے، ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، پھر اللہ نے ہم میں سے ہی ایک رسول (ﷺ) پیدا کیا، ہم اس کی خاندانی شرافت اس کی صداقت، اس کی امانت داری اور اس کی پاکبازی کو جانتے تھے، بس اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی، بت پرستی سے رکا، سچی بات، صلہ رحمی اور پڑوسیوں سے بھلائی کا سبق دیا، حرام باتوں سے، خون خرابے سے، فحش چیز وں سے اور فریب سے اور یتیم کا مال کھانے سے منع کیا، ہمیں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کا حکم دیا، بس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی''

نجاشی نے پوچھا: ''تمہاری کتاب میں حضرت مریم اور عیسی کے متعلق کیا لکھا ہے؟''

حضرت جعفر ؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں اور بتایا کہ ''ہم حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اس کا پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں''

نجاشی نے اتنا سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا ''خدا کی قسم عیسی بن مریم کے سلسلے میں تمہارے دین میں اس تنکے کے برابر بھی غلو نہیں ہے ــــــ جتنا تمہاری کتاب میں لکھا ہے وہ ہی صحیح ہے'' اور اسلام قبول کرلیا، مسلمانوں کی حق گوئی اور صداقت کا اس بادشاہ پر بڑا اثر ہوا اور عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی امیہ ناکام ونامراد واپس لوٹ آئے۔ (۵)

ابوجہل کو قتل کی بشارت دی

حضرت سعد ؓ بن معاذ جب عمرہ کی نیت سے مکہ پہنچے تو اپنے ایک دوست امیہ بن خلف کے مکان پر قیام کیا اور اس کو یہ تاکید کی کہ جس وقت حرم شریف بھیڑ بھاڑ سے خالی ہو تو اطلاع کردے؛ تاکہ وہ اطمینان سے اسلام کے طرز پر عمرہ ادا کریں، دو پہر کے وقت جب انہیں حرم کے خالی ہونے کی اطلاع ملی تو وہ امیہ بن خلف کے ساتھ طواف کے ارادہ سے نکلے، راستہ میں ابوجہل سے ان کی ملاقات ہوئی، امیہ بن خلف خود اسلام کا ایک بہت بڑا دشمن تھا، اس نے حضرت سعد ؓ کا ابوجہل سے تعارف کرایا اور کہا یہ ابوالحکم ہیں، قریش مکہ کے ایک بہت بڑے سردار ہیں، ابوجہل نے پوچھا یہ کون ہیں؟ امیہ نے کہا ''یہ سعد ؓ بن معاذ ہیں،

محمد(ﷺ) کے اصحاب میں سے ہیں'' ابوجہل نے امیہ سے کہا: ''افسوس! تم ان صابیوں (بے دین لوگوں) کو پناہ دیتے ہو اور ان کے مددگار بنتے ہو، اگر تم ساتھ نہ ہوتے تو میں اس بے دین کو زندہ واپس نہ جانے دیتا''

حضرت سعد ؓ بن معاذ غصہ سے سرخ ہو کر بولے ''او بے دین تو مجھے کچھ کہہ پھر دیکھ تجھے کیا مزہ چکھایا جاتا ہے، مدینہ تمہاری تجارت کے راستہ میں پڑتا ہے، دیکھنا تمہارا وہاں کیا حشر ہوگا'' امیہ بن خلف نے کہا ''سعد! یہ ابوالحکم (ابوجہل) مکہ کے ایک بہت بڑے سردار ہیں، ان سے تمیز سے بولو اور آواز مدہم رکھو''، حضرت سعد ؓ نے امیہ سے کہا: ''امیہ کس کی باتیں کرتے ہو میں نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے یہ بشارت سنی ہے کہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔'' اس نے پوچھا ''کیا مسلمان مکہ میں آکر ماریں گے؟،، کہا ''یہ مجھے پتہ نہیں؛ البتہ یہ میرا ایمان ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔''(۶)

غلام نے آقاؤں کو حق کی تلقین کی

نبوت کے دسویں سال میں رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ اہل مکہ نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی اور ان لوگوں کے دل اسلام کی طرف راغب نہیں ہوئے، تو آپ ﷺ نے دوسرے قبائل میں دین کی تبلیغ کا ارادہ فرمایا، آپ اپنے غلام زید ؓ بن حارثہ کو لے کر طائف تشریف لے گئے، یہاں کے لوگوں نے مکہ والوں سے بھی زیادہ نالائقی کا ثبوت دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی، دین کے پیغام کا مزاق اڑایا، کچھ غنڈوں اور اوباشوں کو پیچھے لگا دیا، انہوں نے آپ ﷺ کے اتنے پتھر مارے کہ پنڈلیاں لہولہان ہوگئیں، جوتے خون سے بھر گئے، آپ ﷺ نے ایک باغ کے احاطے میں پناہ لی۔

یہ باغ مکہ رئیس عتبہ اور شیبہ ابنان ربیعہ کا تھا، یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے؛ لیکن عربوں کی وضع داری اور روایتی مہمان نوازی کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ان لوگوں نے آپ ﷺ کے پاس اپنے غلام عداس کو کچھ انگور ایک طشتری میں دے کر بھیجا، عداس عیسائی مذہب کے پیرو تھے. انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی تو بہت متاثر ہوئے، آپ ﷺ کی ذات میں وہ سب نشانیاں موجود پائیں، جو عیسائیت کی کتابوں میں نبی آخرالزماں کے لئے بتائی گئی تھیں، انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا، عقیدت سے آپ ﷺ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور فرط مسرت سے آپ ﷺ کے ہاتھ چومنے لگے۔

عداس ؓ کے مالک اور اسلام کے دشمن عتبہ اور شیبہ دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، جب عداس ؓ ان کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے عداس ؓ کو بہت ڈانٹا کہ انہوں نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پاؤں کیوں چومنے؛ حالاں کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ میں کئی غلاموں پر صرف اس لئے مصیبت کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، مگر جس کا دل ایمان کی شمع سے منور ہو جاتا ہے ان کو ظلم کی تاریکی کا خوف کب رہتا ہے۔

عداس ؓ نے نہایت بے خوفی سے عتبہ و شیبہ کو جواب دیا:

''صاحبو! یہ مسافر ایک عالی مرتبہ ہستی ہے، آج روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے،

اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو نبی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی، وہ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں، جو ان کے پیروی نہیں کرے گا وہ خسارے میں رہے گا''

عتبہ وشیبہ نے حضرت عداس ؓ کو بہت ڈانٹا کہ وہ اچھا دین — عیسائیت — چھوڑ کر اس نئے دین کو قبول نہ کریں؛ لیکن وہ بادہ توحید سے سرشار ہو چکے تھے، بھلا سرور دو عالم ﷺ کی غلامی کو کیسے ترک کر سکتے تھے وہ اپنے مالکوں کی مرضی کے خلاف ان کو اسلام کی رغبت دلاتے تھے۔

۲ھ ۶۲۴ء میں بدر کے معرکہ میں شامل ہونے کے لئے عتبہ اور شیبہ تلوار لے کر مسلمانون کے خلاف نکلے تو حضرت عداس ؓ نے ان سے کہا:

''اے صاحبو! تم نے جس کے خلاف یہ تلوار اٹھائی ہے، اس کے اللہ کا رسول (ﷺ) ہونے میں کوئی شبہ نہیں، میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ لوگ اس کے مقابلہ کو نہ نکلیں، میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں، پاؤں پڑتا ہوں، آپ ایسا ہرگز نہ کریں، آپ اللہ کے رسول (ﷺ) سے لڑنے کا ارادہ ترک کر دیں، ورنہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپ کو تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا''

عتبہ اور شیبہ کے دل پر عداس ؓ کی بات نے اثر کیا، قریب تھا کہ وہ اپنے فیصلے کو بدل دیتے؛ لیکن ابوجہل نے ان کو قومی حمیت اور جاہلی عصبیت کا طعنہ دے کر بدر کی جنگ میں شامل ہونے کو مجبور کر دیا اور وہ قریش کے قافلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف چل دئے۔

حضرت عداس ؓ پھر بھی ان کو حق سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے؛ اس لئے وہ ثنیۃ البیضاء میں جا کر بیٹھ گئے، جب عتبہ اور شیبہ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے کہا:

''خدا کی قسم! جس شخص سے تم لوگ لڑنے جا رہے ہو وہ بلا شبہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں، آپ ان کے مقابلہ میں نہیں ٹک سکتے، ان سے جنگ کر کے تم ضرور برباد ہو جاؤ گے، اس لئے ازراہ خیر خواہی آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ محمد (ﷺ) کے مقابلہ کو نہ جائیں''

عتبہ اور شیبہ کے سر پر موت منڈلا رہی تھی؛ اس لئے وہ اس حق بات کو سنی ان سنی کر کے بدر کی طرف روانہ ہو گئے، کچھ دیر بعد عاص بن شیبہ ادھر آیا تو اس نے حضرت عداس ؓ کو روتے ہوئے دیکھا، اس نے پوچھا عداس! تم رو کیوں رہے ہو؟''

انہوں نے ایک بار پھر اپنے کلمات حق دہرائے:

''میرے دونوں مالک اللہ کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرنے نکلے ہیں، خدا کی قسم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا وہ خائب وخاسر ہوگا'' عتبہ اور شیبہ کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں میدان بدر میں

قتل کردیئے گئے''(۷)

نبی کو جھٹلانے والے گدھوں سے بدتر ہیں

حضرت عمیر ﷺ بن سعد انصاری بچپن سے ہی بڑے حق گو اور بے خوف صحابی تھے، جوش ایمانی اور عشق رسول ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کے لئے اپنی ہر دولت قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، یہ بہت چھوٹے تھے ان کے والد کا انتقال ہوگیا، ان کی ماں نے جلاس بن سوید سے نکاح کرلیا اور حضرت عمیر ﷺ بھی اپنی ماں کے ساتھ جلاس کے گھر چلے گئے، جلاس ان سے محبت کرتے تھے۔ یہ بھی اپنے سوتیلے باپ کی بہت عزت کرتے اور ان کے کرم اور التفات کا احترام کرتے تھے۔

جلاس بھی مسلمان ہوگئے تھے؛ لیکن ان کا عقیدہ اسلام میں ابھی پختہ نہیں ہوا تھا؛ بلکہ ان کا ایمان صرف ظاہری طور پر تھا ؛لیکن حضرت عمیر ﷺ اس وقت بھی دل کی گہرائیوں سے مسلمان تھے، ایک دن جلاس نے حضرت عمیر ﷺ کی موجودگی میں یہ کہا کہ'' اگر محمد (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں'' عمیر ﷺ حالانکہ بچے تھے اور جلاس کے احسانات میں ہر طرح سے دبے ہوئے تھے، یہ جانتے تھے کہ جلاس کے علاوہ دنیا میں ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور جلاس اپنے عقیدے کے خلاف کوئی بات برداشت کرنے والا کب تھا فوراً اس کو جواب دیا''بلاشبہ محمد ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور تم گدھوں سے بدتر ہو۔''

جلاس کو اپنے پروردہ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی انہوں نے فوراً حضرت عمیر ﷺ کو گھر سے نکال دیا اور کہا:''میں تجھ جیسے احسان فراموش کی کفالت نہیں کرسکتا''لیکن انہیں ایسے شخص کے التفات کی تمنا بھی نہیں تھی۔(۸)

حضرت ابوبکر ﷺ نے گستاخ کا منہ بند کیا

بدر، احد اور خندق وغیرہ کی کئی جنگوں کے بعد رسول اللہ ﷺ ۶ھ ۸۲۶ء میں جب عمرہ کی نیت سے نکلے۔ مکہ کے باہر حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ ﷺ لوگوں کو امن کا پیغام دینا چاہتے تھے؛ اس لئے آپ ﷺ نے یہ کوشش کی کہ قریش مکہ سے کوئی صلح کا معاہدہ ہوجائے اور جنگ وجدل کا ماحول ختم ہو، جس سے لوگوں کو سکون سے اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے، آپ نے قریش کے پاس صلح کی دعوت بھیجی، قریش نے بھی اپنی طرف سے اس طرح کا جواب دیا اور ایک سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو اس غرض سے بھیجا کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کا ارادہ معلوم کرے اور صلح کی بات پر گفتگو کرے، عروہ بن مسعود جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو بڑے رعب سے بات چیت کی اور مسلمانوں کو قریش کی طاقت سے مرعوب کرنے کی کوشش کرنے لگا، اس نے کہا''اے محمد (ﷺ)!تم نے یہ چند بے سروسامان لوگ جمع کرلئے ہیں، انہیں لے کر مکہ اس لئے آئے ہو کہ اپنا مطلب نکالیں ؛لیکن یہ سمجھ لو کہ قریش مکہ سے نکل آئے ہیں، بہترین سواریاں ساتھ ہیں اور چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں، سب نے قسم کھا کر آپس میں عہد کیا ہے کہ تمہیں کس طرح مکہ میں نہ گھسنے دیں گے اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے یہ سب ساتھی جو اس وقت تمہارے گرد جمع ہیں تمہیں

چھوڑ کر ہوا ہو جائیں گے''

حالاں کہ یہ بڑا نازک موقع تھا اور رسول اللہ ﷺ قریش سے صلح چاہتے تھے؛ اس لئے مصلحتاً سب کو چپ رہنا چاہئے تھا؛ لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایسی لایعنی باتیں برداشت نہ کر سکے، انہوں نے عروہ کو جواب دیا ''اے بیہودہ لات کی شرم گاہ کو چومنے والے! کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟''

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس سخت جواب نے اس گستاخ کا منہ بند کر دیا۔(۹)

حوالہ جات

(۱) خلفائے راشدین، ص:۹۵
(۲) مسلم جلد دوم۔ فضائل ابی ذر، مستدرک حاکم جلد ۳، ترمذی
(۳) مکہ میں قریش کے اہم مشورہ کرنے کی جگہ
(۴) عیسائی عقیدہ توحید۔ باپ بیٹا اور روح القدس
(۵) مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۰۱
(۶) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۳
(۷) اصابہ ابن حجر اسقلانی
(۸) سیرۃ انصار جلد ۲ ص ۱۲۱۱
(۹) سیرۃ صحابہ جلد ۷ ص ۱۷۹

مولانا نورالامین صاحب ☆

صحابہ کرام ؓ اور محبت رسول ﷺ

حرف اول

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین." تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔(۱) اس حدیث کے اندر آپ ﷺ نے محبت رسول ﷺ کو ایمان کی کسوٹی اور معیار قرار دیا ہے، جس پر صحابہ کرام ؓ پورے اترتے تھے، صحابہ کرام ؓ آسمان نبوت کے چمکتے ستارے تھے، آغوش نبوت ﷺ کے پروردہ تھے، رسول اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ وصحبت یافتہ تھے، آپ ﷺ کو قریب سے دیکھا تھا، پڑھا تھا، ان کے سینوں پر آفتاب رسالت کی کرنیں براہ راست پڑی تھیں اور انہوں نے بلا واسطہ مشکوۃ نبوت سے اکتساب فیض کیا تھا، اس لیے ان کے دلوں میں نبی اکرم ﷺ کی عظمت، عقیدت، محبت اور الفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ پر اس طرح جان چھڑکتے تھے جیسے شمع پر بے تاب پروانے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، انہوں نے آپ ﷺ پر عقیدت ومحبت کے وہ پھول نچھاور کیے ہیں کہ چشم فلک نے ایسا نظارہ نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ تا قیامت اس کا امکان ہے۔

صحابہ ؓ کی محبت بھری ادائیں

صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کی محبت کے لیے اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دیا، مختلف تکلیفیں برداشت کیں، مصیبتیں جھیلیں مگر جبین عقیدت ومحبت پر کبھی شکن نہ آنے دیا، انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کو کوئی کانٹا چبھے یا آپ ﷺ کے جسم پر کوئی خراش آئے، ہمیشہ آپ ﷺ کے متعلق فکر مند رہتے کہ مبادا کوئی دشمن ان کو گزند نہ پہنچائے، آپ ﷺ کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر صحابہ کرام ؓ خوشی سے جھوم اٹھتے اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھیلنے لگتیں اور آپ ﷺ کو غمزدہ دیکھ کر غمگین وآبدیدہ ہو جاتے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ شاید ان کی دنیا اجڑ گئی۔

☆ استاذ دارالعلوم حیدرآباد

آپ ﷺ غزوات میں شریک ہوتے تو صحابہ کرام ؓ کے ذہنوں پر تفکرات کے بادل چھا جاتے، آپ ﷺ کے سر اور ریش مبارک سے اگر کوئی بال گرتا تو صحابہ کرام ؓ عقیدت ومحبت کے ساتھ اس کو تبرکاً جھپٹ کر اٹھا لیتے، جب آپ ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تو صحابہ ؓ آپ ﷺ کو پانی دیتے، وضو کراتے، مسواک دیتے، جوتا ولباس پہناتے، سوتے تو بیدار کرتے، نہاتے تو اپنے جسم سے آڑ کر لیتے، سفر میں ہوتے تو آپ ﷺ کی اونٹنی کو ہانکتے، آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے (کانما علی رؤسھم طیور)، آپ ﷺ کی خدمت میں بغیر طہارت کے حاضر ہونے اور مصافحہ کرنے کو ناگوار سمجھتے، اپنے بچوں کے لیے برکت کی دعا کراتے، آپ ﷺ کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے، ان کی زیارت کراتے، آپ ﷺ کا چہرۂ انور دیکھنے کے لیے بے تاب رہتے، پھل پکتا تو آپ ﷺ کی خدمت میں پہلے پیش کرتے، آپ ﷺ کی دعا وعنایت کا انتظار کرتے، اگر کوئی آپ ﷺ کے متعلق گستاخانہ الفاظ نکالتا تو سخت برہم ہوتے، غزوات میں آپ ﷺ کی حفاظت کرتے، آپ ﷺ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ کے در پر پڑے رہتے، آپ ﷺ کو جو چیزیں پسند ہوتیں ان کو کھاتے، جو ناپسند ہوتیں ان سے احتراز کرتے، آپ ﷺ کی ناراضگی کو فوراً بھانپ لیتے اور فوراً آپ ﷺ کے منشاء کے مطابق حکم کی تعمیل کرتے، الغرض آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام ؓ نے عشق ومحبت کے جو نمونے پیش کیے ہیں دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عروہ کا تأثر

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کے ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کے منظر کو عروہ نے دیکھا تو کافی متأثر ہوا اور اہل مکہ سے جا کر بیان کیا: ''میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمد ﷺ کے اصحاب جس قدر محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں، اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو ان لوگوں کے ہاتھوں میں ان کا تھوک گرتا ہے اور وہ اپنے جسم وچہرہ پر اس کو مل لیتے ہیں، اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص پہل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لیے لڑ پڑتے ہیں، اگر ان کے سامنے بولتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے ہیں'' (۲) کیسی الفت وعقیدت اور شیفتگی وفریفتگی تھی؟ تاریخ بھی ان کی محبت کے واقعات پر نازاں وفرحاں ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ کی والہانہ کیفیت

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ جنہوں نے آپ ﷺ کی ہر خوشی کو حرز جاں بنا لیا تھا اور جن کے قول وفعل میں عشق نبی ﷺ کی جھلک اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے جلوے موجود تھے، انہوں نے جب ایمانی جذبہ سے سرشار اور محبت رسول ﷺ میں مست ہو کر علی الاعلان اسلام کا پہلا خطبہ پیش کیا تو مشرکین مکہ آپ ؓ پر ٹوٹ پڑے، اس قدر مارا کہ چہرۂ مبارک خون آلودہ ہو گیا، چہرہ کی شناخت مشکل ہو گئی، بے ہوش ہو گئے اور لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ شاید یہ ان کی زندگی کی آخری سانس ہے، ابوبکر صدیق ؓ کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگ ہمدردی میں جمع ہو گئے، پورے دن بے ہوشی کے بعد آپ ؓ کو شام کو ہوش آیا، آپ ؓ کے والد

ابوقحافہ اور خاندان کے دیگر افراد موجود تھے، لیکن ہوش آنے کے بعد ان کی زبان پر جو سب سے پہلے الفاظ ابھرے وہ یہ تھے کہ حبیب خدا ﷺ کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنے والد محترم اور دیگر رشتہ داروں کے متعلق نہیں پوچھا اور نہ اس کی پروا کی کہ حضور اکرم ﷺ کا نام لینے ہی کی وجہ سے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، کیا اس عشق کی نظیر کہیں ملے گی؟ یہ تو عشق کی وہ آگ تھی جس میں دوسری ساری محبتیں جل کر خاکستر ہوگئیں تھیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان کے قبیلہ کے لوگ برہم ہوگئے اور گھر واپس آگئے، ان کی ماں ام خیرؓ سے کہا کہ حضرت ابوبکر ؓ کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو، ماں کی ممتا بھی تڑپ اٹھی اور سامنے کھانا لاکر رکھ دیا اور کہا کہ بیٹے دن بھر کے بھوکے ہو کھانا تناول کرلو، قربان جایئے حضرت ابوبکر ؓ کے اس بول پر: ''ماں خدا کی قسم میں کھانا نہیں چکھونگا بلکہ پانی کا گھونٹ تک نہ پیونگا جب تک سسکتی و بلکتی انسانیت کے مسیحا حضور اکرم ﷺ کے نورانی چہرہ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں۔'' حضرت عمر ؓ کی بہن ام جمیلؓ حاضر خدمت ہوئیں اور خبر دی کہ حضور اکرم ﷺ دارارقم میں بخیریت تشریف فرما ہیں، ابوبکر ؓ زخموں سے چور تھے، اپنی ماں کے سہارے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے لپٹ گئے، حضور ﷺ بھی ان سے لپٹ کر انہیں چومنے لگے اور آپ ﷺ کی آنکھیں نم تھیں، یہ تھی آپ ﷺ کی محبت جس نے تمام کلفتوں کو آسان کردیا اور تکالیف میں لذت وشیرنی پیدا کردی۔

اے جفا ہائے تو خوشتر زو فائے دیگراں

صحابہ کرام ؓ کی شگفتہ مزاجی

دیگر صحابہ کرام ؓ کی محبت کی اداؤں کو بھی ملاحظہ فرمائیں، اسید بن حضیر ؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کررہے تھے، آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی چبھودی انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا، آپ ﷺ اس پر راضی ہوگئے، لیکن انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بدن پر قمیص ہے اور میں برہنہ تھا، آپ ﷺ نے قمیص بھی اٹھادی، اس کے بعد وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا یارسول اللہ ﷺ یہی مقصود تھا، (۳) بلکہ صحابہ کرام ؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ابوہریرہ ؓ امام حسن سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولیے جہاں رسول ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا، چنانچہ انہوں نے پیٹ کھولا اور ابوہریرہ ؓ نے وہاں بوسہ دیا (۴) حضرت عمر بن جموح ؓ ایک فیاض صحابی تھے ان کو آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ ﷺ نکاح کرتے تو وہ آپ ﷺ کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کرتے (۵) حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تم نے اس کے لیے کیا تیاری کررکھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت ساری نمازوں، روزوں اور صدقوں کی تیاری تو نہیں ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میرے دل میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تو قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تم کو محبت ہے۔ (۶)

اپنے باپ پر آپ ﷺ کی عظمت کو ترجیح

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی وزوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہؓ سرتا پا عشق رسول ﷺ کی عملی تصویر تھیں، ان کو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت اور دلی وابستگی تھی، ایک مرتبہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جواب تک کافر تھے) مدینہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر تشریف لے گئے، حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بستر بچھا ہوا تھا، اس پر وہ بیٹھنا چاہتے تھے تو بیٹی نے فوراً بستر کو تہہ کر کے ہٹا دیا، اس پر ان کو غصہ آیا، پوچھا بیٹی بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے لائق نہیں ہوں بیٹی نے جواب دیا یہ پیارے حبیب ﷺ کا بستر ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کفر وشرک کی گندگی ونجاست سے آلودہ ہیں، سب سے مقدس و پاک ہستی کے بستر پر کفر وشرک کی گندگی میں ملوث شخص کو بیٹھنے دوں، یہ میرے لیے ممکن نہیں، آپ رضی اللہ عنہ میرے باپ ضرور ہیں لیکن سرکار دوعالم ﷺ کے حق میں کسی بے ادبی کو برداشت کرلوں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، حضور ﷺ کی رضامندی کے مقابلہ میں مجھے کسی کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تاؤ آگیا وہ کہنے لگے کہ تم میرے پیچھے بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوگئی، مگر امّ حبیبہؓ نے کوئی پرواہ نہ کی۔(۷) امّ حبیبہؓ کے دل میں عشق رسول اللہ ﷺ کی آگ اس قدر بھڑک چکی تھی کہ انہوں نے اپنے حقیقی باپ کو بھی خاطر میں لانا گوارا نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کی بیقراری

جس طرح آپ ﷺ کو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے بے پناہ محبت تھی، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے دل میں بھی محبت رسول ﷺ کے چشمے ہمیشہ ابلتے رہتے تھے، حضرت عائشہؓ کا دل نبی اکرم ﷺ کی محبت وعشق سے کس قدر معمور تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس دن ان کے یہاں آپ ﷺ کی باری ہوتی تو بوقت شب اگر آپ ﷺ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی نگاہ سے اوجھل ہوجاتے تو بے قراری کی تاب نہ لاکر تلاش وجستجو میں سرگرداں ہوجایا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں سوئی ہوئی تھی (بیدار ہوئی تو) آپ ﷺ کو اپنے پاس نہ پاکر بیتابی کے ساتھ ادھر ادھر ٹٹولنے لگی، آخر آپ ﷺ کے قدم مبارک پر میرا ہاتھ پڑا تو دیکھا کہ آپ ﷺ سربسجود ہیں اور اللہ کے حضور عرض کر رہے ہیں، اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری ثنا پوری طرح بیان نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے''۔(۸)

حضرت ام سلمہؓ کی چیخ وپکار

حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ آپ ﷺ کے عشق ومحبت اور درد وسوز میں مکمل ڈوبی ہوئی تھیں، مرض الوفات میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتیں تھیں، ایک مرتبہ آپ ﷺ پر مرض کا شدید حملہ ہوا تو یہ چیخ اٹھیں، آپ ﷺ نے ان کو اس عمل سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔(۹) ام سلمہؓ عشق رسول ﷺ میں اس قدر سرشار ومست تھیں کہ انہوں نے آپ

ﷺ کے موئے مبارک کو محفوظ کر رکھا تھا اور لوگوں کو اس کی زیارت کراتی تھیں۔ (۱۰)

حضرت خدیجہؓ کی ثابت قدمی

عورتوں میں سب سے پہلے اسلام کے دامن میں جگہ لینے والی خاتون اور آپ ﷺ کی پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں، انہوں نے سب کچھ آپ ﷺ پر قربان کر دیا تھا، انتہائی ثروت و مالداری کے باوجود آپ ﷺ کا ہر کام بذات خود کرنے کو اپنے لیے سعادت و خوش بختی سمجھتیں رہیں اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہر طرح کے مصائب وآلام کو برداشت کیا لیکن آپ ﷺ کی محبت وعقیدت پر کبھی حرف نہ آنے دیا بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کو امتحان وآزمائش کی بھٹی میں ڈالتی رہیں اور اپنی فکر کے بجائے ہمیشہ آقائے نامدار ﷺ کا غم کھاتی رہیں، اپنی دلدہی ودلداری اور تسلی وتشفی کے ذریعہ آپ ﷺ کی ہمت بڑھاتی رہیں، شعب ابی طالب میں جب آپ ﷺ بنو ہاشم وبنو عبدالمطلب کے ساتھ محصور تھے تو اس زمانہ میں فقر وفاقہ اور بھوک کی شدت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے اور بچے بلبلا اٹھے، جانوروں کی کھالیں اور درختوں کے خشک پتوں کے کھانے کی نوبت آگئی، مسلسل کئی کئی دن فاقے گذرنے لگے حضرت خدیجہؓ اس صبر آزما وکٹھن گھڑی میں مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے حاشیہ خیال میں یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوا کہ حضور انور ﷺ کی معیت ترک کر کے اپنے خاندان والوں میں چلی جائیں (۱۱) نبی پاک ﷺ کی محبت کا ہی جلوہ تھا کہ جب مرض الوصال میں آپ ﷺ کے مرض میں شدت پیدا ہوئی تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ اس کو برداشت نہ کر سکیں اور پکار اٹھیں، قسم بخدا میرا دل چاہتا ہے کہ یہ بیماری مجھ کو لگ جاتی۔ (۱۲)

صحابہ ﷺ کا اپنی اولاد کو وقف کرنا

صحابہ کرام ﷺ کی قدسی صفات جماعت نے حضور ﷺ کی خاطر نہ یہ کہ صرف اپنا گھر اور اپنا مال ومنال قربان کیا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے لیے وقف کر دیا، حضرت انس ﷺ کی ماں غمیصہؓ بنت ملحان جن کے دل میں لذت ایمانی کی شمعیں روشن تھیں اور جن کی پیشانی سے عشق رسول ﷺ کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، سلام کیا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! انصار کے تمام مرد وخواتین نے آپ ﷺ کو کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیا اور میرے پاس تحفہ دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، ہاں میرے پاس ایک بیٹا ہے، آپ ﷺ اس کو اپنی خدمت میں قبول فرمالیں، آپ ﷺ نے اس تحفہ کو بڑے قدر کے ساتھ قبول فرمالیا اور اپنے ساتھ اتنے پیار سے رکھا کہ پورے دس سال کے عرصہ میں کبھی چوں وچراں تک کی نوبت نہ آئی۔ (۱۳) حضرت سفینہؓ حضرت سلمہؓ کی والدہ کے غلام تھے، انہوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ تاحیات آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہیں گے، انہوں نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی لگاتیں تب بھی میں پوری زندگی آپ ﷺ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا۔ (۱۴)

آپ ﷺ سے برکت اندوزی

صحابہ کرام ؓ کے سینہ میں عقیدت والفت کا ایسا جذبہ موجزن تھا کہ ہمیشہ آپ ﷺ کی ذات گرامی سے مختلف انداز میں برکت حاصل کرتے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس شدہ چیزوں کو بطور یادگار رکھتے، اور اپنی اولاد کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتے، عبداللہ بن زبیر ؓ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ اسی روز ان کو لے کر آئیں اور آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے کھجور منگا کر چبائی اور اس کو ان کے منہ میں رکھ دیا۔(۱۵) اور آپ ﷺ بعض بچوں کے منہ میں کلی کرتے، بعض کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیتے اور بعض کی آنکھ پر ہاتھ پھیرتے، (۱۶) ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابومخدورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا، اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے اور نہ مانگ نکالی (بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا)۔(۱۷) حضرت عائشہؓ کے پاس آپ ﷺ کا ایک جبہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا، چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔(۱۸) حضرت انس ؓ کے گھر جب آپ تشریف لے جاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینہ کو ایک شیشی میں بھر کر اپنی خوشبو میں ملا دیتی تھیں، چنانچہ جب حضرت انس ؓ کا انتقال ہوا تو وصیت کی کہ یہ خوشبو ان کے حنوط میں شامل کی جائے۔(۱۹) ایک دن آپ ﷺ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو بطور یادگار کے کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔(۲۰) یہ تھی عظمت محمدی ﷺ اور حب نبی ﷺ کی وہ مٹھاس جس نے صحابہ ؓ کو دیوانہ بنا دیا۔

صحابہ ؓ کا حضور اکرم ﷺ کے خون کو پینا

صحابہ کرام ؓ کو نبی اکرم ﷺ کی محبت کا وہ گنجینہ وخزانہ مل گیا تھا کہ وہ ہر وقت آپ ﷺ پر مرمٹنے کے لیے تیار رہتے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر سے نکلی ہوئی ہر چیز کو اپنے لیے سعادت کی چیز سمجھتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں، وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا، حضور ﷺ نے دریافت کیا کہاں؟ عرض کیا میں نے پی لیا، حضور ﷺ نے فرمایا جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔(۲۱) حضرت سفینہؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے اور فرمایا یہ خون لے جاؤ اور اسے ایسی جگہ دفن کر دو جہاں جانوروں، پرندوں اور انسانوں سے محفوظ رہے میں خون لے گیا اور چھپ کر اسے پی لیا، پھر آ کر آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ ہنس پڑے۔(۲۲) حضور ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جسے آپ ﷺ اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے اور کبھی (رات کو) اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اسے تلاش کیا، وہ پیالہ نہ ملا، آپ ﷺ نے پوچھا پیالہ کہاں ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ حضرت سرّہؓ جو ان کے ساتھ حبشہ سے آئی ہے، اس نے (اس پیالہ کا پیشاب) پی لیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اس نے جہنم کی آگ

سے بڑی مضبوط آڑ بنالی ہے۔(۲۳)

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ ؓ کی حالت

جب آپ ﷺ مرض الوفات میں حضرت ابوبکر ؓ کو امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے (اور آپ ﷺ کو نہ پائیں گے) تو وہ رونے لگیں گے اور نماز نہ پڑھا سکیں گے۔(۲۴) آپ ﷺ کی زندگی فقر وفاقہ کے ساتھ گذری تھی اس لیے آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب آپ ﷺ کی یہ حالت یاد آجاتی تو صحابہ کرام ؓ کے آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے اور وہ غم کے پہاڑ بن جاتے، ایک بار حضرت ابوہریرہ ؓ کے یہاں چپاتیاں لائی گئیں، تو دیکھ کر وہ رو پڑے اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے کبھی چپاتی نہیں دیکھی۔(۲۵) آپ ﷺ کی محبت صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد جب آپ ﷺ کا ذکر خیر ہوتا تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے، حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔(۲۶) مرض الوفات میں ایک بار حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عباس ؓ انصار کی ایک مجلس میں گئے، تو دیکھا کہ سب لوگ رورہے ہیں، سبب پوچھا بولے کے ہم کو آپ ﷺ کی مجلس یاد آگئی۔(۲۷)

حضرت عمر ؓ کا آپ ﷺ کی موت کا انکار کرنا

صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں عشق نبی ﷺ اور محبت رسول ﷺ کی چنگاری اس قدر سلگ چکی تھی کہ وفات کے بعد انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ آپ ﷺ دنیا سے رخصت فرما چکے ہیں، حضرت عمر ؓ نے جو باوجود یکہ بہت بہادر اور دلیر تھے آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے گا محمد ﷺ کا وصال ہوگیا ہے تو اس کی گردن اڑادوں گا، وہ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور عنقریب واپس آئیں گے۔(۲۸) یہ بچی محبت کی بات ہے، مگر جب ابوبکر صدیق ؓ نے قرآن کی آیت ،ومامحمد الا رسول الخ پڑھی تو ان کو آپ ﷺ کے انتقال کا یقین ہوا، حضرت عمر ؓ خود فرماتے ہیں اللہ کی قسم! جوں ہی میں نے حضرت ابوبکر ؓ کو یہ آیت (ومامحمد الا رسول الخ) پڑھتے ہوئے سنا تو میں دہشت کے مارے کانپنے لگا اور میرے پیروں میں اٹھنے کی سکت نہ رہی اور میں زمین پر گر گیا اور جب میں نے حضرت ابوبکر ؓ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تب مجھے پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ انتقال فرما چکے ہیں،(۲۹) عثمان بن عفان ؓ حضور ﷺ کیے انتقال کے بعد صحابہ کرام ؓ کی کیفیت بیان کرتے ہیں جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو صحابہ ؓ کو اس کا اتنا زیادہ رنج وصدمہ ہوا کہ بعض صحابہ ؓ کو تو یہ وسوسہ بھی ہونے لگا کہ اب اسلام مٹ جائے گا میں بھی انہی لوگوں میں تھا۔(۳۰) حضرت علی ؓ بھی آپ ؓ کے انتقال کے بعد بہت غمگین تھے، ابوبکر ؓ نے وجہ دریافت کی تو علی ؓ نے فرمایا کہ مجھے وہ غم پیش آیا ہے جو آپ ؓ کو نہیں پیش آیا، تو ابوبکر ؓ نے کہا کہ کیا تمہارے خیال میں کوئی ایسا شخص ہے جس کو مجھ سے زیادہ حضور ﷺ کا غم ہوا ہو۔(۳۱)

ایک صحابی کا اپنی بینائی جانے پر افسوس نہ کرنا

کچھ عاشقان رسول ﷺ ایسے بھی تھے جن کو اپنی آنکھیں اس لیے عزیز و پیاری تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کے نورانی چہروں کا دیدار ہوتا تھا اور آپ ﷺ کی زیارت ہوتی تھی ۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف و اعزاز سے محروم کر دیا، تو وہ ان آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ ایک صحابی جن کے سینہ میں محبت رسول ﷺ کی ٹھاٹیں مارتی ہوئی موجیں تھیں جب ان کی آنکھیں جاتی رہیں اور لوگ ان کی عیادت کو آئے تو کہنے لگے یہ آنکھیں تو مجھے اس لیے عزیز تھیں کہ ان سے حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، تو اگر میری جگہ ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں، اس لیے اب ان آنکھوں کے جانے کا غم ہی کیا۔(۳۲)

سنت رسول ﷺ سے محبت

صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کی سنت و طریقے کو ہمیشہ اپنے سینہ سے لگانے میں فخر محسوس کرتے اور آپ ﷺ کی ہر ہر ادا پر مر مٹنے کے لیے تیار رہتے اور کسی کی تحقیر و تنقیص کی پرواہ نہ کرتے، ایک مرتبہ حضرت حذیفہ ؓ اپنے دارالحکومت میں تشریف فرما تھے، بڑے بڑے اہل فارس دربار میں حاضر تھے، کھانے کا وقت آیا کھانا شروع فرمایا، ایک لقمہ ہاتھ سے زمین پر گر گیا، آپ ؓ نے اس کو اٹھا کر اور صاف کر کے کھا لیا، بعض خادموں نے کان میں کہا کہ یہ متکبر کفار ایسی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں، آپ ؓ نے زوردار آواز میں کہا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں؟ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ اگر زمین پر کوئی کھانے کی چیز گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھا لینا سنت ہے۔(۳۳)

حرف آخر

یہ تھی محبوب رب العالمین ﷺ کی آغوش محبت میں تربیت پانے والے، اسوہ رسول کریم ﷺ کی ضیا بار کرنوں سے اپنی زندگی منور کرنے والے، آپ ﷺ کی محبت و تڑپ میں اپنے جسم کو گھلانے والے، آپ ﷺ کی اتباع میں مست و سرشار رہنے والے اور آپ ﷺ کے اشاروں پر جان کی بازی لگانے والے مقدس صحابہ کرام ؓ کی مختصر روداد محبت جس کو ''مشت نمونہ از خروارے'' کے طور پر سپرد قرطاس کیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کی محبت و شیفتگی کے واقعات اور عشق و جانثاری کی داستان ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کو اس ''کوزہ'' میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لیے

حوالہ جات

(۱) بخاری:۱۵، باب حب الرسول من الایمان؛ مسلم:۶۹، باب وجوب محبۃ الرسول۔

(۲) بخاری:۲۷۳۱۔

(۳) ابوداؤد:۵۲۲۴، باب فی قبلۃ الجسد۔

(۴) مسند ابن حنبل:۲؛ص:۴۲۷۔

(۵) اصابہ:۴/۲۹۶۔

(۶) بخاری:۶۱۷۱۔

(۷) اصابہ:۴/۲۵۹؛ اسد الغابۃ:۵/۲۸۷۔

(۸) مؤطا مالک ص:۴۷، باب ماجاء فی الدعاء۔

(۹) طبقات:ج۲،ص:۱۳۔

(۱۰) مسند احمد:۶/۲۹۶۔

(۱۱) امہات المؤمنین:۹۱۔۹۲۔۹۹۔

(۱۲) اصابہ:۴/۲۵۵۹۔

(۱۳) صور من حیاۃ الصحابہ،ص:۱۱۔

(۱۴) ابوداؤد:۳۹۳۲، باب فی العتق علی شرط۔

(۱۵) بخاری:۵۴۷۰۔

(۱۶) بخاری، باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ الخ۔

(۱۷) ابوداؤد:۵۰۱، باب کیف الاذان۔

(۱۸) مسند احمد:۶/۳۴۸۔

(۱۹) بخاری:۶۲۸۱۔

(۲۰) طبقات ابن سعد۔

(۲۱) اصابہ:۲/۳۱۰، الحاکم:۳/۵۵۴۔

(۲۲) الہیثمی،۸/۱۷۰۔

(۲۳) الہیثمی:۸/۱۷۱۔

(۲۴) ابن ماجہ:۱۲۳۲۔

(۲۵) ابن ماجہ:۳۳۴۳۔

(۲۶) طبقات ابن سعد:۷/۲۰۔

(۲۷) بخاری:۳۷۹۹۔

(۲۸) الکامل لابن کثیر:۲/۲۱۹۔

(۲۹) الکنز:۴/۴۸۔

(۳۰) طبقات ابن سعد:۴/۱۲۸۔

(۳۱) طبقات ابن سعد:۲/۸۴۔

(۳۲) ادب المفرد۔

(۳۳) الاضافات الیومیہ:۲/۱۹۷۔۱۹۸۔

سید ظفر احمد جمیل حسامی

صحابہ ؓ کی فدائیت رسول ﷺ پر

جبل بوقبیس کی گھاٹیوں میں خداوند ابراہیم واسماعیل نے سب سے پہلے ان کے جن بیٹوں سے پیمان محبت باندھا ان میں پہلی شخصیت مکہ کی معزز اور متمول فیملی سے تعلق رکھنے والی تاجر اور صنعت کار حوصلہ مند' دار زقد ذہین خاتون تھیں، جو کوئی اور نہیں بلکہ آپ کی ۵۵ سالہ زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ہیں، گھر کی ممبر ہونے کی حیثیت سے جو رسول اللہ کے ظاہر و باطن سے خوب واقف تھیں، ان کی طرف سے دعوی نبوت کی تصدیق رسول اللہ کے پاکیزہ اور بلند اخلاق کا ایک کھلا ہوا ثبوت تھا۔

دوسری مبارک ہستی مکہ کی معزز اور باثر شخصیت' تاجر پارچہ' صاحب رائے دریا دل، ۳۸ سالہ جہاں دیدہ شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے نبوت سے پہلے سے رسول اللہ سے آپ کا دوستانہ تعلق تھا۔

تیسری پاکیزہ روح، مکہ کا وہ معصوم جس نے کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا اور جس نے رسول اللہ کی آغوش میں تربیت پائی وہ آپ کے چچا کا بیٹا ۱۰ سالہ حضرت علیؓ بن ابی طالب ہے۔ چوتھے حضرت زیدؓ بن حارثہ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانے کے بجائے رسول اللہ کی غلامی کو بخوشی منظور کرلیا، جن کو رسول اللہ نے پھر آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا۔ یہ چاروں وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کا دل آفتاب رسالت کی پہلی کرن پڑتے ہی جگمگانے لگا تھا یہ وہ پاکیزہ دل ہیں جن کے اندر نبوت کی روشنی اس وقت پھوٹ رہی تھی جب کہ پوری دنیا کفر وشرک کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ یہ دل اسوقت روشن تھے جب سارے انسانوں کے دل مرجھائے ہوئے تھے اس وقت پوری دنیا میں یہی وہ نفوس قدسیہ تھے جن کا دل اللہ کے رسول کی محبت میں دھڑک رہا تھا، سچ پوچھئے تو آج ساری دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلام کے لئے کوئی دل تڑپ رہا ہے تو اس کے پیچھے انہیں پاکیزہ دلوں کی دھڑکن حرکت پیدا کررہی ہے یہ کوئی معمولی لوگ نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے نہایت معزز ذہین وفطین، بین الاقوامی تجارت کرنے والے' سیاسی بصیرت رکھنے والے معاملہ شناس لوگ تھے ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ کے دعویٔ نبوت کی دلیل کیا ہے؟ کوئی ثبوت پیش کیجئے؟ کوئی معجزہ دکھایئے؟ حضرت خدیجہؓ یہ کہہ سکتی تھیں کہ آپ خاموش رہیں ورنہ کعبہ کے متولیوں سے

☆ شیخ الحدیث جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات وناظم مدرسہ ازہر العلوم حیدرآباد

آپ کی جان کو خطرہ رہے گا؟ حضرت علیؓ کہہ سکتے تھے کہ میرے باپ ابو طالب پورے عرب کے سردار ہیں ان کی موجودگی میں آپ کو نبی نہیں مانتا، حضرت ابو بکر یہ کہہ سکتے تھے فی الحال آپ خاموش رہیں میں بھی ذرا غور وفکر کر لیتا ہوں، لیکن نہیں، کسی ایک نے بھی نبوت کی دلیل نہیں مانگی نہ کوئی اعتراض کیا بلکہ بلا کسی تردد و توقف کے فوراً آپ کی نبوت کو قبول فرمالیا بلکہ حضرت خدیجہ کی ہمت اتنی بلند تھی کہ ابتداءً جب رسول اللہ کو خود اپنے بارے میں تردد ہو رہا تھا اس وقت بھی حضرت خدیجہ کو ذرا بھی تردد نہ ہوا، جب حضرت خدیجہ نے رسول اللہ سے پہلے وحی کا حال سنا تو ان کا سب سے پہلا ردعمل یہ نہیں تھا کہ آپ خاموش رہئے کسی سے ذکر مت کیجئے، بلکہ ان کا پہلا ردعمل بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ تھا کہ اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا، اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ضعیفوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، یتیموں اور بیواؤں کا سہارا ہے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مصیبت کے مارے لوگوں کی مدد کرتے ہیں ایسے کریم شخص کو اللہ کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کی پاکیزہ زندگی بلند اخلاق' اعلیٰ ظرفی یہی تمام دلائل و معجزات کا متبادل بن گئی، نبوت کی تصدیق کے لئے ان حضرات کو دلائل کی قطعاً کوئی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

یہ وہ سابقین اولین ہے جنہوں نے رسول اللہ کا نام اس وقت لیا جبکہ یہ نام لینا بھی جرم تھا انہوں نے اللہ کے رسول کو اسوقت جانا جبکہ دنیا ابھی آپ سے نا آشنا تھی، انہوں نے آپ کی عظمت کو اس وقت پہچانا جبکہ ابھی دنیا میں آپ کی عظمت کا سکہ قائم نہیں ہوا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو جانا اور مانا بلکہ وہ لوگ اللہ کے رسول کے لئے اپنی زندگی ،توانائیاں، صلاحیتیں، تعلقات، سرمایہ سب کچھ وقف کر چکے تھے۔ یہ حضرت خدیجہ ہیں جن کا سرمایہ ۷۰ ہزار درہم ہے، یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جن کے پاس سرمایہ ۴۰ ہزار درہم ہے سب اللہ کے رسول کے لئے نذر ہو چکا، اتنا ہی نہیں وہ اپنی جان کا نذرانہ بھی مختلف مواقع پر پیش کرتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب اللہ کے گھر میں پہلی مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کی گواہی دی بس کیا تھا چاروں طرف سے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے پیروں تلے روند ڈالا، عتبہ بن ربیعہ نے آپ کے چہرے مبارک کو شدید زخمی کر دیا یہاں تک کہ ان کو پہچاننا مشکل ہو گیا، اتنے میں حضرت ابو بکر کے خاندان کے لوگوں کو خبر ہوگئی سب لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابوبکر کو مشرکین کے نرغہ سے نکال کر ان کے گھر پہنچا دیا، حضرت ابو بکر بے ہوش ہو چکے تھے، ان کے والد ابو قحافہ صدمہ سے نڈھال تھے والدہ آنسو بہا رہی ہیں خاندان کے نوجوان عہد و پیمان کرنے لگے کہ اگر ابو بکر اس حملہ میں وفات پا جائیں تو عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا جائے گا، دن بھر کی بے ہوشی کے بعد شام کے وقت آپ کو ہوش آیا تو سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ جن کا نام لینے سے تم پر یہ مصیبت آئی ہے اب ہوش آتے ہی پھر ان ہی کا نام لیتے ہو، یہ ہے عشق رسول، مار کھانے اور قربان ہونے کے لئے تیار ہیں لیکن ذکر رسول چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، والدہ نے بہت کچھ سمجھایا' بیٹے ابوبکرؓ! کچھ تو کھالو، کچھ تو پی لو، لیکن وہاں ایک ہی صدا تھی کہ جب تک میں رسول اللہ کے چہرہ انور کی زیارت نہ کرلوں مجھ پر کھانا بھی حرام اور پینا بھی حرام، آخر کار رات دیر گئے ام جمیل اور آپ

کی والدہ نے ابوبکر کو اپنے ساتھ لیا جیسے ہی یہ حضرات دار ارقم میں پہونچے اللہ کے رسول نے حضرت ابوبکر کو سینے سے چمٹالیا، پیشانی کو بوسہ دیا، آنکھوں سے آنسو کے قطرے ڈھلک ڈھلک کر ابوبکر کے بدن پر ٹپکنے لگے۔ ابوبکر نے کہا کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کے دیدار کے بعد میری تکالیف ختم ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر کا یہ عشق رسول اور جانثاری کا وہ عظیم واقعہ ہے جس کی مثال دنیا کی کسی اور قوم کے پاس نہیں ملتی، رسول اللہ نے ہجرت کے انتہائی نازک اور پر خطر صورت حال میں اپنے ساتھ رکھنے کے لئے جس جاں نثار کا انتخاب فرمایا، وہ حضرت ابوبکر ہی ہیں، راتوں رات یہ دونوں حضرات مکہ چھوڑ چکے ہیں اور مدینہ کے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر غار ثور پہنچ گئے حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے خوب اچھی طرح صفائی کی سوراخوں کو کپڑے سے بند کیا رسول اللہ غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے اتنے میں ایک سانپ نے حضرت ابوبکر کو ڈس لیا زہر کے اثر سے چہرے کا رنگ فق ہو رہا ہے بے چین اور بے قرار ہو رہے ہیں لیکن پاؤں کو ذرا سی حرکت نہیں دی، محض اس خیال سے کہ کہیں رسول اللہ کی نیند میں خلل نہ ہو یہاں تک کہ تکلیف کی شدت سے آنکھوں سے بہنے والے آنسوں کا ایک قطرہ ڈھلک کر رسول اللہ کے چہرے انور پر ٹپک پڑا جس سے رسول اللہ بیدار ہو گئے، پوچھا ابوبکر کیا بات ہے؟ فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، سانپ نے کاٹ لیا، آنحضرتؐ نے اس جگہ اپنا لعاب مبارک لگا دیا یہ ایسا تریاق تھا جس سے زہر کا اثر آناً فاناً ختم ہو گیا۔ ادھر قریش نے رسول اللہ کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا اور گرفتار کرنے والوں کو سو سرخ اونٹ (تخمیناً پانچ ملین ڈالر) کا اعلان بار بار ہو رہا تھا، قریش کے سینکڑوں جاسوس سرخ اونٹوں کے لالچ میں مکہ کے چاروں طرف رسول اللہ کے تعاقب میں نکل پڑے وہ دیوانہ وار تلاش کرتے پھر رہے تھے، نشانہ بازوں اور جاسوسوں اور اسپیشل کمانڈوز جو قدموں کے نشانات کو سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، کا ایک گروہ خاک چھانتے چھانتے غار ثور کے کنارے تک پہنچ گیا، حضرت ابوبکر نے غار کے اندر سے ان کی آہٹ کو سن لیا، پھر ایک مرتبہ ابوقحافہ کا بیٹا رسول اللہ کی محبت میں بے چین و بے قرار ہو گیا، ابوقحافہ کے 48 سالہ بیٹے کا یہ اضطراب فدائیت اور جانثاری کچھ ایسی بے مثال اور مخلصانہ تھی کہ اللہ نے فداکاری کے ان جذبات واحساسات کو قرآن مجید میں بیان کر کے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی اس بے غرض محبت وعقیدت کو ایسا شرف قبولیت بخشا کہ اگر آج کوئی بدبخت ابوبکر کو صاحب رسول ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو علامہ ابن کثیر اور کشاف کے مطابق وہ منکر قرآن ہو کر کافر ہو جاتا ہے قرآن کی وہ آیتیں آپ ضرور پڑھیں:

"إلا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه وايده بجنود لم تروها "(التوبة)

اگر تم مدد نہ کرو تو اللہ اپنے پیغمبر کی اس وقت خصوصی مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو جلا وطن کیا، جب وہ دونوں (حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ) غار میں روپوش تھے اور ان کے ساتھ تیسرا (خدا)

موجود تھا، وہ وقت بھی بڑا یاد کرنے کے قابل ہے جب محمد اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غمگین مت ہونا اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر سے قوت دی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

اللہ نے حضرت ابوبکر کی تسلی کے لئے یہ انتظام کیا کہ مکڑی نے غار کے منہ پر ایک جالا بن دیا۔ جب اسپیشل کمانڈوز انتہائی عصری آلات کی مدد سے یہاں پہنچے تو مکڑی کا جالا دیکھ کر بہت مایوس ہو گئے کہ جس کے تعاقب میں یہاں تک پہنچے وہ یہاں نہیں مل سکا، لیکن اللہ کی شان دنیا کے گھروں میں سب سے کمزور گھر ''اوھن البیوت'' ساری دنیا کے ہزاروں مضبوط قلعوں کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت علی نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ ہیں اے امیر المومنین، حضرت علی نے جواب دیا میں نہیں ہوں بلکہ ابوبکر ہیں، ہم نے بدر کے میدان میں رسول اللہ کے لئے ایک سائبان بنادیا، پھر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اللہ کے رسول کی حفاظت کے لئے کون ساتھ رہے گا، اس خطرناک موقع پر سوائے حضرت ابوبکر کے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا، اور حضرت ابوبکر پوری قوت اور چوکسی کے ساتھ رسول اللہ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے لہٰذا ابوبکر سب سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ کو مکہ میں اس حال میں دیکھا کہ قریش آپ کے درپے تھے کوئی طعنہ دے رہا ہے، کوئی غصہ کر رہا ہے، کوئی دشمنی کر رہا ہے، کوئی کانٹے بچھا رہا ہے، کوئی گردن میں چادر ڈال کر کھینچ رہا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ اچھا آپ ہی ہیں! جس نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا تجویز کر رکھا ہے، اللہ کی قسم ان سخت اور مشکل حالات میں ہم میں سے کوئی رسول اللہ کی حمایت میں کھڑا نہیں ہو سکا سوائے حضرت ابوبکر کے وہ تن تنہا ہر کسی کا مقابلہ کرتے، کسی سے بحث کرتے، کسی کو سمجھاتے، کسی کو روکتے، کسی کو ٹوکتے، کسی سے پنجہ آزمائی کرتے، اور مکہ میں ہر طرف یہ کہتے پھرتے کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم لوگ ایک آدمی کو محض اس وجہ سے مارنا چاہتے ہو کہ وہ یوں کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ کی اس وارفتگی، جانثاری، فداکاری اور محبت بھری داستان کو سنا کر رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھی آنسوں سے تر ہو گئی پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! ابوبکر کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہاری دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے کہ وہ اس وقت اپنے ایمان کا اعلان کر رہے تھے جبکہ دنیا ایمان کو چھپا رہی تھی، وہ اس وقت ذکر رسول کر رہے تھے جب کہ دنیا ذکر رسول سے کترا رہی تھی، وہ اس وقت رسول کی عظمت کو پہچان گئے تھے جبکہ دنیا عظمت رسول سے واقف ہی نہ تھی۔

رسول اللہؐ پر فدا ہونے والی ایک اور مبارک ہستی، دراز قد، بلند حوصلہ، سفیر عرب، شہسوار ستائیس سالہ خطاب کا بیٹا طاقت کے نشہ میں اپنے گھر سے نکلتا ہے تا کہ آفتاب نبوت کو بجھا دیا جائے لیکن ایک نگاہ کرم نے جاہلیت کی آگ کو بجھا دیا اور ایمان کی چنگاری کو بھڑکا دیا، اب حضرت عمرؓ بن خطاب کا یہ حال ہو گیا کہ جو دنیا میں سب سے مبغوض تھا وہی اب سب سے زیادہ محبوب بن گیا، یہی وہ عمر ہیں جب ان کو پتہ چلا کہ رسول اللہ نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دیدی ہے تو تحقیق حال کے لئے رسول اللہ کی

خدمت میں پہنچنا چاہتے ہیں، رسول اللہ اسی وقت اپنے گھر کی پہلی منزل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں تنہا تھے، اوپر جانے کے لئے کھجور کے ایک پیڑ کو کاٹ کر چھانٹ کر سیڑھی کی طرح بنا دیا گیا تھا۔ رسول اللہ کے ایک غلام اوپر بیٹھے ہوئے دربانی کر رہے تھے کہ حضرت عمر نے کئی مرتبہ اجازت مانگی لیکن اجازت نہ ملی تو آخر نیچے ہی سے کھڑے کھڑے بلند آواز میں پکارا، اللہ کی قسم میں میری بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ حکم دیں تو اس کی گردن ماردوں۔ اللہ اکبر! اللہ کے رسول کی محبت اور آپ سے وفاداری اور جانثاری کا یہ عجیب منظر کبھی کسی نے دیکھا کہ ایک باپ محض اسی وجہ سے مارنے کے لئے تیار تھا کہ کہیں اس نے رسول اللہ کو اذیت نہ پہنچائی ہو۔ یہی وہ عمرؓ بن خطاب ہیں وفات رسول کی اطلاع ملنے کے بعد ان کے ہوش اڑ گئے۔ مسجد نبوی کے صحن میں تلوار لے کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم جس نے یہ کہا کہ رسول اللہ وفات پا چکے ہیں تو اس کی گردن ماردوں گا۔

ایک مرتبہ مدائن کی فتح کے بعد مال غنیمت آیا تو نواسہ رسول حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لئے ہزار ہزار درہم عنایت فرمائے، اور اپنے بیٹے عبداللہ کو صرف پانچ سو درہم دیئے، بیٹے نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کو ہزار اور مجھ کو پانچ سو! فرمایا ان کے بزرگوں کا جو مرتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں۔

ایک اور جانثار ہستی، خوبرو شرمیلا ۳۴ سالہ نوجوان، اموی خاندان کا نور نظر، کامیاب تاجر، حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص ایک رسی سے باندھ کر قیدی بنا کر رکھا۔ وہ کہتا کہ اللہ قسم میں تیری رسیاں نہیں کھولوں گا جب تک کہ تو دین محمدی کو نہ چھوڑے، حضرت عثمانؓ جواب دیتے اللہ کی قسم! میں محمد کی غلامی کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، خواہ تو کچھ بھی کر لے۔ اللہ کے رسول نے اپنی صاحبزادی رقیہ کا نکاح آپ سے کر دیا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان کے دل پر بہت اثر ہوا وہ ہمیشہ غم زدہ رہنے لگے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے بھی ان کو دلاسہ دلایا، حضرت عثمان نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا صدمہ ہے کہ خاندان رسالت سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا یہ ایسی محرومی ہے کہ اس پر جتنا بھی ماتم کروں کم ہے، رسول اللہ سے اس محبت کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح ۳ھ میں حصرت عثمانؓ سے کر دیا، اس طرح خاندان رسالت سے حضرت عثمان کا دوبارہ تعلق قائم ہو گیا، ام کلثومؓ نے ۹ھ میں وفات پائی، حضرت عثمان نے اس عرصہ میں کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا، جس وقت باغیوں نے حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے رائے دی کہ آپ کسی طرح یہاں سے نکل کر ملک شام تشریف لے چلیں، وہاں آپ کی حفاظت ہوگی، لیکن حضرت عثمانؓ نے مغیرہ بن شعبہ کی اس مضبوط اور بہترین رائے کو مسترد فرما دیا۔ اور کہا کہ میں محض اپنی جان بچانے کی خاطر رسول اللہ کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا (ابن حنبل) حضرت عثمان کی رسول اللہ سے محبت، وفاداری اور جانثاری کا ایک نمونہ ہے کہ حضرت عثمانؓ شہادت کے لئے تیار ہو گئے لیکن رسول اللہؐ کے شہر کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

ایک اور محبوب الٰہی، سردار عرب کا بیٹا، ۱۰ سالہ معصوم، میانہ قد' شیر خدا' سردی و گرمی کے اثر سے پاک' دنیا سے کنارہ کش، جب پہلی مرتبہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا حرکتیں کر رہے ہیں؟، جواب دیا ہم اللہ کی

عبادت کرر ہے ہیں، کہا: یہ کتنا اچھا طریقہ ہے مجھے یہ طریقہ بہت پسند ہے۔ جب پہلی مرتبہ اللہ کے رسول نے قریش کی دعوت کی، اس دعوت کے انتظامات حضرت علیؓ کے سپرد تھے، دستر خوان پر بکرے کی نہاری تھی اس دعوت میں ۴۰ معززین شریک تھے جن میں حضرت حمزہ، حضرت عباس، ابو طالب اور ابولہب بھی تھے، جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اگر تم اس شہادت کا اقرار کر لو تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اور اس کام میں میرا کون معاون و مددگار رہوگا؟ اس بات پر سارے لوگ خاموش ہو گئے صرف ایک آواز اٹھی اور وہ ننھے منے علی مرتضیٰؓ کی آواز تھی کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، لیکن آپ کا دست و بازو بننے کے لئے تیار ہوں، تین مرتبہ حضور نے آواز دی اور تینوں مرتبہ سوائے حضرت علیؓ کے کوئی دوسرا کھڑا نہ ہو سکا اس موقع پر حضرت علیؓ سے حضور نے فرمایا تم میرے بھائی اور وارث ہو (طبری)

حضرت علی کی رسول اللہ سے محبت اور جانثاری کا بے مثال کارنامہ وہ ہے جب حضرت علیؓ، ہجرت کی رات رسول اللہ کے بستر پر سو گئے۔ حضرت علیؓ کو معلوم تھا کہ آج کی رات دشمن، مکان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، ایسے خطرناک موقع پر رسول اللہ کی چارپائی پر سو جانا دراصل اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا تھا، اس لئے کہ ہر لحظہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ زہر میں بجھی ہوئی تلواروں کی کاٹ میری گردن پر پڑ سکتی ہے۔ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی وہاں یہودیوں نے بڑے بڑے قلعے بنا رکھے تھے، ان کو فتح کرنے کے لئے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی کوشش بھی ناکام ہو چکی تھی، اس شام کو رسول اللہ نے فرمایا کہ کل میں ایسے بہادر کو علم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے، جس کے ہاتھوں خیبر کی فتح مقدر ہے، جب صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش یہ محبوب ہونے کا اعزاز اسکو حاصل ہوتا، اچانک آپ نے علیؓ کو پکارا، یہ آواز غیر متوقع تھی، اس لئے کہ حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلاء تھے، رسول اللہ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں پر لگایا، بس پھر کیا تھا آنکھوں کی تکلیف آناً فاناً ختم ہو گئی، اور ایک ۲۷ سالہ نوجوان ''حب رسول'' کے جذبہ سے سرشار مقابلہ کے لئے رواں دواں تھا، اور جس کے پہلے ہی وار نے مشہور زمانہ ماہر فن پہلوان مرحب کا کام تمام کر دیا اور خیبر فتح ہو گیا۔ رمضان ۸ ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کے رسول بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر بنفس نفیس بتوں کو اکھاڑ پھینک رہے تھے اس دوران بعض اونچے بتوں کو اکھاڑنے کے لئے اللہ کے رسول نے حضرت علی کو اپنے کاندھوں پر سوار کیا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔

بدر کا میدان ہے اسلام دشمن طاقتیں بڑے کروفر، رعب و دبدبہ، چمکتی ہوئی تلواروں سے آراستہ صف آراء ہو رہے ہیں، دوسری طرف توحید کے علم بردار ایمان کی طاقت سے سرشار جذبہ ایثار و قربانی سے بھرپور شکستہ تلواروں کو اٹھائے ہوئے صف آراء ہو رہے ہیں، حق و باطل، کفر و اسلام، نور و ظلمت کا وہ اولین معرکہ تھا جو بدر کے میدان میں گرم ہو رہا تھا، یہ بڑا ہی عجیب منظر تھا اس وسیع کائنات میں قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے کفر و شرک کو مٹا کر توحید کو غالب کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کا فیصلہ صرف چند نفوس قدسیہ کی جانوں پر منحصر تھا، میدان جنگ میں رسول اللہ پر رقت طاری ہو جاتی اور فرماتے ہیں: اے مولیٰ! اگر

یہ چند نفوس بھی آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔ جب معرکہ بدر گرم ہوتا ہے تو سب سے پہلی شخصیت جو جان کی بازی لگانے کے لئے نکلتی ہے وہ رسول اللہ کے تربیت یافتہ ۲۱ سالہ نوجوان شیر خدا علی مرتضیٰ ؓ ہیں آپ کے پہلے ہی وار میں ولید بن عتبہ جہنم رسید ہو گیا، البتہ حضرت عبیدہؓ، شیبہ کے حملہ میں زخمی ہوئے تو حضرت علیؓ کاندھوں پر اٹھا کر لائے، حضرت عبیدہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! کیا میں شہادت سے محروم رہا، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم نے شہادت کا مرتبہ پایا، حضرت عبیدہؓ نے کہا کہ آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے شعر کا مستحق میں ہوں۔ ابوطالب نے اپنے بھتیجہ کی محبت میں یہ شعر کہا تھا۔

نسلمه حتى نصرع حوله وتذهل عن ابنائنا والحلائل

''ہم محمد کو اسی وقت دشمنوں کے حوالے کر سکتے ہیں جب ہم ان کے اطراف لڑ کر مر جائیں، اور ہما رے بیٹے اور بیویاں لمبی مدت گذر جانے کی وجہ سے ہم کو بھول جائیں''

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی محبت اور جانثاری کے یہ مختصر سے نمونے ہیں ان حضرات کی ساری ہی زندگی رسول اللہ کی محبت میں لگی ہوئی تھی۔ تاریخ وسیرت اور حدیث کے لاکھوں صفحات اس محبت کے گواہ ہیں، یہی وہ لازوال محبت کا کرشمہ ہے کہ بے نوا فقیروں کے ہاتھ نے بڑے بڑے بادشاہوں کا تختہ الٹ دیا، اور روم وایران کے بادشاہوں کے سروں کا تاج اصحاب رسول کی ٹھوکروں پر نازاں تھا، اور لاکھوں بندگان خدا، بادشاہوں کے سامنے سے سر اٹھا کر خدائے اسماعیل کے آگے سر جھکانے لگے، دریائے نیل سے لیکر دریائے فرات تک، صحرائے افریقہ سے لیکر دیوار چین تک ہر طرف محمد رسول اللہ کی صدائے بازگشت آنے لگی، یہ سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت اور فداکاری کا نتیجہ تھا۔


صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت

نورالحسن راشد کاندھلوی

صحابۂ کرام خصوصاً حضرات شیخین ؓ (ابوبکر و عمر)

نیز حضرت علی ؓ بن ابی طالب اور خانوادۂ حسنین رضی اللہ عنہما

باہمی اعتماد، محبتیں اور قرابتیں چند ناقابل تردید حقائق

حضرت حق جل مجدہ نے اس انسان کو اپنی تمام مخلوقات میں سب سے افضل قرار دے کر، اس کو اپنی خلافت ونمائندگی کا تاج اور اعزاز عطا فرمایا تھا، پھر ان انسانوں میں سے دو برگزیدہ ترین جماعتوں کو اپنے خاص الخاص فضل وکرم سے نواز کر، ایسا غیر معمولی مرتبہ بخشا جو ان کے علاوہ اس پوری کائنات میں کسی اور کا مقدر اور نصیب نہیں ہوا، یہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔

مقام صحابہ

حضرات صحابہ کی جلالت شان، عظمت واحترام، جامع کمالات انسانی اور پیکر انسانیت ہونے کے علاوہ، ان کے شرف وسعادت کے لئے یہی بہت ہے کہ ان کو اور ان کی مقدس جماعت کے ہر اک فرد کو اپنی حیات کا کچھ حصہ، کچھ دن، یا چند لمحات فخر کائنات، سید موجودات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور زیارت وصحبت کے میسر آئے۔ اسی کمال اور اختصاص کی وجہ سے، قرآن کریم میں بھی کئی موقعوں پر، حضرات صحابہ کی بلند شان، عالی رتبہ، رحمت وکرم کی بارشوں، رضوان ومغفرت کی بشارت کے علاوہ اور بھی مختلف پہلوؤں سے تذکرہ فرمایا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ، كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّ أَجْراً عَظِيمًا. [سورة الفتح، آيت: ۲۹]﴾

محمد ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے اور) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کو جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (ت: مولانا فتح محمد صاحب جالندھریؒ)

حضرات صحابہ کے تذکرہ وتحسین پر مشتمل آیات کریمہ کو پڑھیے، تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے خاص رفقائے کرام، آپ کی بابرکت صحبتوں سے فیضیاب ومفتخر ہونے والے حضرات کا انتخاب بھی، نظام قضاء وقدرت نے اسی وقت فرمالیا تھا، جب حضرت محمد بن عبداللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے آخری رسول اور خدا کے کلام کے اول مخاطب ومورد ہونے کا فیصلہ فرمایا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں جہاں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور بشارات شریفہ آئی ہیں، وہیں حضرات صحابہ کرامؓ کے احوال وصفات اور بعض کا گویا تعارف بھی درج ہے۔ ان بشارتوں کی احوال صحابہ سے مطابقت، بے شمار افراد کے قافلہ، اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنی ہے۔

عظمت صحابہ

یہی دائمی ابدی حقیقت ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نہایت دلنشیں اسلوب اور خوبصورت الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿إن الله نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمد خير قلوب العباد فاصطفاه لنفسه، وابتعثه برسالته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد صلى الله عليه وسلم، فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبيه، يقاتلون على دينه. فمارآه المومنون حسناً، فهو عند الله حسن، فمارآه سيئا فهو عند الله سيئ﴾(۱)

(۱) رواہ احمد فی مسندہ. تحقیق علامہ شیخ احمد محمد شاکر رقم الحدیث: ۳۶۰۰. ص:۵۵ ج:۳۔ [دارالحدیث قاھرہ:۱۴۱۶ھ] نیز ملاحظہ ہو: شرح عقیدۃ الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ. تحقیق علامہ احمد محمدشاکر. ص:۴۱۷. [مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ریاض، بلاسنہ]

اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تمام دلوں میں اعلیٰ ترین پایا، اس لئے اس کو اپنے لئے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ [حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کے بعد] باقی مخلوق کے دلوں پر نظر فرمائی، تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو تمام مخلوقات میں سب سے بہتر پایا، توان کو اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشیر اور مددگار بنادیا، جو اس کے دین کے لئے جدوجہد اور کوشش فرماتے رہے۔

کسی صحابی کی شان میں لب کشائی

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿من سب اصحابی فعلیه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين﴾(۱)

جس نے میرے کسی صحابی کو کچھ نازیبا کہا، اس پر اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

صحابہؓ پر لعن طعن کرنے والوں کے متعلق امت کا اجتماعی موقف اور عقیدہ:

اس ارشاد عالی اور دیگر بہت سی احادیث شریفہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا مسلمہ اور اجتماعی عقیدہ یہ ہے کہ:

﴿الصحابة كلهم عدول﴾ تمام صحابہ کرام نہایت سچے اور برحق ہیں

اسی پس منظر میں علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ:

﴿ثم في مناقب كل من أبي بكر وعمر وعثمان وعلي والحس والحسين، وغيرهم من اكابر الصحابة، أحاديث صحيحة، وماوقع بينهم من المنازعات والمحاربات فلهاتاويلات، فسبهم والطعن فيهم، ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر﴾ (۲)

پھر اکابر صحابہ، ابوبکر، عمر، عثمان علی اور حسن حسینؓ وغیرہ میں سے ہر ایک کے مناقب کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں اور ان حضرات کے آپس میں جو اختلاف اور لڑائیاں ہوئیں، تو ان کی مختلف

---

(۱) رواه الطبرانی عن ابن عباسؓ. وفيه عبدالله بن خراش وهو ضعيف. مجمع الزوائد، للهيثمی. ص:۲۱. ج:۱۰، اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی منقول ہے، جس کو بزار نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے مسند اوسط وکبیر میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد صفحہ مذکور۔

(۲) شرح العقائد النسفية۔ص:۱۱۶[مطبع یوسفی۔لکھنؤ: بلاسنہ]

وجوہات اور تاویلات ہیں۔ اس لئے ان حضرات [اور اسی طرح کسی اور صحابی کو بھی] برا بھلا کہنا، جو ادلۂ قطعیہ کے خلاف ہو، کفر ہے۔

یعنی جو شخص بھی اس قدسی صفات، مقدس جماعت یا اس کے کسی بھی فرد اور رکن کے خلاف دل میں یا زبان پر کچھ بات رکھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معتمد و ہم مجلس سے بدگمانی کرے، اور العیاذ باللہ! اس سے بڑھ کر، ان میں سے کسی پر بھی کوئی الزام لگائے، ان کے خلاف زبان کھولے، اور اپنی زبان کو سب وشتم سے ناپاک وآلودہ کرے، وہ امت کے اجتماعی فیصلہ کے مطابق، بلاشک وشبہ، دائرہ اسلام سے خارج اور جماعت مسلمین سے بے تعلق ہے۔ علامہ قرطبی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں، فیصلہ کن غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہے کہ:

﴿فمن نسبه او واحدا من الصحابة الى كذب ،فهو خارج عن الشريعة، مبطل للقران، طاعن على رسول الله صلى الله عليه وسلم ..ومتى الحق واحدا منهم تكذيباً فقد سُبَّ، لانه لا عار ولا عيب بعد الكفر بالله، اعظمُ من الكذب. وقد لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم من سب اصحابه، فالمكذب لاصغرهم [ولا صغيرفيهم] داخلٌ فى لعنة اللّٰه، شهد بها رسول الله صلى الله عليه وسلم﴾ (۱)

جس کسی نے حضرات صحابہؓ میں سے کسی ایک کے خلاف بھی زبان کھولی اور ان پر کذب بیانی کا الزام لگایا، وہ دین وشریعت سے بے تعلق ہے، قرآن مجید کو معاذ اللہ باطل کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا ہے، اور جب اس نے حضرات صحابہؓ میں سے کسی ایک کا دامن بھی کذب سے وابستہ کیا، تو گویا اس نے گالی دی، کیونکہ کفر کے بعد، جھوٹ کے الزام سے بڑھ کر، کوئی عیب اور شرم دلانے کی بات نہیں ہے اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے، جو کسی صحابی کو نازیبا بات کہے۔ اس لئے ان میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی [اور درحقیقت ان میں کوئی بھی چھوٹا نہیں ہے] کی طرف کذب اور غلط بیانی منسوب کرنے والا، اللہ کی لعنت میں داخل ہے، اس کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

﴿لاتسبوا أصحاب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلمقام أحدهم ساعة، يعنى مع النبى صلى الله عليه وسلم، خير من عمل أحدكم أربعين سنة﴾ (۲)

---

(۱) الجامع لاحكام القرآن. سورة الفتح.ص:۲۹۸ ج:۱۶ [دارالكتب العربى ، للطباعة والنشر:قاهره۔ ۱۳۸۷ھ]

(۲) رواه ابن بطه ـ شرح عقيدة الطحاوى۔ تحقيق: علامه احمد محمد شاكر۔ ص:۴۱۷، [مكتبة الرياض الحديثة۔ رياض ۔ بلاسنه]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلامت کہو، کیونکہ ان کی زندگی کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں، گذارا ہوا ایک لمحہ، تمہاری چالیس سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد ہے کہ، صحابہ کی خدمت نبوی میں ایک ساعت، تمہاری پوری زندگی سے بہتر ہے۔

﴿لاتسبوا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فلمقام أحدهم ساعة خير من عمل أحدكم عمره﴾ (۱)

چندگم کردہ راہ افرد

مگر یہ کیسی بدنصیبی، کس قدر، بلکہ آخری درجہ کی بے توفیقی اور محرومی ہے کہ ایسی ایسی واضح ہدایات واحادیث سے واقفیت کے باوجود، کوئی بھی شخص خصوصاً ایسے افراد جو محبت اہل بیت اور خانوادہ حسنین کو اپنا مقصد زندگی کہتے ہوں، جانتے بوجھتے قدسیوں کی اس جماعت، یا اس کے کسی ایک فرد کی نسبت بھی دل میں کچھ بات رکھے، یا خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت کے، کسی بھی حاضر باش اور معتمد کے متعلق نازیبا لب کشائی کرے اوران پر زبانی طعن دراز کرے، کیوں کہ خدانہ کرے، اگر ان میں سے کسی کے متعلق بھی کچھ کہا جاتا ہے، تو ان کے حوالہ سے دین وشریعت کے جو احکامات معلوم ومدون ہیں، ان کی کیا حقیقت باقی رہ جائے گی۔ ان حضرات کو مطعون ومجروح کرنا، درحقیقت دین وشریعت کے ان اصولوں وہدایات کو مجروح کرنا ہے، جوان کے حوالے سے منقول اور امت کے زیر عمل ہیں۔ اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی نے، ایک مکتوب میں رقم فرمایا ہے:

''قرآن وشریعت واصحاب تبلیغ نموده اند، اگر ایشان مطعون باشند، طعن در قرآن ودرشریعت لازم،می آید، قرآن جمع حضرت عثمان است علیه الرضوان، اگر عثمان مطعون است، قرآن هم مطعون است''(۲)

قرآن وشریعت اصحاب (نبی) نے پہنچایا ہے، اگر وہ قابل اعتراض ہیں، تو قرآن مجید اور شریعت میں اعتراض اور شبہ ضروری ہوگا۔ قرآن حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے، اگر حضرت عثمان پر شبہ اور اعتراض ہے، تو قرآن پر بھی شبہ اور اعتراض ہے۔

اسی بات اور فیصلہ کو جلیل القدر مفسر قرآن، علامہ قرطبی نے [ہارون رشید کی مجلس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے] عمر بن

---

(۱) رواه ابن ابى شيبة فى مصنفه۔ رقم الحديث: ۳۳۰۸۲۔ ج:۱۷،ص:۳۰۷۔ تحقيق شيخ محمدعوامه[عكس طباعت كراچى:۱٤۲۸ه]

(۲) مکتوب پنجاہ وچہارم دفتر اول، جلد دوم ص:۲۸ مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری[مکتبۃ القدس کوئٹہ]

حبیب کے الفاظ میں بالکل صاف کردیا ہے۔فرماتے ہیں:

﴿إذا كان الصحابة كذابين، فالشريعة باطلة، والفرائض والأحكام في الصيام والصلوة، والطلاق والنكاح والحدود، كلها مردودة، غير مقبولة﴾(۱)

اگر خدانہ کرے، صحابہ کرام ناقابل اعتبار ہیں، تو شریعت باطل ہے۔تمام فرائض اور احکامات جیسے روزہ، نماز، صدقہ، نکاح اور حدود وغیرہ سب ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول ہیں۔

مگر عبرت کی جا ہے، زوال کہاں تک

لیکن یہ نہایت سخت فیصلے بھی ایسے گمراہ لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہوئے، وہ ان سب تعلیمات وہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے، خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم پر تبرا لعنت کرتے ہیں اور اس میں یہاں تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی صراحت کے مطابق:

''لعن عمر را ترجیح دہند، بر ذکر الٰہی وتلاوت قرآن مجید''(۲)

ترجمہ: حضرت عمر کو برا بھلا کہنے کو[اس درجہ ضروری اور اہم سمجھتے ہیں کہ]اس کو ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید پر ترجیح دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ اس سے بھی تجاوز اور جسارت کرتے ہیں کہ:

''لعن کبراء صحابہ وازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را، عبادت عظمٰی دانند''(۳)

بڑے جلیل القدر صحابہ کرام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر طعن کرنا، اہم ترین عبادت سمجھتے ہیں۔

اب کیا ہونا چاہئے؟

یہ نظریہ رکھنے والے لوگ، چار پانچ کے علاوہ جملہ صحابہ کرام کو بالکل نظرانداز بلکہ مسترد کرتے ہیں، ان کا احترام تو کیا کرتے، ان کی جلالت شان اور عظمت وکرامت کی کیا تحسین کرتے، وہ تو[توبہ،توبہ استغفر اللہ، استغفر اللہ!]ان سب کے ایمان پر شک ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے سخت الزامات وافترات اور ناقابل عبور اختلافات کی وسیع ترین خلیج کے ہوتے ہوئے، جس میں ایک نسبۃً بہت چھوٹا سا گروہ یا جماعت، امت مسلمہ کے اجتماعی عقیدہ اور جملہ احادیث وروایات

---

(۱) الجامع لاحكام القرآن ص:۲۹۹،ج:۱۶ [دارالكتب العربي، للطباعة والنشر۔ قاهره ۱۳۷۸ھ]

(۲-۳) تحفہ اثنا عشریہ فارسی۔ص:۵۶۲۔[مطبع ثمر ہند لکھنؤ:۱۲۹۵ھ]

اورمعتبر سے معتبر تاریخی حوالوں کو مسترد کررہی ہے، اور اکثریت کے بڑے سے بڑے دینی مذہبی پیشواؤں کی نہایت شدید اور مسلسل دل آزاری کرنے اکثریت کے دلوں کو ہروقت زخم پہنچانے اور ہر دن نئے انداز سے ناک فتنی کرنے کو اپنا معمول اور عبادت سمجھتی ہے۔

اوراس صورت میں جب اہل سنت کے دلائل کو بقول خود آئمہ اہل بیت [illegible] سنت ناقابل اعتبار گردانتے ہیں، تو اب وہ کون سا تیسرا اور ایسا معتمد ذریعہ ہے جس کی صداقت کی تشفی [illegible] اوراہل سنت کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو اور اس سے یہ بھی بے خوف ہو کر [illegible] اہل بیت رضی اللہ عنہم اور حضرات شیخینؓ کے درمیان ایسے ہی سخت اختلافات تھے جن کی بنا پر [illegible] کی اولاد، خاندان اور نسلوں کے درمیان محبت ومودت، کرم فرمائی واحسان مندی کا ایسا دراز سلسلہ تھا جس کی کڑیاں [illegible] جڑتی چلی جاتی تھیں، اور کہا جاسکتا تھا کہ ان میں قربت وعنایات کی ایک دائمی لہر، ایسا دریا زمزم بہہ رہا تھا جس کے [illegible] اعتبار واعتماد وراحت ودل آویزی اور قرابت وقربت کے چمنستان آباد تھے۔ تاریخ اور علم الانساب کے دفتر کہہ رہے ہیں کہ ایسا ہی تھا، دونوں خاندانوں میں عہد نبوی میں، جو یگانگت آپس داری اور قرابت وقربت کی ڈور بندھی تھی، وہ نسلوں تک اسی طرح بندھی رہی، اس میں اسی طرح گل بوٹے نکلتے رہے، اور اسی طرح اس پرنئی نئی بہار آتی رہی اور نئے نئے پھول نمودار ہوتے رہے۔

ان تمام رشتوں کی تفصیلات سے پہلے اس موضوع کو مکمل کرنے کے لئے مختصراً یہ جان لینا بھی نہایت مفید اور چشم کشا ہوگا ، کہ حضرت صدیق اکبر، اور حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق، داماد رسول، حضرت علی حیدر، ان کے صاحبزادگانِ سراپا منزلت اوران کے محترم اخلاف، خصوصاً حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادق کیا فرماتے تھے، ان کے دلوں میں حضرات شیخین کی محبت کس درجہ رچی بسی ہوئی تھی اور یہ سب شیخین کی محبت اور اتباع کو کیا بلند مقام دیتے تھے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ آئندہ سطور میں درج اس طرح کی تمام روایتیں شیعوں کے مستندترین مآخذ میں شامل ہیں، اوران کے نہایت معتمد لوگوں سے حوالے منقول ہیں، لہٰذا ان کی صحت میں شیعہ صاحبان کو بھی کلام نہیں مگر۔۔۔

اس کے بعد، آل ابی طالب کے خاندانوں کی شیخین وغیرہمؓ سے قریب ترین رشتہ داریوں نسبتوں اور دائمی ربط وضبط کی تفصیلات، معتبر شیعہ کے حوالہ سے نقل کی جارہی ہیں، جوان لوگوں پر بطور خاص حجت ہیں، جوان کتابوں اوران کے مصنفین کو اپنا مسلمہ عالم اور پیشوا مانتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

کسی پر بھی لعنت کرنے کی حضرات حسنینؓ کی زبان سے صاف ممانعت

حال آں کہ خود اس فرقہ کی اہم ترین مذہبی کتابوں میں، اس لعن طعن کی ممانعت ہے، اس سے منع کیا گیا ہے اور برملا کہہ دیا گیا ہے کہ:

﴿ان اللعنة اذخرجت من فی صاحبها ترددت، فإن وجدت مساغا، وإلا رجعت علی صاحبها﴾ (۱)

''جب کسی کے منہ سے [کسی کے لئے لعنت] نکلتی ہے تو وہ ٹھہر جاتی ہے، جس پر لعنت کی گئی ہے، اگر وہ اس کا مستحق ہو تو اس پر جاتی ہے، ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے''

یہ روایت اہل تشیع اور خانوادہ اہل بیت کو ماننے کا دعویٰ کرنے والوں سے، بہت کچھ کہہ رہی ہے اور سوال کرتی ہے کہ جب تم ہمارے کہنے والوں کی یہ ہدایات نہیں مانتے، پھر پھر ماننے اور محبت کا دعویٰ کیسا.....؟ اس روایت کا بہت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ یہ روایت بھی اور اس موضوع کی ایک اور روایت، خود حضرات حسنین اور امام محمد باقر سے منقول ہیں۔ کیا ان کے ایسے صاف اقوال کو نظر انداز کر کے، بلکہ ان کی کھلی مخالفت کر کے، خود کو ان حضرات کا ماننے والا محبت کرنے والا کہا جا سکتا ہے۔۔۔اور کیا ان کی اعلی درجہ کی اخلاقی تعلیمات کو جان بوجھ کر، چھوڑنے اور نظر انداز کرنے سے راہ ہدایت حاصل ہوسکتی ہے۔؟

اور اس کے ساتھ ہی اس کا جائزہ لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ، وہ تمام اکابر، جن کو اہل تشیع، اپنے سب سے بڑے مقتداؤں میں جانتے ہیں، وہ اپنی زبان سے حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی نسبت کیا فرماتے تھے اور ان کے یہ ارشادات گرامی وہ نہیں ہیں جو علمائے اہل سنت کی کتابوں میں درج ہیں، بلکہ یہ خود اہل تشیع کے ممتاز و معتبر ترین مآخذ میں درج ہیں۔

یہاں معتبر شیعہ مآخذ میں موجود متعدد روایتوں میں سے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروقؓ کی عظمت شان کے اعتراف، ان کے کامل اتباع، اُن کے حق پر ہونے کی تصدیق اور ان سے اپنی دلی محبت کے اظہار میں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادق نیز [شیعہ صاحبان کے عقیدہ کے مطابق، امام غائب] حسن عسکری کی صرف ایک ایک روایت یہاں نقل کی جا رہی ہے، جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کے، شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اختلافات کی اطلاعات غلط ہیں، جو ان حضرات کے مشترکہ بدخواہوں نے گھڑی ہیں اور پھیلائی ہیں اور ان میں سے اکثر روایتیں اور اطلاعات بہت بعد کی ایجاد اور بلاشبہ غلط ہیں۔

الف: نہج البلاغۃ میں [جو حضرت علی کرم اللہ کے اقوال و افادات و کلمات کا معروف و معتبر مجموعہ ہے] حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿لِلّٰه دَرُّ فلانٍ فلقد: قوم الأود، وداوی العمد، وأقام السنة، وخلّف البدعة، ذهب نقي الثوب، قليل العيب، أصاب خيرها، وسبق شرّها، أدّى إلى اللّٰه طاعته، واتّقاه بحقه، رحل وتركهم في طرق متشعّبة لا يهتدى فيه الضال، ويستيقن المهتدى (انتهیٰ)﴾ (۲)

(۱) اصول کافی شیخ یعقوب کلینی، ص: ۵۴۷، ۵۴۸ [منشی نول کشور لکھنؤ: ۱۳۰۲ھ]
(۲) اظہار الحق ج: ۳/ص: ۹۳۸ تحقیق محمد احمد محمد عبدالقادر ملکاوی، [ریاض: ۱۴۱۰ھ]

فلاں شخص کتنا اچھا اور بہترین ہے، کیوں کہ اس نے (۱) کجی کو سیدھا کیا (۲) سنگین بیماری کا علاج کیا (۳) سنت کو قائم اور جاری کیا (۴) بدعت کی مخالفت کی (۵) دنیا سے پاکدامن گیا (۶) بہت کم عیب والا تھا (۷) بہترین افعال کرتا رہا (۸) برے افعال سے محترز رہا (۹) اللہ کی فرمانبرداری کرتا رہا (۱۰) اللہ سے اسی کے حقوق میں سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا۔ خود تو چلا گیا، لیکن لوگوں کو منتشر اور پراگندہ چھوڑ گیا، کہ اس میں گمراہ کے لئے کوئی ہدایت حاصل کرنے کی صورت اور ہدایت یافتہ کے لئے یقین کی شکل نہیں۔(۱)

اس روایت میں جس عالی مرتبہ شخص کی، بے پناہ تعریف وتوصیف کی گئی ہے، وہ کون تھے؟ نہج البلاغہ کے اکثر شارحین، خصوصاً علامہ بحرانی نے [م ۶۸۱۔۱۲۸۲م] لکھا ہے کہ، اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ مراد ہیں۔ نہج البلاغۃ کے بعض اور شارحین [جو سب شیعہ صاحبان ہیں] کہتے ہیں کہ اس میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی جانب اشارہ ہے۔ دونوں میں سے جو بھی اس سے مراد ہوں، یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حضرات کیسے زبردست اور عالی اوصاف کے حامل تھے اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ان اوصاف عالیہ اور کمالات وہبیہ میں، جن کا سیدنا علی مرتضیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے، دونوں ہی حضرات اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر تھے۔

ب: محمد باقر کا ارشاد: کشف الغمۃ تصنیف شیخ علی بن عیسی الاربلی م۶۹۲ھ۱۲۹۳ء میں ہے کہ حضرت ابوجعفر، محمد الباقر سے تلوار پر نقش ونگار بنانے کے متعلق سوال کیا گیا، کہ کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا: ہاں جائز ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی تلوار پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ سائل نے کہا: آپ بھی ''ابوبکر صدیق'' کہتے ہیں، یہ سن کر حضرت باقر اپنی نشست سے کود کر اٹھے اور فرمایا: نعم الصدیق۔ نعم الصدیق، نعم الصدیق، ہاں صدیق تھے، ہاں صدیق تھے، ہاں صدیق تھے، اور جو ان کو صدیق نہ کہے، اللہ تعالیٰ اس کی کسی بھی بات کو دنیا اور آخرت میں سچا اور سیدھا نہ کرے۔

ج: حضرت باقر کا ایک اور ارشاد: الفصول المهمه فی اصول الائمه [تالیف شیخ محمد بن حسین الحر العاملی] میں، حضرت صدیق اکبر سے متعلق، حضرت ابوجعفر [محمد الباقر] کا ایک قول اور منقول ہے، لکھا ہے کہ ایک جماعت، چند آدمی، خلفائے ثلاثہ، سیدنا صدیق اکبر، عمر فاروق، اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف تھے، ان کی بات سن کر حضرت باقر نے، قرآن کریم کی آیت: السابقون الاولون اور مہاجرین کے متعلق متعدد آیات کی تلاوت کی اور فرمایا: کہ تم ان میں سے نہیں ہو، جن کی قرآن مجید میں تعریف فرمائی گئی ہے، یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ اس کا مصداق ہیں اور ان میں شامل ہیں، مگر اس کے متعلق تبصرے اور بری رائیں رکھنے والے، اس جماعت سے خارج ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے رضوان ومغفرت کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

د: حضرت جعفر صادق کا فرمان: امام محمد بن حسن شیبانی، ابوحفصہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

(۱) بائبل سے قرآن تک/ج:۳،ص:۲۶۔ ترجمہ، مولانا اکبر علی صاحب، شرح وتحقیق مولانا مفتی تقی عثمانی [کراچی:۱۳۹۱ھ]

میں نے محمد بن علی [حضرت باقر] اور جعفر بن محمد [حضرت جعفر صادق] سے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی بات پوچھا، تو انہوں نے کہا: وہ دونوں امام تھے، عادل تھے، ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمن سے بیزار ہیں۔

اس کے بعد، جعفر بن محمد، میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے سالم! کیا کوئی شخص اپنے نانا کو برا کہے گا، ابوبکر صدیقؓ میرے نانا ہیں۔ مجھے میرے جد، محمد ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان سے محبت نہ رکھتا ہوں۔

اور ابو جعفر [حضرت باقر] سے روایت ہے کہ کہ انہوں نے فرمایا، جس نے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی فضیلت کو نہ جانا، وہ سنت رسول سے جاہل رہا، اور ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی نسبت کیا کہتے ہیں؟

فرمایا: میں ان سے محبت رکھتا ہوں، اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے اپنے گھر میں سب کو دیکھا کہ ان سے محبت کرتے تھے۔

نیز ان سے پوچھا گیا کہ جو لوگ حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتے ہیں [وہ کیسے ہیں؟] فرمایا: وہ بے دین ہیں۔(۱)

ہ: امام غائب کی نصیحت: شیعہ صاحبان کے گیارہویں امام، حسن عسکری [بن علی بن محمد م ۲۶۰ھ/۸۷۴ء] سے منسوب تفسیر قرآن [کشف الحجب] کے حوالہ سے، جملہ صحابہ کرام کا احترام ضروری ہونے اور ان کو برا کہنے والوں کے لئے، ایک بہت واضح اور گویا قولِ ناطق نقل کیا گیا ہے، جو ایسے لوگوں کے لئے آئینہ اور سامان عبرت ہے، جو حضرات صحابہؓ کے لئے نازیبا کلمات زبانوں سے نکالتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ان رجلا ممن يبغض آل محمد و اصحابه او واحدا منهم، يعذبه الله عذاباً، لو قسم على مثل خلق الله لاهلكهم اجمعين﴾

جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یا اصحاب، یا ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض اور دشمنی رکھے گا، اللہ تعالی اس کو ایسا شدید عذاب دے گا، کہ اگر اس عذاب کو ساری مخلوق پر تقسیم کیا جائے، تو سب کو ہلاک کر دے'' (۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اس خانوادہ کے، جلیل القدر اکابر اور رہنماؤں کے، مذکورہ بالا معتبر ارشادات وکلمات سے

---

(۱) یہ اور اس کے علاوہ اس مفہوم کی متعدد معتبر روایتیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں نقل فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ازالۃ الخفاء مع ترجمہ مولانا عبدالشکور کاکوری لکھنوی ص: ۲۲۴ جلد اول۔ [عمدۃ المطابع۔ لکھنؤ: طبع اول] اس طباعت کے حاشیہ پر ازالۃ الخفاء کا صحیح فارسی متن بھی۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی کی تصحیح سے درج ہے۔ صرف ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو: ترجمہ ازالۃ الخفاء ص: ۴/۴۰۵، نور محمد اصح المطابع کراچی: بلا سنہ]

(۲) یہ تمام روایتیں اقتباسات اور حوالے، مناظر اسلام، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنے معرکہ آرا تصنیف اظہار الحق میں نقل فرمائے ہیں۔ یہ کتاب ڈیڑھ سو سال سے مسلسل چھپ رہی ہے، اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے، مگر ان حوالوں کی صداقت اور استناد کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکا۔ نیز اس قسم کی متعدد روایتیں، خصوصاً آخر میں درج حضرت حسن عسکری کا قول، محسن الملک سید مہدی علی خاں نے بھی آیات بینات میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: آیات بینات جلد اول [یونائیٹڈ پریس لکھنؤ: ۱۳۵۱ھ] یہی طباعت راقم کے سامنے ہے۔

عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ، ان کی اولاد اور گھرانہ اسی طریقہ پر کاربند اور عامل رہے اور اسی طریقہ کو صحیح قابل عمل اور اسوۂ نبوی کے مطابق سمجھتے تھے، جو حضرت ابوبکر و عمرؓ کا طریقہ اور عمل تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کو، حضرت شیخینؓ کا معاذ اللہ مخالف اور بعد میں ایک مستقل گروہ کا قائد و سردار اور ایک نئے مذہبی طریقہ کا قائد و امام قرار دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ان کا اور خلفائے ثلاثہ کا راستہ الگ الگ تھا، اور اسی کو بنیاد بنا کر اور بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں، مگر یہ روایات صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ خانوادۂ حسنینؓ اور ان کے اسلاف و اخلاف، حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقہ اور روایات و اعمال کی پابندی کو لازم جانتے تھے، ان کے ہی طریقہ پر چلتے تھے، ان کے معمولات اور اسوہ کو اپنی خوش بختی کا سامان اور ذریعۂ خیر گردانتے تھے، نیز اپنے گھروں اور نسلوں میں ان کی بابرکت یاد کا مسلسل باقی اور تازہ رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنی اولادوں کے ان جیسے نام رکھنا، اپنے لئے باعث رحمت و سعادت اور نیک فال شمار کرتے تھے۔ خاندان حسنینؓ کے جلیل القدر اصحاب حضرات شیخینؓ سے اپنی خاندانی نسبت اور آبائی رشتہ پر فخر کرتے تھے اور ان کی اولاد میں رشتہ داریوں کو، ان کے داماد بننے بنانے کو، اپنے اور اپنے گھرانوں کے لئے سامان خیر و برکت قرار دیتے تھے۔

ایسے ایک دو واقعات یا رشتے نہیں، بلکہ ایسے ناموں کے اعادہ و تکرار اور ایسے رشتوں کے تواتر و اہتمام کی ایک لمبی تاریخ ہے، جس سے یہ بات کھل کر آئینہ ہو کر سامنے آتی ہے، اس میں کسی بھی طرح کا کوئی شک و شبہ، اور تاریخ و ثبوت کے لئے لحاظ سے ادنیٰ تامل باقی نہیں رہتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ان کا خانوادہ گرامی اور ان کے تمام قابل ذکر اخلاف و اولاد، اسی عقیدہ کو مانتے تھے، اسی طریقہ اور دین کے ان ہی تمام اصولوں اور نظام کو تسلیم فرماتے اور ان کے مطابق عمل رکھتے تھے، جو حضرات شیخین کا طریقہ ،عقیدہ اور عمل تھا۔ یقیناً حضرت علی اور ان کا گھرانہ اور ان کی بعد کی نسلیں اس سے علیحدہ ہونے کو برا بلکہ ناجائز اور گناہ سمجھتی تھیں۔

حضرت شیخین کی محبت و نسبت، خانوادۂ علی کرم اللہ وجہہ کے لئے، دین صحیح سے وابستگی کی ایک علامت تھی اور وہ ان سے متواتر وابستگی کو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے کے برابر جانتے تھے، اسی لئے اس تعلق کو سرمایۂ حیات اور مقصد زندگی سمجھتے تھے۔

مشاجرات کی روایات حقیقت یا افسانہ؟

اس وقت جب حضرات صحابہ کی عظمت پر پھر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، ان کی شان میں گستاخیوں کی بات کی جا رہی ہے، اور ان سے محفوظ، قرآن مجید، سنت و احادیث نبوی اور شریعت کی بنیادوں پر نئے تیشے نئے حربے آزمائے جا رہے ہیں، ضرورت ہے کہ، اس بات کو اپنے ذہن و نظر اور مطالعہ میں ایک بار پھر تازہ کر لیا جائے کہ حقیقت دین کو صحابۂ کرام کے جس کارواں اور قائدین نے واضح کیا، وہ پہلے بھی ایک ہی جماعت تھے، ایک ہی کہکشاں کے آفتاب و ماہتاب تھے اور ایک ہی منبع سے منور ہو کر، ضوفشانی فرماتے رہے، بعد میں بھی ہمیشہ ایک ہی رہے۔ ان میں نہ اس وقت اختلاف تھا، جب وہ دامنِ رسالت کے زیر سایہ

زندگی گزار رہے تھے، نہ اُس وقت تھا جب ان میں سے ثانی اثنین یا یار غار کو مسند خلافت سپرد کی گئی، نہ اُس وقت تھا جب ''لوکان بعدی نبی لکان عمر'' کے مصداق، اپنے اقتدار اور تدبر وانتظام سے ملت اسلام کو، نئی فتوحات، نئی بلندیوں، نئی ترقیات اور نئے حصوں تک اسلام پہنچا کر، سرخ رو اور کامیاب فرمارہے تھے۔ تاہم بعد کے حالات میں بعض صحابہؓ کے درمیان بعض غلط فہمیاں پیش آئیں، اور اختلاف ومشاجرات ہوئے لیکن ان کے دل ہمیشہ صاف رہے، انہوں نے ان اختلافات ونزاعات کو، اپنے دامن سے بھی جھٹک دیا تھا، اور اپنی اولادوں کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔

اس لئے اگر [خاکم بہ دہن] ان سے کہیں غلطی ہوئی بھی ہو، تو وہ خدانہ کرے، ان کے باطن کی خرابی اور قلبی اندرونی اختلاف کا اثر نہیں، بلکہ صرف اختلاف رائے کی بات تھی۔ شرح عقائد نسفی کا اقتباس اوپر گذر گیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

''وماوقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاويلات''

ان حضرات کے درمیان جو بھی اختلاف ومشاجرات ہوئے، انہوں نے ان کو قطعاً بھلا دیا، فراموش کر دیا تھا، ان کی بعد کی زندگی، ان کے باہمی تعلقات، خاندانی رشتے، عظمت واحترام اور روابط اسی طرح باقی رہے۔ ان حضرات کے باہمی تنازعات واختلاف کی جو روایت واطلاعات اور تاریخی معلومات ہیں، ان کے ساتھ ایک بڑی خطرناک سازش ہوئی ہے، چوں کہ اس طرح اکثر روایتوں کے نقل کرنے والے اور ان روایتوں کی مدد سے اول اول تاریخ مرتب کرنے والے، اسی خیال وفکر کے اشخاص تھے جو اختلاف وعدم توازن کے شکار تھے، اس لئے ان کو پڑھتے ہوئے بہت احتیاط کی اور بہت غور وفکر کی ضرورت ہے کہ:

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

خانوادۂ علیؓ میں حضرت شیخین کے ناموں کا معمول اور اہتمام

اور یہ بھی ایک عالم آشکارا اور بے غبار حقیقت ہے کہ اگر اللہ نہ کرے، ان حضرات کے درمیان، بعد میں یا شروع میں، زندگی کے کسی دور میں بھی، بد اعتمادی، اختلاف اور بے تعلقی کی ایسی کوئی بات ہوتی جس کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے شفاف دامن کو آلودہ کرنے کی جسارت کی جاتی ہے، تو کیوں یہ حضرات اپنے خاندانی رشتے اس شدت وقوت سے باقی رکھتے، کیوں اپنی اولادوں کے نام ابوبکر، عمر عثمان، عائشہ رکھتے، کیوں کہ ان کی یادوں کو ہر وقت اپنے سامنے تازہ رکھتے اور کس وجہ سے اپنے اخلاف کو، ان حضرات کے خاندانوں سے رشتہ ناطہ جوڑنے کی تاکید واہتمام فرماتے اور اس میں کوشش کا مزاج بناتے؟

ذرا غور تو فرمایئے! حضرت علی کے صاحبزادوں کی قریبی اولاد میں سے، چار کے نام ابوبکر، پانچ کے عمر اور پانچ ہی کے عائشہ ہیں۔

بھلا، کون اپنے دشمنوں کے نام پر اپنی اولادوں کے نام رکھتا ہے، کون ان لوگوں سے جن سے پشتینی خاندانی عداوتیں ہوں، اپنی بیٹیاں دینا اور ان گھروں میں اپنے لڑکوں کی شادی کرنا پسند، یا گوارہ کرتا ہے۔ ان حضرات کے باہمی رشتوں اور قریب

ترین گہرے تعلقات کی جو مصدقہ تفصیلات اور معتبر شجرے، آئندہ صفحات میں پیش کئے جارہے ہیں، وہ ڈنکے کی چوٹ پر، اس فاسد خیال اور بے اصل پروپیگنڈے کی تردید کرتے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ:

اے کاش حقیقت کی کچھ ان میں جھلک ہوتی واعظ تری تقریر افسانے ہی افسانے

اس مطالعہ سے چند نہایت حیرت انگیز چونکا دینے والی معلومات سامنے آتی ہیں، جو اپنے آپ میں بڑی دریافت اور عجوبہ کی حیثیت رکھتی ہیں:

(۱) حضرات حسنینؓ کی جو نسلیں معروف و موجود ہیں، وہ تمام تر وہ ہیں، جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوتیوں، نواسیوں اور اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے ہوئی ہیں۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق اس پر فخر کرتے تھے، کہ میرا مادری، پدری نسبت [والدہ اور دادی] دونوں کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جڑا ہوا ہے۔

(۳) حضرات شیخین کے علاوہ، حضرات حسنینؓ کی تمام زوجات غیر عرب، عجمی خاندانوں سے تھیں۔

(۴) شیعہ صاحبان کی روایات میں، ان کے اماموں کی مادری نسبت [حضرت جعفر صادق کے بعد] اور ثبوت میں سخت اختلاف ہے۔

دقیق علمی مباحث، متکلمانہ مناظراتی بحثوں سے قطع نظر، یہاں درج یہ اطلاعات اور شجرے ہی اس کی مکمل تردید کر رہے ہیں کہ، ان خاندانوں میں آپس میں سخت اختلافات تھے، اور دونوں کی مذہبی فکر اور راستے الگ الگ تھے۔ اس تاریخی مطالعہ کی ایک ایک کڑی اور ہر اک شاخ کے آپس کے معتبر قریبی رابطے اور رشتہ داریاں، بہت صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ ان دونوں سلسلوں خاندانوں اور اہل نسبت میں آپس کے اختلاف، بداعتمادی اور قطع تعلقات کی روایات وخبریں غلط اور بالکل غلط ہے۔

اس نظریہ کا ناقابل تردید ثبوت ان خاندانوں کی باہمی رشتہ داریاں ہیں، ان سے ہمارے اس نظریہ بلکہ عقیدہ کی توثیق ہورہی ہے، جو شیعہ علماء، مورخین اور ماہرین علم الانساب نے اپنی کتابوں میں تحریر کئے ہیں، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آج نئی دریافت ہوئی ہو، بلکہ قدیم سے قدیم ترین مورخین اور علمائے انساب نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی صداقت کو بلاخوف تردید ظاہر بھی کیا ہے، آئندہ صفحات میں جو دو مختصر تالیفات کے ترجمے پیش کئے جارہے ہیں وہ اسی سلسلہ کی ایک نئی کڑی اور تازہ پیش رفت ہیں۔

اس موضوع کی تصانیف کا یہ سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اس موضوع پر، قدیم سے قدیم مورخین اور ماہرین انساب نے روشنی ڈالی ہے اور بعض نے ایسی تمام معلومات اور رشتوں کو یک جا مرتب کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

قدیم تصانیف میں اس موضوع کی ایک معروف اور عمدہ یادگار: حافظ ابوسعید، اسماعیل بن علی ابن زنجویہ الازدی [وفات

۴۴۵ھ] کی الموافقة بین اهل البیت والصحابة [وماروا ه کل فریق فی حق الاخر] ہے، جس کی شہرۂ آفاق عالم، اور مفسر قرآن علامہ جار اللہ زمخشری نے تلخیص کی تھی۔ اصل کتاب اور اس کی تلخیص دونوں تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔

علامہ زمخشری کے خلاصہ کا، ایک قلمی نسخہ کی مدد سے، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی [وفات: ۱۹۷۱ء] نے ''خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات'' کے نام سے اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا، جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکا ہے، بعد میں پاکستان سے بھی چھپا تھا، ایک اور اشاعت زیر طبع ہے۔

آئندہ صفحات میں اس موضوع کی دو مختصر تالیفات کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، جو اسی حقیقت کو روز روشن کی طرح آشکارا کر رہی ہیں، ان تصانیف کی اکثر اطلاعات شیعوں کے مستند مراجع و مآخذ سے لی گئی ہیں، سنی مراجع صرف قند مکرر اور توثیق مزید کے لئے درج کئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا مطالعہ اس سلسلہ کی متعدد غلط فہمیوں، غلط بیانیوں کا پردہ چاک کر دے گا، اس کے مطالعہ سے یہ جاننے میں مدد ملے گی، کہ کئی مرتبہ مسلسل جھوٹ اور غلط گوئی سچائیوں کو کس حد تک گرد آلود اور دھندلی کر دیتی ہے۔ بہر حال آگے بڑھئے اور ان معلومات سے فائدہ اٹھایئے۔

وہ تالیفات جن کا ترجمہ آئندہ صفحات میں نذر قارئین ہے، یہ ہیں:

(۱) آل البیت والصحابه: محبت وقرابة۔ پیش نظر اشاعت جمعیۃ الآل والصحب، بحرین اور سعودی عرب کے اشتراک سے بڑی پیمائش کے نہایت خوبصورت، عمدہ نفیس کاغذ پر کئی رنگوں میں، نہایت دیدہ زیب چھپی ہے، بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ طباعت ۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء کی ہے مگر اس پر مرتب کا نام درج ہیں۔

(۲) الاسماء والمصاهرات بین اهل البیت والصحابه رضوان الله علیهم

پہلی کتاب کا ترجمہ، ہمارے ادارہ، حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ مظفر نگر کے علمی رفیق، مولانا ہدایت اللہ صاحب آسامی فاضل دار العلوم دیوبند نے کیا ہے۔ دوسری کا مولانا عامل حسین سرور چمپارنی نے کیا ہے، یہ بھی دار العلوم کے فاضل ہیں اور اس وقت مدرسہ اسلامیہ عیدگاہ کاندھلہ میں استاذ ہیں۔ ترجمہ مجھے خود کرنا تھا، لیکن بعض مصروفیات اور مضمون کے تقاضے کی وجہ سے ان دونوں صاحبان کو زحمت دی گئی، راقم نے دونوں پر نظر ڈال لی ہے، اور ان میں بعض ترمیمات بھی کی ہیں مگر یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے، تاہم کوشش یہ کی گئی ہے کہ اصل تحریرات کا مفہوم اور پیغام ضائع نہ ہو، بہر حال جیسا کچھ ہے نذر قائین ہے۔

چوں کہ دونوں تالیفات کا موضوع ایک ہے اور مراجع و مآخذ بھی اکثر مشترک ہیں، اس لئے بعض مندرجات واطلاعات میں کسی قدر تکرار غیر متوقع نہیں، مگر اس میں شبہہ نہیں کہ ان تالیفات سے اس موضوع کی نئی اہم ترین اور مستند معلومات سامنے آئیں ہیں، جن سے امید ہے کہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔ وماتوفیقی الابالله علیه توکلت والیه انیب۔

تمہید

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے فرمایا کہ: تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور آپس میں اختلاف نہ کرو: ''واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا '' اور درود وسلام نازل ہو، اس باکمال مربی اور صاحب علم وعمل رہنما پر، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ہدایت دی اور درندہ صفت متفرق دلوں کو، باہم ایسا جوڑ دیا کہ وہ اللہ کے انعامات کے بدولت اس کے راستے اور دین پر آ گئے اور جم گئے، آپس میں محبت کرنے والے بھائی بھائی بن گئے۔ صلی الله عليه وعلى آله وصحبه اجمعين.

امابعد! تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پیشوایان ملت اہل بیت اور صحابہ کرام اور برگزیدہ ہستیوں کی معتبر وراثت اور صحیح سوانح حیات اور تاریخ کے بیش بہا ذخیرے پر توجہ دیں، کیوں کہ وہی درحقیقت مقتدا ہیں، جن کی اقتدا کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:''والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار'' [التوبہ:۱۰۰]

لہٰذا ان حضرات کی اقتدا واتباع ہمہ گیر کامیابی کی ضمانت ہے، اسی اہم اصول کے تحت جمعية الآل والاصحاب، بحرین نے اس کی کوشش کی اور مفید کام کو انجام دیا، جس سے قارئین کے سامنے یہ ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے کہ مدرسہ نبوی کے پہلے فارغین کے اندر کس قدر ہمدردی، رشتہ داری اور محبت والفت تھی، کہ واقعی وہ قول باری تعالیٰ: ''محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم [الفتح:۲۹] کا عملی نمونہ اور ترجمان تھے۔

ان صفحات سے جہاں اہل بیت اور صحابہ کا حقیقی تعلق نمایاں ہوتا ہے، وہیں منصف مزاج، نیک نیت لوگوں کے سامنے ان لوگوں کے دعوؤں کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے، جو اسلامی شفاف مآخذ کو داغدار بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، ان کے اغراض فاسدہ کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ بہرصورت آپ اس مختصر سی کوشش کو قبول فرمائیں۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس عجالہ نافعہ کی تیاری میں شرکت کرنے والے اصحاب کا شکریہ نہ ادا کریں، اور اللہ ہی سے قبولیت اور اخلاص کی دعا کرتے ہیں۔انه سميع مجيب .

اہل بیت اور ان کے چچازاد خاندان کے درمیان ازدواجی رشتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل مبارک دیگر لوگوں سے بالکل جدا نہ تھی، ان کے درمیان رشتہ داری اور میل جول رہتا تھا، کیونکہ اہل بیت اور ان کے چچاؤں کی اولاد کے درمیان نسل در نسل، مرحلہ بمرحلہ ازدواجی رشتے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں اسی قریشی گھر آئیں تھیں۔

آٹھ رشتے آل عثمان کے ساتھ ہوئے، چھ آل مروان بن الحکم کے ساتھ اور چار آل ابی سفیانؓ کے ساتھ، جن میں شریف ترین رشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے ساتھ ہے، جو سلسلۂ نسب میں دیگر ازواج مطہرات کی بہ نسبت آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھیں۔

انہیں رشتوں میں سے تیرہ رشتے، آل علی بن ابی طالب کے ساتھ تھے، جن میں سے اکثر، واقعات صفین، جمل اور کربلاء کے بعد ہی وجود میں آئے ہیں۔

چنانچہ چچازاد اولاد نے نسب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپس میں نکاح اور لڑکیوں کے رشتوں کے ذریعہ سے باہمی تعلقات کو زیادہ مضبوط اور طاقتور بنایا، تاکہ نسب شریف سے نسبت میں کبھی انقطاع نہ ہو، چاہے اور تعلقات میں کبھی کچھ کشیدگی آجائے۔

خیر البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ایسی بیٹیوں سے نوازا تھا، کہ جو پاکدامنی، نیکوکاری، تقویٰ و پرہیزگاری میں آخری بلند مرتبہ کو پہنچی ہوئیں اور اپنی مثال آپ ہی تھیں، وہ اسوۂ حسنہ اور بلند نمونہ تھیں ہر اک ایسی خاتون کے لئے، جو زندگی میں فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی کی خواہاں ہو۔

ان میں سے سب سے بڑی صاحبزادی، حضرت زینبؓ تھیں، جن کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے چند سال پہلے ہوئی تھی اور وفات اپنے والد محترم رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد منور میں ہوئی۔

ان میں سے سب سے چھوٹی صاحبزادی جنت کی عورتوں کی سردار، اور دو فلک بوس پہاڑوں، مہکتے پھولوں اور نادر ترین فرزندوں: حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ تھیں، جو سراپا زہد و تقویٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمۂ زہراء ہیں، جو باقی صاحبزادیوں سے افضل اور عبادت و زہد کے پیکر تمام خواتین سے بہتر ہیں، جن کے خاوند خلیفۂ راشد، مجاہد عابد، عالم زاہد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت فاطمہؓ ہی اہل بیت میں، سب سے پہلے اپنے والد محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں تھیں۔

نیز آپ کی صاحبزادیوں میں، تقویٰ و پاکدامنی کا پیکر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی ولادت ہجرت سے سات سال پہلے ہوئی، دونوں ہجرتوں میں شامل اور سبقت حاصل کرنے والی تھیں۔ یہ تیسرے خلیفہ راشد، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، جن کی ولادت حضرت رقیہ کے بعد ہوئی، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت رقیہ کی وفات کے بعد، حضرت عثمان غنی سے ہی کردیا تھا، تو وہ بہترین بلکہ اعلیٰ ترین، بڑوں کی بہترین نمونہ بنیں، انہیں دونوں صاحبزادیوں سے نکاح کی وجہ سے اور اس شان امتیازی کو نمایاں کرنے کے لئے، دربار رسالت مآب صلی

اللہ علیہ وسلم سے ذی النورین کا لقب عطا ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قرآنی آیات سے مدلل درج بالا شجرہ، ان باطل افواہوں کی تردید کے لئے ایک قطعی اور نہایت قوی دلیل ہے کہ جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ صرف حضرت فاطمہؓ ہی، رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادی تھیں، تینوں اور بیٹیاں گود لی ہوئی [لے پالک] تھیں، حالاں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وبناتک'' اس میں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے، جو کم سے کم تین کے مجموعہ یا افراد پر، بولا جاتا ہے۔ صحیح احادیث کی صراحت اور اجماعت امت بھی اسی پر ہے، یہ چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں، اس کے ثبوت کے لئے ہم نے ستائیس (۱) معتبر کتابوں کے حوالے یہاں نقل کر دیئے ہیں۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہ زہراؓء کا مبارک نکاح

(۱) وقت اور جگہ مدینہ منورہ میں، غزوۂ بدر سے لوٹنے کے بعد سن دو ہجری میں۔

(۲) خِطبہ (پیغام) حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور سعد بن معاذؓ تینوں نے حضرت علی کے لئے

---

(۱) السيرة النبوية لابن هشام ۹/۲ (۲) تاريخ الاسلام للذهبى ۱۲/۱

(۳) تاريخ دمشق لابن عساكر ۱۲۵/۲ (٤) البدايه والنهاية لابن كثير ۲۹٤/۲

(٥) الاصابة لان حجر ترجمة ۱۱۱/۸۱ (٦) الاستيعاب لابن عبدالبر ۷۱/۱

(۷) اسد الغابة لابن الأثير ۱۰/۱ (۸) الخصال للصدوق ص:٤٠٤

(۹) تهذيب الاحكام للطوسى ۳۳۳/۲ (۱۰) شرح اصول الكافى للمازندرانى ۱٤٤/۷

(۱۱) تاج المواليد للطبرسى ص:۹ (۱۲) تاج مواليد الائمة لابن خشاب ص:۷

(۱۳) مناقب آل ابى طالب ابن شهر آشوب ۹۰/۲

(۱٤) المسائل السروية للمفيد ص:۹٤ (۱٥) مستدركات علم الرجال للنمازى الشاهرودى ترجمة رقم ۹۲۲۷ و۱٥۸٦۰ و۹٥۹۰ و۱۸۰٦۸ ج

(۱٦) المقنعة للمفيد ص:۳۳۲ (۱۷) المبسوط للطوسى ۱٥۹/٤

(۱۸) مصباح المجتهد للطوسى ص:۸۰ و۶۲۲ (۱۹) تذكرة الفقهاء للحلى ٦۰٤/۲

(۲۰) قرب الإسناد للحميرى القمى ص:۹ (۲۱) معجم رجال الحديث للخوئى ۱۳۹/۱۲ و۲۰۸/۲٤ و۳۰٥/۱۹ وترجمة رقم ۱٥٦۲٦.

(۲۲) وسائل الشيعة للحر العاملى ۱۳۹/۳. (۲۳) الاستبصار للطوسى ٤۸٥

(۲٤) الحدائق الناضرة للبحرانى ۸٥/٤ (۲٥) منتهى المطلب للحلى ٤٤٦/۱

(۲٦) قاموس الرجال للتسترى ترجمة رقم ۱۱۹ و۳٤۳ و۸ و۱۳٦

(۲۷) بحارالانوار للمجلسى ۹٥/٤۲

پیغام نکاح دیا۔(۱)

(۳) مہر ایک حطمی زرہ تھی جس کو حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کو چار سو دراہم میں فروخت کیا، جب دراہم پر قبضہ کر لیا، تو عثمانؓ نے یہ کہہ کر زرہ واپس کردی، کہ یہ تمہارے لئے ہدیہ ہے علیؓ نے زرہ اور دراہم کو لے لیا۔(۲)

(۴) شب زفاف شب زفاف میں آپ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا کہ تم سب کام سے پہلے مجھ سے ملو، پھر آپ نے پانی منگایا، اور وضو فرمایا پھر ان دونوں پر پانی ڈالتے ہوئے یہ دعا پڑھی: **اللھم بارک فیھما، وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما** [الاصابہ ص:۳۷۸/ج:۴]

(۵) ولیمہ حضرت سعدؓ نے دنبہ ذبح کر کے ولیمہ کیا، بعض انصار چند صاع مکئی لے آئے۔(۳)

(۶) گھر ایک صحابی حضرت حارثہ بن النعمان انصاری نے ایک گھر بطور ہدیہ پیش کیا۔(۴)

(۷) جہیز حضرت صدیق اکبرؓ، بلالؓ اور سلمان فارسیؓ نے آپ کے ارشاد کے مطابق جہیز کا سامان خریدا جو ایک بستر، چمڑے کا ٹکڑا، پانی کا مشکیزہ، گھڑے اور خیبر کی بنی ہوئی چادر اور چکی تھی۔

(۸) گواہ آپ ﷺ نے گواہی کے لئے حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، حضرت طلحہ، زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلایا تا کہ وہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی کے گواہ بنیں۔(۵) [کشف الغمہ العلی الاربلی ۱/۳۷۸]

حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہ سے شادی مبارک

خاوند: حضرت علی بن ابی طالب تھے، جو نہایت بہادر اور شجاع تھے، خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے۔

اہلیہ: سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، خواتین اہل جنت کی سردار، دونوں سبطین [حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما] کی ماں، حضرت فاطمہ الزہراء۔ جو صحابہ کرام حضرت علیؓ کو اس مبارک شادی کے لئے تیار کرتے تھے، اس کا شوق اور رغبت دلاتے تھے، وہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ سعد بن معاذؓ ان میں شامل تھے، [جن کی وفات پر عرش اعظم تھرا گیا تھا] یہ شادی یوم الفرقان، غزوۂ بدر کے بعد ہوئی تھی، حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ کو سامان مہر دیا،

---

(۱) کشف الغمۃ۔ للاربلی، جلد اول ص:۳۴۳.

(۲) بحارالانوار، مجلسی ج:۴۳ ص:۱۳۰. الطبقات لابن سعد. جلد:۸ ص:۲۲۹

(۳) فضائل الصحابۃ للامام احمدبن حنبل، رقم الحدیث:۱۱۷۸

(۴) بحارالانوار، مجلسی. جلد:۱۹، ص:۱۱۳

(۵) بحارالانوار، مجلسی. جلد:۴۳، ص:۱۲۰.

حضرات انصارؓ نے ولیمہ کے خرچ اٹھائے، بکری ذبح کی، نوشاہ و دولہن کی خاطر و تواضع کی، مہاجرین وانصار و نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم سب نہایت خوش وخرم تھے، حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے ایک گھر پیش کیا تھا، دوسرے صحابہ خصوصاً حضرت صدیق اکبرؓ نے دونوں کے لئے سامان جہیز خریدا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قارئین کرام! یہ مبارک شادی اہل بیت اور صحابہ کرام کے درمیان ان گہرے تعلقات کو نمایاں کرتی ہے، جن کا خدا تعالیٰ نے: ''رحماء بینہم'' کے الفاظ سے تذکرہ فرمایا ہے، کیا اتنی ہمدردی اور گہری محبت اور رشتہ داری کے باوصف اس درخشاں حقیقت کو داغدار بنانا ممکن ہے، جس کی جڑیں اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے درمیان اس قدر طاقتور، زندہ اور تابندہ ہوں۔

حضرت علی اور آل علیؓ کے پسندیدہ نام

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام ایسے ناموں سے رکھے ہیں، جو اس وقت نہ صرف زیادہ مشہور و معروف تھے، بلکہ حضرت علی کے دل میں ان ناموں والے حضرات کی، ایک خاصی وقعت تھی۔ حضرت علی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب بالکل آسان ہے، یہ خالص گہری محبت، بے غرض تعلقات، بڑی وفاداری اور عظیم بھائی چارہ کا اثر ہے۔

چنانچہ حضرات حسنین یا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے، ابوبکر، عمر، اور عثمان سب فرزندان، رحمہم اللہ کربلا میں شریک ہوتے ہیں اور جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ واضح رہے کہ درج بالا ناموں سے ہماری مراد خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نہیں ہیں، بلکہ ایک خلیفہ رابع امیر المؤمنین حضرت علی کا بیٹا ہے، اور ایک ابوبکر حسن بن علی بن ابی طالب کا بیٹا بھی ہے، اور عمرین، یعنی عمر بن حسن اور عمر بن حسین ہیں، اور عثمان بن علی بن ابی طالب ہیں، ایک اور بھی عمر بن علی بن ابی طالب تھے، جس نے جنگ کربلا میں شریک ہو کر شہادت پائی۔ ان کے والد حضرت علیؓ اپنی اولاد کی بڑی ممکنہ تعداد کا نام ان ہی برگزیدہ ہستیوں [حضرت ابوبکر وعمرؓ وغیرہ] کے نام سے رکھنا پسند کرتے تھے۔

منبت طیب کے اس شجرۂ طیبہ کی جو نسل [اس وقت تک] موجود ہیں، وہ عمر اور عثمان کی نسل ہے، جو حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کے صاحبزادے ہیں۔

خاص اور قابل توجہ یہ ہے کہ حضرت علی کی اولاد کے دل میں اپنی نانیوں سے بے پناہ محبت ہے یہاں تک کہ حضرت علی کی اولاد کے قریبی سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا نام پانچ مرتبہ رکھا گیا، چنانچہ اسی شجرہ میں دیکھئے: (۱) عائشہ بنت جعفر صادق، (۲) عائشہ بنت موسیٰ کاظم (۳) عائشہ بنت علی رضا (۴) عائشہ بنت علی جواد (۵) عائشہ بنت جعفر بن موسیٰ۔ کیا اس سے ان حضرات کی باہمی محبت بالکل عیاں اور آشکارا نہیں ہے؟ کیا کسی کو سہو و نسیان سے بھی اس کا انکار ممکن ہے، اس لئے اب کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اہل بیت اور صحابہ کرام کے درمیان عداوت واختلاف ودشمنی تھی (نعوذ باللہ منہ) ان کے درمیان جو کچھ تھا، وہ باہمی محبت، ہمدردی، رشتہ داری، اور بھائی چارہ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل صدیق اکبرؓ کے درمیان رشتے

رسالت وصدیقیت کے درمیان مناسبت، اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل صدیقؓ سے ازدواجی رشتے...اس میں تعجب کی بات اور اختلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے حبیب ومحبوب، ایک دوسرے کے قریب اور مقرب تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنے وزیر خاص اور یار غار کی صاحبزادی، حضرت عائشہ سے شادی فرمائی، یہ عائشہ بڑی باوفا تھیں، اپنے خاوند علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں ان کے جملہ حقوق کی پاسداری کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مبارک خاتون کے گود میں سر رکھے ہوئے تھے۔

یہ مناسبت ان دونوں پاکیزہ گھرانوں میں مسلسل آگے بڑھتی رہی، حضرت صدیق اکبرؓ کی پوتی کا نکاح حضرت حسنؓ اور بعض کے نزدیک حضرت حسینؓ سے ہوا تھا۔

نسل حسینی میں سے موسی الجون بن عبداللہ المحض بن الحسین المثنی کی شادی، ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر سے ہوئی ہے، اور اسی نسل حسینی میں سے محمد الباقر کی شادی ام فروہ بنت القاسم سے ہوئی ہے، تاکہ اس کو ایک عالی مرتبت بچے کی ماں بننے کا شرف حاصل ہو، جن کا نام نامی جعفر صادق ہے۔

ہاشمی خاندان کے اسحاق بن عبداللہ کو، صدیق اکبر کی پوتیوں میں سے، کلثوم بنت اسماعیل نصیب ہوئی تھیں، اور اسحاق بن عبداللہ بن جعفر طیار، ام حکیم بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر (ام فروہ کی بہن) کو اپنی زوجہ بناتے ہیں، جو جعفر صادق کی خالہ بن جاتی ہیں۔

یہ بات بہت ہی اہم اور قابل توجہ ہے کہ ان میں سے اکثر رشتے صدیق اکبر کی وفات کے بعد منعقد ہوئے ہیں، ان رشتوں میں شوہر سب ہاشمی ہیں اور بیٹیاں سب آل صدیق اکبر سے ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ پیغام نکاح مردوں کی جانب ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خاندان صدیق اکبرؓ میں ازدواجی رشتے قائم کرنے کا کس قدر جذبہ، ذوق وشوق اور باہم کس درجہ محبت والفت تھی۔

ان رشتوں کی تاریخ وتفصیل یہ بتاتی ہے کہ عموماً جمہور امت اور خصوصاً آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپسی اختلاف ومشاجرات کو نظر انداز کر دیا تھا، چنانچہ یہ اکثر رشتے جنگ صفین، جمل اور کربلا وغیرہ واقعات کے بعد ہی قائم ہوئے، جن سے اللہ کے قول: ''الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات'' کی ایک اور صداقت نمایاں ہو جاتی ہے، اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل صدیق اکبرؓ کے درمیان گہرا تعلق اور پر خلوص محبت بھی، روز روشن کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

حضرت جعفر صادقؒ کا قول ''میں دو طرح سے ابوبکر صدیقؓ کا بیٹا ہوں''

''ولدنی ابوبکر مرتین'' (میں دو وجہ سے ابوبکر صدیق کا بیٹا ہوں) یہ جعفر بن علی بن الحسین کا مقولہ ہے، جو

انہوں نے اس توالد مبارک، نعمت الٰہی اور عطیۂ خداوندی سے فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

چنانچہ نواسۂ صادق، اپنے صدیق نانا پر فخر و ناز کرتا ہے، جن سے وہ (نواسہ) اپنی ماں فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر فقیہ مدینہ کی جانب سے ملتا ہے، یہ ولادت کی پہلی وجہ ہوئی۔

نواسۂ صادق کی نانی، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق ہیں، یہ توالد کی دوسری وجہ ہوئی۔

متقی آدمی اہل تقویٰ وصلاح ہی سے فخر کرتا ہے، اور نیک شخص نیکوکار اور سعادت مند لوگوں ہی سے ناز کرسکتا ہے۔ محمد الباقر نے محبت ہی کی وجہ سے خانوادۂ صدیق میں سے ام فروہ سے شادی کی، ان کی یہ شادی اپنے نانا کی وفات کے ستر سال بعد ہوئی ہے، اسی مبارک شادی کا ثمرہ ایک کوہ علم وفقہ کی صورت میں ظاہر و نمودار ہوا، جس سے امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں، جن کا نام نامی جعفر صادق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ ایسا کیوں نہیں ہوگا، اس کی تربیت شہر نبوی میں ہوئی، جو علم وعلماء کا شہر، فقہ وفقہاء کا گہوارہ اور مفکرین وخردمندوں کی آماجگاہ ہے، ان روشن فقروں سے ہر صاحب بصیرت کے لئے عیاں ہے کہ جعفر صادق اپنے نانا صدیق اکبرؓ پر ناز کرتے ہیں، (جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار، اور ثانی اثنین یعنی دو میں سے دوسرے تھے) اور بالکل بجا ہے کہ وہ اس فلک بوس پہاڑوں اور مؤمن صادق پر ناز کریں، جس کے متعلق صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کو ''خلیل'' بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

کیا اتنی وضاحت کے بعد بھی کسی طوطا چشم کے لئے مناسب ہے کہ وہ اہل بیتؓ اور صحابہؓ کے درمیان کسی اختلاف کی بات کرے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین.

آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل فاروق کے درمیان عقد ومصاہرات

کتنا اچھا ہے کہ نبی امین، مربی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص معتمد، خلیفہ ثانی فاروق اعظم عمرؓ کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنائیں، اور کتنی دلچسپ بات ہے کہ فاروق اعظم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ مصاہرت کے شرف سے سربلند اور معزز ہوں۔

بلاشبہ خدا تعالیٰ نے حضرت عمر کے ذریعہ اسلام کو قوت بخشی، اور عمرؓ کی بدولت ہی مسلمانوں اور اسلام کی دعوت پردہ کے پیچھے سے منظر عام پر آ گئی تھی۔ اکثر اسلامی فتوحات عہد فاروقی میں وجود میں آئیں، وہ بے شمار خوبیوں کے مالک، عظیم امتیازات کے حامل، اور کارہائے نمایاں کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خاص مناسبت تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اخلاص، راست بازی، والہانہ محبت، اور نصرت دین کے جذبات کو بخوبی جانتے تھے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے نکاح فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاوند حفصہ کا نعم البدل ہوئے، جو غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے: فنعم الراحل، ونعم الرحیل.

پھر فاروق اعظم نے ام کلثوم بنت علیؓ و فاطمہ (رضی اللہ عنہما) سے نکاح کیا، یہ وہی ام کلثوم ہیں جنہوں نے فرمایا تھا کہ: نماز فجر کے ساتھ میرا یہ کیا ماجرا ہے؟ یعنی ان کے دو محبوب ترین آدمی نماز فجر کے وقت شہید ہوگئے، ایک خاوند دوسرا والد۔

پھر خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ان کا (ام کلثوم کا) بیٹا بھی بوقت فجر وفات پائے، اس مرتبہ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار سے جا ملیں۔

مصاہرت مذکورہ کی تیسری کڑی، حضرت حسینؓ کے پوتے کے پوتے، اور فاروق اعظمؓ کے پوتے کی پوتی کے درمیان ملتی ہے، یعنی حسین بن علی بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ کا نکاح، جویریہ بنت خالد بن ابی بکر بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ سے ہوا ہے، تاکہ محبت کی تجدید ہوجائے، اور دیرینہ تعلقات زندہ وتابندہ و پائندہ ہوجائیں۔

ان پاکیزہ رشتوں اور تعلقات سے خدا تعالیٰ کے ارشاد: ''والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات'' کی سچائی بالکل واضح ہوجاتی ہے، اور خانوادۂ نبوت و خانوادۂ فاروق کے درمیان گہرا تعلق اور خالص محبت بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔

زید بن عمر بن الخطابؒ کا قول: ''میں دو خلیفوں کا بیٹا ہوں''

زید بن عمر بن الخطاب فخر میں یہ فرماتے تھے: ''میں دو خلیفہ کا بیٹا ہوں'' یعنی دو خلفاء راشد، دو باکمال ہستیوں، ہم پیالۂ جام شہادت، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، کیونکہ زید کی والدہ، ام کلثوم بنت امام عادل، عابد زاہد حضرت علی ہیں، اور ان کا والد امیر المؤمنین، قاہر شیاطین، دشمن مشرکین حضرت عمر بن الخطاب ہیں۔

حضرت عمر فاروق نے حضرت علی سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا پیغام دیا، تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے تو اس کو اپنے بھتیجے جعفر کے لئے رکھ رکھا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ان کا نکاح مجھ سے ہی کردو، بخدا! میں اس کے لئے جتنا امیدوار ہوں، اتنا کوئی نہیں ہے، تو حضرت علیؓ نے ان کا نکاح کردیا، حضرت عمرؓ خندہ پیشانی کے ساتھ مسکراتے ہوئے شاداں وفرحاں، صحابہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: تم مجھے مبارکبادی نہیں دیتے ہو؟ وہ بولے کہ کس بات کی مبارک بادی، فرمایا کہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: ''ہر نسب و رشتہ قیامت کے دن ختم ہوجائے گا، سوائے میرے نسب و رشتے کے'' اس لئے میں نے چاہا کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نسب اور رشتہ قائم ہوجائے، (کما روی الحاکم بسندہ عن جعفر الصادق عن ابیہ الباقر رحمھما اللہ)

حضرت فاروق اعظم کا مقصد حاصل ہوگیا اور امید برآئی، تو صاحبزادہ کا بھی اپنے والد محترم اور نانا دونوں خلیفۂ راشد پر

ناز کرنا بجا ہوا۔ زید کا انتقال عنفوان شباب میں ہوا، اس کی وجہ وہ قضیہ تھا جو ان کے چچا زاد بھائیوں کے درمیان برپا ہوا تھا، زید اس میں مصالحت کے لئے گئے تھے، اچانک ان کے سر پر غلطی سے ایک وار ہوا، پھر فوراً ہی وہ اور ان کی والدہ حضرت ام کلثومؓ، دونوں پہلو بہ پہلو اللہ کو پیارے ہوگئے، ان کی نماز جنازہ ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے پڑھائی، ان کے بعد ان کے دونوں ماموں حضرات حسنینؓ کی بھی شہادت ہوئی، جس کی وجہ سے ہموم وغموم کی کالی گھٹائیں آسمان پر امنڈ کر آئیں اور پھیلتی چلی گئیں، وکان امر اللہ قدراً مقدورا۔

خانوادۂ نبوت میں حضرت عثمانؓ کا مقام ومنزلت

امیر المؤمنین، خلیفہ ثالث، سابقین اولین کے ایک فرد، صاحب ہجرتین، عشرۂ مبشرہ کے ایک رکن، بیعت رضوان کا سبب، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کے صاحب دولت وثروت، حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں، جن کے فضائل بے شمار اور شمائل کی فہرست بڑی لمبی ہے، جن کا احاطہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کو خانوادۂ نبوت میں ایک عظیم مقام حاصل ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔۔ نیز ان کی والدہ ''اروی بنت کریز'' کی ماں بیضاء بنت عبد المطلب ہیں، یعنی بیضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد، حضرت عبداللہ کی سگی بہن ہیں، یہ کوئی دوسری سگی جیسی نہیں بلکہ حضرت عبداللہ کی جڑواں بہن تھی دونوں ایک ہی پیٹ سے بیک وقت تولد ہوئے تھے۔

پھر حضرت عثمان کو ایک بہت بڑا نشان امتیازی حاصل ہوا، یعنی ہجرت سے پہلے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا شرف حاصل ہوا، ان کی ساتھ ہی ہجرت کئے [حبشہ اور مدینہ منورہ] دونوں ہجرتوں کے منازل طے کئے، پھر وہ بیمار ہوگئیں، تو حضرت عثمان نے وفا کا بدلہ وفا سے دیا، اور غزوہ بدر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے، ان کی تیمارداری کرتے رہے۔

حضرت رقیہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی بہن اور اپنی ایک اور صاحبزادی، حضرت ام کلثوم سے حضرت عثمان غنی کا نکاح کر دیا، حضرت ام کلثوم حضرت عثمان کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ ہجرت کے نو (۹) سال بعد ان کی وفات ہوئی، اسی وجہ سے حضرت عثمان کو ذی النورین دو باکمال بیٹیوں کا خاوند کہا جاتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

خانوادۂ نبوی میں سلسلہ عثمانی کا مضبوط پایہ وہ رشتہ داریاں ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

ان مصاہراتی رشتوں سے اگر یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ: ''الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات'' وہیں آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل عثمانؓ کا مضبوط تعلق اور خالص محبت بھی نمایاں ہوتی ہے۔

آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم و آل عثمانؓ کے درمیان مصاہراتی رشتے

یہ مصاہرات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ان کے بڑے شرفاء کے درمیان جاری رہی، اور نبوی نسب شریف عبد مناف میں جا کر حضرت عثمان سے ملتا ہے، پھر اسی نسبی رشتے کو مصاہراتی رشتوں نے اور مضبوط بنایا، یعنی حضرت عثمان کی شادی، حضرات نورین، رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

پھر یہ قربت اور رشتہ داری پانچ نسلوں تک جاری رہی، چنانچہ ابان بن عثمان، مروان نبیرہ عثمان، عبداللہ اور زید ابنائے عمر، یہ سب بنی ہاشم کی نیک خواتین سے نکاح کرتے ہیں، اور یہ ہی سب کچھ نہیں بلکہ خانوادہ حسنی میں ان کے دو مصاہراتی رشتے موجود ہیں، اور خاندان حسینی میں تین ہیں۔ یقیناً مصاہراتی تعلقات طرفین میں محبت کو بڑھاتے ہیں، آدمی اسی سے دامادی کا رشتہ قائم کرتا ہے، جس کی دیانت واخلاق پر اطمینان ہو، کیونکہ اچھے اچھوں کے لئے ہیں، یہ ہی صالحین کا قاعدہ ہے، اور متقین کا اصول ہے، شادی بیاہ کے معاملات میں مصاہراتی تعلقات جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں، طرفین میں محبت ومودت بھی پروان چڑھتی ہے۔ یہی بات ہمیں ان مصاہراتی پاکیزہ تعلقات میں نظر آتی ہے، جن کی جڑیں اہل بیت اور خاندان عثمانی کے درمیان راسخ ہو گئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین.

بیت نبوی میں حضرت زبیرؓ

یہ زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد خاص، آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے فرزند، بشارت جنت کے حامل، اصحاب حل وعقد کے ممبر تھے۔ ان کی ماں ان کی کنیت ابوطاہر رکھتی تھیں، جو ان کے ماموں زید بن عبدالمطلب کی کنیت تھی، بعد میں انہوں نے اپنی کنیت اپنے بیٹے عبداللہ کے نام سے رکھی ہے، وہ زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب القرشی الاسدی ہیں۔

بچپن میں مسلمان ہوئے آغوش اسلام میں پرورش پائی، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کے چند رشتے ہیں:
وہ جد رابع قصی بن کلاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کے ساتھ ملتے ہیں، ان کی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قرشیہ آپ کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی سگی بہن ہیں۔

ان کی (صفیہ کی) ماں ہالہ بنت وہب ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہیں، عوام بن خویلد نے حارث بن حرب بن امیہ کے بعد ان سے شادی کی تھی، ان کے بطن سے زبیر پیدا ہوئے، وہ مسلمان ہوئیں اور اپنے بیٹے زبیر کے ساتھ ہجرت کی، ان کی وفات خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ہوئی ہے۔

ان تعلقات کی ایک مضبوط کڑی حضرت زبیر کی پھوپھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جو سب سے پہلے ایمان لے آئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین پشت پناہ اور سہارا بنیں،

حضرت فاطمہ زہراء زبیر کی پھوپھی ہی کی بیٹی ہیں، اسی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے، کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت نبوی ہی کے ایک فرد ہیں۔

رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین، وصلی الله علی النبی الامین وعلی آله وصحبه اجمعین.

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان نسلی امتزاج

دنیا کی کوئی چیز ان پاک وشفاف قلوب، قدسی نفوس اور اولوالعزمیوں پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئی، کیونکہ خانوادۂ زبیری وخاندان علوی کے درمیان مصاہرات کے ایسے گونا گوں رشتے ہمارے سامنے ہیں، جن کا وجود واقعۂ جمل کے بعد ہوا ہے، چنانچہ ایک سو سال میں چھ نسلوں کے درمیان رشتوں کی تعداد سولہ تک پہنچ گئی ہے، کبھی دریائے محبت والفت میں غوطہ زن ہیں، اس بحرِ بے کراں کی شفافیت کو دنیا کبھی داغدار نہ بناسکی، نسل حسن کے چھ رشتے، دو پوتے، دو پوتیاں رقیہ اور نفیسہ، نیز حسن بن عبداللہ کے پوتے [جس کا لقب، نفس زکیہ تھا] نے زبیری خانوادہ کے ساتھ مکرر رشتہ قائم کیا تھا۔

جہاں تک حسینی نسل کی بات ہے تو وہ بھی حسنی نسل سے کچھ کم نہیں تھی، اس میں چھ مصاہراتی رشتے قائم ہوئے تھے، جن میں مرد پانچ تھے یہ سب علی بن حسین کے پوتے تھے۔

مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ بھی خانوادۂ علوی کے پانچ رشتے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کے دل میں حسد وکینہ کا شائبہ تک نہ تھا، بلکہ وہ اپنے تمام اختلافات کو بھلا چکے تھے، وہ سب مجتہد تھے، بعض مصیب تھے، دوہرا ثواب کے مستحق تھے، اور بعض مخطی تھے ایک ثواب کے مستحق تھے۔

آل علیؓ وآل طلحہ بن عبیداللہؓ کے درمیان مصاہراتی رشتے

اس شخص کے مقام ومرتبہ کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، یہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک، آٹھ سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ایک، اور ان لوگوں میں سے بھی ایک تھے، جنہوں نے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا، نیز یہ چھے اصحاب شوریٰ کے بھی رکن رکین تھے، یہ ہیں: طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہیں، چند رشتوں کے ذریعہ یہ خانوادۂ علوی کے قریب ہوگئے، نواسہ حضرت حسن نے، ام اسحاق بنت طلحہؓ سے شادی کی، تاکہ اس مبارک حسن پیدا ہوں؟؟

پھر اپنے بھائی حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد، اسی خاتون سے حضرت حسین شہیدؓ نے شادی کی، تاکہ یہ عظیم المرتبت رشتہ باقی رہے، اور فاطمۃ الزہراء کی پوتی فاطمہ صغریٰ وجود میں آئے، حالانکہ دونوں حسنینؓ نے جنگ جمل میں شرکت فرمائی تھی، پھر ام اسحاق بنت طلحہ سے شادی کرنے کی کیا وجہ تھی، کیا اس کا تشفی بخش جواب اور روشن دلیل یہ نہ تھی کہ ان حضرات کے دل پاک

وصاف تھے، غرض مند لوگوں نے ہی تاریخی حقائق کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی کوشش کی۔

یہ باہمی روابط مصاہراتی راہ سے مسلسل جاری رہے ہے، جب حضرت حسن بن علی کے پوتے عبداللہ المحض اور عون بن محمد بن علی بن ابی طالب نے حضرت طلحہ کی پوتی، حفصہ بنت عمران بن ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے شادی کی ہے۔

یہ ہماری اس بات کی دلیل ہے خودغرض لوگوں نے واقعہ جمل کے تحت مختلف بے جا باتیں بنائیں ہیں، تاکہ اہل بیت اور صحابہ کے درمیان صاف تعلقات کو مسخ کردیا جائے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت حسین بن علیؓ کے داماد دیگر صحابہؓ کے فرزندوں میں سے

حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ کا، صحابہؓ کے دل میں، نیز ان کی اپنی نسل کے دل میں ایک خاص مقام تھا، یہ ان مصاہرات سے ظاہر ہوتا ہے، جو حضرت حسینؓ کی دو بیٹیوں کے حق میں قائم ہوئی ہیں۔

چنانچہ حسن مثنیٰ نے اپنی چچازاد بہن فاطمہ صغریٰ سے شادی کی، ان کے بطن سے ممتاز گرامی شخصیات پیدا ہوئیں، جیسے حسن مثلث، عبداللہ المحض، ابراہیم الغمر، زینب (جس کی شادی ولید بن عبدالملک سے ہوئی) اور ام کلثوم جس کی شادی اپنے خالہ زاد بھائی [حضرت] باقر سے ہوئی۔

جنگ کربلا میں زخمی ہونے کے نتیجے میں، حسن مثنیٰ کا انتقال ہونے کے بعد، فاطمہ صغریٰ کی شادی عبداللہ بن عمر بن عثمان بن عفان (جس کا لقب مطرف تھا) سے ہوئی، جس سے ایک لڑکی اور محمد الدیباج پیدا ہوئے۔

امام حسینؓ کی دوسری بیٹی کی شادی، پہلے عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب (جس کا لقب ابوبکر تھا) سے ہوئی تھی، پھر جب وہ واقعہ طف میں شہید ہوئے، تو ان کی شادی مصعب بن زبیر بن العوام سے ہوئی، اس سے ان کی ایک بیٹی ہوئی جس کا نام فاطمہ رکھا، لیکن وہ بھی کچھ ہی دن کے اندر شہید ہوگئے، تو اس کی شادی عبداللہ بن عثمان بن حکم بن حزام سے ہوئی، اور جب اس کا انتقال ہوگیا، تو عثمان بن عفان کے پوتے زید نے اس سے شادی کی پھر زید کا بھی انتقال ہوگیا، تو اس کی ایک جلیل القدر صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابراہیم سے ہوئی، لیکن یہ ازدواجی زندگی بھی پائیدار نہ ہوئی، تین مہینے کے بعد طلاق ہوگئی، تو اس کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان ابن الحکم سے ہوا، جو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھائی ہے۔

اب ہم کو یہ سمجھنا ہے کہ صرف دو شادی (یعنی حسن مثنیٰ کی شادی فاطمہ سے اور عبداللہ بن الحسن کی شادی سکینہ سے) کے علاوہ باقی تمام مصاہراتی رشتے جنگ کربلا کے بعد ہی ہوئے ہیں۔

محمد باقر

محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ (مولود/ ۵۶ھ۔ متوفی/ ۱۱۴ھ)

سردار، بہادر، خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ، ابوجعفر محمد بن علی حضرت زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب

قریشی ہاشمی ہیں، جن کی پیدائش سن ۵۶ ہجری میں ہوئی ہے۔

انہوں نے علوم کے پردوں کو چاک کر کے، اس کے پوشیدہ خزانوں اور رازہائے سربستہ کو حاصل کیا، اسی لئے آپ کا لقب باقر (یعنی چاک کرنے والا) پڑ گیا، آپ کا یہ علم، تحصیل علم کی راہ میں تگ وتاز مسلسل اور بیتابی بے کرانی کا ثمرہ ہے، اور معلم اول، مرشد کامل، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ اساتذہ جلیل صحابہ کرامؓ کے ساتھ عاجزی وانکساری اوران کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا نتیجہ ہے، جیسے حضرت جابر بن عبداللہؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ، عبداللہ بن عباسؓ، اور ابوسعید الخدری اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کی مرویات کو حدیث شریف کی ممتاز ترین بنیادی کتابوں میں جمع کیا گیا ہے، ان کی تعداد دوسو سے زائد ہے، یہ ان مرویات کے علاوہ ہیں جو تاریخ وتفسیر کی کتابوں کی زینت بنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی گھرانے کی ایک نیک خاتون، ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق عطا فرمائیں ہے، جس سے علم وتقوی کا ایک اور پہاڑ نمودار ہوا، جس کو جعفر صادق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انتہائی محبت ومؤدت اور جاں نثاری ووفاشعاری کا اس وقت ظہور ہوا جب حضرت باقر سے ایک مسئلہ تلوار کے نقش ونگار سے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار پر نقش ونگار بنوائے تھے، سائل نے کہا: آں جناب بھی ان کو صدیق کہتے ہیں؟ تو حضرت باقر نے اپنی مسند سے قوت سے کودتے ہوئے، قبلہ کی طرف رخ کیا اور تین مرتبہ فرمایا: نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق، جو شخص صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی کسی بات کو سچ قرار نہ دے۔

کیونکر ہوسکتا ہے کہ عالی مرتبہ اور عمدہ اعلی حسب ونسب والا، اپنے جیسے بلند اصحاب کی طرف سے دفاع نہ کرے، وہ ایسے شخص کا دفاع کیوں نہیں کرے گا، جس نے اپنے نانا کی پشت پناہی کی اور اپنی تمام چیزوں کو اللہ کی راہ میں لگا دیا تھا، یہ وفاشعاروں کی راہ متقین کا طریقہ اور پاکبازوں کا اسلوب ہے۔

حفصہ بنت محمد الدیباج

جو چاروں خلفائے راشدین اور طلحہ وزبیر کی پوتی ہیں۔

کلام کی جامعیت، مضامین کی عمدگی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پنہاں حقائق کو اس طرح اجاگر کر دیا جائے کہ وہ ہر کس وناکس، عالم وجاہل کے سامنے عیاں ہوجائیں، رشتہ داری کی پائیداری اور قرابت داری وبھائی چارگی کی مضبوطی یہ ہے کہ تعلقات متواتر ومسلسل اور دائمی ہوں، جو حسب ضرورت وموقع تازہ ہوتے رہیں، ایسا ہی خانوادہ نبوت کے پوتوں اور صحابہ کی اولاد کے درمیان ہے۔ کبھی ایسی رشتہ داریوں کی تعداد ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زائد ہوجاتی تھی جیسا کہ حفصہ بنت محمد دیباج بن عبداللہ المطرف بن عمرو ابن خلیفہ راشد امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال ہے۔ یہ خاتون بیک وقت، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ اور طلحہ وزبیرؓ کی بیٹی ہیں۔

ان کی (حفصہ بنت محمد دیباج کی) ماں، خدیجہ بنت عثمان بن عروۃ بن الزبیر ہیں۔

اور عروہ کی ماں، اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

محمد بن دیباج کی ماں، فاطمہ بنت حسین بن علی تھیں۔

فاطمہ بنت حسین کی ماں، ام اسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ تھیں۔

عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کی ماں، حفصہ بنت عبداللہ بن عمر بن الخطاب تھیں، جن کو زینب بنت عبداللہ بن عمر بھی کہا جاتا ہے۔

ان حضرات میں عجیب اجتماعیت اور انمٹ اتحاد ہے، نہ اختلاف وتنافر کا کوئی اثر، نہ جھگڑے اور خصومت کا کوئی نشان ہے، جو کچھ ہے وہ تصورات سے بالاتر بلندی، موٗدت کی مضبوط کڑیاں، گہرے تعلقات اور قوی ترین نسبت ہے، کیا اب کسی جاہل کو یا طوطا چشم کے لئے سچائی اور حقیقت کو مان لینے میں کوئی عذر باقی رہ جاتا ہے۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم سید المرسلین ﷺ کی ازواج مطہرات

وہ پاکیزہ عورتیں، شریف و پاکدامن خواتین اور نیک سیرت بیبیاں ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اس لئے انتخاب کیا، کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سچی مثالی شریک حیات بنیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو امہات المومنین والمومنات کے تمغہ سے نوازا ہے۔

گیارہ موٗمن خواتین بالکل ایسی ہیں جیسے پررونق، جاذب نظر اور خوشنما ہار ہے، سبھی کا سلسلہ نسب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے ملتا ہے، سوائے دو خواتین کے: ایک حضرت جویریہ، جو بقول راجح قحطانی النسل ہیں، دوسری حضرت صفیہ، جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں، تاہم سب ہی زوجاتِ مطہرات کا نسب انتہائی پاک وشفاف ہے۔

حضرت خدیجہؓ پہلی بیوی اور اپنے مال سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مددگار رہیں، اور حضرت عائشہؓ تنہا غیر شادی شدہ خاتون اور سب سے پیاری بیوی تھیں، اور ان کے والد محترم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پیارے دوست تھے، اور سب سے آخری زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ حضرت زینب بنت جحشؓ ہیں، سب سے آخر میں وفات پانے والی حضرت ام سلمہؓ ہیں، سبھی کا مرقد جنت البقیع ہے، البتہ حضرت خدیجہ الکبریٰ مکہ مکرمہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقام سَرِف میں دفن ہوئیں۔

وہ سب عالمہ اور استانیاں ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دوہزار دوسو دس ۲۲۱۰ حدیثیں، حضرت ام سلمہؓ سے تین سو اٹھہتر ۳۷۸، حضرت میمونہؓ سے صرف اٹھہتر ۷۸، حضرت ام حبیبہؓ سے پینسٹھ ۶۵، زینب بنت جحش سے گیارہ ۱۱، حدیثیں مروی ہیں، نیز دیگر ازواج مطہرات کی اور روایتیں بھی ہیں۔ سبھی نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت یافتہ ہونے کی وجہ سے علم

حدیث کو فروغ دینے میں اپنی پاکیزہ زندگی اور اپنے عظیم المرتبت جلیل القدر شوہر [علیہ السلام] کے احوال نقل کرنے میں بھرپور حصہ لیا ہے۔

رضی اللہ عن امہات المؤمنین ورحمهن رحمة الابرار.

عشرۂ مبشرہ

وہ دس صحابہ کرامؓ جن کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت حاصل ہوئی۔

اصحاب علم وفضل، حاملین شرافت وبزرگی، جن کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے ملتا ہے، جن کے دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ، میں ڈھلے ہوئے تھے، اور جن کے خاکی جسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں وقف شدہ اور قربان تھے۔ یہ ہیں بشارت کی حاملین دس خوش نصیب ہستیاں، جن کے مناقب وفضائل میں بہت سی احادیث وآثار وارد ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

دس شخص جنتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ہیں، ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر بن العوام جنت میں ہیں، سعد بن مالک جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں، اور اگر میں چاہوں تو دسویں کا بھی نام لے لوں، صحابہ نے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سعید بن زید ہیں۔۔۔!!

یہ دسوں حضرات، حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل میں سے ہیں۔ یہ دعوت اسلام میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہیں، اسی طرح یہ نسب شریف میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہیں، اس لئے ان میں سے کسی کے نسب میں انگلی رکھنے کی کوشش کرنا، درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک میں انگلی رکھنے کا مترادف ہوگا۔ سوائے حضرت ابوبکر کے والد ماجد کے، کسی دوسرے کے والد مسلمان نہیں ہوئے۔

ان میں بعض خلفاء ہیں، بعض اصحاب شوریٰ ہیں، سبھی سراپا زہد وتقویٰ ہیں، اکثر ان میں سے شہداء ہیں، چنانچہ حضرت عمر، عثمان وعلی، طلحہ وزبیر شہید ہوئے، سب سے پہلے وفات پانے والے اور سب سے باکمال حضرت صدیق اکبر ہیں، اور سب سے اخیر میں وفات پانے والے، حضور پرنور کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، سب کے سب غزوہ بدر کی فضیلت کے حاملین ہیں اور سب بیعت رضوان کے بھی شریک ہیں، سوائے حضرت عثمان کے کہ انہیں کی وجہ سے بیعت رضوان ہوئی تھی۔

رضی الله عنهم وارضاهم، والحقنا بهم في جنات النعيم فرضي الله عنهم اجمعين.

دنیا میں حضرت امام حسین ؓ کے ہمہ گیر کارنامے اور ملک گیر فتوحات

وہ انتہائی بہادر، میدان جنگ کا شیر ببر تھے، جو شمشیر برّاں کے ٹکراؤ اور تیروں کی برسات سے نہیں ڈرتے تھے، بلکہ ہمیشہ شہادت اور جنت کی سرداری کے خواہاں رہتے تھے۔ وہ میدان جنگ کا ایک عظیم ہیرو تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر نہ نیند غالب آتی تھی اور نہ سستی و کاہلی تھی، بلکہ وہ تلوار کو سونت لیتے، گھوڑے پر زین کس کے سوار ہوتے، اور میدان کارزار میں گھس جاتے اور جنگوں میں حصہ لیتے تھے، تاکہ اس عالم آب و گل کے چپہ چپہ میں توحید کا پرچم بلند کیا جاسکے۔

انہوں نے افریقہ کے مختلف ممالک کے فتوحات میں شرکت کی اور وہاں کے اکثر حصوں کو رومیوں کے ناپاک قبضے سے پاک کیا، نیز انہوں نے جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن العاص کی سرکردگی میں، طبرستان کے ممالک کو فتح کرنے کے لئے پرزور شرکت فرمائی، پھر سب کے سب وہاں سے ہمہ گیر کامیابی کے تاج پہن کر خوش وخرم واپس ہوئے۔

نیز انہوں نے حضرت معاویہ کی دعوت پر، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے جان و مال سے شرکت فرمائی، اسی غرض سے وہ مدینہ منورہ سے نکل کر ملک شام کے ''حلب'' وغیرہ سے گذرتے ہوئے، اس دور دراز ملک تک پہنچ گئے۔ مگر چوں کہ دشمنان اسلام اپنے بلند و بالا قلعوں میں محفوظ ہوگئے تھے، اس لئے مسلمان ان کو فتح نہ کرسکے، تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ مسلسل مسلمانوں کے ساتھ پنجہ آرائی کرنے سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بغرض اعلاء کلمۃ اللہ) ہمیشہ جہاد کرنے اور بے پناہ بہادری کا مظاہرہ کرنے کا والہانہ شغف رکھتے اور کارہائے نمایاں کو جبین تاریخ میں ثبت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ.

اہل بیت میں سے ان حضرات کے اسمائے گرامی جن کا تعلق علوی اور ہاشمی خاندان سے ہے، اور جنہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی کو اپنا نام بنایا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ

شیعہ وسنی، قریب وبعید رہنے والوں سب کو یہ معلوم ہے کہ ابوبکر صدیق ان کی کنیت اور عبداللہ ان کا اسم گرامی ہے، نیز آپ خلیفہ اول بھی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہر عقلمند آدمی یہ جانتا ہے کہ جو شخص اپنے لڑکے کا نام ابوبکر رکھتا ہے، یا اپنی کنیت کے طور پر اس کو اپناتا ہے وہ صحابہ کرامؓ کو اپنا دوست رکھتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے، جن میں صدیق اکبر سب سے بڑے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے وہ اصحاب جن کا نام 'ابوبکر' ہے

﴿۱﴾ ابوبکر بن علی بن ابی طالب

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ شہید کیے گئے، ان کی ماں کا نام لیلیٰ بنت مسعود نہشلی ہے، ان کا تذکرہ الارشاد للمفید صفحہ ۱۸۶۔ ۲۴۸، تاریخ الیعقوبی فی اولاد علی، شیخ عباس القمیکی منتھی الآمالی ۱/۲۶۱ پر ہے، شیخ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کا نام محمد اور کنیت ابوبکر ہے۔ بحار الانوار للمجلسی ۴۲/۱۲۰۔

﴿۲﴾ ابوبکر بن حسن بن علی بن ابوطالب

میدان کربلا میں اپنے چچا حضرت حسین کے ساتھ شہید ہوئے، ان کا تذکرہ شیخ مفید نے اپنی کتاب 'الارشاد' کے باب قتلی کربلا ۲۴۸/ کے تحت کیا ہے۔

نیز تاریخ یعقوبی کے باب فی اولاد الحسن اور عباس قمی کی منتہی الآمالی ۱/۵۴۴ کے باب استشہاد فتیان بنی ہاشم فی کربلاء، میں ہے۔

﴿۳﴾ ابوبکر علی زین العابدین

حضرت علی زین العابدین بن حضرت حسین شہیدؒ کی کنیت ''ابوبکر'' ہے۔

شیعہ امامیہ کے متعدد علماء نے اس کو ذکر کیا ہے، جزائری کی ''الانوار النعمانیہ'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

﴿۴﴾ ابوبکر علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق

حضرت علی الرضا کی کنیت ''ابوبکر'' تھی، النوری الطبرسی نے اپنی کتاب 'النجم الثاقب' کے ''ألقاب وأسماء الحجة الغائب'' کے تحت کیا ہے، قال: ﴿۱۴۔ أبو بكر وهي إحدى كنى الإمام الرضا، كما ذكرها أبو الفرج الأصفهاني في مقاتل الطالبيين﴾.

﴿۵﴾ ابوبکر محمد المہدی المنتظر بن الحسن العسکری

ابوبکر حضرت المہدی المنتظر کی ایک کنیت ہے، جن کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ ان کی پیدائش ''ابوبکر'' سے ۱۱۰۰ سو سال پہلے کی ہے، النوری الطبرسی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، لقب ۱۴/ کی طرف رجوع کیا جائے۔

﴿قلت: تُری لما ذا یُکنی أو یُلقب المهدي المنتظر لدی الشیعة الإمامیة بأبی بکر؟!!﴾

﴿۶﴾ ابوبکر بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب

أنساب الأشراف کے مصنف نے ان کا ذکر صفحہ ۶۸/ پر کیا ہے۔

﴿قال: وُلد عبدالله بن جعفر... وأبابکر قُتل مع الحسین وأمّهم الخوصاء من ربیعة...﴾

اور خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ کے ص: ۲۴۰ پر فی تسمیة من قتل یوم الحسرة من بنی ہاشم کے تحت کیا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ

حضرات صحابہ کرام میں جتنے حضرات بھی عمر کے نام سے متصف تھے ان سب میں حضرت عمر بن الخطاب زیادہ مشہور ہیں، اور جو شخص بھی اس نام کو اپناتا ہے، بلاشبہ وہ اس سے خیر و برکت کا ارادہ رکھتا ہے۔

حضرت علی کی اولاد میں سے وہ صاحبان جن کا نام ''عمر'' ہے

﴿۱﴾ عمر الاطرف بن علی بن ابوطالب

ان کی والدہ ام حبیب صہباء تغلبی، ارتداد کے خلاف جنگ کی قیدیوں میں سے تھیں، ابونصر بخاری شیعی کی سر السلسلة العلویة کے ص: ۱۲۳ پر ''نسب عمر الأطراف'' ملاحظہ کیجئے۔ عباس القمی کی منتہی الآمال ۱/ ۲۶۱، قال: ''عمر ورقیة الکبری التوأمان'' مجلسی کی بحار الانوار ۴۲/ ۱۲۰

﴿۲﴾ عمر بن حسن بن علی بن ابوطالب

ان کی ماں کا نام ام ولد ہے، یہ اپنے چچا حضرت حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے، ابن عتبہ ہاشمی کی عمدة الطالب ص: ۱۱۶، تاریخ یعقوبی ص: ۲۲۸ فی اولاد الحسن کی طرف رجوع کیا جائے، یعقوبی نے اپنی کتاب التاریخ میں ذکر کیا ہے: ﴿وکان للحسن ثمانیة ذکور وهم الحسن... وزید... وعمر والقاسم وأبوبکر وعبدالرحمٰن لأمهات شتی وطلحة وعبدالله...﴾

﴿۳﴾ عمر الاشرف بن علی زین العابدین بن حسین

ان کی ماں نام ام ولد ہے، اور ان کا لقب اشرف تھا، کیونکہ وہ عمر جن کا لقب ''اطرف'' ہے وہ عمر بن علی بن ابوطالب ہیں،

شیخ مفید کی الارشاد ص: ۲۶۱، ابن عقبہ کی عمدۃ الطالب ص: ۳۲۳، دیکھئے: ان کا لقب اشرف ہے، کیونکہ یہ حسینی اور حسنی دونوں خاندان سے ہیں اور عمر الاطرف صرف والد کی طرف سے ہیں یعنی علی بن ابوطالب۔

عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید شہید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب: محمد اعلمی حائری نے اپنی کتاب ''تراجم اُعلام النساء'' میں اسم بنت الحسن بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر الطیار...، کے تحت ص: ۳۵۹ پر ان کا نام ذکر کیا ہے۔

﴿۴﴾ عمر بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق

ابن الخشاب نے ان کا ذکر موسیٰ الکاظم کی اولاد میں کیا ہے۔

ابن الخشاب نے فرمایا: ﴿عشرون ابنا زائدا فیهم عمراً وعقیلاً وثمانی عشرة بنتا﴾ محمد تقی تستری کی تواریخ النبی والآل، کی طرف رجوع کیجئے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان ذی النورین شہید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران محترم حضرت رقیہ وام کلثوم کے زوج محترم بھی ہیں۔

حضرت علی کی اولاد میں سے جن صاحبان کا نام بنام عثمان رکھا گیا

﴿۱﴾ عثمان بن علی بن ابوطالب

حضرت حسین کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے، ان کی والدہ ام بنین بنت حزام وحیدیہ ثم کلابیۃ ہیں، شیخ مفید کی الارشاد ص: ۱۸۶۔۲۲۸، شیخ محمد رضا حکیمی کی اعیان النساء ص: ۵۱، تاریخ یعقوبی کی باب اولاد علی، منتہی الآمالی ۱/۵۴۴، القستری فی تواریخ النبی والآل ص: ۱۱۵ فی اولاد أمیر المؤمنین کی مراجعت کی جائے۔

﴿۲﴾ عثمان بن عقیل بن ابوطالب

بلاذری نے انساب الاشراف میں ص: ۷۰ پر ان کا ذکر کیا ہے، قال: ولد عقیل مسلما...وعثمان''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ دختر حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عائشہ ہیں۔

﴿۱﴾

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اہل بیت سے ایک لڑکا ہے، جس کے بہت سے صاحبزادے ہیں اور ایک لڑکی بھی ہے جن کا نام عائشہ ہے۔ دیکھئے! عائشہ نام رکھنے میں آخر اس قدر رغبت کیوں ہے؟ ذرا غور تو کیجئے!

علمائے شیعہ کو اس کا جواب دینا چاہئے، اگر ان کے پاس جواب ہے!! اللہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے! آمین

﴿۲﴾ عائشہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق

یہ حضرت موسیٰ الکاظم کی اولاد میں سے ہیں، ان کا ذکر خود متعدد شیعہ علماء نے کیا ہے، مثلاً شیخ مفید نے الارشاد ص:۳۰۳ ۔ابن عنبہ ہاشمی نے عمدۃ الطالب ص:۲۶۶۔ نعمت اللہ جزائری نے الانوار النعمانیہ ۱/۳۸۰ میں کیا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اہل بیت کرام کی شدت محبت کی ایک قابل ذکر علامت یہ ہے کہ موسیٰ الکاظم کی [۳۷/ اولاد تھیں جن میں سے] ایک لڑکی کا نام عائشہ بھی تھا۔

نعمت اللہ جزائری نے [الانوار النعمانیہ میں ۱/۳۸۰] پر لکھا ہے:

﴿وأما عدد أولاده فهم سبعة وثلاثون ولداً ذكرا وأنثىٰ: الإمام علي الرضا و...و...و...وعائشة﴾

اگر چہ ان کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے، لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی ایک لڑکی تھی جس کا نام عائشہ تھا، ابونصر بخاری نے کہا:

﴿ ولد موسىٰ من ثمانية عشر ابنا واثنتين وعشرين بنتاً، [سر السلسلة العلوية ص:۵۳﴾

تستری نے تواریخ النبی والآل، میں سترہ لڑکیوں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیہ، رقیہ صغریٰ، حکیمہ، ام ابی حکیمہ، ام کلثوم، ام سلمہ، ام جعفر، لبانہ، علیۃ، آمنہ، حسنہ، بریہہ، عائشہ، زینب اور خدیجہ شامل ہیں، تواریخ النبی والآل ۱۲۵۔۱۲۶.

﴿۳﴾ عائشہ بنت جعفر بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق

﴿۴﴾ عائشہ بنت علی الرضا بن موسیٰ الکاظم

ابن خشاب نے اپنی کتاب ''موالید اہل البیت'' میں ان کا ذکر کیا ہے، کہتے ہیں: علی الرضا کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں کا نام محمد قانع، حسن، جعفر، ابراہیم، اور حسین ہیں، اور لڑکی کا نام عائشہ ہے، [تواریخ النبی والآل ص:۱۲۸]

﴿۵﴾ عائشہ بنت علی الہادی بن محمد الجواد بن علی الرضا

شیخ مفید نے [الارشاد ص:۳۳۴] پر ان کا ذکر کیا ہے، قال:

﴿وخلف من الولد أبا محمد الحسن ابنه هو الإمام من بعده والحسين ومحمد وجعفر وابنته عائشة...﴾

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی کی اولاد میں سے جن لوگوں نے اپنا نام طلحہ رکھا ہے

﴿۱﴾ طلحہ بن حسن بن علی بن ابو طالب

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں حضرت حسنؓ کی اولاد میں ان کا تذکرہ کیا ہے [ص:۲۲۸] اور تستری نے تواریخ النبی والآل میں [ص:۱۲۰].

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی کی اخلاف میں سے جن حضرات نے اپنا نام معاویہ رکھا ہے

﴿۱﴾ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

یہ عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں سے ہیں، جن کا نام معاویہ بن ابوسفیان ہے، نیز اس معاویہ کی اولاد ہیں، (ان کی نسل چلی)[انساب الاشراف ص:۶۰، ۶۸اابن عنبہ کی عمدة الطالب ص:۵۶]

اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ازدواجی رشتے

اہل بیت اور آل صدیق اکبرؓ بنی تیم کے درمیان رشتے

﴿۱﴾ محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ دختر صدیق اکبر سے نکاح فرمایا شیعہ امامیہ کے علماء کے میں سے کوئی بھی عالم اس نکاح کا منکر نہیں ہے، اگرچہ علمائے شیعہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سلسلہ میں زبان درازی کرتے ہیں، اوران کا کوئی بھی عالم نہ نیا نہ پرانا حضرت عائشہ پر ترضی نہیں پڑھتا بلکہ اس کے برعکس ان پر نہایت برے الزامات لگاتا ہے، جیسا کہ شیخ عباس قمی نے اپنی تفسیر وغیرہ میں علمائے شیعہ سے نقل کیا ہے۔

﴿۲﴾ موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن السبط بن علی بن ابو طالب

انہوں نے ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ سے نکاح کیا تھا، جن سے عبداللہ پیدا ہوئے، اس کا علمائے شیعہ میں سے: تراجم أعلام النساء کے مصنف نے ص:۲۷۳ پر اور ابونصر بخاری نے سر السلسلة العلوية ص:۲۰ میں تذکرہ کیا ہے، نیز ابن عتبہ نے عمدة الطالب ص:۱۳۴ میں کیا ہے:

﴿وام سلمة هذه أمها عائشة بنت طلحة بن عبيدالله وأمها ام كلثوم بنت أبی بكر الصديق﴾

﴿۳﴾ اسحاق بن جعفر بن ابو طالب

انہوں نے ام حکیم بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے شادی کی، اور یہ فروہ کی بہن تھیں، ان کا ذکر علمائے شیعہ میں سے محمد اعلمی الحائری نے اپنی کتاب '' تراجم أعلام النساء''میں [ص:۲۶۰] پر کیا ہے۔

﴿۴﴾ محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین

انہوں نے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے نکاح کیا، جن سے جعفر صادق پیدا ہوئے، اس رشتہ کا تذکرہ شیعہ امامیہ کے مراجع و مآخذ میں ملتا ہے، جیسے: شیخ مفید کی الارشاد [ص:۲۷۰] محمد اعلمی حائری کی تراجم اعلام النساء [ص:۲۷۸] ابن عنبہ کی عمدۃ الطالب [ص:۲۲۵] حضرت جعفر صادق کا یہ مقولہ مشہور ہے، میں ابوبکر صدیقؓ سے دو مرتبہ پیدا ہوا۔ جعفر صادق کو عظم وشرف کا ستون کہا جاتا ہے۔ ابن طقطقی کی الأصیلي [ص:۱۴۹] ﴿مقالة جعفر الصادق المشهورة ولد فی ابوبکر مرتین﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ماں ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر ہیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ہیں، اگر قارئین کرام غور فرمائیں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ آل صدیق اکبرؓ سے ان کا کتنا اچھا رشتہ تھا۔

﴿۵﴾ حسن بن علی بن ابوطالب

حضرت حسنؓ نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ سے نکاح فرمایا تھا، تستری نے تواریخ النبی و الآل کے ص:۱۰۷ پر ازواج الإمام الحسن کے تحت اس کا ذکر کیا ہے۔

اہل بیت اور آل زبیرؓ کے درمیان رشتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی

﴿۱﴾ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب

حضرت العوام بن خویلد نے آپ سے نکاح کیا، جن سے زبیر بن العوام پیدا ہوئے، یہ رشتہ تمام مراجع اور کتب انساب کا متفق علیہ ہے، مؤرخین اور علمائے انساب میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

﴿۲﴾ ام الحسن بن حسن بن علی بن ابوطالب

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام نے اس سے نکاح کیا، اس نکاح کا ذکر شیعہ علماء میں سے عباس قمی نے منتہی الآمال [ص:۳۴۱] ابن عتبہ نے عمدۃ الطالب [ص:۲۸۸] شیخ محمد حسین اعلمی حائری نے تراجم اعلام النساء [ص:۳۴۶] اور ابوالحسن عمری نے المجدی میں کیا ہے نیز علمائے انساب میں سے بلاذری نے أنساب الأشراف [۱۹۳/۲] میں اور مصعب زبیر بن بکاء نے نسب قریش [ص:۵۰] پر کیا ہے۔

﴿۳﴾ رقیہ بنت حسن بن علی بن ابوطالب

حضرت عمرو بن زبیر بن عوام نے ان سے نکاح کیا، اس نکاح کا تذکرہ شیعہ علماء میں سے عباس قمی نے منتهی الآمال [ص:

۳۴۲] میں اعلمی نے تراجم اعلام النساء[ص:۳۴۶] ابوحسن عمری نے المجدی اور ابن عنبہ نے عمدۃ الطالب[ص:۸] میں کیا ہے، علماء انساب میں سے مصعب زبیری نے نسب قریش[ص:۵۰] پر کیا ہے۔

﴿۴﴾　ملیکہ بنت حسن بن علی بن ابوطالب

حضرت جعفر بن مصعب بن زبیر نے ان سے شادی کی جن سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی، مصعب زبیری کی نسب قریش ، ص:۵۳ ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۵﴾　موسیٰ بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب

آپ نے عبیدۃ بنت زبیر بن ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام سے نکاح کیا، جن سے عمر درج، صفیہ اور زینب پیدا ہوئیں، مصعب زبیری کی ''نسب قریش'' ص:۷۲ ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۶﴾　جعفر اکبر بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب

آپ نے فاطمہ بنت عروہ بن زبیر بن عوام سے نکاح فرمایا، جن سے علی پیدا ہوئے، مصعب زبیری کی نسب قریش ص:۷۲ ملاحظہ کیجئے۔

﴿۷﴾　عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب

آپ نے ام عمرو بنت عمرو بن زبیر بن عروہ بن عمر بن زبیر سے نکاح کیا، جن سے جعفر اور فاطمہ پیدا ہوئے، مصعب زبیری کی نسب قریش[ص:۷۳، ۷۴] ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۸﴾　محمد بن عوف بن علی بن محمد بن علی بن ابوطالب

آپ نے صفیہ بنت محمد بن مصعب بن زبیر سے نکاح کیا، جن سے علی اور حسنہ پیدا ہوئیں، مصعب زبیری کی نسب قریش ص:۷۷ ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۹﴾　بنت القاسم بن محمد بن جعفر بن ابوطالب

بنت قاسم سے حضرت حمزہ بن عبداللہ بن زبیر بن عوام نے نکاح کیا، جن سے ان کی اولاد بھی ہوئیں، مصعب زبیری کی نسب قریش[ص:۸۲] ملاحظہ فرمایئے۔

﴿۱۰﴾　محمد بن عبداللہ النفس الزکیہ بن حسن مثنی بن حسن سبط بن علی بن ابوطالب

آپ نے فاختہ بنت فلیح بن محمد بن منذر بن زبیر سے نکاح فرمایا جن کے بطن سے طاہر پیدا ہوئے، ابونصر بخاری نے سر السلسلۃ العلویۃ، میں ص:۱۸ پر ذکر کیا ہے۔

﴿۱۱﴾　حسین اصغر بن علی زین العابدین بن حسین

آپ نے خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام سے شادی کی، اس کا تذکرہ شیخ محمد حسین اعلمی شیعی نے تراجم اعلام

النساء میں [ص:۳۶۱] پر کیا ہے۔

﴿۱۲﴾ سکینہ بنت حسین بن علی بن ابو طالب

مصعب بن زبیر بن عوام نے ان سے نکاح کیا، اس کا تذکرہ علم انساب کے دو بڑے شیعی علماء نے کیا ہے، ابن عنبہ کی عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب میں [۱۲۸ھ۔ص:۱۱۸]، ابن طقطقی کی الاصیلی فی انساب الطالبین میں ت ۷۰۹ھ [ص:۶۵۔۶۶]

﴿۱۳﴾ حسین بن حسن بن علی بن ابو طالب

آپ نے امینہ بنت حمزہ بنت منذر بن زبیر بن عوام سے نکاح فرمایا، ابونصر بخاری شیعی نے ''سر السلسلة العلوية'' میں ص:۱۰۳ پر ذکر کیا ہے، کہ حسین بن حسن کے لڑکے محمد، علی، حسن اور لڑکی فاطمہ تھی، جس کی ماں امینہ بنت حمزہ بن منذر بن زبیر ہیں۔

﴿۱۴﴾ علی خرزی بن حسن بن علی بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب

آپ نے فاطمہ بنت عثمان بن عروہ بن زبیر بن عوام سے نکاح فرمایا۔

ابونصر بخاری نے ''سر السلسلة العلوية '' میں [ص:۱۰۲] پر ذکر کیا ہے، کہ علی بن حسن بن علی معرف بہ خرزی کے لڑکے حسن، ہیں جن کی ماں فاطمہ بنت عثمان بن عروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

اہل بیت اور آل خطّاب بن عدی کے درمیان ازدواجی رشتے

﴿۱﴾ محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب سے نکاح فرمایا تھا، اس نکاح کے بارے میں کسی بھی شیعہ عالم کا کوئی اختلاف نہیں، اگر چہ شیعہ امامیہ کے علماء حضرت حفصہ پر بھی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی طرح سب وشتم کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ حسن افطس بن علی بن علی زین العابدین بن حسین

حضرت حسن افطس نے بنت خالد بن ابی بکر بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ سے نکاح کیا تھا، اس نکاح کا تذکرہ شیعہ عالم کی کتاب عمدة الطالب [ص:۳۳۷] اور تراجم اعلام النساء [ص:۳۶۱] پر ہے۔

﴿۳﴾ حسن مثنی بن حسن علی بن ابی طالب

آپ نے رملہ بنت سعید بن زید بن نفیل عدوی سے نکاح کیا، جن سے محمد، رقیہ اور فاطمہ پیدا ہوئیں، علمائے شیعہ میں سے ابن عنبہ نے عمدة الطالب، میں [ص:۱۲۰] پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اہل بیت اور بنی تیم کے درمیان رشتے

﴿۱﴾ حضرت حسن بن علیؓ بن ابی طالب

آپؓ نے ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی سے نکاح فرمایا، جن سے فاطمہ، ام عبداللہ اور طلحہ بن حسن پیدا ہوئے، اس نکاح کا تذکرہ شیعہ امامیہ کے کئی ایک مراجع و مآخذ میں ہے، جیسے: شیخ مفید کی الارشاد [ص:۱۹۴] شیخ عباس قیمی کی منتہی الآمال [ص:۶۵۱] فصل ۲ افی بیان اولاد الحسین کشف الغمة کی معرفة الائمة [۵۷۵/۲ فی ذکر أولاد الحسن] اور الجزائری کی الانوار النعمانیة [۳۷۴/۱] وقال:

﴿والحسن الاثرم بن حسن وطلحة وفاطمة أمهم ام اسحاق بنت طلحة بن عبيدالله التيمى﴾

حسین اثرم بن حسن، طلحہ اور فاطمہ کی ماں ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی ہیں۔

﴿۲﴾ حضرت حسین بن علیؓ بن ابی طالب

حضرت حسینؓ نے ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی سے نکاح فرمایا، اور اپنے انتقال سے پہلے حضرت حسن کو وصیت فرمائی کہ ام اسحاق سے نکاح کریں، چنانچہ حضرت حسن نے ایسا ہی کیا اور ان کے بطن سے فاطمہ بنت حسین پیدا ہوئیں، اس بات کا تذکرہ شیعہ امامیہ کے مآخذ میں ملتا ہے، جیسے: شیخ مفید کی الارشاد [ص:۱۹۴] شیخ عباس قمی کی منتہی الآمال [ص:۶۵۱، الفصل ۱۲ فی فصل بیان اولاد الحسین] الجزائری کی الانوار النعمانیة [۳۷٤/۱] وقال: ﴿فاطمة بنت الحسين وأمها أم اسحاق بنت طلحة بن عبيدالله﴾

فاطمہ بنت حسین کی ماں ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ ہیں۔

اہل بیت اور بنی امیہ کے درمیان رشتے

﴿۱﴾ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں دختران مکرم کا نکاح، خلفیہ ثالث حضرت عثمان غنی سے ہوا تھا۔ اس رشتہ کے بارے میں شیعہ امامیہ کے کسی عالم کو کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کے باوجود وہ حضرت عثمان بن عفان کو ہمیشہ برا بھلا کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں اگر چہ یہ نکاح ہوا ہے لیکن یہ: ''مناکحة من أظهر الاسلام وأضمر الكفر'' [اس آدمی کا نکاح جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو اپنے دل میں چھپایا] کی طرح ہے، اس کے لئے دیکھئے: شیخ مفید کی المسائل السروية علمائے شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت رقیہ کی موت عثمان بن عفانؓ کے ان کو مارنے پیٹنے کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا تھا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت رقیہ کی وفات کے بعد، حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کیوں کیا؟

﴿۲﴾ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا، ابوالعاص بن ربیع، حضرت زینب کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے لڑکے ہیں،

حضرت زینب کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام امامہ تھا، جن سے حضرت علی نے فاطمہ زہرا ؓ کے انتقال کے بعد نکاح کرلیا تھا، اس رشتہ میں بھی شیعہ امامیہ کے کسی بھی عالم کا اختلاف نہیں۔

﴿۳﴾ علی بن حسن بن علی بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب

انہوں نے رقیہ بنت عمر عثمانیہ سے نکاح کیا تھا، ابونصر بخاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے:

وقال: ﴿وعلى بن الحسن بن على الخرزي هو الذي تزوّج برقيّه بنت عمر العثمانية وكانت من قبل تحت المهدي بن المنصور، فأنكر ذلک الهادى وأمر بطلاقها فأبى على بن الحسن ذلک وقال: ليس المهدي برسول الله حتى تحرّم نساؤه بعده ولا هوا لمهدي أشرف منى، سر السلسلة العلوية ص: ۱۰۳﴾.

علی بن حسن بن علی خرزی نے رقیہ بنت عمر عثمانیہ سے نکاح کیا تھا جو ان سے پہلے مہدی بن منصور کے نکاح میں تھی، چنانچہ ہادی کو یہ ناگوار گزرا اور اس نے طلاق کا حکم دیا لیکن علی بن حسن نے اس کو رد کردیا، اور فرمایا کہ مہدی کوئی رسول نہیں کہ اس کے بعد اس کی عورتوں سے نکاح حرام ہوجائے اور نہ مہدی ہے جو مجھ سے اشرف ہے۔

﴿۴﴾ حضرت علی بن ابی طالب

حضرت علی ؓ نے امامہ بنت ابوالعاص بن ربیع سے نکاح فرمایا، قدمر بیانه.

﴿۵﴾ خدیجہ بنت علی ؓ بن ابوطالب

خدیجہ بنت علی کا نکاح عبدالرحمٰن بن عامر بن کریز اموی سے ہوا تھا، اس کا تذکرہ علمائے شیعہ میں سے ابن عنبہ نے عمدۃ الطالب [ص:۸۳] ابوالحسن عمری شیعی کی کتاب المجدي سے نقل کرکے حاشیہ پر ذکر کیا ہے، تراجم اعلام النساء [ص:۳۴۵] ابن حزم کی جمهرة انساب العرب [ص:۶۸] وقال في عمدة الطالب: ﴿تزوجها عبدالرحمن بن عامر الاموی، ولم یذکر اسم کُریز﴾

﴿۶﴾ رملہ بنت علی بن ابوطالب

معاویہ بن مروان بن حکم نے ان سے نکاح کیا تھا، نسب قريش [ص:۴۵] جمهرة أنساب العرب [ص:۸۷] جمهرة انساب العرب میں یہ مذکور ہے کہ رملہ ابوالہیاج ہاشمی جن کا نام عبداللہ بن ابی الحارث بن عبدالمطلب ہے کے نکاح میں تھیں، جن سے اولاد بھی ہوئی، اور سفیان بن حارث کے لڑکے کے فوت ہوجانے کے بعد، معاویہ بن مروان بن حکم نے رملہ سے نکاح کیا۔

﴿۷﴾ زینب بنت حسن مثنی بن حسن بن علی بن ابوطالب

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان نے ان سے نکاح کیا، نسب قریش [ص:۵۲] جهرة انساب العرب [ص:۱۰۸]

﴿۸﴾ نفیسہ بنت زید بن حسن بن علی بن ابوطالب

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان نے ان سے نکاح کیا، ابن عنبہ جو شیعہ صاحبان کا علم الانساب میں بڑا ماہر عالم ہے، اس نے اس نکاح کا تذکرہ عمدۃ الطالب [ص:۶۱ اور ص:۹۰] پر کیا ہے۔

﴿۹﴾ ام ابیہا بنت عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب

ان سے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے نکاح کیا تھا، انساب الاشراف ص:۵۹، ۶۰ میں لکھا ہے:

﴿وكانت لعبد الله ابنة يقال لها ام ابيها تزوجها عبدالملك بن مروان﴾

عبداللہ کی ام ابیہا نامی ایک لڑکی تھی جس کا نکاح عبدالملک بن مروان سے ہوا تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ام کلثوم ہے، عبدالملک نے ان سے شادی کی تھی، پھر طلاق دی دی تھی اور اس کے بعد ان سے ابان بن عثمان بن عفان نے نکاح کیا، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دو عورتوں کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں، وہ خاتون جن سے پہلے عبداللہ نے شادی کی، پھر علی بن عبداللہ بن عباس نے، یہ ام ابیہا کی بہن ہیں۔ محمد حکیمی نے اعیان النساء ص:۲۰ میں کہا ہے:

﴿وتزوجها عبدالملك بن مروان بدمشق فطلقها فتزوجها علی بن عبدالله بن عباس وهلكت عنده﴾ عبدالملک بن مروان نے ام ابیہا سے دمشق میں نکاح کیا تھا اور طلاق بھی دیدی تھی، اس کے بعد علی بن عبداللہ بن عباس نے ان سے نکاح کیا اور تاحیات انہی کے پاس رہی۔ اور یعقوبی کی تاریخ میں ص:۳۲۲ پر ہے:

﴿وكانت لعلی بن عبدالله بن عباس اثنان وعشرون ولداً...وعبدالله الأكبر أمه أبيها بنت عبدالله بن جعفر بن أبی طالب﴾

﴿۱۰﴾ فاطمہ بنت حسین شہید بن علی بن ابوطالب

آپ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ نے نکاح فرمایا تھا، جن سے محمد الدیباج پیدا ہوئے، محمد الدیباج اپنے ماں شریک بھائی، عبداللہ المحض، حسن المثلث اور دوسرے اہل بیت کے ساتھ منصور دوانقی کے قید میں ۱۴۵ھ میں شہید کئے گئے۔ فاطمہ بنت حسین پہلے حسن المثنی کے نکاح میں تھیں، جن سے عبداللہ المحض، حسن المثلث، اور ابراہیم الغمر پیدا ہوئے، اگر چہ علمائے شیعہ امامیہ اس نکاح سے تجاہل برتتے ہیں اور اکثر اس کا انکار بھی کرتے ہیں، جیسا کہ علی محمد علی دخیلی نے اپنی کتاب ''فاطمة بنت الحسين'' میں لکھا ہے کہ فاطمہ نے صرف حسن مثنی بن حسن السبط سے نکاح کیا تھا، جن سے اولاد بھی ہوئیں، وہ علمائے شیعہ جنہوں نے اس نکاح کو نظر انداز کیا ہے شیخ محمد رضا حکیمی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب اعيان النساء عبر العصور المختلفة میں فاطمہ بنت حسین کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ان کا نکاح حسن المثنی سے ہوا، جن سے کئی اولاد ہوئیں، جو منصور دوانقی کی قید میں رہے اور اسی میں شہید کردیئے گئے۔ لیکن اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ قید میں ان کے ساتھ ان کے ماں شریک بھائی محمد الدیباج بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان بھی شہید ہوئے تھے۔

لیکن مجموعی طور پر علمائے شیعہ امامیہ نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ فاطمہ بنت حسین کی ماں ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ ہیں، اور یہ

وہی ام اسحاق ہیں جو حسن البسط کے نکاح میں تھیں اور ان سے بچے بھی ہوئے، نیز حضرت حسنؓ نے اپنی وفات سے قبل اپنے بھائی حضرت حسین کو وصیت فرمائی تھی، کہ وفات کے بعد ان سے نکاح کرلیں، چنانچہ حضرت حسین نے نکاح کیا اور ان سے فاطمہ بنت حسین پیدا ہوئیں، یہ بات تمام مراجع وماخذ میں مذکور ہے۔

شیعہ امامیہ کے ماخذ ومراجع کو ملاحظہ فرمائیے: جیسے شیخ مفید کی الارشاد [ص:۱۹۴] نعمت اللہ جزائری کی الانوار النعمانیة [۳۷۴/۱] الاصیلی [ص:۶۵، ۶۶] عمدة الطالب [ص:۱۱۸] علم الانساب کی بعض کتابیں: انساب الاشراف [۴۰۷/۲] جمهرة انساب العرب [ص:۴۱۔۸۳] نسب قریش ص:۵۱

حضرت فاطمہ بنت حسین کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی اور اسی سال ان کی بہن سکینہ بنت حسین اور فاطمہ کبریٰ بنت علی بن ابوطالب کی وفات ہوئی۔ اگر قارئین کرام علمائے شیعہ امامیہ کی وہ تصریحات جن سے فاطمہ بنت حسین کی عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ سے نکاح کا ثبوت ہوتا ہے، پڑھنا چاہیں تو درج ذیل ماخذ سے رجوع کرسکتے ہیں:

الف: ابن طقطقی جو اکابر علماء شیعہ میں علم الانساب کے بڑے ماہر عالم ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''الاصیلی فی انساب الطالبین'' میں اس نکاح کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

﴿خلف فاطمة بنت الحسين عبدالله بن عمر وبن عثمان بن عفان فولدت له﴾

عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نے فاطمہ بنت حسین سے بعد میں نکاح کیا جن کے بطن سے اولاد بھی ہوئی۔

ب: ابن عنبہ جو بڑے مشہور شیعی عالم انساب ہیں، اپنی کتاب عمدة الطالب کے اندر انساب آل ابی طالب کے تحت اس نکاح کا ذکر کرتے ہیں [ص:۱۸۸، ہامش الکتاب] وقال المحقق:

﴿وكانت فاطمة تزوجت بعد الحسن المثنى عبدالله بن عمرو بن عثمان بن عفان الأموى... فولدت له أولاداً منهم محمد المتقول مع أخيه عبدالله بن الحسن ويقال له الديباج والقاسم ورقية بنو عبدالله بن عمرو'' عمدة الطالب [ص: ۱۱، الهامش]﴾

خلاصہ: حاصل بحث یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت حسین کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ثابت ہے، جس کا تذکرہ شیعہ امامیہ اور اہل سنت والجماعت دونوں کے ماخذ میں مذکور ہے، اس کتاب کے ص: ۲۷ پر ماخذ مذکور ہیں، جن میں تین ماخذ شیعہ امامیہ کے ہیں جو یہ ہیں: (۱) ابن طقطقی کی الاصیلیفی فی انساب الطالبین [ت:۷۰۹ھ ص:۶۵۔۶۶] (۲) ابن عنبہ کی عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب [ت:۸۲۸ھ ص:۱۱۸] (۳) تاریخ الیعقوبی [۳۲۴/۲]

تاریخ وانساب کی کتب ومراجع کے لئے ہم مندرجہ ذیل کتب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں:

ابن قتیبہ ت:۲۷۶ھ کی المعارف۔ ذہبی ص:۴۲۲ کی تاریخ الاسلام أحداث ۱۲۰، ۱۰۱، ابن جوزی ت ۵۹۷ھ ۱۸۲/۱۷

نمبر ۶۳۰ کی المنتظم في تاريخ الامم والملوک.

احمد بن یحیٰ بلاذری کی انساب الاشراف، [۲/۱۹۸] ابن کثیر ت ۷۷۴ھ کی البدایة والنهایة ت ۷۷۴ھ، ابن عبدربہ کی العقد الفرید، اور ابن حجر عسقلانی کی تقریب التهذیب [۲/۴۸۲۔۲۰۹] ابن حجر ۸۵۲ھ کی تهذیب التهذیب [۲/۴۴۲ نمبر ۲۸۶۳ اور ۱۰/۴۹۶ ن ۸۹۴۸] ابن عساکر کی تاریخ دمشق [۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۰] مصعب زبیری ت ۲۳۶ کی نسب قریش ت: ۲۳۶ھ ص: ۵۱، ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ ۸/۴۸۳۔۴۷۴، ابن معین کی التاریخ ۲/۷۳۹، ابن حبان کی الثقات ۳/۲۱۶ اور المعرفة التاریخ ۳/۲۶۵، ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ ت: ۶۳۰ھ ۵/۵۱۸۔۶،۵۲۳/۲۱۶، المزی کی تهذیب الکمال ت: ۷۴۲ھ ۳/۱۱۹۲۔۳۹۲، خلاصہ تهذیب التهذیب ۴۹۴، التذکرة الحمدونیة ۱/۴۸۲، ابن حزم کی جمهرة انساب العرب ص: ۴۱۔۸۳.

﴿۱۱﴾ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب

آپؓ نے لیلیٰ یا آمنہ بنت ابومرۃ سے نکاح فرمایا تھا، یہ زوجہ محترمہ ثقفی اموی تھیں، اس کا ذکر شیخ عباس قمی کی منتهی الآمال میں ص: ۶۵۳، ۶۵۴ پر ہے۔

﴿ومن زوجات الحسين ليلى بنت أبى مرة بن عروة بن مسعود الثقفية وأمها ميمونة بنت أبى سفيان وهي أم على الأكبر وعلى الأكبر هاشمي من جهة ابيه ثقفي أموي من جهة أمه﴾

"حضرت حسینؓ کی بیویوں میں لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروۃ بن مسعود ثقفی ہیں جن کی ماں میمونہ بنت ابی سفیان ہیں، نیز یہ علی الاکبر کی بھی ماں ہیں جو باپ کی طرف سے ہاشمی اور ماں کی طرف سے ثقفی اموی ہیں۔

اس کا ذکر نسب قریش میں بھی ہے،

﴿ص: ۵۷ فى فصل ولد الحسين وفيه من زوجاته: ليلىٰ أو آمنة بنت معتب بن عمرو بن سعد بن مسعود بن عوف بن قيس، وأمها ميمونة بنت أبى سفيان بن حرب بن أمية﴾

خاندان حضرت علی اور آپؓ کی پھوپھیوں کے ابناء جو عباسی ہیں، کے درمیان رشتے

﴿۱﴾ محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ الکاظم

انہوں نے ام حبیب بنت مامون عباسی سے نکاح کیا، یہ نکاح ۲۰۲ھ ماہِ صفر کے آخر میں ہوا تھا، اس کا ذکر شیعہ امامیہ کے مآخذ میں ہے، جیسے محمد اعلمی الحائری کی تراجم اعلام النساء ص: ۲۴۹، ہاشم حسینی کی سیرة الأئمة الاثنى عشرة [ص: ۴۰۴، ۴۰۵] شیخ مفید کی الارشاد [ص: ۳۲۱] وسماها ام الفضل اور ابن شہر آشوب کی المناقب [۱/۲۲۴]

﴿۲﴾ فاطمہ بنت محمد بن علی النقی بن محمد الجواد بن علی الرضا

خلیفۂ ہارون رشید العباسی نے ان سے نکاح کیا تھا، مناقب آل ابی طالب [ص:۲/۲۲۴]

﴿۳﴾ عبیداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن علی بن ابوطالب

انہوں نے ابوجعفر منصور کی پھوپھی سے نکاح کیا تھا، اور اس وقت آپ ۵۶ سال کے تھے، نیز زینب بنت محمد باقر سے بھی نکاح کیا، مآخذ شیعہ میں سے سر السلسلة العلوية [ہامش ص:۱۲۵] ملاحظہ فرمائیے۔

﴿۴﴾ ام کلثوم بنت موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن بن علی بن ابی طالب

انہوں نے اپنے بھائی منصور عباسی کے لڑکے سے نکاح کیا، محقق نے ابن عنبہ کی عمدة الطالب کے [ص:۱۳۴] کے حاشیہ پر ابوالحسن عمری کی کتاب المجدی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

﴿ولد موسیٰ بن عبدالله الملقب بالجون، اثني عشر ولداً منهم تسع بنات...و...وام كلثوم خرجت إلى ابن أخي المنصور﴾

قارئین کرام کو علوی اور عباسی خاندان کے درمیان رشتہ ازدواج کو ملاحظہ فرمانا چاہئے۔

شیعہ بڑے بارہ اماموں کی مائیں کون کون تھیں؟

شیعہ کتب انساب وتاریخ کا اختلاف

ضمیمہ نمبر(۱)

علماء شیعہ امامیہ کا ائمہ کے ماؤں کے اسماء کے متعلق بہت زیادہ اختلاف ہے، اور ایسا ہی علماء وفقہاء اور علمائے انساب کے نزدیک ہے، اور یہ بہت ہی حیرت انگیز ہے، جس کی وضاحت سے میں [مؤلف] ناواقف [وقاصر] ہوں۔

یہ نقشہ ان اختلافات کی نشاندہی کرتا ہے۔(۱)

ائمہ کے نام	ان کی ماؤں کے نام جیسا کہ شیعہ امامیہ کے مآخذ میں مذکور ہیں
علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابوطالب	شاہ زنان بنت یزدجرد بن کسریٰ، شہربانویہ، سلافہ، سلامہ، غزالہ، برة، خویلد۔
مراجع	اصول کافی ۱/۵۳۹ باب مولد علی بن الحسین. نفس المهموم ص:۴۲۸، ۴۲۹ منتھی الآمال ۲/۹، سر السلسلة العلوية. ۳۱
محمد باقر بن علی بن حسین	فاطمہ بنت حسن بن علی بن ابوطالب، کنیت ام حسن ہے۔
مراجع	كشف النعمة ۲/۳۰۴
جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین	فاطمہ یا ام فردہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور ان کی ماں اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق ہیں۔ اسی وجہ سے جعفر صادق کہا کرتے تھے میری ماں نے دو مرتبہ صدیق سے جنم لیا ہے۔

مراجع	سر السلسلة العلوية ص:۳٤، منتهى الآمال ۲/ ۱٦۰ كشف النعمة ۲/ ۳۱۹-۳٤۱۔
موسیٰ کاظم بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین	ام ولد تھیں، جن کو حمیدہ المغربیہ یا حمید البربریہ کہا جاتا تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ حمیدہ مصفاۃ جو کہ عجم کے معزز لوگوں میں سے تھیں، بیان کیا گیا ہے کہ صادق نے فرمایا کہ حمیدہ برائیوں سے پاک تھیں، جیسے کہ سونے چاندی کا ڈلا۔
مراجع	منتهى الآمال/ ۲۳۹/۲، كشف النعمة ۳/ ٥ عمدة الطالب ص:۱٥٦
علی رضا بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین	ام ولد تھیں، جن کو تکتم کہا جاتا تھا، خیزران مرسیہ اور شقراء نوبیہ بھی مذکور ہے، ان کا نام اروی ہے، نجمہ و سکن، سمانہ، ام بنین خیزران صقر ذکر کیا گیا ہے۔
مراجع	سر السلسلة العلوية ص:۳۸ ۔ كشف النعمة ۳/ ٥۲ منتهى الآمال ۲/ ۳۳٤
محمد بن جواد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین	ام ولد جن کا نام خیزران تھا یا سکینتی المریسیب، یا سبیکہ تھا، عباس قمی نے فرمایا ہے کہ: نوبیہ، ماریہ قبطیہ کے گھرانے سے تھیں۔
مراجع	سر السلسلة العلوية ص:۳۸ ۔ كشف النعمة ۳/ ۱۲۸، منتهى الآمال ۲/ ٤۱۹۔
علی النقی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر صادق	ام ولد تھیں، جن کا نام سمانہ المغربیہ تھا اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے کہ، جیسا کہ کشف النعمۃ میں مذکور ہے۔
مراجع	كشف النعمة ۳/ ۱٥۹ ۔ سر السلسلة العلوية ص:۳۹
حسن عسکری بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر صادق	ام ولد نوبیہ ہیں جن کا نام ریحانہ تھا، سوسن، ماجدہ، حدیث، سلیک اور جدہ بھی کہا گیا ہے۔
مراجع	منتهى الآمال ۲/ ٥۱۹۔ سر السلسلة العلوية ص:۳۹، كشف النعمة ۳/ ۱۸۸
مہدی منتظر بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین	ان کے نام کے متعلق کہا گیا ہے کہ نرگس ہے، صقل ہے، اور کہا گیا ہے کہ ہے، وام ولد تھیں، نباطی عاملی نے کہا ہے کہ یہ سُر من رای میں حسن [امام منتظر] کے ساتھ ہیں۔ اور نرگس اکثر علماء کے قول کے مطابق ان کی والدہ تھیں، اور کہا گیا ہے کہ حکیمہ تھا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ مسیح کے حواریین میں سے ایک کی نسل سے رومی باندی تھیں، جس کا نام شمعون بن حمون بن صفا تھا، اور ان کا نام ملیکہ بنت یشوعا بن قیصر ملک

روم تھا، جو کہ شاہ روم تھا، ایسی ہی مختلف روایات ابن بابویہ قمی اور شیخ الطائفہ طوسی کے نزدیک ہیں، جو کہ معتبر اسانید کے ذریعہ بشیر بن سلیمان نخاس نے ابوایوب کے لڑکے سے نقل کی ہیں، جیسا کہ عباس قمی نے منتهى الآمال میں ذکر کیا ہے، منتهى الآمال ۲/۵۵۵.

مراجع: منتهى الآمال ۲/۵۵۹، كشف النعمة ۳/۲۲٤. الارشاد ص: ۳٤٦، حق اليقين لتبر ص: ۲۲۲، الصراط المستقيم لمستحق التقديم ۲/۲۱۷. عمدة الطالب. ص: ۱۵۸

مذکورہ بالا اطلاعات، چند اور پہلوؤں پر بھی غور کی دعوت دیتی ہیں۔ توجہ کیجئے!

(۱) ائمہ کے ماؤں کے اسماء کے متعلق اختلاف اور کسی متعین نام پر عدم یقین.

(۲) بوسیدہ تاویلات کے ذریعہ اسماء کے تعدد کی تاویل کا اقدام.

(۳) قابل دیدہ طرز پر اشارات، یہ کہ ائمہ کے ماؤں کی اصل عجمی ہے یا رومی اور نصرانی، یا بربری یہ عربی اصل سے نہیں ہیں۔

(۴) یعنی موسیٰ کاظم کی والدہ، حمیدہ مصفاۃ اشراف عجم میں سے ہیں۔

(۵) علی زین العابدین کی والدہ شاہ زنان بنت یزدجرد بن کسری فارس کے عظیم گھرانے سے ہیں۔

(٦) علی نقی کی والدہ سمانہ، مراکش سے تعلق رکھتی تھیں۔

(۷) حسن کی والدہ ریحانہ نوبیہ سے ہیں۔

(۸) علی رضا شقراء کی والدہ شقراء نوبیہ سے متعلق ہیں۔

(۹) محمد جواد کی والدہ نوبیہ سے ہیں اور ماریہ قبطیہ کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔

(۱۰) مہدی منتظر کی ماں کا نسب شمعون بن حمون بن صفا جو کہ مسیح کے حوارین میں سے ایک تھا آ کر ختم ہوجاتا ہے وہ قیصر روم کی لڑکی تھیں۔

کیا یہ تمام عجیب وغریب نہیں ہے کہ ائمہ کی مائیں ایسے لڑکوں کی مائیں ہیں، جو کہ نوبی یا قبطی رومی یا اشراف عجم میں سے ہیں۔ عربی النسل کوئی ماں نہیں پائی جاتی، سوائے فاطمہ بنت حسن کے جو کہ محمد باقر کی ماں ہیں، اور ام فروہ یا فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، جو کہ جعفر صادق کی ماں ہیں۔ غور کیجئے!

ضمیمہ نمبر (۲)

اہل بیت کے لڑکوں اور لڑکیوں کے اسماء کی دلیل رضوان اللہ علیہم

(۱) عمر اطرف بن علی بن ابوطالب
(۲) عمر بن حسین بن عمر اطرف بن علی بن ابوطالب
(۳) عمر بن حسین الشہید بن علی بن ابوطالب
(۴) عمر اشرف بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب
(۵) عمر بن علی اصغر بن عمر اشرف بن علی زین العابدین بن حسین
(۶) عمر بن حسن افطس بن علی اصغر بن علی زین العابدین بن حسین۔
(۷) عمر بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب
(۸) عمر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق
(۹) عمر بن حسن السبط بن علی بن ابوطالب
(۱۰) عمر بن جعفر بن محمد بن عمر اطرف بن علی بن ابوطالب
(۱۱) عمر بن محمد بن عمر بن علی بن حسین الشہید
(۱۲) عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید
(۱۳) عمر بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب
(۱۴) ابوبکر بن علی بن ابوطالب
(۱۵) ابوبکر بن حسین الشہید بن علی بن ابوطالب
(۱۶) ابوبکر بن حسن السبط بن علی بن ابوطالب
(۱۷) ابوبکر بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب
(۱۸) ابوبکر مہدی منتظر کے ناموں میں سے ایک ہے
(۱۹) عثمان بن علی بن ابوطالب
(۲۰) عثمان بن عقیل بن ابوطالب
(۲۱) عائشہ بنت موسیٰ کاظم بن جعفر
(۲۲) عائشہ بنت علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق
(۲۳) عائشہ بنت علی ابوالحسن بن محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ بن جعفر صادق
(۲۴) معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب
(۲۵) طلحہ بن حسن بن علی بن ابوطالب


صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیاسی خدمات

مولانا ندیم الواجدی ☆

خلافت راشدہ-امتیازات اور خصوصیات

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جزیرۃ العرب میں جو حکومت قائم ہوئی اسے شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں خلافت کہا جاتا ہے، یوں تو کئی صدیوں تک مسلم حکمراں اپنے لیے خلیفہ کا لقب استعمال کرتے رہے، اور اپنی حکومت کو خلافت سے تعبیر کرتے رہے، لیکن درحقیقت جو خلافت منہاج نبوت کے مطابق تھی اور جسے حقیقی معنوں میں اسلامی خلافت سے تعبیر کرسکتے ہیں وہ عہد نبوت کے فوراً بعد شروع ہوئی، اور لگ بھگ تیس برس جاری رہ کر ختم ہوگئی، اصطلاح شریعت میں اس دور خلافت کو خلافتِ راشدہ کا دور کہتے ہیں اور جن حضرات صحابہؓ نے اس منصب خلافت کو زینت بخشی انھیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ان حضرات کے لیے یہی لقب بیان فرمایا گیا ہے، حضرت عرباض ابن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لا یزیغ عنها بعدی إلاّ هالک، ومن یعش منکم فسیریٰ اختلافا کثیرا، فعلیکم بما عرفتم من سنتی وسنة الخلفاء المهدیین الراشدین من بعدی عضوا علیها بالنواجذ (۱)

''میں نے تم لوگوں کو چمکتی دمکتی شریعت پر چھوڑا ہے، اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس شریعت سے وہی منحرف ہوسکتا ہے جس کی تقدیر میں ہی ہلاکت لکھ دی گئی ہے، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا، تم لوگ میری معروف سنت کو اور میرے اصحاب رشد و ہدایت خلفاء کے طریقے کو اختیار کرنا اور اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا''

اسی طرح کی ایک روایت حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تکون النبوة فیکم ما شاء الله ان تکون، ثم یرفعها اذا شاء ان یرفعها، ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة، فتکون ما شاء الله ان تکون، ثم یرفعها اذا شاء أن یرفعها (۲)

☆ مدیر ماہ نامہ ''ترجمان دیوبند''

''جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت باقی رہے گی، پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا ختم کردے گا، پھر منہاج نبوت کے مطابق خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، اللہ جب تک چاہے گا یہ خلافت قائم رہے گی، پھر وہ جب اسے اٹھانا چاہے گا اٹھالے گا۔''

حضرت سفینہؓ کی حدیث میں اس زمانۂ خلافت کی تحدید بھی فرمائی گئی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتی الله ملكه من يشاء (۳)

''خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت تیس سال ہے، اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا اپنا ملک اسے عطا کردے گا۔''

حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی خلافت دو برس رہی، حضرت عمر الفاروقؓ دس برس منصب خلافت پر فائز رہے، حضرت عثمان ابن عفانؓ کی مدت خلافت بارہ سال، اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی مدت خلافت چھ سال ہے۔(۳)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو وفات پائی، اس تاریخ سے ۱۷/ رمضان ۴۰ھ تک جس دن حضرت علیؓ نے جام شہادت نوش فرمایا کل مدت خلافت انتیس سال چھ ماہ پانچ دن ہوتے ہیں، (۴) اور اگر اس میں حضرت حسین بن علیؓ کا عہد خلافت بھی شامل کرلیا جائے جو ان کے والد کی وفات سے شروع ہوکر حضرت معاویہؓ کے لیے ان کی سبکدوشی کی تاریخ ۲۵ ربیع الاوّل ۴۱ھ تک رہا تو یہ مدت پورے تیس سال ہوجاتی ہے، (۵)

ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ اس لیے کہا گیا کہ ان کی حکومت کا وہی نہج تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت میں مملکت اسلامیہ کا نہج تھا، یعنی دعوۃ، جہاد فی سبیل اللہ، قیام عدل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے شعبوں میں ان حضرات نے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو انحراف نہیں کیا، گویا یہ حضرات منہاج نبوت پر پوری استقامت کے ساتھ گام زن رہے، اپنے ذاتی کردار اور اوصاف کے لحاظ سے بھی اور امت کی رہ نمائی اور نظم وانتظام کے اعتبار سے بھی، اکثر علمائے کرام نے اس حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون عاما(۶) سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ خلفائے اربعہ پر ختم ہوگیا، ان حضرات کے بعد جو خلفا ہوں گے انھیں خلفائے راشدین کہنا صحیح نہ ہوگا، البتہ معروف مؤرخ محدث اور مفسر حافظ ابن کثیرؒ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ الخلافة بعدی ثلاثون عاماً سے مراد یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا تسلسل تیس سال تک قائم رہے گا، اس کے بعد بھی مختلف ادوار میں خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آئے گا، جیسا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی دوسالہ حکومت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے، (۷) ایک حدیث میں حضرت مہدیؒ کی حکومت کو بھی خلافت علی منہاج النبوۃ قرار دیا گیا ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ میری امت میں کل بارہ خلفاء ہوں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے، حضرت مہدیؒ کا ذکر حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت میں ہے، یہ ایک طویل روایت ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قیامت تک کی پوری مدت کو پانچ ادوار پر تقسیم فرمایا ہے،

ارشاد فرماتے ہیں:

إن أول دينكم بدأ نبوة ورحمة وتكون فيكم ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها الله جل جلاله، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة ماشاء الله أن تكون، ثم يرفعها الله جل جلاله، ثم يكون ملكا عاضا فيكون ماشاء الله أن يكون، ثم يرفعه الله جل جلاله، ثم تكون ملكا جبرية فتكون ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها الله جل جلاله ثم تكون خلافة على منهاج النبوة، تعمل في الناس بسنة النبي ويلقي الإسلام بجرانه في الأرض يرضى عنها ساكن السماء وساكن الأرض لا تدعُ السماء من قطرٍ إلاَّ صبَّته مدراراً، ولا تدعُ الأرض من نباتها وبركاتها شيأ إلا أخرجته.(۸)

''تمہارے دین کی ابتدا نبوت ورحمت سے ہوئی ہے، اور یہ نبوت ورحمت جب تک اللہ چاہے گا تمہارے درمیان موجود رہے گی، پھر اسے اللہ تعالیٰ اٹھالیں گے، اس کے بعد نبوت کے طرز ومنہاج پر خلافت قائم ہوگی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے یہ خلافت باقی رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس خلافت کو بھی اٹھالیں گے، اس کے بعد سخت اور مضبوط ملوکیت کا دور آئے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے یہ ملوکیت باقی رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ ملوکیت کا خاتمہ فرمادیں گے، اس کے بعد مطلق العنان بادشاہت کا سلسلہ شروع ہوگا اور یہ سلسلہ بھی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے باقی رہے گا، پھر اسے بھی اللہ تعالیٰ اٹھالیں گے، سب سے آخر میں خلافت علی منہاج النبوۃ کا قیام عمل میں آئے گا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے گا، اور اسلام (دنیا کو فتح کرکے) بالکل بے فکر ہو جائے گا، اس خلافت سے آسمان والا بھی راضی ہوگا اور زمین والے بھی خوش ہوں گے، آسمان سے خوب خوب بارشیں ہوں گی، اور زمین بھی اپنی نباتات وبرکات پوری طرح ظاہر کردے گی۔''

اس حدیث میں جن پانچ ادوار کا ذکر ہے ان میں سے تین دور ختم ہو چکے ہیں، چوتھا دور چل رہا ہے اور پانچواں دور ابھی باقی ہے، نبوت ورحمت کے جس دور کا ذکر حدیث کے شروع میں ہے اس سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس دنیا میں تشریف فرما رہے، ظاہر ہے اس سے زیادہ مبارک ومسعود زمانہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور شروع ہوا، جسے خلافت راشدہ کا زمانہ کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیس سال تک خلافت علی منہاج النبوۃ قائم رہی، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: الخلافة بعدی ثلاثون سنة ۔(۹) میرے بعد خلافت کا سلسلہ تیس

برس تک جاری رہے گا۔'' ۴۱ھ سے خلافت کی دوسری شکل سامنے آئی، اور لمبے عرصے تک باقی رہی، اس عرصے میں اموی، عباسی اور ترک خلفاء خلافت اسلامیہ کے منصب پر فائز رہے، یہاں تک کہ ۱۳۳۸ھ میں اس کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اب مطلق العنان بادشاہتوں کا دور ہے، یہ دور کب تک باقی رہے گا، اس کا علم اللہ ہی کو ہے، تاہم اتنی بات طے شدہ ہے کہ اس دور کے خاتمے پر ایک بار پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی، تمام محدثین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں جس خلافت علی منہاج النبوۃ کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ حضرت مہدیؒ کے ذریعے قائم ہوگی، گویا وہی آخری خلیفۂ راشد قرار پائیں گے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد بارہ امراء (خلفاء) ہوں گے، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جسے میں سن نہیں سکا، چناں چہ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمام بارہ خلفاء خاندان قریش میں سے ہوں گے۔ (۱۰)

علماء نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان بارہ سے مراد وہ امراء ہیں جو خلفائے راشدین کی سیرت پر قائم ہوں گے، اور ان میں آخری خلیفہ حضرت مہدیؒ ہوں گے۔ (۱۱)

دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان تطبیق کی ایک شکل تو وہی ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کی ہے کہ خلافت راشدہ کا تسلسل تیس سال تک باقی رہے گا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً خاندان قریش میں سے بارہ خلفاء راشدین پیدا ہوں گے، اور آخری خلیفہ راشد حضرت مہدیؒ ہوں گے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس حدیث میں خلافت راشدہ کا درجۂ کمال مراد ہے، گویا حضرات خلفائے راشدین کا دور خلافت دور نبوت کا تتمہ اور تکملہ ہے، غالباً اس حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے:

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (۱۲)

''بنی اسرائیل کی سیاست و قیادت کا فریضہ انبیاء انجام دیا کرتے تھے، جب کوئی نبی دنیا سے رخصت ہوجاتے تو ان کی جگہ دوسرے نبی آجاتے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، میرے بعد تو خلفاء ہوں گے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت یا نبوت کی قائم مقامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے، اس لحاظ سے نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ ہے اس لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اپنی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کرنے کا حکم دیا فرمایا: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین** (۱۳) ''تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع ضروری ہے۔'' گویا وہ امور جن میں قرآن کریم کا کوئی حکم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ موجود نہ ہو خلفائے راشدین کا قول اور عمل حجت ہوگا اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہوگی، حضرات خلفائے راشدین کو

یہ درجہ اس لیے حاصل ہوا کہ ان کے اندر پیغمبرانہ اوصاف کی اثر پذیری کا عنصر زیادہ تھا، یہاں تک کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر ان حضرات کا نام لے لے کر اس وصف کو نمایاں فرمایا، گویا یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ حضرات ہی قائم مقامی کا شرف حاصل کریں گے، حدیث کی کتابوں میں بے شمار روایات موجود ہیں جن سے ان حضرات کے مناقب اور اوصاف بھی سامنے آتے ہیں اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر چہ منصب خلافت کے لیے ان حضرات کے اسمائے گرامی صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمائے گئے مگر مختلف مواقع پر ان حضرات کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا گیا یا جو ذمے داریاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ان حضرات کو تفویض فرمائیں ان سے یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی قیادت کا بار گراں ان حضرات کو اٹھانا ہے، یہاں تک کہ خلفاء کی ترتیب بھی مخفی نہیں رہی تھی، اگر چہ پوری طرح واضح بھی نہیں تھی۔

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت پر مستقل بحث فرمائی ہے اور اس سلسلے میں متعدد احادیث و آثار بھی نقل فرمائے ہیں، مثلاً (۱) قبیلۂ بنو مصطلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے بعد زکوۃ کا مال حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے سپرد کیا کریں، ان کے بعد حضرت عمرؓ کے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے، (۲) ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بالترتیب خطبہ دینے کا حکم فرمایا، (۳) مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر بناء مسجد میں پہلا پتھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا، پھر حضرت ابوبکرؓ سے، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ سے بالترتیب پتھر رکھوائے (۱۴) ان کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جن سے یہ ترتیب نمایاں ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ارحم أمتي بأمتي ابوبكر واشدهم في دين الله عمر واصدقهم حياء عثمان واقضاهم علي ابن ابي طالب (۱۵)
>
> ''میری امت میں سب سے زیادہ مہربانِ امت ابوبکرؓ ہیں، دین بارے میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں، حیاء میں سب سے بڑھ کر عثمانؓ ہیں، اور سب سے زیادہ انصاف پسند علی بن ابی طالبؓ ہیں۔''

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گذشتہ رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھلایا گیا کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملایا گیا، عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ، حدیث کے راوی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھ کر ایک دوسرے سے کہا کہ نیک شخص تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، (گویا خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے) اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے خلفائے اسلام ہوں گے (۱۶)

حضرت سمرہ ابن جندبؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے (نیچے کی طرف) لٹکایا گیا ہے، حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے اس ڈول کے دونوں بازو پکڑ کر تھوڑا سا پانی پیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے انھوں نے ڈول کے دونوں بازو پکڑے اور اتنا پانی پیا کہ ان کی کوکھیں پھول گئیں، اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے، انھوں نے بھی ڈول کے دونوں حصے پکڑ کر اتنا پانی پیا کہ ان کی کوکھیں بھی پھول گئیں، اس کے بعد حضرت علیؓ آئے انھوں نے پانی پینے کے لیے ڈول کے دونوں بازو تھامے تو ڈول ہل گیا اور کچھ پانی چھلک کر ان کے اوپر گر پڑا (۱۷)

حضرت ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا آسمان سے ایک ترازو اتری، اس ترازو میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ ابوبکر سے بھاری نکلے، پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ تولے گئے تو ابوبکر عمرؓ سے بھاری نکلے، پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ عثمانؓ سے بھاری نکلے، اس کے بعد یہ ترازو اٹھالی گئی (۱۸) محدثین نے ترازو کے اٹھ جانے سے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد لوگ خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف کا شکار ہو جائیں گے، اور معیار فضیلت کو ملحوظ نہ رکھیں گے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت نازل ہو ابوبکرؓ پر کہ انھوں نے اپنی بیٹی مجھے دی، (ہجرت کے وقت) مدینے کے سفر کے لیے سواری کا انتظام کیا، غار میں میرے رفیق رہے، اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا، اللہ کی رحمت نازل ہو عمرؓ پر کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو کڑوی معلوم ہو، اس حق گوئی کی وجہ سے دنیا میں ان کا کوئی دوست نہ رہا، اللہ کی رحمت نازل ہو عثمانؓ پر کہ فرشتے بھی ان کی (حیاء) سے شرماتے ہیں، اللہ کی رحمت نازل ہو علیؓ پر، اے اللہ! جدھر بھی علیؓ جائیں حق ان کے ساتھ کر (۱۹) ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ چٹان ہلنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھہر جا، تجھ پر نبی صدیق اور شہید موجود ہیں، (۲۰) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ زمانۂ نبوت میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو بڑا سمجھتے تھے، اور باقی تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ترجیح قائم نہ کرتے (۲۱) طبرانیؒ نے اس روایت پر یہ الفاظ بھی زائد کئے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ترتیب کو سنتے اور انکار نہ فرماتے، (۲۲) سی خصوصیات جمع تھیں جو اگرچہ الگ الگ بہت سے صحابۂ کرام میں موجود تھیں مگر ان کا مجموعہ ان چاروں حضرات میں پایا جاتا تھا، ظاہر ہے خلافت رسول کوئی معمولی منصب نہیں تھا، اس کے لیے غیر معمولی اوصاف کا حامل ہونا ضروری تھا، اور اس کا فیصلہ پیغمبر کی نگاہ انتخاب ہی کر سکتی تھی کہ اتنے بہت سے صحابۂ کرام میں سے کون اس منصب کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا نام لے کر تو نہیں فرمایا کہ انھیں خلیفہ مقرر کر لینا، اور نہ از خود کسی کو مقرر فرمایا، البتہ اپنے اشارات سے، کیفیات سے، طرز عمل سے صحابۂ کرام کی جماعت پر یہ واضح فرما دیا

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشأ مبارک کیا ہے، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قیود اور اوصاف کا اضافہ کیا گیا جس سے خلافت کا مفہوم خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منشأ کے مطابق محدود ہوکر بالکل مکمل ہوجائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہوسکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصولوں پر چلائیں گے، چنانچہ قرآن وحدیث کے اشارات کے مطابق خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لیے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں: (۱) خلیفہ اولین مہاجرین میں سے ہو، صلح حدیبیہ، اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر وتبوک میں شامل رہا ہو، اور سورۂ نور کے نزول کے وقت موجود رہا ہو، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۲۳)''

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔''

یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں، صلح حدیبیہ میں شرکت کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (۲۴) 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے، جو لوگ سورۂ نور کے نزول کے موقع پر موجود تھے ان کے متعلق ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ (۲۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین کی خلافت عطا کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے جو ان سے پہلے تھے، اور ان کے اس دین کو جو ان کے لیے پسند کیا ہے مضبوط کردے گا۔''

اس آیت میں منکم کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی، ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان اور عمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بامعنی نہ رہتا، بہ ہر حال اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے، اور یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اس کے ذریعے دین کو استحکام حاصل ہوگا، شرکائے بدر اور تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات اور احادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود تھے، (۲) ان کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے، (۳) ان کا شمار امت کے طبقۂ علیاء میں ہوتا ہو، یعنی وہ حضرات صدیقین، شہداء،

صالحین میں شامل ہوں اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو، (۴) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہو جیسے مستحق خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استحقاق خلافت کا ذکر کیا ہو، یا ایسے قرائن موجود ہوں جن سے فقہاء صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے، مثلاً جو کام نبوت سے متعلق ہیں آپ نے اپنی حیاۃ مبارکہ میں وہ کام ان سے لیے ہوں، (۵) اللہ رب العزت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عدے کئے ہیں وہ ان منتخب افراد کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہے ہوں، (۶) ان کا قول حجت ہو، قابل اتباع ہو، یہ وہ اوصاف ہیں جو اگر چہ متفرق طور پر بہت سے صحابۂ کرام میں پائے جاتے تھے لیکن ان کے مجموعے کا محل صرف خلفائے اربعہؓ کی ذات تھی، چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا، یہ حضرات اولین مہاجرین میں سے تھے، صلح حدیبیہ میں شریک تھے، بدر، احد، تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شامل تھے، سورۂ نور کے نزول کے وقت بھی موجود تھے، ان حضرات کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دیدی گئی تھی، امت کے طبقہ علیاء میں شامل تھے (۲۶)

حضرات خلفائے راشدینؓ کے مناقب کے سلسلے میں الگ الگ بھی بہت سی روایات موجود ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفۂ بنو ساعدہ میں انصار جمع ہوئے، بعض منافقین نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈالدی کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہئے، مہاجرین کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی جمع ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے معاملے کی نزاکت محسوس کی اور حضرت عمر فاروقؓ کو لے کر بلا تاخیر سقیفۂ بنو ساعدہ پہنچے، وہاں خلافت کے سلسلے پر بحث چھڑی ہوئی تھی، حضرت حباب ابن المنذر انصاریؓ کی رائے تھی کہ دو خلیفہ مقرر کر لیے جائیں ایک انصار میں سے، اور دوسرا مہاجرین میں سے، ظاہر ہے یہ تجویز قابل عمل نہیں تھی، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے کا خوف تھا، وہ انصار و مہاجرین جو اب تک شیر و شکر رہتے آئے تھے اپنے اپنے خلیفہ کے ساتھ چلے جاتے، اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انصار کے فضائل و محاسن کے اعتراف کے ساتھ اس تجویز کو مسترد کر دیا اور فرمایا: برادران انصار! مجھے آپ کے احسانات سے انکار نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب قریش کے علاوہ کسی کی سربراہی تسلیم نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے قبول اسلام کی اوّلیت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی تعلقات اور قرابت کے باعث آپ سے زیادہ استحقاقِ خلافت رکھتے ہیں، یہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عمر ابن الخطابؓ موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت ہو جاؤ'' یہ تقریر سن کر حضرت عمرؓ اٹھے اور انھوں نے اپنا ہاتھ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں دے کر کہا! نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیوں کہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے عزیز رکھتے تھے، (۲۷) اس طرح منافقین اپنی سازش میں ناکام ہو گئے، لوگ دیوانہ وار حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے، کیوں کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت صحابۂ کرامؓ میں کوئی دوسرا شخص آپ کے مقابلے میں اس عظیم منصب کے لیے نہ موزوں ہے اور نہ مستحق، ان کے پیش نظر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات بھی تھے جو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے مناقب میں ارشاد فرمائے، اور وہ طرز عمل بھی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق دیرینہ اور محب قدیم کے

ساتھ زندگی بھر اختیار فرمایا، خاص طور پر اپنی زندگی کے آخری ایام میں جس طرح آپ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ پیش آئے اور جس طرح بہت سی ذمہ داریاں انھیں تفویض فرمائیں ان سے خود یہ بات واضح ہورہی تھی کہ اگر چہ آپ بعض حکمتوں کے تحت اپنی قائم مقامی کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا نام صراحتاً تجویز نہیں فرمارہے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس جلیل القدر منصب پر یہ محترم شخص ہی فائز ہوں، ہوسکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کی تعیین اس لیے نہ فرمائی ہو کہ اس مہتم بالشان معاملے میں شریعت کے اصول وامرہم شوریٰ بینہم کے مطابق عمل ہو، اور لوگ خود ہی خلافت کے لیے کسی مناسب شخصیت کا انتخاب کرلیں۔

تمام صحابہ کرام اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیقؓ سے زیادہ کسی کو عزیز نہیں رکھتے، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو جب غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر امیر بنایا گیا تو انھیں خیال ہوا کہ شاید سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھے محبوب رکھتے ہیں، اس خیال کی تصویب کے لیے وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ای الناس احب الیک '' آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عائشہؓ سے، انھوں نے عرض کیا، مردوں میں سے فرمایا: ابوبکرؓ سے (۲۸) غزوۂ تبوک ایک تاریخی غزوہ تھا، ایک تو اس لیے کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا، پھر اس کے لیے تیاری بھی زبردست طریقے پر کی گئی تھی، دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی، اور اس کے پاس جنگی سامان بھی بہت تھا، اس جنگ میں شرکت کے لیے مسلمانوں کا جو لشکر روانہ کیا گیا اس کا عظیم منصب صاحب اللواء حضرت ابوبکرؓ ہی کو عطا کیا گیا۔ ۹ھ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو ہی اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور انھیں امیر حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا، حضرت ابوبکرؓ نے ہی منیٰ میں یہ اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد اللہ کے گھر میں اس کے باغیوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ روایات میں ہے کہ جن صحابہؓ کے مکانات مسجد نبوی سے متصل تھے انھوں نے آمد و رفت کی سہولت کے لیے اپنے مکانات کے دروازے اور کھڑکیاں مسجد میں کھول رکھی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ روز پہلے مسجد میں تشریف لاکر طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

إن من احسن الناس علی فی صحبته وماله ابابکر ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا ولکن اخوة الاسلام ومودته، لا یبقین فی المسجد إلّا باب ابی بکر (۲۹)

''اپنی رفاقت سے اور اپنے مال سے سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکرؓ ہیں، اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن ان سے اسلام کی اخوت اور محبت ہے، مسجد میں ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کا دروازہ باقی نہیں رہے گا۔''

یہ روایت بہت سے صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے، علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں اس روایت کو متواتر لکھا ہے، یہ حدیث

ظاہر کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ کا درجہ بہت بلند تھا، اس سے بھی زیادہ صریح وہ روایت ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ مرض وفات میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کی امامت کے لیے حضرت ابو بکرؓ ہی کو ترجیح دی، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ موجود نہیں تھے، صحابۂ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھادیا، جب ان کی آواز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں پہنچی تو ناراضگی کے ساتھ فرمایا **لا ینبغی لقوم فیھم ابو بکر أن یؤمّھم غیرھم** (۳۰) ''کسی قوم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ابوبکرؓ ان کے درمیان موجود ہوں اور کوئی دوسرا ان کی امامت کرے۔'' ایک مرتبہ کوئی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اس نے کچھ سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا پھر آنا، اس عورت نے عرض کیا کہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کی وفات ہوجائے، آپ نے ارشاد فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا (۳۱) یہ سب روایات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہی تھی کہ ابوبکرؓ منصب خلافت پر فائز ہوں، اگرچہ آپ نے اس سلسلے میں کوئی واضح حکم نامہ جاری نہیں فرمایا اور نہ از خود ان کو متعین فرمایا، بلکہ کچھ ارشادات فرمائے تاکہ صحابۂ کرام کے لیے ان ارشادات کی روشنی میں خلیفہ کا انتخاب آسان ہوجائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد خلافت بڑا مختصر رہا، صرف دوسال آپ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر وفات پاگئے، لیکن اس مختصر عہد خلافت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں دین اسلام کو بڑا زبردست استحکام حاصل ہوا، کئی معرکۃ الآراء جنگیں آپ کے عہد خلافت میں لڑی گئیں، کئی علاقے اسلامی حکومت کے زیرنگیں آئے، حضرت ابوبکرؓ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے اسلامی حکومت کا نظام ٹھیک اسی طرح پر چلایا جس طرح وہ عہد نبوت میں تھا، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس وقت آپ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی مہم درپیش تھی، انھیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا قائد بناکر یہ حکم دیا تھا کہ وہ شام پر حملہ آور ہوں، اس مہم کے متعلق صحابۂ کرامؓ نے یہ رائے دی کہ اس کو ملتوی کردیا جائے، اس کے بجائے پہلے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا جائے، کیوں کہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے بھی بہت سے افراد کی ضرورت ہے، اسلامی فوجیں اس نازک وقت میں دو محاذوں پر بہ یک وقت مصروف نہیں رہ سکتیں، مگر حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ مسترد فرمادیا، اور نہایت ناراضگی کے ساتھ فرمایا کہ اگر مدینہ انسانوں سے خالی ہوجائے اور درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں تب بھی میں یہ مہم نہیں روک سکتا، (۳۲) بعض صحابۂ کرامؓ نے یہ مشورہ دیا کہ اسامہ کم عمر ہیں، ان کے بجائے کسی عمر رسیدہ تجربہ کار شخص کو لشکر کی قیادت سپرد کی جائے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے بھی نہیں مانی اور فرمایا کہ ''جسے خدا کے رسول نے سردار بنایا ہو مجھے اس کو معزول کرنے کا کیا حق ہے۔'' (۳۳) حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بے مثال دانش مندی اور جرأت ایمانی کے ساتھ ان تمام صعوبتوں اور مشکلات میں قابو پایا جو بار خلافت سنبھالتے ہی کھڑی ہوگئیں تھیں۔

ایک طرف مرتدین اسلام بغاوت اور سرکشی پر آمادہ تھے، دوسری طرف مانعین زکوٰۃ تھے، کچھ مدعیان نبوت بھی پیدا ہوچکے تھے، آپ نے ان سب شورشوں کا قلع قمع کیا، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ آپ نے پوری امت کو کلمۂ واحدہ کی

بنیاد پر متحد رکھنے کی کوشش کی اور کامیاب رہے، جس وقت آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا آپ منبر پر تشریف لائے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

یـا ایھـا الـنـاس إنـی قد ولیت علیکم ولسـت بخیر کم فان ضعفت فقومونی، وان احسـنـت فـاعـیـنـونی، الصـدق أمانه والکذب خیانة، الضعیف فیکم القوی عندی حتـی ازیـح عـلیه حقه ان شاء اللّٰہ والقوی فیکم الضعیف عندی حتی آخذ منه ان شـاء اللّٰہ، لا یدع قوم الجهاد فی سبیل اللّٰہ إلاَّ ضربهم اللّٰہ بالفقر، ولا ظهرت، او قـال شـاعت الفاحشـة فی قوم إلا عمهم البلاء، اطیعونی ماطعت اللّٰہ ورسوله فاذا عصیت اللّٰہ ورسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا إلی صلاتکم یرحمکم اللّٰہ (۳۴)

''اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں، حالاں کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں کمزور پڑوں تو مجھ کو سیدھا کردو اور اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، سچائی امانت ہے، اور جھوٹ خیانت، تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں ان شاء اللہ، اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں ان شاء اللہ، جو قوم بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر فقر وفاقہ کی ذلت مسلط کر دیتا ہے، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو بھی پھیلا دیتا ہے، دیکھو جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت چھوڑ کر اپنے روزہ نماز میں لگ جاؤ اللہ تم پر رحم کرے۔''

سوا دو سال کے عہد خلافت کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اوّلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ سے مشورہ کیا، پھر ایک وصیت نامہ لکھوایا جس میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کیا، اور لوگوں سے کہا کہ ''میں خدا کے یہاں جاکر عرض کروں گا کہ میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے جو ان میں سب سے بہتر ہے'' پھر یہ وصیت نامہ اپنے گھر کے باہر جمع لوگوں کے سامنے پڑھوایا اور خود بالا خانے پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے کسی عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے، کیا تمہیں منظور ہے لوگوں نے سمعنا واطعنا کہہ کر اپنی منظوری دی (۳۵) حضرت ابوبکرؓ کا یہ فیصلہ دراصل منشأ نبوت کی تکمیل تھی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں بارہا حضرت عمرؓ کی تعریف وتوصیف فرمائی تھی، یہاں تک کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا'' لو کـان بـعدی نبی لکان عمر بن خطاب (۳۶)'' اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً عمر ہوتے۔'' صحابہؓ کے ذہنوں میں پہلے ہی سے خلافت کی یہ ترتیب موجود تھی، اس لیے جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا تو گویا سب کو

اسی فیصلے کی توقع تھی، اور سب یہی چاہتے تھے، اس لیے سب نے سمعنا واطعنا کہہ کر حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کی تائید وتصدیق کردی، گویا اتفاق رائے کے ساتھ حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین بنادیے گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ متعدد قرآنی آیات ان کی رائے کی تائید اور موافقت میں نازل ہوئیں، مثال کے طور پر آیت حجاب، مقام ابراہیم کو مصلّی بنانے کا حکم، بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کے بجائے قتل کرنے کا حکم، شراب کی حرمت کا حکم، منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کے مخالفت، اذان کی مشروعیت وغیرہ کے قرآنی احکام حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئے، ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے کی امتوں میں کچھ لوگ محدّث ہوا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو شرف ہم کلامی عطا کرتے تھے، میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہیں (۳۷) ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللّٰه جعل الحق علی لسان عمر و قلبه (۳۸) ''اللہ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق کو قائم کردیا ہے۔'' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کے تعلق سے کئی خواب بھی دیکھے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا کہ ان کی قمیص اتنی نیچی تھی کہ زمین پر گھسٹ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر دین سے لی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دیا اس کی تعبیر علم سے لی۔ (۳۹)

حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ دوسرے تینوں خلفاء کے زمانے کے مقابلے میں طویل بھی ہے، اور اسلام کی اشاعت اور حدود مملکت اسلامیہ کے استحکام اور توسیع کے لحاظ سے ہمہ گیر بھی، دین کی حمیت پر حضرت عمرؓ نے کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، مملکت کے باشندوں کی اس طرح خبر گیری کی جس طرح کوئی گلّہ بان اپنے ریوڑ کی کرتا ہے، راتوں کو جاگ جاگ کر خلافت کا فرض ادا کرتے، قضا کا وسیع نظام قائم کیا، ملکی انتظام وانصرام کے لیے متعدد شعبے قائم کئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے فرمائے تھے اور قرآن کریم اور حدیث میں اسلام کی وسعت اور فتوحات کے تعلق سے جتنی پیشین گوئیاں کی تھیں ان کا ظہور عہد خلافت عمرؓ ہی میں ہوا، نظم ونسق، امن وامان، فتح ونصرت، تعمیر وترقی، توسیع وہمہ گیری، نظام واستحکام ہر اعتبار سے حضرت عمرؓ کا دور خلافت بے مثال رہا، دشمنان اسلام تک اس بے مثال دور خلافت کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں، انھیں حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک شخص نے دارالخلافۃ مدینہ میں بیٹھ کر ستائیس لاکھ مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کا نظام کس خوش اسلوبی کے ساتھ چلایا کہ دنیا حیران رہ گئی اور آج تک حیران ہے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے اپنے جانشین کا انتخاب خود نہیں کیا، بلکہ چند بڑے صحابہؓ کی ایک کمیٹی بنا کر نئے خلیفہ کا انتخاب اس کمیٹی کے سپرد کردیا، روایات میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے دوران ابولؤلؤہ کے زہر آلود خنجر سے زخمی ہوکر گر پڑے تو انھیں گھر لایا گیا، ایک انصاری طبیب نے ان کا علاج شروع کیا، مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا، اور لوگوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اب حضرت عمرؓ جاں بر نہ ہوسکیں گے، کچھ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر فرمادیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر میں کسی کو اپنا

جانشین مقرر کردوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسا کیا تھا، اور اگر کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کروں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا، اگر آج ابوعبیدہ ابن الجراحؓ حیات ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا، کیوں کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ابوعبیدہ اس وقت امت کے امین ہیں'' اسی طرح اگر ابوحذیفہؓ کے غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کرتا کیوں کہ ان کے متعلق میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''سالمؓ عشق خداوندی کا پروانہ ہے'' کسی نے کہا کہ عبداللہ ابن عمرؓ کو خلیفہ بنادیجئے، فرمایا خاندان خطاب کا ایک ہی شخص امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کا حساب دینے کے لیے کافی ہے، اگر عمرؓ اس ذمہ داری کا حساب دیتے ہوئے برابر سرابر چھوٹ جائے تو غنیمت ہے (۴۰) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے چھ ایسے اشخاص کی ایک کمیٹی بنادی جن کے جنتی ہونے کی بشارت دنیا ہی میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدی تھی، اور اس کمیٹی کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ رائے مشورے سے اپنا امیر منتخب کرلیں، وہ چھ حضرات یہ تھے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، حضرت طلحہؓ مدینہ منورہ سے باہر تھے، باقی پانچ حضرات نے طویل مشاورت کی، اور طے پایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ کمیٹی کے باقی ارکان سے رائے مشورہ کرلیں، اور ان حضرات سے بھی رائے لے لیں جو اگرچہ کمیٹی میں نہیں ہیں، لیکن وہ اس سلسلے میں بہتر رائے دے سکتے ہیں، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رات کی تاریکی میں چادر اوڑھ کر ایک ایک فرد سے ملاقات کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اکثر لوگ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر متفق ہیں، چنانچہ انھوں نے فجر کی نماز میں تشریف لاکر ان کے نام کا اعلان کردیا، اور حضرت علیؓ سمیت تمام حضرات نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، یہ واقعہ ۲۹ / ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے بے شمار فضائل ومناقب حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں جن سے یہ بات صاف طور پر محسوس ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت باطنی پہلے ہی سے طے شدہ تھی، البتہ صحابہ کرام کے ذریعہ اس کا ظاہری فیصلہ ہونا تھا، مثال کے طور پر حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج رات ایک نیک شخص کو خواب دکھلایا گیا کہ گویا ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں اور عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں، اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ ایک کا دوسرے کے ساتھ لٹکنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس دین کے حاکم ہوں گے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے، (۴۱) اسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا، پھر ابوبکرؓ وعمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ کا وزن زیادہ رہا، پھر عمرؓ وعثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ کا وزن زیادہ رہا، پھر وہ ترازو اٹھالی گئی، یہ خواب سن کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوگئے اور فرمایا یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا (۴۲)

اس حدیث کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کی اعلیٰ قسم خلافت نبوت ہے جو حضرت عثمانؓ پر ختم ہوگئی، اسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خلافت خاصہ بھی لکھا ہے، البتہ خلافت راشدہ کا سلسلہ آگے بھی چلا، حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بنے، جن کی خلافت بھی خلافت راشدہ مانی گئی ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: (۴۳) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے آخری ایام میں منافقین کی سازشوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں حضرت عمرؓ نے جام شہادت نوش کیا عہد خلافت عثمانؓ میں بھی میں جاری رہیں، اگر چہ ان کا عہد خلافت بارہ سالوں پر محیط ہے، مگر ان بارہ سالوں میں استحکام خلافت کے ایام بہت کم رہے، اس عرصے میں فتوحات بھی ہوئیں، مملکت اسلامیہ کی حدود میں توسیع بھی ہوئی، مگر حضرت عمرؓ کا وہ عظیم الشان عہد دوبارہ واپس نہ آسکا، اسلام کے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں یہودی النسل عبداللہ بن سبا کی آمد نے ان فتنوں کو ہوا دی جو حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد پیدا ہوگئے تھے، اس نے ایک خفیہ جماعت بنا کر مسلمانوں میں یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کہ خلافت کے اصل حق دار حضرت علیؓ تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ ہی کو خلافت دینے کی وصیت فرمائی تھی، افسوس مسلمانوں نے اپنے نبی کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور دوسروں کو خلافت سپرد کردی، اب یہ ضروری ہے کہ موجودہ خلیفہ کو معزول کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے تا کہ حق دار کو اس کا حق ملے، یہ اور اس طرح کی سازشیں حضرت عثمان کی شہادت پر منتج ہوئیں، (۴۴)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے الم ناک واقعہ کے بعد مسند خلافت تین دن تک خالی رہی، اس دوران بعض حضرات نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ منصب خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں، انھوں نے اوّلاً تو معذرت کی، پھر اکابر صحابہؓ کی رائے اور اصرار کو دیکھتے ہوئے اس ذمہ داری کو قبول کرلیا، حضرت علیؓ نے بڑے نازک حالات میں یہ بار گراں اپنے کاندھوں پر اٹھایا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ منصب سخت مشکلات کا باعث بنتا چلا گیا، سب سے پہلے تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے بڑے صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا، حضرت علیؓ نے انھیں یقین دلایا کہ وہ حضرت عثمانؓ کا خون ضائع نہ ہونے دیں گے، مگر ابھی حالات سازگار نہیں ہیں، خلافت مستحکم نہیں ہے، تھوڑے صبر اور برداشت کی ضرورت ہے، وقت گزرتا گیا اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، خود مسلمان ایک دوسرے کے مقابلے میں آگئے، جمل اور صفین جیسے معرکے ہوئے، ملک تقسیم ہوگیا، حضرت علیؓ کی مخالفت بڑھتی رہی، یہاں تک کہ ابن ملجم نے ۱۷ر رمضان ۴۰ھ کی شب میں حضرت علیؓ کو شہید کردیا، آپ کی عمر ۶۳ رسال ہوئی، تقریباً چار سال نو مہینے منصب خلافت پر فائز رہے، شہادت کے وقت آپ دارالخلافہ کوفے میں تھے، وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ ہی میں حضرت علی کی شہادت کی پیشین گوئی فرمادی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا تھا: گزشتہ قوموں میں سب سے زیادہ بدبخت وہ تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے، اور آنے والوں میں سب سے زیادہ شقی وہ ہے جو علیؓ کی داڑھی کو سر کے خون سے رنگین کرے گا۔ (۴۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا

کہ اے علیؓ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارونؑ تھے، مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔(۴۶)
ایک مرتبہ ارشاد فرمایا علیؓ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ تمام ایمان والوں کے محبوب ہیں۔(۴۷)

اگر خلافت راشدہ کے تیس سالہ دور کا مجموعی حیثیت سے جائزہ لیا جائے تو وہ چودہ سال کی طویل ترین تاریخ کا ایک روشن دور نظر آتا ہے، ہر دور اپنے مقاصد واہداف میں، اور اپنے معالم ونقوش میں دور نبوت کے انتہائی قریب تھا، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو اسے مستقبل کی تمام خلافتوں سے ممتاز ومنفرد بناتی ہے، بعد والوں نے خلافت کے اس اعلی دور تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی، اس سلسلے میں صرف ایک نام اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا لیا جاسکتا ہے، جن کی مدت خلافت صرف دو سال ہے، لیکن ان دو سالوں میں انھوں نے خلفائے راشدین کے نقوش قدم کو اپنی ذاتی سیرت اور سیاسی زندگی میں مشعل راہ بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوشش کی جائے تو خلافت کے اعلیٰ معیار تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے، اور اس زمانے کو واپس لایا جاسکتا ہے۔(۴۸)

خلفائے راشدین کے دور حکومت کی بے شمار خصوصیات اور امتیازات ہیں، اگر ان پاک باز نفوس کی سیرت پر نظر ڈالی جائے، اور ان کے عہد خلافت کے روشن کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

(۱) قانون الٰہی کی حکمرانی: یعنی امراء وحکام اور عوام سب کے سب قانون الٰہی کے تابع تھے، جس کا سرچشمہ کتاب وسنت ہیں۔

(۲) لوگوں کے درمیان برابری؛ یعنی مملکت کے تمام باشندے حدود وفرائض اور حلال وحرام کے احکام میں برابر تھے، ان میں کسی طرح کا کوئی فرق مراتب نہیں تھا۔

(۳) حقیقی مساوات، تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی تھے، رنگ، نسل، زبان، خاندان اور قبیلے وغیرہ کی بنیاد پر ان کے درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں تھی، اگر فضیلت کا کوئی معیار تھا تو وہ تقویٰ تھا۔

(۴) اہل اور باصلاحیت لوگوں کو سرکاری ذمہ داریاں سپرد کی جاتی تھیں، جو شخص جس کام کے لیے موزوں ومناسب ہوتا اسے اسی کام میں لگایا جاتا تھا، تاکہ اقتدار اور مال دونوں امانتوں کا پوری طرح تحفظ ہو سکے۔

(۵) ہل علم اور اصحاب رائے سے مشورہ کرنے کا معمول تھا، خواہ معاملہ کسی کو گورنر بنانے کا ہو، یا فوجی کمانڈر متعین کرنے کا ہو، کتنا بھی غیر معمولی مسئلہ کیوں نہ ہو خلفائے راشدین معاملہ فہم حضرات سے مشورہ ضرور کیا کرتے تھے۔

(۶) یہ رجحان عام تھا کہ صرف ان اوامر کی اطاعت کی جائے گی جو معروف کے دائرے میں ہوں، غیر شرعی احکامات کی پابندی نہیں ہوگی۔

(۷) یہ اجازت نہیں تھی کہ کوئی مسلمان حکومت کا منصب طلب کرے، کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے عہدہ طلب کرنے پر انکار فرما دیا تھا۔

(۸) خلفائے راشدین کا مقصدِ اقتدار نظام اسلامی کا قیام تھا، قرآن کریم میں ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ، وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (۴۹)

''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمیں میں اقتدار عطا کردیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، معروف کا حکم دیں، اور منکر سے منع کریں، اور معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

(۹) مر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر پورا معاشرہ کار بند تھا، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عام آدمی ہو یا حکومت کے کسی منصب پر فائز کوئی شخص، اس معاشرے کا ہر فرد یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ خیر کی اشاعت اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔

(۱۰) حضرات خلفائے راشدین کا انتخاب مشورے سے ہوا، ان میں سے کسی کو بھی وراثت کے طور پر عہدۂ خلافت حاصل نہیں ہوا، اور نہ کسی نے زور زبردستی سے اس منصب پر قبضہ کیا، جو لوگوں نے طے کردیا اسی پر سب نے آمنا صدقنا کہا اور نئے خلیفہ کے دستِ حق پر بیعت کی۔

(۱۱) بیت المال کا جس طرح اس زریں عہد میں تحفظ ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی، کسی بھی خلیفہ نے مسلمانوں کی امانت کا کوئی پیسہ نہ ذاتی اغراض کے لیے حاصل کیا اور نہ غیر ضروری طور پر خرچ کیا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ عام مسلمانوں کا مال ہے جو اللہ نے بہ طور امانت ان کے سپرد کیا ہے۔

(۱۲) عام آدمی بھی یہ بات سمجھتا تھا کہ حکومت کا قیام کس لیے عمل میں آیا، اور اس کا مقصد کیا ہے، ہر شخص حاکم اور امیر کے اختیارات اور فرائض کی حدود سے اچھی طرح واقف تھا، کسی کو یہ مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے کسی پر ظلم و زیادتی کرے۔

(۱۳) شریعت کا قانون پوری طرح رائج تھا، حاکم اور محکوم، ادنی اور اعلیٰ سب اسی قانون کے دائرے میں رہتے تھے، قانون شریعت کی بالادستی کے سامنے سب سرنگوں تھے، احکام شریعت کے نفاذ میں دوستی، رشتہ داری یا چاپلوسی رکاوٹ نہیں بنتی تھی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے کسی رشتے دار، یا عزیز قریب کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔

(۱۴) اصطلاحی معنی میں جمہوریت نہیں تھی، مگر جمہوریت کی روح پورے معاشرے کی رگوں میں دوڑ رہی تھی، ہر شخص اپنی رائے کے اظہار میں آزاد تھا، یہاں تک کہ لوگ مجمع عام میں بلا جھجھک خلفاء پر تنقید کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، خلفاء بالکل عام انسانوں کی طرح رہتے تھے، رعایا کے لوگ جب چاہتے ان سے مل کر اپنی شکایات رکھتے اور جہاں چاہتے انھیں روک کر کھڑے ہوجاتے۔

(۱۵) امراء و حکام اپنی رعایا سے کہا کرتے تھے کہ وہ ان کو غلطی پر ٹوکنے سے گریز نہ کریں، اور حق کے معاملے میں ان کے ساتھ پورا تعاون کریں۔

(۱۶) حاکم کسی شخص کی محض اس لیے رعایت نہیں کرتا تھا کہ وہ ذی وجاہت آدمی ہے، یا اس کا کسی اونچے گھرانے سے تعلق ہے۔

(۱۷) کسی بڑے سے بڑے حاکم کی بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ حق کے بغیر کسی کا مال لے کر اس میں تصرف کرے، بلکہ بسا اوقات وہ اپنا حق بھی چھوڑ دیتے تھے، ہر حاکم اپنے ماتحت افراد کو یہ ہدایت دیتا تھا کہ وہ اللہ سے ڈریں، اور اپنی نظر ہمیشہ اسی پر رکھیں، لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، ان کے ظاہری حالات پر فیصلہ کریں، مخفی امور کی جستجو میں نہ پڑیں بلکہ انھیں اللہ کے حوالے کردیں، ان کو سخت ہدایت تھی کہ وہ لوگوں پر ظلم نہ کریں، ان کی ذمہ داری اقامت صلاۃ اور مسلمانوں کے خصومات میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے۔

(۱۸) خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں تمام باشندگانِ مملکت امت واحدہ کی حیثیت رکھتے تھے، نہ کوئی خاندانی امتیاز تھا، نہ رنگ ونسل کی تفریق تھی، معاشرے کی بنیاد اسلام کے اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ سب مٹی سے پیدا کئے گئے اور سب کو مٹی میں جانا ہے، ہر مسلمان پہلے مسلمان ہے، ہر مسلمان کو یہ حق ہے کہ وہ اس حکومت کو اپنی حکومت قرار دے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو۔

(۱۹) مملکت اسلامیہ کی فضاؤں میں اخلاق حسنہ کی خوشبو رچی بسی تھی، اللہ کا خوف دلوں میں سمایا ہوا تھا، عدل وانصاف امانت دیانت اور صدق ومساوات کا دور دورہ تھا۔

(۲۰) نظم مملکت کے قیام اور اقتدار کے استحکام کے لیے لوگوں کی پیٹھ پر کوڑے برسانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ برائیوں کے خاتمے کے لیے اور عدل اجتماعی کے قیام اور اخلاق فاضلہ اور اعمال خیر کی اشاعت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے پر امن ذریعے سے ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔

(۲۱) اس مملکت کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ امت کے تمام افراد کے مابین، معاشرتی حقوق میں مساوات قائم کی جائے، سب کے لیے یکساں قانون ہو، سب لوگ نیکی اور بھلائی پر ایک دوسرے کے معین ومددگار اور ظلم وتعدی، اور معصیت سے گریزاں نظر آئیں، سب کے دلوں میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا خوف سمایا ہوا ہو۔

غرضیکہ اس مملکت کے نظام میں حاکم اور محکوم کے درمیان بے مثال توازن قائم تھا، کیوں کہ اس نظام میں حاکم کو محکوم پر مطلق العنانیت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی کہ محکوم غلام محض بن کر رہ جائے، اسی طرح کسی فرد کو بھی یہ اجازت نہیں تھی کہ قانون کی

پابندی سے آزاد ہو کر بے لگام بن جائے، خود بھی بگڑے اور دوسروں کو بھی تباہ و برباد کرے، اسلام نے فرد کے لئے کچھ بنیادی حقوق رکھے ہیں، ان حقوق کے دائرے سے باہر آ کر مملکت کے اختیارات کو چیلنج کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے، اسے چاہئے کہ معروف کے دائرے میں اور شریعت کی حدود میں رہ کر مملکت کے احکام کی اطاعت کرے۔

گزشتہ صفحات میں عہد خلافت راشدہ کی جن خصوصیات اور امتیازات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے بعض کو ہم وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ اس دور کے امتیازات خوب اچھی طرح نکھر کر سامنے آجائیں۔

کتاب وسنت پر عمل کا اہتمام: خلفائے راشدین نے ہمیشہ کتاب وسنت پر عمل کو اپنا مطمح نظر بنایا اور اس سے سرمو انحراف نہیں کیا، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جب جب اس نقطۂ وحدت یعنی کتاب وسنت پر عمل سے انحراف کیا ان میں اختلاف پیدا ہوا، کتاب وسنت پر پکڑ کمزور پڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی معاشرہ خارجی عناصر کی ریشہ دوانیوں کا میدان بن گیا، اجنبی خیالات ونظریات فروغ پانے لگے، اور نامانوس فلسفوں نے پاؤں پھیلانے شروع کردئے، کسی معاشرے کو متحد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی نقطۂ وحدت ہو، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب اور اپنے اقوال واعمال کی صورت میں جو نقطۂ اتحاد ہمیں عطا کیا تھا اس کا اثر عہد خلافت میں تو نمایاں طور پر دکھلائی دیتا ہے لیکن اس کے بعد وہ بہ تدریج کمزور ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ بالکل فنا ہو گیا، اور یہی وہ وقت ہے جب امت ذلت کی پستیوں میں گرتی چلی گئی، بلکہ نامعلوم انتہا کی طرف اب بھی اس کے گرنے کا عمل جاری ہے، خلفائے راشدین اپنے ہر فیصلے اور اپنے ہر اقدام کی بنیاد اللہ کی کتاب قرآن کریم میں تلاش کرتے، یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھونڈتے، وحی ربانی پر ان کا انحصار اس لیے نہیں تھا کہ وہ لوگ عصری علوم وثقافت سے ناواقف تھے، بلکہ اپنے علم وارادے سے اور اتباع کے جذبے اور عزم سے انھوں نے کتاب وسنت پر عمل کو حکمرانی کی اساس بنایا، ان کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت تھی:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۵۰)

''پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا، سو آپ اسی راستے پر چلے جائے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے

وحی الٰہی کے سامنے کسی کتاب کی اہمیت نہ تھی، خواہ وہ آسمانی ہی کیوں نہ ہو، ان حضرات کا مزاج سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی تربیت سے تشکیل پایا تھا، ایک مرتبہ حضرت عمر ابن الخطاب ؓ تورات کا کوئی صحیفہ لیے ہوئے تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو چہرۂ مبارک غصّے سے سُرخ ہو گیا، اور فرمایا:

لقد جئتكم بها بيضاء نقية، لا تسألو هم عن شئ فيخبرو كم بحق، فتكذبوا به، أو بباطل فتصدقوا به والذى نفسى بيده لو ان موسىٰ كان حيا ما وسعه إلا ان يتبعنى (۵۱)

''میں تمہارے پاس اس کی جگہ روشن اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، تم ان اہل کتاب سے کچھ مت پوچھو، اگر تم کو انھوں نے صحیح بات بتلائی تم اس کی تکذیب کروگے اور غلط بتلائی تو تصدیق کروگے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری ہی اتباع کرنی پڑتی''

اسی نوعیت کی ایک حدیث حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

قال: کیف تسألون اهل الکتاب عن شئ و کتابکم الذی انزل علی رسول اللّٰه احدث تقرؤونه محضًا لم یشب (۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیوں پوچھتے ہو، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہاری جو کتاب نازل ہوئی ہے وہ جسے تم پڑھتے ہو بالکل نئی ہے پرانی نہیں۔'' اس تربیت سے جو مزاج تشکیل پایا اس نے حضرت ابوبکرؓ کو جب وہ منصب خلافت پر فائز ہوئے یہ اعلان کرنے پر مجبور کیا کہ ''میں صرف تابع محض ہوں، میں دین میں کوئی نیا کام کرنے والا نہیں ہوں، اگر اس پر ثابت قدم رہوں تو میری بات مانو اور انحراف کروں تو مجھے سیدھا کردو، (۵۳) حضرت عمرؓ نے خلافت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنے اوّلین خطبے میں ارشاد فرمایا: ''ہم ایک ذلیل قوم تھے، اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت عطا کی، ہم جب بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز سے عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اللہ ہمیں عزت نہیں دے گا بلکہ ذلیل وخوار کرے گا۔'' (۵۴)

بہ ہر حال کتاب وسنت پر عمل اور ان دونوں مصادر شریعت کا مکمل اتباع ایک ایسا نقطۂ وحدت ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، امت نے جب تک اس نقطۂ وحدت کی اہمیت کو سمجھا دنیا میں باعزت رہے، اقتدار ان کے قدموں میں رہا، دولت اور عزت ان کے پیچھے پیچھے پھرتی رہی، اور جب جب مسلمانوں نے اس سے انحراف کیا رسوائیاں اور ذلتیں، اختلافات اور جھگڑے ان کا مقدر بن گئیں۔

عقیدے کی حفاظت: شریعت نے سب سے پہلے شرک کا قلع قمع کیا اور خدا کی وحدانیت کو ایک بنیادی عقیدے کے طور پر روشناس کرایا، خلفائے راشدین نے اسلامی معاشرے میں امن کے فروغ اور مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف کے قیام ہی تک اپنی ذمہ داریوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ امت کی دوسری مصالح تک بھی وسعت دی خواہ وہ دنیوی مصالح ہوں یا اخروی، صحیح اور بے غبار عقیدے کے تحفظ سے بڑھ کرامت کی فلاح کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوسکتا تھا، اسی لیے حضرات خلفائے راشدین نے اس کام کو ترجیحی بنیادوں پر کیا، یہاں تک کہ انھوں نے وہ تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کردئے جن سے دین میں کسی بدعقیدگی یا بدعت کو راستہ مل سکتا تھا، شکوک وشبہات اور بدعات وخرافات کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہر فرد ایک صحیح اور سچے عقیدے کا حامل مسلمان بن گیا، ان حضرات کے سامنے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک تھا، من احدث فی امرنا هذا مالیس

منـه فهو رد (۵۵) ''جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ ٹھکرائے جانے کے قابل ہے۔''

عہد خلافت راشدہ کے بہت سے تاریخی واقعات سے عقیدۂ توحید کی حفاظت اور شرک و بدعت کے استیصال کے لیے حضرات خلفائے راشدین کے سخت موقف کا پتہ چلتا ہے، حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں مانعین زکوۃ کا معاملہ سامنے آیا، نجد و یمن اور بعض دوسرے صحرائی علاقوں میں جہاں بدویت کا غلبہ تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ بغاوت کا علم لے کر کھڑے ہوئے اور انھوں نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا، ان کا خیال تھا کہ زکوۃ ایک ظالمانہ ٹیکس ہے جو زبردستی وصول کیا جاتا ہے، یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، مال کی محبت ان کے دلوں میں ضرورت سے زیادہ تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور جو محصلین حکومت اسلامیہ کی جانب سے زکوۃ وصول کرنے پہنچے ان لوگون نے انھیں واپس کر دیا اور اپنے اموال کی زکوۃ نہیں دی، حضرت ابو بکرؓ کو قبائل کے انکار کی خبر ملی تو انھوں نے طے کیا کہ ان قبائل کو اس سرکشی کی سزا دی جائے گی، حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کی رائے تھی کہ امت نازک دور سے گزر رہی ہے، ان حالات میں مانعین زکوۃ کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے، یہ لوگ نماز روزے اور دوسرے احکام شریعت کی پابندی کے لیے تو تیار تھے مگر زکوۃ نہیں دینا چاہتے تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں شام پر لشکر کشی کے لیے ایک فوج حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی تکمیل بھی فرمائی، اور حضرت اُسامہؓ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر قضاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، بعض حضرات صحابہؓ کی دلیل یہ تھی کہ ابھی ایک بڑا لشکر جنگ کے لیے گیا ہوا ہے، اب دوسرا لشکر جائے گا تو مدینہ منورہ جوانوں سے خالی ہو جائے گا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ میں صرف چند سو مسلمان باقی رہ گئے تھے، یہ کوئی دانش مندی نہ ہوگی کہ دار الخلافہ کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے عقیدے کی قیمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، اور مرتدین کے خلاف لشکر کشی کرنے کا مشورہ نہ دینے والوں سے مخاطب ہو کر اپنا یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

والله لا قاتلن من فرق بين الصلاة والزكوة، والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم عليه (۵۶)

''خدا کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کریں گے، خدا کی قسم اگر انھوں نے مجھے اونٹ کی ایک رسی بھی جسے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے دینے سے منع کیا تو میں اس رسی کے لیے بھی ان سے جنگ کروں گا۔''

حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

أجبار في الجاهلية خوار في الاسلام، إنه قد انقطع الوحي وتم الدين أو ينقص

الدين وأنا حيّ (۵۷)

''زمانہ جاہلیت میں زبردست تھے اب اسلام میں آکر کمزور پڑ گئے ہیں، وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، دین مکمل ہوگیا، کیا میرے جیتے جی دین میں کتر بیونت ہوگی۔''

یہ بھی فرمایا:

والله لا قاتلنهم ما استمسک السيف في يدي، ولو لم يبق في القرى غيري، (۵۸)

''خدا کی قسم میں ان سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے گی، اگر چہ آبادی میں میرے علاوہ کوئی باقی نہ بچے''

حضرت ابوبکرؓ نے صحابۂ کرامؓ کی رائے کے علی الرغم یہ سخت موقف اس لیے اختیار کیا کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ خلیفہ کا فرض یہ ہے کہ وہ دین کو کمی اور زیادتی سے ہر طرح محفوظ رکھے، حضرت ابوبکرؓ اپنے اس فیصلے پر ثابت قدم رہے، مرتدین مانعین زکوۃ سے لشکر اسلام کی جنگ ہوئی، اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ بالکل درست تھا، اگر اس وقت آہنی عزم وحوصلے سے کام نہ لیا جاتا، اور مرتدین کے مقابلے میں جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ نہ کیا جاتا تو بغاوت کی یہ آگ دوسرے قبائل میں بھی پھیل جاتی، اور فتنۂ ارتداد کی بیخ کنی دشوار ہو جاتی، زکوۃ کی عدم ادائیگی کے فتنے کے ساتھ ساتھ عرب کے مختلف علاقوں میں جھوٹے مدعیان نبوت بھی پیدا ہو گئے تھے، اور وہ لوگ یہ دعوی کرنے لگے تھے کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے، ان کے پاس اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، طلحہ اسدی، اسود عنسی، مسیلمہ کذاب وغیرہ مردوں کے ساتھ ساتھ سجاح شیمیہ نامی عورت نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا، یہ لوگ مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے ان کے دعویٰ نبوت کے بعد قبیلوں کے لوگ بھی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنے کی سرکوبی کا عزم بھی کیا اور انھیں کیفر کردار تک پہنچایا۔

حضرت عمرؓ کی شدت اور دین کے معاملے میں ان کی غیرت وحمیت اسلامی تاریخ میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، بدعات وخرافات اور اوہام پرستی سے انھیں شدید نفرت تھی، اسی طرح اگر انھیں یہ محسوس ہوتا کہ دین کے معتقدات اور احکام کے متعلق کوئی شخص کسی طرح کے شک میں مبتلا ہے تو اسے سخت سزا دیتے، ایک مرتبہ انھیں پتہ چلا کہ صبیغ بن عسل التمیمی مسلمانوں سے بعض ایسے سوالات کرتا پھرتا ہے جو شکوک وشبہات پیدا کرنے والے ہیں انھوں نے اسے بلایا اور کھجور کی ٹہنیوں سے اس کی مرمت کی یہاں تک کہ وہ کہنے لگا، امیر المؤمنین! میرے دل کے تمام وسوسے ختم ہو گئے ہیں، اس کے بعد انھوں نے اس شخص کو بصرہ بھیج دیا اور وہاں کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم دیا کہ وہ اسے لوگوں میں گھلنے ملنے سے روکیں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے اس کے آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے پر پابندی عائد کی، کچھ عرصے بعد وہ تائب ہوگیا، اور اس کے حالات درست ہو گئے، (۵۹) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ الفاظ آپ کی زبان پر تھے،

إني اعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع، ولو لا أني رأيت رسول الله صلى الله

علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک (۶۰)

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، اور نہ فائدہ، اگر میں یہ نہ دیکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بوسہ دے رہے ہیں تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوے پر پوری طرح عمل پیرا تھے، ایک مرتبہ آپ کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جا کر نمازیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، اور برکت حاصل کرتے ہیں، جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی، یہ بیعت سیرت کی کتابوں میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، آپ نے بلا تاخیر اس درخت کو کٹوا دیا، اور اس طرح امت کو ایک خطرناک بدعت میں مبتلا ہونے سے بچا لیا، (۶۱)

حضرت عمرؓ کے طرز معیشت، طرز معاشرت، اور طرز حکمرانی کا اندازہ لگانا ہو تو یہ بلیغ جملے ملاحظہ کیجیے جو انھوں نے اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے اس وقت کہے تھے جب وہ ان کے پاس بہ غرض ملاقات تشریف لائیں اور انھوں نے صحابۂ کرامؓ کے حوالے سے یہ عرض کیا کہ وہ اس تکلیف دہ زندگی کو جو انھوں نے اپنے لیے اختیار کر رکھی ہے ترک کر دیں، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا ''ان لوگوں کو جو تمہارے پاس آئے تھے، یہ بتلا دینا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ہی چلوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، میری اور میرے پیش رو ابو بکرؓ کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جنھوں نے ایک راستے پر سفر کرنا شروع کیا، اور سب سے پہلے، پہلا شخص چلا، اس نے کچھ زاد راہ لی، اور اپنی منزل پر پہنچ گیا، اس کے پیچھے دوسرا شخص چلا، اور اس نے وہی طریقہ اختیار کیا، جو پہلے شخص نے اختیار کیا تھا، چنانچہ وہ بھی صحیح سلامت اپنی منزل پر پہنچا، ان دونوں کے بعد تیسرے شخص نے قدم بڑھائے، اب اگر وہ ان دونوں کا راستہ اور طریقہ اختیار کرے گا تو ان تک جا پہنچے گا اور اپنی منزل حاصل کر لے گا، لیکن اگر اس نے ان دونوں کے راستے سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کیا تو کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔'' (۶۲)

حضرت عثمان ابن عفانؓ بھی دین کے تحفظ کو لے کر ہمیشہ فکر مند رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ آرمینیا وغیرہ سے واپس آکر حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے انھیں یہ بتلایا کہ وہاں لوگ مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں، اور اس سے بڑا اختلاف پیدا ہو رہا ہے، حضرت عثمانؓ نے کسی تاخیر کے بغیر یہ حکم جاری کیا کہ مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر ایک نسخہ تیار کیا جائے، اور اس کی نقول ہر ملک اور ہر علاقے میں روانہ کی جائیں، اسی کے ساتھ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ لوگوں کے پاس باقی جتنے نسخے موجود ہیں ان سب کو جلا دیا جائے، اس طرح اللہ نے اس فتنے کا خاتمہ کر دیا، اور ان کے ذریعے لوگ ایک قرآن کریم پر جمع ہو گئے، اور مختلف قراءتوں کے رواج کی بنا پر قرآن کریم ہر کمی بیشی سے محفوظ ہو گیا، بخاری شریف میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح درج ہے:

أن حذيفة بن اليمان قدم على عثمان و كان يغازى اهل الشام فى فتح إرمينية واذربيجانِ مع اهل العراق فافزع حذيفة اختلافهم فى القرآن، فقال حذيفة لعثمان يا امير المؤمنين أدرك هذه الامة قبل أن يختلفوا فى الكتاب اختلاف

الیھود والنصاری فأرسل عثمان إلی حفصة أن أرسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها الیک، فارسلت بها حفصة إلی عثمان فأمر زید بن ثابت وعبداللّٰہ ابن الزبیر، وسعید بن العاص، وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شئ فی القرآن فاکتبوه بلسان قریش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف، رد عثمان الصحف إلی حفصة وارسل الی کل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة أو مصحف ان یحرق (۶۳)

''حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جب آرمینیا کی فتح کے لیے اہل شام کے ساتھ اور آذربیجان کی فتح کے لیے اہل عراق کے ساتھ معرکہ آرائی کررہے تھے، تو انھیں ان علاقوں کے باشندوں کے اختلاف قرآۃ قرآن نے بے چین کردیا، حضرت حذیفہ نے (واپس آکر) حضرت عثمانؓ سے عرض کیا، امیر المؤمنین اس سے پہلے کہ یہ امت یہود ونصاری کی طرح کتاب میں اختلاف کرنے لگے آپ اس کی خبر لیجئے، (یہ سننے کے بعد) حضرت عثمانؓ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ وہ قرآن کریم کے نسخے ہمیں بھجوادیں ہم ان کو صحیفوں میں نقل کرکے واپس کردیں گے، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے قرآن کے نسخے حضرت عثمانؓ کو بھجوادئے، حضرت عثمان نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ ابن الزبیرؓ، سعید بن العاصؓ، اور عبدالرحمٰن بن الحارثؓ کو نقل مصحف پر مامور کیا، چنانچہ انھوں نے نسخے نقل کردئے، حضرت عثمانؓ نے تینوں قرشیوں سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا کسی قرآنی لفظ کی قرأۃ میں زید بن ثابتؓ سے اختلاف ہوجائے تو قریش کی زبان میں لکھنا اس لیے کہ قرآن قریش کے لہجے میں نازل ہوا ہے، ان حضرات نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ان نسخوں کے مطابق متعدد نسخے تیار کردئے، حضرت عثمانؓ نے تمام علاقوں میں اس حکم کے ساتھ ایک ایک نسخہ بھجوادیا کہ اس کے علاوہ جو نسخہ بھی کہیں موجود ہو اسے جلادیا جائے۔''

حضرت علیؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں خوارج اور شیعہ سے جنگ کی، خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ امام برحق ہیں ان کی بیعت بالکل درست طریقے پر کی گئی تھی، جس نے بھی اس بیعت سے انکار کیا وہ امام برحق کا باغی اور خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے، ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے، اپنے دونوں عقیدوں کی بنا پر وہ حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے امام برحق سے بغاوت کرکے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہے، وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے

ہیں، اور ایسے لوگوں پر قرآن کریم میں جو حدود مقرر ہیں وہ جاری ہونی چاہئیں، تحکیم یا مصالحت کا کوئی مطلب نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی خوارج کے کچھ خود ساختہ نظریات تھے، حضرت علیؓ نے پہلے انھیں سمجھایا بجھایا، جب وہ باز نہ آئے تو ان سے جنگ کی اور ان کی طاقت کو پاش پاش کردیا، اس سلسلے میں ان کا یہ شاہ کار جملہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہے: لما رأیت الأمر منکرا اججت نارا ودعوت قنبرا (۶۴) ''جب میں نے معاملہ انتہائی ناپسندیدہ دیکھا تو آگ جلوائی اور اپنے غلام قنبر کو آواز دی کہ وہ ان خوارج کو آگ کے حوالے کردے۔'' یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علیؓ کو الٰہ العالمین، رازق اور خالق کہنے لگے تھے حضرت علیؓ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور انھوں نے ان بدعقیدہ لوگوں کے لیے سخت ترین سزا کا انتخاب کیا تاریخ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی آگ میں ہنستے ہوئے داخل ہوتے اور کہتے جاتے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ آپ الٰہ العالمین ہیں، آگ کی سزا تو رب العالمین ہی دے سکتا ہے (۶۵)

حقیقی عدل ومساوات: حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان فضیلت کا حقیقی معیار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (٦٦) ''تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد مبارک کے ذریعے قرآن کریم کے متعین کردہ اس معیار کی توضیح فرمائی:

> لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر إلا بالتقوی (٦٧)
>
> ''کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو گورے پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔''

حضرات خلفائے راشدین نے کتاب وسنت کے اس بنیادی اصول کو صرف زبان وبیان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عملی زندگی میں بھی رچایا بسایا، تاریخ کے صفحات ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد زریں میں تمام بندگان خدا اپنے رنگ ونسل اور قبیلہ وخاندان کی تفریق کے باوجود ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے اور ان کے درمیان حقیقی مساوات قائم تھی، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے اپنے اوّلین خطبے میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میرے اندر کوئی غلطی دیکھیں یا کوئی ٹیڑھا پن پائیں تو اسے سیدھا کردیں، (۶۸) حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ بننے کے بعد حضرت اُبی بن کعب الانصاری کے ساتھ ایک نزاعی معاملے میں حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حاضر ہوتے ہیں، جب حضرت عمرؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ عدالت میں آئے تو حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المؤمنین! آپ مجھے طلب فرمالیتے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا، حضرت عمرؓ نے فوراً جواب میں فرمایا ''کہ فیصلے فیصلوں کی جگہ پر کئے جاتے ہیں'' گویا انھوں نے قضاء کے ایک اہم اصول کی طرف اشارہ فرمادیا جس سے مساوات کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں، اور عہدۂ قضاء کی عظمت بھی محفوظ رہتی ہے، اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے ازراہ احترام حضرت عمرؓ کو اپنے قریب بٹھلانا

چاہا تو حضرت عمرؓ نے صاف انکار فرمادیا، اور یہ اصرار کیا کہ وہ مجلس قضاء میں فریق مخالف کے برابر میں ہی بیٹھیں گے، اس کے ساتھ ہی حضرت زید بن ثابتؓ سے یہ بھی فرمادیا کہ یہ تمہاری پہلی زیادتی ہے جب دونوں فریقوں نے اپنے دلائل سامنے رکھدیے، اور قاضی کے سامنے کوئی واضح صورت حال نہ آئی تو انھوں نے اُبی ابن کعبؓ سے قسم کھلوائی، اور ان سے یہ بھی کہا کہ وہ عمرؓ سے قسم نہ کھلوائیں مگر عمرؓ نے یہ تفریق قبول نہیں فرمائی، بلکہ اپنی قسم پر بھی اصرار کیا، اور قسم کھائی، قاضی نے اس تنازع میں زمین کا فیصلہ حضرت عمرؓ کے حق میں کیا، اس فیصلے کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ زمین حضرت اُبی بن کعبؓ کو ہبہ کردی (۶۹) ایک مرتبہ کسی شخص نے آکر کہا اے عمرؓ اللہ سے ڈر، حاضرین میں سے کوئی شخص بول پڑا کیا تو امیرالمومنین سے ایسا کہتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے کہنے دو، اگر تم لوگ ایسا نہ کہو گے تو یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی، اور اگر ہم قبول نہ کریں گے تب بھی اچھی بات نہ ہوگی۔ (۷۰) حضرت عمرؓ نے فئی اور مال غنیمت کے پانچویں حصے میں تمام مسلمانوں کا حق متعین فرمادیا تھا، اس سے بڑھ کر مساوات کا کیا مظاہرہ ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ نومولود بچوں کو بھی ان کا حصہ دیا جاتا تھا، کسی مسلمان گھرانے میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو حضرت عمرؓ اپنے رجسٹر میں اس کا نام لکھوالیتے اور اس کا حصہ متعین کردیتے، ایک مرتبہ بحرین کے گورنر حضرت ابوہریرہؓ وصولیابی کے پانچ لاکھ درہم لے کر حاضر ہوئے، جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ابوہریرہؓ پانچ لاکھ درہم لے کر آئے ہیں تو حیرت میں رہ گئے، اور منبر پر تشریف لاکر فرمایا کہ لوگو! ہمارے پاس بہت سا مال آیا ہے، اگر تم چاہو تو ہم تمہیں تول کردے دیں اور چاہو تو گن کردیں (۷۱) تقسیم غنائم کے موقع پر فرمایا کرتے تھے، اللہ کی قسم! اگر غنیمتیں اسی طرح آتی رہیں تو صنعاء کے پہاڑوں پر بکریاں چرانے والا چرواہا اس مال سے طلب کی کوشش کے بغیر اپنی جگہ رہتے ہوئے اپنا حصہ حاصل کرے گا۔ (۷۲)

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا آپ نے اپنی خوراک انتہائی کم کردی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ نے گوشت اور گھی جیسی چیزیں کھانی بند کردی تھیں، حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ قحط کے زمانے میں آپ صرف زیتون کا تیل استعمال فرماتے، عام مسلمانوں کی تکلیف سے اس قدر بے چین رہتے تھے کہ خود ہی اپنی کمر پر لادلاد کر سامان خورد ونوش ضرورت مندوں کے گھروں تک پہنچاتے، عیاض بن خلیفہؓ کہتے ہیں کہ قحط کے دوران کم غذائیت کی بنا پر آپ کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا، (۷۳) انس بن مالکؓ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں گیہوں مہنگا ہوگیا تو آپ نے گیہوں کے بجائے جو کی روٹی کھانی شروع کردی، جو کے استعمال سے آپ کو پیٹ کی بیماریاں لاحق ہوگئیں، آپ اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر فرماتے کہ جب تک مسلمانوں کو خوش حالی نصیب نہ ہوگی تیرے ساتھ یہی معاملہ رہے گا، (۷۴)

شوریٰ کی اہمیت: شورائیت کا نظام اسلام کی عطا کردہ وہ بیش بہا نعمت ہے، اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے، اس نظام کے ذریعے امن واطمینان کا دور دورہ رہتا ہے اور ملک میں سیاسی استحکام پیدا ہوتا ہے، آپس میں محبت اور جذبۂ تعاون کو فروغ ملتا ہے، حاکم اور محکوم کے درمیان جو خلیج ہے وہ کم ہوجاتی ہے، اور دونوں ایک دوسرے سے قرب محسوس کرتے ہیں، مشورہ اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ حاکم اپنی رائے میں تنہا نہ رہ جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ رائے غلط بھی ہو۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ جماعت کی رائے فرد کی رائے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوتی ہے، کیوں کہ وہ کئی افراد کے اجتماعی غور وفکر کے بعد اور مختلف حضرات کے تجربات کی روشنی میں سامنے آتی ہے، اسی لیے ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ شوریٰ شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ ہے، جو حکام اہل علم اور اصحاب دین سے رائے مشورہ نہ کریں انھیں ان کے منصب سے معزول کر دینا چاہئے۔(۷۵) اللہ تعالیٰ نے اُن اہل ایمان کی توصیف فرمائی ہے جو باہمی مشاورت کرتے ہیں، فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۷۶)

''اور وہ لوگ جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور اپنے کام باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ نے عطا کیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔''

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضرات انصارؓ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو وہ آپس میں مشورہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عادت کی مدح فرمائی، حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ وہ رائی مشورے کی وجہ سے اپنے معاملات میں متحد نظر آتے تھے، ان میں کسی طرح کا اختلاف ہی نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ان کے اسی اتحاد کی تعریف فرمائی گئی (۷۷) اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (۷۸) ''سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجئے، اور ان سے معاملہ میں مشاورت کیجئے۔'' مفسر قرآن حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اسی لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگوں کے موقع پر صحابۂ کرام سے مشاورت فرمایا کرتے تھے اور مشورے میں جو بات طے ہوتی اس پر عمل بھی فرماتے (۷۹) علامہ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تاکہ حضرات صحابہؓ کی دل جوئی ہو اور ان کی رائے سامنے آجائے نیز آپ کا یہ عمل مشاورت امت کے لیے سنت بھی قرار پائے (۸۰) علامہ ابن حجرؒ نے ابن اُبی حاتم کی ایک روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ حالاں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر بعد میں آنے والوں کے لیے یہ امر سنت بن جائے اس لیے مشورے کا حکم دیا گیا (۸۱) گویا مشورہ ذمہ داری میں شرکت کا ایک قابل اعتماد ذریعہ ہے، اسی لیے امام بخاریؒ نے مذکورہ دونوں آیتوں کا ذکر کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ایک خاص باب کے تحت فرمایا ہے، یہ بات امام بخاریؒ کی دقتِ نظر، اور تفقہ پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے مشورے کی سنت پر عمل کرنے کو کتاب وسنت پر عمل کرنا قرار دیا ہے، گویا ترک مشورہ انحراف وبدعت ہے، مشورے کی فضیلت میں علماء سے بڑے بڑے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس قوم نے مشاورت کی، اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ سے بھی زیادہ افضل کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے ایک مرتبہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو حق کی ہدایت دیتا ہے، اور جو چیز نفع بخش ہے اس کی طرف رہ نمائی کرتا ہے (۸۲)

کسی عقل مند نے کہا ہے کہ میں کبھی خطا نہیں کرتا، جب کوئی معاملہ مجھے درپیش ہوتا ہے تو میں اپنی قوم سے مشورے کے لیے سامنے رکھ دیتا ہوں، اور اس سلسلے میں ان کی جو رائے ہوتی ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہوں، اگر معاملہ درست رہتا ہے تو گویا سب کی رائے صحیح ہوتی ہے، اور غلط ہوتا ہے تو گویا سب غلطی پر ہوتے ہیں تنہا مجھ پر خطا وصواب کی ذمہ داری نہیں ہوتی (۸۳) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اہم معاملات میں امانت دار اہل علم سے مشورہ کرلیا کرتے تھے، ہاں اگر کتاب وسنت میں کوئی وضاحت مل جاتی تو پھر مشورے کی ضرورت محسوس نہ فرماتے، (۸۴) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی مشورے کی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ: ما رأیت احدا اکثر مشورۃ لأصحابه من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (۸۵) ''میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

چنانچہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے جنگ بدر کے سلسلے میں، بدر کے قیدیوں کے متعلق، غزوۂ خندق، اور صلح حدیبیہ جیسے عمومی معاملات میں بھی مشورے فرمائے اور واقعۂ افک جیسے خصوصی معاملات میں بھی مشاورت فرمائی، حضرات خلفائے راشدین سے بہ کثرت ایسے واقعات روایت کئے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات بہت زیادہ مشورہ کیا کرتے تھے، بلکہ ان حضرات نے گویا مشورے کا زبردست التزام کر رکھا تھا، یہاں تک کہ خلیفہ کے انتخاب میں بھی مشورہ کیا گیا، اہل ارتداد کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا، امام بیہقیؒ نے میمون ابن مہران سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کو کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو پہلے قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے، اس میں حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرمادیتے، کتاب اللہ میں کچھ نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا حل تلاش کرتے، اور اس کے مطابق عمل فرماتے، اور اگر سنت میں بھی کچھ نہ ملتا تو باہر آکر مسلمانوں سے پوچھتے، اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اہم مسلمانوں کو یا اہل علم کو بلاکر ان سے مشورہ فرماتے (۸۶) یہی معمول حضرت عمرؓ کا بھی تھا، قراء حضرات ان کی مجلس شوریٰ کے غیر رسمی اراکین تھے، عمر کی بھی کوئی قید نہ تھی، خواہ عمر رسیدہ ہوتے یا جوان، سب قراء اہل علم ان کے نزدیک مشورہ دینے کے اہل تھے (۸۷) حضرت عمرؓ نے عورت کا حمل ساقط کرنے کے سلسلے میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام سے اس سلسلے میں مشورہ کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے پیٹ کا بچہ گرادے تو کیا دیت لازم ہوگی، حضرت مغیرہؓ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرّہ دینے کا حکم دیا ہے خواہ وہ غلام ہو یا باندی، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر تمہارے ساتھ کوئی گواہ ہے، محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کا فیصلہ فرمایا تھا، (۸۸) اہل فارس سے قتال کے متعلق بھی حضرت عمرؓ سے مشاورت منقول ہے، ایک مرتبہ شام میں طاعون کی بیماری پھیلی، حضرت عمرؓ نے اس وقت بھی صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان حالات میں وہاں جانا چاہیے یا نہیں (۸۹) مرض وفات کے دوران آپ نے چند بڑے صحابہ کی ایک کمیٹی بنادی تا کہ وہ حضرات ان کی وفات کے بعد نیا خلیفہ متعین کرنے کے لیے مشاورت کریں، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ

حضرت عمرؓ کے نزدیک مشاورت کی بڑی اہمیت تھی، حضرت عثمانؓ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں مشورہ کیا، انھوں نے ہرمزان کو اس گمان پر قتل کردیا تھا کہ ان کے والد حضرت عمر ابن الخطابؓ کے قتل میں اس کا کوئی کردار ہے، اسی طرح انھوں نے لوگوں کو قرآن کریم کے ایک مصحف پر جمع کرنے پر بھی صحابۂ کرام سے مشورہ لیا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مصحف قرآن کے سلسلے میں جو اقدام کیا وہ ہم سب کی رائے سے کیا(۹۰) خلافت راشدہ کی تاریخ کے یہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ حضرات خلفائے راشدین نے ان تمام اہم امور میں جو مشورہ طلب ہوتے ہیں، اصحاب رائے سے مشورے کا التزام رکھا ہے، مثلاً فوجوں کی روانگی، قائدین کی تعیین، امراء و حکام کا تقرر، پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت کی نصوص موجود نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کی ضرورت کے مواقع پر اہل لوگوں کو بلاکر، یا ان کے پاس جاکر مشورہ کرنا ان حضرات کے معمول میں شامل تھا، خود ان حضرات کا انتخاب بھی باہمی مشاورت کے بعد ہی ہوا، اگرچہ چاروں حضرات کے انتخاب کے موقع پر مشاورت کی صورتیں مختلف رہیں، حضرت عمرؓ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر بیعت کرلے اس کی بیعت ہی صحیح نہیں ہے(۹۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت وخلافت میں بھی مشورے کی بنیادی اہمیت ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کا منہج: اسلامی حکومت؛ دنیا کی باقی حکومتوں کے مقابلے میں اس اعتبار سے ممتاز و ممیز ہے کہ اس کے نظام کے تمام اصول واحکام نصوص شرعیہ سے ماخوذ ہیں، مسلم ملکوں میں غیر مسلمین کی حیثیت، اور غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کی حیثیت اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت بھی اسلامی شریعت کی روشنی ہی میں متعین کی گئی ہے، خلفائے راشدین نے غیر مسلمین کے ساتھ اسلامی مملکت کے تعلقات ان ہی احکام کی روشنی میں قائم کئے، شریعت کی رو سے مملکت کی تین نوعتیں ہیں دارالاسلام، دارالعہد یا دارالصلح ، دارالکفر ، دارالاسلام میں تمام باشندوں پر خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، شریعت کے احکام نافذ ہوں گے، البتہ دونوں کے لیے الگ الگ احکام ہیں، غیر مسلم جزیہ دے کر دارالاسلام میں رہ سکتا ہے، اسے کچھ شرائط کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی، مثلاً یہ کہ وہ مظاہر اسلام کا التزام رکھیں، صلیب نہ لٹکائیں، شراب نہ پئیں، کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچائیں، اپنا عبادت خانہ تعمیر نہ کریں، اپنے مذہب کی اشاعت نہ کریں، مسلمانوں کو اپنی مذہبی کتابیں نہ دیں اپنے تہوار کھلے طور پر نہ منائیں، اور مسلمانوں کے مکانات سے اونچے مکانات تعمیر نہ کریں، دارالصلح یا دارالعہد کا حکم یہ ہے کہ اگر وہاں کے باشندوں سے کوئی معاہدہ ہوا ہے تو فریق ثانی کے پابند ہونے کی صورت میں مسلمان بھی اس معاہدے کے پابند ہوں گے، البتہ مصالحت یا معاہدے دائمی نہیں ہوتے، اس میں توقیت ہونی چاہئے، متعدد علماء نے اس طرح کے معاہدوں کی زیادہ سے زیادہ مدت دس سال رکھی ہے، اس سلسلے میں ان حضرات نے صلح حدیبیہ کی مدت سے استدلال کیا ہے(۹۲) جہاں تک دارالحرب کا معاملہ ہے اس کے باشندوں کے سامنے اوّلاً اسلام کی دعوت پیش کی جائے گی، اور انھیں اللہ کی اطاعت کے لیے کہا جائے گا، اگر وہ یہ دعوت قبول نہ کریں تو اسلامی مملکت کے پاس اس ملک سے جنگ وجدال کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹۳)

''سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو، اور پکڑو، اور باندھو، اور گھات لگا کر ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں، اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑے رحم والے ہیں۔''

حضرات خلفائے راشدین نے ارض اسلام اور ارض غیر مسلمین سے تعلق رکھنے والے جملہ احکام کو پورے طور پر نافذ کیا ہے، ان کے دور خلافت میں دنیا کی دو بڑی حکومتیں سرنگوں ہوئیں، جن میں سے ایک فارس کی حکومت ہے اور دوسری رومن سلطنت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان ملکوں کی سرزمین اور ان کے خزانوں کا وارث مسلمانوں کو بنایا، اور یہ ملک دار الکفر سے دار الاسلام میں تبدیل ہوئے، جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر جزیہ جاری کیا گیا جو انھوں نے ذلت وخواری کے ساتھ ادا کیا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۹۴)

''اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور ذلیل وخوار ہو کر جزیہ دینا منظور کریں۔''

حضرات خلفائے راشدین نے غیر مسلم تاجروں پر ارض اسلام سے گزرنے اور وہاں تجارت کرنے کی صورت میں بہ طور ٹیکس عشر بھی لگایا، عہد خلافت راشدہ میں جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال کر باہر کر دیا گیا، کیوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں اپنے اس عزم کا اظہار بھی فرمایا تھا اور حضرات صحابہؓ کو اس کا حکم بھی دیا تھا:

لأخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب حتى لا ادع فيها إلا مسلما(۹۵)

''میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال کر رہوں گا یہاں صرف مسلمان باقی رہیں گے۔''

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: اخرجو المشركين من جزيرة العرب (۹۶) ''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر کر دو۔''

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں خیبر کے یہودیوں سے کہلوایا کہ سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کے ساتھ کچھ شرطوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا وہ خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جلاوطن کرنے کا حکم دے کر ختم فرمادیا تھا، اب تم جزیرۃ العرب خالی کرو، حضرت عمرؓ نے ارض حجاز سے تمام یہودیوں اور نصرانیوں کو نکال باہر کیا اور ان کی زمین اہل حدیبیہ کو دیدی (۹۷)

یہ ہیں عہد خلفائے راشدین کی چند نمایاں خصوصیات و امتیازات، اس میں شک نہیں کہ عہد نبوت کے بعد تاریخ اسلام کا یہ ایک زریں عہد ہے، جس میں اسلام کا سورج اپنی پوری توانائی اور اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہوا، ہم اس عہد پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

حوالہ جات:

(١) مسند احمد بن حنبل: ٢٨/٣٦٧، رقم الحدیث: ١٧١٤٣، سنن ابن ماجہ: ١/١٤، رقم الحدیث: ٤٣
(٢) مسند احمد بن حنبل: ٣٠/٣٥٥، رقم الحدیث: ١٨٤٠٦ از
(٣) الطبقات الکبریٰ ابن سعد: ٣/٢٩٩
(٣) الطبقات الکبری: ٣/٢٩٩
(٤) مسند احمد بن حنبل: ٥/٤١١
(٥) السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ٢/٦٦١، تاریخ الطبری: ٣/٢١٠
(٦) مسلم: ٣/١٤٥، رقم الحدیث: ١٨٢١
(٧) البدایہ والنہایہ: ٧/٤٨
(٨) مسند البزار البحر الذخار: ٧/٢٢٤
(٩) مسلم: ٣/١٤٥٢، رقم الحدیث: ١٨٢١
(١٠) ترمذی: ٤/٥٠١، رقم الحدیث: ٢٢٢٣، ابوداؤد: ٢/٥٨٨ رقم الحدیث: ٤٢٨١
(١١) بذل المجہود: ٥/١٠١
(١٢) صحیح البخاری: ٨/٥٦١، رقم الحدیث: ٣٤٥٥، صحیح مسلم: ٦/١٧، رقم الحدیث: ٤٨٧٩)
(١٣) سنن ابن ماجہ: ١/١٦، رقم الحدیث: ٤٣
(١٤) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، المقصد الثانی
(١٥) سنن ابن ماجہ: ١/٥٥، رقم الحدیث: ١٥٤
(١٦) ابوداؤد: ٤/٣٣٩، رقم الحدیث: ٤٦٣٨
(١٧) ابوداؤد: ٤/٣٣٩، رقم الحدیث: ٤٦٣٩
(١٨) ابوداؤد: ٤/٣٣٩، رقم الحدیث: ٤٦٣٦
(١٩) ترمذی: ٥/٦٣٣، رقم الحدیث: ٣٧١٤
(٢٠) مسند البزار: ١/٢٢
(٢١) صحیح البخاری: ٩/٢١٠، رقم الحدیث: ٣٦٧٥، سنن الترمذی: ٥/٦٢٤، رقم الحدیث: ٣٤٦٧
(٢٢) فتح الباری: ٧/١٤
(٢٣) الحج: ٤١
(٢٤) الفتح: ٢٩
(٢٥) النور: ٥٥
(٢٦) ملخصاً از کتاب خلفائے راشدین، مصنفہ شاہ معین الدین ندویؒ
(٢٧) بخاری: ١/٥١٨
(٢٨) بخاری: ٤/١٥٨٤، رقم الحدیث: ٦١٠٠، ومسلم: ٧/١٠٩، رقم الحدیث: ٦٣٢٨
(٢٩) بخاری: ١/ ٤٧٦، رقم الحدیث: ٤٦٦، ومسلم: ٧/ ١٠٨، رقم الحدیث: ٦٣٢٠
(٣٠) سنن الترمذی: ٥/٦١٤، رقم الحدیث: ٣٦٧٣
(٣١) فتح الباری لابن حجر: ٢٠/٣٢٤
(٣٢) تاریخ الخلفاء ص: ٧١
(٣٣) تاریخ الطبری: ٢/ص: ١٨٥
(٣٤) مصنف عبدالرزاق ١١/ ٣٣٦، رقم الحدیث: ٢٠٧٠٢
(٣٥) الطبقات الکبری لابن سعد ٣/٤٢
(٣٦) سنن الترمذی: ١٢/١٣٦، رقم الحدیث: ٣٦١٩
(٣٧) صحیح البخاری: ٨/٥٨٠، رقم الحدیث: ٣٤٦٩، صحیح مسلم: ٤/١٨٦٤، رقم الحدیث: ٢٣٩٨
(٣٨) سنن الترمذی: ١٢/ ١٣٢، رقم الحدیث: ٣٦١٥
(٣٩) صحیح البخاری: ١/٨٧، رقم الحدیث: ٨٣، صحیح مسلم: ٧/ ١١٢، رقم الحدیث: ٦٣٤٠
(٤٠) الکامل فی التاریخ: ١/٣٧٣
(٤١) ابوداؤد: ٤/٣٣٩، رقم الحدیث: ٤٦٣٨
(٤٢) ابوداؤد: ٤/٣٣٩، رقم الحدیث: ٤٦٣٦
(٤٣) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء الفصل الثانی مبحث الخلافۃ الخاصۃ
(٤٤) البدایہ والنہایہ ٧/١٦٧)
(٤٥) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ١/٣٤٧

(۴۶) صحیح مسلم: ۱۱۹/۷، رقم الحدیث: ۶۳۷۰
(۴۷) ترمذی: ۶۳۲/۵، رقم الحدیث: ۳۷۱۲
(۴۸) تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۱۷/۲، سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱۲۰/۵
(۴۹) الحج: ۴۱
(۵۰) الجاثیة: ۱۸
(۵۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۴۹/۲، رقم الحدیث: ۱۵۱۵۶
(۵۲) صحیح البخاری: ۳۷۴/۱۸، رقم الحدیث: ۷۵۲۳
(۵۳) تاریخ الطبری: ۲۲۴/۲
(۵۴) الحاکم فی المستدرک: ۶۲/۱
(۵۵) صحیح مسلم: ۱۳۴۴/۳، رقم الحدیث ۱۷۱۸
(۵۶) مسلم: ۳۸/۱، رقم الحدیث: ۱۳۳
(۵۷) الریاض النضرة فی مناقب العشرة: ۴۵/۱
(۵۸) البدایہ والنهدایة: ۶/ ۳۰۴
(۵۹) سنن الدارمی: ۵۴/۱
(۶۰) بخاری: ۱۵/۶، رقم الحدیث: ۱۴۹۴، ابوداؤد: ۲۱۷/۵، رقم الحدیث: ۱۵۹۷
(۶۱) البدایہ والنہایہ: ۳۰۴/۶
(۶۲) کنز العمال: ۳۵۰/۶
(۶۳) صحیح البخاری: ۱۲/ ۴۲۵، رقم الحدیث: ۴۹۸۷
(۶۴) الملل والنحل: ۴/ ۱۸۶
(۶۵) البدء والتاریخ: ۲۹۶/۱
(۶۶) الحجرات: ۱۳
(۶۷) البیهقی فی شعب الإیمان: ۴/ ۲۸۹، رقم الحدیث: ۵۱۳۷
(۶۸) السیرة النبویہ لابن ہشام: ۶۶۱/۲، وتاریخ الطبری: ۲۱۰/۳
(۶۹) اخبار المدینہ: ۷۵۵/۲
(۷۰) مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ابن الجوزیؒ، ص: ۱۵۵
(۷۱) القریزی: ۹۲/۱
(۷۲) مسند احمد بن حنبل: ۴۲/۱، رقم الحدیث: ۲۹۲، الطبقات الکبری لابن سعد: ۲۹۹/۳
(۷۳) اخبار المدینہ: ۷۴۲/۲
(۷۴) الطبقات الکبری: ۲۹۹/۳، مصنف ابن أبی شیبہ: ۱۵۲/۸
(۷۵) المحرر الوجیز: ۲۸۰/۲
(۷۶) الشوری: ۳۸
(۷۷) تفسیر القرطبی: ۳۶/۱۶
(۷۸) آل عمران: ۱۵۹
(۷۹) تفسیر القرآن الکریم لابن کثیرؒ: ۱۴۳/۴
(۸۰) تفسیر البیضاوی: ۱۰۸/۲
(۸۱) فتح الباری: ۳۴۰/۱۳
(۸۲) فتح الباری: ۳۴۰/۱۳
(۸۳) تفسیر القرطبی: ۳۷/۱۶
(۸۴) صحیح البخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب السنۃ باب: ۲۸
(۸۵) السنن الکبری ببیهقی: ۲۱۸/۹، رقم الحدیث: ۱۸۵۸۷
(۸۶) فتح الباری: ۳۴۲/۱۳
(۸۷) فتح الباری: ۳۴۲/۱۳
(۸۸) صحیح البخاری: ۲۵۳۱/۶، رقم الحدیث: ۶۵۰۹
(۸۹) فتح الباری: ۳۴۲/۱۳
(۹۰) فتح الباری: ۳۴۲/۱۳
(۹۱) فتح الباری: ۳۴۲/۱۳
(۹۲) ملاحظہ ہو ابن القیم کی کتاب احکام اہل الذمۃ
(۹۳) التوبة: ۵
(۹۴) التوبة: ۲۹
(۹۵) صحیح مسلم: ۵/ ۱۶۰، رقم الحدیث: ۴۶۹۳
(۹۶) ابوداؤد: ۳/ ۱۲۸، رقم الحدیث: ۳۰۳۱
(۹۷) السنن الکبری للبیہقی: ۱۱۵/۶، رقم الحدیث: ۱۱۴۰۹

پروفیسر بدرالدین الحافظ ☆

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے انتظام وانصرام کا ایک جائزہ

ایک خلیفہ اپنے عہد میں پوری امت کا مرکز اطاعت ہوتا ہے اور اس کی مسلمانوں پر روحانی جسمانی سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کا اقتدار حاصل ہوتا ہے چونکہ اس کی حیثیت قانون کے شارح اور احکام کر نافذ کرنے والے کی ہوتی ہے، اس بنا پر اس کا ہر قول، قول فیصل اور ہر حکم واجب الاتباع ہوتا ہے اس سے بغاوت کرنا یا اس کی نافرمانی کرنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ کی؛ چنانچہ قرآن میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیساتھ اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے ان سے مراد وہی لوگ ہیں جو منصب خلافت پر سرفراز ہوں۔

اس مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم مندرجہ ذیل مضمون میں خلفاء راشدین کی حیات طیبہ سے صرف نظم ونسق اور انتظام وانصرام سے متعلق واقعات یا احکامات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے جو آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بر بنائے تاسیس تو خلافت اسلامی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ قائم ہوئی کیونکہ اسلامی عقیدہ اور ایمان کو ان کے سوا دو سالہ عہد میں جو پختگی اور مضبوطی حاصل ہوئی وہی آئندہ دولت اسلامیہ کی بنیاد بن گئی۔ مگر بحیثیت وسعت اور نظم وضبط اصول وقواعد کے دولت اسلامیہ یا اسلامی حکومت کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں پڑی اور اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ فاروق اعظم نے تو اسلام قبول فرما کر مسلمانوں کے سامنے نظم وضبط بے خوفی اور کھل کر عبادت کرنے کا ایک نمونہ پیش کر دیا تھا جس کے بعد مسلمان ایک منظم صورت میں نظر آنے لگے تھے، جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا تھا، اب خلافت کے منصب پر تشریف لانے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے جو اہم مسائل تھے ان میں اسامی لشکر کی روانگی، منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگ، اس کے علاوہ سرحدوں پر خلفشار وغیرہ اہم مسائل تھے، مگر ان سب میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی بروقت روانگی اس زمانے کی سیاست کا بہترین کارنامہ تھا؛ کیوں کہ اسی میں رسول اللہ ﷺ کے عمل

☆ جامعہ نگر نئی دہلی

اور حکم پر مضبوطی اور استحکام کے ساتھ کاربند رہنا نمایاں ہو رہا تھا تا کہ آئندہ کے لیے ایک مثال قائم ہو جائے۔

پھر اسامی لشکر کی روانگی کی اہمیت کو اگر اس وقت کے سیاسی حالات کی روشنی میں بھی دیکھیں تو اس سے صدیق اکبر ﷺ کے عزم کی تصدیق ہوتی ہے جب کہ حضرت اسامہ ﷺ کی سپہ سالاری بھی موضوع بحث بنی ہوئی تھی، ایسے حالات میں اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عزم بالجزم کا مظاہرہ نہ کرتے تو اتباع سنت اور اقتداء رسول ﷺ کا عمل ہمیشہ کے لیے مخدوش ہو جاتا، بہر حال یہ لشکر روانہ ہوا اور اس اعزاز کے ساتھ کہ امیر المومنین مشایعت کے لیے پیدل چل رہے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سپہ سالار تھے سوار تھے، پھر آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی فرمایا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا ہے اسی کے مطابق کرنا اس میں کمی نہ ہونے پائے، اس کے بعد اس کے نتائج اور ثمرات پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے آس پاس کے قبائل پر رعب طاری ہو گیا اور جو لوگ ارتداد کے بارے میں سوچ رہے تھے وہ بھی سہم گئے۔

اسی طرح حروب ردّہ کی کامیابی بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہم کامیابی ہے جس کا پیش خیمہ تو اسامی لشکر ہی تھا اور اس کا اعتراف خود یوروپین مؤرخین نے بھی کیا ہے، یہاں حقیقت یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ یقین کامل تھا کہ یہ جہاد حق ہے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اس میں اللہ نے کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر اس میں شک وشبہ کیسا، کامیابی دینے والا تو کوئی اور ہی ہے ہمارے پاس تو صرف کوشش ہے، پھر ارتداد کا چیلنج ایسے دشمنوں کی طرف سے تھا جو اسلام کی بنیادیں اکھاڑ دیتے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے برداشت کر لیتے جن کی زندگی وقار اسلام کے لیے وقف تھی، اس کے علاوہ مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی، مدعیان نبوت اور مرتدین سے جنگ آپ کے زمانے کے خاص کارنامے ہیں جن کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں، مگر آپ کا پہلا خطبہ آپ کے عزائم وافکار کی عکاسی کرنے کے لیے ایک مکمل اور جامع دستاویز ہے جسے ہم یہاں پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

> خطبہ کا ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کروں اور اگر میں برا کروں تو مجھ کو سیدھا کر دو، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ ایک خیانت ہے، تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا شکوہ دور کر دوں، اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق لے لوں، اور جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ ان پر مصیبت کو مسلط کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا اب جاؤ، نماز پڑھو، اللہ تم پر رحم فرمائیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اگر چہ خلافت اسلامیہ کا آغاز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ ہوا اور انہیں خلافت کا بانی کہا جا سکتا ہے، مگر اسلامی حکومت باقاعدہ اپنے رعب و دبدبے کے ساتھ نمایاں نہ ہوسکی؛ کیوں کہ یہ کام باری تعالیٰ نے خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے لیے مقدر فرمایا تھا اور اس کی کچھ تفصیل ہم آپ کے نظام حکومت میں دیکھ سکتے ہیں۔

فاروق اعظم کے دور میں شورائی نظام

آج کے جدید دور میں جمہوری تقاضوں کے مطابق عوامی نمائندوں کو دستور سازی اور حکومت کی اصل قوت سمجھا جاتا ہے چاہے وہ اپنی صلاحیت کی بنیاد پر منتخب ہو کر آئیں یا مصنوعی ذرائع اختیار کریں مگر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مجلس مشاورت کے لیے جن اصحاب کو یہ مرتبہ عطا کیا تھا اس کا معیار کچھ منفرد ہی تھا، مثلاً آپ اپنے دور کے جلیل القدر صحابہ کرام اور انصار ومہاجرین کے صاحب الرائے حضرات سے رجوع فرماتے اور وہی آپ کی مجلس مشاورت کے ارکان تھے، اس کے علاوہ آپ قوم کے اچھے عقلمند نوجوان سے بھی مشورہ لیتے اور بہت خوبصورتی سے جس رائے کو اچھا سمجھتے قبول کرتے اور جسے مفید نہ سمجھتے رد کردیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھے ایک ایسے شخص کی نشاندہی کیجئے جسے میں عامل بناسکوں، لوگوں نے پوچھا آپ کی شرط کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا شخص چاہئے جو قوم کا امیر نہ ہوتے ہوئے بھی امیر معلوم ہوتا ہو اور اگر اسے امیر بنادیا جائے تو عام آدمی معلوم ہو۔

تنظیم مملکت: فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حسن تدبیر سے پورے ملک کے نظم ونسق اور حساب وکتاب کی جانچ پرکھ کا ایک جامع نظام بنایا تھا اور اس کا جائزہ لینے کے لیے آپ نے حج کا مہینہ مقرر فرمایا تھا، اس ماہ میں تمام صوبوں کی مفصل رپورٹیں لائی جاتیں اور حساب دیکھے جاتے اور گورنروں عاملوں پر قائم خفیہ محکمہ اپنی رپورٹ پیش کرتا۔ مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں کے مظلوموں کی شکایت سنی جاتی، خود فاروق اعظم ﷺ اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرتے اور مشورہ دیتے، غرض اس مہینہ میں یہ اہم امور انجام دیے جاتے تھے۔

گورنروں کے دستور کا بنیادی اصول عوامی فلاح و بہبود اور واجبات کی ادائیگی پر تھا نہ کہ نام ونمود اور آرائش وزیبائش پر، اس اصول کے تحت اپنے گورنروں کو تحریر فرمایا۔ عوام کے لیے اپنے دروازے کھول دو اور بنفس نفیس ان کے معاملات سے رابطہ رکھو اور تمہارا رویہ عوام کیساتھ ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ تمہارے عدل وانصاف سے مطمئن ہوکر سکون کی زندگی گزاریں۔

اسی طرح آپ نے عوام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ

''میں نے تمہارے پاس حکومت کے ذمہ داروں کو بھیجا ہے اس لئے نہیں کہ وہ تمہیں تکلیف دیں

اور تمہارے مال حاصل کریں بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ تمہاری خدمت کریں اور تعلیم دیں''

گورنروں کے لیے آپ کی ہدایات نہایت واضح تھیں۔ آپ نے فرمایا جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے اور کتاب اللہ میں اس کا حل موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو، اگر اس میں نہ ملے تو سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر سنت میں بھی اس کا حل نہ پاؤ تو اجماع پر عمل کرو اور اگر یہاں بھی کوئی قول موجود نہ ہو تو اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرو اور ایسی صورت میں فیصلہ میں تاخیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

فاروق اعظم کے دور میں جب کسی جگہ کوئی عامل ''حاکم'' مقرر کیا جاتا تو خلیفہ ثانی از خود سب کے سامنے فرمان تقرری پڑھ کر سناتے اور سب کو گواہ بناتے۔

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک سے ہوئے کپڑے نہ پہنے گا چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اصل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا، یہ پروانہ تحریری شکل میں عامل کے سپرد کیا جاتا۔ اس کے علاوہ عامل کے پاس جس قدر مال واسباب ہوتا تھا اس کی مفصل فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھی جاتی تھی اور دوران ملازمت اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

حضرت عثمان غنی ؓ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اموی نسل سے تھے اور جاہلی دور میں بھی آپ کو مال و دولت سے بے پناہ عشق تھا مگر بے مقصد خرچ سے تو گریز کرتے لیکن خاندانی بزرگی کی مسابقت کے لیے جتنا بھی خرچ ہو جائے اس میں تامل نہ فرماتے۔

آپ نے اسلام قبول فرمایا کہ سخاوت اور فراخدلی کے کاموں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ مسلمانوں کے پانی کا ایک کنواں خریدا اور مفت پانی بھرنے کے لیے عام اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ مسجد کی توسیع کے لیے مصارف برداشت کئے اور عام طور پر قرضداروں کا بوجھ ہلکا کرنے غریبوں کی مدد کرنے قریب و بعید کے عزیزوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں ہمیشہ آگے رہے حضرت فاروق اعظم کی شہادت کے بعد جب منصب خلافت آپ کے سپرد کیا گیا تو آپ نے ذمہ دار افسران کو حکم دیا کہ وہ چرواہوں کی طرح ہو جائیں اور عوام کی طرف مال جمع کرنے کے مقصد سے نہ بڑھیں کیونکہ اس امت کے ابتدائی دور میں گلہ بان ہی پیدا کئے گئے تھے جمع خور نہیں لیکن عنقریب تمہارے عہدیدار مال جمع کرنے والے ہی ہو جائیں گے چرواہے نہیں رہیں گے، اور جب لوگ اس طرح کی روش پر آجائیں تو حیاء، امانت داری اور وفاداری سب منقطع ہو جائے گی، آپ کی خلافت کے بعد سب سے بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ قرب و جوار کے قبائل اور حکومتوں میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو دبدبہ اور ہیبت تھی وہ ختم ہوگئی اور نئی اسلامی حکومت کمزور سمجھی جانے لگی، اس لئے نئے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اہم خدمت بھی انجام دینی تھی کہ خلافت کی قدر و منزلت بدستور باقی رہے اور آس پاس کی حکومتیں یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ خلیفہ کی وفات یا قائد کی تبدیلی سے

مسلمانوں کی قوت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ چنانچہ آپ نے آس پاس کی انقلابی تحریکوں یا سورشوں کو ختم کر دینا ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ جہاں جیسی ضرورت تھی وہاں کارروائی سے کام لیا جس سے صلح کرنی تھی اس سے صلح کی اور جہاں قتال ضروری تھا وہاں جنگ سے کام لیا اس کے بعد آپ نے اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ ملکی حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھیں تا کہ بھاگنے والوں کو مرتد ہونے سے روکا جا سکے، فتنہ پروری اور جاسوسی کا قلع قمع کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا لشکر مشرق میں ہندوستان اور چین تک پہنچا اور شمال میں کیسپین سمندر کے عقب کی آبادیوں تک مغرب میں ترکی کے دروازوں اور اندلس کی سرحدوں تک اور جنوب میں سوڈان اور حبشہ کے کناروں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا اور ان اقدامات میں نہ تو آپ کو ضعف پیری نے ستایا اور نہ کوئی کمزوری محسوس ہوئی، اس کے علاوہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پالیسی تو یہ تھی کہ اسلامی مجاہدین کو دریا عبور کر کے کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو دریا کی سواری سے احتراز کرنا چاہئے مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حالات بدل چکے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر سمندر کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے تو رومیوں کے سمندری راستہ سے ہونے والے حملوں کا دفاع مشکل ہو جائے گا اور وہ بحری راستوں پر چند سالوں میں قابض ہو جائیں گے جیسے اس سے پہلے تھے، اس نقطۂ نظر سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہ ہمت وحوصلہ والا کارنامہ ایک عظیم کارنامہ تھا کہ انہوں نے اسلامی حکومت کو داخلی وخارجی خطرات سے نمٹنے کے لیے ایک نافع اور مفید حل کے طور پر اختیار کیا اور داخلی شورش کے باوجود جو آپ اندوہناک شہادت کا باعث بنیں، آپ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کی نہ صرف سرحدیں محفوظ رہیں بلکہ زمینی رقبہ میں کافی اضافہ ہوا۔

حضرت علی ﷺ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی خصائل وفضائل اور آنحضرت ﷺ سے قرابت کو قطع نظر کر کے جب ہم ان کی خلافت پر نظر کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد جن داخلی حالات کا آپ کو سامنا کرنا پڑا وہ مختلف گروہوں کی طرف سے سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے معمور تھے مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر آشوب حالات میں جو طریقہ کار اختیار کیا وہ نہایت مدبرانہ اور مخلصانہ حقائق پر مبنی نظر آتا ہے آپ نے گزشتہ دور میں جن قرابت داروں اور مالداروں کو قطعات زمین عطا کر دیئے تھے ان سے واپس لے لئے؛ تا کہ مساوات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مستحقین میں تقسیم کر دیے جائیں اور فرمایا اگر میں اس مال کو دیکھوں گا کہ اس کے ذریعہ شادیاں کی گئی ہیں یا کنیزیں خریدی گئی ہیں تو ان کو لوٹا دوں گا اور بیشک انصاف میں بڑی گنجائش ہے اس کے علاوہ اپنے ہر گورنر پر لازم قرار دیا کہ رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے ظلم وزیادتی کے ساتھ غلہ وصول نہ کیا جائے چاہے وہ مال حکومت کے حق کی وجہ سے ہی کیوں نہ لیا جاتا ہو۔

آپ نے گورنروں کو یہ ہدایات بھی جاری کی کہ اپنی طرف سے لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لو اور ان کی ضروریات کے لیے صبر وتحمل اختیار کرو، خراج وصول کرنے کے لیے لوگوں کے سردی گرمی کے کپڑے اور سواری فروخت مت کرو اور نہ غلام کو

بیچو، اور ایک درہم کے بدلے کسی کو کوڑا مت مارو خراج لینے کے لیے لوگوں کے پاس نہایت پرسکون اور پروقار انداز میں جاؤ، پھر انہیں معلوم کرواور کہو اے اللہ کے بندوں مجھے اللہ کے ولی اور خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ تمہارے مال میں جو اللہ کا حق ہے وہ وصول کروں اگر ہے تو اسے اس کے ولی کو عطا کردو اگر اس کے جواب میں کوئی انکار کردے تو دوبارہ مت کہو، اگر تم پر کوئی شخص احسان کرے تو اچھا برتاؤ کرو، نہ اسے ڈراؤ نہ دھمکاؤ، جو بھی وہ تمہیں سونا چاندی دیں اسے لے لو اور اگر اس کے پاس چوپایہ یا اونٹ ہو تو اس کی اجازت سے لو سختی سے اس پر مسلط مت ہو جاؤ اور نہ مالک کو پریشان کرو، مالک کی پسند کے مطابق اس سے مال لو اور ہمیشہ اسی طرح کرو تا کہ اس کے مال میں جو اللہ کا حق ہے وہ باقی رہ جائے اور تم اس پر قبضہ کرلو اور اگر کوئی معاملہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہے تو منسوخ کردو، اس کے علاوہ آپ نے اپنے عمال اور افسران کو بڑی جامع ہدایات فرمائیں، آپ نے فرمایا: اپنے مخصوص اور صاحب اثر کو ذمہ داریاں مت دو کیونکہ یہ لوگ تو ظلم وستم اور خیانت کرنے والے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کو منتخب کرو جو تجربہ کار ہو شرم وحیاء والے نیک گھروں کے لوگ ہوں اسلام قبول کرنے میں مقدم ہوں کیونکہ یہ لوگ اخلاقی اعتبار سے اچھے ہوں گے صحیح مال واسباب والے ہوں گے لالچی اور فضول خرچ نہیں ہوں گے۔

مراجع

(۱) مولانا سعید احمد اکبرآبادی ''صدیق اکبر'' ندوۃ المصنفین دہلی

(۲) علامہ شبلیؒ ''الفاروق'' فرید بک ڈپو دہلی۔

(۳) محمد حسین ہیکل ''حضرت عثمان ابن عفان'' اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی

(۴) عباس محمود العقاد ''عبقریت الصدیق'' اردو ترجمہ ''صدیق اکبر'' مکتبہ وحیدیہ دہلی۔

(۵) عباس محمود العقاد ''عبقریت عمر'' اردو ترجمہ ''فاروق اعظم'' مکتبہ وحیدیہ دہلی۔

(۶) عباس محمود العقاد ''عبقریت عثمان غنی'' اردو ترجمہ ''عثمان غنی'' مکتبہ وحیدیہ دہلی۔

(۷) عباس محمود العقاد ''عبقریت الامام علی'' اردو ترجمہ ''حضرت علی'' مکتبہ وحیدیہ دہلی۔

مولانا غیاث احمد رشادی

خلافت راشدہ میں بیت المال کا نظام

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ اور بیت المال کا نظام

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں آمدنی اور اخراجات کے اصول وضوابط بالکل سادہ تھے، مسلمانوں سے زکوٰۃ اور صدقات کی جو رقم وصول ہوتی تھی وہ ضرور تمندوں میں تقسیم کردی جاتی تھی، مال غنیمت، خمس یا مال فئی کی اتنا زیادہ بہتات نہ تھی کہ اس کی تقسیم کیلئے مستقلاً کوئی باقاعدہ نظام قائم کیا جائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اگر چہ کہ بیت المال قائم ہوگیا تھا، اس کیلئے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن آمدنی کا ذخیرہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ آپؓ کا معمول یہ تھا کہ جو آمدنی بھی آتی تھی اس کو ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا تھا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کردیتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ اور بیت المال کا قیام

جب مسلمانوں نے فارس وروم کے علاقے فتح کئے اور دولت وثروت کی ریل پیل ہونے لگی اور اس دولت کو مستحقین پر محض اپنی رائے سے تقسیم کرنا مجلس شوریٰ کی بس کی بات نہ رہی تو اس کیلئے باقاعدہ محکمہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور بیت المال کو متمدن ملکوں کے اصول پر ترتیب دینا ضروری سمجھا گیا اور حضرت عمرؓ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور اس نظام کے استحکام کیلئے مختلف شعبہ جات قائم کئے گئے تو انہی کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی گئی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کئے گئے اور ان کیلئے وسیع وعریض عمارتیں بھی بنوائی گئیں اور ان پر نہایت ہی لائق اور دیانت دار افسر مقرر کئے گئے، دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ، کوفہ کے افسر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اصفہان کے افسر خالد بن حرثؓ تھے، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیت المال کی ضرورت شدت سے اس وقت محسوس ہوئی جب ۱۵ رسن ہجری کو بحرین سے پانچ لاکھ کی کثیر رقم آئی۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ طلب کی اور ان سے مشورہ کیا کہ یہ رقم کس طرح خرچ کی جائے؟ حضرت علیؓ نے

☆ صدر صفا بیت المال، انڈیا

فرمایا جو کچھ رقم آپ کے پاس جمع ہو وہ سال بہ سال خرچ کر دی جایا کرے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، آمدنی کی کثرت ہے، اگر پانے والوں کے نام ضبط تحریر نہ کئے جائیں تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کس نے لیا اور کیا لیا اور کس نے نہ لیا۔

ولیدؓ بن ہشام نے کہا، میں نے شاہانِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے اسی کام کیلئے دفتر قائم کر رکھے ہیں، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور بیت المال کا محکمہ قائم کرنے کا حکم دیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کو بلا کر اس کی تدوین کا کام ان کے سپرد کیا، بیت المال کا صدر دفتر مدینہ منورہ میں قائم کیا گیا اور اسی صدر دفتر کے ماتحت تمام اسلامی صوبہ جات کے صدر مقامات میں بیت المال کے دفاتر قائم کئے گئے۔ صوبائی دفاتر میں مقامی باشندوں کی سہولت کیلئے ملکی زبانوں میں کام ہوتا تھا، عبدالملک بن مروان نے ماتحت تمام دفاتر کو بھی عربی زبان میں منتقل کرادیا۔

بیت المال کے مداخل ومخارج (آمدنی واخراجات)

خلافتِ راشدہ کے محاصل کی دو بڑی قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

(۱) وہ محاصل جو غیر مسلموں سے متعلق ہیں۔

(۲) وہ محاصل جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

بیت المال کو جو محاصل غیر مسلموں سے حاصل ہوتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

(الف) خراج: جن ملکوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے وہاں کی تمام زمینیں اہل ملک ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں، البتہ پیداوار کے لحاظ سے ان پر نہایت قلیل مالگزاری مقرر کر دی گئی، مالگزاری کی شرح کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عراق میں گیہوں پر فی جریب (پون بیگھ پختہ) دو درہم سالانہ اور جو پر اس سے نصف وصول کیا جاتا تھا۔ کھجور جو عراق کی خاص پیداوار تھی اور وہاں کی تجارت کا دارومدار بھی اسی پر تھا اس پر کوئی مالگزاری نہ تھی، اس خفیف شرح مالگزاری کے باوجود عہد فاروقی میں صرف ملک عراق کا خراج دس کروڑ درہم تھا اور اس رقم میں ان زمینوں کی آمدنی شامل نہیں ہے جو شاہی خاندان کی جاگیریں یا مفرور باغیوں کی جائیدادیں تھیں اور جنہیں حضرت عمرؓ نے ''خالصہ'' قرار دے کر بیت المال کیلئے مخصوص کر دیا تھا، ان زمینوں کی آمدنی ستر لاکھ درہم علیحدہ تھی، خالصہ نامی اراضی کی آمدنی رفاہِ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی اور کبھی کبھی ان ہی زمینوں میں سے اسلامی خدمات کے صلہ میں جاگیریں بھی دی جاتی تھیں۔

(ب) جزیہ : مسلمانوں نے جن ممالک کو فتح کر لیا یا جن ملکوں نے اسلامی نظام سے اپنا الحاق قبول کر لیا، وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو ذمی کہا جاتا تھا، یعنی ایسے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ فرض ہو جاتی تھی، اس حفاظت کے معاوضہ میں مسلمان غیر مسلموں سے سالانہ ایک قلیل رقم ''جزیہ'' کے نام سے وصول کیا کرتے تھے۔ جزیہ صرف ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا، جو (۲۰) سال سے (۵۰) سال کی عمر کے لوگ ہوتے تھے، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور معذوروں

پر جزیہ معاف تھا، ناداروں سے بھی جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔

(ج) **مال غنیمت** : جنگ کے دوران مسلمانوں کو دشمنوں سے جو کچھ ہاتھ لگتا تھا وہ مال غنیمت کہلاتا تھا، مال غنیمت کا پانچواں حصہ جس کو خمس کہا جاتا ہے بیت المال کے حوالے ہوتا تھا اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔

(۲) بیت المال کو جو محاصل مسلمانوں سے حاصل ہوتے تھے ان کی تفصیلات یہ ہیں:

(الف) زکوٰۃ : مسلمانوں کے مال، سامانِ تجارت اور مویشی کی ایک معین مقدار پر اس کا چالیسواں حصہ بطور محاصل کے مقرر کیا گیا، جو سالانہ وصول کیا جاتا تھا

(ب) **عشر** : مسلمانوں کی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ مقرر ہوا اور عشر ہر فصل پر وصول کیا جاتا ہے نہ کہ سالانہ

(ج) **صدقات** : صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارہ وغیرہ کی رقوم اور ملی اور قومی ضرورتوں کے وقت عام چندوں کی رقوم سب صدقات میں شامل ہیں۔

(د) **عشور** : مسلمان سوداگر جب اپنا مال تجارت دوسرے ملکوں میں لے جاتے تو وہاں ان سے چنگی وصول کی جاتی تھی۔

قابل توجہ بات: غیر مسلموں سے محاصل کی وصولی کے سلسلہ میں خلافت راشدہ کے اسلامی نظام حکومت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں پر محاصل کا بوجھ بہت کم ڈالا گیا اور ان محاصل کی وصولی میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی تھی، تاکہ ذمیوں پر ظلم نہ ہونے پائے۔

قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب عراق سے سالانہ خراج وصول ہو کر آتا تو حضرت عمرؓ ریاستوں کے معززین کو شہادت میں طلب کرتے، انہیں اللہ کی قسم کھا کر اقرار کرنا پڑتا کہ خراج کی وصولیابی میں کسی مسلم یا غیر مسلم پر ظلم نہیں کیا گیا ہے اور جو کچھ وصول ہوا ہے وہ بخوشی خاطر ہوا ہے، امام ابو الفرج ابن جوزی نے مناقب عمر میں لکھا ہے کہ عمر بن میمون کی حضرت عمرؓ سے ان کی شہادت سے چند دن قبل ملاقات ہوئی، انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما سے متفکرانہ انداز میں فرما رہے ہیں۔

تم نے عراق میں محاصل کی وصولیابی میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟ مجھے خوف ہے کہ تم نے مقررہ شرح سے زیادہ وصول نہ کر لیا ہو، ان دونوں نے عرض کیا، امیر المومنین ایسا نہیں ہو سکتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر زندگی بخیر رہی تو میں ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ عراق کی کوئی بیوہ عورت کسی کی محتاج نہ رہے گی، اس واقعہ کے چار روز بعد حضرت عمرؓ شہید ہو گئے۔

بیت المال کے مداخل ومخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی، یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال بھیج دی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ مصر کے والی حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوتی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو دار الخلافہ بھیج دو۔

حساب کتاب

بیت المال میں جو کچھ آمدنی آتی تھی اس کا حساب و کتاب نہایت صحیح طور پر مرتب کیا جاتا تھا، اکثر اوقات خود حضرت عمر فاروق ؓ زکوٰۃ اور صدقات کے مویشیوں کو شمار فرماتے تھے اور ان کا رنگ، حلیہ دیکھ کر لکھاتے تھے، ایک مرتبہ صدقہ کے اونٹ آئے ہوئے تھے، حضرت فاروق اعظم حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان اونٹوں کو دیکھنے کیلئے گئے، حضرت عثمانؓ سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کے پاس کھڑے جو کچھ فاروق اعظمؓ کہتے تھے وہ حضرت عثمانؓ کو بتاتے اور لکھاتے جاتے تھے اور خود فاروق اعظمؓ دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑے ہوئے ایک سیاہ چادر پہنے اور دوسری چادر سر پر ڈالے ہوئے صدقہ کے اونٹوں کو شمار کرتے تھے۔

بیت المال کی حفاظت

بیت المال میں موجود ساری چیزیں مسلمانوں کی امانت ہوتی ہیں، خلافتِ راشدہ کے دور میں بیت المال کی حفاظت کا اس قدر اہتمام تھا کہ آج شائد اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے، بیت المال کا ایک ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا، حضرت عمر فاروق ؓ بیت المال کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے، ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے عین اسی وقت ایک رئیس حضرت احنف بن قیسؓ آپ سے ملنے کیلئے آئے، دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں، حضرت احنفؓ کو دیکھا تو فرمایا،

آؤ تم بھی میرا ساتھ دو بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا، امیر المؤمنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دے دیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟

فاروق اعظم کی احتیاط

فاروق اعظم کے دور میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آرہے تھے، لیکن اس میں حضرت عمرؓ کا حصہ صرف بقدر کفاف روزینہ تھا، اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لئے حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا، نہایت معمولی سی چیز تھی، لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لئے ہوئے اسے لینا آپ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا، مسجد نبوی میں جاکر مسلمانوں سے کہا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔

ایک مرتبہ مال غنیمت آیا، آپ کی بیٹی حضرت حفصہؓ نے آکر عرض کیا، امیر المؤمنین! میرا حق مجھ کو دیجئے میں ذوی القربیٰ ہوں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا، جانِ پدر! تیرا حق تیرے ذاتی مال میں ہے یہ تو غنیمت کا مال ہے، یہ خشک جواب سن کر حضرت

حفصہ لوٹ گئیں۔

حضرت عمرؓ کو اپنے مرحوم بھائی زیدؓ کی بچی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی، آپ اسے آزردہ کرنا نہ چاہتے تھے، اس لئے پیار کرکے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا، انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے؟ حضرت عمرؓ کے ایک بچہ کو دے دیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا؟ تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے قرض مانگا، انہوں نے کہا، آپ امیر المومنین ہیں بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں، آپ نے فرمایا، میں بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے وارثین سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر جائے گا، اس لئے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔

بیت المال اور حضرت ابوبکرؓ کی احتیاط

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا کہ بیت المال کا جو کچھ سامان میرے پاس ہو سب واپس کردو، کیونکہ میں اس مال میں سے اپنے ذمہ کچھ رکھنا نہیں چاہتا، میری وہ زمین جو فلاں مقام پر واقع ہے، وہ اس رقم کے معاوضہ میں دے دو، جو آج تک میں نے بیت المال سے لی ہے، چنانچہ وہ زمین ایک اونٹنی، ایک قلعی گر غلام اور کچھ غلہ جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی، یہ سب چیزیں حضرت عمرؓ کو دے دی گئیں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ابوبکر نے اپنے بعد والوں کو کس قدر مشکل میں مبتلا کر دیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں سے کہا کہ حساب لگاؤ کہ جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں میں نے بیت المال کی کتنی رقم خرچ کی ہے جو کچھ میزان نکلے اس کو میری جائیداد سے وصول کرلو، چنانچہ حساب لگایا گیا تو پورے زمانۂ خلافت کی رقم آٹھ ہزار درہم نکلی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاہی خدمات

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایسے سات آدمیوں کو خرید کر آزاد کر دیا جن کو کفار دین اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ایذار دیتے تھے، جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، زنیرہ، نہدیہ وغیرہ شامل ہیں۔

سردی کے دنوں میں حضرت ابوبکرؓ کمبل اور کپڑے خرید کر بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں میں تقسیم فرماتے تھے، ہر روز بازار جا کر مجبور عورتوں اور مردوں کی ضروریات کی اشیاء خرید کر لا دیتے تھے، بکریوں کا دودھ خود اپنے ہاتھوں سے دوہ کر غریبوں میں تقسیم

فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بن جانے کے بعد ایک عورت نے کہا کہ اب تو تم خلیفہ بن گئے ہو، اب ہم ہمارے گھر میں دودھ کہاں سے لے آئے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، بخدا میں تم لوگوں کیلئے ضرور دودھ دوہوں گا، میں اس خلافت کی وجہ سے اپنی عادت کو نہ بدلوں گا، چنانچہ جب تک زندہ رہے بکریوں کا دودھ دوہ کر غریبوں کو دیتے رہے۔

حضرت عمرؓ کی رفاہی خدمات :

کھانا کھلانا: حضرت سلمہ بن قیس کے قاصد جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت عمرؓ مسلمانوں کو کھانا کھلا رہے تھے اور خود اس کی نگرانی فرما رہے تھے، بار بار اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ ان کیلئے مزید روٹی اور گوشت کا انتظام کرے، جب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تب آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

تقسیم وظائف: وظائف کی تقسیم کے سلسلہ میں آپ کا معمول تھا کہ آپ نے ایک رجسٹر تیار کر رکھا تھا اور ہر مستحق تک اس کا معینہ وظیفہ پہنچاتے تھے۔

ہنگامی امداد: قبیلۂ محارب میں جب قحط سالی ہوئی اور وہ لوگ بھنی ہوئی کھالیں کھانے پر مجبور ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خود وہاں پہنچ کر ان کے حالات کا جائزہ لیا اور اپنے اسلم نامی غلام کو ساتھ لیا اور خود ضروری سامان اپنے کاندھے پر لاد کر وہاں پہنچایا اور آپ کا یہ عمل وہاں کی قحط سالی کے ختم ہونے تک جاری رہا۔

اسی طرح سن ۱۸ھ میں سرزمین عرب میں بڑا سخت قحط پڑا اس موقع پر حضرت فاروق اعظمؓ نے عجیب وغریب سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف ممالک اسلامیہ سے بڑے پیمانہ پر غلہ منگوایا، قحط زدہ افراد کی تحقیق کیلئے حضرت زید بن ثابتؓ کو مقرر کیا اور باقاعدہ ہر ایک کیلئے غلہ جاری کیا، پھر اہل مدینہ کو لے کر نماز استسقاء کا اہتمام کیا اور حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بڑی دیر تک دعا مانگتے رہے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کی دعاء ختم نہ ہوئی تھی کہ حق تعالیٰ نے ایسی بارش کا انتظام کیا جس سے بہت جلد قحط سالی کی شکایت دور ہوئی۔

بوڑھوں کی مدد: ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا، کیا تم بھیک مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں، حضرت عمرؓ فوراً اسے اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر ذمی مساکین کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، خدا کی قسم یہ بات بالکل انصاف کے خلاف ہے کہ ان کی جوانی میں یہ ہمارے کام آئیں اور ان کے بڑھاپے میں ہم ان کی خبر گیری نہ کریں۔

غلاموں کا خیال: حضرت عمرؓ نے جب اسلامی فوج کیلئے تنخواہیں مقرر کیں تو اسی قدر تنخواہ ان کے غلاموں کی بھی مقرر کی تا کہ ان علاقوں کو تنگی نہ ہو۔

پریشان حال مسافروں کی امداد: ایک رات حضرت فاروق اعظمؓ گشت کر رہے تھے کہ خیمہ سے ایک دیہاتی کے رونے کی آواز آئی، معلوم ہوا کہ اس کی اہلیہ درد زہ میں مبتلا ہے، فوراً گھر واپس آئے اور اپنی اہلیہ حضرت ام کلثومؓ کو ساتھ لیا، تھوڑی دیر

بعد جب بچہ پیدا ہوا تو آپ کی اہلیہ نے اندر سے بچہ کی پیدائش کی خبر دی اور کہا اے امیر المؤمنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، اس دیہاتی نے جب امیر المومنین کا نام سنا تو حیران ہوگیا، حضرت نے فرمایا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں بچے کیلئے وظیفہ مقرر کردوں گا۔

ان کے علاوہ آپ اپنی خلافت کی مصروفیات میں ضرور کچھ وقت نکالتے تھے اور اندھوں، معذوروں اور ضعیفوں کی اس طرح خدمت کرتے تھے کہ ان حضرات کو پتہ تک نہ چلتا تھا کہ کونسا فرشتہ صفت انسان ہمارے کام کر جاتا ہے؟ آپ خود مجاہدین کے گھر جاتے اور ان کیلئے ضروریات اور سودا سلف خرید لاتے اگر مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کے گھروں تک پہنچاتے تھے اور اگر گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا تو خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ کر خطوط سنا دیتے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی رفاہی خدمات

حضرت عثمان غنیؓ ابتداء ہی سے بڑے ہمدرد تھے اور موقع بموقع رفاہی خدمات میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ مدینۃ المنورہ میں جب مسلمان میٹھے پانی کے سلسلہ میں پریشان تھے تو حضرت عثمانؓ نے بیر رومہ کا کنواں بیس ہزار درہم میں ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب جہاد کیلئے مال واسباب کی ضرورت ہوتی تو آپ نے دینار و درہم اور جنگی ساز و سامان کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی، اس کے علاوہ ایثار و ہمدردی آپ کی طبیعت میں فطرتاً شامل تھی، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے، ہر جمعہ ایک غلام ضرور آزاد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم بطور قرض لی، کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو حضرت عثمانؓ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔

حضرت علیؓ کی رفاہی خدمات

حضرت علیؓ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتب وحی تھے اور آپ ﷺ کے فرامین تحریر فرمایا کرتے تھے، رسول رحمت ﷺ نے یمن میں اشاعتِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ کو وہاں کا قاضی مقرر فرمایا، عوام کے عائلی، سماجی اور ملی مسائل کے فیصلے کرنا بھی رفاہی خدمات میں شامل ہے، حضرت علیؓ نے اس اہم فریضہ کو بڑی لیاقت اور ذہانت کے ساتھ انجام دیا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔

محمد فصیح الدین ندوی ☆

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی سیاسی زندگی

اس دنیائے رنگ و بو میں انبیاء علیہم السلام کے بعد بے شمار انسانوں نے سیاسی زندگی بسر کی اور بے شمار لوگوں نے بہت سے سیاسی میدانوں میں اپنا نام تاریخ اقوام عالم میں اپنے کارناموں کی بنیاد پر محفوظ کرادیا، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اس میدان اور دیگر میدانوں کے وہ شہسوار ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد آج تک تاریخ انسانی میں اور تا قیام قیامت کوئی بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا، اس کا اعتراف مرادِ نبیؐ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے غزوۂ تبوک کے موقع پر صراحتاً فرمادیا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی اسلام کے بعد سے حضور ﷺ کی حیات تک اور خاص طور سے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سوا دو برس کی سیاسی زندگی ایسے عظیم الشان کارناموں سے مزین ہے کہ جن کی برکت سے آج تک توحید و رسالت، ایمان و اسلام کا سورج اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ سارے عالم میں روشن ہے اور صبح قیامت تک روشن رہے گا۔

نام: عبداللہ، ابوبکر کنیت، اور عتیق و صدیق لقب والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی، والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھیں، جو خاندانی رشتہ سے اپنے شوہر کی چچازاد بہن ہوتی تھیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فکر و تڑپ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے والد بزرگوار و والدہ ماجدہ دونوں کو اسلام کی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا۔(۱)

نسب: حضرت ابوبکر قریش کی ایک شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے، شجرۂ نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ اور والدہ کا نسب نامہ اس طرح ہے: سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب۔(۲)

ولادت: حضرت ابوبکر کی ولادت عام الفیل کے ڈھائی برس بعد ہوئی یعنی سن ہجری کے آغاز سے پچاس برس چھ مہینے قبل۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم وبیش تین برس چھوٹے تھے، اس حساب سے ۵۷۱ء آپ کا سن پیدائش قرار پاتا ہے۔

☆ جنرل سکریٹری صفا بیت المال انڈیا

قبلِ اسلام سیاسی زندگی

یوں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت اسلام سے پہلے بھی ممتاز تھی، چنانچہ کنز العمال کے مصنفؒ رقمطراز ہیں کہ:
''حضرت ابو بکر صدیقؓ اسلام سے پہلے ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت، راست بازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانۂ اسلام میں، اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ: ''شراب نوشی میں نقصانِ آبرو ہے''، آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے آپؓ کو خاص اُنس اور خلوص تھا اور آپ کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔(۳)

بعدِ اسلام سیاسی زندگی

آنحضرت ﷺ کو جب خلعتِ نبوت عطا ہوئی اور آپؐ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور حضور ﷺ کی وفات تک آپؐ کے سب سے بڑے جاں نثار آپ کے محافظ آپؐ کے مشن کو سب سے زیادہ آگے بڑھانے کی فکر کرنے والے، رازدار اور سیاسی مشیر رہے، خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''آسمانوں میں میرے دو مشیر ہیں جبرئیل و میکائیل، دنیا کے دو مشیر ابو بکرؓ و عمرؓ ''۔

اشاعتِ اسلام

یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کی سوجھ بوجھ، سیاسی بصیرت تھی کہ آپؓ کی دعوت پر ایسے لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے کہ جو بعد میں اسلام کے آفتاب و ماہتاب بنکر اسلامی کہکشاں کی نورانیت میں اضافہ کا باعث بن گئے اور تاریخ اسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دینی و سیاسی حالات میں کبھی ان ناموں کو فراموش نہیں کر سکتی، جن میں سے چند یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر ابن العوامؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم۔(۴)

حضرت ابو بکرؓ کی علانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اور اس میں نہایت خشوع خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے تھے، آپ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے، لوگ آپ کے گریہ و بکاء کو دیکھ کر جمع ہوجاتے اور اس پُر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے، اس تاثر سے ایمان لانے والوں کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔

غرض حضرت ابوبکر صدیقؓ ابتداء اسلام سے لیکر حضور پُر نور ﷺ کی وفات تک، مکی و مدنی زندگی میں آپؐ کے شریک سفر رہے اور اسلام کے لئے ہر طرح کی مصیبت و پریشانی کو انگیز کرتے ہوئے حضور ﷺ، دیگر صحابہؓ اور اسلام کا دفاع کرتے رہے، ہجرت کے بعد تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہمرکاب رہے، نازک حالات میں حضور ﷺ کے لئے سب سے زیادہ تسلی کا سامان فراہم کرتے رہے، آپؓ اور آپ کا خاندان حضور ﷺ کی نبوت والی ۲۳ سالہ زندگی میں سب سے زیادہ حضور ﷺ معتمد علیہ رہا، تاہم آپ کی حقیقی سیاسی زندگی کا آغاز حضور ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر ؓ کا حضور ﷺ کی وفات کے بعد امت کو سنبھالنا

حضور ﷺ کی وفات کا حادثہ صحابہؓ اور امت مسلمہ کے لئے اتنا عظیم تھا کہ صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ اس صدمہ سے باہر نہیں آپارہی تھی، حضرت عمر بن الخطابؓ جیسے جلیل القدر صحابی جوش و وارفتگی میں تقریر کررہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے سے انکار کررہے تھے، ایسے نازک موقع پر صحابہؓ اور امت مسلمہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے سنبھالا، جیسے ہی آنحضرت ﷺ کی وفات کی اطلاع حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہوئی تو وہ حضور ﷺ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا، لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور محبوب آقا ﷺ کے نورانی چہرے سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور روکر کہا:

بابی انت و امی و اللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین، اماالموتة التی کتبت علیک فقط ذقتها ثم لن تصیبک بعده موتة ابداً

میرے ماں باپ آپ پر فداء ہوں! خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے، اب اس کے بعد پھر کبھی موت نہ آئے گی''

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے، فرمایا: ''عمر! تم بیٹھ جاؤ''، لیکن انہوں نے وارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا تو آپؓ نے الگ کھڑے ہوکر تقریر شروع کردی اور تمام مجمع آپؓ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے، آپؓ نے فرمایا:

اما بعداً فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات، ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت، قال اللہ تعالیٰ: وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل . (۵)

اگر لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مرگئے، اور اگر خدا کو وہ پوجتے تھے تو وہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا، خدائے برتر فرماتا ہے: محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے''۔ (۵)

یہ تقریر ایسی دلنشیں تھی کہ ہر ایک دل مطمئن ہوگیا، خصوصاً آپ نے جو آیت تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ زباں زد

خاص وعام ہوگئی، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔(۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا صحابہ کرامؓ کو خلافت کے مسئلہ میں اختلاف سے بچالینا

حضور ﷺ کی وفات کے حادثہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مذکورہ بالا تقریر کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ باہر آچکے تھے اور انہیں یہ یقین ہو چکا تھا کہ حضور ﷺ اپنے پروردگار کے پاس جاچکے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی انصار ومہاجرین میں حضور ﷺ کی خلافت کے مسئلہ کو لیکر ایک ایسا زبردست اختلاف پیدا ہو چکا تھا کہ اگر اس کو بروقت نہ روکا جاتا تو امت مسلمہ دولخت ہو چکی ہوتی اور صحابہ کرامؓ جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی برکت سے اور حضور ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں بھائی بھائی بنادیا تھا باہم دست وگریباں ہوجاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوجاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا اس لئے اس نے آسمانِ اسلام پر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسے مہر وماہ پیدا کردئے تھے، جنہوں نے اپنی عقل وسیاست کی روشنی میں افقِ اسلام کی ظلمت وتاریکی کو کافور کردیا، جیسے ہی حضرت ابوبکرؓ کو ثقیفۂ بنوساعدہ میں انصار کے جمع ہونے کی اطلاع ملی آپؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لئے ہوئے وہاں پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا! ظاہر ہے کہ اس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کردی جاتی، لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کرسکتے تھے، پھر انصار بھی دوگروہ تھے، اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے''۔ اس پر جناب بن المنذرؓ انصاری بول اٹھے: خدا کی قسم نہیں! ایک امیر ہمارا ہو، ایک تمہارا!'' حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش وخروش دیکھا تو نرمی وآشتی کے ساتھ انصار کے فضائل ومحاسن کا اعتراف کرکے جو کچھ فرمایا وہ ان کی سیاسی بصیرت کا بیّن ثبوت ہے، آپؓ نے فرمایا: ''صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں! لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سواء کسی کی حکومت تسلیم نہیں کرسکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلقات کے باعث بہ نسبت آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، یہ دیکھو ابوعبیدہ ابن الجراحؓ اور عمر ابن الخطابؓ موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو''۔ لیکن حضرت عمرؓ نے پیش قدمی کرکے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور کہا کہ: ''نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار، ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے''۔(۷)

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لئے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کے لئے ٹوٹ پڑی، اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان بصیرتِ صدیقیؓ کی برکت سے رک گیا اور لوگ حضور ﷺ کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہوگئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سیاسی طرز عمل

حضور ﷺ کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ممبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے طرز عمل کی توضیح فرمائی:

یا ایھاالناس! فانی قد ولّیت علیکم و لست بخیرکم فان احسنت فاعینونی و ان اسأت فقومونی، الصدق امانة و الکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیه حقه انشاء الله، والقوی فیکم ضعیف عندی حتی آخذ الحق منه انشاء الله، لا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل، ولا تشیع الفاحشة فی قوم الا عممهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعتُ الله و رسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم فقوموا لی صلاتکم یرحمکم الله . (۸)

''صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہو، اگر میں اچھا کروں تو میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کردو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک میں اس کا حق واپس دلادوں، انشاء اللہ اور تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلادوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل وخوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کردیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں، اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے''۔

ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس تقریر کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ آپ کی خلافت وسیاست کا مقصدِ حقیقی صرف یہی ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی جائے اور اس سے سرِ موانحراف نہ کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سوا دو سالہ اپنی خلافت وسیاسی زندگی میں وہ کارنامہائے مبارکہ انجام دئے کہ تاریخِ انسانی تا قیامِ قیامت اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، یہ سب کمال حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کے فیضِ صحبت سے حاصل کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت وسیاسی زندگی کا پہلا اہم فیصلہ

چنانچہ مسند آرائے خلافت ہوتے ہی آپؓ کو اپنے سامنے صعوبات، مشکلات وخطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا، ایک

طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علمِ بغاوت بلند کئے ہوئے تھی، منکرین زکوٰۃ نے علاحدہ شورش برپا کر رکھی تھی، ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہؓ کی مہم بھی درپیش تھی، جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنے حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کرکے پہلے مرتدین وکذابین نبوت کا قلع قمع کیا جائے، لیکن خلیفۂ اول کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ ارادۂ نبویؐ اور حکمِ رسالتمآب معرضِ التواء میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کی ایماء سے روم کے مقابلہ کے لئے بلند کیا گیا تھا اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپؓ نے برہم ہوکر فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہوجائے کہ درندے آکر میری ٹانگیں کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا''، غرض خلیفۂ اولؓ نے حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دے دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کرکے ان کو نہایت زریں ہدایتیں فرمائی، چونکہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشینِ رسولؐ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہے تھے، اس لئے انہوں نے تعظیماً عرض کیا: ''اے جانشینِ رسولؐ! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہولیں، ورنہ میں بھی اُترتا ہوں، بولے: اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، غازی کے ہر قدم کے عوض سات سونیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔(۹)

حضرت اسامہؓ کی جماعت حدود شام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کرکے نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوشِ مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

سیاسی زندگی کا دوسرا اہم فیصلہ: مدعیانِ نبوت کا قلع قمع

سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی میں بعض مدعیانِ نبوت پیدا ہوچکے تھے، چنانچہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں آپؐ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں، نصف دنیا آپ کی ہے، نصف میری، سرورکائنات ﷺ نے اس کا جواب دیا تھا: ''من محمد رسول الله الى مسيلمة كذاب ۔ اما بعد! فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده و العاقبة للمتقين ۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد اور بہت سے مدعیانِ نبوت پیدا ہوگئے تھے اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علمِ نبوت بلند کیا تھا، بنوغطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا، اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ ابن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مرد تو مرد یہ مرض ایسا عام ہوگیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا، چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا، سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسیلمہ کذاب سے شادی کرلی تھی، یہ مرض وباء طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا، اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی، اس بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لئے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا، حضرت علیؓ کا نام لیا گیا، لیکن وہ اس

وقت تک تمام تعلقاتِ دنیوی سے کنارہ کش تھے، اس لئے قرعۂ فال حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا، چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت سعد بن قیسؓ انصاری کے ساتھ ایک جماعت لیکر مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لئے راونہ ہوئے اور دیگر صحابہؓ کی مدد سے اس فتنہ کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ جزیرۃ العرب سے ختم فرمادیا۔

سیاسی زندگی کا تیسرا اہم فیصلہ: مرتدین کی سرکوبی

حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے بعد بہت سے سردارانِ عرب مرتد ہوگئے اور ہرایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا، لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا، اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہوگئے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائف الملوکی کی طرف توجہ کی، چنانچہ علاء ابن حضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا، اسی طرح حذیفہ بن محصنؓ کی تلوار سے لقیط ابن مالک کو قتل کرواکر سرزمین عمان کو پاک کیا، زیاد بن لبیدؓ کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی اور اس فتنہ کو ختم کروادیا۔(۱۰)

سیاسی زندگی کا چوتھا اہم فیصلہ: منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ!

مدعیانِ نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا، چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا، اس لئے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلافِ رائے ہوا، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحبِ رائے بزرگ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ: ''آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کرسکتے ہیں جو توحید ورسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفۂ اول کا غیر متزلزل ارادہ واستقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا اور صاف کہہ دیا کہ: ''خدا کی قسم! جو ایک بکری کا بچہ بھی رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا، کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا''، اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین پھر زکوٰۃ لیکر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔(۱۱)

سیاسی زندگی کا پانچواں اہم فیصلہ: جمع وترتیبِ قرآن!

مدعیانِ نبوت اور مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے، خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرامؓ کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوگیا کہ صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہوجائے گا، اس لئے انہوں نے خلیفۂ اول سے قرآن شریف کے جمع وترتیب کی تحریک کی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو حضور ﷺ نے نہیں کیا ہے اس کو میں کس طرح کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام اچھا ہے اور ان کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی، چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوت میں کاتبِ وحی تھے،

قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا، لیکن پھر اس کی مصلحت سمجھ میں آ گئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدوّن کیا۔ (۱۲)

صحیفۂ صدیقی کب تک محفوظ رہا

حضرت زید بن ثابتؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا، حضرت عمرؓ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرما دیا اور وصیت کر دی کہ کسی کو نہ دیں، البتہ جو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا چاہتا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے یہ نسخہ عاریۃً لیکر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات پر روانہ کر دئے، لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا، جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا، لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تا حیات اپنے پاس محفوظ رکھا، ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن عمرؓ سے لیکر اس کو ضائع کر دیا۔ (۱۳)

فتوحات!

حضرت ابوبکر صدیق نے اندرونی فتنوں سے فارغ ہونے کے بعد عراق و شام کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کے زمانے میں یہ علاقے فتح ہونا شروع ہو گئے اور صحابہ کرامؓ نے جانشین رسولؐ کے پاس اتنا مال غنیمت بھیجا کہ آپ نے مدینہ کے ہر مرد وعورت وغلام اور باندی پر ایک ایک ایک دینار تقسیم فرمایا، فتوحات کا یہ سلسلہ آپؓ کی حیات اور اس کے بعد بھی جاری وساری رہا۔

سیاسی زندگی کا آخری اور اہم فیصلہ: استخلاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کو ابھی سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جب موسم نہایت سرد خنک تھا، آپ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد بخار آ گیا اور پندرہ دن تک مسلسل شدت کے ساتھ قائم رہا، اس اثناء میں مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے، چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا: عمر کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا: میرے خیال میں عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے، لیکن بعض صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھا، چنانچہ حضرت طلحہؓ عیادت کے لئے آئے تو شکایت کی کہ: آپ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا: جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود نرم ہونا پڑے گا، اسی طرح ایک دوسرے صحابیؓ نے

کہا: آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں، ذرا سوچ لیجئے! آپ خدا کے یہاں جارہے ہیں، وہاں کیا جواب دیجئے گا؟ فرمایا: میں عرض کروں گا: خدایا! میں تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا جو ان میں سب سے اچھا ہے، غرض سب کی تشفی کردی اور حضرت عثمانؓ کو بلاکر عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھے جاچکے تھے کہ غش آ گیا، حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھادیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کرسناؤ! انہوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا: خدا تم کو جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی، غرض عہد نامہ مرتب ہوچکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنادے اور خود بالا خانے پر تشریف لیجا کر تمام حاضرین سے فرمایا: کہ میں نے اپنے عزیز بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے، تمام حاضرین نے اس حسنِ انتخاب پر سمعنا واطعنا کہا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلاکر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستورالعمل ثابت ہوئیں۔ (۱۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے استخلاف کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد ذاتی وخانگی امور پر توجہ کی، حضرت عائشہؓ کو انہوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دے دی تھی، لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثین کی حق تلفی ہوگی، اس لئے فرمایا: ’’جانِ پدر! افلاس وامارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے کیا تم اس میں دوسرے بھائی بہنوں کو شریک کرلوگی؟ حضرت عائشہؓ نے حامی بھرلی تو اپنے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں، عائشہ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں‘‘، چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ’’آپؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز وتکفین سے فارغ ہوکر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے؟ اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا‘‘، گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی چیز کاشانۂ صدیقیؓ سے برآمد نہ ہوئی۔ (۱۵)

تجہیز وتکفین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھوکر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یہ تو پرانا ہے، کفن کے لئے نیا ہونا چاہئے؟ فرمایا: زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں، میرے لئے یہی پھٹا پرانا بس ہے، اس کے بعد پوچھا: آج دن کونسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: دوشنبہ! پھر پوچھا: رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا: دوشنبہ کے روز! فرمایا: تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی کی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کرجاؤں، چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن ختم کرکے منگل کی رات کو ترسٹھ برس کی عمر میں اواخرِ جمادی الآخر ۱۳ھ کو راہ گزیں عالم جاوداں ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون (۱۶)

وصیت کے مطابق رات ہی میں تجہیز وتکفین کا سامان کیا گیا، آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا، حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا، اور اس طرح سرور کائنات ﷺ کا رفیقِ زندگی آپ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لئے اللہ کے پاس پہنچ گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیاسی زندگی کے کارنامے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کارناموں سے لبریز ہے، خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش ونگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے، رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت وگمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی، مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش وثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا، مدعیان نبوت کی جماعتیں علاحدہ علاحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں، منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے، غرض خورشید دوعالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا، لیکن جانشین رسولؓ نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر جس کا سب سے زیادہ احسان ہے وہ یہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، مہمات امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے گئے، تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب وتنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ کا نام نامی لیا جا سکتا ہے، اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں، اس لئے اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ عہد صدیقی کی وہ کونسی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں رفیع الشان عمارت قائم کی گئی۔ (۱۷)

نظامِ خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی، چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے کام انجام پائے سب میں کبارِ صحابہؓ رائے مشورے کی حیثیت سے شریک تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحبِ رائے وتجربہ کار صحابہؓ کو کبھی دار الخلافت سے جدا نہ ہونے دیا، حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا، لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ عمرؓ کو رائے مشورے میں مدد دینے کے لئے چھوڑ جائیں، قیامِ خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جن اہم امور پر توجہ دی اور نئے شعبے قائم کئے وہ یہ ہیں: ملکی نظم ونسق، حکام کی نگرانی، تعزیر وحدود، مالی انتظامات، فوجی نظام، فوج کی اخلاقی تربیت، سامان جنگ کی فراہمی، فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ، بدعات کا سدِّ

باب، خدمت حدیث، محکمۂ افتاء، اشاعتِ اسلام، رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت و متعلقین کا خیال، ذمّی رعایا کے حقوق، بعد کے خلفاء نے انہیں بنیادوں پر خلافتِ راشدہ کی زرّین و مستحکم عمارت اور وہ مینارۂ نور تعمیر کیا کہ جو قیامت تک آنے والے حکام و سیاستدانوں کی کامل رہبری کرتا رہے گا، اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف سوا دو برس کی قلیل مدت میں اپنی بصیرتِ ایمانی، سیاسی تدابیر کے ذریعہ دارالاسلام کو اندرونی و بیرونی فتنوں سے محفوظ فرما کر جدید فتوحات کا آغاز فرمادیا تھا، اپنے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو بحیثیت خلیفہ نامزد فرما کر آئندہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے احوال سے مطمئن ہوتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔(۱۸)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کامیاب سیاسی زندگی کا میابی کا راز

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سوا دو سالہ کامیاب سیاسی زندگی پر اگر ہم غور کریں اور ان کی کامیابی کی وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ان کی اس عظیم الشان کامیابی کے پیچھے سب سے زیادہ جو چیز کارفرما تھی وہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا عظیم جذبہ تھا، اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ خدا اور اس کے رسول کو ناراض کرکے جو بھی سیاست کی جائے گی وہ ناکام سیاست ہوگی، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں کوئی ایسا کام نہ خود کیا اور نہ اپنے حکام کو اجازت دی جس سے خدا اور اس کے رسولؐ ناراض ہوتے ہوں، اس کے برخلاف انہوں نے ہردم اپنے عاملوں، فوجی افسروں اور عام رعایا کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اس کے احکامات کی پابجائی کا حکم دیتے رہے، یہی وجہ ہے کہ اِس وقت تک کے دنیا کے تمام مؤرخین، سیاست داں یہ بات کہنے اور ماننے پر مجبور ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ دنیا کے سب سے بڑے کامیاب سیاست داں تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیاسی زندگی کا پیغام

موجودہ اور آئندہ زمانہ کے سیاسی لوگوں کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیاسی زندگی میں جو پیغام ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو کامیاب سیاستداں قرار دینا چاہتے ہیں اور عوام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو وہ اللہ کے تقوے اور دینداری کو اپنائیں، ورنہ اس کے بغیر وہ کامیاب سیاستداں نہیں بن سکتے اور ان کی سیاست 'سیاست' نہیں رہتی بلکہ وہ چنگیزی بن جاتی ہے۔ بقول شاعر ؂

جلالِ بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حوالہ جات

(۱) طبقات بن سعد تذکرۂ حضرت ابوبکر

(۲) ابن جریر طبری ج ۲ ص ٦١٥

(۳) کنز العمال: ٦/٣١٣

(۴) بخاری: باب هجرة النبیؐ و اصحابه الی المدینة

(۵) سورۂ ال عمران: ١٤٤

(۵) بخاری: باب الدخول علی المیت بعد الموت

(٦) بخاری: باب مرض النبی و وفاته۔۔

(۷) بخاری: ۱/۵۱۸

(۸) طبقات ابن سعد: ق ۳، ۱/۱۲۹

(۹) طبری: ۱۸٦۳

(۱۰) تاریخ الخلفاء: ۱۷، طبری: ۱۸۵

(۱۱) بخاری: ۱/۱۸۸

(۱۲) بخاری: ۲/۴۵

(۱۳) فتح الباری: ۹/۱۰

(۱۴) طبقات ابن سعد قسم اول، ج: ۳، وصیت ابوبکرؓ ص: ۴۲

(۱۵) طبقات ابن سعد: ق ا، ج: ۳، ص: ۱۳٦

(۱٦) طبقات ابن سعد

(۱۷) خلفائے راشدین: ۵۵

(۱۸) خلفائے راشدین: ۵۷

مولانا عبدالحفیظ رحمانی ☆

چھٹی صدی عیسوی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ — ایک تحقیقی جائزہ

فاران کی چوٹیوں سے جب آخری رسالت کا آفتاب طلوع ہوا، اس وقت ربع مسکوں تیرہ و تار تھا، پوری دنیا جنگل کی سیہ رات تھی، ہر چہار طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، روشنی کی کوئی کرن کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی، چنانچہ مورخین نے چھٹی صدی کو تاریخ کا بدترین دور کہا ہے، اس سیاہ دور میں ابراہیمی تعلقات کے نقوش مٹ چکے تھے، مذہب کے نام پر مراسم رواج پذیر تھے، اصنام پرستی اور اوہام پرستی کا دور دورہ تھا، ایک خالق و مالک کے تصور سے دنیا بیگانہ ہوچکی تھی، ہر گھر بتکدہ تھا، بتوں کی پرستش میں دنیا غرق تھی، اپنی اپنی خواہش کے مطابق خود تراشیدہ اصنام کے حضور میں جبین نیاز جھکائی جاتی تھی، یہی اصنام حاجت روا تھے، ان ہی سے سب کچھ مانگا جاتا تھا، حد تو یہ ہے کہ یہودیت بھی اسی سیلِ رواں میں بہہ گئی، عیسائیوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد مسیحیت کا قالب ہی بدل دیا، توحید کے بجائے تثلیث ان کا طرۂ امتیاز بن گیا، توحید کا چشمۂ شفاف انسانی توہمات و مزعومات سے اسقدر مکدر ہوگیا کہ شناخت باقی نہیں رہ گئی کہ توحید کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

توحید کے مقابلہ میں گئوسالہ پرستی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں شروع ہوچکی تھی، اس کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس غیظ و غضب کا اظہار فرمایا قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی قوم کو اصنام پرستی، دیوی دیوتاؤں کی پرستش، اوہام پرستی اور ٹونے ٹوٹکے، جادو نیز مشرکانہ خیالات سے جس شدت کے ساتھ جھنجھوڑا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، عہد عتیق کے صفحات اس کے گواہ ہیں، منصف مزاج یہودی مؤرخین نے بھی اس کی تائید کی ہے، اس قوم نے نہ صرف یہ کہ توحید کے چشمۂ صافی کو مکدر کیا بلکہ خدا کے حضور میں بدتمیزی، گستاخی، جسارت اور بیہودگی و ہرزہ سرائی کے وہ نمونے پیش کئے ہیں جن کو نقل کرنے میں بھی وحشت محسوس ہورہی ہے، تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''توریت اور یہود اپنے آئینے میں'' ملاحظہ فرمائیں، یہی نہیں بلکہ اس قوم کے زرپرست علماء نے توریت کو تحریف اور ادراج کا نشانہ بنایا اور کتاب مقدس اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہی، اس کا اعتراف یہودیوں اور مسیحیوں کو بھی ہے بابل کے زمانہ اسیری میں

☆ سابق محقق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

حضرت عزیر علیہ السلام کے ذریعہ توریت کا جو نسخہ تیار ہوا تھا اسکا خود کہیں نام ونشاں نہیں ہے، قدیم ترین نسخہ جو ہیکل سلیمان میں محفوظ تھا وہ بخت نصر کی یلغار میں خاکستر ہوگیا تھا۔

اب یہودی توریت کے بجائے خود وضع کردہ قوانین اور عقائد مزعومات کے فریب میں مبتلا تھے، عیسائی اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے، انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، اس کے بجائے چند مصنفین نے چار انجیلیں تصنیف کردیں جو عہد نامۂ جدید میں موجود ہیں اور تضادات کا شکار ہیں، اسی عہد نامۂ جدید میں سینٹ پال (پولس رسول) کے اعمال اور خطوط ہیں، تاریخ کی روشنی میں پولس نے ہی مسیحت کو یکسر مسخ کیا ہے اور ان ہی کے محرف مذہب کو مسیحیوں نے قبول کرلیا، تثلیث تو مسیحیوں کا بنیادی عقیدہ ہے ہی، اس کے ساتھ بت پرستی بھی مسیحیوں میں در آئی اور اولیاء وشہداء کے بے شمار مجسمے تیار ہوئے پھر ان بتوں کی پرستش پر مسیحی پل پڑے، کوئی چرچ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسموں سے خالی نہیں ہے، یعنی مسیحیوں میں توحید کا نام ونشاں نہیں ہے اور اصنام پرستی کے سمندر میں غرقاب ہیں۔

اسی چھٹی صدی عیسوی کے بدترین اور تاریک دور میں رہبانیت کا روپ تیار ہوا، عزت وتکریم کے ہمو کے مسیحیوں نے رہبانیت کا لبادہ پہنا اور راہب بن گئے، عوام نے ان کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور ان کی جھولیاں بھریں، ان سے اپنی نجات کے تصدیق نامے حاصل کئے، اسی مذہبی تجارت نے عورتوں کو بھی متوجہ کیا، چنانچہ جس کثرت سے مرد راہب بنے اسی تناسب سے عورتوں نے بھی رہبانیت اختیار کرلی، دونوں خانقاہوں میں مخلوط زندگی گذارتے تھے جس کے نتیجے خانقاہیں متعین ہوگئیں، مذہب کے نام پر قحبہ خانے وجود میں آگئے، عزت وناموس کا دامن تار تار ہوگیا، روم، یونان اور شام میں راہبوں کی کثرت تھی، پورا معاشرہ زنا، فریب اور چوری میں لت پت ہوگیا، بے حسی اور مردہ ضمیری کا یہ حال تھا کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کسی میں یہ تاب وتواں نہ تھی کہ معاشرہ کی برائیاں زبان پر لائے، ہر کہ ومہ اسی میں سرشار تھا یعنی لامذہبیت نے اباحیت کے دروازے کھول دیئے تھے ان کو کوئی بند کرنے والا نہیں تھا۔

مصر کے مسیحیوں کا حال دیگر ممالک کے عیسائیوں سے کچھ مختلف نہ تھا، بت پرستی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، یونانیوں اور رومیوں میں جو اخلاقی کمزوریاں اور کج روی تھی، ان کو مصریوں نے غلامانہ ذہنیت کے اثر سے من وعن قبول کرلیا تھا، بلکہ اخلاقی قدروں کی پامالی میں ان سے دو قدم آگے تھے، معاصر دنیا میں جس طرح زنا کاری، شراب نوشی، قتل وغارت گری کی ترغیب وتشویق پیدا کی جارہی ہے، مصر میں یہ سب کچھ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں ہو چکا ہے، زنا کاری اور قتل کی ترغیب دینے کے لئے اصول وضوابط کئے گئے تھے، قتل وغارت گری معیوب نہیں تھی بلکہ یہ تمام معائب تفریح کی فہرست میں مندرج تھے، تہذیب واخلاق کا نام ونشان مٹ چکا تھا مختصر یہ کہ مصر بھی دیگر ریاستوں کی طرح ظلمت کدہ تھا اور اس میں تاریکی میں ان کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی وہ اپنی عظمت رفتہ کے مرثیہ خواں تھے، اہرام مصر قصۂ پارینہ کی صف میں کھڑے خاموش مرثیہ پڑھ رہے تھے۔

ایران میں اس وقت ایرانیوں کا قدیم مذہب رائج تھا، آتش پرستی اور سورج پرستی پورے اہتمام سے کی جاتی تھی، آتش

کدہ ایران کبھی بجھا نہیں تھا، ایرانیوں نے خیر وشر کے دو دیوتا گڑھ لئے تھے، خیر کا دیوتا یزداں تھا تو شر کا اہرمن دیوتا ہے، ایرانیوں کا مذہب ان ہی چار عناصر سے مرکب تھا، وہ ابھی پرستیوں میں مگن تھے، یہ خیر وشر کے دیوتا تو مانتے تھے لیکن ان کو خیر وشر کی تمیز نہیں تھی، بیٹی، بہن تک سے ازدواجی رشتے قائم کرنے میں کوئی حجاب نہیں تھا، بہرام چوبیں، چھٹی صدی عیسوی میں ایران کا سلطان تھا، اس نے اپنی بہن سے رشتہ کرلیا، اس سے پہلے یزدگرد نے اپنی بیٹی سے ازدواجی رشتہ قائم کیا تھا یعنی ہر ایرانی رشتہ قائم کرنے میں آزاد تھا، مزدک کے فلسفہ کے مطابق یکسانیت ومساوات کا یہ تقاضا ہے کہ کسی طرح کی تفریق نہ برتی جائے، کوئی کسی بھی عورت سے رشتہ کرسکتا ہے، اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ شاہ ایران قباذ نے لڑکیوں کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور اس انارکی کا پرجوش مبلغ بن گیا۔

ایرانی آتش پرستی کے علاوہ دیگر پرستیوں میں بھی مبتلا تھے، ان میں ایک شاہ پرستی بھی تھی، ایرانی اپنے بادشاہوں کو پوجتے تھے، ان کے سامنے سربسجود ہوتے تھے، ان کی حمد وثنا کرتے تھے یعنی بادشاہ مافوق البشر ہستی ہے، انسانوں نے بالاتر ہے، غرضیکہ ایرانیوں کا کوئی منضبط مذہب نہیں تھا، چند مراسم کو انہوں نے عبادت کا نام دے رکھا تھا وہ صرف عبادت گاہوں تک محدود تھے، وہاں سے نکلنے کے بعد ہر شخص شتر بے مہار تھا جو چاہے کرے کوئی قدغن نہیں تھی کوئی قانون نہیں تھا جو آزادی کو محدود کرسکے، اس لئے ایرانی معاشرہ ہر طرح کے مصائب اور برائیوں سے اَٹا ہوا تھا۔

ہندوستان اصنام پرستی میں سب سے آگے تھا، ویدوں میں دیوتاؤں کی تعداد کی تینتیس تھی تو چھٹی صدی میں دیوی دیوتاؤں کی تعداد بڑھ کر تیس کروڑ ہوگئی، صحیفۂ کائنات میں ہر نافع وضارشئ خدا بن گئی اور ان کی پرستش ہونے لگی، بودھ مت اور ہندومت میں ناقابل عبور خلیج تھی، ایک عرصہ تک دونوں برسرپیکار رہے مہاتما گوتم بودھ کی سادہ اخلاقی تعلیمات قصۂ پارینہ بن گئیں، مہاتما جی کے پیروکار بت پرستی میں مست ہوگئے، گویا ہندومت نے بدھوں کو اپنے اندر ضم کرلیا، یہ بدھمت مہاتما جی کے مجسموں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، جہاں یہ قدم جماتے وہاں چھوٹے بڑے مجسمے نصب کرتے، ہندومت میں ضم ہونے کے بعد ایک خدا کے تصور سے یہ قوم عاری ہوگئی اور وہ اپنی قدیم ترین شناخت کھو بیٹھی۔

عرب کی سرزمین بھی بت پرستی میں غرق تھی، چھوٹے بڑے اَن گنت خدا تھے قبیلوں کے اصنام، گھرانوں کے بت، شخصی بت اور ضروریات زندگی کے اصنام نہ جانے کتنے تھے، حد تو یہ ہے کہ خانۂ کعبہ میں بھی تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، ربع مسکوں ایک قدم پرستی کے تصور سے بیگانہ ہوچکا تھا، ایران سے یثرب تک بیش از بیش تین عیسائی راہوں کا سراغ ملتا ہے، جو دین مسیحی کے پیروکار تھے، آتش پرستی کے فریب سے چونک کر تلاش حق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ گھر سے فرار ہوئے تھے اور ایران سے یثرب تک ان کو تین ہی خدا پرست ملے، آخری راہب نے حضرت سلمان فارسی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ یثرب چلے جائیں، اسی مقام پر راہِ حق مل جائے گی۔

ٹھیک اس موقع پر جب پوری دنیا بے شمار پرستیوں میں مبتلا تھی، تیرہ وتار ماحول میں روشنی کی ہلکی سی کرن بھی کہیں دکھائی

نہیں دے رہی تھی کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، ابھی تاجِ نبوت سے سرفرازی میں چالیس سال کی مدت باقی تھی لیکن محض ولادت مبارکہ کے فیضان نے چند نفوس میں تلاش حق کا اضطراب پیدا کر دیا، چنانچہ مکہ مکرمہ کے چند لوگوں نے باہم مشاورت سے یہ فیصلہ کیا کہ آج سے ہم اصنام کی پوجا نہیں کریں گے، پھر یہ لوگ حق کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، ورقہ بن نوفل نے توریت و انجیل کا گہرا مطالعہ کر کے عیسائیت قبول کر لی، زید بن عمرو، عبید اللہ ابن جحش اور عثمان بن الحویرث جو اس مجلس میں مشاورت میں شامل تھے ان میں زید بن عمرو ثابت قدم رہے، اس اضطراب و ہیجان کو ولادت مبارکہ کا فیضان نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ ورقہ بن نوفل کے پاس ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد لے گئیں تھیں اور ورقہ نے کہا تھا کہ جو ناموس اکبر ان کے پاس غارِ حرا میں آیا تھا وہی حضرت عیسیٰ مسیح کے پاس آتا تھا، ورقہ نے انجیل کی روشنی میں مزید چند باتیں بھی بتائیں لیکن تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

گفتگو تو اس پر ہو رہی تھی کہ پوری دنیا اصنام پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی اور خدائے واحد کا تصور بھی دل و دماغ سے نکل چکا تھا، اس بے خدا دنیا میں نظام زندگی درہم برہم تھا، ربع مسکوں میں ہر زاویہ نگاہ سے ابتری تھی، اخلاقی پستی، بدکرداری، ظلم و ستم، سفاکیت اور بربریت نے اتنے مسائل پیدا کر دیئے تھے جن کا کوئی حل نہیں تھا، ہر زبردست کمزوروں کا استحصال تو کیا ان کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا، زنا کاری، شراب نوشی، قمار بازی، قتل و غارت گری کی گرم بازاری تھی، کوئی قانون کوئی نظام کسی ملک میں نہیں تھا، بادشاہ کی زبان ہی فیصلہ کن تھی، اس سے سرمو کوئی انحراف نہیں کر سکتا تھا، سلطنت کے کسی فرد میں یہ تاب و تواں نہیں تھی کہ وہ فیصلہ پر زبان کھول سکے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ رعایا بادشاہوں کی پرستش کرتی تھی اور اوتار سمجھتی تھی۔

بے نظام حکومتوں کا حال اس قدر ابتر تھا کہ ان حکومتوں میں خوب و زشت کی تمیز نہیں رہ گئی تھی، ایران دنیا کے سیاسی نقشہ میں قدیم اور باعزت ملک تھا لیکن چھٹی صدی میں غیر منظم حکومت کی بنا پر پورا ملک بے راہ روی اور بداخلاقیوں کا گہوارہ بن چکا تھا اخلاقی اقدار اور علوم و فنون رخصت ہو چکے تھے، پستیِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ مزدک نے برسر دربار ملکہ کی عصمت دری کی فرمائش کر ڈالی اور کسرائے ایران خاموش رہا، اسی مزدک کی تحریک نے پورے ملک کو قحبہ خانہ بنا دیا تھا، اس کی منظر کشی قدیم ایرانی دستاویز کے ''نامہ تنسر'' میں اس طرح کی گئی ہے۔

> ''ناموس ادب کا پردہ اٹھ گیا، ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل، نہ ان کے پاس موروثی جاگیر تھی اور نہ انہیں خاندان اور قوم کا غم تھا نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت، نہ انہیں کسی قسم کی فکر دامن گیر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا، چغلی اور شرارت میں مستعد اور دروغ بیانی اور تہمت میں مشاق تھے، یہی ان کا ذریعۂ محاسن تھا اور اسی کو وہ تحصیل مال و جاہ کا وسیلہ بناتے تھے''۔

ایک تاریخی اقتباس میں یہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

> ''نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف کسانوں کی بغاوتیں برپا ہو گئیں، لوٹ مار کرنے امراء کے محلوں میں گھس

جاتے تھے، مال واسباب لوٹ لیتے تھے، عورتوں کو پکڑ لے جاتے تھے اور جاگیروں پر قبضہ کر لیتے تھے''۔

یہ حال تھا لاقانونیت اور سبط نظامی کا، پورا ملک آئین وضوابط سے آزاد اور ہوسنا کیوں کا تابع ہو چکا تھا، یہی وہ ایران تھا جو اپنی شان وشوکت، تمدن وتہذیب میں دنیا میں ممتاز تھا، چھٹی صدی عیسوی میں برائیوں کی آماجگاہ بن چکا تہا، اسی صف میں روم ویونان بھی کھڑے تھے، جس ملک میں افلاطون، ارسطو، سقراط، بقراط جیسے فلسفی اور دانشور پیدا ہوئے تھے اور دیگر ممالک پر اسی کو فوقیت حاصل تھی وہ چھٹی صدی عیسوی میں اپنے تمام امتیازات کھوکر خانہ جنگی کا شکار تھا، ایران اور روم دونوں کی رائیوں میں یکسانیت تھی، کونسا ملک کس قدر آلودہ تھا، یہ اندازہ لگانا مشکل ہے نہ کوئی نظامِ زندگی تھا نہ ضابطۂ اخلاق، ہرشخص اپنی خواہشات کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہا تھا، کسی طرح کی تعزیر اور دار وگیر سے بے خوف تھا، قرض کے بارگراں سے دب کر مقروض خود کو بیچ ڈالتا تھا اور پھر وہ تمام حقوق انسانی سے یکسر محروم ہو جاتا تھا، انسانی خرید وفروخت میں کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں تھی، ماں، باپ اور اولادیں تک کھلے عام بازاروں میں بکتے تھے، ایک بے خدا قلمرو میں جتنے لایعنی کام ہو سکتے ہیں وہ سب روم ویونان میں پائے جاتے تھے اسی حکومت کو ہار لطیفی حکومت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اسی حکومت میں مصر بھی شامل تھا، اسکی قدیم عظمت قصۂ پارینہ بن چکی تھی، اہرام مصر اور عصر حاضر کی کھدائی میں وہ عظیم الشان آثار اس کی شان وشوکت اور ارتقاء کا پتہ دیتے ہیں لیکن عیسائیت قبول کرنے کے بعد مصر کو گھن لگ گیا، ترقیات نے اپنے پر سمیٹ لئے، بت پرستی کی نحوست نے وہ تمام برائیاں پیدا کر دیں جن کا تصور بھی مشکل تھا، دیگر ممالک کی برائیوں سے موازنہ کیا جائے تو مصر کا پلڑا بھاری ہی نظر آئے گا۔

یہی حالت چین کی بھی تھی، کنیوشش، بودھ اور تاؤ مذاہب کے پیروکار وعقید تمندوں کا یہ ملک، بدامنی، بداخلاقی کا مرکز تھا، کسی طرح کی خوبی ملک میں نظر نہیں آتی تھی، نہ کوئی دستور العمل تھا اور نہ سیاسی آئین، لاقانونیت اس کا طرۂ امتیاز تھا۔

تیس کروڑ دیوی دیوتاؤں والے ملک ہندوستان کا ذکر آچکا ہے، چھٹی صدی عیسوی میں اس کی حالت بدتر تھی، بتوں کی پرستش کا دور دورہ تو تھا ہی، عدم مساوات پر مبنی نظام حکومت نے سماج میں بے شمار برائیاں پیدا کر دی تھیں، بام مارگیوں کی تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا، ان کی حیا حرکتوں نے نوجوانوں میں مقبولیت حاصل کر لی اور بے حیائی، بدکرداری کے دروازے کھل گئے، پستی کی حد تو یہ ہے کہ بدکاری کے اصول وضع کئے گئے، عدم مساوات نے اس کو مزید ہوا دی، مہاتما گوتم بودھ، رام چندر جی، سری کرشن جی کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات یکسر فراموش کر دی گئیں، ان مہاپرشوں کے نام سے منسوب کہانیاں لکھی گئیں، مہابھارت کا آغاز، کوروں اور پانڈوؤں کی جنگ کے اسباب، اخلاقی زوال کی منظر کشی کرتے ہیں۔

یورپ بھی ان ممالک سے کچھ مختلف نہ تھا بلکہ آج جو اخلاقی کمزوریاں، بدکرداریاں اور اخلاقی زوال یورپین اقوام میں پایا جاتا ہے وہ ان کا قدیم تہذیبی وتمدنی ورثہ ہے، متعفن معاشرہ اور بے خدا نظام زندگی میں جو خرابیاں ہوتی ہیں وہ سب یورپ میں

موجود ہیں، اس موقعہ پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ کافی ہوگا، فرماتے ہیں کہ:

''یورپین قومیں جو شمال ومغرب میں دور دور تک آباد تھیں، جہالت وناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں اور خونریزی جنگوں میں مشغول، وہ تمدن انسانی کے کارواں سے بہت پیچھے اور علوم وفنون کی دنیا سے بہت دور تھیں، نہ بیرونی دنیا کو ان سے کوئی سروکار تھا نہ ان کو بیرونی دنیا سے کوئی مطلب، ان کے جسم گندے اور دماغ خرافات سے بھرے ہوئے تھے، وہ نظافت کیطرف توجہ اور پانی کا استعمال کم سے کم کرتے تھے، ان کے پادری اور راہب جسم کو اذیت پہنچاتے اور انسانوں سے فرار میں نہایت درجہ تشدد اور انتہا پسند تھے، ان کے یہاں ابھی تک یہی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ عورت انسان ہے یا حیوان؟ اس کے اندر ابدی وغیر فانی روح ہے یا نہیں؟ اس کو ملکیت اور بیع وشراء کا حق حاصل ہے یا ان میں سے کسی بات کا وہ حق نہیں رکھتی ہے؟''۔

رابرٹ بریفالٹ (Robet Briffault) لکھتا ہے:

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت وبربریت زمانۂ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس کی مثال ایک لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جب اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا''۔

اس اجمالی تبصرہ سے اقوام عالم کی تہذیبی وتمدنی، سیاسی وسماجی، فساد اور مذہب بیزاری کی جو تصویر سامنے آتی ہے، وہ انتہائی مکروہ اور قابل نفرت ہے، عصر حاضر کا ذہن اس بے راہ روی کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتا، چھٹی اور ساتویں صدی میں جو تیرگی چھائی ہوئی تھی اور دبیز سیاہ بادل منڈلا رہے تھے، اس میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کبھی سپیدۂ سحری بھی نمودار ہوگا اور مایوسی سے نجات ملے گی، عالم انسانیت پر نزع کی کیفیت طاری تھی، یہ یقین ہو چکا تھا کہ دنیا اپنی جلائی ہوئی آگ میں جل کر خاک سیاہ ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم وکرم سے محسن انسانیت نبی آخر الزماں خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دنیا کو تباہی سے بچالیا، ظلمتوں میں گھری ہوئی دنیا میں یہ ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی روشنی سے دنیا حیرت واستعجاب میں پڑ گئی، اور عرب کی سرزمین ہل گئی، اسی عرب کی سرزمین سے آفتاب نبوت طلوع ہوا جس کی مذہبی وسیاسی حالت یہ تھی کہ اصنام پرستی، اوہام پرستی ان کی گھٹی میں پڑی تھی، فخر ومباہات ان کا طرۂ امتیاز تھا وہ اپنے مقابلہ میں دنیا کی دیگر اقوام کو نہایت حقیر سمجھتے تھے، باہمی منافرت میں بھی عرب بہت آگے تھے، جنگ وجدال ان کا شعار تھا، قمار بازی، عشق بازی، غارتگری، قتل وقتال، بغض وکینہ، دختر کشی، ستارہ

پرستی ان کے محبوب مشاغل تھے، شعروشاعری میں ان کو یدطولیٰ حاصل تھا لیکن ہادیٔ برحق کی ایک آواز نے سرزمین عرب میں ہلچل پیدا کردی۔

وہ کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

آنحضرت ﷺ نے دنیائے انسانیت کو کتنی قربانیاں پیش کرکے سنوارا، انسان کو انسان بنایا، انسانیت کا درس دیا، توحید کا خوگر بنایا، خدائی فرمان کے مطابق نظام حکومت مرتب فرمایا، آج سب کچھ دنیا کے سامنے ہے، غیروں نے بھی اس انقلاب کو خراج تحسین پیش کیا ہے، ذیل میں صرف ایک فرانسیسی ادیب ومؤرخ کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ لیمر ٹائن لکھتا ہے۔

''کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا، اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا، توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں زیروزبر کرنا، انسان کو خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا، اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سرنو بحال کرنا، یہ تھا وہ عظیم مقصد، کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا، اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا''۔

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

''اس سے بھی زیادہ آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قربان گاہوں، دیوتاؤں، مذاہب، تصورات، عقائد اور نفوس کے اندر ایک تہلکہ ڈال دیا، ایک ایسی کتاب کو اساس بناکر جس کا ہر حرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نے ایک ایسی روحانی ملت کی تشکیل کی جو ہر نسل اور ہر زبان کے افراد پر مشتمل ہے، اس ملت اسلامیہ کی امت کی خصوصیت، جسے محمدؐ نے ہمارے ورثہ میں چھوڑا ہے، اسے جھوٹے خداؤں سے سخت نفرت ہے، اور مادہ سے مبرا خدا سے شدید لگاؤ، یہی محبت اسے خدائے واحد کی اہانت کے خلاف انتقام پر مجبور کردیتی ہے اور یہی محبت محمدؐ کے متبعین کی خوبیوں کی بنیاد بنتی ہے، اپنے عقائد کو ایک تہائی دنیا سے تسلیم کرالینا بے شک آپ کا معجزہ تھا لیکن زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ یہ ایک فرد کا نہیں بلکہ عقل کا معجزہ ہے، خدائی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی بذات خود ایک قومی معجزہ تھا، محمدؐ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا، بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی اور ایک

تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی''۔ (بحوالہ رحمت عالم: ۷۹-۸۰)

دنیا کی تاریخ میں یہ بھی ایک محیر العقول امر ہے کہ ایک معمولی عرصہ میں اسلام ایک تہائی دنیا پر حاوی ہوگیا اور پوری دنیا پر اس عقائد و تعلیمات، تہذیب و ثقافت، آئین و دستور، سیاسی اصول و ضوابط کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، پہلا اثر تو یہی ہوا کہ شخصی حکومت کے پائے چوبیں ہل گئے اور جمہوری نظام کی طرف دنیا متوجہ ہوگئی، گرموجودہ نظام جمہوریت سے مکمل ہم آہنگ نہیں ہے لیکن اثرات سے کون انکار کرسکتا ہے، اسلامی جمہوریت کو عملی جامہ پہنانے والے اور جمہوریت کا واضح تصور پیش کرنے والے مسلمان ہی ہیں، اس سے پہلے تو جمہوری نظام کا تصور ہی نہیں تھا، شخصی مستبدانہ نظام تھا جس میں کسی کو زبان کھولنے کی تاب نہیں تھی، بادشاہ کی زبان قانون تھی، سیاہ وسفید کا وہی مالک ومختار تھا، رعایا چوپایوں سے بدتر تھی، اسلامی جمہوریت کی اساس انسان کے وضع کردہ دستور پر نہیں خدائی احکام پر ہے، اسلام کسی کو کتاب وسنت سے روشنی حاصل کئے بغیر قانون وضع کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت نبی آخر الزماں ﷺ نے مدینہ منورہ میں احکام الٰہی کے مطابق ریاست کی تشکیل فرمائی، بہت سے امور میں حضرات صحابہؓ سے مشورے کئے، یعنی خدائی احکام کی روشنی میں اسلامی جمہوریہ کا آغاز ہوا، اس نظام کے مشیر کار اہل الرائے وجملہ صحابہ ہوا کرتے تھے، آج کا بے خدا جمہوری نظام نہیں تھا جس میں ہر کس وناکس کے ہاتھ گنے جاتے تھے تولے نہیں جاتے، اس جمہوریت میں کتنی خامیاں ہیں، وہ جگ ظاہر ہے، جو دستور بھی انسانوں کا وضع کردہ ہوگا وہ خامیوں سے مبرا نہیں ہوسکتا، عوام جن افراد کو دستور ساز اداروں میں بھیجتے ہیں وہ مفاد پرست ہوتے ہیں، خدمت خلق کا کوئی جذبہ ان میں نہیں ہوتا، خدمت کا تعلق ایمان وتقویٰ سے ہے، یہی خدمت، عدل وانصاف، امن وآشتی اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے مہمیز کرتے ہیں، نیز ایمان وتقویٰ حکومت کا رکن بننے سے روکتے ہیں، مبادا لغزشوں پر خدا کے حضور گرفت ہوجائے۔

جب تک بے خدا نظام میں خدائی احکام کی روشنی سے کسب نور نہیں ہوگا اس وقت تک دنیا شرمناک حرکتوں سے کراہتی رہے گی چونکہ حضرت نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنے عہد مسعود میں احکام الٰہی کے مطابق حکومت کی تشکیل فرمائی تھی، اس لئے وہ خطۂ ارضی جو معائب کے مہیب غار میں تبدیل ہو چکا تھا وہ اس عہد مسعود میں بقعۂ نور بن چکا تھا، اس معاشرہ کے افراد خلاصۂ کائنات بن کر ابھرے اور دنیا کے سامنے قیادت وسربراہی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، حضرت نبی آخر الزماں ﷺ کے بعد بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول منتخب ہوئے اور اپنی مختصر مدت خلافت میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمام قیادت سنبھالنے کے بعد جو پہلا خطبہ دیا ہے وہ اسلامی جمہوریہ کا آئینہ اور اصول ہے۔ ارشاد فرمایا کہ

''میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستے پر قائم کرو، راستی وراست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت، تم میں جو ضعیف ہے وہ

میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلوادوں اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک کہ میں اس سے حق نہ لے لوں، تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرنا، جب کوئی قوم جہاد کو ترک کردیتی ہے تو وہ ذلیل ہو جاتی ہے، جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو، جب اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تم میرا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے''۔

یہ ہے اسلامی جمہوریت جس میں اختیار کل کسی فرد کو حاصل نہیں ہے، اللہ اور رسول کی اطاعت اس کی بنیاد ہے اور شورائیت پر اس نظام کا دارومدار ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تادمِ آخری اسی اصول کے پابند رہے، جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو اپنا خلیفہ خود نہیں بنایا بلکہ اہل الرائے سے مشورہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کا اعلان فرمایا اور باضابطہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک وصیت نامہ لکھوایا اور وہ تحریر بھی مجمع عام میں سنائی گئی، پھر شدت مرض کے باوجود مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا اور میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمر فاروق ؓ کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ کر لینے کے بعد خلیفہ بنایا ہے پس کیا تم لوگ اس شخص کے خلیفہ ہونے پر رضامند ہو جس کو میں نے تمہارے لئے انتخاب کیا ہے، یہ سن کر لوگو ں نے کہا کہ ہم آپ کے انتخاب اور تجویز کو پسند کرتے ہیں۔ پھر صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ تم کو چاہئے کہ عمر فاروق ؓ کا کہنا سنو اور اس کی اطاعت کرو، سب نے اقرار اطاعت کیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق کو مخاطب کرکے فرمایا:

اے عمر ؓ! میں نے تم کو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر اپنا نائب بنایا ہے، اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرتے رہنا، اے عمر! اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق ہیں، جو رات سے متعلق ہیں ان کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا، اسی طرح بعض حقوق دن سے متعلق ہیں جن کو وہ رات میں قبول نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا جب تک فرائض نہ ادا کئے جائیں۔

اے عمر! جن کے اعمالِ صالحہ قیامت میں وزنی ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے اعمال نیک کم ہوں گے وہ مبتلائے مصیبت ہوں گے۔

اے عمر! فلاح و نجات کی راہیں قرآن مجید پر عمل کرنے اور حق کی پیروی سے میسر ہوتی ہے۔

اے عمر! کیا تم کو معلوم نہیں کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارت کی آیات قرآن مجید میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں تاکہ مؤمن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس سے اپنی مغفرت طلب کرتا

رہے۔

اے عمر! جب قرآن مجید میں اہل نار کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ الٰہی! تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا اور جب اہل جنت کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ الٰہی تو مجھے ان میں شامل کر۔

اے عمر! تم جب میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے''۔

۱۳ھ میں اس وصیت اور تحریر کے بعد ۲۲/اور ۲۳/ جمادی الثانی کی درمیانی شب میں ۶۳/سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اب خلافت کی زمامِ کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ایسی جمہوری حکومت قائم کی جس کا کوئی نمونہ سامنے نہیں تھا، نہ کسی حکومت کے پاس ایسا دستور العمل تھا جس کو نمونہ بنایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ حکومت اور ان کی وصیتوں کو حرزِ جان بنا کر یہ فیصلہ کیا کہ خلافت کا دار و مدار مشورہ پر ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کی تشکیل کی جس کے چند ارکان یہ تھے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ۔

روزمرہ کے معمولی معاملات میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن اہم معاملات میں اجلاس عام منعقد ہوتا تھا جس میں مہاجرین اور انصار شامل ہو کر فیصلے کرتے تھے، پورے ملک کو اس شورائی نظام پر مکمل اعتماد تھا، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آزادیٔ رائے کی ایسی روح بیدار کردی تھی جس نے ہر شخص میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی جرأت پیدا کردی تھی کہ ایک عام آدمی بھی حضرت عمرؓ کو ٹوک دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا، اس آزادیٔ مساوات کا تصور اس سے پہلے کب اور کہاں تھا؟ یہ سبق حضرت عمرؓ نے قرآن مجید میں پڑھا تھا اور حضرت نبی آخر الزماں ﷺ کی صحبت میں دیکھا تھا، نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا، انہوں نے حکومت میں اپنی حیثیت اور عوام کی حقوق طلبی ان فقروں سے ظاہر فرمائی کہ:

''مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اسقدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا ضرورت پڑے گی تو دستور کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور پر نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤ اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں، ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں''۔

اگر کوئی فرماں روا اس طرح کی آزادی فراہم کر رہا ہے تو اس سے بڑے منصف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس سے بہتر جمہوریت کا نقشہ ذہن میں آسکتا ہے، آج کی جمہوریت میں جو خامیاں ہیں وہ جگ ظاہر ہیں اس کے بالمقابل اسلامی جمہوریہ کی روح، اللہ ورسول کے احکام وفرامین ہیں، ان سے انحراف کرکے کوئی بھی نظام حکومت کامیاب نہیں ہوسکتا بے خدا

جمہوریتوں میں، زراندوزی، ذخیرہ اندوزی، فریب کاری، چوری، ڈکیتی، حقوق سلبی، حقوق سے محرومی، ظلم وجور، قانون کی خلاف ورزی، رشوت خوری، شراب نوشی، بدکاری اور دیگر تمام جرائم کے ارتکاب سیل رواں ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتے بلکہ روز بہ روزان میں اضافہ ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا اس لئے کہ جرائم اور لاقانونیت پر قابو پانے کے لئے ایک ایسے واجب الوجود کا تسلیم کرنا ضروری ہے جو ہر شخص تمام حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہو اور اس کے حضور میں تمام اعمال پیش ہوں اور وہی ابدی جزا وسزا حکم سنائے، اس عقیدہ کے بغیر کوئی نظام خواہ کتنا ہی چست اور سخت کیوں نہ ہو، ناکام ہی رہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جرائم کے ارتکاب کی مثالیں نہیں ملتیں، اس دور کے قدسی صفات انسانوں نے اپنے نیک اعمال، اپنے پاکیزہ اخلاق سے عوام کو متأثر کیا اور عقیدۂ توحید کو اس قدر راسخ کردیا تھا کہ دن کے اجالے میں، رات کی تاریکی میں، بالا خانہ اور تہہ خانوں میں صحرا و سمندر میں غرضیکہ ہر جگہ اور زندگی کے ہر موڑ پر وہ اس عقیدہ کی بنیاد پر جرائم کے ارتکاب اور قانون کی خلاف ورزی سے سخت اجتناب کرتے تھے، ایک طرف خداترسی اور دوسری طرف قانون کی سخت گیری جس کے نفاذ میں ہر کہہ ومہہ برابر تھے، گورنر میں پل پل کی خبریں پہنچاتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ معرکہ آرائیوں میں حد درجہ مصروفیت کے باوجود ملک کے نظم وانصرام میں کوئی خامی نظر نہیں آتی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کی فہرست پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

(۱) نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی (۲) عراق پر لشکر کشی (۳) فتح دمشق (۴) جنگ فحل (۵) فتح بیسان (۶) صداء (۷) عرقہ (۸) جیل (۹) بیروت (۱۰) عراقی معرکے (۱۱) فتح کسکر (۱۲) فتح باقشیا (۱۳) جنگ بویب (۱۴) جنگ قادسیہ (۱۵) فتح بابل (۱۶) فتح کوفی (۱۷) فتح مدائن (۱۸) معرکۂ جلولاء (۱۹) شامی معرکے (۲۰) فتح حمص (۲۱) فتح قنسرین، فتح حلب، فتح انطاکیہ (۲۲) فتح بغراس ومرعش وحرث (۲۳) فتح قیساریہ وفتح اجنادس (۲۴) فتح بیت المقدس (۲۵) فتح کریب وجزیرہ (۲۶) بصرہ وکوفہ، فتح اہواز (۲۷) فتح مصر (۲۸) جنگ نہاوند (۲۹) ملک عجم کی عام تسخیر (۳۰) ایران پر لشکر کشی (۳۱) فتح اصفہان (۳۲) ہمدان وغیرہ کی فتح (۳۳) آذربائیجان (۳۴) طبرستان (۳۵) آرمینہ (۳۶) فارس (۳۷) کرمان (۳۸) سیستان (۳۹) مکران (۴۰) خراسان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں معرکہ آرائیوں کی یہ ایک مختصر فہرست ہے، اسی سے حضرت عمرؓ کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروفیات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ ملکی نظم ونسق کو چست درست رکھنے کے لئے متعدد صیغے قائم تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک کو صوبہ جات اور اضلاع میں تقسیم کرکے عہدیداران بنائے، ان کے فرائض واختیارات کو مفصل بتایا حسب منصب تنخواہیں مقرر فرمائیں، صیغہ جات کو ایک نظر میں یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے صیغۂ محاصل قائم کیا، عرب کے تمدن میں یہ پہلا کارنامہ تھا جس سے عرب تمدن ناآشنا تھا، صیغۂ عدالت قائم کیا، اس میں قاضی، مفتی، اور دیگر عہدیداران مقرر کئے، دارالافتاء مستقل ایک شعبہ تھا، اس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتی، فوجداری اور پولیس

کا محکمہ دنیا کو بیت المال یا خزانہ سے واقف کیا، ایک محکمہ سفارت نافعہ کے نام سے قائم کیا، اس کے متعلق سرکاری عمارتیں، سڑکیں، نہریں، پل اور شفا خانے وغیرہ تھے، جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتا تھا، فوج کا محکمہ الگ تھا، محکمۂ تعلیم اور صیغۂ مذہبی الگ تھے، ان کے علاوہ اور بہت سے شعبے اور محکمے قائم تھے، آراضی کی تقسیم اور ان کی پیمائش کے شعبے مستقل حیثیت رکھتے تھے، یہ اشارات ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے، مورخین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چند اولیات کا جو ان کی اپنی سیاسی بصیرت کی پیش رفت ہے ان اولیات کی کوئی نظیر دنیا کے کسی آئین میں نہیں تھی، وہ اولیات یہ ہیں۔

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) سن ہجری ایجاد کیا (۳) عدالتیں قائم کیں (۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر قائم کیا، اس میں فوجی ٹریننگ دی جاتی تھی (۶) رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۷) مالیات کا الگ سے دفتر قائم کیا (۸) ملک کی پیمائش کا طریقہ ایجاد کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے جیسے کوفہ، بصرہ، جزیرہ، فسطاط (قاہرہ، موصل) (۱۲) مقبوضہ کو با قاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا (۱۳) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کی کرنے کی اجازت دی (۱۴) درہ کا استعمال کیا (۱۵) جیل خانہ قائم کیا (۱۵) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۱۶) (راتوں میں خود گشت کر کے رعایا کے حال سے باخبر رہنے کا طریقہ نکالا (۱۷) پرچہ نویس مقرر کئے (۱۸) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۱۹) راستے اور مسافروں کے لئے کنویں اور مکانات بنوائے۔ (۲۰) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت عرب اس سے ناواقف تھا (۲۱) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات تعمیر کرائے (۲۲) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے روزینے مقرر کئے (۲۳) گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی (۲۴) راہ میں پڑے ہوئے بچوں کی پرورش و پرداخت روزینے مقرر کئے۔ (۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے (۲۶) یہ قاعدہ وضع کیا کہ عرب خواہ وہ کافر ہوں غلام نہیں بنائے جا سکتے (۲۷) مکاتب قائم کئے (۲۸) محلوں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے (۲۹) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے کام کو پورا کیا (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا (۳۲) فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی (۳۴) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائے طلاق بائن قرار دیا (۳۵) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے (۳۶) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوۃ مقرر کی (۳۷) وقف کا طریقہ ایجاد کیا (۳۸) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرایا (۳۹) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۴۰) مساجد میں روشنی کا انتظام کیا (۴۱) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی (۴۲) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات کو دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت وخلافت کے لئے کتنا ثابت الذہن اور وسیع النظر ان کو اللہ تعالیٰ نے بنایا تھا اور کسی طرح حکومت کی ایسی عدیم المثال قائم فرمائی جس کا تصور بھی مشکل تھا، دیگر اعمال وفضائل میں بھی حضرت عمرؓ کو امتیاز حاصل تھا، ایسی مجمع کمالات شخصیت کب دنیا نے کبھی دیکھی ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ نے جو خراج تحسین وعقیدت پیش کیا ہے ان ہی کے الفاظ میں پیش کر کے اپنی یہ تحریر ختم کرتا ہوں۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر یہ ہے۔

''سینۂ فاروق اعظم را بمنزلۂ خانہ تصور کن کہ درہاست مختلف دارد ودر ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یک درمثلاً اسکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری وجہاں ستانی وجمع جیوش وبرہم زدن اعداء؟ در درِ دیگر نوشیروائے باآں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری وداد گستری (اگر چہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروقؓ سوواجب است) ودر دیگر امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ واحکام ودر در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاء الدینؒ، ودر در دیگر محدثے بروران ابوہریرہ وابن عمرؓ ودر دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار، ومردماں گرد اگر این خانہ ایستادہ اند وہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید وکامیاب گردد۔

مفتی سعید الظفر صاحب قاسمی ✿

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط۔ایک جائزہ

ملت اسلامیہ کی حدود اربعہ کی وسعت اور پھیلاؤ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور ہی سے شروع ہو چکا تھا، خلافت راشدہ کے ہر خلیفہ کے دور میں مختلف محاذوں پر فوجیں مصروف رہتی تھیں سلطنت اسلامیہ سے دور دراز علاقوں میں مختلف صیغے قائم کئے جا چکے تھے، جن پر نگراں اور افسران مقرر تھے، اس طرح خلافت کا کاروبار زندگی پھیلتا چلا گیا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں اپنے ماتحت افسران اور نگراں امور کو ہدایت دینے اور ان حضرات کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے خطوط کا استعمال ناگزیر تھا، خلفاء اربعہ کے دور خلافت میں خطوط کا استعمال ملتا ہے لیکن اس وقت ہمارا مطمح نظر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے خطوط کا مختصر تعارف اور جائزہ پیش کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں دیگر خلفاء کے مقابلہ خطوط کی کثرت ملتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر فاروقؓ کے دس سال سے زائد دور حکومت میں ایک دن بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ان کی فوج کسی نہ کسی محاذ پر جنگ وقتال میں مصروف نہ رہی ہو، روزانہ ان کے پاس جنگی محاذوں، صوبائی گورنروں اور زکاۃ کلکٹروں کے ایلچیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جو فتح صلح، معاہدہ، رسد، ہتھیار، مال غنیمت، جزیہ، زکاۃ، دوسرے بہت سے سول اور فوجی امور سے متعلق خط اور پیغامات لے کر آتے تھے جن میں بہت سے فوری جواب کے مستحق ہوتے تھے۔ ان حالات کے علاوہ دور فاروقی میں حکومت اسلامیہ نے بے پناہ ترقیات کیں بہت سے صیغے اور محکمے ایسے ہیں ان کی ابتداء اور وجود دور فاروقی ہی میں ہوا ان کو اولیات عمرؓ سے یاد کیا جاتا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں (۳) فوجی دفتر قائم کیا، اس میں فوجی ٹریننگ دی جاتی تھی (۴) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۵) رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۶) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۷) راہ میں پڑے بچوں کی پرورش و پرداخت روزینے مقرر کئے (۸) مکاتب قائم کئے، ان کے علاوہ حضرت عمرؓ نے اپنے زیر انتظام وانصرام ملک کو مختلف صوبہ جات

✿ استاذ تفسیر دار العلوم حیدر آباد

میں تقسیم کیا تھا اوران پر گورنروں کا تقرر فرمایا تھا۔ متعلقہ افسران کو ہدایتیں اور مشورے دینے کے لئے دور فاروقی میں خطوط نویسی کو بہت زیادہ فروغ ملا۔

حضرت عمرؓ کی خطوط نویسی

حضرت عمرؓ کے دستیاب خطوط کے مطالعہ سے اندازہ ہے کہ حضرت عمرؓ اختصار پسند واقع ہوئے تھے، آپؓ کے خطوط میں سائل کے سوالات کے جوابات یا کمانڈر اور نگراں محکمہ کے لئے مختصر جملوں میں ہدایت ملتی ہے البتہ آپ نے بعض تفصیلی خطوط بھی تحریر فرمائے ہیں لیکن ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے تین مواقع پر آپؓ نے تفصیلی خطوط کا التزام فرمایا ہے:

(۱) جب آپ کو کسی ملک اور خطے کی فتح کی خوشخبری ملتی تو آپ فوجی کمانڈر اور سپہ سالار کو اللہ سے ڈرنے، مفتوح رعایا پر رحم دلی کا حکم دیتے مثلاً فتح مدائن کی خبر سنکر عمر فاروقؓ نے سعد بن ابی وقاص کے نام طویل خط لکھا تھا، اس کی ابتداء یہاں سے کی تھی، لکھتے ہیں کہ:

''میں تمہیں خدا سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں، خدا جس کے خوف سے خوش نصیبی حاصل ہوتی ہے اور جس سے بے خوف ہو کر لوگ بدنصیبی کا شکار ہوتے ہیں، تم ان عنایتوں سے واقف ہو جو خدا نے تمہارے ساتھ کی ہیں''(۱)

اس کے علاوہ اس خط میں فتوحات سے متعلق وہ تمام بشارتیں یاد دلائی گئیں ہیں جو لسان نبوت ﷺ سے ادا ہوتی تھیں تاکہ مادہ شکر پیدا ہو اور مجاہدین کا پاس ولحاظ اور مفتوح قوم کے حقوق کی ادائیگی کی حد درجہ تاکید کی گئی ہے۔

آخرت کی یاددہانی

۲۔ حضرت عمرؓ نے ایسے موقعوں پر بھی تفصیلی خطوط نویسی کا التزام فرمایا ہے کہ جب کسی کمانڈر یا گورنر کا ایلچی خلیفہ ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا'' ایلچی کے وضع قطع سے حضرت عمرؓ نے محسوس کرلیا کہ ان کے بڑے تنعمات کے شکار ہوچکے ہیں تو حضرت عمرؓ اس کے سرپرست کو تنبیہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۱۹ھ میں فتح قیساریہ کی خوش خبری جس شخص کی معرفت بھیجی وہ نہایت پر تکلف کپڑوں میں ملبوس تھا جو شکست خوردہ بزنطی فوج کے مال غنیمت سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے، خلیفہ کو یہ لباس دیکھ کر افسوس ہوا، انہیں یہ خبر بھی ملی کہ مسلمان زندگی کے تنعمات میں چڑھتے جارہے ہیں، انہوں نے ابوعبیدہؓ کے نام طویل خط میں لکھا تھا کہ:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ (فوج کے) بدو عرب لذائذ دنیوی کے شیفتہ ہوگئے ہیں اور ان پر دینا کا فریب چل گیا ہے، جنتوں کی نعمتوں اور اس کے محلوں کو بھول گئے ہیں، ساٹن اور ریشم کے کپڑوں

میں اترا کر چلتے ہیں، گیہوں کی روٹی اور حلوہ کھانے لگے ہیں، تن وزبان کی لذتوں نے آخرت کی طرف سے انہیں غافل کر دیا ہے'' (۲)

نومنتخب سپہ سالار کو نصیحت

۳۔ حضرت عمرؓ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کوئی گورنر یا سپہ سالار کی شہادت یا وفات ہو جاتی اور کسی کو اس کا جانشین مقرر کیا جاتا تو خلیفہ نئے جانشین کو اللہ سے ڈرنے اور اتباع سنت کی ترغیب دلاتے، رعایا کے حقوق یاد دلاتے، کمزروں کے ساتھ عفو وکرم کا معاملہ کرنے کی تلقین کرتے اور ہر معاملہ میں توکل علی اللہ کو لازم پکڑنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ نے انتقال کے وقت عیاض بن غنم کو اپنا جانشین نامزد کیا جوان کے رشتہ دار، مشیر اور بڑے کمانڈر تھے، حضرت عمرؓ نے یہ تقرر بحال رکھا اور عیاض بن غنم کو لکھا کہ:

''اپنا شعار خوف خدا کو بناؤ اور اس مالک سے ڈرتے رہو جو تمہارے ظاہر وباطن کا حال یکساں جانتا ہے تمہارے سامنے جو مسائل اور قضیے آئیں انہیں قرآن کی رو سے طے کرو اور اگر قرآن میں ان کا حل نہ ملے تو سنت رسول اللہ اور ابوبکر کی طرف رجوع کرو، دشمن کی کثرت اور اپنی قلت سے تنگ دل نہ ہو، اسلامی فوج بہت سے معرکوں میں دشمن سے کم رہی بالآخر فتح اسی کو نصیب ہوئی'' (۳)

حضرت عمرؓ کے خطوط اور اختصار نویسی

ان مواقع کے علاوہ دیگر سرکاری امور میں آپؓ کی طرف منسوب جو خطوط ملتے ہیں وہ مختصر ہیں، دور فاروقی پر نظر دوڑائیں تو اختصار نویسی کے لیے درج ذیل وجوہات کو سبب بنایا جاسکتا ہے۔

۱۔ اختصار نویسی کا سب سے بڑا سبب سرکاری کاموں کا ہجوم تھا، اس دور کا طرز حکومت موجودہ طرز سے مختلف تھا نہ ان خلفاء راشدین کے پاس عملہ تھا نہ منشی حضرات۔ جو کچھ تھا، انہیں کی ذات تھی، نظام مملکت چلانے کے لیے جتنے امور کی انجام دہی ضروری ہے وہ سب کے سب انہیں حضرات سے وابستہ تھے۔

۲۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عمرؓ دوسرے تینوں خلفاء کی طرح باقاعدہ پڑھے لکھے نہیں تھے، اور اس وقت کے ماحول پر نظر دوڑائیں تو نہ عرب معاشرہ میں علمی ماحول تھا نہ مدارس ومکاتب، اس لیے عربوں نے نہ تو خط نویسی کی مشق کی تھی، نہ انشاء پردازی کی تربیت حاصل کرنے کا موقع ملتا تھا معمولی تجارتی خط وکتابت سے وہ حضرات واقف تھے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت کاغذ بہت ہی کم مقدار میں دستیاب تھا اس دور میں صرف مصر میں بَردی نامی پودے سے کاغذ بنایا جاتا تھا، حکومت کے دفاتر میں اس کی مانگ بہت زیادہ تھی، بازاروں میں یا تو

ملتا ہی نہیں تھا اور اگر ملتا تو بے حد گراں، اس لیے خطوط نویسی میں بڑے ایجاز و اختصار سے کام لیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ اور خطوط نویسی کے طریقے

خطوط نویسی کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا طریقہ کار حالات اور موقع کی مناسبت سے مختلف تھا۔

۱۔ اگر کمانڈر، گورنر اور زکاۃ کلکٹر وغیرہ خط کے ذریعہ مشورہ یا حکمت عملی طے کرتے تو خلیفہ کا معمول تھا انہی کے خطوط کے نیچے یا پشت پر ایک دو جملوں میں جواب کا لب ولباب لکھ دیتے اور جواب سے متعلقہ ہدایات سفیروں کو زبانی بتا دیتے تھے۔

۲۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مذکورہ ماتحت حضرات کے خطوط کی جگہ سفیروں کے ذریعہ زبانی پیغام آتے تھے تو خلیفہ ایک چھوٹے سے کاغذ پر اختصار کے ساتھ ہدایات لکھ دیتے اور بقیہ تفصیلات سفیروں کے گوش گذار کر دیتے تھے۔

۳۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ملاقاتیوں کے ہجوم میں حضرت عمرؓ کو لکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا تو کسی معتمد، پڑھے لکھے عقلمند کو حکم دے دیتے تھے کہ جواب کا حاصل لکھ کر سفیروں کے حوالے کر دیں۔

حضرت عمرؓ کے خطوط کی ترتیب

حضرت عمرؓ کے خطوط نویسی کی ترتیب قرآنی ترتیب ہے کہ آپ پہلے ''بسم اللہ'' لکھتے ہیں اور شروع ہی میں مرسل اور مرسل الیہ کی وضاحت کرتے ہیں اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتے ہیں، آپ کا طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے، مرسل الیہ جھنجھلاہٹ کا شکار نہیں ہوا۔

نمونہ کیلئے وہ خط حاضر ہے جو حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کے نام لکھا ہے، دراصل مصر میں دستور تھا کہ ہر سال ایک کنواری لڑکی کو عمدہ کپڑے اور زیور پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیا جاتا تھا، مصریوں کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنے سے نیل کا پانی اونچا ہو کر کھیتوں میں پہنچنے لگتا ہے، بابلیون کی فتح کے بعد جب وسطی اور زیریں مصر پر اسلامی تسلط قائم ہوا تو مقامی زمینداروں نے عمرو بن عاص کو بتایا کہ ہر سال جون کی بارہ تاریخ کو ہم ایک کنواری لڑکی کو بہترین لباس اور زیور پہنا کر اس میں ڈال دیتے ہیں، ایسا کرنے سے دریا کا پانی بلند ہو جاتا ہے اور ہماری اراضی سیراب ہونے لگتی ہے، گورنر نے کہا کہ اسلامی حکومت میں ایسی باطل رسموں کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا، کاشتکاروں نے تین ماہ انتظار کیا اور جب نیل کا پانی نہ بڑھا تو وہ جلاوطنی کی تیاری کرنے لگے، گورنر مصر گھبرائے اور حضرت عمرؓ کو صورت حال سے مطلع کیا، حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کے نام لکھا کہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ امیر المؤمنین کی طرف سے نیل مصر کے نام، اگر تو مخلوق ہے تو تیرے بس میں نہ تو فائدہ پہنچانا ہے نہ نقصان اور اگر تو اپنے ارادہ اور اختیار سے رواں ہے تو رک جا، ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو خدا کی دی ہوئی طاقت سے بہہ رہا ہے تو پہلے کی طرح بہنے

لگ''۔(۴)

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط کی موجودہ حیثیت

حضرت عمرؓ کے خطوط مختلف کتابوں میں منتشر ہیں، مصنفین اور مؤلفین حضرات نے اپنے موضوع مناسبت سے خطوط کا انتخاب کیا ہے اور استدلال یا نمونہ کے لیے پیش کیا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں ان خطوط کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان خطوط کے بارے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلیفہ ثانی کے ہیں اور ان میں کسی طرح حذف واضافہ نہیں ہوا ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے پہلی صدی ہجری میں وضع آثار واحادیث اور حذف واضافہ کے حوالہ سے ماحول پر نظر ڈالنی ہوگی، ابن ماجہ کی بعض روایات کی روشنی میں محسوس ہوتا ہے کہ وضع حدیث اور حذف واضافہ آپ ا کی زندگی میں ہی شروع ہوگیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده فی النار''.(۵)

''جو شخص بارادہ کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

اس دور کے مطلب پرست انسان ان جیسی سینکڑوں وعیدوں سے بھی نہیں گھبرائے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا حتی کہ شیخین کے دور میں وضع حدیث کا رجحان اس قدر بڑھ گیا کہ وہ حضرات کوئی بھی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے، جب تک راوی حدیث دو گواہوں سے اس کے مستند ہونے کی توثیق نہ کرا دیتا۔(۶)

خلیفہ رابع حضرت علیؓ کے دور میں صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی لوگ ذاتی مفاد کی خاطر جھوٹی شہادتیں بھی دینے لگے ان حالات کی وجہ سے حضرت علیؓ نے حدیث کی توثیق میں گواہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ آپؓ راوی سے حلفیہ بیان بھی لیتے تھے کہ وہ موضوع نہیں ہے۔(۷)

یہ پہلی صدی ہجری کا مختصر جائزہ تھا خلفائے ثلاثہ کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے خطوط کئی پشتوں تک یادداشت سے بیان ہوتے رہے، مرور ایام، بڑھاپے اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے خطوط بگڑتے اور بدلتے رہے۔

ان خطوط میں راویوں نے بھی اضافے کئے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اضافہ سے راویوں کا مقصد یہ تھا کہ کاتب خط کی شخصیت ترک دنیا، خدا ترسی، جوش جہاد، قانونی مہارت، سیاست وتدبر، مسلمانوں کی خیر اندیشی اور اسی طرح کے اچھے صفات سے متصف ہوجائے اور پڑھنے والوں کے دل میں ان کی عظمت وتقدس کے نقوش گہرے ہوجائیں۔

حضرت خالد بن ولید کی معزولی

راویوں کے حذف واضافہ کی نشاندہی کے لیے حضرت عمرؓ کے خطوط سے ہم نے تین خطوط کا انتخاب کیا ہے، قارئین کرام

کی خدمت میں پیش کیئے جارہے ہیں:

(۱) پہلا خط شامی افواج کی سپہ سالاری سے خالد بن ولیدؓ کی معزولی اور ابوعبیدہ بن جراحؓ کے تقرر کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس خط کو راویوں نے چھ طریقے سے روایت کیا ہے۔

خط کی پہلی روایت

''اگر خالد اس بات کا اقرار کریں کہ انہوں نے میری بابت جھوٹی باتیں کہی ہیں تو وہ اپنے عہدہ پر بحال رہیں گے ورنہ وہ معزول ہیں اور تم سپہ سالار تم ان کا عمامہ اتار لینا اور ان کی آدھی دولت ضبط کر لینا''۔(۸)

خط کی دوسری روایت

''تمہیں سپہ سالار مقرر کرتا ہوں، اگر خدا (یرموک کی جنگ میں) تمہیں کامیابی عطا کرے تو (خالد کے ساتھ عراق سے آئی ہوئی) فوج کو عراق لوٹا دینا نیز ان سپاہیوں کو جو تمہارے پاس آنے والی کمک سے لوٹنا پسند کریں''۔(۹)

خط کی تیسری روایت

''میں نے تمہیں شام کا گورنر اور اسلامی فوج کا سالار مقرر کیا ہے اور خالد کو اس عہدہ سے معزول کر دیا ہے، والسلام''۔(۱۰)

خط کی چوتھی روایت

''میں تمہیں اس خدا سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جس کے سوا ہر شئے فانی ہے، جس نے ہمیں گمراہی سے نکال کر سیدھا راستہ دکھایا اور اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا، میں نے تمہیں خالد بن ولیدؓ کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا ہے، مسلمانوں کی دیکھ بھال میں لگ جاؤ جو بحیثیت امیر تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے غنیمت کی امید میں انہیں کسی پر خطر مہم پر نہ بھیجو اور کسی جگہ ٹھہرانے سے پہلے وہاں کے حالات اور راستہ سے واقفیت حاصل کر لو، کہیں فوج بھیجو تو اس بات کا خیال رکھو کہ اس میں غازی کثیر تعداد میں ہو، تمہارا کوئی فعل یا فوجی کاروائی ایسی نہ ہو جس سے مسلمان تباہ ہو جائیں، خدا نے تمہیں میرا ماتحت بنا کر تمہاری آزمائش کی ہے اور مجھے تمہارا حاکم بنا کر میری، دنیا کی ٹھاٹ باٹ سے نظریں ہٹالو اور دنیا کی محبت دل میں نہ آنے دو، خبر دار کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی محبت تمہیں ہلاک کر دے جس طرح پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے، تم نے ان کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے''۔(۱۱)

خط کی پانچویں روایت

''بحمد اللہ تمہارے پاس اتنی فوج ہے کہ دمشق کا محاصرہ بخوبی کر سکتے ہو، یہ خط پڑھ کر سالاران فوج کو جمع کرو اور ساتھ والا خط پڑھ کر سناؤ تا کہ انہیں تمہاری سپہ سالاری اور خالد کی معزولی کا علم ہو اور وہ ان کے بجائے تمہارے حکم کی تعمیل کرے جن لوگوں کی تمہیں ضرورت نہ ہو انہیں میرے پاس بھیج دو اور جن کے بغیر تمہارا کام نہ چلتا ہو انہیں اپنے پاس رکھو، خالد ایسے لوگوں میں ہے جن کے بغیر تمہارا گذارا نہیں ہوسکتا، اس لیے انہیں پاس رکھو''۔ (۱۲)

خط کی چھٹی روایت

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ عمرؓ امیر المؤمنین کی طرف سے ابوعبیدہ بن جراح کو ''سلام علیک'' میں خدا کا سپاسگذار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمہیں معلوم ہو کہ ابوبکر صدیقؓ جانشینِ رسول اللہ کا انتقال ہوگیا - انا للّٰہ وانا الیہ راجعون - خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ابوبکرؓ پر جو صحیح کام کرنے والے، انصاف پسند، جائز مواخذہ کرنے والے، نرم مزاج، پاک باز، متواضع اور دانا تھے، میں اپنی اور سارے مسلمانوں کی اس مصیبت سے اجر خیر کا طالب ہوں، میری خواہش ہے کہ تقوی کے ذریعہ گناہ اور برائی سے بچ کر خدا کی رحمت کا مستحق بنوں، جب تک زندہ ہوں اس کی اطاعت میں لگا رہوں مرنے کے بعد جنت سے بہرہ ور ہوں، بے شک خدا ہر بات پر قادر ہے، مجھے معلوم ہے کہ تم نے دمشق کا محاصرہ کرلیا ہے میں نے تمہیں مسلمانوں کا سالار اعلی مقرر کیا ہے، حمص اور دمشق کے نواحی نیز شام کے دوسرے علاقوں میں رسالے پھیلا دو لیکن اس معاملے میں اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی رائے سے بھی کام لو، صرف میرے لکھنے سے اپنا لشکر خطرہ میں نہ ڈالو جس سے دشمن کو تمہیں نقصان پہنچانے کا حوصلہ ہو، جو لوگ تمہارے پاس زائد ہوں انہیں میرے پاس بھیج دو اور جو محاصرہ میں تمہارے لیے ضروری ہوں انہیں اپنے پاس رکھو، خالد بن ولیدؓ کو بھی روک لو کیوں کہ ان کے بغیر تمہارا کام نہیں چل سکتا''۔ (۱۳)

عبداللہ ابن مسعودؓ کو کوفہ کا معلم بنایا گیا

(۲)　　حضرت عمر فاروقؓ نے صحابی عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم قرآن اور عمار بن یاسرؓ کو گورنر کوفہ مقرر کیا اور وہاں کے ایک لاکھ سے زائد غازیوں کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی جس کی پانچ روایات اخبار و آثار کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

پہلی روایت:

''قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے (ابن مسعود کو معلم قرآن کی حیثیت سے بھیج کر) تمہاری ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی ہے، ان سے قرآن سیکھو''۔(۱۴)

دوسری روایت:

''کوفہ کے باشندو، تم کوفہ کے سرتاج اور میرا وہ تیر ہو جسے میں قریب اور دور کے خطرہ کے وقت چھوڑتا ہوں، میں عبداللہ ابن مسعود کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، انہیں میں نے تمہارے لیے منتخب کیا ہے اور انہیں بھیج کر تمہاری ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی ہے''۔(۱۵)

تیسری روایت:

''میں نے عمار بن یاسر کو گورنر اور عبداللہ (بن مسعود) کو معلم قرآن اور وزیر (مشیر) بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، یہ دونوں رسول اللہ ا کے برگزیدہ ساتھیوں میں سے ہے، ان کا کہا مانو اور ان کی پیروی کرو، میں نے عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج کر ایثار سے کام لیا ہے''۔(۱۶)

چوتھی روایت:

''میں نے عمار بن یاسر کو تمہارا گورنر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم و وزیر مقرر کیا ہے، حذیفہ بن یمان کو دجلہ اور عثمان بن حنیف کو فرات سے سیراب ہونے والے علاقہ کی پیمائش اور لگان بندی کا منتظم مقرر کیا ہے''۔(۱۷)

پانچویں روایت:

''میں تمہارے پاس عمار بن یاسر کو گورنر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں یہ دونوں رسول اللہ ا کے برگزیدہ ساتھی اور بدر کے مجاہد ہیں، ان کی اقتداء کرو اور ان کا حکم مانو، میں نے عبداللہ کو ایثار کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے، میں نے انہیں تمہارے خزانہ کا نگراں بنا دیا ہے، اور عثمان بن حنیف کو (عراق کے مزروعہ علاقہ) سواد کی پیمائش اور لگان بندی کا منتظم مقرر کیا ہے اور تینوں کے لیے ایک بکری یومیہ راشن کر دی ہے، نصف مع پیٹ کے، عمارؓ کے لیے اور بقیہ ابن مسعودؓ اور عثمانؓ کے لیے''۔(۱۸)

(۳) مدینہ اور اس کے مضافات میں بارش نہ ہونے سے سخت قحط پڑا، عمر فاروق ص نے گورنر مصر عمرو بن عاصؓ کو غلہ بھیجنے کے لیے خط لکھا جس کی پانچ روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔

پہلی روایت:

''عبداللہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے عمرو بن عاص کو سلام علیک، میری جان کی قسم اگر تمہارا اور

تمہارے ساتھیوں کا پیٹ بھرا رہے تو تمہیں پرواہ نہ ہو اگر میں اور میرے ساتھی بھوکے مریں، مدد، مدد!'' (۱۹)

دوسری روایت:

''عاص بن عاص کے نام، میری جان کی قسم تم اور تمہارے ساتھی اگر موٹے رہیں تو تمہیں پرواہ نہ ہو اگر میں اور میری ساتھی سوکھ جائیں، مدد، مدد!'' (۲۰)

تیسری روایت:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ امیر المومنین کی طرف سے عمرو بن عاص کو سلام علیک، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اور میرے علاقے کے لوگ بھوکے مریں اور تم نیز تمہارے علاقے کے لوگ زندہ رہیں، مدد، مدد!'' (۲۱)

چوتھی روایت:

''مدد، مدد، عربوں کی مدد! عباؤں میں آٹا بھر کر اونٹوں کا ایک قافلہ میرے پاس بھیج دو جس کا اگلا حصہ میرے پاس ہو اور پچھلا تمہارے پاس''۔ (۲۲)

پانچویں روایت:

''مدد، مدد! مجھے آٹے کی بوریاں بھیج دو جن میں چربی کے ٹکڑے ہوں''۔ (۲۳)

یہ تین خطوط کی مختلف روایات تھیں، قارئین کرام ان کی روشنی میں طے کر سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط میں کتنا خذف واضافہ ہوا البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ راویوں نے مرکزی نقطے کو باقی رکھا اور فضائل و کمالات اور اس وقت کے حالات کی مناسبت سے خطوط میں دراندازی کی ہے۔ یہ نمونہ تھا، اللہ نے موقع دیا تو انشاء اللہ خلیفۂ ثانی کے خطوط کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱) اکتفاء ۴۰۷۔　(۲) فتوح الشام ۲/۵۶۔　(۳) ابن اعثم ۵۶۔
(۴) فتوح الشام: ۲/۴۰۔　(۵) ابن ماجہ۔　(۶) ذہبی: ۱/۱۰۔
(۷) کتاب الامام شافعی: ۷/۳۰۸۔　(۸) طبری: ۴/۵۶۔　(۹) طبری: ۴/۶۳۔
(۱۰) فتوح الشام منسوب بواقدی: ۲/۲۔　(۱۱) طبری: ۴/۵۴۔　(۱۲) تاریخ ابن اعثم: ۱۴۷۔
(۱۳) تہذیب تاریخ دمشق ابن عساکر: ۱/۱۵۱۔ (۱۴) طبقات ابن سعد: ۶/۴۰۳ و ۳/۱۱۱۔ (۱۵) ابن سعد: ۶/۳۔
(۱۶) ابن سعد: ۶/۳، تذکرہ الحفاظ ذہبی: ۱/۱۴، ازالۃ الخفاء ولی اللہ: ۲/۱۸۵، کتاب البلدان ابن فقیہ، ص: ۱۶۴۔
(۱۷) طبری: ۴/۲۴۷۔　(۱۸) ابن سعد: ۶/۲۔
(۱۹) فتوح مصر ابن عبدالحکم، ص: ۱۶۲-۱۶۳، حسن المحاضرہ سیوطی: ۱/۹۳۔　(۲۰) ابن عبدالحکم، ص: ۱۶۵۔
(۲۱) ابن سعد: ۳/۶۲۳۔　(۲۲) المدونۃ الکبری مالک بن انس: ۱/۲۴۶)　(۲۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۳/۱۰۵)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف☆

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسلام سے خلافت تک

نوک قلم پر نام اسی صحابی رسول خلیفہ ثالث کا ہے جو اس نے میٹھے پانی کا چشمہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا، مسجد نبوی کی زمین خریدی اور پھر اس میں توسیع کی سعادت حاصل کی، فرشتے جس کی حیا پر رشک کرتے تھے، جس نے مال واسباب کو بے دریغ در حضور نچھاور کر دیا، جس نے مظلومانہ شہادت پائی، مگر اپنی ذات کے لئے کسی کا خون گوارہ نہیں کیا۔

قبول اسلام

یزید بن رومانی سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان ﷺ اور طلحہ بن عبید اللہ ﷺ زبیر بن العوام ﷺ کے نشان قدم پر نکلے، دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، آپ ﷺ نے دونوں پر اسلام پیش کیا، انہیں قرآن پڑھ کر سنایا حقوق اسلام سے آگاہ کیا اور پھر اللہ کے جانب سے بزرگی کا وعدہ کیا، دونوں ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

عثمان ﷺ نے کہا: یا رسول اللہ! میں حال ہی میں ملک شام سے واپس آیا ہوں، ہم لوگ معان اور الزرقاء کے قریب سو رہے تھے کہ ایک منادی ہمیں پکارنے لگا: اے سونے والو! اٹھو اور ہوا کی طرح چلو؛ کیوں کہ احمد مکہ میں آگئے، یہاں آئے تو ہم نے آپ کو سنا۔

دین اسلام پر ثابت قدمی

چچا کی ناراضگی: لوگوں نے کہا: جب عثمان بن عفان ﷺ نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے انہیں گرفتار کر لیا، انہیں رسی سے باندھ دیا اور کہا: کیا تم اپنے باپ دادا کے دین سے نئے دین کی طرف پھرتے ہو، واللہ میں تمہیں کبھی نہ کھولوں گا تا وقتیکہ تم اس دین کو ترک نہ کر دو، جس پر تم ہو، عثمان ﷺ نے کہا: واللہ میں اسے کبھی ترک نہ کروں گا اور نہ اس سے ہٹوں گا جب حَکَم نے اپنے دین میں عثمان ﷺ کی سختی دیکھی تو انہیں چھوڑ دیا۔

☆ اسوسی ایٹ پروفیسر و چیرمین شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

والدہ کی ناراضگی: اوران کی ماں اروی بنت کریز نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک نہ کھانا کھائے گی اور نہ پانی پئے گی جب تک کہ وہ دین محمد نہ چھوڑ دیا جائے، پھر وہ اپنے بھائی عامر بن کریز کے پاس چلی گئی اوراس کے ساتھ ایک سال رہی، جب ان سے مایوسی ہوئی تو پھر اپنے گھر چلی آئی، لوگوں نے کہا: عثمان ﷺ ابواصیحہ کے پاس گئے اور کہا: میں نے ایمان لایا اور محمد ﷺ کی پیروی کی ہے، اس نے کہا: تمہارا اور تمہارے دین کا بُرا ہو، پھر وہ وہاں سے چلے گئے اور ابوسفیان بن حرب کے پاس گئے اور اپنے اسلام لانے کا ذکر کیا، اس نے بھی ناپسند کیا۔

ہجرت حبشہ: حضرت عثمان ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے دومرتبہ ہجرت کی، پہلی مرتبہ حبش کی طرف قریش کے دین سے بھاگ کر اوران کی ایذارسانی اور ناپسندیدہ باتوں سے بچنے کے لئے ہجرت کی، دوسری مرتبہ کی ہجرت میں ان کے ساتھ بی بی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں، اور رسول ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سے پہلی مرتبہ اللہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں۔

مدینہ کی طرف ہجرت: حضرت عثمان ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں جاکر بنی نجار کے اوس بن ثابت برادر حسان بن ثابت ﷺ کے پاس ٹھہرے، پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ان کو گھر بنانے کے لئے زمین دی اوران کے اور ابوعبید سعد بن عثمان الزرقی انصاری ﷺ کے درمیان (عقد مواخاۃ) بھائی چارہ کیا۔

حضرت عثمان ﷺ کا لباس: حضرت عثمان ﷺ مکہ کے متمول اور تاجر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اسی وجہ سے آپ غنی کے لقب سے جانے جاتے تھے، روایتی طور پر آپ کا رہن سہن اور خورو پوش قدرے شاہانہ تھا، مگر ان شہنشاہی میں تواضع وانکساری اور سادلی جلوہ آفرینی بھی کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھی، چنانچہ محمد بن لبید سے روایت ابن سعد نے کی ہے: انہوں نے عثمان ﷺ کو ایک خچر پر سوار دیکھا ان پر دو زرد کپڑے تھے، ان کے پیچھے دو چوٹیاں (کاکلی) تھیں، اور ابن سعد محکم بن صلت کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''میں عثمان ﷺ کو دیکھا اوران پر ایک کالی چادر تھی اور وہ مہندی سے خضاب کئے ہوئے تھے''، عبد بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے عثمان ﷺ کو خچر پر اپنی داڑھی کو زرد خضاب لگائے ہوئے دیکھا''، ابوعامر سے روایت ہے کہ ''میں نے عثمان ﷺ پر ایک چادر دیکھی جس کی قیمت سو دینار تھی''۔

قرآن مجید میں حضرت عثمان ﷺ کے متعلق اشارہ

مشہور تابعی حضرت عکرمہ سے حضرت ابن عباس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ:

آیت ﴿هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ وَمَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (النحل:۷۶) ''کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر ہے'' سے عثمان بن عفان مراد ہیں''۔

مروان بن ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنی عورتوں کو فراخدلی کے ساتھ لباس دیا کرتے تھے، جس

سے ان کے جسم کی حفاظت اور اس میں خوبصورتی (زینت) پیدا ہوا کرتی تھی، پھر کہتے ہیں میں نے عثمان کے جسم پر ایک سوت پر ریشم ملی ہوئی منقش چادر دیکھی، جس کی قیمت تقریباً سو دینار ہوگی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میری زوجہ نائلہ کی ہے، میں نے خاص انہیں اڑھائی تھی، اب میں نے ان کو خوش کرنے کے لئے خود پہنا ہے، ابن ابوالزناد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسائل حج کے ماہر تھے

ابن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ حج کے مسائل بہت زیادہ جانتے تھے اور ان کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ دوسرے مسائل حج کے ماہر تھے۔

خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں زیادہ حیادار تھے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلحاظ حیا میری امت میں عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حیادار ہیں''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور دین میں سب سے زیادہ سخت عمر (رضی اللہ عنہ) اور سب سے بڑے قاری ابی (رضی اللہ عنہ) اور لحاظ حیا سب سے زیادہ حیادار عثمان (رضی اللہ عنہ) اور سب سے زیادہ حلال وحرام جاننے والے معاذ بن جبل انصاری (رضی اللہ عنہ) اور سب سے زیادہ فرائض (قانون شریعت) کا علم جاننے والے زید بن ثابت انصاری (رضی اللہ عنہ) ہیں، ہر ایک امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

عہد رسالت میں اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زرین خدمات

ثمامہ بن حزن قشیری سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر سے ہمیں جھانک کر دیکھا اور کہا: تمہارے ان ساتھیوں کو میرے پاس لاؤ جنہوں نے تمہیں میرے خلاف ابھارا ہے، ان دونوں کو لایا گیا وہ دونوں گدھے چرانے والے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم دونوں جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، وہاں ''بئر رومہ'' کے سوائے کہیں میٹھا پانی نہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ''بئر رومہ'' کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو بھی اس میں ڈال کر پانی لینے کی اجازت دے گا تو یہ اس کے لئے جنت سے بہتر ہے، پھر میں نے اس کو اپنے ذاتی سرمایہ سے خرید لیا، ان دونوں نے جواب دیا، ہاں، خدا کی قسم، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ مسجد کی گنجائش نماز پڑھنے والوں کے لئے تنگ ہوگئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص آل فلاں کی زمین مسجد میں توسیع کے لئے خرید لے گا تو

اس کے لئے یہ جنت سے بہتر ہے اور میں نے اس کو اپنے ذات مال سے خریدا، انہوں نے کہا: واللہ ہاں، حضرت عثمان ﷺ نے کہا: میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں اپنے مال سے جیش (لشکر) عسرت کو تیار کیا تھا، انہوں نے کہا: ہاں، حضرت عثمان ﷺ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ شبیر پر تھے یا یہ کہا حرا پر تھے، پھر پہاڑ نے حرکت کی یہاں تک کہ اس کے پتھر پستی میں گرنے لگے تو آپ نے اس کو اپنے پیر سے ایڑی ماری اور فرمایا: ساکن ہو جا تجھ پر سوائے نبی یا صدیق یا شہید کے کوئی نہیں، انہوں نے کہا: ہاں، حضرت عثمان ﷺ نے فرمایا: واللہ أهم أشد أهم أشد ''اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ۔

قرآن اور ذوق قرآن

خلیفہ عثمان ﷺ ایک رکعت میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ عثمان ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن جمع کیا اور جو روایتیں بیان کی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے، ہم سے شیبان بن فراخ ابلی نے بیان کیا، ان سے سلام بن مسکین اور ابو ہلال انہوں نے کہا: تم سے محمد بن سیری نے کہا: جب لوگوں نے عثمان ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا تو ان کی بیوی نے کہا خواہ تم ان کو قتل کر دیا چھوڑ دو وہ تو رات بھر ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے، عبد الرحمٰن تیمی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں مکہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے تھا، میں نے کہا: آج رات عبادت میں کوئی شخص مجھ سے بڑھنے نہ پائے، پھر ایک شخص نے میرے پہلو پر ہاتھ رکھا میں نے التفات نہ کیا، اس نے پھر ہاتھ رکھا میں نے التفات نہ کیا، پھر اس نے تیسری مرتبہ ہاتھ رکھا میں اس کی طرف متوجہ ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ عثمان بن عفان ﷺ ہیں، پھر میں کنارے ہٹ گیا وہ آگے بڑھے اس کے بعد انہوں نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا پھر چلے گئے۔

عہد خلافت عثمان ﷺ

اس کے بعد حضرت عثمان غنی ﷺ کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے، ایک نئی ذمہ داری خلافت کی آجاتی ہے، جو مستقل باب بلکہ مستقل ایک کتاب ہے۔

مولانا محمد عثمان صاحب

خلافت فاروقی کے تجدیدی کارنامے

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کے ان تابندہ ستاروں میں سے ہیں کہ جن کا تذکرہ اہل اسلام کے قلوب کو جلا بخشتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تقریباً دس سال ۵ رماہ ۲۱ ردنوں پر محیط رہا، اس عرصہ میں آپ کی حکمرانی ۲۲ رلاکھ مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی، اگر خلافت فاروقی کا مکمل جائزہ انصاف کے ساتھ لیا جائے تو بڑے بڑے دفاتر بھر جائیں، مگر اس وقت آپ کے دور میں جو تجدیدی کارنامے ہوئے ان کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

اولیات فاروقی

حضرت رضی اللہ عنہ کے تجدیدی کارناموں کو اولیات فاروقی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، چناں چہ ان اولیات کو اجمال کے ساتھ پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن کریم کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا، احادیث کا تفحص اور اشاعت، مسائل فقہیہ کی اشاعت، تاریخ وسنہ کو قائم کیا، بیت المال قائم کیا، امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا، عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے، فوجی دفتر ترتیب دیا، فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، فوج کی تنخواہیں مقرر کیں، پولیس کا محکمہ قائم کیا، جیل خانے بنوائے، درہ استعمال کیا، راتوں کو گشت کر کے احوال معلوم کیے، پرچہ نویس مقرر کیے، دفتر مال قائم کیا، مردم شماری کرائی، پیمائش جاری کی، نہریں کھدوائیں، شہر آباد کرائے، مفتوحہ علاقوں کو صوبوں میں تقسیم کیا، عشور خاص مقرر کیا، دریا کی پیداوار پر محصول لگایا، حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کی اجازت دی، سرائے اور مسافر خانے بنوائے، لقطہ کی پرورش کے لیے روزینہ مقرر کیا، مختلف شہروں میں مہمان خانے بنوائے، مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے روزینے مقرر کیے، تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی، مکاتیب قائم کیے، معلموں اور مدرسوں کے لیے مشاہرے مقرر کیے، فرائض میں عول کا مسئلہ مقرر کیا، نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا، نماز تراویح جماعت سے قائم کی، تین طلاق ایک ساتھ دینے کو تین ہی شمار کیا، شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی، وقف کا طریقہ ایجاد کیا، مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا، اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا

مقرر کی۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص ۱۰۸، تاریخ طبری، الخلفاء الراشدون، التاریخ الاسلامی، البدایة والنهایة، دائرة المعارف، اسد الغابة)

جمع قرآن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم مرتب نہ ہوا تھا، بلکہ متفرق طور پر اس کے اجزاء حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تھے اور یہی صورت حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی کہ جنگ یمامہ میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی، جن میں اکثر حفاظ تھے، چناں چہ حضرت عمرؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اگر اسی طرح حفاظ اٹھتے چلے گئے تو قرآن بھی جاتا رہے گا لہٰذا ابھی سے اس کی جمع وترتیب کی فکر کرنی چاہیے، جب کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جس کام کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہیں کیا وہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟ مگر حضرت عمرؓ نے بار بار مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ پر بھی اس معاملہ کا شرح صدر ہوگیا، چناں چہ زید بن ثابت کو اس کام کا ذمہ دار بنایا گیا اور قرآن جمع کیا جانے لگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور پھر اس حوالے سے چند اہم کام سرانجام دیئے، جن میں سرفہرست یہ کام کیا کہ مکاتیب قرآن کریم کی تعلیم کا انتظام ہوجائے، اور معلموں ومدرسوں کی تنخواہیں بھی مقرر کیں جب کہ مفتوحہ علاقوں میں تعلیم قرآن کے لیے جگہ جگہ درس جاری کیا اور اس کے لیے قراء اور معلم مقرر کیے، جو وہاں کے بچوں کو تعلیم قرآن دیتے تھے، انہی امور کے بنا پر قرآن کریم کی حفاظت ہوئی اور صحت قرآن بھی باقی رہی۔

احادیث کا تفحص اور اس کی اشاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث کے استقصا کا خیال نہیں رکھا گیا، جس کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا وہ براہ راست آپ سے دریافت کرلیتا، حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ضرورتیں پیش آتی رہتی تھیں، اس لیے مختلف صحابہ سے پوچھنے کی نوبت آئی، جس کی بنا پر حدیث کے استقراء کا راستہ نکلا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واقعات بکثرت پیش آئے کیوں کہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں مسائل پیدا کردئے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے احادیث کی زیادہ سے زیادہ تفتیش کی، تاکہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے موافق ہوجائیں۔

اس سلسلے میں آپ نے جو سب سے بڑا کام اس فن میں کیا وہ حدیثوں کی تحقیق وتنقید کے لیے فن جرح وتعدیل کا ایجاد کرنا تھا، چناچہ اس حوالہ سے حضرت ابوموسی اشعریؓ کا واقعہ ہے کہ جب وہ حضرت عمرؓ سے ملنے آئے اور تین مرتبہ اجازت مانگی مگر مصروفیت کی بنا پر متوجہ نہ ہوسکے تو وہ چلے گئے، بعد میں جب آئے تو پوچھا کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''اذا استأذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن له فلیرجع''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا ثبوت دو، ورنہ سزا دوں گا، چناں چہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے شہادت دی، (متفق علیہ، مشکوۃ، باب الاستیذان: ص ۴۰۰، ج ۲، قدیمی کتب خانہ)

اسی طرح فاطمہ بنت قیس کے واقعہ میں فرمایا:

''لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لاندری لعلھا حفظت ام نسیت''

ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر آپ نے اشاعت حدیث کے لیے یہ کام کیا کہ احادیث کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کر کے حکام کے پاس روانہ کرتے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی، دوسرا کام یہ کیا کہ جو لوگ اس فن میں ماہر تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔

مسائل فقہیہ کی اشاعت

چونکہ مسائل فقہ سے ہر شخص کا واسطہ پڑتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کی اشاعت کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں، اسی لیے جہاں تک ہوتا خود بالمشافہہ مذہبی احکام کی تعلیم کرتے، یہی وجہ ہے کہ خطبات جمعہ وحج میں تمام ضروری مسائل اور احکام کو بیان فرماتے اور وقتاً فوقتاً عمال کی طرف مذہبی احکام ومسائل لکھ کر روانہ کرتے، جیسا کہ ۱۴ھ میں جب نماز تراویح باجماعت مسجد نبوی میں قائم فرمائی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے متعلق عمل کیا جائے، اسی طرح زکوۃ سے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابوموسی اشعریؓ اور دیگر امراء کے پاس بھیجے، یہاں تک کہ مسائل جزئیہ بھی لکھ کر عمال کی طرف روانہ فرماتے تھے۔

فقہ کی تعلیم کا یہ انتظام کیا کہ جو عمال وافسر مقرر فرماتے وہ عالم اور فقیہ ہوتے، چناں چہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ:

''ان عمر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جیش من اھل الایمان بعث علیھم رجلا من اھل الفقہ والعلم''

پھر تمام ممالک میں فقہا اور معلمین متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی تعلیم سے آراستہ کریں اور اس سلسلہ میں حضرات فقہا کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

جو فقہی احکام حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے وہ ایک دستور کی حیثیت رکھتے تھے، اس وجہ سے یہ احتیاط رکھی جاتی تھی کہ مسائل اجماعی ہوں اور متفقہ علیہ ہوں، چناں چہ جن مسائل میں حضرات صحابہؓ کا اختلاف تھا ان کو مجمع میں طئے کرایا گیا، جیسے چور کی سزا، غسل جنابت اور جنازے کی تکبیرات پر اجماع کرایا۔

سن ہجری کا قیام

زمانہ جاہلیت میں واقعہ کو یاد رکھنے کے لیے بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل اور پھر عام الفجار وغیرہ کا لیکن حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک رسید آئی، جس پر شعبان لکھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس مرتبہ کا شعبان مراد ہے یا گذشتہ؟ اسی وقت مجلس شوریٰ میں بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور مشورہ دیا کہ فارسیوں کا طریقہ اختیار کیا جائے، جس میں تاریخ ومہینہ دونوں ہوتے ہیں، حناچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اس کی ابتدا ہجرت نبوی سے ہو، چناچہ سب نے اس پر اتفاق کرلیا۔

محکمہ قضا

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خلیفہ وقت اور ملکی افسران قضا کا کام خود کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے بھی ابتداءً اسی کو برقرار رکھا، کیوں کہ فتوحات کا زمانہ تھا، نظم ونسق کا انتظام کامل نہیں ہوسکتا تھا، چناں چہ جب ملکی انتظام اچھی طرح قائم ہوچکا تو آپ نے شعبہ قضا کو بالکل علیحدہ کردیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے اور اس کے ساتھ ساتھ قضا کے اصول بھی مقرر کیے۔

قواعد عدالت

حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں جو قواعد مقرر کیے اور ان کے فرامین جاری کیے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تمام لوگوں کے ساتھ مساوات رکھی جائے۔

(۲) بار ثبوت عموماً مدعی پر ہوگا۔

(۳) مدعی علیہ کے پاس ثبوت یا شہادت نہ ہو تو قسم لی جائے گی۔

(۴) صلح ہر حال میں کرسکتے ہیں، الا یہ کہ جو خلاف قانون امر ہو اس میں صلح نہیں ہوسکتی۔

(۵) قاضی اپنی مرضی سے فیصلے پر نظر ثانی کرسکتا ہے۔

(۶) پیشی کے لیے تاریخ متعین ہونی چاہیے۔

(۷) تاریخ پر مدعی علیہ غائب ہو تو یکطرفہ فیصلہ کردیا جائے۔

(۸) ہر مسلمان قابل شہادت ہے، الا جو سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہوجائے۔

اس کے علاوہ آپ نے قضاۃ کا انتخاب بھی امتحان لینے کے بعد کیا اور رشوت سے محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ تنخواہیں مقرر کیں اور یہ قاعدہ مقرر کیا جو دولت منداور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے اور عدالتیں مسجدوں میں قائم کی جائیں۔

شعبہ افتاء کا قیام

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عوام کی رہنمائی کے لیے افتاء کے محکمہ کا اجراء فرمایا تاکہ لوگ شریعت کی مکمل رہنمائی سے اپنے تمام امور سرانجام دیں اور جس کو کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو دریافت کرسکتا ہے، چناں چہ آپ کے زمانے میں ہر ایک کو اجازت نہ تھی بلکہ خاص خاص کو تھی جو مسائل بتا سکیں، جن میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زید بن ثابت حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔

بیت المال کا قیام

اس شعبہ کی بنیاد بھی حضرت عمرؓ نے رکھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آنے والی سب سے آخری رقم بحرین کا خراج تھی، جس کی مقدار آٹھ لاکھ درہم تھی، جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں تقسیم فرمایا تھا، پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی خزانہ قائم نہ ہوا، جو کچھ آتا اسی وقت بانٹ دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں ۱۵ھ کو حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے ۵/لاکھ درہم لائے تو مجلس شوری کے اجلاس عام میں اس کے بارے میں سوال کیا جائے؟ چناں چہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سب کی سب تقسیم کردی جائے اور خزانے میں کچھ نہ رکھا جائے، جب کہ حضرت عثمانؓ نے اس کے برخلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے بادشاہوں کے ہاں دیکھا ہے کہ ان کے ہاں خزانہ اور دفتر کا نظام علیحدہ علیحدہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی، سب سے پہلے دارالخلافہ میں بیت المال کی بنیاد رکھی اور اس کے لیے حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ کو ذمہ دار مقرر فرمایا۔

خراج کی وصولی

خراج کی وصولی کا نظام عرب کی تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے مقرر کیا، اسلام سے پہلے اگر چہ عرب کے مختلف خاندان تاج وتخت کے مالک ہوئے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام انہوں نے قائم نہ کیا چناں چہ آغاز اسلام میں فتح خیبر کے موقعہ پر یہود نے آپ سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں چھوڑ دی جائے تو ان کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی اور معاملہ بٹائی پر ہوگیا اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں عراق کے کچھ علاقے فتح ہوئے لیکن خراج کا انتظام نہ ہوسکا۔

مگر جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات بکثرت ہوئیں اور انہیں کچھ اطمنان حاصل ہوا تو انہوں نے خراج کے نظم کی طرف توجہ کی، اس موقع پر ایک مشکل یہ پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ علاقے فتح کے صلہ میں بطور جاگیران

کے درمیان تقسیم کردیئے جائیں، چناں چہ آپ نے حضرت سعد کو مردم شماری کے لیے بھی حکم دے دیا تھا لیکن بعد میں آپ کی رائے یہ قائم ہوئی کہ زمین ان کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر حضرات، فوج کے ہم زباں تھے، حضرت بلالؓ نے تو یہاں تک اصرار کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اللھم اکفنی بلالاً'' اے اللہ! مجھے بلال سے نجات دے۔

حضرت عمرؓ کا استدلال یہ تھا کہ مفتوحہ علاقوں کو فوج میں تقسیم کردیا جائے تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں سے حفاظت، ملک کے امن وامان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے، چناں چہ حضرت عثمانؓ، علیؓ اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ سے اتفاق کیا، تاہم کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، کئی دن یہ مسئلہ جاری رہا، اچانک حضرت عمرؓ کو سورہ حشر کی یہ آیت یاد آئی:

﴿للفقراء المھٰجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ، اولٰئک ھم الصدقون......والذین جاء من بعدھم یقولون......﴾ الایة (سورہ حشر، پارہ ۲۸، آیت: ۸تا۱۰)

چناں چہ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ آنے والی نسلوں کا بھی حق ہے، اگر فاتحین میں تقسیم کردیا جائے تو ان کا حق باقی نہ رہے گا، تو حضرت عمرؓ اٹھے اور پر اثر تقریر فرمائی اور آیت مذکورہ کو بطور استدلال پیش کیا تو تمام لوگ بول اٹھے کہ ''بے شک آپ کی رائے ٹھیک ہے''۔

عشور خاص مقرر کیا

عشور خاص کا مقرر کرنا بھی حضرت عمرؓ کے تجدیدی کارناموں میں سے ہے، اس کی وجہ یہ بنی کہ مسلمان دوسرے ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تو انہیں وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فی صد ٹیکس دینا پڑتا تھا، اس کی اطلاع جب حضرت ابوموسی اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو دی تو انہوں نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے جو لوگ آئیں گے ان سے بھی اسی قدر ٹیکس لیا جائے گا، چناں چہ اس کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فی صد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد لیا جائے اور یہ ٹیکس سال بھر کارآمد تھا اور یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جائے گا، ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ کھلی چیزوں پر ہی محصول لیا جائے، کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔

زکوۃ الخیل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوۃ سے مستثنی فرمایا تھا، مگر اس سے مراد سواری کے گھوڑے تھے، حضرت عمرؓ نے جو زکوۃ الخیل مقرر کی وہ، معاذ اللہ، آپ کی مخالفت میں نہیں بلکہ انہوں نے بھی سواری کے گھوڑوں کو مستثنی فرمایا تھا، انہوں نے تجارت کے گھوڑے پر زکوۃ مقرر کی۔

محکمہ فوج

اسلام سے پہلے اگر چہ بڑی بڑی عظیم الشان حکومتیں گزریں ہیں اور ان کی بقیہ یادگاریں عہد اسلام میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی نظام ان سب کے ہاں غیر منظم تھا، چناں چہ کہیں فوجی انتظام یہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نامور ہوتے اور سپہ سالاری میں ماہر ہوتے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور ان سے عہد لیا جاتا تھا کہ جنگ کی صورت حال میں فوج لے کر حاضر ہوں گے،مگر ان کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں تھا، اسی وجہ سے یہ لوگ جب بغاوت کرتے تو ان کی فوج انہی کے ساتھ مل کر حکومت کا مقابلہ کرتی تھی اور کہیں یہ تھا کہ فتح کے بعد لوٹ مار سے جو مال حاصل ہوتا قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا۔

اسلام کے آغاز میں اس کی ضرورت پیش نہ آئی، البتہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں یہ ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت کے مال سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا، حضرت عمرؓ کے خلافت کے اوائل تک بھی یہی سلسلہ جاری رہا،لیکن بعد میں ۱۵ھ میں اس کو باقاعدہ منظم اور ترتیب دیا گیا، اس طرف متوجہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رائے دہندگان نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا تو حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور دفتر کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا، چناں چہ آپ نے ماہرین انساب واحساب کو جمع کیا اور ان کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی کہ ایک ایسا دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ولقب تفصیل سے درج ہو،لہٰذا جتنی تعداد رجسٹر میں درج ہوئی ان کی دو قسمیں تھیں۔

(۱)　ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف باقاعدہ فوج

(۲)　بوقت ضرورت

ان فوجیوں کے لیے جملہ انتظامات کیے ان کی تفصیل درج ذیل ہے: سب سے پہلے ان کے لیے فوجی بیرکوں کا انتظام کیا، جہاں ان کے رہن سہن اور ترتیب کا انتظام ہوتا ہے، ان فوجوں کے لیے بڑے بڑے مراکز کوفہ، بصرہ اور فسطاط وغیرہ میں مقرر کیے گئے، اس کے علاوہ فوجی چھاؤنیوں کا قیام عمل میں لایا گیا اور بڑے بڑے شہروں میں چھاؤنیاں بنائی گئیں، جن کے لیے یہ اصول مقرر کیا گیا کہ وہ ساحل کے قریب یا ایشیائے کوچک کے قریب ہو، تاکہ بوقت ضرورت لشکر اسلام کی مدد کے لیے کمک بھیجی جائے اور اگر دشمن نے حملہ کیا تو فی الفور اس کا جواب بھی دیا جا سکے اور اسے سرحد اسلام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی نصیب نہ ہو۔

فوجی تربیت اور ان کی دیکھ بھال

فوج کی تربیت کے لیے باقاعدہ انتظام کیا گیا، جہاں انہیں فن حرب سے مکمل آراستہ کیا جاتا وہیں انہیں اس وقت کے جدید اسلحے کی بھی تربیت دی جاتی، اس کے علاوہ گھوڑوں کی پرورش کے لیے باقاعدہ بڑے بڑے اصطبل بنائے گئے، جہاں اعلیٰ قسم کے گھوڑے ہوتے تھے، جنہیں میدان جنگ میں بھرپور استعمال کیا جاتا، اس کے ساتھ ساتھ فوج کی تربیت کے لیے ان کے ساتھ قاری اور معلم بھی ہوتے تھے، جو انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیتے اور احکام شرعیہ سے واقف کراتے تھے، اور فوج کے لیے موسم کے

لحاظ سے کپڑے دیے جاتے اوران کی تنخواہیں بھی مقرر کیں اور ہر سال تقریباً تیس ہزار فوج تیار کی جاتی تھی۔

سراغ رساں ادارے کا قیام (انٹیلی جنس)

حضرت عمرؓ نے جہاں بے شمار تجدیدی کارنامے سرانجام دیے وہیں آپ نے ایک اہم شعبہ کی بھی بنیاد ڈالی جسے آج ہم انٹیلی جنس کے نام سے جانتے ہیں، اس کا جو فائدہ ہوا وہ سب کے سامنے ہے، کیوں کہ فتوحات میں اصل کردار جاسوسی کے شعبہ کا ہوتا ہے اور خوش قسمتی سے ہوا یہ کہ بہت سے لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے انہیں رومیوں اور فارسیوں کی زبانیں آتی تھیں چناں چہ یہ کام اور بھی زیادہ آسان ہوگیا، جس کی بنا پر مسلمان فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔

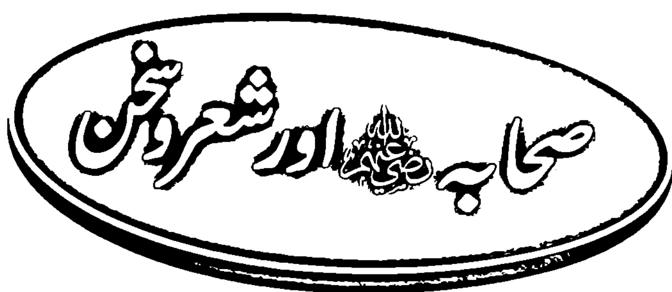
یہی نہیں کہ حضرت عمرؓ نے صرف دشمنوں میں جاسوس پھیلائے ہوئے تھے، بلکہ انہوں نے فوج کے اندر بھی پرچہ نویس مقرر کیے ہوئے تھے جو فوج کی ہر نقل وحمل کی مکمل نگرانی کرتے تھے، جس سے خلافت کو ہر وقت فوج کے بارے میں مکمل معلومات حاصل رہتی تھیں۔

شعبہ پولیس اور جیل خانہ کا قیام

حضرت عمر فاروقؓ نے رعایا کے درمیان انتظامی امور کو برقرار رکھنے کے لیے پولیس کے شعبہ کا اجرا فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ جیل خانہ کی بھی بنیاد ڈالی، جس کے لیے آپ نے مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اسے جیل خانہ بنایا، تاکہ مجرموں کو وہاں قید کیا جائے۔

عوامی خدمات

پبلک ورکس کے لیے جو کام آپ کے دور خلافت میں ہوئے وہ درج ذیل ہیں: سڑکوں کی تعمیر کی گئی، شفا خانے اور ہسپتال بنائے گئے، پل اور نہریں بنائی گئیں مہمان خانے اور سرائیں بنائی گئیں، راہزنوں سے بچاؤ کے لیے جگہ جگہ چوکیاں بنائی گئیں، اور وہاں تازہ دم گھوڑے ہر وقت تیار رہتے اس کے علاوہ لاوارث بچوں کی پرورش کے لیے وظائف مقرر کیے، یتیموں ومساکین کی خبر گیری کی، رعایا کے احوال کو جاننے کے لیے خود راتوں کو گشت کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ڈاک خانے کا بھی اجرا کیا۔


صحابہ رضی اللہ عنہم اور شعر و سخن

مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی ☆

صحابۂ کرام ؓ کا شاعرانہ ذوق

حضرات صحابہ کرام نے گرچہ شعر وشاعری، خیالات کے شاعرانہ اظہار اور ادبی مذاق و مزاج کی تسکین محض کو کبھی اپنا مطمح نظر نہیں بنایا، ویسے بھی اسلامی مہمات کی انجام دہی، دعوتی امور کی کثرت اور علمی مشاغل کی بہتات، انھیں شعر وشاعری کے لیے وقت دینے کا کام نہ لیتی تھی۔ لیکن انھوں نے بھی ضرورت پڑنے پر اپنے دروں میں موجزن پاکیزہ جذبات وخیالات کے شاعرانہ اظہار میں کسی دریغ اور پس وپیش سے کام نہیں لیا ہے۔ شاعری زندہ دلی اور خوش اخلاقی کے ادبی اظہار کا مضبوط ذریعہ بھی تسلیم کی گئی ہے، اس لیے بسا اوقات مذہبی مصروفیات سے الگ ہو کر صحابہ کرام زمانہ جاہلیت کے اشعار کی تکرار وساعت سے اپنے گوش ودہن کو گرم رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے حسن وشباب اور گل ورخسار پر مبنی شاعری کی حوصلہ افزائی نہیں کی، لیکن آپ نے بھی اعلی انسانی اقدار کے فروغ، مساوات اور سماجی یکسانیت کو پروان چڑھانے اور اسلامی تعلیمات کی تشہیر وتوسیع کے لیے تخلیق کی جانے والی شاعری کی قدر افزائی میں کسی عصبیت کو آڑے نہیں آنے دیا ہے۔ بلکہ آپ نے بعض شاعروں کی یہ کہتے ہوئے علی الاعلان حوصلہ افزائی کی ہے کہ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ کافر شعراء کی طرح اسلام کی اعانت واشاعت کے لیے اپنی شاعری کے ہتھیار سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ اسلام نے نفس شاعری سے انسانی اذہان کو کبھی نفرت نہیں دلائی، جیسا کہ مستشرقین نے غیر علمی بنیادوں پر دنیا والوں کو یہ باور کرانے کا مذموم پروپیگنڈا کیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اس فن کی غیر مشروط حوصلہ افزائی نہیں کی اور نہ ہی شعرا کے اس پیشے کو کلیۃً پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، اس کی وجہ بھی ظاہر تھی کہ عام طور پر شعرا کی ذہنی پناہ گاہ ایسے مضامین ٹھہرتے تھے، جو کسی صالح اقدار کو فروغ دینے کے بجائے معاشرے میں اباحیت، جنسی انارکی اور بے راہ روی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتے تھے۔ ان کی افتاد طبع اباحیت زدہ ادبی مضامین سے اٹھی تھی۔ شعرا اپنی ذہنی کتھارسس کا کام فرضی معشوقہ کے جسمانی اعضا کی فحش انگیز اور ہیجان خیز تصویر کشی سے لیا کرتے تھے۔ دوسری طرف نبوی ارشادات میں ایسے اشعار خلق کرنے کو مستحسن قرار دیا گیا تھا جن میں جادو کا سا اثر ہوا، جو قلب وذہن کو مصفی اور مجلی بنا سکیں اور جو حکمت ودانائی کا ذریعہ بن سکیں۔ آپ

☆ قومی صدر آل انڈیا تنظیم علماء حق دہلی

ﷺ کے ارشادات: ان من البیان لسحرا اور ان من الشعر لحکمۃ میں اسی قسم کے مضامین پر مشتمل ادب کی تخلیق پر موزوں طبائع کو ابھارا گیا ہے، تا کہ ایک صاف ستھرا اور فواحش ولغویات سے پاک ادب وجود میں آسکے۔انھی تعلیمات کی دین تھا کہ صحابہ کرام نے اپنی شاعری کو رکیک، سوقیانہ اور مبتذل مضامین سے آلودہ نہیں ہونے دیا، بلکہ ان کے مضامین بھی ایمان وایقان کی روشنی سے منور ہوتے تھے۔اور ان میں باطن سے مکالمے اور مخاطبے کا عمل نمایاں ہوتا تھا ان کے اشعار سے حکمت ودانائی اور عقل ودانش کے سوتے پھوٹے پڑتے ہیں۔

صحابہ کرام کی محفلیں ردیف وقوافی کے ذکر سے کتنی سرشار رہا کرتی تھی اس کا اندازہ ادب مفرد کی ایک عبارت سے ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کانو یتناشدون الشعر فی مجالسہم (ان کی مجلسیں شعر وسخن کے تذکرے سے آباد رہا کرتی تھی۔)

صحابہ کرام میں باضابطہ بہت کم افراد نے شاعری کی ہے، لیکن شعر وسخن کی حوصلہ افزائی میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔اور اسلامی مضامین کو اظہاری پیکر عطا کرنے میں بخل کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔حضرت ابوبکر نہ صرف جاہلی شعرا کے دل دادہ اور فنی وتخلیقی رموز وآداب کے اداشناس تھے، بلکہ ان کا ذوق شعر گوئی بھی بڑا بالیدہ تھا اور کئی موقعوں پر اپنے خیالات وجذبات کے شاعرانہ اظہار میں فنی پختگی کا ثبوت دیا ہے۔ان کی شاعری میں جاہلی شعرا کی طرح نہ مبالغہ آرائی کا شائبہ ہے اور نہ فحش اور جنسی مضامین کی بو، بلکہ ان کے اشعار کی تہ میں حقیقت وواقعیت، علم ومعرفت، ایمانی نور، اسلامی تہذیب وتمدن کی روشنی اور باطن کی صفائی اور تزکیہ نفس جیسے اعلی اور معیاری مضامین کی لہریں ملتی ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کی پاکیزہ آفاقی تعلیمات اور روشن نبوی تعلیمات کو دنیا کے اطراف واکناف اور عالم عرب کے گوشہ وکنار میں عام کرنے کی مومنانہ کوشش کی ہے، جس سے ان کی روشن ضمیری، اسلام پسندی اور حب نبوی کی شدت کا ہلکا سا اندازہ ہو جاتا ہے۔خلفاے راشدین، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، کعب بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ اور ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام نے داد سخن دینے کی اسلامیانہ جدوجہد کی ہے۔اگر بعض مؤرخین کی باتوں پر یقین کرلیا جاے تو سارے صحابہ کرام کا ذوق شعر وسخن انتہائی بالیدہ تھا۔اور انھوں نے نہ صرف یہ کہ جاہلی شعرا کے اشعار کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر خود شعر وشاعری کی دنیا میں اپنی فن کارانہ چھاپ چھوڑی ہے۔جمہرۃ العرب کے مصنف نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

ولم یبق من الصحابۃ من لم یقل الشعر او یتمثل بہ

(حضرات صحابہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو)

حضرت ابوبکر صدیق نے ایک غزوے کے موقعے پر جو قصیدہ لکھا ہے، اس کے ابتدائی اشعار میں انھوں نے جاہلی شعرا کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ صرف تنشیط اذہان کے لیے ہے۔خیالات کی پاکیزگی، احساسات کی رقت وحرارت اور واقعات کی اصلیت انھیں جاہلی شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔انھوں نے تشبیب والے اشعار میں عورتوں کے اعضاء وجوارح، ان کے دور شباب اور ان کے بانک پن اور فتنہ خیز جوبن کا ذکر کا نہیں کیا ہے۔قصیدے کے درمیانی مضامین خالص اسلامی ہیں اور اسلامی تعلیمات کی

ابدیت و آفاقیت کی تشریح کرتے ہیں اور انھیں عام اذہان میں اتارنے کی دعوتی روش موجود ہے۔ ان کے اندر عشق نبوی کی آگ فروزاں ہے۔ حب نبوی سے سرشار ذہن میں اسی قسم کے خیالات پرورش پا سکتے تھے، چناں چہ ایک شعر میں کہتے ہیں:

رسول اتاهم صادق فكذبوا

عليه وقالوا لست فينا بماكث

ان کے پاس ایک سچا رسول آیا، لیکن انھوں نے اسے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ تم ہمارے بیچ نہیں رہ سکتے

اذا ما دعوناهم الى الحق ادبرو

وهرُّوا هرير المحجرات اللوائث

ہم نے انھیں حق کی طرف بلایا، مگر انھوں نے پشت پھیر لی اور کتوں کی مانند بھونکنے لگے

ان اشعار میں گرچہ جاہلی شعرا کی طرح بھرتی کے الفاظ کی گھن گرج سنائی نہیں دیتی، مگر لہجے کی سچائی، باطن کی صفائی، اصلاحی اور دعوتی فکر ہر ہر لفظ سے عیاں ہے۔ اور یہی صحابہ کرام کا طرہ امتیاز تھا۔

حضرت عمر ملکی فتوحات پر زیادہ دھیان دیا کرتے تھے اور اسلامی رقبے کی توسیع ان کا اصلی مشغلہ تھا، لیکن شعر و شاعری کا پختہ شعور انھیں بھی ودیعت ہوا تھا۔ شعری مذاق کی بالیدگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی زمانے کے سب سے بڑے ناقد خیال کیے جاتے تھے۔ اور شعر و سخن کے صف اول کے شناساوں میں شمار ہوتے تھے۔ جاہلی شعرا کے ہزاروں اشعار انھیں ازبر تھے، جس کو وہ مختلف مواقع پر ازراہ تلذذ اور کبھی استدلال کی غرض سے دہرایا کرتے تھے۔ شعری سماعت کے دوران محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک بار صبح کی اذان تک اشعار سنتے رہے۔ وہ تین جاہلی شعرا: امرؤالقیس، زہیر اور نابغہ ذبیانی کے کلام کے رسیا تھے، ان میں بھی وہ زہیر کے عاشق زار تھے اور اس کو شعری بنیادوں پر اشعرالشعرا کہا کرتے تھے۔ ان کے مطابق وہ حقیقت بیانی سے کام لیتا تھا، جھوٹی تعریف اور مبالغہ آرائی اس کا مطمح نظر نہیں تھی اور وہ اپنے خیالات انتہائی سادگی کے ساتھ سامعین کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ وہ نامانوس الفاظ کا سہارا نہیں لیتا تھا۔ گرچہ تاریخی یا ادبی کتابوں میں حضرت عمر سے منسوب اشعار نہیں ملتے، مگر انھیں بھی خدائے ذوالجلال نے طبیعت کی موزونیت سے نوازا تھا۔ اس کا ثبوت ان کے وہ خطبات ہیں، جو بسا اوقات ردیف و قافیے کی یکسانیت کی وجہ سے اشعار کا مزہ دیتے ہیں۔

حضرت عثمان غنی اخلاق عالیہ، انسانی ہمدردی، ایثار اور اخوت و محبت کا زندہ نمونہ تھے۔ اس لیے ان کے اشعار میں ان کا طبعی میلان انھی مضامین کی طرف ہے اور اس میں اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیریت کو خوب نمایاں کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے چند اشعار:

غنى النفس يغنى النفس حتى يكفها

وان عضها حتى يضربها الفقر

نفس کی بے نیازی انسان کو استغنا عطا کرتی ہے اور اس کو دوسروں سے باز رکھتی ہے، گرچہ غربت و

تنگ دستی اس کو کاٹ کیوں نہ کھاے۔

ان اشعار کی تہوں میں جو سچائی، الفاظ کی سادگی، جذبات کی صداقت موجزن ہے وہ آج کے شعرا کو دعوت فکر دیتی ہے، جو چند ٹکوں کے لیے اپنے الفاظ کی حرمت کو بیچ کھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ انھی اشعار کی صداقت نے عالم عرب کے ظلمت زدہ کفار مکہ کے دلوں میں ایمان ویقین کی الہی شمع روشن کر دی تھی۔ ان کے اشعار کے بین السطور میں عرفان وادراک کی لکیریں نمایاں ہیں۔

حضرت علی تو باضابطہ شاعری کرتے تھے اوران کا شمار اس وقت کے بڑے شعرا میں ہوتا تھا۔ ان کے اشعار کا مترجم مجموعہ اردو میں شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکا ہے۔ گر چہ اس میں بہت سا الحاقی کلام شامل ہوگیا ہے، مگر جن اشعار کی صداقت ان کے دروبست سے عیاں ہے، ان پر ایمان نہ لانا علمی بد دیانتی کے مترادف ہوگا۔ انھوں نے بھی جاہلی شعرا کے نقش قدم کو ٹٹولتے ہوے تمہید یا تشبیب کے طور پر کھنڈرات، لق ودق صحرا، بلند وبالا پہاڑ، تلاطم خیز دریا اور فطری مناظر کی دل کشی کو منظوم کیا ہے، مگر وہ صرف قارئین اور سامعین کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ہے، ان کا مقصد کسی حسینہ کے دیار اور کسی محبوب کے کھنڈرات پر آنسو بہانے سے ہرگز عبارت نہیں ہے۔ جاہلی شعرا کی طرح انھوں نے بھی اپنے ممدوح کی تعریف کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے، مگر وہ کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں کہ بے جا عبارت آرائی سے کام لیا گیا ہو، بلکہ خلوص اور سچی محبت میں ڈوبے ہوے گداختہ دل کی داستان ہے۔ اس کی پشت پر کوئی دنیاوی منفعت کارفرما نہیں، بلکہ ان اشعار کا محرک وہ جذبہ صادق ہے، جو اعلی تخلیق کا بنیادی عنصر شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے جاہلی شاعر امرؤالقیس کی طرح بعض قصیدوں کے شروع میں گھوڑوں کی چستی، پہاڑوں کی بلندیوں، آسمان کی نیلی فضاؤں کا بھی دلچسپ ذکر کیا ہے، مگر وہ صرف تفنن طبع کے طور پر ہے۔ خیالات کی رفعت، اسلوب کی شیرینی، عمدہ تراکیب کا شکوہ ہر شعر سے نمایاں ہے۔ غزوہ صفین کے موقع پر قبیلہ ہمدان نے حضرت علی کی طرف دست تعاون دراز کیا تو انھوں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ نظم کیا، جس میں انھوں نے ان کی اعانت پر ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کیا ہے اوران کی اولوالعزمی، ان کی خوش خصالی، ان کے بہادرانہ کارناموں اور لڑائی کے میدان میں ان کی ثابت قدمی کی جم کر تعریف کی ہے۔ قصیدے کا ایک شعر اس طرح ہے۔

فلو كنتُ بوابا على باب جنة
لقلت لهمدان ادخلو بسلام

صحابہ میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر میدان شعر وادب کے شہ سوار تھے۔ جن کی شاعرانہ اور خداداد خلاقانہ صلاحیتوں کو بجا طور پر اسلام اور اہل اسلام کے لیے باعث صد افتخار تصور کیا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کے معتبر اور مستند شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ملوک غسان کی مدح میں انھوں نے جو مدحیہ قصیدے کہے ہیں، وہ آج تک عربی ادب میں لافانی شاہ کار شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے لیے سب سے بڑی فضیلت کی بات یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے ان کو اپنا شاعر منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشرکین قریش نے اپنے ہجویہ اشعار سے اسلام

کی ابدیت واصلیت اور نبوت کی حقانیت وصداقت کو ہدف تنقید بنایا، تو آپ نے فرمایا: ''جن اقوام وافراد نے اپنے ہتھیار سے میری مدد کی، انھیں کیا ہوگیا ہے کہ وہ اپنی زبان سے میری مدد کرنے کو تیار نہیں۔'' یہ سننا تھا کہ حضرت حسان کی ایمانی غیرت جوش مارنے لگی اور انھوں نے اسلامی اصول ونظریات کے دفاع اور اسلامی دعوت کے فروغ جیسے مقدس کام کے لیے اپنی شاعری اور فنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ اور پھر کفار مکہ کی ہجو میں جو اشعار کہے وہ ان کے اوپر شعلہ جوالہ بن کر گرتے تھے۔ انھیں ہجو ذاتی اور اجتماعی دونوں میں درک اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ جب جنگ بدر میں حارث بن ہشام اپنے حقیقی بھائی ابوجہل کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا، تو اس کی ہجو میں ایسے سخت اشعار کہے کہ کفار کے خیمے میں ہلچل مچ گئی۔ انھوں نے نہ صرف حارث، بلکہ پورے مشرکین مکہ کو بزدل، ڈرپوک اور ہمت وحوصلہ سے عاری قرار دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ایسی ہجویہ شاعری ہی کفار مکہ پر تلوار سے زیادہ کاری ضرب لگاتی تھی۔

حضرت کعب بن مالک نے بھی جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ دیکھے۔ ان کی شاعری کا میدان خاص بھی ہجوگوئی تھا۔ وہ حضرت حسان سے اس اعتبار سے مختلف تھے کہ حضرت حسان مشرکین کے نام ونسب پر حملہ کرتے تھے اور حضرت کعب انھیں لڑائی کی دھمکی دے کر ایوان کفر میں زلزلہ بپا کرتے تھے۔ ان کے اشعار کا خوف بعض قبائل پر اتنا طاری تھا کہ انھوں نے لڑائی کے اعلان سے خوف زدہ ہوکر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ ان کے اشعار سے بڑا حظ اٹھاتے تھے اور ان کو تحسین وتبریک کے کلمات سے نوازا کرتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے:

نخیّرها ولو نطقت لقالت

قواطعهن : دوساً او ثقيفاً

ہم نے اپنی تلواروں کو قبائل کے انتخاب کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اگر ان میں بولنے کی صلاحیت ہوتی، تو وہ قبیلہ دوس اور ثقیف کا نام لیتیں۔

حضرت کعب نے فخر وحماسہ پر مبنی اشعار کہہ کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ انھوں نے اکثر غزوات میں اسلامی قافلے کو اشعار کی حدت سے جوش اور طاقت کا گراں قدر سرمایہ عطا کیا ہے۔ معرکہ احد میں ان کے اشعار کفار مکہ پر بجلی بن کر گرتے تھے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ونُردی اللات والعزی وودا

ونسلبُها القلائدَ والشنوفا

ہم لات، عزی اور ود کو اوندھے منھ گرائے دے رہے ہیں اور ان کی گردنوں سے قیمتی ہار اور پٹے نکالتے جا رہے ہیں

حضرت عبداللہ بن رواحہ برجستہ شاعری کرتے تھے۔ انھوں نے حمد ونعت کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی

مدح میں پاکیزہ محبت کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ ہر ہر سطر ان کی اندرونی سوزش اور باطنی محبت کا آئینہ ہے۔ ایک محفل میں آپ ﷺ کے سامنے برجستہ یہ اشعار سنائے۔

انی تفرَّست فیک الخیر اعرفہ
واللہ یعلم ان ما خاننی البصرُ

میں نے آپ کی ذات میں خیر کی علامتیں دیکھی ہیں، خدا کی قسم میری آنکھوں نے خطا نہیں کی۔

انت النبی ومن یحرم شفاعتَہ
یوم الحساب لقد اَزریٰ بہ القدُر

آپ نبی رحمت ہیں۔ قیامت کے دن جو آپ کی شفاعت سے محروم رہ گیا، وہ بڑا بد قسمت ہے۔

ان کی شاعری کا مرکز ومحور کفار کی ہجو گوئی تھا۔ دراصل غزوہ احزاب سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ اب کفار نے اپنی لڑائی کا رخ دوسری طرف موڑ دیا ہے۔ وہ اب تیغ وتفنگ اور شمشیر وسنان کے بجائے لسانی ہتھیار کا استعمال کریں گے جس کا اثر تلوار سے زیادہ کارگر اور اذیت خیز ہوتا ہے۔ تم میں ایسا کون ہے جو مسلمانوں کی عزت وحرمت کا دفاع کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: میں۔ اس کے بعد کفار کی ہجو گوئی ان کا میدان خاص میدان بن گیا۔ انھیں کفر کا عار دلاتے تھے۔ بعد میں وہ حضرت کعب اور حسان سے بھی بازی مار لے گئے۔ مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''جب تک کفر اور زمانہ جاہلیت کا نشہ سر میں سوار تھا کفار پر انھی دونوں بزرگوں کی ہجویں اثر کرتی تھیں، لیکن جب یہ نشہ اتر گیا، تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے۔'' (اسوۂ صحابہ جلد:۲، ص:۳۲۸)

مرثیہ گوئی میں بھی صحابہ کرام نے اپنے نشانات قدم ثبت کیے ہیں۔ جب جنگوں اور فتنوں کے دور میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے اپنی جانیں گنوائیں، تو انھوں نے ان شہیدوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی وفات پر عبداللہ بن رواحہ نے رقت آمیز اور درد والم سے معمور مرثیہ کہا۔ ایک شعر دیکھیے۔

علیک سلام ربک فی جنان
مخالطہا نعیم لا یزول

آپ پر جنت میں خدا کی رحمت نازل ہو، جس میں لازوال نعمتیں ہیں

حضرت کعب بن زہیر کا بھی عرب کے ممتاز شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کا قصیدہ بردہ عرب دنیا میں آج بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب سرزمین حجاز پر اسلام کا چرچہ پھیلا تو وہ اپنے بھائی کی معیت میں اسلام قبول کرنے کے لیے نکلے، لیکن وہ کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے، اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مذمت اور اسلام کی ہجو میں چند اشعار قلم بند کیے۔

آپ کو پتہ چلا تو اس کے قتل کا حکم صادر کیا، لیکن انھوں نے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر محبت میں ڈوبے ہوئے قلم سے اور عشق و وارفتگی کی سیاہی سے جو قصیدہ رقم کیا وہ اسلامی اور عربی تاریخ میں زندہ و جاوید قصیدہ بن گیا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام نے اپنے ذوق شعر وسخن کو سجع و قافیے کا لباس عطا کیا ہے۔ جس میں انھوں نے اخلاقی اور اصلاحی مضامین کو نمایاں مقام دینے کی کوشش کی ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد، ان تمام مضامین پر یک لخت بندش لگادی، جو فحاشی، عریانیت، سماجی برائی اور بدکاری پر منتج ہوتے تھے۔ زمانہ جاہلیت تک عورتوں کے حسن وشباب اور ان کے جسمانی نشیب وفراز کی تعریف شاعری کا ناقابل انفکاک حصہ تھا۔ دوسروں کی ہجوگوئی اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا اس وقت کی شاعری کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت عمر نے مشہور ہجوگو شاعر حطیہ کو ہجوگوئی کے جرم میں قید کردیا تھا۔ مضامین پر پابندی کی وجہ سے عربی شاعری کا وہ زور جو زمانہ جاہلیت کا امتیازی وصف تھا وہ ختم ہوگیا۔ کیوں کہ عربی شاعری کے اصلی عناصر: فخر وغرور، جنگ جوئی، انتقام اور عشق وہوس وغیرہ کو قابل گردن زدنی جرم قرار دیا گیا۔ صحابہ کرام نے انعام واکرام کی طلب اور ہوس مال ومتاع سے اوپر اٹھ کر شاعری کی ہے، اس لیے جذبے کی صداقت سے معمور ہے۔ ان کے اشعار میں برجستگی ہے، ان کے نوک زبان پر تکلف وتصنع کا قبضہ نہیں رہا۔

صحابہ کرام نے بھی جاہلی شعرا کا تتبع کیا ہے، مگر اسی حد تک کہ وہ اسلامی مقاصد کی ترویج واشاعت میں مفید ہو سکے۔ جو اس کے دائرہ اثر کو وسعت بخش سکے۔ انھوں نے جاہلی شاعری کے معانی اور مفاہیم سے کنارہ کشی اختیار کرلی کہ یہ اباحیت، معاشرتی ابتری اور اخلاقی بگاڑ کی راہیں کھولتے تھے۔ انھوں نے اپنی فکر اور خیالات کا منبع قرآن واحادیث اور نبوی ارشادات کو بنایا۔ ان کے بہت سے اشعار قرآن کریم کی تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔ جن مضامین کی اسلام نے ممانعت نہیں کی وہ جوں کے توں اسلامی دور شاعری میں بھی برقرار رہے۔ چناں چہ کعب بن زہیر اور حسان بن ثابت کے اشعار میں سچی مدح سرائی کی آواز سنائی دے گی۔ ہجو کی دھمک بھی ملے گی، جس سے کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالنا مقصد نہیں، بلکہ کفر کی خرابیوں کی نقاب کشی اور کفار کی بزدلی کو آئینہ دکھانا مقصود ہے۔ فخر وحماسے کو بھی صحابہ نے شجر ممنوعہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ فخر ومباہات ہے، تو کفار کے مقابلے میں اسلام کی برتری، آپ ﷺ کی مدح وستائش اور مسلم مجاہدین کو تقویت کو پہنچانے کے لیے۔ اس میں جھوٹ اور سب وشتم اور پاک دامن عورتوں پر الزام ڈالنے کی غیر مہذب روش نہیں۔ لایعنی اور بے جا قصیدہ خوانی نے صحابہ کرام کے دل ودماغ پر اپنے پنجے نہیں گاڑے۔ مرثیے کا رنج وغم اور درد والم بھی ہے، مگر اس میں جھوٹ کی آمیزش نہیں، بلکہ اسلامی مفاہیم کی بازگشت سے معمور ہے۔ اور اس کے توسط سے شہیدوں کے لئے مغفرت اور گناہوں سے معافی کی درخواست کی گئی ہے۔ صحابہ کرام کی شاعری کا مرکز ومحور اسلام کی وہ پاکیزہ قدریں ہیں، جن سے پوری انسانیت کو جلا ملی۔ انھوں نے اسلامی تہذیب کی مرکزیت سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ ان کی شاعری مقصدیت اور اصلاحی وافادی ادب کے گرد گردش کرتی نظر آتی ہے کہ ان کا واحد مقصد اسلامی بنیادوں پر مردم گری اور آدم سازی تھا۔

مفتی محمد نوشاد عالم قاسمی ☆

دور نبوی ﷺ میں شاعر صحابہ ؓ

سامی قوموں میں عرب فطری طور پر سب سے زیادہ شاعری پر قدرت اور اس میں مہارت رکھتے تھے،ان کے نزدیک احساسات کا اظہار، افکار ونظریات کی دعوت، اپنی نیک نامی اور بہادری کی تشہیر، عشق ومحبت کے فسانے، مفاخر اور کارناموں کی بقا، اپنے قلبی تاثرات اور ر․حجابات وغیرہ کی تعبیر کا واحد ذریعہ ''شاعری'' ہی تھی۔ چنانچہ ''شعر'' ان کے علوم وحکم کا دیوان، ان کی زندگی اور جنگی واقعات کا ریکارڈ، ان کی سادہ طبیعت، حق گوئی اور جرأت کا آئینہ دار، نیز ان کی وتمدن اور معاشرت کا بے داغ پرتو ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کا زمانہ، عربی شاعری کے فنی عروج اور مکمل پختگی کا زمانہ ہے؛ اس لیے ہم صحابۂ کرام ؓ کی پاکیزہ جماعت میں ایک تعداد ایسی بھی پاتے ہیں، جولسانی مہارت، شعر گوئی کی بے پناہ صلاحیت، اسالیب کی ندرت، تشبیہات ومحاورات پر عبوری ملکہ، علو فکر، خیال آفرینی اور قوت اظہار میں انتہائی ممتاز مقام رکھتے تھے، جن میں حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ، کعب بن زہیر ؓ، حسان بن ثابت ؓ، خنساء بنت عمرو ؓ، کعب بن مالک ؓ اور کچھ دیگر حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان شعراء کرام کے اشعار کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) اسلام سے قبل کی شاعری (۲) اسلام کے بعد کی شاعری

اسلام سے قبل کی شاعری

اس دور کی شاعری میں، صنف سخن، موضوع، اسلوب، انداز فکر، ذوق اور کردار کے تنوع اور بوقلمونیوں کے باوجود جو چیز ہم قدر مشترک پاتے ہیں وہ ہے ''تہذیب ومعاشرت کی یکسانیت'' وہی تہذیب جس میں سخت جہالت، خشک عقلیت، آوارگی اور بے راہ روی کی حوصلہ افزائی اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے تعصب کا دور دورہ تھا، جھوٹے مفاخر پر ناز، قومیت ووطنیت کا بلند وبانگ نعرہ اور دوسرے قبیلوں کا استہزا ان کی تہذیب کا بنیادی محور اور اصل سرمایا ہوا کرتا تھا، ان کی شاعری بھی ان صفات کی نہ صرف حامل؛ بلکہ مظہر اتم تھی۔

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد

اسلام کے بعد کی شاعری

لیکن اسلام کا وہ صالح انقلاب اور پاکیزہ نظام، جس نے عرب جیسی غیر متمدن قوم کا پورا ڈھانچہ بدل کر رکھ دیا، جس کے نتیجہ میں افکار وخیالات بدلے، عقائد واعمال بدلے، صدق ووفا کی گرم بازاری ہوئی، اخلاص ہر قول وفعل کی بنیاد قرار پایا اور عربی زبان کی بقا کے لیے وثیقۂ ضمانت لے کر اللہ کا وہ معجزہ کلام اترا، جس نے عربی زبانی کے تقدس کو دوام بخشا اور گردش زمانہ کی خرد برد کے واہمہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

اس تناظر میں عربی شاعری نے بھی کروٹ لی، اور جدید تہذیب کے پیش کردہ نظام تمدن، صالح اقدار وروایات، بلند تعمیری اخلاق، فطرت سے ہم آہنگ عقائد وتعلیمات اور اس کی اصطلاحات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا، تعریف وتوصیف، ہجو، تشبیب فخر وغرور اور قومیت وعصبیت کے لیے ایک خاص پیمانہ مقرر ہوا،

بعض اہل ادب کا خیال ہے کہ اسلام کے دور جدید کی شاعری، زمانۂ جاہلیت ہی کی شاعری کا تسلسل ہے، اس نے فن کی حیثیت سے کوئی ترقی نہیں کی۔(۱) اور بعض نے یہاں تک لکھ دیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بعض شعراء کا کلام فنی اعتبار سے بہت معمولی اور غیر مؤثر ہو کر رہ گیا تھا۔(۲) حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی-دامت برکاتہم- نے ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے کذب وفریب، ناقابل قیاس مبالغے، عشق ومحبت کے اخلاق سوز فسانے کا قلع قمع کر دیا؛ لیکن اصناف سخن کے اچھے پہلو جیسے: ادب واخلاق، علوم وحکمت، شجاعت وبہادری، مدح، مرثیہ- یہاں تک کہ فخر، ہجو کو بھی۔ اگر وہ صالح مقاصد اور دین کے دفاع کے لیے ہو- باقی رکھا؛ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اسلامی شعراء نے ان میں قابل قدر اضافہ فرمایا''

ہمارا خیال ہے کہ اگر شاعری، ذہنی آسودگی اور نفسانی لذت کیشی کا ذریعہ، تفریح طبع کا نسخہ اور بے مقصد قافیہ پیمائی کی کوشش کا نام ہے یا گل وبلبل کی نغمہ سنجی، عشق ومحبت کی کہانی اور ہجر وفراق کی آہ وزاری اس کی منزل مقصود ہے تو اسلام نے بلاشبہ اس کوہستانی سلسلے پر قدغن لگا دی اور اس سے باز رہنے کی تاکید کی۔

لیکن اگر شاعری اپنے اندر کوئی مقصدیت رکھتی ہے تو شاعری کی تعریف یہ ہونی چاہیے کہ ''وہ انسانیت کے ارتقاء کا مثبت کردار ہے''، لہٰذا ضروری ہے کہ حقیقت بینی اور حقیقت آفرینی اس کا شیوہ ہو، معاشرہ کی ناہمواریوں کی اصلاح اس کے مقاصد کا حصہ ہو، نزاکت خیال، فکری شعور اور دینی عظمتیں اس کی ہمرکاب ہوں، ظلم وجور کی الم ناک صداقتوں کا اظہار اور سچ وجھوٹ کی کشمکش میں صداقت کی طرف داری، اس کی اولین ترجیح ہو، زبان کی سلاست، فکر کی روانی، سچائی کی مہک اور جرأت وحق گوئی کی

خوشبو اس کا امتیاز ہو، اسلوب کی انفرادیت، تخیل کی بلند پروازی حساس دل اور عقابی روح اس کی شناخت ہو، حضرت حسان ثابت ؓ نے کتنا سچ کہا ہے:

انـمـا الشـعـر لب المرء يعرضه علی المجالس ان كَيْساً وان حمقا

و إن أصـدق بيـت أنـت قـائلـه بيت يقال اذا أنشدته : صدقا(۴)

''بالیقین شعر انسان کی عقل کا مظہر ہے، جسے وہ مجلسوں میں پیش کرتا ہے، اگر شاعر عقلمند، تو شعر اس کا آئینہ، اور اگر شاعر بے وقوف تو شعر بھی حماقت سے لبریز اور سب سے عمدہ شعر وہ ہے جسے تو سنا دے تو لوگ کہہ اٹھیں: کیا سچی بات ہے''

اور یہ شاعری کا وہ مقام ہے، جس کی اسلام تائید ہی نہیں؛ بلکہ رہبری کرتا ہے، اس مقام پر شاعر کو وہ روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے کہ اس کے کلام کا نشتر، پاسبانانِ کفر و باطل کے لیے تیر و تفنگ اور سیف و سنان سے زیادہ کاری اور مؤثر ہوتا ہے۔

اس مختصر تجزیہ کے بعد چند شعراء صحابہ ؓ - جن کا شعری سفر زمانہ جاہلیت سے شروع ہوا اور اسلام میں بھی ان کی فنکاری اور طبعی فیاضی بلا انقطاع جاری رہی - کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

عبداللہ بن رواحہ ؓ

آپ کا اسم گرامی: عبداللہ، والد کا نام: رواحہ اور دادا کا نام: امرئ القیس ہے، آپ انصار کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کو اپنی قوم میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

آپ کا شمار عرب کے بڑے شعراء میں ہوتا تھا، شاعری میں لوگ آپ کو قیس بن الخطیم کا ہم پلہ قرار دیا کرتے تھے، آپ نے ہجرت سے قبل، بیعت عقبۂ ثانیہ میں شرکت کی، اور آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا، نبی کریم ﷺ نے آپ کی خاندانی عظمت اور ذاتی شرافت کا لحاظ کرتے ہوئے ان بارہ نقیبوں میں سے ایک قرار دیا، جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ میں تبلیغ دین کے لیے محنت کی اور یہی خدمات اسلام کے تاریخی انقلاب کے لیے سنگ میل ثابت ہوئیں۔

آپ کی عظمت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ آپ اچھے کاتب تھے؛ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے آپ کو کتابتِ وحی کا عظیم فریضہ کی انجام دہی پر مامور فرمایا، اس طرح آپ کو نبیِ اقدس ﷺ کے قرب اور مصاحبت کا ایک اور سنہرا موقع میسر آ گیا۔

اسلام کے بعد آپ کی شاعری کا بنیادی محور، دین کا دفاع رہا، مشرکین جو رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے بدگوئی اور ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے، ان کی تردید کے لیے جن خوش نصیب صحابہ ؓ کو زبان اور ہتھیار دونوں سے مقابلہ کی توفیق میسر ہوئی، ان میں عبداللہ بن رواحہ ؓ بہت ممتاز ہیں، آپ کی وفات ۸ھ میں غزوۂ موتہ میں ہوئی اور شام میں بلقاء نامی مقام پر مدفون ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

غزوۂ احد میں حضرت حمزہ ؓ کی شہادت پر

بکت عینی، وحق لها بکاها　　وما یُغنی البکاءُ ولا العویل

میری آنکھ رو پڑی، اور اسے رونا ہی چاہئے　　لیکن اس گریہ وزاری اور آہ بکا سے کیا فائدہ؟

علی أسد الاله غداة قالوا:　　احمزة:ذاکم الرجل القتیل

اللہ کے اس شیر پر، جسے لوگوں نے کہا: ہائے حمزہ، آہ وہ مرد شہید

اصیب المسلمون به جمیعاً　　هناک،وقد اصیب به الرسل

جس کی وفات سے سارے مسلمان غمزدہ ہوگئے اور رسول اللہ بھی مغموم ہوئے

ألامن مبلغ عني لؤیاً　　فبعد الیوم دائلة تدول

ہے کوئی جو بنی لوئی کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچادے کہ آج کے بعد پھر معرکہ گرم ہوگا

وقبل الیوم ما عرفوا وذاقوا　　وقائعنا بها یشفی الغلیل

اور آج سے پہلے جو ہوا وہ ان لوگوں نے جانا اور مزہ چکھا ہماری جنگیں ہمارے پیاسوں کی تشنگی دور کرتی ہیں

نسیتم ضربنا بقلیب بدر　　غداة أتاکم الموت العجیل

کیا تم لوگوں نے قلیب بدر میں ہماری سرزنش فراموش کردی جب تمہیں جلدی ہی موت آئی تھی

غداة ثوی أبوجهل صریعا　　علیه الطیر حائمة تجول

جب ابوجہل چت گرا تھا اس پر پرندے منڈلا رہے تھے

وعتبة وابنة خرا جمیعاً　　وشیبة عضّهُ السیف الصقیل

اور عتبہ اور اس کے بیٹے سبھی منھ کے بل گرے اور شیبہ جسے چمکتی تلوار نے کاٹ کر رکھ دیا

ألا یا هند ا لا تبدی شماتا　　بحمزة، إن عزکم ذلیل

اے ہندہ! حمزہ کی شہادت پر اظہار خوشی نہ کر کیوں کہ تمہارے عزت والے بھی ذلیل ہیں

حسان بن ثابت الأنصاری ؓ

آپ کا اسم گرامی: حسان، والد: ثابت بن المنذر، اور والدہ کا نام فریعہ بنت خالد ہے، آپ کا تعلق بھی انصار کے قبیلہ خزرج سے ہے، آپ کے والد اور دادا، قوم کے سرداروں میں تھے، شاعری میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ خود اپنے آپ کو مشہور شاعر ''نابغہ ذبیانی'' جسے بعض اہل ادب نے عرب کا سب سے بڑا شاعر اور اکثر اہل ادب نے امرؤالقیس کے بعد سب

سے بڑا شاعر گردانا ہے، سے بڑا شاعر کہا کرتے تھے، مشہور مؤرخ وادیب ''ابوعبیدہ'' فرماتے ہیں کہ: اہل عرب کا اتفاق ہے کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ اہل مدر (شہری اور دیہاتی لوگ) میں سب سے بڑے شاعر ہیں (۶) آپ کا شعر ہے۔

من للقوا فی بعد حسان وابنه　　　ومن للمثانی بعد زید بن ثابت(۷)

شاعری آپ کے کسب معاش کا ذریعہ تھی، آپ مناذرہ اور غساسنہ (شاہان حیرہ ویمن) کی خوب خوب تعریف کرتے، اور وہ بھی آپ پر مال ودولت کی بارش کرتے،

اسلام سے پہلے آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، تعریف، ہجو، مرثیہ، جام وسبو، بہادری، فخر اور غزل بھی آپ کی جولانیوں کا مرکز رہے۔

اسلام کے بعد آپ نے اپنی مدحیہ شاعری، رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کردی، آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ دفاع دین کا عظیم فریضہ انجام دیا، آپ کے وہ اشعار جو مشرکین کی چیرہ دستیوں اور زبان درازیوں کے جواب میں کہے گئے ہیں وہ زہر جیسی تاثیر، اور تلوار جیسی دھار رکھتے ہیں، آپ نے اپنی شاعری میں کثرت سے اسلامی اصطلاحات اور قرآنی اقتباسات کا پیوند لگایا ہے، جس سے آپ کی شاعری میں طوفان کا زور اور بلا کی قوت پیدا ہوگئی ہے، رسول اللہ ﷺ کی مدح ومنقبت کو آپ نے کچھ اس انداز سے نبھایا کو وہ فن کی حیثیت اختیار کرگئی، زبان کی اس لطیف صنف کے بالیقیں آپ خالق ہیں اور بعد کے تمام مداحان رسول-ﷺ-آپ کے ممنون۔

آپ نے لمبی عمر پائی، آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی، آپ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی۔

نمونے کے چند اشعار

الا ابلغ ابا سفیان عنی　　　فانت مجوف نخب هواء

کوئی ابوسفیان کو میری طرف سے یہ خبر دے کہ تو انتہائی بزدل، حوصلے سے خالی، حواس باختہ انسان ہے،

وان سیوفنا ترکتک عبداً　　　وعبد الدار سادتها الإماء

ہماری تلواروں نے تجھے غلام بنا کر چھوڑا اور عبدالدار پر باندیاں حاکم ہوگئیں

هجوت محمداً فاجبت عنه　　　وعندالله فی ذاک الجزاء

تو نے حضرت محمد ﷺ کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا اور اللہ کے یہاں مجھے اس کا بدلہ ملے گا،

أتهجوه ولست له بکفء؟　　　فشر کما لخیر کما الفداء

کیا ان کی ہجو کرتا ہے جب کہ تیرا ان سے کوئی مقابلہ نہیں ہے تم میں سے بدتر (تو) بہتر (محمد ﷺ) پر قربان ہو

هجوت مباركاً براً حنيفاً أمين الله شيمته الوفاء
تو نے بابرکت، نیک، دین حق پر مضبوطی سے قائم اللہ کے امین، وفا پیشہ شخص کی ہجو کی ہے،

فمن يهجو رسول الله منكم ويمدحه وينصره سواء
تم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرے یا تعریف کرے یا مدد کرے، سب ان کے لیے برابر ہے

وجبريل أمين الله فينا وروح القدس ليس له كفاء
اللہ کے امین حضرت جبرئیل ہم میں رہا کرتے ہیں اور روح القدس کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے

لنا في كل يوم من مَعَدٍّ سباب او قتال أو هجاء
ہمارے یہاں ہر روز تیاری رہا کرتی ہے بدزبانی کی یا جنگ کی یا برائی کی

فان أبي ووالدتي وعرضي لعرض محمد منكم وقاء
میرے والدین اور میری آبرو حضرت محمد ﷺ کی آبرو کے لیے ڈھال ہیں:

لساني صارم لا عيب فيه وبحري لا تكدره الدلاء(۸)
میری زبان بے عیب تلوار ہے اور میرے سمندر کو ڈول گدلا نہیں کر سکتے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات پر

ما بال عينك لا تنام كانما كحلت مآقيها بكحل الأرمد
(اے نفس) تیری آنکھ کو کیا ہو گیا کہ سوتی نہیں ہے ایسا لگتا ہے کہ آنکھ نے ارمد کا سرمہ لگا لیا ہے،

بابي وامي من شهدت وفاته في يوم الاثنين النبي المهتدي
میرے والدین اس نبی برحق پر قربان پیر کے دن، جن کی وفات کے موقعہ پر میں موجود تھا

أأقيم بعدك بالمدينة بينهم يا ليتني صبحت سم الأسود
کیا میں آپ کے بعد، مدینہ میں رہنا گوارہ کر سکتا ہوں کاش کہ مجھے زہریلے سانپ کا زہر چڑھ گیا ہوتا

ضاقت بالأنصار البلاد فاصبحت سودًا وجوههم كلون الإثمد
انصار پر دنیا تنگ ہو گئی اور اثمد کے رنگ کی طرح ان کے چہرے سیاہ ہو گئے،(۹)

کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی، کعب اور والد کا نام مالک ہے، زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت، ابوبشیر تھی، نبی کریم ﷺ نے بدل کر ''ابوعبداللہ'' کنیت رکھی، آپ کا تعلق بھی انصار کے قبیلۂ خزرج سے ہے، آپ مدینہ میں ہجرت سے ۲۵؍سال قبل پیدا ہوئے، آپ

نے بیعت عقبۂ ثالثہ میں شرکت کی اور اسلام قبول کیا۔

آپ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شرکت کی، غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کا واقعہ، صحیحین میں آپ ہی کی زبانی منقول ہے جو اس زمانہ کے عربی نثر کا ایک شاہکار نمونہ ہے، اور ایمانی زندگی کے بہت سے خوبصورت اور قابل تقلید گوشوں پر مشتمل ہے۔

آپ نابغۂ زمانہ شعرا میں تھے، آپ کی شاعری، رقت الفاظ، جرأت بیان، برمحل استعارات وکنایات مختلف قبائل کی لغات سے واقفیت، عربی مفردات کی کثرت نیز منفرد دھمکی آمیز اسلوب میں ممتاز تھی، امام بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے شاعر تین تھے: حسان بن ثابت ؓ، کعب بن مالک ؓ اور عبد اللہ بن رواحہ ؓ، حضرت حسان ؓ انساب پر حملے کرتے اور کفار کے خاندانی معائب کے جویاں رہتے، حضرت کعب ؓ دھمکیاں دیتے اور جنگوں کے ہولناک نتائج سے ڈراتے اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؓ کفر پر عار دلاتے''۔

وہ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ دوس نے آپ کے مندرجہ ذیل اشعار سے ڈر کر ہی اسلام قبول کیا

قضينا من تهامة كل وتر		وخيبر ثم أغمدنا السيوفا

نخيرها ولو نطقت لقالت		قواطعهن: دوساً أو ثقيفا

ہم نے تہامہ اور خیبر والوں سے پورا بدلہ لے لیا اور اپنے اختیار سے تلواریں داخل نیام کرلیں، اگر ان تلواروں کو قوت گویائی ہوتی تو شمشیر براں پکار اٹھتی: دوس اور ثقیف سے بھی بدلہ لو (۱۰)

آپ سے تیس کے قریب احادیث مروی ہیں، آپ آخری زندگی میں نابینا ہوگئے تھے، آپ نے ۷۷ رسال کی عمر میں ۵۲ھ میں انتقال فرمایا- اناللہ وانا الیہ راجعون

غزوۂ خیبر کے موقع پر کہے گئے اشعار

ونحن وردنا خيبراً وفروضه		بكل فتى، عارى الأشاجع مذود

ہم نے خیبر اور اس کی فوج پر چڑھائی کی ہر بے خوف، حملہ آور نو جوان کے ذریعہ

جواد لدى الغايات لا واهن القوى		جرئ على الأعداء فى كل مشهد

جو مقابلہ میں جان باز نہ کہ کمزور ہیں اور ہر جنگ میں دشمنوں پر جری رہتے ہیں

عظيم رماد القدر فى كل شتوة		ضرب بنصل المشرفى المهند

ہر جاڑے میں وہ لوگوں کی پناہ گاہ ہیں اور بہت سخی ہیں مشرفی ہندی تلوار کے پھلوں سے حملہ کرتے ہیں،

يرى القتل مدحاً إن أصاب شهادة		من الله يرجوها وفوزا بأحمد

قتل ان کے لیے پسندیدہ ہے اگر انہیں اللہ کی طرف سے وہ شہادت میسر ہوجائے جس کے وہ امید

وارر ہتے ہیں، احمد ﷺ کے ساتھ غایت محبت میں

يذود ويحمي عن ذمار محمد ويدفع عنه باللسان وباليد

محمد ﷺ کے تقدس کی حفاظت کرتے ہیں، اور پاسداری کرتے ہیں اور زبان اور ہاتھ سے آپ کا دفاع کرتے ہیں

وينصره من كل أمر يريبه يجود بنفس دون نفس محمد

ہر مشکوک چیز سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں اور آپ کی جان کی حفاظت میں اپنی جان بخوشی گنوادیتے ہیں

يصدق بالأنباء بالغيب مخلصاً يريد بذاک الفوز والعز في غد

سچے دل سے غیب کی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ کل (اللہ کے یہاں) کامیابی اور سرخروئی کی امید رکھتے ہیں۔(۱۱)

حوالہ جات

(۱) تاریخ الأدب العربی للزیات، ص:۷۹۔

(۲) ایضاً ص:۱۱۲۔

(۳) تاریخ الأدب للشیخ محمد رابع الندوی، ص:۷۰۔

(۴) دیوان حسان بن ثابت، ص:۱۵۶۔

(۵) تاریخ الأدب للندوی، ص:۷۰۔

(۶) الاستیعاب:۱/۳۴۱۔

(۷) دیوان حسان بن ثابت، ص:۳۵۔

(۸) ایضاً ص:۱۔

(۹) ایضاً ص:۴۸۔

(۱۰) اسد الغابۃ:۱/۹۳۹۔

(۱۱) تاریخ الأدب للندوی، ص:۸۵۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن الأعظمی ☆

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

میدان عشق وجہاد کے شہسوار اور شاعر رزم وبزم

یثرب، جائے وقوع اور وہاں کے باشندے

جزیرہ نمائے عرب میں نجد وتہامہ کے درمیان پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جغرافیۂ عرب کے مؤرخین اس کو حجاز کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، حجاز کے اس خطے میں تین شہروں کو زمانہ قدیم سے مرکزیت حاصل رہی ہے، سب سے مشہور مکہ مکرمہ ہے، اس شہر کو ''بلد امین'' کے آسمانی لقب سے نوازا گیا، دوسرا مشہور شہر یثرب تھا، اور تیسرا طائف، یثرب کو بعد میں دارالہجرۃ بننے کا شرف حاصل ہوا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے بعد اس کا نام ''مدینۃ الرسول'' پڑ گیا، اور اخیر میں ''المدینۃ المنورۃ'' کے پاکیزہ اور روح پرور نام سے مشہور ہوا۔

یثرب کی قدیم آبادی یہودیوں کے قبائل پر مشتمل تھی، یہ لوگ گردش زمانہ کا شکار ہوکر مختلف اطراف سے آکر یثرب میں آباد ہوگئے تھے، اور سد مآرب کے انہدام کے بعد یمن سے عرب قبائل ہجرت کرکے یثرب آگئے، ان میں بنو قیلہ سرفہرست تھے، پھر یہی لوگ اوس وخزرج کے قبیلوں میں منقسم ہوگئے، ان کا نسب نامہ ازد وقحطان کے قبائل سے ملتا ہے، امتداد زمانہ کے ساتھ یہ لوگ یثرب کی اجتماعی زندگی پر چھاگئے، اور یہودیوں کے مقابل میں ان کو بالادستی حاصل ہوئی، ان کا شمار یثرب کے شرفاء اور سادات میں ہونے لگا، زراعت وتجارت ان کا اصل مشغلہ تھا، لیکن خزرج کے لوگ ان میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت کے مالک تھے اور اوس کی بہ نسبت ان کو عددی اور معاشی حیثیت سے بھی غلبہ حاصل تھا، ان کے علاوہ دوسری عرب آبادی کو وہاں کی سوسائٹی میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ننیہال بھی خزرج کے قبیلہ میں تھا۔

☆ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اوس وخزرج کا اختلاف

اہل خزرج کی طاقت، ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور لیڈر شپ، اور زندگی کے معاملات میں ان کا گہرا اثر قبیلۂ اوس کے لوگوں کے لیے نا قابل برداشت ہو گیا، سب سے بڑھ کر یہ کہ خزرجیوں نے یثرب کے مرکزی علاقے کو اپنا مرکز و مسکن بنا لیا، اور قبیلۂ اوس کے لوگوں کو وہاں سے ہٹ کر جنوب و مشرق میں آباد ہونا پڑا، یہ باتیں زیادہ دنوں تک آپس کے تعلقات کو خوشگوار نہ رکھ سکیں، خصوصاً ایک جنگ جو اور باحمیت قوم کے لیے تابع اور محکوم بن کر رہنا ناممکن تھا، خزرج کے قبیلہ میں بہت سے جوشیلے نوجوان اور میدان جنگ کے تجربہ کار، سن رسیدہ بھی موجود تھے، انہوں نے اس صورت حال پر قناعت کرنا اپنی بڑی توہین سمجھی، اور آخر کار دونوں قبیلوں میں جنگ کی نوبت آ گئی، اور عرصۂ دراز تک اس کا سلسلہ جاری رہا، ان لڑائیوں میں خون خرابہ اور جان و مال کا ضیاع نا قابل قیاس حد تک ہوا، ان لڑائیوں کی داستان اور ان میں مشہور معرکے کا ذکر آج بھی تاریخ کے صفحات میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے، خاص طور سے: یوم سمیر، یوم السرارہ، یوم کعب، یوم فارع، یوم معبس و مضرس اور یوم بعاث تاریخی حیثیت سے بہت مشہور ہے۔

ان لڑائیوں کو ہوا دینے میں یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا، وہ چونکہ کمزور اور بے اثر تھے، اس لیے ان کی عین خواہش تھی کہ وہ لوگ اس میں لڑ کر فنا یا کمزور ہو جائیں، تا کہ ان کو وہاں کے ماحول پر اثر انداز ہونے یا لیڈری کے مواقع حاصل ہو جائیں، چنانچہ ان کو اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی، اور قریب تھا کہ وہی لوگ حاکمانہ حیثیت اختیار کر لیں اور عربوں کو اپنا غلام بنا کر ان سے بیگار لیں، لیکن ان کی اس کوشش وخواہش کو اوس وخزرج کے لوگ اچھی طرح سمجھ گئے اور ان کو اپنی کمزوری اور انتشار کا شدید احساس ہوا، ان کی نظریں ایک قائد کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگیں، اور وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار، ضائع شدہ طاقت کو بحال کرنے کی فکر میں سرگرداں تھے کہ حج کا زمانہ قریب آ گیا اور خزرج کا ایک مؤقر وفد ادائیگی حج کے خیال سے مکہ مکرمہ روانہ ہوا، جہاں ان کی ملاقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام منیٰ میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پر جوش استقبال کیا، ان کے حالات معلوم کیے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا، اور ان کو ایسا محسوس ہوا کہ انہیں جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا تأثر اس طرح ظاہر کیا:

''ہم اپنی قوم کو دشمنی کی اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ایسی دشمنی کسی اور قوم میں نہیں ہوگی، اب ہم کو یقین ہے کہ ہم متحد ہو جائیں گے، اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت وعزت کو واپس لا سکیں گے''۔

پھر ان کے ذریعے یثرب میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تعارف ہوا، اور گھر گھر اس کا چرچا ہوا، اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

عبداللہ بن رواحہ اسلام سے پہلے

عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کبشہ بنت واقد بھی خزرجی تھیں، اوس وخزرج کے درمیان طویل جنگی حالات کی وجہ سے دونوں قبیلوں نے اپنے اپنے دفاع کے لیے شعروشاعری کو بڑی اہمیت دی، دور جاہلیت کی سب سے بڑی خصوصیت شاعری تھی، اس کا استعمال موقع ومناسبت کے لحاظ سے ہر قبیلہ کے لوگ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جس قبیلہ میں کوئی شاعر نہ ہوتا، وہ ایک بڑی دفاعی طاقت سے محروم سمجھا جاتا تھا، اور اس کو کسی نہ کسی انداز سے اپنے دفاع کا انتظام کرنا پڑتا تھا، اوس وخزرج کی طویل جنگوں نے دونوں قبیلوں میں شعروشاعری کو ابھرنے کا خوب موقعہ دیا، شاعروں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ پروان چڑھے، چنانچہ حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ قبیلہ خزرج کے زبردست شاعروں میں تھے، اسی طرح اوس کے سب سے بڑے معاصر شاعر قیس بن الخطیم تھے، ان شاعروں کے مشہور اور مقبول قصیدے ''مذھبات'' یعنی سنہرے قصائد کے نام سے مشہور تھے۔

اوس وخزرج کے درمیان جاری رہنے والی طویل جنگوں میں دونوں طرف کے شعراء نے شاعری کے اپنے اپنے جوہر دکھائے، اس سلسلہ کی سب سے پہلی جنگ سمیر تھی، اس جنگ کے شعلہ کو اوس کے ایک شخص ''سمیر بن یزید'' نے بھڑکایا تھا، اور باوجود ساری کوششوں کے لڑائی کی آگ نہ بجھی، اور دونوں طرف کے شاعروں نے دل کھول کر اس میں حصہ لیا۔

عبداللہ بن رواحہ ؓ اور قبائلی جنگوں میں ان کا شاعرانہ کردار

جنگ سمیر زمانی اور مکانی رقبے کے اعتبار سے کافی طویل ثابت ہوئی، اس جنگ میں دونوں طرف کے شاعروں کو خوب خوب اپنے جذبات کی عکاسی کا موقع ملا، اوس کا پہلو اس میں غالب تھا، چنانچہ اوسی شاعر قیس ابن الخطیم (قبیلہ اوس کا نہایت قادر الکلام شاعر، حضرت حسان اور عبداللہ بن رواحہ کا معاصر اور مدمقابل، افسوس کہ اسلام کی دولت سے سرفراز نہ ہوسکا) نے فخریہ قصیدہ کہا، اور خزرج والوں کو ان کی پسپائی پر عار دلایا، مقام فضاء میں ہونے والی اس جنگ کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے خاص طور سے اس مفہوم پر زور دیا کہ اور کہا کہ:

> ''اے بنی عوف کے لوگو! ہم نے مقام فضاء میں تم کو موت کا پیالہ پینے پر مجبور کردیا، بہادروں کی فوج سے ہم نے تمہارا مقابلہ کیا، اور ہماری تلواروں نے تم کو کسی کام کا نہ رکھا، سن لو! ہم جب تک زندہ رہیں گے تمہیں قتل کرتے رہیں گے، اور تمہارے آدمیوں کو غلام بنا کر لے جائیں گے''۔

اس جارحانہ قصیدے کا سننا تھا کہ عبداللہ بن رواحہ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، اور ان کے لیے نا قابل برداشت ہوگیا، چنانچہ انہوں نے قیس بن الخطیم کو ترکی بہ ترکی برجستہ جواب دیا، اور ۲۳، اشعار پر مشتمل اپنا قصیدہ ''دالیہ'' کہا، اور ابن الخطیم کی ہر ہر بات کا رد کیا، اس کی خوب خبر لی، یہی وجہ ہے کہ ابن الخطیم کے ۱۸/ اشعار پر مشتمل قصیدے کے جواب میں عبداللہ بن

رواحہ کا قصیدہ ۲۳/اشعار پر مشتمل تھا۔

جنگ بقیع کے موقع پر اوس کے لوگوں کو فتح حاصل ہوئی تو اس موقع پر اوسی شاعر عبید بن ناقد الاوسی نے ایک قصیدہ کہا، اور اپنے قبیلہ کی تعریف کی، فتح یابی پر مسرور ہوا، اور خزرج کے لوگوں کو شرم دلائی، اس موقع پر بھی عبداللہ بن رواحہ نے جوابی قصیدہ پیش کیا، یہ قصیدہ مکمل طور پر محفوظ نہیں، صرف دو شعر تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں:

لما رأیت بنی عوف و اخوانھم　　کعباً وجمع بنی النجار قد حلفوا

قدما أبا حوا بالسیوف ولم　　یفعل بکم أحد مثل الذی فعلوا

(جب میں نے بنی عوف اوران کے بھائیوں، کعب اور بنی نجار کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ سیلاب کی صورت میں جمع ہو کر آئے، تو میں نے یقین کرلیا کہ انہوں نے اپنی تلواروں سے تمہارے محفوظ علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا، اور انہوں نے جو کچھ کیا، اور جس انداز سے تمہارے اوپر فتح حاصل کرلی، وہ کوئی اور نہ کرسکا۔)

معبس و مضرس اور جنگ بعاث میں

معبس و مضرس دو دیواروں کے نام ہیں، دیوار ''مضرس'' کی اوٹ میں قبیلۂ خزرج کی فوج تھی، اور دیوار ''معبس'' کے پیچھے اوسی فوج اپنے جوہر دکھارہی تھی، یہ لڑائی بہت سخت تھی، اور مسلسل کئی دنوں تک بلا کسی توقف جاری رہی، اس موقع پر دونوں قبیلوں کے شاعروں نے پوری طاقت کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا، حضرت حسان بن ثابت نے بھی اپنا مشہور ''نونیہ'' قصیدہ کہا، ادھر قیس بن الخطیم نے اپنی قوم کی شکست سے متاثر ہو کر نہایت دردوکرب میں ڈوبا ہوا قصیدہ کہا، عبداللہ بن رواحہ نے بھی اس موقع پر شعر کہا، اور ابن الخطیم کو شرم دلائی۔

اسی طرح جنگ بعاث کے موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے اثر میں ڈوبی ہوئی شاعری سے دلوں کو گرمایا، اور اپنے حریف شاعر قیس بن الخطیم کو ملامت کرنے اور عار دلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ان کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کرنے کی اجازت دیجئے، اس میں انہوں نے ابن الخطیم اور قبیلۂ اوس کی کمزوریاں گنائی ہیں:

یاقیس!أنتم شرار قومکم　　قدما،وأنتم اغنھم نسبا

(اے قیس! تم قدیم زمانے سے اپنی قوم کے شرپسند ہو، اور خاندانی اعتبار سے بھی بہت پست ہو،)

حالفتم الفحش والخیانة　　والبخل جمیعا واللؤم والکذبا

(تم نے کن کن علتوں کو اپنے اندر پال رکھا ہے، فحش، خیانت، کمینگی اور جھوٹ، کون سی خصلت تمہارے اندر نہیں ہے!؟)

يا قيس ! ان الأسلاب أحرزها من كان يغشى الذوائب القضبا

(قیس! تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مال غنیمت انہیں لوگوں نے حاصل کیا، جو بلند چوٹیوں اور بلند شاخوں پر ٹھکانا لینے والے تھے،)

وانت فی الدار غير محتضر حربا، وتدعو قتالنا لعبا

(اور تم اپنے گھر میں بیٹھے جنگ کے لیے کسی طرح تیار نہ تھے، اور ہم سے لڑنے کو کھیل سمجھ رہے تھے،)

لو كنت فيهم والحرب لاقحة لكنت فيهم مغلبا ذنبا

(اگر تم ان میں اس وقت ہوتے جب کہ لڑائی اپنے شباب پر تھی، تو تم مغلوب اور دم چھلے بن کر ہی دکھائی دیتے،)

نحن استبحنا مافی دیارکم يوم صبحنا كم بها حصبا

(ہم نے تمہارے گھروں پر طاقت ور حملے کر کے ہر چیز کو اپنے لیے مباح بنالیا،)

نحن حماة الآطام فی سالف الدهر و قد ماسقنا كم جنبا

(ہم لوگ قدیم زمانے سے قلعوں کے محافظ ہیں، اور اسی وقت سے تم کو ہم غلاموں کی طرح ہانکتے رہے ہیں،)

عبداللہ بن رواحہ ؓ کا قبول اسلام

منی میں ایام حج کے اندر ہجرت کے واقعے سے قبل بیعۃ العقبہ سے پہلے ہی قبول اسلام سے مشرف ہوئے، پھر بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، اسی میں بارہ سرداروں نے اسلام قبول کیا، ان میں بنی حارث بن خزرج کے سردار عبداللہ بن رواحہ ؓ تھے، ان سرداران قوم کے اسلام قبول کر لینے کے بعد مدینہ کے ہر گھر میں اسلام پہونچ گیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی، اب فضاء ہجرت کے لیے بالکل ہموار ہو چکی تھی، اور آپ نے ہجرت فرمائی، اور مقام قباء میں بنی عمرو بن عوف کے قبیلے میں قیام فرمایا، اور وہیں مسجد قباء کی بنیاد ڈالی۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الاستيعاب فی معرفة الأصحاب'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ اپنے عصر کے بہترین شاعروں میں شمار ہوتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کفار کی طرف سے ہونے والے حملوں کا جواب دیتے تھے، تاریخ کی شہادت کی روشنی میں ابن رواحہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف دفاع کرنے اور جواب دینے میں ایک مثال قائم کردی، کفار ومشرکین کو ان کی حرکتوں کا منہ توڑ جواب دیتے تھے، خاص طور سے ان کے شاعروں کو لاجواب

کردیتے تھے، اوران کوراہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا، اس معاملے میں پیش پیش حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اورکعب بن مالک ص تھے، لیکن عبداللہ بن رواحہ ص ان کو کفر پر عار دلاتے تھے اوراس کی شناعت بیان کرتے تھے، اوراسلام کی افضلیت اوراس کی برتری کا اظہار کرتے تھے، یہ بات ان کے لیے اس وقت تو کچھ اہمیت نہیں رکھتی تھی، لیکن جب وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، تب ان کوابن رواحہ کے اشعار کی اہمیت معلوم ہوئی۔

ابن رواحہ ﷺ اوران کی بدیہہ گوئی

برجستہ گوئی اور حاضر دماغی میں شہرت رکھتے تھے، ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن رواحہ سے بڑھ کرکسی کوشعر گوئی کے معاملہ میں جری اور زود گو نہیں پایا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ: "ابن رواحہ کوئی ایسا شعر کہو جو اس وقت کے مناسب ہو، اس طرح کہ میں تم کو دیکھتا رہوں"، یہ کہنا تھا کہ وہ کھڑے ہوئے اور شعر کہنے لگے:

انی تفرست فیک الخیر اعرفه   والله یعلم أن ما خاننی البصر

(میں نے آپ کے اندر خیر اپنی فراست سے دیکھ لیا ہے، اوراس کو دیکھ رہا ہوں، خدا شاہد ہے کہ میری نظر نے خیانت نہیں کی ہے، اورمیں نے جو دیکھا ہے اس کو ایک ایک کرکے مسلمہ حقیقت کے طور پر بالکل صحیح پایا۔)

أنت النبی ومن یحرم شفاعته   یوم الحساب لقد أرزی به القدر

(آپ ہی نبی ہیں! اور جو بھی قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہ جائے گا، اس کی قسمت پھوٹ جائے گی۔)

فثبت الله ما أعطاک من حسن   تثبیت موسی،ونصرا کالذی نصروا

(اللہ نے جو خوبیاں آپ کوعطا فرمائی ہیں ان میں وہ آپ کو ثابت قدم رکھے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھا، اور آپ کو اپنی مدد اور کامیابی سے نوازے، جس طرح اورانبیائے کرامؑ کو مدد اور کامیابی حاصل ہوئی۔)

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ: "ابن رواحہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی ثابت قدم رکھے!"، ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، اور عبداللہ بن رواحہ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ وہ نعمت شہادت سے سرفراز ہوئے، ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے اور وہ اس میں داخل ہوئے۔

طبقات فحول الشعراء کے مصنف: ابن سلام الجمحی، ابن رواحہ کی شاعری اوران کی سرداری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن رواحہ اپنی قوم کے عظیم المرتبت سردار تھے، جاہلیت میں بھی وہ اس منصب پر قائم تھے، اور ان سے بڑھ کر کوئی سردار نہیں تھا، اسلام لائے تو جنگ بدر جیسی عظیم الشان اور فیصلہ کن لڑائی میں شریک ہوئے، دور جاہلیت کی جنگوں میں، اوسی شاعر قیس بن خطیم سے شاعری کے میدان میں وہ زوردار ٹکر لیتے تھے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''الاصابۃ'' میں عبداللہ ابن رواحہؓ کے مدحیہ اشعار نقل کئے ہیں، ان کے خیال میں یہ شعر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بہت بامعنی ہے:

لو لم تكن فيك آيات مبينة　　　كانت بديهته تنبيك بالخير

(اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نبوت کی بالکل کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں، تب بھی آپ کے ظاہری حال سے نبوت کی شہادت تم کو مل سکتی ہے،)

صلح حدیبیہ کے بعد جب عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو ابن رواحہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے، اہل مکہ اس منظر کو دیکھنے کے لیے جمع تھے، اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله　　　خلوا، فكل الخير في رسوله

(کافروں کی اولاد! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ صاف کرو اور ہٹو، تم کو کیا معلوم کہ کونسا خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں،)

نحن ضربنا كم على تأويله　　　كما ضربنا كم على تنزيله

(ہم نے تم کو آج اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی بنیاد پر ضرب لگائی، جس طرح ہم نے تم کو کتاب کے نزول کے وقت ضرب لگائی تھی، (اس میں اشارہ ہے، سورۂ فتح کی آیت: لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین ... الخ کی طرف، جس میں مسجد حرام میں داخلے کی بشارت دی گئی ہے،))

ضربا يزيل الهام عن مقيله　　　ويذهل الخليل عن خليله

(ہم نے تم کو ایسی ضرب لگائی جو کھوپڑی کو سر سے جدا کردے، اور جو دوست کو اپنے دوست سے غافل بنادے،) اَو یرجع الحق الی سبیلہ'' تا آں کہ حق اپنے راستے پر واپس نہ آجائے،)

نعتیہ قصیدہ

اس قصیدے کے چند بند اوپر گزر چکے ہیں، بقیہ اشعار مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں:

یا آل هاشم! ان الله فضلكم　　علي البرية فضلا ماله غير

(اے آل ہاشم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس برتری اور بلندی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی،)

ولو سالت أو استنصرت بعضهم　　في جل أمرک ماآووا وما نصروا

(اور اگر آپ ان اہل قریش اور بنی عمرو بن مخزوم سے اپنے کسی معاملے میں کوئی مدد چاہتے تو وہ نہ آپ کو کوئی ٹھکانہ دیتے، اور نہ کوئی مدد کرتے،)

فخبروني أثمان العباء متى　　كنتم بطاريق أودانت لكم مضر

(مجھے بتاؤ اے دو کوڑی کے لوگو! تم کب فنون حرب کے ماہر و قائد تھے، یا کب قبیلۂ مضر نے تم کو سردار تسلم کیا تھا!؟)

ابن رواحہ نے جب یہ شعر پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ناگواری کا اثر ظاہر ہوا، اس لیے کہ اہل قریش پر اس میں طنز تھا، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً یہ شعر میری زبان سے نکلا،

نجالدالناس عن عرض فناسرهم　　فينا النبي وفينا تنزل السور

(ہم دشمنوں کا مقابلہ ایک کنارے سے تلواروں کے ذریعہ کرتے ہیں اور پھر ہم ان کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیتے ہیں، اللہ کے نبی ہمارے ساتھ ہیں، اور ہمارے درمیان قرآن کی سورتیں نازل ہوتی ہیں،)

وقد علمتم بانا ليس يغلبنا　　حي من الناس إن عزوا وإن كثروا

(تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوئی قبیلہ ہم پر غالب نہیں آپاتا، خواہ وہ کتنا ہی باعزت ہو، اور اس کے افراد کی طاقت و تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو،)

غزوۂ خندق کے موقع پر رجزیہ کلام

۵ھ میں غزوۂ خندق کی تیاری ہو رہی تھی، صحابۂ کرامؓ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے، خندق کے ہر چہار جانب آپ نے لوگوں کو متعین فرما دیا تھا، اور نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں انجام پا رہا تھا، عبداللہ بن رواحہ بھی پوری توجہ اور لگن کے ساتھ اس کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہے تھے، اس موقع پر ابن رواحہ نے ایک رجزیہ کلام لوگوں کی ہمت بندھانے کے لیے کہا، وہی مسلمانوں کا ترانہ بن گیا، وہ خندق کھودتے جاتے تھے اور رجزیہ پڑھتے جاتے تھے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہت پسند فرمایا، اور خندق میں حصہ لیتے

وقت آپ نے بھی اس کو بار بار دہرایا اور پڑھا، وہ رجز یہ ہے:

اللّٰہم لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا و ل ا صلينا

(میرے اللہ! اگر آپ نے نہ چاہا ہوتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے،)

فانزلن سكينة علينا وثبت الأقدام اِن لاقينا

(اس لیے ہم پر سکینت نازل فرمائیں، اور اگر دشمن سے ہمارے مڈبھیڑ ہوتو ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائیں،)

اِن الألى قد بغوا علينا واِن أرادوا فتنة أبينا

(جن لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اگر وہ ہم کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہیں گے تو ہم ان کو ناکام بنادیں گے،) اور کبھی یہ شعر پڑھتے:

هذاالحمال لاحمال خيبر هذا أبر ربناوأطهر

(یہ بوجھ خیبر کے بوجھ کی طرح نہیں ہے، یہ اس سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور روح پرور ہے،)

ادھر مہاجرین وانصار خندق کھودتے اور اپنی پیٹھ پر مٹی لاد کر اسے منتقل کرتے وقت شوق ووارفتگی کے عالم میں یہ رجز پڑھتے:

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد مابقينا أبدا

(ہم ہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تا زیست جہاد پر بیعت کی ہے،

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ جواب دیتے:

اللهم لا خير الا خير الآخره فبارک فی الأنصار والمهاجره

(میرے اللہ! آخرت کے خیر سے بڑھ کر کوئی خیر نہیں، اس لیے آپ ہم انصار ومہاجرین کو برکت عطا فرمادیجئے،)

مسجد قبا کی تعمیر کے موقع پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ پہنچے تو پہلے مدینے سے باہر قباء بستی میں عمرو بن عوف کے قبیلے میں قیام فرمایا، آپ نے وہاں مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں نے نہایت ذوق وشوق سے اس کی تعمیر کا کام شروع کردیا، اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے یہ رجز موزوں کیا، اور مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لیے اسے پڑھنا شروع کیا:

أفلح من يعالج المساجدا ويقرأ القرآن قائما وقاعدا

ولا يبيت الليل عنه راقدا ومن يرى عن الغبار حائدا

(ان لوگوں کی کامیابی میں کیا شبہ ہے، جو مسجدوں کی تعمیر کرتے وقت اور اٹھتے بیٹھتے قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اور وہ سوکر اپنی راتیں نہیں گزارتے، بلکہ جس کو دیکھئے غبار میں اٹا ہوا ہے،)

اس رجز کی خوبی یہ ہے کہ اسے عبداللہ بن رواحہ پڑھتے جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہر بند قافیے کو دہراتے جاتے تھے۔

نعتیہ اشعار کے کچھ بند

عبداللہ بن رواحہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت درجہ تعلق تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی بہت قدر وہمت افزائی فرماتے تھے، ان کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ وہ زبان اور تلوار دونوں کے بیک وقت مرد میدان تھے، شوق جہاد سے سرشار تھے اور جب بھی کوئی موقع ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شعر کہتے، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وحی اور دوسری تحریریں لکھواتے تھے، سفروں اور غزوات میں ساتھ رہتے، ایک دفعہ انہوں نے یہ مدحیہ شعر کہے:

يا رسول المليک ان لسانی راتق مافتقت اذ أنا بور

(اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میری زبان بند ہے، میں اسے کھول نہیں سکا، اس لیے کہ میں ہلاک ہونے والوں کی صف میں ہوں،)

عمرۃ القضا کے موقع پر ابن رواحہ کا یہ رجز بھی منقول ہے:

بسم الذی لادین الادینه بسم الذی محمد رسوله

أنا الشهيد أنه رسوله

(اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا دین ہی اصل دین ہے، اس اللہ کے نام سے جس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ اس کے رسول ہیں،)

افک کے واقعے سے متاثر ہوکر یہ اشعار کہے تھے، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں ہے:

تعاطوا برجم الغيب زوج نبيهم وسخطة ذی العرش الکريم فأترحوا

(بغیر تحقیق کے ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ کی شان میں بہتان تراشی کی، اور انہوں نے عرش والے رب کی ناراضگی مول لی، اور اس کی وجہ سے غم واندوہ میں مبتلا ہوگئے،)

و آذوا رسول الله فيها فجللوا	مخازی تبقی،عمموها و فضحوا

وصبت عليهم محصدات كأنها	شأبيب قطر من ذر المزن تسفح

(اوران لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، زوجہ مطہرہ کی شان میں تکلیف پہونچائی، تو وہ ہمیشہ باقی رہنے والی رسوائیوں پر سوار ہو گئے، وہ اس میں پوری طرح مبتلا کئے گئے، ان پر غضب الٰہی کے کوڑے برسائے گئے، جس طرح آسمان سے تیز بارش برستی ہے،)

دوسرے مواقع کے نعتیہ اشعار

عبداللہ بن رواحہ کی اہلیہ کوان سے ایک مرتبہ کچھ شکایت پیدا ہوئی، اس کے ازالے کے سلسلہ میں ان کا مطالبہ ہوا کہ ابن رواحہ اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو قرآن پڑھ کر سنائیں، مگر وہ موقع ایسا تھا کہ قرآن پڑھنا مناسب نہیں تھا، البتہ اہلیہ صاحبہ کو مطمئن کرنے کے لیے انہوں نے یہ اشعار کچھ قرآن کی طرح پڑھ دئے، چوں کہ وہ بہت زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں، اس لیے مطمئن ہوگئیں، اوران اشعار کو قرآنی آیات تصور کرلیا:

وفينا رسول الله يتلو كتابه	اذا انشق معروف من الصبح ساطع

(ہمارے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ صبح کے طلوع ہونے کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں،)

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا	به موقنات أن ماقال واقع

(گمراہی کے بعد انہوں نے ہم کو ہدایت کا راستہ دکھایا ہے، تو ہمارے دل اس بات پر بالکل مطمئن ہیں کہ آپ کا فرمان بالکل سچ اور مبنی بر حقیقت ہے،)

يبيت يجافی جنبه عن فراشه	اذا استثقلت بالكافرين المضاجع

(رات اس طرح گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو آپ کے بستر سے الگ رہتا ہے، ایسے وقت میں جب کہ کفار نیند میں مست ہوتے ہیں،)

أعلم علما ليس بالظن أننی	الى الله محشور هناک وراجع

(میں یقین کامل رکھتا ہوں، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کہ مجھے اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور آخرت کی طرف لوٹنا ہے،)

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:

شهدت باذن الله أن محمدا	رسول الذی فوق السموات من عل

(اللہ کو منظور ہوا تو میں نے شہادت دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے،)

وأن أبا يحيىٰ ويحيىٰ كليهما		له عمل فى دينه متقبل

(ابو یحیٰ یعنی زکریا علیہ السلام اور ان کے فرزند یحیٰ علیہ السلام، دونوں ہی کا عمل مقبول ہے، آپ کے دین میں (یعنی وہ بھی آپ ہی کے دین کے متبع تھے،)

وأن التى بالجزع من بطن نخلة		ومن دانها فل من الخير معزل

(اور جزع درخت جو وادی نخلہ میں طائف میں مکہ کے درمیان ہے، اور جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں، وہ ہر طرح کے فائدہ اور خیر سے بالکل خالی ہے،)

وأن الـذى عـادى اليهـود ابـن مـريـم
رسـول أتـى مـن عـنـد ذى العرش مرسل

(اور جنہوں نے یہود سے دشمنی کی وہ ابن مریم ہیں، عرش والے اللہ کے بھیجے ہوئے وہ رسول مرسل ہیں،)

وأن أخا الأحقاف اذا يعذلونه		يجاهد فى ذات الاله ويعدل

(اور وادیٔ احقاف والے یعنی ہود علیہ السلام کو جب لوگ ملامت کرتے تھے تو وہ اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرتے تھے اور عدل گستری کا فریضہ انجام دیتے تھے،)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جن اشعار کو انہوں نے اپنی اہلیہ کو قرآن کی جگہ پڑھا تھا، وہ یہ ہیں:

شهدت بأن وعدالله حق		وأن النار مثوى الكافرينا

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے،)

وأن العرش فوق الماء طاف		وفوق العرش رب العالمينا

(اور یہ کہ عرش الٰہی پانی کے اوپر تیر رہا ہے، اور عرش کے اوپر رب العالمین ہیں،)

وتحمله ملائكة كرام		ملائكة الاله مقربينا

(اور عرش کو باعزت فرشتوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہے، خدا کے محبوب و مقرب فرشتوں نے،)

صرف دو خالص نعتیہ شعر

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں یہ دو شعر بغیر کسی تقریب یا خاص مناسبت کے انہوں نے کہے:

تحمله الناقة الأدماء معتجرا بالبرد كالبدر جلى ليلة الظلم

(گندم گوں اونٹنی آپ کو لے کر چل رہی ہے، اس حال میں کہ آپ نے چادر کا عمامہ باندھ رکھا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ماہ کامل تاریک راتوں کو منور کردے،)

وفي عطا فيه أو أثناء بردته مايعلم الله من دين ومن كرم

(خواہ آپ کے دونوں جانب کے حصوں میں ہوں، یا آپ کی چادر کی تہوں میں، ہر جگہ دین واخلاق کے خزانے چھپے ہوئے ہیں، اس پر اللہ شاہد ہے،)

ابن تیہان کی ضیافت اور ابن رواحہ کا مدحیہ کلام

ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھوک کی شدت سے باہر نکلے، اور ابو الہیثم بن تیہان کے گھر تشریف لے گئے، انہوں نے زبردست استقبال کیا اور خوشی سے پھولے نہ سمائے، بہترین ضیافت کا انتظام کیا، اس میں عمدہ کھجور، کھانا اور ٹھنڈا پانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمانے کے بعد فرمایا: ''واللہ! یہی وہ ''نعمت'' ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا''۔

اس موقعہ کی مناسبت سے عبداللہ بن رواحہ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

فلم أر كا لاسلام عزا لأمة ولا مثل أضياف الأراشي معشرا

(کسی امت کی عزت وشرافت کے لیے اسلام جیسا مذہب میں نے نہیں پایا، اور نہ اراشی (مراد ابن تیہان ہیں، جن کی نسبت ان کے جد امجد اراش بن لحیان کی طرف کی گئی ہے،) کے مہمانوں جیسی کوئی معزز جماعت میں نے دیکھی،)

نبی وصديق وفاروق أمة وخير بني حواء فرعا وعنصرا

(امت کے نبی، صدیق اور فاروق سبھی جمع تھے، اور حوا کی بہترین اولاد، اصل وفروع کے لحاظ سے موجود تھی،)

فوا فوا لميقات وقدر قضية وكان قضاء الله قدرا مقدرا

(یہ لوگ ایک مقررہ وقت اور تقدیر کے فیصلہ کے مطابق وہاں پہونچے، اور اللہ کا فیصلہ اٹل ہے،)

الى رجل نجد يباري بجوده شموش الضحىٰ جوادا ومجدا ومفخرا

(ایک ایسے عظیم بہادر حوصلہ مند آدمی کے پاس جو اپنی سخاوت، عالی ظرفی، بزرگی اور قابل فخر کارناموں سے دن کے سورج کا مقابلہ کرتا ہے،)

وفارس خلق الله فی کل غارة		اذا لبس القوم الحدید المسمرا

(جو ہر جنگ کے موقعہ پر ایک بڑا شہسوار بن کر سامنے آتا ہے، جب کہ دشمن کے لوگ کانٹے دار زرہ اور ہتھیار سے لیس ہوتے ہیں،)

ففدیٰ وحیائم أدنی قراهم		فلم یقرهم الا سمینا متمرا

(اس نے اپنے معزز مہمانوں کے لیے جان چھڑک دی، اور خوش آمدید کہا، پھر ان کی مہمانی کا کھانا پیش کیا، اس میں نہایت تر وتازہ اور تندرست بکرے کے گوشت کے ٹکڑے تھے،)

سیدالشہداء کی تعزیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم معظم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا، دشمنوں نے ان کے ساتھ مثلہ کرنے اور جگر چبانے کا جو معاملہ کیا، اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہونچی، اس کا اثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی غمگین ہوئے، اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے نہایت طاقت ور قصیدے میں تعزیت پیش کی، ابن رواحہ نے بھی یہ بے مثال تعزیتی قصیدہ کہا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی دل کو تسکین دینے کی کوشش کی، اور کفار کو ان کی غداری پر ملامت کی، اور ان کی بزدلی پر ان کو عار دلائی:

بکت عینی وحق لها بکاها		وما یغنی البکاء ولا العویل

(اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اشکبار ہوئیں اور ان کو رونے کا پورا حق حاصل ہے، لیکن اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ پہونچنے والا نہیں ہے،)

علی أسد الاله غداة قالوا		أحمزة ذاکم الرجل الطویل

(اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اس صبح کو آنسو بہانے لگیں، جب کہا جانے لگا کہ کیا حمزہ وہ بلند قامت انسان دنیا سے جاتا رہا،)

أصیب المسلمون به جمیعا		هناک، وقد أصیب به الرسول

(تمام مسلمانوں کو ان کا سخت صدمہ پہونچا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخمی ہوا) (خاص طور سے مثلہ کرنے اور جگر چبانے کی وجہ سے،)

أبا یعلی لک الأرکان هدت		وأنت الماجد البر الوصول

(اے ابو یعلی! ارکان عالم آپ کی موت سے لرز اٹھے، اور آپ ہی وہ شریف نیکوکار اور اپنے مقصد تک پہونچنے والے انسان ہیں،)

علیک سلام ربک فی جنان　　مخالطها نعیم لا یزول!!
(جنت کے باغوں میں آپ پر آپ کے رب کی سلامتی ہو، جہاں لازوال نعمتیں ہیں،)

ألا یاهاشم الأخیار صبرا　　فکل فعالکم حسن جمیل
(اے آل ہاشم! دنیا کے منتخب ترین لوگو! صبر کرو، اس لیے کہ تمہارے تمام افعال بہتر اور بہت عمدہ ہیں،)

رسول الله مصطبر کریم　　بأمر الله ینطق اذا یقول
(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صبر کرنے والے اور صاحب کرم ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں، جو کچھ بھی بولتے ہیں،)

ألا من مبلغ عنی لویا　　فبعد الیوم دائلة تدول
(کون میرا یہ پیغام قریش کو پہونچا دے گا، کہ آج کے بعد سے اب جنگ کا سلسلہ قائم رے گا،)

وقبل الیوم ماعرفوا وذاقوا　　وقائعنا بها یشفی الغلیل
(آج سے پہلے انہوں نے ہماری لڑائی کو نہ دیکھا، اور نہ تجربہ کیا ہوگا، جن سے ہمارے انتقام کی پیاس بجھ جائے گی،)

نسیتم ضربنا بقلیب بدر　　غداة آتاکم الموت العجیل
(قلیب بدر (کشادہ کنواں) میں ہماری مار کو تم بھول گئے، جہاں صبح تڑکے تم کو ناگہانی موت نے گھیر لیا تھا،)

غداة ثوی أبو جهل صریعا　　علیه الطیر حائمة تجول!!
(جس صبح کو ابو جہل مارا گیا اور اس پر پرندے منڈلانے لگے تھے،)

و عتبة و ابنه خرا　　وشیبة عضه السیف الصقیل
(اور عتبہ اور اس کے بیٹے دونوں منھ کے بل گر کے ہلاک ہوئے تھے، اور شیبہ کو چمک دار تلوار نے ہلاک کیا تھا،)

ومترکنا أمیة مجلعبا　　وفی حیزومه لدن نبیل
(اور امیہ کو ہم نے زمین پر گرا ہوا چھوڑا تھا، اس حال میں کہ اس کے سینے میں بہت بڑا نیزہ پیوست تھا)

وهام بنی ربیعة سائلوها　　ففی أسیافنا منها فلول
(اور بنی ربیعہ کی کھوپڑیوں سے ذرا پوچھو، جن کی وجہ سے ہماری تلواریں کند ہوگئی تھیں،)

ألا یا ھند فابکی لا تملی　　فانت الواله العبری الھبول

(اے ہند! (جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا) آنسو بہاتی رہو اور گھبراؤ مت، اس لیے کہ در اصل تم ہی رونے والی اور سوگوار ہو!)

ألا یا ھند لا تبدی شماتا　　بحمزة ان عزکم ذلیل

(خبردار، اے ہند! حضرت حمزہؓ کی مصیبت پر ذرا بھی خوش نہ ہونا، اس لیے کہ تم جس چیز کو عزت سمجھتی ہو، وہی دراصل ذلت ہے۔)

ابوسفیان بن حرب کی وعدہ خلافی کے موقع پر

غزوۂ احد سے شکست کھا کر جاتے ہوئے ابوسفیان بن حرب نے دھمکی دی تھی کہ اس شکست کا بدلہ ہم اگلے سال مقام بدرالصفراء پر آکر لیں گے، اور یہ اعلان کیا تھا کہ سال پورا ہوتے ہی ہم آکر لڑیں گے، اس کا جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: بے شک ہم تیار ہیں، لیکن جب سال پورا ہوا اور وعدہ پورا کرنے کا وقت آیا تو ابوسفیان کی رائے بدل گئی، اور اب مسلمان سے لڑنے کی ہمت وہ ہار گئے، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو لے کر مقام موعود پر مقررہ وقت کے اندر پہونچ گئے، اور ابوسفیان اور ان کے لشکر کا انتظار کرتے رہے، لیکن وہ نہیں آئے اور وعدہ خلافی کر بیٹھے، اس موقعہ پر عبداللہ بن رواحہ نے ابوسفیان کو شرم دلائی، اور وعدہ خلافی پر سخت ملامت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

وعدنا أبا سفیان بدرا فلم نجد　　لمیعاده صدقا وما کان وافیا

(مقام بدرالصفراء پر ہم نے ابوسفیان کے کہنے پر ان سے ملنے کی حامی بھر لی تھی، مگر افسوس کہ وہ اپنے وعدے کے سچے نہیں نکلے اور نہ وفائے عہد کا پاس کیا،)

فأقسم لو وا فیتنا فلقیتنا　　لأبت ذمیما و افتقدت الموالیا

(بخدا اگر ہم تم سے آکر ملتے اور جنگ کرتے تو یقین مانو بری حالت میں واپس جاتے اور اپنے حامیوں کو بھی کھو بیٹھتے،)

ترکنا به أوصال عتبة وابنه　　وعمراً أبا جھل ترکناه ثاویا

(وہاں ہم عتبہ بن ربیعہ کے ٹکڑے اڑا دیتے اور اس کے بیٹے ولید اور ابوجہل کو ٹھکانے لگا دیتے،)

عصیتم رسول الله أف لدینکم　　وأمرکم السیء الذی کان غاویا

(تم نے رسول اللہ کی نافرمانی کی، تف ہے تمہارے برے دین اور گمراہ کن اعمال وافعال پر،)

وانی وان عنفتمونی لقائل فدی لرسول الله أهلی ومالیا

مجھے چاہے تم جتنا بھی برا بھلا کہو، لیکن میں فخر سے کہتا رہوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا مال، میری اولاد سب کچھ قربان ہوں،)

أطعناه لم نعدله فینا بغیره شهابا لنا فی ظلمة اللیل هادیا

(ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور ان کے برابر کسی کو نہیں قرار دیا، وہ ہماری راتوں کے شہاب ثاقب اور رہنما ہیں،)

حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے موقع پر ابن رواحہ کا قصیدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص بن الربیع سے زمانہ جاہلیت میں ہوگئی تھی، غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابوالعاص کفار مکہ کے ساتھ گرفتار ہوگئے، اس لیے کہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے تو حضرت زینب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رہائی کی درخواست کی، چنانچہ مسلمانوں نے ان کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینب کو مکے سے مدینے روانہ کردیں، ابوالعاص بن الربیع نے اس شرط کو قبول کرلیا، اور مکے واپس آکر حضرت زینب کو ایک ہودج میں سوار کرکے مدینے واپس بھیج دیا، اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے یہ قصیدہ کہا:

أتانی الذی لا یقدر الناس قدره لزینب فیهم من عقوق ومأثم

(مجھے حضرت زینب کے بارے میں ان لوگوں کی طرف سے جو نافرمانیاں اور ناپسندیدہ باتیں ہوئیں وہ معلوم ہوئی تھی، اس کی اہمیت سب کو نہیں معلوم ہے،)

واخراجها لم یخز فیها محمد علی مأقط وبیننا عطر منشم

(ان کو واپس کرنے اور مکے سے نکالنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسوائی نہیں ہوئی، اس سخت جنگ کے بعد جو پیش آئی تھیں اور جس میں موت کی خوشبو سب نے محسوس کی،)

أمسی ابوسفیان من عهد ضمضم من حربنا فی رغم أنف ومندم

(ابوسفیان ضمضم بن عمرو کے معاہدے کی وجہ سے، اور ہماری ان کے ساتھ جنگ کے باعث، سخت ندامت اور ناگواری میں مبتلا ہوگئے،)

قرنا ابنه عمراً ومولی یمینه بذی حلق جلد الصلاصل محکم

(ہم نے ان کے بیٹے عمرو اور ان کے حلیف کو حلقوں والی مظبوط اور ناٹوٹنے والی زنجیروں میں قید کردیا ہے،)

فاقسمت لا تنفک منا کتائب　　سراة خمیس فی لهام مسوم

میں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم لشکر کے سرداروں کے دستوں کو کبھی چھوڑ نہیں سکتے، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور جن پر نشان لگا ہوا ہے،)

نزوع قریش الکفر حتی نعلها　　بخاطمة فوق الأنوف بمیسم

(ہم کافر قریش کو لگام لگا کر ہانکیں گے، تا کہ ان کو دوبارہ جام ذلت پلائیں، اور ہم ان کی ناکوں پر داغ لگائیں گے،)

ننزلهم أکناف نجد و نخلة　　وان یتهموا بالخیل والرجل نتهم

(ہم ان کو مقام نجد و نخلہ میں پہونچا دیں گے، اور اگر وہ اپنے پیدل اور سوار کے ساتھ تہامہ جانا چاہیں گے، تو تہامہ لے جائیں گے،)

یدالدهر حتی لا یعوج سربنا　　ونلحقهم آثار عاد وجرهم

(ہمیشہ کے لیے، تا کہ ہمارا راستہ ٹیڑھا نہ کیا جائے اور ہم ان کو عاد و جرہم سے ملادیں گے، یعنی نیست و نابود کردیں گے،)

ویندم قوم لم یطیعوا محمدا　　علی أمرهم، وأی حین تندم

(جن لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کی، اور اپنی بات پر اڑے رہے وہ بہت شرمندہ ہونگے، لیکن ندامت اس وقت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچائیگی،)

فابلغ أبا سفیان اما لقیته　　لئن أنت لم تخلص سجودا وتسلم

فابشر بخزی فی الحیاة معجل　　و سربال قار خالدا فی جهنم

(ابوسفیان سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیغام ان کو پہونچا دو کہ اگر تم نے اپنے رب کے لیے سچے سجدے نہیں کئے اور اسلام نہیں لائے تو بہت جلد پیش آنے والی رسوائی کی بشارت قبول کرو، اور تارکول کے لباس کی خوشخبری جہنم میں ہمیشہ رہتے ہوئے،)

جنگ موتہ کے لیے روانگی اور عشقیہ اشعار

عبداللہ بن رواحہ عقبہ کے علاوہ تمام اہم غزوات میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئے، راہ خدا میں جان دینے کا جذبہ ان کے دل میں شدت سے موج زن تھا، وہ غزوۂ بدر، احد، خندق، حدیبیہ اور عمرۃ القضاۃ سبھی غزوات میں شریک ہوئے، لیکن غزوہ موتہ ان کا آخری معرکہ تھا، جہاں ان کا شوق شہادت پورا ہونے والا تھا۔

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن رواحہ موتہ کی طرف روانہ ہونے لگے اور مسلمانوں نے ان کو رخصت کیا تو دعا کی گئی کہ اللہ تعالی ان کو اور ان کے ساتھیوں کو فتح مند اور سالم وغانم واپس لائیں، تو یہ سن کر ابن رواحہ نے یہ شعر پڑھے:

لکننی أسال الرحمٰن مغفرة　　وضربة ذات فرغ تقذف الزبدا

(لیکن میں تو اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں، اور ایسی کاری ضرب کا متمنی ہوں، جس سے جھاگ مارتا ہوا خون ڈول کے منہ کی طرح نکلے،)

أو طعنة بیدی حران مهجزة　　بجربة تنفذ الأحشاء والکبدا

حتی یقال اذا مروا علی جدتی　　أرشده الله من غاز و قد رشدا

(یا کسی گرم دشمن کی طرف سے کام تمام کر دینے والا نیزہ لگے، جو جگر اور کلیجے کو پار کر جائے، یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو کہیں کہ کیا ہی خوب مجاہد تھا، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا،)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کیا اور موتہ کی لڑائی پر روانہ فرمادیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

خلف الاسلام علی امرئ ودعته　　فی النخل خیر مشیع وخلیل

(امن وسلامتی ہمیشہ اس شخص کے پیچھے رہے، جن سے میں نخلستان میں ابھی رخصت ہوا، وہ بہترین دوست اور رہنما ہیں،)

موتہ کے راستہ میں وارفتگی اور شعر

عبداللہ بن رواحہ موتہ روانہ ہوئے تو اپنی اونٹنی پر انہوں نے اپنے یتیم بھائی زید بن ارقم کو جوان کے زیر تربیت تھے، اپنے پیچھے بٹھالیا تھا، انہوں نے رات کے سناٹے میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا، حضرت زید نے اسے سنا اور روایت کیا:

اذا أدنیتنی وحملت رحلی　　مسیرة اربع بعد الحساء

فشانک فانعمی خلاک ذم　　ولا أرجع الی أهلی ورائی

وجاء المؤمنون غاد رونی　　بأرض الشام مشهور الثواء

وردک کل ذی نسب قریب　　الی الرحمٰن منقطع الاخاء

هنالک لا أبالی طلع بعل　　و لا نخل أسافلها رواء

اپنی اونٹنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں جس پر سوار ہو کر وہ موتہ کی طرف روانہ ہوئے تھے:

(جب تم خوب آسودہ ہو کر چار راتیں مسلسل چلنے کے بعد میرا سامان لے کر مقام موتہ سے قریب

مجھے پہونچادو، تو پھر تم کو آزادی ہے، اطمئنان ومسرت کے ساتھ رہو، تم کو کوئی گزند نہیں پہونچے گا، اور مجھے دوبارہ اب اپنے گھر واپس لوٹنا ہے، اہل ایمان میرے دوست آکر مجھے ملک شام (جو لوگوں کو پناہ دینے کے لیے مشہور ہے) کی طرف رخصت کرکے چلے گئے، جب تم کو ہر قریب وعزیز اللہ کی راہ میں قربان کردے، اور تمہارا ظاہری رشتہ ان سے منقطع ہوجائے تو اس وقت مجھے کسی ایسے کھجور کے خوشوں کی پرواہ نہیں ہے جس کے درخت کی جڑیں اندر تک پھیلی ہوئی ہوں، یا جس کے درخت کے نچلے حصہ کو زیر آب کیا جاتا ہو،)

غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما دونوں شہید ہوگئے اور لشکر کی قیادت کا جھنڈا ابن رواحہ کے ہاتھ میں آیا تو ان کے دل میں کچھ گھبراہٹ پیدا ہوئی، اس موقع پر انہوں نے اپنے دل کو سمجھاتے ہوئے اور اس کو مطمئن کرتے ہوئے یہ اشعار کہے، اس میں انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب کیا ہے:

أقسمت یا نفس لتنز لنه　　　طائعة أو لا، لتکرهنه

(اے نفس! بخدا ہر حال میں تجھے موت کے گھاٹ اترنا ہی ہے، خواہ تو چاہے یا نہ چاہے!)

ان أجلب الناس وشدوا الرنة　　　مالی أراک تکرهین الجنة

(جب لوگ ہنگامۂ جنگ برپا کریں اور حملہ سخت ہونے لگے تو کیا وجہ ہے کہ میں تم کو جنت سے بیزاری کے احساس میں دیکھوں،)

قد طالما قد کنت مطمئنة　　　هل أنت الا نطفة فی شنة

جعفر ما أطیب ریح الجنة!؟

(میں ہمیشہ ہی تم کو مطمئن دیکھا، تمہاری حقیقت سوائے ایک قطرۂ آب کے اور کیا ہے جو کہ مشک میں ہو، حضرت جعفر! جنت کی خوشبو کتنی شاندار ہے؟۔)

هل أنت الا اصبع دمیت　　　وفی سبیل الله ما لقیت

(تمہاری مثال ایک انگلی کی ہے، جو خون آلودہ ہوجائے، جو کچھ تم کو مشقت یا تکلیف اٹھانی پڑرہی ہے، وہ سب اللہ کی راہ میں ہے،)

یا نفس الا تقتلی تموتی　　　هذا حمام الموت قد صلیت

(اے میری جان! تو اگر شہید نہ ہوئی تو موت سے چارۂ کار نہیں، اس کے جام کو تمہیں پینا ہی ہے،)

ان تسلمی الیوم فلن تفوتی　　　أو تبتلی فطالما عوفیت

(اگر آج بچ بھی جاؤ تو آئندہ نہیں بچ سکو گی، خواہ بیمار ہو کر تم اچھی ہوجایا کرو،)

وما تمنیت فقد أعطیت ان تفعلی فعلیهما هدیت

(جو تمنائیں تم نے کیں وہ پوری ہوگئیں، تم بھی اگر اپنے پیش رو ساتھیوں (حضرت جعفر اور حضرت زید) کے نقش قدم پر چلوگی تو منزل پالوگی،)

وان تأخرت فقد شقیت

(اور اگر پیچھے رہوگی تو سوائے شقاوت اور بدنصیبی کے کچھ نہ ملے گا،)

یہ ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی، اور میدان شعر و جہاد کے شہسوار، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اوس وخزرج کے طویل جنگوں میں الجھ جانے اور فتح و کامیابی کی فکروں میں مشغول رہنے کی وجہ سے شعر گوئی میں بہت زیادہ حصہ نہ لے سکے، اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی جہاد اور غزوات میں برابر شریک رہے، اور اہم مواقع پر مشق سخن سے بھی غافل نہیں رہے، لیکن کم گو شاعر ہی کی حیثیت سے تاریخ میں ان کی شہرت ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جہاں بھی موقع ملا، نعتیہ اشعار اور قصائد کہنے سے باز نہیں آئے۔

قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے یہ اہل نقد و تاریخ کے نزدیک مسلم ہیں، ان کے کلام میں ندرت، نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی اور مدمقابل کو لاجواب کردینے کی صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں، ان کے مجموعہ کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر ہونے کے ساتھ بڑے مجاہد اور غازی تھے، اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی تمنائیں ان کے دل میں ہر وقت کروٹیں لیتی رہتی تھیں، یہاں تک کہ جنگ مؤتہ میں انہوں نے نہایت مردانگی اور ایمان کی تازگی کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے، کوئے دوست
جب سے یہ مژدہ سنا ہے، سر وبال دوش ہے


صحابیات رضی اللہ عنہن

افتخار فریدی

صحابیات کا فضل و کمال

ام شریک رضی اللہ عنہا : ام شریک رضی اللہ عنہا قریش کی عورتوں میں خفیہ طریقہ سے اسلام کی تبلیغ کا کام کیا کرتی تھیں جب قریش کو پتہ لگا تو ان ہی کے خاندان کے کافران کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے دھوپ کی گرمی پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو جایا کرتیں۔ پھر ان کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ انہوں نے تنہا مدینہ کا سفر کیا، راستہ میں شدید پیاس کی حالت میں ایک قافلہ سے پانی مانگا، انہوں نے کہا اگر اپنا مذہب بدل لو تو پانی مل سکتا ہے، چنانچہ پانی نہ ملنے پر صبر کر کے ایک طرف اپنا آخری وقت سمجھ کر لیٹ گئیں، اس وقت حق تعالیٰ نے آسمان سے ایک ڈول پانی کا اتارا، جن کو انہوں نے پیا پھر اس کے بعد تمام عمر ان کو پیاس کی تکلیف نہیں ہوئی۔ مدینہ پاک پہنچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں آنے والے وفود اور مہمانوں کا کھانا پکایا کرتی تھیں۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا : ام حکیم رضی اللہ عنہا جب فتح مکہ کے وقت ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل سمندر کی طرف نکل گئے تو انہوں نے شوہر کا پیچھا کیا اور ان کے پاس پہنچ کر حضور ﷺ کے فضائل و اخلاق بیان کئے، حضور کے شفقت و کرم کا پیام پہنچایا، جس کو سن کر عکرمہ حضور کے گرویدہ ہوئے۔ حاضرِ خدمت ہو کر ایمان لائے، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں رومیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اس وقت کسی نے روکا کہ اس طرح تنہا دشمنوں میں نہ جاؤ تو ان کا ہاتھ جھٹک کر فرمایا مجھے چھوڑ و جب اسلام کے مقابلے میں صف آرا ہوتے تھے تو کبھی نہ روکا، آج اسلام کی حمایت اور اس کے رسول کی خوشنودی اور شہادت کی دولت مل رہی ہے تو روکتے ہو۔

حضرت عفراء انصاریہ رضی اللہ عنہا: حضرت عفراء انصاریہ رضی اللہ عنہا بنی نجار سے تھیں ان کے سات لڑکے تھے یہ سب غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، ابو جہل فرعون امت محمدیہ کو ان ہی کے صاحبزادے معاذ بن عفراء و معوذ بن عفراء نے قتل کیا۔ معوذ اور عوف شہید ہوئے۔ بقیہ کے نام یہ ہیں ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا: ام سلیم رضی اللہ عنہا مدینہ کے خزرجی قبیلہ کی شاخ بنونجار سے تھیں جو حضور ﷺ کے دادا کی ننہیال ہونے کے سبب رشتہ دار ہوتی تھیں۔ انہوں نے ابوطلحہ انصاری سے نکاح کیا اور اپنا مہر اسلام کا لانا مقرر کیا تھا اور اپنے صاحبزادے حضرت انس کو حضور کی خدمت گذاری کے لئے دے دیا تھا۔ حضور ﷺ کی رشتہ کی خالہ بھی ہوتی تھیں اس تعلق کی بنا پر حضور ﷺ کے نکاح ہونے پر

ولیمہ کا کھانا یہ پکایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کا پسینہ اور بال مبارک جمع کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ اہتمام سے ان کے یہاں تشریف لے جا کر آرام فرمایا کرتے تھے اور فرمایا تھا کہ جنت میں معراج کے موقعہ پر ان کی آہٹ محسوس فرمائی تھی، حنین کی لڑائی میں جو مسلمان جمے رہے تھے، ان میں ام سلیم بنت عثمان، ام عمارہ، ام سلیط اور ام حارث رضی اللہ عنہن یہ چاروں عورتیں بھی جمی رہی تھیں۔

ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا: ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ کی ان خوش نصیب سابقین عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ سب سے پہلے حضور ﷺ کی زیارت ودعوت کا شرف پایا، عقبہٴ اولیٰ منیٰ کی ایک گھاٹی میں چھپ کر اپنے قافلہ کے ساتھ بیعت ہوئیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد حضور ﷺ کی معیت میں احد، حدیبیہ، خیبر اور حنین کی جنگوں اور عمرۃ القضاء میں شریک ہوئیں احد کا واقعہ خود سنایا کرتی تھیں کہ میں پانی کا مشکیزہ بھر کر احد کو گئی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری کوئی زخمی ملا تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی ان کے شوہر اور دو بیٹے بھی شریک تھے، مسلمانوں کو غلبہ ہو رہا تھا اچانک کافروں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا، تو میں حضور ﷺ کے نزدیک پہنچ گئی اور میرے پاس ایک ڈھال تھی اور کمر میں ایک کپڑا باندھ رکھا تھا جس میں کچھ گودڑ رکھ لیا تھا جب کوئی زخمی دیکھتی تو کپڑا جلا کر زخم میں بھر دیتی، جو کافر حضور ﷺ پر حملہ کرتا اس کا حملہ اپنے اوپر روکتی چنانچہ خود بھی زخمی ہوتی رہی۔ ابن قمیئہ کافر حضور ﷺ کو تلاش کرتا ہوا آیا مصعب بن عمیرؓ اور چند حضرات کے ساتھ میں بھی اس کے مقابلے میں آئی اور اس پر کئی وار کئے جو ڈبل زرہ کے سبب خالی گئے اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا جس کا زخم کافی دنوں میں اچھا ہوا اور ایک گڑھا سا اس میں ہو گیا۔ اسی حالت زخم میں حضور ﷺ کے ساتھ قریش کا تعاقب کرنے کے لئے حمراء الاسد تک جانے کا ارادہ کیا مگر زخموں کی زیادتی اور ہرے ہونے کے سبب نہ جا سکی، فرماتی تھیں دشمن گھوڑوں پر سوار حملہ آور ہوتے تھے اور ہم پیدل تھے اگر وہ بھی پیدل ہوتے تو ان کو مقابلہ کا پتہ چلتا، جب کوئی سوار مجھ پر حملہ کرتا تو اپنی ڈھال پر روکتی جب وہ دوسری طرف کا رخ کرتا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی جس سے گھوڑا اور سوار دونوں گر پڑتے اس وقت حضورؐ میرے بیٹے عبداللہ کو میری مدد کے لئے بھیجتے اور ہم دونوں مل کر اسے نمٹا دیتے۔ عبداللہ کے بازو میں ایک سخت زخم آیا جس سے خون نہیں رکتا تھا حضورؐ نے فرمایا پٹی باندھ لو۔ ماں نے بیٹے کی مرہم پٹی کی پھر اس سے اس وقت کہا کہ میرے بیٹے اُٹھ کھڑے ہو اور کافروں سے مقابلہ کر! حضورؐ اس منظر کو دیکھ رہے تھے فرمایا ام عمارہ اتنی ہمت کون رکھتا ہے جتنی تو رکھتی ہے۔ کئی بار ان کے اور گھر والوں کے لئے دعا فرمائی اس وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضورؐ نے فرمایا تیرے بیٹے کو اسی نے زخمی کیا ہے میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے یہ زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ حضورؐ مسکرائے فرمایا بیٹے کا بدلہ لے لیا اس کو نمٹا دیا، حضورؐ نے دعا فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو تو حضورؐ نے اس کی دعا فرمائی، تو کہنے لگیں اب مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا کیا مصیبت گذری۔

حضور ﷺ کی محافظت میں جن چھ خوش نصیب انسانوں کو اسی اسی زخم کھانے پڑے ان میں ام عمارہ بھی تھیں حضورؐ نے فرمایا آج ہر بہادر نے اپنے جوہر دکھائے مگر ام عمارہ جیسی بہادری کہاں یہ سب سے بازی لے گئیں۔ حضورؐ اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ان

کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب ان کی عمر ۵۲ سال کی تھی یمامہ کی جنگ میں شریک ہوئیں۔ مسیلمہ کذاب پر حملہ آور ہونے اور اس تک پہنچنے میں گیارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹا۔ حضرت وحشیؓ اور ان کے صاحبزادے کی تلواروں نے مسیلمہ کو نمٹایا۔ بیعت عقبۂ اولیٰ، بیعت رضوان دونوں میں شریک تھیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا : حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر یاسر اور بیٹے عمار تینوں سابقین میں ہیں، ابوجہل اور مکہ کے کافران پر مظالم ڈھاتے، دھوپ میں جلاتے، جس کے سبب یہ کراہتے ہوتے تو حضور ﷺ تشریف لاکر ان کو فرماتے اے آل یاسر تم کو خوشخبری ہو مغفرت کی اور جنت کی، ابوجہل اور چند مشرکین نے ایک روز حضرت سمیہ کی دونوں ٹانگیں دو اونٹوں سے علیحدہ باندھ کر شرم گاہ میں نیزہ مار کر ٹانگوں کو پھاڑ دیا۔ اس طرح انہوں نے دور اسلام کی سب سے پہلی شہادت کا شرف حاصل کیا۔ اسلام کے لئے سب سے پہلا خون ایک عورت ہی کا بہا۔ بدر کے دن جب ابوجہل قتل ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا۔

حضرت زنیرہ صحابیہ رضی اللہ عنہا : حضرت زنیرہ صحابیہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد نابینا ہو گئیں تھیں۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ لات و عزیٰ بتوں نے تجھے اندھا کر دیا، تو زنیرہ نے فرمایا یہ تو خدا کی طرف سے ہے بتوں کو کیا خبر کون ان کو پوجتا ہے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بصارت عطا فرمادی۔ کفار مکہ ان کو مارتے مارتے لہولہان کر دیا کرتے تھے، اس وقت فرمایا کرتی تھیں چاہے جان چلی جائے اسلام نہیں چھوڑ سکتی، آنکھوں پر بھی اسی مار کا اثر تھا۔

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا: صحابیہ رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگایا تھا، جس میں زخمیوں کا علاج کیا جاتا تھا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا علاج اور انتقال اسی خیمہ میں ہوا۔

فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا: فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہ زہرہؓ کی ساس ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میرے ساتھ ان سے زیادہ کسی نے سلوک نہیں کیا ان کی وفات پر دفن سے قبل ان کی قبر میں کچھ دیر لیٹے اور فرمایا اس لئے لیٹا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو، یہ خصوصیت غالباً ان ہی کو حاصل ہوئی۔

صحابہ کرام کی جنگوں میں سب سے سخت ترین جنگ یرموک تھی جو رومیوں سے لڑی گئی مسلمانوں میں شکست کے آثار پیدا ہو گئے، مگر عورتوں کی بہادری اور میدان جنگ میں کود پڑنے سے پانسہ پلٹ گیا۔ اسما بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو قتل کیا۔ ام حکیمؓ بنت حارث کا ایک دن قبل نکاح ہوا دلہن کے لباس میں میدان جنگ میں کودیں خوب بہادری سے لڑیں۔ ہندہؓ، ام کثیرؓ، ام ابانؓ، ام عمارہؓ، خولہؓ، لبنیؓ، عفیرہؓ عورتوں نے مردوں سے زیادہ بہادری سے مورچہ لیا، ام ابان نے تیراندازی میں کمال درجہ کی مہارت پیدا کر لی ان کی تیراندازی نے دشمن کے سردار کی آنکھ میں تیر مار کر اس کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ اپنے شوہر حضرت زبیر کے دوش بدوش گھوڑے پر سوار ہو کر لڑیں۔

حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا : حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہا انصار کے گھرانے بنو اسلم کی بہت حسین، قابل لائق، فائق

خاتون تھیں، ہر ماہ میں دو مرتبہ مختلف قبائل میں سفر کر کے خواتین کو اسلام کی دعوت دیتیں تھیں۔ ان کی تقریر بڑی پر اثر ہوتی تھی۔ کسی بھی قبیلہ کی عورت بیمار ہو جاتی اور اس کی تیمار داری کرنے والا اگر کوئی نہیں ہوتا یہ اس کی خدمت میں لگ جاتیں۔ اسلام کی دعوت دینے کا عشق تھا، ایک سو بارہ عورتوں کو مسلمان کیا۔ یرموک میں تلوار سے لڑیں، اس کی فتح میں ان کی بہادری اور قابلیت کو بڑا دخل تھا۔

عرب کی مشہور شاعرہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا: عرب کی مشہور شاعرہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت میں اپنے ایک بھائی صخر کی موت پر مرثیہ کہا تھا، جس نے عربوں کو رلایا۔ جوانی بھر بھائی کا ماتم کرتی رہیں۔ بڑھاپے میں خدا نے ہدایت نصیب فرمائی۔ جنگ قادسیہ میں مع اپنے چار جوان بیٹوں کے شریک ہوئیں۔ مورچہ سخت تھا، بیٹوں کو ترغیب دی۔ اے میرے بیٹو تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے بددیانتی کی نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا، نہ تمہارے حسب ونسب کو داغ لگایا۔ جہاد کا ثواب تم جانتے ہو، آخرت بہتر ہے، اس فانی دنیا سے کل صبح جب میدان جنگ میں کود و تو دعا مانگتے ہوئے جانا، ہوشیاری کے ساتھ دشمن پر جھپٹ پڑنا۔ جب لڑائی کے شعلے بھڑک رہے ہوں تو اس طرف کا رخ کرنا جہاں سب سے زیادہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو اور دشمن کے سالار پر ٹوٹ پڑنا، خدا تمہیں دنیا میں مالِ غنیمت اور عقبیٰ میں عزت عطا فرمائے۔ صبح کو سخت ترین مورچہ ہوا، چاروں بیٹے شہید ہو گئے۔ شہادت کی خبر معلوم ہونے پر ان کی لاشوں کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا الحمد للہ میری محنت ٹھکانے لگی اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کی عزت مجھے بخشی۔

حضرت عمرؓ ان کے بیٹوں کی تنخواہ ۸۰ دینار ان کو دیا کرتے تھے۔

اس قدر کردوں گا ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

فاطمہ بنت قیس قرشیہ رضی اللہ عنہا: فاطمہ بنت قیس قرشیہ رضی اللہ عنہا قدیمۃ الاسلام مہاجرات اولین میں سے ہیں۔ ظاہری باطنی حسن و جمال و کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جانشینی کی شوریٰ ان ہی کے مکان پر ہوئی۔

حضرت خولہ بنت حکیم ثعلبہ رضی اللہ عنہا: حضرت خولہ بنت حکیم ثعلبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ اوس بن صامت کی بیوی ہیں۔ ان کے کئی بچے تھے شوہر نے ان کو ماں کہہ دیا یہ گھبرا کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں چونکہ ایسا کہنے سے عربوں میں طلاق پڑ جاتی تھی، خولہ اپنے حالات کی بنا پر بے چین تھیں حضورؐ نے فرمایا اس بارے میں خدا کی جانب سے کوئی حکم نہیں آیا ہے، لیکن خیال یہ ہے تو اس پر حرام ہو گئی۔ یہ رونے پیٹنے لگیں کہ بچے ضائع ہو جائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا سے وللکفرین عذاب الیم، ترجمہ: اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے شوہر کے حق میں اور روتی جھینکتی تھی اللہ کے آگے، اللہ سنتا تھا سوال و جواب تم دونوں کا بیشک اللہ دیکھتا سنتا ہے جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی بیویوں کو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا۔ لیکن وہ بولتے ہیں ایک ناپسند اور جھوٹی بات اللہ معاف کرنے والا ہے اور بخشنے والا ہے۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں

وہی کام جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا چاہئے ایک غلام پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں اس سے تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی یہ نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کا، یہ حکم ہے اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اس کے رسول کے یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی۔

حضرت عمر سے ایک روز خولہ نے کہا اے عمر ایک زمانہ وہ تھا کہ عکاظ کے میلہ میں تمہیں عمر کہہ کر پکارتے تھے اب آپ کا لقب امیر المومنین ہے پس رعایا کے بارے میں خدا سے ڈرو جو عذاب الٰہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا۔ جو موت سے ڈرے گا اسے مرنے کا خوف لگا رہے گا۔ کسی نے کہا کہ تم نے بہت کہہ ڈالا تو حضرت عمر نے کہا یہ خولہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر ان کی بات سن لی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی کی ہمشیرہ ہیں، حضور ﷺ کا معراج میں تشریف لے جانا ان ہی کے مکان سے ہوا تھا۔ ان کے بیوہ ہونے پر حضور ﷺ نے نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے ام المومنین کے عظیم شرف سے محروم رہنا اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے برداشت کیا اور یہی عذر کیا کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے میرے یتیم بچے ہیں جن کی پرورش کی میرے اوپر ذمہ داری ہے۔

حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا: حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا سعید بن زید کی ہمشیرہ ہیں مہاجرات میں سے ہیں، بہت حسین و جمیل تھیں۔ عبداللہ بن ابی بکر سے پہلی شادی ہوئی تھی ان کی شہادت کے بعد حضرت زید بن خطابؓ سے ہوئی ان کی شہادت کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ سے ان شرائط کے ساتھ شادی ہوئی کہ ماریں گے نہیں اظہار حق اور مسجد نبوی کی نماز کی اجازت ہوگی ان کی شہادت کے بعد حضرت زبیرؓ بن عوامؓ سے نکاح ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے پیام دیا تو انہوں نے کہلا بھیجا اے رسول اللہ ﷺ کے بھائی میں آپ کو قتل سے بچانا چاہتی ہوں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا: باندی ہیں حضور ﷺ کو ورثہ میں ملیں۔ بچپن میں حضور ﷺ کی خدمت کا شرف پایا والدہ آمنہ کے (مدینہ سے آتے ہوئے ابوا مقام پر) انتقال فرمانے پر حضور ﷺ کی انہوں نے ہی خدمت گزاری کی۔ بچپن کی حالت، سفر کا موقع، والدہ کی وفات، ام ایمن ہی نے اس وقت حق رفاقت ادا کیا۔ حضور ﷺ کے محبوب ترین زید بن حارثہ جن کا نام قرآن پاک میں آیا اور جنہوں نے غزوۂ موتہ میں دردناک شہادت پائی، ان ہی کے ساتھ ام ایمن کا نکاح ہوا محبوب رسول اللہ حضرت اسامہؓ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ ان کو میری ماں میری ماں کہہ کر پکارا کرتے تھے حضور ﷺ کی وفات پر رو رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا خدا کے یہاں ان کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے تو بولیں کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ وحی الٰہی کا سلسلہ دنیا سے قیامت تک کے لئے بند ہو گیا۔ اس پر یہ دونوں بھی روئے، غلام باپ زید بن حارثہ باندی ماں ام ایمن سے پیدا ہونے والے اسامہ کی شادی جاہلیت عرب کے مشہور بادشاہ امراء القیس کی نسل میں زینب بنت حنظلہ سے ہوئی۔ حضور ﷺ ان کو ہذہ بقیۃ اہل بیتی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ربیع بنت نظر رضی اللہ عنہا : حضرت ربیع بنت نظر رضی اللہ عنہا انس بن مالک کی پھوپی ہیں ان کے صاحبزادے حارثہ بن سراقہ بدر، کے پہلے شہید ہیں ان کی والدہ نے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے حارثہ سے کس قدر محبت تھی اگر وہ جنت میں گئے تو خیر میں صبر کروں گی ورنہ آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ حضور نے فرمایا وہ جنت ہی میں نہیں وہ جنت الفردوس میں ہیں یہ بشارت سن کر باغ باغ ہوگئیں یہ کہنے لگیں بخ بخ یعنی واہ واہ اے حارثہ۔

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا : حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن احد کی واپسی پر حاضر خدمت ہوئیں۔ حضور نے فرمایا اے حمنہ اپنے بھائی عبداللہ کو صبر کرو تو انہوں نے اناللہ پڑھا دعائے مغفرت کی پھر فرمایا اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب کو صبر کرو تو وہ دعائے مغفرت کر کے خاموش ہوگئیں۔

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا : حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا غزوات نبوی میں شرکت کر کے زخمیوں و مریضوں کا علاج کرتی تھیں۔ حضورﷺ کی ایک صاحبزادی کے غسل میت میں شریک تھیں صحابہ و تابعین ان سے غسل میت کا طریقہ واحکامات سیکھتے تھے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا : حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مشورہ کیا کہ حجاج بن یوسف کی طاقت بہت زیادہ ہے اور چھوٹی سی جماعت میرے ساتھ ہے اس لئے صلح کرلیں والدہ نے فرمایا بیٹے اگر تم باطل پر ہو تو اب سے پہلے صلح کرلینی چاہئے تھی اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے حضرت عبداللہ والدہ کے پاس سے آکر ہتھیار لگا کر والدہ سے رخصت ہونے آئے تو ماں نے سینہ سے لگایا جسم کی سختی محسوس کر کے دریافت کیا تو بیٹے نے عرض کیا کہ دوہری زرہ پہن رکھی ہے تو ماں نے فرمایا شہداء حق کا یہ شیوہ نہیں ہے ابن زبیر نے زرہ اتار ڈالی پھر والدہ سے عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے نہ کریں۔ تو فرمایا بیٹا جب بکری ذبح ہو جاتی ہے تو اس کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکائے رکھا چند روز کے بعد حضرت اسماء ادھر سے گذریں تو فرمایا کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے نہیں اترا۔

حضرت اسماء قرض لے کر بھی خیرات کیا کرتی تھیں کسی نے عرض کیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں تو فرمایا جس کی نیت قرض ادا کرنے کی ہوتی ہے خدا اس کی اعانت کرتا ہے میں اس کی اعانت کو ڈھونڈتی ہوں۔ مکہ میں اسلام لانے والوں میں ۱۸ ار اٹھارواں نمبر تھا۔ عمر سو سال کی ہوئی سخاوت وحق گوئی میں مشہور تھیں۔

لقب ذات النطاقین ہے حضورﷺ وحضرت ابوبکرؓ کے سفر ہجرت کا سامان باندھنے میں اپنا دوپٹہ پھاڑ کر استعمال کیا۔ نابینا دادا ابو قحافہ نے جب کہا کہ ابوبکر سب مال بھی لے گئے تو ان کو تسلی دینے کیلئے ایک جگہ پتھروں پر کپڑا ڈال کر ان کا ہاتھ اس پر لگو

اکر کہا کہ یہ مال سب چھوڑ گئے ہیں۔

سفانہ بنت حاتم طائی رضی اللہ عنہا : سفانہ بنت حاتم طائی رضی اللہ عنہا عدیؓ کی ہمشیرہ جب گرفتار ہوکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے اپنا تعارف اپنے باپ کے حوالے سے کرایا۔ میرے والد سردار قوم تھے درماندوں کو آزادی دلاتے، مجرم کو قتل کرتے، پڑوسی کی حفاظت کرتے، عاجز بے دست و پا کی حمایت کرتے، ستم زدہ کو مصیبت سے چھڑاتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، سلام میں سبقت کرتے، یتیم کی خبر گیری کرتے، مصائب زمانہ کے وقت لوگوں کے مدد و معاون رہتے۔ ان کے پاس آ کر کوئی حاجت مند نا کام و نامراد نہیں لوٹا۔ میں اس حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ سفانہ کی یہ گفتگو سن کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو خاص مسلمانوں کی صفات ہیں اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ اس کے بعد سفانہ کو آزاد کردیا ان کی سفارش پر ان کے قبیلہ کو بھی آزادی و رہائی مل گئی۔ سفانہ کی طرف اشارہ فرما کر حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی معزز ذلیلوں اور کوئی مالدار محتاجوں اور کوئی عالم جاہلوں میں پھنس جائے تو اس کے حال پر ترس کھایا کرو۔

سفانہ نے اجازت چاہی اور شکریہ میں حضور ﷺ کے لئے دعا کی حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس کی دعا سنو وہ کہہ رہی تھیں: خدا آپ کی نیکی کو اس شخص تک پہنچائے جو اس کا مستحق ہو آپ کو کسی بدکار و بدنفس کا محتاج نہ کرے۔ جس فیاض قوم سے کوئی نعمت چھن جائے خدا اسے آپ کے ذریعہ واپس دلا دے۔

سفانہ واپس ہوکر اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی اور شکایت کی کہ بہن کو چھوڑ کر چلے آئے اور ترغیب دی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا آخر دونوں بہن بھائی حاضر ہوکر ایمان لے آئے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے مکان پر حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے بیدار ہونے پر مسکرائے ام حرام نے دریافت کیا تو فرمایا میری امت کے کچھ آدمی دکھائے گئے جو سمندروں کی پشت پر سوار ہوں گے اور ایسے معلوم ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوں۔ ام حرام نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں اللہ مجھے بھی ان میں شامل فرمادے، حضور ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں قبرص جزیرہ (جو آج کل ترکی و یونان کو صف آراء کئے ہوئے ہے) کے جہاد میں ام حرام رضی اللہ عنہا شریک ہوئیں اور وہیں شہادت پاکر دفن ہوئیں۔

حضرت بکارہ اور زرقا رضی اللہ عنہما: حضرت بکارہ اور زرقا رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ کی حمایت میں شعر کہا کرتی تھیں حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو طلب کر کے باز پرس کی تو دونوں نے نہ صرف اقرار کیا بلکہ اپنے اشعار پر فخر کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ ہمیں جھوٹ اور خوشامد کی عادت نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے ہجرت سے قبل مدینہ کی عورتوں کی تعلیم کے لئے حضرت ام کلثوم کو بھیجا تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے روایت ہے کہ ہمارے باپ تو جہاد پر گئے تھے نبی ﷺ ہماری خبر گیری فرماتے تھے اور ہماری بکریوں کا دودھ دوہنے کے لئے تشریف لاتے آپ کے دست مبارک سے گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بچپن میں بولنا شروع فرمایا سب سے پہلے زبان مبارک سے حسب ذیل

الفاظ نکلے: اللہ اکبر کبیراً. والحمد للہ حمداً اکثیراً . سبحان اللہ بکرۃً واصیلاً .

قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت : قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت مع اپنے بیٹوں کے قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئی تھی مورچہ کے دن بیٹوں کو ترغیب دی۔ پیارے بیٹو! تم اسلام لا کر مرتد نہیں ہوئے تم نے ہجرت کی تو کسی نے ملامت نہیں کی تمہارا وطن بھی تمہارے موافق تھا نہ کبھی تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لا کر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا۔ خدا کی قسم تم ایک باپ کی اولاد ہو نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا جاؤ اور آخر تک لڑو۔

بنو دینار کی ایک عورت: بنو دینار کی ایک عورت کے جنگ احد میں باپ بھائی اور شوہر شہید ہوئے جب اس عورت نے حضور ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو کہا۔ کل مصیبۃ بعدک جلل۔ اب سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی اور برادر بھی
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

دیگر صحابیات: ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی اور بچہ کو لینا چاہا تو ان صحابیہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ بچہ کا ظرف میرا پیٹ اور میری چھاتی اس کا مشکیزہ، میری گود اس کا گہوارہ، اس کا باپ مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرو تم ہی اس بچہ کی مستحق ہو۔

حضرت جلیبیب پستہ قد سیاہ رنگ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے لئے ایک انصاریہ لڑکی کے لئے پیام دلوایا لڑکی کے باپ نے ان کی اچھی شکل نہ ہونے کی بنا پر کچھ گریز کیا۔ لڑکی نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور ان کی محبت میں یہ آیت تلاوت کی ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذ قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ترجمہ (جب اللہ اور رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے) اور لڑکی نے کہا کہ جو حضور ﷺ کی مرضی وہی میری مرضی ہے۔ حضور کو جب اس کا علم ہوا تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا اے اللہ اس پر خیر کا دروازہ کھول دے اور اس کی زندگی کو تلخ نہ کر اس دعا کا ایسا اثر دیکھا گیا کہ انصاری قبائل میں اس سے زیادہ مالدار اور سخی کوئی عورت نہ تھی۔ کسی اردو شاعر نے اسے دو شعروں میں کہا ہے۔

غور کر ابا نہ اس کے رنگ تو کالے کو دیکھ
میں یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ
میں نے مانا ہے یہ کالا، حسن میں بھی ماند ہے
بھیجنے والا تو ابا چودھویں کا چاند ہے

جب جلیبیب کو حضور ﷺ نے نکاح کے لئے فرمایا تو انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ مجھے کھوٹا پائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔ چنانچہ ایک غزوہ میں یہ شہید ہوئے ان کے نزدیک ۷ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور نے ان کو دیکھ کر تین بار فرمایا ۷ کو قتل کر کے شہید ہوئے فرمایا یہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں۔

مفتی عبدالحمید صاحب قاسمی

کامیاب زندگی میں صحابیات کا کردار

کارخانۂ حیات میں کچھ ایسے بھی چہرے آئے جو اپنی پرچھائیاں بھی اپنے ساتھ لے گئے نہ ان کا نام ونشان ہے نہ کوئی تذکرہ ویادگار، وہ برق کے شرارے کی طرح چمکے اور چمک کر بجھ گئے، کائنات کی وسیع تر وسعتوں کے باوجود وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے، انسانوں کی تنگ دامنی کے گلے شکوے لے کر غبارہ راہ کی طرح بکھر گئے

اب ڈھونڈئے تو ان کا نشاں بھی نہ پائے۔

لیکن اس جہاں رنگ وبو میں کچھ ایسی ہستیاں بھی جلوہ گر ہوئیں جو شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکیں یہ وہ لوگ تھے جو بڑھے تو بڑھتے ہی رہے چڑھے تو چڑھتے ہی رہے انہوں نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھنا گوارہ نہیں کیا کسے معلوم تھا کہ یہ گودوں کے پلے ہوئے بچے ساتھ کے کھیلے ہوئے نوجوان شہرت کی بلندیوں پر چڑھ کر آسمان کے ستارے توڑ لائیں گے، وہ مر کر خاک ہوگئے ہیں مگر سر مرقد سے اب بھی ایسی روشنی چھن رہی ہے کہ ایک عالم کو منور کررہی ہے آج لوگ ان کی مدح سرائی میں اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں ان کے نقش قدم کو مشعل راہ قرار دینے کے لیے بیقرار نظر آتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ادھر غور کرتے ہیں کہ یہ خاک کے ذرے جگنو بن کر کس طرح اڑے، زندگی کی راہوں میں رنج وغم کی ہزاروں پرخار وادیوں کو پار کرنے میں کونسا دست غیب کارفرما تھا، کامیابی وکامرانی کو دیکھنا، سراہنا بُری بات نہیں مگر کامیابی کے اسباب پر غور کرنا اس سے اہم ہے، اس سے مزید راہیں کھلتی ہیں، رہنما خطوط متعین ہوتے ہیں۔

عام طور پر کسی کامیاب وکامران شخص کی کامیاب زندگی کا سبب اس کے اساتذہ ومربی، سرپرست ورہنما، گردوپیش کے حالات نیز اس کے جہد مسلسل کو قرار دیا جاتا ہے اس سے یقیناً انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن بسا اوقات ہر طرح کی فضا سازگار ہونے کے باوجود کچھ عوامل ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کے پیروں پہ بیڑیاں پڑ جاتی ہیں وہ چلنا چاہتا ہے تو اس کی بیڑیاں اسے آگے بڑھنے نہیں دیتیں، وہ قلم اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں سوچنا چاہتا ہے تو اس کے ذہن ودماغ اور سوچ وفکر پر تالے ڈال دیئے جاتے ہیں بولنا چاہتا ہے تو اس کی زبان تراش لی جاتی ہے۔ ؎

زبان جلائی کئے قطع ہاتھ پہونچوں تک　　　یہ بندوبست ہوئے مری دعا کے لیے

آدمی گوناں گوں صلاحیتوں اور خداداد خوبیوں کے باوجود ان کا صحیح استعمال کرنے سے عاجز و درماندہ رہتا ہے کیوں کہ پیدائش سے موت تک انسان مختلف مراحل سے گزرتا ہے بالخصوص جب اس کی صلاحیتیں پختہ ہوجاتی ہیں اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اسے شریک کار و شریک حیات کی ضرورت پڑتی ہے اب اگر خوش قسمتی سے وہ ہم مزاج و ہم مذاق شریک حیات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کی منتشر زندگی کی شیرازہ بندی ہونے لگتی ہے، اس کی زندگی کا نظام مضبوط و مستحکم ہوجاتا ہے اور وہ یکسو ہوکر اپنے مقصد حیات کو حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے، پھر کامیاب زندگی کے منازل طئے ہوتے جاتے ہیں اس کے بر خلاف اگر اسے ایسی رفیق حیات ملی جو اس کے مزاج و مذاق سے ہم آہنگ نہ ہو تو زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ تو درکنار خود اس کے لیے اپنی ذاتی زندگی صحیح ڈھنگ سے گزارنا دشوار ہوجاتا ہے جب کہ ایک کامیاب رفیقۂ حیات اسے گھریلو فکر سے آزاد کردیتی ہے، لیکن اس طرح کی رفیقۂ حیات کی تشکیل صرف اور صرف اس طرح ممکن ہے کہ خیر القرون کی برگزیدہ خواتین جنہیں ہم صحابیات کے مقدس نام سے جانتے ہیں کی سیرت و کردار ہمارے سامنے ہو ان کی عادات و اطوار، اخلاق و کردار کا مطالعہ کرتے ہوئے انہیں اپنی زندگی میں لائیں، اپنی بہن بیٹیوں کو اس حسین سانچے میں ڈھالیں کیوں کہ ان مقدس و پاکیزہ ہستیوں نے دختران ملت کے لیے وہ سرمایہ چھوڑا ہے جو ان کی دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

الغرض کامیاب زندگی کے لیے کامیاب و غمگسار رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے اور ان اوصاف و خصائل کی حامل شریک حیات کی تشکیل و تلاش کے لیے انہیں برگزیدہ خواتین کی سنہری زندگی کی ضرورت ہے جنہوں نے اپنے ارکان خاندان کی زندگیوں کو کیف و سرور سے ہمکنار کرتے ہوئے اپنے گھر اور گرد و پیش کے ماحول کو نمونۂ جنت بنادیا تھا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے کار نبوت کو آسان کردیا

دینی علوم سے معمولی مناسبت رکھنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تو بتقاضائے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف و دہشت اور گھبراہٹ کے سائے نے گھیرلیا، چاہے یہ خوف احساس ذمہ داری اور اس کے کما حقہ ادا نہ کرپانے کے اندیشے سے ہو یا پھر انسانی فطرت کی وجہ سے لیکن اہل علم واقف ہیں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر پریشانی لاحق ہوئی تفصیل میں گئے بغیر آپ کی تکلیف کو جاننے کے لیے بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مایوسی چھاگئی تھی بار ہا پہاڑ پر جاکر خود کو گرالینا چاہتے تھے، ایسی نازک گھڑی میں سراپا مونس و غمگسار بیوی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے آپ کو کس قدر سنبھالا دیا، اطمنان و تسلی کے کیسے عمدہ اور محبت بھرے جملے ارشاد فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشکل کو آسان فرماکر کس طرح شریک کار ہوئیں آپ کے مشن کو آگے بڑھانے میں کس قدر مدد کیں یہ اوراق تاریخ اسلام کی پیشانی کا چمکتا نور ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس عظیم محسن و مشفق بیوی کے سلوک کو کبھی بھی فراموش نہیں کرسکے ان کے جیتے جی تو ان کے ساتھ عمدہ سلوک کیا ہی ان کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں تک کا خیال رکھا، (۱) ان کے یہاں ہدیہ تحائف بھیجا کرتے، ان کی خبر گیری کرتے، ان کی ضرویات کی تکمیل میں مدد فرماتے کبھی کوئی بکرا ذبح

فرماتے تو اپنی اس مہربان بیوی کی سہیلیوں کو یاد فرمالیتے۔

حضرت ام ایمن جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی

حضرت ام ایمن باندی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی ملکیت تھیں ان کے گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں آئی تھیں اس نیک خاتون نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کس قدر خوشگوار اثرات چھوڑے اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ھذہ بقیۃ اہل بیتی'' یہ میرے گھر والوں میں سے بقیہ ہیں، ''ام ایمن امی بعد امی'' ام ایمن میری والدہ کے بعد میری والدہ ہیں، من سرہ ان یتزوج امرأۃ من اہل الجنۃ فلیتزوج ام ایمن'' جس کو پسند ہو کہ وہ جنتی خاتون سے شادی کرے وہ ام ایمن سے شادی کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ جب مقام ابواء میں وفات کر گئیں تو یہ نیک خاتون بھی آپ کے ساتھ تھیں اور اس انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و پرورش اور راحت و آرام کا سامان کرنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں کی کمی کا احساس ہونے نہیں دیا، اعلان نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت ہوگئیں پھر اپنے دونوں فرزندوں ایمن واسامہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور کیا غزوہ احد میں جب مسلمانوں پر اچانک آفت آپڑی اور دشمنان اسلام اپنے مذموم ارادوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کئے تو جاں نثار صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ کو حصار میں لے لیا بڑی وارفتگی کے ساتھ اپنے ہاتوں، پیٹھ اور دوسرے اعضاء بدن پر تیر اور برچھوں کے زخم سہتے رہے ان جاں نثاروں میں سیدہ ام ایمن کے دونوں صاحبزادے بھی شامل تھے، ایمن نے تو اسی معرکۂ کارزار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عظیم فریضہ ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور اسامہ بعد میں بھی بقید حیات رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر رہے، پختہ کار و تجربہ کار معمر شہسواروں کے ہوتے ہوئے انہیں ایک موقعہ پر سپہ سالار مقرر کیا جو لشکر اسامہ کے نام سے مشہور ہے جو حضرت صدیق اکبر کے عہد خلافت میں اسلام کا پہلا لشکر لے کر ملک شام کا رخ کیا اور قزاعہ کی بستیوں کو تاخت وتاراج کرتے ہوئے چالیس دن تک جنگ کا پھریرا اڑاتا ہوا کامیاب مدینہ منورہ لوٹا، حضرت اسامہؓ کی کامیاب زندگی میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کا دخل ہے وہیں ان کی والدہ محترمہ حضرت ام ایمن کا بھی اس میں وافر حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات و زیارت کے لیے ان کے یہاں قدم رنجہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرات شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروقؓ اعظم) بھی ان کی ملاقات وزیارت کی غرض سے پہونچے تو خود بھی روئے اور ان دونوں حضرات کو بھی رلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا عشق تھا اسلام کا کتنا عظیم جذبہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں آپ کی حفاظت کی خاطر اپنی عزیز شئے کو قربان کردیا اور آہ وزاری ماتم وفغاں کے بجائے اپنی قسمت پر نازاں ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے سچ فرمایا حفیظ مرحوم نے۔

وہ مائیں جن کی آغوشوں نے پہلے شیر نر پالا فدا کاری سے پھر اسلام پر قربان کرڈالا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ سیدہ ام سلیم ؓ بنت ملحان

اس عظیم خاتون اسلام کی شان میں پیکر صدق وصفا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سعادت دائمی کے لیے مضبوط سند ہے، اس عظیم بشارت نامہ کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے فرماتے ہیں: ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخلت الجنة فسمعت خشفة صوت مشی فقلت من هذا؟ قالوا هذه الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک '' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو کسی کے چلنے کی آہٹ سنی میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ کہا یہ غمیصاء ہیں، ملحان کی بیٹی اور انس بن مالک کی والدہ۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ، خادم رسول حضرت انس ؓ کی والدہ محترمہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر جان چھڑکنے والی، صاحب رسالت کی شیدائی ام سلیم ؓ بنت ملحان امت مسلمہ کی وہ عظیم خاتون ہیں جن کی کتاب زندگی کا ہر ورق تاریخ کے سنہرے اوراق سے لکھے جانے کے قابل ہے، اگر آج امت مسلمہ کی مائیں بہنیں ان کی زندگی کے روشن ابواب کا مطالعہ کرتے ہوئے خود کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں تو ان کی تربیت سے ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو خیر کے تمام پہلوؤں کا جامع ہوگا۔

شوہر پر اسلام وایمان کو ترجیح

آج رشتوں میں دین داری کا کچھ خیال ہی نہیں کیا جاتا بلکہ بہت سے پیغام محض اس لیے رد ہوجاتے ہیں کہ لڑکوں میں دینی عنصر پایا جاتا ہے، اُسے وسیع المشربی اور، آزاد خیالی میں حارج سمجھ کر انکار کردیا جاتا ہے حالانکہ ایسے رشتے اکثر تلخی اور ناچاقی کا شکار ہوجاتے ہیں، لیکن امت میں ایسی خواتین بھی گزری ہیں جنہوں نے دین وایمان کے مقابلہ میں شوہر کا ساتھ چھوڑنا گوارا کیا۔

حضرت ام سلیم کا نکاح مالک بن نصر سے ہوا تھا، ان سے مشہور صحابی حضرت انس پیدا ہوئے پاکباز بیوی نے شوہر پر اسلام پیش کیا پذیرائی نہیں ہوئی، اپنے لخت جگر کو اسلامی رنگ میں رنگنا شروع کیا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی تلقین کرنے لگیں، شوہر نے لاکھ سمجھایا کہ بچے کو خراب نہ کرو وہ کہتیں اسے خراب نہیں کررہی ہوں اس کی زندگی سنوار رہی ہوں، شوہر نے تنگ آکر ساتھ چھوڑ دیا ملک شام کا رخ کیا جہاں ایک دشمن نے انہیں قتل کردیا، جب جاں نثار اسلام خاتون کو قتل کی اطلاع پہونچی تو کہا کوئی جرم وافسوس نہیں، انس کو دودھ نہیں چھڑاؤنگی جب تک کہ خود انس پستانوں کو نہ چھوڑ دیں اور اس وقت تک شادی نہیں کروں گی جب تک کہ انس حکم نہ دیں۔

اسلام کی خاطر رشتہ سے انکار

انس جوان ہوگئے، ماں اپنے قول قرار پر برقرار رہی شیر خوارگی سے لے کر عنفوان شباب تک زمانے کے کتنے سرد گرم جھلیں مگر زندگی پر کوئی حرف آنے نہ دیا، اب عہد پورا ہوچکا تھا انس کا اشارہ بھی مل چکا تھا، ابوطلحہ انصاری کا پیغام نکاح پہونچا تو

صاف انکار کر دیا، صبر آزما مدت گزانے کے باوجود اسلام کا سودا کرے یہ کیسے ممکن ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مشرکوں کے ساتھ نکاح جائز تھا مگر کفر و اسلام کا اجتماع کیوں کر مناسب ہوتا اسی اسلام کی خاطر تو شوہر کی جدائی سہہ لیں، ام سلیم کو قسام ازل نے جرأت وبہادری اور خاندانی نجابت کے ساتھ حسن و جمال کا بھی بڑا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ابو طلحہ انصاری کا پیغام دوبارہ پہونچا، ابوطلحہ کی پیشانی ابھی اسلام کی روشنی اور چمک سے محروم تھی مگر فطری شرافت و خیران کے چہرے سے نمایاں تھا، ام سلیم نے محسوس کر لیا یہ وہ زرخیز زمین ہے جس میں شجرۂ اسلام کی خوب آبیاری ہو سکتی ہے اس لیے آپ نے رد کرنے کے بجائے انہیں بھی اسلام کی چمک عطا کرنے کی کوشش کی فرمایا مناسب نہیں ہے کہ میں کسی مشرک سے شادی کروں ابو طلحہ کیا آپ نہیں جانتے کہ فلاں شخص تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور بالفرض اگر تم ان معبودوں میں آگ بھڑکاؤ تو وہ جل جائیں گے پھر سوچو کہ یہ تمہیں کیا نفع دے سکتے ہیں یہ اور ان جیسی بہت سی باتیں سننے کے بعد ابو طلحہ واپس ہوئے، وہ انہیں خیالات میں گم تھے یہ باتیں ان کے ذہن ودماغ میں کھٹک رہی تھیں پھر جب دوبارہ آئے تو اسلام کا نور ان کی آنکھوں کے سامنے جگمگا رہا تھا، اسلام وایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو چکے تھے، فرمانے لگے آپ کی باتیں میرے دل میں سما چکی ہیں میں بھی اسلام کے دامن میں پناہ لینے کا خواہش مند ہوں پھر دل کی طلب اور ام سلیم کی شرط وخواہش کی تکمیل کرتے ہوئے اسلام کا اعلان کر دیا۔

عجیب وغریب مہر

ام سلیم کہنے لگیں ہاں اب میں آپ سے نکاح کروں گی اور اسلام کے سوا اور کوئی مہر نہیں لوں گی، (۲) یہ سارے واقعات کس قدر حیران کن ہیں، اسلام کا کتنا درد تھا، جذبۂ اسلام کا کتنا گہرا سمندر سینے میں موجزن تھا کہ قدم قدم پر اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا اس خاتون نے اپنے شوہر کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، کفر وضلالت کی اندھیاروں سے نکال کر اسلام کی روشنی عطا کی، زندگی میں پیش آنے والی ہر مشکل کو آسان بنا دیا اپنا مرنا جینا بھی اسلام کی خاطر تھا اور خود شوہر اور بچوں کے دلوں میں بھی اسلام کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا، ایسے سخت حالات اور ایسی آزمائش کی گھڑی میں جب پہاڑوں جیسے مضبوط دل رکھنے والے، عزم وہمت کی آہنی دیوار بھی خود پر قابو نہیں پاتے ام سلیم نسوانیت کے نازک پردے کے اندر صبر وحوصلہ میں کوہ ہمالیہ ثابت ہوئیں۔

غم کا تلخ گونٹ پی کر شوہر کے آرام میں فرق آنے نہیں دیا

حضرت انس اپنی والدہ محترمہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میرے ایک بھائی تھے جو ابو طلحہ کے بیٹے تھے (باپ شریک) جن کی کنیت ابو عمیر تھی آپ جب کبھی حضرت ابو طلحہ کے گھر تشریف لاتے تو اس سے فرماتے ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' اے ابو عمیر بلبل نے کیا کہا، ایک مرتبہ ابو عمیر بیمار ہوئے ان کے والد ابو طلحہ کہیں گئے ہوئے تھے، بچہ مرض سے وفات پا گیا تو ام سلیم نے اس کے کفن وغیرہ کی تیاری کی اور کہا اس معاملے کی خبر ابو طلحہ کو نہ پہونچاؤ، پھر رات کو ابو طلحہ آئے تو ان کے لیے خود کو سنوارا اور سنگھار کیا پھر ابو طلحہ نے پوچھا کہ ابو عمیر کا کیا ہوا تو فرمانے لگیں اپنی جگہ پر آرام سے ہے، پھر شوہر کے لیے کھانا پیش کیا پھر دونوں نے بخوشی اس طرح

رات گذاری جس طرح میاں بیوی گزارتے ہیں پھر ام سلیم شوہر سے کہنے لگیں اے ابوطلحہ تم فلاں کی آل کو جانتے ہو انہوں نے کسی سے عاریۃ کوئی چیز مانگی اور اس سے نفع اٹھایا پھر جب ان سے وہ چیز واپس طلب کی گئی تو ان پر شاق و دشوار ہوا تو ابوطلحہ نے فرمایا انہوں نے انصاف نہیں کیا تو پھر ام سلیم فرمانے لگیں آپ کا فلاں بیٹا جو اللہ عزوجل کی طرف سے عاریۃ آیا تھا وہ اللہ نے واپس لے لیا تو ابوطلحہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور اللہ کی بڑائی بیان کی اور فرمایا خدا کی قسم میں تجھ کو صبر پر اپنے سے زیادہ غالب ہونے نہ دوں گا، پھر جب صبح کو ابوطلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا اللہ تمہاری دونوں کی گزشتہ رات میں برکت عطا فرمائے، اور اس رات ام سلیم عبداللہ بن طلحہ کے ساتھ حاملہ ہوئیں جب پیدا ہوئے تو کچھ چبا کر ان کے منہ میں ڈالا اور ان کا نام عبداللہ رکھا، (۳)

شوہر کے ساتھ میدان کارزار میں

حضرت ام سلیم نے اپنے شوہر کے مصالح اور ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھا، کسی بھی مشکل گھڑی میں ان کو تنہا نہیں چھوڑا گھریلو زندگی میں تو دوش بدوش ہر کام میں ساتھ دیا ہی خونریز معرکوں میں بھی اپنے شوہر کے ساتھ رہ کر اسلام پر جان نچھاور کیا چناں چہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کی موت عطا فرمائی، ان کے لائق بیٹے مشہور خادم رسول سیدنا حضرت انس ؓ فرماتے ہیں حضرت ام سلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے میں شریک تھیں، ان کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت تھی یہ شب دوا علاج میں مصروف تھیں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں، حضرت ام سلیم غزوہ احد میں شہید ہوئیں اس دن بڑی قدر کے لائق محنت و جہاد کیا، حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ یوم احد کو جب مسلمان شکست کھا کر پیچھے ہٹے تو میں نے ام سلیم اور عائشہ بنت ابی بکر کو دیکھا کہ وہ مشکیزے اپنی کمر میں لادے زخمی مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں اور پانی منہ میں انڈیل رہی تھیں (۴)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کی طرف نکلے تو ام سلیم بھی مجاھدین کا اجر حاصل کرنے ساتھ نکل پڑیں، جنگ حنین کے دن آپ کا بڑا عمدہ واقعہ پیش آیا جو آپ کی بہادری، فضیلت اور اچھی آزمائش پر دلالت کرتا ہے روایت ہے کہ انہوں نے یوم حنین کو خنجر خریدا اور اپنی کمر میں باندھ لیا حالانکہ وہ اس دن عبداللہ بن ابوطلحہ کے ساتھ امید سے تھیں حضرت ابوطلحہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ یہ ام سلیم ہیں اپنے ساتھ خنجر لیے ہوئے تو ام سلیم فرمانے لگیں یارسول اللہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو اس کا پیٹ اس کے ساتھ پھاڑ دوں گی (۵) الغرض حضرت ام سلیم کی زندگی دختران ملت کے لیے وہ صاف وشفاف آئینہ ہے جسے دیکھ کر وہ اپنی زندگی کا صحیح رخ متعین کر سکتی ہیں۔

حوالہ جات

(۱) بخاری و مسلم باب الوحی
(۲) طبقات ۴۲۵/۸، اسد الغابۃ ۵۹۱/۵، زاد المعاد، سیر اعلام النبلاء
(۳) طبقات ۴۳۱/۲
(۴) مسلم، ترمذی، ابوداؤد
(۵) مسلم کتاب الجہاد والسیر

محمد رحمت رضی الدین حسامی ☆

سیّدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا

خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے نبی ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت غالباً نبی ﷺ کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں ہوئی، حضرت فاطمہؓ ابھی بچی ہی تھیں کہ نبی ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے گئے وہاں بہت سے کفار قریش موجود تھے جب حضور ﷺ سجدہ میں گئے تو عقبہ بن معیط نے اونٹ کی اوجھ حضور ﷺ کی پیٹھ پر لا رکھی، حضور ﷺ اسی طرح سجدہ میں تھے کہ حضرت فاطمہؓ آئیں انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھ کو گرادیا اور عقبہ کے لیے بددعا فرمائی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا نکاح واقعہ بدر کے بعد اُحد سے پہلے ہوا تھا، جنگ اُحد میں حضرت فاطمہؓ نے عملاً حصہ لیا، مدینہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ نبی ﷺ شہید ہوگئے حضرت فاطمہؓ جنگ میں پہنچیں اس وقت حضور ﷺ غار سے باہر نکل آئے تھے، حضرت فاطمہؓ نے باپ کے زخموں کو دھویا اور جب دیکھا کہ خون تھمتا نہیں تو کھجور کی صف کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی جس کے بعد خون بند ہوگیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار سیّدہ فاطمہؓ بیمار ہوئیں، نبی ﷺ نے دریافت کیا کہ پیاری بیٹی کیا حال ہے، انہوں نے فرمایا مجھے تکلیف ہے اور مزید برآں یہ کہ ہمارے ہاں کھانے کی کوئی شے بھی نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:

> "لیلۃ اما ترضین انکِ سیدۃ نساء العٰلمین قالت یا بَتِ فَاَیْنَ مریم بنت عمران قال تلک سیدۃ نساء عالمھا وانت سیدۃ نساء عالمک، اما واللّٰہ لقد زوجک سیدٌ فی الدنیا والاٰ خرۃ".
>
> "بیٹی! تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم نساء عالم کی سیدؓ ہو، فاطمہؓ نے فرمایا اے ابا جان مریم علیہا السلام کدھر گئیں فرمایا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو اور تمہارا شوہر دنیا اور آخرت میں سیدؓ ہے"۔

ابی ثعلبۃ الخشنی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کسی سفر سے لوٹ کر آتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے دو رکعت نفل پڑھ کر پھر سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے پھر اپنے گھر رونق افروز ہوتے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ نساء اهل الجنة کی سردار مریمؑ پھر خدیجہؓ پھر آسیہؓ زن فرعون ہیں۔

☆ نبیرہ: علامہ حضرت محمد حمید الدین عاقلؒ

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ فاطمہؓ سے بڑھ کر کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کا مشابہ بات چیت میں نہ تھا، وہ جب باپ کے پاس آیا کرتیں تو نبی ﷺ آگے بڑھتے، پیشانی پر بوسہ دیتے، مرحبا فرمایا کرتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ بیٹی سے ملنے جاتے وہ بھی اسی طرح ملا کرتی تھیں، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے:

"ما رأیت احداً کان اصدق لھجۃ من فاطمۃ الا ان یکون الذی ولدھا رسول اللہ ﷺ".

''میں نے فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہ دیکھا، ہاں وہی ایسا ہو سکتا ہے جو نبی ﷺ کی اولاد ہو''

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے جمیع بن عمیر صحابی ﷺ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے پیارا کون تھا عائشہؓ نے کہا ''فاطمہؓ'' انہوں نے پوچھا کہ مردوں میں سے کون تھا، جواب دیا ''شوہر فاطمہؓ'' اور یہ بھی بتایا کہ علی ﷺ تو بڑے صوام اور قوام تھے۔

اسماء بنت عمیسؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے، مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا، جنازہ کے اوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس میں سے اس کا پیکر نظر آتا رہتا ہے، اسماء نے کہا میں نے حبشہ میں ایک دستور دیکھا ہے، تمہیں دکھاتی ہوں، پھر انہوں نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوا کر چارپائی پر لگائیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا یہ بہت ہی خوب اور بہت ہی اچھا ہے، مرد عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہوتی ہے جب میں مر جاؤں، تب تُو اور علی ﷺ مجھے غسل دینا اور کسی کو شامل نہ کرنا۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ میں کو ہوئی، ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر صدیق ﷺ اور علی مرتضی ﷺ نے ان کو غسل دیا، حضرت عباس ﷺ یا حضرت علی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اہل بیت میں سے وہی سب سے پہلے نبی ﷺ سے جاملیں۔

حضرت فاطمہؓ کی عمر کے متعلق اختلاف ہے، زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے پاس حضرت عبداللہ بن حسن بن امام حسن ﷺ آئے، وہاں کلبی پہلے سے موجود تھے ہشام نے دریافت کیا کہ سیّدہ فاطمہؓ کی عمر کیا تھی؟ عبداللہ نے کہا تیس سال، کلبی نے کہا پینتیس سال ہشام نے کہا، ابومحمد سنتے ہو کہ کلبی جو تاریخ میں سر برآوردہ ہے، کیا کہتا ہیں؟ انہوں نے کہا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھ لیجئے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ کو بلایا اُن کے کان میں کچھ بات کی تو وہ رو پڑیں، پھر ان کو بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں، میں نے فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ وہ کیا باتیں تھیں، فاطمہؓ نے کہا پہلے مجھے بتایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا، یہ سن کر میں رو پڑی تھی پھر بتایا کہ میں (فاطمہ) حضور ﷺ کے خاندان کے سب اشخاص سے پہلے جاملوں گی، اس پر میں خوش ہو گئی تھی۔

وفات نبوی ﷺ پر سیّدہ علیہا السلام کے اشعار ہیں:

اِنَّا فَقَدْنَاکَ فُقْدَ الْاَرْضِ وَابِلَھَا　　وَغَابَ مُذْ غِبْتَ عَنَّا الْوَحْیُ وَالْکُتُبُ

ہماری محرومی حضور ا سے ایسی ہے جیسے زمین سے طراوت کا جاتے رہنا جب سے آپ غائب ہوئے ہمارے پاس وحی اور کلام الٰہی کا انقطاع ہو گیا۔

فَلَيْتَ قَبْلَكَ كَانَ الْمَوْتُ صَادِفَنَا　　　لَمَّا نُعِيْتَ وَحَالَتْ دُوْنَكَ الْكُتُبُ

کاش! حضور ا کے انتقال سے پیشتر اور اس وقت سے پیشتر جب مٹی نے حضور ﷺ کو پوشیدہ کر دیا تھا، ہمیں موت آجاتی اور ہم مر گئے ہوتے۔

مرویات:

(۱)　نسائی نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار نبی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے، وہ سونے کا ہار اپنے گلے سے اتار کر ہند بنت ہبیرہ کو دکھا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں، کہ علی رضی اللہ عنہ نے لا کر دیا ہے، نبی ﷺ نے یہ ہار بیٹی کے ہاتھ میں دیکھا اور واپس چلے آئے، حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں، انہوں نے ہار بازار فروخت کر دیا اور ایک غلام خریدا اور اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا، نبی ﷺ کو اطلاع ہوئی تو خوش ہوئے اور الحمد للہ فرمایا۔

(۲)　فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جدّہ فاطمہؓ سے روایت کی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھ کر رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پڑھنا چاہیئے اور خروج مسجد کے وقت درود شریف کے بعد یہی دعا پڑھنی چاہیئے رَحْمَتِکَ کی جگہ فَضْلِکَ بدل لینا چاہیئے، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۳)　ایک حدیث جسے نسائی کے سوا باقی جملہ صحاح میں روایت کیا گیا ہے، یہ ہے کہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے ایک روز ابن عبدالواحد سے فرمایا، میں تجھ سے فاطمہؓ بنت الرسول ﷺ کی ایک بات کہوں، جو سارے کنبہ میں نبی ﷺ کو بہت پیاری تھیں، ابن عبدالواحد نے کہا، ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، فاطمہؓ نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے، پانی کے لیے مشک اٹھائی کہ گردن پر نشان پڑ گیا، گھر میں جھاڑو دی کہ سب کپڑے میلے ہو گئے، انہیں ایام میں نبی ﷺ کے پاس کچھ خادم آئے میں نے فاطمہؓ سے کہا: تم اپنے ابا کے پاس جاؤ اور ایک خادم مانگو، فاطمہ گئیں، مگر وہاں ہجوم تھا مل نہ سکیں اگلے روز نبی ﷺ خود آئے اور دریافت فرمایا کہ کیا ضرورت تھی؟ فاطمہؓ چپ ہو گئیں میں نے کہا، کہ میں حضور ﷺ کو بتاتا ہوں چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پر، میں نے دیکھا تھا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ خادم آئے ہیں اور میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ حضور ﷺ کے پاس جائیں اور خادم مانگیں کہ اس تکلیف سے رہائی ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اتقی اللّٰہ یا فاطمة وادّی فریضة ربّک واعملی عمل اھلک واذا اخذتِ مضجعک فسبحی ثلاثا وثلاثین واحمدی ثلاثا وثلاثین وکبّر اربعاً وثلاثین فذالک مائة ھی خیر لک من خادم''.

''اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو، فرائض الٰہی ادا کرو اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بناؤ اور جب بستر خواب میں لیٹو تب ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد اللہ ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو، یہ پورا سو ہو گیا، یہ عمل تیرے لیے خادم سے بہتر ہے''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

''رَضِیْتُ عَنِ اللّٰہِ وَعَنِ رَّسُوْلِہٖ ﷺ''.

''میں خدا سے اور رسولِ خدا ﷺ سے اسی حال پر خوش ہوں''۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو خادمہ عطا نہیں فرمائی۔

اس حدیث سے حضرت علی مرتضی ؓ کے کنبہ کی معیشت، سیّدہ فاطمہؓ کی زہد و ریاضت اور رضاء و تسلیم اور نبی ﷺ کی اپنے لیے اور اپنے اہل کے لیے دنیا و سامان دنیا سے علحدگی و برأت بخوبی آشکارا ہوتی ہے۔

(۴) ایک اور روایت ہے جسے ابن عدی و بیہقی نے حضرت انس ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: کہ اس وظیفہ کو میری وصیت سمجھ کر پڑھا کرو۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ.

اللہ تعالیٰ حضرت فاطمہؓ کی قبر پر نور کی بارش برسائے، (آمین)

مولانا محمد حسام الدین ثانی (جعفر پاشا) ☆

اسلام کی راہ میں ہجرت کرنے والی پہلی خاتون

سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لوط علیہ السلام کے بعد ہجرت کرنے والا پہلا جوڑا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اہمیت اور عزت کے حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں بنایا اور تمام انبیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بھی بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے محسن ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ نے دنیا سے اندھیروں کو دور کیا اور آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ذریعے ہی دنیا سے اندھیروں کو دور کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے اساتذہ کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا استاذ دور دور تک نظر نہیں آتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے ہی دنیا کی تاریخ میں نام پیدا کیا۔ میرے بچو اور بچیو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صاحبزادیوں نے آپ ہی کے زیر سایہ پرورش پائی تھی۔ تو ان کی علمیت اور تربیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق میں بتا چکا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا استاد روئے زمین پر کہیں نظر نہیں آتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم اول کہا جاتا ہے۔ میرے بچے اور بچیاں اس بات پر غور کریں کہ جو عظیم انسان اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو بہترین تربیت دیتا ہے اور اپنی پر اثر زبان سے انہیں اس طرح تعلیم دیتا ہے کہ ان کے اذہان روشن ہو جاتے ہیں تو وہ معلم اول اپنی صاحبزادیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تو اور زیادہ حساس ہوں گے، اسی لیے آپ کی صاحبزادیاں وقت کی بہترین معلمہ اور مبلغہ تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تربیت پر بڑی توجہ فرماتے تھے؛ حالاں کہ مکی زندگی میں پردے کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی پسند نہیں فرمایا کہ ان کی زوجہ محترمہ اور ان کی صاحبزادیاں باریک لباس زیب تن کریں ہمیشہ ان کا لباس بھرپور انداز میں ان کی ستر پوشی کرتا تھا۔ چھوٹی عمر سے ہی چاروں صاحبزادیاں ڈوپٹہ اوڑھتی تھیں۔ سر اور سینہ

☆ مہتمم دار العلوم حیدر آباد و نائب امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش و ناظم دار القضاء

ہمیشہ اس چادر نما ڈوپٹہ سے ڈھکا رہتا تھا۔ان کی آستینیں پوری ہوتیں، ٹخنے ہمیشہ ڈھکے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قابل فخر صاحبزادیاں خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اسی لیے صحابیات نے ان کی سیرت کو انتہائی شوق ولگن سے اپنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی پیروی کرکے ہی وہ دنیا کی مثالی خواتین کہلائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے ذریعے عرب میں ایک مثالی معاشرے کی تشکیل فرمائی تھی۔ اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں اوران کی اطاعت کو اپنے لیے لازمی قرار دیں تو آج بھی اسی اسلامی معاشرہ کو قائم کیا جاسکتا ہے۔اس اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی ہوگی لیکن ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم اپنی اسلامی اقدار کو اپنے ہاتھوں سے ہی مٹا رہے ہیں۔

ہماری بچیاں غیر شرعی لباس پہن رہی ہیں۔ان کو اس لباس کے پہنانے میں ہمارا ہی ہاتھ ہے۔ہم کہتے ہیں کہ ابھی بچیاں چھوٹی ہیں۔ذرا بڑی ہوں گی تو ہم ایسا لباس نہیں پہننے دیں گے ان کے لیے میں عرض کروں گا کہ بچپن میں جس لباس کی بچی عادی ہو جاتی ہے بڑے ہو کر وہ وہی لباس پہنتی ہے۔ پھر اس کے ناکافی اور باریک لباس کو دیکھ کر بعض والدین کڑھتے ہیں بچی کو جب سمجھاتے ہیں تو وہ منہ کو آتی ہے اس کے تمام انداز باغیانہ رنگ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ بے حیائی اور بے باکی کا مجسم اشتہار نظر آتی ہے۔اسے نہ اپنے پردے کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی بری نگاہیں اسے بری لگتی ہیں۔وہ غیر مسلموں کی تقلید میں اتنا آگے نکل جاتی ہے کہ اسے یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور مقام کیا ہے؟اور انہوں نے اپنی بچیوں کی اسلامی تربیت فرما کر ان کے لیے کیا نصیحت فرمائی ہے ان بچیوں کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے اسم مبارک بھی یاد نہیں جو اتنی بے خبر اور بے پرواہ ہوں وہ ان عظیم ومقدس صاحبزادیوں کی پیروی کس طرح کرسکتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی سیرت سے اپنے کردار کے خدوخال کو درست کرلیں۔ (آمین) تاکہ قیامت کے دن اللہ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔

ہمارے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صاحبزادیاں روشن میناروں کے مانند ہیں۔زیرنظر مضمون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ہے۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب تینتیس برس کی ہوئی تو سیدہ بی بی رقیہ پیدا ہوئی،سیدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے یہ تین برس چھوٹی تھیں۔انہیں بھی حضرت خدیجہؓ کی شفیق اور پاکیزہ آغوش میسر آئی تھی۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بڑے حسن وجمال سے نوازا تھا،تاریخ اسلام میں بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تحریر ہے کہ ''حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت عمدہ جمال کی حامل تھیں۔(تاریخ الخمس، ذخائر العقبیٰ) بچپن سے ہی آپ کی ذات میں انتہائی عمدہ اور پاکیزہ اوصاف پائے جاتے تھے۔آپ انتہائی سعادت مند اور سلیقہ شعار تھیں۔فہم وفراست،عقل ودانش اور اعلیٰ اخلاق آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔جیسے جیسے آپ بڑی ہوتی گئیں ویسے ویسے آپ کی یہ خوبیاں پختہ ہوتی گئیں اور دیگر خوبیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چالیس برس کی عمر میں نبوت کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا۔اس وقت سیدہ بی بی

رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات برس کی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان عظیم سے نوازا۔ وہ احسان یہ تھا کہ آپ نے خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا بڑے خوش نصیب تھیں کہ انہیں بھی اپنی والدہ صاحبہ اور بہنوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور انہوں نے امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت بھی کی۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صاحبزادیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ یہ بات ہمیں ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ گھرانہ عام گھرانہ نہیں تھا بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادۂ خاص تھا۔

آپ ختم الانبیاء ہیں آپ ہی محبوب رب
آپ کے گھر سے چلا ہے روشنی کا سلسلہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں صلہ رحمی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ آپ اپنے رشتے داروں کے ساتھ بڑی نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ ابولہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ام جمیل بہت غصہ ور خاتون تھی۔ اس کی درشت مزاجی اور بدزبانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب واقف تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ اسی لیے جب ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ کا رشتہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا حالانکہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس رشتے سے خوش نہیں تھیں لیکن حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں مداخلت نہیں کرتی تھیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی انہیں کسی صورت بھی گوارا نہیں تھی۔ سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہو گیا لیکن ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ دورِ مبارک تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تنہا اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ مورخین نے تحریر کیا ہے کہ سیدہ بی بی رقیہ کا یہ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عمل میں آیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے بعثت عطا فرمائی تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس وقت سات برس کی ہو کر آٹھویں برس میں داخل ہو چکی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد خفیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ پھر تین برس گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کھلم کھلا تبلیغ کرنے کا حکم ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف الفاظ میں کہہ دے اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو اللہ سے ڈرا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ ایک طویل مدت سے شرک اور بت پرستی میں

مبتلا ہیں۔توحید سے متعلق ان کے ذہن بالکل خالی ہیں لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقصدِ عظیم سونپا گیا تھا، اس لیے آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور وہاں موجود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے فرمایا:

''اگر میں تم لوگوں سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج ہے تو کیا تم لوگ یقین کرلو گے؟''

قریش آپ کی صداقت اور امانت کی وجہ سے آپ کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے، اس لیے انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا'' آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں یقیناً یہ بات سچ ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں توحید کی دعوت دی اور فرمایا ''یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔اب یقین کرلو کہ موت تمہارے سروں پر آ رہی ہے تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو بھی ایسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے دنیا پر تمہاری نظر ہے۔(رحمۃ للعالمین جلد اول)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں ابولہب نے نہایت حقارت سے کہا کیا تم نے اس بات کے لیے ہم سب کو یہاں جمع کیا تھا۔

یہ وہی چچا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں اپنی ایک باندی (حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا) کو آزاد کیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اسلام کی روشنی کے بجائے اس نے کفر کے اندھیروں کو اپنا مقدر بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کے جواب میں آپ کی مبارک ایڑیوں کو زخمی کر دیا۔اس واقعہ کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے اذیتیں دیں ام جمیل جو انتہائی بے رحم خاتون تھیں، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ ابولہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) دیوانہ کہتا تھا۔اور عکاظ کے بازار میں جا کر آپ کی تبلیغ کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ ابولہب اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچا کر اسے بہت خوشی کا احساس ہوتا تھا۔یہ شقی القلب وہاں سے ریت اٹھاتا اپنی ہتھیلی پر رکھتا اور پھر پھونک مار کر ریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی طرف اڑا دیتا۔آپ وہاں سے ہٹ جاتے اور اپنا راستہ بدل لیتے۔جب ابولہب اپنے ساتھیوں کے ساتھ عکاظ کے بازاروں سے چلا جاتا ہے تو صبر و استقامت کے پیکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر وہاں تشریف لے جاتے اور پھر لوگوں کو دعوت حق دیتے۔

ایک لمحے کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استقلال میں لغزش پیدا نہیں ہوتی تھی اور آج ہمارا یہ حال ہے کہ اگر دعوتِ حق کے جواب میں کوئی رشتہ دار یا جاننے والا ہمارے لیے غلط لفظ استعمال کرلے تو ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درس و تبلیغ کرنا بند کر دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقامت میں سے ہمیں بھی کچھ حصہ عطا فرما دے۔آمین۔ان دونوں میاں بیوی نے اسلام کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھ لیا اور اسی اسلام دشمنی کی بنا پر ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔اس کے ساتھ ہی عتبہ کو دھمکی دی کہ اگر تم نے طلاق نہیں دی تو میں تمہارا چہرہ کبھی نہیں دیکھوں گا۔عتبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر سیدہ بی بی کو طلاق دے دی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر وضبط کے ساتھ اس دکھ کو برداشت کیا۔آپ نے سمجھ لیا کہ اللہ کا حکم ہی اس طرح ہوگا۔میرے بچو اور

بچیو! ہر کام میں اللہ کی طرف سے مصلحت ہوتی ہے۔ اگر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو جاتی اور اس کے بعد ابولہب طلاق دلواتا تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور زیادہ سوہان روح ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اعظم کی انتہائی پاک دامن بیٹی جو شرم و حیات کا جیتا جاگتا پیکر تھیں، عتبہ کا رشتہ ان کی شایان شان نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس رشتے کے ختم ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیاری بیٹی کو اسلام کے دشمنوں سے محفوظ فرما دیا تھا۔ ورنہ اگر رخصتی ہو جاتی تو ابولہب اور ام جمیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیک اور پاکیزہ بیٹی کو نہ جانے کتنی اذیتیں دیتے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تکالیف پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو کتنا دکھ پہنچتا اور ہر لمحہ آپ کو کتنی اذیت پہنچتی۔ عتبہ سے رشتہ ختم ہونا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے بہتر تھا اسی لیے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا۔ آپ اس رشتے کے ختم ہو جانے کے بعد انتہائی مطمئن ہو گئیں۔ آپ کی بہنیں بھی آپ کی خوشی میں خوشی محسوس کر رہی تھیں۔ موجودہ دور کی ان مسلمان بچیوں کو جنہیں طلاق ہو جاتی ہے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرح صبر کرنا چاہیے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے اللہ تعالیٰ بہترین نعم البدل عطا فرماتا ہے جیسے بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کو عطا کیا ہے۔ دعا: (''اللھم اجرنی فی مصیبتی و خلف لی خیر امھا'') اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ انہیں بہترین رشتہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے بلند پایہ صحابی کا رشتہ عطا فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خبر ملی تھی تو آپ بڑے ملول و افسردہ ہو گئے تھے۔ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میرا نکاح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ سے ہو جاتا۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا تذکرہ اپنی خالہ حضرت سعدی رضی اللہ عنہا سے کیا تو آپ نے جواب میں انہیں اسلام کی دعوت دی۔ پھر حضرت عثمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھی اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے یہاں ان کی عیادت کے لیے گیا، وہاں رسول اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ آپؐ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''اے عثمان کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا مجھے آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ کا ہم لوگوں میں کیا مرتبہ تھا اور اب آپ پر کیا افتراء پردازی کی جا رہی ہے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لا الہ الا اللہ کہا اللہ گواہ ہے کہ یہ سن کر میں کانپ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وفی السماء رزقکم و ما توعدون فورب السماء والارض انه لحق (سورة الذريات)

(ترجمہ) ''اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم بے شک یہ اسی طرح حق ہے جس طرح کی تم بات کرتے ہو؟''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل دیا اور آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا (الاستیعاب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردوں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی کردی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آٹھویں خوش نصیب مرد تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ آپ اپنی وجاہت، سیاسی بصیرت اور مال و دولت کے اعتبار سے مکہ معظمہ میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ آپ اپنے پیشہ میں انتہائی مخلص اور دیانت دار تھے۔ لوگ آپ کی معاملہ فہمی دیانت اور اخلاق سے آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ خاندان قریش میں آپ کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ نے اسلام سے قبل کبھی شراب نہیں پی اور نہ ہی کبھی جوا کھیلا۔ آپ کا دامن تمام منکرات اور فواحش سے پاک تھا۔ آپ انتہائی نرم خو اور صلح جو تھے۔ آپ کا شمار مکہ معظمہ کے ممتاز تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا سگا چچا آپ کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر دھوئیں کے ذریعہ آپ کو اذیت دیتا تھا لیکن آپ کے پائے استقلال میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے چچا سے کہا: اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے اور جس نے اپنی رحمت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا آپ اگر میرا سر بھی کاٹ دیں تو میں پھر بھی اسلام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا اور اگر آپ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کریں تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے سے اسلام ہی کی صدا آئے گی۔ حضرت عثمان رضی الہ عنہ کا استقلال دیکھ کر آپ کے چچا نے اپنی روش کو تبدیل کردیا۔

موجودہ دور میں اسلام کی راہ میں کفار اور منافقین جو پہاڑ کھڑے کر رہے ہیں اور اسلام کے چاہنے والوں کو طرح طرح سے اذیتیں دے رہے ہیں۔ اگر ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں تو ہمارے کردار کی پختگی ایک دن دشمن کو بھاگنے پر مجبور کردے گی۔

سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بے مثال میاں بیوی تھے۔ دونوں میں بڑی محبت اور یگانگت تھی، دونوں ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ قریش کی عورتیں ان دونوں کی محبت اور حسن سلوک کی مثالیں دیا کرتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ''انسان نے جو حسین ترین جوڑا دیکھا ہے وہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

قریش مکہ نے جب یہ دیکھا کہ غرباء اور کمزوروں کے علاوہ مکہ کے معززین نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کردیا تو انہوں نے اپنی مخالفت اور تیز تر کردی۔ غلام اور باندیوں کو انہوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جبر وتشدد کو دیکھ کر ملول وافسردہ اور رنجیدہ خاطر ہوگئے اور قریش نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ دیگر مسلمانوں پر بھی مظالم کی انتہا کردی۔ اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا۔ حبشہ کا حاکم نجاشی

انصاف پسند اور رحم دل تھا اور قریش کی قدیم تجارت گاہ کی بنا پر وہاں کے حالات بھی معلوم تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نبوت کے پانچویں سال گیارہ مرد اور چار عورتوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان مہاجرین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ (ابن اثیر)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ اللہ کے راستے میں ہجرت کی وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحمزہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے چلے تو آپ کے ہمراہ آپ کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بھی تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کے حبشہ کی طرف چلے جانے کے بعد اداس ہوگئے۔ کیونکہ ان کی خیریت کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مکہ معظمہ سے باہر آکر حبشہ کی طرف سے آنے والوں سے وہاں کے احوال دریافت فرماتے۔ ایک قریشی عورت حبشہ سے آئی اور کہنے لگی: اے محمدؐ میں نے تمہارے داماد کو دیکھا اور ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا کیا حال تھا؟ اس نے کہا کہ اپنی بیوی کو ایک گدھے پر سوار کر رکھا تھا اور خود اس کو ہنکا کر لے جا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ ان دونوں کے ساتھ ہے، بے شک عثمانؓ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل کے ہمراہ ہجرت کرنے والوں میں پہلے شخص ہیں۔'' (حیات الصحابہ رضی اللہ عنہم جلد دوم)

اکثر مورخین تحریر کرتے ہیں کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ اس وقت تک حبشہ میں رہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پہلی خوش نصیب صاحبزادی تھیں، جنہیں دو مرتبہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ نبوت کے پانچویں سال مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر انہیں یہ خبر ملی کہ اب مکۂ معظمہ کے حالات بہتر ہوگئے ہیں تو وہ حبشہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکۂ معظمہ لوٹ آئیں لیکن حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ پھر جب گیارہویں سال نبوت سے بیعت عقبہ کی ابتداء ہوئی تو مسلمانوں کے لیے مدینہ کی فضا سازگار ہونے لگی تو آپؐ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا؛ کیوں کہ مکۂ معظمہ میں قریش نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ہجرت کے لیے جب مکہ سے پہلا قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو اس قافلے میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس صورت میں بھی آپ دونوں کو دو مرتبہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا لیکن بعض مورخین اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی ذریعے سے پتہ چلا کہ اب مکۂ مکرمہ کے حالات بہتر ہوگئے ہیں تو وہ سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن پھر راہ میں کسی نے بتایا کہ یہ اطلاع غلط ہے تو واپس حبشہ میں رہے۔ جب تک آپ کو مصدقہ طور پر یہ اطلاع نہیں ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ پہنچ چکے ہیں، سیدہ بی بی رسول ﷺ کی

ہجرت کی خبر سن کر بے چین ہوگئیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ (مورخین کی رائے مطابق آپ دونوں نے اپنی زندگی میں دو ہجرت کیں۔ اس بات پر تمام مورخین متفق ہیں) اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے پیارے بابا جان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوکر انتہائی خوشی کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیاری بیٹی سے مل کر بے حد خوشی حاصل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی کے سر پر دست شفقت پھیرا اور اپنے عزیز داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرط مسرت سے اپنے سینے سے لگالیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے بچوں سے ایسی خالص محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ اکثر و بیشتر اپنی پیاری بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اپنی بیٹی کے پاس بیٹھتے، ان کی خیریت دریافت فرماتے اور اپنی بیٹی کو اپنی گراں قدر باتوں سے فیض پہنچاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی جب خواتین میں بیٹھتیں تو یہ درس ان تک پہنچادیا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپکی ہر صاحبزادی بہترین عالمہ اور بلند پایہ مبلغہ تھیں۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے اس جذبے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بیٹی سے شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا ''اے میری بیٹی! ہمیشہ اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا اور حسن معاملہ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا۔ بے شک عثمان رضی اللہ عنہ میرے اصحاب میں سے اخلاقیات میں مجھ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

آپ نے پڑھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح بیٹی کو تعلیم دی اور کیا خوبصورت انداز میں آپ کی تربیت فرمائی۔ اور دعا دے کر کس طرح حضرت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سکون قلب کی دولت سے نوازا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً اپنی صاحبزادیوں کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور انتہائی شفقت اور محبت سے صاحبزادیوں کی تربیت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی بچیوں کی اسی انداز میں تربیت کریں اور ان کی دینی تعلیم کا خصوصی طور پر خیال رکھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ام عیاش رضی اللہ عنہا ایک خادمہ تھیں ان کی دن رات یہ کوشش ہوتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی رہیں اور گھر کے بھی تمام کام انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیتی تھیں۔ یہ صحابیہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو بھی کراتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خدمت سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی عزیز پیاری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو ہدیتاً ام عیاش رضی اللہ عنہا عطا فرمادیں۔ یہ وفادار خادمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی کی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی عنایت سے حضرت رقیہ رضی اللہ

عنہا کو گھر کے کام کاج میں بڑی آسانی ہوگئی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت کے بعد اس محبت میں کئی گناہ اضافہ ہوگیا تھا۔ آپ نے حضرت رقیہؓ کے ساتھ مل کر کھجور اور گھی سے ایک میٹھا طعام تیار کیا اور پھر یہ عمدہ طعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کردیا۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد یہ کھانا آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ کے پوچھنے پر حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ کھانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ آپؐ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی ''اے اللہ عثمان تجھے راضی کرنا چاہتے ہیں، تو بھی ان سے راضی ہو جا۔'' یہ دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر فرمائی۔

غزوہ بدر ۱۷/رمضان المبارک ۲/ہجری میں پیش آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 313 مجاہدین نے حق و باطل کے ساتھ پہلے معرکہ میں شرکت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس غزوہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ اس وقت سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں۔ بعض مورخین تحریر کرتے ہیں کہ سیدہ بی بی رقیہ کو خسرہ کی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔ حضرت عثمان سیدہ بی بی سے بہت محبت کرتے تھے، اسی لیے آپ ایک محبت کرنے والے شوہر کی طرح دن رات ان کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر تشریف لے جانے سے قبل حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ بیٹی کی حالت دیکھی تو ان کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہوگئے لیکن فرض سامنے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ میں ضرور شرکت کرنی تھی کیونکہ قریش مکہ سے مسلمانوں کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لیے تمہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں جارہا ہوں کہ رقیہ بیمار ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو شدید بیمار تھیں دوسری طرف جہاد کا معرکہ تھا۔ آپ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس غزوہ میں ضرور شریک ہوں لیکن سیدہ رقیہ بی بی رضی اللہ عنہا صرف ان کی بیوی ہی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بھی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا عثمان! رقیہ کی تیمارداری کون کرے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کی برکت اور اس کے فضل سے محروم رہ جاؤں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں رقیہ کی تیمارداری کرنے کی وجہ سے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر ہی اجر و ثواب ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی صورت ٹال نہیں سکتے تھے اس لیے آپ ٹھہر گئے اور جی جان سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کی اور ساتھ میں علاج معالجہ بھی کروایا لیکن آپ کی بیماری بڑھتی ہی گئی کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ مورخین اور علمائے کرام تحریر کرتے ہیں کہ ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کے ذریعہ مدینہ منورہ میں رکنے کا حکم دیا تھا اور بدر کی شمولیت سے روکا تھا۔ اس واقعہ اور حکم نبویؐ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لیے رکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر حصہ عنایت فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) غزوۂ بدر کے اجر وثواب میں بھی برابر کے شریک ہیں۔

میرے بچو! اس بات سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری اور خدمت کا درجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جہاد کے برابر ملا۔ اس طرح تاریخ اسلام میں سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہ کو بڑی عظمت حاصل ہوئی۔

۱۷/رمضان المبارک ۲/ ہجری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ آپ کی عین عالم جوانی میں وفات واقع ہوئی آپ کی عمر صرف تئیس ۲۳ سال کی تھی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے دنیا کے عظیم ترین انسان سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی اس لیے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے وقت آپ کا جن مصائب سے واسطہ پڑا وہ آپ نے نہایت صبر واستقلال سے برداشت کیے۔ اپنی موت سے قبل آپ نے کافی دنوں تک بیماری کی تکلیف برداشت کی لیکن آپ کی زبان سے اف بھی نہیں نکلا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے عزیز وصابر رفیقۂ حیات کی وفات بہت بڑا صدمہ تھا۔ رنج وغم کی شدید کیفیات آپ پر طاری تھیں لیکن آپ نے انتہائی صبر وتحمل سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا۔ مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو تسلی وتشفی دی اور آپ کے ساتھ سیدہ بی بی کی تدفین میں شامل ہوئے۔ بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ جب غزوہ بدر کی فتح کی خوشخبری لیے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کا کام مکمل کر چکے تھے اور اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ فتح کا پرچم صحابہ کے ہاتھ میں لہرا رہا تھا۔ آپ کو مدینہ میں داخل ہونے کے بعد اپنی عزیز از جان بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت کی خبر ملی۔ بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ آپ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر اسیروں کے سلسلے میں فیصلہ فرمارہے تھے تو آپ کو اپنی پیاری بیٹی سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر ملی تھی۔ اس عظیم صدمہ کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور اپنے گھر تشریف لے جانے کے بجائے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر پہنچے۔ پیاری بیٹی کی قبر پر ہاتھ پھیرا اور پھر زبان مبارک سے فرمایا: اے بابا کی جان تو بھی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ جہاں حضرت عثمان بن مظعون گئے ہیں۔ (حضرت عثمان بن مظعون ایک بلند پایہ صحابیٔ رسول تھے۔ ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد یہ پہلے صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی وفات واقع ہوئی اور یہ پہلے مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ تھے جنہیں جنت البقیع میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی آنکھوں سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا اپنے سلفِ صالحین میں ذکر فرمایا) آپؐ کی زبان مبارک سے جب یہ جملہ ادا ہوا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اس موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی غم والم کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سیدہ

رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت پر پورے مدینہ پر سوگواری طاری ہوگئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں تیز آواز میں گریہ وزاری کررہی ہیں، آپ نے فرمایا: اگر رنج وغم کا اظہار دل اور آنسوؤں سے ہو تو کوئی حرج نہیں، زبان سے نوحہ کرنا، گالوں کو پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، گریبان چاک کرنا اور بالوں کو کھینچنا زمانۂ جاہلیت کی رسوم اور شیطانی فعل ہیں۔ (بعض مورخین نے تحریر کیا کہ غزوۂ احد کے بعد یہ حکم اترا تھا کہ اب مردوں پر ماتم کرنا جائز ہے) تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ نے اپنی پیاری صاحبزادی کی وفات پر آنسو تو بہائے لیکن صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عزیز بیٹی کی تدفین میں شریک نہیں ہو سکے تھے کیونکہ اس وقت آپؐ میدان جنگ میں تھے، ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عمل روشن مثال ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کی بڑی بہن تھیں۔ سیدہ بی بی فاطمہ ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہن کی قبر پر حاضر ہوئیں (اس وقت تک خواتین کا قبرستان میں جانا ممنوع نہیں تھا) تو پیاری بہن کی قبر سے لپٹ کر زار وقطار رونے لگیں۔ پیارے بابا جان نے اپنی ردائے مبارک سے ان کے آنسو پونچھے اور انہیں صبر کی تلقین فرمائی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے ہمیں ہر قدم پر آپ کا اتباع کرنا چاہیے۔

سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں تھیں تو آپ کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی تھی، ان کا نام عبداللہ رکھا گیا تھا۔ سیدہ بی بی کے یہ صاحبزادے انتہائی حسین وجمیل اور صحت مند تھے۔ یہ اتنے پرکشش تھے کہ راہ چلتے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر رک جاتے پھر انہیں پیار ضرور کرتے۔ چھ برس کی عمر میں حضرت عبداللہ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ پر چونچ ماردی۔ اس وقت حضرت عبداللہ کھیل رہے تھے۔ ان کی آنکھ میں زخم ہوگیا اور اس زخم کی وجہ سے چہرے پر ورم آگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس چہیتے نواسہ کی صرف چھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل غم سے بھر گیا۔ آپؐ نے نواسہ کو گود میں اٹھایا۔ شدت غم سے آپ کی چشم مبارک سے آنسو بہنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں کو رحمت وشفقت سے نوازتا ہے، آپؐ نے نواسہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں اترے اور پھر حضرت عبداللہ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپؐ کو پہلے عزیز بیٹی کی موت کا صدمہ پہنچا پھر نواسے کی وفات ہوئی۔ یہ دو عظیم صدمے آپؐ کو یکے بعد دیگرے برداشت کرنے پڑے۔ اگر ہمارے ساتھ پے درپے اس طرح کے حادثات ہوجائیں تو ہم اپنے حواس کھو بیٹھیں لیکن نبیؐ ہمیشہ اور ہر موقع پر اللہ کی رضا پر راضی رہتے تھے۔ آپؐ نے ان عظیم صدمات کو برداشت کیا۔ صبر وتوکل ایثار ووفا آپؐ کی خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔


متفرقات

مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب ☆

صحابۂ کرام ﷡ اور علماء دیوبند کا موقف

یوں تو علوم وفنون، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت اور وہ تمام چیزیں جن کی انسانی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے ان کی تحصیل وتکمیل فرائض میں داخل ہے، لیکن ان تمام فرائض میں نفوس انسانی کی تہذیب وتکمیل سب سے اہم اور ضروری فرض ہے، اسی لئے دنیا میں انسان اول حضرت آدم علیہ السلام ہی اس ذمہ داری سے گراں بار ہو کر تشریف لائے، پھر یہ سلسلہ ترقی کرتا ہوا خلاصۂ کائنات نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک پہنچ کر ابدالآباد تک کے لئے مکمل ہو گیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ..

اب اگر یہ پوچھا جائے کہ اس تہذیب وتمدن اور اخلاقِ فاضلہ کے آخری علم بردار نے نفوس انسانی کی تہذیب میں کون سا کمال کر دکھایا؟ تو جواباً صحابہ کرام کی ان مقدس شخصیات کو پیش کر دیا جائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واعمال کے مظہر اتم، آپ کی تعلیم وتربیت کی واضح مثال، آپ کے ارشاد وہدایت کے مخاطب اول اور آپ کے فیض صحبت سے شب وروز بہرہ اندوز تھے، یہ مقدس جماعت، رسولِ خدا اور خلق خدا کے درمیان خدا تعالیٰ کا ہی عطا کیا ہوا وہ واسطہ ہے جس کے بغیر نہ اللہ کا نازل کردہ قرآن ہاتھ آسکتا ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ بیان قرآن- لتبين للناس ما نزل اليهم.

یہ مقدس جماعت دین مستقیم کی امین ومحافظ، سنت نبوی کی پاسبان اور اسوۂ رسالت کی مجسم نمونہ تھی اور اس کی سیرت، سیرت النبی کا پرتو ہے، اس قدسی صفات جماعت نے تعلیمات نبوی کو اپنے زن وفرزند اور اپنی جان ومال سے زیادہ عزیز رکھتے ہوئے اپنا سب کچھ قربان کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں من وعن وبلاکم وکاست پہنچایا ہے، اس مقدس جماعت کی تنقیص وتنقید نہ صرف یہ کہ ان کی شان میں گستاخی ہے بلکہ اصولِ دین سے اعتماد ختم کرنے اور قرآن وسنت کو-نعوذ باللہ- نا قابل اعتبار قرار دینے کے مترادف ہے، جب صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کی ذات پر اعتماد نہیں ہوگا تو پھر ان کے واسطے سے پہنچنے والا قرآن کریم اور ان سے مروی احادیث رسول کا ذخیرہ کیونکر معتبر ٹھہرے گا؟ اَللّٰهم احفظنا منه۔

صحابہ کرام اور علماء دیوبند

جماعت علماء دیوبند نہ کوئی نیا فرقہ ہے اور نہ ہی وقت وحالات کی پیدا کردہ نئے عقائد وخیالات کی حامل کوئی جماعت،

☆ کارگزار مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

بلکہ یہ اہل سنت والجماعت ہی ہیں جن کا مرکز تعلیم ''دیوبند'' ہے، بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند:

''ان کا واحد نصب العین کتاب وسنت کی روشنی میں امت کو اسی مزاج پر برقرار رکھنا ہے جو مزاج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیضانِ صحبت وارشاد سے حضرات صحابہ کرام میں اور صحابہ نے تابعین میں اور انہوں نے اپنے مابعد کے طبقات میں سلسلہ بہ سلسلہ، زمان بہ زمان، مکان بہ مکان پیدا فرمایا تھا''۔

اس لئے صحابہ کرامؓ کی شخصیات کے بارے میں علماء دیوبند کا موقف ہی کیا، ان کے کسی بھی عقیدے اور نظریے کو جاننے کے لئے اہل سنت والجماعت کی کوئی بھی مستند ومعتبر اور جامع کتاب دیکھ لی جائے اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد، حنفی فقہ واصول فقہ، احسان وتصوف اور تزکیۂ اخلاق کے حوالے سے جو کچھ درج ہوگا وہی علماء دیوبند کے عقائد ومسائل ہوں گے اور احسان وتصوف ہوگا، انبیاء کرام، حضرات صحابہ وتابعین اور امت کے جن جن اولیاء عظام کی علمی قدر ومنزلت پر جمہور امت کا اتفاق ہے وہی شخصیات علماء دیوبند کے لئے مثال اور نمونہ ہیں۔

اس لئے ان سطور میں صحابہ کرام - رضی اللہ عنہ - کے حوالے سے جو کچھ عرض کیا جارہا ہے اس کی حیثیت ''قند مکرر'' کی ہے اور یہ مشک ہے جو مکرر رگڑا جارہا ہے تاکہ امت اس خوشبو سے معطر ہو اور نجوم ہدایت پر اہل زیغ وضلالت کے اٹھائے ہوئے غبار کو چھانٹا جارہا ہے تاکہ گم گشتگان راہ اپنی منزل مقصود کا پتہ لگا سکیں، اصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم اہتدیتم۔

صحابۂ کرام، تاریخی روایات اور علماء دیوبند:

احوالِ زمانہ سے عبرت حاصل کرنا، انقلابات جہاں سے دنیا کی بے ثباتی کا سبق لے کر فکر آخرت کو مقدم رکھنا، اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا استحضار، انبیاء وصلحاء امت کے احوال سے قلوب کو منور کرنا اور کفار وفجار کے انجام بد سے نصیحت حاصل کرنا وغیرہ فن تاریخ - جو واقعات نگاری اور احوال ماضیہ کو بیان کرنے کا نام ہے - کے فوائد ہیں اس لئے اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے اس کی اہمیت کے لئے تو یہی کافی ہے کہ قصص وتاریخ، قرآن کریم کے پانچ علوم میں سے ایک ہے اور اس کا وہ حصہ جس پر حدیث نبوی کے صحت وسقم کو پہچاننے کا مدار ہے، جس کو محدثین نے ''اسماء الرجال'' کے نام سے الگ مکمل تنقیح واحتیاط کے ساتھ جمع کیا ہے، فن حدیث کے جزء کی حیثیت رکھتا ہے، اس اہمیت کے باوجود تاریخ کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس سے عقائد کے باب میں استدلال کیا جائے، یا حلال وحرام کی تعیین میں حجت قرار دیا جائے، یا قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مسائل میں تاریخی روایات کی بناء پر شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں اس لئے صحابہ کرام اور تاریخی روایات کے باب میں علماء دیوبند کا موقف جمہور امت کے مطابق یہ ہے کہ:

(۱) چوں کہ صحابہ کرامؓ عام افراد امت کی طرح نہیں ہیں بلکہ یہ حضرات، رسول خدا اور خلق خدا کے درمیان خدا تعالیٰ کا ہی عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہیں، یہ از روئے قرآن وحدیث ایک خاص مقام رکھتے ہیں اس لئے ان کے مقام کی تعیین تاریخ

سے نہیں، قرآن وسنت سے کی جائے گی۔

(۲) چوں کہ قرآنِ کریم کی دسیوں آیات میں صحابہ کرام کے حالات مصرح مذکور ہیں اس لئے تاریخی روایات ان کے معارض قطعاً نہیں ہوسکتیں۔

(۳) یہ ان احادیث صحیحہ ثابتہ کے بھی معارض نہیں ہوسکتیں جن کے جمع وتدوین میں وہ احتیاط برتی گئی ہے جو احتیاط تاریخ میں نہیں کی گئی، اصول حدیث کے معروف امام ابن صلاح لکھتے ہیں:

"وغالب علی الاخباریین الاکثار والتخلیط فی ما یروونه" (علوم الحدیث، ص: ۲۶۳)

''مؤرخین میں یہ بات غالب ہے کہ روایاتِ کثیرہ جمع کرتے ہیں جن میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات خلط ملط ہوتی ہیں''۔

(۴) پھر یہ مسئلہ عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور جمہور امت نے کتب عقائد میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق مفصل یا مجمل اس کا ذکر کیا ہے اس لئے اس کا مدار قرآن وسنت پر ہی رکھا جاسکتا ہے نہ کہ تاریخ کی خلط ملط روایات پر۔

عدالت صحابہ اور علماء دیو بند: عدالت اور عدل کے معنی کی فقہاء ومحدثین نے مختلف تعبیریں کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ عادل وہ شخص ہے جو مسلمان عاقل بالغ ہو، کبائر سے مجتنب ہو، صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو، نیز صغائر کا عادی بھی نہ ہو، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شرح النخبہ میں فرماتے ہیں:

"والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى والمروة والمراد بالتقوى اجتناب الأعمال السيئة من شرک، أو فسق، أو بدعة" (شرح النخبه، ص: ۲۴-۲۵ طبع دیوبند)

عدل سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر برانگیختہ کرے اور تقویٰ سے مراد شرک، فسق اور بدعت جیسے اعمال بد سے اجتناب ہے۔

عدالت صحابہ کے حوالے سے جمہور اہل سنت والجماعت کے شانہ بہ شانہ علماء دیو بند کا موقف یہی ہے کہ:

"الصحابة کلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم"

صحابہ سب کے سب عادل ہیں جو اختلافات کے فتنے میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔

علماء دیو بند صحابہ کرام کی عظمت وجلالت میں کسی تفریق کے بھی قائل نہیں کہ کسی کو لائق محبت سمجھیں اور کسی کو- معاذ اللہ- لائق عداوت، کسی کی مدح میں رطب اللسان رہیں اور کسی کے حق میں تبرائی بن جائیں، ان کے نزدیک تمام صحابہ شرف صحبت میں یکساں ہیں، البتہ باہم فرقِ مراتب ہے اور یہی جمہور کا قول معتبر ہے۔

والقول بالتعميم هو الذى صرح به الجمهور وهو المعتبر . (تدريب الراوى، ص: ۴۰۰)

پھر علماء دیوبند ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تو بہت دور کی بات رہی کسی ادنیٰ سی ایسی بات کو بھی روا نہیں رکھتے جو ان کے منصب وعظمت کے شایانِ شان نہ ہو اس لئے اگر کوئی صحابہ کے سلسلے میں یوں ہرزہ سرائی کرتا ہے کہ:

''کچھ صحابہ فاسق ہیں جیسا کہ ولید (بن عقبہ) اور اسی کے مثل کہا جائے گا معاویہ، عمرو، مغیرہ اور شعبہ کے حق میں''۔ (کہ معاذ اللہ وہ بھی فاسق ہیں) (نزل الابرار: ۲/۹۴)

یا کوئی اپنے قلب کا ضلال یوں ظاہر کرتا ہے کہ:

''عائشہ حضرت علیؓ سے لڑ کر مرتد ہوئی اگر بے توبہ مری تو کافر مری (العیاذ باللہ) اور صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو سب کی حدیثیں یاد ہیں، صحابہ سے ہمارا علم بڑا ہے صحابہ کو علم کم تھا''۔ (کشف الحجاب، ص: ۲۱)

یا کوئی یوں زبان تنقیص دراز کرتا ہے کہ:

''ان میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے تھے اور فی الواقع تھے جن کے اندر تزکیۂ نفس کی اس بہترین تربیت کے باوجود کسی نہ کسی پہلو میں کوئی کمزوری باقی رہ گئی تھی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ صحابہ کرام کے ادب کا کوئی لازمی تقاضہ بھی نہیں ہے کہ اس کا انکار کیا جائے''۔ (خلافت وملوکیت، ص: ۲۸۳)

یا کسی کی ہفوات کا ظہور یوں ہوتا ہے کہ:

''عثمان، معاویہ اور یزید، سب ایک ہی درجے کے ظالم ومجرم تھے بقیہ صحابہ یا تو شیخین کے گروپ کے تھے اور اقتدار تک پہنچنے کے ان کے مقصد کی تکمیل میں شریک بن گئے تھے یا وہ شیخین اور ان کے حامیوں سے خائف تھے، شیخین کے خلاف کوئی بات زبان پر لانے کی کسی میں ہمت نہ تھی''۔ (مزید دیکھئے، خمینی، کشف الاسرار، ص: ۱۱۲-۱۲۰)

تو اس قسم کی تمام تر ہرزہ سرائیوں سے علماء دیوبند بلکہ تمام اہل سنت والجماعت نہ صرف یہ کہ اظہار برأت اور ان کی مذمت کرتے بلکہ اس طرح کے خیالات رکھنے والوں کے اسلام کو مشکوک مانتے اور اس ہرزہ سرائی کو زندقہ گردانتے ہیں اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"إذا رأيتم الذين يسبون أصحابى فقولوا لعنة الله على شركم" (جمع الفوائد: ۲/۴۹۱)

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہہ دو کہ خدا کی لعنت ہو اس پر جو تم میں بدتر ہے۔

کی روشنی میں ایسے لوگوں کو مستحق لعنت شمار کرتے ہیں، امام مسلمؒ کے استاذ امام ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن وسنت ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ کرامؓ ہیں، یہ تنقیص کرنے والے، ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ کتاب وسنت کو باطل کریں؛ لہٰذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، یہ زندیق ہیں''۔ (الکفایہ، خطیب بغدادی، ص:۴۹ حیدرآباد، دکن)

الغرض علماء دیوبند اور تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک عدالت صحابہ کے مسئلہ پر امت کا اجماع ہے اس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً کوئی راہ نہیں، پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ لفظ ''سب'' عربی زبان کے اعتبار سے صرف فحش کلامی اور گالی گلوچ کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر ایسا کلام جس سے کسی کی تنقیص وتوہین یا دل آزاری ہوتی ہے وہ لفظ ''سب'' میں داخل ہے۔

صحابہ کرام معصوم نہیں!

عدالت صحابہ کے مسئلے میں مذکورہ بالا وسعت اور عموم کے باوجود ہم ان کو معصوم نہیں کہتے، البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے جس میں بشاشت ایمان، جوہر نفس بن جاتی ہے اور تقویٰ باطن ہمہ وقت مذکر رہتا ہے اس میں امکان معصیت رہتا ہے اور معصیت کا صدور ہوا بھی ہے لیکن اس میں تقاضائے بشری اور بیرونی عوارض کارفرما رہے، دواعی قلب کا دخل نہ رہا تھا اور اس صدور معصیت سے ان کی باطنی بزرگی اور باطنی تقویٰ کو۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ متہم نہیں کیا جاسکتا۔ والزمہم کلمۃ التقویٰ۔

ایک شبہ کا ازالہ:

البتہ یہاں ایک خلجان دل میں پیدا ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ جب صحابہ کرام چھوٹے بڑے سب کے سب صرف روایت حدیث ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں عادل ہیں اور عدالت کے مفہوم میں کبائر شرک وفسق اور بدعت وغیرہ سے اجتناب شامل ہے اور صحابہ معصوم بھی نہیں، ان سے صدور معصیت ہوا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود بھی جاری فرمائی ہیں، تو پھر ان صحابہ کرام پر عدالت کا مفہوم کیوں کر صادق آسکتا ہے؟

اس سلسلے میں علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ بعض صحابہ سے معصیت کا صدور ہوا لیکن معصیت، عدالت کے لئے نقصان دہ اس وقت ہے جب کہ اس سے توبہ نہ کی گئی ہو یا اللہ تعالیٰ نے از خود معاف نہ کر دیا ہو اور

امت کے عام افراد کے حق میں یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان کے گناہ کی معافی ہوئی یا نہیں، اس لئے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں اور توبہ پر ثابت قدمی ظاہر نہ ہو جائے ان کو ساقط العدالت ہی مانا جائے گا، مگر صحابہ کرام کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ:

(۱) صحابہ کرام کے قلوب میں جو خوف وخشیت اور معاصی سے تنفر راسخ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ گمان رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کرلی ہوگی اور بعض کا توبہ کرنا قطعی دلائل سے معلوم بھی ہے ان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف زبانی توبہ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوئی اپنے آپ کو رجم جیسی سخت ترین سزا کے لئے پیش کردیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے اور جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا اس کو صبر نہیں آتا۔

(۲) ہمارا خیال ہے کہ ان کے حسنات، دین متین کے تئیں ان کی قربانیاں اور ان کی رسول اللہ سے محبت ونفرت اتنی عظیم اور بھاری ہے کہ عمر بھر کا ایک آدھ گناہ وعدۂ الٰہی کے مطابق معاف ہو ہی گیا ہوگا۔ ان الحسنات یذہبن السیئات

(۳) یہ ہمارا محض خیال نہیں ہے یہ قرآن کریم کی ایک سے زائد آیات سے مؤید اور تصدیق شدہ ہے؛ کہیں صحابہ کرام کی کسی خاص جماعت کے لئے خاص اور کہیں سابقین وآخرین تمام صحابہ کرام کے لئے عام اعلان ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے، بیعت حدیبیہ میں شریک تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے بارے میں قرآنِ کریم کا یہ واضح اعلان ہے:

''لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرۃ''

اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے۔

سابقین وآخرین تمام صحابہ کرام کے بارے میں عام اعلان کیا گیا:

السابقون الاولون من المهاجرین والأنصار والذین اتبعوهم باحسان، رضی الله عنهم وروضوا عنه.

مہاجرین اور انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

سورۃ ''الحدید'' میں ارشادِ باری ہے:

''وکلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ'' اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے حسنیٰ کا وعدہ کرلیا ہے پھر سورۃ ''انبیاء'' میں حسنیٰ کے متعلق یہ ارشاد ہے:

''اِنَّ الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئک عنها مبعدون''

جن کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ مقدر کردی گئی وہ جہنم سے دور کئے جائیں گے۔

جب ان آیاتِ قرآنیہ سے صحابہ کرام کی لغزشوں کی معافی واضح طور پر معلوم ہوگئی تو ان کو کسی وقت بھی کسی معاملے میں ساقط العدالت یا فاسق نہیں کہا جاسکتا۔

صحابہ کرام کے غیر معصوم ہونے اور ان کے عادل ہونے میں جو ایک ظاہری شبہ ہوا کرتا ہے اس کا جواب جمہور امت کے

نزدیک یہی ہے جو بالکل واضح اور صاف ہے۔

مشاجرات صحابہ اور علماء دیو بند

صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات رونما ہوئے اور خون ریز جنگوں تک کی نوبت آ گئی ان اختلافات کو علماء امت صحابہ کرام کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے "مشاجرات" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، جنگ وجدال کی تعبیر سے گریز کرتے ہیں کہ اس میں یک گونہ ان کے تئیں سوء ادب ہے "مشاجرة" کے معنی از روئے لغت ایک درخت کی شاخوں کا دوسرے میں داخل ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ درختوں کے لئے باعث زینت ہے نہ کہ عیب، اس طرح علماء امت اس اختلاف کی تعبیر سے ہی یہ اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے وہ اختلافات جو اپنی انتہاء کو پہنچ گئے تھے اور جس میں وہ باہم برسر پیکار بھی ہو گئے وہ اختلافات بھی کوئی نقص وعیب نہیں بلکہ زینت وکمال ہیں۔

مشاجرات صحابہ میں باعث تشویش یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق، جب تمام صحابہ کرام واجب الاحترام اور لائق تعظیم ہیں اور کسی ایک کے حق میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ سوء ادب کی گنجائش نہیں تو پھر اختلاف کے موقع پر یہ احترام کیسے قائم رہ سکتا ہے کیوں کہ ان اختلافات میں ایک فریق کا حق پر اور دوسرے فریق کا خطا پر ہونا بدیہی ہے بلکہ ایمان وعقیدے کے لئے اہل حق اور ارباب خطا کی تعیین ضروری بھی ہے تو جو خطا پر ہیں ان کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کے اس شبہ کے سلسلے میں علماء امت اور علماء دیو بند کا دوٹوک موقف یہ ہے کہ باجماع امت تمام صحابہ کرام واجب التعظیم ہیں، اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل وجنگ صفین میں حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- حق پر تھے اور ان سے مقابلہ کرنے والے حضرت معاویہؓ وغیرہ خطا پر، لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی جو شرعاً گناہ نہیں کہ جس پر وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب کے مستحق قرار پائیں بلکہ معاملہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اصولِ اجتہاد کی رعایت کرتے ہوئے اپنی وسعت بھر تمام تر کوشش کی پھر بھی خطا ہو گئی تو وہ ایک اجر کے حق دار ہوں گے، اس طرح خطا وصواب بھی واضح ہو گیا اور صحابہ کرام کے مقام ومرتبے پر کوئی آنچ بھی نہیں آئی، ہمارے خیال میں مشاجرات صحابہ کے حوالے سے "امام قرطبی" نے اپنی تفسیر میں سورۃ الحجرات کی آیت "وإن طائفتان من المومنين اقتتلوا" کے ذیل میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کی بہترین تحقیق فرمائی ہے، اس کا مطالعہ کر لینا ہی چاہئے، یہ سطور اس تفصیل کی متحمل نہیں۔

تاہم مفسر موصوف کے ایک استدلال کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہوگا جو -انشاء اللہ- بیمار دلوں کے لئے سامان شفاء ہوگا۔

مفسر موصوفؒ نے اس نظریے کو مدلل کرتے ہوئے کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی گناہ اور فسق وفجور کا مرتکب نہیں تھا، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عمارؓ سے متعلق ارشادات نبوی بیان فرمائے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا ہے: کہ "طلحہ روئے زمین چلنے والے شہید ہیں" اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں خود حضرت علیؓ سے یہ حدیث مروی ہے: "زبیر کا قاتل جہنم میں ہے" حضرت علیؓ یہ بھی فرماتے ہیں

کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو'' اور یہ دونوں حضرات ان عشرۂ مبشرہ میں ہیں جن کے نام لے کر جنتی ہونے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا تھا، حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے۔

دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر -رضی اللہ عنہ- ہیں، حضرت علیؓ کے طرف دار ہیں، آپ کے مخالفین سے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ان کی شہادت کی بھی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

جب حال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے طرف دار بھی شہید اور مخالفین بھی شہید، تو پھر کیسے کسی فریق کو گناہ گار یا فاسق کہا جاسکتا ہے، ہرگز نہیں! بلکہ ان تمام حضرات کے پیش نظر رضاء الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا، دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہ تھا بلکہ اجتہاد ورائے کی بناء پر تھا جس پر کسی بھی فریق کو مجروح ومطعون نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جو صحابہ کنارہ کش رہے وہ بھی اجتہاد کی بناء پر، اس لئے وہ بھی نقص وعیب سے مبرا اور واجب التعظیم ہیں۔

پھر علماء دیوبند کے نزدیک سب سے اہم سکوت اور کف لسان ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول ان کے لئے اسوہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

> ''یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، جس معاملے پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں''۔ (قرطبی سورۂ حجرات)

خلاصۂ کلام

الغرض! صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- کتاب وسنت کی روشنی میں اس امت کے افضل ترین اور مقدس ترین افراد ہیں، ان کے قلوب صاف اور وہ عند اللہ راضی ومرضی ہیں، وہ سب کے سب عادل، متقن اور پاک باطن ہیں، امت کا کوئی بڑے سے بڑا ولی ان میں سے ادنیٰ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، وہ حق وباطل کی کسوٹی ہیں اور تنقید سے بالاتر، ان کی محبت، اللہ اور رسول اللہ کی محبت ہے اور ان سے بغض اللہ اور اللہ کے رسول سے بغض، ان کی عیب جوئی اور ان کے مشاجرات کو اُچھالنا زیغ باطن کی علامت اور زندقہ ہے، ان کے اختلافات حق وباطل کے نہیں، اجتہادی خطا وصواب کے ہیں اس لئے ان پر معصیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

ان سطور کو سرخیل جماعت دیوبند شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن -قدس سرہ- کے تلمیذ رشید، استاذ محترم حضرت مولانا فخر الدین -علیہ الرحمۃ- سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے ایک قول پر ختم کیا جاتا ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے:

> ''صحابہ کرام فارق بین الحق والباطل ہیں، چناں چہ قرونِ اولیٰ میں روافض وخوارج کے ضلال کی ایک وجہ یہی تنقیص صحابہ تھی، اور دورِ حاضر میں ''غیر مقلدین'' و''مودودیین'' کے ضلال کا بھی ایک سبب یہی ہے''۔

مولانا عبدالعلیم فاروقی ☆

حضرات شیخین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو رسول رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کی تعلیم وتربیت میں وہ قوتِ تاثیر رکھی کہ مدتوں کے جانی دشمن آپ ﷺ کے حلقۂ محبت میں آتے ہی وحدتِ اسلامی اور اخوتِ ایمانی کی لڑی میں گندھتے چلے گئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ''

کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی آپس میں بڑے رحم دل ہیں''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی باہمی محبت اور الفت کو نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور اپنی قدرت کی خاص نشانی قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

''وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا''

''اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تم باہم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پھر تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے''

یہی مضمون ایک دوسری آیت میں اس طرح ہے:

''هُوَ الَّذِيْ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ''

''وہی اللہ ہے جس نے اے نبی! آپ کو اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی، اگر آپ روئے زمین کی تمام دولت خرچ کر دیتے تو بھی ان کے

☆ مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ، وناظم عمومی جمیعۃ العلماء ہند

دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے؛ لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی، بیشک وہ غالب حکمت والا ہے''

خداوند کریم نے اس آیت میں خبر دی کہ صحابۂ کرام ﷺ میں قبل اسلام باہم سخت عداوت تھی کہ اس کا دور کر دینا انسانی طاقت سے بالاتر تھا، حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ کی بابت فرمایا کہ آپ بھی تمام دنیا کی دولت خرچ کر کے ان کی عداوت زائل نہ کر سکتے تھے، خداوند کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس عداوت کو دور کر کے ان میں باہم الفت پیدا کر دی کہ وہ بھائی بھائی ہو گئے، ان کی اس باہمی الفت کو خدا نے اپنی نعمت فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ قرار دیا۔

قرآن کریم کی یہ آیات صحابہ کرامؓ کی آپسی محبت اور تعلق پر واضح اور قطعی دلیل ہیں، اس کے باوجود اگر ان میں کبھی اختلافِ رائے ہوا تو اس میں کوئی خدائی حکمت ضرور ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ ان کے اختلافات کا مقصد یہ تھا کہ امت کے سامنے اختلافِ رائے اور نزاع کی حدود و قیود کی صورت کے مسائل واضح ہو جائیں؛ لیکن مشاجراتِ صحابہ یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا اور تبصرہ کرنا حرام ہے مگر بضرورتِ شرعی اور بنیتِ نیک اور جن صحابہ کرامؓ میں باہم کوئی جھگڑا ہوا ہو، تو ہمیں دونوں کی طرف سے حسنِ ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے، مثلاً حضرت علی مرتضیٰ ﷺ کو اپنے زمانۂ خلافت میں دو خانہ جنگیاں پیش آئیں، اول جنگِ جمل اور دوم جنگِ صفین۔ پہلی جنگ میں ایک جانب حضرت علی مرتضیٰ ﷺ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ ﷺ اور زبیر ﷺ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، دونوں جانب اکابر صحابہ ﷺ تھے، مگر یہ لڑائی دھوکہ میں چند مفسدوں کی حیلہ سازی سے پیش آ گئی، ورنہ ان میں باہم نہ رنجش تھی نہ آپس میں لڑنا چاہتے تھے۔

مفسدوں کی فتنہ پردازی ہوئی باعثِ خوں ریزیٔ جنگِ جمل
ورنہ شیرِ حق سے طلحہؓ اور زبیرؓ چاہتے ہرگز نہ تھے جنگ وجدل

اس لڑائی میں ہر فریق سے دوسرے کے فضائل منقول ہیں۔

دوسری جنگ صفین، اس جنگ میں ایک جانب حضرت علی ﷺ اور دوسری طرف حضرت معاویہ ﷺ تھے، اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ ﷺ خلیفۂ برحق تھے اور حضرت معاویہ ﷺ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی، مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ بھی صحابی ہیں اور صاحبِ فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے، ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں، جس پر عقلاً و شرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان ﷺ یکے از اصحاب آنحضرت ﷺ بود و صاحبِ فضیلتِ جلیلہ در زمرۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم زینہار در حق او سوء ظنی نہ کنی و در ورطۂ سبّ او نیفتی تا مرتکب حرام نہ شوی''

''جاننا چاہئے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے اور زمرۂ صحابہ میں بڑی فضیلت والے تھے، خبردار ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں پڑ کر فعلِ حرام کے مرتکب نہ بننا''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء تو باغی تھے، مگر حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح و بیعت کے بعد وہ بلا شبہ خلیفۂ برحق ہوگئے۔

حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے درمیان کسی قسم کی نفرت و عداوت اور دشمنی بیان کرنا دشمنان صحابہ کا طریق ہے اور قطعی دلائل، یقینی واقعات اور تاریخی شواہد کا انکار کرنا ہے، حدیث میں ان مقدس اور پاکباز حضرات کے درمیان پوری فراخدلی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ ایک دوسرے کے لئے ہمدردی، خیر خواہی اور محبت و یگانگت کے واقعات موجود ہیں، جن میں ایک دوسرے کی زبان سے فریقین کے فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں، ازانجملہ ترمذی میں حارث سے اور امام زین العابدینؒ سے اور زوائد میں امام حسن رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ میں حارث سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" قال كنت مع رسول الله ﷺ اذاطلع ابوبكر و عمر فقال رسول الله ﷺ هذان سيدا كهول اهل الجنة من الاولين و الأخرين الا النبيين والمرسلين " (ترمذی شريف :۲/۲٦۰)

''میں (ایک دن) رسول خدا ﷺ کے ہمراہ تھا کہ یکا یک ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں تمام اگلے اور پچھلے پیرانِ اہل جنت کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے''

ایک موقعہ پر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"خير الأمة بعد نبيهاأبو بكر و عمر"

''اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ''

یہ روایت صحیح بخاری میں ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں اور اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

"رواه ثمانون نفساعن علی بن أبی طالب"

''یعنی اسی آدمیوں نے اس قول کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے''

حافظ الحدیث علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور علامہ ابوالقاسم نے کتاب السنہ میں ایک روایت لکھی ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ نے منبر پر ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا:

"لايفضلنی احد علیٰ ابی بكر و عمر الا جلدته حد المفتری"

''جو شخص مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل کہے گا اس کو میں مفتری کی سزا دوں گا، یعنی اسی ۸۰ درے ماروں گا''

صحیح بخاری، مسند احمد، مستدرک حاکم اور امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں یہ روایت متعدد اسانید سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ لاکر رکھا گیا تو حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور حضرت عمرؓ کے لئے دعائے رحمت مانگی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ ''آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ میں اس کے جیسے اعمال کے ساتھ اللہ سے ملنے کی آرزو کروں''۔

شیعوں کی معتبر اور مستند کتابوں میں بھی اس طرح کی روایات موجود ہیں جن میں حضرات شیخینؓ کے لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی زبانِ مبارک سے محبت بھرے الفاظ اور تحسین کے کلمات پائے جاتے ہیں، نہج البلاغہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایک خط ہے جو آپ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا تھا، جس کو تمام شارحین نہج البلاغہ نے نقل کیا ہے، ہم اس کو علامہ ابن میسم بحرانی کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ تہران سے نقل کرتے ہیں:

''وکان افضلهم فی الاسلام کمازعمت وانصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخيلفة الفاروق ولعمری ان مکانهمافی الاسلام لعظيم وان المصاب بهماالجرح فی الاسلام شديد يرحمهما الله وجزاهماباحسن ماعملا''

''اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر جیسا کی تم نے بیان کیا خلیفہ صدیقؓ تھے اور خلیفہ کے خلیفہ فاروقؓ، اور قسم مجھے اپنی جان کی کہ بہ تحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم پہونچا، اللہ ان دونوں پر رحمت نازل کرے اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے''

اسی طرح دو سخت اور نازک موقعوں پر حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ سے مشورہ لینا اور حضرت علیؓ کا ان کو نہایت اخلاص اور دلی محبت و عقیدت کے ساتھ مشورہ دینا مذکور ہے، نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۷ ۲ مطبوعہ میں ہے:

''ومن کلام له عليه السلام وقد شاوره عمر فی الخروج الیٰ غزوة الروم بنفسه وقد توکل الله لاهل هذاالدين باعزاز الحوزة وسترالعورة والذی نصرهم وهم قليل لا ينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حتی لايموت انک متیٰ تصير الیٰ هذا العدوبنفسک فتلقهم فتنکب لاتکن للمسلمين کانفة دون اقصیٰ بلادهم فليس بعدک مرجع يرجعون اليه فابعث اليهم رجلامجر باواحفر معه

اهل البلاء و النصيحة فان اظهره الله فذالک ماتحب و ان تكن الاخرىٰ كنت رِدءً للناس و مثابة للمسلمين" (نهج البلاغه :۱/۱۴۰،مطبوعه لاهور)

''جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام اس وقت کا ہے جبکہ حضرت عمرؓ نے جنگِ روم میں خود اپنے جانے کے لئے ان سے مشورہ لیا ہے، ''بہ تحقیق اللہ اس دین والوں کے لئے ذمہ دار ہے ان کی جماعت کو عزت دینے اور ان کی کمزوریوں کو چھپانے کا، اور جس نے ان کو اس حال میں مدد دی کہ وہ کم تھے فتح نہیں پا سکتے تھے اور اس حال میں ان کو محفوظ رکھا کہ وہ کم تھے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ اللہ اب بھی زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا، بہ تحقیق جس وقت دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود ان سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ ان کے آخری شہروں تک نہیں ملے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں، لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی طرف روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ آزمودہ کار اور خیر خواہ لوگوں کو بھیجئے تا کہ اگر اللہ ان کو غلبہ دے تو یہی آپ کا مقصود ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری بات ہوئی تو آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ان کے مرجع ہیں''

حضرت علی ﷺ کے یہ کلمات غور سے پڑھئے اور دیکھئے کیسی محبت اور کیسی عقیدت ان کو حضرت عمر ﷺ کے ساتھ تھی، ان کلمات سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:

۱) حضرت عمر ﷺ سیدنا حضرت علی ﷺ کو اپنا محب مخلص جانتے تھے، مشورہ اسی سے طلب کیا جاتا ہے جس کی محبت اور اخلاص پر پورا اعتماد ہو۔

۲) حضرت علی ﷺ نے اس دین کے متعلق جو حضرت عمر ﷺ کا تھا اور تمام صحابہ ﷺ کا تھا فرمایا کہ اللہ اس کی عزت کا ذمہ دار ہے اور اس دین والوں کو خدا نے بے سروسامانی میں مدد کی ہے وہ اب بھی موجود ہے۔

۳) حضرت علی ﷺ حضرت عمر ﷺ کی ذات کو بے مثل اور بے نظیر جانتے تھے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عمر ﷺ کے بعد مسلمانوں کو روئے زمین میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

۴) حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا مددگار اور ملجا و ماویٰ فرمایا۔

۵) حضرت علی ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو میدانِ جنگ میں جانے سے روکا کہ مبادا وہ شہید نہ ہو جائیں۔ اگر بقول شیعہ حضرت علی ﷺ کو ان سے عداوت تھی تو روکنے کے بجائے میدانِ جنگ میں جانے کی ترغیب دیتے اور ان کی شہادت کو مسلمانوں کیلئے راحت تصور کرتے۔

اسی طرح کا ایک دوسرا مشورہ غزوۂ فارس کے موقع پر بھی مذکور ہے۔ نہج البلاغہ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳ میں ہے:۔

" ومن کلام لہ علیہ السلام لعمر بن الخطاب وقد شاورہ فی غزوۃ الفرس بنفسہ ان ھٰذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدّہ حتیٰ بلغ مابلغ وطلع حیث طلع ونحن علیٰ موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ و ناصر جندہ ومکان القیّم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ فان انقطع النظام تفرق الخرز وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ ابداً والعرب الیوم وان کانو اقلیلافھم کثیرون بالاسلام وعزیزون بالاجتماع فکن قطباً واستدر الرحیٰ بالعرب واصلھم دونک نار الحرب فانک ان شخصت من ھٰذاالارض انتقضت علیک العرب من اطرافھاو اقطارھا حتیٰ یکون ماتدع ورائک من العورات واھم الیک ممابین یدیک ان الاعاجم ان ینظر وا الیک غداً یقولوا ھٰذا اصل العرب فإذا قطعتموہ استرحتم فیکون ذلک اشد لکبھم علیک وطعمھم فیک واما ماذکرت من مسیرۃ القوم الیٰ قتال السملمین فان اللہ سبحانہ ھوا کرہ لمسیرھم منک وھواقدر علیٰ تغییر مایکرہ واما ماذکرت من عددھم فانالم نکن نقاتل فیما مضیٰ بالکثرۃ وإنما کنا نقاتل بالنصرۃ والمعونۃ " (نہج البلاغہ: ۲۱۶/۱ مطبوعہ لاھور)

''جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے حضرت عمر بن خطابؓ سے جبکہ انہوں نے جناب امیر سے مشورہ لیا ایران کی لڑائی میں خود اپنے جانے کے متعلق، بہ تحقیق اس کام کی فتح وشکست کثرتِ لشکر و قلتِ لشکر سے نہیں ہے اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے (سب پر) غالب کیا اور یہ اس کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور بڑھایا یہاں تک کہ پہونچا جہاں تک پہونچا اور طلوع ہوا جہاں سے طلوع ہوا اور ہم لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کا مددگار ہے اور قیّم بالامر (یعنی خلیفہ) کی وہ حیثیت ہوتی ہے جو ہار کے دانوں میں دھاگے کی ہوتی ہے کہ وہ دھاگہ ان سب دانوں کو جمع کئے ہوئے اور ملائے ہوئے رہتا ہے اگر دھاگہ کٹ جائے تو سب دانے منتشر ومتفرق ہوجاتے ہیں پھر کبھی اپنی پہلی وضع پر جمع نہیں ہوتے، اہل عرب آج اگرچہ کم ہیں مگر اسلام کے سبب سے کثیر ہیں اور باہمی اتحاد کے باعث باعزت ہیں، پس آپ قطب بن جائیے اور چکی کو عرب سے گردش دیجئے اور دوسرے لوگوں کو آتشِ حرب میں ڈالئے خود نہ پڑیے، کیونکہ اگر آپ اس سرزمین (مدینہ) سے اٹھے تو تمام عرب ہر چہار طرف سے آپ پر

(پروانوں کی طرح سے) ٹوٹ پڑیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ مدینہ خالی ہو جائے گا (اور) اپنے پیچھے جن مقامات کو آپ بے حفاظت چھوڑ دیں گے وہ سامنے کی لڑائی سے زیادہ اہم ہو جائیں گے (پھر دوسری بات یہ ہے کہ) عجمی لوگ جب کل آپ کو میدان جنگ میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو ہمیشہ کیلئے آرام پا جاؤ گے'' لہٰذا یہ خیال ان کے حملے کو سخت اور ان کی امیدوں کو قوی کر دے گا، باقی رہا یہ کہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوجِ عجم مسلمانوں کے قتل کے لئے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو ان کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اس کے بدل دینے پر قادر ہے اور جو آپ نے ان کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانۂ گذشتہ میں اپنی کثرت کے باعث قتال نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے لڑتے تھے''

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بھی حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی محبت واخلاص اور عقیدت کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کر رہا ہے چند فوائد اس کلام کے حسب ذیل ہیں:

۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو خدا کا لشکر فرمایا۔

۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اپنی ذات کو بھی شامل کر کے فرمایا کہ ہم لوگوں سے خدا نے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو مسلمانوں کا مایۂ نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا اس لئے کہ آپ قیم بالامر ہیں۔

۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے عربوں کو باوجود قلت کے بوجہ اسلام کے کثیر اور بوجہ باہمی اتحاد کے باعزت فرمایا، معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باہمی رنجش وعداوت کے سب قصے غلط اور خود تراشیدہ ہیں۔

۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ آپ کے بعد یہاں کا انتظام خراب ہو جائے گا اور دشمن لڑائی میں بڑی کوشش کریں گے، اس خیال سے کہ آپ کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے چین مل جائے گا۔

۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کی جاں نثاری اور محبت کو بیان فرمایا۔

۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شکست اور ان کے دشمنوں کی فتح کو خدا کا ناپسندیدہ اور مکروہ امر فرمایا۔

۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانہ گذشتہ کے غزوات اور ان کو خدا کے الطاف وعنایات کی یاد دلا کر تسکین دی۔

اسی کے ساتھ بہت سے تاریخی واقعات ہیں جن سے ان حضرات کے درمیان محبت ومودت اور خوشگوار حالات کا پتہ چلتا ہے، شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتدا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہمیشہ نماز پڑھنا اور ان کو ہر اہم معاملے میں مفید مشورے اور اچھی رائے دینا،

اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کی نواسی تھیں، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا۔ سنی اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں اس نکاح کا تذکرہ ہے، بخاری شریف ''کتاب الجهاد باب حمل النساء القرب'' میں نیز فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی میں بھی یہ ہے اور شیعوں کی سب سے اقدم اور اعلیٰ کتاب کافی میں تو ایک باب ہی ''باب تزویج ام کلثوم رضی اللہ عنہا'' کے عنوان سے ہے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں کا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری بیبیوں کے بطن سے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ نام رکھا، جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے، دیکھئے جلاء العیون۔

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ تینوں خلفاء کو نہایت مقدس جانتے تھے اور ان سے بڑی محبت رکھتے تھے، حتیٰ کہ اپنے لڑکوں کے نام بھی ان کے نام پر رکھے؛ تاکہ وہ نام بار بار زبان پر آئیں اور کانوں میں پہونچیں۔ (تلخیص از مضامین امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ دلائل اصل موضوع سے متعلق بہت اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں، صرف اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ حضرات صحابۂ کرامؓ پوری امت کے مقتدا و پیشوا تھے، ان سے عقیدت ومحبت قائم رکھنا مطلوبِ شریعت ہے، ان کو کسی بھی طرح متہم کرنا یا ان کی طرف سے سوء ظنی کا شکار ہونا قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے، جس کو کوئی صاحبِ ایمان ایک لمحہ کیلئے بھی گوارہ نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عداوتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے محفوظ رکھے۔

محمد تبریز عالم قاسمی☆

اخوت اسلامی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسوہ

محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل، سرزمین عرب کا جو ماحول تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں؛ کہ عرب کے لوگ، بنی آدم ہونے کے باوجود، رشتۂ اخوت اور اس کے تقاضے سے بالکل ناواقف ہو چکے تھے، معمولی بات پر، کسی کا خون بہا دینا، ان کے یہاں معمولی بات تھی سفاکیت، خوں ریزی، مار دھاڑ، حقوق العباد کی پامالی اور اخوت وانسانیت کی بے حرمتی میں ضرب المثل تھے مفکر اسلام مولانا علی میاںؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں:

"قبیلے اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھہ بندی، عرب میں بڑی سخت تھی، اس عصبیت کی بنیاد، جاہلی مزاج تھا؛ جس کی روح اس مشہور جملہ سے ظاہر ہوتی ہے "اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً" یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم؛ چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل"۔

اخوت و بھائی چارگی کا معنی، ان کی لغتِ زندگی سے بالکل مٹ چکا تھا، اور اگر کہیں تھا تو اس کی مثال دھندلی تصویر جیسی تھی دوسری جگہ مولانا رقم طراز ہیں:

"عرب فطرۃً جنگجو واقع ہوئے تھے، اور ان کی صحرائی اور غیر متمدن زندگی کا تقاضہ بھی یہی تھا، جنگ ان کے لیے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر، تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی، جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا، ایک شاعر فخر یہ کہتا ہے کہ اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لیے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں"۔(۱)

اسی ماحول و معاشرے میں، خدا نے محسن انسانیت کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ وہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں، نئی سمت، نئی جہت اور نیا راستہ دکھائیں، انہیں اخوت والفت کا بھولا ہوا سبق پڑھائیں، حقوق العباد کی

☆ دارالعلوم حیدرآباد

پاسداری کا پیغام دیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرایا اور إنما المؤمنون إخوة کا ابدی اور لاثانی پیغام سنایا اور اس کی بنیاد پر تمام اولاد آدم کو جو بکھرے موتی کی طرح تھی، ایک لڑی میں پرُو دیا اور اس طرح اسلام کو بانی اخوت کا شرف حاصل ہوا۔

اخوت اور ضرورت اخوت

دو حقیقی بھائیوں میں پائے جانے والے رشتہ کو بھی اخوت کہتے ہیں؛ جس میں ہر بھائی کا حق، رواج وقانون کے اعتبار سے مسلّم ہوتا ہے، ایک اخوت وہ ہے جو عقائد وادیان کی بنیاد پر پائی جاتی ہے؛ حضور علیہ السلام کے فیضانِ صحبت سے اولین مسلمانوں میں جو اخوت قائم ہوئی اس کا تعلق آخر الذکر اخوت سے زیادہ ہے؛ جس کی عظمت وتقدس کی مثال، دنیا دوبارہ پیش نہ کر سکی؛ بلکہ آسمان وزمین، اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر وعاجز ہیں۔

چونکہ امم سابقہ کی ہلاکت کا ایک سبب تفرقہ، اختلاف وخلفشار اور رشتہ اخوت کے تقاضوں سے بیزاری بھی تھا؛ اس لیے اسلام اور بانی اسلام کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس دروازہ کو بند کردیں؛ تاکہ وحشت وبربریت، الفت ومحبت سے بدل جائے، ضعیف کو طاقت ور کی اخوت سے قوت ملے، انسانیت کے منتشر دانے ایک رشتہ مواخات میں منسلک ہو کر شئی واحد بن جائیں، توسیع محبت اور باہمی الفت ومودت کی بنیاد، مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے، دل میں تعلّی ونخوت کی جگہ، اخوت والفت پیدا ہو اور زمانہ جاہلیت کے فخر ومباہات کے فاسد مادے، رشتہ مساوات کے ذریعہ نیست ونابود ہو جائیں؛ چنانچہ حضور علیہ السلام کی یہ خواہش برابر رہی کہ آدمیت وانسانیت کے منتشر تنکے یکجا ہو کر ایک مضبوط طاقت بن کر ابھریں۔

مواخات اسلامی کا نتیجہ

انھیں فوائد ومصالح کے پیشِ نظر، آپ علیہ السلام نے مکہ میں فقط مکی صحابہ کرام ؓ کے مابین رشتہ مواخات قائم فرمایا، اور ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار کے مابین مواخات فرمائی اور یہی رشتہ مواخات، تاریخ میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتا ہے، مہاجرین اس وقت بے سروسامان تھے، وطن سے دوری کی وحشت مستزاد تھی اور اہل وعیال سے مفارقت مزید براں تھی، مگر مواخات کے بعد، حضور علیہ السلام کے تربیت یافتہ جاں نثار انصاری صحابہ کرام ؓ نے مواخات کا حق ادا کردیا اور دنیا کے سامنے ایک نئی مثال پیش کی، ایک نیا جوش اور ایک نئی امنگ پیدا کی اور دنیا کو یہ باور کرادیا کہ اسلام ہی بانی اخوت ہے، ہوا یہ کہ، ہر ایک انصاری ؓ، اپنے دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال وزر سامنے لاتا، زمین وجائیداد دکھلاتا اور آدھا آدھا باہمی تقسیم کرلیتا: یہی نہیں، بلکہ حضرت سعد بن ربیع ؓ جب حضرت عبد الرحمان بن عوف ؓ کو اپنے گھر لے گئے: تو اس وقت ان کی زوجیت میں دو بیویاں تھیں، دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا:

''ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجئے، تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور آپ اسے اپنے نکاح

میں لے لیں، پوری تاریخ کھنگال ڈالئے، ایسا اسوہ اور نمونہ صحابہؓ کے علاوہ کہیں نہیں ملے گا''۔

پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ اس مواخات کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے جھگڑے ختم ہو گئے، قریش ومضر کی خصومتیں دم توڑ گئیں، اوس وخزرج شیر وشکر ہو گئے، سلمان ﷺ وبلال ﷺ کو بھی بھائی مل گئے، عرب وعجم کا فاصلہ مٹ گیا اور چاروں طرف إنما المؤمنون إخوة اور کونوا عباد الله إخوانا کا بول بالا ہو گیا، اور صحابہ کرام ﷺ نے محبت ایمانی اور اخوت اسلامی کا جو اسوہ پیش کیا، اسکی بنیاد نہ تو مالی منفعت پر تھا اور نہ لذت نفسانی پر؛ بلکہ ان کی اخوت ومحبت، اغراض سے بالاتر اور مادیات کے اثر سے بلند تر ہے، مشہور واقعہ ہے، حذیفہ العدوی کہتے ہیں:

''کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا، پانی ساتھ لے گیا تھا، بھائی کے پاس پہنچ گیا، اسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی ''آہ'' زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، وہ اس کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص ہیں ص، انہیں پانی پلانے لگا تو تیسرے زخمی کی آواز آئی، اس نے کہا پہلے اسے پلاؤ، اس کے پاس پہنچا تو جاں بحق ہو چکا تھا، واپس آیا تو ہشام کو پایا کہ جنت سدھار گیا، واپس آیا اور بھائی کو دیکھا کہ وہ بھی جام طہور کا سرور حاصل کر چکا ہے''۔(۲)

اپنے نفس کے مقابلہ میں، دوسرے بھائی کو ترجیح دینا وہ بھی دینی بھائی کے ساتھ، یہ کام ایک صحابی ﷺ ہی کر سکتا ہے اور یہ احترام، اخوتِ اسلامی ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

احادیث وتواریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فروعی مسائل میں صحابہ ﷺ کا آپس میں اختلاف رہا؛ لیکن یہ رشتہ اخوت ومحبت اور دینی واعتقادی وحدت ہی کا اثر تھا کہ یہ اختلاف، زحمت کے بجائے، رحمت رہا، کسی صحابی نے دوسرے صحابی پر کبھی لعن طعن نہیں کی، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ جب صحابہ کے درمیان اجتہادی غلطی کی وجہ سے جنگ ہوئی تو کھانا اسی صحابی کے دسترخوان پر کھایا گیا جو مد مقابل تھے، یہ کیا تھا اخوت اسلامی ہی کا تو ثمرہ تھا۔

ہمارا معاشرہ

اب ہم اپنا معاشرہ دیکھیں، اخوت کا معنی ہی بدل چکا ہے، اخوت ومحبت کی جگہ، نفرت وعداوت کی دیواریں کھڑی کی جا رہی ہیں، بھائی، بھائی کا دشمن ہے، إنما المؤمنون إخوة. (۳) (سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں) کا پیغام بھلایا جا رہا ہے، لایؤمن احدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه (۴) (جو اپنے لیے پسند کرو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو) کا پیمانہ بدل چکا ہے، خیرُ الناسِ من ینفعُ الناسَ (۵) (بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے) کے ضمن میں جو اخوت وبھائی چارگی کی ترغیب تھی، اسے بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

(۶) کے اندر اخوت کا جو درس تھا اسے فراموش کیا جارہا ہے المؤمن للمؤمن کا لبنیان یشد بعضہ بعضاً (۷) (مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے (جس میں) بعض کو بعض سے قوت حاصل ہوتی ہے) کے ذریعہ نصرت باہمی کی جو بنیاد رکھی گئی تھی اسے متزلزل کیا جارہا ہے، کونوا عباداللّٰہ إخوانا (۸) کے ذریعہ بنی آدم کو پھر سے ایک کیا گیا تھا اسے منتشر کیا جارہا ہے، فلا یوذ جارہ. (۹) (اپنے ہم سایہ کو تکلیف مت پہنچاؤ) فَلْیُکْرِمْ ضیفہ. (۱۰) مہمان کا اکرام کرنا چاہئے) کے پیغام سے نا آشنائی بڑھتی جارہی ہے، أطعموا الجائع وعودوا المریض. (۱۱) (بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، مریضوں کی عیادت کرو) کا مطلب ہی بدل گیا ہے۔

خیر اسلامی تعلیمات، اسلامی مواخات، اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت ہمارے سامنے ہے اور اس کے حوالہ سے، انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کا اسوہ ہمارے سامنے ہے، ان کا معاشرہ ہمارے سامنے ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم مسلمانوں کا معاشرہ، ہماری اخوت ومواخات، الفت ومواسات اور ہمارا ماحول صحابہ کرام کے اسوہ سے میل کھاتا ہے؟ اس سلسلہ میں ہم کب سوچیں گے؟ اور کب پیش قدمی کریں گے؟ ابھی اس کے لیے کتنا وقت درکار ہے؟ معلوم نہیں۔

فائدہ: مواخات کا عمل، مکہ اور مدینہ دونوں جگہ ہوا جیسا کہ پیچھے معلوم ہو چکا ہے، ذیل میں اسی مواخات کا مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

مواخات مکہ:

(۱) محمد رسول اللہ ﷺ۔	سیدنا علی مرتضی ﷜۔
(۲) سیدنا ابوبکر صدیق ﷜۔	سیدنا عمر فاروق ﷜۔
(۳) حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب ﷜۔	سیدنا زید بن حارثہ ﷜۔
(۴) حضرت زبیر بن العوام ﷜۔	حضرت ابن مسعود ﷜۔
(۵) سیدنا عثمان ذوالنورین ﷜۔	سیدنا عبدالرحمان بن عوف ﷜۔
(۶) سیدنا عبیدہ بن الحارث ﷜۔	سیدنا بلال بن رباح ﷜۔
(۷) حضرت مصعب بن عمیر ﷜۔	حضرت سعد بن ابی وقاص ﷜۔
(۸) حضرت سعید بن زید ﷜۔	حضرت طلحہ بن عبیداللہ ﷜۔
(۹) حضرت ابوعبیدہ ﷜۔	حضرت سالم مولی ابی حذیفہ ﷜۔ (۱۲)

مواخات مدینہ:

مہاجرین	انصار

(۱) سیدنا ابوبکر صدیق ؓ۔ — حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما۔

(۲) سیدنا عمر فاروق ؓ۔ — حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما۔

(۳) سیدنا عثمان ذوالنورین بن عفان ؓ۔ — حضرت اوس بن ثابت ؓ۔

(۴) سیدنا علی مرتضی ؓ۔ — حضرت سلمان فارسی ؓ ورسول اللہ ﷺ۔

(۵) حضرت عبدالرحمان بن عوف ؓ۔ — حضرت سعید بن الربیع رضی اللہ عنہما۔

(۶) حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح ؓ۔ — حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما۔

(۷) حضرت طلحہ بن عبداللہ القرشی ؓ۔ — حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما۔

(۸) حضرت سعید بن زید ؓ۔ — حضرت ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہما۔

(۹) حضرت زبیر بن العوام ؓ۔ — حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہما۔

(۱۰) سیدنا زید بن الحارثہ ؓ۔ — حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔

(۱۱) سیدنا بلال ؓ۔ — حضرت ابورویم الخثعمی رضی اللہ عنہما۔

(۱۲) سیدنا جعفر بن ابی طالب ؓ۔ — حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما۔

(۱۳) سیدنا عمار بن یاسر ؓ۔ — حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔

(۱۴) حضرت مصعب بن عمیر ؓ۔ — حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما۔

(۱۵) حضرت سلمان فارسی ؓ۔ — حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما۔

(۱۶) حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب ؓ۔ — حضرت عمیر بن حمام بن جموح رضی اللہ عنہما۔

(۱۷) حضرت زید بن خطاب ؓ۔ — حضرت معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہما۔

(۱۸) حضرت وہب بن سعد بن ابی سراح ؓ۔ — حضرت سوید بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہما۔

(۱۹) حضرت ابومرثد غنوی ؓ۔ — حضرت عبادہ بن الصامت الانصاری رضی اللہ عنہما۔

(۲۰) حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد ؓ۔ — حضرت یزید بن حارث بن قیس رضی اللہ عنہما۔

(۲۱) حضرت عثمان بن مظعون ؓ۔ — حضرت عباس بن عبادہ (ذوعقبتین) رضی اللہ عنہما۔

(۲۲) حضرت طلب بن عمیر بن وہب (ابن عمۃ النبی)۔ حضرت منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہ۔

(۲۳) حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ ؓ۔ — حضرت عباد بن بشر ؓ

(۲۴) حضرت معاویہ بن ابوسفیان ؓ۔ — حضرت حتات ؓ۔

(۲۵) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ۔ — حضرت عویم بن ساعدہ ؓ۔

(۲۶) حضرت عبداللہ بن جحس ؓ۔ حضرت عاصم بن ثابت ؓ۔
(۲۷) حضرت عتبہ بن غزوان ؓ۔ حضرت ابودجانہ ؓ۔
(۲۸) حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد ؓ۔ حضرت سعد بن خشیمہ ؓ۔
(۲۹) حضرت طفیل بن الحارث ؓ۔ حضرت سفیان نسر خزرجی ؓ۔
(۳۰) حضرت صفوان بن بیضاء ؓ۔ حضرت رافع بن معلی ؓ۔
(۳۱) حضرت مقداد ؓ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ۔
(۳۲) حضرت ارقم ؓ۔ حضرت طلحہ بن زید ؓ۔
(۳۳) حضرت عمرو بن سراقہ ؓ۔ حضرت سعد بن زید ؓ۔
(۳۴) حضرت عاقل بن بکیر ؓ۔ حضرت مبشر بن عبدالمنذر ؓ۔
(۳۵) حضرت خنیس بن حذافہ ؓ۔ حضرت منذر بن محمد ؓ۔
(۳۶) حضرت سرۃ بن ابی رہم ؓ۔ حضرت عبادہ بن الخشخاش ؓ۔
(۳۷) حضرت مسطح بن اثاثہ ؓ۔ حضرت زید بن المزین ؓ۔
(۳۸) حضرت عکاشہ بن محصن ؓ۔ حضرت مجذر بن دمار ؓ۔
(۳۹) حضرت عامر بن فہیرہ ؓ۔ حضرت حارث بن صمہ ؓ۔
(۴۰) حضرت مجع مولی عمر ؓ۔ حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ ؓ۔ (۱۳)

حوالہ جات

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص:۶۲۔
(۲) رحمۃ للعالمین:۳/۳۶۷۔
(۳) الحجرات:۱۰۔
(۴) بخاری، رقم الحدیث:۱۲۔
(۵) جامع الاحادیث، رقم:۳۷۶۴۰۔
(۶) البخاری، رقم:۹۔
(۷) البخاری، رقم الحدیث:۴۵۹۔
(۸) البخاری، رقم الحدیث:۵۶۰۴۔
(۹) البخاری، ۵۵۵۹۔
(۱۰) ایضاً۔
(۱۱) البخاری رقم الحدیث:۳۹۵۴۔
(۱۲) عیون الاثر:۱/۲۶۴۔
(۱۳) (سیرۃ المصطفی:۱/۴۳۹، بحوالہ عیون الاثر وفتح الباری رحمۃ للعالمین مؤلف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری:۳/۳۶۳)۔

مولانا عبدالملک المظاہری ☆

کم سن صحابہ کرام ؓ اور شوقِ شہادت

اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم فرما کر قیامت تک کے آنے والی انسانیت کے لئے آپ کے دین کو جاری وساری فرمادیا اور ختم نبوت والا کام آپ کی امت کے کاندھوں پر ڈال کر نسل انسانی کی تا قیامِ قیامت رشد وہدایت کا انتظام فرمادیا اور دعوت وتبلیغ کے اس راستہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جہاد کو فرض فرما کر امت مسلمہ کے لئے سہولت وآسانی پیدا فرمادی، اب امت مسلمہ کے اوپر فرض تھا کہ وہ اس دین کی تبلیغ واشاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور اپنا سب کچھ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے قربان کردے تاکہ دنیا کی وقتی اور آخرت کی ابدی انعامات کے مستحق ٹھہرے، چنانچہ اسی مقصد کے حصول کے لئے صحابہ کرام ؓ نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگادیا، مال ودولت خرچ کرنے کی باری آئی تو مال ودولت خرچ کرڈالا، وطنِ عزیز کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آئی تو وطن عزیز کو چھوڑ ڈالا حتیٰ کہ اگر جانِ عزیز جو انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اُسے قربان کرنے کی ضرورت پڑی تو اس کی قربانی میں بھی ایک لمحہ کے لئے پیچھے نہ رہے۔

نبی اکرم ﷺ کا شوقِ شہادت

خود اس کاروان کے روحِ رواں نبی اکرم ﷺ کی راہ خدا اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے قربان ہونے کے کیا جذبات تھے، آپ کے اس ارشادِ مبارک سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر ایسا نہ ہوتا کہ کچھ ایمان والے جن کے دل (سواری نہ ہونے کے سبب جہاد میں) مجھ سے پیچھے رہجانے سے افسردہ نہ ہوتے اور نہ میں ان تمام کے لئے سواری کا انتظام کرنے کی گنجائش پاتا تو میں خدا کے راستہ میں نکلنے والی کسی جماعت سے پیچھے نہ رہتا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان میری تو خواہش یہ ہے کہ میں خدا کے راستہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں''۔ (صحیح بخاری ۲۷۹۷)

☆ صدر لجنۃ العلماء آندھراپردیش

اللہ تعالیٰ کے یہاں شہید کا مقام ومرتبہ

اللہ رب العزت نے اپنے پاک کلام میں راہِ خدا میں شہادت پانے والوں کے لئے بے حساب اجر وثواب کا وعدہ فرمایا حتی کہ ایمان والوں کو نصیحت کی گئی کہ ''راہ خدا میں جام شہادت پانے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کے رب کے یہاں سے انہیں رزق دیا جاتا ہے''۔ (سورۂ آل عمران: ۱۶۹) رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے پاک ارشادات اور اپنے قول وفعل کے ذریعہ اس کی خوب ترغیب دی، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور صحابہ ﷺ میں راہ خدا میں نکلنے اور اللہ کے راستے میں اپنی جانِ عزیز قربان کرنے کی ایک عمومی فضاء قائم ہوگئی، کیا مرد کیا عورتیں، کیا بوڑھے کیا بچے؟ کیا جوان کیا ادھیڑ عمر، سب کی بس ایک ہی فکر تھی کہ دین اسلام کو تمام ادیان ومذاہب پر غلبہ حاصل ہوجائے، چاہے اس کے لئے اپنی جان کی ہی کیوں نہ قربانی دینی پڑے، یہاں صرف نمونہ کے طور پر چند واقعات ان کمسن صحابہ کرام ﷺ کے پیش کئے جاتے ہیں جن کے سینے شوقِ شہادت سے لبریز تھے اور جن کے دل ودماغ قربانی کے جذبات سے سرشار تھے۔

کمسن صحابہ کرام ؓ کا شوقِ شہادت

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایت یہ تھی کہ ۱۵، ۱۶ ارسال سے کم عمر کے بچے جہاد میں نہ نکلیں، لیکن اس کے باوجود کم عمر صحابہ ﷺ کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے اس قدر لبریز تھا کہ وہ اپنے کو جہاد میں اور راہ خدا میں نکالنے کے لئے پیروں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہوکر قدآور ظاہر کرنے کی کوشش کرتے اور کبھی انہیں نکلنے سے منع کئے جانے پر اپنے والدین، اعزاء واقرباء سے سفارش کرواتے اور کبھی روکر آنسو بہا کر حضور سے اجازت حاصل کر لیتے، بعض ان میں اتنے کم عمر ہوتے کہ ان سے تلوار تک اٹھائی نہ جاتی اور بعض اتنے چھوٹے ہوتے کہ اگر تلوار ان کے گردن سے لٹکائی جاتی تو وہ زمین سے گھسٹتی جاتی، مجبوراً تلوار کے تسمہ پر گرہیں لگائی جاتیں۔

وہ کمسن صحابہ کرام ﷺ جو معرکۂ بدر سے روک دئے گئے

جنگ بدر کا معرکہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن میں یوم الفرقان کہا گیا، اور اس کی غیر معمولی اہمیت رہی ہے، اس میں شرکت کے لئے بہت سے کمسن وکم عمر صحابہ کرام ﷺ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہوگئے، جن میں حضرت زید بن ثابت، زید بن ارقمؓ، اسید بن ظہیر، عبداللہ بن عمر ﷺ کے ساتھ دیگر اور کمسن صحابہ ﷺ بھی تھے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر صرف ۱۳ ارسال تھی، باقی حضرات کی عمریں بھی اس کے آس پاس تھیں، جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے لشکر اسلام پیش ہوا تو انہیں کم عمر پا کر واپس کردیا گیا۔

وہ کمسن صحابہ کرام ﷺ جو جنگ اُحد سے روک دئے گئے

اسی طرح جنگ احد کے موقع پر بھی بہت سے کم عمر صحابہؓ جہاد اور شوق شہادت میں نکل پڑے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، زید بن ارقم، اسید بن ظہیر، اسامہ بن زید، براء ابن عازب، عرابہ بن اوس، ابوسعید خدری اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے، لیکن رسول پاک ﷺ کے سامنے معائنہ کے لئے جب لشکر اسلام کو پیش کیا گیا تو ان حضرات کو ۱۵ ارسال سے کم عمر

پاکر واپس کردیا گیا، ان میں ابتداء میں ذکر کردہ چار صحابہؓ وہ ہیں جنہوں نے بدر کے وقت بھی جو غزوۂ احد سے ایک سال قبل پیش آیا اپنے آپ کو جہاد کے لئے پیش کیا تھا لیکن اس وقت بھی انہیں ۱۵رسال سے کم عمر پاکر واپس کردیا گیا تھا، اس سے ان حضرات کے جہاد میں نکلنے اور راہِ خدا میں شہید ہونے کے شوق اور جذبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(سیرۃ الحلبیہ :۲/۴۹۳)

حضرت ابوسعید خدری ﷺ کا غزوۂ احد سے واپس کیا جانا

حضرت ابوسعید خدریؓ کی عمر معرکۂ احد کے وقت صرف ۱۳رسال کی تھی، لیکن دل جہاد کے جذبہ سے سرشار تھا، شہادت کی تمناء سے لبریز تھا، چنانچہ وہ بھی اپنے والد کے ساتھ نکل پڑے، وہ خود فرماتے ہیں کہ: مجھے احد کے دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر ۱۳رسال کی تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے قبول نہیں فرمایا، میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے میری سفارش کرتے ہوئے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! اس کی ہڈیاں مضبوط ہیں، رسول اللہ ان کی طرف نگاہ اٹھاتے پھر نیچی کرلیتے، بالآخر انہیں شرکت کی اجازت نہ ملی، اس کے بعد غزوۂ بنوالمصطلق جو شعبان ۶ھ میں پیش آیا اس میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کا انہیں موقع ملا، واقدیؒ کے بقول اس وقت ان کی عمر ۱۵رسال تھی۔(الاستیعاب:۱/۵۳۴)

حضرت رافعؓ وسمرہؓ کا جہاد میں نکلنے کے لئے اپنے والد کی سفارش کرانا

احد کے موقع پر ابتداء میں حضرت رافعؓ بن خدیج اور سمرہؓ بن جندب کو بھی کہ جن کی عمریں ۱۵رسال سے متجاوز نہ تھیں آپ نے چھوٹا سمجھ کر واپس جانے کا حکم دیدیا تھا لیکن رافع کے والد نے آنحضور ﷺ سے یہ کہہ کر رافع کی سفارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ رافعؓ تیر چلانا اچھی طرح جانتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے رافعؓ کو اجازت دیدی، جب سمرہؓ بن جندب کو معلوم ہوا کہ رافعؓ کو اجازت مل چکی ہے تو وہ بھی بے تاب ہوگئے اور اپنے سوتیلے باپ مریؓ بن سنان سے کہنے لگے، ابا جان! رسول اللہ ﷺ نے رافعؓ کو تو اجازت دیدی اور مجھ کو انکار کردیا، حالانکہ اگر میرا اور رافع کا مقابلہ ہو تو میں رافعؓ کو پچھاڑ دوں، مریؓ بن سنان نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: یا رسول اللہؐ! آپ نے رافعؓ کو اجازت دیدی اور میرے بیٹے کو واپس کردیا، حالانکہ میرا بیٹا رافعؓ کو پچھاڑ دے گا، یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے رافعؓ اور سمرہؓ کے درمیان مقابلہ کرایا تو سمرہؓ نے رافع کو سچ مچ میں پچھاڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے سمرہؓ کو بھی اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ دونوں نے معرکۂ احد میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور دادِ شجاعت پائی۔(تاریخ طبری:۲/۶۱)

اسی معرکہ میں حضرت رافعؓ کے پیٹ میں تیر لگا تو وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا: یا رسول اللہؐ! آپ اپنے ہاتھوں سے تیر نکال دیں، آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو تیر اور پھل دونوں نکالدوں اور اگر چاہو تو صرف تیر نکالدوں اور پھل کو چھوڑ دوں اور روزِ محشر خدا کے روبرو تمہارے بارے میں گواہی دوں کہ تم شہید ہو''، تو اس جانثار شہادت کے متمنی کم عمر صحابی نے فرمایا: یا رسول اللہ! صرف تیر نکال دیجئے، پھل چھوڑ دیجئے اور روزِ قیامت میرے حق میں گواہی دیدیجئے کہ میں شہید ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھل ان کے پیٹ ہی میں رہ گیا، وہ اسی تکلیف کے ساتھ حضور ﷺ کے زمانہ میں زندہ رہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ،

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں زندہ رہے، پھر حضرت معاویہؓ یا ان کے بعد کے زمانہ میں یہی زخم تازہ ہوا اور اسی میں ان کی روح پرواز کرگئی۔ (اصابہ: ۲۵۴/۸)

کم عمر صحابیؓ کا راہِ خدا میں نکلنا اور زخمی ہونا

مرد تو مرد رہے عورتوں اور بچوں کے اندر دین کی خاطر قربانی کا کیا جذبہ بنا تھا اس کا اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ ایک عورت نے احد کے موقع پر اپنے لڑکے کے ہاتھ میں تلوار تھمایا، وہ لڑکا اتنا چھوٹا اور کمزور تھا کہ تلوار بھی اس سے اٹھ نہ پائی، یہ دیکھ کر ان کی ماں نے ایک تسمہ سے وہ تلوار ان کے کاندھے سے باندھ دیا، پھر انہیں لیکر حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! یہ میرا بیٹا ہے، جو آپ کی طرف سے قتال کرے گا، حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ انہوں نے تلوار غلط اٹھا رکھی ہے تو ان سے فرمایا: میرے بیٹے! تلوار یہاں اٹھاؤ۔ دو مرتبہ آپؐ نے اسی طرح فرمایا، چنانچہ اسی غزوہٴ میں انہیں زخم آیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لاکر زمین پر گر پڑے، لوگ انہیں اٹھا کر نبی پاک ﷺ کی خدمت میں لے گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹے لگتا ہے تم اس زخم سے گھبرا گئے، انہوں نے فرمایا: نہیں یارسول اللہؐ!۔ (کنز العمال: ۳۰۰۶۲)

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص کا شوقِ شہادت

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی ان صحابہ ؓ میں سے ہیں جو شہادت کے متمنی اور راہِ خدا میں جان دینے کو زندگی کا سب سے عزیز سرمایہ تصور کرتے تھے، چنانچہ بدر کی روانگی سے قبل لشکر اسلام معائنہ کے لئے حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت عمیرؓ اپنے کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے چھپاتے پھرتے تھے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیرؓ بن ابی وقاص کو بدر کے دن دیکھا کہ وہ لشکر اسلام کے پیش ہونے سے پہلے اپنے کو چھپاتے پھر رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا کیا بات ہے؟ اس طرح چھپتے کیوں پھر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں رسول پاک ﷺ کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے اور وہ مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس نہ کردیں، حالانکہ میں راہِ خدا میں نکلنا چاہتا ہوں، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمادیں، چنانچہ جس کا انہیں خوف تھا وہی ہوا، رسول کریم ﷺ پر جب لشکر کو پیش کیا گیا تو ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس کردیا، وہ اس کی تاب نہ لاسکے اور آنکھیں نم ہوگئیں، اور بے اختیار رو پڑے، رسول اللہ ﷺ کا دل ان کے رونے سے نرم ہوگیا، بالآخر آپؐ نے ان کو نکلنے کی اجازت دیدی، حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ہونے کے سبب میں ان کی تلوار کے تسمہ پر گرہیں لگاتا تھا، چنانچہ ان کی دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی معرکہ میں ۱۶؍سال کی عمر میں وہ شہید ہوگئے۔ (الاصابہ: ۳۲۰/۲)

دو بہادر کم عمر صحابہ ؓ کا ابو جہل کو کیفر کردار تک پہنچانا

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بیان فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صفِ جنگ میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنی نظر دائیں بائیں

جانب کی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کمسن لڑکے کھڑے تھے، میرے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش کہ میں طاقتور لوگوں کے درمیان ہوتا کہ وقتِ ضرورت مدد لے سکتا، ابھی یہ تمنا میرے دل میں پیدا ہو ہی رہی تھی کہ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھ سے چپکے سے پوچھا: چچا جان! ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! بھتیجے، تمہیں اس سے کیا لینا؟ اس نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے، انہیں برا بھلا کہتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اسے اس وقت تک چھوڑوں گا نہیں کہ یا تو وہ مرے یا میں مروں! حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ مجھے اس کی بات کو سن کر بڑا تعجب ہوا کہ اتنے میں دوسرے نے مجھ سے وہی بات پوچھی جو پہلے نے پوچھی تھی، پھر وہی بات دہرائی جو پہلے نے دہرائی تھی، ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی اتنے میں میری نظر ابوجہل پر پڑی جو صفوں کو درست کرتے ہوئے گھوم رہا تھا، میں نے کہا: تمہارا مقصود جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے یہ حاضر ہے، وہ دونوں چیل کی طرح اپنی تلواروں سمیت اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے مار گرایا، یہ دونوں معاذؓ بن عمرو بن جموح اور معاذؓ بن عفراء تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۱۴۱)

صحیح بخاری ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے اسے زخمی حالت میں تڑپتا چھوڑ دیا اور حضور اکرم ﷺ کو آکر اس کی اطلاع دی، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ ؓ کو حکم فرمایا کہ اولاً اسے مردوں میں تلاش کرو، نہ ملے تو زخمیوں میں تلاش کرو، حضرت ابن مسعودؓ بھی اس کی تلاش میں نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ زخمی حالت میں تڑپ رہا ہے تو انہوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے سر کو حضور ﷺ کے پاس لیکر آئے۔

معاذ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے ابوجہل پر حملہ کیا اس کے بیٹے عکرمہ نے تلوار سے اس زور سے میرے مونڈھے پر حملہ کیا کہ ہاتھ کٹ کر کھال سے لٹک گیا، پورا دن اس کے لٹکے رہنے کے ساتھ میں لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکتے رہنے کے سبب بہت زیادہ تکلیف ہونے لگی تو اس ہاتھ کو پیر کے نیچے دبا کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ ہاتھ تن سے جدا ہو گیا اور اس ہاتھ کو پھینک کر پھر لڑائی میں مشغول ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ: ج۳ ص ۶۸)

حضرت سلمہؓ بن اکوع کی بہادری

حضرت سلمہؓ بن الاکوع یہ ایک غیر معمولی بہادر و دلیر اور بہت ہی ذہین و فطین کم عمر صحابیؓ تھے، بہت تیز دوڑتے تھے، حتی کہ عربی گھوڑے ان سے مات کھا جاتے تھے، یہ ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ کے غلام حضرت رباحؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے اونٹوں کا حال معلوم کرنے جا رہے تھے، حضرت سلمہؓ کے پاس حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کا گھوڑا تھا، ادھر یہ لوگ معائنہ کے لئے جا رہے تھے، ادھر عبدالرحمٰن بن عیینہ نے گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ اونٹوں پر حملہ کر دیا اور سب کو ہانک کر لے گیا، اس نے چرواہے کو بھی قتل کر دیا، حضرت سلمہؓ جب کچھ آگے پہونچے تو انہیں واقعہ کا علم ہوا اور دشمن کے سوار نظر آئے تو انہوں نے حضرت رباحؓ سے فرمایا: تم اس گھوڑے کو لے جاؤ اور طلحہؓ کو دیدو اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی خبر کر دو، میں دشمن کا تعاقب کرتا ہوں، اس کے بعد وہ ایک پہاڑی پر چڑھے، مدینہ کی طرف رخ کیا اور بلند آواز سے تین مرتبہ **یا صباحاہ!** کہا، تا کہ خطرہ کی خبر مدینہ میں ہو جائے، اس

کے بعد یہ تن تنہا تلوار اور اپنے تیروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں چلے گئے، اور ان حملہ آوروں پر اس پھرتی سے تیر برسانے شروع کئے کہ وہ لوگ بدحواس اور دہشت زدہ ہوگئے، اگر کوئی گھوڑسوار پیچھے لوٹتا تو وہ فوراً کسی درخت کی اوٹ میں آجاتے، پھر اس پر تیر برساتے اور اسے زخمی کردیتے اور پھر کہتے تھے: **انا ابن الاکوع و الیوم یوم الرّضع** ۔ میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج جانچ کا دن ہے کہ دیکھیں کس نے کتنا ماں کا دودھ پیا ہے؟ اسی طرح وہ ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان پر تیر برساتے رہے، ان کو زخمی کرتے رہے، انہیں دہشت زدہ کرتے رہے حتی کہ انہوں نے انہیں پکڑنے کی ہزار کوشش کی لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ آئے، خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جتنے اونٹ تھے وہ سب میں نے ان سے واپس لے لئے، اونٹوں کو مدینہ کی طرف ہنکادیا، پھر ان کا تعاقب کیا، اب حالت یہ ہوئی کہ وہ اپنی چادریں اور نیزے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے پھینک دیتے اور میں ان پر نشان کے لئے پتھر رکھ دیتا، پھر تعاقب کرتا حتی کہ تیس سے زیادہ چادریں اور اتنے ہی نیزے وہ اپنے چھوڑ گئے، لیکن میں نے ان کا تعاقب نہ چھوڑا، کچھ دیر بعد ان کے پاس عیینہ بن حصن فزاری کی کمک آپہنچی، تو انہیں کچھ دم لینے کا موقع ہاتھ آیا، میں بھی ایک پہاڑی پر چڑھ گیا، عیینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں اس کے ہاتھ سے سخت مصیبت اٹھانی پڑی، آج صبح سے یہ ہمارے پیچھے ہے اور برابر تیراندازی کررہا ہے، اس نے ہمارے ہاتھ سے تمام مویشی چھین لئے، عیینہ نے مجھ کو پکڑنے کے لئے ۴ر آدمی بھیجے، جب وہ میرے پاس اتنی قریب آئے کہ جہاں سے بات چیت ہوسکتی تھی تو میں نے ان سے کہا: مجھے پہچانتے ہو؟ ان لوگوں نے پوچھا: بتاؤ تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں سلمہؓ بن اکوع ہوں! اور قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو عزت دی ہے! تم میں سے جو بھی شخص مجھے پکڑنا چاہے مجھے نہیں پکڑ سکتا، اور میں تم میں سے جس کو پکڑنا چاہوں وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکتا، انہوں نے کہا: ہاں! ہم بھی یہی سمجھتے ہیں، ابھی ہم میں یہ گفتگو ہوہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار درختوں کے پیچھے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو بھاگے، ان میں سے بعض قتل بھی ہوئے، پھر میں ان کے تعاقب میں پاپیادہ دوڑتے ہوئے اتنی دور نکل گیا کہ اب مجھے نہ صحابہ ؓ نظر آتے تھے نہ ان کا غبار، غروب آفتاب سے پہلے چونکہ وہ پیاسے تھے ایسے پہاڑی نشیب کی طرف مڑے جہاں ذوقرد نامی چشمہ تھا، مگر اب انہوں نے مجھے اپنے پیچھے دوڑتا ہوا آتا دیکھا تو وہ میرے خوف سے اس چشمہ سے ایک قطرہ پانی پیئے بغیر ہی آگے چل دیئے، کچھ اور تعاقب کرنے کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آگیا۔

آپ ﷺ اس وقت ذی قرد کے اس چشمہ پر جہاں سے میں نے دشمن کو بھگادیا تھا مقیم تھے، جن اونٹوں کو میں نے دشمن کے قبضہ سے چھڑایا تھا ان پر اور ان تمام نیزوں اور چادروں پر آپ ﷺ نے قبضہ کرلیا تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے صحابہ ؓ میں سے ۱۰۰ر کا انتخاب کرلوں اور ان کے ذریعہ دشمن کا تعاقب کرکے ان کا نام ونشان مٹادوں! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم واقعی ایسا کروگے؟ میں نے کہا: جی ہاں! اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ غطفان کی سرزمین میں پناہ حاصل کرلیں گے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنی ساتھیوں سمیت مدینہ واپس ہوگئے، راستہ میں آپ ﷺ نے یہ جملہ فرمایا: ہمارے سواروں میں سب سے بہترین سوار ابوقتادہؓ ہے اور پیادوں میں سب سے بہترین سلمہؓ بن اکوع ہے۔

یہ واقعہ بڑا تفصیلی ہے جس کو خود حضرت سلمہؓ بن اکوع نے بیان فرمایا (مسند احمد: ۵۲/۴، ح: ۱۶۵۴۵)، یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، اس واقعہ کے اندر خود اس بات کی صراحت ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور مؤرخین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حضرت سلمہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ۸۰ر سال کی عمر میں ہوا۔ (الاستیعاب: ۱۹۳/۱) اور صلح حدیبیہ ۶ھ میں واقع ہوا، اس حساب سے اس واقعہ کے وقت ان کی عمر صرف ۱۲۔ یا۔ ۱۳ر سال کی ہوتی ہے۔

اتنی چھوٹی عمر میں جو عام طور پر بچوں کے کھیل کود کی عمر ہوتی ہے، تن تنہا اتنی دلیری کے ساتھ لٹیروں کی اتنی بڑی جماعت کا اس طرح تعاقب کرنا کہ وہ لوٹے ہوئے مال کے ساتھ اپنا مال بھی چھوڑ جائیں اور ان پر تیروں کی بوچھار کرکے ان کے اوسان خطاء کردینا اور ان کو دہشت زدہ کردینا یہ اسی کمالِ ایمانی کا ثمرہ تھا جو حضور پاک ﷺ کی تربیتِ ظاہری و باطنی اور اس ماحول کی برکت سے ظہور میں آیا۔

یہ صرف چند واقعات ہیں جو نمونہ کے طور پر ذکر کردئے گئے، ورنہ نہ جانے ایسے کتنے واقعات ہیں جو سیر و تواریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں اور اس کے علاوہ نہ جانے کتنے ایسے واقعات ہیں جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہ رہ سکے، ان واقعات سے ہمیں درسِ عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ اتنے کم عمر صحابہؓ جن میں سے بعض تو شرعی اعتبار سے بھی مکلف نہیں تھے لیکن اس کے باوجود ان کے دل و دماغ جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت سے لبریز تھے، دین کی تبلیغ میں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو قربانی وہ دے سکتے تھے اس سے وہ ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے حتی کہ آخر میں اپنی جانِ عزیز بھی راہِ خدا میں قربان کردی۔

نوجوانانِ امت کے لئے پیغام

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ امت کے وہ نوجوان کہ جن کی زندگیاں خواہشات نفس کی تکمیل میں اور خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں گذر رہی ہیں اور جو اپنی تمام تر صلاحیتیں زر و زن کے حصول میں لگا رہے ہیں اور جن کا وقت ٹی وی اور انٹرنٹ کے سامنے فحش اور عریاں مناظر دیکھنے میں گذر رہا ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں کہ اس قدر کم سن صحابہ ﷺ کے جن کی عمریں ابھی کھیلنے کودنے کی تھیں اور خواہشات و آرزوؤں کی انگڑائیاں لینے کی تھیں، کس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی سربلندی کے لئے انہوں نے اپنی خواہشات کی قربانی دی بلکہ یہ قربانیاں ان کی مرغوبات بن گئیں حتی کہ دین اسلام کے خاطر اپنی جان تک کی قربانی دینا ان کے لئے آسان ہوگیا بقول کسے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم بھی جماعتِ صحابہ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنائیں، ان کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھائیں، ان کی اتباع کا شوق اپنے دلوں میں جمائیں، ان کے تعلق سے کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے ان کی شان میں کسی قسم کا نقص آتا ہو اور بقدرِ استطاعت اپنی جان و مال کو دین کی اشاعت میں اور اسلام کی تبلیغ و حفاظت میں لگانے کی کوشش کریں۔

امداد الحق بختیار ☆

غزوات نبوی ﷺ اور ان میں شریک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد

حضور ﷺ نے مدینہ کی دہ سالہ زندگی میں کم وبیش (۸۸) مہمات بھیجی تھیں، ان میں سے کچھ ایسی تھیں جن کی قیادت کسی صحابی کے سپرد تھی یہ سرایا کہلاتی ہیں اور بعض کی قیادت خود رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اور یہ غزوات کے نام سے مشہور ہیں، ان کی تعداد (۲۷) ہے۔

(۱) غزوۂ وَدّان یا ابواء (۲) غزوۂ بُواط (۳) غزوۂ ذات العشیرہ (۴) بدر اولی (۵) بدر کبری (۶) بنی سلیم (۷) سویق (۸) غطفان یا ذی امر (۹) بحران (۱۰) احد (۱۱) حمراء الاسد (۱۲) بنی نضیر (۱۳) ذات الرقاع (۱۴) بدر الآخرہ (۱۵) دومۃ الجندل (۱۶) خندق (۱۷) بنی قریظہ (۱۸) بنی لحیان (۱۹) ذی قرد (۲۰) بنی المصطلق (۲۱) حدیبیہ (۲۲) خیبر (۲۳) فتح مکہ (۲۴) حنین (۲۵) طائف (۲۶) تبوک۔

بعض نے غزوات کی تعداد (۲۷) لکھی ہے، انھوں نے غزوۂ خیبر اور وادی القری کو الگ الگ غزوہ شمار کیا ہے، جنھوں نے (۲۶) لکھی ہے، انھوں نے ان دونوں غزوات کو ایک ہی شمار کیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ حضور ﷺ خیبر سے فارغ ہوکر مدینہ واپس نہیں آئے تھے؛ بلکہ وہیں سے وادی القری چلے گئے تھے۔

قتال

ان (۲۷) غزوات میں سے (۹) میں قتال اور جنگ ہوئی ہے: (۱) بدر (۲) احد (۳) خندق (۴) قریظہ (۵) مصطلق (۶) خیبر (۷) فتح مکہ (۸) حنین (۹) طائف۔ بقول واقدی: گیارہ غزوات میں جنگ ہوئی ہے (۹) مذکورہ بالا اور ایک غزوہ وادی القری اور ایک یوم الغابہ میں۔ (۱)

ان تمام غزوات میں مخالفین کے کل قیدی (۶۵۶۴) اور کل مقتول (۷۵۹) تھے اور مسلمانوں میں سے کل شہید (۲۵۹) اور صرف ایک بزرگ قید ہوئے، یقینی طور پر تحقیق ہے کہ دشمنوں کے ان قیدیوں میں سے (۶۳۴۸) کو حضور ﷺ نے بغیر کسی شرط

☆ استاذ دار العلوم رحید رآباد

کے آزاد فرمادیا تھا، صرف ایک شخص کو قصاص میں قتل کیا گیا تھا، باقی (۲۱۵) میں سے غزوہ بدر کے (۷۰) قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کردیا گیا تھا، اب بچے (۱۴۵) قیدی، تو بدیہی بات ہے کہ جس رحمۃ للعالمین نے صرف ایک غزوہ حنین کے چھ ہزار سے زیادہ قیدیوں کو آن واحد میں آزادی بخش دی تھی، اس ذات مقدس نے ان تھوڑے سے افراد کو بھی اپنی رحمت و عفو سے محروم نہ رکھا ہوگا۔

اس مقالہ میں قاری و باحث کی سہولت کے لیے غزوات کی الگ اور سرایا کی الگ ترتیب دی گئی ہے، نیز تفصیل سے پہلو تہی کرتے ہوئے اختصار کو برتا گیا ہے؛ کیوں کہ کسی مجلاتی مقالہ کے چند صفحات اس طویل ترین موضوع کے لیے کافی نہیں ہوسکتے، پہلے غزوات کو بیان کیا گیا ہے، جن کی مختصر تفصیل اور تاریخی ترتیب یہ ہے:

غزوات ۲ھ

(۱) صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء میں ''غزوہ وَدّان'' جسے ''غزوۃ الابواء'' بھی کہتے ہیں ہوا، اس میں مجاہدین کی تعداد (۷۰) تھی، مدینہ پر سعد بن عبادہ بن دُلیم کو خلیفہ بنایا اور حضرت حمزہ کے ہاتھ میں سفید علم تھا، یہ غزوہ قریش اور بنی ضمرہ بن بکر کے مقابلہ میں تھا، مخشی بن عمروان کا سردار تھا، اس نے حضور ﷺ سے اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ نہ قریش کی مدد کریں گے نہ مسلمانوں کی، بقول واقدی: حضور ﷺ نے وہاں پندرہ رات تک قیام کیا۔(۲)

(۲) غزوہ ''بُواط'' ربیع الاول ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء میں ہوا، اسلامی لشکر (۲۰۰) نفوس پر مشتمل تھا، جبکہ دشمن کی تعداد امیہ بن خلف کی قیادت میں (۱۰۰) تھی، مدینہ کے خلیفہ سعد بن معاذؓ مقرر ہوئے، علم بردار سعد بن ابی وقاصؓ تھے، اس میں قریش کی ایک جماعت سے مزاحمت مقصود تھی، جس میں امیہ بن خلف جمحی (۱۰۰) قریش اور (۲۵۰۰) اونٹ کے ساتھ تھا؛ مگر دشمن نہ ملا؛ اس لیے لوٹ کر آگئے، ''بواط'' شام کی راہ میں جحفہ کے قریب جبال جہینہ مین ایک دوشاخہ پہاڑی ہے۔(۳)

(۳) غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اولی ربیع الاول ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء میں ہوا، مدینہ پر زید بن حارثہؓ کو خلیفہ بنایا، علم حضرت علی کے ہاتھ میں تھا، مجاہدین کی تعداد (۷۰) تھی، دشمن کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں تھا، دشمن کی تلاش میں اسلامی لشکر وادی سفوان (جو بدر کے قریب ہے) تک پہنچا؛ مگر دشمن نہ ملا، کرز بن جابر نے مدینہ کے جانوروں پر حملہ کیا تھا اسی کو غزوہ بدر اولی بھی کہتے ہیں، اس غزوہ کو صاحب الکامل فی التاریخ اور البدایہ والنہایہ نے غزوہ ذات العشیر کے بعد لکھا ہے اور طبری نے پہلے۔(۴)

(۴) غزوہ ذی العشیرہ جمادی الاخری ۲ھ مطابق نومبر، دسمبر ۶۲۳ء میں پیش آیا، مدینہ کے خلیفہ ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی تھے، لواء حضرت حمزہ کے ہاتھ میں تھا، اس میں (۱۵۰) صحابہ نے شرکت کی، آپ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش کی ایک جماعت مال تجارت لے کر شام جانے کے لیے مکہ سے روانہ ہو چکی ہے، اس کی تلاش میں آپ نکلے، ینبوع کے قریب ایک مقام تک تشریف لے گئے، جس کا نام ذی العشیرہ یا ذی العشیر یا ذی العسیر بمہملہ ہے، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کئی روز پہلے یہ جماعت یہاں سے آگے بڑھ گئی، یہی جماعت جب شام سے لوٹی تو پھر آپ مزاحمت کے لیے نکلے اور بدر کبری واقع ہوا، اسی سفر میں بنی

مدلج اور اس کے حلیف بنی ضمرہ سے مصالحت کی۔(۵)

(۵) غزوہ بدر کبری بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء میں ہوا، قریش کا ایک تجارتی قافلہ، جس میں (۱۰۰۰) اونٹ اور تقریباً (۵۰۰۰۰ یا ۶۰۰۰۰) درہم کا سامان تھا، شام کی طرف سے آرہا تھا، آپ ﷺ اس کو روکنے کے لیے ۱۲ رمضان ۲ھ کو (۳۱۳) صحابہ کے ساتھ نکلے، ابن ام مکتوم ؓ کو اپنا نائب مقرر کیا، اس جیش میں چار علم تھے: حضور ﷺ کا حضرت علیؓ کے پاس، مہاجرین کا حضرت مصعب بن عمیرؓ، خزرج کا حضرت حباب بن منذرؓ اور اوس کا حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس، گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ (۷۰)، کفار ابوجہل کی قیادت میں (۱۰۰۰) تھے، ان کے ساتھ (۷۰۰) اونٹ اور (۱۰۰) گھوڑے تھے، جنگ جمعہ کے دن ۱۷ رمضان کو ہوئی، اس میں (۲۲) صحابہ شہید ہوئے، (۷۰) کفار قتل ہوئے، (۷۰) قید ہوئے، مسلمانوں کی فتح ہوئی۔(۶)

(۶) غزوہ بنی قینقاع شوال ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء میں ہوا، مدینہ پر ابولبابہ بن عبدالمنذر ؓ کو خلیفہ مقرر کیا(۷)، لواء حضرت حمزہ کے ہاتھ میں تھا، اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد ایک عرب عورت ان کے بازار میں گئی، انھوں نے اسے ننگا کردیا، وہ چلائی، ایک عرب آیا، تو اسے بھی قتل کردیا، پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور ملامت کی، تو وہ کہنے لگے کہ بدر کی فتح پر مغرور نہ ہونا، وہ تمہاری قوم تھی، ہم سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوجائے گا اور انھوں نے معاہدہ توڑ دیا، حضور ﷺ نے نصف شوال بروز ہفتہ کو ان کا محاصرہ کیا، جو پندرہ روز تک رہا، آخر ان پر رعب طاری ہوا اور بلا شرط حضور ﷺ کے حکم پر رضامندی ظاہر کی، یہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اس لیے رأس المنافقین عبداللہ بن سلول اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے سفارش کی، حضور ﷺ نے انھیں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ ساری قوم مدینہ واطراف مدینہ چھوڑ کر چلی جائے۔(۸)

(۷) غزوہ قرقرۃ الکدر یا غزوہ بنی سلیم محرم ۲ھ مطابق جولائی ۶۲۴ء میں واقع ہوا، لواء حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا، مدینہ کے خلیفہ ابن ام مکتومؓ تھے، اس میں (۲۰۰) مجاہدین نے شرکت کی، یہ غزوہ بنی غطفان اور بنی سلیم کے مقابلہ میں تھا، دشمن کا ایک آدمی زخمی ہوا، کفار مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے تھے، مجاہدین کو دیکھ کر واپس چلے گئے، یسار نامی ایک غلام قید ہوا، جسے آزاد کردیا گیا، بقول ابن اسحاق یہ غزوہ شوال ۲ھ میں ہوا اور بقول واقدی محرم ۳ھ میں۔(۹)

(۸) غزوۃ السویق ذی الحجہ ۲ھ مطابق مئی، جون ۶۲۴ء میں ہوا، جس میں مجاہدین کی تعداد (۲۰۰) تھی اور ابوسفیان الاموی کی امارت میں (۲۰۰) کفار تھے، مشرکین مکہ جب بدر سے تباہ حال لوٹے تو ان کو دیکھ کر ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کرلوں گا غسل جنابت نہ کروں گا، آخر (۲۰۰) آدمیوں کو لے کر پوشیدہ مدینہ آیا، رات کے وقت سلام بن مشکم، جو بنی نضیر کا سردار تھا، کے یہاں ٹھہرا صبح کو مدینہ کے کنارہ مقام عریض میں کچھ درخت کاٹ دیے اور ایک انصاری اور ایک ان کے حلیف جو کھیتی کر رہے تھے کو قتل کردیا اور بھاگا، حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو تعاقب کیا اور مقام کرکرۃ الکدر تک تشریف لے گئے مگر نہ ملا، کفار بھاگتے ہوئے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بہت سارا ستو پھینکتے گئے، جو صحابہ کو ملا اور اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق ہوگیا، اس غزوہ میں (۲) صحابہ شہید ہوئے۔(۱۰)

غزوات ۳ھ

(۹) غزوہ ذی امر یا غزوہ غطفان یا غزوہ انمار ربیع الاول ۳ھ مطابق ستمبر ۶۲۴ء میں ہوا، مدینہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ مقرر کردیا، اس میں مجاہدین کی تعداد (۴۵۰) تھی، یہ غزوہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے خلاف تھا، یہ دونوں قبیلے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکھٹا ہوئے تھے؛ لیکن جب انھوں نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو بھاگ گئے، نبی پاک ﷺ صحابہ کے ساتھ نجد تک گئے وہیں ''دعثور بن الحارث یا غورث بن الحارث'' (۱۱) اسلام لایا، جو حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا، صفر کا پورا مہینہ آپ وہاں رہے، لیکن کوئی لڑائی نہ ہوئی ۔ (۱۲)

(۱۰) غزوہ بحران جمادی الاولی ۳ھ مطابق اکتوبر، نومبر ۶۲۴ء میں ہوا، مدینہ کا خلیفہ ابن ام مکتومؓ کو بنایا گیا، اس میں صحابہ کی تعداد (۳۰۰) تھی، مدینہ سے کوئی ۶۰/۵۰ میل جنوب میں ایک مقام '' فُرع '' کہلاتا تھا اور اس کے قریب ہی ایک اور موضع ''بُحران'' کے نام سے مشہور تھا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنی سُلیم مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے مقام ''بحران'' میں جمع ہورہے ہیں، آپ ﷺ مع اصحابؓ وہاں تشریف لے گئے، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر بھاگ گئے، آپ ﷺ لوٹ آئے، کوئی جنگ نہ ہوئی ۔ (۱۳)

(۱۱) غزوہ احد شوال ۳ھ مطابق مارچ ۶۲۵ء میں پیش آیا، بدر کے (۷۰) مقتولوں کا انتقام لینے کے لیے قریش سخت بے تاب تھے، اس مقصد کے لیے انھوں نے (۲،۵۰،۰۰۰) درہم جمع کیے، اور (۳۰۰۰) جانبازوں کا ایک لشکر تیار کیا، جس میں (۷۰۰) زرہ پوش تھے اور جن کے پاس (۲۰۰) گھوڑے اور (۳۰۰۰) اونٹ تھے، یہ لشکر بروز بدھ ۱۵ر شوال ۳ھ احد کے قریب فروکش ہوا، آپ ﷺ دو دن بعد نماز جمعہ سے فارغ ہو کر (۱۰۰۰) افراد کے ہمراہ نکلے، مدینہ میں امامت کے لیے حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو مقرر کردیا، رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اپنے (۳۰۰) حواریوں کو لے کر واپس ہوگیا، آپ ﷺ نے میدان میں پہنچ کر صف آرائی کی، (۵۰) تیر اندازوں کو حضرت عبد اللہ بن جبیر کی قیادت میں اس چوٹی پر متعین فرمادیا، جو مسلمانوں کے عقب میں تھی، صفیں آراستہ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے مہاجرین کا علم حضرت علیؓ کو، اوس کا حضرت اُسید بن حضیرؓ کو اور خزرج کا حباب بن منذرؓ کو عطا کیا اس میں (۷۰۰) صحابہ نے شرکت کی، لواء حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا، آغاز جنگ میں مسلمانوں کے تیز و تند حملوں سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، یہ دیکھ کر پہاڑی کے تیر انداز حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کے روکنے کے باوجود نیچے اتر آئے، خالد بن ولید نے اسی طرف سے مسلمانوں پر اتنا تیز حملہ کیا کہ ان میں بدحواسی پیدا ہوگئی، حضور ﷺ کو متعدد چوٹیں آئیں، آپ ﷺ گڑھے میں گر پڑے، جس پر یہ افواہ پھیل گئی کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے، اس سے مسلمانوں مین عام بدحواسی پھیل گئی، بعض صحابہ یہ کہہ کر کہ حضور ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے، کفار کی صفوں میں گھس گئے، اور بعض مارے غم کے کوئی فیصلہ نہ کر پائے، حضور ﷺ کو سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے دیکھا اور بآواز بلند اعلان کردیا، دونوں فوجیں بے نتیجہ میدان سے الگ ہوگئیں ۔ (۱۴)

(۱۲) غزوہ حمراء الاسد ۷/ شوال ۳ھ مطابق مارچ ۶۲۵ء میں ہوا، اس میں (۶۴۰) صحابہ شریک تھے اور کفار ابوسفیان کی قیادت میں

(۲۹۷۰) تھے، اس میں دو کفار ابوعزی اور معاویہ بن المغیرہ قید ہوئے، ابوعزی کو نقض عہد کی وجہ سے قتل کردیا گیا، نبی پاک ﷺ دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لیے نکلے تھے، احد کے دوسرے دن مسلمان دشمنوں کی چھاونی میں گئے تاکہ دشمن انھیں کمزور سمجھ کر دوبارہ ان پر حملہ نہ کردے۔(۱۵)

غزوات ۴ھ

(۱۳) غزوہ بنی نضیر ربیع الاول ۴ھ مطابق اگست ۶۲۵ء میں ہوا، مدینہ پر ابن ام مکتوم ؓ کو خلیفہ مقرر کیا، علم حضرت علی ؓ کو ملا، اس غزوہ میں ان کو جلاوطن کرکے خیبر بھیج دیا گیا، یہ غزوہ اس وجہ سے پیش آیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔(۱۶)

(۱۴) غزوہ ذات الرقاع جمادی الاول یا محرم ۴ھ مطابق جون ۶۲۶ء میں پیش آیا مدینہ میں حضرت ابوذر غفاری یا حضرت عثمان ؓ کو خلیفہ مقرر کردیا، یہ غزوہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے خلاف تھا، اس میں ایک روایت کے مطابق (۴۰۰) دوسری روایت کے مطابق (۷۰۰) مجاہدین نے شرکت کی، بنی غطفان کی ایک بڑی جمعیت مقابلہ میں آئی؛ مگر جنگ نہ ہوئی۔(۱۷) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ غزوہ جمادی الاولی ۴ھ میں ہوا، اور واقدی کہتے ہیں کہ محرم ۵ھ میں اور امام بخاری کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد یعنی ۷ھ میں ہوا۔(۱۸)

(۱۴) غزوہ بدر اخری ذی قعدہ ۴ھ مطابق اپریل ۶۲۶ء میں ہوا، مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ ؓ کو خلیفہ بنایا، علم بردار حضرت علی ؓ تھے، جس میں پیادہ مجاہدین کی تعداد (۱۵۰۰) اور سوار کی تعداد (۱۰) تھی، کفار (۲۰۰۰) پیادہ اور (۵۰) سوار تھے، قائد ابوسفیان تھا، غزوہ احد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ ہمارا تمہارا وعدہ ہے کہ آئندہ سال بدر میں مقابلہ ہوگا، حضور ﷺ نے قبول کرلیا، دوسرے سال یعنی ۴ شعبان یا ذی قعدہ میں اس وعدہ کے موافق حضور ﷺ روانہ ہوئے اور بدر تک گئے، (۸) روز تک کفار کا انتظار کیا ادھر ابوسفیان اہل مکہ کے ساتھ ظہران یا عصفان کے علاقہ تک آیا، وہاں اس نے یہ کہا کہ یہ سال مناسب نہیں؛ چنانچہ سب وہیں سے لوٹ گئے اور جنگ نہیں ہوئی۔(۱۹)

غزوات ۵ھ

(۱۵) غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول ۵ھ مطابق اگست، ستمبر ۶۲۶ء میں ہوا، سباع بن عرفطہ الغفاری ؓ کو مدینہ کا خلیفہ بنایا، اس میں (۱۰۰۰) مجاہدین نے شرکت کی، یہ غزوہ اہل دومہ سے ہوا، حضور ﷺ دومہ پہنچنے سے پہلے ہی واپس آگئے، اس میں بھی قتال نہیں ہوا، حضور ﷺ نے دومۃ الجندل میں ایک بڑے مجمع کے بارے میں سنا جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا، جب حضور ﷺ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ خبر جھوٹی تھی، واپس آگئے اور راستے میں عیینہ بن حصین سے مصالحت کی۔(۲۰)

(۱۶) غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع ۲/شعبان ۵ھ مطابق جنوری ۶۲۷ء میں پیش آیا، مدینہ میں حضرت زید بن حارثہ ؓ یا حضرت ابوذر غفاری ؓ یا بقول بعض نمیلہ بن عبداللہ اللیثی ؓ کو خلیفہ مقرر کیا، مہاجرین کا علم حضرت ابوبکر صدیق کو اور انصار کا حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو ملا، اس غزوہ میں دشمنوں کی قیادت بنی المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار کررہا تھا، اس میں (۱۹) کفار قید ہوئے اور (۱۰) قتل ہوئے، دشمنوں کو شکست ہوئی، اور تمام قیدیوں کو رہا کردیا گیا، سبب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنی المصطلق مسلمانوں کے خلاف جمع ہورہے ہیں، تو حضور ﷺ نے بُریدہ ابن الحصیب اسلمی ؓ کو تحقیق کے لیے بھیجا انھوں نے خبر کی تصدیق کی تو حضور ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے، صرف بنی المصطلق نے قتال کیا

باقی سب بھاگ گئے۔(۲۱)

(۱۷) غزوہ احزاب یا غزوہ خندق شوال یا ذی قعدہ ۵ھ مطابق اپریل ۶۲۷ء میں پیش آیا، ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا خلیفہ مقرر کر دیا، اس میں (۳۰۰۰) صحابہ نے شرکت کی، کفار کا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں (۱۰۰۰۰) نفوس پر مشتمل تھا، اس غزوہ میں (۶) صحابہ شہید ہوئے، (۱۰) کافر قتل ہوئے، دشمن خائب وخاسر لوٹ گیا، غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے قریش اور دیگر قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا، صحابہ نے دفاعاً مدینہ کے اطراف میں خندقیں کھودیں، کفار نے ایک مہینہ تک محاصرہ رکھا پھر نامراد واپس ہوگئے۔(۲۲)

(۱۸) غزوہ بنی قریظہ ذی الحجہ ۵ھ مطابق مئی ۶۲۷ء میں ہوا، اس میں (۴) مسلمان شہید ہوئے، بنو قریظہ کے (۴۰۰) قتل اور (۲۰۰) قید ہوئے، بنی قریظہ کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا؛ لیکن انھوں نے خندق کے دن غداری کی اور علانیہ معاہدہ فسخ کردیا، خندق کے ایک مہینہ کے طویل محاصرہ کے بعد مسلمانوں نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ حضرت جبرئیل نے بنی قریظہ پر حملہ کا حکم دیا، مسلمانوں نے بنی قریظہ کا (۲۵) روز تک محاصرہ کیا، بنی قریظہ مجبور ہوگئے اور بلا شرط زیر حکم آگئے، نبی پاک ﷺ نے بنی قریظہ کے سلسلہ میں سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا تا کہ وہ ان کے حق میں فیصلہ کرسکے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ تمام مردوں کو قتل کردیا جائے، جن کی تعداد (۴۰۰) تھی، یہ تعداد ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے، اور ذریات گرفتار کرلی جائیں اور اموال مسلمانوں میں تقسیم کردیے جائیں، حضور ﷺ نے ان کے فیصلہ کو قبول فرمایا۔(۲۳)

غزوات ۶ھ

(۱۹) غزوہ بنی لحیان ربیع الاول ۶ھ مطابق جولائی ۶۲۷ء میں ہوا، ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا خلیفہ بنایا گیا، اس میں صحابہ کی تعداد (۲۰۰) تھی، یہ غزوہ بنی لحیان سے ہوا، جو ہذیل کا ایک بطن تھا، جب دشمن نے حضور ﷺ کی آمد کی خبر سنی، تو منتشر ہوگیا، یہ غزوہ اہل رجیع کی تادیب کے لیے تھا، جنھوں نے (۱۰) بے گناہ مبلغین اسلام کو قتل کردیا تھا۔(۲۴)

(۲۰) غزوہ ذی قرد یا غابہ ربیع الآخر ۶ھ مطابق اگست ۶۲۷ء میں واقع ہوا، ابن ام مکتومؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، علم سعد بن زیدؓ کو دیا گیا، اس میں مجاہدین کی تعداد (۵۰۰) تھی، مقابلہ میں قبیلہ غطفان کے کچھ سوار عیینہ فزاری کی قیادت میں تھے، اس میں مسلمانوں میں سے ایک عورت قید ہوئی، (۳) شہید ہوئے، ایک کافر مارا گیا، وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے حضور ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کیا اور سب کو ہانک کرلے گئے، چرواہے کو قتل کردیا اور اس کی عورت کو لے گئے، مسلمانوں نے پیچھا کیا اور پکڑ لیا۔(۲۵)

(۲۱) حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ مطابق مارچ ۶۲۸ء میں ہوا، اس میں صحابہ (۱۴۰۰) تھے، مقابل میں سہل بن عمرو القرشی کی قیادت میں اہل مکہ تھے، اس میں دونوں فریق کے درمیان دس سالہ معاہدہ ہوا، اس کا سبب یہ ہوا کہ حضور ﷺ صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے نکلے، قریش نے مقام حدیبیہ میں آپ ﷺ کو روک دیا، وہیں یہ صلح ہوئی۔(۲۶)

غزوات ۷ھ

(۲۲) غزوہ خیبر محرم الحرام ۷ھ مطابق جون ۶۲۸ء میں ہوا، مدینہ میں سباع بن عُرفُطہ الغفاریؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، اس میں

(۱۴۰۰) صحابہ اور (۲۰) صحابیات شامل تھیں، مقابلہ میں (۱۰۰۰۰) یہود خیبر کنانہ بن ابی الحقیق کی سرکردگی میں تھے، اس میں (۵۰) مسلمان زخمی اور (۱۸) شہید ہوئے، (۹۳) یہود قتل ہوئے، اس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، اس غزوہ کی وجہ یہ ہوئی کہ خیبر میں بڑے بڑے اعداء اسلام جمع ہو گئے تھے اور فسادات کا بڑا سرچشمہ وہی تھا؛ اس لیے حضور ﷺ نے خیبر پر حملہ کا ارادہ کیا۔ (۲۷)

(۲۳) غزوہ وادی القری ۷ھ مطابق جون ۶۲۸ء میں ہوا، لواء حضرت سعد بن عبادہؓ کو دیا، ایک رایہ حضرت حباب بن المنذرؓ کو، ایک حضرت سہل بن حنیفؓ کو، ایک حضرت عباد بن بشرؓ کو دیا، اس میں (۱۳۸۲) صحابہ نے حضور ﷺ کے ساتھ شرکت کی، مقابل میں وادی قری کے یہود تھے، اس میں (۱۱) یہود قتل ہوئے، مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ (۲۸)

غزوات ۸ھ

(۲۴) فتح مکہ رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں پیش آیا، بنوبکر اور قریش نے مل کر بنوخزاعہ پر خوب ظلم کیا، اس طرح عملاً قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ دیا؛ کیوں کہ بنوخزاعہ رسول اللہ ﷺ کے معاہد تھے، عمرو بن سال خزاعی نے مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ سے امداد چاہی اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی، اس میں صحابہ کی تعداد (۱۰،۰۰۰) تھی، مقابل میں قریش مکہ تھے اس میں (۲) صحابی شہید ہوئے، جب کہ (۱۲) کفار قتل ہوئے، مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ (۲۹)

(۲۵) غزوہ حنین یا اوطاس یا ہوازن شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء میں پیش آیا، جس میں حضور ﷺ کی معیت میں (۱۲۰۰۰) مجاہدین تھے، مقابلہ میں پانچ قبیلے: بنوہوازن، بنوثقیف، بنومعز اور بنواسم تھے، اس میں (۶) صحابہ شہید ہوئے، (۶۰۰۰) دشمن زخمی اور (۷۱) قتل ہوئے، مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ (۳۰)

(۲۶) غزوہ طائف شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء میں ہوا، اس میں بھی صحابہ (۱۲۰۰۰) تھے، مقابلہ میں بنوثقیف تھے، مسلمانوں اور کفار میں سے ایک بڑی جماعت زخمی ہوئی اور (۱۳) مسلمان شہید بھی ہوئے، ایک مہینہ کے محاصرے کے بعد حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے مگر محاصرہ ختم کرنے کے بعد اہل طائف حضور ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہو گئے۔ (۳۱)

غزوات ۹ھ

(۲۷) غزوہ تبوک رجب ۹ھ مطابق اکتوبر، دسمبر ۶۳۱ء میں ہوا، اس میں صحابہ حضور ﷺ کے ساتھ (۳۰۰۰۰) تھے، مقابلہ میں ہرقل قیصر روم تھا، اس کا سبب یہ ہوا کہ ہرقل غزوہ موتہ کے عار کو ختم کرنے لیے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا تھا، حضور ﷺ خود صحابہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور دشمن میں رعب و دبدبہ ڈال کر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ (۳۲)

سرایا

ماہرین علم مغازی کے درمیان سرایا کی تعداد میں بہت اختلاف ہے، ابن اسحاق سے تین روایتیں نقل کی جاتی ہیں: طبری اور مسعودی نے (۳۵) کی روایت نقل کی ہے۔ (۳۳)، ابن ہشام نے (۳۸) کی روایت نقل کی ہے۔ (۳۴)، حافظ ابن حجر نے (۳۶) کی

روایت نقل کی ہے(۳۵)

اسی طرح واقدی سے دو روایتیں ہیں: ایک وہ جو مسعودی نے ذکر کی ہے(۳۶)۔ دوم حافظ ابن حجر نے واقدی سے (۴۸) سرایا بیان کیے ہیں۔(۳۷)۔ ابن الجوزی نے (۵۶) سرایا ذکر کیے ہیں۔(۳۸)۔ مسعودی سے مختلف روایات ہیں (۶۰،۶۶،۵۲،۷۳)۔(۳۹)، حاکم نے سرایا کی تعداد (۷۰) سے زائد بیان کی ہے، دوسری روایت میں (۱۰۰) سے زائد بیان کی ہے۔(۴۰)۔ ابن کثیر، امام احمد بن حنبل، حاکم اور عبدالرزاق نے تعداد (۲۴) لکھی ہے۔(۴۱)

سرایا کی تعداد میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کسی غزوہ کے بعد جو ذیلی سرایا بھیجے ہیں، بعض نے انھیں اس غزوہ کا جز مانا ہے، جب کہ دیگر نے انھیں مستقل سریہ کی حیثیت دی ہے، نیز اگر تمام سرایا کا احاطہ کیا جائے؛ خواہ وہ جنگ کے لیے ہوں، تعلیم کے لیے ہوں، تبلیغ اسلام کے لیے ہوں یا تنفیذ حدود کے لیے، تو ان کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی، جسے اصحاب مغازی بیان کرتے ہیں۔

طبری نے ابن اسحاق سے سرایا کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سرایا کی تعداد (۳۵) ہے: (۱) سریہ عبیدہ بن حارث (۲) سریہ حمزہ بن عبدالمطلب (۳) سریہ سعد بن ابی وقاص (۴) سریہ عبداللہ بن جحش (۵) سریہ زید بن حارثہ (۶) سریہ مرثد بن ابی مرثد الغنوی (۷) سریہ منذر بن عمرو (۸) سریہ ابی عبیدہ بن جراح (۹) سریہ عمر بن خطاب (۱۰) سریہ علی بن ابی طالب (۱۲) سریہ غالب بن عبداللہ کلبی (۱۳) سریہ علی بن ابی طالب (۱۴) سریہ ابن ابی العوجاء السلمی (۱۵) سریہ عکاشہ بن محصن (۱۶) سریہ ابی سلمہ بن عبدالاسد (۱۷) سریہ محمد بن مسلمہ (۱۸) سریہ بشیر بن سعد (۱۹) سریہ زید بن حارثہ (۲۰) سریہ زید بن حارثہ (۲۱) سریہ زید بن حارثہ (۲۲) سریہ عبد اللہ بن رواحہ (۲۳) سریہ عبد اللہ بن رواحہ (۲۴) سریہ عبداللہ بن عتیک (۲۵) سریہ محمد بن مسلمہ (۲۶) سریہ عبداللہ بن انیس۔(۴۲)

سرایا اھ

(۱) سریہ سیف البحر رمضان اھ مطابق مارچ ۶۲۳ء میں ہوا، حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر (۳۰) نفوس پر مشتمل تھا، دشمن کا لشکر ابوجہل کی قیادت میں (۳۰۰) کفار پر مشتمل تھا، یہ ایک تجارتی قافلہ تھا جو ملک شام سے لوٹ رہا تھا، جنگ کے لیے صفیں آراستہ ہوگئیں؛ لیکن فریقین کے ایک حلیف مجدی بن عمرو جہنی کی کوششوں سے یہ تصادم ٹل گیا۔(۴۳)

(۲) سریہ رابغ شوال اھ مطابق اپریل ۶۲۳ء میں ہوا، اسلامی لشکر حضرت عبیدہ بن حارث کی امارت میں (۶۰) مہاجر صحابہ پر مشتمل تھا، جب ثنیۃ المرہ پہنچے تو عکرمہ یا ابوسفیان یا مکرز بن حفص کی قیادت میں (۲۰۰) مشرکین ملے، اس سریہ میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی، یہ سریہ مکہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔(۴۴)

(۳) سریہ ضرار ذی قعدہ اھ مطابق مئی ۶۲۳ء میں پیش آیا، جس میں سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں (۲۰) مسلمانوں نے شرکت کی، یہ سریہ حجاز کی ایک وادی خرار تک گیا؛ لیکن کاروان نظر نہیں آیا اور واپس آ گیا۔(۴۵)

سرایا ۲ھ

(۴) سریہ نخلہ رجب ۲ھ مطابق جنوری ۶۲۴ء میں ہوا، جس مین عبداللہ بن جحش کی قیادت میں (۱۲) مسلمان تھے، کفار کا قافلہ بنی امیہ کی قیادت میں تھا، اس میں جنگ ہوئی، (۲) قیدیوں کو رہا کردیا گیا اور مقتول کا خون بہادیا گیا، یہ سریہ بھی قریش کی انکوائری کے لیے بھیجا گیا تھا۔ (۴۶)

(۵) سریہ عمیر بن عدی الخطمی رمضان ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء میں ہوا، اس کے قائد حضرت عمیر تھے، کفار کے لشکر کی قائدہ عصماء بنت مروان تھی، اس سریہ میں وہ ماری گئی، نیز حضرت عمیر نے اپنی بہن کو قتل کردیا؛ کیوں کہ وہ اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھار رہی تھی۔ (۴۷)

(۶) سریہ سالم بن عمیر شوال ۲ھ مطابق اپریل ۶۲۴ء میں ہوا، اس کے قائد حضرت سالم تھے، کفار کے لشکر کا قائد ابوعفکہ یہودی تھا ، اس میں یہ قتل کردیا گیا، یہ یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا۔ (۴۸)

(۷) سریہ قرقرۃ الکدر ۲ھ میں ہوا، جس کے قائد حضرت غالب بن عبداللہ اللیثیؓ تھے، یہ سریہ قبیلہ بنی غطفان اور بنی سلیم کے خلاف تھا ، اس میں (۳) مسلمان شہید ہوئے، بہت سے کفار قتل کیے گئے، بقیہ نے راہ فرار اختیار کی، یہ سریہ ''غزوہ قرقرۃ الکدر'' کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؛ کیوں کہ دشمن دوبارہ جمع ہوگئے تھے۔ (۴۹)

سرایا ۳ھ

(۸) سریہ محمد بن مسلمہ ربیع الاول ۳ھ مطابق اگست ستمبر ۶۲۴ء میں واقع ہوا، جس کی قیادت حضرت محمد بن مسلمہ انصاری خزرجی نے کی ، اس میں ایک صحابی زخمی ہوئے، یہ کعب بن اشرف یہودی کے خلاف تھا، وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا اور اسی کی تحریک پر ''غزوہ احد'' پیش آیا تھا، اس سریہ میں اس یہودی کو قتل کردیا گیا۔ (۵۰)

(۹) سریہ قردہ جمادی الاخرہ ۳ھ مطابق نومبر ۶۲۴ء میں ہوا، جس میں حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں (۱۰۰) صحابہ نے شرکت کی ، کفار کا قائد ابوسفیان الاموی تھا، اس سریہ میں ایک کافر ''فرات بن حیان'' قید ہوا؛ لیکن وہ بعد میں اسلام لے آیا۔ (۵۱)

سرایا ۴ھ

(۱۰) سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ المخزومی آغاز محرم ۴ھ مطابق جون ۶۲۵ء میں ہوا ، اس میں ابوسلمہ المخزومیؓ کی قیادت میں (۱۵۰) صحابہ نے شرکت کی، کوفہ اور مکہ کی راہ پر دونوں کے وسط میں ایک قصبہ ''فید'' کے نام سے مشہور تھا اس کے قریب ایک پہاڑ ''قطن'' کہلاتا تھا، حضور ﷺ کے زمانہ میں وہاں بنو جذیمہ کی ایک شاخ اسد بھی آباد تھی، حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ اسد کے ایک سردار خویلد کے دو بیٹے سلمہ اور طلحہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر ترتیب دے رہے ہیں، تو حضور ﷺ نے یہ سریہ حضرت ابوسلمہ مخزومی کی امارت میں روانہ کیا، وہ لوگ

ان کی روانگی کی خبر سن کر منتشر ہو گئے۔ (۵۲)

(۱۱) سریہ عبداللہ بن انیس ۵/ محرم ۴ھ مطابق جون ۶۲۴۵ء میں پیش آیا، جس میں عبداللہ بن اُنیس الجہنی انصاری نے شرکت کی، حضرت عبداللہ نے سنا کہ سفیان الہذلی مقام عرنہ پر لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا ہے، انھوں نے وہاں پہنچ کر ابو سفیان کو قتل کر دیا۔ (۵۳)

(۱۲) سریہ الرجیع صفر ۴ھ مطابق جولائی ۶۲۴۵ء میں پیش آیا، عاصم بن ثابت یا مرثد بن الغنمی کی قیادت میں (۱۰) صحابہ نے شرکت کی، مقابلہ میں قبیلہ عضل اور قارہ کے (۱۰۰) لوگ تھے، اس میں (۱۰) قراء صحابہ شہید ہوئے، طلحہ کی بیوی سُلامانے حضرت عاصم کے قتل پر (۱۰۰) اونٹ انعام رکھے تھے؛ چناں چہ اس کے قبیلہ کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آئی اور (۱۰) قراء صحابہ کو تبلیغ کے بہانے اپنے ساتھ لے گئی، جن میں سے (۸) شہید ہو گئے اور (۲) (حضرت خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ کو) اہل مکہ کے ہاتھ بیچ دیا، اہل مکہ نے انھیں سولی پر چڑھادیا، ان کا جسم سولی پر (۴۰) دن تک لٹکا رہا۔ (۵۴)

(۱۳) سریہ بیر معونہ یا سریہ طرز صفر ۴ھ مطابق جولائی ۶۲۴۵ء میں ہوا، جس میں منذر بن عمرو کی قیادت میں (۷۰) صحابہ نے شرکت کی اور دشمن کی ایک بڑی جماعت عامر بن مالک کی قیادت میں تھی، اس میں ایک صحابی قید اور (۶۹) شہید ہوئے، جو مبلغین اسلام میں سے تھے، عامر بن مالک حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کے لیے نجد بھیج دو ،حضور ﷺ نے (۷۰) صحابہ کو بھیج دیا، جب یہ قافلہ بیر معونہ کے پاس پہنچا، تو بنی سلیم، رعل اور ذکوان نے انھیں گھیر کر قتل کر دیا اور حضرت عمرو بن امیہ الضمری ؓ کو عامر نے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ (۵۵)

(۱۴) سریہ عمرو بن امیہ الضمری ؓ ربیع الاول ۴ھ میں ہوا، اس میں عمرو بن امیہ الضمری ؓ نے شرکت کی، مقابل میں قبیلہ بنی کلاب کے دو شخص تھے، عمرو بن امیہ نے دونوں کو قتل کر دیا، عمرو بن امیہ الضمری ؓ بیر معونہ سے مدینہ لوٹ رہے تھے، ایک جگہ وہ آرام کے لیے ٹھہرے، وہاں پر انھوں نے دو لوگوں کو دیکھا تو انھوں نے ان دونوں کو اس گمان پر قتل کر دیا کہ یہ قاتلین کی جماعت میں سے ہے؛ حالانکہ وہ دونوں ایسے قبیلہ سے تھے، جس سے حضور ﷺ کا معاہدہ تھا؛ لہذا حضور ﷺ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کیا۔ (۵۶)

(۲۸) سریہ عمرو بن امیہ الضمری ؓ ذی الحجہ ۴ھ مطابق مئی ۶۲۴۶ء میں ہوا، مکہ میں حضور ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن ابوسفیان تھا، یہ مسلمانوں کی تخریب اور تباہی کے لیے مسلسل سازشوں مین رہتا تھا، تنگ آکر حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم ؓ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو ختم کر آئیں، یہ دونوں مکہ پہنچے، عمرو کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوسفیان نے انھیں دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی، قریش انھیں پکڑنے کے لیے جمع ہوئے، تو یہ بھاگ گئے اور نواح مکہ میں تین آدمیوں کو قتل اور ایک کو گرفتار کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ (۵۷)

سرایا ۵ھ

(۱۵) سریہ عبداللہ بن عتیک ذی قعدہ ۵ھ مطابق مئی ۶۲۴۶ء میں ہوا، اس میں عبداللہ بن عتیک انصاری کی قیادت میں (۵) صحابہ

نے شرکت کی یہ سریہ سلام بن حقیق یہودی کے خلاف تھا، اس سریہ میں یہ مارا گیا، اس کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ غزوہ احزاب میں کفار کو اسی نے مسلمانوں کے خلاف ابھارا تھا، رات کو حضرت عبداللہؓ نے اس کی آرام گاہ میں ہی قتل کر دیا۔ (۵۸)

سرایا ۶ھ

(۱۶) سریہ القرطاء محرم ۶ھ مطابق جون ۶۲۴۷ء میں ہوا، جس میں محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی قیادت میں (۳۰) صحابہ نے شرکت کی اور ثمامہ بن اثال کی قیادت میں (۳۰) کافروں نے شرکت کی، اس میں ثمامہ کو قید کر لیا گیا اور اسے حضور ﷺ نے رہا کیا، قرطاء نجد کا ایک قبیلہ عامر بن صعصہ کی ایک شاخ تھی جو حرمین کے مشرق میں آباد تھی حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، تو آپ نے یہ دستہ ارسال کیا، محمد بن مسلمہؓ نے جب دیکھا کہ ثمامہ مدینہ آرہا تھا تو راستے میں حائل ہو کر اسے قید کر لیا اور حضور ﷺ کے پاس اسے لے کر آگئے، حضور ﷺ نے اسے رہا کر دیا، ثمامہ حضور ﷺ کے حسن اخلاق کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا، یہ نجد کا سردار تھا۔ (۵۹)

(۱۷) سریہ عکاشہ بن محصن یا سریہ غمر مرزوق ربیع الاخر ۶ھ مطابق اگست ستمبر ۶۲۴۷ء میں پیش آیا، عکاشہ بن محصن اسدی کی قیادت میں (۴۰) صحابہ نے شرکت کی، یہ غزوہ بنو اسد سے ہوا، اس میں جنگ نہیں ہوئی، دشمن منتشر ہو گیا اور ان کے (۲۰۰) اونٹ ہاتھ لگے، بنو اسد مدینہ پر حملہ کے لیے، جمع ہو رہے تھے، تو حضور ﷺ نے یہ سریہ ان کی طرف بھیجا۔ (۶۰)

(۱۸) سریہ ذی قصہ ربیع الاخر ۶ھ مطابق اگست ستمبر ۶۲۴۷ء میں ہوا، مدینہ سے (۲۴) میل دور نجد میں بنی ثعلبہ کا ایک موضع ذوالقصہ کہلاتا تھا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہاں ثعلبہ کے آدمی حملے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، تو حضور ﷺ نے یہ سریہ روانہ کیا، اس میں مجاہدین کی تعداد محمد بن مسلمہ کی قیادت میں (۱۰) تھی، جب کہ دشمن بنو ثعلبہ کی قیادت میں (۱۰۰) تھے، اس میں ایک صحابی زخمی اور (۹) شہید ہوئے، محمد بن مسلمہ زخمی ہو گئے، (۱۰) قراء اسلام کی تبلیغ کے لیے گئے تھے، جب وہ سو رہے تھے، تو بنو ثعلبہ نے انھیں قتل کر دیا۔ (۶۱)

(۱۹) سریہ بنی ثعلبہ ربیع الاخر ۶ھ مطابق اگست ستمبر ۶۲۴۷ء میں ہوا، جس میں ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں (۴۰) مجاہدین نے شرکت کی، ایک کافر اس میں قید ہوا، دشمن بھاگ گئے، ان کا سارا سامان مسلمانوں کو غنیمت میں ملا۔ (۶۲)

(۲۰) سریہ الجموم ربیع الاخر ۶ھ مطابق اگست ستمبر ۶۲۴۷ء میں ہوا، اس کے قائد زید بن حارثہ تھے، یہ سریہ بنو سلیم سے ہوا، یہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں تھے، بنو سلیم کے (۱۰) لوگ قید ہوئے، حضور ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا۔ (۶۳)

(۲۱) سریہ عیص جمادی الاولی ۶ھ مطابق ستمبر اکتوبر ۶۲۴۷ء میں ہوا، اس میں حضرت زید بن حارثہ کی امارت میں (۷۰) مجاہدین نے شرکت کی، مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ سے کوئی پچاس میل مشرق میں ارض بنو سلیم سے گزرنے والا ہے، تو آپ ﷺ نے یہ دستہ روانہ کیا، مقام عیص پر مقابلہ ہوا اور حضرت زید کامیاب ہوئے، بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (۶۴)

(۲۲) سریہ الطرف اول الطروق جمادی الاخری ۶ھ مطابق اکتوبر نومبر ۶۲۴۷ء میں ہوا، مجاہدین کی تعداد (۱۵) تھی اس کے قائد زید بن حارثہؓ تھے، یہ سریہ بنو ثعلبہ سے ہوا، یہ سریہ ذوالقصہ کے مجرمین کی سزا کے لیے بھیجا گیا تھا، دشمن بھاگ گئے، مسلمانوں کو (۱۰) اونٹ ہاتھ لگے۔ (۶۵)

(۲۳) سریہ حسمی جمادی الاخر ۶ ھ مطابق اکتوبر نومبر ۶۲۷ء میں پیش آیا، اس میں حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں (۵۰۰) صحابہ نے شرکت کی، مقابل میں ہنید بن عوص الجزری کی قیادت میں (۱۰۲) کفار تھے، اس میں (۱۰۰) کافر زخمی اور (۲) قتل ہوئے، ہنید اور اس کا بیٹا قتل ہوا، باقی لوگوں نے توبہ کر لی اور انھیں رہا کر دیا گیا۔ (۶۶)

(۲۴) سریہ وادی القری رجب ۶ ھ مطابق دسمبر ۶۲۷ء میں ہوا، زید بن حارثہؓ کی قیادت میں (۱۲) مجاہدین نے شرکت کی، یہ باشندگان وادی القری کے خلاف تھا، اس میں ایک مجاہد زخمی اور (۹) شہید ہوئے۔ (۶۷)

(۲۵) سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ ھ مطابق دسمبر ۶۲۷ء جنوری ۶۲۸ء میں ہوا، دومۃ الجندل شمالی عرب کا ایک سرحدی شہر ہے، جس میں بنوکلب آباد تھے، جب انھوں نے مدینہ کے قافلوں اور مسافروں کو تنگ کرنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف الشمریؓ کو ان کی طرف بھیجا، وہ وہاں پہنچے تو اصبغ بن امر الکلبی بہت سے دیگر آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی لڑکی حضرت عبدالرحمان کے نکاح میں دے دی۔ (۶۸)

(۲۶) سریہ فدک شعبان ۶ ھ مطابق دسمبر ۶۲۷ء جنوری ۶۲۸ء میں ہوا، علی بن ابی طالبؓ کی امارت میں (۲۰۰) مجاہدین نے شرکت کی، یہ سریہ بنوسعد بن بکر کے مقابلہ میں تھا، خیبر اور وادی القری کے بیچ یہود کی ایک بستی ''فدک'' کہلاتی تھی، اس میں بنوسعد بن بکر کا قبیلہ بھی آباد تھا، نبی پاک ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ بنوسعد کی ایک جماعت یہود خیبر کی مدد کرنا چاہتی ہے، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ان کے خلاف کارروائی انجام دی، بنوسعد بھاگ گئے، مسلمانوں کو (۵۰۰) اونٹ اور (۲۰۰۰) بکریاں ہاتھ لگیں۔ (۶۹)

(۲۷) سریہ ام قرفہ رمضان ۶ ھ مطابق جنوری فروری ۶۲۸ء میں ہوا، اس کے کمانڈر ابوبکر صدیقؓ تھے یا زید بن حارثہؓ تھے، یہ سریہ بنو فرازہ کے خلاف تھا جس کی قیادت ام قرفہ کر رہی تھی، اس میں (۲) دو کافر قید ہوئے، ام قرفہ ماری گئی، بقیہ بھاگ گئے، بنوفرازہ نے زید بن حارثہ کے تجارتی قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ (۷۰)

(۲۸) سریہ عبداللہ بن رواحہ شوال ۶ ھ مطابق فروری، مارچ ۶۲۸ء میں ہوا، عبداللہ بن رواحہؓ کی قیادت میں (۳۰) صحابہ نے شرکت کی، جب ابورافع یہودی قتل ہو گیا تو یہود خیبر نے اُسَیر بن رزام کو اپنا سردار بنا لیا، اس نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور قبائل غطفان کے یہاں امداد کے لیے گیا، جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا، تو آپ ﷺ نے یہ دستہ روانہ کیا، جب یہ وہاں پہنچے، تو انھوں نے اسیر بن رزام سے کہا کہ حضور ﷺ نے تمھیں بلایا ہے؛ تاکہ تمھیں خیبر کا سردار بنا دیں، وہ (۳۰) یہودیوں کے ساتھ نکلا؛ راستے میں اسے آنے پر پشیمانی ہوئی اور اس نے حضرت عبداللہ پر حملہ کرنا چاہا، ان کو معلوم ہو گیا، انھوں نے اسے قتل کر دیا، اور بقیہ یہودی بھی مارے گئے صرف ایک بچ کر بھاگ گیا، اس میں ایک مجاہد زخمی ہوئے۔ (۷۱)

(۲۹) سریہ العرنیین شوال ۶ ھ میں ہوا، اس میں کرز بن جابر فہری کی قیادت میں (۲۰) صحابہ شریک ہوئے، قبیلہ عرینہ اور عکل کے چند لوگ مدینہ آئے اور اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں رہنے لگے، انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی، تو حضور ﷺ نے انھیں مدینہ سے (۶) میل دور قبا کی جانب ''ذوالجدر'' نامی ایک چراگاہ میں بھیج دیا، جہاں حضور ﷺ کی اونٹنیاں چرتی تھیں، چرواہے کا نام ''یسار'' تھا، جب وہ

تندرست ہوگئے، تو انھوں نے یسار کی آنکھیں پھوڑنے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد قتل کر دیا اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے، حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو، تو آپ ﷺ نے تعاقب میں یہ سریہ روانہ کیا، یہ سب کے سب پکڑے گئے اور قصاص اور بدلے کے طور پر ان کا مثلہ کیا گیا۔ (۷۲)

سرایا ۷ھ

(۲۹) سریہ عیص صفر ۷ھ میں ہوا، اس میں ابو جندل اور ابو بصیر کی قیادت میں (۷۰) مسلمان تھے، مقابل میں قریش تھے، اس میں (۹) کافر زخمی ہوئے، نیز ان کے اموال لوٹے گئے؛ مگر حضور ﷺ کے حکم سے پھر واپس کر دیے گئے۔ (۷۳)

(۳۰) سریہ الکدید صفر ۷ھ میں ہوا، اس میں غالب بن عبد اللہ اللیثیؓ کی قیادت میں (۶۰) مجاہدین تھے، مقابل میں بنو الملوح تھے، اس میں ایک مجاہد زخمی ہوئے، بنو الملوح نے بشیر بن سوید کے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا، ان کی توبیخ کے لیے یہ سریہ بھیجا گیا تھا۔ (۷۴)

(۳۱) سریہ فدک صفر ۷ھ مطابق دسمبر ۶۲۸ء میں ہوا، اس میں حضرت غالب بن عبد اللہ اللیثیؓ کو (۲۰۰) مجاہدین کے ہمراہ فدک کے اطراف میں حضرت بشیر بن سعد کے رفقاء کی شہادت گاہ میں بھیجا گیا تھا، ان لوگوں نے دشمن کے جانوروں پر قبضہ کیا اور متعدد افراد قتل کیے۔ (۷۵)

(۳۳) سریہ تربہ شعبان ۷ھ مطابق دسمبر ۶۲۸ء میں واقع ہوا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے چار رات کے فاصلے پر نجران کی طرف ایک مقام ''تربہ'' میں ہوازن کے کچھ شوریدہ سر آمادۂ شر ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب کو (۳۰) مجاہدین کے ہمراہ اس سمت بھیجا؛ لیکن وہ لوگ بھاگ گئے۔ (۷۶)

(۳۴) سریہ بنی کلاب شعبان ۷ھ مطابق دسمبر ۶۲۸ء میں ہوا، اس کے قائد حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے مقابل میں بنو کلاب تھے، یہ بنو محارب اور بنو انمار کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر رہے تھے، بہت سے دشمن قید و قتل ہوئے، مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ (۷۷)

(۳۵) سریہ میفعہ رمضان ۷ھ مطابق جنوری ۶۲۹ء میں ہوا، بنو عوال اور بنو ثعلبہ کے چند شوریدہ سر شرارت کے لیے جمع ہوگئے تھے، حضور ﷺ نے حضرت غالب بن عبد اللہ لیثی کو (۱۳۰) آدمی دے کر اس طرف بھیجا، وہاں جنگ ہوئی اور قبائل کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (۷۸)

(۳۶) سریہ حرقہ رمضان ۷ھ میں ہوا، جس کے قائد اسامہ بن زید تھے، مقابلہ اہل حرقہ سے تھا، اسی سریہ میں وہ واقعہ پیش آیا تھا کہ حضرت اسامہؓ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا تھا، جس نے ان کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا۔ (۷۹)

(۳۷) سریہ بنو مرہ شعبان ۷ھ مطابق دسمبر ۶۲۸ء میں ہوا، حضرت بشیر بن سعد کی امارت میں (۳۰) مجاہد تھے، مقابل میں بنو مرہ تھے، یہ سرہ بنو مرہ کی تادیب کے لیے بھیجا گیا تھا، کامیاب واپس آرہا تھا کہ رات کو راستہ میں دشمن پیچھے سے آگیا، دونوں فریق میں جم کر تیر اندازی ہوئی؛ اس میں سارے مجاہدین کام آگئے صرف حضرت بشیر زندہ بچے اور زخمی حالت میں مدینہ واپس آئے۔ (۸۰)

(۳۸) سریہ بشیر بن سعد انصاری شوال ۷ھ مطابق فروری ۶۲۹ء میں ہوا، اس میں حضرت بشیر بن سعد بن ثلعبہ انصاریؓ کی قیادت میں (۳۰۰) مسلمانوں نے شرکت کی، مقابلہ بنو فزارہ اور عذرہ سے تھا، اس میں (۳۰) مسلمان زخمی ہوئے اور (۲) کافر قید ہوئے۔ بنو فزارہ اور

بنوعذرہ یہود خیبر کی امداد کرتے تھے، ان پر رعب ڈالنے کے لیے یہ سریہ بھیجا گیا، اسے سریہ یمن وجناب بھی کہتے ہیں۔(۸۱)

(۳۹) سریہ ابن ابی العوجاء ذی الحجہ ۷ھ مطابق فروری ۶۲۹ء میں ہوا، ابن ابی العوجاءؓ کی امارت میں (۵۰) مجاہدین نے شرکت کی، یہ سریہ بنوسلیم کے خلاف تھا، ان کی جمعیت منتشر کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، وہاں پہنچے تو قبائلیوں نے انھیں گھیر لیا، اس میں (۱) مجاہد زخمی اور (۴۹) شہید ہوئے۔(۸۲)

سرایا ۸ھ

(۴۰) سریہ ذات اطلاح ربیع الاول ۸ھ مطابق جولائی ۶۲۹ء میں ہوا، حضرت کعب بن عمیر انصاری غفاریؓ کی قیادت میں (۱۵) صحابہ نے شرکت کی، مقابل میں اہل ذات اطلاح اور بنوقضاعہ تھے، یہ دستہ ذات اطلاح میں تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تھا، ان لوگوں نے ان پر حملہ کردیا، اس میں (۱۴) مسلمان شہید ہوئے۔(۸۳)

(۴۱) سریہ ذات عرق ربیع الاول ۸ھ مطابق جولائی ۶۲۹ء میں ہوا، اس میں حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ کی قیادت میں (۲۵) مجاہدین تھے، مقابل میں بنوہوازن تھے، بنوہوازن بار بار دشمنوں کو کمک پہنچاتے تھے؛ اس لیے یہ سریہ روانہ کیا گیا، اس میں جنگ نہیں ہوئی۔(۸۴)

(۴۲) سریہ موتہ جمادی الاولی ۸ھ مطابق ستمبر ۶۲۹ء میں ہوا، حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں صحابہ کی تعداد (۳۰۰۰) تھی، جب کہ کفار شرحبیل غسانی کی قیادت میں (۱۰۰۰۰۰) ایک لاکھ تھے، اس میں (۱۲) مسلمان شہید ہوئے، جن میں خود حضرت زید بن حارثہؓ تھے نیز جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ تھے، یہ حضور ﷺ کے حکم سے باری باری امیر مقرر ہوئے تھے، مسلمانوں کو فتح ہوئی، سریہ کا سبب یہ ہوا کہ شرحبیل نے حضور ﷺ کے قاصد (حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ) کو قتل کردیا تھا۔(۸۵)

(۴۳) سری ذات السلاسل جمادی الاخرہ ۸ھ مطابق اکتوبر ۶۲۹ء میں پیش آیا، اس میں عمرو بن عاص قرشی سہمیؓ کی قیادت میں (۵۰۰) صحابہ نے شرکت کی، مقابل میں بنوقضاعہ تھے، مدینہ میں خبر پہنچی کہ وادی القری میں، جو مدینہ سے (۱۰) یوم کی مسافت پر واقع ہے، بنو قضاعہ کے کچھ لوگ فتنہ پردازی کے لیے اکٹھے ہوگئے ہیں، مسلمانوں کو دیکھ کر دشمن بھاگ گیا۔(۸۶)

(۴۴) سریہ سیف البحر رجب ۸ھ مطابق نومبر ۶۲۹ء میں ہوا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی امارت میں (۳۰۰) مجاہدین نے شرکت کی، مقابلہ میں قریش تھے، چندروز تک مجاہدین ساحل پر رہے پھر واپس آگئے، اس کو سریہ خبط بھی کہتے ہیں، اس میں جنگ نہیں ہوئی، دشمن مجاہدین کو دیکھ کر بھاگ گئے۔(۸۷)

(۴۵) سریہ محارب شعبان ۸ھ مطابق دسمبر ۶۲۹ء میں ہوا، حضرت ابوقتادہ انصاریؓ کی امارت میں (۱۵) صحابہ نے شرکت کی، مقابلہ میں بنوغطفان (نجد کے علاقہ خضرہ کے رہنے والے) تھے، ان کی گوشمالی کے لیے یہ دستہ بھیجا گیا تھا، اس میں دشمن بھاگ گئے، مسلمانوں کو بہت سے جانور ہاتھ آئے، اسے سریہ خضرہ بھی کہتے ہیں۔(۸۸)

(۴۶) سریہ خالد رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں ہوا، عزی دراصل نخلہ میں ایک درخت کا نام تھا، جس کے نیچے ایک بت رکھا

ہوا تھا، جولات و منات کے بعد تراشا گیا تھا، اس درخت کی مناسبت سے یہ بھی عزیٰ کہلانے لگا تھا، فتح مکہ کے (۵) دن بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو (۳۰) سواروں کے ساتھ عزیٰ بت (جو بنی کنانہ کا بت تھا) توڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا، آپ نے اسے توڑ دیا۔ (۸۹)

(۴۷) سریہ عمرو بن عاص رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں ہوا، حضرت عمرو بن عاص کو سواع بت (جو بنی ہذیل کا بت تھا، مکہ سے ۳ میل دور مقام رہاط میں نصب تھا) توڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا، آپ نے اسے توڑ دیا۔ (۹۰)

(۴۸) سریہ سعد الاشہلی رضی اللہ عنہ رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء حضرت سعد بن زید اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ کو مناۃ بت (جو اوس اور خزرج اور غسان کا بت تھا) توڑ آنے کا حکم ملا، انھوں نے تعمیل کی۔ (۹۱)

(۴۹) سریہ خالد بن ولید شوال ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں ہوا، اس میں (۳۵۰) صحابہ نے حضرت خالد بن ولید کی امارت میں شرکت کی، مقابلہ میں بنوجذیمہ تھے، اس میں بنوجذیمہ کے (۹۵) لوگ قتل ہوئے، جو مسلمان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خون بہا دیا، حضرت خالد کو داعی بنا کر بھیجا گیا تھا، بنوجذیمہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، حضرت خالد کو شک ہوا، اور ان سے قتال کیا۔ (۹۲)

سرایا ۹ھ

(۵۰) سریہ عیینہ بن حصن محرم ۹ھ میں ہوا، حضرت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری رضی اللہ عنہ کی امارت میں (۱۵۰) مجاہدین نے شرکت کی، مقابل میں بنی تمیم تھے، تمیم عرب کا ایک اہم قبیلہ تھا، جو خلیج ایران کے مغربی ساحل پر کویت کے قریب آباد تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ یہ قبیلہ حملے کی تیاریاں کر رہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دستہ روانہ کیا، اس میں (۶۲) کفار قید ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوتمیم کے وفد کی درخواست پر تمام قیدی چھوڑ دیے۔ (۹۳)

(۵۱) سریہ قطبہ بن عامر صفر ۹ھ مطابق مئی، جون ۶۳۰ء میں ہوا، اس میں (۲۰) صحابہ نے قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی امارت میں شرکت کی، مقابل میں قبیلہ خثعم تھا، مدینہ میں خبر ملی کہ بنوخثعم جو مکہ کے شمال میں دو یوم کی مسافت پر وادیٔ بیشہ کے قریب رہتے تھے، آمادۂ فساد ہیں، اس میں نصف سے زیادہ مسلمان زخمی ہوئے، اور اکثر کفار قید ہوئے، باقی سب بھاگ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رہا کر دیا۔ (۹۴)

(۵۲) سریہ ضحاک بن سفیان کلابی ربیع الاول ۹ھ مطابق جون، جولائی ۶۳۰ء میں ہوا، اس کے قائد حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ تھے، مقابل میں بنی کلاب تھے، یہ نجد میں رہتے تھے، خبر ملی کہ یہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں، تو یہ دستہ بھیجا گیا، انھیں سخت شکست کا سامنا ہوا۔ (۹۵)

(۵۳) سریہ عبداللہ بن حذافہ ربیع الاول ۹ھ میں پیش آیا، اس میں حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کی قیادت میں (۳۰۰) مسلمانوں نے شرکت کی، مقابل میں حبشیین کے ڈاکو تھے، اس میں دشمن بھاگ گیا۔ (۹۶)

(۵۴) سریہ بنی طی ربیع الاخر ۹ھ مطابق جولائی، اگست ۶۳۰ء میں ہوا، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں (۱۵۰) مجاہدین نے شرکت کی، مقابلہ میں بنوطے تھے، اس میں حاتم کی بیٹی سفانہ قید ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اکرام کے ساتھ ان کو رہا کیا۔ (۹۷)

(۵۵) سریہ دومۃ الجندل رجب ۹ھ مطابق جون، جولائی ۶۳۰ء میں ہوا، اس میں (۴۲۰) مجاہدین نے حضرت خالد بن ولید کی امارت میں شرکت کی، مقابل میں اکیدر دومۃ الجندل کا امیر تھا، وہ قید ہوا اور اس کا بھائی قتل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کو رہا کر دیا۔ (۹۸)

حواشی

(۱)(طبری ۳:۲۶، ۲۷) (۲)(طبری ۲:۲۹۷، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۳، الکامل ۲:۷)

(۳)(طبری ۲:۲۹۷، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۶، المغازی للواقدی ۱:۲، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۰، الطبقات الکبری ۲:۸، ۹، الکامل فی التاریخ ۲:۸)

(۴)(طبری ۲:۲۹۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۳، الطبقات الکبری ۲:۹، الکامل ۲:۸، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۷)

(۵)(طبری ۲:۲۹۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۰، المغازی للواقدی ۱:۲، ۱۲، الطبقات الکبری ۲:۹، الکامل ۲:۸، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۶)

(۴)(طبری ۲:۲۹۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۳، الطبقات الکبری ۲:۹، الکامل ۲:۸، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۷)

(۵)(طبری ۲:۲۹۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۰، المغازی للواقدی ۱:۲، ۱۲، الطبقات الکبری ۲:۹، الکامل ۲:۸، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۶)

(۶)(الکامل ۲:۱۲، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۹، المغازی للواقدی ۱:۱۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲:۳۹۶، صحیح البخاری فی المغازی ۵:۳، ۲۲، البدایہ والنہایہ ۳:۲۵۶، طبری ۲:۳۰۷)

(۷)(الکامل ۲:۳۱، انساب الاشراف ۱:۳۰۹، طبری ۲:۳۵۱)

(۸)(الکامل ۲:۳۰، سیرۃ ابن ہشام ۳:۹، المغازی للواقدی ۱:۱۸۶، الطبقات الکبری ۲:۲۸، طبری ۲:۳۵۱، البدایہ والنہایہ ۴:۳)

(۹)(طبری ۲:۳۵۳، الکامل ۲:۳۱، سیرۃ ابن ہشام ۳:۵، المغازی للواقدی ۱:۱۸۲، الطبقات الکبری ۲:۳۱، البدایہ والنہایہ ۳:۳۴۴)

(۱۰)(طبری ۲:۳۵۴، الکامل ۲:۳۲، سیرۃ ابن ہشام ۳:۶، المغازی للواقدی ۱:۱۸۱، الطبقات الکبری ۲:۳۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲:۳۴۳، البدایہ والنہایہ ۳:۳۴۴)

(۱۱)(البدایہ والنہایہ ۴:۲) (۱۲)(طبری ۲:۳۵۶، الکامل ۲:۳۳، المغازی للواقدی ۱:۱۹۴، البدایہ والنہایہ ۴:۲)

(۱۳)(الکامل ۲:۳۴، سیرۃ ابن ہشام ۳:۸، المغازی للواقدی ۱:۱۹۶، الطبقات الکبری ۲:۳۵، ۳۶، البدایہ والنہایہ ۴:۳)

(۱۴)(الکامل ۲:۳۹، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۳، المغازی للواقدی ۱:۱۹۹، الطبقات الکبری ۲:۳۶، ۳۸، البدایہ والنہایہ ۴:۹، ۶۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷:۴۰)

(۱۵)(الکامل ۲:۵۲، سیرۃ ابن ہشام ۳:۶۵، المغازی للواقدی ۱:۳۳۴، الطبقات الکبری ۲:۴۸، البدایہ والنہایہ ۴:۴۹، طبری ۲:۳۹۳)

(۱۶)(الکامل ۲:۶۰، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۴۳، المغازی للواقدی ۱:۳۶۳، الطبقات الکبری ۲:۵۷، البدایہ والنہایہ ۴:۷۴، طبری ۲:۴۰۶)

(۱۷)(الکامل ۲:۶۱، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۵۵، المغازی للواقدی ۱:۳۹۵، الطبقات الکبری ۲:۶۱، البدایہ والنہایہ ۴:۸۳، طبری ۲:۴۰۹)

(۱۸)(طبری ۲:۴۱۰، الکامل ۲:۶۲، البدایہ والنہایہ ۴:۸۳)

(۱۹)(الکامل ۲:۶۲، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۶۰، المغازی للواقدی ۱:۳۸۴، الطبقات الکبری ۲:۵۹، البدایہ والنہایہ ۴:۸۷، طبری ۲:۴۱۲)

(۲۰)(الکامل ۲:۶۴، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۶۵، البدایہ والنہایہ ۴:۹۲، طبری ۲:۴۱۶)

(۲۱)(الکامل ۲:۶۷، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۳۵، المغازی للواقدی ۱:۴۰۴، الطبقات الکبری ۲:۶۳، ۶۵، البدایہ والنہایہ ۴:۱۲۵، طبری ۲:۴۴۵)

(۲۲)(الکامل ۲:۶۵، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۶۵، المغازی للواقدی ۱:۴۴۰، الطبقات الکبری ۲:۶۵، البدایہ والنہایہ ۴:۹۲، طبری ۲:۴۱۶)

(۲۳)(الکامل ۲:۷۰، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۸۳، المغازی للواقدی ۱:۳۹۶، الطبقات الکبری ۲:۷۴، البدایہ والنہایہ ۴:۱۱۶، طبری ۲:۴۲۹)

(۲۴)(الکامل ۲:۷۳، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۲۵، المغازی للواقدی ۲:۵۳۵، الطبقات الکبری ۲:۷۸، البدایہ والنہایہ ۴:۱۴۹، طبری ۲:۴۳۹)

(۲۵)(الکامل ۲:۷۳، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۲۷، المغازی للواقدی ۲:۵۳۷، الطبقات الکبری ۲:۸۰، البدایہ والنہایہ ۴:۱۵۰، طبری ۲:۴۴۰)

(۲۶)(الکامل ۲:۷۳، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۲۷، المغازی للواقدی ۲:۵۳۷، الطبقات الکبری ۲:۸۰، البدایہ والنہایہ ۴:۱۵۰، طبری ۲:۴۴۰)

(۲۷)(الکامل ۲:۹۶، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۷۵، المغازی للواقدی ۲:۶۳۳، الطبقات الکبری ۲:۱۰۶، البدایہ والنہایہ ۴:۱۸۱، طبری ۲:۴۸۹)

(۲۸)(الکامل ۲:۱۰۱، سیرۃ ابن ہشام ۳:۲۸۸، البدایہ والنہایہ ۴:۲۱۸، طبری ۲:۴۹۵)

(۲۹)(الکامل ۲:۱۱۵، سیرۃ ابن ہشام ۴:۲۹، المغازی للواقدی ۲:۷۸۰، الطبقات الکبری ۲:۱۳۴، البدایہ والنہایہ ۴:۲۷۸، طبری ۲:۵۱۹)

(۳۰)(الکامل ۲:۱۳۲، سیرۃ ابن ہشام ۴:۸۱، المغازی للواقدی ۲:۸۸۵، الطبقات الکبری ۲:۱۴۹، البدایہ والنہایہ ۴:۳۲۲، طبری ۲:۵۴۳)

(۳۱)(الکامل ۲:۱۳۷، سیرۃ ابن ہشام ۴:۱۱۷، المغازی للواقدی ۳:۹۲۲، الطبقات الکبری ۲:۱۵۸، البدایہ والنہایہ ۴:۳۴۵، طبری ۲:۵۵۲)

(۳۲)(الکامل ۲:۱۴۵، سیرۃ ابن ہشام ۴:۱۵۵، المغازی للواقدی ۳:۹۸۹، الطبقات الکبری ۲:۱۶۵، البدایہ والنہایہ ۵:۲، طبری ۲:۵۶۶)

(۳۳)(طبری ۳:۱۵۴، التنبیہ والاشراف ص ۲۷۸)

(۳۴)(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۴:۶۰۹، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۲۱)

(۳۵)(ابن حجر، فتح ۷:۲۸۱)

(۳۶)(التنبیہ والاشراف ص ۲۷۸)

(۳۷)(ابن حجر، فتح ۷:۲۸۱)

(۳۸)(الوفا باحوال المصطفی (۲۷۹))

(۳۹)(التنبیہ والاشراف ص ۲۷۸، فتح ۸:۱۵۴)

(۴۰)(فتح ۸:۱۵۴)

(۴۱)(البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۰، ۲۴۱، مصنف ۵:۲۹۵)

(۴۲)(طبری ۳:۲۷)

(۴۳)(الکامل ۲:۷، المغازی لعروہ ۱:۹، الطبری ۲:۲۹۴، البدایہ والنہایہ ۳:۲۳۴)

(۴۴)(الکامل ۲:۷، الطبقات لابن سعد ۲:۷ المغازی للواقدی ۱:۹، الطبری ۲:۲۹۴، البدایہ والنہایہ ۳:۲۳۴)

(۴۵)(الکامل ۲:۷، الطبری ۲:۲۹۴، البدایہ والنہایہ ۳:۲۳۴)

(۴۶)(الکامل ۲:۱۰، سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۴۳۶۲۴۳، المغازی للواقدی ۱:۲، ۱۳، الطبقات الکبری ۲:۱۱، عیون الاثر ۱:۲۲۷، ۲۳۷، الطبری ۲:۲۹۹، البدایہ والنہایہ ۳:۲۴۸)

(۴۷)(الروض الانف ۴:۴۱۷، السیرۃ الحلبیہ ۵:۳۳۶، و ۷:۱۳۵، سیرۃ ابن ہشام ۲:۶۳۶، عیون الاثر ۱:۳۸۲، البدایہ والنہایہ ۵:۲۴۰، ابن کثیر ۵:۲۴۰)

(۴۸)(الروض الانف ۴:۴۱۷، السیرۃ الحلبیہ ۳:۳۳۷، و ۷:۱۳۵، ابن کثیر ۴:۴۳۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۶۳۵، عیون الاثر ۱:۳۸۳، البدایہ والنہایہ ۵:۲۴۰)

(۴۹)(الطبری ۲:۳۵۴)

(۵۰)(الکامل ۲:۴۴، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۹۱۲، المغازی للواقدی ۱:۱۸۴، عیون الاثر ۱:۲۹۸، انساب الاشراف ۱:۳۸۴، الطبری ۲:۳۵۶، البدایہ والنہایہ ۴:۵)

(۵۱)(الکامل ۲:۳۶، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۱، المغازی للواقدی ۱:۱۹۷، ۱۹۸، عیون الاثر ۱:۳۰۴، ۳۰۵، الطبری ۲:۳۶۰، البدایہ والنہایہ ۴:۴)

(۵۲)(السیرۃ الحلبیہ ۷:۱۳۶، السیرۃ لابن الکثیر ۳:۱۲۱، جوامع السیرۃ ۱:۱۸، عیون الاثر ۲:۸، البدایہ والنہایہ ۴:۶۱)

(۵۳)(الروض الانف ۴:۴۰۱، السیرۃ الحلبیہ ۷:۱۳۶، ابن کثیر ۳:۲۶۷، جوامع السیرۃ ۱:۱۹، سیرۃ ابن ہشام ۲:۶۱۹، عیون الاثر ۲:۹، البدایہ والنہایہ ۴:۱۶۰)

(۵۴)(الکامل ۲:۵۵، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۲۳، الطبقات الکبری ۲:۳۹، عیون الاثر ۲:۴۰، الطبری ۲:۳۹۵، البدایہ والنہایہ ۴:۶۳)

(۵۵)(الکامل ۲:۵۸، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۳۷، المغازی للواقدی ۱:۳۴۶، الطبقات الکبری ۲:۵۱، عیون الاثر ۲:۴۴، الطبری ۲:۴۰۱، البدایہ والنہایہ ۴:۷۱)

(۵۶)(الکامل ۲:۵۹، سیرۃ ابن ہشام ۳:۱۳۹، جوامع السیرۃ ۱:۱۸۰، الطبری ۲:۴۰۳، البدایہ والنہایہ ۴:۷۳)

(۵۷) (الکامل ۲:۵۷، الطبری ۲:۳۹۹)

(۵۸)(الکامل ۲:۳۷، انساب الاشراف ۱:۳۷۶، الطبقات الکبری ۲:۹۱، عیون التواریخ ۱:۱۵۱، ۱۵۳، الطبری ۲:۳۶۱، البدایہ والنہایہ ۴:۱۳۷،)

(۵۹)(الروض الانف ۴:۳۹۶، السیرۃ الحلبیہ ۵:۴۷۵، ابن کثیر ۴:۴۳۲، جوامع السیرۃ ۱:۱۸، سیرۃ ابن ہشام ۲:۶۱۱ عیون الاثر ۲:۶۳،)

(۶۰)(الکامل ۲:۸۷،، الطبقات الکبری ۲:۸۶، عیون التواریخ ۱:۲۴۷، الطبری ۲:۴۷۴، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸،)

(۶۱)(الکامل ۲:۸۷، المغازی للواقدی ۲:۵۵۱، الطبقات الکبری ۲:۸۵، عیون التواریخ ۲:۲۴۸، الطبری ۲:۴۷۴، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸)

(۶۲)(الکامل ۲:۸۷، الطبقات الکبری ۲:۸۶، المغازی للواقدی ۴:۵۵۲، عیون التواریخ ۱:۲۴۸، الطبری ۲:۴۷۴، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸)

(۶۳)(الکامل ۲:۸۸، الطبقات الکبری ۲:۱۶ عیون التواریخ ۱:۲۴۸، الطبری ۲:۴۷۴، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸)

(۶۴)(الکامل ۲:۸۸، الطبری ۲:۴۷۵، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸)

(۶۵)(الکامل ۲:۸۸، الطبقات الکبری ۲:۸۷،، عیون التواریخ ۱:۲۴۹، الطبری ۲:۴۷۵، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸، سیرۃ ابن ہشام ۴:۲۳۶، المغازی للواقدی ۲:۵۵۵)

(۶۶)(الکامل ۲:۸۸، الطبری ۲:۴۷۵، البدایہ والنہایہ ۴:۱۷۸)

(۶۷)(الکامل ۲:۸۹، سیرۃ ابن ہشام ۴:۲۶۳، المغازی للواقدی ۲:۵۶۲، عیون الاثر ۲:۱۰۷، الطبری ۲:۴۷۵)

(۶۸)(الکامل۲:۹۰،الطبقات الکبری۲:۸۹،الطبری۲:۴۷۵،البدایہ والنہایہ۴:۱۷۹،سیرۃ ابن ہشام۴:۲۵۵)

(۶۹)(الکامل۲:۹۰،الطبقات الکبری۲:۸۹،۹۰،عیون الاثر۲:۱۰۹،۱۱۰،الطبری۲:۴۷۶،سیرۃ ابن ہشام۴:۲۵۸،المغازی للواقدی۲:۵۶۲)

(۷۰)(الکامل۲:۹۰،الطبری۲:۴۷۶)

(۷۱)(السیرۃ الحلبیہ ۷:۱۳۷،تاریخ الرسل والملوک۲:۹۵،تاریخ الیعقوبی۱:۱۳۴)

(۷۲)(الکامل۲:۹۱،الطبقات الکبری۲:۹۳،،عیون التواریخ۱:۲۵۳،الطبری۲:۴۷۷،البدایہ والنہایہ۴:۱۷۹)

(۷۳)(البدایہ والنہایہ۷:۱۰۹،الکامل۲:۸۶،الطبری۲:۴۷۳،الروض الانف۴:۵۷،السیرۃ الحلبیہ ۵:۱۴۴،ابن کثیر۳:۳۳۵،سیرۃ ابن ہشام۲:۳۱۸)

(۷۴)(الکامل۲:۱۰۷،الطبقات الکبری۲:۱۴۴،الطبری۲:۴۷۵،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۲،ابن کثیر۴:۲۳۲،جوامع السیرۃ۱:۱۸،سیرۃ ابن ہشام۲:۶۰۹)

(۷۵)(الکامل۲:۱۰۴،الطبقات الکبری۲:۱۱۹،الطبری۲:۵۰۱،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۲،سیرۃ ابن ہشام۴:۲۳۹)

(۷۶)(الکامل۲:۱۰۴،المغازی للواقدی۲:۷۲۲،الطبقات الکبری۲:۱۱۷،الطبری۲:۵۰۰،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۱)

(۷۷)(السیرۃ الحلبیہ ۵:۵۰۰،عیون الاثر۲:۱۵۴،الطبری۲:۵۰۰،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۰)

(۷۸)(الکامل۲:۱۰۴،سیرۃ ابن ہشام۴:۲۳۹،الطبقات الکبری۲:۱۱۹،الطبری۲:۵۰۱،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۲)

(۷۹)(السیرۃ الحلبیہ ۶:۳،ابن کثیر۳:۵۲۳،زاد المعاد۳:۳۱۶،البدایہ والنہایہ۴:۲۷۷)

(۸۰)(الکامل۲:۱۰۴،المغازی للواقدی۲:۷۲۳،الطبقات الکبری۲:۱۱۸،۱۱۹،البدایہ والنہایہ۴:۲۲۱،۲۲۲)

(۸۱)(الکامل۲:۱۰۴،المغازی للواقدی۲:۷۲۷،الطبقات الکبری۲:۱۲۰،الطبری۲:۵۰۱)

(۸۲)(الکامل۲:۱۰۶،الطبقات الکبری۲:۱۲۳،عیون الاثر۲:۱۴۹،عیون التواریخ۱:۲۷۴الطبری۲:۵۰۴،البدایہ والنہایہ۴:۲۳۵)

(۸۳)(الکامل۲:۱۰۸،المغازی للواقدی۲:۷۵۲،الطبقات الکبری۲:۱۲۷،الطبری۲:۵۰۷،البدایہ والنہایہ۴:۲۴۱)

(۸۴)(الکامل۲:۱۰۸،الطبقات الکبری۲:۱۲۷،المغازی للواقدی۲:۷۵۳،الطبری۲:۵۰۷،البدایہ والنہایہ۴:۲۴۰)

(۸۵)(الکامل۲:۱۱۱،الطبقات الکبری۲:۱۲۸،الطبری۲:۵۱۳،البدایہ والنہایہ۴:۲۴۱)

(۸۶)(الکامل۲:۱۰۹،المغازی للواقدی۲:۷۶۹،سیرۃ ابن ہشام۴:۲۶۹،الطبقات الکبری۲:۱۳۱،الطبری۲:۵۰۹،البدایہ والنہایہ۴:۲۷۳)

(۸۷)(الروض الانف۴:۴۱۴،الکامل۲:۱۱۰،المغازی للواقدی۲:۷۷۴،الطبقات الکبری۲:۱۳۲،الطبری۲:۵۱۰،البدایہ والنہایہ۴:۲۷۶)

(۸۸)(السیرۃ الحلبیہ ۶:۱۶،عیون الاثر۲:۱۷۶،الطبری۲:۵۱) (۸۹)(الکامل۲:۱۳۲،سیرۃ ابن ہشام۴:۷۹،الطبری۲:۵۳۷،البدایہ والنہایہ۴:۳۱۶)

(۹۰)(الکامل۲:۱۳۲،الطبری۲:۵۳۸) (۹۱)(الکامل۲:۱۳۲،عیون التواریخ۱:۳۲۱،الطبری۲:۵۳۸)

(۹۲)(الکامل۲:۱۲۷،سیرۃ ابن ہشام۴:۷۱،المغازی للواقدی۳:۸۷۵،الطبقات الکبری۲:۱۴۷الطبری۲:۵۳۸)

(۹۳)(الکامل۲:۱۳۲،انساب الاشراف۱:۳۸۰،المغازی للواقدی۲:۷۵۲،السیرۃ الحلبیہ ۶:۳۱،عیون الاثر۲:۲۳۳،جوامع السیرۃ۱:۲۰،سیرۃ ابن ہشام۲:۶۲۱)

(۹۴)(السیرۃ الحلبیہ ۶:۳۸،عیون الاثر۲:۲۳۸،الروض الانف۴:۴۰۴) (۹۵)(السیرۃ الحلبیہ ۶:۳۹،عیون الاثر۲:۲۳۳)

(۹۶)(ابن کثیر۳:۴۲۶) (۹۷)(الطبری۲:۵۷۵،الکامل۲:۱۵۱،السیرۃ الحلبیہ ۶:۴۱،عیون الاثر۲:۲۴۱)

(۹۸)(الطبری۲:۵۷۳،الکامل۲:۱۴۸،انساب الاشراف۱:۳۸۲،المغازی للواقدی۲:۱۰۳۱،سیرۃ ابن ہشام۲:۱۶۷)

مولانا مفتی محمد تجمل حسین قاسمی

گستاخان صحابہ ؓ کا عبرتناک انجام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ پاک نفوس ہیں جن کو نبی ﷺ کی صحبت بابرکت حاصل ہے۔ صحبت نبی ہی کے فیضان سے ان کو صحابی کہا جاتا ہے، یہ مشہور مقولہ ہے جیسے استاد ویسے شاگرد، رنگ ڈھنگ میں اپنے استاد کا ترجمان ہوتا ہے، اللہ نے نبی کے مصاحبین کا تقویٰ کی کسوٹی پر امتحان لے کر دنیا ہی میں اپنی رضا کا اعلان فرمادیا، اوراخروی انعامات کی خوشخبری بھی سنا دی ہے۔ خود معلم نے بھی اپنے متعلقین صحابہ کے فضائل ومحاسن بیان فرمائے ہیں، حتی کہ ان پر لعن طعن تنقید وتنقیص کرنے والوں کے لیے دنیا ہی میں وعیدیں سنائی گئیں۔ جس کے حقیقی اثرات تو اخروی زندگی میں ظاہر ہوں گے؛ لیکن بعض گستاخان صحابہ کو دنیوی زندگی میں بھی سخت سزائیں ملی ہیں، اسی لیے مشفق امت نبی ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو بڑے درد بھرے انداز میں صحابہ پر سب و شتم کرنے سے روکا ہے۔

صحابہ ؓ پر لعنت مت کرو

میرے صحابہ کے بارے میں برا کہنے سے ڈرو، ان کو لعنت کا نشانہ نہ بناؤ، جس نے ان سے محبت کیا اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کا ثبوت دیا، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کا ثبوت دیا، جس نے انہیں تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور اس نے اللہ کو ناراض کیا، اور جس نے اللہ کو ناراض کیا، عنقریب ہی اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عذاب میں گرفتار کر لے گا۔ (ترمذی) پھر آپ ﷺ نے دشنام طرازی سے منع فرماتے ہوئے یہ حقیقت ظاہر فرمادی کہ کوئی بھی شخص کتنا ہی متقی ہو صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''لا تسبوا أصحابی فو الذی نفسی بیده لمقام احدهم مع رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل من احدکم عمره''. (کنز العمال)

جلیل القدر صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، صحابہ کا تھوڑی دیر نبی کی صحبت میں رہنا تمہاری عمر بھر کی عبادت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، صحابہ کی تعظیم باعث عزت وشرافت اور ان کی توہین باعث ذلت وعذاب ہے، اس لیے ہر زمانہ میں مشائخ کرام

دائمہ عظام، امت کو اس طوفان بدتمیزی سے روکا کرتے تھے، چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:

ایک صحابی سے بھی ہے گر سوئے ظن
ہے وہ بے شک لائق گردن زدن

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی خواہ وہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہوں، برا کہے تو اگر کفر و فحش کا الزام لگائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے علاوہ گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی''

امام احمدؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص کسی صحابی پر عیب یا نقص کا الزام لگائے تو اس پر شرعی سزا واجب ہے اور امام صاحبؒ ایسے شخص کے اسلام کو مشکوک سمجھا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایسے شخص کو دین اسلام پر تم ایک تہمت سمجھو''

امام مسلم کے استاد ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں کہ:

'' تم کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص زندیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور رسول حق ہے، اور جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ حق ہے، اور ہم تک یہ سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے پہنچا، پس جس نے صحابہ کو مجروح کیا اور عیب دار قرار دیا بے شک وہ شخص کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے، پس اس نالائق کو زندیق اور گمراہ قرار دینا زیادہ احق اور اقوم ہے''

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص کسی صحابی کو برا کہتا ہے، وہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی گرفت میں آجاتا ہے ''یغیظ بھم الکفار'' تا کہ کفار کو غیظ و غضب میں مبتلاء کر دے، پس صحابی سے غیظ و غضب کفار کی علامت قرار دی گئی ہے''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾

''اس آیت کے پیش نظر جملہ حضرات صحابہ کرام کے لیے استغفار کرنا سب مسلمانوں کے لیے حکم

الٰہی ہے اور ان سے کینہ نہ پیدا ہونے کی دعا کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے آنے والے فتنوں کا علاج اپنے بندوں کو چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا، علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان آیات کے پیش نظر اس شخص کا اسلام میں کوئی مقام نہیں، جو صحابہ کرام سے محبت نہ رکھے، یا ان کے لیے دعا نہ کرے اور ان سے کینہ پیدا ہونے سے پناہ نہ مانگتا رہے''

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والا شیعہ ہے''

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ فلاں شخص مقداد بن اسود کو برا کہتا ہے تو آپ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''مجھے چھوڑ دو کہ میں اس نالائق کی زبان کاٹوں گا؛ تاکہ آئندہ وہ نالائق کسی صحابی کو برا کہنے کے لائق ہی نہ رہ جائے''

صحابۂ کرام کی عظمت و منقبت سے قرآنی آیات، نبوی ارشادات بھرے پڑے ہیں، اس کے باوجود کسی کا دل یا زبان یا اس کا قلم حضرات صحابہ کرام پر جرأت کرتا ہے تو ہم صرف اس کی ہدایت کے لیے دعا کر سکتے ہیں، تاکہ دارین کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے۔ ہمارے ایک بزرگ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

مجھ کو جی بھر ستا لیں شوق سے
میں نہ کھولوں گا خلاف حق زبان
خدا خود جن کو دے اپنی رضامندی کا پروانہ
گڑھا کرتے ہیں کچھ نادان ان ہی پر اپنا افسانہ
خدا کی رائے سے بھی منحرف تو ہے معاذ اللہ
نہ کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم خدا سے تجھ کو بیگانہ

جب امت میں گستاخ صحابہ پیدا ہوں جو شب و روز ان کی شان میں دشنام طرازی کرتے ہوں، امت کے علماء پر لازم ہے کہ اس کا دفاع کریں، ورنہ اللہ کی طرف سے سخت مواخذہ کا اندیشہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إذا ظهرت الفتن او البدع وسبت اصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل ذالک فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین".

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب فتنے ظاہر ہو جائیں، یا بدعتوں کا ظہور ہو جائے اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو میری امت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ (ان کا

دفاع کرے اور بدگوئیوں کا جواب دے) جو عالم ایسا نہ کرے گا، اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی''۔ (بحوالہ امام اہل سنت و جماعت و خدمات:۴۱۶)

گستاخان صحابہ خواہ وہ زبان سے یا قلم سے گستاخی کرتے ہوں، ان کو تاریخی عبرتناک اور ہیبت ناک سزاؤں سے دوچار کیا جاتا ہے، تاکہ ان کو اب بھی موقع ہے کہ وہ فوراً اس شنیع حرکت سے باز آجائیں توبہ و استغفار سے اپنے مولیٰ کو راضی کرلیں، اس لیے چند گستاخان صحابہ کا عبرتناک انجام ذکر کیا جاتا ہے۔

شاتم شیخین رضی اللہ عنہما کا عبرتناک انجام

کمال ابن القدیم نے تاریخ حلب میں بیان کیا ہے کہ:

''ابن منیر نامی شخص جو حضرات شیخین کو برا کہتا ہے، جب مر گیا تو حلب کے نوجوانوں کو ابن منیر کا انجام دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا ہے تو اس کا چہرہ قبر میں سور جیسا ہو جاتا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ ابن منیر حضرات شیخین کو برا کہتا تھا، چلو اس کی قبر کھود کر دیکھیں کیا واقعی ایسا ہی ہے، جیسا کہ ہم نے سنا ہے، چنانچہ چند نوجوان اس پر متفق ہوگئے اور بالآخر انہوں نے ابن منیر کی قبر کھود ڈالا، جب قبر کھودی گئی تو کھلی آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اس کا چہرہ قبلہ سے پھر گیا اور سور کی شکل میں تبدیل ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس کی لاش کو عبرت کے لیے مجمع عام میں لایا گیا پھر اس کو مٹی میں چھپا دیا گیا''
(الزواجر:۲/۳۸۳)

ایک مرد صالح نے بیان کیا کہ:

ایک شخص کوفہ کا رہنے والا تھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا تھا، ہمارے ساتھ ہم سفر ہوا، ہم نے ہر چند اسے نصیحت کی لیکن وہ نہ مانا، ہم نے اس سے کہا کہ ہم سے تو علیحدہ ہوجا، چنانچہ جب ہم اس سفر سے واپس ہونے لگے تو ایک روز اسی ہم سفر کا ملازم نظر آیا، اس نے ہم سے کہا کہ ہمارے آقا کی تو عجیب حالت ہوگئی ہے، اس کے دونوں ہاتھ بندر کے مانند ہوگئے ہیں، پھر جب ہم اس کے پاس گئے اور اس سے گھر واپس چلنے کے لیے کہا، اس نے جواب دیا کہ مجھے عجیب مصیبت پہنچی ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ آستین سے نکال کر دکھائے تو واقعی بندر کے مثل تھے، پھر وہ ہمارے ساتھ ہولیا، لیکن راستے میں اس سے زیادہ عجیب تر واقعہ پیش آیا، ایک جگہ بہت سے بندر جمع تھے، جب ہمارا قافلہ وہاں پہنچا تو وہ سواری سے اتر کر بندر کی شکل میں ہوکر ان ہی کے ساتھ جاملا''

امام مستغفری نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ:

''ایک ثقہ نے بیان کیا ہے کہ ہم تین آدمی یمن جارہے تھے، اور ہمارے ساتھ ایک شخص کوفہ کا تھا وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا تھا، ہم ہر چند اسے منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتا تھا، جب ہم یمن کے نزدیک پہنچے تو ایک جگہ اتر کر سورہے، اور جب کوچ کا وقت آیا تو ہم سب نے اٹھ کر وضو کیا اور اس کو جگایا، وہ اٹھ کر کہنے لگا افسوس میں تم سے جدا ہو کر اسی منزل میں رہ جاؤں گا، ابھی میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ میرے سر پر کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے فاسق! تو اس منزل میں مسخ ہو جائے گا، ہم نے کہا وضو کر، اس نے اپنے پاؤں سمیٹے، ہم نے دیکھا کہ انگلیوں سے اس کا مسخ ہونا شروع ہوا، اور دونوں پاؤں اس کے بندر کے سے ہو گئے، پھر گھٹنوں تک، پھر کمر تک، پھر سینے تک اور پھر منہ تک مسخ پہنچا، اور وہ بالکل بندر بن گیا، ہم نے اس کو پکڑ کر اونٹ پر باندھ دیا، اور وہاں سے روانہ ہوئے، اور وقت غروب آفتاب جب ایک جنگل میں پہنچے وہاں چند بندر جمع تھے، اس نے جب انہیں دیکھا تو رسی توڑ کر ان میں جاملا، نعوذ باللہ منہا'' (شواہد النبوۃ، مولانا عبدالرحمٰن جامی)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے محلہ میں ایک چکی پیسنے والا رہتا تھا، جو نہایت غالی قسم کا شیعہ تھا، اس نے ایک مرتبہ یہ حرکت کی کہ اپنے دونوں خچروں میں سے ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا نام عمر رکھ دیا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ ہی عرصہ بعد انہی خچروں میں سے ایک نے اسے مار مار کر ہلاک کر دیا، میرے دادا حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اطلاع ملی، انہوں نے حاضرین مجلس سے کہا ذرا جا کر دیکھو جس خچر نے اسے قتل کیا ہے وہ وہ ہوگا جس کا نام عمر رکھا تھا، لوگوں نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعتاً وہ وہی خچر تھا'' (حیوۃ الحیوان: ۱/۱۳)

دشمنانِ شیخین رضی اللہ عنہما کو زمین نگل گئی

شیخ شمس الدین صوابؒ جو خدام حرم نبوی کے رئیس تھے کہتے ہیں کہ:

''میرے ایک مخلص رفیق تھے جو امیر مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آتے جاتے تھے، اور مجھے بھی جس قسم کے کام پیش آتے انہیں کے ذریعہ سے امیر تک پہنچاتا تھا، ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آ گیا، میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ حلب کے

باشندوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی اور بہت سا مال رشوت کا امیر کو اس لیے دیا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک اجسام کو یہاں سے لے جانے پر مدد دے، امیر نے اس کو قبول کرلیا، شیخ صواب کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے رنج کی انتہاء نہ رہی، میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بلانے آ گیا۔ میں وہاں گیا، امیر نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے، تم ان سے تعرض نہ کرنا، وہ جو کچھ کریں کرنے دینا، کسی بات میں دخل نہ دینا، میں ''بہت اچھا'' کہہ کر چلا آیا۔ مگر سارا دن حجرہ شریف کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گزر گیا، ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا، اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ آخر عشاء کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے، اور ہم نے کواڑ وغیرہ بند کرلیے تو باب السلام سے یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا، لوگوں نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا شروع کیا، میں ان کو ایک ایک کرکے چپکے چپکے گن رہا تھا، ۴۰ آدمی اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ پھاوڑے اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے، وہ اندر داخل ہو کر حجرہ شریف کی طرف چلے، خدا کی قسم منبر تک بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ ایک دم ان کو ان کے ساز و سامان کے ساتھ زمین نگل گئی اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا۔ امیر نے بہت دیر تک ان کا انتظار کرکے مجھے بلا کر پوچھا، صواب! ابھی تک وہ لوگ تمہارے یہاں نہیں پہنچے؟ میں نے کہا کہ ہاں آئے تھے، اور یہ قصہ ان کے ساتھ گزرا، امیر نے کہا دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا بالکل ایسا ہی ہوا ہے، آپ چلئے میں وہ جگہ بتاؤں جہاں یہ واقعہ ظاہر ہوا، امیر نے کہا: اچھا بس، یہ بات یہیں تک رہے، اگر یہ بات کسی پر ظاہر کی گئی تو سر اڑا دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے کرم سے وہاں کے آداب کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے''

بغض صدیق رضی اللہ عنہ کا برا انجام

کمال نقل کرتے ہیں کہ خبر دیا مجھے ابوالعباس ابن عبدالواحد نے روایت کرتے ہوئے شیخ صالح عمر یمنی سے شیخ یمنی کہتے ہیں کہ:

''میں مدینہ منورہ میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر اوقات رہا کرتا تھا، پس عاشورہ کے دن ایک مرتبہ میرا اس طرف جانا ہوا جس طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر تھی اور فرقہ امامیہ کے شیعہ وہاں جمع تھے، کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اور اس مجمع سے میں نے صدیق اکبر کی محبت کا واسطہ دے کر سوال کیا، میرے سوال کو سنتے ہی مجمع سے ایک بوڑھا خرانٹ آیا، اس نے کہا تم ذرا ٹھہرو،

ہم اپنے معمول سے فارغ ہو جائیں تو تمہیں کچھ دیتے ہیں۔ چنانچہ ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو کر آیا، بجائے مجھے کچھ دینے کے مجھے گھسیٹتے ہوئے اپنے گھر کی طرف لے گیا اور گھر میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا اور اپنے دو غلاموں کو مجھ پر مسلط کر دیا، وہ مجھے مارنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے مجھے خوب مارا پیٹا، اس کے بعد اس ظالم نے میری زبان بھی کٹوا دی اور میری زبان کاٹنے کے بعد مجھے دھکا دے کر گھر سے باہر کر دیا۔ اور یوں کہا کہ جاؤ جن کی محبت کا واسطہ دے کر سوال کر رہے تھے ان سے کہہ دو کہ وہ تمہاری زبان لوٹا دیں۔ میں وہاں سے گرتا پڑتا روتا ہوا روضہ اطہر کے پاس حاضر ہوا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دشمنوں نے آپ کے ساتھی کی محبت کے عوض میرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ یا رسول اللہ اگر آپ کے ساتھی برحق ہیں، ان کی محبت برحق ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میری زبان لوٹ جائے، اور جیسے پہلے تھی ویسے ہی ہو جائے، یہ کہہ کر میں روضہ اطہر کے پاس پڑ گیا، بڑے کرب و بے چینی میں رات گزاری، اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی، تو خواب میں میں نے دیکھا کہ میری زبان اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئی۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ واقعی میرے منہ میں میری زبان صحیح وسالم موجود ہے۔ اور میں بلا تکلف کام بھی کر رہا ہوں، فوراً میری زبان سے نکلا ''الحمد للہ الذی رد علی لسانی'' تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے میری زبان لوٹا دی۔ اس عجیب واقعہ کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا، اس واقعہ کے ایک سال گزر جانے کے بعد پھر وہ شیعہ اسی مقام پر جمع ہو گئے، اس سال میں پھر گیا، اور میں نے پھر کہا کہ صدیق اکبر کی محبت کا واسطہ مجھے ایک دینار دیا جائے۔ میرا سوال سن کر حاضرین میں سے ایک نوجوان میری طرف بڑھا اور اس نے کہا ٹھہر جاؤ، ہم اپنے معمول سے فارغ ہو جائیں، تو تمہاری مانگ پوری کر دیں گے، چنانچہ فارغ ہونے کے بعد وہ نوجوان مجھے اپنے گھر کی طرف لے گیا، مجھے اپنے گھر میں داخل کیا اور میرے سامنے نہایت اعزاز کے ساتھ کھانا پیش کیا، میں نے کھانا کھا لیا، جب میں کھانے سے فارغ ہو گیا تو اس نوجوان نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور زار و قطار رونے لگا، میں نے کمرے میں دیکھا کہ ایک بندر بندھا ہوا ہے، میں نے پوچھا کہ بھائی کیوں رو رہے ہو؟ اور یہ بندر کیسا ہے؟ جب میں نے رونے کا سبب پوچھا تو وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، میں نے بمشکل تمام اسے تسلی دے کر چپ کیا، جب چپ ہو گیا تو میں نے اسے خدا کی قسم دے کر پوچھا بتاؤ تو سہی آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے پہلے مجھ سے قسم لیا، اور وعدہ کروایا کہ اہل

مدینہ میں سے کسی پر یہ راز ظاہر ہونے نہ پائے، میں نے وعدہ کرلیا تو اس نے تفصیل بتادی کہ یہ بندر میرا باپ ہے۔ گذشتہ سال یوم عاشورہ میں ہم لوگ قبہ عباس کے پاس جمع تھے، اتنے میں ایک سائل آیا اور حضرت صدیق اکبر کی محبت کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ میرے باپ نے اس سائل کے ساتھ ایسا ظالمانہ رویہ اختیار کیا کہ اپنے دو غلاموں کے ذریعہ اس کو پٹوایا اور اس کی زبان بھی کٹوادی اور یہ کہتے ہوئے دھکا دیا کہ جاؤ جس کی محبت کا واسطہ دے کر مانگ رہے ہو ان سے ہی کہو کہ میری زبان واپس کردے، بس اس کے بعد اس سائل کی تو ہمیں خبر بھی نہیں کہ اس کا کیا ہوا مگر ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہوا کہ اسی رات ہم سو گئے، کچھ رات گئے اچانک میرے باپ چیخنے چلانے لگے، ان کی چیخ و پکار سے ہم گھبرا کر اٹھے تو ہم نے اپنے باپ کو بندر کی شکل میں پایا، ان کو تو ہم نے گھر کے اندر باندھ دیا اور لوگوں میں ان کی موت کا چرچا کردیا۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم صبح و شام ان کی حالت زار پر رو رہے ہیں، میں نے کہا تمہارے باپ نے جس کی زبان کاٹی تھی اس کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، میں نے کہا میں ہی وہ شخص ہوں جس کی زبان تیرے باپ نے کاٹی تھی، پھر میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا، پھر تو وہ مجھے بوسہ دینے لگا اور چومنے لگا، اس نے پھر جوڑے جاڑے بھی عطا کیے اور دینار بھی دیا، اب مجھ سے پوچھا کہ تمہاری زبان کیسے لوٹائی گئی؟ میں نے اس کی ساری تفصیل بتادی اور پھر میں واپس ہوگیا''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گھر جلنے کی خبر دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تکبر کرنے کی سزا پر ابوالقاسم بن بشران نے اپنے فوائد میں ابن عمر کی زبانی لکھا ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام پوچھا، اس نے ازراہ تکبر کہا میرا نام چنگاری ہے، پھر پوچھا تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرے باپ کا نام شعلہ ہے، پھر پوچھا تمہارے قبیلے کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ہمارے قبیلے کا نام آگ ہے، پھر پوچھا رہتے کہاں ہو؟ کہا جس جگہ ہم رہتے ہیں اس جگہ کا نام گرمی ہے، پھر اس سے پوچھا یہ کہاں ہے؟ اس نے کہا بھڑکنے والی جگہ ہے، یہ تمام جوابات سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ اپنے گھر والوں کی خبر لو وہ جل رہے ہیں، اس شخص نے گھر جا کر دیکھا کہ واقعی اس کا گھر بھی جل رہا تھا، اور گھر والے بھی جل رہے تھے، اس واقعہ کو حضرت امام مالکؒ نے اپنی موطا میں حضرت یحییٰ کے ذریعہ تحریر کیا ہے''

(ملخصا تاریخ الخلفاء: ۱/۱۶۷)

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا برا انجام

(۱) ابن عسا کر نے یزید بن حبیب کی زبانی لکھا ہے کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اشخاص جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں حصہ لیا، وہ سب دیوانے ہو گئے۔ (بحوالہ تاریخ الخلفاء: ۲/۲۷)

(۲) ابونعیم نے اپنی کتاب الدلائل میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی دوران جہجاہ غفاری نامی ایک شخص آیا، آپ کے دست مبارک سے آپ کی عصا مبارک چھین کر اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا، اس گستاخی کرنے والوں کے پاؤں میں اللہ نے آکلہ کی بیماری پیدا کر دیا۔ اس لیے کسی صحابی کی شان میں کسی بدتمیزی کا خیال تک دل میں نہ لایا جائے۔

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی بددعا کا نتیجہ

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے میں ماموں ہوتے تھے، وہ مستجاب الدعوات تھے، حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ سعد کی دعا قبول فرما، ایک مجلس میں کچھ ناقدین معترضین لوگ بیٹھے تھے، جو حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی لڑائیوں پر تبصرہ کر رہے تھے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی! ان کو برا مت کہو، کیونکہ یہ اچھے لوگ ہیں، اور حضور ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ایک شخص اصحاب تنقید میں سے جو بہت زور وشور سے بول رہا تھا، اس نے پھر نامناسب الفاظ کہے، سعد بن ابی وقاص نے پھر منع کیا، اس کے باوجود وہ بولتا ہی رہا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا اب میں بددعا کرتا ہوں، انہوں نے بددعا کی کہ اے اللہ یہ تیرے مخلص بندے ہیں، جن کے متعلق تیرے رسول ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، یہ شخص ان کو برا کہہ رہا ہے، اگر واقعی یہ تیرے بندے تیری بارگاہ میں مقبول ہیں تو اس برا کہنے والے پر ایسا عذاب مسلط فرما جو دیکھنے والوں کے لیے عبرت بن جائے، پس اتنا کہنا تھا کہ سامنے اونٹوں کی قطار جا رہی تھی، ان میں سے ایک اونٹ بگڑا، وہ ان کی قطار میں سے نکل آیا، ادھر ادھر دیکھا پھر اس شخص کو پکڑا اور اس کی کھوپڑی کو چبا گیا، اور چبا کر اس کو ختم کر دیا، پھر قطار میں جا کر مل گیا۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، وہاں سے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی شکایت کی کہ آپ نے ایسے شخص کو یہاں گورنر بنا کر بھیجا ہے جسے نماز پڑھانا بھی نہیں آتا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق وتفتیش کی، اور خود براہ راست ان سے دریافت کیا کہ آپ کیسے نماز پڑھاتے ہیں؟ تو حضرت سعد نے پڑھ کر بتایا کہ میں اس طرح پڑھاتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ ایسے ہی نماز پڑھاتے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی نماز پڑھاتے تھے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے زیادہ خسارے میں کون ہوگا، اگر مجھے نماز پڑھانا بھی نہ آئے، جب کہ میں نے براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سیکھی ہے، پھر حضرت سعد بن وقاص نے بے جا شکایت کرنے والے کے حق میں تین بددعائیں کی، اے اللہ جس نے میرے متعلق یہ شکایت کی ہے اگر وہ تیرے نزدیک جھوٹا ہے تو تو اس کی عمر دراز کردے، اور اس کو نابینا کردے، اور اس کو فتنوں میں مبتلا کردے، چنانچہ تینوں بددعائیں ایسی لگیں کہ لوگوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا، عمر بھی اس کی بہت ہوئی، نابینا بھی ہوگیا اور فتنوں میں مبتلا ہونے کا حال یہ تھا کہ کوئی لڑکی پاس سے گزرتی اور وہ اس کی آہٹ محسوس کرتا تو اس کو پکڑنے کی کوشش کرتا، کوئی اس سے پوچھتا تو کون ہے؟ تو کہتا کہ میں وہی ہوں جسے حضرت سعد کی بددعا نے تباہ کردیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت: ۱۴۰)

(۳) سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو معرکہ ایران کے موقع پر امیر لشکر بنا کر جہاد کے لیے روانہ کیا گیا، ایسا اتفاق ہوا کہ عین جنگ کے زمانہ میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر ایک بہت بڑا زخم ہوگیا، شدت تکلیف کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہوسکتے تھے اور نہ میدان جنگ میں جاسکتے تھے؛ بلکہ مکان کی چھت پر بیٹھ کر بڑے تکیے پر دونوں کہنیاں ٹیک کر وہیں سے فوج کی کمانڈنگ کرتے تھے، اور لشکر کو وہیں سے ہدایت دیتے تھے۔

ایک روز معرکہ بہت سخت ہوا بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس دن مکان سے نیچے اتر کر اپنی کمر کھلوا کر سب کے سامنے اپنا زخم دھلوایا اور صاف کروادیا، تاکہ کسی کو کوئی بدگمانی اور غلط فہمی نہ ہو کہ امیر لشکر معرکہ میں شریک نہ ہوئے، اور معرکہ جہاد میں اپنی ذمہ داری کیوں نہ نبھائی، مگر ان سب اعذار کے باوجود ایک شاعر کی بدبختی غالب آئی، اور انہوں نے حضرت سعد کی مذمت میں کچھ اشعار کہے، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آج معرکہ بہت زوردار رہا، ہم میں سے بہت لوگوں کے بچے یتیم ہوگئے، کتنوں کی عورتیں بیوہ ہوگئیں، مگر ہمارے سپہ سالار اپنی قیام گاہ میں عیش وعشرت میں ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہ اشعار سنے تو بددعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور یوں کہا: ''اللھم اقطع لسانہ عنی'' اے اللہ اس کی زبان کو ہمارے حق میں دراز ہونے سے روک دے، یہ دعا مانگ کر ابھی اپنے منہ پر ہاتھ بھی نہیں پھیرنے نہیں پائے تھے کہ فوراً خدائی پکڑ آپہنچی، اس طرح کہ اس شاعر کے حلق میں ایک تیر آلگا، اور وہ اسی وقت ختم ہوگیا۔ (بحوالہ ملفوظات فقیہ الامت)

شاتم حسین رضی اللہ عنہ کا برا انجام

ابن جویزہ نامی شخص نے آکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو جہنم کی بشارت ہو، جواب میں حضرت حسین رضی للہ عنہ نے کہا مجھے تو دو بشارتیں حاصل ہیں، ایک تو یہ کہ وہاں مہربان رب ہوگا، دوسرے وہ نبی وہاں موجود ہوں گے جو سفارش کریں گے، اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی، پھر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو جہنم میں ڈال دے، چنانچہ اس کی سواری ایسی زور سے بدکی کہ وہ سواری سے اس طرح گر پڑا کہ اس کا پاؤں رکاب میں پھنس کر رہ گیا، اور سواری تیز بھاگتی رہی، اور اس کا جسم اور سرزمین پر گھسٹتا رہا جس سے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے گرتے رہے، اللہ کی قسم! آخر میں صرف اس کی ٹانگ رکاب میں لٹکی رہی۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

''ایک آدمی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر پاخانہ کرنے کی گستاخی کی تو اس کے گھر والوں میں پاگل پن، کوڑھ اور خارش کی وجہ سے کھال سفید ہو جانے کی بیماری پیدا ہوگئی اور سارے گھر والے فقیر ہوگئے۔ حضرت اعمش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک پر پاخانہ کر جاتا تھا، کچھ ہی دنوں کے بعد یہ شخص مجنون ہوگیا، اور کتوں کی طرح بھوکتے ہی بھوکتے مرگیا، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی قبر سے اب بھی چیخنے کی آواز آتی ہے''

قاتل حسین رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن زیاد اور ان کے ساتھیوں کا دردناک انجام

ترمذی شریف میں حضرت عمارہ بن عمیر سے ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو مسجد کے صحن میں کاٹ کر ڈھیر لگا دیا گیا تھا تو اس منظر کو دیکھنے کے لیے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی، تو میں گیا، جس وقت پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لوگوں میں شور ہوتا رہا، اور شور اس بات کا ہوتا رہا کہ ان کے سروں میں ایک سانپ گشت کر رہا تھا، اگر گشت کرتا ہوا عبید اللہ بن زیاد کی ناک میں گھس جاتا، تھوڑی دیر اس کی ناک میں رہ کر باہر آکر پھر سروں میں گشت کرتا تھا، اور گشت کرتا ہوا پھر عبید اللہ کی ناک میں گھس جاتا، پھر کچھ دیر تک ناک میں ٹھہرنے کے بعد غائب ہو جاتا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دو تین مرتبہ دیکھا ہے'' (انوار ہدایت: ۱۷۶)

مذکورہ گستاخان صحابہ کے واقعات سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے، جن کے شب و روز صحابہ کرام پر تنقید و تنقیص میں گزرتے ہیں، جبکہ قرآن نے جمیع صحابہ کو دنیوی زندگی ہی میں اپنی خوشنودی کا تمغہ دے کر یہ اعلان فرما دیا ہے ''رضی اللہ عنہ

ورضوا عنہ '' کہیں حقیقی کامیابی کا اعلان فرمایا ''اولئک ھم المفلحون '' کہیں حقیقی رشد وہدایت پر گامزن ہونے کا اعلان فرمایا: ''اولئک ھم الراشدون '' کہیں ان کی راست بازی کا چرچہ کیا گیا ''اولئک ھم الصادقون '' ان کی پاکیزہ زندگیوں میں تقویٰ لازم ہونے کا اظہار کیا گیا ''والزمھم کلمۃ التقویٰ '' ہمیشہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے سچے طالب ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ''یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا '' امت کا سب سے مخیّر طبقہ ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس '' اللہ سے ایسی بے پناہ محبت ہے کہ خدا کے دشمنوں پر سخت اور ایمانی بھائیوں کے لیے نہایت رحم دل ہونے کا مخلصانہ جذبہ کو آشکارا کیا گیا۔ ''اشدعلی الکفار رحماء بینھم '' پروردگار کے ہمیشہ مطیع وفرمانبردار، ان کا شیوہ بتایا گیا ہے۔ ''تراھم رکعا سجدا '' جبکہ ساری دنیا سو رہی ہوتی ہے ان کی راتیں آستانہ خداوندی میں قیام وسجود میں گزرتی ہیں، ''والذین یبیتون لھم سجدا وقیاما '' کثرت سجود سے ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشانات ہویدا ہیں۔ ''سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ''۔ رب العالمین نے اپنے ان محبوبوں کی مثالیں سابقہ کتابوں میں بھی ذکر کی گئی ہیں تاکہ دنیا والے ان کی عظمت ومنقبت کو پہنچانیں۔ ''ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل ''۔

قارئین کرام! صحابہ وہ پاک نفوس ہیں جنہوں نے اسلام کی آبیاری اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگائی۔ صحابہ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے آفتاب نبوت سے بلاواسطہ نور حاصل کیا، صحابہ وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔ صحابہ جنہوں نے نئی نویلی دلہنوں کو چھوڑ کر صدائے جہاد پر لبیک کہا۔ صحابہ جن کو فرشتوں نے غسل دیا، صحابہ وہ ہیں کہ خالق کائنات نے ان کی عظمت اور علو مرتبت کو مخلوقات پر بھی ظاہر فرمادیا۔ چلتے دریاؤں نے بھی راستہ فراہم کیا۔ موذی درندوں نے بھی ان کے استقبال میں جنگلات خالی کردیئے۔ زلزلہ سے جنبش کھاتی ہوئی زمین بھی ان کے کوڑا مارنے سے قرار وسکون پاتی ہے، ہواؤں نے بھی دوسروں تک ان کی آوازوں کو امانت داری کے ساتھ سینکڑوں میل دور پہنچایا، صحابہ تقویٰ کے معیار پر کامل اترنے ہی کی بناء پر قرآن و کلا وعد اللہ الحسنی کہہ کر جہنم سے دور ہونے کا اعلان کررہا ہے۔

مگر ہائے افسوس! آج بھی کچھ بدبخت ایسے ہیں جو صحابہ پر طعن وتشنیع کرکے حضور ﷺ کی روح اقدس کو ٹھیس پہنچارہے ہیں۔ رب ذوالجلال نے ان کا امتحان لے کر اپنی خوشنودی کا اعلان کرنے کے بعد بھی صحابہ کرام کو تنقید کا نشانہ بنارہے ہیں۔ مسلمانو! یادرکھیں صحابہ کرام کی برائی کرنا ضلالت ہے، چونکہ قرآن حق ہے، رسول حق ہیں، آپ کی تعلیمات برحق ہیں، یہ تمام چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں، لہٰذا جو شخص صحابہ کی ذات کو نشانہ بناتا ہے، وہ قرآن وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے، پوری شریعت اور دین سے امت کا اعتماد اٹھانا چاہتا ہے، تاکہ اسلام کی اصل تصویر ہی کو مسخ کردیا جائے۔

اس لیے جمیع برادران اسلام و بزرگان دین سے التماس ہے کہ دین کی بنیادیں مضبوط قائم رکھنے کے لیے ہم کربستہ ہوجائیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کی عظمت اجاگر کریں، تاکہ ضال اور مضل طبقے کو ہدایت مل جائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

مولانا سید احمد ومیض ندوی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مدافن وقبور
ایک سرسری جائزہ

خداوند قدوس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج مرحمت فرما کر قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ چونکہ آپ کی نبوت زمانی ومکانی حدود سے ماوراء ہے، اس لیے ضروری تھا کہ آپ کو ایسے اصحاب عطا کیے جائیں جو آپ کا پیغام لے کر اقطاع عالم میں پھیل جاتے۔ چنانچہ اس کے لیے حضرات صحابہ کرام جیسی عظیم جماعت تیار کی گئی جس نے اعلائے کلمۃ اللہ اور آفاق عالم میں خدائی پیغام پہنچانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ حجۃ الوداع جس کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں زیادہ عرصہ بقید حیات نہ رہ سکے، میں حضرات صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی جس کا اندازہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کا لگایا گیا ہے، ان اصحاب کی موجودگی میں آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اسے خطبۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ جس میں آپ نے جہاں اور باتوں کی تاکید کی وہیں صحابہ پر یہ بات بھی واضح فرمائی دی کہ اللہ کے اس دین کو اقطاع عالم میں پہنچانا ان کا اولین فریضہ ہے، آپ نے صحابہ کو گواہ بناتے ہوئے کہا کہ ''فلیبلغ الشاہد منکم الغائب'' تم میں جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں تک دین کا پیغام پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ حضرات صحابہ ﷺ نے۔ دین کے لیے قربانی جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مختلف علاقوں کا رخ کیا اور انہی علاقوں میں پیوند خاک ہو گئے۔ چنانچہ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ آج دنیا کے دور دراز خطوں میں صحابہ کے مزارات اور قبور پائے جاتے ہیں۔ جزیرۃ العرب سے ہزاروں میل کی مسافت رکھنے والے ملکوں میں صحابہ کے قبور دریافت کیے گئے ہیں۔ حضرت عمر ﷺ اور ان کے بعد کے ادوار میں فتوحات کا سلسلہ بھی پھیلتا گیا جس کے سبب مختلف ملکوں میں مختلف صحابہ کرام کو گورنر کے طور پر مقرر کیا گیا جو آخر وقت تک وہیں رہے، اور وہیں مدفون ہوئے۔ حضرات صحابہ کے قبور کا موضوع صرف معلوماتی ہی نہیں بلکہ اس سے حضرات صحابہ کی خدمات کے ایک انتہائی اہم گوشہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ ہے اقطاع عالم میں ان کی بے پناہ دعوتی خدمات۔ بہت سے صحابہ دور دراز علاقوں میں جنگی مہموں میں روانہ ہوئے اور شہادت پا کر وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

صحابہ کانفرنس کی مناسبت سے نکالے جانے والے خصوصی مجلّہ کی تیاری کے دوران برادر محترم مولانا معید الظفر قاسمی کا ذہن اس طرف گیا کہ ضخیم مجلّہ میں ایک مضمون قبور صحابہ سے متعلق بھی شامل اشاعت ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے انٹرنیٹ پر تفحص بھی کیا اور کسی سائٹ پر ملک شام میں واقع چند صحابہ کے قبور پر مواد ملا۔ اس طرح اس موضوع پر خود میرے تحقیق و جستجو کا داعیہ پیدا ہوا۔ زیر نظر مضمون صحابہ پر لکھی گئی عربی کتب اسد الغابہ، الاصابہ، الاستیعاب اور اسی طرح اردو کی سیر الصحابہ سے استفادہ کرتے ہوئے جتنے قبور کا پتہ چل سکا ہے انہیں ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ تحقیقی مواد حضرت مفتی تقی عثمانی کے سفرنامہ جہانِ دیدہ سے بھی دستیاب ہوا، عہد رسالت میں بہت سے صحابہ وہ تھے جو غزوات میں شہید ہوگئے، اور انہیں مقام غزوات ہی میں دفن کر دیا گیا، مثلاً شہدائے احد کی قبور میدان احد میں واقع ہیں۔ اسی طرح بعض صحابہ مکہ مکرمہ میں اور بعض مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان صحابہ کی ہے جن کے قبور شام، عراق، یمن وغیرہ دیگر ملکوں میں پائی جاتی ہیں۔

ملک شام میں صحابہ کی قبور

دمشق میں صحابہ کی قبور

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

مؤذن رسول سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے متعلق سے مختلف روایات میں ایک روایت یہ ہیکہ دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں واقع ہے، ان کی قبر پر ایک کتبہ ہے جس پر یہ تحریر کندہ ہے:

''بسم الله الرحمن الرحيم هذا قبر بلال ابن حمامة مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم''.

قبر پر موجود حالیہ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ۶۲۵ھ میں اس کی تجدید کی گئی تھی، تجدید کے بعد یہ تحریر ہے:

''بسم الله الرحمن الرحيم هذا قبر بلال بن رباح موذن رسول صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين و سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم و هو مولى ابى بكر الصديق خليفة رسول الله توفى بلال فى ستة عشرة من الهجرة النبوية و كان اسم ام بلال حمامة و جدد هذا المكان فى سنة خمس و عشرين وستماة''.

''یہ خاتم النبیین سید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کی قبر ہے۔ حضرت بلال خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت بلال سن ۱۶ ہجری میں وفات پائے اور انہیں اس سرزمین پر دفن کر دیا گیا۔ حضرت بلال کی والدہ کا نام

حمامہ تھا۔ ۶۲۵ ھ میں اس قبر کی تجدید کا کام کیا گیا''

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ کی قبر

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب اوس بن اوس ثقفی کی قبر ہے، اس پر یہ تحریر ہے:

"هذا ضريح سيدنا اوس بن اوس الثقفي صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم".

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا اوس بن اوس ثقفی کا مزار ہے''

چند اور صحابہ کی قبور

اندر و نحظیر ۃ ۃ قبلہ کے قریب حضرت سہل بن حنظلہ، حضرت فضالہ بنت عبید، حضرت وابصہ بن معبد، خریم بن فاتک اسدی اور حضرت سبرہ بن فاتک کی قبور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ کی قبر

اس جگہ حضرت عبداللہ بن ام حرام کی قبر ہے، یہ قبر دمشق میں الجادہ شاہراہ کے برابر میں واقع ہے۔ اس پر یہ تحریر ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم هذا قبر عبدالله بن ام حرام".

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی قبر

حضرت ابودرداء کی قبر پر یہ تحریر ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله محمد رسول الله هذا قبر ابى الدرداء صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم و رضى الله عنه"

اسی طرح راستہ کی جانب مشرقی دروازے کے پاس حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کی قبر واقع ہے۔ اس جگہ حضرت خولہ بنت ازور کی جو کہ حضرت ضرار کی بہن ہیں' ہے۔ لیکن مصادر و مراجع میں ان کی قبر کی صراحت نہیں ملتی۔

دمشق کے مضافات میں واقع قبور

دمشق کے قرب و جوار میں کئی ایک صحابہ کے قبور ہیں، مثلاً غوطہ دمشق کے خولان علاقہ میں ایک گاؤں عذراء نام کا ہے جسے آج کل عدراء کہا جاتا ہے، یہ مرج العقاب میں واقع ہے۔ اس جگہ حضرت حجر بن عدی کندی کو شہید کر دیا گیا تھا، ان کے ساتھ ان کے رفقاء حضرت ارقم بن عبداللہ الکندی، شریک بن شداد، حضرت صیفی بن فسیل الشیبانی اور قسعہ بن خنبہ العبسی، کریم بن عفیف الخثعمی، عاصم بن عون البجلی، ورقاء بن نحی البجلی، کدام بن حیان، عبدالرحمن بن حسان الفزیان، محرز بن شہاب تمیمی اور عبداللہ بن حویہ

سعدی تھے۔ حضرت حجر بن کندی نے اپنے ساتھیوں کو وصیت کی تھی کہ انہیں ان کی بیڑیوں سمیت دفن کیا جائے۔ چنانچہ ان کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان سب کی جنازہ پڑھی گئی، انہیں کفن دیا گیا پھر دفن کیا گیا۔ ان کا چہرہ قبلہ کی طرف رکھا گیا۔ حضرت حجر بن کندی کے قتل کی اطلاع لوگوں پر بجلی بن کر گری۔

مورخین میں صرف ابن عساکر نے ان کی قبر کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''حجر بن کندی کی قبر عدرا کی مسجد میں مشہور ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چلا کہ ان کی قبر عدراء کی مسجد میں واقع ہے لیکن ان کی قبر کس نے بنائی اس کا علم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی تاریخ معلوم ہے، ممکن ہے کہ سلطنت امویہ کے زوال کے بعد بنائی گئی ہو''۔ بیشتر مصادر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حجر اور ان کے رفقاء عذراء میں مدفون ہیں۔

اسی طرح مضافات دمشق کے حجیرا گاؤں میں حضرت مدرک بن زیاد فزاری کی قبر ہے، یہ پہلے صحابی ہیں جو بیرون دمشق وفات پائے۔

غوطہ دمشق کے المنیحہ گاؤں میں قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ انصاری کی قبر ہے، جہاں ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ قبر کے سرہانے یہ تحریر ہے:

"هذا قبر سعد بن عباده رأس الخزرج صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم".

یعنی یہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کی قبر ہے۔

دمشق کے مضافات کا علاقہ مزہ میں صحابی رسول دحیہ کلبی کی قبر ہے۔ غوطہ دمشق کے مضافات کے گاؤں بیت رانس میں ابومرثد دثار الحصین کی قبر ہے۔

ملک شام کے شہر حلب اور اس کے مضافات میں قبور صحابہ

ایک روایت کے مطابق موذن رسول حضرت سیدنا بلال بن حمامہ کی قبر حلب میں باب اربعین میں واقع ہے، اسی طرح یاروقیہ کے کنارہ جبل جوشن کی جانب حضرت عبداللہ انصاری کی قبر ہے جسے مشہد الانصاری کہا جاتا ہے یاروقیہ کے امراء کی ایک خاتون نے خواب دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہاں صحابی رسول عبداللہ انصاری کی قبر ہے۔ چنانچہ لوگوں نے وہاں کھدائی کی تو وہاں ایک قبر کا پتہ چلا، اس پر باقاعدہ مشہد بنایا گیا اور قبر کی شکل دی گئی لیکن مرور زمانہ کے ساتھ یہ مشہد بوسیدہ ہونے لگا، پھر امیر سیف الدین علی بن علم الدین سلیمان بن جندر کی آزاد کردہ باندی نے اس کی تجدید کی۔ حلب کے مشرقی جانب منبج میں حضرت خالد بن سنان عبسی کی قبر ہے۔ (انٹرنیٹ)

حمص میں قبور صحابہ

حمص میں نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کی قبر واقع ہے، اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب کے آزاد

کردہ غلام قنبر کی قبر بھی یہیں واقع ہے نیز حضرت ابوذر غفاری کا مشہد بھی یہیں ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت دحیہ کلبی کی قبر بھی یہیں واقع ہے۔ جامع سرود اندرون شہر حمص میں آمنے سامنے دو قبریں واقع ہیں، ایک حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی اور دوسری حضور کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی قبر واقع ہے۔ اس شہر کے معرۃ النعمان نامی جگہ حضرت عبداللہ بن عمر کی قبر واقع ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ حضرت عبیداللہ بن عمر کی قبر ہے۔ اسی طرح اس شہر میں حضرت عبداللہ بن عمار بن یاسر کی قبر ہے۔

صفین میں قبور صحابہ

صفین میں جنگ صفین کے مقتول صحابہ کی قبریں ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان میں سے درج ذیل صحابہ کی شناخت ہوسکی۔ بشیر بن عمرو بن محصن، ثابت بن عبید الانصاری، صفوان، سعید بن حذافہ بن یمان، حکیم بن حزام، حازمہ بن ابی حازم، خزیمہ بن ثابت، عبداللہ بن عمر بن خطاب، ذی الطلاع، حوشب بن تقیہ، ابوالہیثم بن تیہان، عبداللہ بن تیہان، مہاجر بن خالد، ابوالیقظان عنسی۔ (۱)

اردن میں قبور صحابہ

شؤنہ شمالیہ میں مسجد ابوعبیدہ واقع ہے اور یہیں امین الامۃ کا خطاب رکھنے والے صحابی کی آرام گاہ ہے۔ حضرت عامر بن ابووقاص جنگ یرموک ۱۵ھ میں شہید کیے گئے، انہیں شمالی اردن کے غور میں دفن کیا گیا۔ حضرت ضرار بن ازور بڑے شہسوار اور شاعر تھے، طاعون عمواس میں وفات پاگئے اور غور اردن میں مدفون ہوئے۔ آج کل جہاں وہ مدفون ہیں، اعلاقہ کو بلدہ غرار کہا جاتا ہے۔ حضرت حارث بن عمیر ازدی انہیں نبی کریم ﷺ نے شاہ بصریٰ کی جانب اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تھا۔ جنہیں قتل کیا گیا، آپ کے سفراء میں سے سوائے حارث کے کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ جنوبی اردن کے طفیلہ علاقہ میں بصیرا نامی شہر ہے جس میں حضرت حارث کی قبر ہے۔

حضرت فروہ بن عمرو جذامی رضی اللہ عنہ عفراء نامی چشمہ کے قریب طفیلہ کے پاس رومیوں نے اس وقت شہید کردیا تھا، جب انہوں نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا تھا۔ معان علاقہ میں وہ گورنر تھے، طفیلہ کے شمال میں انہیں دفن کیا گیا۔

حضرت معاذ بن جبل طاعون عمواس میں بیمار ہوئے اور اسی سے ان کی وفات ہوئی اور شؤنہ شمالیہ کے القصیر میں دفن کیے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال تھی۔

حضرت شرحبیل بن حسنہ کا مزار غور اردن کے وادی الیابس کے علاقہ میں واقع ہے، حضرت ابوعبیدہ کے مزار سے ۲۸ کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور ار بد شہر سے ۵۸ کیلومیٹر دوری پر واقع ہے۔ ان کے مزار کے پاس مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ قبر ایک کمرہ میں واقع ہے اور اس پر مخمل کا غلاف ہے۔

حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابوطالب، عبداللہ بن ابی رواحہ جنوبی اردن کے موتہ علاقہ میں مدفون ہیں، وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کے اندر کھڑے رہ کران کے مزارات دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ جنگ موتہ میں شہید کردیئے گئے تھے جو کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ ان کے علاوہ درج ذیل صحابہ موتہ میں شہید کیے گئے۔ عامر بن سعد بن حارث بن عبادہ بن سعد، عمرو بن سعد بن حارث بن عبادہ بن سعد، عبادہ بن قیس بن عبسہ بن امیہ، جابر بن صعصعہ، عمرو بن زید بن عوف، ابوکلیب بن ابی صعصہ بن زید بن عوف، حارث بن نعمان بن اسعاف بن نفلہ، سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن الخنساء، وہب بن ابی سرح بن حارث۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مقام عبادت

مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مقام عبادت سہیلہ نامی علاقہ میں تھا جو کہ مادبا صوبہ کے ذیبان شہر کے مغرب میں واقع ہے، جب شام سے واپس ہوئے تو انہوں نے چند سال تک یکسوئی کے ساتھ عبادت کے لیے اس جگہ قیام کیا تھا، اس جگہ ان کے ساتھ صرف ان کی بیوی تھیں۔ پھر جب بیماری شدت پکڑ گئی تو وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر ٣١ھ میں جزیرۃ العرب آگئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قبر

اردن کی راجدھانی کے شمال میں جیجہ نامی علاقہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا مزار ہے۔ یہ ایک روایت ہے جبکہ استیعاب کی روایت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت عثمان نے پڑھائی۔ ایک قول کے مطابق حضرت بلال بن رباح موذن رسول کی قبر عمان کے مضافات میں وادی السید نامی علاقہ میں واقع ہے۔

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کا مزار

اردن کے شہر عجلون کے قریب حضرت عکرمہ بن ابی جہل کا مزار ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا مزار

ایک قول کے مطابق صحابی حضرت ابودرداء کا مزار اسی یہیں علاقہ میں واقع ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کا مقام عبادت طفیلہ شہر میں واقع ہے۔ یہاں ان کے علاوہ دیگر مقامات بھی واقع ہیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی قبر

حضرت زبیر بن عوام جنگ جمل میں شہید ہوئے، وہ جیسے ہی سجدہ میں گئے عمرو بن جرموت نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا جس سے حواری رسول کا سر تن سے جدا ہو کر خاک وخون میں تڑپنے لگا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ٣٦ھ میں شہادت کے بعد وادی اسباع میں دفن کردیئے گئے۔ (٢)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت طلحہ بن عبداللہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں فتنہ خوارج کے دوران مڈبھڑ میں شہید کردیئے گئے۔ مروان نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔ بہ اختلاف روایات حضرت طلحہ نے ٦٢ یا ٦٤ سال کی عمر میں شہادت حاصل کی اور غالباً بصرہ کے میدان جنگ کے کسی گوشے میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لیے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرمارہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہ صحابی کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس میں منتقل کردیا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصون ومحفوظ تھا، یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا۔ (٣)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مدفن

مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عتیق پر اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا۔ ٥٥ھ میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی اور ان کی لاش مدینہ لائی گئی، مسجد نبوی میں جنازہ کی نماز ادا کی گئی اور مقام بقیع میں دفن کیے گئے۔ (٤)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا مدفن

شام میں طاعون پھیلا جو طاعون عمواس کے نام سے معروف ہے۔ حضرت ابوعبیدہ جابیہ پہنچ کر طاعون میں مبتلاء ہوئے، جب مرض زیادہ شدید ہوا تو معاذ بن جبل کو اپنا جانشین بنایا اور لوگوں کو جمع کرکے ایک نہایت موثر تقریر کی، اخیر میں فرمایا صاحبو! جو مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاء روزگار اس میں جاں بحق ہوگئے ہیں، اور اب عبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔ نماز کا وقت آیا تو اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی ابوعبیدہ بن الجراح نے داعیٔ حق کو لبیک کہا۔ انہوں نے اٹھاون برس کی عمر پائی۔ (٥)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا مدفن

٥٠ یا ٥١ھ میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ نواح مدینہ میں مقام عتیق آپ کا مستقل مسکن تھا، وہیں وفات پائی۔ حضرت سعد بن وقاص نے غسل دیا، عبداللہ بن عمر نے جنازہ پڑھائی اور مدینہ لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ (٦)

ستر شہدائے احد رضی اللہ عنہم کا مدفن میدان احد میں

جنگ احد کے اختتام پر سید الشہداء حضرت حمزہ کا جنازہ تیار ہوا۔ ان کی بہن حضرت صفیہ، صاحبزادہ حضرت زبیر، دو

چادریں دے گئیں تھیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بے گورو کفن تھی، اس لیے انہوں نے ایک چادر دونوں میں تقسیم کردی، ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو، غرض اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ تیار ہوا۔ سرور کائنات نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً ستر نماز کے بعد حضرت حمزہ و دیگر کو میدان احد میں سپرد خاک کیا۔ (۷)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مدفن

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کی اجازت ملی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے، اٹھاسی برس کی عمر پاکر ۳۲ھ ماہ رجب میں بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بیٹے عبداللہ بن عباس نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔ (۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مدفن

اخیر میں ان کے لیے مکہ میں رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لیے کوفی معاندین کی جماعت کے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں مکمل کیے۔ ۶۸ھ میں ایک روز سخت بیمار ہوئے، سات دن علیل رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ محمد بن حنفیہ نے نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا خدا کی قسم آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا، غیب سے ندا آئی:

"یا ایتها النفس المطمئنة ارجعي الی ربک راضية مرضية". (۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں جب مقام ربذہ پہنچے راستہ کے دیہات میں ایک عورت کو سرگرداں اور پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز وتکفین کیجئے، پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا ابوذر صحابی رسول، حضرت ابن مسعود فدیتہ بابی وامی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے آگے بڑھے۔ حضرت ابوذر ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد ومتقشف صحابی تھے، وہ دارالخلافہ کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوگئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں آئے اور بالآخر اسی سرزمین میں مدفون ہوئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا۔ (۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عمر جب ساٹھ برس سے متجاوز ہوئی تو ایک دن ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر

عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ رات کوخواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں، اور آپ سامنے حاضر ہیں۔ اس حالت میں ارشاد ہوتا ہے: ''ابن مسعود میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ''۔ فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ہاں! فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہوکر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔ چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، جب انہیں سفر آخرت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے حضرت زبیر اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق وصیتیں فرمائیں، اور ساٹھ برس سے زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مستند وصحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔(۱۱)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عثمان بن مظعون سابقین اولین میں تھے، ان سے پہلے صرف ۱۱۳ افراد مسلمان ہوئے تھے۔ دور جاہلیت میں بھی انہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کرلیا تھا۔ یہ پہلے مہاجر ہیں جن کا مدینہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں سب سے پہلے مدفون ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے دست مبارک سے پتھر اٹھایا اور علامت کے لیے ان کی قبر پر رکھا، ان کے دفن کے بعد ہی بقیع قبرستان ٹھہرا۔(۱۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت ابوموسی اشعری کی وفات کے سن اور مقام وفات میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ لیکن راجح روایت مکہ کی ہے۔ بہ اختلاف روایات ۴۴ھ، ۴۲ھ، ۵۲ھ میں بیمار پڑے اور بروایت صحیحہ ذی الحجہ ۴۴ھ میں وفات پائی۔ آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، اس کے بعد کفن دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا، جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصل نشیمن میں پہنچ گئی۔ وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔(۱۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عمار بن یاسر جنگ صفین میں شہید کیے گئے، اس جنگ میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۹۱ برس تھی، شام کے وقت جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، یہ کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا، عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے، اس حالت میں

ابن العادیہ کے نیزہ نے انہیں زمین پر گرا دیا اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تجہیز وتکفین کا حکم دیا،خود جنازہ کی نماز پڑھائی۔۹۱ برس کی عمر میں کوفہ کی سرزمین میں دفن کر دیا گیا (۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ۶۵ھ میں فسطاط میں وفات پائی،لوگوں نے انہیں ان کے گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن حکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی،اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا دشوار تھا۔(۱۵)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بقیع میں دفن ہوئے

۳۸ھ میں ۷۲ برس کی عمر میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔(۱۶)

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا مدفن میدان احد

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں شہادت پائی، جنگ میں علمبرداروں کا فریضہ انجام دے رہے تھے،سخت نرغے میں بھی لوائے توحید تھامے رہے، ابن قمئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے ان کا داہنا ہاتھ شہید ہوا، بائیں ہاتھ سے علم کو دھام لیا،ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا،مصعب بن عمیر نے سینہ سے علم کو چمٹا لیا،پھر قمئہ نے زور سے نیزہ مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور وہ شہید ہو گئے۔شہدائے احد کے ساتھ انہیں بھی میدان احد میں دفن کر دیا گیا،ان کی لاش پر صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ رہ جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا،بالآخر چادر سے چہرہ چھپا دیا گیا۔پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی۔(۱۷)

حضرت ارقم بن الارقم رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت ارقم بن الارقم ۸۳ برس کی عمر پا کر ۵۳ھ میں وفات پائی۔انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جنازہ کی نماز پڑھائیں لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عتیق میں تھے،بالآخر سعد بن وقاص تشریف لائے اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھا کر بقیع میں دفن کر دیا۔(۱۸)

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت مقداد عظیم البطن تھے،ایام پیری میں مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا۔ان کے ایک رومی غلام نے عمل جراحی کیا جو غلطی سے ناکام رہا۔اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں انتقال کر گئے۔۳۳ھ خلیفہ ثالث کا عہد تھا، حضرت عثمان نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش کو مدینہ لاکر جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا،مقداد بن عمرو کی عمر ۷۰ برس تھی۔(۱۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اخیر میں مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر حبشی نام کے ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشہ عزلت میں واصل بحق ہوئے۔ پھر انہیں مکہ مکرمہ لاکر دفن کیا گیا، حضرت عائشہ کو اپنے بھائی کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہوکر بے اختیار روئیں اور چند اشعار پڑھیں۔ پھر مرحوم بھائی کی زوجہ کو مخاطب ہوکر بولیں، بخدا اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی۔ (۲۰)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کا مدفن

۱۳ ر جمادی الآخر ۴ھ میں انتقال کر گئے۔ آنحضرت ﷺ حالت نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے، ادھر آپ آئے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کیں۔ حضرت ابوسلمہ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی۔ یسیرہ کنویں کے پانی سے غسل دیا گیا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔ (۲۱)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا مدفن

یہ شہدائے احد میں سے ہیں، چالیس برس سے کچھ زائد عمر پائی، اپنے ماموں حضرت امیر حمزہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔ آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کا ایک قافلہ اس مقام پر خیمہ زن ہوا تو ساری وادی سے مشک خالص کی خوشبو کی لپٹیں آنے لگیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس مقام پر مشک کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں میرے عبیدہ حارث کی قبر ہے۔ (۲۲)

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا مدفن

غزوہ بدر میں ان کا ایک پاؤں شہید ہوا، اور تمام بدن زخموں سے چور تھا، اختتام جنگ کے بعد آنحضور ﷺ کے ساتھ بدر واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ ۶۳ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور مقام صفراء میں انہیں دفن کیا گیا۔ (۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مدفن

۷۴ھ میں ۸۳ یا ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ انہیں مدینہ میں وفات پانے کی بڑی تمنا تھی۔ جب حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھے مکہ میں موت نہ دے اور اپنے صاحبزادے سالم کو وصیت کی تھی کہ مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا، وصیت کے چند دنوں کے بعد وفات ہوئی۔ وصیت کے مطابق لوگوں نے انہیں حدود حرم سے باہر دفن کرنا چاہا لیکن حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی، مجبوراً ''فخ'' مہاجرین کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ (۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۷ھ میں بیمار ہوئے، انتقال سے قبل تجہیز و تکفین سے متعلق وصیت فرمائی۔ ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، نماز کے بعد حضرت عثمان کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۷۸ سال عمر پائی۔ (۲۵)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ میں ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ انتقال کے وقت عمر ۶۰ سال تھی۔ (۲۶)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت عمرو بن عاص بہ اختلاف روایت ۴۳ یا ۵۱ھ میں مصر ہی میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے۔ انتقال سے قبل صاحبزادہ کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا پھر تیسری مرتبہ کافور آمیز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا، جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا، لوگوں کو جنازہ سے پیچھے رکھنا، اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں۔ قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ پھر دعا میں مصروف ہوگئے، پھر انتقال ہوگیا، یکم شوال ۴۳ھ بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم (مصر) میں سپرد خاک کیے گئے۔ (۲۷)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مدفن

گورنری سے استعفیٰ دینے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے اور کچھ دنوں بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ میں شریک تھے اور ۲۲ھ میں انہوں نے شام کا کوئی سفر نہیں کیا۔ (۲۸)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اسی میں انتقال کیا، وفات کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ (۲۹)

خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

فحل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا، اس درمیان انہوں نے ام حکیم سے عقد کیا، مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی، ابھی لنگر کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آگئے، ایک رومی نے مبارزت طلب کی، خالد مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہوگئے۔ (۳۰)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس ہورہے تھے کہ خباب کی وفات کی اطلاع ملی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات کے وقت عمر ۷۲ سال تھی، کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے، لیکن خباب بن ارت نے وصیت کی تھی کہ انہیں بیرون شہر دفن کیا جائے۔ وصیت کے مطابق انہیں بیرون کوفہ دفن کیا گیا۔ آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی۔ (۳۱)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

حضورﷺ کی وفات کے بعد برابر مدینہ میں رہے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ربذہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں شادی کی، بروایت بخاری ۷۴ھ میں پھر مدینہ آئے، واپسی کے دو چار دن کے بعد وفات پائی اور مدینہ ہی میں مدفون ہوئے۔ (۳۲)

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

ان کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں انہوں نے علم بلند کیا، واقدی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی، اکثر ارباب سیر اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (۳۳)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

وفات کے تعلق سے روایات مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے، دوسری روایت زیادہ مستند ہے۔ (۳۴)

حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ

زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے اجنادین کی جنگ میں جمادی الاول ۱۳ھ شہادت پائی، وفات کے وقت عمر ۳۵ سال تھی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ہر وقت حضورﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ حضورﷺ کی وفات کے کچھ مہینوں بعد تک مدینہ میں رہے۔ حضورﷺ کی فرقت سے بے چین ہوگئے۔ مدینہ چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کرلی۔ حمص میں گھر بنالیا اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (۳۵)

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

عہد رسالت میں شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت انجام دی، اس طرح یہ حضرت رسول ﷺ میں تھے، عہد فاروقی میں فتوحات شام میں شریک تھے۔ ان کی وفات عہد عثمانی میں مصر میں ہوئی۔ (۳۶)

حضرت عثمان بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

کعبہ کے کلید بردار تھے، تاحیات نبوی مدینہ میں رہے، حضور ﷺ کے وصال کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے مکہ گئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔ (۳۷)

حضرت ابوسبرہ بن ابی اسلم رضی اللہ عنہ

تاحیات نبوی مدینہ میں ہی قیام کیا، وفات نبوی کے بعد مکہ چلے آئے، اور یہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ (۳۸)

عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے پھر وہاں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آئے اور جنگ احد میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں شام میں وفات پائی۔ (۳۹)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

کسی غزوہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، وادی صفرا میں پہنچ کر وفات پائے۔ حضور ﷺ نے اپنے پیرہن مبارک میں کفنا کر دفن کیا۔ (۴۰)

سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ

حجۃ الوداع میں آنحضور ﷺ کے ساتھ مکہ گئے، یہیں بیمار پڑے اور وفات پا گئے، مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا حضور ﷺ کو پسند نہ تھا، اس لیے سعد کی وفات پر حضور ﷺ مغموم ہوئے۔ (۴۱)

حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ

ہجرت کر کے حبشہ گئے، مدینہ آنے کی نوبت نہ آئی، حبشہ میں انتقال ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ مہاجرین میں یہ پہلے صحابی تھے جو ارض حبشہ میں مدفون ہوئے۔ (۴۲)

حضرت ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ

۵ھ میں بنو قریظہ کی مہم میں نکلے اور دوران محاصرہ انتقال کر گئے، انہیں بنو قریظہ ہی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ (۴۳)

حضرت حاطب بن رباب رضی اللہ عنہ

ہجرت ثانیہ میں مع اہل وعیال حبشہ چلے گئے۔ عمر کافی ہو چکی تھی، مدینہ آنے کی نوبت نہ آئی، حبشہ میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔ (۴۴)

حضرت عمیر بن رئاب رضی اللہ عنہ

ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، عراق کی مہم میں خالدؓ بن ولید کے ساتھ تھے، اور عین التمر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ (۴۵)

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ

مکہ میں دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک رہے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن الاصغر رضی اللہ عنہ

ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور حبشہ ہجرت فرما گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (۴۶)

حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہم کے مزارات

عراق کے ایک شہر مدائن جو دریائے دجلہ کے مشرقی حصے میں آباد ہے، اس میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ایک جامع مسجد آتی ہے، جس کے احاطہ میں حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہم کے مزارات واقع ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایران فتح ہونے کے بعد مدائن کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ کچھ عرصہ کے لیے وہ مدائن کے گورنر بھی رہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن میں ہوئی اور یہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر مبارک پر آج بھی یہ حدیث کندہ ہے: ''سلمان منا اهل البيت''۔ (۴۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عرصہ دراز تک سادگی کے ساتھ مدائن کے گورنر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، آخر عمر میں مدائن ہی میں مقیم رہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد آپ نے مدائن ہی میں وفات پائی۔ (حوالہ سابق)

حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزار کے تعلق سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنے سفرنامہ جہان دیدہ میں تحریر فرماتے ہیں ''انہی (حذیفہ بن یمان) کے برابر میں دوسری مزار پر صاحب مزار کا نام عبداللہ بن جابر لکھا ہوا ہے، آپ کے بارے میں احقر کو پوری تحقیق نہ ہو سکی کہ کون بزرگ ہیں، جہاں تک حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تعلق ہے وہ معزز انصاری صحابی ہیں لیکن ان کا قیام مدینہ طیبہ میں رہا اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (۴۸) عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے نام کے دو صحابہ کا

ذکر کتابوں میں ملتا ہے، ایک عبداللہ بن جابر انصاری البیاضی ہیں اور دوسرے عبداللہ بن جابر العبدی، لیکن دونوں بزرگوں کے حالات دستیاب ہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کہاں وفات پائی۔ (۴۹) لہٰذا ایک احتمال تو یہ ہے کہ صاحب مزار ان میں سے کوئی بزرگ ہوں، دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ کے صاحبزادے ہوں، اور مدائن میں آکر مقیم ہوگئے ہوں، لیکن معمولی جستجو سے احقر کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا، جس سے اس احتمال کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔ بہر کیف اس علاقہ میں مشہور یہی ہے کہ یہ صحابہ میں سے ہیں۔ (۵۰)

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر کے مزارات کے ساتھ عجیب واقعہ

یہاں تھوڑی سی اس واقعہ کی بھی وضاحت ضروری ہے جو یہاں مدفون ان دونوں حضرات صحابہ کے قبروں کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے جہان دیدہ میں اس واقعہ کو اس صدی کا عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیلات مولانا کے پر بہار قلم سے ملاحظہ کیجئے: یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم سے سنا تھا، پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائرکٹر تعلقات عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا کہ یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان کے احاطہ میں) نہیں تھیں بلکہ یہاں سے کافی فاصلہ پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کی واقع تھیں۔ ۱۹۲۹ء بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہمانے اس سے کہا کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے، اس کا مناسب انتظام کرو، بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رس رہا ہے یا نہیں؟ کھدائی کی گئی لیکن پانی رسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ لیکن اس کے بعد غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ وہی خواب دکھائی دیا، جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اسی وقت مشورے اور بحث وتمحیص کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبر مبارک کو کھول کر دیکھا جائے اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے۔ اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔

چونکہ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا، اس لیے حکومت عراق نے اس کا بڑا اہتمام کیا، اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کی تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہو سکیں، اتفاق سے وہ تاریخ ایام حج کے قریب تھی، جب اس ارادے کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے موخر کر دیا جائے تاکہ حج سے فارغ ہو کر جو لوگ عراق آنا چاہیں وہ آسکیں، چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کر دی، کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرون عراق

بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدحام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لیے بڑی بڑی اسکرینیں دور تک فٹ کیں تا کہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں، وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔ اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں، اور ہزار ہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً ۱۳ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارک صحیح سالم اور تروتازہ تھیں، بلکہ ایک غیر مسلم ماہر امراض چشم وہاں موجود تھا، اس نے نعش مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ نعش مبارک کو منتقل کرنے کے لیے پہلے حضرت سلمان فارسی کے قریب جگہ تیار کر لی گئی، وہاں تک لے جانے کے لیے نعش مبارک کو جنازے پر رکھا گیا، اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے، اور ہزار ہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی، اور اس طرح اب ان دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں''۔ (۵۱)

عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو بن حرام کے قبور

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام غزوہ احد میں شہید ہوئے، جنگ احد میں صحابہ میں سب سے پہلے وہی شہید ہوئے، ان کے ساتھ ایک اور صحابی حضرت عمرو بن جموح دفن کیے گئے جو حضرت عبداللہ کے بہنوئی ہوتے تھے۔ دونوں کو میدان احد میں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ اتفاق سے ان کی قبر نشیب میں واقع تھی، چالیس سال بعد حضرت معاویہ کے زمانہ میں وہاں سیلاب آ گیا اور وہاں سے ایک نہر بھی نکلتی تھی، اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں قبر کھولی گئی تو دونوں صحابہ کے اجسام بالکل صحیح وسالم اور تروتازہ تھے، بلکہ ایک روایت کے مطابق ان کے چہرے پر جو زخم تھا ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا، لوگوں نے وہاں سے ہاتھ ہٹایا تو خون نکلنے لگا، پھر ہاتھ دوبارہ رکھا گیا تو خون بند ہوا۔ (۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار

عراق کے علاقہ نجف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار کے نام سے جو سنہری عمارت ہے، مشہور یہ ہے کہ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے لیکن محققین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کی جگہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس تعلق سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے اپنے سفرنامہ میں بڑا محققانہ کلام کیا ہے، جس کو بعینہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں: واقعہ یہ ہے کہ اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدفون ہونا تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے، اگرچہ اب یہ بات تواتر کے ساتھ مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار یہی ہے لیکن حضرت علی کے مقام تدفین کے بارے میں تاریخی روایات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ کوئی بات یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں، احمد بن عبداللہ العجلی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن بن ملجم نے کوفہ میں شہید کیا اور حضرت حسن نے عبدالرحمٰن بن ملجم کو قتل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں دفن کیا گیا لیکن ان کی قبر کی جگہ معلوم نہیں۔ ابن سعد کا

کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں جامع مسجد کے قریب قصر الامارۃ میں دفن کیا گیا۔ ابواسید ابن محمد کہتے ہیں کہ جامع مسجد کی دیوار قبلہ کے ساتھ باب الوراقین کے سامنے ایک گھر ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں مدفون ہیں۔ یہ گھر یزید بن خالد نامی ایک صاحب کا تھا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی موقع پر اس گھر کو کھودنا پڑا تو اس میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نعش تروتازہ برآمد ہوئی۔

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دفن تو کوفہ ہی میں کیے گئے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں آپ کی نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے اور وہاں حضرت فاطمہ کے مزار کے قریب جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کے فوراً بعد ایک تابوت میں رکھ کر ایک اونٹ پر سوار کیا گیا تاکہ انہیں مدینہ طیبہ لے جائیں لیکن راستہ میں قبیلہ طے کے علاقہ میں پہنچ کر وہ اونٹ گم ہوگیا، قبیلہ طے کے لوگوں نے اس صندوق کو خزانہ سمجھ کر اٹھالیا، لیکن جب اندر نعش دیکھی تو اسے وہیں اپنے علاقہ میں دفن کردیا۔ ابوجعفر حضرمی جو مطین کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ آج نجف میں جس قبر کو لوگ حضرت علی کی قبر سمجھ کر اس کی زیارت کرتے ہیں اگر وہ واقعتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار ہوتا تو میں دن رات وہیں رہا کرتا، لیکن درحقیقت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار نہیں ہے، اور جن صاحب کا مزار ہے اگر ان کا نام روافض کو معلوم ہوجائے تو وہ اس قبر کی زیارت کرنے کی بجائے اسے سنگسار کرنے کی کوشش کریں۔ یہ صاحب مزار دراصل مغیرہ بن شیبہ ہیں، ان تمام روایات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ۱۳۶ تا ۱۳۸ جلد اول۔ ظاہر ہے کہ ان متضاد روایات کے پیش نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزار کے بارے میں کوئی بھی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ (۵۳)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مزار

مشہور یہ ہے کہ عراق کے کربلا شہر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ لیکن اس تعلق سے بھی روایات مختلف ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت حسین کا جسم مبارک کربلا میں ہی مدفون ہے، لیکن سر مبارک چونکہ یزید کے پاس دمشق لے جایا گیا تھا اس لیے وہ یہاں مدفون نہیں۔ سر مبارک کے تعلق سے بھی مختلف شہروں میں بہت سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ سر مبارک کے یزید کے پاس لے جائے جانے کی روایت درست ہو تو اس کا دمشق میں دفن ہونا قرین عقل ہے۔ مگر مصر کے قاہرہ شہر میں بھی جامع ازہر کے سامنے حضرت حسین کے نام سے ایک بڑا مزار بنا ہوا ہے۔ اور جہاں یہ مزار ہے وہ پورا محلہ سیدنا الحسین کے نام سے معروف ہے۔ جسم کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ وہ کربلا میں مدفون ہے، لیکن اس کی خاص جگہ کے تعین کے تعلق سے مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ خاص جگہ کا تعین تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے۔ مشہور محدث امام ابوہیثم سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی جگہ سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ (۵۴)

حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت عباس اور صاحبزادے علی اکبر کے مزار

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کے مزارات کربلا میں واقع ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار مصر میں قلعہ صلاح الدین جو کہ جبل المقطم کا ایک حصہ تھا میں واقع ہے۔ فتح مصر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قبرستان بنانے کا حکم دیا تھا۔ روضہ جو کہ قاہرہ کا سب سے بڑا محلہ ہے اس سے آگے سور العیون ہے، یہ ایک فصیل نما دیوار ہے جو دریائے نیل سے نکل کر مشرق میں قلعہ صلاح الدین تک گئی ہے۔ سور العیون جس قلعہ پر جا کر ختم ہوتی ہے اسے قلعہ صلاح الدین ایوبی کہا جاتا ہے، جسے ایوبی نے ۵۷۲ھ میں بنایا تھا۔ فسطاط کا علاقہ جہاں امام شافعیؒ کا مزار ہے اس سے کچھ فاصلہ پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار واقع ہے۔ (۵۵)

شہدائے خیبر کے مزارات

خیبر کی قدیم بستی سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر دائیں ہاتھ پر ایک بڑا پہاڑ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سد الصہباء ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے خیبر پر حملہ سے پہلے شام کے وقت قیام فرمایا تھا، پھر خیبر سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے اسی مقام پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا۔ مقام صہباء سے گزرنے کے بعد ایک سڑک آتی ہے جو شام جانے والی شاہ راہ سے ملتی ہے۔ راستے میں ایک چڑھائی کے دائیں جانب ایک وسیع احاطہ ہے جو دراصل شہدائے خیبر کے مزارات ہیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خیبر میں تقریباً بیس صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ انہی صحابہ میں سے ایک صحابی اسود راعی ہیں جنہوں نے اسلام لانے کے بعد کبھی ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور نبی ﷺ کی بشارت کے مطابق وہ سیدھے جنت میں پہنچے۔

اردن میں مسجد ابوعبیدہ اور اس سے متصل قبرستان میں مختلف صحابہ کے مزارات

اردن کے الشونۃ الجنوبیہ شہر سے کچھ دیر کی مسافت کے بعد مسجد ابوعبیدہ بن الجراح واقع ہے۔ اس مسجد کی دائیں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا مزار واقع ہے۔ مسجد سے باہر دائیں طرف ایک بڑا وسیع قبرستان ہے جس میں قدیم اور بوسیدہ قبروں کے نشانات دور تک نظر آتے ہیں۔ یہاں کے مقامی لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس میں بہت سے صحابہ کرام اور طاعون عمواس کے بہت سے شہداء مدفون ہیں۔ مسجد ابوعبیدہ بن الجراح سے شمال کو جانے والی سڑک سے چلنے کے بعد دائیں ہاتھ پر حضرت ضرار بن ازور کا مزار ہے۔ پھر وہاں سے شمال کی طرف دو تین کلومیٹر کے فاصلہ پر بائیں ہاتھ پر ایک عمارت ہے جس میں فاتح اردن حضرت شرحبیل بن حسنہ کا مزار ہے۔

مزار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

شرحبیل بن حسنہ کے مزار سے تقریباً ۲۷ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک شہر آتا ہے جسے شونہ شمالیہ کہا جاتا ہے۔ اس سے ذرا پہلے حضرت معاذؓ بن جبل کا مزار ہے، ایک پہاڑی کے دامن میں چھوٹی سے خوبصورت مسجد ہے، اس کے شمالی حصہ میں حضرت معاذؓ کا مزار ہے۔

غزوہ موتہ کے شہداء کے مزارات

اردن کے دارالسلطنت عمان کے قریب ڈیڑھ دو سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر موتہ کا میدان ہے جہاں غزوہ موتہ پیش آیا۔ اس وقت موتہ کے میدان جنگ کے شمال میں ایک شاندار یونیورسٹی جامعہ موتہ کے نام سے بنی ہوئی ہے۔ میدان کے شمالی کنارے پر کچھ بوسیدہ عمارتوں کے کھنڈر باقی ہیں۔ شمال میں حد نظر تک ایک میدان پھیلا ہوا ہے، یہ میدان معرکہ موتہ کے وقت سے اب تک ایک ہی حالت میں ہے۔ میدان کے ایک جانب چند فٹ اونچا ایک پتھروں کا بنا ہوا ستون ہے اور اس پر دھندلے حروف میں لکھی ہوئی یہ عبارت پڑھی جاسکتی ہے:

''ھنا استشھد زید بن حارثہ''

''حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسی مقام پر شہید ہوئے''

اس سے کچھ فاصلہ پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کا مقام شہادت ہے۔ میدان سے جنوب میں تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر میدان کے بیچوں بیچ ایک جگہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس جگہ ایک سرنگ سی بنی ہوئی ہے۔ کسی زمانہ میں یہ بات مشہور تھی کہ اس سرنگ سے خوشبو آتی ہے۔ کوئی شخص اس کی تحقیق کے لیے اندر داخل ہوا لیکن واپس نہیں آسکا۔ (۵۶) پھر وہاں سے کچھ فاصلہ پر عبداللہ بن رواحہ کا مزار ہے۔

دمشق کے قدیم قبرستان الباب الصغیر میں صحابہ کے مزارات

الباب الصغیر دمشق کا قدیم قبرستان ہے، جب مسلمانوں نے دمشق فتح کیا تو وہ اسی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ یہاں بہت سے حضرات شہید ہوئے۔ بعد میں اس جگہ کو عام قبرستان بنا دیا گیا۔ اس کا نام پہلے باب توما تھا، بعد میں اسے الباب الصغیر کا نام دیا گیا۔ یہاں مدفون صحابہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ ان میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے بارے میں مختلف روایات ہیں، ان سے منسوب ایک مزار یہاں واقع ہے۔ اس سے بالکل قریب کی قبر پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ جو موذن رسول اور نابینا صحابی تھے۔ جنگ قادسیہ کے بعد ان کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ بعض حضرات کے مطابق ابن ام مکتوم قادسیہ میں شہید ہوئے، بعض کہتے ہیں کہ وہاں سے مدینہ طیبہ آئے اور مدینہ میں وفات ہوئی۔ (۵۷) اسی قبرستان میں ذرا آگے ایک اور مزار ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا

مزار ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دمشق میں مقیم ہوگئی تھیں اور وہیں وفات پائیں۔ اور الباب الصغیر قبرستان میں مدفون ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے الباب الصغیر کی قبروں میں آپ کی قبر کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن حافظ ذہبی نے اس کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ان کی قبر مدینہ منورہ میں ہے۔ (۵۸)

حضرت اسماء بنت یزید کا مزار

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مزار کے قریب واقع قبر پر لکھا ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ کی قبر ہے۔ اس ام سلمہ سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مراد نہیں، اس لیے کہ ام سلمہ کا مزار تو مدینہ میں پایا جاتا ہے۔ ام سلمہ کا دمشق آنا تاریخی طور پر ثابت ہی نہیں۔ حافظ شمس الدین ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء میں وضاحت ہے کہ دمشق کے الباب الصغیر قبرستان میں ام سلمہ کے نام سے جو صحابیہ مدفون ہیں وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ نہیں بلکہ انصاریہ صحابیہ حضرت اسماء بنت یزید ہیں، ان کی کنیت بھی ام سلمہ تھی۔

حضرت اسماء بنت عمیس کا مزار

الباب الصغیر دمشق کے قبرستان میں ایک قبر پر حضرت اسماء بنت عمیس کا نام لکھا ہے۔ یہ ام المومنین حضرت میمونہ کی ماں شریک بہن ہیں۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی کا مزار

دمشق کے مضافات میں ایک آبادی داریا کے نام سے مشہور ہے جو قدیم زمانہ سے صحابہ و اولیاء کا مرکز رہی ہے۔ حضرت حزقیل کا مزار یہیں بتایا جاتا ہے۔ داریا کی ایک کشادہ گلی ہیں ایک خوبصورت مسجد ہے یہاں مشہور ولی ابوسلیمان دارانی کا مزار ہے۔ ان کے مقبرہ کے کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹا سا قبرستان ہے، اس میں بارہ قبریں ہیں۔ ایک قبر مشہور صحابی ابوثعلبہ کی ہے ان کی مزار سے قریب واقع ایک مزار پر حضرت بلال کا نام لکھا ہوا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت بلال داریا کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

حضرت ابومسلم رضی اللہ عنہ خولانی کا مزار

اسی داریا کے قبرستان میں حضرت ابومسلم خولانی کا مزار مشہور ہے چونکہ آپ کا قیام بھی داریا میں تھا، اس لیے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی قبر یہیں ہے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابومسلم خولانی رومیوں سے جہاد کی غرض سے روم کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ (۵۹)

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی

دمشق میں ایک محلہ ہے جس کا نام فرہ ہے۔ پہلے یہ ایک مستقل بستی تھی، اس جگہ بہت سے علماء پیدا ہوئے اور قدیم زمانہ میں مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی کی بستی کہلاتی تھی اور یہیں ان کا مزار ہے۔

حضرت امیر معاویہ ﷛ کا مزار

جامع دمشق اور سوق الحمیدیہ کے ایک مکان میں حضرت امیر معاویہ کا مزار واقع ہے۔ یہ ایک پرانے طرز کا مکان ہے جس کے صحن سے گزرنے کے بعد ایک بڑا کمرہ ہے جس میں چند قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت معاویہ کی ہے۔

استنبول ترکی میں حضرت ابوایوب ﷛ انصاری کا مزار

استنبول کے جامع ابوایوب انصاری میں حضرت ابوایوب انصاری کا مزار واقع ہے۔ جامع ابوایوب استنبول کے انتہائی جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔

چین میں حضرت ابووقاص کا مزار

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنے سفرنامہ چین میں لکھا ہے کہ چین کے ایک مشرقی شہر کوانگچو میں ایک مزار ہے۔ صاحب مزار کا نام ابووقاص بتایا جاتا ہے اور اس علاقہ کے مسلمانوں میں مشہور ہے کہ یہ صحابی تھے۔

کچھ دیگر صحابہ ﷢ قبور

(۱) حضرت ابورافع غفاری کی قبر خراسان میں ہے
(۲) ربیع بن زیاد بن حارثی کی قبر بجستان میں ہے
(۳) عبدالرحمان بن سمرہ کی قبر خراسان میں ہے
(۴) نعمان بن مقرن المفرتی کی قبر نہاوند میں ہے
(۵) ابوطلحہ انصاری کی قبر بجیرۃ روم میں ہے
(۶) عقبہ بن ناشد کی قبر الجزائر میں ہے
(۷) ابولبابہ انصاری کے قبر ٹیونس میں ہے
(۸) ابوزمعہ البلوی کے قبر ٹیونس میں ہے
(۹) رویفہ انصاری کی قبر لیبیا میں ہے
(۱۰) حضرت عبدالرحمٰن بن عباس اور معبد بن عباس کی قبر شمالی افریقہ میں ہے
(۱۱) حضرت ثمامہ کی قبر اصفہان میں ہے
(۱۲) براء بن مالک کی قبر تستر میں ہے
(۱۳) عمرو بن معدیکرب ذبیدی کی قبر نہاوند میں ہے

حوالہ جات

(۱) بحوالہ مشاہد ومزارات آل البیت فی الشام: ۱۰۷، مولف ہاشم عثمان
(۲) سیر الصحابہ مہاجرین حصہ اول: ۹۷
(۳) اسد الغابہ: ۳/۱۶۱، بحوالہ سیر الصحابہ حصہ اول مہاجرین: ۱۱۳
(۴) طبقات ابن سعد جز سادس، بحوالہ سیر الصحابہ: ۲/۱۵۹
(۵) سیر الصحابہ جلد دوم: ۱۷۱
(۶) طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زید
(۷) طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث
(۸) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب تذکرہ ابن عباس
(۹) اصابہ: ۳/۶۴)
(۱۰) مسند احمد: ۵/۱۶۶
(۱۱) طبقات ابن سعد قسم الاول جلد: ۱۳، بحوالہ سیر الصحابہ جلد دوم حصہ مہاجرین: ۲۸۱
(۱۲) مظاہر حق: ۲/۴۴۹
(۱۳) سیر الصحابہ، جلد دوم حصہ مہاجرین: ۳۳۰
(۱۴) مستدرک: ۳/۳۸۲، بحوالہ سیر الصحابہ جلد دوم: ۳۵۷
(۱۵) تذکرۃ الحفاظ: ۳۶
(۱۶) اسد الغابہ: ۳/۳۳
(۱۷) بخاری باب غزوہ احد: ۵۷۸
(۱۸) طبقات ابن سعد، قسم اول جز: ۳/۱۷۴
(۳۹) الاصابہ: ۳/۴۵۵
(۲۰) مستدرک حاکم: ۲/۴۷۶
(۲۱) طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث: ۱۷۲
(۲۲) اسد الغابہ: ۳/۱۳۱
(۲۳) اسد الغابہ: ۳/۳۵۷
(۲۴) مستدرک حاکم جلد سوم
(۲۵) اسد الغابہ: ۵/۳۱۷
(۲۶) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۲/۱۰۵۳
(۲۷) اسد الغابہ: ۲/۱۱۷
(۲۸) الاصابہ: ۲/۱۰۰
(۲۹) ابن اثیر: ۳/۱۸۲
(۳۰) فتوح البلدان: ۱۲۵
(۳۱) سیر الصحابہ جلد سوم: ۱۹۴
(۳۲) الاصابہ: ۳/۱۱۸
(۳۳) طبقات ابن سعد جز چہارم قسم اول: ۱۵۶، بحوالہ سیر الصحابہ
(۳۴) الاصابہ: ۵/۲۱۲
(۳۵) الاستیعاب: ۱/۸۱
(۳۶) الاستیعاب: ۱/۳۵۷
(۳۷) الاستیعاب: ۲/۴۴
(۳۸) طبقات ابن سعد، جز ثالث قسم اول: ۲۹۳
(۳۹) الاصابہ: ۴/۱۵
(۴۰) الاصابہ: ۴/۱۵
(۴۱) طبقات ابن سعد جز ثالث قسم اول: ۲۹۷
۹۴۲) الاصابہ: ۴/۲۳۳
(۴۳) الاصابہ: ۸/۹۲
(۴۴) الاصابہ: ۱/۳۱۵
(۴۵) (طبقات ابن سعد: ۲/۴۳۸
(۴۶) الاصابہ: ۴/۱۸۵
(۴۷) جہاں دیدہ: ۵۱
(۴۸) الاصابہ: ۱/۲۱۴
(۴۹) الاصابہ: ۲/۲۷۷
(۵۰) جہان دیدہ: ۱۵
(۵۱) جہان دیدہ: ۵۵-۵۶
(۵۲) اسد الغابہ: ۳/۲۴۴)
(۵۳) جہان دیدہ: ۷۳-۷۴
(۵۴) تاریخ بغداد: ۱/۲۴
(۵۵) تلخیص جہان دیدہ: ۱۳۹
(۵۶) ملخص جہان دیدہ: ۳۳
(۵۷) الاصابہ: ۲/۱۶
(۵۸) سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۲۰
(۵۹) ابن عساکر: ۳۱۹

مفتی ابوجندل قاسمی ☆

آخر میں وفات پانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کا مقام: جس طرح رحمت عالم سرور کائنات، خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی ذات گرامی تمام کمالات وصفات کی جامع اور انسانیت کی معراج ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سیرت وکردار کے اعتبار سے اتنے اعلیٰ وارفع مرتبے کے حامل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا، یہ وہ نفوس قدسی تھے جنہوں نے افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے اپنی بصیرت وبصارت کو روشن کیا، اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر صدق دل سے یہ کہتے ہوئے ایمان لائے "رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا"۔(۱)

یعنی اے ہمارے پروردگار بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کی اس پکار کو سنا کہ اے لوگوں اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لے آئے۔

شرف ایمان کے حصول کے بعد ان مقدس ہستیوں نے منبع رشد وہدایت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست صحبت واستفاضہ کی سعادت حاصل کی، اور پھر زہد وتقویٰ، امانت ودیانت، علم وعمل، صدق وعدالت، صبر واستقامت، شجاعت وشہامت، جانبازی وسرفروشی، استغناء وقناعت، جود وسخا، عفت وپاکدامنی، ایثار ومروت، حلم وتحمل، تواضع وانکساری، خوش خلقی وخدمت خلق کے ایسے نمونے صفحۂ تاریخ پر ثبت کئے کہ ان کی تابانی سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں یہ جماعت اپنے خالص ایمان، عظیم اخلاص، دین کے تئیں اپنی بہترین خدمات اور کلمۂ الٰہی کی سربلندی کے لئے اپنے زبردست کارناموں کے سبب اس مقام پر پہنچی کہ عرش عظیم کا رب اس جماعت سے اس قدر راضی ہوا کہ اس نے اپنی ابدی رضا وخوشنودی کا اعلان اپنی زندۂ جاوید کتاب "قرآن کریم" میں کیا "رضی اللہ عنہم ورضوعنہ" اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے بلاشبہ خاصانِ خدا تھے، ان کے نفس گرم سے آج تک انسانیت کے لئے فوز وسعادت کے چراغ روشن ہیں، سیاست اور معیشت کے چہرے کو انہوں نے نکھارا، انہوں نے تہذیب وتمدن کی زلفوں کو سنوارا، جہالت کے

☆ شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ

اندھیروں اور کفر وشرک کی ظلمتوں میں انہوں نے ہدایت کی شمعیں فروزاں کیں، ان خوش بختوں نے نور ہدایت کو شرک وبت پرستی اور کفر وجہل کی پھونکوں سے بچانے کی خاطر اپنی قیمتی جانوں کو دین حق کی حرمت پر قربان کردیا، ان قدسی صفت انسانوں نے رضائے الٰہی کے لئے جو مصائب وآلام برداشت کئے، دین حنیف کی تبلیغ واشاعت اور پرچم حق کی سربلندی کے لئے وہ بے مثال قربانیاں پیش کیں کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، صرف اور صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے انہوں نے اپنے ماں باپ کو چھوڑا، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی، قبیلے اور وطن عزیز کو خیر باد کہا، گھر بار لٹایا، فاقے سہے، ہر قسم کی اذیتیں برداشت کیں، یہ جماعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گہری محبت رکھتی تھی اور اتنی صاف دل، عمیق العلم، بے تکلف وسادہ، پاکیزہ نفس، نیک ارادے والی اور بے لوث عزائم کی حامل تھی کہ بجا طور پر قرآن کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف امت نے اپنے ارشادات کے ذریعہ اس جماعت کے ارد گرد حفاظتی دائرہ کھینچ دیا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَنَصَرُوْا اُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (۲)

اور جولوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کیلئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔ (۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (۴)

ور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۵)

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرامؓ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا، سابقین اولین کا طبقہ اور بعد والوں کا طبقہ، دونوں طبقوں کے بارے میں اعلان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور یہ دونوں ہی طبقے ہمیشہ کیلئے جنت میں جائیں گے۔

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفه. (٦)

میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ

کرے تو صحابہ کرامؓ کے ایک مُد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس قدر بلند مقام پر فائز تھے کہ بعد کے لوگ خواہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردیں اور صحابی نے ایک مد (۷۸۷گرام ۳۲۰ ملی گرام) یا نصف مد ہی خرچ کیا ہو تب بھی وہ صحابہ کرامؓ کے مقام کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی درجہ اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی، فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک أن یا خذہ. (۷)

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ کا عذاب اس کو اپنی گرفت میں لے لے۔

اس حدیث شریف میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو صحابہ کرامؓ کی پاکباز اور مقدس جماعت کی برائی کرے، ان سے بغض رکھے، ان کی بدگوئی کرے، ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائے، اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جس کا مقصد لوگوں میں ان کو بے حیثیت کرنا اور ان کے دل میں صحابہ کرامؓ کے لئے بغض پیدا کرنا ہوتا کہ لوگوں کا ان پر اعتماد نہ رہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

صحابہ کرام امت میں سب سے افضل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم کانوا افضل ھذہ الامة ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم. (۸)

جو شخص اقتداء کرنا چاہے تو وہ اس شخص کی اقتداء کرے جو (صراط مستقیم پر) وفات پا چکا، کیونکہ کسی زندہ شخص کے بارے میں گمراہی سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا، یہ حضرات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اس امت میں سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ علم

میں گہرائی رکھنے والے، اور جن میں بناوٹ نام کو بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی رفاقت کیلئے چن لیا اور اپنے دین کو برپا کرنے کیلئے، پس آپ لوگ صحابہ کی برتری سمجھیں اور ان کے نقوش قدم کی پیروی کریں اور ان کے اخلاق و عادات اور طریقۂ زندگی میں سے جس قدر ممکن ہو اپنالیں کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس نہایت اہم اور قیمتی ارشاد میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آدمی تین وجوہ سے فتنے کا شکار ہوتا ہے اور گمراہی کے دلدل میں پھنستا ہے (۱) بدنیتی (۲) قلت علم (۳) تکلف و بناوٹ۔ گمراہ جماعتوں کے بانیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو عموماً ان تین وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور مل جائے گی، یا تو اس کی نیت خراب ہوگی یا اس میں علم کی کمی ہوگی، اور قرآن و حدیث کا سرسری مطالعہ کر کے بزعم خود مجتہد بن جائیگا اور یا اس میں بناوٹ اور تکلف ہوگا وہ صرف عالم دین ہونے کا ڈھونگ رچے گا اور گمراہی کا سبب بنے گا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گمراہی کے اس قسم کے تمام اسباب سے محفوظ رکھا ہے وہ نہایت نیک دل حضرات تھے، بدنیتی اور دلوں کا کھوٹ ان کے پاس سے ہو کر بھی نہیں گذرا تھا، اسی طرح علم میں اس قدر گیرائی و گہرائی رکھتے تھے کہ ہر شخص شریعت کے حقیقی مزاج سے واقف ہو چکا تھا، نیز بناوٹ اور تکلف کا ان کی زندگیوں میں کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا، اسی وجہ سے ان کو اس امت میں سب سے افضل اور بہترین طبقہ قرار دیا گیا ہے، اور ان کا یہ مقام اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کا انتخاب تبلیغ دین اور اشاعت قرآن و سنت کا واسطہ بننے کے لئے فرمایا ہے کہ یہ مقدس جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں رہ کر دین متین کا علم حاصل کرے گی اور پھر وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامبر بن کر ساری دنیا میں دین کی دعوت کا فریضہ انجام دے گی۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی وہ پاکباز جماعت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف بری کے بعد اٹھی، اور چہار دانگ عالم میں پھیل گئی، اور اس وقت کی معلوم دنیا کے آخری سرے تک دین مصطفوی کا ڈنکا بجادیا، کوئی صحابی کوفہ، کوئی بصرہ، کوئی یمن، کوئی مصر، کوئی شام غرض جس کو جدھر موقع ملا اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جہاں کے لئے منتخب فرمایا اس نے وہاں پہنچ کر پیغامِ محمدی سنایا۔

اس مختصر مضمون میں آسمان ہدایت کے کچھ ایسے ہی درخشندہ ستاروں کی یعنی سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشکبار سیرتوں کو مختصر طریقے پر بیان کرنا ہے۔

(۱) مکہ مکرمہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

مکہ مکرمہ (زادہا اللہ شرفاً و کرامۃ) میں نیز پوری روئے زمین پر سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت ابوالطفیل

رضی اللہ عنہ'' ہیں آپ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، پورا نام مع نسب یہ ہے ''عامر بن واثلہ بن عبداللہ بن عمیر بن جابر بن حمیس بن جدی بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔ کنانی اور لیثی نسبت ہے۔

آپ کی ولادت ۳ھ میں غزوۂ احد کے سال ہوئی آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے تقریباً آٹھ سال پائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوفہ میں اقامت پذیر ہوگئے تھے۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زبردست حامیوں میں سے تھے تمام معرکوں میں انہی کے ساتھ شریک رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہی وفات پائی۔ (۹)

حضرت ابوالطفیلؓ سے چند احادیث مروی ہیں، حضورﷺ کے شمائل وخصائل میں بھی آپ سے حدیث منقول ہے چنانچہ سعید جریریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالطفیلؓ نے فرمایا کہ روئے زمین پر اس وقت میرے سوا کوئی ایسا نہیں جس نے رسول اللہﷺ کو دیکھا ہو، میں نے کہا کہ آپ میرے سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان فرمائیے، تو آپ نے فرمایا "كَـانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا" آپ گورے خوب رو اور معتدل تھے۔ (۱۰)

حضرت ابوالطفیلؓ نہایت فاضل، عقلمند و ہوشیار، حاضر جواب، فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھے، علامہ ابن الاثیر جزریؒ نے ان کے مندرجہ ذیل دو شعر بھی نقل کئے ہیں:

ایدعوننی شیخا وقد عِشْتُ حُقْبَةً   وهن من الازواج نَحْوِیْ نَوَازِعُ

وما شاب رأسی من سنین تتابعت   علی ولکن شَيَّبَتْنِیْ الْوَقَائِعُ

کیا تم مجھے بوڑھا شمار کرتے ہو اور میں طویل زمانے سے زندگی گذار رہا ہوں، اور میری بیویاں مجھ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے جھگڑتی ہیں۔ میرا سر اس لئے سفید نہیں ہوا کہ متواتر سالہا سال مجھ پر بیت گئے ہیں بلکہ حوادثاتِ زمانہ نے مجھے بوڑھا کردیا ہے۔ (۱۱)

رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا وعظمۃ) میں سب سے آخر میں دنیا سے رحلت کرنے والے صحابی ''حضرت سہل بن سعد ساعدی انصاری رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

نام و نسب: سہل نام، ابوالعباس کنیت، بعض نے ابو مالک اور بعض نے ابو یحیٰ بھی بتائی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمر بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

ہجرتِ نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے باپ نے ''حزن'' نام رکھا، جس کے معنی ''سخت'' ہیں، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بدل کر ''سہل'' نام تجویز فرمایا۔

اسلام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے قبل ہی آپ کے والد سعد بن مالک نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، بیٹے نے اسی باپ کے ظلِ عاطفت میں پرورش پائی تھی اس لئے گویا آپ شروع ہی سے مسلمان تھے۔

دیگر مختصر حالات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے وقت حضرت سہلؓ کی عمر پانچ برس تھی، ۲ ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا اس وقت ان کی عمر تقریباً سات سال تھی، لڑائی سے پہلے ہی آپ کے والد ماجد حضرت سعد بن مالکؓ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور حضرت سہل یتیم ہو گئے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں دوسرے مجاہدین کی طرح ان کے والد کا بھی حصہ لگایا اور ثواب میں بھی ان کی شرکت بیان فرمائی، کیونکہ وہ جنگ کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، اور اس کے لئے تیاری بھی کی تھی۔(۱۲)

غزوۂ احد میں حضرت سہلؓ دوسرے لڑکوں کی طرح شہر کی حفاظت کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب زخم لگا اور اس کو دھویا گیا تو اس وقت آپ کے پاس آ گئے تھے۔ ۵ ھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ صغیر السن تھے، لیکن خندق کھودتے وقت اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا اٹھا کر ڈالتے تھے۔(۱۳)

اوائل ۱۱ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پندرہ سال کی عمر ہوئی اس لئے کسی غزوہ میں شرکت کا موقع نہیں ملا، ۷۴ ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا دستِ سیاست دراز ہوا تو اس نے حضرت سہل بن سعدؓ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کیوں نہیں کی؟ جواب دیا کہ میں نے مدد کی تھی۔ حجاج بولا کہ جھوٹ کہتے ہو اس کے بعد حجاج کے حکم سے آپ کی گردن پر ایک خاص قسم کی مہر لگا دی گئی، اسی طرح کی مہر حضرت انس بن مالکؓ کی گردن میں اور حضرت جابرؓ کے ہاتھ میں بھی لگائی گئی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ان حضرات کو ذلیل کرے، لوگوں کے دلوں میں ان کے اثر و رسوخ کو زائل کر دیا جائے اور لوگ ان سے حدیث کی سماعت نہ کریں، آپ داڑھی میں زرد خضاب کا استعمال کرتے تھے۔(۱۴)

کمالات و فضائل: حضرت سہل رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، اکابر صحابہ کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کی ذات مرجع العوام والخواص بن گئی تھی لوگ دور دور سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنے آتے تھے، آپ سے روایت کرنے والوں کی ایک طویل فہرست، جن میں سے بعض یہ ہیں: سعید بن المسیب، ابو حازم بن دینار زہری، ابو سہیل صحبی، آپ کے صاحبزادے عباس بن سہل، وفاء بن شریح حضرمی، عمرو بن جابر حضرمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

امام ترمذیؒ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ایک باب منعقد کیا ہے اور اس میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم خندق کھود رہے تھے اور اپنے کندھوں پر اٹھا کر مٹی ڈال رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رجز پڑھا:

اللھم لا عیش الا عیش الآخرة ☆ فاغفر للانصار والمھاجرة

ترجمہ: اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، بس آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے۔ تو گویا انصار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی جو دعاء فرمائی ہے اس میں حضرت سہل بن سعد بھی شریک ہیں۔(۱۵)

اخلاق: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے، نہایت حق گو تھے، ایک مرتبہ آل مروان میں سے ایک شخص مدینہ منورہ کا امیر بن کر آیا، اس نے حضرت سہلؓ کو بلا کر کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہو، آپ نے انکار کیا، اس نے کہا کہ اچھا اتنا ہی کہدو "لعن اللہ ابا التراب" کہ خدا ابوتراب پر لعنت کرے (نعوذ باللہ من ذلک) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ حضرت علیؓ کا محبوب ترین نام تھا اور آپ اس نام سے بے حد خوش ہوتے تھے، اس کے بعد "ابوتراب" کی وجہ تسمیہ بتلائی تو وہ بھی خاموش ہوگیا۔(۱۶)

وفات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والوں سے مدینہ منورہ خالی ہو چکا تھا، دیگر صوبے اور شہر بھی صحابہ کرامؓ کے سائے سے عموماً محروم ہو چکے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ "میرے مرنے کے بعد کوئی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے والا بھی باقی نہ رہے گا" آخر ۹۱ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۸۸ ہیں، جن میں سے ۲۸ متفق علیہ ہیں(۱۷)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۳) کوفہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

کوفہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی "حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ" ہیں، عبداللہ نام، ابو معاویہ یا ابوابراہیم یا ابومحمد کنیت ہے، والد کا نام علقمہ ہے ابواوفیٰ کنیت ہے۔ پورا نسب یہ ہے: عبداللہ بن ابی اوفیٰ علقمہ بن خالد بن الحارث بن ابی اسید بن رفاعہ بن ثعلبہ بن ہوازن بن اسلم۔(۱۸)

اسلام و دیگر حالات: صلح حدیبیہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔(۱۹)

غزوۂ خیبر میں سب سے پہلے میدان جنگ میں اترے، یعنی لڑائی میں حصہ لیا۔ غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی، ہاتھوں میں کاری زخم لگا، جس کا نشان مدتوں باقی رہا، اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کے ہاتھ پر ایک ضرب کا نشان دیکھا، میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ ضرب غزوۂ حنین کے دن مجھے لگی تھی، میں نے پوچھا کہ کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھے؟ فرمایا کہ اس سے پہلے بھی دوسرے غزوات میں شریک رہا ہوں۔(۲۰)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سات غزوات میں شریک ہوئے اور اس قربانی کے ساتھ کہ بعض جنگوں میں صرف ٹڈی کھا

کر گذارا کیا۔ (۲۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مدینہ منورہ میں ہی قیام رہا، اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ۱۷ھ میں کوفہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے، اور اپنے قبیلہ ''اسلم'' کے محلہ میں گھر بنالیا۔ (۲۲)

خارجیوں کی سرکوبی: خلافت صدیقی سے لے کر حضرت علیؓ کی خلافت تک آپ کا تذکرہ نہیں ملتا، غالباً اس زمانے میں گوشہ نشیں رہے، حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب خارجیوں نے سر اٹھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ان کے مقابلے کے لئے نکلے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی آمادہ کیا اور عمر بن عبید اللہ کو لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: **"یا ایہا الناس لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف"** اے لوگو! دشمن کے مقابلے کی آرزو نہ کیا کرو، اور خدا سے امن وسلامتی مانگا کرو لیکن جب مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو ثابت قدم رہو اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (۲۳)

فضل و کمال: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ کا علمی مقام اپنے معاصرین میں مسلّم تھا مختلف فیہ مسائل میں تحقیق کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، ایک مرتبہ عبد اللہ بن شداد اور ابو بردہ رضی اللہ عنہما کے درمیان بیع سلم کے بارے میں اختلاف ہوا، تو ان دونوں حضرات نے عبد اللہ بن ابی المجالد کو فیصلہ کے لئے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ کے پاس بھیجا، آپ نے حدیث نبوی اور اپنا عمل بتا کر ان کے درمیان فیصلہ فرمادیا۔ (۲۴)

ایک مرتبہ ان کے والد ابو اوفی رضی اللہ عنہ کچھ صدقہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ان الفاظ سے دعاء فرمائی: **"اللھم صل علی آل ابی اوفی"** اے اللہ ابو اوفی کی اولاد پر رحم فرما۔ (۲۵)

وفات: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کافی عمر پائی، بنوامیہ کے دور تک حیات رہے، اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، اسی حال میں ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں کوفہ میں صحابۂ کرامؓ میں سب سے آخر میں انتقال فرمایا، آپ داڑھی اور سر میں مہندی کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔ (۲۶)

تعداد مرویات: چونکہ اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہی اکثر رہتے تھے، اس لئے اکثر احادیث سننے کا اتفاق ہوتا تھا، چنانچہ آپ سے پچانوے احادیث مروی ہیں، جن میں سے ۱۰ر متفق علیہ ہیں، اور ۵ر میں امام بخاریؒ اور ایک میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ (۲۷) رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۴) بصرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

نام و نسب: بصرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ'' ہیں، آپ

کا نام انس، ابوحمزہ کنیت، خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقب، قبیلہ بنونجار سے ہیں جو انصار مدینہ کا نہایت معزز ترین خاندان تھا(۱) سلسلۂ نسب یہ ہے: انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، نجار کا نام تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ، والدہ ماجدہ کا سہلہ یا رملہ یا مُلیکہ، لقب غمیصاء اور رمیصاء،(۲) بنت ملحان انصاریہ، ام سلیم کنیت، حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ اور عبدالمطلب کی والدۂ محترمہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی تھیں جن کا نام سلمٰی بنت عمرو بن زید بن اسد بن خداش بن عامر بن غنم ہے، عامر بن غنم میں جا کر دونوں مل جاتے ہیں اور وہ رشتہ میں آپ کی رضائی خالہ تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ وہ آپ کی باپ شریک یا دادا شریک خالہ تھیں، گویا وہ آپ کی محرم تھیں۔(۲۸)

پیدائش و دیگر حالات: حضرت انسؓ ہجرت نبوی سے دس سال قبل یعنی ۳ نبوی میں مدینہ منورہ میں (جس کو اس وقت ''یثرب'' کہا جاتا تھا) پیدا ہوئے۔(۲۹)

حضرت انسؓ کی آٹھ یا نو سال کی عمر تھی کہ والدۂ محترمہ نے اسلام قبول کیا، آپ کے والد ''مالک'' بیوی سے ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے، اور وہیں انتقال کیا، والدہ ماجدہ نے دوسرا نکاح ابوطلحہ سے (جو اسی قبیلہ کے تھے) اس شرط پر کیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں، چنانچہ کچھ دن غور کر کے مسلمان ہو گئے، اور بیعت عقبۂ ثانیہ میں شریک ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی، حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ آپ کو اپنے دوسرے شوہر ابوطلحہؓ کے گھر لے گئیں، حضرت انسؓ نے انہی کے گھر میں پرورش پائی۔

حضرت انسؓ کا نام آپ کے چچا انس بن النضر کے نام پر رکھا گیا تھا، اور کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوحمزہ'' اس مناسبت سے تجویز فرمائی کہ آپ ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام ''حمزہ'' تھا چنا کرتے تھے، "عن انسؓ قال کنانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا غلام ببقلۃ کنت اجتنیھا"۔(۳۰)

خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی تقریباً دس سال عمر تھی، جس مبارک گھڑی میں مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاً وعظمۃ) کا افق آفتابِ نبوت کی نورانی شعاعوں سے منور ہو رہا تھا، تو حضرت انسؓ اور دوسرے کم سن لڑکے نہایت جوش میں خوشی میں مست ہو کر ''قدم رسول اللہ، قدم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کہہ رہے تھے۔(۳۱) مسند احمد میں ہے کہ انصار کے لڑکے ''جاء نبی اللہ جاء نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ رہے تھے۔ (۳۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انسؓ کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! انس ایک ہوشیار اور عقلمند لڑکا ہے اس کو اپنی غلامی کیلئے قبول فرما لیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور حضرت انس خادم خاص بن گئے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر و حضر میں آپ کی دس سال خدمت کی لیکن کسی کئے ہوئے کام کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ اس طرح کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو

اس کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ (۳۳)

حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک فرائضِ خدمت نہایت خوبی سے انجام دیئے، دن کے اکثر حصہ میں خدمت کے لئے حاضر رہتے، اور ہر وقت تعمیل حکم کے لئے تیار رہتے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں سے فارغ ہو کر گھر روانہ ہوئے، دوپہر کا وقت تھا، لڑکے کھیل رہے تھے، حضرت انسؓ بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگے، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت انسؓ کا ہاتھ پکڑ کر کسی کام کے لئے بھیج دیا اور خود ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے، واپس آئے تو فرمایا کہ کسی سے بتانا نہیں، حضرت انس کو دیر ہوگئی تھی، گھر گئے، تو ام سلیمؓ نے پوچھا کہ دیر کہاں ہوئی؟ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک کام سے گیا تھا اس لئے دیر ہوگئی، پوچھا کیا کام تھا؟ حضرت انسؓ نے کہا کہ ایک پوشیدہ بات تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے بتانے سے منع کیا ہے، حضرت ام سلیمؓ نے کہا کہ اچھا اس کو کسی سے بتانا نہیں، چنانچہ حضرت انسؓ نے زندگی بھر وہ بات کسی سے نہیں بتائی۔

ایک مرتبہ حضرت ثابت بنانیؒ سے (جو ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے) فرمایا کہ اگر کسی شخص کو میں اس راز سے آگاہ کرتا تو تم سے کرتا لیکن میں اس کو تم سے بھی بیان نہ کروں گا۔ (۳۴)

ایک مرتبہ رات کے آخری حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج روزہ رکھنے کا ارادہ ہے مجھ کچھ کھلا دو، حضرت انسؓ جلدی سے اٹھے اور کچھ کھجور اور پانی لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کھائی، پھر نماز فجر کی تیاری کی۔ (۳۵)

حضرت انسؓ سفر و حضر، جلوت و خلوت میں ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اور نزول حجاب سے پہلے وہ حضور ﷺ کے گھروں میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ (۳۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کام نہایت مستعدی سے انجام دیتے اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش رکھتے تھے، اسی وجہ سے حضرت انسؓ خاندانِ نبوت کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے تھے اور حضور ﷺ کو ان سے خاص محبت ہوگئی تھی، محبت اور پیار کی وجہ سے کبھی کبھی ان کو ''بیٹا'' کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خوش طبعی میں ان سے مذاق بھی فرماتے تھے، ''ابوحمزہ'' ان کی کنیت اسی مزاح کا نتیجہ تھی، ایک مرتبہ مزاح میں فرمایا ''یـــا ذا الاذنیـن'' اے دوکان والے۔ (۳۷)

غزوات میں شرکت: یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت انسؓ سفر و حضر میں حضور ﷺ کی خدمت کرتے تھے، اسی وجہ سے غزوۂ بدر میں (جبکہ ان کی عمر صرف ۱۱۔۱۲ ر سال تھی) مجاہدین اسلام کے ساتھ جنگ میں موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کے فرائض انجام دے رہے تھے، ان کی اسی کم سنی کی وجہ سے بعض لوگوں کو بدر میں ان کی شرکت میں اشتباہ ہوا اور سوال کیا کہ: کیا آپ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے؟ آپ نے کہا کہ تیری ماں نہ رہے میں بدر سے کہاں غائب ہو جاتا۔ (۳۸)

صلح حدیبیہ و بیعت الرضوان، عمرۃ القضاء، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، غزوۂ طائف وحنین اور غزوۂ تبوک وغیرہ اور ان غزوات میں حضرت انسؓ نے شرکت کی، غزوۂ خیبر میں حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے، اور حضور ﷺ سے اس قدر قریب تھے کہ ان کا قدم حضور علیہ السلام کے قدم سے چھو رہا تھا۔ (۳۹)

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب ملک شام پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اور افواج اسلام کے اجتماع کے لئے یمن وغیرہ علاقوں میں خطوط ارسال کئے تو یہ خطوط آپ نے حضرت انسؓ کے ذریعہ ہی ارسال فرمائے۔ (۴۰) اسی طرح آپ کو بحرین کا مالی افسر بھی مقرر فرمایا۔ (۴۱)

خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انسؓ کو تعلیم فقہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ جس میں تقریباً دس آدمی تھے بصرہ روانہ کیا پھر آپ نے مستقل طور سے بصرہ میں ہی سکونت اختیار کرلی۔

حضرت انسؓ نے اس عہد کی جنگوں میں خصوصیت سے حصہ لیا ہے، فتوح عجم میں ''واقعہ تُستَر'' خاص اہمیت رکھتا ہے، حضرت انسؓ اس معرکہ میں پیدل فواج کے افسر اعلیٰ تھے، شہر فتح ہونے کے بعد عجمی افواج کا سپہ سالار ''ہرمزان'' (جو ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا) مع اہل وعیال قید ہوکر آیا، اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ہرمزان کو حضرت انسؓ کے ہمراہ مع ۳۰۰ رسپاہیوں کے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا، حضرت انسؓ کچھ روز اپنے مقدس وطن مدینہ منورہ ٹھہر کر پھر بصرہ واپس ہوئے۔ (۴۲)

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی فتنہ کے زمانہ میں حضرت انسؓ نے بصرہ میں لوگوں کو امیر المومنین کی حمایت کے لئے تیار کیا لیکن اس امداد کے پہنچنے سے قبل ہی آپ شہید ہوگئے۔ اور خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور جنگ جمل و جنگ صفین میں گوشہ نشین رہے۔ (۴۳)

حجاج بن یوسف کی معافی: خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی سلطنتِ امویہ کے مشرقی ممالک کا گورنر تھا، اور ظلم و جور میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ اس کے ظلم وستم سے صحابہ وتابعین بھی محفوظ نہ رہ سکے، وہ جب بصرہ آیا تو حضرت انسؓ کو بلا کر نہایت سخت سست کہا اور ذلیل کرنے کے لئے گردن پر مہر لگوادی، (جس کی وجہ حضرت سہل بن سعدؓ کے حالات میں گذر چکی ہے) حضرت انسؓ نے نہایت تحمل سے کام لے کر خلیفہ عبدالملک کے پاس شکایتی خط لکھا، عبدالملک نے پڑھا، اور غصہ سے بے تاب ہوگیا، اور فوراً حجاج بن یوسف کو ایک تہدیدی خط لکھا کہ حضرت انسؓ سے فوراً ان کے مکان پر جاکر معافی مانگو، بصورتِ دیگر تمہارے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے گا، حجاج مع درباریوں کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور معافی مانگی، اور درخواست کی کہ خوشنودی اور معافی کا ایک خط خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیں، درخواست منظور ہوئی اور حضرت انسؓ نے اس سے خوش ہونے اور معاف کرنے کے سلسلے میں خلیفہ عبدالملک کے پاس خط روانہ کردیا۔ (۴۴)

وفات: عمر شریف سو سال سے متجاوز ہوجانے کے بعد پیمانۂ عمر لبریز ہوگیا تو چند مہینوں تک بیمار رہے، شاگردوں اور

عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، دور دور سے لوگ عیادت کے لئے آتے تھے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو اپنے تلمیذ خاص ثابت بنانیؒ سے فرمایا کہ میری زبان کے نیچے حضور ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو، ثابت نے تعمیل حکم کی، اسی حالت میں روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات ۹۳ھ میں بعمر ایک سو تین سال ہوئی بعض لوگ ۹۰ھ بعض ۹۱ھ اور بعض ۹۲ھ بتاتے ہیں، اس طرح عمر کے بارے میں بھی ۱۰۳ رسال، ۱۱۰ رسال، ۱۰۷ رسال، ۹۹ رسال مختلف اقوال ہیں، لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے۔ (۴۵)

بصرہ میں آپ کے سوا کوئی صحابی بقید حیات نہیں تھا، نماز جنازہ میں اہل وعیال، تلامذہ، احباب اور متعلقین کا جم غفیر موجود تھا، قطن بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اپنے محل کے قریب مقام ''طف'' میں (جو بصرہ سے دو فرسخ پر واقع تھا) مدفون ہوئے۔ (۴۶)

آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک عصا تھا انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ عصا بھی میرے ساتھ تبرُّکا دفن کر دیا جائے، چنانچہ وہ عصا ان کے پہلو اور قمیص کے درمیان رکھ دیا گیا۔ (۴۷)

اولاد و اخلاف: حضرت انسؓ کثرت اولاد میں تمام انصار پر فوقیت رکھتے تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو کثرتِ مال واولاد کی دعاء دی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، والدہ محترمہ حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ حضور یہ آپ کا خادم انس ہے اس کے لئے دعاء فرمادیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے لئے ہر خیر اور بھلائی کی دعا فرمائی اور آخر میں یہ دعائیہ فقرہ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ''اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیما اعطیتہ'' اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو بڑھا اور جو آپ اس کو عطا فرمائیں اس میں برکت فرما۔ (۴۸)

اس دعاء کی برکت سے حضرت انسؓ کی وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کا ایک پورا کنبہ چھوڑا جن کا شمار خود حضرت انسؓ کی زبانی ۱۰۰ ر سے اوپر تھا۔ صرف صلبی اولاد میں ۸۰ رلڑکے اور ۲ رلڑکیاں تھیں، ایک کا نام ''حفصہ'' اور دوسری کا نام ''ام عمرو'' تھا۔ (۴۹)

حضرت انسؓ کے مال کی بھی یہ حالت تھی کہ انصار میں کوئی شخص ان کے برابر متمول نہ تھا، ایک باغ لگایا تھا جو سال بھر میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اور اس میں ایک پھول تھا جو مشک کی طرح مہکتا اور خوشبو دیتا تھا۔ (۵۰)

حضرت انسؓ کو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام تھا، ان کو خود تعلیم دیتے تھے، آپ کے کئی لڑکے طبقۂ تابعین میں نہایت عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اور فن حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، تعلیم کے علاوہ آپ اپنی اولاد کو تیر اندازی کی بھی مشق کراتے تھے۔ (۵۱)

حلیہ، لباس اور ذاتی حالات: حضرت انسؓ خوبصورت اور موزوں اندام تھے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے، بعض لوگ زرد خضاب اور بعض ورس کا خضاب کہتے ہیں، ہاتھوں میں خلوق (ایک قسم کی خوشبو) ملتے تھے، کیونکہ آپ کی کہنیوں میں

کچھ سفیدی تھی، انگوٹھی پہنتے تھے اور انگوٹھی کے نگینے میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر کندہ تھی، ایام پیری میں دانت ہلنے لگے تھے تو سونے کے تاروں سے کسوائے تھے، حضرت انسؓ کے گیسو بچپن میں بڑھے ہوئے رہتے تھے، ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ ان کو کٹوالیں، تو والدہ محترمہ حضرت ام سلیمؓ نے منع کیا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا ہے، آپ کے مزاج میں نفاست اور پاکیزگی تھی، امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، کپڑے بھی قیمتی پہنتے تھے، چنانچہ ”خز“ کا کپڑا پہنتے اور اسی کا عمامہ باندھتے تھے، خوشبو پسند فرماتے، محبت رسول ﷺ کی وجہ سے کھانے میں لوکی مرغوب تھی، کھانے کے وقت شاگردوں اور متعلقین کو بھی شریک فرماتے، نہایت متحمل المزاج اور بردبار تھے۔(۵۲)

بہت شجاع اور تیز دوڑنے والے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ مقام ”مرالظہران“ میں صحابہ کرام ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے، سب تھک کر بیٹھ گئے لیکن حضرت انسؓ نے اس کو پکڑلیا اور اس کا کچھ حصہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا۔(۵۳)

محبت رسول: حضرت انسؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی، محبت کی وجہ سے آپ کی خدمت کو اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، آپ شمع نبوت ورسالت پر پروانہ وار شیفتہ تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا ذکر کرتے تو فرط محبت میں بے قرار ہوجاتے، آپ کی ہر مجلس حضور ﷺ کے ذکر خیر سے معمور رہتی تھی، حضرت انسؓ کا جوشِ محبت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس سے تمام مجلس متاثر تھی، آپ کے تلامذہ کو بھی آپ کے اثر سے حضور ﷺ سے خاص محبت ہوگئی تھی، ثابت بنانی آپ کے خاص تلمیذ تھے، انہوں نے ایک مرتبہ حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ آپ نے کبھی حضور ﷺ کا دستِ مبارک چھوا تھا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! حضرت ثابتؒ نے فرط محبت سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے کہ میں اس کا بوسہ لوں گا۔(۵۴)

اتباع سنت: محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ اطاعت نبوی واتباع سنت ہے، محب صادق کی یہ پہچان ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کو پسند ہو خود بھی اس کو پسند کرے، اور اس کو اپنائے، حضرت انسؓ کو حضور سے جو عشق ومحبت تھا اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ آپ کے اقوال وافعال کی پورے طور سے اتباع کریں، چنانچہ آپ کی مبارک زندگی حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کا پرتو اور عکس جمیل تھی، اور آپ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انس نے دس سال تک خدمت کی تھی اور سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے، ایسی حالت میں حضور اقدس ﷺ کی زندگی کے تابندہ نقوش حضرت انسؓ سے کب مخفی رہ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانی وغیرہ پینے کے دوران تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور میں بھی تین مرتبہ سانس لیتا ہوں۔(۵۵) ثمامہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ خوشبو نہیں لوٹاتے تھے اور یوں فرماتے کہ حضور ﷺ بھی خوشبو نہیں لوٹاتے تھے۔(۵۶)

حضرت انسؓ نہایت متمول شخص تھے، قربانی کے موقع پر جس قدر چاہتے جانور ذبح کرسکتے تھے مگر چونکہ حضور ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے اس لئے حضرت انسؓ بھی اپنے محبوب کی اتباع میں دو مینڈھے ہی ذبح کرتے تھے۔(۵۷)

خلیفۂ دمشق نے حضرت انسؓ کو ملک شام طلب کیا تھا وہاں سے واپسی میں مقام ”عین التمر“ میں شاگردوں اور جاں

نثاروں نے آپ کا استقبال کیا، حضرت انسؓ ایک گدھے پر سوار تھے، اور اس پر نفل نماز پڑھ رہے تھے لیکن گدھا قبلہ رخ نہ تھا، تلامذہ نے اس کا سبب پوچھا تو حضرت انسؓ نے فرمایا: اگر میں نے حضور ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی نہ پڑھتا۔(۵۸)

ابراہیم بن ربیعہ حضرت انسؓ کے پاس آئے، نماز کا وقت تھا، اور آپ ایک کپڑا باندھے نماز پڑھ رہے تھے جبکہ ایک چادر پاس رکھی ہوئی تھی، نماز سے فراغت پر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، میں نے حضور ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔(۵۹)

آپ جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو ان کو سلام کرتے اور یوں فرماتے کہ میں نے حضور ﷺ کو بچوں کو سلام کرتے دیکھا ہے۔(۶۰) غرض کہ آقائے نامدار جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر نقش حضرت انسؓ کیلئے چراغ ہدایت تھا آپ اسی کی روشنی میں شاہراہ عمل پر قدم رکھتے تھے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور حق گوئی وحق پسندی بھی حضرت انسؓ کے نمایاں اوصاف میں سے ہے، آپ بعض امراء وحکام کے جب خلاف شریعت امور دیکھتے تو آپ کے جوشِ ایمانی میں ہیجان پیدا ہوجاتا اور بلاخوف لومۃ لائم نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور ایسے امراء کو تنبیہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حکم بن ایوب حکومتِ امویہ کا ایک امیر تھا، ایک دفعہ آپ اس کے دارالامارہ تشریف لے گئے، دیکھتے کیا ہیں کہ بعض لوگ ایک مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ لگا رہے ہیں، جب تیر لگتا ہے تو وہ چیختی ہے اور پھڑ پھڑاتی ہے، آپ نے یہ ماجرا دیکھا تو برملا نکیر فرمائی اور ان کو اس حرکت پر تنبیہ کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۶۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جس وقت دولت امویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے تو نماز پڑھاتے وقت بعض غلطیاں ہوجاتی تھیں حضرت انسؓ ان کو برابر ٹوکتے رہتے تھے، بار بار کی نکیر پر انہوں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ آپ میری مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اگر آپ اسی طرح نماز پڑھائیں تو میری عین خوشی ہے ورنہ میں آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھوں گا۔(۶۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طبیعت صلاحیت پذیر واقع ہوئی تھی اس لئے فوراً نماز سیکھنے کی طرف توجہ کی اور حضرت انسؓ سے ہی سنت کے مطابق نماز پڑھانی سیکھی، اس کے بعد تو ایک مرتبہ حضرت انسؓ نے بھی یہ فرمایا کہ اس لڑکے سے زیادہ کسی شخص کی نماز حضور ﷺ کی نماز سے مشابہ نہیں ہے۔(۶۳)

ایک مرتبہ کچھ لوگ نماز ظہر پڑھ کر حضرت انسؓ سے ملاقات کے لئے آئے، اس وقت آپ نماز عصر کی تیاری کررہے تھے، حاضرین نے کہا کہ ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آئے ہیں، تو امراء اور عوام کی یہ دینی غفلت دیکھ کر آپ کو غصہ آیا اور فرمایا کہ وہ منافق کی نماز ہے (تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا) کہ آدمی بے کار بیٹھا رہے اور جب آفتاب غروب ہونے کا وقت ہو تو جلدی سے اٹھ کر

مرغ کی طرح چار چونچیں مارلے جس میں ذکر اللہ کا بہت تھوڑا حصہ ہو۔(۶۴)

غرض کہ حضرت انسؓ سنت نبوی کو پامال ہوتا دیکھ کر پریشان ہوجاتے تھے اور ایسے لوگوں کو تنبیہ کرنے اور حق بات کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔

روایت حدیث و تعداد مرویات: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خادم خاص تھے، سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے، جلوت و خلوت میں آپ کے دامن فیض سے وابستہ رہتے تھے، اس لئے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا کچھ حاصل کیا ہوگا اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے، چنانچہ خود حضرت انسؓ اپنے شاگرد خاص ثابت بنانی سے فرماتے ہیں کہ: ''اوثابت! مجھ سے کتاب وسنت کا علم حاصل کرلے، پس تو ہرگز مجھ سے زیادہ معتمد شخص سے علم حاصل نہیں کرے گا، میں نے یہ علم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے اور رسول اللہ نے یہ علم حضرت جبریل علیہ السلام سے حاصل کیا ہے، اور جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے''۔(۶۵)

حضور اکرم ﷺ کے بعد اکابر صحابۂ کرام سے علم حاصل کیا جن میں بعض حضرات یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت فاطمہ، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، ابوطلحہ، معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، ام سلیم (والدہ انسؓ) ام حرام، (خالۂ انسؓ) وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس کے بعد حضرت انسؓ نے نہایت مستعدی اور اہتمام، نیز دینی فریضہ سمجھ کر اشاعتِ علم و تعلیم حدیث میں تمام عمر مصروف رہے، اتنی طویل مدت میں کتنے لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا ان کا شمار مشکل ہے، البتہ چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حسن بصر، سلیمان تیمی، ابوقلابہ، اسحاق بن ابی طلحہ، ابوبکر بن عبداللہ المزنی، قتادہ، ثابت بنانی، حمید طویل، ثمامہ بن عبداللہ، محمد بن سیرین، انس بن سیرین، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الرأی، سعید بن جبیر، سلمہ بن وردان رحمہم اللہ تعالیٰ۔(۶۶)

روایت حدیث میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے، محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ جب حدیث شریف بیان فرماکر فارغ ہوتے تو (احتیاط کے طور پر) یوں فرماتے: ''او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔(۶۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکثرین صحابہ میں سے ہیں، آپ سے ۱۲۸۶/حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ۱۲۸/ روایات متفق علیہ ہیں، ۸۰/روایات میں امام بخاریؒ اور ۷۰/میں امام مسلمؒ منفرد ہیں(۶۸)۔

رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

(۵) ملکِ شام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

ملک شام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی کے بارے میں دو قول ہیں (۱) جس کو اکثر نے بیان کیا ہے یہ

ہے کہ یہ صحابی ''حضرت عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ'' ہیں (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''حضرت صدی بن عجلان ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ'' ہیں ہم بالترتیب دونوں حضرات کے مختصر حالات نقل کرتے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبسر، بعض نے ابوصفوان بتائی ہے، والد کا نام بسر، خاندان مازن بن منصور بن عکرمہ سے ہیں، آپ کے والد بسر، والدہ ماجدہ، بھائی عطیہ اور ہمشیرہ صماء رضی اللہ عنہم سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے دونوں قبلوں (بیت المقدس وکعبہ) کی طرف نماز پڑھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک ان کے سر پر رکھا تھا، اور دعاء کی تھی۔ آپ سے اہل شام نے حدیث روایت کی ہے جن میں سے چند اسماء گرامی یہ ہیں: خالد بن معدان، یزید بن خمیر، سلیم بن عامر اور راشد بن سعد وغیرہم رحمہم اللہ۔

جنات کے پہرہ کا واقعہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حمص سے چلا اور رات میں زمین کے ایک خاص حصہ میں پہنچا تو اس علاقے کے جنات میرے پاس آگئے، میں نے سورۂ اعراف کی یہ آیت آخر تک پڑھی "اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ" الی آخرالآیۃ (۶۹) اس پر جنات نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب صبح تک اسکا پہرہ دو، (چنانچہ انہوں نے ساری رات میرا پہرہ دیا) صبح کو میں سوار ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ (۷۰)

حضور ﷺ کی دعاء: حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضور ﷺ اپنے خچر پر تشریف لائے، میرے والد نے کھانے کی اور دعاؤں کی درخواست کی، چنانچہ آپ ہمارے گھر تشریف لائے اور کھانا کھا کر یہ دعاء فرمائی "اللهم ارحمهم واغفر لهم وبارك لهم في رزقهم" اے اللہ! ان پر رحم فرما، ان کی مغفرت فرما، اور ان کے رزق میں برکت نصیب فرما، فرماتے ہیں کہ پھر ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت ہی دیکھتے رہے۔ (۷۱)

حضرت عبد الله بن بسرؓ کی نصیحتیں: حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ متقی لوگ سردار ہیں اور علماء قائد و رہنما ہیں ان کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے، بلکہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے اور دن و رات کے گذرنے سے تمہاری عمریں کم ہوتی جا رہی ہیں اور تمہارے اعمال کو بڑی حفاظت سے رکھا جا رہا ہے، لہٰذا تم زادِ سفر تیار کرلو، اور یوں سمجھو کہ تم لوٹنے کی جگہ یعنی آخرت میں پہنچ گئے ہو۔ (۷۲)

وفات: آپ نے مقام حمص (شام) میں وضو کرتے ہوئے چورانوے سال کی عمر میں ۸۸ھ میں وفات پائی، بعض نے کہا ہے کہ ۹۶ھ میں سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں ہوئی، مگر پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم (۷۳)

رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

(۶) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ

نام و نسب: نام صدی (بضم الصاد وفتح الدال)، کنیت ابوامامہ، باپ کا نام عجلان، سلسلہ نسب یہ ہے: ابوامامہ صدی بن عجلان بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح بن حارث بن وہب بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔ باہلہ معن بن مالک کی بیوی تھیں معن کی اولاد اپنی ماں کی طرف نسبت کرتے ہوئے باہلی مشہور ہوئی، ہجرت سے بیس سال قبل یعنی ۳۳ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ (۷۴)

اسلام و غزوات: حضرت ابوامامہؓ ۶ھ میں غزوۂ حدیبیہ سے قبل مسلمان ہوئے، اور غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہو کر بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

دعوت اسلام: قبولِ اسلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے قبیلے میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا، جس وقت آپ اپنے قبیلے میں پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دوہکر پی رہے تھے، قبیلے والوں نے آپ کو دیکھا تو ''مرحبا بالصدی بن عجلان'' (صدی بن عجلان خوش آمدید) کہہ کر استقبال کیا، قبیلہ والوں کو ان کے اسلام کی خبر ہو چکی تھی، اس لئے انہوں نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم بھی بے دین ہو گئے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ نہیں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ تمہارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین پیش کروں، ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض اہل قبیلہ ایک بڑے پیالے میں جما ہوا خون لے آئے اور کھانے لگے اور آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی، آپ نے اس سلسلہ میں اسلام کا قانون پیش کیا کہ یہ حرام ہے، اور آیت قرآنی ''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ'' پڑھ کر سنائی اور اسلام کی تبلیغ کی، لیکن قبیلے والے ان پر ناراض ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے پانی مانگنے پر پانی بھی نہیں دیا، آپ وہیں ریت پر سو گئے، خواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیراب کر دیا، بعد میں قبیلے والوں کو احساس ہوا کہ تم نے غلط کیا، چنانچہ اس احساس کے بعد انہوں نے آپ کو دودھ اور چھوہارے پیش کئے، آپ نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ مجھے میرے خدا نے خواب میں سیراب کر دیا ہے، بالآخر ان کی کوششوں سے پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (۷۵)

فضل و کمال: فضل وکمال میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، حدیث کی تبلیغ واشاعت خاص مشغلہ تھا، جہاں چند آدمی ایک جگہ ملتے تو احادیث شریفہ ان کے کانوں تک پہنچا دیتے، چنانچہ سلیم بن عامر راوی ہیں کہ جب ہم لوگ حضرت ابوامامہؓ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث کی بہت اہم باتیں سناتے اور فرماتے سنو سمجھو اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ (۷۶)

اس مشغلہ کی وجہ سے تشنگان علم حدیث آپ کے اردگرد جمع رہتے اور احادیث شریفہ سنتے رہتے، آپ سے روایت کرنے والوں میں سلیمان بن حبیب محاربی، شداد بن عمار دمشقی، محمد بن زیاد الالہانی، مکحول شامی، شہر بن حوشب، رجاء بن حیوۃ، سالم بن ابی الجعد، خالد بن معدان، اور سلیم بن عامر رحمہم اللہ شامل ہیں۔

حضور ﷺ کی دعاء اور نصیحت: رجاء بن حیاۃ سے روایت ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ کا اعلان فرمایا، میں آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے شہادت کی دعاء کردیجئے، آپ نے بجائے شہادت کے سلامتی اور مال غنیمت کی دعا فرمائی، ایک مرتبہ پھر ایک غزوہ کا اعلان فرمایا، میں نے حاضر خدمت ہوکر پھر شہادت کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے پھر سلامتی اور مال غنیمت کی دعا فرمائی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا، پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی اہم عمل بتلا دیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ رکھا کرو اس کے برابر کوئی عمل نہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ، آپ کی بیوی اور آپ کا خادم ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور اگر آپ کے گھر میں دن میں دھواں نظر آتا تو سمجھ لیا جاتا کہ یا تو کوئی مہمان ہے یا کوئی پریشانی ہے۔ پھر ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہم کو روزہ کا حکم فرمایا تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اس میں برکت دی ہے تو کوئی اور عمل بتلا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جان لو کہ تم جو بھی سجدہ کروگے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ تمہارا ایک درجہ بلند فرمائیں گے اور ایک گناہ معاف فرمائیں گے۔ (۷۷)

حضرت ابو امامہؓ کی چند نصیحتیں: حضرت سلیمان بن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ حضرت ابوامامہؓ باہلی کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت دبلے پتلے عمر رسیدہ ہیں، اور ان کا ظاہری منظر جو نظر آرہا تھا ان کی گفتگو اس سے کہیں زیادہ اچھی تھی، (اس کے بعد بہت ساری نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں) آپ نے فرمایا: تم لوگ زمانہ جاہلیت والوں سے بھی زیادہ بے راہ ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں درہم و دینار اس لئے دیئے ہیں کہ تم ایک درہم اور ایک دنیار اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرکے سات سو درہم اور سات سو دینار کا ثواب حاصل کرو اس کے باوجود تم لوگ ان کو تھیلیوں میں بند کرکے رکھتے ہو اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (۷۸)

ملک شام منتقلی کی وجہ: بندۂ حقیر کے خیال میں حضرت ابوامامہؓ نے جو ملک شام میں مستقل سکونت اختیار کی تھی تو اس کی وجہ دوسری وجوہات کے ساتھ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ اہل عراق کے بہترین لوگ شام منتقل نہ ہوجائیں اور ملک شام کے برے لوگ عراق منتقل نہ ہوجائیں تو تم شام کو لازم پکڑ لینا۔ (۷۹)

وفات: آپ نے خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی کے دور حکومت میں ایک سو چھ سال کی عمر میں حمص (شام) سے دس میل کے فاصلہ پر ایک بستی ''دَنوہ'' میں ۸۶ھ میں وفات پائی، آپ داڑھی کو زرد خضاب لگاتے تھے۔ (۸۰)

تعداد مرویات: آپ کی مرویات کی تعداد دو سو پچاس (۲۵۰) ہے ان میں سے پانچ روایتیں صحیح بخاری میں اور تین صحیح مسلم میں ہیں۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۷) مصر میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

مصر میں سب سے آخر میں کس صحابی نے وفات پائی، بندۂ حقیر کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا، البتہ صاحب اسد الغابہ علامہ ابن الاثیر جزریؒ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی ''حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ'' ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء بن عبداللہ بن معدی کرب بن عمرو بن عصم بن عمرو بن عریج بن عمرو بن زبید، زبیدی نسبت ہے۔ زبید یمن کے قبیلے مذحج کے سردار تھے، حضرت عبداللہؓ محمیہ بن جزء کے بھتیجے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن تقسیم غنیمت پر مامور تھے، حضرت عبداللہؓ قبیلہ بنو سہم کے حلیف تھے، کنیت ابو حارث ہے۔

آپ غزوۂ بدر میں شریک تھے، ان سے روایت کرنے والے حضرات کی ایک بڑی جماعت ہے، مثلاً: یزید بن ابی حبیب، عقبہ بن مسلم، عبداللہ بن مغیرہ اور درّاج وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے شمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روایت مروی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (۸۱)

وفات: آپ نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور بڑی عمر پا کر وہیں ۸۵ھ یا ۸۶ھ میں وفات پائی، بعض ۸۷ھ اور بعض ۸۸ھ بھی بتاتے ہیں۔ (۸۲)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۸) یمامہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

یمامہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت ہرماس بن زیاد باہلی رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: ہرماس بن زیاد بن مالک بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن غنم بن قتیبہ باہلی، آپ کی کنیت ''ابو حدیر'' ہے بعض لوگ ''شریح'' نام بتاتے ہیں آپ سے روایت کرنے والوں میں ''عکرمہ بن عمار رحمۃ اللہ علیہ'' ہیں۔

عکرمہ بن عمار حضرت ہرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹ کی پشت سے خطاب کرتے دیکھا۔

وفات: آپ نے یمامہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، چنانچہ یمامہ میں ہی ۱۰۰ھ کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ (۸۳)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۹) اصحاب بیعت عقبہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

بیعت عقبۂ ثانیہ کا نورانی منظر دیکھنے والوں میں سب سے آخر میں ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ'' نے وفات پائی

آپ کا نام ''جابر'' کنیت ''ابوعبداللہ'' قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ، انصاری سلمی ہیں، والدہ کا نام ''نُسَیبہ'' ہے جن کا سلسلۂ نسب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام سے مل جاتا ہے۔

حضرت جابر کے دادا عمرو اپنے خاندان کے رئیس تھے، ''عین الازرق'' ایک چشمہ ہے جس کو مروان بن الحکم نے حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں درست کرایا تھا وہ انہی کی ملکیت میں تھا، بنو سلمہ کے بعض قلعے وغیرہ بھی ان کے تصرف وقبضہ میں تھے، عمرو کے بعد یہ چیزیں عبداللہؓ کے قبضہ میں آئیں، حضرت جابرؓ انہی عبداللہؓ کے فرزند ارجمند ہیں، جو تقریباً ۶۰۵ء مطابق ۳۴ عام الفیل میں ہجرت سے بیس سال قبل یا سولہ سال قبل پیدا ہوئے، گویا حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے ۳۴ / یا ۳۰ سال چھوٹے تھے۔

اسلام: ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اپنے والد ماجد کے ساتھ اسلام لائے، اور آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنو حرام کے ''نقیب'' تجویز کئے گئے، اس بیعت میں آپ کی عمر ۱۸ / ۱۹ / سال تھی۔

غزوات و دیگر حالات: بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بعض ابتدائی غزوات میں مثلاً بدر وغیرہ میں بھی شرکت کی چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور اسماء الرجال ملحقہ مشکوٰۃ شریف میں یہی ہے کہ آپ بدر میں شریک ہوئے۔ (۸۴)

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک بدر واحد میں والد ماجد کے روکنے کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے، اور والد کے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود غزوات میں شرکت کرتے تھے اور ان کی ۹ / لڑکیاں تھیں اگر دونوں ہی چلے جاتے تو گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا، (۸۵)

غزوۂ احد میں والد ماجد کی شہادت کے بعد باقی غزوات میں شریک ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۱۸ / ۱۹ / غزوات میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ (۸۶)

۴ھ میں غزوۂ ذات الرقاع (۱) میں شریک ہوئے واپسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جس اونٹ پر آپ سوار تھے وہ کسی طرح چلائے نہ چلتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت جابر نے واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے ایک لکڑی سے اس کو چونکا لگایا، جس کی برکت سے وہ اونٹ نہایت تیز رفتار ہو گیا، حضور ﷺ نے وہ اونٹ خرید لیا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہونے کی اجازت دیدی، مدینہ منورہ پہنچ کر اس اونٹ کی قیمت ادا فرمائی اور اونٹ بھی دیدیا۔ (۸۷)

۵ھ میں غزوۂ خندق میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ شریک ہوئے، حضرت جابرؓ غزوۂ خندق کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ہم خندق کی کھدائی کر رہے تھے کہ ایک سخت چٹان سامنے آ گئی جو خندق کھودنے میں رکاوٹ بن رہی تھی، سب لوگوں نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر پریشانی کا اظہار کیا حضور ﷺ یہ سن کر تشریف لائے اور بنفس نفیس اس گڑھے میں اتر گئے ہم نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے اور اس وقت یہ حالت تھی کہ تین روز سے ہمارے منہ میں کوئی چیز نہ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے کدال لے کر اس سخت چٹان پر ماری جس سے وہ ریزہ ریزہ ہوگئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے تھوڑی دیر کیلئے گھر جانے کی اجازت مانگی، گھر جا کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ جس کے دیکھنے کی میرے اندر تاب نہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان ہے؟ بیوی نے کہا: کچھ جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوکر اور عرض کیا کہ ہمارے پاس تھوڑا سا جو ہے اور ایک بکری کا بچہ ہے، آپ اور چند حضرات تشریف لائیں، آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ خندق والو! جابر نے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہے، حضرت جابرؓ نہایت تنگ دل ہوئے، مگر ادب سے خاموش رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مہاجرین وانصار کو لے کر تشریف لائے اور دیگچی اور تنور کو ڈھک دیا، اور دیگچی سے گوشت اور تنور سے روٹی نکالتے اور پھر ڈھک دیتے، اس طرح صحابۂ کرام نے بھی سیر ہوکر کھایا اور خود بھی نوش فرمایا، پھر بھی بچ رہا، آپ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے یہاں بھی بھیجو کیونکہ سب لوگ اس وقت بھوک اور فاقہ میں ہیں۔(۸۸)

۶ھ میں غزوۂ حدیبیہ میں بیعت رضوان سے مشرف ہوئے اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''انتم خیر اهل الارض'' تم لوگ ساری دنیا والوں سے بہتر ہو۔(۸۹)

سریۂ سیف البحر کا واقعہ: رجب ۸ھ میں حضور ﷺ نے ایک سریہ ساحل بحر کی طرف قبیلہ جہینہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا، جس کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے، حضرت جابر بھی اس میں شریک تھے، اس میں صحابہ کرام کا توشہ ختم ہوگیا، درختوں کے پتوں پر گذر اوقات ہونے لگی، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم دریا کے کنارے پہنچے اور بھوک سے بے تاب تھے، یکا یک ایک غیبی عنایت کا کرشمہ ظاہر ہوا کہ دریا نے اپنے اندر سے پہاڑ کے برابر ایک مچھلی باہر پھینکی، جس سے تمام لشکر نے اٹھارہ دن تک کھایا، اس کا نام ''عنبر'' تھا، بعد ازاں ابوعبیدہؓ نے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے دو ہڈیاں لیکر ان کو کھڑا کیا اور لشکر سے سب سے لمبا آدمی چن کر سب سے بڑے اونٹ پر اس کو بٹھایا اور اس کے نیچے سے گذار، اتو وہ سوار بلا تکلف اس کے نیچے سے گذر گیا اور اس سوار کا سر بھی ہڈی سے نہ لگا۔(۹۰)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابرؓ پانچ آدمیوں کے ساتھ اس مچھلی کی آنکھ کی ہڈی کے حلقہ میں بیٹھ گئے تو کسی کو پتہ بھی نہ لگا، اس لشکر میں تین سو آدمی تھے۔(۹۱)

قرض کی ادائیگی میں غیبی مدد: آپ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ان پر قرض بہت تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ادائیگی کی فکر ہوئی، لیکن باغ کی پیداوار قرض کے لئے ناکافی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا نیز درخواست کی کہ یہودیوں سے سفارش کر کے کچھ کم کرادیجئے، حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہودیوں سے سفارش کی تو وہ لوگ کم کرنے کے بجائے مزید سخت ہو گئے، آپ نے حضرت جابر کو تسلی دی اور فرمایا کہ کھجور توڑ کر ہر قسم کی کھجوروں کا الگ ڈھیر لگالو اور پھر مجھے خبر کرو، حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کیا اور آپ کو خبر دی، آپ تشریف لائے اور دعاء کر کے ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے اور فرمایا تقسیم کرنا شروع کرو، چنانچہ سارا قرض ادا ہونے کے بعد بھی کھجور کافی مقدار میں بچ گئیں، حضرت جابرؓ نے آپ کو اطلاع کی، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اطلاع کی گئی ان کو بھی بہت مسرت ہوئی۔(۹۲)

۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت جابرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی۔(۹۳)

۷۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی (جس کے ظلم و جور سے صحابہ کرامؓ بھی محفوظ نہ تھے) نے متعدد صحابہ کی گردنوں پر اور حضرت جابرؓ کے ہاتھ پر ایک خاص مہر لگوادی، جس کی تفصیل حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کے تذکرے میں آچکی ہے۔

علم و فضل: حصول علم کی ابتداء تو سرچشمہ وحی سے ہوئی، لیکن صحابہ کرام کی ایک معتد بہ جماعت سے بھی استفادہ کیا، جن میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت طلحہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عمار بن یاسر، حضرت خالد بن الولید، حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت ابو قتادہ انصاری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، ابو حمید ساعدی، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حصولِ علم کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک حدیث کو سننے کے لئے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حدیث تھی وہ ملک شام میں رہتے تھے، حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو ایک اونٹ خرید کر ملک شام کا سفر کیا اور ان کے پاس جا کر حدیث شریف سنی، اور فرمایا کہ میں نے اتنی عجلت اس لئے کہ کہیں میرا یا آپ کا خاتمہ ہو جاتا اور یہ حدیث سننے سے رہ جاتی۔(۹۴)

اسی طرح ایک شخص سے قصاص کے سلسلے میں حدیث سننے کے لئے اونٹ خریدا اور مصر کا سفر فرمایا، نیز مسلمہ بن مخلد سے مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی سے متعلق حدیث سننے کیلئے ایک لمبا سفر فرمایا۔(۹۵)

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے، اور مسجد نبوی میں درس دینا شروع کیا، اس وقت صحابہ کرام کے طبقے میں بہت کم حضرات بقید حیات تھے، آپ کا وجود باجود بسا غنیمت سمجھا جاتا تھا، اس لئے شائقین علم حدیث دور دراز مقامات سے آتے تھے، آپ سے روایت کرنے والوں میں محمد بن علی یعنی حضرت باقرؒ، عمرو بن دینارؒ، ابو الزبیر مکی، عطاء بن ابی رباح، امام التفسیر مجاہد، محمد بن منکدر رحمہم اللہ جیسے اساطین امت ہیں۔(۹۶)

تفسیر، حدیث اور فقہ تینوں علوم عالیہ مقصودہ میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے، تفسیر میں اگرچہ روایتیں کم ہیں لیکن معتد بہ ہیں، آپ کا شمار مکثرین صحابہ (کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ) میں ہے۔(۹۷)

اخلاق و عادات: اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوتِ ایمانی، جرأت اظہار حق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، محبت رسول اور اتباع

سنت جیسی اعلیٰ صفات سے نوازا تھا۔

ایک مرتبہ کسی نے تین سال کے لئے اپنے باغ کا پھل فروخت کردیا، آپ کو خبر ہوئی تو کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر مسجد آئے اور سب کے سامنے علی الاعلان بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جب تک کہ پھل انتفاع کے قابل نہ ہو جائیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اس لئے خود بھی اسی طرح نماز پڑھی اور جب کسی شاگرد نے سوال کیا کہ آپ کے پاس چادر تھی اسکو کیوں نہ اوڑھ لیا؟ تو فرمایا کہ اس لئے تاکہ تم جیسے بے وقوف دیکھیں کہ اس طرح بھی نماز پڑھنا درست ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو کپڑے نصیب ہوتے تھے، نیز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین روز دعا مانگی تھی، تیسرے روز نماز کے اندر دعاء مقبول ہوئی تھی، حضرت جابرؓ کو بھی جب کوئی مشکل پیش آتی تو اس جگہ جا کر اسی وقت میں دعا فرماتے۔ (۹۹)

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے قریب مکانات خالی ہوئے حضرت جابرؓ کے قبیلہ ''بنوسلمہ'' نے ارادہ کیا کہ مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں کیونکہ ان کا گھر مسجد نبوی سے زیادہ فاصلہ پر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو فرمایا کہ تمہیں وہاں سے آنے میں ہر ہر قدم پر نیکیاں ملتی ہیں، انہوں نے یہ ثواب سن کر منتقل ہونے کا ارادہ ترک کردیا۔ (۱۰۰)

فضائل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایاتِ خاصہ حضرت جابرؓ کی طرف مبذول تھیں، چنانچہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں بیمار پڑا پس نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، پس آپ نے مجھے بے ہوش پایا، پس آپ میرے پاس آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اور دونوں پیدل تشریف لائے تھے، پس آپ نے وضو فرمایا اور مجھ پر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، جس سے مجھے ہوش آ گیا۔

اسی طرح حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اونٹ والی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ۲۵ مرتبہ استغفار فرمایا۔ (اونٹ والا واقعہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے)۔ (۱۰۱)

وفات: ۷۴ھ میں جس سال حجاج کا ظلم بھی برداشت کیا، اسی سال اور بعض کے نزدیک ۷۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر مبارک میں شرکاء بیعت عقبۂ ثانیہ میں سے مدینہ میں سب کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی، حضرت عثمان غنیؓ کے بیٹے ابان بن عثمان (جبکہ وہ مدینہ منورہ کے حاکم تھے) نے نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (۱۰۲)

اہل و عیال: حضرت جابرؓ نے والد ماجد کی شہادت کے بعد ایک انصاری بیوہ عورت ''سہیلہ بنت مسعود'' سے نکاح کرلیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی سے نکاح کیا ہوتا کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی، عرض کیا کہ بہنیں خرد سال اور ناتجربہ کار تھیں، اس لئے ہوشیار و تجربہ کار عورت کی ضرورت تھی جو ان کے کنگھی کرتی، دیکھ بھال کرتی اور

سنوارتی۔ارشاد ہوا ''اَصَبْتَ'' تم نے ٹھیک کیا۔(۱۰۳)

دوسری شادی قبیلۂ بنو سلمہ (جو آپ کا اپنا قبیلہ و خاندان ہے) میں کی، جن کا نام ''ام حارث بنت محمد بن مسلمہ تھا، یہ محمد بن مسلمہ مشہور صحابی ہیں، دونوں سے چھ اولاد ہوئیں، تین لڑکے: عبدالرحمٰن، عقیل، محمد، اور تین لڑکیاں: حمیدہ، میمونہ، ام حبیب۔(۱۰۴)

حلیہ: آپ مونچھیں خوب کتایا کرتے تھے، سر اور داڑھی میں زرد خضاب استعمال کرتے تھے، آخر میں نابینا ہوگئے تھے۔(۱۰۵)

تعداد مرویات: آپ کا شمار مکثرین (کثرت سے روایت کرنے والے) صحابہ میں ہے، کیونکہ پندرہ سو چالیس احادیث آپ سے مروی ہیں۔(۱۰۶)

رضی اللّٰہ عنہ وارضاہ

(۱۰) مہاجرین میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

مہاجرین صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ'' ہیں، اسی طرح مہاجرین بدریین اور عشرۂ مبشرہ میں بھی سب کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔(۱۰۷)

نام و نسب اور خاندان: نام سعد، کنیت ابواسحاق، والد کا نام مالک، کنیت ابووقاص، والدہ کا نام ''حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبدشمس۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن مالک ابی وقاص بن وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ، قریشی اور زہری نسبت ہے، حضور ﷺ کی نانہال زہری خاندان میں تھی اسلئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حضرت سعد کو ماموں کہا ہے، حضرت سعدؓ کے دادا وہیب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا وہب دونوں حقیقی بھائی تھے اور عرب میں ماں کی طرف کے رشتہ داروں کو ماموں کہہ دیتے ہیں۔(۱۰۸)

اسلام: حضرت سعدؓ کی عمر ۱۷ رسال یا ۱۹ رسال تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت سے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔(۱۰۹)

بخاری شریف میں حضرت سعد سے روایت ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں ''ثلث اسلام'' ہوں یعنی تیسرا مسلمان ہوں۔(۱۱۰)

لیکن محدثین و مؤرخین کی تحقیق کے مطابق چھ یا سات صحابہ کو ان پر شرف تقدم حاصل ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا تھا، یا اولیت اور سابقیت کو انہوں نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا ہو۔واللہ اعلم (۱۱۱)

سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین شب قبل یہ خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور سخت تاریکی میں ہوں، تاریکی کی وجہ سے کوئی شئی مجھ کو نظر نہیں آتی، اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا اور میں اس کے پیچھے ہولیا، دیکھا تو زید بن حارثہؓ، علی اور ابوبکر رضی اللہ عنہم اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں، اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی وحدانیت اور اپنے رسول اللہ ہونے کی شہادت کی طرف دعوت دیتا ہوں، اور تم کو بھی دعوت دیتا ہوں میں نے فوراً کلمہ پڑھا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ''۔(۱۱۲)

دین پر استقامت: حضرت سعدؓ کی والدہ نے جب بیٹے کی تبدیلی مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، حضرت سعدؓ اپنی والدہ کے نہایت فرماں بردار اور ان کی راحت رسانی میں بہت مستعد تھے، تو والدہ نے بلا کر ان کو تنبیہ کی اور قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تم پھر اپنے آبائی دین میں واپس نہ آجاؤ، ورنہ میں اسی طرح بھوک و پیاس سے مرجاؤں گی اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمہارے سر منڈھ جائے گی کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو، حضرت سعدؓ کی والدہ تین دن تین رات بھوکی پیاسی رہی، آپ حاضر ہوئے، ماں کی محبت اپنی جگہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی، اس لئے والدہ کو خطاب کر کے کہا: ''اماں جان! اگر آپ کے بدن میں ۱۰۰ روحیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی میں یہ دیکھ کر بھی دین اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا، اب چاہے کھاؤ پیو یا مرجاؤ، بہرحال اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا'' ماں نے آپ کی یہ گفتگو سن کر مایوس ہو کر کھانا کھالیا، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے قیامت تک معصیت الٰہی کی صورت میں والدین کی عدم اطاعت کا قانون بنادیا ''وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما'' اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔(ترجمہ شیخ الہندؒ)(۱۱۳)

مکہ کی زندگی اور اسلام میں پہلی خونریزی: اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، اور ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے، حضرت سعدؓ کفار و مشرکین کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبودِ حقیقی کی عبادت کیا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ کرام کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاقاً کفار کی ایک جماعت اس طرف آگئی، وہ اسلام کا مذاق اڑانے لگے اور ان لوگوں کو سخت سست کہا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ سن کر جوش آگیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعدؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔(۱۱۴)

ہجرت مدینہ اور سب سے پہلا تیر: جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی مدینہ طیبہ کی راہ لی اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے،

جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

یہاں پہنچ کر کچھ اطمینان کا سانس لیا، لیکن بہر حال قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، اس لئے دشمنوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے بعض سریے روانہ فرمائے، چنانچہ ماہ شوال ۱ھ میں ۶۰ / یا ۸۰ / مہاجرین کا ایک دستہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی امارت میں ''رابغ'' کی طرف روانہ کیا گیا، جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ بھی تھے، وہاں پہنچ کر قریش کے دوسو سواروں کی جمعیت سے آمنا سامنا ہوا مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی، صرف سعد بن ابی وقاص ؓ نے ایک تیر چلایا، یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں چلایا گیا۔ (۱۱۵)

سریۂ سعد بن ابی وقاص ؓ: ہجرت کے نویں ماہ یعنی ذی قعدہ ۱ھ میں آٹھ یا بیس سواروں کو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی امارت میں قریش کی ایک جماعت کو روکنے کے لئے مقام ''خرار'' بھیجا اور فرمایا کہ خرار سے آگے نہ جانا، (خرار جحفہ کے قریب ایک وادی ہے) یہ حضرات دن کو چھپ جاتے اور رات کو چلتے، خرار پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ نکل چکا ہے، اس لئے یہ لوگ مدینہ منورہ واپس آگئے۔ (۱۱۶)

حضرت سعد ؓ بحیثیت علم بردار: ماہ ربیع الاول ۲ھ میں غزوہ بواط پیش آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۰ / صحابہ کے ساتھ قریش کی ایک جماعت سے مزاحمت کے لئے خود تشریف لے گئے، اس غزوہ میں علم بردار حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تھے۔ (۱۱۷)

پھر ماہ رجب ۲ھ میں گیارہ آدمیوں پر حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو امیر بنا کر مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ایک ایک اونٹ پر دو دو آدمی سوار ہوتے تھے، جس اونٹ پر عتبہ بن غزوان ؓ اور سعد بن ابی وقاص ؓ سوار تھے وہ اونٹ مقام معدن یعنی بحران میں کہیں گم ہوگیا اور اس کی تلاش میں یہ دونوں حضرات راستہ بھول گئے اور کئی روز کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے۔ (۱۱۸)

دیگر غزوات: حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دی، نہایت جانبازی اور بہادری سے لڑے، سعید بن العاص سرخیل کفار کو قتل کیا اور آپ کو اس کی ''ذوالکتیفہ'' نامی تلوار پسند آگئی، اسکو لئے ہوئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، اس وقت تک چونکہ مال غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے حکم ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو، حضرت سعد ؓ نے تین مرتبہ لوٹ لوٹ کر وہ تلوار مانگی مگر حضور ؐ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا کہ ''جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو، یہ تلوار نہ میری ہے نہ آپ کی''، حضرت سعد ؓ نے اپنے دل میں کہا کہ ''اب یہ تلوار اس شخص کو دی جائے گی جس نے جنگ میں میرے جیسی بہادری نہیں دکھائی''، ادھر اس جنگ میں آپ کے بھائی عمیر بن ابی وقاص ؓ شہید ہوگئے تھے، تو کچھ تو ان کی شہادت و مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، اسی حال میں غمگین وملول واپس آئے، اور اس تلوار کو مال غنیمت میں جمع کرنے کے لئے چلے، تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ''سورۂ انفال'' نازل ہوگئی، (جس میں مال غنیمت کے تعلق سے مکمل اختیار حضور ؐ کو عطا کیا گیا

ہے) حضور ﷺ نے قاصد کے ذریعہ آپ کو بلوایا اور فرمایا کہ ''تم نے مجھ سے یہ تلوار مانگی تھی جبکہ وہ میری نہیں تھی، اب وہ میری ہو گئی ہے اس لئے اب وہ آپ کے لئے ہے'' چنانچہ وہ تلوار حضرت سعدؓ کو عنایت کی گئی۔ (۱۱۹)

۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا اس غزوے میں بظاہر ''جبل الرماۃ'' پر مقرر کردہ پچاس تیراندازوں کی ایک خطاء اجتہادی کے سبب فتح شکست سے بدل گئی، اور ناگہانی حملے کے باعث اکثر مجاہدین کے پاؤں اکھڑ گئے، اور پھر ''کریلا نیم چڑھا'' کہ شیطان لعین نے حضورؐ کی شہادت کی خبر مشہور کردی، جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ مزید سراسیمہ ہوگئے، ایسے نازک وقت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان ثابت قدم صحابہ کرام کی صف میں تھے جن کے پائے استقلال میں اخیر وقت تک جنبش نہیں ہوئی، آپ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے کفار و مشرکین کے نرغہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے ''یا سعد ارم فداک ابی و امی'' اے سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ (۱۲۰)

اثناء جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے حملوں سے مسلمانوں کو زیادہ پریشان کر رکھا تھا، حضور ﷺ نے اسکو نشانہ بنانے کا حکم دیا، حضرت سعد نے تعمیل حکم کے لئے ایک بے پھل کا تیر اٹھا کر اس کو اس قدر زور سے مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، حضور ﷺ کو آپ کی تیراندازی اور اس کے اس طرح قتل ہو جانے پر بے اختیار ہنسی آگئی، یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ (۱۲۱)

حضرت سعدؓ نے ان کے علاوہ تمام ہی غزوات (غزوہ بنو نضیر، ذات الرقاع، بنو المصطلق، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین وطائف، غزوہ تبوک) اور حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا، آپ حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں سخت بیمار ہو گئے، یہاں تک جب رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو حضرت سعدؓ زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک مالدار آدمی ہوں اور ایک لڑکی کے علاوہ میرا کوئی وارث نہیں، تو کیا میں اپنے مال کا دو ثلث صدقہ کردوں؟ آپ نے منع فرمایا، پھر نصف کے بارے میں اجازت لی، آپ نے اس کو بھی منع فرمایا، پھر ثلث کے بارے میں عرض کیا، ارشاد ہوا کہ ثلث مال کے صدقہ کی وصیت کر سکتے ہو اور ثلث بہت ہے، اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر جانا اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں، تم جو کچھ بھی راہِ خدا میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو اس کا بھی ثواب ملے گا، حضرت سعدؓ کو یہ فکر ہوئی کہ جس سرزمین (مکہ مکرمہ) کو ہجرت کر کے ترک کر چکا ہوں کہیں اسی میں موت نہ آجائے تو حضور ﷺ نے تین مرتبہ ان کے لئے دعاء شفا فرمائی، ''اللھم اشف سعداً، اللھم اشف سعداً، اللھم اشف سعداً'' اور فرمایا کہ تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تمہارے ذریعہ ایک قوم کو نفع اور دوسری کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ (۱۲۲)

حضور اکرم ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی چنانچہ آپ کے ذریعہ کثرت سے فتوحات ہوئیں اور آپ کے ہاتھ سے کتنے ہی آدمی مقتول ہو کر جہنم رسید ہوئے، ان کی عورتیں اور بچے قید ہوئے، ان کے اموال ہاتھ آئے، اور کتنے ہی آپ

کے ہاتھوں پر اسلام لا کر ہدایت یافتہ اور جنت کے مستحق بنے۔(۱۲۳)

خلافت راشدہ کے زمانے میں: خلافت راشدہ خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت سعدؓ کے ذریعہ نہایت اہم کارنامے انجام پائے، چنانچہ ایرانیوں پر حملہ کرنے کے لئے جس وقت حضرت عمر نے اسلامی شہروں سے سپاہی طلب کئے تو حضرت سعدؓ نے ہوازن (جہاں آپ کو حضرت ابوبکرؓ نے عامل بنایا تھا) سے ایک ہزار مجاہدین بھیجے، تمام افواج کو ترتیب دے کر حضرت عمرؓ خود سپہ سالارِ افواج بن کر مدینہ منورہ سے نکلے، مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ''صرار'' نامی مقام پر پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے جانے یہ نہ جانے کے متعلق رائے لی، عام لوگوں کی خواہش تھی کہ آپ خود تشریف لے چلیں، لیکن اہل الرائے صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ آپ مدینہ منورہ میں قیام فرمائیں اور کسی دوسرے کو سپہ سالار مقرر فرمادیں، اب اس عظیم فوج کی سپہ سالاری کے لئے کسی عظیم شخصیت ہی کی ضرورت تھی، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کی رائے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا اور آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔(۱۲۴)

اس طرح حضرت سعدؓ کی کتابِ زندگی کا وہ ورق شروع ہوا جو نہایت درخشاں و تاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولوالعزم، حوصلہ منداور خوش تدبیر نام آوروں کی فہرست میں ان کو ممتاز کر دیا ہے۔

چنانچہ حضرت سعدؓ کی سرکردگی میں عجمی سپہ سالار رستم سے (جو یزدگرد شاہِ ایران کی طرف سے فوج کا سپہ سالار تھا) ''قادسیہ'' کی مشہور و معروف جنگ لڑی گئی، جس میں چوتھے روز فتح نصیب ہوئی، اور تیس ہزار ایرانی اور آٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔(۱۲۵)

سعد بن ابی وقاصؓ فتح کے بعد دو مہینے قادسیہ ٹھہرے، اور پھر دوسرے چھوٹے چھوٹے شہر فتح کیے، تا آنکہ مدائن پہنچ گئے، اور کسریٰ کا قصرِ ابیض سامنے تھے، جس کی فتح کی اور خزانے کے قبضہ میں آنے کی نبی کریم ﷺ نے خوشخبری سنائی تھی۔ (۱۲۶)

لیکن مدائن اور قصرِ ابیض سے پہلے ہی ایرانیوں نے دریائے دجلہ کا پل توڑ دیا مگر حضرت سعدؓ کی ہدایت اور ترغیب پر عاصم بن عمروؓ بنو تمیم کے سردار نے اپنے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ دریا میں گھوڑے ڈال دیئے، اس کے بعد حضرت سعدؓ کے حکم سے پوری فوج نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے، آگے آگے حضرت سعدؓ اور سلمان فارسیؓ اور پیچھے پیچھے سارا اسلامی لشکر، زبانوں پر یہ دعا تھی "نستعین باللہ ونتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" ساری فوج دریا سے اس طرح پار ہوگئی کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا، البتہ ایک سوار گھوڑے کی پشت سے گر گیا، لیکن قعقاع نے فوراً اپنے گھوڑے کی لگام دریا میں ڈال کر اس کو نکال لیا۔

حضرت سعدؓ اسلامی افواج کے ساتھ بے روک ٹوک شہر میں داخل ہو گئے، کیونکہ مجاہدین سے مرعوب ہو کر شہنشاہ ایران دارالسلطنت چھوڑ کر ''حلوان'' بھاگ گیا تھا، چنانچہ قصرِ ابیض پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا گیا، جب حضرت سعدؓ نے عالیشان محلات اور سرسبز باغات پر نظر ڈالی تو بے اختیار زبان پر یہ آیت آگئی "کم ترکوا من جنات و عیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ

کانوا فیھا فاکھین کذلک و اورثناھا قوما آخرین"۔(۱۲۷) بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ، اور آرام کا سامان جس میں باتیں بنایا کرتے تھے، یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے۔(ترجمہ شیخ الہند)

حضرت سعدؓ نے شاہی محل میں صلاۃ شکر ادا کی، پھر صفر ۱۶ھ کو وہیں نماز جمعہ ادا کی گئی، اس فتح میں قصر شاہی کے بے حساب خزانے مال غنیمت میں ہاتھ آئے، فتح مدائن کے بعد حضرت سعدؓ نے اسلامی افواج کے ساتھ مدائن میں سکونت اختیار کی، اور حضرت عمر نے حضرت سعد کو عراق کا امام نماز اور سپہ سالار مقرر کیا۔

صفر ۱۶ھ سے محرم الحرام ۱۷ھ تک مدائن اسلامی فوجوں کا صدر مقام رہا، لیکن یہاں کی آب و ہوا مجاہدین کو سازگار نہیں آئی اور ان کے رنگ متغیر ہو گئے، اس درمیان کوفہ و بصرہ دو شہروں کو بسایا گیا، اور حضرت سعدؓ حضرت عمر کے فرمان کے مطابق محرم الحرام ۱۷ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء میں مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے۔(۱۲۸)

کوفہ کی امارت سے معزولی: ۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم جنگی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھی تیار کرنے کے احکامات صادر فرمائے، کوفہ اسلامی فوج کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے نہایت اہتمام سے تیاری شروع کی، مگر یہاں بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو جہاد سے جان چراتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کی شکایت لکھ کر مدینہ منورہ بھیجی، تو ان لوگوں کو حضرت سعدؓ سے دشمنی پیدا ہو گئی اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی شکایت کی اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ وہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھاتے، حضرت سعدؓ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کے متعلق یہ شکایت محض بے بنیاد اور دشمنی پر مبنی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے بے بنیاد اور لغو ہونے کا یقین تھا، تاہم بعض مصالح کے پیش نظر حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا، اور حضرت عمارؓ کو امام صلوٰۃ، عبداللہ بن مسعودؓ کو بیت المال کا افسر اور عثمان بن حنیفؓ کو زمین کی پیائش کا امیر مقرر کر کے بھیج دیا، اور حضرت سعدؓ سے پوچھا کہ تم نماز کیسی پڑھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نماز کے اندر پورے طور پر نبی کریم ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرتا ہوں اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کرتا، مثال کے طور پر چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعتوں کو لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں کو ہلکی رکھتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کے بارے میں ہمارا گمان بھی یہی ہے یعنی ہمیں پورا اطمینان ہے، لیکن شکایات کے ازالہ کے لئے باقاعدہ تحقیق بھی ضروری ہے، چنانچہ تحقیق احوال کے لئے آپ نے محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کو کوفہ روانہ کیا، انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر حضرت سعدؓ کے بارے میں تحقیق کی، اہل کوفہ حضرت سعدؓ کے اچھے کاموں کی تعریف کرتے رہے اور کسی نے کوئی شکایت والی بات نہیں کہی، یہاں تک کہ جب بنوعبس کی مسجد میں گئے تو اسامہ بن قتادہ نامی ایک شخص (جس کی کنیت ابوسعدہ تھی) کھڑا ہوا اور کہا کہ جب آپ قسم دے کر پوچھتے ہیں تو بات یہ ہے کہ سعد جہاد کے لشکر کے ساتھ نہیں جاتے اور مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے، اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے، یہ سن کر حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں تین بد دعائیں کرتا ہوں: اے اللہ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور محض دنیوی غرض یعنی ریاکاری اور شہرت کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز فرما دے، اس کے

فقر کو طویل کردے، اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا دے، چنانچہ حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات تھے، حضور ﷺ نے ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا فرمائی تھی، اس لئے ان کی دعا قبول ہوئی، اس شخص کی عمر بھی طویل ہوئی، فقر اور فتنہ میں مبتلا ہوا، مانگتا پھرتا تھا، اور کوفہ کی گلیوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا تھا، جب اس سے کوئی پوچھتا تو کہتا کہ عمر رسیدہ مبتلائے فتنہ ہوں اور مجھے سعد کی بددعاء کھا گئی۔(۱۲۹)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بے ہودہ الزام تراشی سے نہایت افسوس تھا، ایک مرتبہ فرمایا کہ میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیراندازی کی، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے پتے کھا کھا کر لڑے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو بکری کی مینگنی کی طرح استنجاء ہوتا تھا، اور آج یہ بنو اسد مجھے مذہب و دین سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا اگر ایسا ہوا تب تو میں ناکام و نامراد ہو جاؤں گا، اور میرا عمل برباد ہو جائیگا۔(۱۳۰)

دوبارہ تقرری: محرم ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی آپ نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے لئے چھ صحابہ کرام کی ایک مجلس شوریٰ بنائی ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، اور فرمایا کہ اگر سعد خلافت کے لئے منتخب نہ ہوں تو جو منتخب ہو اس کو چاہئے کہ سعد کی خدمات و تجربات سے فائدہ اٹھائے، کیونکہ میں نے ان کو کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔(۱۳۱)

چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد آپ نے حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر فرما دیا، لیکن تین سال کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف کے سبب دوبارہ معزول ہو گئے۔(۱۳۲)

حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی: حضرت سعدؓ نے معزولی کے بعد مدینہ منورہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، یہاں تک کہ جب خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو آپ نے مفسدین کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے، لیکن بہرحال گوشہ نشین رہے، حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں لاتعلقی اور کنارہ کشی بدستور قائم رہی۔(۱۳۳)

وفات: حضرت سعدؓ نے مدینہ منورہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقام ''عقیق'' میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، آپ کی گوشہ نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، اخیر عمر میں ظاہری بینائی جاتی رہی تھی، اسی قصر میں ستر سال سے زائد عمر میں ۵۵ھ میں انتقال فرمایا، بعض نے ۵۴ھ اور بعض نے ۵۸ھ بھی کہا ہے، جنازہ کندھوں پر مدینہ منورہ لایا گیا، اور مسجد نبوی میں نماز جنازہ ہوئی، مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی، بعض امہات المومنین بھی نماز میں شریک تھیں، پھر مقام بقیع میں دفن کردیا گیا، آپ نے وصیت کی تھی کہ غزوہ بدر میں اون کا جو جبہ میرے جسم پر تھا اسی میں مجھے کفنایا جائے، وہ میں نے اسی دن کے لئے پوشیدہ کر رکھا ہے، چنانچہ اسی میں آپ کو کفن دیا گیا۔(۱۳۴)

اخلاق و عادات: حضرت سعد جامع اوصاف وکمالات تھے، محبت رسول، تقویٰ، زہد فی الدنیا، تواضع وخاکساری

وغیرہ تمام ہی صفاتِ عالیہ آپ کے اندر جمع تھیں، محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوات سے تشریف لارہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا خطرہ تھا، حضور ﷺ دیر تک رات میں جاگتے رہے، اور فرمایا کہ کاش میرے صحابہ میں سے کوئی مرد صالح آج میرا پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی حال میں ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی، سوال ہوا کون؟ عرض کیا کہ سعد بن ابی وقاصؓ، ارشاد ہوا کہ کیوں آئے؟ عرض کیا کہ میرے دل میں آپ کی طرف سے کچھ خوف محسوس ہوا اس لئے حفاظت کرنے کے لئے اور پہرہ دینے کے لئے آیا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے خوش ہوکر دعا دی۔(۱۳۵)

ایک دفعہ آپ مدینہ منورہ سے اپنے قصر کی طرف جارہے تھے، راستے میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے آپ نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے آقا نے آکر مطالبہ کیا لیکن اوزار کے دینے سے آپ نے انکار فرمادیا۔(۱۳۶)

زہد کا حال یہ تھا کہ مقام عقیق میں محل بنوایا لیکن طرز معاشرت وہی بالکل سادہ، حالانکہ آپ مالدار تھے، اعلیٰ سے اعلیٰ معیار زندگی بنا سکتے تھے، لیکن لباس وغذا میں سادگی ہی پسندیدہ تھی۔

فضائل: (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لئے دعا فرمائی "اللهم استجب لسعد اذا دعاک" اے اللہ! سعد جب آپ سے دعا کریں تو ان کی دعا قبول فرما۔(۱۳۷)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے بارے میں فرمایا "هذا خالي فليرني امرء خاله" یہ میرے ماموں ہیں پس چاہئے کہ دکھلائے کوئی مجھے اپنا ماموں، یعنی کس کا ماموں ایسا ہے؟۔(۱۳۸)

(۳) یہ روایت بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم ماقبل میں گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "فداک ابی و امی" میرے ماں باپ تم پر قربان۔(۱۳۹)

(۴) حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں ہم چھ آدمی تھے، جن میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ ان کو اپنی مجلس سے الگ کردیں تب ہم آپ کی بات سن سکتے ہیں، ہم اور یہ غرباء ایک مجلس میں اکھٹے نہیں ہوسکتے، اس سے ہمیں عار آتی ہے، دعوت کی مصلحت کے پیش نظر آپ کے کچھ جی میں آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت "ولا تطرد الذين "الآیۃ نازل فرماکر آپ کو اس سے منع فرمادیا۔(۱۴۰)

(۵) نیز پہرہ والا واقعہ جو گذرا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا "ليت رجلا صالحا من اصحابي يحرسني الليلة" (کاش کہ میرے صحابہ میں سے کوئی نیک مرد رات میں میری پہرے داری کرتا) گویا حضرت سعدؓ "رجل صالح" کے مصداق ٹھہرے۔(۱۴۱)

(۶) اسی طرح عشرۂ مبشرہ میں سے ہونا، یعنی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو ایک ہی مجلس میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی خوشخبری سنائی ہے، "وسعد بن ابی وقاص في الجنة"۔(۱۴۲)

روایت حدیث و تعداد مرویات: حضرت سعدؓ کا علمی رتبہ نہایت ارفع واعلیٰ تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعد کوئی حدیث نقل کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن سمرۃؓ، سائب بن یزیدؓ، عائشہؓ، سعید بن المسیبؒ، ابوعثمان نہدیؒ، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ، قیس بن ابی حازمؒ، اور آپ کی اولاد یعنی عامر، مصعب، محمد، ابراہیم اور عائشہ بنت سعدؓ شامل ہیں، آپ سے ۲۱۵/احادیث شریفہ مروی ہیں۔(۱۴۳)

حلیہ: آپ کا رنگ گندمی، دراز قد، چوڑی ناک والے، جسم فربہ، سر بڑا اور ہاتھوں کی انگلیاں نہایت سخت اور مضبوط تھیں۔(۱۴۴)

ازواج و اولاد: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ۳۴/اولاد پیدا ہوئیں، جن میں سے ۱۷/لڑکے اور ۱۷/لڑکیاں تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۵)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۱۱) بدریین میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

غزوۂ بدر میں شریک صحابہ کرامؓ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت اسید ساعدی رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

مالک نام، ابواسید کنیت، والد کا نام ربیعہ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: مالک بن ربیعہ بن البدن بن عامر بن عوف بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

اسلام و غزوات: ہجرت سے قبل اسلام لائے، اس کے بعد بدر واحد وخندق وغیرہ تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی غزوہ بدر میں شرکت صحیح بخاری ''باب تسمیة من سمی من اهل بدر فی الجامع'' میں مصرح ہے۔

وفات: آپ نے راجح قول کے مطابق ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا، بدریین میں سب سے آخر میں فوت ہوئے، اس وقت عمر شریف اٹھتر (۷۸) برس تھی، یہی امیر معاویہؓ کا سال وفات ہے۔(۱۴۶)

حلیہ: آپ کا قد کوتاہ تھا، بال گھنے، داڑھی سیاہ، ایک روایت کے مطابق مہندی کا خضاب استعمال فرماتے تھے، حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ظاہری بینائی ختم ہوگئی تھی۔(۱۴۷)

روایت حدیث: روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے، بہت کم حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔

صحیح بخاری میں ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انصار کے قبیلوں میں بہترین قبیلہ بنو نجار ہے، پھر بنو عبدالاشہل، پھر بنو حارث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ اور انصار کے تمام ہی قبیلوں میں خیر ہے۔(۱۴۸)

اسی طرح ابواسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن حضورﷺ نے ہم سے فرمایا کہ: جب کفار ومشرکین تم سے قریب ہوں تو تیر پھینکو اور دور سے تیر نہ پھینکو، (ورنہ ضائع ہوجائے گا)۔(۱۴۹)

حضرت انس بن مالک اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: اگر میں بدر کے موقع پر تمہارے ساتھ ہوتا اور میری آنکھیں بے نور نہ ہوجاتیں تو میں تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے غزوۂ بدر میں ہماری امداد کے لئے فرشتے نکلے تھے۔(۱۵۰)

آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ، عباس بن سہلؒ، علی بن عبیدؒ، ابو سعیدؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، عبدالملک بن سعیدؒ، قرہ بن ابی قرہؒ، یزید بن زیادؒ وغیرہم شامل ہیں۔ (۱۵۱)

رضی اللّٰہ عنه وارضاہ

(۱۲) امہات المومنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی صحابیہ

امہات المومنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی ''ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا'' ہیں۔آپ کا اسم گرامی ہند ہے بعض رملہ بھی کہتے ہیں، مگر پہلا نام ہی صحیح ہے، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان بنومخزوم سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، والد کا نام سہیل، کنیت ابوامیہ، ''زادالراکب'' سے مشہور تھے، کیونکہ وہ بہت فیاض اور سخی تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی دعوت کرتے، والدہ کا نام ''عاتکہ'' قبیلہ بنوفراس سے تعلق رکھتی تھیں۔

پہلا نکاح: حضرت ام سلمہؓ کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا، جو اپنی کنیت ''ابوسلمہ'' سے مشہور ہیں اور حضرت ام سلمہؓ کے چچازاد بھائی ہیں، شوہر کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عمرو بن مخزوم، ہلال اور مغیرہ دونوں حقیقی بھائی تھے، ہلال مخزومی کے پوتے ابوسلمہ عبداللہؓ ہیں، اور مغیرہ مخزومی کی پوتی ام سلمہؓ ہیں، حضرت ابوسلمہؓ کے والد عبدالاسد مخزومی رسول اللہﷺ کے پھوپھا تھے، ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب منسوب تھیں، اور انہیں کے لڑکے ابو سلمہؓ ہیں، گویا خواجہ ابوطالب، خواجہ عبداللہ حضرت حمزہؓ و حضرت عباسؓ، حضرت ابوسلمہؓ کے ماموں تھے، اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضورﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور رضاعی بھائی تھے، حضرت حمزہ، ابوسلمہؓ اور حضورﷺ تینوں نے ''ثویبہ'' کا دودھ پیا تھا۔ (۱۵۲)

اسلام و ہجرت: حضرت ام سلمہؓ آغاز نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں، اور ان کے ساتھ ہی حبشہ کی طرف ہجرت کی، کچھ روز کے بعد مکہ مکرمہ واپس گئیں اور مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، اور ہجرت میں آپ کو اور آپ کے شوہر کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی، بیعت عقبہ سے بھی ایک سال قبل انہوں نے ہجرت کی۔

ہجرت کا واقعہ بھی نہایت عبرت انگیز و رقت آمیز ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے جب ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا تو حضرت ام سلمہ اور اپنے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر سوار کر کے چل دیئے، لیکن حضرت ام سلمہ کے قبیلے بنومغیرہ نے کہا کہ تم کو اپنی ذات کا اختیار ہے لیکن لڑکی ہماری ہے، لہذا ہم اس کو تمہارے ساتھ نہ جانے دیں گے، یہ بات دیکھ کر ابوسلمہ کے قبیلے بنوعبدالاسد نے کہا کہ جب تم لڑکی نہیں جانے دیتے تو لڑکا ہمارا ہے، اس لئے وہ سلمہ کو حضرت ام سلمہ سے چھیننے لگے، اب سلمہ کو دونوں فریق کھینچنے لگے، یہاں تک کہ سلمہ کا ہاتھ بھی اتر گیا، بالآخر اس کو بنواسد لے گئے، اس طرح یہ تین جگہ ہو گئے، ابوسلمہؓ مدینہ منورہ چلے گئے، ام سلمہؓ اپنے قبیلے بنی مغیرہ کے پاس مکہ مکرمہ میں اور سلمہ بنواسد کے پاس مکہ مکرمہ میں، اس لئے حضرت ام سلمہؓ کی بے قراری اور آزمائش مزید بڑھ گئی، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ بے قرار ہو کر روزانہ صبح کے وقت مقام ''ابطح'' کی طرف نکل جاتیں، اور پورے دن وہاں بیٹھ کر روتی رہتیں، خود فرماتی ہیں کہ کم و بیش ایک سال اسی حال میں گذر گیا تا آنکہ ایک روز میرے چچازاد بھائیوں میں سے ایک وہاں سے گذرا اور اس کو میرے حال پر رحم آیا، اس نے میرے قبیلے بنومغیرہ سے کہا کہ کیا تم کو اس کے حال پر رحم نہیں آتا، تم نے اس غریب پر ظلم کر رکھا ہے، تم لوگوں نے اس کو خاوند اور بیٹے دونوں سے جدا کر دیا ہے، چنانچہ اس کے کہنے سننے پر میرے اہل قبیلہ نے اجازت دیدی کہ تم اپنے شوہر کے پاس جا سکتی ہو، یہ دیکھ کر بنواسد نے بھی میرا بیٹا میرے حوالہ کر دیا، میں نے اونٹ کا انتظام کر کے بیٹے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئی، میں بالکل اکیلی تھی اور کوئی رفیق سفر نہ تھا، دل دل میں کہا کہ کوئی رفیق سفر مل جائے تو اچھا ہے تاکہ میں اپنے شوہر کے پاس پہنچ جاؤں، جب تنعیم میں پہنچی تو اتفاق سے میری ملاقات ''عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ'' سے ہو گئی جو قبیلہ بنوعبدالدار کے ہیں، انہوں نے کہا ''اے ابوامیہ کی بیٹی کہاں کا قصد ہے''؟ میں نے کہا کہ ''مدینہ کا ارادہ ہے''، پوچھا ''تمہارا کوئی رفیق سفر ہے''؟ میں نے کہا کہ ''سوائے اللہ اور اس بچہ کے اور کوئی نہیں''، انہوں نے کہا ''پھر تو تمہاری کوئی منزل نہیں'' اس نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا، جب کسی منزل پر پہنچتا تو اونٹ کو بٹھا کر خود ایک طرف ہو جاتا، پھر جب کوچ کا وقت ہوتا تو اونٹ کے پاس آ کر کجاوہ رکھتا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جاتا اور مجھے کہتا کہ سوار ہو جاؤ، جب میں سوار ہو کر اچھی طرح بیٹھ جاتی تو پھر عثمان بن طلحہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیتا، وہ اسی طریقے سے چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے، جب قبا میں اس نے بنوعمرو بن عوف کی بستی دیکھی تو کہنے لگا کہ تمہارا خاوند یہیں ٹھہرا ہوگا، اور فی الواقع وہ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، چنانچہ میں وہیں اتر گئی، اور عثمان بن طلحہ وہاں سے مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔

حضرت ام سلمہ کہتی تھیں کہ قبول اسلام کے بعد سب سے زیادہ تکالیف ابوسلمہؓ کے خاندان کو پیش آئیں اور میں نے عثمان بن طلحہ جیسا کریم النفس رفیق سفر نہیں دیکھا۔ (۱۵۳)

حضرت ام سلمہ جب قبا پہنچیں تو لوگوں نے ان کے بارے میں معلوم کر کیا اور جب آپ نے یہ بتلایا کہ ابوامیہ بن المغیرہ کی بیٹی ہوں تو لوگوں نے اعتبار نہیں کیا بلکہ تکذیب کی، لیکن جب وہ لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ گئے اور اس بات کی تحقیق ہو گئی کہ حضرت ام سلمہؓ اپنی بات میں سچی ہیں تو ابوامیہ کی شہرت اور عزت کی وجہ سے آپ کی بھی وقعت و عزت ہونے لگی۔ (۱۵۴)

وفات ابو سلمہ، نکاح ثانی و دیگر حالات: حضرت ام سلمہؓ کئی سال اپنے شوہر نامدار حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ رہیں، حضرت ابو سلمہؓ غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم لگا، اس کا علاج کیا، زخم ٹھیک ہو گیا، اوائل محرم الحرام ۴ھ میں حضور ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کو ڈیڑھ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد سے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا، ۲۹؍روز کے بعد واپسی ہوئی، واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا، اور اسی زخم کی وجہ سے آپ نے جمادی الاخری ۴ھ میں انتقال فرمایا۔(۱۵۵)

حضرت ام سلمہؓ نے ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد کہا کہ ''ہائے یہ کیسی غربت میں موت واقع ہوئی'' اور خوب رونے کا ارادہ کیا، لیکن نبی کریم ﷺ کے منع فرمانے پر باز آ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اس طرح کہے ''انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا'' (ترجمہ: بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما)، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مصیبت میں اجر عطا فرماتے ہیں اور اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں، جب حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ''ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے'' لیکن میں نے آپ کے فرمان کے مطابق یہ کلمات کہہ لئے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔(۱۵۶)

حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں، وضع حمل پر عدت گذرنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نکاح کا پیغام دیا، انھوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ یا حضرت عمرؓ کو پیغام نکاح لے کر بھیجا، حضرت ام سلمہؓ نے چار عذر پیش کئے: (۱) میرے اندر غیرت بہت زیادہ ہے (مقصد یہ تھا کہ آپ کی ازواج اور بھی ہیں تو یہ بات میری غیرت کے خلاف ہے) (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میری عمر زیادہ ہے (۴) یہاں میرا کوئی ولی نہیں ہے، حضور ﷺ نے سن کر فرمایا کہ غیرت کے سلسلہ میں میں دعاء کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہاری اس غیرت کو ختم فرما دے گا، اور بچوں کی اللہ تعالیٰ کفالت فرمائیں گے، رہی بات عمر کی تو میں تم سے بڑا ہوں، اور یہ بات کہ کوئی ولی موجود نہیں تو تیرا کوئی ولی اس نکاح کو ناپسند نہیں کریگا، حضرت ام سلمہؓ کو اب کیا عذر ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اپنے بیٹے عمر[1] سے کہا کہ میرا حضور ﷺ سے نکاح کر دو انہوں نے نکاح کر دیا۔(۱۵۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو مہر میں کچھ سامان عنایت فرمایا جس کی قیمت ۱۰ درہم یا چالیس درہم تھی، ایک یا دو چکیاں، ایک یا دو گھڑے، ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی ایک بڑا پیالہ، ایک رکابی۔ واللہ اعلم (۱۵۸)

آپ بہت زیادہ غیرت دار تھی، شروع میں جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے فرطِ غیرت سے اپنی لڑکی زینب کو گود میں بٹھا لیا کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا، ان کے رضاعی بھائی حضرت عمار بن یاسرؓ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین کر لے گئے۔(۱۵۹) بعد میں یہ غیرت حضور ﷺ کی دعاء کی برکت سے کم ہوتی گئی، اور دوسری

ازواج مطہرات ؓ کی طرح رہنے لگیں۔

فضل و کمال: حضرت ام سلمہ ؓ نہایت ہوشیار، صاحب الرائ وصائب الرائ اور کمال عقل والی خاتون تھیں، جس پر صلح حدیبیہ کا واقعہ شاہد عدل ہے کہ چونکہ صلح کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی، اس لئے تمام لوگ نہایت رنجیدہ اور دل شکستہ تھے، اس لئے صلح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو عاشق زار ہونے کے باوجود کوئی بھی آمادہ نہیں ہوا، حالانکہ تین مرتبہ آپ نے یہ حکم دیا اس کے بعد حضور ﷺ خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہ ؓ سے شکایت کی، (قربان جائیں ام سلمہ کے، اللہ تعالیٰ ان کو پوری امت کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے آمین) ام سلمہ ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ؐ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں کیونکہ صحابہ کرام ؓ بہت زیادہ دلبرداشتہ ہیں، البتہ آپ باہر نکل کر ان کے سامنے سر منڈوالیں اور اپنی قربانی فرمادیں، آپ نے ایسا ہی کیا، پھر کیا تھا آپ کو دیکھ کر تمام صحابہ کرام نے اپنی اپنی قربانی کر دی اور سر منڈوالیا۔(١٦٠)

اسی طرح علمی حیثیت سے بھی حضرت ام سلمہ ؓ نہایت بلند رتبہ تھیں، محمود بن لبید ؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات احادیث شریفہ کا مخزن تھیں، مگر حضرت عائشہ وام سلمہ کی کوئی نظیر نہیں تھی۔(١٦١)

حضرت ام سلمہ ؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث الفراسیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمر ابن ام سلمہ ؓ، زینب بنت ام سلمہ ؓ، مصعب بن عبداللہ، عبداللہ بن رافع، نافع ؒ، خیرۃ والدۂ حسن بصری ؒ، سلیمان بن یسار ؒ، ابوعثمان نہدی ؒ، حمید طویل، سعید بن المسیب ؒ، ابووائل، عروۃ بن الزبیر ؒ، کریب مولیٰ ابن عباس، قبیصہ بن ذویب، عکرمہ، صفیہ بنت محصن وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔(١٦٢)

اولاد: حضرت ام سلمہ ؓ کی حضرت ابوسلمہ سے چھ اولاد تھیں تین لڑکے اور تین لڑکیاں:

(١) سلمہ: حبشہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت کے وقت یہی ساتھ تھے، حضور ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ ؓ کی لڑکی ''امامہ'' سے کیا تھا، عبدالملک کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

(٢) عمر ؓ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ٩ ربرس کے تھے، جنگ جمل وغیرہ میں حضرت علی ؓ کے حامی رہے، حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں فارس اور بحرین کے عامل تھے، ٨٣ھ میں وفات پائی۔

(٣) دُرَّہ: حدیث شریف میں ان کا واقعہ ہے کہ آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت ام حبیبہ ؓ نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر میں نے اس کو اپنی پرورش میں نہ بھی لیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہیں تھی، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی ابوسلمہ کی بیٹی ہے، مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔(١٦٣)

(٤) زینب: ان کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں اور بعض ابوسلمہ کے انتقال کے بعد

پیدائش بتاتے ہیں، ان کا نکاح عبداللہ بن زمعہ اسدی کے ساتھ ہوا تھا، یہ اپنے زمانے میں سب عورتوں سے زیادہ فقیہہ تھیں۔

(۵) محمد ابن ابی سلمہؓ۔ (۶) ام کلثوم بنت ابی سلمہؓ۔ (۱۶۴)

وفات: جس سال حرہ کا واقعہ پیش آیا یعنی ۶۳ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں حضرت ام سلمہؓ نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ (۱۶۵)

حلیہ: حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین وجمیل خاتون تھیں، حضرت عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو رشک آیا، بال نہایت گھنے تھے۔ (۱۶۶)

اخلاق و عادات: حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اعراض فرمایا، چنانچہ آپ نے اس کو توڑ دیا، ہر ہفتہ میں تین دن دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھتیں، پہلے شوہر کی اولاد ساتھ تھی نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتیں، اور ثواب کی امیدوار رہتی تھیں۔ (۱۶۷)

اتباع سنت میں بھی اعلیٰ مقام تھا، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "یا ایھا الناس" فوراً باندی سے (جو آپ کے سر میں کنگھی کر رہی تھی) کہا کہ ٹھہر جاؤ اور بالوں کو باندھ کر خطبہ سنا۔ (۱۶۸)

تعداد مرویات: حضرت ام سلمہ سے تین سو اٹھتر (۳۷۸) احادیث شریفہ مروی ہیں، جن میں متفق علیہ روایات کی تعداد ۱۳ ہے، نیز صرف صحیح بخاری میں تین اور صرف صحیح مسلم میں ۱۳ اور دیگر کتب حدیث میں ۳۴۹ تین سو انچاس۔ (۱۶۹)

رضی اللہ عنہا وارضاھا

(۱۳) اہل کتاب صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی

ظن غالب یہ ہے کہ اہل کتاب صحابہ میں آخر میں وفات پانے والے صحابی ''حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ'' ہیں کیونکہ آپ کا سنہ وفات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت ہے، یعنی ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ آخری دور میں وفات پانے والے صحابی ہیں۔ واللہ اعلم

آپ کا نام یوسف، کنیت ابو یعقوب، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو صحابہ کرامؓ کے معمول کے مطابق حضور ﷺ کی خدمت میں دعا و برکت کے واسطے لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پر دستِ شفقت پھیرا، اور ان کا نام ''یوسف'' تجویز فرمایا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو دیکھا کہ کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔

آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں وفات پائی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عمر

اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایتیں نقل کی ہیں، اور جامع ترمذی وسنن ابوداؤد اور مسند احمد میں آپ کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔(۱۷۰)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

آخر میں قارئین کرام سے یہ عرض ہے کہ بندہ نے تلاشِ بسیار کے بعد اور تحقیق کے ساتھ ہی ان آخر میں وفات پانے والے صحابہ کرامؓ کے حالات تحریر کئے ہیں، ممکن ہے کہ کسی کی تحقیق اس کے خلاف ہو، یا کسی شہر میں مثلاً یمن و بحرین وطائف وغیرہ میں یا مثلاً کسی جماعت کے اعتبار سے آخر میں وفات پانے والے کسی صحابی کا نام کسی صاحب کو مل جائے تو بندہ کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں، یہ بندہ پر احسانِ عظیم ہوگا۔

۱ سورۂ آل عمران آیت ۱۹۳ ۲ سورۂ انفال آیت ۷۴
۳ ترجمۂ شیخ الہندؒ ۴ سورۃ التوبہ آیت ۱۰۰
۵ ترجمۂ حضرت تھانویؒ
۶ صحیح بخاری ۱/ ۵۱۸، حدیث ۳۵۴۱، صحیح مسلم ۲/ ۳۱۰ باب تحریم سب الصحابة
۷ جامع ترمذی ۲/ ۲۲۵ باب فیمن سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۸ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۱/ ۳۲، جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۷۰
۹ اسد الغابہ ترجمۂ اردو ۳/ ۱۶۸ ۱۰ لشمائل للترمذیؒ ص ۲
۱۱ اسد الغابہ ترجمۂ اردو ۶/ ۵۵۶، ۵۵۷ ۱۲ اسد الغابہ ۲/ ۹۰۴
۱۳ صحیح بخاری ۱/ ۵۳۵ حدیث ۳۶۶۰، جامع ترمذی حدیث ۳۸۸۸
۱۴ اسد الغابہ ۲/ ۹۹۶، سیر صحابہ جلد سوم حصہ دوم ص ۸ ۱۵ جامع ترمذی حدیث ۳۸۸۸، صحیح بخاری ۱/ ۵۳۵
۱۶ صحیح مسلم ۲/ ۲۸۰ ۱۷ اسد الغابہ ۲/ ۹۹۶، سیر الصحابہ جلد ۳ حصہ دوم ص ۸۲
۱۸ اسد الغابہ ۳/ ۲۰۱، حاشیہ مسند احمد جدید ۳۱/ ۴۴۹ ۱۹ اسد الغابہ ۳/ ۲۰۱، مسند احمد جدید حدیث ۱۹۱۱۵
۲۰ صحیح بخاری ۲/ ۶۱۷، حدیث ۴۱۴۵ ۲۱ مسند احمد ۳۱/ ۴۵۸، حدیث ۱۹۱۱۲
۲۲ سیر الصحابہ ۷/ ۱
۲۳ صحیح بخاری ۱/ ۴۲۴ حدیث ۲۹۳۱؛ مسند احمد ۳۱/ ۴۶۰ حدیث ۱۹۱۱۴
۲۴ مسند احمد ۳۱/ ۴۶۷ حدیث ۱۹۱۲۲ ۲۵ مسند احمد ۳۱/ ۴۵۷ حدیث ۱۹۱۱۱
۲۶ حاشیہ مسند احمد ۳۱/ ۴۴۹، اسد الغابہ ۳/ ۲۰۲، سیر الصحابہ ۷/ ۲
۲۷ سیر الصحابہ ۷/ ۲ ۲۸ حاشیہ نووی علی مسلم ۲/ ۱۴۱-۲۹۱، اسد الغابہ ۱/ ۲۰۸، سیر الصحابہ ۳/ ۱۱۵

۲۹ حاشیہ مسند احمد ۱۹/۸
۳۰ جامع ترمذی فضائل انسؓ حدیث ۳۸۶۱، مسند احمد ۲۰/۸۳ حدیث ۱۲۶۳۷، سیر الصحابہ ۳/۱۱۵-۱۱۶
۳۱ صحیح بخاری ۱/۵۵۸ حدیث ۳۷۸۵
۳۲ مسند احمد ۲۰/۴۲۷ حدیث ۱۳۲۰۵
۳۳ صحیح بخاری ۱/۳۸۸، ۲/۳۹۲، ۲/۱۰۲۱، صحیح مسلم ۲/۲۵۳، مسند احمد ۲۰/۳۳۴ حدیث ۱۳۰۳۴
۳۴ صحیح مسلم ۲/۲۹۹، مسند احمد ۲۰/۱۸۲-۳۲۴ حدیث ۱۲۷۸۴-۱۳۰۲۲
۳۵ مسند احمد ۲۰/۳۳۴ حدیث ۱۳۰۳۳
۳۶ مسند احمد ۲۰/۴۰۹، حدیث ۱۲۱۷۶
۳۷ جامع ترمذی فضائل انسؓ حدیث ۳۸۶۳، مسند احمد ۱۹/۲۰۶ حدیث ۱۲۱۶۴، مشکوٰۃ ص ۳۰، الترغیب والترہیب ۳/۵۴۸
۳۸ اسد الغابہ ۱/۲۰۸
۳۹ مسند احمد ۲۰/۳۹۱ حدیث ۱۳۱۴۰، سیر الصحابہ ۳/۱۱۹
۴۰ فتوح الشام ترجمۂ اردو ص ۳۰
۴۱ صحیح بخاری ۱/۴۳۸
۴۲ تاریخ ملت ۱/۴۴۴، سیر الصحابہ ۳/۱۲۰
۴۳ سیر الصحابہ ۳/۱۲۱
۴۴ سیر الصحابہ ۳/۱۲۲
۴۵ حاشیہ مسند احمد جدید ۱۹/۸، اسد الغابہ ۱/۲۰۹، سیر الصحابہ ۳/۱۲۲
۴۶ اسد الغابہ ۱/۲۱۰، سیر الصحابہ ۳/۱۲۲
۴۷ اسد الغابہ ۱/۲۰۹
۴۸ جامع ترمذی فضائل انسؓ حدیث ۳۸۶۰، صحیح مسلم ۲/۲۹۸، مسند احمد ۱۹/۱۰۹ حدیث ۱۲۰۵۳
۴۹ صحیح مسلم ۲/۲۹۸، اسد الغابہ ۱/۲۰۹
۵۰ جامع ترمذی فضائل انسؓ حدیث ۳۸۶۴
۵۱ سیر الصحابہ ۳/۱۲۳-۱۲۴
۵۲ اسد الغابہ ۱/۲۰۸-۲۰۹، سیر الصحابہ ۳/۱۲۴
۵۳ صحیح بخاری ۱/۳۵۰، مسند احمد ۱۹/۲۲۰ حدیث ۱۲۱۸۲
۵۴ مسند احمد ۱۹/۱۴۶ حدیث ۱۲۰۹۴
۵۵ مسند احمد ۲۰/۴۲۹ حدیث ۱۳۲۰۷-حدیث ۱۲۱۳۳
۵۶ صحیح بخاری ۱/۳۵۱ حدیث ۲۵۱۱، مسند احمد ۱۹/۳۵۸ حدیث ۱۲۳۵۶
۵۷ مسند احمد ۱۹/۴۴ حدیث ۱۱۹۸۴
۵۸ صحیح بخاری ۱/۱۴۹ حدیث ۱۰۸۹، صحیح مسلم ۱/۲۴۵
۵۹ مسند احمد ۱۹/۲۹۷ حدیث ۱۲۲۸۰-۱۲۲۹۷
۶۰ صحیح بخاری ۲/۹۲۳ حدیث ۶۰۰۶، صحیح مسلم ۲/۲۱۴
۶۱ صحیح مسلم ۲/۱۵۳، مسند احمد ۲۰/۲۹۶ حدیث ۱۲۹۸۲
۶۲ مسند احمد ۱۹/۴۶۸ حدیث ۱۲۴۸۵
۶۳ مسند احمد ۱۹/۴۴۷ حدیث ۱۲۴۶۵
۶۴ مؤطا امام مالک ص ۷۶، مسند احمد ۱۹/۴۹۰ حدیث ۱۲۵۰۹
۶۵ جامع ترمذی فضائل انسؓ حدیث ۳۸۶۲
۶۶ سیر الصحابہ ۳/۱۲۷

۶۷ مسند احمد ۲۰/ ۳۸۵ حدیث ۱۳۱۲۴
۶۸ سیر الصحابہ ۳/ ۱۲۷
۶۹ سورۂ اعراف آیت ۵۴
۷۰ حیاۃ الصحابہ ۴/ ۳۲ باب رغبۃ الصحابۃ فی الذکر
۷۱ حیاۃ الصحابہ ۴/ ۱۱۲ باب دعوات الصحابة
۷۲ حیاۃ الصحابہ ۴/ ۳۸۴ باب مواعظ الصحابة
۷۳ اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۶۰۳، اسد الغابہ ۳/ ۲۰۴
۷۴ حاشیہ مسند احمد ۳۶/ ۴۵۱، سیر الصحابہ ۷/ ۲۵۳
۷۵ سیر الصحابہ ۷/ ۲۵۴
۷۶ حاشیہ مسند احمد ۳۶/ ۴۵۱
۷۷ مسند احمد ۳۶/ ۴۵۴ حدیث ۲۲۱۳۹
۷۸ حیاۃ الصحابہ ۴/ ۳۸۴ باب مواعظ الصحابة
۷۹ مسند احمد ۳۶/ ۴۶۱ حدیث ۲۲۱۴۵
۸۰ اسد الغابہ ۳/ ۶۴، ۶/ ۴۴۰، حاشیہ مسند احمد ۳۶/ ۴۵۱، اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۸۶
۸۱ الشمائل للترمذی ص ۱۰
۸۲ اسد الغابہ ۳/ ۲۲۰، اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۶۰۴
۸۳ حاشیہ مسند احمد ۲۵/ ۳۳۹، اسد الغابہ ۵/ ۳۴۰
۸۴ اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۸۹
۸۵ اسد الغابہ اردو ۱/ ۳۶۶، صور من حیاۃ الصحابہ ۵۴۱، سیر صحابہ ۳/ ۲۵۹
۸۶ اسد الغابہ ۱/ ۳۶۶
۸۷ صحیح بخاری ۱/ ۴۱۶، صحیح مسلم ۲/ ۲۸، ۲۹
۸۸ صحیح بخاری ۲/ ۵۸۸، الروض الانف ۳/ ۴۲۰
۸۹ صحیح بخاری ۲/ ۵۹۸
۹۰ صحیح بخاری ۲/ ۶۲۵، الروض الانف ۴/ ۴۱۴
۹۱ سیر صحابہ ۳/ ۲۶۰
۹۲ صحیح بخاری ۲/ ۳۲۴، ۳۹۰، ۵۸۰۔ سیر الصحابہ ۳/ ۲۵۸
۹۳ اسد الغابہ ۱/ ۳۶۶
۹۴ صحیح بخاری ۱/ ۱۷، مسند احمد جدید بیروتی ۲۵/ ۳۳۹، جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۳۰، صفحات من صبر العلماء ص ۴۴، اسد الغابہ ۳/ ۹۸
۹۵ فتح الباری ۱/ ۲۱۹، ۲۲۰، باب الخروج فی طلب العلم
۹۶ اسد الغابہ ۱/ ۳۶۶
۹۷ اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۸۹، سیر صحابہ ۳/ ۲۶۳، ۲۶۴
۹۸ صحیح بخاری ۱/ ۵۱
۹۹ سیر صحابہ ۳/ ۲۶۶
۱۰۰ صحیح بخاری ۱/ ۹۰، صحیح مسلم ۱/ ۲۳۵
۱۰۱ جامع ترمذی مناقب جابر رضی اللہ عنہ حدیث ۳۸۸۲؛ ۳۸۸۳
۱۰۲ اسد الغابہ ۱/ ۳۶۷؛ اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۸۹
۱۰۳ صحیح بخاری ۲/ ۵۸۰، صحیح مسلم ۱/ ۴۷۴
۱۰۴ سیر صحابہ ۳/ ۲۶۲
۱۰۵ اسد الغابہ ۱/ ۳۶۶
۱۰۶ صور من حیاۃ الصحابہ ص ۵۳۹
۱۰۷ اسد الغابہ ۲/ ۹۰۸، اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۹۶
۱۰۸ جامع ترمذی مناقب سعد رضی اللہ عنہ ۳۷۸۱، اسد الغابہ ۲/ ۹۰۶، فتح الباری ۷/ ۹۶
۱۰۹ سیرت ابن ہشام ۱/ ۴۳۱
۱۱۰ صحیح البخاری ۱/ ۵۲۷، ۵۲۸ مناقب سعد رضی اللہ عنہ

۱۱۱ فتح الباری ۷/۹۶، ۹۷
۱۱۲ الخصائص الکبریٰ ۱/۱۲۲، سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۶۲، ۱۶۳۰
۱۱۳ صحیح مسلم ۲/۲۸۱، جامع ترمذی تفسیر سورۂ عنکبوت حدیث ۳۲۱۳، تفسیر ابن کثیر ۳/۴۴۷
۱۱۴ اسد الغابہ ۲/۹۰۶
۱۱۵ سیرت ابن ہشام ۳/۳۱، سیرۃ المصطفیٰ ۲/۲۵
۱۱۶ سیرت ابن ہشام ۳/۴۱، اصح السیر ص ۸۱، سیرۃ المصطفیٰ ۲/۴۶
۱۱۷ اصح السیر ص ۸۱
۱۱۸ سیرت ابن ہشام ۲/۴۲، ۴۳، اصح السیر ص ۹۳
۱۱۹ صحیح مسلم ۲/۸۵۔۲۸۱، جامع ترمذی تفسیر سورۂ انفال حدیث
۳۱۰۲، الروض الانف ۳/۱۹
۱۲۰ صحیح بخاری ۲/۵۸۰، ۵۸۱، صحیح مسلم ۲/۲۸۰
۱۲۱ صحیح مسلم ۲/۲۸۱
۱۲۲ صحیح بخاری ۱/۱۷۳، صحیح مسلم ۲/۳۹۔۴۰
۱۲۳ حاشیۂ نووی علی مسلم ۲/۴۰
۱۲۴ تاریخ ملت ۱/۲۲۱، سیر الصحابہ ۲/۱۴۶
۱۲۵ تاریخ ملت ۱/۲۳۰
۱۲۶ مسلم ۲/۳۹۶ عن جابر بن سمرہؓ
۱۲۷ سورہ دخان پ ۲۵/ آیت ۲۵/۲۸
۱۲۸ تاریخ ملت مختصرا ۱/۲۳۳۔۲۳۹
۱۲۹ صحیح بخاری ۱/۱۰۴، فتح الباری ۲/۲۹۵
۱۳۰ صحیح بخاری ۱/۵۲۸
۱۳۱ صحیح بخاری ۱/۵۲۴
۱۳۲ سیر الصحابہ ۲/۱۵۷
۱۳۳ سیر الصحابہ ۲/۱۵۸
۱۳۴ اسد الغابہ ۲/۹۰۸، فتح الباری ۷/۹۶، اسماء الرجال مشکوٰۃ ص ۵۹۶
۱۳۵ صحیح مسلم ۲/۲۸۰
۱۳۶ مسلم ۱/۴۴۱ فضائل المدینہ
۱۳۷ جامع ترمذی فضائل سعد حدیث ۳۷۸۰
۱۳۸ جامع ترمذی حدیث ۳۷۸۱
۱۳۹ صحیح بخاری ۲/۵۸۰۔۵۸۱، صحیح مسلم ۲/۲۸۰
۱۴۰ صحیح مسلم ۲/۲۸۱
۱۴۱ صحیح مسلم ۲/۲۸۰
۱۴۲ جامع ترمذی فضائل عبد الرحمٰن بن عوف حدیث ۳۷۷۵، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۶
۱۴۳ اسد الغابہ ۲/۹۰۸
۱۴۴ اسد الغابہ ۲/۹۰۸، سیر الصحابہ ۲/۱۶۲
۱۴۵ سیر الصحابہ ۲/۱۶۳
۱۴۶ اسماء رجال مشکوٰۃ ص ۵۸۵، اسد الغابہ ۵/۶، ۸۶/۴۳۸، سیر الصحابہ ۳/۲۳۹
۱۴۷ اسد الغابہ ۶/۴۳۸، سیر الصحابہ ۳/۲۳۹
۱۴۸ صحیح بخاری ۱/۵۳۴، ۵۳۷
۱۴۹ صحیح بخاری ۲/۵۶۷
۱۵۰ اسد الغابہ ۵/۶، ۸۶/۴۳۸
۱۵۱ سیر الصحابہ ۳/۲۳۹

١٥٢ صحیح بخاری [illegible] حدیث [illegible] اصح السیر ص [illegible] سیر الصحابہ ١/٥١

١٥٣ سیرت ابن ہشام ٢/٢٩١، اسد الغابہ ١/٩٨٥

١٥٤ مسند احمد [illegible] حدیث [illegible]، اصح السیر ص ٥٧٨

١٥٥ اصح السیر ٥٧٨،٥٧٥، سیرۃ المصطفی ٣/٣٠٤

١٥٦ صحیح مسلم ١/٣٠٠، ٣٠١۔ کتاب الاذکار للنووی ص ١١٨

١٥٧ صحیح مسلم ١/٣٠٠، سنن نسائی ٢/٦٣ باب النکاح الابن امه، مسند احمد حدیث ٢٦٦٦٩۔٢٦٧٢١

١٥٨ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ٤/٤٢٨، مسند احمد ٤٤/١٥٠، ٢٦٩ حدیث ٢٦٥٢٩۔٢٦٦٦٩

١٥٩ مسند احمد ٤٤/١٥٠ حدیث ٢٦٥٢٩

١٦٠ الروض الانف ٤/٥٤

١٦١ سیر الصحابہ ٦/٦٦

١٦٢ سیر الصحابہ ٦/٦٨

١٦٣ صحیح بخاری ٢/٦٤٧ حدیث ٤٩١٠

١٦٤ رحمۃ للعالمین ٢/١٦٦۔ اصح السیر ٥٨٢

١٦٥ اصح السیر ص ٥٨١۔ سیر الصحابہ ٦/٦٣

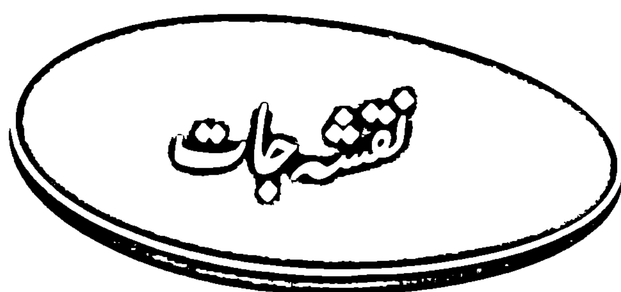
١٦٦ سیرۃ المصطفی ٣/٣٠٧، سیر الصحابہ ٦/٦٥

١٦٧ سیر الصحابہ ٦/٦٩

١٦٨ صحیح مسلم ص ٢/٢٥٠

١٦٩ رحمۃ للعالمین ٢/١٦٦

١٧٠ اسد الغابہ ٥/٤٢٨، سیر الصحابہ حصہ ١١/٦/٢٤٤


نقشہ جات

مولانا امداد اللہ صاحب

سرادارانِ عرب صحابہ رضی اللہ عنہم ایک نظر میں

درج ذیل نقشہ اس تاریخی حقیقت سے آشنا کراتا ہے کہ عربوں میں دینِ اسلام کا داعیہ بغیر کسی تگ و دو اور جدو جہد کے نہیں پیدا ہوا؛ بلکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سرپرستی ایک منظم تحریک کے نتیجے میں ان کے اندر یہ شجرۂ طوبیٰ جڑ پکڑ سکا۔

چنانچہ یہ جدول عرب کے تقریباً ۲۰/ سردار اور ذہین ترین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر پر مشتمل ہے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اصحاب رضی اللہ عنہم کی حکمت آمیز تبلیغ اور قابلِ قدر نصائح سے متاثر ہو کر اسلام کی آغوش میں آئے، پھر ان میں سے ہر ایک کی ذات ایک جماعت اور پوری قوم کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی:

نمبرشمار	صحابی	قبول اسلام کا سن	جاہلیت میں مقام	اسلام میں نمایاں کارنامے
۱	حضرت اُسید بن حضیر	۱ قبل الہجرۃ	قبیلۂ اوس کے ایک سردار	مدینہ طیبہ میں دعوتِ اسلام کو عام کیا
۲	حضرت اکثم بن صیفی	۷ھ کے قریب	بنوتمیم کے ایک سرکردہ لیڈر اور عرب کے ایک دانشمند	بنوتمیم کی ہدایت میں نمایاں رول ادا کیا
۳	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	۷ قبل الہجرۃ	مکہ مکرمہ کے ایک عظیم سردار	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر خاص اور عظیم ترین مجاہد، سید الشہداء
۴	حضرت حویطب بن عبد العزی العامری	۷ھ	مالیات کے سلسلہ میں قریش کے سفیر اور ایک سخی و غنی شخصیت	غزوۂ حنین کے لشکر کی تیاری میں نمایاں کردار نبھایا
۵	حضرت خالد بن ولید	۷ھ	قریش کے ایک شریف ترین شخص، خیموں، گھوڑسواروں، نیز غلاف کعبہ کے ذمہ دار	مرتدین کے خلاف جنگوں کی کامیابیاں اور شام کی فتوحات
۶	حضرت سعد بن عبادہ	۱ قبل الہجرۃ	قبیلۂ خزرج کے سردار، بنوساعدہ کے نقیب، اور نہایت سخی شخصیت	قبیلۂ خزرج کی ہدایت کا اہم ذریعہ اور دعوتِ اسلام کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے والے
۷	حضرت سعد بن ابی معاذ	۱ قبل الہجرۃ	قبیلۂ اوس کے سردار اور سرکردہ رہنما	قبیلۂ اوس کی ہدایت کا اہم ذریعہ اور مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے میں نمایاں کردار ادا کیا

۸	حضرت سہیل بن عمرو	۸ھ	قریش کے خطیب اوران کے شریف ترین اورانتہائی ذہین سردار	مکہ مکرمہ کی فتنہ ارتداد سے حفاظت
۹	حضرت ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ	۸ھ	قریش کی ایک شریف ترین شخصیت اورغزوۂ بدر کے بعدان کے سپہ سالاراعظم	فتح مکہ کے دن خونریزی روکنے میں اہم رول ادا کیا اورطائف کے بتوں کومنہدم کیا
۱۰	حضرت صفوان بن امیہ الجمحی	۹ھ	امورقرعہ اندازی کے ذمہ داراورقریش کے انتہائی شریف اورفصیح ترین شخص اورعربوں میں اسلحہ کے سب سے بڑے تاجر	غزوۂ حنین کے لشکر کی تیاری میں اہم رول ادا کیا
۱۱	حضرت عباس بن عبد المطلب	۸ھ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا	عام سفارت وتعمیروترقی نیز خانہ کعبہ کی تعمیرو تنظیم اورآب نوشی کے ذمہ دار،قریش کے ایک سخی ترین سردار	حضرت ابوسفیان کی ہدایت کا ذریعہ،اورنبی کریم ﷺ اورخلفاءراشدین کے مخلص وخاص مشیر
۱۲	حضرت عروہ بن مسعود الثقفی	۹ھ	طائف کی ایک شریف شخصیت اوربنوثقیف کے سردار	اہل طائف کی ہدایت میں نمایاں کردارادا کیا
۱۳	حضرت عکرمہ بن ابی جہل	۹ھ	مشہورشہسوار،اوراپنے والدکی موت کے بعد مکہ کے سرگرم لیڈر	شام کی فتوحات کے ایک اہم قائد،جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا
۱۴	حضرت عمربن الخطاب	۷قبل الھجرۃ	قریش کے ایک مایہ نازاورقابل فخرسرداراور جنگی سفیر	نبی کریم ﷺ کے دوسرے خلیفہ،آپ کے دورمیں شام اورعراق کی فتوحات حاصل ہوئیں
۱۵	حضرت عمروبن العاص	۷ھ	عرب کی ایک نہایت زیرک شخصیت اور گفتگوو بحث ومباحثہ میں حسن خلق کے خوگر	شام کےفتوحات میں شریک کاررہے،اورمصرکی فتح سے تاریخ اسلام کومزین کیا
۱۶	حضرت مثنی بن حارثہ	۳قبل الھجرۃ	بنوشیبان کے بزرگ اوران کے جنگی اہل کار	عراق کی فتح میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں
۱۷	حضرت ابوبکرصدیق	۸قبل الھجرۃ	قریش کے ایک جلیل القدرسردار،اوردیت و نسب کے ذمہ دار	نبی کریم ﷺ کے پہلے خلیفہ،وفات نبوی کے بعد سراٹھانے والے فتنہ ارتدادکانہایت جواں مردی سے قلع قمع کیااورفتوحات اسلامی کا دروازہ کھولا

دعوتِ اسلام کے حاملین صحابۂ کرام ؓ پر ایک نظر

اسلام کے دعوتی مشن کو اپنا مقصد زندگی بنانے والے صحابۂ کرام کے اسماء کو ایک مختصر خاکے میں سمونا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ صحابہ میں سے ہر ایک کی زندگی اسی مقصد عظیم سے عبارت ہے، درج ذیل نقشہ زائد از بیس ایسے قابل ذکر مبلغین صحابہ کی جھلک پیش کرتا ہے، جنہوں نے اولاً مدرسہ نبوی سے اعلیٰ حکمت ونصیحت کی ٹریننگ حاصل کی، پھر دعوتِ اسلام کے حوالے سے ان کی قابل قدر کاوشوں نے انسانی تاریخ کی کایا پلٹ دی، ہمیں قوی امید ہے کہ میدانِ تبلیغ کے شہ سواروں کو ان صحابہ کے ذکر سے حوصلہ ملے گا اور وہ انہیں اپنا اسوہ اور آئیڈیل بنائیں گے، مزید برآں جلیل القدر صحابہ کی عمریں بھی نگاہوں میں رہیں، کہ ان میں سے اکثر سن شباب پر فائز تھے، اسی مقصد کے تحت حتی الوسع ان کی عمریں بھی پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے:

نمبر شمار	صحابی	قبول اسلام کے وقت ان کی عمر	میدانِ دعوت کی اہم سرگرمیاں
۱	حضرت جعفر بن ابو طالب	۲۰/سال	بادشاہِ حبشہ نجاشی کو دعوتِ اسلام اور حبشہ میں اسلام کی اشاعت
۲	// حاطب بن ابی بلتعہ		شاہ مصر مقوقس کو اسلام کی تئیں مطمئن کیا؛ لیکن اسے اسلام کی توفیق نہ ملی، اور آپ ہی کی دعوت کے صلہ میں عراق وشام کی فتوحات کے دوران مسلمان مصر پر قابض ہوسکے
۳	// خالد بن ولید		نجران میں بنو حارث بن کعب کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بنے
۴	// دحیہ بن خلیفہ الکلبی		نبی پاک نے ان کو اولاً شاہِ روم قیصر اور پھر دمشق کی جانب بھیجا، جہاں وہ چالیس سال مقیم رہ کر دعوت الی اللہ کا کام انجام دیتے رہے
۵	// زید بن حارث الصدائی		اپنی قوم صداء کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ
۶	// سعد بن معاذ	۳۲/سال	اپنے قبیلہ بنو عبد الاشہل اور پھر پورے قبیلہ اوس کے قبول اسلام کا اہم ذریعہ بنے
۷	// ضمام بن ثعلبہ		بنو سعد بن بکر کی ہدایت کا اہم سبب

۸	// طفیل بن عمرو الدوسی			قبیلہ دوس کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ، جن میں حضرت ابو ہریرہ بھی شامل ہیں
۹	// عبدالرحمن بن عوف	۲۲/سال		دومۃ الجندل کے باشندوں کے قبول اسلام کا اہم سبب
۱۰	// عروہ بن مسعود الثقفی			مقتول ہونے کے بعد بنو ثقیف کے اسلام لانے کا سبب بنے
۱۱	// علاء بن الحضرمی			شاہ بحرین منذر بن ساوی اور اہل بحرین، نیز ہجر کے باشندوں اور ان کے والی مرزبان فارسی کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ
۱۲	// علی بن ابی طالب	۹/سال		قبیلۂ ہمدان و دیگر قبائل کے اسلام کا اہم ذریعہ بنے
۱۳	// عمرو بن امیہ الضمری			شاہ حبشہ نجاشی کے قبول اسلام کا سبب بنے
۱۴	// عمرو بن مرہ الجہنی			اپنی قوم جہینہ کے قبول اسلام کا ذریعہ وسبب
۱۵	// عمیر بن وہب			آپ کے ہاتھوں پر مکہ مکرمہ کے ایک جم غفیر نے اسلام قبول کیا
۱۶	// مصعب بن عمیر	۲۴/سال		اہل مدینہ کے اسلام کا اہم محرک بنے
۱۷	// معاذ بن جبل	۱۷/سال		اہل یمن کے قبول اسلام اور ان کی تعلیم و تربیت کا کام انجام دیا، نیز وہاں اہل کتاب کو اسلام کی دعوت بھی دیتے رہے
۱۸	// ابوامامہ باہلی			اپنی قوم بنو باہلہ کی ہدایت کا ذریعہ
۱۹	// ابوبکر صدیق	۳۹/سال		اسلام کے اولین وابستگان کے رجوع الی الاسلام کا محرک
۲۰	// ابوذر غفاری			قبیلۂ غفار اور ان کے پڑوسی قبیلۂ اسلم، نیز حویطب بن عبد العزی کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ بنے
۲۱	// ابوموسی اشعری			یمن کے علاقے زبید اور عدن میں کئی سال دعوت کا کام انجام دیتے رہے، پھر کوفہ میں سکونت اختیار کرلی، جہاں آپ کا دولت کدہ دعوت و تبلیغ کا سرچشمہ بن گیا۔

نوجوان صحابۂ کرام ؓ ایک لڑی میں

یہ نقشہ اس امر واقعی کا عکاس ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت عظمی اور عظیم تبلیغ کی ذمہ داری نوجوانوں کے شانوں پر ہی رہی ہے اور دیگر اصلاحی انقلاب کی طرح اسلامی تاریخ بھی کامیابی کا سہرا نوجوانوں ہی کے سر باندھتی ہے۔

ذیل میں سرخیل صحابہ کے تقریباً بیس اسمائے گرامی مذکور ہیں، جن کے مایۂ ناز کارنامے ان کے سن رسیدہ اور معمر ہونے کا تقاضہ کرتے ہیں؛ حالاں کہ جب ہم ان کی کتاب زندگی کو پلٹ کر دیکھتے ہیں تو آنکھیں خیرہ رہ جاتی ہیں کہ یہ تو سب کے سب شباب اور عنفوانِ شباب کے مرحلے سے گذر رہے ہیں۔

اس پاکیزہ و مقدس جماعت کے قابل قدر کارنامے، شخصیت سازی اور نسلِ جدید کی تعلیم و تربیت میں ایک باتوفیق مربی کی اثر اندازی کی واضح ترین دلیل ہیں، بلفظِ دیگر یہ حضرات نبی پاک ﷺ کی بے لوث تربیت کے جیتے جاگتے نمونے ہیں، جس نے انہیں بچپن سے نکال کر شباب اور پھر شباب سے حکمرانی و سرداری کے منصب پر فائز کردیا۔

نمبر شمار	صحابی	بوقت اسلام ان کی عمر	وفات نبوی کے وقت ان کی عمر	اہم کارنامے
۱	حضرت ارقم بن ابی الارقم	۱۹/سال	۴۲/سال	اسلام کے ابتدائی حاملین میں سے ہیں اور دعوتِ اسلام کے مرکز کے لئے سب سے پہلے آپ ہی کا دولت کدہ منتخب ہوا۔
۲	// اسامہ بن زید	بچپن میں مشرف باسلام ہوئے	۱۷/سال	حضور اکرم کے چہیتے اور آپ کے لاڈلے کے فرزند، ۱۷/سال کی عمر میں شام کے لشکر کے سالار بنے، جس میں شیخین بھی شامل تھے۔
۳	// بلال بن رباح	۳۰/سال	۴۷/سال	اسلام کے ابتدائی متبعین میں سے ہیں، والدین کے مقتول ہونے کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے، آپ رسول اللہ کے مؤذن تھے اور شام میں اسلام کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔
۴	// جعفر بن ابوطالب	۲۰/سال	حضور سے پہلے ہی وفات پاگئے	مہاجرین حبشہ کے امیر اور اسلام کے عظیم ترین داعی تھے، جنگ موتہ میں بطور سالار شرکت کی اور وہیں جام شہادت نوش فرمایا۔

۵	// خباب بن الارت	۱۷/سال	۳۲/سال	اسلام کے اولین متبعین میں سے ہیں، راہ خدا میں تکلیف برداشت کرنے اور صبر کا دامن تھامے رہنے میں ضرب المثل تھے۔
۶	// زبیر بن العوام	۱۴/سال	۳۸/سال	اللہ کے رسول ﷺ کے حواری، اسلام کے اولین پیرو کار اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔
۷	// زید بن ثابت	بچپن میں مشرف باسلام ہوئے	۱۷/سال	کاتب وحی اور صحابہ کے معتبر علماء میں سے ہیں، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کریم کو مصاحف میں جمع کرنا ہے۔
۸	// سعد بن ابی وقاص	۱۷/سال	۳۹/سال	عشرۂ مبشرہ میں آپ کا شمار ہے، اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے کا شرف آپ کو حاصل ہے، قادسیہ کے قائد، مدائن کے فاتح اور کوفہ کے امیر ہیں، آپ مستجاب الدعوات تھے، نبی کریم ﷺ سے ۲۷۰/روایات نقل کی ہیں۔
۹	// سعید بن زید	۱۸/سال	۳۵/سال	اسلام کے اولین حاملین اور عشرۂ مبشرہ میں آپ کا شمار ہے، آپ حضرت عمر ﷺ کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔
۱۰	// صہیب بن سنان	۱۹/سال	۳۴/سال	جلیل القدر مجاہد اور عظیم تیر انداز تھے۔
۱۱	// طلحہ بن عبید اللہ	۱۵/سال	۳۷/سال	عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، متعدد سرایا میں امیر مقرر کیے گئے، حضرت عثمان ﷺ کی مقرر کردہ کمیٹی کے رکن تھے۔
۱۲	// عبد اللہ بن عباس	بچپن میں مشرف باسلام ہوئے	۱۴/سال	حبر الامت اور ترجمان القرآن آپ کا خطاب ہے، صحابہ کے عظیم المرتبت علماء میں آپ کا شمار ہے۔
۱۳	// عبد اللہ زبیر	بچپن میں مشرف باسلام ہوئے	۱۱/سال	منجملہ علماء صحابہ کے ہیں، آٹھ سال خلافت پر فائز رہے۔
۱۴	// عبد اللہ بن عمر	بچپن میں مشرف باسلام ہوئے	۲۰/سال	آپ منجملہ علماء صحابہ کے ہیں اور سب سے زیادہ حضور ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کا اتباع و التزام کرنے والے تھے، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۶۳۰/ ہے۔
۱۵	// عبد اللہ بن عمرو	۱۵/سال	۱۹/سال	اسلام کے عظیم ترین علماء میں سے ہیں، آپ نے علم ''مقارنۃ الأدیان'' کی داغ بیل ڈالی، نبی کریم سے ۷۰۰/حدیثیں روایت کی ہیں۔
۱۶	// عبد اللہ بن مسعود	۱۷/سال	۳۷/سال	صحابہ میں سب سے بڑے علماء و فقہاء میں سے ہیں، آپ آں حضرت ﷺ کے انتہائی مقرب تھے، حتی کہ بعض لوگ آپ حضور ﷺ کے گھر کا فرد سمجھتے تھے، آپ کی مرویات ۸۴۸/ہیں

۱۷	// عتاب بن اسید	۲۴/سال	۲۷/سال	پچیس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ نے آپ کو مکہ کا عامل مقرر کیا۔
۱۸	// علی بن ابی طالب	۹/سال	۳۲/سال	چوتھے خلیفۂ راشد، علم کے خزینہ، صحابہ میں قضاء کے سب سے بڑے عالم، عظیم ترین مجاہد، اور یمن کے سب سے بڑے قبیلہ ہمدان کی ہدایت کا ذریعہ ہیں، نبی پاک ﷺ نے آپ کو "اسد اللہ الغالب" کے خطاب سے نوازا۔
۱۹	// عمیر بن ابی وقاص	۹/سال	حضور سے پہلے وفات پاگئے	غزوۂ بدر میں سب سے پہلے شہادت سے سرفراز ہوئے، اس وقت آپ کی عمر ۱۶/سال تھی۔
۲۰	// معاذ بن جبل	۱۷/سال	۲۷/سال	بقول نبی کریم ﷺ صحابہ میں سب سے زیادہ حلال وحرام کے عالم تھے، اور اسلام کے کامیاب ترین داعی ہیں ؛ چنانچہ یمن میں اسلام کی اشاعت اور شام میں علم کی اشاعت میں آپ کا بڑا عظیم کردار رہا ہے، آپ کی مرویات ۱۵۷/ ہیں۔

پروفیسر یاسین مظہر صدیقی

مہموں کے قائدین صحابہ رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	قائد مہم کا نام	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	تعداد مجاہدین	مخالفین/ منازل	اسمائے افسر مخالف	تعداد مخالفین	نوعیت مہم	نتیجۂ مہم	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت حمزہ بن عبد المطلب	قریش/ ہاشم	الف	سیف البحر	رمضان ۱ھ/ مارچ ۶۲۳ء	۳۰ (رکاب)	قریش	ابوجہل مخزومی	۳۰۰ کارواں والے	کارواں	بلا تصادم	۵۹۵	۱۰-۹	۲/۶	انساب ۱/۳۷۱	۲/۴۰۲	۲/۵۰-۴۶
۲	// عبیدہ بن حارث	قریش/ مطلب	//	رابغ	شوال ۱ھ/ اپریل ۶۲۳ء	۸۰-۶۰ (رکاب)	//	ابوسفیان/ عکرمہ/مکرز	۲۰۰ //	//	//	۵۹۱	۱۱-۱۰	۲/۷	// //	۲/۴۰۳-۴۰۲	۳/ ۳۵۶-۷
۳	// سعد بن ابی وقاص	قریش/ زہرہ	//	خرار	ذیقعدہ ۱ھ/ مئی ۶۲۳ء	۲۱-۸ (رجال)	//	//	۲۰ //	//	بلا تصادم و بلا اتصال	۶۰۰	۱۱	۲/۷	// //	۴۰۳	۲/۹۳-۹۰
۴	// عبداللہ بن جحش	اسد خزیمہ/بنی غنم بن دودان	//	نخلہ	رجب ۲ھ/ جنوری ۶۲۴ء	۱۲-۸ (بعیر)	//	//		//	حملہ و غنیمت	۶۰۱	۱۹-۱۳	۱۱-۱۰	// ۳۷۱-۳	۱۵-۴۱۰	۳/۲-۱۳۱
۵	// عمیر بن عدی	اوس/خطمہ	د	اسماء بنت مروان	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	۱ (راجل)	بنو امیہ بن زید/خطمہ	//	.	فوجی	کامیاب	۶۳۶	۴-۱۷۲	۲۸-۲۷	۳۷۳//	//	//
۶	// سالم بن عمیر	خزرج/ نجار	//	ابوعفک یہودی	شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	//	یہود	//	.	//	//	۶۳۵	۵-۱۷۴	۲۸	۴-۳۷۳//	//	۲/ ۸-۲۴۷
۷	// محمد بن مسلمہ	اوس/عبد الاشہل	//	کعب بن اشرف	ربیع الاول ۳ھ/ اگست ستمبر ۶۲۴ء	۵ (رجال)	//	//		//	//	۶۰۹	۹۳-۱۸۴	۵۷	۳۷۳//	۹۱-۴۸۹	۴/۳۳۰

۸	// زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	الف	القردہ	جمادی الآخرہ ۳ھ/ نومبر ۶۲۴ء	۱۰۰ (راکب)	قریش	صفوان بن امیہ جحمی	.	کارواں/ فوجی	//	۶۰۹	۱۹۷-۸	۳۶	//	۲۸۹-۳	۲/ ۲۲۲-۷
۹	//سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	س/ بدری	القردہ (تتمہ)	// //	//	//	//	.	//	//	//	//	//	//	۱۵۳/۳	۲۷۹-۸/۲
۱۰	//ابوسلمہ بن عبد الاسد	قریش/ مخزوم	الف	قطن	محرم ۴ھ/ جون ۶۲۵ء	۱۵۰ //	اسد/خزیمہ	//	.	فوجی	//	۵۹۸	۳۳۰-۳۶	۵۰	۳۷۳-۵//	۱۵۵/۳	۲۱۸/۵
۱۱	//عبداللہ بن اُنیس	خزرج	س	سفیان لحیانی	// //	۱ (راجل)	لحیان/ ہذیل	سفیان لحیانی	.	//	//	۶۱۹	۳۱-۳۳	۵۰-۵۵	۳۷۶ //	۱۵۶/۳	۱۲۰-۱/۳
۱۲	// منذر بن عمرو	خزرج/ ساعدہ	د	بئر معونہ	صفر ۴ھ/ جولائی ۶۲۵ء	۴۰-۷۰	سلیم/ بنو عامر	//	.	مذہبی/ تبلیغی	سب شہید	۶۰۹	۳۴۶-۵۳	۵۱-۵۴	۳۵۷ //	۵۳۵-۸	۳۱۸-۱۹
۱۳	//مرثد بن ابی مرثد	قیس عیلان/ غنی	ب	رجیع	// //	۷-۱۰	لحیان	//	.	//	//	۶۰۹/۲ ۱۲۹	-۲۳ ۳۵۳	۵۵-۶	۳۷۵-۶	۳۵۸	۳۳۵/۴
۱۴	//عبداللہ بن عتیک	خزرج/ سلمہ	س	ابورافع یہودی	ذی الحجہ ۴ھ/ مئی ۶۲۶ء	۵	ابورافع	ابورافع	.	فوجی	کامیاب	۶۱۹	۳۹۱-۵	۹۱-۲	۳۷۶ //	۴۹۳-۹	۳۵۸/۴
۱۵	//عمرو بن امیہ (۱)	کنانہ/ضمرہ	س	مکہ	//	۲	قریش	ابوسفیان	.	//	ناکام	۶۳۳	//	۹۳-۴	۳۷۹-۸۰//	۴۹۳-۹	۳۵۸/۴
۱۶	// محمد بن سلمہ	اوس/عبد الاشہل	د	القرطاء	محرم ۶ھ / جون ۶۲۷ء	۳۰	بکر بن کلاب	//	.	//	کامیاب	۶۱۱/۲	۵۳۴-۵	۷۸	۳۷۶ //	۱۵۵/۳	۳۳۰/۴
۱۷	//عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/ بنو غنم	د	الغمر	ربیع الثانی ۶ھ/ اگست و ستمبر ۶۲۷ء	۴۰	اسد	//	.	//	//	//	۵۵۰-۱	۴۸-۵	// //	۶۴۰	۲-۳/۴
۱۸	// محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د	ذوالقصہ	// //	۱۰	ثعلبہ	//	۱۰۰	فوجی	کامیاب	//	۵۵۱-۲	۸۵	۳۷۷/۱	۶۴۰	۲-۳/۴
۱۹	//ابوعبیدہ بن جراح (۲)	قریش/ فہر بن حارث	الف	//	// //	۴۰	//	//	۱۰۰	//	//	۶۰۹	۵۵۲	۵۸-۶	۳۷۷ //	۶۳۱	۲۳۹/۵

٢٠	// زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	//	الجموم	// //	٠	سلیم	//	٠	//	//	٦١١-٢	٥٥٣	٨٦	// //	//	٣٣٣/٢
٢١	// // //	// //	//	العیص	جمادی الاولیٰ ٦ھ/ ستمبر اکتوبر ٦٢٧ء	١٧٠	قریش	ابو العاص بن ربیع	٠	کارواں/ فوجی	//	//	٥٥٣-٥	٨٧	// //	//	//
٢٢	// // //	// //	//	الطرف	جمادی الآخرہ ٦ھ/ اکتوبر نومبر ٦٢٧ء	١٥	ثعلبہ	//	٠	فوجی	//	٦١٦	٥٥٥	//	// //	//	//
٢٣	// // //	// //	//	حِسمیٰ	// //	٥٠٠	جذام	//	٠	//	//	٦١١-٢	٥٥٥-٦٠	٨٨	// //	//	//
٢٤	// // //	// //	//	وادی القریٰ	رجب ٦ھ/ نومبر دسمبر ٦٢٧ء	//	فزارہ/ غطفان	بدر بن فزارہ	٠	//	//	//	//	٨٩	// ٣٧٧-٨	٦٣٢	//
٢٥	// عبدالرحمٰن بن عوف	قریش/ زہرہ	//	دومۃ الجندل	شعبان ٦ھ/ دسمبر ٦٢٧ء جنوری ٦٢٨ء	٧٠٠	کلب	الاصبغ بن عمرو	٠	//	//	٦٣٢	٥٦٠-٦٢	//	٣٧٨//	//	/٣ ٣١٣-١٧
٢٦	// علی بن ابی طالب	// /ہاشم	//	فدک	// //	١٠٠	سعد	وبر بن علیم	٢٠٠	//	//	٦١١-٢	٥٦٢-٣	٨٩-٩٠	// //	//	١٦-٣٠/٣
٢٧	// زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	//	ام قرفہ	رمضان ٦ھ/ جنوری فروری ٦٢٨ء	//	بدر بن فزارہ	//	٠	//	//	//	٥٦٣-٥	٩٠-٩١	// //	٦٣٣-٣	/٣ ١٥٦-٩
٢٨	// عبداللہ بن رواحہ	خزرج/ حارث	د	اسیر بن رازم	شوال ٦ھ/ فروری مارچ ٦٢٨ء	٣٠	یہود خیبر	اسیر بن رازم	٠	//	//	٦١٨	٥٦٦-٨	٩٢-٣	// //	١٥٥-٣	/٣ ١٥٦-٩
٢٩	// کرز بن جابر	قریش/ الظواہر/فہر	ط	الحرہ	قبل حدیبیہ	٢٠	عرینہ	٠	٠	//	//	٦٣٠	-٧١ ٥٦٨	٩٣	٣٧٨-٩//	٦٣٣	٣٣٣/٣
٣٠	// عبداللہ بن المستم	قیس عیلان/ عبس	ط	شاہراہ شام	//	٩	قریش	٠	٠	//	//	//	//	-٦/١ ٦٩٥	//	٩/٣	اصابہ ١٢٥/٣
٣١	// زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	الف	مدین	محرم ٧ھ/ مئی - جون ٦٢٨ء	٠	مدین	٠	٠	//	//	٦٣٥	//	//	//	//	/٢ ٢٣٣-٧

۳۲	//ابان بن سعید	قریش/ بنوامیہ	ع	نجد	شعبان ۷ھ/ دسمبر ۶۲۸ء	•	//	•	•	//	//	//	//	//	//	//	۱/۷-۳۵
۳۳	//عمر بن الخطاب	//عدی	ب	تربہ	// //	۳۰	ہوازن	•	•	//	//	۶۰۹	۷۲۲	۱۱۷	۳۷۹/۱	۲۲/۳	۵۲-۷/۲/۳
۳۳	// ابوبکر بن ابی قحافہ (۳)	// تمیم	الف	نجد	// //	•	ہوازن/ کلب	•	•	//	//	//	//	۱۱۷-۸	//	۲۳۳/۳ ۲۲/۳	۳/ ۲۰۵-۲۳
۳۵	//بشیر بن سعد	خزرج/حارث	و	فدک	// //	۳۰	غطفان/مُرّہ	•	•	//	ناکام	۶۱۱-۱۲	۷۲۳	۱۲۰	//	۲۲/۳	۱۹۵/۱
۳۶	//غالب بن عبداللہ	کنانہ/لیث	//	//	// //	۲۰۰	//	•	•	//	کامیاب	۶۲۲	۷۲۳-۶	۱۲۶	//	//	۱۶۸/۳
۳۷	// // //	// //	//	ثعلبہ	رمضان ۷ھ/ جنوری ۶۲۹ء	۱۳۰	ثعلبہ	•	•	//	//	//	۷۲۶-۷	۱۱۹	//	۳/ ۲۲-۲۳	// //
۳۸	// بشیر بن سعد	خزرج/ حارث	و	جناب ویمن	شوال ۷ھ/ فروری ۶۲۹ء	۳۰۰	غطفان	•	•	//	//	۶۱۱-۱۲	۷۲۷-۳۱	۱۲۰	//	۲۳/۳	۱۹۵/۱
۳۹	// ابن ابی العوجاء	سلیم	//	//	ذی الحجہ ۷ھ/ فروری ۶۲۹ء	۵۰	سلیم	•	•	//	//	//	۷۳۱	۱۲۳	//	۲۶/۳	۲۶۶/۵
۴۰	//غالب بن عبداللہ	کنانہ/ لیث	//	الکدیہ	صفر ۸ھ/ جون ۶۲۹ء	۱۰ یا زیادہ	سلیم/ بنو الملوح	•	•	//	//	۶۰۹	۷۵۰-۲	۱۲۳	//	۳/ ۲۷-۸	۱۶۸/۳
۴۱	// کعب بن عمیر	کنانہ/ غفار	//	ذات اطلاع	ربیع الاول ۸ھ/ جولائی ۶۲۹ء	۱۵	قضاعہ	•	•	//	ناکام	۶۲۱	۷۵۲-۳	۱۲۷-۸	//	۲۹/۳	۳۳۶/۳
۴۲	//شجاع بن وہب	اسد خزیمہ/ حلیف بنوامیہ	ب	سی	ربیع الاول ۸ھ/ جولائی ۶۲۹ء	۲۴	ہوازن/ عامر	•	•	فوجی	کامیاب	//	۷۵۳-۵	۱۲۷	۳۷۹/۱	۲۹/۳	۳۸۶/۲
۴۳	//زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	الف	موتہ	جمادی الاولیٰ ۸ھ / ستمبر ۶۲۹ء	۳،۰۰۰	غسان	•	•	//	کامیاب/ ناکام	۶۲۱	۵- ۷۵۳	۱۲۷	// //	۲۹/۳	۳۸۶/۲

۴۴	// جعفر بن ابی طالب	قریش/ ہاشم	//	//	جمادی الاولی ۸ھ / ستمبر ۶۲۹ء	•	//	•	•	//	// //	۳۵۹/۳ ۳۴۳	-۲۹ ۷۵۵	۲۸-۳۰	// //	/۳ ۳۶-۳۲	۲۸۶-۹/۱
۴۵	// عبداللہ بن رواحہ	خزرج/حارث	د	//	// //	•	//	•	•	//	// //				// //		۱۵۲-۹/۳
۴۶	// عمرو بن عاص	قریش/سہم	ع	ذات السلاسل	جمادی الآخرہ ۸ھ/ اکتوبر ۶۲۹ء	۵۰۰	بلی، قضاعہ، شمال	•	•	//	کامیاب	۶۲۳	-۷۳ ۷۶۹	۱۳۱	// -۸۱ ۳۸۰	۳۱-۲/۳	/۴ ۱۱۵-۱۸
۴۷	/// ابوعبیدہ بن جراح	// /فہر	الف	خبط	رجب ۸ھ/ ۱۱ ۶۲۹ء	۳۰۰	علاقہ جہینہ	•	•	//	//	۶۳۲	۷۷۳-۷	۱۳۲	// ۳۸۱	۳۲-۳/۳	۲۳۹/۵
۴۸	// ابوقتادہ	خزرج/ ربیعہ	ط	خضرہ یا غابہ	شعبان ۸ھ/ دسمبر ۶۲۹ء	۱۵یا۱۶	غطفان	•	•	فوجی/ مذہبی	//	•	۷۷۷-۸۰	//	// //	۳۳-۵/۳	۲۷۴/۵
۴۹	// // //	// //	//	بطن اضم	رمضان ۸ھ/ //	۸	شمالی حدود عرب	•	•		//	•	•	۱۳۳	// //	۳۵-۶/۳	//
۵۰	// خالد بن ولید	قریش/مخزوم	ع	نخلہ	// /جنوری ۶۳۰	۳۰	نخلہ/عزی	•	•	// //	//	۳۳۶/۲	۸۷۰	۱۳۵-۶	// //	۶۵/۳	۹۳-۶/۲
۵۱	// عمرو بن عاص	// /سہم	//	سواع	// //	•	ہذیل/سواع	•	•	// //	//	•	//	۱۳۶	// //	۶۶/۳	۱۱۵-۱۸/۴
۵۲	// سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	د	منات	// //	۲۰	مشلل/مناۃ	•	•	// //	//	•	//	۱۳۶-۷	// //	//	۱۷۹-۸۰/۲
۵۳	// ہشام بن عاص	قریش/امیہ	ب	یلملم	// //	۲۰۰	•	•	•	// //	//	•	۸۷۳	•	•	•	۹۳-۹۳/۵
۵۴	// خالد بن سعید	// //	الف	عُرنہ	// //	۳۰۰	•	•	•	// //	//	•	//	•	•	•	۸۲-۳/۲
۵۵	// خالد بن ولید	// /مخزوم	ع	جذیمہ	// //	۳۵۰	بنوجذیمہ	•	•	// //	//	•	۸۷۵-۸۱	۱۳۷-۹	۳۸۱/۱	۶۶-۷/۳	۹۳-۶/۲
۵۶	// طفیل بن عمرو	ازد/شنوءہ/ دوس	ب	دوس	شوال ۸ھ/ //	•	ازد دوس	عامر بن جحمہ	•	// //	//	•	۹۲۳ و ۸۷۰	۱۵۷-۸	۳۸۲/۱	•	۵۳-۵/۳
۵۷	// غالب بن عبداللہ	کنانہ/لیث	//	فدک	// //	•	مرہ	•	•	فوجی	//	•	•	•	•	•	۳۴۷/۴
۵۸	/// ابوسفیان بن حرب	قریش/ امیہ	ف	اللات	شوال ذیقعدہ ۸ھ/ جنوری فروری ۶۳۰ء	•	ثقیف	•	•	فوجی/ مذہبی	//	۵۳۱	۹۷۱	•	•	/۳ ۹۹-۱۰۰	۲۱۶/۵
۵۹	// مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط	//	// //	•	//	•	•	//	//	//	//	•	•	//	۳۰۶-۷/۴
۶۰	// عیینہ بن حصن	غطفان/فزارہ	ع	العرج	محرم ۹ھ	۵۰	تمیم	•	•	فوجی	//	۶۳۱	۹۷۳-۵	۱۶۰-۶۱	۳۸۲/۱	•	۳۰۶-۷/۴

۶۱	۱۱قطبہ بن عامر	خزرج/ سلمہ	و	معصب	صفر۹ھ/مئی جون۶۳۰ء	۲۰	خثعم	•	•	۱۱	۱۱	•	۹۸۱	۱۶۲	۳۸۰/۱	•	۳/ ۲۰۵-۲
۶۲	۱۱ضحاک بن سفیان	ہوازن/ کلاب	ف	القرطاء	ربیع الاول ۹ھ / جون جولائی ۱۱	•	•	•	•	۱۱	۱۱	•	۹۸۲-۳	۱۶۲-۳	۳۸۲/۱	•	۳۶/۳
۶۳	۱۱علقمہ بن سفیان	کنانہ/ مدلج	۱۱	شعیبہ	ربیع الثانی ۹ھ/ جولائی اگست ۱۱	۳۰۰	غارتگراں حبشہ	•	•	۱۱	۱۱	۶۴۰	۹۸۳-۴	۱۶۳	•	•	۱۳/۴
۶۴	۱۱جزء بن حدرجان	ازد	ق	طے	۱۱ ۱۱	•	طے	•	•	۱۱	۱۱	•	•	•	۳۸۲/۱	•	۲۸۱-۸۲/۱
۶۵	۱۱علی بن ابی طالب	قریش/ ہاشم	الف	الفلس	۱۱ ۱۱	۱۵۰	طے/فلس	•	•	فوجی/ مذہبی	۱۱	۶۱۱-۱۲	۹۸۴-۹	۱۶۴	۱۱	۱۱۱-۱۲/۳	۱۶-۴۰/۴
۶۶	۱۱عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/ بنو غنم	ب	الجناب	•	•	•	•	•	۱۱	۱۱	•	•	۱۱	•	۱۵۵/۳	۲-۳/۴
۶۷	۱۱خالد بن ولید	قریش/ مخزوم	ع	دومۃ الجندل	رجب ۹ھ/ اکتوبر ۶۳۰ء	۴۲۰	بنوکندہ/ مملکت	اکیدر بن عبدالملک	•	فوجی	۱۱	۵۲۶/۲	۳۰- ۱۰۲۵	۱۶۶	۳۸۳/۱ ۳۸۲-	۳/ ۱۰۸-۹	۹۳-۶/۲
۶۸	۱۱خالد بن ولید	قریش/ مخزوم	ع	نجران/ یمن	ربیع الاول ۱۰ھ/ جون جولائی ۶۳۱ء	۴۰۰	الحارث بن کعب	•	•	مذہبی	کامیاب	۵۹۲/۲	•	۱۶۹	۳۸۴/۱	۳/ ۱۳۶-۷	۹۳-۶/۲
۶۹	۱۱علی بن ابی طالب	۱۱/ ہاشم	الف	۱۱	رمضان ۱۰ھ/ دسمبر ۶۳۱ء	۳۰۰	مذحج	•	•	۱۱	۱۱	۶۹۱	۸۳ ۱۰۷۹-	۱۶۹-۷۰	۱۱ ۱۱	۱۳۱-۲/۳	۱۶-۴۰/۴
۷۰	۱۱جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالخلصہ	۱۱ ۱۱	۱	بجیلہ	•	•	۱۱	۱۱	•	•	۲۶،۳۴۷/۱	۱۱	۱۵۸/۳	۱۷۹-۸۰/۴

۷۱	//مسیب بن عمرو	•	د	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	۳۶۷/۴
۷۲	//عبداللہ بن حذافہ	قریش/سہم	ب	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	۱۳۲-۴/۳
۷۳	//ثابت بن اقرم	بلی/العجلان	د	نجد	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	۲۲۰/۱
۷۴	//اسامہ بن زید	کلب/ مولائے رسول	الف/ پیدائشی	موتہ	صفر ربیع الاول ۱۱ھ/ جون ۶۳۲ء	۳۰۰۰	غسان	•	•	فوجی	کامیاب	۶۰۶	۱۱۷-۲۷	۱۹۰	۳۸۴/۱	۱۸۴-۵/۳	۶۴-۶/۱

(۱) بلاذری، انساب: ۹/۱-۳ کے مطابق یہ مہم ۸ھ میں گئی تھی۔

(۲) بلاذری، انساب ۳۷۷/۱ نے حضرت ابوعبیدہ فہری کی ذوالقصہ کو دو مہمیں بتائی ہیں۔

(۳) بلاذری، انساب ۳۷۶/۱ اور ۳۷۹/۱، نے بالترتیب دو مہمیں ۶ھ اور ۷ھ میں بیان کی ہیں، ۶ھ کی مہم ''اتباع بنی لیحان'' کے خلاف تھی۔

سالار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے سالار	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	منصب سالار	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت قیس بن ابی صعصعہ	خزرج/نجار	د/عقبہ	بدر عظیم	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	ساقہ مشاۃ اور عرض کے افسر	•	۲۶	۵۱۷/۳	•	۳۳۳/۲	۲۱۸/۴
۲	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د/عقبہ	اُحد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	الحرس کے افسر	•	۲۱۷	۳۹/۲	•	•	۳۳۱/۴
۳	حضرت ذکوان بن عبدقیس	•	•	//	// //	// // واپسی کے سفر میں	•	۲۱۷ و ۱۱۳	•	•	•	•
۴	حضرت المنذر بن عمرو	خزرج/ساعدہ	د/عقبہ	//	// //	میسرہ کے افسر	•	•	•	•	•	۳۱۹/۴
۵	حضرت عبداللہ بن جبیر	اوس/عمرو بن عوف	//	//	// //	تیراندازوں کے افسر	•	۲۱۹	۴۰/۲	۳۱۷/۱	۵۰۷/۲	۱۳۰-۱/۳
۶	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش/ہاشم	الف	//	// //	مقدمہ کے افسر	•	•	•	•	۵۰۸/۲	۴۶-۵۰/۲
۷	حضرت زبیر بن عوام	// /اسد	//	//	// //	شہسواروں کے افسر	•	•	•	•	//	۱۹۶-۹/۲
۸	حضرت سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	س	//	// //	// // //	•	•	•	•	//	•
۹	حضرت سعد بن معاذ	// //	د	//	// //	مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	•	•	•	•	//	۲۹۶-۹/۲
۱۰	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	بنونضیر	ربیع الاول ۴ھ/ اگست ۶۲۵ء	سالار معسکر	•	۳۷۱	•	•	•	•
۱۱	حضرت صفوان بن معطل	سُلیم/ذکوان	س	مریسیع	شعبان ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	مستقل سالار ساقہ	•	۴۲۸و۱۰۹۳	•	۳۴۲/۱	•	۲۶-۷/۳
۱۲	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبدالاشہل	د	خندق	ذیقعدہ ۵ھ/ اپریل ۶۲۷ء	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۴۶۴	۶۷/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳
۱۳	حضرت سعد بن ابی وقاص	قریش/زہرہ	الف	//	// //	// // //	•	۴۶۳	•	•	•	•
۱۴	حضرت اُسید بن حُضیر	اوس/عبدالاشہل	د/عقبہ	//	// //	۲۰۰ شہسوار دستہ کے افسر	•	۴۶۴-۵،۴۷۳	۶۸/۲	•	•	۹۲-۳/۱
۱۵	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	//	// //	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۴۶۶	•	•	•	•

۱۶	حضرت زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	//	// //	۳۰۰ شہسوار محافظ دستہ (الحرس) کے افسر	•	۳۶۰	۶۷/۲	•	•	•
۱۷	حضرت سلمہ بن اسلم	اوس/عبدالاشہل	الف	//	// //	۲۰۰ // // //	•	//	//	•	•	•
۱۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	س	بنوقریظہ	ذی الحجہ ۵ھ/مئی-جون ۶۲۷ء	مقدمہ کے افسر	•	۴۹۹	•	•	۵۸۲/۲	۱۶-۴۰/۴
۱۹	حضرت اُسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	الف	//	// //	ایک دستہ کے افسر	•	//	•	•	•	۹۲-۳/۱
۲۰	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د/عقبہ	//	// //	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۵۰۴	•	•	۵۸۶/۲	۳۳۱/۴
۲۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	//	غطفان	ربیع الثانی ۶ھ/اگست ۶۲۷ء	مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	•	۵۴۷	۸۰/۲	•	•	۲۸۳-۵/۲
۲۲	حضرت سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	س	//	// //	شہسوار فوج کے افسر	•	۵۳۵و۵۴۷	•	•	۶۰۱/۲	۲۷۹-۸۰/۲
۲۳	حضرت زید بن ثابت	خزرج/نجار	//	خیبر	صفر ۷ھ/مئی-جون ۶۲۸ء	افسر عرض	•	۶۸۹	۱۰۷/۲	•	•	۲۲۱-۳/۲
۲۴	حضرت عثمان بن عفان	قریش/امیہ	الف	//	// //	لشکر گاہ رجیع کے افسر	•	۶۴۵	•	•	•	۳۷۶-۸۴/۳
۲۵	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	//	// //	// // //	•	۶۴۷	•	•	•	۵۲-۷۴/۴
۲۶	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د	عمرۃ القضاء	ذیقعدہ ۷ھ/مارچ ۶۱۹ء	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۶۰۲و۷۴۳۳،۳۵	۱۲۱/۲	•	۱۲۶/۳	۳۳۱/۴
۲۷	حضرت اوس بن خولی	خزرج/سالم	س	//	// //	// // //	•	//	•	•	•	۱۴۴-۵/۱
۲۸	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبدالاشہل	//	//	// //	// // //	•	//	•	•	•	۱۰۰-۱/۳
۲۹	حضرت اوس بن خولی	خزرج/سالم	//	//	// //	الخیل/مقدمہ کے افسر	•	•	۱۲۳/۲	•	•	۱۴۴-۵/۱
۳۰	حضرت قطبہ بن قتادہ	سعد ہذیم/عذرہ	•	غزوہ موتہ	جمادی الاولی ۸ھ/ستمبر ۶۲۹ء	سالار میسرہ	•	•	۳۹/۳	•	•	۳۰۶/۴
۳۱	حضرت عبایہ بن مالک	انصاری	•	//	// //	سالار میسرہ	•	•	//	•	•	•
۳۲	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء	الحرس کے افسر	•	۸۱۵	۱۳۵/۲	•	•	۵۲-۷۴/۴
۳۳	حضرت زبیر بن عوام	قریش/اسد	الف	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء	سالار مقدمہ	•	۸۰۱	•	۳۵۵/۱	•	۱۹۶-۹/۲

٣٤	حضرت ضحاک بن سفیان	عامر/کلاب	ف	//	// //	سالار فوج سلیم	•	•	•	•	•	٣٦/٣
٣٥	حضرت ابوعبیدہ بن جراح	قریش/فہر	الف	//	// //	سالار دستہ/مقدمہ	•	•	١٣٥/٣	٢٥٥/١ لب ٥٢	٥٧/٣	٢٢٩/٥
٣٦	حضرت خالد بن ولید	قریش/مخزوم	ع	//	// //	سالار مقدمہ/میمنہ	•	٨١٩،٨٢٥	١٣٥-٦/٢	٥٢ //	٥٦/٣	٩٣-٦/٢
٣٧	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	س	//	// //	سالار دستہ فوج نبوی	•	٨٢٥	//	// //	//	٢٨٣-٥/٢
٣٨	حضرت زبیر بن عوام	قریش/اسد	الف	//	// //	// //	•	//	//	// //	٥٥-٦/٣	١٩٦-٩/٢
٣٩	حضرت ورد بن خالد	سلیم	ف	//	// //	سالار میمنہ	•	•	•	•	•	٨٦/٥
٤٠	حضرت خالد بن ولید	قریش/مخزوم	ع	غزوہ حنین	شوال ٨ھ/فروری ٦٣٠ء	سالار مقدمہ	•	٨٩٧	١٥٠/٢	•	•	٩٣-٦/٢
٤١	حضرت ابو عامر	اشعر	ط	// اوطاس	// ذیقعدہ // //	//	•	٩١٥	١٥٢/٢	٣١٥-٦/١ ٦٧//	٧٩/٣	٢٣٨/٥
٤٢	حضرت خالد بن ولید	قریش/مخزوم	ع	// طائف	// //	//	•	٩٢٣	١٥٨/٢	•	•	٩٣-٦/٢
٤٣	حضرت عبداللہ بن عتیک	خزرج/سلمہ	س	سریہ علی (الفلس)	ربیع الثانی ٩ھ/اگست، ستمبر ٦٣٠ء	پیادہ سپاہ اور سامان کے افسر	•	•	•	•	•	٢٠٣-٥/٣
٤٤	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبدالاشہل	د	غزوہ تبوک	رجب، رمضان ٩ھ/اکتوبر، نومبر ٦٣١ء	مستقل الحرس کے افسر	•	١٠٣٤	١٦٦/٢	•	•	١٠٠-١/٣
٤٥	حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ	قریش/مخزوم	ف	یمن	٩-١٠ھ/٦٣٠-٣١ء	فوج یمن کے مستقل افسر	•	•	•	•	•	١٥٥/٣

علمبردار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے علمبردار	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	علم قبیلہ/ خاندان	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ
۱	حضرت ابومرثد	قیس عیلان/ بنوغنی	الف	سریہ حمزہ (سیف البحر)	رمضان ۱ھ/ مارچ ۶۲۳ء	علم سریہ	•	•	۶/۲	•	۴۰۲/۲	۲۹۶/۵
۲	حضرت مسطح بن اثاثہ	قریش/ مطلب	//	// عبیدہ بن حارث (رابغ)	شوال ۱ھ/ اپریل ۶۲۳ء	//	•	•	۷/۲	•	//	۳۵۴-۵/۴
۳	حضرت مقداد بن عمرو	قضاعہ/ بہراء	//	// سعد بن ابی وقاص (خرار)	ذیقعدہ ۱ھ/ مئی ۶۲۳ء	//	•	•	//	•	۴۰۳/۲	۴۰۹/۴
۴	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	//	غزوہ ودان	صفر ۲ھ/ اگست ۶۲۳ء	علم غزوۂ نبوی	•	•	۸/۲	•	۴۰۷/۲	۴۶-۵۰/۲
۵	حضرت سعد بن ابی وقاص	// / زہرہ	//	// بواط	ربیع الاول ۲ھ/ ستمبر ۶۲۳ء	//	•	•	//	•	//	۹۰-۳/۲
۶	حضرت علی بن ابی طالب	// / ہاشم	//	// بدر اولیٰ	// //	//	•	•	•	•	//	۱۶-۴۰/۴
۷	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	// / //	//	// ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ھ/ دسمبر ۶۲۳ء	//	•	•	۹/۲	•	۴۰۸/۲	۴۶-۵۰/۲
۸	حضرت مصعب بن عمیر (۱)	// /عبدالدار	//	// بدر عظیم	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	//	۶۱۲-۱۳	۵۶، ۵۸	۱۴/۲	•	•	۳۷۰/۴
۹	حضرت حباب بن منذر (۲)	خزرج/ سلمہ	س	// //	// //	// /خزرج	•	۵۸	//	•	•	۳۶۴-۵/۱
۱۰	حضرت سعد بن معاذ	اوس/ عبدالاشہل	//	// //	// //	// /اوس	•	۵۸	//	•	•	۲۹۶-۹/۲
۱۱	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	// بنی قینقاع	شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	//	•	•	۲۹/۲	•	۴۸۱/۲	۴۶-۵۰/۲
۱۲	حضرت علی بن ابی طالب	// //	//	// الکدر	محرم ۳ھ/ جولائی ۶۲۴ء	//	•	•	۳۱/۲	•	۴۸۲/۲	۱۶-۴۰/۴
۱۳	حضرت مصعب بن عمیر (۳)	// /عبدالدار	//	// اُحد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	// /مہاجرین	•	۲۱۵	۵۸/۲	۳۱۷/۱	۵۰۸/۲	۳۶۸-۹/۴
۱۴	حضرت ابوالروم بن عمیر	// //	//	// //	// //	// /شہادتِ مصعب کے بعد	•	۲۳۹	•	•	•	•
۱۵	حضرت اُسید بن حُضیر	اوس/ عبدالاشہل	د	// //	// //	// /اوس	•	۲۱۵	۵۸/۲	۳۱۷/۱	۵۰۸/۲	۹۲-۳/۱
۱۶	حضرت حباب بن منذر (۳)	خزرج/ سلمہ	س	غزوہ احد	// //	// /خزرج	•	۲۱۵	۵۸/۲	•	۵۰۸/۲	۳۶۴-۵/۱
۱۷	حضرت علی بن ابی طالب (۵)	قریش/ ہاشم	الف	// حمراء الاسد	// //	//	•	۳۳۶	۴۹/۲	•	•	۱۶-۴۰/۴

۱۸	حضرت علی بن ابی طالب	// //	//	// بنی نضیر	ربیع الاول ۴ھ/ اگست ۶۲۵ء	//	•	•	۵۸/۲	•	•	//
۱۹	حضرت علی بن ابی طالب	// //	//	// بدر الموعد	ذیقعدہ ۴ھ/ اپریل ۶۲۶ء	//	•	۳۳۸	۵۹/۲	•	•	//
۲۰	حضرت ابوبکر صدیق	// / تیم	//	// مریسیع	رجب ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	// /مہاجرین	•	۳۰۷	۶۳/۲	•	•	۲۰۵-۲۳/۳
۲۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	س	// //	// //	// /انصار	•	//	//	•	•	۲۸۳-۵-/۲
۲۲	حضرت زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	// خندق	ذیقعدہ ۵ھ/ اپریل، مئی ۶۲۷ء	// /مہاجرین	•	•	۶۷/۲	•	•	۲۳۳-۷/۲
۲۳	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	س	// //	// //	// /انصار	•	•	//	•	•	۲۸۳-۵/۲
۲۴	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	// بنی قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ/ اپریل، مئی ۶۲۷ء	// /	•	۳۹۷	۷۳/۲	•	•	۱۲-۳۰/۳
۲۵	حضرت مقداد بن عمرو	قضاعہ/بہراء	//	// غطفان	ربیع الثانی ۶ھ/ اگست ۶۲۷ء	// /	•	•	۸۰/۲	•	•	۳۰۹/۳
۲۶	حضرت ابوبکر صدیق	قریش /تیم	//	// خیبر			•					•
۲۷	حضرت عمر بن خطاب	// / عدی	ب	// //	صفر ۷ھ/ جون ۶۲۸ء	// /بالترتیب	•					•
۲۸	حضرت علی بن ابی طالب	// / ہاشم	الف	// //			۳۲۸/۲	۶۳۹،۵۳	۱۰۶/۲	•	۱۱-۱۲/۳	•
۲۹	حضرت حباب بن منذر	خزرج /سلمہ	س	// //	// //	// /خزرج	•	•	//	•	•	•
۳۰	حضرت سعد بن عبادہ	// / ساعدہ	//	// //	// //	// //	•	•	//	•	•	•
۳۱	حضرت مسطح بن اثاثہ	قریش/مطلب	الف	// //	صفر ۷ھ/ جون ۶۲۸ء	•	•	•	•	•	•	۳۵۴-۵/۳
۳۲	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	س	وادی القریٰ	// //	انصار						۲۸۳-۵/۲
۳۳	حضرت حباب بن منذر	// / سلمہ	//	//	// //	//		۷۱۰				۳۶۴-۵/۲
۳۴	حضرت سہل بن حنیف (۶)	اوس/مالک	//	فتح مکہ	// //	//						۳۶۴-۵/۲
۳۵	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	//	//	رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء	علم نبوی / //	•		•	•	•	۲۸۳-۴/۲
۳۶	حضرت قیس بن سعد بن عبادہ (۷)	// / //	//	//	// //	// / //		۸۰۰-۸۰۱				۲۱۵-۶/۳
۳۷	حضرت قطبہ بن عامر	خزرج/سلمہ	د	//	// //	// / بنوسلمہ						۲۰۵-۶/۳
۳۸	حضرت عمارہ بن حزم	// / نجار	//	//	// //	// / بنونجار						۳۸/۳

۳۹	حضرت عبداللہ بن زید	// / حارث	//	//	// //	// / ٠						۱۶۵-۷/۳
۴۰	حضرت سلیط بن قیس	// / نجار	س	//	// //	// / ٠		۸۰۰-۸۰۱				۳۳۵-۶/۲
۴۱	حضرت زبیر بن عوام	قریش/اسد	الف	//	// //	// / مہاجرین					۵۵/۳	۱۹۶-۹/۲
۴۲	حضرت علی بن ابی طالب	// / ہاشم	//	//	// //	// //						۱۶-۴۰/۴
۴۳	حضرت سعد بن ابی وقاص	// / زہرہ	//	//	// //	// //						۹۰-۳/۲
۴۴	حضرت ہلال بن امیہ	اوس/واقف	س	//	// //	// / بنوواقف						۶۶/۵
۴۵	حضرت ابونائلہ	// /عبدالاشہل	//	//	// //	// / ٠						۳۱۱/۵
۴۶	حضرت جابر بن عتیک	// /بنومعاویہ	//	//	// //	// / بنومعاویہ		۸۰۰				۲۵۸-۹/۱
۴۷	حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر	// /خطمہ	//	//	// //	// / ٠						۲۸۴-۵/۳
۴۸	حضرت خزیمہ بن ثابت	// / //	//	//	// //	// / خطمہ						۱۱۴/۲
۴۹	حضرت ابواسید	خزرج/ساعدہ	//	//	// //	// / ٠		۸۰۰				۱۲۷/۵
۵۰	حضرت قتادہ بن نعمان	// /ظفر	//	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء	// / ظفر		//				۱۹۵-۷/۴
۵۱	حضرت ابوبردہ بن ہانی بن نیار	// /حارثہ	//	//	// //	// / حارثہ		٠				۱۳۶/۵
۵۲	حضرت حیان بن حکم	سلیم	ط	//	// //	// / سلیم						۳۶۶/۱
۵۳	حضرت یزید بن اخنس	//	س	//	// //	// / //						۱۰۲-۳/۵
۵۴	حضرت خفاف بن ندبہ	//	ط	//	// //	// / //						۱۱۸-۹/۲
۵۵	حضرت عوف بن مالک	غطفان/اشجع	//	//	// //	// / اشجع						۱۵۶/۴
۵۶	حضرت خزاعی بن عبدنہم	مزینہ	//	//	// //	// / مُزینہ						۱۱۳/۲
۵۷	حضرت نعمان بن مقرن	//	//	//	// //	// / //		۸۰۰				٠
۵۸	حضرت عبداللہ بن عمرو	//	//	//	// //	// / //		٠				۳۰-۱/۵
۵۹	حضرت بلال بن حارث	//	//	//	// //	// / //		۸۰۰				۲۰۵/۱

۶۰	حضرت بریدہ بن حصیب	اسلم	د	//	// //	// / اسلم		//				۱۷۵-۶/۱
۶۱	حضرت ناجیہ بن اعجم	//	//	//	// //	اسلم		//				۴/۵
۶۲	حضرت معبد بن خالد	جہینہ	س	//	// //	جہینہ		•				۳۹۰/۳
۶۳	حضرت سوید بن صخر	//	د	//	// //	//						۳۷۸/۳
۶۴	حضرت زید بن خالد	//	س	//	// //	//	•	۸۰۰	•	•	•	۲۲۸/۲
۶۵	حضرت عبداللہ بن بدر	//	ط	//	// //	//						۱۲۳-۴/۳
۶۶	حضرت بشر بن ابی سفیان	خزاعہ/کعب	//	//	// //	خزاعہ / کعب						•
۶۷	حضرت ابوشریح	// //	//	//	// //	// //	•	۸۰۱	•	•	•	۲۲۵/۵
۶۸	حضرت عمرو بن سالم	// //	//	//	// //	// //						۱۰۳-۵/۳
۶۹	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	غزوہ حنین	شوال ۸ھ/فروری ۶۳۰ء	مہاجرین						//
۷۰	حضرت سعد بن ابی وقاص	// /زہرہ	//	//	// //	//	•	۸۹۵	۱۵۰/۲	•	•	//
۷۱	حضرت عمر بن خطاب	// /عدی	ب	//	// //	//						//
۷۲	حضرت حباب بن منذر	خزرج/سلمہ	س	//	// //	خزرج						//
۷۳	حضرت سعد بن عبادہ	// /ساعدہ	//	//	// //	//	•	//	//	•	•	//
۷۴	حضرت اسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	د	//	// //	اوس	•	۸۹۵-۶	//	•	•	//
۷۵	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	غزوہ تبوک	شوال-ذیقعدہ ۹ھ/اکتوبر-نومبر ۶۳۱ء	مہاجرین						//
۷۶	حضرت زبیر بن عوام	// /اسد	//	//	// //	//						//
۷۷	حضرت اسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	د	//	// //	اوس						//
۷۸	حضرت عمارہ بن حزم	خزرج/نجار	د	//	// //	خزرج						//
۷۹	حضرت ابودجانہ	//	س	//	// //	//	•	۹۹۶-۱۰۰۳	•	•	•	۱۸۴/۵
۸۰	حضرت حباب بن منذر	// /سلمہ	//	//	// //	//						//

۸۱	حضرت زید بن ثابت	// /نجار	//	//	// //	//						//
۸۲	حضرت ابوزید	// /عمرو بن عوف	//	//	// //	//						//
۸۳	حضرت معاذ بن جبل	// /سلمہ	//	//	// //	//						//
۸۴	حضرت عبداللہ بن مالک	// /بنو قطیعہ بن قیس	•	•	•	•	•	•	•	•	•	۲۵۱/۳
۸۵	حضرت عامر بن سالم	اسلم	ر	•	•	•	•	•	•	•	•	۸۱/۳
۸۶	حضرت بریدہ بن حصیب	//	//	سریہ اسامہ بن زید	محرم-ربیع ۱۱ھ/مارچ-جون ۶۳۲ء	علم نبوی	•		•	•	•	۱۷۵-۶/۱

حوالہ جات

(۱) طبری: ۲/۳۳۱، میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی ؓ کو مہاجرین کا علمبردار بتایا گیا ہے۔

(۲) // // // // سعد بن عبادہ خزرجی ؓ کو خزرج // // //

(۳) طبری: ۲/۵۱۶ // // علی بن ابی طالب ہاشمی ؓ کو مہاجرین // // // -

(۴) بلاذری نے حضرت سعد بن عبادہ ؓ کا نام لیا ہے۔

(۵) واقدی نے ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا نام لیا ہے۔

(۶) ایک روایت میں حضرت عباد بن بشر ؓ کا نام لیا۔

(۷) حکم نبوی پر باپ کی جگہ بیٹے نے دوران غزوہ لی تھی۔

گشتی دستے کے افسران صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسر	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت طلحہ بن عبید اللہ	قریش/تیم	الف	کارواں قریش قبل بدر	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	کاروان قریش کی آمد کا وقت و راستہ معلوم کرنا	•	۱۹-۲۰	۱۱-۱۲/۲	۲۸۸/۱	۴۷۸/۲	۵۹/۳
۲	حضرت سعید بن زید	؍؍ / عدی	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍	•	؍؍	؍؍	؍؍	؍؍	۳۰۶/۲
۳	حضرت زبیر بن عوام	؍؍ /اسد	؍؍	غزوہ بدر	؍؍ ؍؍	بدر کے کنووں کے قریب جا کر دشمن کی خبر لانا	•	۵۱	۱۲/۲	•	۴۳۶،۴۳۲/۲	۱۹۶-۹/۲
۴	حضرت علی بن ابی طالب	؍؍ /ہاشم	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍	•	؍؍	•	•	•	۱۶-۴۰/۴
۵	حضرت بسبس بن عمرو	جہینہ	س	؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍	•	؍؍	•	•	•	۱۷۸-۹/۱
۶	حضرت زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	؍؍	؍؍ ؍؍	فتح بدر کی خوشخبری اہل العالیہ کو دینا	•	۱۱۴	•	۲۹۴/۱	۴۵۸/۲	۲۳۴-۷/۲
۷	حضرت عبد اللہ بن رواحہ	خزرج/حارثہ	د	؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍ زیریں مدینہ کے لوگوں کو دینا	•	؍؍	۱۴/۲		؍؍	۱۵۶-۹/۳
۸	حضرت مالک بن خلف	اسلم	س	غزوہ احد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	دشمن کے بارے میں خبریں حاصل کرنا	•					۲۷۸/۴
۹	حضرت نعمان بن خلف	؍؍	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍		•	•	•	•	•	۲۵/۵
۱۰	حضرت سلیط بن خالد	؍؍	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	دشمن کی پسپائی کے بعد ان کے ارادوں کا پتا لگانا						
۱۱	حضرت سفیان بن خالد	اسلم	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍		•	۳۳۷	•	•	•	۲۹۷/۴
۱۲	حضرت (نامعلوم)	؍؍ /بنوعویمر	؍؍	؍؍	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	دشمن کی پسپائی کے بعد ان کے ارادوں کا پتا لگانا						
۱۳	حضرت ابولیلی	خزرج/مازن	؍؍	غزوہ بنی قینقاع	ربیع الاول ۳ھ/ اگست ۶۲۵ء		•	۳۷۲	•	•	•	۲۸۶/۵

۱۴	حضرت عبداللہ بن سلام	بنوقینقاع	//	//	// //	کھجوروں کے بعض درخت کاٹنا						۳/۷-۷۶
۱۵	حضرت جعال بن سراقہ	کنانہ/ضمرہ	ب	ذات الرقاع	محرم۵ھ/جون۶۲۶ء	مدینہ والوں کو مسلم فوج کی خیریت سے آگاہ کرنا	•	•	۶۱/۲	•	•	۲۸۳-۴/۱
۱۶	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبدالاشہل	س	خندق	ذیقعدہ۵ھ/اپریل۶۲۷ء	بنوقریظہ کے بارے میں پتہ لگانا						۲۹۶-۷/۲
۱۷	حضرت اسید بن حضیر	// //	د	//	// //		•	۳۵۸	•	•	•	۹۲-۳/۱
۱۸	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	//	// //	بنوقریظہ کے بارے میں پتہ لگانا						۲۸۳-۵/۲
۱۹	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	بنولحیان	ربیع الاول۶ھ/جولائی۶۲۷ء	غمیم تک خبریں معلوم کرنے گئے تھے	•	۵۳۶	۷۹/۲	•	•	۲۰۵-۲۳/۳
۲۰	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبدالاشہل	د	حدیبیہ	ذیقعدہ۶ھ/مارچ۶۲۸ء	دشمن کی خبر معلوم کرنا-۲۰ سپاہ کے افسر	•	۵۷۴	۹۵/۲		•	۱۰۰-۱/۳
۲۱	// // //	// //	//	خیبر	صفر۷ھ/جون۶۲۸ء	// //	•	۶۴۰	•	•	•	//
۲۲	حضرت عمرو بن طفیل	ازد/دوس	//	//	// //	اپنے قبیلہ سے کمک لانا	•	۹۲۳	•	•	•	۱۱۵/۴
۲۳	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	//	//	// //	لشکرگاہ کے لئے مناسب جگہ حاصل کرنا	•	۶۴۴	•	•	•	۳۳۱/۴
۲۴	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	فتح مکہ	رمضان۸ھ/جنوری۶۳۰ء	ایک جاسوس عورت سے خط وصول کرنا				•	•	//
۲۵	حضرت زبیر بن عوام	قریش/اسد	//	//	// //		•	۸-۷۹۷	•	•	۳۸-۹/۳	//
۲۶	حضرت نہیک بن اوس	خزرج	س	حنین	شوال۸ھ/فروری۶۳۰ء	مدینہ والوں کو مسلم سپاہ کی خیریت پہنچانا	•	•	•	•	•	۴۴/۵
۲۷	حضرت اسید بن حضیر	اوس	//	تبوک	۹ھ/۶۳۱ء	پانی وغیرہ حاصل کرنا/جگہ کا پتہ لگانا	•	۱۰۴۱	•	•	•	۹۲-۹۳/۱
۲۸	حضرت زیاد بن حنظلہ	تمیم	•	مسیلمہ کذاب کے خلاف	۱۱ھ/۶۳۲ء	اس کے ارادوں کا پتہ لگانا	•	•	•	•	•	۲۱۳/۲

جاسوسی کا فریضہ انجام دینے والے صحابہ کرام ؓ

نمبر شمار	اسمائے جاسوس	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت بسبس بن عمرو	جہینہ	س	بدر	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	جنگ سے قبل بدر جا کر دشمن کی خبر معلوم کرنا	•					
۲	حضرت عدی بن ابی الزغباء	//	//	//	// //	// //	•	۲۲	۱۲/۲	۲۸۹/۱	۴۳۳و۳۷	۱۷۸-۹/۱
۳	حضرت عمار بن یاسر	مذحج/عنس	الف	//	// //	دشمن کے خیمہ زن ہونے کے بعد ان کی خبریں معلوم کرنا	•			•		۴۳-۴۷/۴
۴	حضرت عبداللہ بن مسعود	ہذیل	//	//	// //	// //	•	۵۴	•	•		•
۵	حضرت انس بن فضالہ	خزرج/ظفر	س	احد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	اُحد سے قبل دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا	•			•	•	۱۲۵-۶/۱
۶	حضرت مونس بن فضالہ	// //	//	//	// //	// //	•	۲۰۶-۷	۳۷/۲	•		۳۲۵-۶/۴
۷	حضرت حباب بن منذر	// / سلمہ	د	//	// //	احد میں خیمہ زن ہونے کے بعد دشمن کے بارے میں خبریں معلوم کرنا	•	۲۰۷	//	•	•	۳۶۴-۵/۱
۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	//	// //	جنگ کے بعد // //	•	•	•	•	۵۲۷-۸/۲	۱۶-۴۰/۴
۹	حضرت امیہ بن خویلد	کنانہ/ضمرہ	س	رجیع	صفر ۴ھ/ اپریل ۶۲۶ء	قریش کے ارادوں کا پتہ لگانا	•	•	•	•	•	۱۱۷/۱
۱۰	حضرت عمرو بن امیہ	// //	//	//	// //	// //	•	•	•	•	۵۴۱-۲/۲	۸۶/۴
۱۱	حضرت بریدہ بن حصیب	اسلام	د	مریسیع	شعبان ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	بنو مصطلق کے ارادوں کے بارے میں تصدیق کرنا	•	۴۰۴	۶۴/۲	•	•	۱۷۵-۶/۱
۱۲	حضرت خوات بن جبیر	خزرج	س	خندق	ذیقعدہ ۵ھ/ اپریل، مئی ۶۲۷ء	بنو قریظہ // //	•	۴۶۰-۶۱	•	•	•	•
۱۳	حضرت حذیفہ بن یمان	غطفان/حلیف عبدالاشہل	//	//	// //	احزاب // // معلوم کرنا	•	۴۸۹-۹۰	۶۹/۲	•	۵۷۹-۸۱/۲	۲۹۰-۲/۱
۱۴	حضرت زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	//	// //	بنو قریظہ کی غداری کی خبروں کی تصدیق کرنا	•	۴۵۷	•	•	•	۱۹۶-۹/۱
۱۵	حضرت بسر بن سفیان	خزاعہ /کعب	س	حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ/ مارچ ۶۲۸ء	قریش کے ارادوں کا پتہ لگانا	•	۵۷۴	۹۵/۲	•	•	۱۸۱/۱
۱۶	حضرت انس بن ابی مرثد	قیس عیلان/غنی	الف	حنین	شوال ۸ھ/ فروری ۶۳۰ء	ہوازن // //	•	۸۹۴	•	•	•	۱۲۹-۳۰/۱
۱۷	حضرت عبداللہ بن ابی حدرد	اسلم	س	//	// //	دشمن کی کمین گاہ کا پتہ لگانا	•	۸۹۳	۱۵۰/۲	•	۷۳/۳	۱۳۱-۲/۳

راہ بر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے راہ بر	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت عبداللہ بن اریقط	/دئل	س	سفر ہجرت نبوی	صفر، ربیع الاول ۱ھ/ اگست، ستمبر ۶۲۲ء	مکہ سے العرج تک راہ بری	•	•	•	•	•	•
۲	حضرت سعد العرجی	کنانہ/ اسلم	//	//	// //	العرج سے مدینہ تک //	•	•	•	•	•	۲۸۶-۷/۲
۳	حضرت ابوخثمہ	اوس/ حارثہ	//	اُحد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	مدینہ سے احد تک //	•	۲۱۸	۳۹/۲	•	۵۰۶/۲	۱۶۹/۵
۴	حضرت ثابت بن ضحاک	خزرج/ عمرو بن عوف	//	حمراء الاسد	// //	مدینہ سے حمراء الاسد تک //	•	•	•	•	•	۲۲۵-۶/۱
۵	حضرت مذکور	عذرہ	•	دومۃ الجندل	ربیع الاول والثانی ۵ھ/ اگست ستمبر ۶۲۶ء	مدینہ سے دومہ تک //	•	۴۰۳	•	•	•	۳۴۲/۴
۶	حضرت مسعود بن ھنیدہ	اسلم	د	مریسیع	رجب ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	مدینہ سے مریسیع تک //	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴
۷	حضرت ابوحدرد	//	//	غطفان	ربیع الثانی ۶ھ/ اگست ۶۲۷ء	مدینہ سے علاقہ غطفان تک //	•	•	•	•	•	۱۶۹-۷۰/۵
۸	حضرت عمرو بن عبد نُہم	//	ط	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ/ اگست ۶۲۷ء	مدینہ سے حدیبیہ تک //	•	۵۸۴	•	•	•	۱۱۹-۲۰/۴
۹	حضرت حسیل بن خارجہ/ نویرہ	غطفان/ اشجع	//	خیبر	صفر ۷ھ/ مئی و جون ۶۲۸ء	مدینہ سے خیبر تک //	•	۶۳۹	۲۳/۳	•	•	۱۶/۲
۱۰	حضرت عبداللہ بن نعیم	// //	//	//	// //	خیبر کی مہم کے دوران	•	//	•	•	•	۲۶۸/۳
۱۱	حضرت یاسر	یہود خیبر	ع	//	// //	// //	•	۶۳۱	•	•	•	•
۱۲	حضرت ابوعریض	//	//	//	// //	// //	•	•	•	•	•	۲۵۳/۵
۱۳	حضرت سماک	//	//	//	// //	// //	•	۶۳۷-۸	•	•	•	۳۵۲/۲
۱۴	حضرت حسیل بن خارجہ/ نویرہ	غطفان/ اشجع	ط	سریہ بشیر بن سعد	شوال ۷ھ/ فروری ۶۲۹ء	دوران سریہ اور مدینہ سے علاقہ مہم تک	•	۷۲۷	•	•	•	۱۶/۲
۱۵	حضرت غالب بن عبداللہ	کنانہ/ لیث	س	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء	مکہ کا مختصر ترین راستہ بتانا اور راہبری	•	•	•	•	•	۱۶۸/۴
۱۶	حضرت علقمہ بن فغواء	خزاعہ/ عامر بن ربیعہ	د	غزوہ تبوک	رجب و رمضان ۹ھ/ اکتوبر و نومبر ۶۳۱ء	مکہ سے تبوک تک	•	۹۹۹	•	•	•	۱۳-۱۴/۴

اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے نگراں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسر	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبولِ اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت عبداللہ بن کعب	خزرج/نجار	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	اموال غنیمت کے افسر	•	۱۰۰	۱۸/۲	•	۳۵۸/۲	۲۳۸-۹/۳
۲	" " "	" "	"	حصور-عیرحینہ	•	خمس کے افسر	•	•	•	•	•	"
۳	حضرت صالح شقران	حبشی/مولائے رسول	الف	غزوۂ بدر	"	قیدیوں کے افسر	•	۱۰۵	•	•	•	۳-۴/۳
۴	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/حارثہ	د	غزوۂ بنی قینقاع	شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	قیدیوں کے افسر، خراج اور مغانم کے افسر	•	۱۷۸	۵۸، ۳۰/۲	•	•	۳۳۶/۳
۵	حضرت عبادہ بن صامت	خزرج	د	"	" "	یہود کے خراج کے انتظامات کے نگراں	•	•	۲۹/۲	•	۴۸۱/۲	۱۰۶-۷/۳
۶	حضرت منذر بن قدامہ	اوس/سالم(۱)	س	"	" "	قیدیوں کو ہتھکڑیاں پہنانے کے ذمہ دار	•	۱۷۷	"	۳۰۹/۱	•	۴۱۹/۳
۷	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/حارثہ	د	" بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ/ اگست ۶۲۵ء	یہود کے اخراج کے نگراں افسر	•	۳۷۴	۷۵/۲	•	•	۳۳۱/۴
۸	حضرت ابورافع	مولائے رسول	الف	" "	" "	اموال غنیمت کے افسر	•	۳۷۹	•	•	•	۱۹۱/۵
۹	حضرت بریدہ بن حصیب	اسلم	د	مریسیع	شعبان ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	قیدیوں کے نگراں افسر	•	۴۱۰	۶۴/۲	•	•	۱۷۵-۶/۱
۱۰	حضرت صالح شقران	حبشی/مولائے رسول	الف	"	" "	اموال غنیمت کے افسر	•	"	"	•	•	۳-۴/۳
۱۱	حضرت محمیہ بن جزء	زبید/حلیف بنی جمح	ب	"	" "	خمس اور سہمان مسلمین کے افسر	•	"	"	•	•	۳۴۴/۴
۱۲	حضرت مسعود بن ھنیدہ	اسلم	د	"	" "	خمس کے افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴
۱۳	حضرت سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	س	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ/ مئی ۶۲۷ء	قیدیوں کو بطور غلام فروخت کرنے کے افسر	•	۵۹۱-۲	•	•	•	۲۷۹-۸۰/۲

۱۴	حضرت مسلم بن بجرہ	انصاری	ط	//	// //	قتل ہونے والے قیدیوں کے نگراں افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴
۱۵	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د	//	// //	// // // ہتھکڑی لگانا	•	۵۰۹	•	•	•	۳۳۰-۱/۴
۱۶	حضرت محمیہ بن جزء	زبید	ب	بنوقریظہ	ذی الحجہ ۵ھ/مئی ۶۲۷ء	خمس کے افسر	•	•	۷۵/۲	•	•	۳۳۲/۴
۱۷	حضرت عبداللہ بن سلام	بنوقینقاع	س	//	// //	قیدیوں کے افسر اعلیٰ	•	۵۰۹	//	•	•	۱۷۶-۷/۳
۱۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	//	// //	مجرم قیدیوں کے قتل کے افسر	•	۵۱۳	•	•	•	۱۶-۴۰/۴
۱۹	حضرت زبیر بن عوام	// /اسد	//	//	// //	// // //	•	//	•	•	•	۱۹۶-۷/۲
۲۰	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	س	//	// //	بعض قیدیوں کے فروخت کے نگراں افسر	•	۵۲۳	•	•	•	۲۸۳-۵/۲
۲۱	حضرت مرداس بن مروان	// /سلمہ	ط	غزوہ خیبر	صفر ۷ھ/مئی-جون ۶۲۸ء	اموال غنیمت کے افسر	•	•	•	•	•	۳۴۷-۸/۴
۲۲	حضرت فروہ بن عمرو	// /بیاضہ	د	غزوہ خیبر	// //	// // //	•	۶۸۰	۱۰۷/۲	•	•	۷۸-۹/۴
۲۳	حضرت ابوجہیمہ	انصاری	•	//	// //	// // مدینہ پہنچانے کے افسر	•	•	•	•	•	۱۶۵/۵
۲۴	حضرت خزاعی بن عبدنہم	مُزینہ	س	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء	// // پر قبضہ کرنے کے افسر	•	•	•	•	•	۱۱۳/۲
۲۵	حضرت مسعود بن عمرو	غفار	ب	حنین	شوال ۸ھ/فروری ۶۳۰ء	مال غنیمت اور قیدیوں کو جعرانہ میں اکٹھا کرنے کے افسر	۳۵۹/۲	•	•	•	۸۱/۳	۳۵۹/۴
۲۶	حضرت عمرو بن قاری	قارہ	د	//	// //	// // // //	•	•	•	•	•	۱۳۶/۴
۲۷	حضرت بدیل بن ورقاء	خزاعہ	ف	//	// //	جعرانہ میں جمع شدہ اموالِ غنیمت کے افسر	•	۹۸۳	•	•	•	۱۷۰/۱

۲۸	حضرت بسر بن سفیان	//	ط	// طائف	//	//	حنین کے قیدیوں کے لئے کپڑے خریدنے کے افسر	•	۹۴۳	•	•	•	۲/۱-۱۸۱
۲۹	حضرت زید بن ثابت	خزرج/نجار	س	//	//	//	اموال غنیمت اور قیدیوں کو شمار کرنے کے افسر	•	۹۳۹	•	•	•	۲/۲-۲۲۱
۳۰	// //	// //	//	جعرانہ	//	//	انصار سے قیدیوں کو رہا کرانے کے ذمہ دار	•	۹۵۲	•	•	•	//
۳۱	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	//	//	//	مہاجرین سے اسیران حنین کو رہا کرانا	•	//	•	•	•	۴/۳-۷۲-۵۲
۳۲	حضرت ابورھم کلثوم بن حصین	غفار	//	//	//	//	بدوی قبائل سے // //	•	//	•	•	•	۵/۱۹۷
۳۳	حضرت ابوقتادہ	خزرج/سلمہ	س	سریہ طرف الفلس	ربیع الثانی ۹ھ/ جولائی-اگست ۶۳۰ء		اموال غنیمت اور قیدیوں کے افسر	•	•	۱۶۳/۲	•	•	۵/۵-۲۳۷

(۱) بلاذری کے مطابق سُلَمی تھے۔

اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسر	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت سعد بن ابی وقاص	قریش/زہرہ	الف	بدر سے قبل	۲-۱ھ/۴-۶۲۲ء	ریاستی گھوڑوں کے افسر	٠	٠	٠	٠	٠	۲۶۸/۲
۲	حضرت بشیر بن سعد	خزرج/ساعدہ	س	عمرۃ القضاء	ذی قعدہ ۷ھ/ مارچ ۶۲۹ء	اسلحہ کے افسر	٠	۷۳۳	۱۲۱/۲	٠	۲۶/۳	۱۹۵/۱
۳	حضرت اوس بن خولی	//	//	//	// //	// //	٠	۷۳۵	//	٠	٠	٠
۴	حضرت عبد الرحمٰن بن ازہر	قریش/زہرہ	ف	حنین	شوال ۸ھ/فروری ۶۳۰ء	گھوڑوں کے افسر	٠	٠	٠	٠	٠	۲۷۹/۳

محافظ دستوں کے افسر صحابہ کرامؓ

نمبر شمار	اسمائے محافظ	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبد الاشہل	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	میدان جنگ میں العریش کے باہر نگراں ومحافظ	•	۵۵	•	•	۴۴۹/۲	۲۹۶-۹/۲
۲	// // //	// //	//	// اُحد	شوال ۳ھ/ اپریل ۶۲۵ء	رسول کریم کے مکان پر محافظ دستے کے افسر	•	۲۰۸	۳۷/۲	۳۱۴/۱	•	//
۳	حضرت اسید بن حضیر	// //	//	// //	// //	// // //	•	//	//	//	•	۹۲-۳/۱
۴	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	// //	// //	// // //	•	//	//	//	•	۲۸۳-۵/۲
۵	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/حارثہ	//	// //	// //	پچاس سپاہیوں کے دستے کے افسر	•	•	•	۳۱۵/۱	•	•
۶	حضرت ذکوان بن عبد قیس	// /زریق	//	// //	// //	رسول کریم کے تخیین نامی مقام پر محافظ	•	۲۱۷	•	•	•	۱۳۷/۲
۷	حضرت سعد بن عبادہ	// /ساعدہ	//	حمراء الاسد	// //	محافظ رسول	•	۳۳۴	•	•	•	۲۸۳-۵/۲
۸	حضرت حباب بن منذر	// / •	//	//	// //	//	•	//	•	•	•	۳۶۴-۵/۱
۹	حضرت سعد بن معاذ	اوس/ظفر	//	//	// //	//	•	//	•	•	•	۲۹۶-۷/۲
۱۰	حضرت اوس بن خولی	// //	س	//	// //	//	•	//	•	•	•	۱۴۴/۱
۱۱	حضرت قتادہ بن نعمان	// /عبد الاشہل	د	//	// //	//	•	//	•	•	•	۱۹۵-۶/۴
۱۲	حضرت عبید بن اوس	// //	س	//	// //	//	•	//	•	•	•	۳۴۶/۳
۱۳	حضرت عباد بن بشر	// /عبد الاشہل	د	//	// //	//	•	۳۳۶	•	•	•	۱۰۰-۱/۳
۱۴	// // //	// //	//	ذات الرقاع	محرم ۵ھ/ جون ۶۲۶ء	محافظ افواجِ اسلامی	•	۳۹۷	•	•	•	//
۱۵	حضرت عمار بن یاسر	مذحج/عنس	الف	//	// //	//	•	//	•	•	•	۴۳-۷/۴
۱۶	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبد الاشہل	د	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ/ اگست تمبر ۶۲۷ء	محافظ رسول	•	۲۰۲	•	•	•	۱۰۰-۱/۳
۱۷	حضرت سلمہ بن اسلم	// /حارثہ	//	//	// //	//	•	//	•	•	•	۲۳۲-۳/۲
۱۸	حضرت بلال بن رباح	حبشی/مولائے رسول	الف	وادی القریٰ	صفر ۷ھ/ جون ۶۲۸ء	// وفوج اسلامی	•	•	•	•	۱۷/۳	۲۰۶/۱

خلفائے رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے خلیفہ/نائب	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم/موقعہ	تاریخ مہم/تقرری	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	ودان	صفر ۲ھ/اگست ۶۲۳ء	•	۵۹-۶۱/۱	•	۸/۲	انساب ۱/۲۸۷	۴۰۷/۲	۲۸۳-۵/۲
۲	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبدالاشہل	//	بواط	ربیع الاول ۲ھ/ستمبر ۶۲۳ء	ابن ہشام ۱/۵۹۸ کے مطابق حضرت سائب بن عثمان جمحی	•	•	//	// / //	//	۲۹۶-۹/۲
۳	حضرت زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	بدر اولی/سفوان	// //	•	•	•	۹/۲	// / //	//	۲۳۴-۷/۲
۴	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش/مخزوم	//	ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ھ/دسمبر ۶۲۳ء	•	۵۹۸/۱	•	//	۲۹۴/ //	۴۰۸/۲	۲۱۸/۵
۵	حضرت عمرو بن ام مکتوم	// /عامر بن لوی	//	بدر الکبری	رمضان ۲ھ/مارچ ۶۲۴ء	ابن ہشام کے بقول حضرت عمرو کی جگہ ابولبابہ نے لی تھی	۵۹۸/۱	•	•	•	•	۱۲۷/۴
۶	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس/عمرو بن عوف	س	//	// //	حضرت ابولبابہ کو روحاء سے بھیجا گیا تھا	•	۱۸۰	۱۲/۳	// / //	۴۷۸/۲	۲۹۸/۵
۷	حضرت حارث بن حاطب	// //	//	//	// //	بالائی مدینہ کے علاقے میں	•	//	//	۲۸۹/ //	//	//
۸	حضرت عاصم بن عدی	// /عجلان	//	//	// //	مدینہ زیریں کے لئے	•	//	//	// / //	//	•
۹	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس/عمرو بن عوف	//	بنوقینقاع	شوال ۲ھ/اپریل ۶۲۴ء	پندرہ دن عہدہ مدت	•	//	۲۹/۲، ۱۲	۳۰۹/ //	۳۸۱/۲	ایضاً
۱۰	// // //	// //	//	سویق	ذیقعدہ ۲ھ/مئی، جون ۶۲۴ء	پانچ // //	۴۵/۲	۱۸۰و۱۸۳	۳۰/۲، ۱۲	۳۱۰/ //	//	//
۱۱	حضرت عمرو بن ام مکتوم (۱)	// /عامر بن لوی	الف	الکدر	محرم ۳ھ/جولائی ۶۲۴ء	پندرہ // //	۴۳/۲	۱۸۴	۳۱/۲	// / //	۴۸۳/۲	//
۱۲	حضرت عثمان بن عفان	// /امیہ	//	ذوامر/غطفان	ربیع الاول ۳ھ/ستمبر ۶۲۴ء	گیارہ // //	۴۶/۲	۱۹۶	۳۵/۲	۳۱۱/ //	•	۳۷۶-۸/۳
۱۳	حضرت عمرو بن ام مکتوم	// /عامر بن لوی	//	بحران	جمادی الاولی ۳ھ/اکتوبر، نومبر ۶۲۴ء	دس // //	//	۱۹۷	۳۵-۶/۲	// / //	•	۱۲۷/۴

۱۴	// // //	// //	//	احد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	•	//	۱۹۹	۳۹/۲	۳۳۸/ //	•	//
۱۵	// // //	// //	//	حمراء الاسد	// //	پانچ دن عہدہ مدت	۱۰۲/۲	•	۳۹/۲	// / //	۵۳۶/۲	//
۱۶	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد	// /مخزوم	//	ذات العشیرہ	محرم ۴ھ/ جون ۶۲۵ء	•	•	•	//	•/ //	•	۲۱۸/۵
۱۷	حضرت عمرو بن ام مکتوم	// /عامر بن لوی	//	بنونضیر	ربیع الاول ۴ھ/ اگست ۶۲۵ء	پندرہ دن عہدۂ مدت	•	۳۲۱	۵۸/۲	۳۳۸/ //	۵۵۵/۲	۱۲۷/۳
۱۸	حضرت عبداللہ بن رواحہ (۲)	خزرج	س	بدر الموعد	ذیقعدہ ۴ھ/ اپریل ۶۲۶ء	سولہ دن عہدۂ مدت	•	۳۸۳	۵۹/۲	•	۵۶۱/۲	۱۵۶-۹/۳
۱۹	حضرت عثمان بن عفان	قریش/امیہ	الف	ذات الرقاع	محرم ۵ھ/ جون ۶۲۶ء	پندرہ // //	۲۰۳/۲	۳۰۲	۶۱/۲	انساب/۳۳۰	۵۵۶/۲	۳۲۱-۸۳/۳
۲۰	حضرت سباع بن عرفطہ	غفار	ب	دومۃ الجندل	ربیع الاول والثانی ۵ھ/ اگست ستمبر ۶۲۶ء	پچیس // //	۲۱۳/۲	۳۰۳	۶۲/۲	۳۳۱/ //	۵۶۳/۲	۱۵/۲
۲۱	حضرت زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	مریسیع	رجب ۵ھ/ جنوری ۶۲۷ء	اٹھائیس // //	•	•	۶۳/۲	۳۳۲/ //	•	۲۳۳-۷/۲
۲۲	حضرت عمرو بن ام مکتوم	قریش/عامر بن لوی	//	خندق	ذیقعدہ ۵ھ/ اپریل ۶۲۷ء	پندرہ // //	۲۲۰/۲	۳۳۱	۶۶/۲	۳۳۵/ //	•	۱۲۷/۳
۲۳	// // //	// //	//	بنوقریظہ	//ذی الحجہ ۵ھ/ مئی ۶۲۷ء	// // ۲۳ ذیقعدہ تا ۷ ذی الحجہ	۲۳۳/۲	۳۹۶	۷۳/۲	۳۳۷/ //	•	//
۲۴	// // //	// //	//	لحیان	ربیع الاول ۶ھ/ جولائی ۶۳۰ء	•	۲۷۹/۲	۵۳۷	۷۹/۲	۳۳۸/ //	•	//
۲۵	// // //	// //	//	الغابہ	ربیع الثانی ۶ھ اگست ۶۲۷ء	پانچ // //	۲۸۳/۲	۵۳۸و۵۳۷	۸۰/۲	۳۳۹/ //	•	//
۲۶	// // //(۳)	// //	//	حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ/ مارچ ۶۲۸ء	تقریبا دو ماہ //	•	۵۷۳	۹۵/۲	۳۵۰/ //	•	// (۳)
۲۷	حضرت سباع بن عرفطہ (۵)	// //	ب	خیبر/فدک/وادی القری	صفر ۷ھ/ جون ۶۲۸ء	•	•	۶۳۶	۱۰۶/۲	۳۵۲/ //	۹/۳	۲۵۹/۲
۲۸	حضرت ابورہم کلثوم بن حصین (۶)	غفار	س	عمرۃ القضاء	ذیقعدہ ۷ھ/ مارچ ۶۲۹ء	•	•	•	۱۲۰/۲	•	•	۲۵۰/۵
۲۹	حضرت عمرو بن ام مکتوم (۷)	قریش/عامر بن لوی	الف	فتح مکہ	رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء	تقریبا دو ماہ //	•	•	۱۳۵/۲	۳۶۴/ //	۵۰/۳	//
۳۰	// // //	// //	//	حنین/طائف	//شوال ۸ھ/ فروری ۶۳۰ء	•	•	•	//	•	•	//
۳۱	حضرت محمد بن مسلمہ (۸)	اوس/عبدالاشہل	د	تبوک	رجب-رمضان ۹ھ/ اکتوبر، دسمبر ۶۳۱ء	۳ ماہ تقریبا مدت عہدہ	۵۱۹/۳	۹۹۵	۱۶۵/۲	۳۶۸/۱	•	۳۳۱/۳

۳۲	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	//	//	//	خلیفہ رسول درامور بنی ہاشم	۳/۵۲۰	۰	۰	۰	۰	۴/۴۰-۱۶
۳۳	حضرت سباع بن عرفطہ(۹)	غفار	س	حجۃ الوداع	ذی الحجہ ۱۰ھ/ مارچ ۶۳۲ء		۰	۳/۶۰۰	۰	۰	۰	۰	۵/۵-۱۸۴

(۱) اس مہم میں دوسری روایت کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائب رسول تھے۔

(۲) ابن ہشام: ۳/۲۰۹ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول نائب رسول تھے۔

(۳) ابن ہشام: ۳/۳۰۸ کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائب رسول تھے۔

(۴) وکان ابن ام مکتوم علی الصلاۃ: ۱/۳۵۰۔

(۵) ابن ہشام: ۳/۳۲۸ اور اسد: ۵/۳۳ کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائب رسول تھے۔

(۶) ابن ہشام: ۳/۳۷۰ کے مطابق حضرت عویف بن الاضبط نائب رسول تھے، بلاذری: ۱/۳۵۳ میں ابوذر غفاری کا نام بھی ہے۔

(۷) ابن ہشام: ۳/۳۹۹ کے مطابق حضرت ابورہم غفاری نائب رسول تھے، مگر واقدی نے تردید کی ہے، نیز بلاذری: ۱/۳۶۴۔

(۸) طبری: ۳/۱۰۳ کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائب رسول تھے۔

(۹) ایک روایت میں حضرت ابودجانہ انصاری کا نام ہے، بلاذری: ۱/۳۶۸ میں حضرت ابن ام مکتوم کا نام ہے۔

مشیرانِ نبوی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے مشیر	قبیلہ/ خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم/ موقعہ	تاریخ مہم/ موقعہ	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/ تیم	الف			(۱) جنگ سے پہلے لڑنے یا نہ لڑنے کے بارے میں				۲۹۳-۲/۱		۲۰۵-۲۳/۳
۲	حضرت عمر بن خطاب	// /عدی	ب			مشورہ۔ سب کا بالاتفاق جنگ کرنے کے حق میں				// ۲۹۲/۱		۵۲-۷۲/۳
۳	حضرت مقداد بن عمرو	قضاعہ/ بہراء	//	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	مشورہ۔		۸۳-۵۳ ۱۰۷-۸		//	۴۳۳-۴۰/۲ ۴۷۳-۷/۲	۳۰۹/۳
۴	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبدالاشہل	د							//		۲۹۶-۹/۲
۵	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ ساعدہ	//			(۲) جنگ کے بعد قیدیوں کے ساتھ سلوک کے بارے				//		۲۸۳-۵/۲
۶	حضرت حباب بن منذر	// /سلمہ	//			میں مشورہ خاص کر اول الذکر دو سے۔				//		۳۶۴-۵/۱
۷	// // //	// //	//	//	// //	خیمہ گاہ کے موزوں مقام کا مشورہ	۰	۵۳	۰	۲۹۳/۱	۴۴۰/۲	//
۸	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش/ ہاشم	الف									۳۶-۵۰/۲
۹	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ ساعدہ	د									۲۸۳-۵/۲
۱۰	حضرت نعمان بن مالک	اوس/ سالم	س			ان تمام صحابہ کرام نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے						۲۹-۳۰/۵
۱۱	حضرت مالک بن سنان	خزرج/ حذر	//	غزوۂ اُحد	شوال ۳ھ/ مارچ ۶۲۵ء	کا نہ صرف مشورہ دیا تھا؛ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۰	۲۰۹-۱۳	۰	۰	۵۰۲-۳/۲	۲۸۱/۴
۱۲	حضرت ایاس بن اوس	اوس/عبدالاشہل	//			کے خیال اور فیصلہ کو تبدیل کرایا تھا۔						۱۵۳/۱

۱۳	حضرت خیثمہ بن حارث	// /عمرو بن عوف	//									۱۲۹/۲
۱۴	حضرت انس بن قتادہ	// / //	//									۱۲۶/۱
۱۵	حضرت سلمان فارسی	ایرانی/مولائے رسول	//	خندق	ذیقعدہ ۵ھ/اپریل ۶۲۷ء	مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ	۳۵۰/۲	۴۴۴-۵	•	۳۴۳/۱	۵۶۶/۲	۳۳۸-۳۴/۲
۱۶	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	//	// //	قبیلہ غطفان کو میدانِ جنگ سے واپسی کے عوض مدینہ	•			۳۴۶/۱	۵۷۳/۲	ایضا
۱۷	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبدالاشہل	//	//	// //	کی ایک تہائی پیداوار کی تجویز کے خلاف مشورہ						//
۱۸	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ/اپریل ۶۲۸ء	حضرت عثمان کی بطور سفیر نبوی تقرری کی تجویز	۳۱۵/۲	۶۰۰	۹۷/۲	•	۶۳۰-۳۱/۲	ایضا
۱۹	حضرت حباب بن منذر	خزرج/سلمہ	د	خیبر	صفر ۷ھ/جون ۶۲۸ء	قلعہ سے ذرا دور ہٹ کر خیمہ زن ہونے کا مشورہ	•	۶۴۳-۴	•	•	•	۳۶۴-۵/۱
۲۰	حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ	قریش/تیم	الف	//	// //	دباؤ ڈالنے کے لئے بعض کھجور کے درختوں کے کاٹنے کا مشورہ	•	۶۴۳/۴	•	•	•	سابق
۲۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	//	// //	حضرت ابوبکر کے مشورہ کے خلاف نہ کاٹنے کا مشورہ	•	۶۵۱/۴	•	•	•	//
۲۲	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	سریہ بشیر بن سعد	شعبان ۷ھ/فروری ۶۲۹ء	دونوں کا متفقہ مشورہ کہ حضرت بشیر کو افسر سریہ مقرر	•	۷۲۸	•	•	•	•
۲۳	حضرت عمر فاروق	// /عدی	ب	//	// //	کیا جائے						
۲۴	// // //	// //	//	غزوۂ حنین	شوال ۸ھ/فروری ۶۳۰ء	طریق جنگ کے بارے میں مشورہ	•	۸۹۳	•	•	۷۳/۳	سابق
۲۵	حضرت حباب بن منذر	خزرج/سلمہ	د	// طائف	// //	خیمہ گاہ کے انتخاب کے بارے میں	•	۹۲۵/۶	•	•	•	//
۲۶	حضرت سلمان فارسی	ایرانی/مولائے رسول	س	//	// //	منجنیق بنانے اور استعمال کرنے کا مشورہ	•	۹۲۷	•	۳۶۷/۱	•	//
۲۷	حضرت نوفل بن معاویہ	دئل	ط	//	// //	محاصرہ اٹھالینے کا مشورہ	•	۹۳۷	•	•	۸۴/۳	۴۷/۵
۲۸	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	تبوک	رمضان ۹ھ/دسمبر ۶۳۱ء	مدینہ کو واپس ہونے کا مشورہ	•	۱۰۱۹	•	•	•	سابق

سکریٹری صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے کاتب/سکریٹری	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم/موقعہ	تاریخ مہم/موقعہ	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج/نجار	س	مدنی عہد	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	وحی الٰہی اور خطوط لکھنا، کاتب اعظم	•	۳-۳۹۲ ۷۸۲و۶۲۳	۳۶۷-۷۸/۱	۵۳۱/۱	۱۷۳/۳	۴۹/۱
۲	حضرت زید بن ثابت	// //	//	//	// //	نائب کاتب اعظم-وحی/خطوط	•	•	•	//	//	۳۲۱-۴/۲
۳	حضرت علی بن طالب (۱)	قریش/ہاشم	الف	//	// //	وحی، خطوط، معاہدے، فرامین/صلح حدیبیہ	•	۶۱۰	۳۶۷-۷۴/۱ ۹۷/۲	•	۶۳۴-۵/۲ ۱۷۳/۳	۱۶-۴۰/۴
۴	حضرت عثمان بن عفان (۱)	// / امیہ	//	//	// //	وحی اور خطوط	•	•	۲۸۴/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۳۷۶-۸۴/۳
۵	حضرت خالد بن سعید (۱)	// //	//	//	// //	// //	۵۴۳/۲	۹۶۷	۲۶۵-۸۵/۱	//	//	۸۲/۲
۶	حضرت ابان بن سعید	// //	ط	//	۱۱-۸ھ/۳۲-۶۳۰ء	خطوط	•	•	•	//	//	۳۵-۷/۱
۷	حضرت شرحبیل بن حسنہ (۱)	کندہ	الف	//	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	وحی اور خطوط	•	•	•	//	•	•
۸	حضرت معاویہ بن ابی سفیان	قریش/امیہ	ع	//	۱۱-۷ھ/۳۲-۶۲۹ء	وحی، خطوط، فرامین اور معاہدے/مستقل	•	•	۲۶۶-۸۷/۱	//	۱۷۳/۳	۳۸۵-۷/۴
۹	حضرت مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط	//	۱۱-۵ھ/۳۲-۶۲۷ء	خطوط اور فرامین	•	•	۲۶۶-۷۴/۱	•	•	۴۰۶-۷/۴
۱۰	حضرت ارقم بن ابی الارقم (۱)	قریش/مخزوم	الف	//	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	وحی، خطوط	•	•	۲۶۸-۷۴/۱	•	•	۵۹-۶۱/۱
۱۱	حضرت علاء بن عقبہ	•	•	//	// //	خطوط	•	•	۲۷۱-۳/۱	•	•	۹/۴
۱۲	حضرت علاء بن حضرمی	حضرموت	ب	//	// //	//	•	۷۸۲	۲۶۹-۷۱/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۷-۸/۴
۱۳	حضرت عبداللہ بن زید	انصاری	•	//	// //	//	•	•	۲۶۶-۷/۱	•	•	۱۶۸/۳

۱۴	حضرت جہیم بن صلت	قریش/مطلب	ط	//	۶-۱۱ھ/۶۲۷-۳۲ء	//	•	•	۲۶۸/۱	۵۳۲/۱	•	۳۱۱-۲/۱
۱۵	حضرت زبیر بن عوام	قریش/اسد	الف	مدنی عہد	۱-۱۱ھ/۶۲۲-۳۲ء	خطوط	•	•	۲۶۹/۱	•	•	۱۹۶-۹/۱
۱۶	حضرت عبداللہ بن ارقم	// / زہرہ	ع	//	۷-۱۱ھ/۶۲۹-۳۲ء	//	•	•	•	•	•	۱۱۵/۳
۱۷	حضرت حنظلہ الاسیدی	تمیم/اسید	•	//	•	وحی اور خطوط	•	•	•	•	۱۷۳/۳	۵۸/۲
۱۸	حضرت عقبہ	•	•	//	•	خطوط	•	•	۲۷۱/۱	•	•	۳۱۸-۹/۳
۱۹	حضرت قضاعی بن عمرو	عذرہ	•	//	•	//	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۲۰۵/۵
۲۰	حضرت سجل	•	•	//	•	وحی اور خطوط	•	•	•	•	•	۲۶۱/۲
۲۱	حضرت نامعلوم صحابی ابو مسلم(۲)	•	•	//	•	وحی	•	•	•	بخاری،قصہ	اسلام ابی ذر	•
۲۲	حضرت عبداللہ بن ابی سرح(۳)	قریش/عامر بن لوی	ب/ف	//	۱-۵ھ/۶۲۲-۲۷ء	//	۳۰۹/۲	۸۵۵	•	۵۳۱/۱	۱۷۳/۳	۱۷۳-۴/۳
۲۳	حضرت یزید بن ابی سفیان	// / امیہ	ب	//	۷-۱۱ھ/۶۲۹-۳۲ء	خطوط	•	•	•	•	•	•
۲۴	حضرت ابوبکر صدیق	// / تیم	الف	//	۱-۱۱ھ/۶۲۲-۳۲ء	وحی،خطوط/فرامین	•	•	•	•	•	•
۲۵	حضرت عمر فاروق	// / عدی	ب	//	// //	// // //	•	•	•	•	•	•
۲۶	حضرت ابوسفیان بن حرب	// / امیہ	ف	//	۸-۱۱ھ/۶۳۰-۳۲ء	خطوط	•	•	•	•	•	•
۲۷	حضرت عامر بن فہیرہ	// /تیم مولائے صدیق	الف	//	۱-۱۱ھ/۶۲۲-۲۹ء	//	•	•	•	•	•	•
۲۸	حضرت طلحہ بن عبیداللہ	// //	//	//	// //	//	•	•	•	•	•	•
۲۹	حضرت عبداللہ بن رواحہ	خزرج/نجار	د	//	۱-۸ھ/۶۲۲-۲۹ء	//	•	•	•	•	•	•
۳۰	حضرت خالد بن ولید	قریش/مخزوم	ع	//	۷-۱۱ھ/۶۲۸-۳۲ء	//	•	•	•	•	•	•
۳۱	حضرت حاطب بن عمرو	// /عامر بن لوی	الف	//	۱-۱۱ھ/۶۲۲-۳۲ء	//	•	•	•	•	•	•
۳۲	حضرت حویطب بن عمرو	قریش/عامر بن لوی	//	مدنی عہد	۱-۱۱ھ/۶۲۲-۳۲ء	خطوط	•	•	•	•	•	•
۳۳	حضرت حذیفہ بن یمان	اوس/عبدالاشہل	س	//	// //	//	•	•	•	•	•	•

۳۴	حضرت حصین بن نمیر	•	•	//	•	•	•	•	•	•	•	•	•
۳۵	حضرت ابوایوب خالد انصاری	خزرج/نجار	//	//	// //	•	•	•	•	•	•	•
۳۶	حضرت معیقب بن ابی فاطمہ	دوس	الف/ب	//	// //	خطوط/ خاتم نبوی کے محافظ بھی تھے	•	•	•	•	•	۴۰۳/۴
۳۷	حضرت عمرو بن عاص	قریش/سہم	ع	//	۱۱-۷ھ/۳۲-۶۲۸ء	خطوط	•	•	•	•	•	•
۳۸	حضرت بریدہ ابن حصیب	(اسلم؟)	س	//	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	•	•	•	•	•	•	•
۳۹	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش/مخزوم	الف	//	// //	•	•	•	•	•	•	•
۴۰	حضرت عبدربہ	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•
۴۱	حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول	خزرج	د	//	// //	•	•	•	•	•	•	•
۴۲	حضرت ثابت بن قیس	//	س	//	// //	خطوط	•	•	۲۸۶/۱	•	•	۳۰/۱-۳۲۹
۴۳	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د	//	// //	//	•	•	//	•	•	۱/۱-۳۰۰
۴۴	حضرت عبداللہ بن ہلال(۳)(ابن خطل)(۴)	قریش/ادرم	الف	//	•	//	•	•	•	•	•	•
۴۵	حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق	// / تیم	//	//	// //	//	•	•	۲۸۶/۱	•	•	•

(۱) مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔ (۲) مرتد ہوگئے۔

(۳) مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔ (۴) مرتد ہوگئے اور قتل کے جرم میں قتل ہوئے۔

سفیران نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے سفیر	قبیلہ/ خاندان	زمنۂ قبول اسلام	علاقہ/منزل	تاریخ تقرری	نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	بدر/قریش مکہ	۲ھ/۶۲۳ء	لشکر قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچانا	•	•	•	۲۹۲/۱	•	•
۲	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبد الاشہل	د	بنو نضیر	ذیقعدہ ۴ھ/ •	یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ نبوی سے آگاہ کرنا	•	۳۶۶	۵۷/۲	•	•	۳۳۱/۴
۳	حضرت نعیم بن مسعود	غطفان/اشجع	ط	غطفان، قریش/قریظہ	// ۵ھ/اپریل ۶۲۷ء	احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کے لئے	•	•	•	•	۵۵۲-۳/۲	۳۳/۵
۴	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبد الاشہل	د	بنو قریظہ	// //	یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاد دہانی						سابق
۵	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	//	//	// //		۳۰۳/۲	۴۵۸-۹	•	•	۵۷۱/۲	//
۶	حضرت عبداللہ بن رواحہ	خزرج/نجار	//	//	// //							//
۷	حضرت خراش بن امیہ	خزاعہ/کعب	س	قریش مکہ	ذیقعدہ ۶ھ/مارچ ۶۲۸ء	مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کے لئے	•	۶۰۰	۹۶/۲	•	۶۳۱/۲	۱۰۸/۲
۸	حضرت عثمان بن عفان	قریش/امیہ	الف	//	// //	// // //	۳۱۵/۲	//	۹۷/۲	•	۶۳۰-۱/۲	سابق
۹	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	//	//	// //	صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کے لئے	•	•	•	•	۶۳۰/۲	•
۱۰	حضرت دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	قیصر روم ہرقل	محرم ۷ھ/مئی، جون ۶۲۸ء	دعوت اسلام ، معاہدۂ صلح ، دوستی	۶۰۷/۱	•	۲۵۸-۳/۱	۵۳۱/۱	۶۴۴-۵/۲	۱۳۰/۲
۱۱	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	لخم/خلیفہ	الف	مقوقس مصر	// //	// // //	//	•	//	//	//	۳۶۰-۲/۱

۱۲	حضرت عبداللہ بن حذافہ	قریش/سہم	//	کسرائے ایران خسرو پرویز	// //	// // //	//	•	//	//	//	۱۳۲-۴/۳
۱۳	حضرت شجاع بن وہب	اسد بن خزیمہ/حلیف بنی امیہ	//	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شام	// //	// // //	//	•	//	//	//	۳۸۶/۱
۱۴	حضرت مہاجر بن ابی امیہ	قریش/مخزوم	ف	شاہ یمن (حمیر)	محرم ۷ھ/مئی، جون ۶۲۸ء	// // //	//	•	•	•	•	۴۲۲/۴
۱۵	حضرت سلیط بن عمرو	قریش/بنی عامر بن لوی	الف	سردار یمامہ ہوذہ بن علی	// //	دعوت اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	//	•	۲۶۳/۱	۲۶۳/۱ قب۸۹	۶۳۳-۵/۲	۳۴۴/۲
۱۶	حضرت عمرو بن امیہ	کنانہ/ضمرہ	س	شیخ مکہ ابوسفیان اموی	// //	تحائف لے کر	•	•	•	•	•	•
۱۷	// // //	// //	//	شاہ حبشہ نجاشی	// //	مسلمانوں کو لانے کے لئے، دعوت	۶۰۷/۲ ۳۵۹/۲	•	۲۵۸/۱	۵۳۱/۱	۶۳۳-۵۵/۲	۸۶/۴
۱۸	حضرت عمرو بن العاص	قریش/سہم	ع	شاہان عمان جیفر وعبد	ذیقعدہ ۸ھ/ فروری مارچ ۶۳۰ء	دعوت اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	۶۰۷/۱	•	۲۶۱/۱	•	۶۳۵/۲ ۲۹/۳	۱۱۵-۱۸/۴
۱۹	حضرت علاء بن حضرمی	حضرموت	الف/ب	شاہ بحرین منذر بن ساوی	// //	// // //	//	•	۲۶۳/۱	قب ۸۹	۶۳۵/۲ ۲۹و۱۳۷/۳	•
۲۰	حضرت ابوزید	انصاری	س	شاہ عمان	// //	// // //	•	•	•	قب۸-۸۷	•	۳۳۱-۲/۲
۲۱	حضرت علقمہ بن فغواء	خزاعہ/ عمرو بن ربیعہ	•	شیخ مکہ ابوسفیان	غالباً ۹ھ/۶۳۰ء	قریش کے قرباء کے لئے رقم لے کر	•	•	•	•	•	۱۳-۴/۴
۲۲	حضرت عمرو بن فغواء	// //	•		// //	// // //						۱۲۶/۴
۲۳	حضرت نمیر بن عرشہ	ہوازن/ثقیف	•	طائف، ثقیف	// //	دعوت، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	۲۸۵/۱	•	•	۳۱/۵
۲۴	حضرت ظبیان بن مرثد	سدوس	ف	بکر بن وائل	// //	// // //	•	•	۲۸۲/۱	•	•	•
۲۵	حضرت حارث بن عمیر (۱)	ازد/لہب	•	شاہ بصری شرحبیل بن عمرو غسانی	// //	// // //	•	•	۱۲۸/۲	•	•	۳۳۱-۲/۱
۲۶	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ	قریش/مخزوم	الف	شاہ حمیر (قوم)	// //	// // //	•	•	۲۸۲/۱	•	•	۱۶۱/۴

۲۷	حضرت دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	ضغاطر الاسقف/نجران	۱۱-۱۰ھ/۲-۶۳۱ء	// // //	•	•	۲۷۶/۱	•	•	سابق
۲۸	حضرت وبر بن عنیس	خزاعہ	•	ابناء الیمن	// //	اسود عنسی کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	•	•	•	•	۱۸۷/۳	۳۳۸/۳ ۸۳/۵
۲۹	حضرت ابوعامر	•	•	حدود شام	// //	•	•	•	•	•	•	۲۴۰/۵
۳۰	حضرت قطن بن حارثہ	کلب	ق	بنوکلیب اور حلفاء	// //	•	•	•	•	•	•	۲۰۷/۴
۳۱	حضرت عمرو بن امیہ	کنانہ/ضمر	س	مسیلمہ کذاب/یمامہ	۱۱-۱۰ھ/۲-۶۳۱ء	اس کے خط کے جواب میں	•	•	۲۷۳/۱	•	•	۸۶/۴
۳۲	حضرت حبیب بن زید(۲)	خزرج/نجار	د	// //	// //	دعوت، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	•	قب۱۰۲	•	۳۷۰/۱
۳۳	حضرت عبداللہ بن وہب	اسلم	س	// //	// //	// // //	•	•	•	•	•	۲۷۲-۳/۳
۳۴	حضرت فرات بن حیان عجلی	ربیعہ/عجل	//	ثمامہ بن اثال شیخ یمامہؓ	// //	مسیلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	•	•	•	•	۱۸۷/۳	۱۶۵/۴
۳۵	حضرت صلصل بن شرحبیل	•	•	بنوعامر	// //	•	•	•	•	•	//	۲۹/۳
۳۶	حضرت ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	ق	بنوصیداء/اسد، بنی دیل	// //	•	•	•	•	•	//	۳۹-۴۰/۳
۳۷	حضرت عبداللہ بن عوسجہ	ہوازن/عرینہ	//	بنوحارثہ...بن قریط	// //	•	•	•	•	•	•	۲۳۹/۳
۳۸	حضرت عبداللہ بن بدیل بن ورقاء	خزاعہ/کعب	ب	قبائل یمن	// //	•	•	•	•	•	•	۱۲۴-۵/۳
۳۹	حضرت عبدالرحمٰن // //	// //	//	//	// //	•	•	•	•	•	•	۲۸۲/۳
۴۰	حضرت جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالکلاع وذوظلیم	// //	دعوت، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	۲۶۶/۲	•	۱۸۷/۳	۲۷۹-۸۰/۱
۴۱	حضرت اقرع بن عبداللہ	حمیر	//	ذوزود وذو مران	// //	// // //	•	•	•	•	//	۱۱۰/۱
۴۲	حضرت زیاد بن حنظلہ	تمیم/عمرو	//	تمیم	// //	// // //	•	•	•	•	//	۲۱۳/۲
۴۳	حضرت نعیم بن مسعود	غطفان/اشجع	ط	اشجع	// //	// // //	•	•	•	•	//	۳۳/۵

(۱) شاہ بصری کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (۲) مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

مخصوص افسرانِ نبوی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسر خاص	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ تقرری	تاریخ تقرری	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس/عبدالاشہل	د	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ/مئی ۶۲۷ء	بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ دینا (حکم)	•	۵۱۰	۷۵/۲	۳۴۷/۱ قسب ۳۵	۵۸۳-۸/۲	۲۹۶-۹/۲
۲	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	جذام	جمادی الاولیٰ ۶ھ/ نومبر ۶۲۷ء	حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھوں مقتولوں کا قصاص ادا کرنا	•	۵۵۹	•	•	•	•
۳	حضرت ابوامامہ	ازد/باہلہ	ط	ازد/باہلہ	۷ھ/۶۲۸ء	خون کھانے کی حرمت کا اعلان کرنے کے لئے جانا	•	•	•	•	•	۱۰/۵
۴	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	مکہ	رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء	حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کا قصاص ادا کرنا	۴۳۰/۲	•	•	•	•	۱۶-۳۰/۴
۵	// // //	// //	//	بنو جذیمہ/ بنو جذیمہ	شوال ۸ھ/فروری ۶۳۰ء	// // // //	•	۸۸۳	•	•	•	۶۷-۸/۴
۶	// // //	// //	//	مکہ	ذیقعدہ ۹ھ/مارچ ۶۳۱ء	حج ابی بکر میں قرآن کریم کے بعض احکام کا اعلان کرنا	•	•	•	•	•	//
۷	حضرت طلحہ بن عبیداللہ	قریش/تیم	//	مدینہ	۹ھ/۶۳۱ء	منافقوں کے ایک سازشی اڈے کو منہدم کرنا	•	•	•	•	•	۵۹-۶۰/۳
۸	حضرت مالک بن الدخشم	اوس/سالم	د	//		منافقوں کی مسجد ضرار کو منہدم کرنا						۱۲۸-۹/۴
۹	حضرت معن بن عدی	اوس/عجلان	//	//	۹ھ/۶۳۱ء		•	•	•	•	•	۴۰۱/۴
۱۰	حضرت عاصم بن عدی	// //	//	//		منافقوں کی مسجد ضرار کو منہدم کرنا						۰/۳
۱۱	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	//	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	ایک نصرانی کی آدھی دولت ضبط کرنا	•	•	•	•	•	۵۲-۷۲/۴
۱۲	حضرت انیس بن ضحاک	اسلم	س	قبیلہ اسلم	// //	اپنی قوم کی ایک زانیہ کو رجم کرنا	•	•	•	•	•	۱۳۳/۱
۱۳	حضرت حنظلہ بن یمان	غطفان/حلیف اوس	//	مدینہ	// //	دو بھائیوں کی جائداد پر اختلاف کو دور کرنا	•	•	•	•	•	•
۱۴	حضرت علاء بن عقبہ	•	•	•	// //	•	•	•	•	•	•	•
۱۵	حضرت ارقم	•			// //	•	•	•	•	•	•	•
					// //	•	•	•	•	•	•	•

شعراء وخطباء رسول ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسر خاص	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ تقرری	تاریخ تقرری	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت حسان بن ثابت	خزرج/ نجار	س	مدینہ	۱-۱۱ھ/ ۶۲۲-۶۳۲ء	ناموس رسول ومسلمانوں کی حفاظت کرنا	•	۱۲۲-۲۶ ۹۷۷-۷۸	۲۹۴/۱	•	۵۲۳-۴۸/۲ ۱۱۷-۱۹/۳	۲۴۸/۲
۲	حضرت کعب بن مالک	// / سلمہ	د	//	// //	// //	•	•	•	•	۵۴۸/۲ و۴۸۳	۲۴۸/۴
۳	حضرت عبداللہ بن رواحہ	// / حارث	//	//	۱-۸ھ/ ۶۲۲-۶۲۹	// //	•	•	•	•	•	۲۴۸/۳
۴	حضرت عامر بن سنان	اسلم	س	//	۱-۷ھ/ ۶۲۲-۶۲۸ء	// //	•	•	•	•	•	۸۲-۳/۳
۵	حضرت ثابت بن قیس بن شماس	خزرج	//	//	۱-۱۱ھ/ ۶۲۲-۶۳۲ء	// //	•		۲۹۴/۱	•	۱۱۶/۳	۲۲۹-۳۰/۱

متفرق ماتحت کارکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے کارکن	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ تقرری	تاریخ تقرری	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت عبداللہ بن زمعہ	قریش/ اسد	ف	مدینہ	۸-۱۱ھ/ ۶۳۰-۶۳۲ء	مستقل دربانی دولت کدۂ رسالت	•	•	•	•	•	۱۶۴-۵/۳
۲	حضرت عویم بن ساعدہ	اوس/ عمرو بن عوف	د	//	شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	ایک بار //	•	۱۷۸	•	•	•	۱۵۸/۴
۳	حضرت رباح الاسود	حبشی/ مولائے رسول	الف/ س	//	۹ھ/ ۶۳۱ء	// //	•	•	•	•	•	•
۴	حضرت عنبسہ	•	•	//	•	// //	•	•	•	•	•	•
۵	حضرت ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	//	•	// //	•	•	•	•	•	•
۶	حضرت انس بن مالک	•	س	//	•			•	•	•	•	

نبی ﷺ کی طرف سے متعین کردہ گورنر صحابہ کرام ؓ

نمبر شمار	اسمائے گورنر	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/ولایت	تاریخ تقرری	مدت گورنری	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت عمرو بن سعید	قریش/امیہ	الف	وادی القریٰ	غالباً ۷ھ/ ۶۲۸ء	تاوفات نبوی	•	•	•	فب ۳۸	•	۱۰۷-۸/۴
۲	حضرت یزید بن ابی سفیان	// //	ع	تیماء	// //	//	•	•	•	//	•	۱۱۳-۳/۵
۳	حضرت سواد بن غزیہ	خزرج/نجار	س	خیبر	// //	//	•	•	•	•	•	۳۷۴/۲
۴	حضرت عبداللہ (حکم) بن سعید	قریش/امیہ	ع	قریٰ عربیہ	// //	تاشہادت غزوہ موتہ	•	•	•	کتاب المحبر ۱۳۶	جمہرہ ۷۳	•
۵	حضرت ہبیرہ بن شبل	ہوازن/ثقیف	ع	مکہ مکرمہ	شوال ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء	ایک ماہ سے اوپر، مبدل بہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ	•	•	۱۳۵/	•	•	۵۵/۵
۶	حضرت عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	//	ذیقعدہ ۸ھ/ فروری ۶۳۰ء	تاوفات نبوی	۴۴۰/۲ ۵۰۰:۳	۹۵۹ ۸۸۹	۱۳۷/۲	۳۰۴/۲ فب ۷۰	۷۳، ۹۴/۳	۳۵۸-۹/۳
۷	حضرت عثمان بن ابی العاص	ہوازن/ثقیف	ف	طائف/ثقیف	۹-۸ھ/ ۶۳۰ء	//	۵۴۰/۳	۹۶۸	۳۱۳/۱	فب ۷۰	۹۹/۳	۳۷۲-۴/۳
۸	حضرت حذیفہ بن الیمان	ازد	ب	دبا	// //	//	•	•	۵۲۷/۵	•	•	•
۹	حضرت حارث بن نوفل	قریش/ہاشم	ط	جدہ	// //	//	•	•	•	•	•	۳۵۰/۲
۱۰	حضرت عمرو بن العاص	قریش/سہم	ع	عمان	// //	//	۶۰۷/۲	۷۸۸	۱۶۱/۲	فب ۸۷	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴
۱۱	حضرت جیفر بن جلندی	•	ف	//	// //	//	•	•	•	•	•	•
۱۲	حضرت عبد بن جلندی	•	ف	//	// //	//	•	•	•	•	•	•
۱۳	حضرت علاء بن الحضرمی	حضرموت	ل	بحرین	// //	ایک سال، مبدل بہ حضرت ابان بن سعید	۵۷۶/۲ ۶۰۰/۳	•	۲۷۶/۱ ۲۸۳/۱	فب ۸۹، ۹۲	۱۳۷/۳	۷-۸/۵
۱۴	حضرت ابان بن سعید	قریش/امیہ	ف	//	۱۰-۹ھ/ ۶۳۱ء	تاوفات نبوی	•	•	•	فب ۹۲	•	۳۵-۷/۱

۱۵	حضرت منذر بن ساویٰ	تمیم	ف	//	//	//	//	•	•	•	•	•	۳۱۷/۴
۱۶	حضرت شرحبیل بن حسنہ	کندہ	الف	ایلہ	//	//	تا وفات نبوی (ماتحت افسر: ابی بن کعب، حرملہ، حریث اور جہیم)	•	•	۲۷۸،۸۹/۱	•	•	۳۹۰/۲
۱۷	حضرت معاذ بن جبل	خزرج/جشم	د	یمن کے گورنر جنرل	//	//	//(ماتحت افسر: مالک بن مرہ، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمیر)	۵۹۰/۲	•	۲۶۴-۵/۱	قب۳-۸۰	۱۲۱/۳ ۲۲۸-۹	۳۷۶-۸/۴
۱۸	حضرت یعلی بن امیہ	تمیم/حنظلہ	ق	الجند	//	//	تا وفات نبوی	•	•	•	•	۲۲۸/۳	۱۲۸-۹/۵
۱۹	حضرت خالد بن سعید	قریش/امیہ	الف	صنعاء	//	//	//	۵۴۳/۲	•	۲۶۵/۱	قب۸۰	//	۸۲-۴/۲
۲۰	حضرت باذان	ایرانی/الابناء	ع	یمن	۹-۸ھ/۳۱-۶۳۰ء		وفات پاگئے	•	•	•	•	۲۲۷-۸/۳	۱۶۳/۱
۲۱	حضرت شہر بن باذان	// //	//	//صنعا	۱۰-۹ھ/۶۳۱ء		اسود عنسی کی بغاوت میں شہید	•	•	•	•	۲۲۸-۳۰/۳	۶/۳
۲۲	حضرت طاہر بن ابی ہالہ	تمیم/اسد	ب	عک واشعر	//	//	تا وفات نبوی	•	•	•	•	۲۲۸/۳	۵۰/۳
۲۳	حضرت عکاشہ بن ثور	غوث	•	سکاسک وسکون	//	//	//	•	•	•	•	//	۲/۵
۲۴	حضرت ابوعبیدہ بن جراح	قریش/فہر	الف	نجران	۹ھ/۳۱-۶۳۰ء		کچھ مدت، مبدل بہ حضرت عمرو	•	•	•	•	•	۲۴۹/۵
۲۵	حضرت عمرو بن حزم	خزرج/نجار	س	//بنوالحارث	۱۰-۹ھ/۳۲-۶۳۱ء		تا وفات نبوی	۵۹۴-۵/۳	•	•	قب۸۰	۱۱۸/۳ ۲۲۸/۳	۶۸-۹/۴
۲۶	حضرت ابوسفیان بن حرب	قریش/امیہ	ف	جرش	//	//	کچھ مدت- قبل وفات نبوی	•	•	•	قب۸۰، ۷۰	•	۱۱۲-۳/۲
۲۷	حضرت سعید بن قشیب	ازد/حلیف بنی امیہ	//	//	۱۱-۱۰ھ/	//	تا وفات نبوی	•	•	•	•	•	۳۱۵/۲
۲۸	حضرت ابوموسیٰ	اشعر	د	زبید مع عدن ساحل	۱۰-۹ھ/۳۱-۶۳۰ء		//	•	•	•	قب۸۰	۲۲۸/۳	۳۰۸/۵
۲۹	حضرت زیاد بن لبید	خزرج/بیاضہ	//	حضرموت	//	//	//	۶۰۰/۲	•	•	//	۱۶۴/۳ ۲۲۸/۳	۲۱۷/۲
۳۰	حضرت عامر بن شہر	ہمدان	•	ہمدان	//	//	//	•	•	•	•	•	•
۳۱	حضرت مہاجر بن ابی امیہ	قریش/مخزوم	ف	کندہ/بنومعاویہ	//	//	//	•	•	•	•	•	•
۳۲	حضرت عدی بن حاتم طائی	طے	ق	علاقہ طے	//	//	//	•	•	•	•	•	•

مقامی منتظمین صحابہ کرام ؓ

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ/ خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
شمالی قبائل												
۱	حضرت امرؤ القیس (ابن الاصبغ)	کلب	ط	دومۃ الجندل	۶ھ/۶۲۸ء	ایک سریہ میں مسلمان، وفد میں حاضر خدمت نبوی	•	۵۶۱	•	•	•	۱۱۵/۱
۲	حضرت دومی بن القیس	کلب/ بنی ذھل	•	بنی ذھل/کلب	•	•	•	•	•	•	•	۱۳۴/۲
۳	حضرت رفاعہ بن زید	جذام/ ذبیب	ع	خولان	۷ھ/۹-۶۲۸ء	•	•	•	•	•	۱۴۰/۳	۱۸۱/۲
۴	حضرت قیس بن زید	//	//	بنو سعد بن مالک	// //	•	•	•	•	•		•
مغربی قبائل												
۱	حضرت سعد بن ابی ذباب	ازد/ دوس حجاز	ع	اپنی قوم	۷ھ/۹-۶۲۸ء	حضرت عمر کی خلافت تک برقرار	•	•	•	•	•	۲۷۶/۲
۲	حضرت عثمان بن عمرو دؤلی	کنانہ/ دئل	•	بنو اسد	وفد کے زمانے میں	•	•	•	•	•	•	•
مشرقی قبائل												
۱	حضرت مالک بن عوف نصری	ہوازن/نصر	ف	نصر، ثمالہ، سلمہ، فہم	۸ھ/۶۳۰ء	•	۴۹۱/۲	۹۵۵	۳۱۲/۱	•	۸۸-۹/۳	۲۹۰/۴
۲	حضرت صفوان بن صفوان	•	ق	بنو عمرو	۹ھ/ //	•	•	•	•	•	•	۲۳/۳
جنوبی قبائل												
۱	حضرت صرد بن عبداللہ	ازد جرش	ق	اپنی قوم کے مسلمان	۱۰ھ/۶۳۱ء	اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے	۵۸۷/۲	•	۳۳۸/۱	•	۱۳۰-۱/۳	۱۷/۳
۲	حضرت مالک بن نمط	ہمدان/ خارف	//	//	// //	//	•	•	•	•	•	۲۹۴/۴

۳	حضرت عامر بن شہر	//بکیلہ	//	ہمدان	//	//	•	•	•	•	•	•	۸۳/۳
۴	حضرت فروہ بن مسیک	مراد	ق	مراد، زبید، مذحج	//	//	اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے، عامل بھی تھے	۵۸۳/۲	•	۳۲۷/۱	•	۱۲۸/۳	۱۸۰/۵
۵	حضرت قتادہ بن عیاش	جرش	//	اپنی قوم	//	//	اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے	•	•	•	•	•	۱۹۴/۵
۶	حضرت قیس بن حصین	مذحج/حارث	//	بنوالحارث بن کعب	//	//	//	۵۹۴/۲	•	۳۴۰/۱	•	۱۲۸/۳	•
۷	حضرت قیس بن سلمہ	جعفی/سعد العشیرہ	//	مران، ہویم، کلاب، موالی	//	//	//	•	•	۳۲۵/۱	•	•	۲۱۷/۴
۸	حضرت قیس بن مالک	ہمدان/ارحب	د	اپنی قوم	•		//	•	•	۳۴۰-۱/۱	•	•	۲۳۴-۵/۵
۹	حضرت مالک بن مرارہ	رہا	ق	یمن	//	//	//	•	•	•	•	•	۲۹۳/۴
۱۰	حضرت وائل بن حجر	حضرموت	//	حضرموت	//	//	//	•	•	•	•	•	۸۱/۵
۱۱	حضرت حیان بن بح	صُداء	//	صُداء	//	//	//	•	•	•	•	•	۶۸/۲
۱۲	حضرت اشعث بن قیس	کندہ	//	کندہ	//	//	//	•	•	۱۳۸-۹/۱	•	•	۹۷-۹/۱

قبائل پراگندہ عرب

۱	حضرت جارود بن معلّی	عبدالقیس	ق	عبدالقیس	۹-۸ھ/۳۱-۶۳۰ء		اپنی قوم کے وفد میں آئے	•	•	۱۳۶-۷/۱	•	•	۲۶۰-۱/۱
۲	حضرت زبرقان بن بدر	تمیم/سعد	//	تمیم/بنوعوف، سعد	//	//	//	•	•	۱۱۵-۹/۱	•	•	۱۹۴-۵/۲
۳	حضرت قیس بن زید	•	//	اپنی قوم	//	//	//	•	•	•	•	•	۲۲۹/۵
۴	حضرت قیس بن عمیر	•	//	//	//	//	//	•	•	•	•	•	۲۲۳/۵
۵	حضرت عبادہ بن اشیب	عنز بن وائل	//	//	//	//	//	•	•	•	•	•	۱۰۴/۳

نقباءِ مدینہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	نقیب	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ مہم	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج/نجار	و	بنو نجار	۶۲۲ء	(اھ متوفی) نقیب اعظم یا نقیب النقباء بھی تھے	۳۰۳/۲	•	۲۲۰/۱ ۱۰۸-۱۲۱/۱	انساب ۲۵۲ نسب ۳۰	• ۱؎	۱-۳/۱
۲	حضرت سعد بن ربیع	// /حارث	//	بنو حارث	//	احد میں شہید	//	•	//	انساب ۲۵۲	•	۲۷۷-۸/۲
۳	حضرت عبداللہ بن رواحہ	// //	//	//	//	موتہ میں شہید	//	•	۶۲۱-۳/۳	//	•	۱۵۶-۹/۳
۴	حضرت رافع بن مالک	// /زریق	//	بنو زریق	//	•	//	•	۶۲۱-۲/۳	//	•	۱۵۷-۹/۲
۵	حضرت براء بن معرور	// / سلمہ	//	بنو سلمہ	//	متوفی قبل از ہجرت نبوی	//	•	۶۱۸-۲۰/۳	//	•	۱۷۳-۳/۱
۶	حضرت بشر بن براء بن معرور	// //	//	//	//	اپنے والد کی وفات کے بعد	//	•	•	•	•	۱۸۳-۳/۱
۷	حضرت عبداللہ بن عمرو	• //	//	•	//	•	//	•	۶۲۰-۱/۳	//	•	۲۳۱-۳/۳
۸	حضرت سعد بن عبادہ	// /ساعدہ	//	بنو ساعدہ	//	•	//	•	۶۱۳-۷/۳	//	•	۲۸۳-۵/۲
۹	حضرت منذر بن عمرو	// //	//	//	//	•	//	•	۳۱۸/۳	//	•	۳۱۸-۹/۴
۱۰	حضرت عبادہ بن صامت	// /قواقلہ	//	قواقلہ	//	•	//	•	۶۲۱/۳	//	•	۱۰۶-۷/۳
۱۱	حضرت عمرو بن جموح	// /سلمہ	//	بنو سلمہ	//	•	//	•	•	•	•	۹۳-۵/۴
۱۲	حضرت اسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	//	عبدالاشہل	//	•	//	•	۶۰۳-۷/۳	//	•	۹۲-۳/۱
۱۳	حضرت سعد بن خیثمہ	// /غنم	//	بنو غنم	//	•	//	•	۶۰۷/۳	//	•	۲۷۵-۶/۲
۱۴	حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر	// /بنو ظفر	//	بنو ظفر	//	•	//	•	•	•	•	۱۸۱-۲/۲
۱۵	حضرت ابوالہیثم بن التیہان	// //	//	بنو عمرو بن عوف	//	•	•	•	۶۰۷/۳	•	•	•
۱۶	حضرت رافع بن خدیج	// /عمرو بن مالک	//	عمرو بن مالک	•	•	•	•	•	•	•	۱۵۱-۵۲/۲
۱۷	حضرت مسیب بن عمرو	خزرج	//	•	•	•	•	•	•	•	•	۳۶۷/۴
۱۸	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	قریش/ہاشم	اولین مسلم	بنو نجار	۶۲۲ء	حضرت اسعد بن زرارہ کے انتقال کے بعد نقیب النقباء	•	•	۶۱۱/۳	•	•	•

مرکزی عاملین صدقات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج/نجار	د	سعد ہذیم/جذام	غالباً ۷ھ/۶۲۹ء	دونوں کو مشترکہ طور پر بھیجا گیا تھا	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۳۹-۵۱/۱
۲	حضرت عنبسہ	// //	•	// //	// //		•	•	//	•	•	۱۵۱/۴
۳	حضرت ولید بن عقبہ اموی	قریش/امیہ	ع/ف	بنو مصطلق	// //	تقرری ہوئی مگر وصولیابی نہیں کر سکے	•	۹۸۰-۸۱	۱۶۱/۲	•	•	۹۰-۹۱/۵
۴	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبد الاشہل	د	//	// //	حضرت ولید اموی کی جگہ مقرر تقرری بنو مصطلق کی فرمائش پر	•	۹۸۱	۱۶۱-۲/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳
۵	حضرت عمرو بن عاص	قریش/سہم	ع	ہوازن/علاقہ حنین	۸ھ/۶۳۰ء	•	•	•	•	•	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴
۶	// // //	// //	//	غطفان/فزارہ	۹-۸ھ/۳۱-۶۳۰ء	•	•	۹۷۳	۱۶۰/۲	•	•	//
۷	// // //	// //	//	قضاعہ	// //	•	•	•	•	•	۰/۳	//
۸	// // //	// //	//	عمان	۱۱-۱۰ھ/۳۲-۶۳۱ء	•	•	•	•	•	•	//
۹	حضرت کلاب بن امیہ	کنانہ/لیث	•	ثقیف	آغاز ۹ھ/۶۳۱ء	اونٹوں کے عشور کے لئے	•	•	•	•	•	۲۵۰/۴
۱۰	حضرت سالف بن عثمان بن معتب	ثقیف	•	//	// //	غالباً عام صدقات کے لئے		•	•	انساب ۵۳۶	•	•
۱۱	حضرت بسر بن سفیان (۱)	قریش/عدی	ع	خزاعہ/کعب	// //	خزاعہ نے صدقات ادا کرنا چاہا مگر تمیم نے ان کو جبراً روک دیا	•	۹۷۳	۲۹۳/۱	•	•	۱۸۱-۲/۱
۱۲	حضرت بریدہ بن حصیب	اسلم	س	غفار و اسلم	// //	•	•	//	۱۶۰/۲	•	•	۱۷۵-۶/۱
۱۳	حضرت رافع بن مکیث	جہینہ	//	جہینہ	// //	•	•	//	//	•	•	۱۵۹-۶۰/۲
۱۴	حضرت عباد بن بشر	اوس/عبد الاشہل	د	مزینہ اور سلیم	// //	•	•	//	//	•	•	سابق
۱۵	حضرت ضحاک بن سفیان	کلاب/عامر بن صعصعہ	س	کلاب	// //	•	•	//	۳۰۰/۱	•	•	۳۶/۳

۱۲	حضرت معاذ بن جبل	خزرج/جشم	د	قریٔ عربیہ	//	//	•	•	•	•	•	یحیی بن آدم	•
۱۷	حضرت عکرمہ بن ابی جہل	قریش/مخزوم	ف	ہوازن	۱۰-۹ھ/۲-۶۳۱ء		روایت کے مطابق وفات نبوی کے سال تقرری	•	•	۳۰۲/۷	•	۲/۳	۴-۶/۴
۱۸	حضرت حذیفہ بن یمان	ازد	س	ازد	//	//		•	•	•	•	•	•
۱۹	حضرت معاویہ بن ابی سفیان	قریش/امیہ	ع	قبائل حضرموت	//	//		•	•	•	•	•	۳۸۵-۷/۴
۲۰	حضرت عیینہ بن حصن فزاری	غطفان/فزارہ	ف	تمیم	//	//	روایت ہے کہ ان کو ۹ھ میں بھیجا گیا تھا	•	•	۱۶۰/۲	•	•	۱۶۶-۷/۴
۲۱	حضرت ابن اللتبیہ	ازد	•	بنی ظبیان	//	//	//	•	۹۷۳	//	•	•	۳۲۹-۳۰/۵
۲۲	حضرت سنان بن ابی سنان	اسد/حلیف عبدالاشہل	د	بنو مالک	//	//	•	•	•	•	•	۱۷۸/۳	۳۵۸/۴
۲۳	حضرت قضاعی بن عمرو	عذرہ	•	بنو حارث	//	//	•	•	•	۱۷۰/۱	•	//	۲۰۵/۵
۲۴	حضرت عکرمہ بن حفصہ	قیس عیلان/ہوازن	•	بدیل، بسر اوران کے حلفاء	•		•	•	•	۱۷۲-۳/۱	•	•	•
۲۵	حضرت عبادہ بن صامت	خزرج/عمرو بن عوف	د	•	•		•	•	•	•	•	•	۱۰۶-۷/۳
۲۶	حضرت ارقم بن ابی الارقم	قریش/مخزوم	الف	•	•		•	•	•	•	•	•	۵۹-۶۱/۱
۲۷	حضرت زیاد بن حنظلہ	تمیم	•	•	•		•	•	•	•	•	•	۲۱۳/۲
۲۸	حضرت عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	•	•		•	•	•	•	•	بخاری بحوالہ کتانی	اول ص۳۹۶
۲۹	حضرت عبداللہ بن خطل (۲)	قریش/ادرم	د	•	•		•	•	۸۵۹-۶۰	•	•	۵۹/۳	•
۳۰	حضرت ادرم بن غالب (۳)	•	•	•	•		•	•	•	•	•	•	ابن خلدون اول ۸۰۷

(۱) ایک روایت میں ان کی جگہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام قریشی عدوی کا نام ہے، واقدی، ص: ۳-۹۷۳

(۲) و (۳) دونوں مرتد ہوگئے اور بعد میں قتل ہوئے۔

مقامی عاملین صدقات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
شمالی قبائل												
۱	حضرت عمرو بن حکم	قضاعہ/قین	ق	قین	۱۰-۹ھ/۳۲-۶۳۱ء	•	•	•	•	•	•	۹۹۰/۵
۲	حضرت ابن الاصبغ	کلب	ط	کلب	۹-۶ھ/۳۱-۶۲۸ء	•	•	•	•	•	•	۹۹/۵
۳	حضرت عبداللہ بن حکیم	بنوضبیب	ق	بنوضبیب	۱۰-۹ھ/۲-۶۳۱ء	•	•	•	•	•	•	۱۳۵/۳
مشرقی قبائل												
۱	حضرت قضاعی بن عمرو	عذرہ	ع	بنواسد	۱۰-۹ھ/۲-۶۳۱ء	•	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۲۰۵/۵
۲	حضرت عدی بن حاتم طائی	طے	ق	بنواسد و طے	// //	•	۲۰۰/۲	•	۳۲۲/۱	•	۱۴۷/۳	۳۹۲-۲/۳
۳	حضرت کافیہ بن سبع	اسد	•	اسد	// //	•	•	•	•	کتانی اول ۳۹۶	•	•
۴	حضرت کہل بن مالک	ہذیل	•	ہذیل	// //	•	•	•	•	۳۹۷ //	•	•
۵	حضرت خزیمہ بن عاصم	عکل	ق	الاحلاف	// //	•	•	•	•	// //	•	•
۶	حضرت مرداس بن مالک	قیس عیلان/غنی	//	بنوغنی	// //	•	•	•	•	۳۹۸ //	•	•
۷	حضرت الہیثم	سلیم	//	سلیم	// //	•	•	•	•	// //	•	۷۵/۵
مغربی قبائل												
۱	حضرت جندب بن مکیث	جہینہ	ط	جہینہ	// //	•	•	•	•	•	•	۳۰۶/۱
۲	حضرت حارث بن ضرار	بنومصطلق	//	بنومصطلق	// //	•	•	•	•	•	•	۳۳۴-۵/۱

قبائل پراگندہ عرب

۱	حضرت قیس بن عاصم	تمیم/اسد	ق	تمیم/اسد	۱۰-۹ھ/۶۳۱-۶۳۲ء	•	۶۰۰/۲	•	•	•	۱۴۷/۳	۲۱۹-۲۱/۴
۲	حضرت سہل بن منجاب	//	//	// •	// //	•	•	•	•	•	•	۳۶۹-۷۰/۲
۳	حضرت زبرقان بن بدر	// //	//	// //	// //	•	۶۰۰/۲	•	•	•	۱۴۷/۳	۱۹۳-۵/۲
۴	حضرت صفوان بن صفوان	// •	//	// •	// //	•	•	•	•	•	•	۲۷-۸/۳
۵	حضرت مالک بن نویرہ	// /یربوع	//	// /یربوع	// //	•	۶۰۰/۲	•	•	•	۱۴۷/۳	۲۹۵/۳
۶	حضرت متمم بن نویرہ	// //	//	// //	// //	•	•	•	•	کتانی اول ۳۹۷	•	•
۷	حضرت خزیمہ بن عاصم	وائل/عوف	//	بنوعوف/وائل	// //	•	•	•	•	•	•	۱۱۶/۲
۸	حضرت غاضرہ بن سمرہ	تمیم/عنبر	//	•	// //	•	•	•	•	•	•	۱۶۷/۵
۹	حضرت شبر بن صعقوق	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	۳۸۴/۲
۱۰	حضرت ابوجہم بن حذیفہ	•	•	•	•	•	•	•	•	کتانی اول ۳۹۷	•	•
۱۱	حضرت قرۃ بن دعموص	•	•	•	•	•	•	•	•	۳۹۸ //	•	•

پیداوار کا تخمینہ لگانے والے افسران صحابہ کرام ؓ

نمبر شمار	اسمائے افسران	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرری	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت فروہ بن عمرو	خزرج/بیاضہ	د	مدینہ	۱۱-۳ھ/۳۲-۶۲۵ء	مدینہ کی پیداوار کا تخمینہ لگاتے تھے، خوشوں کی بنیاد پر	•	•	•	•	•	۱۷۸-۹/۴
۲	حضرت عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	طائف	۱۱-۸ھ/۳۲-۶۳۰ء	طائف میں قریشی باغات کے افسر تخمینہ	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	سابق
۳	حضرت عبداللہ رواحہ	خزرج/حارث	د	خیبر	۸-۷ھ/۹-۶۲۸ء	شہید موتہ	۳۵۴/۲	۶۹۱	۱۱۰/۲	قب ۳۷	۲۰-۲۱/۳	۱۵۶-۹/۳
۴	حضرت ابوالہیثم بن التیہان	اوس/عبدالاشہل	//	//	۱۱-۸ھ/۳۲-۶۳۰ء	حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد	•	//	•	•	•	۳۱۸/۵
۵	حضرت جبار بن صخر	خزرج/سلمہ	//	//	// //	حضرت عبداللہ بن رواح کے بعد اور حضرت ابوالہیثم کے ساتھ	۳۴۵/۲	•	•	•	۲۰/۳	۲۶۵/۱
۶	حضرت زید بن سلمہ	خزرج/نجار	س	//	// //	// // // // //	•	•	•	•	•	۲۳۲/۲
۷	حضرت عمرو بن سعید	قریش/امیہ	الف	//	•	ایک بار تخمینہ لگایا	•	•	•	•	•	۱۰۷-۸/۴
۸	حضرت ابوحثمہ عمرو بن ساعدہ	خزرج/حارث	س	//		حضرت علی کی خلافت تک برقرار رہے	•	•	•	•	•	۱۶۹/۵
۹	حضرت سہل بن ابی حثمہ	// //	//	•	•	•	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	•
۱۰	حضرت ابوزبید بن الصلت	کندہ	ق	•	•	•	•	•	•	•	•	۲۰۵/۵
۱۱	حضرت الصلت بن معدیکرب	//	//	•	•	•	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	•

چراگاہ کے افسران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے افسران	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت ذرین بن ابی ذر	غفار	ب	مدینہ/الجمع	۲-۱ھ/۲۴-۶۲۳ء	کرز بن جابر فہری کے ہاتھوں شہید	•	•	•	•	•	•
۲	حضرت یسار	حبشی/مولائے رسول	الف/س	″/ذوالجدر	۶-۱ھ/۲۸-۶۲۳ء	عرینہ کے لوگوں کے ہاتھوں شہید	•	•	•	•	۱۷۲/۳	۱۳۵/۵
۳	حضرت ابورافع	″ ″	″	″ / •	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۳ء	•	•	•	•	•	•	۱۹۱/۵
۴	حضرت عریب المالکی	• •	ب	″ /الغابہ	۲-۱ھ/۲۴-۶۲۳ء	•	•	•	•	•	•	•
۵	حضرت بلال بن حارث	مزینہ	س	نقیع	۱۱-۵ھ/۳۲-۶۲۷ء	•	•	۵۳۸/۹	۸۰-۱/۲	انساب ۳۳۸	کنانی اول ۳۳۹	•
۶	حضرت عبید بن مروح	″	″	″	″ ″	•	•	۴۲۶/۷	•	•	•	۳۵۳/۳
۷	حضرت سعد بن ابی وقاص	قریش/زہرہ	الف	وج/طائف	۱۱-۹ھ/۳۲-۶۳۰	•	•	•	•	•	•	″

مبلغین و معلمین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر	مبلغ/معلم	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت مصعب بن عمیر	قریش/عبد الدار	الف	مدینہ/اوس وخزرج	۶۲۱ء	مدینہ کے بیشتر لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور تعلیم دی	•	•	۲۲۰/۱	•	•	۳۶۸-۹/۴
۲	حضرات شہداء بئر معونہ	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•
۳	حضرات شہداء رجیع	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•	•
۴	حضرت معاذ بن جبل	خزرج/جشم	د	مکہ مکرمہ	۸ھ/۶۳۰ء	قریش کے نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے	۵۰۰/۲	۸۸۹،۹۵۹	۱۳۷/۲	۳۶۵/۱	۹۴/۳	۳۷۶-۸/۴
۵	حضرت ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	//	// //							۳۰۸-۹/۵
۶	حضرت عباد بن بشر (۱)	اوس/عبد الاشہل	د	بنو مصطلق	۹-۸ھ/ //	بنو مصطلق کے نومسلموں کو // // // دس دن قیام کیا	•	•	۱۶۱-۲/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳
۷	حضرت خالد بن ولید مخزومی	قریش/مخزوم	ع	نجران/بنو حارث بن کعب	۱۰-۹ھ/۳۱-۶۳۰ء	تبلیغ و تعلیم	•	•	•	•	۳۳۶-۷/۳	سابق
۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	یمن/مذحج	// //	// //	•	•	•	•	۳۳۰-۱/۳	//
۹	حضرت اوس بن حدثان	ہوازن	ط	منیٰ/مکہ مکرمہ	۹ھ/۶۳۱ء	مذہبی اعلان اور تعلیمات بیان کرنے کے لئے	•	•	•	•	•	۱۴۱-۲/۱
۱۰	حضرت محیصہ بن مسعود	اوس/حارث	د	فدک	// //	تبلیغ و تعلیم	•	۷-۷۰۶	•	•	•	۳۳۴/۴
۱۱	حضرت عمرو بن مرہ	جہینہ	•	جہینہ	•	// //	•	•	۳۳۳-۴/۱	قسب ۴۲	•	۱۳۱/۴
۱۲	حضرت ضحاک بن سفیان	عامر بن صعصعہ/کلاب	س	کلاب	•	// قبیلہ والے مسلمان ہوگئے	•	•	•	•	•	•
۱۳	حضرت جرثوم بن ناشب	قضاعہ	ط	اپنی قوم	•	// // // //	•	•	•	•	•	۲۷۶/۱
۱۴	حضرت ساریہ بن اولیٰ	بنو قیس	•	بنو مرہ	•	•	•	•	•	•	•	۲۴۴/۲
۱۵	حضرت جریر بن عبد اللہ	بجیلہ	ق	ذو الکلاع، ذو عمرو	۱۱-۱۰ھ/۶۳۲ء	وہاں وفات نبوی تک قیام کیا	•	•	•	•	۱۸۷/۳	۲۷۹-۸۰/۱

۱۶	حضرت وبر بن یحنس/یحنس	خزاعہ	•	فیروز دیلمی وغیرہ ابنائے یمن	// //	// // //	•	•	•	•	//	۸۳/۵
۱۷	حضرت اقرع بن عبداللہ	حمیر	ق	ذوزود، ذومران	// //	•	•	•	•	•	//	۱۱۰/۱
۱۸	حضرت فرات بن حیان	ربیعہ/عجل	ط	ثمامہ اور اسد	۱۱-۱۰ھ/۶۳۲ء	•	•	•	•	•	۱۸۷/۳	۱۷۵-۶/۳
۱۹	حضرت زیاد بن حنظلہ	تمیم/عمرو	ق	بنوتمیم	// //	•	•	•	•	•	•	۲۱۳/۲
۲۰	حضرت صلصل بن شرحبیل	•	//	بنوعامر	// //	•	•	•	•	•	•	۲۹/۳
۲۱	حضرت ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	//	بنوصیداء	// //	•	•	•	•	•	•	۳۹-۴۰/۳
۲۲	حضرت نعیم بن مسعود	غطفان/اشجع	ط	ابن ذی اللحیان وجبیری	// //	•	•	•	•	•	•	۳۳-۴/۵
۲۳	حضرت عبداللہ بن مسعود	ہذیل	الف		۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء							
۲۴	حضرت ابی بن کعب	خزرج/نجار	د	مدینہ	// //	مدینہ کے اور شہر رسول میں آنے والے مسلمانوں کو تعلیم دیتے تھے						
۲۵	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ	مولیٰ بنی امیہ	الف		// //		•	•	•	•	•	•
۲۶	حضرت عبادہ بن صامت	•	د		// //							
۲۷	حضرت خالد بن سعید	قریش/امیہ	الف									
۲۸	حضرت عمرو بن سعید	// //	//									
۲۹	حضرت ابان بن سعید	// //	ف	مدینہ/طائف	۸ھ/۶۳۰ء	طائف کے غلاموں کے معلمین و مربی	•	•	•	•	•	•
۳۰	حضرت عثمان بن عفان	// //	الف									
۳۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د									
۳۲	حضرت اسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	//									

(۱) بلاذری، انساب: ۳۴۱/۱ کے مطابق جنگ مریسیع سے قبل حکم نبوی پر حضرت عمر نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تھا۔

مفتیان گرامی قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	اسمائے مفتی	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	زمانۂ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
١	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	مدینہ منورہ	١١-١ھ/٣٢-٦٢٢ء	•	•	•	٣٣٥/٢	•	•	٢٥٠-٢٢/٣
٢	حضرت عمر فاروق	//عدی	ب	//	// //	•	•	•	٣٥٠/٢	•	•	٣٧٧/٤
٣	حضرت عثمان غنی	//امیہ	الف	//	// //	•	•	•	//	•	•	//
٤	حضرت علی مرتضی	//ہاشم	//	//	// //	•	•	•	//	•	•	//
٥	حضرت عبدالرحمن بن عوف	//زہرہ	//	//	// //	•	•	•	٣٤٠/٢	•	•	٣١٣-٧/٣
٦	حضرت معاذ بن جبل	//جشم	د	//یمن	// //	•	•	•	٣٥٠،٣٣٨/٢	•	•	٣٧٧/٤
٧	حضرت ابی بن کعب	نجار	//	//	// //	•	•	•	٣٥٠/٢	•	•	//
٨	حضرت زید بن ثابت	//	//	//	// //	•	•	•	//	•	•	//
٩	متعدد دوسرے گمنام حضرات	•	•	•	// //	•	•	•	•	•	•	•

ائمہ مساجد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر شمار	امام مسجد	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	زمانہ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج/نجار	و	مدینہ	۱ھ/۲-۶۲۱ء	•	•	•	•	•	•	•
۲	حضرت مصعب بن عمیر	قریش/عبدالدار	الف	//	// //	•	•	•	•	•	•	•
۳	حضرت سالم مولی ابی حذیفہ	مولی بنی امیہ	الف/س	//	// //	•	•	•	•	•	•	•
۴	حضرت حنظلہ بن ابی حنظلہ	انصاری	//	// / قبا	// //		•	•		•	•	۵۶/۳
۵	حضرت عتبان بن مالک	خزرج/سالم	//	//	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۳ء	•	•	•	•	•	•	۲۵۹-۶۰/۳
۶	حضرت عبداللہ بن عمیر	اوس/خطمہ	//	// مسجد بنی خطمہ	// //	•	•	•	•	•	•	۲۳۷/۳
۷	حضرت معاذ بن جبل	خزرج/جشم	//	// مسجد جشم	۹-۱ھ/۳۰-۶۲۲ء	•			•	بخاری- بدء الأذان		•
۸	حضرت اسید بن حضیر	اوس/عبدالاشہل	//	// عبدالاشہل	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	•	•	•	•	سنن ابی داؤد		•
۹	حضرت ابوزید	انصاری	//	عمان	۹-۸ھ/۶۳۰ء	•	•	•	•	۸-۸۷	•	۲۰۳/۵
۱۰	حضرت شداد بن ثمامہ	بنوکعب بن اوس	ق	اپنی قوم	۱۰-۹ھ/۳۱-۶۳۰ء	•	•	•	•	•	•	۳۸۸/۲
۱۱	حضرت عمرو بن سلمہ	بنوجرم	د/س	//	۱۱-۲ھ/۳۲-۶۲۳ء	•	•	•	•	•	•	•
۱۲	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف	قریش/زہرہ	الف	لشکر مسلمانان تبوک	۹ھ/۶۳۱ء	ایک نماز پڑھائی تھی	•	•	•	•	•	•
۱۳	حضرت ابوبکر صدیق	// /تیم	//	//	// //	نصف لشکر کے مستقل امام تھے	•	۹۹۵	۱۶۵/۲	•	•	۲۰۵-۲۳/۳
۱۴	// //	// / //	//	مدینہ/مسجد نبوی	ربیع الاول ۱۱ھ /جون ۶۳۲ء	رسول کریم ﷺ کے مرض الموت میں سترہ نمازیں پڑھائیں	•	•	۲۱۵-۶/۲	•	۱۹۶-۸/۳	//

مؤذنین رسول ﷺ صحابہ کرامؓ

نمبر شمار	اسمائے مؤذن	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/علاقہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	حضرت بلال بن رباح	حبشی/مولائے رسول	الف	مدینہ/مسجد نبوی	۱۱-۱ھ/۳۲-۶۲۲ء	رسول کریم ﷺ کے سفر و حضر کے مؤذن	•	•	۲۳۸/۱	۵۲۶/۱	•	۹/۱-۲۰۶
۲	حضرت عمرو بن ام مکتوم	قریش/عامر بن لوی	//	// //	// //	رمضان کے شب میں ایک اذان دیتے تھے	•	•	۲۳۴/۳	•	•	//
۳	حضرت سعد بن عائذ (سعد القرظ)	مولی عمار بن یاسر	س	مسجد قبا	// //	مستقل مؤذن	•	•	•	•	•	۳/۲-۲۸۲
۴	حضرت عبدالعزیز بن اصم	•	•	•	// //	// / ایک بار اذان دی تھی	•	۸۳۶، ۷۳۸	•	•	•	۳۲۸/۳
۵	حضرت زید بن حارث	صداء	•	•	•	//	•	•	•	•	کتانی اول ۷۳	•
۶	حضرت ثوبان	مولائے رسول	س	مدینہ	•	//	•	•	•	•	// ۷۶	•
۷	حضرت عثمان بن عفان	قریش/امیہ	الف	//	// //	جمعہ کی ایک اذان دیتے تھے/ دی تھی	•	•	•	۵۲۷/۱	// //	•
۸	حضرت ابو محذورہ اوس بن معیر	قریش/جمح	ف	خانہ کعبہ/مکہ/جعرانہ	۱۱-۸ھ/۳۲-۶۳۰ء	مسجد حرام کے مستقل مؤذن/ جعرانہ میں پہلی اذان	•	•	۲۳۸/۱	۵۲۶/۱ ۵۲۸/۱	•	۲۹۲/۵
۹	حضرت سفیان بن قیس	کندہ	ق	قبیلہ کندہ	۱۱-۱۰ھ/۳۲-۶۳۱ء	قبیلہ کندہ کے مستقل مؤذن مقرر ہوئے تھے	•	•	•	•	•	۳۲۱/۱

افسران امورِ حج صحابہ کرام ﷺ

نمبر شمار	اسمائے افسر	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
امراء حج												
۱	حضرت عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	فتح مکہ	۸ھ/۶۳۰ء	بحیثیت والی مکہ امیر حج بنے	۵۰۰/۲	۹۵۹	۱۳۷/۲	فب ۵۳	۳۷۰،۹۲/۳	۳۵۸-۹/۳
۲	حضرت ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	سال دیگر	۹ھ/۶۳۱ء	رسول کریم کے نائب کے حیثیت سے	۵۴۳/۲ ۶۵۴/۲	۱۰۷۷	۱۶۸/۲	۰	۱۲۲-۳/۳	۲۰۵-۲۲/۳
۳	حضرت رسول کریم ﷺ	قریش/ہاشم	اول المسلمین	حجۃ الوداع	۱۰ھ/۶۳۲ء	سربراہ مملکت اسلامی کی حیثیت سے	۰	۰	۰	۰	۰	۰
خانہ کعبہ کے متولی اور ساقی حرم												
۱	حضرت عثمان بن طلحہ	قریش/عبدالدار	ع	خانہ کعبہ/حجابہ	۱۱-۸ھ/۳۲-۶۳۰ء	مستقل متولی اور کلید بردار کعبہ	۰	۸۳۳-۸	۱۳۷/۲	۰	۰	۳۷۲/۳
۲	حضرت عباس بن عبدالمطلب	قریش/ہاشم	ف	//سقایہ	// / //	مستقل سقایہ کے عہدہ دار	۰	۸۳۸	//	۰	۰	۱۰۹-۱۲/۳
حدودِ حرم کی تعین کے افسر												
۱	حضرت تمیم بن اسید	خزاعہ	ف	حرم مکہ	۸ھ/۶۳۰ء	ازسرنو نصب حرم کی گئی	۰	۸۴۲	۱۳۷/۲	۰	۰	۲۱۴/۱

ھدی کے نگراں افسر صحابۂ کرام ؓ

۱	حضرت ناجیہ بن جندب	اسلم	س	مدینہ تا مکہ	۱۱-۶ھ/	۶۳۲-۶۲۸ء	مستقل افسر، حدیبیہ، عمرۃ القضاء، حج ابی بکر، حجۃ الوداع	•	۵۲۴/۲۳ ۱۰۹۰، ۱۰۷۷	۱۶۸/۲، ۱۲۱، ۱۷۳	۳۵۳/۱	۶۲۳/۲	۳/۵
۲	حضرت ذویب بن حلحلہ	خزاعہ/کعب	•	//	//	//	•	•	•	•	•	•	۱۴۷/۲
۳	حضرت عمرو بن ثمالی	ہوازن/ثمالہ	•	//	//	//	•	•	•	•	•	۱۴۷/۳	۹۲/۴
۴	حضرت علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	//	//	//	ایک بار	•	•	•	•	بخاری- کتاب الحج	
۵	حضرت خالد بن سیار	کنانہ/غفار	•	//	//	//	•	•	•	•	•	جمہرہ ۱۷۶	اصابہ ۲۱۷۰

محمد ہارون مظفر نگری

بعض وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں

نمبر شمار	کنیت	نام	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	وفات ومدفن	مدت عمر	تعداد روایات	اسد الغابہ	سیر الصحابہ	اسماء رجال مشکوٰۃ
۱	ابوبکر صدیق ؓ	عبداللہ بن عثمان ابو قحافہ ؓ	قریش، بن تیم	مردوں میں سب سے پہلے	شب سہ شنبہ ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ حجرۂ عائشہ	۶۳	۱۴۲	۳۰۰/۳	۲۳۸/۵	
۲	ابوعبیدہ بن الجراح ؓ	عامر بن عبداللہ بن جراح ؓ	قریش، بنو فہر	سابقیت، دار ارقم سے پہلے	۱۸ھ طاعون عمواس، مقام عمواس	۵۸	۱۴	۱۵۱/۳	۱۶۴/۲	
۳	ابوہریرہ ؓ	عبدالرحمٰن، یا عبداللہ، یا عمیر ؓ	دوس (یمن)	۷ھ قبل غزوۂ خیبر	۵۹ھ مدینہ منورہ (بقیع)	۸۰	۵۳۷۴	۶۵۵/۶	۲۴۷/۵	
۴	ابوموسیٰ اشعری ؓ	عبداللہ بن قیس ؓ	اشعر (یمن)	سابقیت، قبل ہجرت حبشہ	ذی الحجہ ۴۴ھ کوفہ یا مکہ مکرمہ	۶۵	۳۶۰	۳۴۸/۳	۳۱۴/۲	
۵	ابوسعید خدری ؓ	سعد بن مالک ؓ	خزرج، خُدرہ	قبل ہجرت	۷۴ھ جمعہ، مدینہ منورہ (بقیع)	۸۴	۱۱۷۰	۵۲۹/۶	۱۸۵/۳	
۶	ابوذر غفاری ؓ	جُندب بن جُنادہ ؓ	کنانہ، غفار (یمن)	سابقیت، پانچویں مسلمان	۳۲ھ یا ۳۴ھ مدینہ منورہ کے قریب مقام ربذہ	•	۲۸۱	۴۹۸/۶	۶۶/۳	ص ۵۹۴
۷	ابوالدرداء ؓ	عویمر بن مالک ؓ	خزرج، عدی	۲ھ قبل غزوۂ احد	۳۲ھ، دمشق (شام)	•	۱۷۹	۴۹۶/۶	۱۷۱/۳	
۸	ابوایوب انصاری ؓ	خالد بن زید ؓ	خزرج، بنو نجار	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	۵۲ھ قسطنطنیہ	۸۰	۱۵۰	۶۴۵/۲	۱۰۴/۳	
۹	ابوقتادہ انصاری ؓ	حارث بن ربعی ؓ	خزرج، بنو سلمہ	بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد	۵۴ھ مدینہ منورہ (بقیع)	۷۲	۱۷۱	۶۰۴/۳	۱۹۶/۳	
۱۰	ابوامامہ باہلی ؓ	صُدی بن عجلان ؓ	قیس عیلان، باہلہ	۶ھ قبل غزوۂ حدیبیہ	۸۶ھ ذُنُوہ قریب حمص (شام)	۱۰۶	۲۵۰	۶۴/۳	۲۵۳/۴	
۱۱	ابوبکرہ ؓ	نفیع بن الحارث ؓ	بنو ثقیف	شوال ۸ھ (دوران محاصرۂ طائف)	۵۱ھ یا ۵۲ھ عہد معاویہ ؓ بصرہ	•	۱۳۲	۴۵۵/۶	۲۵۹/۴	

۱۲	ابومسعود بدریؓ	عقبہ بن عمروؓ	خزرج، خُدارہ	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	۳۱ھ یا ۳۲ھ مدینہ منورہ	۰	۱۰۲	۶/۶۳۲	۳/۱۹۳	
۱۳	ابوطلحہ انصاریؓ	زید بن سہلؓ	خزرج، بنو نجار	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	۵۱ھ عہد معاویہؓ، بحری حملہ کے دوران	۷۰	۹۲	۶/۵۵۷	۳/۱۶۰	
۱۴	ابوسلمہؓ	عبداللہ بن عبدالاسدؓ	قریش، بنو مخزوم	سابقیت، دارارقم سے پہلے	جمادی الاخریٰ ۴ھ مدینہ منورہ	۰	۰	۶/۵۳۷	۲/۳۲۶	
۱۵	ابوالعاص بن الربیعؓ	لقیط بن الربیعؓ	قریش، عبدشمس	۸ھ قبل فتح مکہ	۱۲ھ	۰	۰	۶/۵۶۰	۳/۲۹۰	
۱۶	ابوسفیان بن حربؓ	صخر بن حربؓ	قریش، بنو امیہ	۸ھ بموقع فتح مکہ	۳۱ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ یا ۳۴ھ مدینہ منورہ	۸۸	۰	۶/۵۳۵	۴/۲۷	
۱۷	ابورافعؓ	اسلمؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ	قبطی	قبل غزوۂ بدر	ابتدائی عہد خلافت علیؓ، مدینہ منورہ	۰	۶۸	۱/۱۱۷	۲/۲۲۳	
۱۸	ابوبصیرؓ	عتبہ بن اسیدؓ	بنو ثقیف	قبل صلح حدیبیہ	۷ھ مقام عیص ساحل بحر	۰	۰	۶/۳۵۳	۳/۲۵۶	۴/۵۸
۱۹	ابوشریح خزاعیؓ	خویلد بن عمرو، یا عمرو بن خویلد یا کعب بن عمرو، یا ہانی بن عمرو	خزاعہ، بنو کعب	قبل فتح مکہ	۶۸ھ مدینہ منورہ	۰	۲۰	۶/۵۴۶	۳/۲۸۸	
۲۰	ابوجحیفہؓ	وہب بن عبداللہ المعروف بوہب الخیر السوائی	عامری، سوائی	۰	۷۲ھ بصرہ	۰	۴۵	۵/۳۸۴		
۲۱	ابوحذیفہؓ	ہشیم، یا ہشم، یا ہاشم بن عتبہؓ	قریش، عبدشمس	سابقیت، دارارقم سے پہلے	جنگ یمامہ میں شہادت	۵۳	۰	۶/۴۷۷	۲/۳۳۹	
۲۲	ابوسفیان بن حارثؓ	مغیرہ بن حارثؓ	قریش، بنو ہاشم	۸ھ بموقع فتح مکہ	۱۵ھ یا ۲۰ھ مدینہ منورہ (بقیع)	۰	۰	۶/۵۳۱	۴/۲۶۹	
۲۳	ابومحذورہؓ	سمرہ، یا اوس بن معیرؓ	قریش، بنو جمح	۸ھ دوران مراجعت غزوۂ حنین	۵۷ھ یا ۵۹ھ عہد خلافت معاویہؓ	۰	۰	۶/۶۲۷	۴/۳۰۱	
۲۴	ابوبرزہ اسلمیؓ	نضلہ بن عبیدؓ	بنو اسلم	سابقیت	۶۴ھ یا ۶۵ھ بصرہ	۰	۶۴	۶/۴۵۰	۲/۲۵۷	
۲۵	ابوبردہ اشعریؓ	عامر بن قیسؓ	اشعر (یمن)	سابقیت، قبل ہجرت حبشہ	۰	۰	۰	۶/۴۴۹	۲/۳۳۱	
۲۶	ابوبردہ بن نیارؓ	ہانی بن نیارؓ	قضاعہ، بلی	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	۴۱ھ عہد خلافت معاویہؓ	۰	۲۰	۶/۴۴۹	۳/۱۹۸	
۲۷	ابودجانہؓ	سماک بن خرشہؓ	خزرج، بنو ساعدہ	قبل ہجرت	۱۱ھ جنگ یمامہ	۰	۰	۶/۴۹۵	۳/۲۰۹	
۲۸	ابوالہیثم بن التیہانؓ	مالک بن التیہانؓ	اوس، عبدالاشہل	قبل بیعت عقبہ اولیٰ	۲۰ھ خلافت عمرؓ، مدینہ منورہ	۰	۰	۵/۸۰	۳/۲۱۸	

۲۹	ابولبابہ انصاریؓ	رفاعہ بن عبدالمنذرؓ	اوس	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	عہد خلافت علیؓ	•	•	۲/۶۱۷	۳/۲۱۳	
۳۰	ابومرثد غنویؓ	کناز بن حصینؓ	قیس عیلان	سابقیت	۱۲ھ، خلافت ابوبکرؓ	۶۶	•	۲/۶۲۹	۳/۲۹۹	ص ۶۱۸
۳۱	ابومحجنؓ	عمرو بن حبیبؓ	بنوثقیف	ماہ رمضان ۹ھ	جرجان یا آذربائجان	•	•	۲/۶۲۴	۳/۲۹۹	
۳۲	ابوقیس صرمہؓ	صرمہ بن ابی انس قیسؓ	خزرج، بنونجار	بعد ہجرت	•	۱۲۰	•	۲/۶۰۹	۳/۲۲۴	
۳۳	ابوحمید ساعدیؓ	عبدالرحمٰن بن سعدؓ	خزرج، ساعدہ	بعد ہجرت	اخیر عہد خلافت معاویہؓ	•	۲۶	۲/۳۸۳	۳/۲۲۷	ص ۵۹۱
۳۴	ابواسید ساعدیؓ	مالک بن ربیعہؓ	// //	قبل ہجرت	۶۰ھ مدینہ منورہ	۷۸	•	۵/۸۶	۳/۲۳۹	ص ۵۸۵
۳۵	ابوالیسرؓ	کعب بن عمروؓ	خزرج، بنوسلمہ	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	۵۵ھ مدینہ طیبہ	۷۳		۲/۶۶۴	۳/۳۱۲	ص ۶۱۴
۳۶	ابورہم اشعریؓ	مجدی بن قیسؓ	اشعر (یمن)	سابقیت، قبل ہجرت حبشہ	•	•	•	۵/۱۱۵	۳/۳۲۰	
۳۷	ابورہم غفاریؓ	کلثوم بن حصینؓ	غفار (یمن)	بعد ہجرت	•		۲	۲/۵۱۳	۳/۲۷۳	
۳۸	ابوسنانؓ	وہب بن محصنؓ	بنواسد	قبل ہجرت	۵ھ دوران محاصرۂ بنوقریظہ، قبرستان بنوقریظہ	•	•	۲/۵۳۱	۳/۳۱۸	
۳۹	ابو فکیہۃ	یسار رضی اللہ عنہ	بنوازد	سابقیت	قبل غزوۂ بدر	•	•	۲/۶۰۳	۳/۲۸۵	
۴۰	ابوثعلبہ خشنیؓ	جرہم بن ناشبؓ	قضاعہ، بنوکلب	آغاز اسلام	۷۵ھ عہد امیر معاویہؓ (شام)	•	۴۰	۲/۴۵۹	۳/۲۶۵	ص ۵۸۹
۴۱	ابوکبشہؓ	سلیم بن کبشہؓ	دوسی، یا فارسی	قدیم الاسلام	۲۲/جمادی الثانیہ ۱۳ھ سہ شنبہ، خلافت عمرؓ کے دن	•	•	۲/۶۱۴	۳/۲۹۷	
۴۲	ابوجہمؓ	عامر، یا عبید بن حذیفہؓ	قریش، بنوعدی	فتح مکہ کے زمانہ میں	عہد خلافت عبدالملک بن مروان	•	•	۲/۴۶۹	۴/۲۶۱	
۴۳	ابومالک اشعریؓ	کعب بن عاصم اشعریؓ	اشعر (یمن)	بموقع غزوۂ خیبر	عہد خلافت عمر فاروقؓ	•	۲۷	۲/۶۲۱	۴/۲۹۸	ص ۶۱۸
۴۴	ابوواقد لیثیؓ	حارث بن عوف لیثیؓ	کنانہ، بنولیث	قبل ہجرت	۶۸ھ مقام فخ	۷۵ یا ۸۵	۲۴	۲/۶۵۹	۴/۳۰۳	ص ۶۲۲
۴۵	ابوجندلؓ	عاصی بن سہیلؓ	قریش، بنوعامر	قبل صلح حدیبیہ	۱۸ھ عہد خلافت عمرؓ، طاعون عمواس	•	•	۲/۴۶۶	۴/۲۶۳	

محمد عالمگیر مظفر نگری

بعض وہ صحابیات رضی اللہ عنہن جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں

نمبر شمار	کنیت	نام	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	وفات ومدفن	مدت عمر	تعداد روایات	اسد الغابہ	سیر الصحابیہ	اسماء رجال مشکوٰۃ
۱	ام سلمہؓ	ہند بنت ابی امیہ سہیلؓ	قریش، بنو مخزوم	سابقیت	۵۸، یا ۵۹، یا ۶۱، یا ۶۲، یا ۶۳ھ، مدینہ منورہ	۸۴	۳۷۸	۹۸۴/۶	۵۶/۶	ص ۵۹۹
۲	ام حبیبہؓ	رملہ بنت ابی سفیانؓ	قریش، عبد شمس	قدیم الاسلام	ربیع الاول ۴۴ھ مدینہ منورہ	۷۳	۶۵	۹۶۶/۶	۸۲/۶	ص ۵۹۲
۳	ام ایمنؓ	برکۃ بنت ثعلبہؓ	حبشیہ	قدیم الاسلام	عہد خلافت عثمانؓ	•	•	۹۵۸/۶	۱۱۷/۶	
۴	ام ہانیؓ	فاختہ بنت ابی طالبؓ	قریش، بنو ہاشم	۸ھ فتح مکہ کے دن	عہد خلافت معاویہؓ	•	۴۶	۱۰۲۸/۶	۱۴۳/۶	
۵	ام رومانؓ والدۂ عائشہؓ	•	کنانہ	آغاز اسلام	۶ھ یا ۹ھ مدینہ منورہ	•	•	۹۷۸/۶	۱۲۴/۶	
۶	ام الفضلؓ	لبابہ بنت الحارثؓ	کنانہ	قدیم الاسلام	عہد خلافت عثمانؓ، مدینہ طیبہ	•	۳۰	۱۰۱۰/۶	۱۲۲/۶	ص ۶۱۳
۷	ام عطیہؓ	نُسَیبہ بنت الحارثؓ	خزرج، بنو نجار	قبل ہجرت	•	•	۴۱	۱۰۰۳/۶	۱۳۷/۶	ص ۶۱۲
۸	ام قیس بنت محصنؓ	•	بنو اسد	قدیم الاسلام	•	•	۲۴	۱۰۱۱/۶	۲۴۹/۵	ص ۶۱۴
۹	ام سلیمؓ	سہلہ یا رملہ بنت ملحانؓ	خزرج، بنو نجار	قبل بیعت عقبہ	غالباً اوائل خلافت راشدہ	•	•	۹۸۸/۶	۱۲۹/۶	ص ۵۹۹
۱۰	ام حرامؓ	•	خزرج، بنو نجار	//	۲۸ھ عہد خلافت عثمانؓ (جزیرۂ قبرص)	•	•	۹۶۸/۶	۱۷۶/۶	ص ۵۹۲

۱۱	ام خیرؓ	سلمٰی بنت صخرؓ والدۂ ابوبکر صدیقؓ	قریش، بنوتیم	سابقیت	اپنے شوہر ابوقحافہ سے پہلے	•	•	۹۷۴/۲		
۱۲	ام درداءؓ	خیرہ بنت ابی حدرد اسلمیہؓ	بنواسلم	۲ھ اپنے شوہر کے ساتھ	۳۰ھ عہد خلافت عثمانؓ (شام)	•	•	۹۷۵/۲	۱۷۰/۲	ص ۵۹۴
۱۳	ام عمارہؓ	نُسَیبہ بنت کعبؓ	خزرج، بنونجار	۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ	•	•	•	۱۰۰۶/۲	۱۳۵/۲	ص ۶۱۲
۱۴	ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	•	قریش، بنوہاشم	آغاز اسلام	شعبان ۹ھ، مدینہ منورہ	•	•	۱۰۱۴/۲	۱۰۰/۲	
۱۵	ام معبدؓ	عاتکہ بنت خالدؓ	خزاعہ، بنوکعب	سفر ہجرت میں	•	•	•	۸۷۴/۲		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر یسین مظہر صدیقی صاحب کے نقشوں میں مستعمل رموز و اشارات کا مفہوم

صحابہ کرام نے عہد نبوی میں مختلف اوقات میں اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے دو بڑے زمانے ہیں: مکی اور مدنی۔ مکی عہد تیرہ سالہ دور دعوت کے دوران قبول اسلام کی توقیت کرتا ہے مگر اس کے بھی مختلف مراحل ہیں جیسے دس سالہ مدنی دور کے مراحل ہیں لہذا زیادہ سے زیادہ تاریخی و زمانی توقیت کرنے کے لئے ان دونوں بڑے ادوار کو مختلف مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کے لئے مختلف حروف کو بطور رموز استعمال کیا گیا ہے۔ روایات کے اختلاف کی وجہ سے بعض مرحلے دو ادوار کے وسط میں بھی پڑتے ہیں۔

مکی دور اسلام

۱-الف	اولین سہ سالہ دور دعوت میں قبول اسلام		۶۱۰-۶۱۳ء
۲-ب	علانیہ دعوت اسلام میں قبول اسلام		۶۱۳-۶۱۵ء
۳-ج	ہجرت حبشہ کے بعد قبول اسلام	:	۶۱۵-۶۲۰ء
۴-د	آخری مکی دور دعوت میں قبول اسلام	:	۶۲۰-۶۲۲ء
۵-س	ہجرت کے دوران یا معا بعد قبول اسلام	:	۶۲۲-۶۲۳ء

مدنی دور اسلام

۶-ط	بدر و خندق کے غزوات کے عرصہ میں قبول اسلام	۶۲۳-۶۲۷ء
۷-ع	صلح حدیبیہ کے بعد قبول اسلام ۔	۶۲۸-۶۲۹ء
۸-ف	فتح مکہ کے دوران یا معا بعد قبول اسلام	۶۳۰-x ء
۹-ق	حیات نبوی کے آخری دو برسوں میں قبول اسلام	۶۳۱-۶۳۲ء